

پنجاب انٹیلی جنس کا موقف

تحریک احمدیہ کی ابتداء، ارتقاء اور ترقی کے بارے میں پنجاب سی آئی ڈی کی رپورٹ کیا کہتی ہے۔

خاندان

مرزا غلام احمد قادیانی جو کہ احمدیہ فرقہ کا بانی ہے، ۱۸۳۹ء میں ضلع گورداسپور میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلق ایک مغل خاندان سے تھا جو کہ ۱۵۳۰ء میں سمرقند سے ہجرت کر کے آئے اور پنجاب کے ضلع گورداسپور میں قیام پذیر ہو گئے۔ کئی نسلوں تک یہ خاندان برطانوی راج میں معزز عہدوں پر متمکن رہا اور صرف سکھوں کے عہد میں یہ تنزل کا شکار ہوئے۔

دعویٰ اور رد عمل

تاہم مرزا غلام احمد کے باپ مرزا غلام مرتضیٰ کو دوبارہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں نوازا گیا جس نے اپنے بھائیوں کے ہمراہ کشمیر کی سرحدوں اور دوسری جگہوں پر گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ پنجاب کے الحاق کے موقع پر جاگیریں دوبارہ دے دی گئیں اور غلام مرتضیٰ اور اس کے بھائیوں کو سات سو روپے کی پنشن عنایت کی گئی اور انہیں قادیان اور پڑوسی گاؤں میں زمین کے ملکیتی حقوق حاصل رہے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں اس خاندان نے بے بہا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

مرزا غلام احمد نے سب سے پہلے ۱۸۷۶ء میں توجہ حاصل کی جب اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس پر خدا کی طرف سے وحی آتی ہے۔ ۱۸۸۳ء میں اس نے وہ وحی چھپوائی

اور اپنے آپ کو پیغمبر اور نبی ظاہر کیا۔ ۱۸۹۱ء میں اس نے اسلامی عقیدے میں موجود مہدی اور مسیح موجود ہونے کا دعویٰ کیا جس پر ۱۸۷۶ء اور ۱۸۹۱ء کے درمیان جید علماء کی طرف سے اس پر کفر کے فتاویٰ کا آغاز ہو گیا۔ اگرچہ تمام راسخ العقیدہ مسلمان مکاتب فکر نے اس کو کافر اور مرتد گردانتے ہوئے اس کی مذمت شروع کر دی تھی لیکن علم کلام اور علم ادیان میں مہارت کی بنا پر وہ بہت سے لوگوں کو اپنا پیروکار بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ احمدیوں کے عقائد کو تلخیص کے انداز میں ان ”احکام عشرہ“ میں بیان کیا گیا ہے جن کو وہ بیعت کی دس شرطیں گردانتا ہے۔ ان میں تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے اور اس چیز پر زور دیا گیا ہے کہ ”دنیا جنگ کی بجائے امن سے اسلام کے تابع ہو سکتی ہے“۔

مرزا کی تحریروں اور تقریروں کے ساتھ ساتھ اس کے نو مذہبی جذبے نے مسلمانوں کو مضطرب تو کیا مگر جہاں تک یہ بات علم میں آئی ہے کہ کسی ایسے واقعہ کے آثار نظر نہیں آئے جس میں اس کے پیروکاروں نے مسلمانوں کی مساجد یا قبرستانوں کے استعمال سے انکار کیا ہو یا انہیں کسی بھی معاملے میں تنگ کیا گیا ہو سوائے کنگ میں رونما ہونے والے اس واقعہ کے جس میں چند نو احمدیوں نے قصبے کی جامعہ مسجد میں عبادت کے طریق کار میں تبدیلی کی خواہش کا اظہار کیا اور ظاہر ہے قدرتی طور پر مقامی مسلمان آبادی نے اس پر سخت اعتراض کیا۔

لیکھ رام اور عبداللہ آتھم کے بارے میں پیشگوئیاں (۱۸۹۱ء تا ۱۸۹۷ء)

مرزا غلام احمد مخالفین کی موت کی پیشگوئیاں کرنے کی وجہ سے مذہبی سے بھی زیادہ معاشرتی خطرہ بنتا جا رہا تھا۔ اس نے ۱۸۸۶ء میں اور پھر ۱۸۹۳ء میں پنڈت لیکھ رام کی تشدد سے موت کی پیش گوئی کر دی۔ یہ پیش گوئی مارچ ۱۸۷۷ء کو پنڈت لیکھ رام کے قتل سے ثابت کر دی گئی جس نے فطری طور پر مرزا کے اس قتل میں ملوث ہونے کے

شکوک پیدا کیئے۔ حکومت نے انہی شکوک کی بناء پر قادیان میں واقع مرزا کے گھر کی تلاشی کے وارنٹ جاری کر دیئے لیکن ایسی کوئی بھی چیز دستیاب نہ ہو سکی جس کی بناء پر مرزا کو اس مقدمہ میں ماخوذ کیا جاسکتا۔ پنڈت لیکھ رام کی کہانی بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ ایک وقت میں وہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ کی پولیس میں ملازم تھا مگر بداخلاقی، مذموم حرکات اور فرائض منصبی میں کوتاہی کی بناء پر اس کی کئی دفعہ تنزیلی ہوئی اور آخر کار ۱۸۸۴ء میں اس نے استعفیٰ دے دیا۔ بعد میں وہ بہت بڑا آریہ سماجی مبلغ بن گیا۔ پنڈت لیکھ رام کے قتل کے فوری بعد کے رد عمل نے ہندو مسلم تعلقات پر شدید اثر ڈالا۔ پہلا نتیجہ دونوں فرقوں کے مابین صلح کی صورت میں سامنے آیا جس سے آریہ سماج میں پھوٹ پڑ گئی۔ رجعت پسند ہندوؤں اور سکھوں کی ہمدردیاں آریہ سماج کے ساتھ ہو گئیں جنہوں نے پنڈت لیکھ رام کے انجام کا گوبند سنگھ کے انجام سے موازنہ کر کے سکھوں کو اپنا ہمنوا بنالیا۔ یہ صورتحال اس وقت مزید پیچیدہ ہو گئی جب حالیہ پانچ یا چھ ہندوؤں کے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کو مذہبی جنون سے تعبیر کیا جانے لگا۔ اس پر ایک محدود احتجاج شروع ہوا جو زیادہ تر لاہور، امرتسر، لدھیانہ، ہوشیار پور، فیروز پور اور پشاور کے تعلیم یافتہ طبقے خصوصاً طلبہ تک محدود رہا۔ آریہ سماج نے صورتحال کو بھڑکانے کی کوشش کی لیکن کوئی ہنگامہ نہ کھڑا ہو سکا اور صورتحال بتدریج معمول پر آ گئی۔ یہ تجویز بھی تھی کہ مرزا غلام احمد سے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۷ کے تحت اندیشہ نقص امن کی ضمانت طلب کی جائے مگر اس کو عملی جامہ نہ پہنایا جاسکا۔

اس بار مرزا کی پیش گوئیوں کو وسیع پیمانے پر پذیرائی ملی۔ اس نے اپنے ایک عیسائی مخالف عبداللہ آتھم کی موت کی پیش گوئی کی جو مرزا کے بتائے ہوئے عرصہ کے دوران مر گیا۔ ۱۸۹۷ء میں چرچ مشنری سوسائٹی لندن کے مشنری ادارے سے منسلک ڈاکٹر کلارک نے اس الزام کی بناء پر مرزا کے خلاف ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۷ کے تحت کارروائی کرادی کہ اس نے عبداللہ آتھم کے قتل پر ایک شخص کو مامور کیا تھا۔ اگرچہ

اس میں مرزا کی خلاصی ہوگئی مگر ساعت کرنے والے مجسٹریٹ نے مرزا کو سخت تنبیہ کی کہ وہ اشتعال انگیز تحریروں اور منافرت پھیلانے والے کتابچوں سے پرہیز کرے۔ اسے مزید مطلع کیا گیا کہ جب تک وہ اعتدال کے لہجے کو اختیار کیئے رکھے گا وہ ناکام نہیں ہوگا بلکہ اس کے تمام اعمال قانون کے دائرہ میں متصور ہوں گے۔

مرزا کی وفات (مئی ۱۹۰۸)

مرزا غلام احمد نے ۱۹۰۸ء میں اپنی موت کے وقت تک راسخ العقیدہ مسلمانوں کی مخالفت کے باوجود اپنے مذہبی نظریات کا پرچار جاری رکھا۔ لیکن بعض مواقع پر اس کی تعلیمات کا سختی سے رد بھی کیا گیا۔ مثلاً نومبر ۱۹۰۵ء میں امرتسر میں ایک عوامی اجتماع کے غیض و غضب سے بچانے کیلئے پولیس کو اس کی حفاظت کرنا پڑی۔ عوامی غضب کا سامنا اس لیے کرنا پڑا کہ جس چہوتے پر کھڑا ہو کر وہ عوام سے مخاطب تھا اسی پر رمضان المبارک کے دن کے باوجود اس نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ اپنی خطابت کے دوران تبدیلی مذہب کے جوش میں وہ اکثر حدود سے تجاوز کر جاتا اور ایسی زبان استعمال کرنے لگ جاتا جو نہ تو اس کے حقیقی خیالات کی عکاس ہوتی نہ ہی اس کی تعلیمات کی۔ دوسرے مذاہب کے بارے میں مرزا کا عمومی نظریہ رواداری کا ہوتا مگر بسا اوقات اس میں تضادات پائے جاتے۔ چنانچہ جب وہ اپنے دشمنوں کی موت کی پیش گوئیاں کر رہا ہوتا تو ساتھ ہی مسلمانوں کو دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو سلامتی سے رہنے دینے کی نصیحت بھی کرتا اور اسی طرح وہ عیسائیت کو مکمل طور پر جھوٹا اور مسیح مخالف کہہ کر اس کی مذمت بھی کرتا اور ساتھ ہی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا ایک جلیل القدر پیغمبر بھی مانتا جو خدا کی طرف سے بھیجے گئے رسول تھے اور جو کشمیر میں فوت ہوئے۔ لاہور میں ستمبر ۱۹۰۴ء میں ایک عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اس نے رائے ظاہر کی کہ وہ تمام غیر اسلامی مذاہب کو جھوٹا نہیں خیال کرتا اور مزید کہا کہ اس پر وحی آئی ہے کہ رام چندر اور کرشن خدا کے سچے بندے تھے اور جو ان کے بارے میں برے

خیالات کا اظہار کرے وہ اس کو برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ وہ بابا نانک کو بھی خدا کا سچا پرستار مانتا تھا۔

حکومت برطانیہ سے وفاداری

حکومت کے بارے میں اسکا رویہ ہمیشہ سے ہی وفاداری کا رہا۔ ۱۸۹۵ء میں اس نے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں اُس نے برطانوی حکومت کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کرتے ہوئے جہاد کی مذمت کی اور حکومت کے بارے میں اپنی وفاداری اور نیک تمناؤں کا عندیہ دیا۔

حکیم نور الدین۔ اس کا جانشین

۱۹۰۸ء میں اس کی وفات کے بعد اس کی ہدایات کے برعکس کہ ”احمدی معاملات“ کو ایک انجمن چلائے، حکیم نور الدین اس کا جانشین بن گیا۔ نور الدین ۱۸۶۱ء میں بھیرہ میں پیدا ہوا۔ اسکا باپ ایک کھاتا پیتا آدمی تھا جس کا لاہور میں اپنا ذاتی مطبع خانہ تھا۔ اس کا خاندان خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہونے کا دعویدار تھا۔ نور الدین کا لڑکپن سے ہی مذہب کی طرف رجحان تھا۔ بارہ سال کی عمر میں اس نے اپنے بھائی سے عربی پڑھنا شروع کی اور اوائل عمری میں ہی وہ اپنے باپ کے ساتھ اسلامی علوم، منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے لاہور آ گیا۔ بعد میں اس نے علم الادویہ کو زیادہ وقت دینا شروع کر دیا اور بعد ازاں وہ دینی علم اور عربی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے رامپور، بھوپال، روہیل کھنڈ اور دہلی بھی گیا۔ وہ مکہ اور مدینہ بھی گیا اور ملکی علماء کے ساتھ خوب مباحثے کیئے۔ واپسی پر وہ سب سے اہم اور فاضل مولوی خیال کیا جانے لگا۔ کچھ عرصے کے لیے وہ پنڈ دادن خان کے ایک سکول میں بطور معلم کام کرتا رہا مگر اس کام کو اپنے ذوق کے ناموافق پا کر اسے چھوڑ دیا اور واپس بھیرہ آ کر معالج کے

طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔ اس کے مجرب علاج اور قابلیت کی شہرت نے اسے کشمیر کے ”شاہی حکیم“ کا عہدہ دلادیا جس پر وہ دس سال تک کام کرتا رہا۔ ۱۸۸۱ء یا اس کے لگ بھگ حکیم نور الدین کے مرزا غلام احمد قادیانی سے تعلقات قائم ہو گئے۔ اس نے فوراً ہی مرزا کے متدعوئیہ نظریات و عقائد کا اثر قبول کر لیا اور اپنے آپ کو مذہب بالخصوص احمدیہ عقائد کے لیے مختص کر دیا۔ نور الدین نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں ”فصل الخطاب“ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ عیسائیت پر تنقید ہے جسے مرزا غلام احمد کی خصوصی ہدایات کے تحت لکھا گیا۔ نور الدین کو ”مسلک احمدیہ“ میں بڑا اعزاز حاصل ہو گیا اور وہ ”احمدی عقیدہ“ کا مرکزی ستون خیال کیا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد کی وفات پر احمدی فرقہ کے عمائدین نے اسے اپنا خلیفہ چن لیا۔ اس منصب پر وہ تادم آخر یعنی تیرہ مارچ ۱۹۱۴ء تک متمکن رہا۔ اپنی خلافت کے دوران حکیم نور الدین نے اپنا زیادہ وقت قادیان ہی میں گزارا اور اپنی تمام تر توجہ احمدی عقائد و نظریات کی تشہیر پر مرکوز رکھی جسے اس نے بڑے جذبے اور لگن سے سرانجام دیا۔

علیحدگی پسندی اور ترک حامی عناصر (۱۹۱۴ء)

نور الدین کی موت سے تین سال قبل اس فرقہ کے تعلیم یافتہ ارکان کی جانب سے علیحدگی پسندی کے رجحانات کو محسوس کیا گیا جنہوں نے مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کے بیان کردہ اس نظریہ پر خفگی ظاہر کی

”جو مسلمان آنجہانی مرزا کی متعین کردہ بیعت کی دس شرائط کو تسلیم نہیں کرتا وہ کافر ہے“ (جبکہ اصل وجہ یہ نہ تھی)

جس وقت بلقان اور طرابلس کی جنگیں جاری تھیں ان میں سے بعض افراد نے غالباً راسخ العقیدہ مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کرنے کی غرض سے ترکی کی حمایت میں تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا اور پوری سرگرمی سے باغی ہو گئے۔ اس وقت کی اسلام پسند تحریک میں خواجہ کمال الدین، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ، صدر الدین اور ڈاکٹر محمد

حسین سب سے نمایاں تھے۔ تاہم احمدیوں میں سے انہیں بہت کم پیروکار میسر آ سکے۔

حکیم نور الدین کی موت اور افتراق (۱۹۱۴ء)

حکیم نور الدین کی موت پر احمدیہ فرقہ دو گروپوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک گروہ نے ”ریو یو آف ریلیجنز“ کے ایڈیٹر محمد علی کی جانشینی کی حمایت کی جبکہ دوسرے گروہ نے جو غالب اکثریت میں تھا، بانی مذہب کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کو منتخب کر لیا۔ محمد علی کے رفقاء کار نے لاہور میں ”احمدیہ انجمن اشاعت اسلام“ کے نام سے ایک مجلس اور ایک کالج قائم کر لیا۔ ”ریو یو آف ریلیجنز“ بھی لاہور لے جایا گیا۔ لاہوری گروپ نسبتاً زیادہ تعلیم یافتہ لوگوں پر مشتمل ہے جو معنوی کی بجائے تمثیلی انداز میں بانی مذہب کو ایک ”حواری“ کا درجہ دیتے ہیں اور غیر احمدیوں کو مذہب سے خارج نہیں کرتے۔ وہ مرزا غلام احمد کو پیغمبر کی بجائے ایک مذہبی مصلح سمجھتے ہیں۔ قادیانی عقائد جو حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کو مسترد کرتے ہیں ان کے نظریات سے متصادم ہیں۔ دونوں فرقوں کی باہمی مخالفت برا اوقات ایک دوسرے کے عقائد پر تنقید کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ ان دونوں میں سے قادیانی گروہ زیادہ تلخ واقع ہوا ہے۔ ۱۹۱۹ء میں انہوں نے لاہوری گروہ پر براہ راست حملہ کیا اور اعلان کیا کہ اس کے قائدین اسلامی قانون کے مطابق واجب القتل ہیں۔ لاہور انجمن کے صدر محمد علی نے اس حملہ کے جواب میں قادیانیوں پر غلط افواہیں پھیلانے کا الزام لگاتے ہوئے تفصیلی جواب دیا۔ یہاں پر معاملہ کچھ مشکوک لگتا ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے سخت معاند ہیں لیکن اب تک ان کے تنازعات عدالت کے بیرون ہی طے ہو جاتے ہیں۔

پہلی جنگ عظیم۔ (۱۸-۱۹۱۴ء)

۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۹۱۸ء تک احمدی سیاسی طور پر غیر متحرک رہے۔ پہلے کی طرح ان کی سرگرمیاں زیادہ تر عوامی خطبات تک ہی محدود رہیں جن میں حاضرین

برائے نام ہوا کرتے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ان کا کردار متواتر وفاداری کا رہا۔ انہوں نے حکومت کو جنگی قرضے دیے اور جنگ کے خاتمہ پر احمدیوں کی ڈبل کمپنی کی خدمات کی پیشکش کی لیکن جنگ کے خاتمے کی بناء پر نیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ نتیجہ ایک علاقائی احمدیہ کمپنی کا قیام عمل میں لایا گیا۔

حکومت خود اختیاری کے بارے میں رائے

۱۹۱۷ء میں ہندوستان کے لیے ترقی پسند حکومت خود اختیاری کے اعلان نے قادیانی دھڑے کے سیاسی مفادات کو متحرک کر دیا اور خلیفہ نے اپنے دھڑے کے موقف کو پیش کرنے میں کسی غفلت کا مظاہرہ نہ کیا۔ اس نے ہندوستان کو حکومت خود اختیاری دینے کی تجویز کی ان اعتراضات کی بناء پر فوراً مخالفت شروع کر دی کہ ہندوستان میں زیادہ تر بے قابو مذہبی تنگ نظری پائی جاتی ہے۔ بیک وقت اس نے اپنے آپ کو نسلی مساوات، وسیع تر تعلیم، صنعتی ترقی اور ہندوستانیت کے فروغ کا حامی ظاہر کیا۔ ۱۹۲۱ء میں قادیانی شاخ نے دوبارہ سٹیٹ سیکرٹری برائے ہندوستان کو مخاطب کرتے ہوئے نسلی امتیازات کے خاتمے اور وسیع تر تعلیم کا مطالبہ کیا اور یہ ظاہر کیا کہ ہندوستان اہم اور دور رس اصلاحات کا متقاضی نہیں۔ اس خطاب میں ہندوستان میں مذہبی تنگ نظری پر زور دیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ جب تک لوگوں کے اذہان پر مذہبی تعصبات کا غلبہ ہے، برطانوی عناصر کو ہندوستان اور اس ملک کی حکومت پر حاوی رہنا چاہئے۔

خلافت، ہجرت اور عدم تعاون کی تحریکیں

انہوں نے ترکی کے مسئلے پر مسلمانوں کے احتجاج میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی اس خیال کو ملحوظ خاطر رکھا کہ مسلم دنیا کے جذبات کا خیال رکھا جائے بلکہ کھلے طور پر تسلیم کیا کہ سلطان ترکی سے ان کی کوئی مذہبی اور روحانی وفاداری اور بیعت نہیں۔ انہوں نے اسے ایک ایسا دنیاوی بادشاہ قرار دیا جس کے دائرہ حکومت میں مسلمان رہ رہے

تھے۔ انہوں نے تحریک ہجرت کی مخالفت اس بناء پر کی کہ ”ہجرت“ کے اسلامی لوازمات اس وقت پورے نہ ہو سکے تھے۔ تحریک خلافت اور عدم تعاون کی تحریک میں وہ مکمل طور پر حکومت کے حامی رہے۔ قادیانی گروہ نے ”ترکی میں امن“۔ ”عدم تعاون اور اسلام“ کے موضوعات پر کتابچے شائع کیئے۔ جن میں ”عدم تعاون“۔ ”ہجرت“ اور ”جہاد“ کی غیر مشروط طور پر مذمت کی گئی۔ ۱۹۱۹ء کی پنجاب میں گڑبڑ کے دوران وہ مکمل طور پر حکومت کے وفادار رہے۔

(شدھی تحریک ۱۹۲۳ء)

۱۹۲۳ء میں شدھی تحریک کے پھیلاؤ کی مخالفت کی وجہ سے قادیانی واضح طور پر منظر عام پر آ گئے۔ ان کے تبلیغی ادارے مثلاً ۱۹۰۶ء میں مرزا غلام احمد کی بنائی ہوئی ”انجمن اشاعت احمدیہ لاہور“ اور قادیان کی ”انجمن اشاعت اسلام“ وغیرہ موجود تھے جو کئی سال پہلے وجود میں آ گئے تھے مگر سوامی شر دھانند جی کی شدھی کی مخالفت سے پہلے یہ توجہ نہ حاصل کر سکے تھے۔ شدھی کی تحریک نے ان کو ”اسلام کے علمبردار“ اور ”شدھی کے مخالف“ ہونے کا موقع فراہم کیا جسے انہوں نے بالکل نہ جانے دیا۔ جو عتا پنڈت لیکھ رام کی موت سے شروع ہوا تھا آخر کار شدت کی انتہا کو پہنچ گیا۔

مرزا محمود کا سفر یورپ (۱۹۲۴ء)

۱۹۲۴ء میں مرزا محمود نے اپنے بارہ معتمدین کے ہمراہ یورپ کا دورہ کیا۔ یہ گروہ روم، پیرس، لندن اور وینس گیا۔ یہ اطلاعات بھی موصول ہوئیں کہ مرزا کے کمیونسٹوں اور جرمن قوم پرستوں کے ساتھ تعلقات رہے ہیں لیکن ان کی سچائی میں تاہل ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ احمدی روس میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں کیونکہ وہ ایک پیش گوئی پر ایمان رکھتے ہیں جس کی رو سے انہیں ایک دن روس پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

کابل میں احمدیوں کا قتل (۲۵-۱۹۲۳ء)

احمدیوں کی تبدیلی مذہب کی لگن کو بیرون ممالک میں افغانستان کے علاوہ کہیں سے بھی شدید مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ۱۹۱۸ء میں اطلاع پہنچی کہ کابل اور افغانستان کے دیگر حصوں میں احمدیہ تحریک آہستگی مگر مستقل مزاجی سے پھیل رہی ہے۔ اس وقت کی اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ احمدی واضح طور پر افغانستان کے مخالف ہیں اور وہ اس بات کی دعوت دے رہے تھے کہ افغانستان دارالحرب ہے جبکہ ہندوستان دارالسلام ہے۔ بلاشبہ یہ رویہ احمدیوں کے بارے میں والی افغانستان کے معاندانہ رجحانات اور چند سال پہلے دو قادیانی مولویوں کے سنگسار کیے جانے پر پیدا ہوا تھا۔ اگست ۱۹۲۳ء کے آخر میں نعمت اللہ خان نامی احمدی مبلغ کو ارتداد کی بناء پر کابل میں سنگسار کر دیا گیا تھا۔ اس کی موت کی نہ صرف احمدیوں نے ہندوستان میں مذمت کی بلکہ مسلمان رجعت پسندوں نے بھی اسکی مخالفت کی۔ فروری ۱۹۲۵ء میں بھی کابل میں دو احمدی دوکانداروں کو ارتداد کی بناء پر سنگسار کر دیا گیا۔ انہیں مرتد ہونے پر ملاؤں نے سزا دی تھی اور اس سزا کو افغان حکام کی اعانت بھی حاصل تھی کیونکہ سزا عائد کیے جانے کے وقت ایک مہتمم پولیس اور پندرہ سپاہی موجود تھے۔ پورے ہندوستان میں احمدیوں کے احتجاجی اجتماعات ہوئے اور برطانیہ میں بھی احمدیوں نے مظاہرے کیے۔ اس پیدا ہونے والی سنسنی نے امیر کو مزید سزاؤں سے روک دیا کیونکہ اس کے بعد کوئی مزید سزائے موت واقع نہ ہوئی۔ موت کی ان سزاؤں کے بعد یہ افواہیں پھیلیں کہ کابل میں احمدیت کی نشر و اشاعت کیلئے احمدیوں نے جتنے بھیجے کا پروگرام بنایا ہے۔ لیکن یہ تجویز عملی جامد نہ بہن سکی۔ افغانستان کے موجودہ حکمران امان اللہ خان کے ساتھ قادیانیوں کے تعلقات خوشگوار معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اس کی برطانیہ میں حالیہ آمد کے موقع پر انگلستان میں احمدی طبقے نے اسے خطبہ استقبالیہ دیا ہے۔

آریہ سماجی تشدد پسندی (۱۹۲۷ء)

۱۹۲۷ء میں ”رنگیلا رسول“ کے معاملے میں مسلمانوں کے احتجاج نے احمدیوں کو ایک اور موقع دیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ میل جول بڑھا سکیں اور اسلام کے ٹھیکیدار بن سکیں۔ ”رنگیلا رسول“ کی تحریک آنے سے بھی پہلے لاہوری گروپ آریہ سماج کے خلاف مسلمانوں کا ترجمان خیال کیا جانے لگا تھا۔ ایسے کتابچے بھی شائع کیئے گئے جن کی رو سے وہ مرزا قادیانی کو نبی تسلیم نہیں کرتے تھے اور ایسا کرنے والے کو کافر کہتے تھے بلکہ اسے صرف ”مصلح“ اور ”مہدی“ کہتے تھے لہذا سادہ لوح مسلمانوں نے ان کی قیادت قبول کر لی تھی۔ لاہور کے اکثر تعلیم یافتہ طبقہ کا رجحان بڑی جلدی ان کی طرف ہو گیا اور وہ لاہور میں مسلمانوں کے انداز فکر کے بہت جلد ترجمان بن گئے۔ ”رنگیلا رسول“ تنازعہ کے دوران لاہوری فریق نے احتجاجی تحریک میں نسبتاً کم حصہ لیا۔ تاہم اس کے ارکان مسلمانوں کی طرف سے ہندوؤں کے معاشی مقاطعہ میں دلچسپی رکھتے تھے اور بلاشبہ کسی حد تک لاہور میں مسلمانوں کی دوکانیں کھلنے اور ہندو دوکانداروں کی تعداد میں کمی کا باعث بنے۔ اگست ۱۹۲۷ء میں اپنے مرکزی جریدہ ”لائٹ“ کے سولہ اگست کے شمارے میں اشتعال انگیز فرقہ وارانہ تحریروں کی بناء پر انہوں نے بھرپور توجہ حاصل کر لی تھی۔ اسکی مشہور تحریر جو کہ ”لڑو اور مار دو“ کے عنوان سے تھی، بغیر کسی لگی لپٹی کے عملی طور پر تشدد کی ترغیب تھی جبکہ دیگر تحریریں حد درجہ جارحانہ تھیں اور طبقاتی نفرت پھیلانے کا باعث تھیں۔ مدیر رسالہ پر تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳۔ الف کے تحت مقدمہ چلایا گیا اور اسے سزا ہوئی۔

ایک اشتعال انگیز اشتہار (۱۹۲۷ء)

مئی ۱۹۲۷ء میں لاہور کی فرقہ وارانہ تحریکیں اور ان کا اختتام۔ ”رنگیلا رسول“ جس میں پیغمبر اسلام ﷺ کا تمسخر اڑایا گیا تھا کے مصنف کی بریت اور اس سے بھی بڑھ کر آریہ سماجی رسالہ ”رسالہ ورتمان امرتسر“ میں ”وودرخ کی سیر“ کے عنوان سے دریدہ

دہن تحریر۔ ”رنگیلا رسول“ کے مصنف کو بری کرنے والے عدالت عالیہ کے جج کی ایمانداری اور غیر جانبداری پر اٹھائے گئے اعتراضات کی بناء پر ”مسلم آؤٹ لک“ کے مدیر اور مالک کی توہین عدالت میں سزا۔ اور بعد میں مسلمانوں کے بلا جواز عدالت عالیہ پر حملہ جیسے واقعات کا قادیانیوں نے غلط فائدہ اٹھایا اور اسے فرقہ وارانہ نشر و اشاعت کا بہانہ بنا لیا۔ لاہور کے فسادات کے بعد اس وقت فرقہ وارانہ نفرت میں شدت آ گئی جب مرزا محمود کے دستخطوں سے جاری شدہ اشتہارات منظر عام پر آ گئے۔ مرزا کی طرف سے دوسری جگہوں پر بھی اشتہارات جاری ہوئے جن میں مسلمانوں کو ہر وقت حتیٰ کہ نماز کے وقت بھی اپنے ہمراہ لٹھی رکھنے کی تلقین کی گئی تھی۔ ”رسالہ ورتمان“ کی اس آتش انگیز تحریر کو شاید کسی اور طرح وہ شہرت نہ ملتی اگر مرزا اس کے خلاف ایک آتش افروز اشتہار نہ نکالتا جس میں وہ پوری تحریر بیان کر دی گئی۔ یہ عمومی خیال پیدا ہوا کہ اس نے ایک ”دل آزار تحریر“ کی جان بوجھ کر تشہید کی ہے۔ مسلمانوں کے بالکل درست خدشات کہ مبادا بانی مذہب ﷺ پر ریک حملہ کرنے والوں کو سزا دینے میں قانون بے اختیار ہو۔ اس گروہ سے بدلہ لینے کی رغبت پیدا کر دی جو پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات پر حملوں میں ملوث تھا اور احمدیوں نے ان حملوں کے بدلہ کو بڑی اہمیت کے ساتھ اسے ہر ممکن طور پر واضح کیا۔ اگرچہ ان کا جواز پیدا نہ ہو سکتا تھا۔

”آؤٹ لک“ مقدمہ

اسی دوران ”رسالہ ورتمان“ کے مدیر اور ”جہنم کی سیر“ کے مصنف کے خلاف تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳۔ الف کے تحت مقدمہ درج کیا گیا اور مقدمہ عدالت عالیہ کے فل بچ کے سپرد کر دیا گیا۔ اس سے اعتدال پسند اور روشن خیال مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہوا لیکن قادیانیوں اور خلافت کے حامیوں نے مسلمانوں کی ترجمانی کا رہبرانہ درجہ حاصل کرنے کے لیے عدالت عالیہ پر حملہ جاری رکھے۔ قراردادوں کے پیش کیے جانے کے بارے میں باہمی افتراق اور حسد نے ان متحدہ جلسوں سے دستبرداری کی

صورتحال پیدا کر دی جو جولائی میں ”مسلم آؤٹ لک“ کے مالک و مدیر کی سزا کے خلاف اور عدالت عالیہ کے ”رنگیلا رسول کے مقدمہ“ کے فیصلے کے خلاف ہونا تھے۔ ان کی بجائے قادیانیوں نے لاہور اور امرتسر میں ایسے عوامی اجتماعات کا اہتمام کیا جن میں غیر معروف زبان میں احتجاجات کیے گئے اور اسی وقت ”تبلیغ“ کی تشہیر اور ہندوؤں کے معاشی مقاطعہ کی تلقین کی گئی اور ایسے اشتہارات جن میں ”رنگیلا رسول مقدمہ“ کے ملزم کو بری کرے والے جج کی برطرفی، عدالت عالیہ کی ایک نشست پر مسلمان جج کی تعیناتی اور شاتم رسول ﷺ کی سزا کے بارے میں ہنگامی قانون کے نفاذ کے نکات پیش کیے گئے۔ یہ مواد وسیع پیمانے پر صوبہ بھر میں تقسیم کیا گیا۔

شرودھانند کا قتل

۱۹۲۷ء میں قادیانی بہت زیادہ منظر عام پر تھے اور صوبے میں فرقہ وارانہ بے چینی نے انہیں کئی مواقع بہم پہنچائے کہ وہ اپنے آپ کو اسلام کے سرخیل ظاہر کر سکیں۔ سوای شرودھانند کے قتل پر مسلمانوں کی طرف سے بے شک مذمتی بیانات اور ہندوؤں میں پھیلے ہوئے اس عام تاثر نے کہ یہ قتل ایک سازش کا نتیجہ ہے مسلمانوں کی آزر دگی میں مزید اضافہ کر دیا اور ظاہر کردہ خیالات پر تنقیدی سلسلہ غیر فطری نہیں تھا۔ فروری اور مارچ میں احمدیوں کی قادیانی شاخ نے ”اسلام اور فرقہ وارانہ مسئلہ“ پر خطبات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ کارروائی متوازن انداز میں چلتی رہی لیکن بعض اوقات آریہ سماج کی طرف سے شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑتا۔ کیم مارچ کو ایک ایسے ہی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مرزا بشیر الدین محمود نے ”شتم بر رسول“ اور نشریاتی طریق کار پر آریہ سماجیوں کی پرزور مذمت کی۔

ہندوؤں کا معاشی مقاطعہ (۱۹۲۷ء)

قادیانی نشر و اشاعت میں بلاشبہ خطرناک ترین نکتہ ہندوؤں کے معاشی اور

سامی مقاطعہ کی ترغیب تھی۔ یہ تحریک مسلمانوں کی معاشی حالت کو سدھارنے کے بہانے سے بڑی جانفشانی سے گاؤں اور قصبوں میں چلائی گئی جسے پہلے پہلے نمایاں کامیابی بھی ہوئی۔ احمدیوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ ایک جاندار نشر و اشاعت کی اہلیت رکھتے ہیں لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی معاشی انحصار کی حد درجہ طاقت کے آگے اکتوبر تک یہ تحریک اپنی طاقت کھو بیٹھی۔ تاہم اپنے پیچھے برے تاثرات کا ایک ایسا ورثہ چھوڑ گئی جو پہلے فرقہ وارانہ مسائل کی وجہ سے پیدا نہ ہو سکا تھا۔

اتحاد کانفرنس (۱۹۲۷ء)

ستمبر ۱۹۲۷ء میں شملہ میں ”کل ہند سربراہ“ اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے گروہ کے بارے میں مطالبات پر مشتمل یادداشت پیش کی۔ اس نے دیگر چیزوں کے علاوہ تمام فرقوں کے لیے سامی اور مذہبی پہلوؤں پر مکمل مذہبی آزادی، سامی اور مذہبی رسومات میں عدم مداخلت، مسلمانوں کی معاشی بہتری کیلئے کام کرنے کی آزادی، کسی مذہب یا اس کے بانی پر سب و شتم کرنے والے کا نااطفہ بند کرنے کا دعویٰ کیا جبکہ سیاسی طور پر اس نے شمال مغربی سرحدی صوبہ تک سیاسی اصلاحات سندھ اور بلوچستان کی ایک علیحدہ صوبے میں تبدیلی اور علیحدہ حلقہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ کانفرنس بغیر نتیجے کے ختم ہو گئی۔ گانے اور موسیقی کے بارے میں مرزا کے اپنے خیالات اس وقت بہت دلچسپ تھے۔ اس نے مسلمانوں کی سامی زندگی میں مداخلت یعنی گاؤ کشی پر پابندی کی مخالفت کی بلکہ یہ عندیہ دیا کہ گاؤ کشی صرف مذبح خانہ میں ہونی چاہئے۔ اس نے مساجد کے سامنے موسیقی بند کرنے کے لیے مسلمانوں کے حق کو تسلیم نہیں کیا۔

فرقہ واریت کے پرچارک (۱۹۲۷ء)

جب ۱۹۲۷ء کے آخر میں فرقہ وارانہ تعلقات بہتر ہو گئے تو احمدی منظر سے

غائب ہو گئے۔ ان کی اسلام کی رہنمائی کی سر توڑ کوششوں اور مسلمانوں کی معاشی حالت درست کرنے کی سعی تمام کے باوجود یہ بات مشکوک ہے کہ وہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کی ہمدردیاں کسی بھی حد تک حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ تاہم انہوں نے فرقہ وارانہ بے چینی کے وقت یہ بات ثابت کر دی کہ وہ ایک طاقتور اور منظم گروہ ہے جس کے پاس مناسب اقدام اٹھانے کی صلاحیت اور نشر و اشاعت کا ایک طاقتور نظام ہے۔

سائمن کمیشن (۱۹۲۷ء)

سیاسی طور پر احمدی حکومت کے حامی رہے۔ سائمن کمیشن کے خلاف تحریک میں کسی بھی احمدی گروپ نے حصہ نہیں لیا بلکہ احمدیوں نے کھلے انداز میں کمیشن کی حمایت کی۔ بائیس دسمبر ۱۹۲۷ء کے ”سن رائز“ کے شمارے میں مرزا بشیر الدین محمود نے کمیشن سے تعاون کے حق میں لمبی چوڑی وجوہات پیش کیں اور نیچر لاہور میں کمیشن کے ساتھ ایک وفد نے ملاقات بھی کی۔ ان کے پیش کیے گئے اہم نکات میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ، شودروں کی بہتری، جداگانہ حلقہ انتخاب کی برقراری، ان صوبوں میں مسلمان اکثریت کا تحفظ (جس میں وہ اس وقت تھے)، شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں اصلاحات کا اطلاق، سندھ اور بلوچستان کا صوبوں کے طور پر منشور، مکمل مذہبی آزادی اور کسی بھی مذہب کی اشاعت و تبلیغ کا بلا روک ٹوک حق تھے۔ فرقہ وارانہ حالات نے یہ مطالبات جنم دیئے تھے مگر احمدیہ عقیدے کی بنیاد کا انحصار فرقہ وارانہ ماحول پر تھا۔

ہندوستان اور بیرون ملک احمدیوں کی سرگرمیاں (۱۹۲۸ء)

فرقہ وارانہ مشاغل کے علاوہ قادیانی اور لاہوری احمدی ایک منظم اور معاشی طور پر مستحکم گروہ ہیں جن کے ہندوستان اور بیرون ممالک تبلیغی مراکز ہیں۔ لاہوری شاخ جس کی ۱۹۱۳ء میں بطور ”انجمن اشاعت اسلام“ بنیاد رکھی گئی تھی کے ذرائع آمدنی میں ”باقاعدہ چندے“، ”مذہبی کتابوں کی فروخت کی رقم“ اور تقریباً تین لاکھ روپے کی

سالانہ آمدنی شامل ہیں۔ یہ تمام فنڈ تسلی بخش طریقے سے سنبھالے جاتے ہیں اور ان فنڈز کی تمام مددات مثلاً ”تبلیغ فنڈ“، ”مشن فنڈ“، ”لٹرچر فنڈ“، ”زکوٰۃ فنڈ“ اور ”کتب و تعلیمی فنڈ“ پر ذمہ دار معتمدین کام کرتے ہیں۔ ان کے بیرون ملک تبلیغی مراکز میں سے ”وونگ مشن“ سب سے زیادہ مشہور ہے جس نے تقریباً ایک ہزار لوگوں کو احمدی بنایا ہے۔ ”وونگ مشن“ کے سربراہان خواجہ کمال الدین اور عبد المجید ہیں۔ جرمنی میں بھی ایک تبلیغی مرکز ہے جسے ۱۹۲۲ء میں صدر الدین اور مبارک علی نے قائم کیا تھا۔ احمدیوں کے برطانوی حامی ہونے کی افواہ کی وجہ سے مسجد کی تعمیر موخر کرنا پڑی تھی لیکن بعد ازاں اس افواہ کے خاتمے کے بعد برلن میں حال ہی میں ایک بڑی مسجد تعمیر ہو گئی ہے۔ یہ مرکز ”وونگ مشن“ جیسی کامیابی تو حاصل نہیں کر سکا اور اب تک صرف ایک سو آدمیوں کو احمدی بنا سکا ہے۔ جاوا، برما، چین، سنگاپور، مارشیس، ڈربن، ٹرینی ڈاؤ، فن لینڈ اور پولینڈ میں بھی مراکز ہیں لیکن یہ مراکز ابھی طفولیت کے مرحلے میں ہیں اور صرف چند سو افراد کو احمدی بنا سکے ہیں۔ ہندوستان میں تقریباً ساٹھ ہزار مراکز کام کر رہے ہیں جو تمام کے تمام مناسب حد تک تربیت یافتہ افراد کی زیر نگرانی چل رہے ہیں۔ ۱۹۲۶ء میں ایک تربیتی اور نشر و اشاعتی ادارہ قائم کیا گیا تھا جہاں طلبہ کو مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے ساتھ ساتھ تبلیغی کام کرنے کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ کاروباری اور انسانی ہمدردی کے مراکز کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ لاہور میں کتابوں کی ایک دوکان، ایک باہم امدادی رقم کافنڈ، باہمی تعاون کے سنور اور بیرون ممالک سے آنے والے تبلیغی افراد کے لیے مہمان خانے کا انتظام بھی چل رہا ہے۔ لاہوری گروہ کے کئی رسالے نکل رہے ہیں۔ جن میں ”اسلامک ریویو“، ”پیغام صلح“، اور ”اسلامک ورلڈ“ زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے پیروکاروں کی صحیح تعداد کا اندازہ تو مشکل ہے لیکن غالباً پندرہ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ قادیانیوں کے مقابلے میں چین اسلام ازم کے زیادہ حامی ہیں۔ لیکن انہوں نے کبھی بھی کسی سیاسی تحریک سے وابستگی ظاہر نہیں کی ہے۔ قادیانی گروہ کے معاملات بھی

متوازی طور پر منظم اور باقاعدگی سے معتمدین کی زیر نگرانی چل رہے ہیں جو تحریک کی تبلیغی - تعلیمی - سماجی اور سیاسی مصروفیات کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس گروہ کی مالی حالت کافی مستحکم ہے جو کہ رضا کارانہ چندوں پر منحصر ہے اور چندے کے جمع شدہ ذخائر چار لاکھ کے قریب ہیں۔ ان کے بیرون ممالک مراکز کی تعداد اور ترقی لاہوری گروہ جیسی نہیں ہے لیکن برطانیہ میں ساؤتھ فیلڈز کے مقام پر ایک مسجد اور چند سونوا احمدیوں کے ساتھ مشرقی اور مغربی افریقہ - مصر - شام - ایران - سائرا - سری لنکا اور امریکہ کی ریاستوں میں چھوٹے چھوٹے مراکز ہیں۔ یہ مفتی محمد صادق اور عبدالرحیم نیر کے عمومی اختیار میں ہیں۔ ہندوستان میں ان کے مراکز پنجاب - صوبہ جات متحدہ - سندھ - بنگال - مالا بار - بھوپال - بہار اور کشمیر میں کام کر رہے ہیں۔ تعلیمی اداروں پر بھی انہوں نے پوری توجہ دی ہے اور قادیان میں مختلف اداروں کے علاوہ گورداسپور - سیالکوٹ - گجرات - جہلم - شاہ پور - جالندھر - لالپور (فیصل آباد) اور ہزارہ کے اضلاع میں ان کے پرائمری سکول ہیں۔ قادیان میں ایک تبلیغی مکتب ہے جس میں ”مولوی فاضل“ کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ کو تبلیغی اور نشر و اشاعتی کاموں کی تربیت دی جاتی ہے۔ قادیانی گروپ کے کئی اخبار نکلتے ہیں جن میں ”الفضل“ - ”سن رائز“ - ”نور“ - ”فاروق“ - ”مصباح“ اور ”احمدیہ گزٹ“ زیادہ مشہور ہیں۔ ۱۹۲۱ء کی پنجاب کی مردم شماری کے مطابق ان کی تعداد اٹھائیس ہزار پانچ سو چھپن بیان کی گئی ہے۔ مگر یہ کم معلوم ہوتی ہے اور غالباً ان کی تعداد کچھتر ہزار ہے۔

سکھ - احمدیہ کشیدگی (۲۹-۱۹۲۸ء)

۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۹ء کے سال خاموشی سے گزر گئے۔ احمدیوں کی تحریک ناقابل لحاظ حد تک کم ہوگئی اور اگست ۱۹۲۹ء تک ان کی کوئی خبر نہ سنائی دی جب قادیانی احمدیوں کا سکھوں سے جھگڑا ہوا کیونکہ انہوں نے ضلعی حکام کی اجازت سے تعمیر شدہ گائے کے مذبحہ خانہ کو گرا دیا تھا۔ قادیان کے احمدی حلقوں نے بعد ازاں گاؤ کشی پر پابندی لگا

دی۔ یہ واقعہ اس جذباتی افتراق کو افشاء کرتا ہے جو اب تک احمدی اور سکھ گروہوں میں موجود ہے۔

سیاسی ٹھہراؤ (۱۹۳۰ء)

احمدیوں کی ۱۹۳۰ء کے بعد کی تاریخ قادیان کے رجعت پسندوں کی تاریخ ہے۔ لاہوری گروہ ہندوستان کے اندر اور باہر تبلیغی مصروفیات میں مشغول ہو گیا اور اپنی سیاسی اہمیت مستقل طور پر کھو بیٹھا۔ کبھی کبھار اپنے حقیقی مگر احتیاط سے دبے لہجے میں مرزا بشیر الدین محمود کی مخالفت کرنے پر منظر عام پر آ جاتا۔ آئندہ آنے والے چند سالوں تک کے لیے عوامی مفاد قادیان پر حاوی ہو گیا۔ وہ قادیان جو ایک عظیم مذہبی تنازعہ کا طوفانی مرکز بننے والا تھا اور جس نے اپنی مکمل قوت ابھی تک صرف نہ کی تھی۔

مباہلہ مہم (۱۹۳۰ء)

۱۹۳۰ء میں قادیان میں مرزا بشیر الدین محمود کے خلاف ایک فریق ابھر کر سامنے آیا جس نے احمدیوں کے خلاف دشنام آمیز اشاعت کے لیے ایک اخبار ”مباہلہ“ کا اجراء کیا۔ اس اخبار کے مدیر اور مالک عبدالکریم اور اس کا والد فضل کریم تھے جنہوں نے احمدیہ عقائد سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اس احمدیہ مخالف نشر و اشاعت سے مشتعل ہو کر تیس اپریل کو ایک احمدی نے عبدالکریم پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن غلطی سے محمد حسین نامی ایک دوسرا شخص مارا گیا۔ ”مباہلہ“ میں تو اتر سے چھپنے والی قابل اعتراض تحریروں نے پہلی چنگاری کا کام کیا جس کو احرار کی بیباکانہ اور اختراعاتانہ ہنرمندی نے مزید ہوا دے کر بھڑکتے شعلوں میں تبدیل کر دیا۔ یہ مسئلہ کچھ وقت کے لیے تمام وسطی پنجاب میں پھیل گیا اور انتظامیہ کے لیے ایک شدید سر درد بن گیا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ بنیادی طور پر احرار اور احمدیوں کی تلخ اور طویل دشمنی کا اصل موجب احمدیوں کے آپس میں اختلاف سے نکلا تھا۔ اس تنازعہ نے بعد میں مذہبی اور سیاسی شکل

اختیار کر لی۔ احرار نے قادیان کے احمدیوں پر دو بڑے مسائل کی آڑ میں چڑھائی کی۔ پہلا مسئلہ عقیدے کی درستی اور دوسرا غیر احمدیوں سے قادیان میں سلوک تھا۔ پہلے مسئلہ پر وہ مسلمانوں کے سینے میں پنہاں احمدیوں کے خلاف نفرت کو بھڑکا کر اسے دوبارہ زندہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ احمدیوں کی ان تحریروں کو بطور حوالہ پیش کرنے کے قابل ہو گئے جو خوفناک حد تک راسخ العقیدگی کے خلاف تھیں اور دوسرے وہ یہ یقین پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ احمدیوں کا وجود اسلام کے لیے عظیم خطرہ ہے۔ جس کے نتیجے میں احمدیوں کو عملی طور پر اپنے فرقہ سے باہر اور مسلمانوں کے اندر کوئی ہمدرد نہ مل سکا۔ اگرچہ مسلمانوں کے اندر یہ جذبات ابھی شدید شکل اختیار نہ کر سکے تھے۔ یہ سلسلہ آئندہ چند سالوں تک اس طرح جاری رہا کہ اگر کوئی بد قسمت واقعہ پیش آ جاتا تو معاملہ خطرناک حد تک بگڑ سکتا تھا۔ اور اسی وقت سابقہ فرقہ وارانہ حرکات نے احمدیوں کو ہندوؤں میں خصوصاً قادیان اور اس کے گرد و نواح میں فطری طور پر غیر پسندیدہ قرار دلوانا تھا۔ جبکہ سکھوں کے ساتھ طویل عرصہ تک رہنے والی دشمنی کو ان کی بابا گورو نانک کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش نے مزید سخت کر دیا۔ احرار کی سیاسی کوششوں نے صورتحال کو مزید پیچیدہ کر دیا جو کہ اس وقت ایک مکمل جماعت کی حیثیت سے اپنی سیاسی قوت کو بڑھانے میں سرگرم عمل تھے۔ یہ مہم ان کے لیے سودمند بھی تھی جس نے چند احراریوں کو کافی حوصلہ بخشا تھا جو اس میں کام کر رہے تھے۔ اس لڑائی کا سب سے اہم پہلو وہ قابل اعتراض زبان تھی جس کا استعمال دونوں گروہ ایک دوسرے کے خلاف خطبات۔ تصاویر۔ کتابچوں اور اخباری تحریروں میں کرتے تھے۔ کبھی کبھار دونوں فریق وقفے سے سانس لیتے اور حکومت کے خلاف فریق مخالف کے حق میں جانبداری کے الزامات لگاتے۔ یہ اس تنازعہ کی عمومی شکل تھی جو ۱۹۳۰ء اور اس کے بعد سے احراریوں اور احمدیوں کے مابین پروان چڑھتی رہی اور بعد میں عوام کے امن و سکون کے لیے عظیم خطرہ بن گئی۔

مباہلہ کانفرنس (۱۹۳۱ء)

اس کھیل میں پہلی حرکت ۱۹۳۱ء میں ہوئی جب احرار نے منحرف قادیانیوں کے اکسائے پر اور مسلمانوں کے اندر اپنے تاثر کو پروان چڑھانے کے لیے انیس اور بیس اکتوبر کو ایک مباہلہ کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اس کانفرنس نے صوبہ کے کئی حصوں میں احمدیوں کے خلاف اتنی نفرت انگیز فضا پیدا کر دی کہ نومبر میں امرتسر اور ایک دوسری جگہ قادیانیوں کے جلسہ کو لٹنے کی کوششیں ہوئیں۔ صرف پولیس کی دخل اندازی کی وجہ سے امن و سکون بچ گیا۔

کشمیر کمیٹی

چھبیس جولائی ۱۹۳۱ء کو مرزا محمود کی سربراہی میں ”کل ہند کشمیر کمیٹی“ قائم کی گئی۔ احرار نے کشمیری مسلمانوں کے لیے ایک بھرپور تحریک چلائی جس کے نتیجے میں مرزا محمود کو استعفیٰ دینا پڑا۔^(۱)

احرار کی احمدیہ مخالف تحریک (۱۹۳۲-۳۳ء)

احمدیوں نے کچھ وقت کے لیے اپنی قلیل تعداد کو دیکھتے ہوئے راسخ العقیدہ مسلمانوں کی نفرت کو ابھارنے کے لیے کوئی خاص کام نہ کیا اور ۱۹۳۲ اور ۱۹۳۳ء کے کچھ عرصہ میں احرار بھی خاموش ہی رہے اور وقفہ وقفہ سے پریس میں اور زیادہ تر اپنے ایوان سے احمدیوں کے خلاف ملامت آمیز بیانیوں تک اپنے آپ کو محدود رکھا۔ چار مارچ ۱۹۳۳ء کو مجلس احرار کی مجلس عمل کا اجلاس ہوا جس میں بہت زیادہ قراردادیں پیش ہوئیں۔ احرار کے عمائدین سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چوہدری افضل حق، حبیب الرحمن بھی اس اجلاس میں موجود تھے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ احمدیوں کے خلاف مہم کو تیز کرنے کے لیے ”دعوت و ارشاد“ کے نام سے الگ مجلس تشکیل دی جائے۔ ایک اخبار کے لیے چندہ اکٹھا کیا جائے اور ایک لاکھ رضا کاروں پر مشتمل فوج بنائی جائے۔ یہ کہنے کی

ضرورت نہیں کہ یہ طعمرات آئینہ منصوبے بار آور نہ ہو سکے لیکن بات بالکل واضح ہو گئی کہ احرار اپنا کام کرنے کے دہپے تھے۔ ۱۹۳۳ء کے موسم گرما کے دوران احمدیوں کے بارے میں احرار کا لہجہ تلخ تر ہو گیا اور کئی مواقع پر ایسی قراردادیں یا تجاویز بھی منظور کی گئیں کہ احمدیوں کو تمام مسلمان مکاتبہ کلیات اور اداروں سے نکال دیا جائے تاکہ انکا سماجی مقاطعہ ہو سکے اور انہیں مرکزی و صوبائی قانون ساز اداروں۔ بلدیاتی اداروں اور مقامی حکومتوں سے روکا جاسکے۔ اسی سال کے اکتوبر میں احرار نے یہ خفیہ منصوبہ ترتیب دیا کہ ”مبہلہ“ اخبار جس عمارت میں واقع تھا اس پر قبضہ کیا جائے اور اسے ایک دفتر کے طور پر استعمال کیا جاسکے جہاں وہ احمدیوں کے خلاف مہم کو جاری رکھ سکیں۔ احمدیوں کو اس کی خبر ہو گئی تو انہوں نے فوراً اس عمارت کو گرا کر اس کی جگہ بیت الخلاء تعمیر کر لیئے۔ بعد میں اس حرکت کی شدت کم کرنے کے لیے احمدیوں نے ان پانچ خانوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے گھر تعمیر کر لیے لیکن شرارت ہو چکی تھی اور ۳۳۔۱۹۳۳ء کے موسم سرما سے احرار۔ احمدی کشیدگی میں متواتر اضافہ ہوتا گیا۔

قادیانی جنگ (جولائی ۱۹۳۴ء)

اسی دوران قادیان میں احمدیوں کا رویہ واضح طور پر جارحانہ اور جنگجو بن گیا ہوتا جارہا تھا۔ ۱۹۳۳ء میں موصول ہونے والی اطلاعات میں یہ بات ظاہر تھی کہ قادیان میں اس گروہ نے ”ریاست کے اندر ریاست“ کے قیام اور خود مختاری کے حصول کو مقصد بنالیا ہوا تھا۔ اس چیز کے ثبوت میں مندرجہ ذیل شواہد میسر آئے۔

۱۔ رضا کاروں کی جماعت تیار کی گئی جنہیں بندوق اور اسلحہ کے استعمال کرنے کی اجازت تھی۔

۲۔ احمدیہ عدالتیں قائم کی گئیں جنہیں ”ادارہ فوجداری“ کہا گیا۔ ایک ایسی دستاویز کا پتا چلا جو قادیانی عدالت کی طرف سے مدعا علیہ کو حکم نامہ حاضری کے طور پر استعمال ہو رہی تھی۔ اس دستاویز میں بعینہ وہی زبان استعمال ہوئی تھی جو برطانوی ہند کی

عدالتوں میں استعمال ہوتی تھی۔ یہ بھی اطلاعات موصول ہوئیں کہ کسی احمدی کے خلاف جرم کرنے پر لوگوں کو سماجی مقاطعہ کی سزا دی جاتی۔ غیر احمدیوں سے اس طریق کار پر دباؤ سے عمل کروایا جاتا۔ مرزا بشیر الدین نے ”تعزیرات احمدیہ“ متعارف کرا کے متوازی حکومت قائم کر لی تھی جو کہ برطانوی قانون سے سراسر متصادم تھی اور احمدی عدالتوں کے ایسے یہ ایک معمولی بات تھی کہ وہ کسی بھی قادیانی کو کوڑے لگوائے یا اسے شہر بدر کر دے۔

۳۔ ”سیاسی انجمن احمدیہ“ کے نام سے ایک جماعت قائم کی گئی جو بظاہر احمدیوں کی سیاسی بہبود کے لیے کام کرتی تھی۔

تبلیغی کانفرنس (۱۹۳۴ء)

قادیان میں ”احمدی حکومت“ کی داستانوں نے مسلمانوں کے خیالات کی لہر کو تبدیل کر دیا۔ احرار نے پورے زور سے احمدیوں کے خلاف مہم چلائی اور اس میں پیدا ہونے والے اشتعال کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ حکومت نے قادیان کے عنایت اللہ کی طرف سے ایک فحش رسالہ بعنوان ”کیا مرزا قادیان عورت تھی یا مرد“ کو ممنوع قرار دے دیا۔ مارچ میں امرتسر میں ”رد مرزائیت“ کے نام سے ایک مجلس بنائی گئی جس کا کام نشر و اشاعت کا جاری رکھنا اور احمدیوں کی مذمت کرنا تھا۔ احرار نے دشمن کے پڑاؤ میں جا کر وار کرنے کے لیے اکتوبر میں قادیان میں ایک ”تبلیغ کانفرنس“ منعقد کی۔ کانفرنس تو خیریت سے گزر گئی مگر سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے خلاف اکیس اکتوبر کو جلسہ میں تقریر کی بناء پر کاروائی زیر دفعہ ۱۵۳۔ الف تعزیرات ضروری سمجھی گئی۔ ایک احمدی ڈاکٹر محمد اسماعیل کا احمدیوں نے سماجی مقاطعہ کر دیا جس نے مرزا بشیر الدین محمود کے احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جلسہ میں شرکت کی تھی۔ احمدیوں نے احرار کو قادیان میں جلسہ کرنے کی اجازت دیئے جانے کے خلاف پر زور احتجاج کیا۔ مرزا بشیر الدین محمود کو ضابطہ فوجداری کے ترمیمی ایکٹ کی دفعہ تین کے تحت حکم نامہ حاضری دیا گیا کہ وہ ان احمدی رضا کاروں کے بلاوے کو منسوخ کر دے جنہیں اس نے جلسہ کے

موقع پر قادیان میں ایک کثیر جماعت کی شکل میں اکٹھا کیا تھا۔ حکومت کے اس اقدام کے خلاف احمدیوں نے دنیا بھر میں احتجاجی طوفان کھڑے کر دیئے۔ احساسات کو مزید ہوا ملتی گئی اور احمدیوں کا اشتعال نو مبر میں اس وقت شدید تر ہو گیا جب ایک نوجوان احمدیہ گروہ کے سربراہ کو قتل کرنے کی نیت سے قادیان پہنچا مگر پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا اور بعد ازاں ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۹ کے تحت اسے ایک سال کے لیے جیل بھجوا دیا گیا۔

قادیان اور پنجاب حکومت (۱۹۳۵ء)

۱۹۳۵ء کے سال میں قادیان کے احمدیوں کا حکومت کے بارے میں رویہ تبدیل ہو گیا۔ چودہ جنوری کو فرقہ کے سربراہ نے خطبہ میں تبدیلی کا اشارہ دیتے ہوئے کہا

”اب تک احمدی حکومت کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کیئے ہوئے تھے مگر ایک قوم کی سرکار عاقبت اندیشی سے ہوتی ہے۔ جماعت کے ساتھ کی جانے والی شرارت میں کئی انگریز افروں کا ہاتھ تھا۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے پیروکار موجودہ سرکار کے ماتحت کس مصیبت کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ مگر کوئی قانون اسے حکومت کا احترام کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ تاہم کچھ عرصہ کے لیے اس کی خواہش کی تھی کہ اس کے پیروکار قانون کا احترام کریں مگر وقت آئے گا جب وہ انہیں اس حصار سے آزار کر دے گا۔“

نیشنل لیگ (۱۹۳۵ء)

اٹھارہ جنوری کو قادیان میں احمدیوں کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں ایک قرارداد منظور ہوئی جس میں فرقہ کے سربراہ سے یہ استدعا کی گئی کہ وہ احمدیوں کو ایک نئی تنظیم بنانے کی اجازت دے جو ”سیاسی کام“ کر سکے۔ ایک ہفتہ بعد سیاسی انجمن احمدیہ نے اپنا نام تبدیل کر کے ”نیشنل لیگ“ رکھ لیا اور یہ اعلان کیا کہ اس کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی تھا کہ حکومت اور اس کی رعایا کو تہذیب سکھائی جاسکے۔ نیشنل لیگ کی شاخیں

کئی جگہوں پر کھول دی گئیں۔ یہ یقین کر لینے کے لیے کافی وجوہات موجود ہیں کہ لیگ اپنے مبلغین کے ذریعے جو پہلے ہی کام کر رہے تھے دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو اسلام اور اتحاد عالم اسلامی کے نام سے حکومت برطانیہ کے خلاف بھڑکانا چاہتے تھے۔ عملی طور پر لیگ کے ”مرکزی احمدی حاکمیت“ سے وہی تعلقات تھے جو ”شرومنی اکالی دل“ کے ”شرومنی گوردوارہ پر بندھک کمیٹی“ سے ہیں۔ گورداسپور کے راسخ العقیدہ مسلمانوں نے احرار کو عمومی قبولیت کی سند دے دی تھی جب گورداسپور کے ایک جم غفیر میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو ”امیر شریعت“ کا خطاب دیا گیا۔ احمدیوں کے احمقانہ دعویٰ نے سکھوں کو مشتعل کر کے صورتحال کو مزید پیچیدہ کر دیا کہ بابا گورو نانک مسلمان تھے۔ احمدیوں نے اس راستے کے خطرات کو پہچاننے کی بجائے جس پر چل کر وہ اپنے دوستوں سے بھی محروم ہو سکتے تھے اپنے مخالفوں کو مزید دق کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت بہت سے احمدی مخالف کتابچے جن میں ”کھنچوان بنی“، ”پنجتن پاک“ اور ”ہنسی کا گول گپا“ شامل ہیں منظر عام پر آئے اور ممنوع قرار دیئے گئے۔ روزنامہ ”زمیندار“ لاہور اور کرمی پریس جہاں سے یہ چھپے تھے ان سے ضمانتیں طلب کی گئیں۔ احمدی مخالف تحریروں پر گجرات کے ”صدقات“ اور گوجرانوالہ کے ”العدل“ کو تنبیہات جاری کی گئیں۔

احمدی سکھ مناقشت (۱۹۳۵ء)

جنوری ۱۹۳۵ء تک صورتحال مزید گھمبیر ہو گئی اور واقعات تیزی سے رونما ہونے لگے۔ تیس جنوری کو قادیان میں احمدیوں کے ایک اجلاس میں پولیس اور ضلعی انتظامیہ کو کھلی چالیاں دی گئیں۔ اس اجلاس سے ایک خطرناک ماحول پیدا ہو گیا اور غیر احمدیوں کے لیے تشدد کے بھرپور خطرات پیدا ہو گئے۔ احمدیوں اور سکھوں کے مابین تناؤ میں ان متواتر دعوؤں سے مزید اضافہ کر دیا کہ گورو نانک مسلمان تھے اور سکھ گائے کا گوشت کھاتے ہیں۔ چھوٹے قصبوں میں اور قادیان کی حدود میں ضابطہ فوجداری کی

دفعہ ۱۳۴ کے نفاذ سے جلسوں اور مظاہروں پر پابندی لگا دی گئی۔ اس صورتحال سے نبرد آزما ہونے میں پیش آنے والی بڑی مشکلات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ احمدی اپنے مخالفین کو متواتر وہ مواد مہیا کر رہے تھے جس کی وجہ سے ان کے مخالفین ان کے خلاف رائے عامہ کو بھڑکا رہے تھے۔ اس موقع پر نیشنل لیگ نے ایک بڑی رکاوٹ یہ کھڑی کر دی کہ اپنے اجلاسوں میں پولیس یا عوامی اخباری نمائندگان کا داخلہ بند کر دیا۔ چوبیس جنوری کو نیشنل لیگ کے ایک جلسہ میں گمراہ کن اور قابل اعتراض تقاریر کی گئیں جس میں حکومت کی حکمت عملی، قادیان میں مقامی پولیس اور ضلعی مجسٹریٹ کے خلاف شکایات کی گئیں۔

قوت کا اظہار (۱۹۳۵ء)

مرزا بشیر الدین محمود کو انہی دنوں میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف فوجداری مقدمہ زیر دفعہ ۱۵۳۔ الف تعزیرات ہند میں شہادت صفائی کے لیے طلب کیا گیا۔ اس کی حفاظت کے خصوصی انتظامات کیے گئے مگر دونوں پیشیوں پر گواہ کے طور پر پیش ہونے کے وقت وہ خصوصی طور پر ریل گاڑی سے تقریباً دو ہزار آدمی مظاہرے کے لیے ساتھ لاتا رہا۔ پچیس اپریل کو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو چھ ماہ قید سخت کی سزا سنائی گئی۔ جلد ہی احمدیوں نے قادیان میں ”ریتی چھپلا“ کے علاقے میں زمین کے ایک وسیع قطعہ پر قبضہ کر کے قادیان میں موجود تمام فرقوں کی ہمدردیاں کھو دیں اور پھر اس قطعہ پر انہوں نے متواتر اجتماعات منعقد کیے۔ ہندوؤں اور سکھوں کے ایک اجتماع پر احمدیوں کے مقبوضہ گھروں سے اینٹیں پھینکی گئیں۔ یہ اجتماع جس جگہ منعقد ہوا وہاں سے وہ جگہ قادیانی گھروں سے دیکھی جاسکتی تھی۔ احمدیوں کے سکھوں اور احرار پر مبینہ حملوں پر مختلف گروہوں نے قادیانیوں پر اور قادیانیوں نے ان پر استغاش جات دائر کیے۔ چھپس مئی کو بانی فرقہ کی برسی پر ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے مرزا بشیر الدین محمود نے ایک جوشیلی تقریر کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ ان کے مخالف بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ

احمدی ہی قادیان کے مالک ہیں اور یہ دعویٰ کیا کہ احمدی احرار کو مکمل طور پر یکدل دینے تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ اکتیس مئی ۱۹۳۵ء کو پولیس نے ضلع میانوالی سے تعلق رکھنے والے ایک جنونی احمدی روزی خاں کو گرفتار کیا جس کا یہ دعویٰ تھا کہ خدا نے اسے قادیان میں احرار کے رہنما عنایت اللہ خان کو ”ہزرا“ دینے کا حکم دیا ہے۔ تاہم روزی خاں کو بعد میں دیوانہ قرار دے دیا گیا

کھوسلہ کا فیصلہ (۱۹۳۵ء)

چھ جون ۱۹۳۵ء کو سیشن جج گورداسپور نے سید عطا اللہ شاہ بخاری کی اپیل پر فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ سید عطا اللہ شاہ بخاری کا جرم ایک تکنیکی قسم کا ہے اور سزا کی مدت کم کر کے اسے تاہم درخواست عدالت قید میں بدل دیا۔ اس فیصلہ میں احمدیوں کے بارے میں چند تنقیدی باتیں بھی تھیں۔ احمدیوں نے اس جج کے خلاف احتجاج کا طوفان کھڑا کر دیا اور عدالت عالیہ میں درخواست دی کہ فیصلہ میں ان کے خلاف تنقیدی باتوں کو حذف کر دیا جائے اور بعض باتیں حذف بھی کر دی گئیں۔ اسی دوران قادیان میں دو گروہوں کے درمیان اس وقت شدید تناؤ پیدا ہو گیا جب دونوں گروہوں نے ایک متنازعہ قطعہ اراضی پر نماز پڑھنے کے لیے اصرار کیا۔

کانگریس کی طرف سے مدد کی پیشکش (۱۹۳۵ء)

آٹھ جولائی کی شام احمدیہ فرقہ کے سربراہ کے چھوٹے بھائی مرزا شریف احمد پر حنیف عرف حقیف نامی شخص نے لاٹھی سے مسلح ہو کر حملہ کیا۔ حملہ آور کو گرفتار کر لیا گیا اور آخر کار اسے نو ماہ قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ اکتوبر میں یہ اطلاع آئی کہ کانگریس کے رہنما ڈاکٹر گوپی چند۔ کیدار ناتھ سہگل اور دوسرے کانگریسی زعماء حکومت مخالف نشر و اشاعت کو بڑھانے کے لیے کانگریس کے ارکان کے طور پر ان احمدیوں کو رکن بنانے کے لیے بے چین تھے جو حکومت کے سخت شاکی تھے۔ تاہم احمدیوں نے کانگریس کے

بغیر آزادانہ طور پر اپنی تحریک جاری رکھی۔

مباہلہ کی للکار اور اس سے فرار (۱۹۳۵ء)

مرزا بشیر الدین محمود نے جلد بازی کے ایک لمحے میں احرار کو مذہبی مباحثے کے لیے للکار دیا اور اس میں بہ نفس نفیس شرکت کا ارادہ ظاہر کیا۔ احراری رہنماء مظہر علی اظہر نے اس للکار کو قبول کر لیا لیکن بعد میں احمدیوں نے اس خطرناک صورتحال سے فرار کی کوششیں شروع کر دیں جس میں اس مباحثے نے انہیں ڈال دیا تھا اور یہ دعویٰ کیا کہ مباحثے کی شرطیں مناسب طور پر طے نہیں کی گئیں۔ تمام احمدیوں کی طرف سے گستاخانہ تقریروں کے تواتر نے یہ بات ظاہر کر دی کہ احرار کی پچھلے سال کی کانفرنس کے دوران اختیار کیے گئے نرم رویہ کو اس دفعہ نہیں دہرایا جائے گا۔ ان حالات میں نومبر کے مہینے میں گورداسپور کے ضلعی مجسٹریٹ نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا جس میں مجلس احرار کی قادیان شاخ کے معتمد کو ہدایت کی گئی کہ قادیان میں کسی بھی مجلس، مباحثے یا بحث میں شامل ہونے یا اس میں حصہ لینے سے احتراز کیا جائے۔ احرار کے کئی رہنماؤں کو ضابطہ فوجداری کے ترمیمی ایکٹ کی دفعہ تین کے تحت یہ حکم پہنچایا گیا کہ وہ گورداسپور کے ضلع کے اندر قادیان کے قصبہ کے اطراف میں آٹھ میل کے اندر نہ داخل ہو سکتے ہیں، اور نہ رہ سکتے ہیں۔ احرار کے چند رہنماؤں نے ان احکامات کی خلاف ورزی کی جس پر دسمبر میں انہیں چار ماہ قید کی سزا دی گئی۔ ان میں سید عطا اللہ شاہ بخاری۔ بشیر احمد علی پوری۔ محمد قاسم شاہجہان پوری۔ غلام نبی جانپاز اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی شامل تھے۔

احرار کا دھواوا (۱۹۳۵-۳۶ء)

ان دنوں احرار اور احمدیوں کی کشمکش اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گئی۔ ۱۹۳۶ء میں صورتحال کی کشیدگی میں کچھ کمی آئی مگر حقیقی طور پر باہمی اتہامات اور درشتی میں کمی واقع نہ

ہو سکی۔ جنوری میں احمدیوں نے قادیان میں ”ریٹی جھیلہ“ میں داخلہ کے راستے پر پہریدار بٹھا دیئے اور ان کے خلاف ضابطہ فوجداری کی دفعات ۱۰۷ اور ۱۵۱ کے تحت نقص امن کی کارروائی ضروری ہو گئی۔ احرار کی طرف سے چھپنے والے رسالے ”مذہبی ڈاکو“ نے جذبات مزید مشتعل کر دیئے اور حکومت نے وہ رسالہ ضبط کر لیا۔ احمدیوں کے خلاف نشر و اشاعت میں شدت آگئی اور مارچ میں قراردادیں منظور کی گئیں کہ احمدیوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن نہ ہونے دیا جائے۔ مئی میں قادیان کا ماحول قدرے بہتر ہو گیا لیکن پٹھان کوٹ میں اسی ماہ احرار کی تبلیغ کانفرنس میں پیر فضل حسین شاہ نے کہا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد جو شخص نبوت یا خلافت کا دعویٰ کرے وہ واجب القتل ہے۔

نہرو کا استقبال۔ (۱۹۳۶ء)

اس کے چند دنوں بعد نیشنل لیگ کے اجلاس میں شیخ بشیر احمد نے اعلان کیا کہ احمدیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ملکی سیاست میں سرگرمی سے حصہ لیں۔ اسی مقصد کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نے کہا کہ اگر ایک مناسب لائحہ عمل ترتیب دیا جائے تو احمدیہ جماعت جواہر لال نہرو کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہوگی۔ نیشنل لیگ کی جاری کردہ ہدایات کے مطابق مئی جون ۱۹۳۶ء میں لاہور میں پنڈت نہرو کے استقبال کے لیے چند احمدی رضا کاروں نے شرکت کی۔

نہ تدفین نہ مسجد میں داخلہ (۱۹۳۷ء)

۱۹۳۷ء کے اوائل میں بنالہ ضلع گورداسپور میں مسلمانوں کے قبرستان میں ایک احمدی کی تدفین پر ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا اور پولیس کو امن وامان کی خاطر مداخلت کرنا پڑی۔ ایک احراری رہنما حاجی عبدالغنی کی ہدایت پر کتبے آویزاں کیئے گئے کہ قبرستان میں احمدیوں کو دفن نہ ہونے دیا جائے جبکہ احمدیوں نے معاملہ قانون کی عدالت میں لے جانے کے لیے قبروں کے کتبوں پر اپنے نام کندہ کرا دیئے۔ مارچ میں بنالہ میں

احرار نے مساجد کے باہر اعلانات چسپاں کروا دیئے جس میں احمدیوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ سولہ جون کو مسلمانوں کے قدیمی قبرستان میں احمدی بچوں کے دفن کیئے جانے پر شدید ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک غیر احمدی کو احمدیوں نے پولیس کے پہرے سے نکال کر بے دردی سے پینا جس کے نتیجے میں انیس احمدیوں کے خلاف تعزیرات ہند کی دفعات ۳۲۶ اور ۱۴۷ کے تحت مقدمہ چلایا گیا جبکہ ان میں سے گیارہ کو جرمانہ کی سزا دی گئی۔ ایک ماہ بعد امرتسر کے مضافات میں واقع مسلمانوں کے قبرستان میں احرار کے ایک گروہ نے ایک احمدی کی تدفین پر اسے روکنے کی کوشش کی۔

سکھوں کے ساتھ جھگڑا (۱۹۳۷ء)

جون میں سکھوں کے ساتھ تعلقات اس وجہ سے کشیدہ ہو گئے کہ قادیان میں ”دھرم شالہ اداسیاں“ کے پجاری کی کچھ زمین جو دھرم شالہ کو دی ہوئی تھی، احمدیوں کو رہن کر دی گئی۔ پجاری عمارت کی تعمیر کے بعد احمدیوں کی طرف چلا گیا لیکن سکھوں نے امرتسر سے دو مہنت لا کر اس عمارت کے تالے توڑ ڈالے اور اندر داخل ہو کر قبضہ کر لیا۔ احمدیوں نے عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس معاہدہ کو ختم کر ڈالا لیکن دونوں گروہوں کے درمیان دشمنی اس وقت دوبارہ بھڑک اٹھی جب احمدیوں کا طبع شدہ رسالہ ”حضرت بابا نانک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دین دھرم“ منظر عام پر آیا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ گورو نانک مسلمان تھے۔

مرزا محمود کے خلاف مصری اور ملتان کی فرد جرم۔ (۱۹۳۷ء)

جون ۱۹۳۷ء میں احمدیہ گروہ میں اس وقت زبردست پھوٹ پڑ گئی جب دو منحرف احمدیوں فخر الدین ملتان اور عبدالرحمن مصری نے ایسے اشتہارات چھپوائے جن میں احمدی گروہ کے سرخیل مرزا بشیر کے ذاتی کردار پر سنگین الزامات عائد کیئے گئے تھے اور عبدالرحمن مصری نے جو کہ مکتب مذہبی تعلیم احمدیہ کا رئیس المعلمین تھا ”مجلس احمدیہ

قادیان“ کے نام سے ایک متوازی تنظیم قائم کر لی جس کا صدر وہ خود اور معتمد فخر الدین ملتانی تھا۔ لاہوری احمدیوں۔ آریہ سماج اور احرار نے علیحدگی پسندوں کی طرف داری کی۔ دونوں کو مذہب سے خارج کر دیا گیا اور مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی تقریروں میں ان کے خلاف تشدد آمیز دھمکیاں دیں۔ ان دھمکیوں کے اثر سے ایک جنونی احمدی نے سات اگست کو فخر الدین ملتانی سمیت ایک اور علیحدگی پسند کو چھرا گھونپ دیا۔ فخر الدین ایک ہفتہ بعد زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا۔ اس کے قاتل کو گرفتار کر لیا گیا اور اگلے سال کے اوائل میں عدالت عالیہ نے اسے سزائے موت کی سزا دی۔ بہت سے احمدی عمائدین کے خلاف ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۷ کے تحت ضمانتی کارروائی کی گئی۔ ان میں سے ایک احمدیہ پیشواؤں میں شامل ایک خان صاحب فرزند علی بھی تھا جسے بعد ازاں عدالت نے بری کر دیا۔ ستمبر میں پولیس کو اطلاع ملی کہ ایک معمولی رقم کے لالچ کے عوض مرزا بشیر الدین محمود کے ملازم لڑکے کو مرزا بشیر الدین محمود کو زہر دینے کا کہا گیا تھا۔ تحقیقات پر معاملہ غلط ثابت ہو گیا۔ بعد میں قادیان کے بیت المال کے کھاتہ جات کی جانچ پڑتال کے دوران یہ رپٹ درج کرائی گئی کہ ”احمدیہ کتب“ کے رئیس المعلمین ہونے کے دوران عبدالرحمن مصری نے اس میں غبن کیا ہے۔ بعد میں یہ الزام ۱۹۳۶ء میں عدالت میں غلط ثابت ہوا۔ اسی دوران احمدیوں کی قادیانی اور لاہوری شاخوں کی جانب سے ایک دوسرے کے خلاف پریس میں اشتعال انگیز تحریروں کے الزام لگائے گئے اور ایک پرتشدد صورتحال کے پیدا ہونے کا امکان بڑھ گیا۔ فریقین کے رسالوں ”الفضل“ اور ”پیغام صلح“ کو قانونی کارروائی کی دھمکی سے ایک دوسرے کے خلاف دل آزار تحریروں سے اجتناب کرنے کو کہا گیا۔ دسمبر میں منحرف احمدیوں اور احرار نے مل کر اخبارات شائع کر کے مصیبت کھڑی کرنے کی کوشش کی کہ مرزا بشیر الدین محمود کے خلاف الزامات کی کھلی تحقیقات کرائی جائیں۔ پانچ کتابچے جن کے عنوانات ”احمدی احباب کی خدمت میں عاجزانہ گزارش اور فیصلہ کے آسان طریق“۔

”بڑا بول“۔ ”جناب خلیفہ صاحب کے دونوں پیش کردہ طریق فیصلہ منظور“۔ ”عزل خلیفہ“۔ ”کیا تمام خلیفے خدا ہی بناتا ہے“ تھے ان کی تشہیر کی گئی جو بعد میں قابل اعتراض پائے گئے۔ پہلے اشتہار کے ناشر کو تنبیہ کی گئی جبکہ دیگر چار اشتہارات کے ناشرین کو جرمانہ کیا گیا۔ احمدیوں کے مابین اندرونی خلفشار بڑھتا گیا۔ مرزا بشیر الدین محمود نے اختلاف رائے رکھنے والوں کے خلاف سخت انضباطی کارروائی کی۔ یہ بلا تیز مذہب سے خارج کر دیئے گئے اور انہیں احمدی رضا کاروں کی سخت نگرانی میں رہنا پڑا۔ ستمبر ۱۹۳۸ء تک کل ملا کر انیس احمدیوں کو مذہب سے خارج کیا گیا۔

احراری رہنما کا قتل۔ (۱۹۳۸ء)

۱۹۳۸ء میں معمولی واقعات ظہور پذیر ہوتے رہے۔ اسی سال مجلس احرار بنالہ کے صدر حاجی عبدالغنی پر اسرار حالت میں مردہ پائے گئے۔ ان کے سر پر زخم تھا اور یہ خدشہ ظاہر کیا گیا کہ ان کو احمدیہ مخالف سرگرمیوں پر احمدیوں نے قتل کیا ہے۔ دراصل حاجی صاحب کو ایک عشائیہ میں مہلک زخم لگائے گئے تھے۔ اس قتل کا بھی کھوج نہ لگایا جا سکا۔ اس سلسلہ میں احرار کی جانب سے شائع کردہ ایک کتابچہ ”یادِ رفنگان“ کو حکومت نے ضبط کر لیا۔ مارچ میں کئی احمدیوں نے ایک غیر احمدی کے عام قبرستان میں تدفین کے مسئلہ پر ہنگامہ کھڑا کر دیا اور پولیس کو امن کی بحالی کے لیے مداخلت کرنا پڑی۔ جون میں احمدیوں نے پھر تحریک کو ابھارنے کی کوشش کی اور اس کے لیے قادیان کی عید گاہ کا سوال اٹھایا گیا جسے احمدیوں نے مکمل طور پر اپنی ملکیت ظاہر کیا۔ پولیس کو امن کے قیام کے لیے خصوصی انتظامات کرنے پڑے۔ اگست میں بنالہ میں ”حارا“ نامی لڑکا جس کی عمر تقریباً سولہ سال تھی نے یہ بتایا کہ کس طرح وہ پچھلے تین ماہ کے دوران مرزا صاحب کو قتل کرنے کی ناکام کوششیں کرتا رہا ہے مگر غالباً یہ داستان غلط تھی۔ اسی ماہ بچوں کی معمولی لڑائی پر چار احمدیوں اور قادیان کے تین احراریوں کے مابین جھگڑا ہو گیا۔ ستمبر میں پولیس کو احمدیوں اور احراریوں کے مابین لڑائی روکنے کے لیے اس وقت مداخلت

کرنا پڑی جب تقریباً ساڑھے تین سواہد یوں نے اپنی قیادت کے کہنے پر عید گاہ میں پڑاؤ ڈال دیا اور زمین برابر کر دی۔ اس سال احرار نے احمدیوں کی مخالفت سے معمولی دستبرداری بھی نہ کی اور ان کا کوئی سیاسی فائدہ بھی حاصل نہ کر سکے سوائے چند مواقع پر جلسوں میں یہ اعلان کرایا گیا کہ ”احمدی مسلمانوں کے گروہ سے خارج ہیں۔“

احمدیوں اور ان کے مخالفین کے درمیان چلنے والے طویل المیعاد جھگڑے سے یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ اس میں احمدیوں کو فوری اور معمولی نقصانات اٹھانے پڑے۔ شاید یہ قادیان میں احمدیوں کی حد درجہ نظم و ضبط اور قابل انتظامیہ کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔ مرزا بشیر الدین محمود اور اس کے آباؤ اجداد نے ایسا انتظام قائم کیا تھا جس نے تمام دباؤ اور تناؤ کو بخوبی برداشت کر لیا۔ لیکن انجام کار دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں احمدیوں نے نہ صرف اپنا وقار گنوا یا بلکہ مالی طور پر بھی مستقبل میں ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو زک اٹھانا پڑی۔ قادیانیوں کو اسی جذبے، ولولے اور لگن کے ساتھ جو ان کا اولین نصب العین ہے اور جس طرح ماضی میں وہ سرگرم رہے ہیں۔ عوام الناس کی نظروں میں اپنا مقام بحال کرنے کے لیے ابھی وقت لگے گا تا کہ تبدیلی مذہب کی سرگرمیاں دوبارہ جاری کر سکیں۔

۱۹۳۸ء میں قادیانی اور لاہوری تنظیمیں

احمدیوں کی قادیانی تنظیم کا مختصر تعارف یوں ہو سکتا ہے۔ تنظیم کی اعلیٰ شخصیت خلیفہ ہوتی ہے جو کہ نظریاتی طور پر منتخب کیا جاتا ہے اور تاحیات ہوتا ہے۔ اس کے اختیار کا اصل اوزار مرکزی تنظیم ”صدر انجمن احمدیہ“ ہوتی ہے جو کہ ایک رجسٹرڈ تنظیم ہوتی ہے۔ انجمن آگے حکموں میں تقسیم ہوتی ہے جو کہ ناظر کے براہ راست اختیار میں ہوتے ہیں۔ آج کل (۱۹۳۸ء میں) نو اہم محکمے۔ امور عامہ۔ بیت المال۔ دعوت و تبلیغ۔ تالیف و تصنیف۔ تعلیم و تربیت۔ ضیافت۔ جائیداد۔ جامعہ احمدیہ و مقبرہ بہشتی اور نیشنل لیگ ہیں۔ ان حکموں کا انصرام بالترتیب سید زین العابدین۔ خان صاحب فرزند علی۔

عبدالغنی۔ شیرعلی۔ مرزا بشیر احمد۔ میر محمد اسحق۔ مرزا محمد اشرف۔ سرور شاہ اور شیخ بشیر احمد کے پاس ہے۔ مرکزی محکموں کے علاوہ معتمدین کے پاس دیگر ادارے بھی ہیں۔ صدر انجمن احمدیہ کے سالانہ بجٹ کا تخمینہ تقریباً بارہ لاکھ روپے ہے۔ اس کے علاوہ پچیس لاکھ کا ایک ”محفوظ سرمایہ“ بھی ہے اور آج کل ایک نئی مد ”خلافت جوہلی“ کے نام سے بھی تین لاکھ روپے کا کثیر سرمایہ اکٹھا کیا جا رہا ہے جو مارچ ۱۹۳۹ء میں مرزا بشیر احمد کی خلافت کے پچیس سالہ جشن کے موقع پر خرچ کیا جائے گا۔ ہندوستان کے باہران کے بانیس تبلیغی مراکز لندن۔ روم۔ بلغراد۔ بذاپٹ۔ شکاگو۔ یونس آرس۔ لاگوس (جنوبی ناہیجیریا)۔ گولڈ کوسٹ کالونی۔ مارٹینیس۔ نیروبی۔ مصر۔ سیرالیون۔ کوہے۔ پاریم (آسٹریلیا)۔ ساٹرا۔ جاوا۔ سیلون۔ رنگون۔ سنگاپور اور ہانگ کانگ میں کام کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں تقریباً ایک ہزار احمدیہ انجمنیں ہیں جن میں سے پانچ سو چھتیس پنجاب میں واقع ہیں۔ پچاس کشمیر اور پٹیالہ کی ریاستوں میں۔ سات میسور میں۔ چار حیدر آباد دکن میں۔ پینتیس اڑیسہ میں۔ اٹھائیس بلوچستان میں۔ نو صوبجات متحدہ میں۔ سات بمبئی میں اور چھ مدراس میں واقع ہیں۔ احمدی دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے دنیا بھر میں تقریباً پندرہ لاکھ افراد ارکان ہیں۔ احمدیوں کے ہندوستان میں چھپنے والے اخبارات و رسائل میں۔ ”الفضل“۔ ”فاروق“۔ ”نور“۔ ”الحکم“۔ ”مصباح“۔ ”ریویو آف ریلیجنز“ اور ”سن رائز“ شامل ہیں۔ بیرون ممالک مطبوعات میں ”سن رائز“ کا شکاگو شمارہ۔ ”مسلم ٹائمز“ (لندن)۔ ”البشری“ (مصر)۔ ”ڈی میج“۔ ”دوتن“ (سری لنکا) اور ”الاسلام“ (جاوا) شامل ہیں۔ لاہوری گروہ کی تنظیمی اور عمومی صورتحال نسبتاً کمزور ہے۔ آجکل (۱۹۳۸ء میں) مولوی محمد علی گروہ کا سربراہ ہے جو کلی طور پر تاحیات کی بجائے ہر سال منتخب ہوتا ہے۔ اس کی معاونت ناظم عمومی اور ناظم مالیات کے علاوہ ایک انتظامی مجلس کرتی ہے۔ مرزا محمود بیگ اور مولوی عزیز بخش ناظمین کے طور پر کام کر رہے ہیں اور مجلس منتظمہ میں مولوی صدر الدین شامل ہے۔ انجمن اشاعت اسلام کا

سالانہ بجٹ کا تخمینہ تقریباً دو لاکھ روپے ہے اور اس کے موجودہ ممبران کی تعداد پانچ ہزار سے زائد نہیں ہے۔ انجمن کی ہندوستان میں کئی شاخیں اور بیرون ملک لندن۔ برلن۔ جلاوا۔ فنی اور مغربی افریقہ میں چھ تبلیغی مراکز ہیں۔ یہ ”پیغام صلح“۔ ”لائٹ“۔ ”ہنگ اسلام“ اور ”اسلامک ورلڈ“ اندرون ملک شائع کرتی ہے اور برطانیہ میں ”اسلام ریویو“ اور ”ووکنگ مسلم مشن گزٹ“ شائع کرتی ہے۔ لاہوری گروہ ایک جوہلی فنڈ بھی اکٹھا کر رہی ہے جو قادیانی گروہ سے علیحدگی کے بعد ”انجمن اشاعت اسلام“ کے پچیس سال پورے ہونے پر جشن منانے پر صرف کرے گی۔

دوسری جنگ عظیم۔ (۴۵-۱۹۳۹ء)

قادیانی اور لاہوری جماعتوں نے اتحادیوں کو ہندوستان میں اور بیرون ملک غیر مشروط مدد مہیا کی۔

انتخابات۔ (۴۶-۱۹۴۵ء)

مسلم لیگ کے بارے میں ملوک حکمت عملی اختیار کی گئی۔ مرزا محمود اکھنڈ بھارت۔ (متحدہ ہندوستان) کا سرگرم حامی ہے۔

تقسیم عارضی ہوگی۔ (۴۴-۱۹۴۳ء)

مرزا تمام تر مشکلات کے باوجود قادیان سے منسلک نظر آتا ہے۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ قادیانی اپنے اہل و عیال کو چھوڑنے کے بعد واپس آئیں گے۔

قادیان کا تحفظ۔ (۴۵-۱۹۴۵ء)

احمدی رضا کاروں کو قادیان کے تحفظ کے لیے متحرک کیا گیا۔

کامیابی کی آرزو۔ (۷-۱۹۴۶ء)

احمد یوں کی خواہش تھی کہ برطانویوں کے جانے کے بعد وہ قادیان پر قبضہ رکھیں گے اور اکالیوں سے مل کر اسے ہندوستان اور پاکستان کے مابین ایک ”فاصل ریاست“ (Buffer State) بنائیں گے۔

مرزا محمود احمد پاکستان میں۔ (۵۲-۱۹۴۷ء)

مرزا محمود احمد ۱۹۴۷ء میں پاکستان بھاگ آئے۔ انہوں نے سیاست میں گہری دلچسپی لی۔ وہ پاکستان میں جماعتی بنیاد بنانے کے خواہش مند تھے۔ سر ظفر اللہ نے اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر اور فلسطین پر پاکستان کی بطور وزیر خارجہ نمائندگی کی۔

تحریک ختم نبوت۔ (۴۲-۱۹۵۳ء)

قادیانیوں کی محلاتی سازشوں کے باعث قادیانی مخالف تحریک چلی۔ پنجاب میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ تحریک ختم نبوت کچل دی گئی۔

ایوبی دور۔ (۶۸-۱۹۵۸ء)

قادیانی گروہ ایوبی دور میں پاکستان میں اور بیرون ملک پروان چڑھتا رہا۔ یہ ان کے لیے ایک قسم کا برطانوی دور حکومت تھا۔ ایم۔ ایم۔ احمد ایک طاقتور بیوروکریٹ تھا۔

جنگ ستمبر۔ (۱۹۶۵ء)

پاک و ہند کے مابین جنگ ستمبر کے دوران قادیانی خفیہ و اعلانیہ سازشوں میں مصروف تھے۔ انہیں قادیان واپس جانے کا شوق سترہا تھا۔

تیسرا جانشین مرزا ناصر۔ (۸۲-۱۹۶۵ء)

۱۹۶۵ء میں مرزا ناصر احمد جماعت کا تیسرا سربراہ بن گیا۔ اس کے دور میں

قادیانیت نے اپنے پر پرزے نکالے۔ اندرون و بیرون پاکستان بالخصوص افریقہ میں قدم جمائے گئے۔

پیپلز پارٹی سے اتحاد (۱۹۷۰ء)

قادیانوں نے انتخابات جتوانے کے لیے پیپلز پارٹی سے اتحاد کر لیا۔ مشرقی پاکستان میں ایم۔ ایم۔ احمد کے ۱۹۷۱ء کے کردار کو بری طرح تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

غیر مسلم اقلیت۔ (۱۹۷۲ء)

ستمبر ۱۹۷۲ء میں ایک متفقہ قرارداد کے ذریعے پاکستان کے ایوان بالا و زیریں نے قادیانوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس کا سہرا مرحوم وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے سر جاتا ہے جنہوں نے اس نوے سالہ مسئلے کے حل کے لیے جرات مندانہ موقف اختیار کیا۔

چوتھا جانشین مرزا طاہر احمد۔ (۱۹۸۲ء)

جون ۱۹۸۲ء میں مرزا ناصر احمد کی وفات کے بعد مرزا طاہر احمد احمد یوں کا چوتھا جانشین بنا۔

آرڈیننس XX (۱۹۸۳ء)

ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دوران قادیانوں کے خلاف تحریک زور پکڑ گئی۔ اپریل ۱۹۸۳ء میں ضیاء حکومت نے ملکی سلامتی کے خلاف قادیانی سازشوں کو ٹکیل ڈالنے کے لیے آرڈیننس XX مجریہ ۱۹۸۳ء کا نفاذ کیا۔ مرزا طاہر احمد خفیہ طور پر لندن فرار ہو گیا۔

صد سالہ تقریبات۔ (۱۹۸۹ء)

۱۹۸۸ء میں مرزا طاہر احمد نے اپنی مکروہ مباہلہ مہم شروع کی جو نائیں

فش ہوگئی۔ ۱۹۸۹ء میں اس نے صد سالہ تقریبات منانے کا اعلان کیا۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ۔ (۱۹۹۳ء)

جولائی ۱۹۹۳ء میں پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے قادیانیوں کی طرف سے

دائر شدہ اپیل برخلاف نفاذ آرڈیننس XX مجریہ ۱۹۸۴ء خارج کر دی

پہلا باب

سامراج کی پیداوار

انیسویں صدی میں برطانوی شہنشاہیت نے ایشیاء اور افریقہ کے بہت سے ممالک کو اپنی حکمرانی میں لے لیا۔ نوآبادیاتی نظام کے پروان چڑھنے کا ایک اہم پہلو اس کی تشددانہ یہودی قومیت پسندی کے ساتھ عیارانہ ساز باز تھی۔ وہ یہودی جوائڈورڈ اول کے دور میں ۱۲۹۰ء میں انگلستان سے نکالے گئے تھے وہ اب کرامویل کے دور میں جوق در جوق واپس آ رہے تھے جو انہیں انگلستان کے لیے معاشی فوائد حاصل کرنے کے لیے واپس لا رہا تھا۔^(۱) ۱۷۸۸ء میں فرانس کی فلسطینی مہم کے دوران نیپولین نے ایشیائی اور افریقی ممالک سے یہودیوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیا۔ اس نے جنگی مقاصد کے لیے فرانس کی سرپرستی میں یروشلم میں ایک یہودی سلطنت کے قیام کا نظریہ پیش کیا۔^(۲)

۱۸۳۹ء تک ارض مقدس میں یہودیوں کی بحالی ایک اہم موضوع بن چکی تھی۔ یہ موضوع عوامی سطح تک اتنی پذیرائی حاصل کر گیا کہ کلیسائے سکاٹ لینڈ کی مجلس عمومی نے ارض مقدس کے حالات جاننے کے لیے ایک جماعت روانہ کی اور بعد میں ارض فلسطین میں یہودیوں کی بحالی کے لیے یورپ کے پروٹسٹنٹ زعماء کو ایک عرضداشت ارسال

کی۔ اس دن کے بعد ”لندن ٹائمز“ میں یہود کے فلسطین میں آباد ہونے کے مسئلے اور مشرقی سوال پر متوازی احتجاج شروع ہو گیا۔^(۱) آزاد خیال برطانوی طبقے نے یہودیوں کے حق میں اپنی آواز بلند کیے رکھی۔ ۱۸۳۳ء، ۱۸۳۳ء اور ۱۸۳۶ء میں برطانوی دارالعوام میں ایک بل منظور کیا گیا جس میں یہودیوں کے خلاف امتیازات کا خاتمہ مقصود تھا۔ یہ بل دارالامراء میں مسترد ہو گیا لیکن ایک ایکٹ منظور کر لیا گیا جس کے تحت یہود کو شریف یعنی ضلعی منتظم اعلیٰ کا دفتر سنبھال سکنے کا اختیار دے دیا گیا۔ ڈیوڈ سولومن کو ۱۸۸۵ء میں لندن کا منتظم اعلیٰ چن لیا گیا۔ دو سال بعد موزیز مونسے نوآر نے یہی عہدہ سنبھالا جس کی توثیق ملکہ وکٹوریہ نے کر دی۔ ۱۸۵۸ء میں ایک بل منظور کیا گیا جس میں یہودیوں کو برطانوی مجلس قانون ساز میں داخلے کی اجازت مل گئی۔^(۲)

امریکہ اور یورپ کے دوسرے حصوں میں مختلف ذرائع سے یہودی نظریہ کی تشہیر کی گئی جن میں مستقبل پسند یا ”فیوچر سٹ“، ”اینگلو اسرائیلی“ اور ”فری میسن“ شامل ہیں۔ یہودی مفادات کے تحفظ کے لیے انہوں نے مختلف روپ میں کام کیے اور بڑے محتاط انداز میں عوامی رائے علمہ کو اپنے حق میں ڈھالا۔ فیوچر سٹ نے انجیل کی پیش گوئیوں کو بنیاد بنا کر کھمرے یہودیوں کی فلسطین میں واپسی کا پرچار کیا۔ پروٹسٹنٹ مذہب کا یہ عقیدہ تھا کہ انسانیت ایک ”نئی ہزاری“ کی طرف جا رہی ہے۔ جس میں ہر طرف تقدس کا دور دورہ ہوگا اور اس مسعود گھڑی کی پہلی ضرورت خدا کے مقبول بندوں (یہودیوں) کی ارض مقدس میں واپسی ہے۔ جب مسیح علیہ السلام یروشلم قدیم میں واپس آ کر حضرت واؤد علیہ السلام کے تخت پر جلوہ افروز ہوں گے اور ان چنے ہوئے لوگوں پر حکومت کریں گے جو انہیں مسیح موعود تسلیم کریں گے۔ حزقیل کا شاندار معبد اسی پرانی عبادت گاہ کی جگہ تعمیر کیا جائے گا جہاں آج کل مسجد عمر (مسجد الاقصیٰ) موجود ہے اور یہودیت کے پرانے تہوار دوبارہ منائے جائیں گے۔ انجیل کی پیش گوئیوں میں سے براہ

-William B. Ziff, The Rape of Palestine, London, 1948 P-141

Solomon Graetz, A History of the Jews, The Jewish Publication Society of America, -r

Philadelphia, 1969 P-59

راست حوالے دے کر دانشوروں۔ مذہبی حلقوں۔ قانون دانوں اور سیاستدانوں نے اس منزل مقصود کے حصول کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔^(۱)

اسرائیل کے ”دس گمشدہ قبائل“ کا معاملہ بھی یہودیوں کی تقدیر کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ نظریہ ان آزاد مغربی مدبرین اور نظریہ انجذاب کے حامیوں کے نظریات کے خلاف ایک تیز رد عمل تھا جو کہ یہودی قوم کے وجود کے سرے سے منکر تھے۔ تاہم آزاد ذہن کی رائے جس کی مزاحمت نہ کی جاسکتی تھی، کے مطابق ان کا مقصد یہودیوں کو غیر یہودی بنادینا تھا یہ نظریہ شکست سے دوچار ہوا۔ اینگلو اسرائیلی نظریے نے یہودیوں کے حق میں ہم کو تیز تر کر دیا۔^(۲) ان اسرائیلی گمشدگان کی اولاد میں برطانیہ اور کینیڈا کے اینگلو اسرائیلی تھے جو وفاق انگلستان و برطانیہ کے ارکان تھے۔ یہ دلیل بھی دی گئی کہ دس گمشدہ قبائل ہی دراصل برطانیہ کی دولت مشترکہ کی اقوام ہیں۔ ان کے خیال میں امریکا اسرائیلی قبیلہ منسی کی اولاد سے ہیں۔ انگریز افرانیم کی اولاد میں سے ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے لوگ خانقاہی راہبوں کے پیروکار۔ اینگلو سیکسن (انگریز ٹیوٹانی جرمن) باشندے اسرائیل کے شمالی قبائل کی اولاد میں سے تھے جن کے لیے اخروی ایام میں تمام نعمتیں ارسال کی گئیں۔ داؤدی سلطنت کے لوگوں کو فلسطین سے برطانیہ بھیجا گیا اور اس کے تحت و بادشاہت کے دوام کا خدا نے وعدہ کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ آئندہ ایام میں خانوادہ داؤد میں سے ایک عالمی سلطنت جنم لے گی۔^(۳)

شہنشاہیت کے تمام نوزائیدہ جارحانہ رجحانات جو اینگلو سیکسن پیش کر رہے تھے، ان کو مزید شہ عبرانی فلسفہ دے رہا تھا۔ یورپی اقوام کو بنی اسرائیل کی آباء قرار دینے کے نتیجے میں انگریزوں کا ایک بڑا طبقہ اپنے آپ کو واقعی اسرائیلیوں کی اولاد سمجھنے لگا تھا۔ برطانوی عوام کی غالب اکثریت کے اس یقین کامل میں اتنی قوت آ گئی کہ اس کے

J.C Stevens, Palestine in Prophecy, The Voice of Prophecy, California, USA 1944, P-6-1

W.B. Ziff op cit P-33-2

J.C. Stevens, op cit. P-71 -3

نتیجے میں ”برطانوی، اسرائیلی، عالمی وفاق“ نامی تنظیم وجود میں آگئی جس کا دعویٰ تھا کہ اس کے ایک وقت میں پچاس لاکھ ارکان تھے جن میں زیادہ مشہور ملکہ وکٹوریہ اور شاہ ایڈورڈ ہفتم تھے۔^(۱) فری میسنری (عالمی ماسونی تحریک) نے خفیہ بھیں میں یہودیت کے مقاصد کے لیے فیصلہ کن طریق کار مرتب کیا۔ فری میسنری کے ساتھ ساتھ یورپی خفیہ انجمنوں میں یہودیوں کی سرانیت پذیری نے متوازی کردار ادا کیا۔ ”ہیکل سلیمانی کی تعمیر“ کو یہودیوں کی فلسطین واپسی سے تعبیر کیا گیا۔ فری مین لاجوں میں جو مختلف خفیہ اشارے اور رسومات ادا ہوتی تھیں ان میں بہت سے مدبرین۔ سیاستدان۔ عوامی و عسکری عہدیداران۔ سفارتکار اور تاجر جمع ہوتے تھے۔ یہ لاجیں یہودیت کو پروان چڑھانے کے لیے استعمال ہوتیں۔ امریکہ۔ برطانیہ۔ فرانس اور اٹلی کے تقریباً تمام اہم شہروں میں میسوں کے ٹمپل تعمیر ہو گئے جو اب بھی ہیں۔ ہندوستان میں فری میسنری نے بنگال میں جڑیں پکڑیں اور ملک کے دیگر حصوں میں تیزی سے پھیل گئے۔ حتیٰ کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے بھی بہت قبل اس نے ترقی کر لی۔^(۲) فری میسوں اور یہودیوں کی سازشیں زیادہ تر سلطنت ترکیہ کے استحکام کے خلاف تھیں۔ میسوں کے اعلیٰ کارپردازوں نے خفیہ انجمنوں کے لبادے میں تخریب کاری کے لیے بہت سے مقامی آلہ کار ڈھونڈ لیے۔ ڈیز رائلی ۱۸۷۷ء میں برطانوی وزیراعظم بنا جو کہ ایک پیدائشی یہودی تھا۔ اس نے دنیا میں سرگرم عمل خفیہ انجمنوں اور ان کی پنہاں کارستانیوں کے متعلق اظہار خیال کیا۔ ان انجمنوں کا دائرہ عمل اندرون و بیرون سلطنت عثمانیہ کی تخریب تھا۔ جبکہ ان کے مراکز جنیوا۔ پیرس۔ لندن۔ برسلز اور ۱۸۸۲ء میں مصر پر برطانوی قبضے کے بعد قاہرہ میں تھے۔ انہوں نے متعدد قومیت کی حوصلہ افزائی اور ترک غلبہ کے خلاف عرب ریاستوں کی علیحدگی کے نظریات پیش کیے۔

جارج انونیس کا کہنا ہے کہ شام میں قومیت پسندی کے خیالات کو متعارف

کرانے کی پہلی منظم کوشش پانچ نو جوانوں نے کی جو بیروت میں واقع ”شامی پروٹسٹنٹ کلیہ“ کے تعلیم یافتہ تھے اور سارے کے سارے عیسائی تھے۔ ۱۸۷۵ء کے لگ بھگ ایک خفیہ تنظیم بنائی گئی اور فری میسنوں کے ساتھ مل کر ایک تحریک چلائی گئی جس کا مقصد شامی معاشرے میں خاص یورپی طریق پر راہیں ہموار کرنا تھا۔^(۱)

یہودیوں کی حمایت یافتہ خفیہ انجمنوں نے اپنی کوششوں کا محور ”یہودیت کا احیاء“ اور ”منتشر یہودیوں کی فلسطین میں بحالی“ بنا لیا۔ انہوں نے عیسائی نظریات کو وحشیانہ طور پر تنقید کا نشانہ بنایا۔ مسیحی مبلغین کو سختی سے مطعون کیا گیا اور ان کی سرگرمیوں کا مذاق اڑایا گیا۔ یہودی علماء کی طرف سے پیش کردہ یہودی تصوف کے فلسفیانہ نظریات کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی گئی۔ اسلام یہودی انتہاء پسندوں کے خلاف ایک عظیم خطرہ تھا۔ چنانچہ اسلام کے خلاف بھڑکانے کا ایک لمبا چوڑا سلسلہ شروع کر دیا گیا تاکہ اس کی ترقی اور ارتقاء کو روکا جاسکے اور اس کی قوت کو کمزور کیا جاسکے۔ یہودی انجمنوں کے آلہ کاروں نے ”تجدیدیت“ کے نام پر بنیادی مذہبی عقائد کو مسخ کرنے کے لیے مقامی باشندوں کو خرید لیا۔ مسلمانان عالم نے اس تجدیدی تحریک کو بڑی پر امید نظروں سے دیکھا، مگر اس خفیہ کارستانی سے ہونے والے نقصانات سے بے خبر رہے۔ انہوں نے عالم اسلام پر ”عقلیت پسندی“ ”قومیت پسندی“ اور جدت پسندی کے تاثر کا اندازہ کیئے بغیر اس کا خیر مقدم کیا۔

۱۸۵۰ء کے عشرے میں یہودی قوم پرستی بڑی تیزی سے پھیلی۔ انیسویں صدی کے اواخر میں تھیوڈر ہرزل کی کتاب ”یہودی ریاست“ اور اسکے بعد ۱۸۹۷ء میں باسل کانفرنس کے بعد صیہونیت یہودیوں کی بین الاقوامی تحریک بن گئی۔ جس کا مقصد فلسطین پر اپنے وطن کے طور پر قبضہ جمانا تھا۔

ہندوستان کی سرزمین پر۔

برطانوی شہنشاہیت کے لیے ہندوستان کی بڑی سیاسی اور معاشی اہمیت تھی۔ یہ ایک دلچسپ موضوع ہے کہ سرزمین ہند پر یہودیوں کی کیا سرگرمیاں رہیں۔ بیسویں صدی کے اوائل میں بہت سے انتظامی افسران۔ سفیروں۔ فوجی افسران اور تاجروں نے سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے کرنے۔ تاج برطانیہ کو مضبوط کرنے اور یہودیوں کے مقصد کو پورا کرنے کی خاطر جاسوسی کی۔ برطانوی خارجہ پالیسی کا اہم مقصد صیہونوں کے ساتھ اشتراک تھا۔ لندن میں واقع ”اینگلو جیوش ایسوسی ایشن“ نے برطانیہ اور اس کی نوآبادیوں میں یہودیوں کے مفادات کی حفاظت کی اور برطانوی دفتر خارجہ کی طرف سے اسے ہمیشہ تیار اور بھرپور تعاون ملا۔ قطع نظر اس کے کہ ایوان اقتدار میں موجود برطانوی حکومت کی جماعتی سیاست کیا تھی، یہودیوں کو اس نے پورا تعاون بہم پہنچایا۔^(۱)

ایشیاء اور مشرق وسطیٰ میں ”مذہبی احیاء“ کی کئی تحریکوں اور صیہونیت کے درمیان ہمیں پراسرار رابطے ملتے ہیں۔ ہندوستان کی احمدیہ تحریک۔ ایران کی بہائیت فری میسنری اور تھیوسوفسٹ تحریکوں کے یہودیوں کی خفیہ تنظیموں کے ساتھ روابط تھے۔ یہودی آلہ کاروں کے ذریعہ میسوں اور تھیوسوفسٹوں کے ادارے برطانیہ۔ امریکہ اور ان کی نوآبادیوں میں قائم تھے۔ ۱۸۷۹ء میں کرنل اولکات جو ایک بدنام ماضی والا فری میسن تھا اور غیر اخلاقی مواد پھیلانے کے الزام میں امریکہ میں قید کاٹ چکا تھا۔ مادام بلاوائسکی کے ساتھ ہندوستان آیا جو ایک روسی جرنیل کی بیوہ تھی اور ایک مشکوک ماضی کی مالک تھی۔ انہوں نے مدراس میں تھیوسوفی و جدانی معرفت کا مرکز کھول کر بدھ مت کی دہریت کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔ اپنے رسالے ”تھیوسوفسٹ“ میں انہوں نے ہندو مت اور بدھ مت کی تعریف کی اور پوری شدت سے عیسائیت اور عیسائی مبلغین کی مذمت کی۔ ہندوستان میں ایک مضبوط تحریک کی بنیاد رکھنے کے بعد وہ ۱۸۸۳ء میں یورپ واپس چلے گئے۔ سوتزر لینڈ۔ جرمنی اور اٹلی کے درمیان سفر کے موقع پر کسی جگہ

بلاواٹسکی نے روسی خفیہ ایجنٹوں کو اپنی خدمات کی پیشکش کی جو انہوں نے ٹھکرا دی۔^(۱) وہ فری میسنوں میں بتیسواں درجہ رکھتی تھی اور ان میں اس کی بڑی عزت تھی۔ اسکی کتاب ”ایز دیوی کی نقاب کشائی“ کو ایک ”علیٰ ماسونی شاہکار کہا جاتا ہے۔ اس کی شاگردانی سینٹ جو کہ ہندوستان میں ہوم رول کی تحریک کے بارے میں مشہور ہے ایک اہم فری مین اور اس کی قریبی رفیق کار تھی۔

انیسویں صدی کی ”اتحاد عالم اسلام“ کی تحریک سید جمال الدین افغانی نے پروان چڑھائی۔ انقلاب ایران (۱۹۰۵ء)۔ ترکی کی نوجوان ترکوں کی تحریک (۱۹۰۸ء) اور مصر کی چند قوم پرست تحریکیں افغانی اور ان کے پیروکاروں سے متاثر ہو کر چلائی گئیں۔ افغانی ایک فری مین تھے۔ وہ اس یہودی ادارے کو اپنے سیاسی نظریات کی اشاعت کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ مفتی عبدہ بھی ایک فری مین تھے اور مصر کے لارڈ کرومر کے خاص آدمی تھے۔ افغانی کو ان کی سیاسی مصروفیات اور ادارے کی خفیہ کارکردگی پر اعتراض کی بناء پر ماسونی لاج ”شار آف ایٹ“ سے نکال دیا گیا۔^(۲) ایران کی باہیت اور بہائیت یہودی حمایت کی بڑی زوردار پرچارک تحریکیں ہیں۔ عبدالمہاء نے بارہ جنوری ۱۹۱۲ء کو لندن میں مجلس احباب کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے بہائیت کا سراغ اٹھا دیں۔ صدی میں جرمنی میں معرض وجود میں آنے والی جماعت روشنائی یا Alluminate ”ایلو مینائی“ سے جوڑا جو کہ فری میسنری کی پیش رو تحریک تھی۔ بہائیت اسلام کے خلاف کھل کر کام کرتی رہی۔ اس کے پیروکاروں نے صیہونیوں کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کر لیے۔ بہاء اللہ نے اپنے وعظوں اور تقریروں میں یہودیوں کے اسرائیل واپس آنے کی پیش گوئیاں کیں۔ آج کل اس تحریک کا ایک مضبوط مرکز اسرائیل میں ہے۔ ۱۹۷۹ء کے ایرانی انقلاب کے بعد بہائی اپنے مراکز کو ایران سے پاکستان منتقل کر رہے ہیں۔

Daniel Grotto Kurska, Notes on Inside The Occult: The True Story of H.P. Blavatsky, Philadelphia, USA, 1975, P-5

Elie Kedouri, "Afghani and Abdu, New York, USA, 1966, P. 21. ۲

بہائیت شیعہ ایران میں پروان چڑھی اور قادیانیت یا احمدیہ تحریک سنی ہندوستان میں پھلی پھولی۔ قادیانیت کی ابتداء ترقی اور مذہبی و سیاسی خیالات سے بخوبی یہ واضح ہوتا ہے کہ اس کی پیدائش ایک صیہونی اور سامراجی سازش کا نتیجہ ہے۔ اسکے بانی نے عیسائیت کی مذمت کی۔ جہاد کو ہمیشہ آنے والے وقتوں کے لیے حرام قرار دیا۔ اسلامی عقائد کو مسخ کیا اور تقریباً نوے کروڑ مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ وہ اپنے آپ کو مجدد (مصلح) مسیح موعود۔ مہدی نبی۔ رسول اور سب سے بڑھ کر بھگوان کرشن قرار دیتا ہے۔ وہ برطانوی شہنشاہیت کے ساتھ حد درجہ وفاداری کی تلقین کرتا ہے اور اسے اپنے ایمانی اجزاء میں سے ایک جزو قرار دیتا ہے۔

ہندوستان کا سیاسی منظر

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد برطانیہ کا پورے برصغیر پر قبضہ ہو گیا۔ جنگ کا اہم پہلو ان علماء کا کردار تھا جو انہوں نے برطانوی غاصبوں کے خلاف منظم مزاحمت کی صورت میں ادا کیا۔ سید احمد شہیدؒ کی تحریک بالا کوٹ ان کی اور ان کے رفقاء کی شہادت کے بعد ختم نہ ہو سکی۔ زندہ بچ جانے والے مجاہدین اور حریت پسندوں نے شمال مغربی سرحدی صوبہ کی پہاڑیوں کو اپنا مرکز بنا کر برطانوی راج کے خلاف جہاد جاری رکھا اور برطانوی فوجوں کو کئی لڑائیوں میں کچل کر رکھ دیا۔ جن میں سے ۱۸۶۳ء کی جنگ امبلا اہم ہے۔ برطانوی دستوں کے خلاف مجاہدین نے حیران کن بہادری اور شاندار جرأت کا مظاہرہ کیا۔

سرحدوں پر ہزیمت اٹھانے کے بعد انگریزوں نے ہندوستان میں مجاہدین کی خفیہ تنظیم کو تباہ کرنے کی کوشش کی کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ یہ تنظیم ان مجاہدین کو اسلحہ اور رقوم کی فراہمی کی ذمہ دار ہے جس نے سرحدوں کو غیر محفوظ بنا دیا ہے۔ ۱۸۶۳ء اور ۱۸۹۵ء میں انبالہ اور پٹنہ میں چلنے والے مقدمات کے بعد تقریباً ایک درجن انتہائی فعال مجاہدین کو سزائے جس دوام بحور دریاے شور کے طور پر کالا پانی

(جزائرِ اے ایمان) بھجوا یا گیا۔ لنن پر الزام تھا کہ وہ ملکہ معظمہ کے خلاف جنگ کی سازشوں میں شریک تھے۔ اسکے بعد ۱۸۶۸ء، ۱۸۷۰ء اور ۱۸۷۱ء میں گرفتاریوں اور مقدمات کی ایک نئی لہر آئی اور راج مل۔ والدہ اور پٹنہ میں مقدمات کا سلسلہ شروع ہوا جس میں مزید کالے پانی کی سزائیں سنائی گئیں۔^(۱) ظالمانہ مقدمات کے تواتر اور پولیس کی بے رحمانہ تفتیشوں کے بعد حکومت مجاہدین کو رسد کی فراہمی کا نظام درہم برہم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

ہنٹر رپورٹ

میں ستمبر ۱۸۷۱ء کو عبداللہ نامی ایک پنجابی مسلمان نے کلکتہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نارمن کوٹل کر دیا۔ وائسرائے لارڈ میو کے کاغذات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان وہابی خیالات سے بالواسطہ طور پر متاثر تھا اور اس نے وہابیوں کے مرکز کے طور پر مشہور ایک مسجد سے دینی تعلیم حاصل کی تھی۔ جسٹس نارمن مجاہدین کے سخت خلاف تھا۔ اس نے غیر قانونی حراست کی تمام اپیلیں ۱۸۱۸ء کے ضابطہ III کے تحت مسترد کر دی تھیں اور پٹنہ کیس کی سزاؤں کے خلاف بھی اپیلیں سننے سے انکار کر دیا تھا۔^(۲)

برطانوی حکومت نے مسلمانوں کے خلاف سختیاں کیں اور ان کو اپنا اصل دشمن گردانتے ہوئے بڑی شدت سے دبانے کی کوشش کی۔ انہوں نے ”باغی مسلمانوں“ کی چلائی ہوئی جہادی تحریکوں کو ختم کرنے کے لیے تمام وحشیانہ حربے استعمال کیے۔^(۳) مئی ۱۸۷۱ء کو وائسرائے لارڈ میونے جو کہ ذرا ایلی حکومت کا آئرش سیکرٹری تھا ایک مقامی سول ملازم ڈیلیو۔ ڈیلیو۔ ہنٹر کو اس سلگتے مسئلہ پر ایک رپورٹ تیار کرنے کو کہا کہ ”کیا مسلمان برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کے لیے اپنے ایمان کی وجہ سے مجبور

The Moslim world, Vol.II No.2, April, 1912. P-76-1

۵۔ ملا محمد کوثر جہانگیر کیسبیل کا خط مورخہ ۲۳ نومبر ۱۸۷۱ء، مورخہ ۳۰ نومبر ۱۸۷۱ء، کو اسے آرگنٹیل کی یادداشت کا ایڈکس نمبر ۵۰ میں کاغذات کا بڑل وصولی

فبر ۲۸۔ کیمبرج بخودوشی لائبریری لندن حوالہ شدہ بی ہارڈی۔ طائوئی ہند کے مسلمان۔ کیمبرج ۱۹۷۸ء
۱۹۷۳ء کو کولمبیا، کیمبرج میں سال کردہ خطوط فبر ۱۹۷۳ء میں کیمبرج ۲۹

ہیں“ (۱) ہنٹر کو حقیقت حال تک رسائی کے لیے تمام خفیہ سرکاری دستاویزات کی جانچ پڑتال کی اجازت دے دی گئی۔ ہنٹر نے ۱۸۷۱ء میں ”ہندوستانی مسلمان۔ کیا وہ شعوری طور پر ملکہ کے خلاف بغاوت کے لیے مجبور ہیں“ کے عنوان سے اپنی رپورٹ شائع کی۔ اس نے اسلامی تعلیمات خصوصاً جہادی تصور۔ نزول مسیح و مہدی کے نظریات۔ جہادی تنظیم کو درپیش مسائل اور وہابی تصورات پر بحث کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ

”مسلمانوں کی موجودہ نسل اپنے معتقدات کی رو سے موجودہ صورتحال (جیسی کہ ہے) کو قبول کرنے کی پابند ہے، مگر قانون (قرآن) اور پیغمبروں (کے تصورات) کو دونوں طریقوں سے یعنی وفاداری اور بغاوت کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمان ہندوستان میں برطانوی راج کے لیے پہلے بھی خطرہ رہے ہیں اور آج بھی ہیں اور اس دعویٰ کی کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتا کہ یہ باغی اڈہ (شمال مغربی سرحد) جس کی پشت پناہی مغربی اطراف کے مسلمانوں کے جتھے کر رہے ہیں، کسی کی رہنمائی میں وہ قوت حاصل کرے گا جو ایشیائی قوموں کو اکٹھا اور قابو کر کے ایک وسیع محاربہ Crescentado کی شکل دیدے۔“

اس کے علاوہ مزید لکھتا ہے۔

”ہماری مسلمان رعایا سے کسی بھی پر جوش وفاداری کی توقع رکھنا عبث ہے۔ تمام قرآن مسلمانوں کے بطور فاتح نہ کہ مفتوح کے طور پر تصورات سے لبریز ہے۔ مسلمانان ہند ہندوستان میں برطانوی راج کے لیے ہمیشہ کا خطرہ ہو سکتے ہیں“ (۲)

مذہبی انتہا پسندی

۱۸۵۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کے اعلان میں یہ کہا گیا تھا کہ مذہبی عقائد کی تبلیغ کے معاملے میں برطانوی حکومت غیر جانبدار رہے گی۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوستان کی مذہبی منڈی میں کئی مذہبی مہم جو اپنے مال کے نمونے لے کر آ گئے۔ ”ہندوستانی مشرکین“ کو انجیل مقدس کا درس دینے والے عیسائی مبلغین برطانوی نو

نوآبادیات کی اپنی پیدوار تھے۔ ہندوؤں کی مذہبی انتہا پسند تنظیموں۔ آریہ سماج۔ برہمو سماج اور دیوسماج نے اپنے نظریات کے احیاء کے لیے پر جوش طریقہ کار اختیار کیئے۔ سکھ۔ پارسی۔ جین مت اور بدھ مت والے نسبتاً کم جوش و خروش سے اپنے عقائد پھیلاتے رہے۔ صرف آزاد خیال اور دہریے ایک آزاد معاشرے کے قیام کی وکالت کرتے تھے اور مذہبی آزادی کی مذمت کرتے تھے۔

مسلمانوں میں کئی فرقے اور ذیلی فرقے پھوٹ پڑے۔ جن میں مادہ پرست۔ اہلحدیث۔ اہل قرآن (چکڑالوی)۔ عدم تشدد پرست صوفی مشہور ہیں۔ دو بڑے فرقے سنی اور شیعہ تھے جو پہلے موجود تھے۔ پورا ہندوستانی معاشرہ کثیر تعدادی چھوٹے چھوٹے مخالفانہ گروہوں میں بٹ گیا تھا جو ایک دوسرے کے سخت خلاف تھے۔ اس فرقہ وارانہ تقسیم سے برطانوی سامراج کو ہندوستان میں اپنی حکومت کو مضبوط کرنے میں مدد ملی۔

۱۸۷۵ء میں مل شکر نے جو کہ اپنے برہمن نام ”سوامی دیانند“ سے مشہور تھا۔ انتہا پسند تنظیم ”آریہ سماج“ کی بنیاد رکھی۔ وہ ایک متعصب ہندو تھا اور شمالی ہندوستان میں انتہا پسند ہندومت کا ایک چلتا پھرتا معلم تھا۔ اس نے بت پرستی۔ کم سن بچوں کی شادیوں اور چھوت چھات کی جدید روشن خیالی کے نام پر مذمت کی اور ویدوں کی خالص تعلیمات پیش کیں۔^(۱)

آریہ سماجیوں کے خیال میں ہندوستان میں ایک ویدی معاشرے کی تشکیل میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام کا وجود تھا۔ سوامی ۱۸۸۳ء میں وفات پا گیا۔ وہ بدنام زمانہ کتاب ”ستیارتھ پرکاش“ کا مصنف تھا جو تمام غیر ہندو مذاہب کے خلاف تھی۔

راجہ رام موہن رائے (۱۸۳۳-۱۸۷۲ء) نے ویدک معاشرے کی قدیمی خوبصورتی کو واپس لانے کے لیے برہمو سماج کی بنیاد رکھی۔ وہ عیسائیت سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ وہ ۱۸۳۳ء میں ایک سیاسی مقصد کے لیے انگلستان گیا اور وہیں وفات پائی۔

اس تحریک نے اس وقت زور پکڑا جب ایک بنگالی ہندو کیسب چندر سین (۸۳-۱۸۳۸ء) نے بڑے فصیحانہ انداز میں یسوع مسیح کی تعریف کرتے ہوئے عیسائی مبلغین کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ وہ ۱۸۷۰ء میں انگلستان گیا جہاں اس کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ وہاں اس کے کئی لیکچر کرائے گئے جن میں اس نے اپنے آپ کو ”مسیح علیہ السلام کا اوتار“ قرار دیا اور اپنے سماج کو ہندومت کا مصفیٰ کلیسا کہا۔ جگدیش چندر بوس اور رابندر ناتھ ٹیگور وغیرہ برہمن سماجی تھے۔

ہنڈت ایس این اگنی ہوتری نے ہندومت کے احیاء کے لیے دیوسماج تحریک کی بنیاد رکھی۔ رام کرشنا مشن۔ پرارتھنا سماج اور (بال گنگا دھر تلک) مشن کا مقصد بھی زندگی کے تمام شعبوں میں ہندوؤں کی بالادستی کا قیام تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ تمام غیر ہندوؤں خصوصاً مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال کر ایک ہندو معاشرے کا قیام عمل میں لایا جائے۔ تلک نے مرہٹہ رہنما شیواجی جو اورنگ زیب کا سخت مخالف تھا اس کی تمام رسومات کو زندہ کیا اور جنوبی ہندوستان میں اس کے اعزاز میں کئی تقریبات منعقد کرائیں۔

عیسائی مبلغین نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں حد درجہ قوت و اثر حاصل کر لیا تھا۔ کمپنی کے میثاق ۱۸۱۳ء کی رو سے عیسائی مبلغین کی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ ایک لاکھ پادری تین ذیلی پادریوں کے ساتھ کلکتہ میں تعینات کیا گیا۔ اس کلیسائی ادارہ کے تمام اخراجات کی ذمہ دار ”ایسٹ انڈیا کمپنی“ تھی۔ ہندوستان میں عیسائیت کے فروغ کی سرگرمیوں کو انگلستان کی ہر قسم کی حوصلہ افزائی حاصل تھی۔ ”ایسٹ انڈیا کمپنی“ کے بورڈ آف گورنرز کے ایک رکن نے برطانوی دارالعلوم میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

”پروردگار نے انگلستان کو ہندوستان کی وسیع و عریض سلطنت اس لیے عطا کی ہے کہ اس کے ایک سرے سے دوسرے تک مسیح کا پھریرا لہرائے۔ ہر ایک کو اپنی تمام قوت اس امر پر لگا دینی چاہئے کہ تمام ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کے عظیم کام میں کسی بھی لحاظ سے

کسی قسم کا تساہل یا تعطل پیدا نہ ہونے دے۔“ (۱)

۱۸۱۳ء کے اسی میثاق کی رو سے اسی کلیسائی محکمے کے تمام اخراجات کمپنی کو ہونے والے محاصل میں سے ادا کیئے جانے تھے اور ۱۹۴۷ء تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ ان مبلغین کو عیسائی تبلیغی سرگرمیوں کے حامیوں سے ملنے والے رضا کارانہ چندوں سے رقم ملتی رہی۔ (۲) ایٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت میں عیسائیت مکمل طور پر شہنشاہیت اور تجارت کے ساتھ نتھی کر دی گئی تھی۔ سلطنت کے مفادات کے تحفظ کے لیے ”عیسائی تبلیغی مراکز“ مسلح دربان کا کام دیتے رہے۔ عیسائیت۔ تجارت اور نوآبادیات کی تثلیث نے سامراجی مقاصد کی ہمیشہ نگہبانی کی۔ (۳) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ایک اہم وجہ چند جنوبی عیسائی مبلغین کی شروع کردہ جارحانہ مہم بھی تھی۔ جنگ کے بعد اس مہم نے مختلف شکل اختیار کر لی۔ اس بات پر زیادہ زور دیا گیا کہ جن علاقوں میں تبلیغی مراکز بند ہو چکے تھے وہاں بھیجنے کے لیے مقامی اہلکاروں کو خریدا جائے۔ ”کلیسائی تبلیغی مجلس لندن“ نے ہندوستان میں مبلغین بھجوائے اور ان کی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیے حکومت کی مدد حاصل کر لی۔ (۴) ہندوستان کے طول و عرض میں اکیس مختلف عیسائی کلیساء کام کر رہے تھے۔ عیسائی آبادی کا بڑا حصہ رومن کیتھولک تھا جن کی تعداد پانچ لاکھ کے قریب تھی۔ اس کے بعد فرقہ معترضہ (ایک لاکھ بیس ہزار) فرقہ اصطباغی (اکیاسی ہزار) کلیسائے انگلستانی کے پیروکار (انچاس ہزار) تھے۔ کئی چھوٹے گروہ جیسے امریکی۔ آرمینیائی۔ قبطین۔ مجلس۔ کالویانی۔ غیر مقلدین۔ اسقفیائی۔ آزاد لوٹھری۔ اصول پسند۔ شام کے یونانی۔ ویزلیائی مبلغین نے بھی ہندوستانیوں کو عیسائیت کا پرچار کیا۔ انیسویں صدی کے اختتام تک برطانوی اور دیگر یورپیوں سمیت ہندوستان میں

۱۔ Brain Gardner, The East India Company, London, 1971, P171۔

۲۔ ایسا صفحہ 251

۳۔ Klaus Knorr, British Colonial Theories, (1570-1850) London, 1965, P- 388۔

۴۔ جان بلنڈ کا بدلہ انگلستان کی ہندوستان میں مستقل پرخطر ہے (۲) مذہب ہندوستان کلیسائے انگلستان کا سرکاری رویہ ۱۸۵۸ء

جان سب ہندوستانی بنو ۱۸۵۸ء

عیسائی آبادی تقریباً بیس لاکھ کے قریب تھی۔^(۱)

مسلمانوں کا رد عمل

۱۸۵۷ء کے پر آشوب واقعہ کے بعد مسلمانان برصغیر اپنے سیاسی و معاشی حقوق کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے جبکہ انگریز انہیں دبانے پر تلے ہوئے تھے۔ سر سید احمد خان نے ان کی رہنمائی کی۔ ان کا نسخہ یہ تھا کہ جدید تعلیم حاصل کی جائے۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں نے ان کے بتائے ہوئے طریقے کو قبول نہ کیا جو کہ انگریزوں سے متفرق تھے اور ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر ان کے خلاف جنگ آزادی کے لیے برسرِ پیکار تھے۔ علماء نے ان کی تاج برطانیہ سے وفاداری کی وکالت، آزاد مشرب تفسیر قرآن خصوصاً ان کے حیاتِ مسیح علیہ السلام کے بارے میں نظریہ۔ نزول مہدی علیہ السلام۔ جہاد۔ ہندوستان کی دارالسلام کے طور پر حیثیت وغیرہ کی سختی سے تنقید اور مذمت کی۔ تمام مکاتب فکر کے علماء خصوصاً سید احمد شہید کے پیروکاروں (وہابیوں) نے اس موقف کا بھرپور اعادہ کیا کہ برطانوی سامراج نے ہندوستان پر بزورِ قوت قبضہ کیا اور یہ ”دارالحرب“ ہے اگرچہ کئی معاملات میں انہوں نے انگریز سے براہِ راست اور کھلی فکر لینے سے احتراز کیا۔ کئی مفکرین مثلاً مولوی چراغ علی دکنی (۹۵-۱۸۴۳ء) نے ہندوستان کو نہ دارالحرب نہ دارالسلام بلکہ محض دارالامن قرار دیا۔^(۲) وہ علماء جنہوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا انہوں نے کبھی بھی انگریزوں کے ساتھ سماجی میل جول کی حمایت نہیں کی۔ وہ برطانوی راج کے مقام کے متعلق اپنے آپ کو کبھی بھی قائل نہ کر سکے۔ مسلمان علماء کی طرف سے عیسائی مبلغین کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ کیرانہ کے مولانا رحمت اللہ۔ آگرہ کے ڈاکٹر وزیر خان۔ لکھنؤ کے مولانا عبدالہادی۔ مولانا آل حسن اور مولانا محمد علی پھرادی نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں عیسائی مبلغوں کے اعتراضات کے عالی شان جواب دیئے۔ لیکن عیسائی مبلغین کے جارحانہ دھاوے کے

۱۔ ایچ جے ایس کاٹن New India لندن ۱۸۸۶ء اینڈکس برطانوی ہند میں مردم شماری کی اطلاع ۱۷ فروری ۱۸۸۱ء جلد ۱ ص ۳۳

۲۔ مولوی چراغ علی جہاد کا ایک تنقیدی اعجاز، کلکتہ ۱۸۸۵ء ص ۱۶۰-۱۵۹

خلاف یہ زیادہ تر مدافعانہ جنگ تھی۔

غداروں کا خاندان

احمد یہ تحریک کے بانی مرزا غلام احمد کا تعلق پنجاب کے ایک مغل گھرانے سے تھا۔ سکھ حکمرانوں نے آپ کے پردادا مرزا گل محمد کو آبائی علاقے قادیان سے نکال دیا تھا۔ آپ نے اس وقت پنجاب کے حکمران راجہ رنجیت سنگھ کے ایک مخالف سردار فتح سنگھ کے دربار میں اپنے اہل و عیال سمیت پناہ لے لی۔ فتح سنگھ کے مرنے کے بعد رنجیت سنگھ نے اسکے علاقے بھی قبضہ میں لے لیے۔ مرزا غلام احمد کے باپ مرزا غلام مرتضیٰ اور ان کے چچا مرزا غلام محی الدین نے سکھ فوج میں شامل ہو کر سکھوں کے مظالم کے خلاف شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کی تحریک آزادی کچلنے میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ مرزا مرتضیٰ نے شمال مغربی ہند میں سید احمد شہید کے ساتھیوں اور ان کشمیری مسلمانوں کو شہید کیا جو سکھوں کے اقتدار کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ رنجیت سنگھ نے کشمیر پر ۱۸۱۸ء میں اور پشاور پر ۱۸۲۳ء میں قبضہ کیا۔ ۱۸۳۳ء میں ان کی ”بیش بہا“ خدمات کے عوض رنجیت سنگھ نے قادیان میں ان کے پانچ گاؤں بحال کر دیئے۔ اگلے سال رنجیت سنگھ نے وفات پائی۔ اس کی وفات کے بعد مرکزی قوت کمزور پڑنے لگی اور انگریزوں کا اثر و نفوذ بڑھنے لگا۔ مرزا مرتضیٰ نے انگریزوں کی طرفداری کی اور وہ سکھ دربار میں انگریزوں کے قابل اعتماد آلہ کار بن گئے۔ جب سکھوں کو اس بات کا علم ہو گیا تو انہوں نے انہیں اور ان کے بھائی مرزا غلام محی الدین کو قتل کرنے کی کوشش کی مگر یہ اپنے چھوٹے بھائی مرزا غلام حیدر کی مداخلت کے باعث بچ گئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں خدمات سرانجام دینے والے وفادار گھرانوں کی دستاویز تیار کرتے ہوئے ”پنجاب کے رؤسا“ (۱) نامی کتاب میں سرلیپل گریفن غلام مرتضیٰ کی خدمات کے بارے میں مندرجہ ذیل خیالات پیش کرتا ہے۔

”لونہال سنگھ۔ شیر سنگھ اور دربار لاہور کے دور دورے میں غلام مرتضیٰ ہمیشہ فوجی خدمت پر مامور رہا۔ ۱۸۳۱ء میں یہ جرنیل و نچورا کے ساتھ منڈی اور کلو کی طرف بھیجا گیا اور ۱۸۳۳ء میں ایک پیادہ فوج کا کیدان بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مفدے میں اس نے کارہائے نمایاں کئے اور جب ۱۸۳۸ء کی بغاوت ہوئی تو یہ اپنی سرکار کا نمک حلال رہا اور اس کی طرف سے لڑا۔ اس موقع پر اس کے بھائی غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں۔ جب بھائی مہاراج سنگھ اپنی فوج لیئے دیوان مولراج کی امداد کے لیئے ملتان کی طرف جا رہا تھا تو غلام محی الدین اور دوسرے جاگیرداران لشکر خان ساہیوال اور صاحب خان نوانہ نے مسلمانوں کو بھڑکایا اور مصر صاحب دیال کی فوج کے ساتھ باغیوں سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ ان کو سوائے دریائے چناب کے کسی اور طرف بھاگنے کا راستہ نہ تھا جہاں چھ سو سے زیادہ آدمی ڈوب کر مر گئے۔“

مارچ ۱۸۳۹ء میں جب انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کیا تو اس گھرانے کی جاگیریں بحال نہ کی گئیں اور سات سو روپے کی پنشن اور قادیان اور قریبی دیہاتوں کے مالکانہ حقوق مرزا غلام مرتضیٰ اور ان کے بھائی کو دیئے گئے۔^(۱) انگریزوں کے پنجاب کے الحاق کے دو ماہ بعد جون ۱۸۳۹ء میں مرزا غلام احمد نے پنجاب کے مالیاتی کمشنر جے۔ ایم۔ لسن کو خط لکھا جس میں پنجاب کے الحاق کے موقع پر اس کے خاندان کی طرف سے کی گئی خدمات کے عوض مدد کی استدعا کی گئی تھی۔ گیارہ جون ۱۸۳۹ء کو لسن نے جواب دیا۔

”میں نے تمہاری درخواست کا بغور جائزہ لیا ہے۔ جس نے مجھے تمہاری اور تمہارے خاندان کی ماضی کی خدمات اور حقوق یاد دلادے ہیں۔ مجھے بخوبی علم ہے کہ برطانوی حکومت کے قیام سے لے کر تم اور تمہارا خاندان یہ دنیا محض۔ وفادار اور ثابت قدم۔ عایا رہے ہو اور تمہارے حقوق واقعی قابل لحاظ ہیں۔ تمہیں ہر لحاظ سے پر امید اور مطمئن رہ کر چاہئے کہ حکومت برطانیہ تمہارے خاندانی حقوق اور خدمات کو کبھی فراموش نہیں کرے گی اور جب بھی کوئی سازگار موقع آیا۔ ان کا خیال کیا جائے گا۔ تم بھٹیہ سرکار انگریزی کا ہوا

خواہ اور چاٹار رہو کیونکہ اسی میں سرکار کی خوشنودی اور تمہاری بہبود ہے۔“ (۱)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نے پنجاب کے وفادار خدمت گاروں کو موقع فراہم کیا کہ وہ اپنے برطانوی آقاؤں کو اپنی خدمات پیش کر سکیں۔ ہماری تاریخ کے اس کڑے دور میں مرزا کے گھرانے کی طرف سے انگریزوں کو پیش کی گئی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے سر لیپل گرینٹن لکھتا ہے۔

”اس خاندان نے غدر ۱۸۵۷ء کے دوران بہت اچھی خدمات کیں۔ غلام مرتضیٰ نے بہت سے آدمی بھرتی کئے اور اس کا بیٹا غلام قادر جنرل نکسن صاحب بہادر کی فوج میں اس وقت تھا جبکہ افسر موصوف نے تریوگھاٹ پر نمبر ۴۸ نیو انفنٹری کے باغیوں کو جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے تہ تیغ کیا۔ جنرل نکسن صاحب بہادر نے غلام قادر کو ایک سند دی جس میں یہ لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں خاندان قادیان ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا۔“ (۲)

دلی میں حریت پسندوں کی طرف سے جنرل نکسن کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ عبدالرحیم درویدیان کرتا ہے۔

”جنرل نکسن کے ذہن پر قائم شدہ وفادارانہ اور سرگرم تاثر جو مرزا کے گھرانے نے چھوڑا اور جس کا تذکرہ سر جان لارنس نے اپنی جنگ آزادی کی ”روداد“ ”جنرل نکسن کے بغیر دلی فتح نہیں ہو سکتا تھا“ میں کہا ہے کی حقیقت حال اس نیچے دیئے گئے خط سے لگائی جا سکتی ہے جو اس نے اپنی موت کے ایک ماہ قبل اگست ۱۸۵۸ء کو مرزا غلام قادر کو لکھا۔

”جیسا کہ تم نے اور تمہارے گھرانے نے عظیم ترین اخلاص اور وفاداری سے ۱۸۵۷ء کی بغاوت کو کچلنے میں تریوں گھاٹ۔ میرتھل اور دوسری جگہوں پر حکومت کی امداد کی ہے اور اپنے آپ کو حکومت کا مکمل وفادار ثابت کیا ہے اور اپنی جیب سے پچاس سواروں اور گھوڑوں سے حکومت کی امداد کی ہے لہذا تمہاری وفاداری اور بہادری کے اعتراف میں تمہیں یہ پروانہ جاری کیا جاتا ہے جسے تم سنبھال کر رکھنا۔ حکومت اور اس کے اہلکاران ہمیشہ تمہاری خدمات۔ حقوق اور جو اخلاص تم نے حکومت کے بارے میں

دکھایا ہے، کا ہمیشہ خیال رکھیں گے۔ باغیوں کو کچلنے کے بعد میں تمہارے گھرانے کی بہبود کی طرف خیال کروں گا۔ میں نے گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر مسٹر نسبت کو لکھا ہے جس میں تمہاری خدمات کی طرف اس کی توجہ مبذول کروائی ہے۔“ (۱)

۱۸۵۷ء کی بد نصیب جنگ کے خاتمے پر برطانوی آقاؤں کی جانب سے دوسروں پر مالیت کی ایک خلعت اور ایک سند سے نوازا گیا۔ گورنر کے دربار میں اسے ایک کرسی بھی عطا کی گئی۔

نیچے رابرٹ کسٹ کمشنر لاہور کی جانب سے بیس ستمبر ۱۸۵۸ء کو لکھے گئے اس توصیفی خط کا متن ہے جو اس نے مرزا غلام مرتضیٰ کو لکھا۔

”رابرٹ کسٹ صاحب بہادر

تہور و شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان بعافیت باشند۔
از آنجا کہ ہنگامہ مفسدہ ہندوستان موقوفہ ۱۸۵۷ء از جانب آپ کے رفاقت و خیر خواہی و مدد دہی سرکار دولت مدار انگلیشیہ درباب نگاہ داشت سواراں و ہم رسائی اسپاں بخوبی بمنصہ ظہور پہنچی۔ اور شروع مفسدہ سے آج تک آپ بہ دل ہوا خواہ سرکار رہے اور باعث خوشنودی سرکار ہوا لہذا بدلے اس خیر خواہی اور خیر سگالی خلعت مبلغ دوصد روپیہ سرکار سے آپ کو عطاء ہوتا ہے اور حسب منشاء چھٹی صاحب چیف کمشنر بہادر نمبری ۵۶۷ مورخہ دس اگست ۱۸۵۷ء پروانہ ہذا با اظہار خوشنودی سرکار اور نیک نامی و وفاداری بنام آپ کے لکھا جاتا ہے۔ مرقومہ تاریخ بیس ستمبر ۱۸۵۷ء۔“ (۲)

سر ظفر اللہ بیان کرتے ہیں کہ مرزا غلام مرتضیٰ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں فوج میں شمولیت اختیار کی اور کئی لڑائیوں میں اعزازات حاصل کیے۔ بعد ازاں انہوں نے اور ان کے بڑے بیٹے مرزا غلام قادر نے انگریزوں کے لیے قابل تعریف خدمات سرانجام دیں۔ جن کو حکام نے باقاعدہ پسند کیا۔ (۳) ۱۸۷۶ء میں مرزا غلام قادر نے وفات پائی۔ (۴) ان کے مرنے کے بعد ان کے بڑے بیٹے مرزا غلام قادر نے کمشنر

مالیات، پنجاب رابرٹ ایجرنٹ کو اپنے والد کی موت کی اطلاع دیتے ہوئے اور برطانوی شہنشاہیت کے لیے اپنے خاندان کی خدمات پیش کرتے ہوئے خط لکھا۔ انہوں نے اپنی خدمات کی بناء پر کچھ مدد کی درخواست کی۔ مرزا غلام احمد کی کتاب کشف الغطاء میں انتیس جون ۱۸۷۶ء کو ایجرنٹ کی طرف سے غلام قادر کو دیا گیا جواب یوں ہے۔

”سر رابرٹ ایجرنٹ فائنل کمشنر پنجاب

مشفق مہربان دوستان مرزا غلام قادر حفظہ رئیس قادیان آپ کا خط دو ماہ حال کا لکھا ہوا ملا حضور ایں جانب میں گزرا۔ مرزا غلام مرتضیٰ صاحب آپ کے والد کی وفات سے ہم کو بہت افسوس ہوا۔ مرزا غلام مرتضیٰ سرکار انگریزی کا اچھا خیر خواہ اور وفادار رئیس تھا۔ ہم آپ کی خاندانی لحاظ سے اسی طرح عزت کریں گے جس طرح تمہارے باپ وفادار کی کی جاتی تھی۔ ہم کو کسی اچھے موقع کے نکلنے پر تمہارے خاندان کی بہتری اور پابجانی کا خیال رہے گا۔

المرقوم ۲۹ جون ۱۸۷۶ء

سر رابرٹ ایجرنٹ صاحب بہادر
فائنل کمشنر پنجاب

سوانحی خاکہ

مرزا غلام احمد تیرہ فروری ۱۹۳۵ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں انہیں ایک نجی استاد کے حوالے کر دیا گیا۔ جس نے انہیں قرآن پاک اور فارسی پڑھائی۔ دس سال کی عمر میں ایک عربی استاد نے انہیں عربی زبان اور قواعد پڑھائے۔ سترہ سال کی عمر میں ایک تیسرا استاد رکھا گیا جس نے انہیں عربی، علم نحو، منطق اور طب کی تعلیم دی۔^(۱) اوائل عمر میں ہی ان کے باپ نے ان کو اپنے نقش قدم پر چلا لیا جو کہ انگریزوں کی خدمت کر کے بڑے صبر کے ساتھ اپنی کھوئی ہوئی جائیداد کے دوبارہ حصول کے خواہشمند تھے۔ جس سے صرف اس گھرانے کی زرعی ضروریات ہی پوری ہوتی

۱۔ مرزا غلام احمد، کشف الغطاء، قادیان ۱۸۹۸ء، ص ۵۔

تھیں۔ مرزا غلام احمد نے قادیان کی کھوئی ہوئی جاگیروں کے حصول میں بیکار طور پر عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹائے۔^(۱) وہ اس کام میں بری طرح ناکام ہوئے اور ان کے باپ نے انہیں بالکل بیکار شخص سمجھنا شروع کر دیا۔ آخر کار ۱۸۶۳ء میں ان کے باپ نے سیالکوٹ پکھری میں انہیں اہل مد (کلرک) کی معمولی نوکری دلوا دی جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ اپنے سیالکوٹ میں قیام کے دوران وہ قانون کے امتحان میں بیٹھے مگر اس میں بڑی بری طرح ناکام ہو گئے۔^(۲) سیالکوٹ میں وہ چار سال تک (۶۸-۱۸۶۳ء) ٹھہرے رہے۔ وہاں ان کے عیسائی مبلغین خصوصاً سکاٹ لینڈ کے پادریوں کے ساتھ قریبی تعلقات پیدا ہو گئے جن کے ساتھ انہوں نے مذہبی اور سیاسی معاملات پر تبادلہ خیال کیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد عیسائی مبلغین پنجاب میں ہجوم درہجوم آئے کیونکہ یہ خطہ برطانوی نوآبادیاتی حکمت عملی میں خاص اہمیت اختیار کر چکا تھا۔^(۳) جنگ آزادی کے بعد کے دور میں عیسائی مبلغین نوآبادیاتی کھیل میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے کے لیے بڑی سرگرمی سے جنگ آزادی کی اہم مذہبی- سماجی- معاشی اور سیاسی وجوہات کا مطالعہ کر رہے تھے اور ہندوستانی سیاست میں ابھرنے والے رجحانات کا جائزہ لے رہے تھے۔^(۴) ۱۸۵۸ء سے لے کر ۱۸۷۰ء کے درمیانی سالوں میں جنگ آزادی کی وجوہات پر مطالعات کیئے گئے اور ان سوالوں پر بحث کے لیے بہت سے تبلیغی اجتماعات منعقد کیئے گئے۔ ایسا ہی ایک اجتماع دسمبر ۱۸۶۲ء میں پنجاب میں منعقد ہوا۔ اس میں پینتیس عیسائی مجالس اور ان کے نمائندوں کے علاوہ اعلیٰ مقامی و فوجی افسران اور کثیر تعداد میں بااثر لوگوں نے شرکت کی اگرچہ سرکاری حلقوں میں کافی لے دے ہوئی کہ آیا

۱۔ دیکھئے تاریخ احمدیہ جلد اول، تالیف دوست محمد شاہ۔ روہ

۲۔ مرزا بشیر احمد، میرت الہدی جلد اول، قادیان، مئی نمبر ۱۳۵

۳۔ See Frederick Henry Copper, The Crises in the Punjab from the 10 of may Untill the fall of ۱۸۵۷

Dehli, London, 1858

۴۔ For a detailed account see-i). The Indian Crisis, A special general meeting of the church

Missionary Society at Exeter Hall, on Thursday, January 12th, 1858, London, 1858 (ii) Recent

Intelligence, Special Meeting on Indian Crisis, Church Missionary Record, New Series III 1858

ایسا اجتماع منعقد ہونا چاہئے کہ نہیں۔^(۱)

۱۸۶۹ء میں بغاوت کی وجوہات جاننے اور سلطنت کے احکامات کے لیے تجاویز دینے کے لیے مسیحی مبلغین پر مشتمل ایک نجی جماعت نے ہندوستان کا دورہ کیا۔ اس گروپ نے بہت سی جگہوں کا دورہ کیا اور ان سیاسی و مذہبی مسائل کا جائزہ لیا جنہوں نے ہندوستان میں برطانوی راج کے لیے ایک مستقل خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ ابتدائی معلومات حاصل کرنے کے لیے اعلیٰ برطانوی حکام جو انتظامی اور فوجی عہدوں پر متمکن تھے۔ ان سے مشورے کیے اجلاس منعقد کیے اور خفیہ کے اہلکاروں کے ساتھ مباحثے کیے۔ اس کے نتیجے میں ۱۸۷۰ء میں لندن میں ایک اجتماع منعقد ہوا۔ جس میں اس گروہ کے نمائندوں کے علاوہ اہم تبلیغی عہدیداران نے شرکت کی۔ گروہ اور مبلغین نے اپنی علیحدہ علیحدہ رپورٹیں پیش کیں۔ نتیجہ یہ دونوں قسم کی اطلاعات ایک خفیہ اور رازدارانہ دستاویز کے طور پر نجی استعمال کیلئے ”ہندوستان میں برطانوی شہنشاہیت کی آمد“ کے عنوان سے چھاپ دی گئیں۔^(۲) اس اطلاع میں سے ایک اقتباس نیچے دیا جاتا ہے جس میں ایک پیغمبر کی ضرورت بیان کی گئی ہے۔^(۳) جو برطانوی سامراجیت کے فاسدانہ سیاسی منصوبوں میں استعمال ہو سکے۔

”ملکی آبادی کی غالب اکثریت اپنے پیروں کی اندھا دھند پیروی کرتی ہے۔ اگر اس مرحلے پر ہم کسی ایسے شخص کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے جو اپنے آپ کو ظلی نبی کے طور پر پیش کر دے تو لوگوں کی کافی تعداد اس کے ارد گرد اکٹھی ہو جائے گی۔ لیکن اس مقصد کے لیے مسلمان عوام میں سے کسی ایک کو راضی کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے تو ایسے شخص کی نبوت حکومت کی سرپرستی میں پروان چڑھ سکتی ہے۔ ہم پہلے ہی ”مقامی حکومتوں کو غداروں کے ذریعے حکومتوں پر قابو پانے کی حکمت عملی“ سے کام لے چکے ہیں۔ مگر یہ ایک مختلف مرحلہ تھا کیونکہ غداروں کا تعلق عسکری نقطہ نظر سے تھا مگر اب

۱۔ The History of Church Missionary Society, London, 1899 Vol-II, P-250۔

۲۔ ایوڈرٹہ کا دیان سے اسرائیل تک ۱۱ مور ۱۹۷۹ء ص ۲۴

۳۔ کلیسائی انگلستان کے رسالہ کی قلمیں کلیسائے انگلستان کا سامی جائزہ کلیسائی تبلیغی باخبری اور کلیسائی تبلیغی دستاویز شہنشاہیت کے پھل کی ضرورت کی تائید کرتی ہیں

جبکہ ملک کی ہر ٹکر پر ہمارا اقتدار قائم ہے اور ہر جگہ پر امن و امان ہے۔ ہمیں ملک کے اندر اندرونی بے چینی پیدا کرنے کے لیے اقدامات اختیار کرنے ہوں گے۔“

اس وقت جب برطانوی آلہ کار وفاداروں کی تلاش میں تھے۔ مرزا صاحب سیالکوٹ میں متعین سکاٹ لینڈ کے ایک مبلغ بلکرا ایم۔ اے سے قریبی دوستی پروان چڑھانے میں مصروف تھے۔ وہ دونوں اکثر ایک دوسرے سے ملتے اور مذہب اور ہندوستان میں برطانوی حکومت کو درپیش مسائل پر بحث اور تبادلہ خیال کرتے۔ بلکر نے انہیں کھلے عام عزت اور احترام بخشا۔^(۱) اگرچہ ایک غیر ملکی تبلیغی سربراہ اور برسر اقتدار جماعت کے رکن سے ایسا بمشکل ہی متوقع تھا۔ مرزا محمود صاحب جو کہ مرزا کے صاحبزادے اور قادیانی گروہ کے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۶۳ء تک سرخیل رہے ہیں۔ اپنے باپ کے بلکرا سے تعلقات کی نوعیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”اس وقت پادریوں کا بہت رعب تھا لیکن جب سیالکوٹ کا انچارج مشنری ولایت جانے لگا تو حضرت صاحب کے ملنے کے لیے خود پکھری آیا۔ ڈپٹی کمشنر اسے دیکھ کر اس کے استقبال کے لیے آیا اور دریافت کیا کہ آپ کس طرح تشریف لائے۔ کوئی کام ہو تو ارشاد فرمائیں مگر اس نے کہا میں صرف آپ کے اس منشی سے ملنے آیا ہوں۔ یہ ثبوت ہے اس امر کا آپ کے مخالف بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ ایک ایسا جوہر ہے جو قابل قدر ہے۔“^(۲)

مرزا صاحب کے لیے ۱۸۶۸ء کا سال فیصلہ کن ثابت ہوا۔ ایک عربی محمد صالح کا ہندوستان آنا ہوا جس کا سیاسی مقصد تھا۔ اس وقت وہابیوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے صورت حال خاصی تشویشناک تھی۔ انگریز کے لیے پنجاب جیسے اہم خطہ میں ایک عرب محرک کی موجودگی گھمبیر مسائل کاڑھے کر سکتی تھی۔ پنجاب پولیس نے اسے امیگریشن ایکٹ کی خلاف ورزی اور جاسوسی کے الزامات میں گرفتار کر لیا۔^(۳) سیالکوٹ پکھری کے ڈپٹی کمشنر (پرنسز) نے تفتیش شروع کی۔ مرزا صاحب کی عربی کے ترجمان

۱۔ مرزا محمود احمد، سیرت مسعود، ص ۱۵
۲۔ مرزا کا خطاب الفضل کا دیان ۱۳۳۱ھ بمیل ۱۹۱۳ء
۳۔ ڈاکٹر بشارت احمد، مجدد اعظم لاہور ۱۹۳۳ء ص ۲

کے طور پر خدمات حاصل کی گئیں۔ عرب کے ساتھ بحث کے دوران مرزا صاحب نے ہندوستان میں برطانوی حکومت کے جواز میں زوردار بحث کی اور اس کا دفاع کیا۔ اپنی بلاغت کے زور پر انہوں نے اپنے برطانوی آقا کی نظروں میں اپنی اہمیت ثابت کر دی۔ پرنسز نے کچہری کے ایک ملازم کی صورت میں ایک مفید اور وفادار آلہ کار تلاش کر لیا جو سلطنت کے مقصد کے لیے استعمال ہو سکتا تھا۔ اگر اسے اس کام پر لگا دیا جائے۔ پرنسز ایک فری مین تھا اور لاہور کے لاج آف ہوپ کا ایک رکن تھا۔ مرزا نے ۱۸۶۸ء میں بغیر کسی واضح وجہ کے سیالکوٹ کچہری میں اپنی ملازمت چھوڑ دی اور قادیان میں قیام پذیر ہوئے۔ جس روز مرزا صاحب نے قادیان کو روانگی اختیار کی اس دن احترام کے طور پر پرنسز نے کچہری میں تعطیل کر دی۔^(۱)

۱۸۶۸ء میں مرزا غلام احمد کی والدہ چراغ بی بی عرف گھسیٹی وفات پا گئیں۔ انہیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مکمل طور پر اپنے والد کی رقم پر انحصار کرنا پڑا۔ انہیں عدالتوں میں حاضری کے لیے ڈیوٹی اور دوسری جگہوں پر سفر کرنا پڑتا۔ انہوں نے خاموشی سے تمام سختیوں کا مقابلہ کیا اور اپنے مذموم مقصد کو کبھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ ۱۸۷۶ء میں مرزا غلام مرتضیٰ کی وفات نے ان کے بیٹوں مرزا غلام قادر اور مرزا غلام احمد پر مزید مشکلات لا ڈالیں۔ اپنی زندگی کے دوران مرزا غلام مرتضیٰ نے اپنے جدی رشتہ داروں کی جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کیے رکھا۔ جو قادیان میں واقع تھیں۔ ان کی وفات کے بعد غلام قادر کو وہ جائیداد مل گئی اور مرزا غلام احمد اس کے رفیق جرم بن گئے۔ ۱۸۷۷ء میں مرزا غلام مرتضیٰ کی وفات کے ایک سال بعد مرزا قاسم بیگ کے بیٹے مرزا غوث نے جو کہ قادیان کی جدی املاک کے نصف کا اکیلا وارث تھا اور جس سے مرزا غلام مرتضیٰ نے اس سے محروم کر رکھا تھا عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اسے پتہ تھا کہ مرزا برادران اسے اس کا حصہ دینے پر کبھی رضامند نہیں ہونگے۔ اس نے لاہور میں متعین ایک اسٹنٹ کمشنر مرزا اعظم بیگ کو اپنی جائیداد کا حصہ فروخت کر دیا۔ اعظم بیگ کی مالی معاونت کے

بعد اس نے پنجاب کی اعلیٰ عدالت جو دیوانی اور فوجداری مقدمات میں مجاز سماعت مراۃ تھی، مقدمہ جیت لیا۔ مرزا بھائیوں کے پاس اپنے دفاع میں اس دلیل کے علاوہ کوئی ثبوت نہ بچا تھا کہ وہ آبائی جائیداد کی منتقلی اور فروخت کے لیے اسلامی قوانین وراثت کی بجائے مغل رسومات و روایات کے پابند ہیں۔ مرزا غوث کو اس کے حقیقی جائیداد کے حصہ سے محروم کرنے کی مرزا غلام قادر اور مرزا غلام احمد کی یہ ایک عیارانہ چال تھی۔ مرزا غوث کی جائیداد کے حصہ کو ہتھیلانے کے لیے مرزا غلام احمد نے جو کہ بعد میں نبوت اور اسلام کی علمبرداری کے ٹھیکیدار بنے، اسلامی قوانین کی بجائے خاندانی رسومات کو ترجیح دی۔ روایات کے مطابق مرزا غوث صرف بیٹے کی شادی کرنے پر جائیداد فروخت کر سکتا تھا یا اور کسی قابل جواز ضرورت پر ایسا کر سکتا تھا۔ چونکہ وہ بے اولاد تھا اور دوسری کوئی ذاتی ضرورت پیش نہ تھی۔ وہ اپنی جائیداد دوسروں کو فروخت نہیں کر سکتا تھا۔ عدالت نے مرزا بھائیوں کی یہ دلیل مسترد کر دی اور فیصلہ مرزا غوث کے حق میں کر دیا۔

طویل مقدمے بازی نے مرزا گھرانے کو مالی مصائب کے کنارے تک پہنچا دیا تھا۔ غلام قادر جائیداد کا نقصان اور ہار کی ذلت برداشت نہ کر سکا اور ۱۸۸۳ء میں وفات پا گیا۔ بقیہ جائیداد کا اختیار اس کی بیوہ کو حاصل ہو گیا۔ مرزا غلام احمد کی خاندانی معاملات میں بہت کم سنی جاتی تھی مگر وہ اپنی الگ ”سلطنت“ کے قیام میں مصروف تھے۔ مرزا غلام احمد کہتے ہیں کہ اپنے والد کی وفات کے بعد انہوں نے پر مصائب زندگی گزاری۔ وہ حقیقی طور پر ایک فلاش اور معنوی طور پر ایک مایوس آدمی تھے۔ ان کے بڑے بھائی نے تمام جائیداد کا اختیار سنبھال لیا اور اس کی آمدنی کو اپنی فلاح میں صرف کیا اور مرزا صاحب کو ایک رسالہ کے چندے کے طور پر چند روپے دینے تک سے انکار کر دیا۔ غلام قادر کی بیوہ بھی مرزا صاحب کے لیے اتنی ہی سخت تھی اور ان سے سخت نفرت کرتی۔ مرزا غلام احمد کی بیوی حرمت بی بی نے بھی ان کے ساتھ بڑا سخت وقت گزارا کیونکہ مرزا صاحب بیماری۔ نفسیاتی عدم توازن اور مالی مشکلات کا شکار تھے۔ ان سالوں میں ان کے ساتھ جو سلوک ہوا اس نے ان کی مستقبل کی زندگی پر

بڑا اثر چھوڑا۔ جو اس کے بعد ان کے مستقبل کے دعووں میں بھی نظر آتا ہے۔

۱۸۸۰ء کے اخیر تک وہ اپنی کتاب ”براہین احمدیہ“ کی تدوین میں پورے طور پر مصروف رہے۔ ۱۸۸۳ء میں ان کے بڑے بھائی غلام قادر کی وفات نے ان کے لیے کھلا میدان چھوڑ دیا اور وہ اپنے پسندیدہ مقصد یعنی نبوت کے دعوے کی طرف بڑی تیزی سے بڑھے۔ برطانوی راج کی اطاعت گزاری اور جہاد کی مذمت^(۱) ان کی تحریروں سے عیاں تھی۔ وہ اپنے فرض منصبی کو پورے خلوص سے پورا کرتے رہے۔ اور ہندوستان میں اور دنیا کے دوسرے حصوں میں نوآبادیاتی راج کے استحکام کے لیے سرانجام دی گئی اپنی خدمات پر متحر رہے۔

ہوش مند کذاب

مرزا غلام احمد نے بڑی عیاری کے ساتھ اپنا کام شروع کیا۔ اپنا کام شروع کرنے سے پہلے مرزا صاحب نے کچھ الہامات اور وحی کے نمونے پیش کیے جن کے بارے میں آپ کا دعویٰ تھا کہ یہ خدا کی جانب سے ہیں۔ ان کے بیانات کی غیر مربوط اور حماقت آمیز نوعیت اور جسمانی و دینی بیماریوں مثلاً اضطراب۔ ذیابیطس اور اعصابی تناؤ میں مبتلا ہونے کے اقرار نے مذہب کے سنجیدہ طلباء کو مجبور کر دیا کہ وہ پہلے ان کے ذہن کی درستی کا تعین کریں۔ ایک ہندوستانی عیسائی استاد دانیال نے ان سے قادیان میں ملاقات کی اور ان کی ذہنیت کا اندازہ لگانے کے لیے انہیں سات سوالات کیے۔ قادیان کے رسالے ”ریویو آف ریلیجنس“ نے مرزا صاحب سے مشاورت کے بعد ان سوالات کا جواب چھاپ دیا۔^(۲) رسالے نے مرزا صاحب کی جسمانی و دینی بیماریوں سے انکار نہیں کیا بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان تمام کو مسیح موعود کی نشانیاں بتلایا

۱۔ ۱۸۷۹ء میں اس کے قریبی دوست محمد حسین غلامی نے جہاد کے خلاف ایک کتاب لکھی اور انگریزوں سے انعام حاصل کیا۔ (میراث امت)
 ۲۔ لاہور۔ جلد نمبر ۹۔ ص ۳۶۱۔ ۳۶۲
 ۳۔ ریویو آف ریلیجنس، ۱۵ اپریل ۱۹۰۶ء

ہے۔^(۱) لاہور کے ایک اور عیسائی عالم ڈاکٹر ایچ ڈی گرسوالڈ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مرزا صاحب دیانت دار مگر خود فریبی کا شکار ہیں۔^(۲) قاہرہ کے تبلیغی مجلس میں ۱۹۰۶ء میں ایک عیسائی مبلغ نے کہا۔

”اب (۱۹۰۶ء میں) مرزا غلام احمد کی عمر ستر سال کے قریب ہے اور مذہبی لگن اور یقین کامل کے دعوے ان کے بہت سے ذاتی مقاصد کی تکمیل کے لیے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے واضح دھوکہ دہی اختیار کر رکھی ہے۔ اگر یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ ذاتی مقاصد کی تکمیل کے لیے بدترین ہتھکنڈے اختیار کر رہا ہے۔“

مرزا صاحب کے رنگ برنگے ماضی۔ ان کے دعووں۔ تحریروں۔ وحی و الہامات۔ پیش گوئیوں وغیرہ کا تجزیہ یہ اخذ کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ وہ ایک باخبر کذاب تھے۔ سب کچھ جانتے ہوئے دھوکہ دے رہے تھے۔ انہوں نے خدا کے نام کو سامراجی ضروریات کا احساس کر کے ان کی تکمیل کے لیے استعمال کیا۔ اس تمام کاروبار کا مقصد ذاتی عظمت اور مذہب کے نام پر دولت و شہرت اکٹھی کرنا تھا۔ قادیانیوں کی انجیل ”تذکرہ“ میں وہ لغویات اور احمقانہ پن ہے جو مقدس اشخاص کے سوانح یا تاریخ میں نہیں ملتا۔ ان کی وحی عربی۔ اردو۔ فارسی۔ انگریزی۔ عبرانی۔ ہندی اور پنجابی زبان میں ہے۔ زبان بھی گھٹیا۔ مبہم۔ عامیانہ اور غلط ہے۔ حقیقت میں اس کا بڑا حصہ لغو اور بے معنی فقرات پر مشتمل ہے جس کے کوئی واضح معانی نہیں ہیں۔ قادیانی ان بیانات کی کئی تاویلیں پیش کر کے مرزا صاحب کی نبوت ثابت کرتے ہیں۔ کچھ وحی اعداد اور خانوں کی شکل میں ہے اور بقیہ ایک غیر معروف اور ناقص زبان میں ہے جس کے بارے میں خود ان کا اپنا اقرار ہے کہ وہ انہیں سمجھ نہیں آتے۔ یہ الم غلم خیالات ان کے اندرونی احساسات، جذباتی بحران اور ذہنی پسماندگی کو منعکس کرتے ہیں۔ مرزا صاحب چونکہ تمام عمر مختلف اقسام کی بیماریوں مثلاً اعصابی تناؤ۔ سرچکرا نا۔ ذیابیطس۔ درد شقیقہ۔ قو لچ۔ تپ

H.A. Walter, The Ahmadya Movement, Associated Press Calcutta, 1918, P-20-1

Dr. Griswold, Mirza Ghulam Ahmad, The Mehdi and Messiah of Qadian, Ludhiana, 1902-۲

دق۔ خفقان۔ مردی کمزوری اور شدید اور مستقل پیش میں مبتلا رہے اس لیے ان کے ذہن میں کچھ عدم توازن کی کیفیات پیدا ہو گئی تھیں۔ وہ اپنی طور پر غیر متوازن تھے مگر ہر طرح سے ایک فریب کار اور عمداً مکاری میں مبتلا تھے۔ وہ غیر ملکیتوں کا آلہ کار بن چکے تھے کیونکہ اسی دروازے سے وہ آگے بڑھ سکتے تھے۔ وہ اپنے سیاسی مقصد میں بالکل واضح موقف رکھتے تھے۔ اس میں کبھی تضاد پیدا نہ ہوا۔ شروع سے آخر تک ایک رہا۔ ان کی تمام تحریروں کے بین السطور لب لباب برطانیہ سے وفاداری۔ جہاد کی مذمت۔ اسلامی دنیا کو سامراجی تسلط کے تحت رکھنے کی خواہش اور ہندوستان میں سامراج کے استحکام کے لیے خدمات سرانجام دینا ہے۔ وہ اپنے مخالفین کے لیے بڑی سخت زبان استعمال کرتے تھے جبکہ غیر ملکی آقاؤں کے لیے ان کی زبان بڑی ملائم ہو جاتی۔ آپ کی ایک بھی وحی۔ پیش گوئی یا خواب ایسا نہیں جو کسی بھی طرح سے برطانوی مفادات کے خلاف جاتا ہو یا ایسا نوآبادیاتی طاقت کے طور پر کی گئی ان کی جارحیت اور بد اعمالیوں کی مذمت کرتا ہو۔ ان کے دعوے کے مطابق ان کی وحی کا ایک ایک لفظ خدا نے وحی کیا۔ ان کا خدا برطانیہ کا حامی اور اسلام کے خلاف دکھائی دیتا ہے جو مسلمانوں کی غلامی اور انگریزوں کے تسلط اور ان کی معاشی اور مادی خوشحالی پر خوش ہے۔ یہ بات بڑے کھلے انداز میں ٹھوس بنیادوں پر واضح ہو چکی ہے کہ احمدیہ تحریک کا وجود یہودیوں اور سامراجیوں کی پشت پناہی کا رہین منت تھا۔ یہودیوں کے خفیہ اثر اور دولت اور برطانوی حکومت کے خفیہ کلیسائی نظام کی مالی اعانت نے احمدیت کے نوخیز پودے کی آبیاری کر کے اسے تناور درخت بنا دیا۔ انہوں نے اپنے سامراجی مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنے حواری و مددگار کی اعانت سے اسلام دشمن تحریک چلائی۔ ان کی اجتماعیت میں دراڑ ڈالنے کے لیے مسلم دنیا کے اتحاد پر ضرب کاری لگائی۔

شاہکار تخلیق

سال ۱۸۷۲ء کے لگ بھگ مرزا صاحب نے ہندوستانی اخبارات و رسائل

میں اپنے آپ کو اسلام کے علمبردار کے طور پر متعارف کرانے کے لیے مضامین روانہ کرنے شروع کیئے۔ بعد ازاں انہوں نے آریہ-برہمو اور دیو سماج کے رہنماؤں کے ساتھ ویڈیوں کے فلسفے اور تنازع ارواح کے سوال پر زوردار مباحثے شروع کیئے۔ وہ اپنے آپ کو اسلام کا دفاع کرنے والے اسلامی مبلغ کے طور پر پیش کرنے کے لیے جیتاب تھے اور اس کے لیے مسلمانوں کی تائید حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ۱۸۷۴ء تک وہ ”برائین احمدیہ“ نامی کتاب کی تدوین میں مصروف رہے۔ ۱۸۸۳ء میں اس کتاب کی پہلی چار جلدیں چھپ گئیں۔ آپ کی متواتر اپیلوں پر بہت سے خوش حال مسلمانوں خصوصاً ریاست پٹیالہ کے دیوان سید محمد حسن^(۱) نواب بھوپال-حیدر آباد دکن کے مولوی چراغ علی-لدھیانہ کے نواب علی محمد خان اور واہ کے رئیس سردار غلام محمد نے اس کتاب کی اشاعت میں ان کی مالی معاونت کی۔^(۲) برائین احمدیہ کی پہلی جلد میں دو فارسی نظمیں اور ایک طویل اعلان ہے جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اگر اسلام کی حمایت میں درج ان کی دلیلوں کو کوئی جھٹلانے کی جرأت کرے تو اسے دس ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔ یہ ایک احمقانہ اور بڑا دعویٰ تھا۔ بعد ازاں ان کے بیٹے مرزا بشیر احمد نے کہا کہ وہ اسلام کے حق میں ایک دلیل بھی نہ دے سکے۔^(۳) انہوں نے یہ کتاب کاروباری نقطہ نظر اور اسلام کے داعی ہونے کی شہرت حاصل کرنے کے لیے لکھی۔ پہلے کتاب کی قیمت پانچ روپے بتائی گئی لیکن بعد ازاں اسے دو گنا اور پھر پچیس روپے تک بڑھا دیا گیا۔ آپ اس کی قیمت سو روپے مقرر کرنا چاہتے تھے مگر یہ خیال ترک کر دیا۔ مسلمانان ہند کو اپیلیں کی گئیں کہ وہ پیشگی رقومات بھیجیں۔ یہ وعدہ کیا گیا کہ اس کتاب کی پچاس جلدیں آئیں

۱۔ ریاست پٹیالہ کا دیوان خلیفہ محمد حسن برہماوی حکومت کا طرف دار تھا۔ اسے اس شاہی مجلس کا احمدی بھی حاصل تھا جو کہ پنجاب کی اس وفادار ریاست کے معاملات پر اختیار رکھتی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت کے لیے اس نے مرزا صاحب کی بڑی مالی اور اخلاقی مدد کی۔ ۱۸۸۳ء میں مرزا صاحب پٹیالہ گئے جہاں ان کا سرگرم استقبال کیا گیا۔ ۱۸۸۶ء میں خلیفہ نے مرزا صاحب کو پٹیالہ آنے کی دعوت دی کہ چند اہم معاملات پر بات کرنا چاہی تو لندن اہکان پر مشتمل شاہی مجلس جس کے سربراہ سردار دیوان سنگھ تھے ان سے آپ کا تعارف کر لیا گیا۔ سیاحت کے دوران کے بعد ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے ریاست کا تیسرا چکر لگایا۔ کچھ لوگوں کو شک تھا کہ اسے مکروہ مقاصد کی تکمیل کے لیے رقم کے فراہمی کے لیے خلیفہ انگریز اور مرزا صاحب کے مابین رابطے کا کام کرتا تھا۔ دیکھئے معراج الدین خاتم العین راولپنڈی ۱۹۷۳ء

۲۔ مرزا غلام احمد برائین احمدیہ سیر مہندہ پریس امرتسر پنجاب ۱۸۸۰ء

۳۔ مرزا بشیر احمد سیرت الہدیٰ جلد ۱ ص ۹۳

گی جن میں اسلام کی حقانیت کے ڈھیر لگا دیئے جائیں گے۔ مگر وہ اس کی صرف پانچ جلدیں چھپوا سکے۔ پہلی چار ۱۸۸۴ء تک جبکہ پانچویں جلد تینیس سال بعد ۱۹۰۸ء میں یعنی مرزا صاحب کی وفات کے بعد منظر عام پر آ سکی۔^(۱) براہین احمدیہ میں ان کی بہت دلچسپ وحی۔ کشف اور الہامات کے نمونے درج ہیں۔ انہوں نے اپنے مستقبل کے فاسدانہ منصوبوں کی تکمیل کے لیے ان الہامات کو خام مواد کے طور پر استعمال کیا۔ درحقیقت انہوں نے ابتداء ہی میں خفیہ طور پر نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔^(۲) نہ تو اس وقت کوئی مناسب وقت تھا نہ ہی وہ اس احمدی ٹانک کے ابتدائی مرحلہ میں مسلمانوں کے غیض و غضب کو اٹھانے کی ہمت رکھتے تھے۔

اس کتاب کی تیسری جلد میں انہوں نے بڑے فصیح و بلیغ انداز سے برطانوی راج کی تعریف کی اور اپنے گھرانے کو برطانوی سامراج کے سب سے مخلص اور وفادار کے طور پر متعارف کرایا۔ انہوں نے پرزور طریقے سے اپنے آپ کو وحی کا حامل گردانا اور برطانوی حکومت کے خلاف جہاد کو اللہ کی طرف سے ممنوع قرار دیا۔ انہوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ انجمن اسلام لاہور (ایک نجی ادارہ جو مسلمانوں کے لیے کام کرتا تھا) اور اس کی شاخوں کو ہندوستان کے مقتدر علماء سے جہاد کے خلاف فتاویٰ حاصل کرنے چاہئیں اور انہیں کتابی شکل میں ”علماء ہند کی جانب سے خطوط کا مرقع“ کے سرورق کے تحت چھاپ دینا چاہئے۔ اس کی پنجاب اور خصوصی طور پر ہندوستان کے شمال مغربی حصوں میں وسیع پیمانے پر تقسیم کرنی چاہئے تاکہ ہنر کی کتاب ”ہندوستانی مسلمان“ میں لگائے گئے الزامات کا جواب دیا جاسکے اور جہاد کے قائل مسلمانوں کے دلوں سے اس تصور کو اکھاڑا جاسکے۔^(۳)

۱۔ ایضاً

۲۔ براہین احمدیہ کی تدوین کے وقت مرزا غلام احمد نے اپنا اصل مدعا یعنی وحی نبوت کو چھپائے رکھا۔ انہوں نے بڑی عیاری سے اس کو مناسب وقت کے لئے موخر کر دیا۔ سترہ اگست ۱۸۹۹ء کو اہلکرم دیان میں چھپنے والے ایک خط میں جو آخر اگست ۱۸۹۹ء میں نکلا گیا تھا مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ان کو وحی ہوئی کہ ”دنیا میں ایک نئی آجائس کو دنیا نے قبول نہ کیا“ اس سے قبل جب وہ براہین احمدیہ کی تدوین میں مصروف تھے دھونی نبوت کے خلاف مسلمانوں کے سخت رد عمل کی وجہ سے انہوں نے اپنی وحی کی نام نہاد دوسری قرأت بیان کی دنیا میں ایک مذہب آیا“ یہ بڑے واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ آپ کس درجہ خطا تھے اور آپ کی وحی اور غریبوں میں کیا منصوبے ہیں؟۔ ”تذکرہ“ ص ۱۰۴

۳۔ براہین جلد ۳ ص الف

مسلمانان ہند نے مرزا کی نیت کو مشکوک جان کر ان کی ان تحریروں کے خلاف سخت رد عمل ظاہر کیا جن میں برطانوی راج کی مدح و توصیف اور دنیائے اسلام کے دیگر حصوں پر اس کے قیام کی خواہشات درج تھیں۔ کتاب کی چوتھی جلد میں انہوں نے تسلیم کیا کہ کئی لوگوں نے ان تحریروں پر سخت اعتراضات کیے ہیں بلکہ گالیاں تک دی ہیں کہ وہ ہندوستان میں برطانوی راج کی وکالت کیوں کرتے ہیں۔^(۱) تاہم انہوں نے دلیل دی کہ قرآنی آیات اور احادیث نبوی کے مطالعہ کے بعد وہ اپنا ذہن تبدیل نہیں کر سکتے اور اپنے موقف پر قائم ہیں۔ اس کتاب کی بعض وجوہات کی بناء پر کچھ حلقوں کی جانب سے پذیرائی بھی ہوئی۔ کیونکہ غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ اسلامی احیاء کے ایک دعویٰ کی طرف سے اپنے انداز میں اسلام کے دفاع کی یہ ایک کوشش ہے۔ تاہم محتاط مسلمان علماء نے مرزا غلام احمد کے بلند و بانگ دعوؤں کے خلاف اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ انہوں نے مرزا صاحب کو سیاسی آلہ کار۔ جھوٹا۔ فریبی اور منافق قرار دیا۔

برائین احمدیہ کی طباعت کے بعد انہوں نے اپنی نئی زندگی پر توجہ دی۔ ان کے پاس ایک آوام وہ زندگی گزارنے کیلئے کافی رقم اکٹھی ہو گئی تھی۔ یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔ برطانیہ کے خفیہ فنڈ سے بھی آبیاری جاری رہی۔ ان کے کچھ قریبی رفقاء نے اس پر اعتراض کیا کہ ان کی محنت سے کمائی گئی اور کنجوسی سے بچائی گئی رقم جو کہ اسلام کی اشاعت کے لئے دی جاتی ہے وہ مرزا صاحب کی بیوی کے زیورات کی خریداری پر صرف ہو رہی ہے۔^(۲) ایسی اکا دکا آوازوں کو دبا دیا گیا بلکہ مرزا صاحب کے دعوؤں میں ڈوب گئیں۔ ۱۸۸۳ء میں پچاس برس کی عمر میں آپ کو دوسری شادی کا خیال آیا۔ پہلی بیوی سے ان کے دو بیٹے مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد تھے۔ اگرچہ انہوں نے

۱۔ برائین جلد ۴ ص ۱۱۲

۲۔ فاروق قادین سات اکتوبر ۱۹۳۸ء مرزا صاحب کے نہایت قریبی ساتھی اور جماعت کے ایک اہم رکن خلیفہ کمال الدین بھی ان میں سے ایک تھے۔ (سید پروشاہ کشف اختلاف ص ۱۵) اکثر عبدالحکیم جو ایک وقت میں مرزا صاحب کے پر جوش پیروکار تھے انہوں نے واضح طور پر مرزا صاحب کے دم بزنز نے کے طریق کار کو غلط سمجھا اور بتایا کہ وہ کس طرح اسلام کے نام پر دم بزنز اور اسے ذاتی استعمال میں لاتے ہیں لہذا ذکر حکیم نمبر ایک تا چھ مبارک برادر زنجبالہ شیش پنجاب ۱۹۰۶ء

اپنی خراب صحت کا متعدد تحریروں میں بڑا دواویلا کیا اور کہا کہ وہ بڑی بیماریوں مثلاً تپ دق- ذیابیطس اور درد شقیقہ وغیرہ میں مبتلا ہیں اور صنف مخالف میں ہر طرح کی دلچسپی کھو چکے ہیں۔ پھر بھی انہوں نے اعلان کیا کہ خدیجہ کے ساتھ دوسری شادی کے لیے ان پر وحی اتری ہے۔^(۱) سترہ نومبر ۱۸۸۴ء کو انہوں نے نصرت جہاں سے شادی کر لی جو لاہور میں محکمہ آب پاشی میں معمولی ملازم میر ناصر نواب کی بیٹی تھی۔ میر صاحب عرصہ دراز تک مرزا کے مذہبی دعوؤں کی مخالفت کرتے رہے بعد میں رام ہو گئے۔ مرزا صاحب کو تیسری شادی کی بھی شدید خواہش تھی مگر محمدی بیگم کے ساتھ معاشقے نے انہیں ایک ایسی الہامی دلدل میں پھنسا دیا کہ وہ اس خیال کو زیادہ دیر تک برقرار نہ رکھ سکے۔

۱۸۸۵ء میں مرزا صاحب نے مجدد اور وقت کے مصلح ہونے کا دعویٰ کیا۔ اگلے سال آپ ہوشیار پور تنہائی میں چلے کشتی کے لیے چلے گئے۔ چلے کے مکمل ہونے پر انہوں نے بیس فروری ۱۸۸۶ء کو یہ اعلان چھپوا دیا کہ انہیں ایک ذہین اور خوبصورت بچہ عطا ہوگا۔ اس کا نام عثمان ویل اور بشیر ہوگا۔ وہ اول اور آخر کا روپ۔ سچائی اور عظمت کا مظہر ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ بذات خود عالم بالا سے اتر آیا ہو۔ نتیجتاً آپ کے بیٹے مرزا (بشیر الدین) محمود احمد نے دعویٰ کیا کہ وہ ہی موعودہ بیٹا ہے۔ آپ نے ۱۹۴۴ء میں ایک مرزا کی ایک مبہم تحریر دوسرے اپنی وحی کی بناء پر ”مصلح موعود“ ہونے کا دعویٰ کیا۔

یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو مرزا صاحب نے اعلان کیا کہ انہیں خدا نے بیعت اور جماعت بنانے کا حکم دیا ہے۔ بیعت ہونے کے لیے دس شرائط قبول کرنا تھا۔ ان میں سے چوتھی شرط اگرچہ عمومی نوعیت کی تھی لیکن ہر احمدی کو پابند کرتی تھی کہ وہ حکومت برطانیہ کا وفادار رہے گا۔ انہوں نے رسمی طور پر لدھیانہ میں تیس مارچ ۱۸۸۹ء کو بیعت لی۔ جماعت میں داخلے کی چوتھی شرط پر مرزا محمود اس طرح خیال آرائی کرتے ہیں۔

”اپنے آغاز سے یہ جماعت حکومت کی وفادار ہے اور ہر طرح کی بد نظمی اور پریشانیوں سے دور رہی ہے۔ اس تحریک کے مقدس بانی نے اسے تحریک میں شمولیت کی بنیادی شرط

کے طور پر مقرر کیا ہے کہ ہر رکن قانونی طور پر قائم حکومت کی مکمل اطاعت کرے اور بغاوت کی طرف لے جانے والے تمام راستوں سے پرہیز کرے۔ اس حکم کی تعمیل میں جماعت احمدیہ کے پیروکاروں نے ہمیشہ اپنے آپ کو احتجاج کی ہر طرح کی اقسام سے علیحدہ رکھا ہے اور دوسرے لوگوں کی ایک کثیر تعداد پر بھی اپنا اثر و نفوذ ڈالا ہے۔^(۱)

شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار

ہندوستان میں برطانوی راج کو مرزا صاحب خدا کی ایک نعمت عظیمہ خیال کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو پرزور تاکید کی کہ وہ ان کے ساتھ بھرپور تعاون کریں کیونکہ اسی میں ان کی نجات اور خدا کی رضا مندی ہے۔ یہ صرف برطانوی سامراجیوں کا استحقاق تھا کہ وہ توپوں کے گولے چلائیں یا اسلحہ لہرائیں۔ اس کے برعکس بیکار مذہبی قباحت میں زبان چلائی اور قلم گھسیٹنا مسلمانان عالم کی ذمہ داری تھی۔ مرزا صاحب کہتے ہیں۔

”چونکہ میری زندگی کا زیادہ تر حصہ برطانوی حکومت کی وفاداری کے پرچار میں گزرا ہے۔ جہاد کی مذمت اور برطانوی حکومت کی وفاداری کے پرچار پر میں نے اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ اگر ان کو اکٹھا کر دیا جائے تو پچاس الماریاں بھر جائیں۔“^(۲)

ایک اور کتاب میں آپ سوال پوچھتے ہیں۔

”پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد۔ حفظ و امن اور جہادی خیالات کے روکنے کے لیے برابر سترہ سالوں (۱۸۸۰ء تا ۱۸۹۷ء) تک پورے جوش سے پوری استقامت سے کام لیا۔ کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے مخالف ہیں۔ کوئی نظیر ہے۔ کوئی نہیں۔“^(۳)

۱۔ مرزا محمود احمد، قندھار، دکن، شہنشاہ معظم دکن کے قندھارے کی خدمت میں قندھ، شہاب احمدیہ مگر نشر اشاعت، صدر انجمن احمدیہ، دایان راج انس پریس، دلی، جنوری ۱۹۲۲ء ص ۵

۲۔ مرزا غلام احمد، تریاق، اکتوبر، دایان ۱۸۹۹ء ص ۱۵

۳۔ مرزا غلام احمد، ستارہ قیصریہ، دایان ۱۸۹۹ء ص ۳ ”میں مرزا غلام احمد کی انگریز کے ممانعت میں لکھی گئی خبروں پر کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر وہ ذیلی نوعیت کی ہوں۔ آخر کوئی لوگ انگریز سے مکمل وفاداری کا اظہار کر رہے تھے۔ مگر آپ اپنے اس فقرے کو جو آپ کے ہمنوں سے لکھا ہے وہی وہ الہام کہتے ہیں میں خدا کی وحی کی رو سے انگریز کی سامراجی مخالف حکومت کی آگے بڑھ کر کے لطافت پر سخت اعتراض ہے

Phoenix, His Holiness, 63 ص

قادیانیوں کا جماعتی آرگن ”ریویو آف ریجنل قادیان“ بڑے واضح انداز سے مرزا صاحب کی ان خدمات کا تذکرہ کرتا ہے جو انہوں نے برطانوی نوآبادیاتی نظام کے استحکام کے لیے سرانجام دیں۔ جریدہ لکھتا ہے۔

”جماعت احمدیہ کے بانی کی تحریروں کو عظیم سفارتکاروں اور حکومت میں موجود دانشوروں نے بہت سراہا ہے۔“

پشاور ضلع کے مہتمم اور سپرنٹنڈنٹ سرفریڈرک کنگٹھم نے ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب کو لکھا۔

”جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ اسلام کے نظریے کی ایک منصفانہ اور روشن خیال تعبیر ہے جس میں آپ کے علم اور قوت فیصلہ کا برابر حصہ ہے۔ مجھے کوئی شک نہیں کہ آپ جیسے شہرت یافتہ معلم کے بیان کا ہر اچھا نمونہ (مسلمان) خیر مقدم کرے گا۔ اپنے عقیدے کے محافظ کے طور پر اور اس ثبوت کے باعث کہ اسلام ایسے جرائم پر پردہ نہیں ڈالتا جو عیار یا جاہل لوگ مذہب کے لبادے میں کرتے ہیں۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر آپ کے رسالے اور فتویٰ کی صوبہ سرحد میں وسیع پیمانے پر تشہیر کی جائے۔“ (۱)

اسی طرح امریکی یونیورسٹی بیروت کے پروفیسر ٹوائے نے ”اسلامی خطرہ“ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔ جس میں اس نے عام مسلمانوں کے خیالات پر ان اثرات کی تعریف کی گئی جو جماعت احمدیہ نے مرتب کیے ہیں۔ (۲)

جوبلی تقریبات

مرزا غلام احمد برطانوی نوآبادکاروں کے ساتھ وفاداری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ انہوں نے بیس جون ۱۸۹۷ء کو قادیان میں اپنی مربیہ اور کفیلہ اعظم ملکہ وکٹوریہ کی پچھترویں جوبلی کے لیے ایک خاص تقریب کا اہتمام کیا۔ قادیانی

زعماء نے چھ زبانوں میں تقریریں کیں اور راج کی برکات پر روشنی ڈالی۔ ملکہ کی درازی عمر اور ہندوستان میں اس کے شاندار راج کی خوشحالی اور استقلال کی دعائیں مانگی گئیں۔ قصبے کے غریب لوگوں میں کھانا تقسیم کیا گیا جبکہ تمام گھروں۔ گلیوں اور مسجدوں میں چراغاں کیا گیا۔ بیس جن کو وائسرائے ہند لارڈ ایلکن کو مبارکباد کا تار بھجوایا گیا۔ اس مبارک موقع کی مناسبت سے ڈپٹی کمشنر کے ذریعے ملکہ وکٹوریہ کو کتاب تحفہ قصیریہ کا ایک خوبصورت مجلد نسخہ بھجوایا گیا۔ وائسرائے ہند اور پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر کو بھی کتاب کے نسخے بھجوائے گئے۔^(۱) ملکہ عالیہ کو ارسال کردہ نسخے میں انہوں نے بڑے ہی عاجزانہ طریقے سے ایک مختصر حاشیے میں اپنے گھرانے کی ان سیاسی خدمات کا تذکرہ کیا جو ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کے دور سے لے کر اس وقت تک جب انہوں نے سلطنت کی خاطر اپنے عظیم کام کا بیڑہ اٹھایا تھا، سرانجام دی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی خدمات گنوائیں اور اپنے آپ کو برطانوی سلطنت کے حد درجہ وفادار، خیر خواہ اور ذلیل خوشامدی کے طور پر پیش کیا۔ انہوں نے بڑی شدت سے ملکہ کی طرف سے جواب کا انتظار کیا اور جب ملکہ نے یہ تحفہ قبول کر لیا تو آپ کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور ملکہ کے اس احسان عظیم پر آپ نے اس کا بے تحاشا شکر ادا کیا۔^(۲) ملکہ وکٹوریہ کی پچھتر ویں جوہلی کا دن ہندوستان میں برطانوی نوآبادکاروں کے لیے نفرت کی ایک لہر لے کر آیا۔ اسی دن شام کو دو یورپیوں مسٹر رینڈ جو کہ ہندوستانی افسر شاہی سے تعلق رکھتا تھا اور لیفٹیننٹ ایئر سٹ کو ایک سرکاری محل کے استقبالیہ سے واپس آتے ہوئے راستے میں ایک ہندو برہمن نے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ ایک سیاسی نوعیت کا قتل تھا اور ہندوستان میں برطانوی راج کے خلاف غم و غصہ کا حد درجہ اظہار۔ بائیس جنوری ۱۹۰۱ء کو ملکہ وکٹوریہ نے وفات پائی۔ مرزا غلام احمد اپنی مربیہ ملکہ عالیہ معظمہ کی وفات پر

۱۔ میر قاسم علی تلخ رسالت جلد ۴ ص ۱۳۰

۲۔ مرزا غلام احمد ستارہ قیسریہ ۱۸۹۹ء ص ۴ ملکہ معظمہ کے دربار عالی سے اپنے حقے اور خدمات کی پندہ بیگی کے چند جملوں کے لیے وہ کہتے ہیں تھے۔ اس کا اعجازہ ان کی اس دہی سے لکھا جاسکتا ہے جو چار اکتوبر ۱۸۹۹ء کو ان پر لکھی ”مجھ پر یہ دہی کی لکھی کہ ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے شہر“ (تذکرہ ص ۳۴۱) ایک کثف میں انہوں نے دیکھا کہ ملکہ آپ کے کمر قادیان آئی ہے ”تذکرہ ص ۳۲۷

بڑے رنجیدہ ہوئے اور آپ نے برطانوی حکومت کو مندرجہ ذیل برقی تار ارسال کیا۔
 ”میں اور میرے پیچ و کار اس گہرے غم کا اظہار کرتے ہیں جو ملکہ معظمہ قیسرہ ہند کی وفات
 کے باعث بہت بڑے نقصان کی شکل میں برطانوی سلطنت کو پہنچا ہے۔“ (۱)

جاسوس ”نبی“

مرزا صاحب کی ایسی تحریریں پڑھ کر بعض اوقات کراہت سی محسوس ہوتی
 ہے۔ جس میں وہ برطانوی سامراج کی قصیدہ گوئی کرتے ہیں اور جب کبھی بھی وہ
 برطانوی راج کے متعلق بات کرتے ہیں بلاشبہ اپنے آپ کو ایک کاسہ لیس اور خوشامدی
 کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ (۲) وہ اپنے آپ کو ان حدوں تک لے گئے کہ ایک برطانوی
 جاسوس کے طور پر خدمات سرانجام دینے پر تیار تھے۔ برطانوی حکومت کو اپنی سیاسی
 خدمات پیش کرتے وقت وہ ہندوستان کے ان علماء کے نام معلوم کرنے پر اتر آئے جو
 برطانوی ہند کو دارالحرب قرار دیتے تھے یا جہاد کو ایک ناگزیر ضرورت سمجھتے تھے۔ وہ
 اسلامی شریعت کی رو سے دارالحرب میں نماز جمعہ کی بجائے نماز ظہر ادا کرنے کے حامی
 تھے۔ برطانیہ کے ان خفیہ دشمنوں کو بے نقاب کرنے کے لیے مرزا صاحب نے یکم
 جنوری ۱۸۹۸ء کو وائسرائے کو میموریل روانہ کیا جس میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ جمعہ کو
 چھٹی کا دن قرار دیا جائے اور اس تجویز کی تائید کے لیے تمام سرکردہ مسلمان علماء کے
 پاس بھجوا دیا جائے۔ اس کے حاشیے میں آپ نے یہ واضح کر دیا کہ جو اس کی توثیق نہیں
 کریگا وہ اپنے آپ کو حکومت کا مخالف اور انگریز کا دشمن ثابت کرے گا۔ (۳) جاسوس
 پیغمبر نے گورنر جنرل ہند کو ایک درخواست بھیجی جس میں یہ پیشکش کی کہ وہ خدا کی طرف

۱۔ اٹلی آفس لاہور کی لندن میں یہ جاسوس ہے۔ دیکھیں حکومت ہند کے تاریخی جالب سے لارڈ چرچ فرانس سلطان مستبرائے اٹلی نے
 ہندوستان نمبر 24 تاریخ 1901ء 73۔ امر زلف احمد نمبر 6۔ ان کی مثال۔ لی 2 تاریخ 24 جنوری 1901ء
 2۔ مرزا غلام احمد نے اپنی تحریروں کے 24 صفحات (1894-1897ء) کا حوالہ بات جس میں انہوں نے لکھی۔ سران غرضیں ہیں 24
 فروری 1900ء کو پبلیشمنٹ گورنر جنرل ہند کے نام میموریل اس کے بعد کی دہلی میں آپ نے اپنی سیاسی خدمات کا
 زبردست دستہ دریا کیا کہ اپنے آقا کے 50 سالہ علمی اور عالمی خدمت میں بہت بار قصور ان کی تائید حاصل
 3۔ (میر 5) مل 5 قادیان۔ تلخ رسالت (مرزا صاحب کے بھائیوں کے ناموں کا مجموعہ) جلد 5 قادیان 1922ء میں 5 اس سے دور دیکھیں
 وائسرائے ہند کو آپ کی درخواست۔ یکم جنوری 1900ء

سے بھیجی گئی برطانوی حکومت کے بدخواہوں کو بے نقاب کرے گا اور بڑے خلوص سے التجاء کی کہ علماء کی طرف سے خطبہ جمعہ میں برطانوی راج کی برکات کا تذکرہ کیا جائے۔ یہ بھی خواہش کی گئی کہ اگر گورنمنٹ چاہے تو قادیانی خفیہ ذرائع سے تیار کی گئی برطانیہ مخالف بیوقوف اور باغی علمائے ہند کی فہرست بھی حکومت کو پیش کر سکتے ہیں۔ دانا حکومت اسے ایک حکومتی راز کے طور پر سنبھال کر رکھے تاکہ اس پر مستقبل میں عملدرآمد کیا جاسکے۔ انہوں نے نمونہ تحریر کا ایک خاکہ جس میں نام، جگہ اور کیفیت وغیرہ کے خاکے بنے ہوئے تھے اس کے ساتھ منسلک کیا تاکہ برطانیہ مخالف علماء کے ناموں کا اندراج کیا جاسکے۔^(۱)

اس جاسوسی کے علاوہ انہوں نے بڑے شاطرانہ انداز میں علماء کو غیر ضروری مذہبی مباحثات میں الجھائے رکھا۔ انہوں نے ان کے خلاف بڑی غلیظ اور اشتعال انگیز زبان استعمال کی اور ان کی کردار کشی کرتے رہے۔ انہوں نے ہندوستان میں برطانوی سامراجیت کے خلاف برسرِ پیکار جہادی علماء کے خلاف جنگ چھیڑنے کے بعد ہندو اور عیسائی مذاہب کے رہنماؤں کے ساتھ مباحثے شروع کر دیئے تاکہ برطانوی حکمت عملی ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ کی مطابقت میں فرقہ وارانہ اشتعال انگیزی کو ہوا دی جاسکے اور ہر مذہب کے لوگوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ وہ اپنے تحفظ اور بقاء اور اپنے نظریات کی تشہیر کیلئے حکومت کا مکمل ساتھ دیں۔ علماء کو مذہبی مباحثات میں عیاری کے ساتھ الجھانے کے بعد مرزا صاحب علماء کے حملہ کا نشانہ برطانوی سامراجیت سے ہٹا کر ارتداد احمدیت پر منتقل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے اپنے مخالفین کے لیے موت اور ذلت کی پیش گوئیاں کی اور جب ان کی پیش گوئیاں غلط ثابت ہو گئیں تو وہ اپنے بیانات کی تشریح میں احقانہ طور پر دور کی کوڑیاں لائے۔ ان کو ہمیشہ شرمندگی اٹھانی پڑی۔ مرزا صاحب کے کردار کی بہت اہم بات ان کا ہر پیش گوئی کی تکمیل کے لیے بے

شری پر مبنی اصرار تھا۔ انصاف کے کسی بھی معیار پر یہ آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ منجم آپ سے بہتر پیش گوئیاں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے اکثر قیاسات صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب کی نبوت کا سب سے بڑا مواد ان کی پیش گوئیاں ہیں جو زیادہ تر ان کے معاشی مفاد یعنی منی آرڈروں کی وصولی۔ چندوں اور تحائف کا حصول اور ان کے دشمنوں کی ذلت اور موت اور مقدمے بازی میں ان کی کامیابی پر منتج ہوتی تھیں۔^(۱)

ان کی دلچسپ پیش گوئیوں میں سے ایک ان کی محمدی بیگم سے شادی کی شدید تمنا ہے جو کہ ان کے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک پرکشش اور خوبصورت لڑکی تھی۔ یہ پیش گوئی کی گئی کہ وہ ہر حال میں ان کی دلہن بنے گی مگر یہ نہ ہوسکا۔ آپ نے محمدی بیگم سے شادی کرنے والے بعض اشخاص کی موت کی پیش گوئی کی۔ انہوں نے اپنی پیش گوئیوں میں اسے آسمانی دلہن قرار دیا۔ خوف۔ تحریص اور دباؤ کے ہر حربے کے باوجود اس لڑکی کے والد نے مرزا صاحب کی خواہشات کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا۔ اس فسانہ رسوائی نے ہندو اور عیسائی مخالفین کو ہمارے نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ پر بڑی ہوشیاری سے کیچڑ اچھالنے کا موقع فراہم کر دیا کیونکہ مرزا صاحب بھی اپنے آپ کو اسلام کا علمبردار اور ہمارے حضور ﷺ کے ظل اور نبی ہونے کے دعویدار تھے۔ مرزا صاحب کی زندگی کے دوران ہی محمدی بیگم کی شادی مرزا سلطان محمود سے ہو گئی اور نہ تو مرزا سلطان نے مرزا صاحب کے الہامات کے مطابق وفات پائی اور نہ ہی محمدی بیگم بیوہ ہو کر آپ کے نکاح میں آئی۔

سرکار کی خفیہ سرپرستی

مذہبی اختلافات کو پروان چڑھانا سامراجی حکمت عملی کا ایک حصہ تھا۔ جس نے ہندوستانی معاشرے کو درجنوں چھوٹے چھوٹے متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ مختلف مذہبی تنظیموں کے درمیان اختلافات کو بڑھانے کے لیے برطانوی انٹیلی جنس نے

اپنے آلہ کاروں کے ذریعے اشتعال انگیز اور بدزبانی سے لبریز مواد پھیلاتا شروع کر دیا۔ مذہبی مہم جوؤں نے اپنے مخالفین پر حملوں کے لیے پریس کو بڑی آزادی سے استعمال کیا تاکہ انہیں بے فائدہ مذہبی تنازعات میں مشغول رکھا جاسکے۔

۱۸۸۶ء میں حکومت نے ہندوستان میں ۸۹۶۳ رسالوں کو مندرج کیا۔ جن میں سے ۱۳۸۵ اردو میں ۱۳۵۲ بنگالی میں ۸۳۳ ہندی میں ۶۷۹ انگریزی میں اور بقیہ دیگر زبانوں میں تھے۔ ان میں سے زیادہ تر مذہبی تنازعات سے بھرے ہوتے تھے۔^(۱) مرزا غلام احمد نے ایک مخصوص انداز میں ہندو اور عیسائی مذہبی رہنماؤں کے خلاف مذہبی تنازعات شروع کیے۔ انہوں نے ان کو مباہلوں کے لیے لکارا۔ ان کی مذمت میں الہام اور وحی پیش کی اور ان کے خلاف غلیظ زبان استعمال کر کے انہیں اشتعال دلایا کہ وہ جوابی کارروائی کریں۔ ان کی اس ذلیل جنگ کا نتیجہ اسلام کے خلاف بہت سی توہین آمیز تحریروں کی صورت میں نکلا۔^(۲)

حکومت پنجاب نے پنجاب میں موجود مختلف گروہوں اور فرقوں کے درمیان ان تنازعات کا قریبی جائزہ لیا۔ اعلیٰ برطانوی حکام کو مذہبی لڑائی بھڑکانے میں مرزا غلام احمد کی سرگرمیوں کی خصوصی رپورٹ دی گئی۔ ۱۸۹۳ء میں ضلع امرتسر کے ایک میڈیکل مشنری ہنری مارٹن کلارک کے ساتھ انہوں نے ایک مذہبی مباحثہ کیا جس کے نتیجے میں امرتسر میں مرزا صاحب اور پادری عبداللہ آتھم کے درمیان بحث چھڑ گئی جو کہ مسلمان سے عیسائی ہوا تھا اور سیالکوٹ میں ایکسٹرا اسٹنٹ کمشنر تھا۔ حکومت پنجاب کے حکمہ داخلہ کی روداد میں ایسی مباحثہ کا ایک نوآثر دیا گیا ہے جو مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان مختلف عنوانات کے تحت ہوئی تھی۔ عیسائیوں کی طرف سے ہنری مارٹن اور عبداللہ آتھم جبکہ مسلمانوں کی نام نہاد نمائندگی کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی پیش ہوتے رہے۔ یہ مباحثہ کسی بھی فریق کی کامیابی کے بغیر چودہ دن جاری رہنے کے بعد ختم

۱۔ نیو یارک میں مشفقہ عظیمی مجلس لندن کی اطلاع ۱۸۸۸ء ص ۳۱۹
۲۔ مولانا طہری علی خاں عسکریہ پکاش نور مرزا غلام احمد لاہور

ہو گیا۔ مرزا صاحب نے فریق مخالف یعنی پادری آتھم کی پندرہ ماہ کے اندر اندر موت کی پیش گوئی کی۔ بقول ان کے یہ آپ کو خواب میں خدا کی طرف سے دہی کی صورت میں بتایا گیا تھا۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ آتھم کی موت واقع نہ ہونے کی صورت میں ان کو بے شک بے عزت کیا جائے اور جھوٹی بات پر اڑے رہنے پر پھانسی دے دی جائے۔^(۱)

چار ستمبر ۱۸۹۷ء کو پندرہ ماہ کی معیاد ختم ہو گئی اور آتھم نہ مرا۔ عیسائی پادریوں نے احمدیوں کا مذاق اڑایا اور قادیانی شاطر کی مذمت کی۔ مرزا صاحب بے حیائی سے اپنی اس پیش گوئی کی تکمیل پر اڑے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ آتھم نے دراصل سچائی کی طرف رجوع کر کے خود کو بچا لیا ہے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور نے ”ایک خطرناک جنونی“ کے عنوان سے لکھا۔

”پنجاب میں ایک مشہور جنونی ہے جس کا ہمیں پتہ چلا ہے کہ گورداسپور میں ہے اور اپنے آپ کو مسلمان اور مسیح موعود کہتا ہے۔ امرتسر میں ایک مقامی عیسائی شریف آدمی کے بارے میں موت کی پیش گوئیوں سے چند ماہ تک شہر میں ہیجان برپا کیئے رکھا لیکن بد قسمتی سے اس کے الہامی دعوے بری طرح سے اسی کو واپس مل گئے اور مرنے والا ابھی زندہ ہے۔ اس طرح کا جنونی شخص لازمی طور پر پولیس کی نگرانی میں ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی باہر پرچار کرنے کے لیے جاتا ہے تو امن کو شدید خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے کافی پیروکار ہیں جو جنون میں اس سے تھوڑے سے کمتر ہیں۔ یقیناً ایسے آدمی کے بے سود الہامات و تخیلات سے کسی سیاسی خطرے کا اندیشہ نہیں ہو سکتا لیکن اس کے پاگل پن میں ایک طریقہ کار ہے۔ بلاشبہ اس میں تعلیمی قابلیت ہے اور اس کی تحریریں ضخیم جلدوں میں ہیں۔ یہ تمام باتیں ایک خطرہ کی نشاندہی کرتی ہیں۔ راج الخدیوہ لوگوں میں وہ ایک ملعون شخص ہے جس کی شہرت مدد اس جیسی دور دراز جگہ پر بھی پہنچ گئی ہے۔“^(۲)

آتھم کی طرح مرزا صاحب نے ایک ریٹائرڈ پولیس ملازم پنڈت لیکھ رام

۱۔ حکومت پنجاب رورڈانگہ، راولپنڈی تا جلالی ۱۸۹۴ء پنجاب ہے۔ جے۔ سائمن نامہ دیات عامہ پنجاب پنجاب چیف سیکرٹری حکومت پنجاب
نمبر ۴۵۷ تاریخ ۲۲-۲-۱۸۹۴ء انڈیا آفس لاہور بری لندن
۲۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ ۱۲۴ اکتوبر ۱۸۹۴ء

پشاور کی آریہ سماجی کے ساتھ مباحثہ شروع کیا۔ انہوں نے پیش گوئی کی کہ لیکھ رام فروری ۱۸۹۸ء تک مرجائے گا۔ اس کو بنی اسرائیل کے ایک پچھڑے کے طور پر پیش کیا گیا۔ چھ مارچ ۱۸۹۷ء کو لاہور میں لیکھ رام پر اسرار طور پر قتل ہو گیا جس سے پنجاب میں وسیع پیمانے پر فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہو گئی۔ اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مرزا صاحب نے اپنے دعوے پر مزید زور دیا۔ ایک آریہ سماج رہنما لالہ لاجپت رائے اس واقعہ کے سلسلہ میں بیان کرتا ہے۔

”آریہ سماج کی تاریخ میں مارچ ۱۸۹۷ء میں لیکھ رام کا قتل ایک یادگار واقعہ ہے وہ ایک پرلگن آریہ سماجی اور سوامی دیانند کا قتلص ہر دو کا تھا۔ پریتی ندھی سبھانے اسے گزر اوقات کے لیے کچھ رقم دے رکھی تھی۔ وہ غیر مہذب تھ۔ قتل کے بعد لاہور میں اس کی ارتھی جلائی گئی۔ قاتل کی نشاندہی کے لیے ایک کمیٹی قائم کی گئی اور کمیٹی کا کام لاجپت کے سپرد کیا گیا۔ پولیس اور سماج نے ملزم کو ڈھونڈنے کیلئے اپنے اپنے آلہ کاروں کی ذمہ داری لگائی مگر مسلمانوں نے ان کے تمام منصوبے تلیٹ کر دیے۔ دو یا تین آدمی گرفتار ہوئے مگر عدم بیچان کی وجہ سے انہیں چھوڑ دیا گیا۔ لوگ مکمل طور پر جان گئے تھے کہ اس کے پیچھے ایک بڑی وجہ بھی تھی۔ لاہور کے مسلمان قاتل کے ہمدرد تھے اور یہ قتل ایک بڑی سازش کا نتیجہ تھا جس میں لاہور کے مسلمان رئیس شامل تھے جنہوں نے قاتل کو پناہ دی اور اسے بھاگ جانے میں مدد دی۔“ (۱)

نوراکشتی

آتھم کے سرپرست ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے یکم اگست ۱۸۹۷ء کو امرتسر کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں مرزا غلام احمد پر تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۷ کے تحت مقدمہ درج کروا دیا جس میں یہ الزام لگایا گیا کہ مرزا صاحب نے عبدالحمید نامی شخص کو بھیج کر اسے قتل کرانے کی کوشش کی ہے۔ مقدمہ بعد ازاں مسئلہ اختیار سماعت کی

بنیاد پر ضلعی منتظم گورداسپور کی عدالت میں چلا گیا۔ سماعت کے دوران پولیس نے مرزا غلام احمد کی طرف سے پیروی کے وقت عبدالحمید پر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے پہلے بیان کو تبدیل کر دے۔ اس سے مقدمہ کی بنیادیں ہل گئیں۔ مرزا کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہ کی جاسکتی تھی۔ یہ ایک جوڑ توڑ کا معاملہ تھا۔ انگریزوں نے اپنی تیار کردہ ساری کارروائی بڑی دلچسپی سے دیکھی۔ کرنل ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے بعد ازاں عبدالرحیم درد کو بتایا کہ اس مقدمے کی ساری نگرانی حکومت پنجاب نے کی تھی^(۱)۔

ڈاکٹر کلاؤک کے مقدمہ نے مرزا صاحب کے بارے میں قائم شدہ اس عام تاثر کو زائل کر دیا کہ آپ اپنے آلہ کاروں کے ذریعے اپنے مخالفین کو اپنی پیش گوئیوں کی تکمیل کے لیے قتل کروا دیتے ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنے مخالفوں کو مبالغوں کی للکار دی اور ان کی تذلیل جاری رکھی۔ حتیٰ کہ چوبیس فروری ۱۸۹۸ء کو حکومت پنجاب نے آپ کو حکم دیا کہ آپ کسی ایسی پیش گوئی کی اشاعت سے باز رہیں جس میں کسی شخص کی تذلیل مقصود ہو یا اسے خدائی قہر کا نشانہ بنایا جائے۔ اس حکم کا مقصد مذہبی غیض و غضب سے اٹھنے والی شدت کو روکنا تھا اور ان کے مخالفین کو خنڈا کرنا تھا جو زیادہ تر محمد حسین بٹالوی کے پیروکار تھے۔ برطانوی حکمت عملی میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ یہ ایک عارضی اقدام تھا۔ برطانوی سلطنت کے وفادار آلہ کار مرزا صاحب نے بڑی وفاداری سے حکم کی تعمیل کی اور کچھ عرصہ تک انہوں نے زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا۔ اگر وہ خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہوتے اور خدا نے اپنی خواہش آپ پر منکشف کی ہوتی تو کبھی خاموش نہ رہتے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قادیانی اپنے برطانوی آقاؤں کی دھن پر رقص کر رہے تھے۔ آپ محض برطانوی سامراجیت کے ترجمان تھے اور ان کا سوائے اس کے کہ برطانوی نوآبادکاروں کے سیاسی منصوبوں کی تکمیل کی جاسکے، کوئی خدائی نصب

مذہبی مباحث پر ایک یادداشت

انیسویں صدی کے آخر میں عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجیوں نے اسلام کے خلاف جاہلانہ اور جارحانہ حملوں کا سیلابی دروازہ کھول دیا۔ انہوں نے مرزا صاحب کی طرف سے ان کے رہنماؤں پر کی گئی تنقید آپ کی تحریروں اور پیش گوئیوں میں کی جانے والی اہانت کو بہانہ بنایا۔ برطانوی افسر شامی کے خفیہ ہاتھ نے صورتحال کو مزید خراب کرنے میں خطرناک کردار ادا کیا۔

ڈاکٹر احمد شاہ نامی ایک مرتد لندن میں رہائش پذیر تھا۔ اس سے پہلے انگریزوں نے اسے لداخ میں میڈیکل افسر مقرر کیا تھا۔ اس نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق ایک غلیظ کتاب لکھی۔ برطانوی محکمہ خفیہ نے آر۔ بی تبلیغی پریس کو جرنالہ پنجاب میں کئی ہزار کاپیاں طبع کرائیں۔ کتاب کا نام ”امہات المؤمنین“ رکھا۔ اس کی ایک ہزار کاپیاں چھپوا کر تقسیم کی گئیں تاکہ مسلمانوں کے جذبات کو براہیختہ کیا جا سکے اور ہندوستان کے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کشیدگی اور نفرت کو اور زیادہ بھڑکایا جائے۔

اکیس اپریل ۱۸۹۸ء کو انجمن حمایت اسلام لاہور نے حکومت کو ایک یادداشت ارسال کی جس میں اس کتاب کی مضبوطی کے احکامات کا مطالبہ کیا گیا۔^(۱) مرزا صاحب نے مورخہ چارمئی ۱۸۹۸ء کو حکومت سے استدعا کی کہ حکومت اس کتاب کو ممنوع قرار نہ دے۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمان اس کا ایک جواب تیار کریں۔ انہوں نے انجمن کے اس اقدام پر تنقید کی اور حکومت سے ان کی یادداشت کو نظر انداز کرنے کو کہا۔^(۲) ہندوستان میں مذہبی جوش و خروش بڑھتا گیا۔ مذہبی رہنماؤں نے اپنے مخالفین کی شخصیات و عقائد پر بے دردی سے حملے شروع کر دیئے اور کسی طرح کی شائستگی کا

۱۔ حکومت پنجاب، روادار نگہ داغلہ نمبر ۱۳، ۲۸ تا ۲۹ مئی ۱۹۰۳ء، ۱ جون ۱۸۹۸ء، انڈیا آفس لاہوری لندن

۲۔ تبلیغ رسالت، جلد ۷ ص ۲۷، روادار نگہ داغلہ، جون ۱۸۹۸ء، انڈیا آفس لاہوری لندن

خیال نہ رکھا۔ اس تناؤ کے ماحول میں اکتوبر ۱۸۹۸ء میں مرزا صاحب نے وائسرائے ہند لارڈ ہیلکن کو ایک یادداشت ارسال کی۔ انہوں نے ایک ضابطہ اخلاق کی تجویز پیش کی جس کی رو سے مخالفین کو مذہبی تنازعات میں بدکلامی اختیار کرنے سے روکنا اور قانون کے دائرے میں لانا تھا۔^(۱) انہوں نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ مذہبی تنازعات سے نکلنے والی حد درجہ حرارت برطانوی حکومت کے پرامن راج کے لیے خطرہ کھڑا کر دے گی اور یہ سیاسی بے چینی کی طرف بھی لے جاسکتی ہے۔ مسلمان جنونیوں کو مذہبی اشتعال پر مبنی تحریریں برطانوی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر اکاسکتی ہیں جس طرح ۱۸۵۷ء کی شورش میں ہوا تھا۔ اس یادداشت کا مقصد سیاسی بغاوت کو روکنا اور اپنے سامراجی آقاؤں کو تجویز پیش کرنا تھا کہ وہ ابھرتے ہوئے سیاسی حالات کی روشنی میں مذہبی معاملات میں اپنی غیر جانبدارانہ حکمت عملی پر نظر ثانی کریں۔ یہ تجویز برطانوی آقاؤں کے لیے شدید محبت اور وفاداری کے تحت دی گئی تھی۔ برطانوی حکومت نے ان کی تجویز مسترد کر دی اور اس پر کوئی عملدرآمد نہ کیا۔^(۲) مرزا کی اس تحریک کی سیاسی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے عبدالرحیم درو لکھتے ہیں۔

”اس تجویز پر عملدرآمد حکومت کے اپنے لیے مفید تھا۔ سیاسی طور پر گمراہ عناصر لوگوں کو حکومت کے خلاف بھڑکانے کے لیے مذہبی جھگڑوں کا فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ اس بات کا احساس کر کے حکومت نے ۱۸۹۷ء میں بغاوت ایکٹ منظور کیا تھا مگر اس کے نفاذ کے باوجود ملک قانونی پابندی سے پھسل کر بے اطمینانی کی طرف جا رہا تھا۔ چونکہ ہندوستان مستقل طور پر ایک مذہبی سرزمین رہی ہے اور اس کے لوگ سیاسی مسائل کی بجائے مذہبی

۱۔ حکومت پنجاب، محکمہ داخلہ کارروائی نمبر 174-182-182، قائل نمبر 135 اکتوبر 1848ء۔ ”مرزا غلام احمد قادیانی کی یادداشت مذہبی تنازعات کے بارے میں“۔ انڈیا آفس لاہوری لندن۔ حکومت پنجاب کارروائی نمبر داخلہ اکتوبر 1898ء۔ انجمن حمایت اسلام لاہور اور سولہ کی جانب سے پیش کردہ یادداشت ”امہات المؤمنین“ نامی کتاب کی اشاعت کے خلاف مولوی ابوسعید محمد حسین کا لکھا ہوا ایک مضمون جس کے ساتھ مرزا غلام احمد کی یادداشت بھی تھی۔ جس میں کئی تہاویز دی گئی تھیں کہ کس طرح مذہبی مخالفین کو ساجیلے کا پابند بنایا جائے کہ وہ جرم کے مرتکب نہ ہو سکیں۔ انڈیا آفس لاہوری لندن۔

۲۔ حکومت ہند۔ محکمہ داخلہ کہتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے پیش کردہ یادداشت پر گورنر جنرل کی کونسل کوئی اقدام اٹھانے کو تیار نہیں جو کہ ”امہات المؤمنین“ نامی کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ہے۔ (مراسلہ نمبر 2602-12-31) کٹر لاہور سے درخواست کی گئی کہ مرزا صاحب کو اس بارے میں مطلع کر دے۔ حکومت پنجاب محکمہ داخلہ کی روداد قائل نمبر 35- اکتوبر 1898ء۔ انڈیا آفس لاہوری لندن۔

مسائل پر بہت جلدی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں لہذا اس قانون سے بھی درحقیقت حکومت کو مثبت نتائج حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ ۱۸۹۷ء کے بغاوت ایکٹ سے بھی مذہبی لڑائیوں کی روک تھام نہ ہو سکی اور جب اس کی معیاد گزر گئی تو حکومت نے ایسی کسی دفعہ کی کوئی پرواہ نہ کی۔“ (۱)

مرزا صاحب نے مخالفین کے خلاف اپنی گھٹیا اور گندی زبان کے استعمال کی دلچسپ توجیہ پیش کی جسے آپ متواتر عیسائیت اور پادریوں کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے عیسائیت مخالف طرز عمل اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات پر رکیک حملوں کا یہ جواز پیش کیا کہ ان کی غیر شائستہ تحریریں سر پھرے مسلمانوں کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے تھیں۔ وہ ان تحقیر آمیز اور سخت تحریروں کو پڑھ کر مطمئن ہو گئے اور اپنے انتقام آور رویہ سے باز آ گئے جو بصورت دیگر ملکی امن کیلئے پرخطر ثابت ہو سکتا تھا۔ دوسرے انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ عیسائیت مخالف تحریریں مسلمان ممالک میں سیاسی اہمیت کی حامل قرار دی جاتی ہیں۔ ایسی تحریریں پڑھ کر مسلمان برطانوی حکومت کی مذہبی حکمت عملی کو پسند کرتے ہیں اور اس کے لیے محبت بھرے جذبات رکھتے ہیں۔ (۲) ان کا یہ خیال تھا کہ برطانوی مسلمانوں پر مائل بہ کرم ہیں اور ان کے اقتدار سے اسلام کو کوئی خطرہ نہیں۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر بھاری مقدار میں قادیانی مذہبی لٹریچر مسلمان ممالک میں بھجوا دیا گیا تاکہ سامراجی پروپیگنڈا کیا جاسکے۔

مرزا صاحب یہ بات کہنے کی جرأت نہ کر سکے کہ عیسائی تبلیغی مراکز کی جڑیں سامراجی توسیع پسندی میں پیوست ہیں اور جب تک سامراج برداشت کرے اس کے مذہبی دم چھلے قائم رہ سکتے ہیں اور جب تک سامراج زندہ ہے دجال نہیں مارا جاسکتا۔ انہوں نے سامراجیت کی تعریف کے نغمے گائے لیکن اس کے بچے کو مذموم قرار دیا۔ وہ گڑ کھاتے رہے اور گلگلوں سے پرہیز کرتے رہے۔ (۳) مرزا غلام احمد کی سخت تحریروں

۱۔ عبد الرحیم ورد The Life of Ahmad - لاہور ۱۹۴۸ء۔ ص ۴۳۳

۲۔ مرزا غلام احمد۔ تریاق اہلبوب۔ قادیان ۱۸۹۹ء۔ ص ۳۱۷

۳۔ Phoenix, His Holiness, P-68

اور ناشائستہ طرز عمل پر مسلمان علماء کی ایک جماعت نے ان کو ترکی بہ ترکی جواب دینے کی ٹھانی۔^(۱) جس سے ان کے لہجے کی سختی میں مزید اضافہ ہوا۔ تاہم مخالف حملے نے ان کو ان مولویوں کے خلاف قانون کا سہارا لینے پر مجبور کر دیا جو ان کے لیے سد راہ بن گئے تھے۔ دراصل مرزا صاحب حکومت کی مدد سے اپنے لیے ایک دفاعی حصار قائم کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کی نبوت میں قوت برداشت کی کمی تھی۔ وہ انگریز کی بھرپور سرپرستی کے خواہاں تھے۔ تحریک احمدیت کا کوئی صحیح نصب العین نہ تھا۔ اسی لیے مرزا صاحب اپنی بقاء کی جدوجہد میں ہمہ تن مصروف اور خوفزدہ رہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی نبوت آنے والے طوفان کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انگریزوں کے تلوے چاٹتے رہے اور تحفظ کے لیے گڑ گڑاتے رہے۔ وہ یہ امید رکھتے تھے کہ انگریز ان کی نبوت کو اپنے متنبی اور لے پالک بچے کی طرح پالیں گے اور ان کے سیاسی مفادات کا مذہبی انداز سے تحفظ کریں گے۔^(۲)

۱۔ حکومت پنجاب نکلہ داعلیٰ کی کارروائی۔ فائل نمبر 29۔ مئی 1898ء "مرزا غلام احمد کے جیو کاروں کی" "جعفر زئی" کے مدیر کے خلاف شکایت اٹھایا آفس لائبریری لندن

۲۔ Phoenix, His Holiness. ص 121

دوسرا باب

مذہبی دعوؤں کی سیاست

مرزا صاحب کا سارا کاروبار صرف اور صرف مذہب کی آڑ میں سیاست تھی جس کا اسلام کے احیاء کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ انگریزوں کے آلہ کار اور مسلمانوں کے اتحاد کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ مجدد مہدی، مسیح موعود، نبی، رسول اور کرشن اوتار کے دعوے صرف سیاسی تماشے تھے۔ ان کے سیاسی کاروبار کی نوعیت سمجھنے کیلئے ہم ان کے مہدویت کے دعوے سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

مہدی

احادیث کے مطابق مہدی ایک ہدایت یافتہ شخصیت ہونگے جو نبی کریم ﷺ کے طریق پر خلافت قائم کریں گے اور زمین کو اس وقت عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ جب اسے زمین سے منتشر اور نکالا جا چکا ہوگا۔ وہ ”ایک جنگ جو اور اسلام کے عظیم سپاہی“ ہوں گے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں اپنے سیاسی مقاصد کو پروان چڑھانے کے لیے کئی مذہبی مہم جوؤں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ سیاسی مقاصد کی خاطر ایران کے بایوں اور ہندوستان کے قادیانیوں نے اس کا سب سے زیادہ استعمال کیا۔ جب کبھی مسلمانوں کی سیاسی قوت تنزل کا شکار ہوئی تو کوئی نہ کوئی مہدی اٹھ کھڑا ہوا۔ انیسویں صدی کے سیاسی حالات کے باعث مہدی کے تصور نے بڑی اہمیت حاصل کی۔ یہ تصور بحال کرنے اور کسی قوم کی امید زندہ رکھنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ یہ توقع کی جاتی تھی کہ مہدی علیہ السلام آکر ماضی کی شان و شوکت بحال کریں گے اور

اسلامی دنیا کو ایک خوشگوار انجام تک لے جائیں گے۔

مرزا صاحب نے مہدی کا دعویٰ ۱۸۹۱ء میں کیا۔ انہوں نے یہ اعلان کیا کہ ان کی ذات میں مہدی کے متعلق تمام پیش گوئیاں مکمل ہو گئی ہیں۔ مگر مہدی کے جہادی پہلو کے متعلق سوچ کر وہ خوف سے کانپ جاتے۔ انہوں نے اپنے آپ کو ”عدم تشدد کا حامی مہدی“ قرار دیا جو زمین پر جنگ کو روکنے آیا تھا۔ انہوں نے انگریزوں اور مسلمانوں کو یہ یقین دلانے کی سرتوڑ کوشش کی کہ مہدی کی عالمی فتوحات کی جو پیش گوئیاں ہیں وہ امن کی فتوحات ہیں جنگ کی نہیں۔ اپنی کتابوں میں انہوں نے مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرایا کہ وہ ایک خونخوار جنگجو اور خونخوری مہدی کے تصور کو پروان چڑھا رہے ہیں جو غیر مسلم یہودیوں اور عیسائیوں کو قتل کرے گا۔^(۱) ایسا کوئی مہدی نہیں آ سکتا جو جہاد شروع کرے۔ وہ ایک ابلاغ کا رتو ہو سکتا ہے، سپاہی نہیں۔ انگریزوں کے خلاف جنگ کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ خواہ ہندوستان میں یا اسلامی دنیا میں کہیں اور اس کی ضرورت پیش آئے۔

انیسویں صدی کے آخر میں نوآبادیاتی قومیں ایشیاء اور افریقہ میں نوآبادیوں کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں۔ فرانسیسی سامراج نے تیونس پر قبضہ کر لیا اور برطانیہ مصر لے گیا۔ مصر کے معاملات میں برطانیہ کی مداخلت ۱۸۷۵ء میں شروع ہوئی جب برطانوی وزیراعظم ڈزرائیلی نے نہر سویز کے حصص خریدنے کے لیے بات چیت شروع کی۔ اس کے بعد اگلی دہائی میں بھی انہوں نے ”پرامن نفوذ پذیری“ جاری رکھی۔ خدیو اسماعیل نے نوآبادیاتی ٹکٹے سے جان چھڑانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ۱۸۷۹ء میں مصری فوج میں ایک بغاوت ہوئی جو دبا دی گئی۔ دو سال بعد کرنل احمد اعرابی نے مصری معاملات میں برطانوی مداخلت کے خلاف چند فوجی افسران اور مذہبی رہنماؤں کے ساتھ مل کر ہتھیار اٹھا لیے۔ گیارہ اور بارہ جون کو اسکندریہ میں بلوہ ہوا۔ ایک مہینے بعد برطانوی امیر البحر فریڈرک بی۔ کیمپ نے وہ کیا جسے بعد میں ولٹرلی نے ”اسکندریہ پر

احقانہ اور مجرمانہ بمباری“ کا نام دیا۔ لندن میں اعرابی کی جنگ آزادی کو ختم کرنے کے لیے گلیڈسٹون حکومت نے فوج بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ ستمبر ۱۸۸۲ء میں فوج کے نائب سالار ولزلی کوئل کبیر کی جنگ میں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جو کہ نہر سویز اور قاہرہ کے تقریباً وسط میں ہوئی تھی۔ تاہم برطانوی فوجیں کامیاب رہیں اور کرنل احمد کی فوجیں جزیرہ میشل کی طرف ہٹ گئیں۔ ۱۸۸۳ء میں برطانیہ نے مصر پر قبضہ کر لیا اور اس حقیقت کے باوجود کہ مصر ترکی سلطنت کا حصہ تھا۔ برطانیہ نے اس پر اپنا نوآبادیاتی تسلط جاری رکھا۔

اعرابی کی نوآبادیاتی مخالف بغاوت کے دوران سوڈان میں ایک مذہبی رہنما (محمد احمد) المہدی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے وہ کچھ کیا جو اس سے پہلے کوئی بھی نہ کر سکا تھا۔ انہوں نے تمام قبائل کو متحد کیا اور ان تمام مصری دستوں کو متواتر شکستیں دیں جو انہیں گرفتار کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ جلد ہی نیل کے مغرب میں مہدی کے درویشوں نے پورے سوڈان کا مکمل اختیار سنبھال لیا۔^(۱)

۱۸۸۳ء میں دس ہزار فوجیوں کو لے کر برطانوی جرنیل بکس نے درویشوں کے خلاف لڑنے کے لیے صحرا میں بڑھنا شروع کیا۔ جذبہ جہاد سے سرشار مہدی کی فوجوں نے دس ہزار آدمیوں کی اس فوج کا مکمل صفایا کر دیا جس سے برطانوی حیران اور خوفزدہ ہو گئے۔ لارڈ فٹ مورلیس نے دارالامراء کو بتایا کہ جب سے فرعون کے ساتھی بحیرہ احمر میں ڈوب کر تباہ ہوئے اس وقت سے کسی فوج کی اتنی مکمل تباہی آج تک نہیں ہو سکی۔^(۲) سوڈانیوں اور عرب ممالک کی کثیر تعداد نے یہ یقین کر لیا کہ آپ رہو اصل مہدی ہیں جن کی آمد کی خوشخبری حضور اکرم ﷺ نے دی تھی۔ برطانوی سامراجیوں نے درویشوں کے خلاف لڑنے کیلئے چارلس گورڈن کا انتخاب کیا۔ گورڈن نے عرب تائیدوں کی چیم میں تائی پنک بغاوت کو کچل کر بڑا نام کمایا تھا۔ اس تحریک کا سربراہ خدا کا پیغمبر

۱۔ مہدیہ برطانوی یا مصری تاریخ کا ایک باب یا حصہ نہیں بلکہ یہ اسلامی احیاء کے خود بخود تاریخی عمل کا حصہ ہے۔ دیکھئے بی ایم ہولٹ۔ سوڈان میں مہدی ریاست۔ ۱۸۸۱-۸۹ء آکسفورڈ ۱۹۵۸ء اور محمد عکیم۔ سوڈان میں برطانوی حکمت عملی۔ لندن ۱۹۵۲ء۔

۲۔ ٹین سٹارکی۔ Eminent Victorians چوتھی اور نمبر ۱۔ لندن ۱۹۷۴ء۔ ص ۲۵۵

خدا کا بیٹا عالمی بادشاہ اور حضرت مسیح کا چھوٹا بھائی ہونے کا دعویدار تھا۔ وہ بھی مرزا کی طرح اپنے علمی مقاصد میں ناکامی پر سیاست کی طرف راغب ہو گیا۔ ۱۸۶۳ء میں گورڈن نے ”مسیح کی بغاوت“ کچل دی اور نان کن پر قبضہ کر لیا۔

مہدی کی فوجوں کے بڑھتے ہوئے عسکری دباؤ کے سامنے گورڈن نے اپنی چھاؤنیاں ہٹالیں اور برطانوی احکامات کے خلاف خرطوم پر اپنا قبضہ جاری رکھا جب تک کہ ۱۸۸۵ء میں مہدی کی فوجوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ درویشوں نے جنرل گورڈن کو مار ڈالا۔ ملکہ وکٹوریہ اصرار کرتی رہی کہ ہندوستانی دستوں کو عدن سے حرکت دی جائے کہ وہ گورڈن کو بچا سکیں۔ مشہور انگریزی شاعر لارڈ ٹینیسن نے گورڈن کے بارے ایک نظم لکھی اور برطانوی پریس نے اسے سیاسی ولی کا خطاب دے دیا۔ ریڈورز بلر نے تاہم یہ کہا کہ ”یہ آدمی اونٹوں سے بھی کم حیثیت کا مالک تھا۔“^(۱)

(The man was not worth the camels)

محمد احمد المہدی سوڈانی کو برطانوی فوجیں کبھی بھی نیچا نہ دکھاسکیں۔ دس سال کے عرصے کے بعد کچر نے ۱۸۹۶ء میں سوڈان کو سامراجی دائرہ اختیار میں زبردستی لانے کے لیے فوجی مہمات شروع کیں۔ ایک سال کے بعد مہدی کے خلیفہ کو بڑی خون ریزی کے بعد شکست ہوئی اور وہ ایک سال بعد شہید ہو گئے۔ کچر نے مہدی کا مقبرہ تباہ کر دیا۔ ان کی ہڈیاں دریائے نیل میں پھینکوا دی گئیں اور یہ تجویز ہوا کہ ان کی کھوپڑی رائل کانج آف سرجنز کو بھجوائی جائے جہاں اس کی پوئلہن کی آنتوں کے ساتھ نمائش کی جاسکے۔ بعد ازاں وادی حلفہ میں یہ کھوپڑی رات کے وقت خفیہ طور پر دفن کر دی گئی۔

مہدی کی سوڈان میں جنگ آزادی نے عرب اور شام میں سنگین خطرے بھڑکا دیئے۔ مسلمانان ہند نے بھی برطانوی فوجوں کی ذلت آمیز شکستوں پر اطمینان کا سانس لیا۔ انہوں نے مہدی سوڈانی کو عزت و احترام دیا۔ انہیں خطوط بھیجے اور انہیں قوموں کے نجات دہندہ کا درجہ دیا۔ ہندوستان میں یہ مکمل یقین تھا کہ مہدی سوڈانی تمام افریقہ

کو فتح کرنے کے بعد اٹلیا بھی فتح کریں گے اور غیر ملکی شہنشاہوں سے مسلمانوں کو آزاد کرائیں گے۔^(۱) جب مہدی سوڈانی کی تحریک پورے زوروں پر تھی۔ مرزا صاحب جہاد کی مذمت اور برطانوی سامراج کے روشن ترین خاکے تیار کر کے مذہبی مواد کی بھاری مقدار افریقہ کو بھجوا رہے تھے۔^(۲) اپنی کتاب حقیقت المہدی میں انہوں نے جہادی اور خونی مہدی کی سخت مذمت کی^(۳) اور دعویٰ کیا کہ پچھلے بیس سالوں سے (۱۸۷۹ء تا ۱۸۹۹ء) وہ تصور جہاد کے خلاف پرچار کر رہے ہیں۔ ایک خونی مہدی اور مسیح کی آمد کے نظریے اور جہاد مخالف لٹریچر کی عرب ممالک خصوصاً ترکی، شام، کابل وغیرہ میں تقسیم جاری رکھی۔ اپنی کتاب کے ساتھ عربی اور فارسی میں ایک اٹھارہ صفحات کا ضمیمہ منسلک کر کے انہوں نے عرب ممالک کے مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ ان کے مہدویت کے دعویٰ کو تسلیم کر لیں اور جہاد کے نام پر جنگیں بند کر دیں اور برطانوی حکومت کے بارے میں گہرا احترام اپنے دلوں میں بٹھالیں۔^(۴) ایک دوسری کتاب ”ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں تحفہ“ میں وہ ذکر کرتے ہیں۔

”والد صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد یہ عاجز دنیا کے شغلوں سے بالکل علیحدہ ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف مشغول ہوا اور مجھ سے بہرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک میں نیز دوسرے بلاد اسلامیہ میں اس مضمون کے شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے۔ لہذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اس گورنمنٹ کی ہجی اطاعت کرے اور دل سے اس کی دولت کا شکر گزار اور دعا گو رہے اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو۔ فارسی اور عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں۔ یہاں تک کیا اسلام کے دو مقدس شہروں مکہ اور مدینہ میں بھی شائع کر دیں اور روم

۱۔ اے ایمن ہیک۔ دی جرنل۔ میجر جرنل سی بی کورڈن۔ سی بی الزمطوم۔ لیکن پال ٹرنج ایڈ کتب۔ لندن۔ ۱۸۸۵ء۔ ص ۴۴

۲۔ دیکھئے مرزا غلام احمد۔ ستارہ قیسریہ۔ ۱۸۹۹ء۔ ۵ دیاں ص ۴۰۳

۳۔ حقیقت مہدی۔ ۴۔ ۵ دیاں ۱۸۹۹ء

۴۔ ایضاً

کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا، اشاعت کر دی۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیئے جو نا فہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ہو رہی ہے اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہیں سکتا۔^(۱)

پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر کے نام ایک درخواست میں لکھتے ہیں کہ

”ایسی کتابوں کے چھاپنے اور شائع کرنے میں ہزار ہا روپیہ خرچ کیا گیا۔“^(۲)

کیا اپنی جیب سے ہزاروں روپے خرچ کر کے برطانوی حمایت میں لٹریچر چھپوانے میں کوئی مقصد کارفرما ہے؟ کیا احمدی اس پر روشنی ڈالیں گے؟ یہ ہزاروں روپے (جن کی آج وقعت کروڑوں روپے بنتی ہے) کہاں سے آئے؟ ۱۸۹۸ء میں مرزا صاحب نے انکم ٹیکس کے ایک مقدمہ میں اپنی سالانہ آمدنی سات سو روپے سے کم ظاہر کی تھی جس پر ضلع گورداسپور کے کلکٹر ٹی ٹی ڈکسن نے انہیں انکم ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا تھا۔ مرزا صاحب اسے ایک خدائی نشان قرار دیتے ہیں۔^(۳) برطانوی پروپیگنڈہ مہم میں خرچ کے لیے ہزاروں روپوں کا کہاں سے انتظام ہو سکا؟ جواب بالکل صاف ہے۔ سیاست کے اس غیر ذمہ دارانہ کھیل کی مدد کے لیے برطانوی خفیہ تنظیموں کی تفویض پر خفیہ مذہبی رقومات رکھی گئی تھیں۔ ہندوستان اور اس کے باہر برطانیہ کی حمایت میں پروپیگنڈہ مہم کی تدوین اور اسے جاری رکھنے کے لیے فری میسن اور یہودی بھی انہیں رقومات دیتے تھے۔ مرزا صاحب نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ وہ اسلامی ممالک میں اس لٹریچر کے ساتھ چند عرب شرفاء کو بھی بھیجتے رہے ہیں۔^(۴)

قادیان کی خفیہ تنظیم کے تربیت یافتہ یہ جاسوس اسلام مخالف قوتوں کے ساتھ

۱۔ مرزا غلام احمد تھقہ قیسریہ۔ ص 27

۲۔ مرزا غلام احمد تھقہ قیسریہ۔ ۱۵ دیاں۔ 1897ء ص 27

۳۔ مرزا غلام احمد۔ ضرورت الامام۔ ۱۵ دیاں۔ 1899ء ص 8

۴۔ مرزا غلام احمد کی تیار کردہ یادداشت کی منظوری کے لیے ملکہ مظفر وکتوریہ۔ ہندوستان کے تنظیم اعلیٰ پنجاب کے نائب تنظیم اور ہندوستان کے دوسرے اہلکاروں کو پیش کی گئی۔ تبلیغ رسالت۔ جلد 3 ص 196

قریبی تعلقات قائم رکھتے تھے اور زیادہ تر مبلغین کے لبادے میں کام کرتے تھے۔ غلام نبی قادیانی، عبدالرحمن مصری، عبدالحی عرب (۱) اور شاہ ولی اللہ قادیانی کو انیسویں صدی کے آخر میں تخریب کارانہ مقاصد کے لیے مصر بھیجا گیا۔ ان کی خدمات قاہرہ میں برطانوی خفیہ والوں کو تفویض کر دی گئیں۔

ہمارے ذہنوں میں ایک اور اہم سوال ابھرتا ہے کہ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ تھا کہ برطانوی ہند میں جہاد ممنوع اور غیر قانونی ہے مگر انہوں نے اسے بقیہ اسلامی دنیا کے لیے مکمل طور پر غیر قانونی اور ممنوع کیوں قرار دیا۔ جہاں مسلمان یورپی سامراجیت کے خلاف اپنی بقاء کی شدید جنگ لڑ رہے تھے۔ کیا یہ سامراجی قوتوں اور ان کے یہودی حلیفوں کے واسطے اسلامی دنیا کی جہادی تحریک کو تباہ و برباد کرنے کی ایک نئے شدہ حکمت عملی نہیں تھی؟

یہودیوں کے لیے مسیح

براہین احمدیہ (۱۸۸۰ء) کی تدوین کے وقت مرزا صاحب کا عقیدہ تھا کہ مسیح علیہ السلام زندہ ہیں اور آسمانوں سے اتریں گے۔ گیارہ سالوں تک وہ اسی عقیدے پر قائم رہے۔ اگرچہ وہ خدا سے وحی حاصل کرنے کے دعویدار تھے۔ امام زمانہ اور ایک محدث (ظلی یا بروزی نبی) کا بھی دعویٰ کرتے تھے۔ بڑی حیران کن بات ہے کہ گیارہ سالوں (۱۸۹۱ء-۱۸۸۰ء) تک وہ اپنی ہی وحی کے مطالب کو سمجھنے کے اہل نہیں ہوئے۔ آپ گیارہ سالوں ۱۸۸۰ء سے ۱۸۹۱ء تک مسیحیت اور ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۱ء تک اپنی نبوت کے دعوے کو سمجھ نہ سکے۔ جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سینکڑوں مرتبہ خدا نے ان سے ہمکلامی کی اور شدید بارش کی طرح متواتر وحی نازل ہوئی جس میں ان کو ایک رسول اور نبی قرار دیا تھا لیکن وہ خدا کے احکامات کو مکمل طور پر پس پشت ڈال کر حیات مسیح مانتے رہے اور اپنی نبوت کو صرف محدثیت پر مبنی کر لیا۔ کیا وہ نبی اور مسیح تھے۔ نہیں آپ کے

۱۔ پروفیسر عبدالحی عرب حکیم نور الدین سے بہت متاثر تھا۔ وہ نیویارک طب کی تعلیم کے لیے جانا چاہتا تھا مگر امریکی حکومت نے اسے ایرانی جاسوس سمجھتے ہوئے اجازت داخلہ دینے سے انکار کر دیا۔ جس پر وہ لندن میں مقیم ہو گیا۔

سامراجی یہودی تماشہ کاروں کی سیاسی ضروریات نے ان سے یہ مذہبی قلابازیوں کے کرتب کروائے اور آپ ان کے اشاروں پر ناپتے رہے۔ ۱۸۹۱ء میں اپنی ایک وحی میں موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنی کتابوں فتح اسلام^(۱) تو ضیح مرام اور ازالہ اوہام میں صرف مسیح علیہ السلام کی طبعی وفات کا اعلان کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے بارے میں انہوں نے یہ دلیل دی کہ یہ دراصل ایک ایسے شخص کی آمد ہوگی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی خصوصیات پائی جاتی ہوں گی۔ انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں مرے بلکہ فوج گئے اور افغانستان اور کشمیر میں ”دس گمشدہ قبائل“ کی نسلوں کو تبلیغ کرنے کے لیے ہندوستان آگئے تھے۔ نتیجتاً انہوں نے اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقبرہ بھی سری نگر کشمیر میں دریافت ہو چکا ہے۔^(۲)

یہ ضروری ہوگا کہ اس جگہ ابن مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کا تقابل یہودیت میں طویل اور خصوصی اہمیت کے حامل مسیح موعود کے نظریہ سے کیا جائے۔ لفظ مسیح کی ابتداء عبرانی زبان سے ہوئی ہے جس کا معنی ہے (Anointed) یعنی مسیح شدہ جس کے سر پر تیل ڈالا گیا ہو۔ تمام بادشاہوں اور یہود کے سربراہوں کو اقتدار سونپتے ہوئے ان کے سروں پر تیل ڈال کر مقدس کیا جاتا تھا۔ جب یہودی ایرانیوں کے زیر تسلط تھے تو انہوں نے یہ خواب دیکھنے شروع کر دیئے کہ وہ دن آئے گا کہ جب داؤد علیہ السلام کی اولاد دوبارہ ظاہر ہوگی اور ایک مقدس بادشاہ اسرائیل کے تخت پر ایک بار پھر بر اجمان ہوگا۔ چنانچہ جب یہودی رومیوں کے زیر تسلط تھے تو انہوں نے دو مختلف ادوار پر مسیح کے بارے میں اپنے نظریے کو تبدیل کر لیا۔ یہودیوں کی ایک غالب اکثریت ایک طاقتور جنگجو کے ظاہر ہونے کی توقع کرنے لگی جو اگرچہ داؤدی خاندان سے نہ ہو۔ لیکن ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی قیادت کرے

۱۔ حکومت پنجاب کارروائی نمبر داخلہ۔ تاریخ ۱۸۹۲ء انڈیا آفس لائبریری لندن کے مطابق ”فتح اسلام کے مصنف قادیان کے سرزاد غلام احمد نے یہودی دنیا کو یہ بتایا کہ وہ انسانیت کے حالات کو سامنے لے کے لیے بھیجا گیا ہے اور وہ حانی قوت اظہار قوت اور نظریات میں وہ یسوع مسیح کی طرح ہے اور عوام کو دعوت دی کہ وہ اس کی پیروی کریں“

۲۔ سرزاد غلام احمد مسیح ہندوستان میں۔ قادیان۔ ۱۸۹۹ء ص ۳

گا۔ روم کو تباہ کرے گا۔ یہودیوں کو آزادی دلانے گا اور انصاف خوشحالی اور امن کی سلطنت قائم کرے گا۔ مگر ایک چھوٹا سا گروہ بھی تھا جو مسیح کو ایک عام انسان سے زیادہ طاقت ور سمجھتے تھے جو عام ہتھیاروں کی مدد سے کافروں کو قتل کرے گا اور یہودیت کو کامیابی دلائے گا۔ کتاب انوخ جو پہلی صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی اس کے مصنف نے ایک ایسے مافوق الفطرت شخص کا کہا ہے جو زمین کی طرف جانے کے لیے خدا کے اشارے کا منتظر ہے اور انسانیت کو گناہ نانا انصافی اور ظلم سے نجات دلائے گا۔ خدا نے عیسیٰ ابن مریم کو یہودیوں کی تکلیف دہ صورتحال سے نجات کے لیے بھیجا مگر انہوں نے پونطس پلاطس جو یہود کا رومی گورنر تھا کے ساتھ مل کر ان کو اپنے خیال میں مصلوب کر دیا اور انہیں ایک جھوٹا مسیح قرار دیا جو لعنتی موت مرا۔ اسلام کی آمد تک یہودی مسیح موعود کا اس امید پر انتظار کرتے رہے کہ وہ دنیائے اسرائیل پر حکمرانی کرے گا۔ قرآن اور احادیث میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خدا نے مسیح ابن مریم کو قتل اور صلیب پر چڑھائے جانے سے بچا کر انہیں اپنی طرف اوپر اٹھالیا۔ وہ آخری دنوں میں (قیامت کے نزدیک) یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے ایک زعمہ نشانی کے طور پر اتریں گے وہ اسلام کے پیروکار ہوں گے۔ مسیح موعود یا مثیل مسیح کا کوئی حوالہ یا ذکر نہیں ہے۔ یہ بڑے کھلے انداز میں واضح کر دیا گیا ہے کہ آخری ایام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں آئے گا۔^(۱)

مرزا صاحب نے قرآن پاک سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسیح مرچکے ہیں۔ اس کے برعکس انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ حدیث میں بیان کردہ یسوع مسیح کی آمد کا مطلب ایک مسیح کا بروز ہے۔ یہ واضح ہونا چاہئے کہ انہوں نے مسیح موعود کا دعویٰ حدیث سے نہیں لیا بلکہ یہ ان کی اپنی ایک وحی تھی جس نے ان کو یہ منصب سنبھالنے پر مجبور کیا۔ حدیث ان کے نزدیک ثانوی حیثیت رکھتی تھی جسے وہ اپنی وحی کی تائید میں پیش کرتے تھے۔ ان کی وحی ان کیلئے اور ان کے پیروکاروں کے لیے مانتی لازم تھی۔ تاہم مسیح کی آمد اور مسیح موعودیت کا دعویٰ دو مختلف چیزیں ہیں۔ پہلے عقیدہ کی بنیاد

۱۔ مذہبی حوالہ جات کے لیے دیکھئے علامہ سید انور شاہ کشمیری "عقیدہ الاسلام" ص ۱۰۱ سید مہر علی شاہ سیف پشٹیانی نور مولانا سوری "متم نبوت" وغیرہ

حدیث مبارکہ میں ہے جبکہ دوسرے کی بنیادیں ایک یہودی نظریے میں موجود ہیں جو یہودی لٹریچر سے لیا گیا ہے اور اسلامی عقائد کے بالکل خلاف ہے۔ مرزا صاحب نے بڑی چالاکी سے اپنا چہرہ یعنی مسیح موعود جو دنیا نے یہود کے سیاسی مقاصد کے لیے تیار کیا گیا مسیح کے بروز کے طور پر پیش کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ انہوں نے بڑی عیاری کے ساتھ علماء کو بے کار مذہبی تنازعات میں گھسیٹا اور اسلام کو یہودیائے جانے کے گناہ کا مذموم منصوبہ جاری رکھا۔

ڈاکٹر محمد اقبال نے قادیانیت پر اپنے مشہور مضمون میں یہ زور دیا ہے کہ احمدیہ تحریک بڑی تیزی سے یہودیت کی طرف رواں دواں ہے۔^(۱) کچھ عرب علماء نے بھی بڑی تفصیل کے ساتھ قادیانی تحریک کی یہودی اور سامراجی نوعیت کے رجحانات پر تفصیلی بحث کی ہے۔ عباس محمود العقاد، الشیخ ابوزہرہ مصری، الشیخ محب الدین الخطیب اور الشیخ محمد الدنی نے اس عنوان پر بڑا کام کیا ہے۔ علامہ محمود الصوف نے اپنی مشہور کتاب ”الختالات الاستعماریہ لمکافات الاسلام“ میں ثابت کیا ہے کہ قادیانی تحریک استعماریت کی ایک شاخ ہے۔ ڈاکٹر عبدالکریم غلاب جو کہ مراکش کے ایک محقق ہیں انہوں نے بھی اس موضوع پر عالمانہ کام کیا ہے۔ انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ احمدیہ تحریک یہودیت کی ایک ضمنی پیداوار ہے اور اس کے بنیادی عقائد انیسویں صدی کی یہودیت سے خوفناک حد تک مماثلت رکھتے ہیں۔^(۲) جس طریقے سے قادیانیوں نے نظریہ جہاد، وحی و نبوت وغیرہ کو پیش کیا ہے یہ انیسویں صدی کے متعصب یہودی علماء کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ قادیانیت کی ترقی اور ارتقاء میں یہودیوں نے ہمیشہ گہری دلچسپی لی۔ شوڈ نے جو ڈاکٹر میکسن کی سربراہی میں یروٹلم یونیورسٹی کے اندر یہودی روشن خیال طبقہ کے طور پر کام کر رہا تھا احمدیہ عقائد کی یہودی فلسفے کے ساتھ تطبیق پر اس طور سے تحقیقات کیں جیسا کہ انیسویں صدی کے یہودی سازشی فلسفیوں نے اعلان کیا تھا۔

۱۹۲۷ء میں آسٹریا کے ایک جج الیگزینڈر وانلڈ ہائمر نے ”اسلام کی طرف

۱۔ الطیف احمد شیری والی حرف اقبال ۱۱ اور صفحہ نمبر ۱۱۵

۲۔ ہفت روزہ چٹان۔ لاہور نو فروری ۱۹۷۰ء

جدید صیہونی تحریک اور تحریک احمدیہ کے عنوان سے ایک دلچسپ مضمون لکھا۔ جو مارچ ۱۹۲۷ء کے شمارے میں قادیانوں کے مشہور رسالے ”ریویو آف ریلیجنس“ میں چھپا۔ سز ایٹی رو میل جو کہ یروشلم یونیورسٹی میں ایک یہودی عالم تھی نے ۱۹۳۶ء میں تحریک احمدیہ پر سلسلہ وار مضامین لکھے۔^(۱) جس میں یہودی فلسفیانہ نظریات کے ساتھ اس کی مماثلت کے اہم پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا تھا۔ تحریک احمدیت کی یہودی حمایت کے رجحانات کو مرزا صاحب کی تحریروں میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی ذات کے خلاف وہ تمام احقانہ الزامات عائد کیئے جو یہودی مصنفین عیسائیت کے ظہور سے لے کر اب تک ان پر لگاتے چلے آئے ہیں۔^(۲) مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کو شعبہ بازی اور جادو کا ایک سلسلہ قرار دیا۔ کسریلیب کے نام پر انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی معجزاتی پیدائش اور عیسائی عقائد پر تنقید کی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ پر شراب نوشی، یہودیوں کو گالیاں دینے، بزدلی، اپنی ماں کے ساتھ بدتمیزی، فاحشہ عورتوں کے ساتھ دوستی جیسے الزامات عائد کیئے۔ مرزا صاحب نے حضرت مریمؑ کی حیات مقدسہ پر بھی بہتان تراشی کی۔ حضرت عیسیٰؑ پر الزامات عائد کرنے اور ان کے مرتبہ کو گھٹانے کی ناپاک کوششوں کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو ہر لحاظ سے عیسیٰؑ سے برتر ثابت کیا۔ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے ایک ایسا عظیم الشان کام سرانجام دیا ہے جو مسیح بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ اور عیسائیت پر ان کے حملوں کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے چند مندرجات پیش کیئے جاتے ہیں۔

۱- مسیح کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین داویاں اور ناناں آپ کی زنا کار اور

کسی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔“^(۳)

۲- ”مسیح کا چال چلن کیا تھا، ایک کھاؤ پیو شرابی، نہ زاہد نہ عابد، حق کا پرستار، مشکبر خود بین

۱۔ الفضل ۵ دیان ۱۲ جون ۱۹۴۸ء۔

۲۔ آئبر ہور ہر فورڈ۔ یہودی لٹریچر میں مسیح و ملکہ کی سیمیا اور انجیل کی لغت۔ ۲ مامرہ کا سیمیا مصنف ڈاکٹر ایس کراؤس۔ یہودی انسائیکلو پیڈیا جلد ۷۔ نیویارک اور اس طرح کی کئی دیگر تصانیف کو مرزا ۵ دیانی اور اس کے پیروکاروں نے بطور ماخذ استعمال کر کے عیسائیت پر حملے جاری رکھے

۳۔ مرزا غلام احمد، انجام آسم، ۱۸۹۷ء، ۵ دیان ص ۷

خدا کی کا دعویٰ کرنے والا“۔^(۱)

3۔ ”یہودیوں کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔“^(۲)

4۔ ”یسوع اس لیے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا کہ لوگ جانتے تھے کہ یہ محض شرابی کہانی ہے اور یہ خراب چال چلن نہ خدا کی کے بعد بلکہ ابتداء ہی سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ خدا کی کا دعویٰ شراب خوری کا ایک بد نتیجہ ہے۔“^(۳)

اسلامی عقائد میں تحریف اور عیسائیت کی تکذیب کے ساتھ انہیوں نے یہودی مذہبی نظریات کا احیاء کیا۔ انہوں نے اپنے گروہ کو بنی اسرائیل کا نام دیا اور اپنی وحی و الہامات میں اپنے آپ کو اسرائیل قرار دیا۔^(۴)

۱۹۳۷ء میں تقسیم ہند کے فوراً بعد قادیانی مشرقی پنجاب سے پاکستان آ گئے۔ الفضل کہتا ہے کہ مسیح موعود کی وحی کے مطابق ایک وقت آئے گا کہ احمدی قادیان چھوڑ دیں گے۔ یہ یکسانیت احمدیوں کی ہجرت اور یہودیوں کے خروج کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لیے ہوگی۔^(۵)

جھوٹے مسیح

ہم مرزا صاحب کے دعوائے مسیح موعود کے مختلف پہلوؤں پر بحث کریں گے تاکہ ان کے دعوے کی نوعیت کو تاریخی تناظر میں دیکھا جاسکے۔

یہودیوں کا مسیح موعود کی آمد کا نظریہ یہودیوں کے ہاتھوں میں ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے۔ انیسویں صدی میں صیہونیت کے آغاز اور ترقی

۱۔ مکتوبات احمدیہ جلد 3 ص 24-21

۲۔ مرزا غلام احمد مصلحی نو ح ۵ دیان 1901ء ص 65

۳۔ مرزا غلام احمد ص 150

۴۔ الفضل لاہور ۱۴ اکتوبر 1947ء

۵۔ ایضاً

کے ساتھ ہی اس عقیدے کو گریہ لگ گیا۔ پہلی صدی عیسوی سے لے کر صیہونیت کی ابتداء (۱۸۹۷ء) تک کئی خود ساختہ مسیح ظاہر ہوئے۔ مسیح کے ظہور کے ساتھ عموماً کسی بغاوت یا شورش کا آغاز ہوتا۔ ہر دعویٰ دار کی خواہش ہوتی کہ وہ اقتدار حاصل کرے اور بھٹکتے یہودیوں کی ارض مقدس میں بحالی عمل میں لائے۔

مسلمانوں کی حکومت میں کئی خود ساختہ مسیحاؤں نے مسلمان ریاستوں کو گرانے کے لیے قوی سیاسی تحریکیں شروع کیں۔ ۷۰۰ء کے لگ بھگ ابوعیسیٰ اصفہانی نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس نے یہودیوں کی ایک فوج اکٹھی کی تاکہ خلافت اسلامیہ کا جو الہی گردن سے اتار پھینکے اور یہودیوں کو فلسطین لے جائے۔ آخر کار جنگ ہوئی اور یہودیوں کو اس میں شکست فاش ہوئی اور وہ تتر بتر ہو گئے۔ ابوعیسیٰ نے خود کشی کر لی مگر اپنی مثال پر چلنے کے لیے دوسروں کی حوصلہ شکنی نہ کی۔ ایک چرواہے یودگان الرائی نے بھی اس قسم کی کوشش کی اور آخر میں شکست کھا کر مارا گیا۔ تقریباً اسی وقت شام میں سیرینس نامی ایک شخص نے یہودیوں کو اپنی قیادت میں فلسطین فتح کرنے کی دعوت دی۔ یہودی ہزاروں کی تعداد میں اس کے گرد اکٹھے ہو گئے مگر اس کے وعدوں کی ناکامی نے انہیں سوائے شدید صدمے کے اور کچھ نہ دیا۔

مسیح کے تصور کو صلیبی جنگوں کے زمانے میں ایک نیا رنگ ملا۔ ایک ہسپانوی یہودی ابولافہ نے مسیحا ہونے کا دعویٰ کیا اور ۱۲۸۱ء میں روم چلا گیا تاکہ پوپ کو قائل کر سکے۔ اس نے صلیبی جنگ میں یہودیوں کی مدد کی پیشکش بھی کی۔ سب سے دلچسپ یہودی نجات دہندہ شامیتی زیوی تھا۔ ۱۶۳۸ء میں وسطی اور مشرقی یورپ کو سیاسی بحرانوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان واقعات سے مسیح کی آمد کے تصور کو تقویت ملی۔ یہودی سازشیوں کا یقین تھا کہ جنگ اور وباؤں کے بعد مسیح آئے گا اور وہ بڑی دلجمعی سے اس کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

ہسپانوی یہودی شامیتی زیوی نے ۱۶۴۸ء میں مسیحا ہونے کا دعویٰ کیا۔ وہ جہاں

کہیں بھی گیا یہودیوں نے اس کا والہانہ استقبال کیا۔ اس نے بہت سے علماء کے ساتھ سمرنا سے سالونیکا کا سفر کیا۔ اس نے توریت کے ایک عہد نامے کے ساتھ شادی کا سوانگ بھرا اور اسے اپنی دلہن بنایا۔ سالونیکا سے وہ قاہرہ چلا گیا۔ جہاں اسے اپنے مقصد کے لیے سازگار ماحول میسر آ گیا۔ ایک دولت مند یہودی رائفل جوزف شلیسی نے اسے خیرات تقسیم کرنے کے بہانے پر وٹلم بھیجا۔ وہاں وہ غزہ کے ناٹھن سے ملا جو خود نبوت اور مسیحیت کا دعویدار تھا۔ اس نے یہ ذمہ داری لی کہ وہ اپنے آپ کو خدائے یہودا کے طور پر مشہور کرے گا اور زیوی کے مسیح ہونے کے بارے میں پروپیگنڈا کرے گا۔

زیوی نے سارہ سے شادی کر لی جو کہ مسیح موعود کی دلہن ہونے کی دعویدار تھی۔ یہ شادی شلیسی کے گھر واقع قاہرہ میں بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ اس شادی کی مسلمہ کذاب کی سباج کے ساتھ شادی سے بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔ مرزا صاحب نے بھی محمدی بیگم کے ساتھ شادی کی بہتری خواہش کی مگر اس کے باپ نے خدا کے نام پر دھوکہ اور دھونس میں آنے سے انکار کر دیا۔

زیوی کا انتہائی جوش و خروش سے استقبال کیا گیا۔ بہت سے یہودیوں نے اپنا مال و اسباب فروخت کر دیا اور فلسطین کی طرف چل پڑے۔ اپنی اس کامیابی پر نازاں ہو کر اس نے اعلان کیا کہ وہ قسطنطنیہ جا رہا ہے جہاں اسے دیکھتے ہی سلطان ترکی اپنا تخت اس کے حوالے کر دے گا اور وہ شہنشاہوں کا شہنشاہ بن جائے گا مگر جب اس کا جہاز ترکی کی بندرگاہ پر پہنچا تو اسے گرفتار کر لیا گیا اور قلعہ عبیدہ میں قید کر دیا گیا۔ قید خانے سے اس نے پولینڈ کے یہودیوں کو پیغامات بھجوائے اور انہیں حکم دیا کہ وہ نجمیہ کوہن کو اس کے پاس بھجوائیں جو کہ خود مسیحیت کا دعویدار تھا۔ کوہن نے زیوی سے ملاقاتوں کے بعد اعلان کیا کہ زیوی مسیح نہیں ہے۔ اپنے اس اعلان کے بعد پولینڈ کا یہ پیغمبر صرف ان حالات میں بچ سکتا تھا اگر وہ کسی محفوظ جگہ بھاگ جاتا۔ زیوی کو سلطان کی عدالت میں مقدمہ چلانے کے لیے لایا گیا۔ اس نے تمام دعوؤں سے دستبرداری کا

اعلان کیا اور سلطان کے دربار میں ایک معمولی ملازمت قبول کرنے اور اسلام قبول کرنے پر بھی رضامندی ظاہر کر دی۔ زیوی کے پیروکار اگرچہ دھوکہ کھا چکے تھے پھر بھی یہ دلائل دیتے تھے کہ مسلمان زیوی ایک انسانی ہیولا ہے اور وہ بذات خود مزید بہتر مواقع پیدا ہونے کے انتظار میں آسمانوں پر چلا گیا ہے۔^(۱) اس نے یہودیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا ہے اور بڑی جلدی واپس آئے گا۔ وہ یہودی جو منافقانہ طور پر یہودیت کی ترقی کی خاطر مسلمان ہو گئے تھے اور مسیح کی آمد کے منتظر تھے، انہوں نے اپنے آپ کو قادیانوں کی طرح دومنہ نامی لیک خفیہ یہودی فرقہ میں منظم کر لیا۔

اٹھارہویں صدی کے برطانیہ میں چرڈز برادرز نامی ایک انگریز نے مسیحیت کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو شہزادہ اور یہودیوں کی فلسطین میں آباد کاری کرنے والا ظاہر کیا۔ ایک خاتون جو ناساؤتھ کوآٹ نے معجزاتی حمل کے بعد مسیح موعود کی پیدائش کا اعلان کیا۔^(۲) مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ تاہم برطانیہ کے بہت سے یہودیوں نے اس کا بہت احترام کیا۔ مرزا صاحب کے ہم عصروں میں سے امریکہ کا جان الیگزینڈر ڈوئی اور برطانیہ کے جے۔ ایچ پکٹ نے بھی مسیحائی کا دعویٰ کیا۔ یہ تمام اشخاص یا تو خفیہ طور پر یہودی تھے یا ان کے آلہ کار۔ ان سب کا اصل مقصد یہودی قوم پرستی کو ایک جہت اور ڈھانچہ فراہم کرنا اور مخالف یورپی معاشروں میں ان کے لیے ایک سازگار ماحول پیدا کرنا تھا۔ فری میسنوں نے یہودی قومیت کی خاطر بڑے لطیف پیرائے میں ماسونی لاجیں قائم کر کے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ یورپی نظریات پر کلیسائے عیسائیت کی زبوں حالی اور امریکہ میں یہودیوں کی ابھرتی ہوئی طاقت نے بڑا اثر ڈالا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقبرہ

مرزا صاحب نے نہ صرف حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کی طبعی موت کا اعلان

کیا بلکہ ان کا نام نہاد مقبرہ بھی دریافت کر لیا۔^(۱) پہلے گلیل (فلسطین) پھر طرابلس، پھر شام اور آخر کار ایک پیغمبرانہ وحی کے بعد سری نگر (کشمیر) میں اسے دریافت کیا۔^(۲) مگر جو کوئی بھی وہاں گیا، مرزا صاحب کی چالبازی پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔^(۳)

قادیانی قبر مسیح کی دریافت کو اپنی تحریک کی تاریخ کا ایک بے مثال واقعہ سمجھتے ہیں۔ مرزا صاحب کی وحی سے بھی یہ ثابت ہے اور یہی ان کے کذب کی دلیل ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام ہندوستان کیسے آئے۔ مرزا صاحب نے یہ دلیل دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا مگر وہ فوت نہیں ہوئے۔ (مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ صلیب پر بالکل چڑھائے ہی نہیں گئے تھے)۔ ان کو ان کے حواریوں نے صلیب پر سے غشی کی حالت میں اتارا اور چالیس دنوں تک ایک مرہم سے علاج کیا۔ جسے مرہم عیسیٰ کہا جاتا ہے پھر انہوں نے مشرق کی طرف فارس اور افغانستان سے ہوتے ہوئے ہندوستان میں قدم رکھا۔ اپنے حواری سینٹ تھامس کے ساتھ مسیح نے یہ سفر کیوں کیا؟ ان یہودیوں کو تبلیغ کرنے کے لیے جنہیں اسیریا کے حکمران سارگن نے ۷۲۱ قبل مسیح میں جلاوطن کر دیا تھا۔ جب اس نے سمیریا کے شہر پر حملہ کیا تھا۔ مرزا صاحب نے یہودیوں کی دوسری اسیری کا بھی تذکرہ کیا جب بابل کے حکمران نبوکدنصر نے یروشلم پر ۵۶۸ قبل مسیح میں چڑھائی کی اور کہا جاتا ہے کہ چند باشندوں کو قید کر کے ساتھ لے گیا۔ ان اسیریوں میں بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے بہت سے افراد ”گم“ ہو گئے۔ یہ بھی دعویٰ کیا گیا کہ کشمیری اور افغان ”اسرائیل کے دس گمشدہ قبائل“ کی اولاد ہیں۔^(۴)

۱۔ مرزا غلام احمد۔ ست جہن۔ ۵ دیاں ۱۸۹۵ء ص ۱۶۴

۲۔ مرزا غلام احمد، الہدیٰ۔ ۵ دیاں۔ ۱۹۰۲) یہ ایک چوکا دینے والی دریافت تھی۔ سینکڑوں لوگ سری نگر کی ”خان یارگلی“ میں وہ مقبرہ دیکھنے کے لیے گئے۔

۳۔ مرزا صاحب نے اپنے ایک انتہائی قابل استاد و دیکار مولوی عبد اللہ وکیل سے کہا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سری نگر میں مقبرے کے بارے میں شواہد اکٹھے کرے۔ اپنی کتاب راز حقیقت میں مرزا صاحب نے مولوی وکیل کا ایک قلم لیا ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں دفن کیے گئے۔ مولوی وکیل بعد ازاں ایک بھائی مبلغ بن گیا اور قادیانیت چھوڑ گیا۔ اس کے حقائق میں تبدیلی کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ اس نے واضح طور پر اس فریب کا پردہ چاک کیا جو مرزا صاحب کی وحی کی تصدیق بھی لینے ہوئے قلم وہ یہ بات سمجھنے میں ناکام رہا کہ کیوں مرزا صاحب نے اس داستان پر اپنی مہرتوت کی تصدیق نہ کی تھی؟ جو کہ حکیم مولوی نور الدین، جمہوری اور غلیظ نور الدین آف جوں کی اخراج اور سن گمراہ بات ہے (دیکھئے مولوی عبد اللہ وکیل کا پمفلٹ شعلہ نار۔ سری نگر) اور مفتی محمد سعادت شاہ۔ ”تحقیقات پورا سف سری نگر

۴۔ مرزا غلام احمد۔ مسیح ہندوستان میں۔ ۵ دیاں ۱۸۹۴ء ص ۱۶۱

حضرت عیسیٰؑ نے ان گمشدہ بھینٹوں کو تبلیغ کرنی تھی اس لیے آپ نے ہندوستان کی طرف سفر کیا۔ یوز آسف ”یا یسوع کے نام سے یہ سفر کیا۔ اس لفظ کا مطلب ہے ”بنی اسرائیل کو جمع کرنے والا“۔ قادیانیوں کی لاہوری جماعت کے رکن خواجہ نذیر احمد نے یہ دعویٰ کیا کہ حضرت مریمؑ نے بھی حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ہندوستان کا سفر کیا تھا۔^(۱) اور مری میں وفات پائی جو کہ پاکستان کے دارالحکومت سے تقریباً پینتالیس کلومیٹر دور ہے۔ لفظ مری حضرت مریم علیہ السلام کے نام میری کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے اور ان کے نام کی وجہ سے مشہور ہے۔ بی بی مریم کی مری میں وفات کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے اور ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کا مقبرہ خان یار سٹریٹ سری نگر کشمیر میں واقع ہے۔ ان کا حواری تھامس جنوبی ہندوستان چلا گیا اور وہاں ایک کلیساء کی بنیاد رکھی۔

اس ساری کہانی کا لب لباب اس مفروضے پر مبنی ہے کہ ۷۲ قبل مسیح میں بنی اسرائیل کے دس قبائل گم ہو گئے اور مشرقی ممالک خصوصاً افغانستان اور کشمیر میں آ کر بس گئے۔ اگر یہودیوں کی ان ممالک میں آباد کاری نہ ہوئی ہوتی تو حضرت عیسیٰؑ کبھی بھی ان ممالک کا سفر نہ اختیار کرتے اور فلسطین سے ہندوستان نہ آتے۔ یہی تمام گفتگو کا خلاصہ ہے۔ اسرائیلی قبائل بکھرنے کے بعد دوسری قوموں میں ضم ہو گئے۔ موجودہ اقوام ان کی اولاد ہیں۔ اس پروپیگنڈا کا مقصد یہودیوں کی قومیت کی تحریک ”اینکلو۔ اسرائیلیت“ کو تقویت دینا تھا جو صیہونیت سے قبل پوری دنیا میں پھیل گئی تھی۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اینکلو۔ اسرائیلیت کی تحریک یہودیوں اور ان کے آلہ کاروں نے اس مفروضے پر شروع کی تھی کہ آشوریوں کے دس اسیر قبائل (۷۲ قبل مسیح) نے عارضی اقامت کے بعد مغرب کا رخ کیا جبکہ بابل کے اسیروں نے (۵۸۶ قبل مسیح) افغانستان سے ہو کر ہندوستان پناہ لی۔ غیر یہودی حکومتوں کے دباؤ نے

۱۔ خواجہ نذیر احمد۔ عیسیٰ زمین پر اور آسمان میں، عزیز منزل لاہور۔ ۱۹۵۲ء ص ۳۵۵۔ اور اسد اللہ کشمیری۔ ”حضرت مریم کا سفر کشمیر“ رپورٹ

انہیں دنیاے تہذیب میں گم کر دیا۔ یورپی اقوام کو درخواست کی گئی (جو کہ دس گمشدہ قبائل کی اولاد بتائے گئے) کہ وہ کتاب مقدس کی پیش گوئیوں کی مطابقت میں ایک علیحدہ سرزمین کے حصول میں اپنے بھائیوں کی مدد کریں۔ تاہم پی۔ کے حتیٰ نے یہ ثابت کیا ہے کہ دس قبائل کبھی بھی گم نہیں ہوئے اور یہ ایک نیم تاریخی فرضی داستان ہے۔^(۱)

انگریزوں کے اسرائیلیوں کی اولاد ہونے کا نظریہ سب سے پہلے ۱۶۴۹ء میں جان سیڈلر نے اپنی کتاب ”حقوق سلطنت“ میں پیش کیا۔ اس نے انگریزی قانون اور یہودیوں و عبرانیوں کی رسومات کے مابین ایک متواتر مماثلت پیش کی۔ برطانوی بحریہ میں نصف مشاہرے پر کام کرنے والے ایک مخبوط الحواس افسر رچرڈ براڈرز نے (۱۷۵۷ء-۱۸۳۲ء) بہت جلد اسرائیل کی ارض مقدس کی بحالی اور اپنی شہزادہ یہود کے طور پر تعیناتی کی پیش گوئی کی۔ ۱۸۴۰ء میں جان ولسن نے اس نظریہ کو اپنایا اور اس کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی۔ اس کی پہلی کتاب ”ہماری اسرائیلی ابتداء“ اس نظریے کی پہلی مطابقت آمیز توضیح ہے۔ اس نظریے کی وکالت کرنے والے دیگر اشخاص میں سے انیسویں صدی کے ڈبلیو کارپنٹر (اسرائیلی مل گئے) ایف۔ آر۔ اے گلوور (انگلستان۔ آٹھارہ یہود) اور سکاٹ لینڈ کے سرکاری ماہر فلکیات سی۔ پیازی۔ سمجھتے تھے جنہوں نے اہرام مصر کی پیمائشوں کے بعد یہ خیال اخذ کیا کہ برطانوی گمشدہ قبائل کی اولاد ہیں۔^(۲)

۱۸۷۱ء میں ایڈورڈ ہاٹن نے ”مقامی برطانوی اقوام کی گمشدہ اسرائیل سے شناخت“ لکھی۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی ڈھائی لاکھ کاپیاں فروخت ہوئیں۔ امریکہ میں اس تحریک کی قیادت ڈبلیو۔ ایچ پول اور جی۔ ڈبلیو گرین وڈ نے کی۔^(۳) ہندوستان میں پہلی بنگال پیادہ فوج کے میجر ایچ۔ ڈبلیو جے سٹینر نے اینگلو۔ اسرائیلی تشہیر بڑی شدومد سے شروع کی۔ ۱۸۸۳ء میں اس نے ”کیا انگریز اسرائیلی ہیں

۱۔ پی کے حتیٰ۔ تاریخ شام ص 96

۲۔ دیکھیں سٹیٹ ایجنٹ رپورٹ برطانیہ۔ مارچ 1968ء۔ بورا انسٹیٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ آئیٹھس۔ جلد 1 اینگلو اسرائیل ازم ص 482

۳۔ ایضاً

”کے عنوان سے کتاب لکھی۔ (۱) اس کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ انگریز اسرائیل کی اولاد ہیں اور خدا نے ابراہیم سے کیا ہوا عہد پورا کر دیا ہے اور اسرائیل سے کیئے گئے تمام عہد بھی پورے کرے گا۔ اینگلو اسرائیلی لٹریچر کی بھاری مقدار ”میسرز نیو مین کمپنی کلکتہ“ نے چھپوا کر ہندوستان میں تقسیم کی۔ سینیئر اس کتاب میں لکھتا ہے۔

”خدا نے یہ واضح کر دیا ہے کہ جب تک سورج ستارے اور سمندر قائم ہیں۔ اسرائیلی اس کے سامنے ایک قوم کی حیثیت میں ہمیشہ رہیں گے۔ چونکہ وہ ابھی تک گم نہیں ہوئے لہذا اسرائیلیوں کو کہہ ارض کی ایک قوم ہونا چاہئے۔ یہ سوال تاہم قدرتی طور پر ابھرتا ہے کہ اسرائیلی کون سی قوم ہیں۔ اینگلو۔ اسرائیل کے سرگرم حامیوں نے منطقی طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ کہہ ارض کی تمام اقوام میں صرف انگریز ہی تمام انعامات و اکرامات کے حامل ہیں اور وہ عہد جو خدا نے اپنے بندوں اسرائیلیوں کے ساتھ کیا تھا اور چونکہ خدا مسیحا وفادار اور عہد کو پورا کرنے والا ہے لہذا یہ عہد و کرامات کسی غیر یہودی قوم کے حق میں نہیں جاسکتے۔ چنانچہ بھی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انگریز ہی اسرائیلی ہیں۔ اور اس سچائی کو قبول کرتے وقت ہم اسرائیل کے بارے میں مستقبل کی شان و شوکت پر یقین رکھتے ہیں۔ ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی آمد اول۔ یروشلیم، بابل، نینوا، مصر، موآب اور یہودا کی تباہی کی پیش گوئی لغوی طور پر پوری ہو چکی ہے اور اسرائیل کو ملنے والی تمام سزائیں بھی معنوی طور پر پوری ہو چکی ہیں تو اسرائیل کی شان و شوکت کے تمام عہد بھی معنوی انداز میں لیتے جانے چاہئیں اور ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ (نظریہ) اس رو بہانی تشریح کے مطابق ہے جو کلیسا نے پیش کی۔“ (۲)

سینیئر نے ”انہیں اپنے وطن میں جانا چاہئے“ کے عنوان سے منقولاتی شہادت (۳) سے ثابت کیا کہ بکھرے اسرائیلی اکٹھے ہونگے اور صیہون کی عظمت میں گیت گائیں

۱۔ بحراج و ملیو۔ جے سینیئر ”کیا انگریز اسرائیلی ہیں“ ایم ای جے پبلیشنگس۔ لکھنؤ۔ 1883ء

۲۔ سینیئر ص 61-62

۳۔ ص ۱۱۱۔ ج ۳۳۳۔ چیک viii، 12، 13 وغیرہ

گے۔^(۱) انگریزوں کی پولین اور روس کے ساتھ دشمنی اور درائفیس کیس (درائفیس ایک یہودی تھا اور فرانسیسی فوج میں لازم تھا) اسے جرموں کیلئے جاسوسی کے الزام میں معتب کیا گیا تھا) کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ہمدردی کا اعزاز بھی اینگلو اسرائیلی نظریات کو ملا۔ یہ بھی کہا گیا کہ انگریزوں کو اسرائیل کی ترجیحی کرنی چاہئے وگرنہ ان کی حمایت میں کیئے گئے کئی خدائی وعدے ادھورے رہ جائیں گے۔^(۲)

حضرت عیسیٰ کے ”مقبرے کی دریافت“ کے بعد قادیانیوں نے اینگلو اسرائیلی نظریات کا پرزور پرچار کرنا شروع کر دیا۔ قادیانیوں کے مباحثے اور دلائل دینے کے طریق کار اور اینگلو اسرائیلیوں کے طریق کار میں حیران کن مماثلت پائی جاتی ہے۔ اگر کسی کو اینگلو اسرائیلی لٹریچر پڑھنے کو مل جائے اور وہ اس کا تقابلی مطالعہ مرزا غلام احمد کی ”مسیح ہندوستان میں“^(۳) ”ریویو آف ریچمز“ قادیان (۸-۱۹۰۲ء) میں شیر علی کے مضامین۔ خواجہ نذیر احمد کی ”مسیح آسمان میں زمین پر“۔ جے ڈی ٹس کی ”مسیح کی وفات کہاں ہوئی“^(۴) مفتی محمد صادق کی ”قبر مسیح“ (قادیان ۱۹۰۶ء) اور قاضی محمد یوسف کی ”عیسیٰ در کشمیر“^(۵) سے کرے تو پتہ چلے گا کہ قادیانی اور یہودی ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں۔

نوٹو وچ کا قصہ

مرزا صاحب اور ان کے پیروکاروں کے بیان کردہ قصے جن سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر چڑھتے وقت بے ہوش ہو گئے تھے اسکی بنیاد بھی انہی داستانوں پر ہے جو یہودیوں نے گھڑی ہیں۔ اس قصہ کا ماخذ مرزا صاحب کے ایک ہم عصر نکولس نوٹو وچ کی سینہ بہ سینہ چلتی ہوئی ایک روایت ہے جو کہ پیدائشی طور پر روسی تھا۔ نوٹو وچ نے یہ دعویٰ کیا کہ اسے خمس (تبت) کی ایک بدھ عبادت گاہ میں

۱۔ ایضاً ص 88

۲۔ اینگلو ہندیا آف ریچمز اور آئفیس اینگلو اسرائیلیت

۳۔ احمدیہ مشن فارن ڈیپارٹمنٹ ریویو 1944ء

۴۔ جے ڈی ٹس کی وفات کہاں ہوئی ”ریویو 1965ء

۵۔ قاضی محمد یوسف عیسیٰ در کشمیر۔ منگور عام پریس پشاور۔ 1946ء اس کے علاوہ دیکھئے۔ سید صادق حسین کشف الاسرار۔ قادیان 1911ء

بدھ بت کے قدیم مسودے ملے جن میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ بچپن میں اپنے والد کے گھریو شلم سے خفیہ طور پر بھاگ گئے اور تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ سندھ کی طرف سفر کیا اور آریاؤں میں آ کر رہے۔ وہ اکثر جین مت کے مندروں میں جاتے اور ان کے عقائد کا مطالعہ کرتے تھے۔ پھر وہ سیلون گئے اور وہاں سے جگ ناتھ (بنارس) چلے گئے۔ انہوں نے جڑی بوٹیوں، طب اور ریاضی کے علوم سیکھے۔ انہوں نے برہمنوں کے مذہبی نظریات کے علاوہ ان کے کچھ خفیہ راز بھی سیکھے۔

اس کتاب کا جب فرانسیسی^(۱) وغیرہ میں ترجمہ ہوا تو یورپ اور ہندوستان میں کچھ دیر کے لیے تہلکہ مچ گیا۔ ایک مشہور جرمن عالم پروفیسر میکس ملرنے جو ہندوستان میں قیام پذیر تھا، اپنے مضمون میں جو اس نے اکتوبر ۱۸۹۱ء میں ”انیسویں صدی لندن“ میں لکھا۔ یہ واضح کیا کہ یہ کہانی بالکل جھوٹ ہے اور یہ خیال ظاہر کیا کہ نوٹو وچ کے اصرار پر بدھ لامہ نے جس کے پاس بتانے کے لیے اور کچھ نہیں تھا، یہ کہانی گھڑ کر اسے سنا دی ہو۔ گورنمنٹ کالج آگرہ کے ایک پروفیسر جے۔ آر کیہالڈ ڈگلز نے ۱۸۹۵ء میں لدانخ کا سفر کیا تاکہ اسے کوئی ایسی بدھ عبادت گاہ ملے مگر اسے کچھ بھی نہ ملا۔ ”انیسویں صدی“ کے اپریل ۱۸۹۶ء کے شمارے میں یہ تمام داستان بیان کی گئی اور نوٹو وچ کو ناقابل اعتماد مہم جو خیال کیا گیا۔^(۲) حضرت عیسیٰؑ کو بدنام کرنے کے لیے کئی خفیہ یہودی تنظیموں نے ایسے سفر ناموں کی بنیاد پر واقعات گھڑے۔ ان کے لیے نیم تاریخی دستاویزات کو بنیاد بنایا گیا۔ یہ ایک عیارانہ کوشش تھی جو کہ ثابت کرتی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ ایک جھوٹے مسیح تھے (نعوذ باللہ) جنہوں نے مشرق کی طرف اپنے مہینہ سفروں میں جڑی بوٹیوں کا علم حاصل کیا اور جادو کے کرشمے سیکھے اور انہیں فلسطین میں اپنے مسیحائی کے جھوٹے دعوؤں کیلئے استعمال کیا مگر آخر کار صلیب پر چڑھا کر مار دیئے گئے۔

۱۔ این نوٹو وچ Unknown life of Jesus (۱۸۹۹ء) انگریزی (انگلینڈ اور امریکہ)۔ عیسیٰ کی کلام زندگی، ریڈ میلبی کمپنی۔ لندن ۱۸۹۴ء
۲۔ ولٹر۔ اے ایچ ص ۹۲

فری میسنری

امریکہ میں فری میسنوں کی ایک تنظیم ”روزیکروشین“ نے بھی حیات مسیح کے بارے میں غلط داستانیں شائع کیں۔ فری میسنوں کے اعلیٰ حلقوں اور روزیکروشین مکاتب میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔ روزیکروشین نے حیات عیسیٰ کے متعلق جو مواد اکٹھا کیا ہے وہ فری میسنوں کے مقتدر حلقوں کے پاس محفوظ بتایا جاتا ہے۔ ”اسنی برادر ہڈ“ وہ تنظیم ہے جس کا دعویٰ ہے کہ اس کے پاس قدیم ترین روایات، تعلیمات، قوانین اور مسودات کا خزانہ موجود ہے۔ ان کا زمانہ دوسری صدی قبل مسیح سے لے کر دوسری صدی عیسوی کا ہے۔ شمالی اور جنوبی امریکہ میں روزیکروشین کے سلسلے کے قائد ڈاکٹر لیوس پینر نے اپنی کتاب ”حضرت عیسیٰ کی صوفیانہ زندگی“ میں آپ کی بارہ سال کی عمر سے لے کر آپ کے گلیل میں مبلغ کے طور پر پیغام دینے کے واقعات اور حالات بیان کیے ہیں۔^(۱) وہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر مرے نہیں تھے بلکہ بے ہوش ہو گئے۔ ان کو اس قبر میں رکھا گیا جہاں ہوش میں آئے اور صحت یاب ہو کر وہ خفیہ طور پر گلیلی میں ایک محفوظ مقام پر چلے گئے۔ وہ جسمانی طور پر آسمانوں پر نہیں گئے بلکہ یہ ایک صوفیانہ اور نفسیاتی تجربہ تھا۔ وہ ایک اتار بن گئے جو عام زندگی سے دور خاموش رہتا ہے۔ آپ کوہ کارمل (فلسطین) میں مدفون ہیں۔ آپ کا جسم کئی صدیوں تک ایک مقبرے میں رہا مگر آخر کار وہاں سے نکال کر اسے ایک خفیہ قبر میں اتار دیا گیا جس کی حفاظت و دیکھ بھال ان کی برادری کے اسنی بھائیوں نے کی۔^(۲)

مسیح کے مصلوب ہونیکا ایک چشم دید گواہ

”مصلوب کیے جانے کا چشم دید گواہ“ کا حوالہ اکثر قادیانی مصنف اپنی تحریروں میں دیتے ہیں۔ اس کتاب کے تعارف اور مقدمے میں لکھا ہے۔

۱۔ (ڈاکٹر لیوس پینر The Mystical life of Jesus امریکی روزیکروشین پریم گراڈ لاج امریکہ)

۲۔ (دیکھیں ایچ پینر The Secret Doctrines of Jesus پریم گراڈ لاج آف ایبوریگ کیلیفورنیا۔ امریکہ 1954ء چھاپا ایڈیشن)

عیسیٰ کی مصلوبیت کے سات سال بعد حضرت عیسیٰ کے ایک ذاتی دوست کا یروشلیم سے ایک بسین بھائی (بسین آرڈر کہتا ہے کہ اس کا ترجمہ جس کا جدید ایڈیشن فری مسٹری ہے حضرت عیسیٰ کے وقت فلسطین اور مصر میں وسیع پیمانے پر پھیلا دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ بھی اس کے رکن تھے) کو خط ملا جو کہ اسکندریہ میں تھا یہ اس کی لاطینی کاپی کا انگلش ترجمہ ہے۔ اس کتاب کو جو امریکہ میں ۱۸۷۳ء میں چھپی تھی۔ اشاعت کے فوراً بعد ہی ترنیل سے روک دیا گیا تھا۔ اس کتاب کی تمام پلٹیں توڑ دی گئیں اور یہ فرض کر لیا گیا کہ بقیہ کتاب کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا ہوگا۔ حقوق مسودہ کے قوانین کے مطابق جو نقلی امریکی کانگریس کے لائبریرین کو جمع کروائی گئیں وہ بھی غائب ہو گئیں۔ خوش قسمتی سے ایک کتاب اس انہام بد سے بچ گئی۔^(۱)

ٹی کے (T-K) جو کہ کتاب ”عظیم کام“ کا مصنف ہے، کتاب کے تعارف میں کہتا ہے کہ

”یہ کتاب امریکی ریاست میساچوسٹس کے ایک اہم فری مین کی ملکیت تھی جو ۱۹۰۷ء کی گرمیوں میں حادثاتی طور پر اس کی بیٹی کے ہاتھ لگی۔ اس سے پہلے وہ مکمل طور پر محفوظ پڑی رہی۔ اس نے فری میسنوں کے کام میں میری دلچسپی دیکھتے ہوئے یہ نسخہ مزید پڑتال کے لیے مجھے بھیجا۔ میں نے فوراً ہی اس کی اعلیٰ قدر و قیمت، اہمیت اور قابل لحاظ حیثیت کو پہچان لیا۔“^(۲) پھر ہمیں بتایا گیا کہ یہ کتاب جرمنی میں ماسونی برادری کے پاس موجود لاطینی نسخے سے تقابل کے بعد ۱۹۰۷ء میں دوبارہ چھپی۔ بلاشبہ فری مسٹری کے مخالف وحشی افراد کے ہاتھوں سے یہ محفوظ رہے گی۔^(۳) اس میں زور دے کر کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ماسونی برادری سے تعلق تھا۔ انہیں صلیب سے غشی کی حالت میں اتار لیا گیا تھا اور بسین بھائی اس کے جسم کو محفوظ جگہ پر لے گئے۔ نکوڈیمس طیب

۱۔ مصلوبیت کا ایک چشم دید گواہ عیسیٰ کی مصلوبیت کے بعد حضرت عیسیٰ کے ایک ذاتی دوست کا یروشلیم سے اسکندریہ کے ایک مسین بھائی کے نام خط۔ ”اتھانی پراسٹیک میریج“ دوسرا ایڈیشن۔ ایڈیٹر رینک بک، نیو یارک ۱۹۰۷ء۔ دوسری طباعت ٹین پرنٹرز لاہور ۱۹۷۷ء۔

۲۔ ایسا ص ۱۳

۳۔ ایسا ص ۱۴

نے ایک خاص مرہم لگایا جس سے آپ کے زخم چند دنوں میں ٹھیک ہو گئے۔ بعد میں آپ بھیس بدل کر دارالحکومت سے کوہ زیتون پر واقع ایک سفید لاج میں تشریف لے گئے۔ خط میں مذکور ہے کہ چھ ماہ بعد تنہائی میں آپ نے فلسطین میں وفات پائی۔

اس یہودی مہین نظر یہ میں مزید رنگ آمیزی مرزا صاحب نے کی۔ انہوں نے ”مرہم عیسیٰ“ کا نام نکودیمس کی مرہم کی بجائے استعمال کیا۔ کہا جاتا ہے کہ مسیح کے زخموں کے علاج کے لیے اس مرہم کو ان کے جسم پر لگایا گیا۔ اس مرہم نے مصلوبیت کے دوران لگنے والے تمام زخم جلدی ٹھیک کر دیئے۔ مرہم عیسیٰ کو طب یونانی میں مختلف نام دیئے گئے ہیں جو اس کی زخموں کو جلد ٹھیک کرنے والی خصوصیات کی وجہ سے ہیں اور کسی حکیم نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ یہ مرہم صرف حضرت عیسیٰ کے لیے تیار کی گئی۔^(۱)

یوز آصف

مرزا صاحب مزید یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عیسیٰ نے اپنے سفر ہندوستان کے دوران ”یوز آصف“ کا نام اختیار کیا۔ یہ بھی اس نظریہ کا ایک دلچسپ پہلو اور یوز آصف کے نام کا عیارانہ استحصال ہے۔ مرزا صاحب جسے ”یوز آصف“ یا ”یود آصف“ کہتے ہیں وہ گوتم بدھ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں۔ ”لٹا دا ستر“ کی بدھ روایات کے مطابق جب گوتم بدھ نے مکمل گیان اور علم حاصل کر لیا تو وہ ایک بدھستوا (کھل گیانی) بن گیا۔ یوز آصف اسی بدھستوا کی بگڑی شکل ہے۔ بدھ کی معجزاتی پیدائش اور اس کے بدھستوا بننے کی کہانی دوسری صدی عیسوی میں ہندوستان سے وسطی ایشیاء میں پہنچی۔ نتیجتاً عباسی خلیفہ المأمون کے زمانے میں المقتع کتب کے عرب علماء نے پالی سنسکرت اور فارسی علوم کو عربی میں منتقل کیا۔ (بودیا یوز آصف) بدھا کی کہانی بھی کئی عرب داستانوں میں داخل ہو گئی۔ ابن الندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں تین کتابوں کا حوالہ دیا ہے جن میں یہ کہانی معمولی رد و بدل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔^(۲) کچھ وقت گزرنے کے بعد بدھ کے

۱۔ مولانا آسی امرتسری ”الکھ یہ والغادیہ“۔ امرتسر ۸۳

۲۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۱۰، لام اور یوز آصف۔ ص ۱۲۱۵

مکمل گیان حاصل کرنے کی کہانی مختلف شکل میں ہندوستان واپس آ گئی۔ جس میں نام عربی طرز کے ہو گئے اور واقعات بھی تبدیلی کا شکار ہو گئے۔

قادیانی مصنفین نے اپنی داستان کو ثابت کرتے وقت سنسکرت کے ماخذوں کا بھی سہارا لیا ہے۔ انہوں نے ہندو رشی سوتا کی ”مھوشیا مہاپران“ کے ایک حصہ کو نقل کیا ہے۔ یہاں یہ بتا دینا چاہئے کہ ہندومت میں پورانوں کی تعداد اٹھارہ ہے جو خالصتاً فرضی داستانوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں قصے کہانیاں، ہندو میتھالوجی، نصائح وغیرہ کی شکل میں ہے۔ سب سے پہلا ”پران“ غالباً چوتھی صدی عیسوی میں مدون کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے ”مھوشیا پران“ ۱۹۱۰ء میں مہاراجہ کشمیر پرتاپ سنگھ کے حکم سے بمبئی میں چھپا تھا۔ اس پران میں ساکا قبیلہ کے راجہ شلواہن کی ایک سفید چہرے والے شخص سے ہنوں کی سرزمین ہمالیہ میں کسی جگہ ملاقات کا تذکرہ ہے جہاں شلواہن نے اس سے اس کے مذہبی عقائد کے بارے میں استفسار کیا۔ اس نے جواب دیا۔

”اے بادشاہ! جنگلیوں کی دیوی (ماسی دیوی) اہاماسی نے پریشان لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کیا اور میں اس کے پاس نہ ماننے والے کی حیثیت سے پہنچا۔ میں نے دیوی ماسیا کا عطا کردہ مرتبہ پالیا۔ اے بادشاہ! اس کے مذہب کے بارے میں سنو۔ جسے میں نہ ماننے والوں کے ذہن نشین کروانا ہوں۔ ذہن کی صفائی اور گندے جسم کی طہارت اور کتاب ہیکما کی دعا کی طرف متوجہ ہو کر انسان ابدیت کی پوجا کرے۔ انصاف، سچائی، ذہن کی یگانگت اور مراقبہ کی حالت میں انسان کو سورج کی جنت میں عبادت کرنی چاہئے (یعنی سوریا منڈل جسے سورج کی نکلیا کہہ سکتے ہیں) وہ آقا جو کہ سورج کی طرح اپنے رستے سے نہیں ہٹ سکتا۔ کم از کم تمام مخلوق کی غلطیوں کو جذب کر لیتا ہے۔ اے بادشاہ! اس پیغام کے ساتھ ماسی دیوی نائب ہو گئی اور آقا کا باہرکت نقش، جو برکات عطا کرتا ہے اور ہمیشہ سے میرے دل میں ہے، میرا نام ”اہاماسیا“ تجویز کرتا ہے۔“^(۱)

یہ الفاظ سن کر بادشاہ نے اس بدعقیدہ پجاری کو نکال دیا اور اسے کافروں کی بے رحم سرزمین

میں دھکیل دیا۔ (۱)

ثاناً تحقیقاتی ادارے کے سلسکرت کے نامور عالم ڈاکٹر ڈی ڈی کوکبھی نے واضح کیا ہے کہ ”ماسی دیوی“ ایک افسانہ ہے اور ہندو مذہبی کتب میں ”میگما“ کی مقدس کتاب کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ ایک کہانی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ بد عقیدہ پجاری نے ”اہاماسیا“ کا رتبہ پایا اور ”ماسی دیوی“ کی بیروی میں ”سورج کی پرستش“ کا پرچار کیا۔ قادیانی علماء نے اہاماسیا کو ”عیسیٰ مسیح“ قرار دیا اور ماسی دیوی کو جبرائیل فرشتہ کہا ہے۔ (۲) اس داستان کے تمام تضادات کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا گیا کہ راجہ شلواہن نے عیسیٰ سے ملاقات کی۔ جہاں آخر الذکر نے انڈیا کا دورہ کیا۔ خواجہ مذیر احمد نے اس ”مہوشیاءِ ان“ کے اس اقتباس کو ڈاکٹر شیوناتھ شاستری سے ترجمہ کرایا اور سفید چہرے والے بد عقیدہ پجاری کو ”یوسفاتہ“ کے نام سے پکارا ہے۔ (۳)

یہ کہانی خالصتاً ایک فرضی داستان ہے۔ ”ماسی دیوی“ کا پجاری غالباً بدھستوا ہے۔ یہ ایک سورج پرست پیروکار ہے۔ یوں لگتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی کے دوران اس داستان میں اضافے کیے گئے۔ اس فرضی کہانی اور اس میں بیان کیے گئے کرداروں کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی طرح بھی نہیں بنتا جو کہ پہلی صدی عیسوی میں یروشلم میں مبعوث ہوئے اور خدا کے برگزیدہ نبی تھے۔ مرزا قادیانی اور ان کے پیروکاروں نے فرضی بدھستوا کے ناموں کو بدھوں کی دستاویزات سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں عیسیٰ ثابت کیا ہے۔ ایک بدھ راہب دیا بدھستوا لی۔ شی لو کو ”سیجا“ اور بدھ کی ”بگوستیا“ یا سفید چہرے والے بدھستوا کی پیش گوئی کا مطلب حضرت عیسیٰ لیا گیا۔ کیونکہ آپ کا چہرہ بھی سفید تھا۔ (۴) سینٹ تھامس کے ہندوستان آنے کے دعویٰ کے بارے میں کوئی ثبوت میسر نہیں ہے۔

۱۔ شیخ عبدالقادر ”مسیح کا سر کشمیر“ لندن کانفرنس میں پڑھا گیا ایک خط ۱۹۷۹ء

۲۔ شیخ عبدالقادر۔ عیسیٰ ہندوستان سے کشمیر کے لوہے۔ ۱۹۷۹ء میں لندن کانفرنس میں پڑھا گیا مضمون

۳۔ مسیح جنت میں زمین Jesus in Heaven on Earth ص ۳۶۹

۴۔ ایم آر بنگالی ”مقبرہ مسیح“ رومہ ۱۹۷۱ء ص ۵۱۔ اے کے علاوہ مرزا غلام احمد ”مسیح ہندوستان میں“ ص ۲۸

پہلی صدی میں صدی میں یونانی فرمانروا گوٹو فارس کے دور حکومت میں سندھ کے علاقوں میں حواری تھامس کی تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں جعلی عیسائی کتب میں کہا گیا ہے۔ (۱) مالا بار اور مدراس میں تھامس حواری کے نام کا کلیساء بنا۔ حالانکہ نہ تو تھامس ہندوستان آیا اور نہ ہی اس نے بنیاد رکھی۔ آثار قدیمہ کے تمام شواہد سے ان دعوؤں کی تکذیب ہوتی ہے۔ خواجہ نذیر کے دعوے کو بھی احمقانہ قرار دیا گیا ہے کہ حضرت مریمؑ ہندوستان آئیں اور مری میں فوت ہوئیں۔ جہاں ان کا مقبرہ اب بھی موجود ہے۔ (۲) گوتم بدھ کی حصول معرفت کی کہانی کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو کہ بدھا کو آسف ثابت کرنے کے لیے عربی اور فارسی ماخذوں میں موجود ہیں۔ (۳) صلابت کے راجہ کی اولاد نہ تھی۔ کچھ عرصے بعد راجہ کے گھر معجزاتی طور پر ایک بچہ پیدا ہوا۔ بادشاہ نے اس کا نام یود آسف (بدھا۔ بدھستوا) رکھا۔ ایک نجومی نے یہ پیش گوئی کی کہ شہزادہ کی عظمت اس دنیا کے لیے نہ ہوگی چنانچہ بادشاہ اسے دنیا کے مصائب سے بے خبر رکھنے کے لیے ایک علیحدہ شہر میں رکھے لگا وہاں وہ پرورش پاتا رہا۔ آسف اپنی قید تنہائی میں گھل گھل کر مرتا ہے اور آزادی حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ ایک دن پھرتے ہوئے وہ دو انتہائی کمزور آدمیوں کو دیکھتا ہے اور بعد ازاں ایک ضعیف اور منحنی شخص کو دیکھتا ہے اور انسانی کم مائیگی اور موت کو جان جاتا ہے۔ سر ناتھ (سیلون) کا مقدس راجہ بلوہر اس پریشانی میں ظاہر ہوتا ہے اور یود آسف کو تمثیلوں میں سمجھاتا ہے۔ وہ اسے انسانی غرور اور زائدانہ طریق کار کی برتری سمجھا دیتا ہے۔ بلوہر، شہرت، دولت، کھانے پینے میں مشغولیت اور جنسی آسائش اور لذتوں کو ٹھکرا دیتا ہے۔

راجہ جائیسر بلوہر کا مخالف ہو جاتا ہے اور یود آسف کی تبدیلیی ذہن کا برامتنا ہے۔ راکس نجومی اور تارک دنیا بلوہر کی کوششوں سے مذہب کے موضوع پر تنقیدی بحث میں جائیسر قائل ہو جاتا ہے۔ یود آسف اپنی سلطنت شاہی کو ٹھکرا دیتا ہے

۱۔ دیکھئے سر جان مارشل۔ رہنمائے نکلا

۲۔ مسیح جنت میں زمین پر ۳۳۳

۳۔ اس کے اردو ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو مہدی۔ کتاب شہزادہ یود آسف اور حکیم بلوہر۔ مفید عام پریس۔ آگرہ ۱۹۸۶ء۔

اور تبلیغی سفروں پر نکل جاتا ہے۔ بہت سی مہموں کے بعد وہ ”کُسی نار“ کشمیر پہنچتا ہے جہاں وہ اپنے چیلے (آندا) اہا بودھ کو اپنے مذہب کا مستقبل سوچ کر مر جاتا ہے۔^(۱)

یہ حوالہ کسی بھی طور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہیں بلکہ یہ ایک ہندوستانی شہزادے بدھ (بود آصف) کے متعلق ہے جنہوں نے کُسی نار (گورکھپور کشن نگر ہندوستان) میں وفات پائی۔ ان کا چیلہ اہا بودھ (آندا) تھا۔ شیعہ عالم ابن بابویہ کی ”اکمال الدین“ (دسویں صدی عیسوی) اور باقر مجلسی کی ”معین الحیات“ میں بھی اسی کہانی کا یہ حصہ مذکور ہے۔ البتہ اتنا اضافہ ہے کہ بود آصف نے ایک معبد بدھ ٹھوپا تعمیر کیا تھا جس میں اسے دفنایا گیا۔ تمام معتبر عرب مآخذوں اور تاریخی کتابوں مثلاً سعودی کی ”مروج الذهب“^(۲) (۹۵۶ء) ابن الندیم کی الفہرست (۹۸۸ء)^(۳) البلاذری کی ”فرق بین الفارق“ (۱۰۲۳ء)^(۴) اور الخوارزمی کی ”مفتاح العلوم“^(۵) میں بدھا کے نام کو عربی میں تبدیل کر کے بود آصف یا بود آصب بتایا گیا ہے۔ اسے ایک ہندوستانی شہزادہ قرار دیا گیا ہے جسے خدا نے راسی کے پرچار کے لیے بھیجا۔ اس کی جائے تدفین ہندوستان میں ”کشن نگر گورکھپور“ ہے۔ لفظ ”کشن نگر“ کو عربی میں تبدیل کر کے کشمیر یا کشمیر لکھا گیا ہے۔ بعد میں آنے والے کشمیری مورخین نے اسے وادی کشمیر کا نام دے دیا۔ کشمیر کے مسلمان مورخین^(۶) نے شاید یہ کہانی انہی مآخذوں سے لی ہے تاہم کسی نے بھی ”بود آصف“ کو عیسیٰ علیہ السلام کہنے کی جرأت نہیں کی۔ تاریخ ہندوستان کے کچھ نیم تاریخی مآخذوں میں جو زیادہ تر سولہویں صدی کے ہیں یہ کہا گیا ہے کہ بود آصف کو ماضی بعید میں کشمیر میں مبعوث کیا گیا۔ تاہم تاریخ ہندوستان یا کشمیر کا کوئی بھی متقدم مآخذ یہ نہیں ثابت کرتا کہ حضرت عیسیٰ کشمیر آئے ہوں۔ خواجہ نذیر احمد

۱۔ اننگلو پڈیا آف اسلام ص 1215

۲۔ المسعودی۔ ”مروج الذهب“۔ برہمیش ”الحلیب“۔ مصر جلد 2 ص 138

۳۔ ابن الندیم۔ الفہرست۔ مصر ص 486

۴۔ اننگلو پڈیا آف اسلام ص 1215

۵۔ الخوارزمی۔ ”مفتاح“ ص 3۹6

۶۔ دیکھئے خواجہ محمد اعظم۔ تاریخ اعظمی۔ صابر الیٹرائف پریس لاہور۔ ص 87

نے ملتان داری کی کتاب ”تاریخ کشمیر“ سے ایک پیرا گراف لے کر حضرت عیسیٰؑ کے ہندوستان آنے کے افسانوی دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔^(۱) ملتان داری کشمیر کے راجہ زین العابدین (جسے عموماً بڈشاہ کہا جاتا تھا) کے دربار میں مذہبی عالم تھے کشمیر کی تاریخ میں ان کا ذکر ہے کہ ملانے تاریخ کشمیر تالیف کی مگر کسی نے اس کی موجودگی کی تصدیق نہیں کی۔ یہ ایک معدوم دستاویز ہے۔ خواجہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ۱۹۴۶ء میں سری نگر میں یہ کتاب دیکھی تھی اور اس کے انہترویں صفحے کی فوٹو کاپی حاصل کر لی تھی جس میں عیسیٰ علیہ السلام کی کشمیر آمد کا ذکر ہے۔ اس نے جی ایم محی الدین وانچو سے یہ کتاب لی جس کی یہ ملکیت تھی لیکن وہ اسے خرید نہ سکا۔ وہ اسے اچھی قیمت پر فروخت کرنا چاہتا تھا۔ متعدد گزارشات اور دعوؤں کے باوجود قادیانی مصنفین اصل مسودہ دکھانے کے قابل نہیں ہو سکے تاکہ مورخوں کو اس کی اصل حقیقت سے آگاہ کر سکیں۔ یہ محض ایک احمدی دھوکہ ہے۔^(۲)

مرزا صاحب کی دریافت سے پہلے ایک اہم کشمیری مورخ حسن شاہ نے لکھا کہ محلہ خان یار سری نگر میں خواجہ نصیر الدین کے مقبرے سے ملحق ”یوز آسپ“ کا مقبرہ ہے جو زین العابدین کے دور حکومت (پندرہویں صدی عیسوی) میں مصر کے سفیر کی حیثیت سے کشمیر آیا۔^(۳) وہ فوت ہو گیا اور کشمیر میں دفن ہوا۔ اس کا مقبرہ پندرہویں صدی میں تعمیر کیا گیا۔ آثار قدیمہ اور تاریخی شواہد خصوصاً تخت سلیمان پر کندہ تحریریں اور فارسی رسم الخط (خط ثلث) محلہ خان یار سری نگر میں واقع اس مقبرے کے بارے میں تمام قادیانی دعوؤں کو مکمل طور پر رد کرتے ہیں۔

یہ جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ”یوز آسپ“ اور ”بلوہر“ کی کہانی جب یورپ پہنچتی تو اس نے عیسائی فرضی کردار برلام اور یوسفات کے لیے نمونہ کا کام دیا۔

۱۔ خواجہ غلام احمد ص 634

۲۔ ماہنامہ البلاغ کراچی ستمبر 1973ء

۳۔ پیرزادہ حسن شاہ ”تاریخ حسن۔“ کوہ نور پریس۔ سری نگر 1985ء ص 50 (یہ کتاب 1989ء میں تالیف ہوئی اور اس وقت تک مرزا صاحب نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا) مزید دیکھیں مفتی شاہ سعادت۔ تحقیقات یوز آسپ۔ سری نگر اور قاضی محمد الحسن ناظم کارستان کشمیر ریکارڈر 1941ء

انہیں عیسائی راہبوں کا درجہ دیا گیا اور بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔^(۱) برلام کی یاد میں پاملو (سلی) کے مقام پر ایک کلیساء بھی تعمیر کیا گیا۔ مرزا صاحب نے بھی اسی گرجا کی تعمیر برلام کی یاد میں تسلیم کی ہے۔^(۲) یہ امر حیران کن ہے کہ یورپ کے ابتدائی ازمینہ وسطیٰ میں برلام اور یوسفات کے افسانوی کردار بار بار یونانی، لاطینی، پراونسی، فرانسیسی، اطالوی، ولندیزی، قطلانی، ہسپانوی، انگریزی اور جرمنی زبانوں میں سامنے آتے ہیں۔ یہ کہانی مشرق وسطیٰ، عیسائی شمالی افریقہ اور روس کے صوبے چار جیا میں زبان زد عام رہی ہے۔ اس کے عیسائی پس منظر سے حبشی، آرمینی، کلیسائی، سلوینی اور رومانیائی تراجم کے ساتھ اور غیر عیسائی تراجم عربی اور عبرانی میں بھی تھے۔ کیا وجہ ہے کہ یہ قصہ اور اس کے ادبی تراجم اتنے مقبول ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ناول یا رومانوی تحریر شروع ہی سے ناصحانہ اور تفریحی شعری شکل میں تھی جس نے پنہاں بدیشی مذہب کی تبلیغ کی تھی۔ یہ ایک پر خیال مہم جو یا نہ کہانی تھی اور تبدیلی مذہب کی داستان جو ہمیشہ کے لیے روحانی استفادے، رنگینی، تجسس، جوش اور دلچسپ قصے کی خصوصیات سے بھرپور ہوتی ہے۔ اس وسیع و عریض بیان کی ساخت ایسی تھی جس میں اضافہ و تفریق، فلسفیانہ مباحثہ، مذہبی پند و نصائح اور شاعرانہ عمدگی، کہاوتی اشعار، تشبیہات اور تماشیل موجود تھیں۔ اس نے قرون وسطیٰ کے تمام طبقات کو چاہے زیادہ پڑھے لکھے ہوں یا کم پڑھے لکھے برابر طور پر سامان تفریح مہیا کیا۔ برلام اور یوسفات کی کہانی دنیائے ادب کے ایک اعلیٰ نمونے کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔^(۳) ڈی ایم لانگ نے اپنی کتاب ”بلوہر کی دانش بدھا کی ایک عیسائی داستان“ میں لکھا ہے کہ یوز آصف کی ساری احمدیہ کہانی کی بنیاد برلام اور یوسفات کے قصے پر مبنی ہے جو عربی ترجمہ سے ماخوذ ہے اور بدھ کی داستان ہے۔^(۴)

۱۔ کے ایس میکڈلڈ۔ برلام اور یوسفات کی کہانی۔ تھمکر اینڈ سیک اینڈ کمپنی کلکتہ۔ ۱۹۸۵ء حریدہ دیکھئے انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجیوں اور ایچمس۔ برلام اور یوسفات۔

۲۔ مرزا غلام احمد۔ تخریر کلدور۔ قادیان ۱۹۰۰ء ص ۱۴۔

۳۔ سیکر اینڈ اے ٹلز۔ دو عیسائی اولیاء ہندوستانی میں الاوقاف مرکز سرہا۔ جلد ۸، ۱۹۸۱ء۔

۴۔ ڈاکٹر ڈیوڈ ہلڈن ٹیک۔ ”بلوہر کی دانش“ بدھا کی ایک عیسائی داستان۔ لندن ۱۹۵۷ء ص ۱۲۷ء حریدہ دیکھئے راج پوت آف رلیجیوں۔ راجہ فردری ۱۹۷۸ء مگرٹ برما کا لکھا مضمون۔

مقدس کفن اور پیالہ

احمدیوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر نہیں مرے بلکہ انہیں بے ہوشی کی حالت میں صلیب سے اتار لیا گیا اور ایک لپیٹنے والی چادر ”مقدس کفن“ میں لپیٹ لیا گیا۔ مقدس کفن آج بھی موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر نہیں گئے۔^(۱) یہ کفن طورین (اٹلی) میں پایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ تمام مبینہ مسودے امریکہ کی ایک فری مین تنظیم کی ملکیت میں ہیں۔ جن میں کفن کی داستان مذکور ہے۔^(۲) اسی طرح کی دلچسپی کی حامل کتاب ”مقدس خون اور مقدس پیالہ“ ہے جسے مائیکل بیکنٹ، رچرڈ لائی اور ہنری لنکن نے مرتب کیا۔^(۳)

اس کتاب کو بکنے والی کتابوں کی فہرست میں دس پہلی کتب میں جگہ حاصل ہے کیونکہ اس کتاب نے حضرت عیسیٰ کی زندگی کے متعلق دو ہزار سالہ رازوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ شمالی فرانس کے کوہ پائرینیز کی ترائی میں رہنی لاشاتو کے ایک چھوٹے فرانسیسی گرجا کے قومی خزانے کی تلاش کے دوران ہنری لنکن نے قدیم مخفی پارچات ڈھونڈ نکالے جن میں مخفیہ تنظیموں کے خزانے تھے۔ جیسے ٹائٹ ٹمپلر، قدیم فرانسیسی بادشاہ کی اشیاء اور فری میسنی نوادرات۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حضرت عیسیٰ نے شادی کی اور ان کی اولاد ابھی تک زندہ ہے۔ آپ پینتالیس عیسوی میں زندہ تھے مگر جگہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ قادیانی بھی اس یہودی ماسونی مطالعہ کو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر کیا گیا، حوالہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس کتاب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے کلیسائی تصورات کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ اسے احمدیت کے دعوؤں کی حمایت میں آخری شہادت تصور کیا گیا ہے۔^(۴)

مختصر عرض ہے کہ مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کے دعوؤں میں یہودی

۱۔ حسن خان۔ ”مقدس کفن“ ریمہ ۱۹۷۸۔ ممتاز فاروقی۔ صلیب کے ٹکڑے۔ لاہور ۱۹۷۲ء

۲۔ افضل ریمہ ۱۰ جولائی ۱۹۷۷ء

سمیکٹ۔ الی ٹورنٹن ”مقدس خون۔ مقدس رسالہ“ ڈیلاورٹ پریس نیویارک امریکہ ۱۹۸۲ء

۳۔ The Muslim Herald, London, مارچ ۱۹۸۲ ص ۳۳

تعبیریں پائی جاتی ہیں جن کا مسیح کی آمد ثانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس دعوے کے ذریعے انہوں نے انیسویں صدی کی یہودی قومیت پسندی کی تحریک میں اہم کردار ادا کیا اور اسلام کو یہودیائی کی کوشش کی۔ انہوں نے صیہونیت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی اور ان کا مرتبہ گھٹانے کے لیے غلیظ زبان استعمال کی اور ان کی ذات کے متعلق یہودیوں کے عائد کردہ الزامات دہرا دیئے۔ حضرت عیسیٰ کے سفر کشمیر اور کشمیر میں وفات کے افسانے کی تائید یہودی ماسوینوں کی تحریروں سے حاصل کی گئی۔ افسانوی داستانوں کا تانا بانا یہودیوں کی ایک تنظیم نے بنایا۔ تحریک اینگلو۔ اسرائیلیت کو ابھارنے اور مہمیز دینے کے لیے انیسویں صدی میں یہودی گمشدگی کا افسانہ گھڑ کر ان کی مظلومیت ثابت کی گئی تاکہ علیحدہ وطن کا جواز پیش کیا جاسکے۔ قادیانی حضرت عیسیٰ کی وفات کے بارے میں اب بھی اپنے دعوؤں کی تائید یہودی مآخذات سے ہی حاصل کرتے ہیں۔

مرزا صاحب کی یہ تاویل بھی نہایت احمقانہ ہے کہ سکھ مت کے بانی بابا گورو نانک سچے مسلمان تھے۔^(۱) علماء نے اس نظریے کی تردید کی ہے۔ ان کا یہ اہم نظریہ کہ عربی تمام زبانوں کی ماں ہے^(۲) زبان دانی کے ماہرین کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ آثار قدیمہ کے شواہد کی بناء پر انہوں نے عربی کو موجودہ عہد کی زبانوں میں شمار کیا ہے۔ ان شواہد کی بناء پر تاریخوں کی ترتیب اس طرح بنتی ہے۔ سیری (۴۰۰۰ قبل مسیح) چینی (۱۵۰۰ قبل مسیح) سنسکرت (۱۲۰۰ قبل مسیح) اور عربی (۳۲۸ قبل مسیح)۔ تحریری عربی کی دیر سے دریافت ہوئی اس لیے تمام زبانوں کی ماں نہیں ہو سکتی۔^(۳)

علیحدہ مذہب

۱۹۰۱ء تک مرزا صاحب نے اپنے فرقے کو ایک علیحدہ وجود دینے کی منصوبہ

۱۔ مرزا غلام احمد "ست جہن" قادیان ۱۸۹۵ء

۲۔ مرزا غلام احمد۔ "من الرحمن" قادیان ۱۸۹۵ء

۳۔ پاکستان ٹائمز۔ لاہور۔ مئی ۱۹۸۷ء

ہندی کی۔ انہوں نے نبوت کے دعوؤں کے ذریعے ہندوستان کے مسلمان معاشرے سے ایک نئی امت نکالنے کی کوشش کی اور انگریزوں کی طرف سے ستائش کی امیدیں باندھیں۔ انہوں نے ایک گھناؤنی پروپیگنڈا مہم کے ذریعے ہندوستان اور بیرونی دنیا میں سامراجی مفادات کی خدمت کی۔

ہندوستان کی مردم شماری (۱۹۰۱ء) کے مطابق پنجاب میں ۱۱۳۳۱ افراد نے یہ نیا عقیدہ قبول کیا۔^(۱)

مردم شماری کی رپورٹ میں مرزا صاحب نے اپنی جماعت کا نام ”مسلمان احمدیہ فرقہ“ لکھوایا۔ انہوں نے کئی تحریروں میں اس بات کو واضح کیا کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ اسلامی دنیا کے تمام مسلمان کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ صرف ان کا فرقہ مسلمان ہے۔ انہوں نے احمدیوں کو ”تازہ دودھ“ کا نام دیا جبکہ اسلام کے دیگر پیروکاروں کو ”سڑا ہوا دودھ“ قرار دیا۔ انہوں نے اپنی جھوٹی نبوت کی بناء پر اپنے پیروکاروں کی حقیقی طور پر ایک علیحدہ امت ترتیب دی۔ ان کا کھلا اعلان نبوت نومبر ۱۹۰۱ء میں اس وقت کیا گیا جب انہوں نے اپنی نبوت اور رسالت کی تشریح میں ایک کتابچہ لکھا۔ احمدیت مسلم اتحاد کی توڑ پھوڑ اور اسے کھوکھلا کرنے کی ایک خطرناک کوشش تھی۔ پہلے مرزا صاحب نے اس وادی میں عیاری سے قدم رکھا اور صوفیانہ طرز کلام میں اپنے اصل دعوے کو چھپا دیا اس کے لیے ظل یا بروز کی اصطلاحات استعمال کیں اور پھر مکمل نبوت کے دعوے کی طرف بڑی تیزی سے بڑھے۔ علماء کو ان کے پرفریب طریق کار کا پورا احساس نہ ہوا۔ مگر بعض لوگ جن میں علمائے لدھیانہ پیش پیش تھے۔ ان کی بدنیتی کو پہچان چکے تھے۔ انہوں نے مرزا صاحب کی ۱۸۹۱ء میں پرزور مذمت اور تکفیر کی۔ مرزا صاحب مجدد

۱۔ ہندوستان کی مردم شماری کی اطلاع کے مطابق ۱۹۰۱ء میں احمدیوں کی تعداد پنجاب میں ۱۱۱۳ صوبعات متحدہ میں ۹۳۱ اور بھٹی پرنڈیش میں ۱۰۸۷ تھی۔ یہ تعداد درست نہیں۔ احمدیوں کی اصل توجہ پنجاب پر مرکوز تھی۔ (پنجاب کی مردم شماری کی ۱۹۰۱ء کی رپورٹ میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ مرزا غلام احمد نے ایک مولوی کے طور پر ”بھٹیوں میں خصوصی تبلیغی کام“ شروع کیا ہے۔ اس بناء پر پنجاب میں مرزا صاحب کو ”پنڈیاں دا جی“ کہا جاتا تھا حالانکہ آپ کے رشتہ دار نے یہ کام شروع کر رکھا تھا۔ مرزا غلام احمد نے حکومت پنجاب کو استدعا کی کہ اس کے نام کے ساتھ تھاپا مولوی کا لاحقہ لگایا جائے۔ حکومت پنجاب نے اسے مطلع کیا کہ اس کا نام مرزا غلام احمد کا دیانی کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ پھر آپ نے کہا کہ ایسے الفاظ کو کاٹ ڈالا جائے جو اس کی شہرت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

اور مسیحیت کا دعویٰ کر چکے تھے۔ مرزا صاحب کی ملت اسلامی کے استحکام کو توڑ کر ایک علیحدہ امت کے قیام کی مذموم کوشش اس درخواست میں دیکھی جاسکتی ہے جو انہوں نے جنوری ۱۹۰۱ء میں لیفٹیننٹ گورنر پنجاب میکورتھ ریگ کو بھجوائی۔ اس درخواست میں وہ استدعا کرتے ہیں کہ وہ ایک بارہ رکنی وفد لیفٹیننٹ گورنر کی خدمت میں بھجوانا چاہتے ہیں جس کی اجازت مرحمت فرمائی جائے تاکہ وہ ایک یادداشت پیش کر سکیں کہ مسلمانوں کی جس جماعت سے ان کا تعلق ہے ان کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا جائے۔^(۱)

اپنے خاندان کے وفادارانہ ماضی اور قابل ستائش خدمات کی بناء پر جو انہوں نے سامراجیت کے لیے ادا کیں، انہوں نے خواہش کی کہ ان کو سرکاری طور پر ایک علیحدہ مذہب کا بانی تسلیم کر لیا جائے تاکہ وہ اپنے پیروکاروں کے لیے جو عموماً درمیانے درجے اور نچلے طبقے کے لوگ تھے، سماجی و معاشی فوائد حاصل کر سکیں۔ پہلے انہوں نے حکومت کو تجویز پیش کی تھی کہ اپنی سرپرستی میں ایک عالمی مذہبی کانفرنس بلائے اور ان کو اس میں ایک ایمانی نشان دکھانے کی اجازت دے جس سے ان کے دعوے کی تصدیق ہو سکے۔^(۲) حکومت نے ان کی تمام عاجزانہ التجاؤں کو نظر انداز کر دیا۔ ان کو مطلع کر دیا گیا کہ ”مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے مجوزہ وفد کو لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نہیں مل سکتے“۔^(۳) اگر وہ اسلام کا ہی احیاء کر رہے تھے تو ان درخواستوں کا کیا مطلب ہے اور یہ روش کس بناء پر اختیار کی گئی؟

۱۔ حکومت پنجاب۔ روادگر و اعظم نمبر ۸۷-۸۲، فائل نمبر ۴۴۔ جنوری ۱۹۰۱ء۔ اڈیا آفس لائبریری لندن۔

۲۔ اکڑ بشارت احمد۔ مجدد اعظم جلد ۱ ص ۶۳۹۔

۳۔ مگر و اعظم رواد۔ حکومت پنجاب نمبر ۱۹۰۔ سکنا۔ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب بتدیخ ۹ جنوری ۱۹۰۱ء۔ اڈیا آفس لائبریری لندن۔

سیاسی سازشیں

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قادیان برطانوی محکمہ خفیہ والوں کے مذہبی ہتھیار میں تبدیل ہو گیا۔ مرزا صاحب نے مبلغین کے لبادے میں بیرون ملک جاسوس بھیجے۔ جنہوں نے برطانوی ساغر اجیت کے لیے کام کیا۔ یہاں ہم قادیانی مخبروں کی گھناؤنی سرگرمیوں پر بحث کریں گے۔ جنہوں نے احمدیت کے سیاسی کردار کو مضبوط کرنے کے لیے اندرون و بیرون ہند کار خاص اور مذموم خدمات انجام دیں۔

وسطی ایشیاء

وسطی ایشیاء ہمیشہ سے ہی برطانوی عسکری و سیاسی نفوذ پذیری کا میدان رہا ہے۔ ۱۸۱۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا اہلکار ولیم مور کرانٹ نے وسطی ایشیاء میں خصوصی تربیت یافتہ آلہ کاروں کا ایک گروہ بھیجا۔ ایک برطانوی جاسوس مسٹر عزت اللہ نے عسکری ہراز حاصل کرنے کے لیے خصوصی طور پر سفر کیا۔ الیگزینڈر برنز اور ایک کشمیری پنڈت موہن لال نے عسکری و سیاسی راز حاصل کرنے کے لیے اس علاقہ کا دورہ کیا۔ انہوں نے ایک دستہ کی قیادت کی۔^(۱) ایک یہودی ربی کے بیٹے جوزف وولف نے عیسائیت قبول کر لی۔ اس نے ۱۸۴۳ء میں دو مقتول برطانوی جاسوسوں کرنل سنوڈ ڈارٹ اور کپ کنولی کے انجام کا پتہ چلانے کے لیے بخارا میں ایک فوجی مہم شروع کی۔ حکومت ہند نے انہیں بخارا بھیجا۔ جہاں امیر بخارا نے انہیں پکڑ کر قید کر لیا اور بعد میں

۱۔ موہن لال۔ پنجاب افغانستان۔ ترکستان۔ بخارا۔ ہرات اور جرمنی۔ برطانیہ کا سفر پہلا ایڈیشن 1846ء۔ دوبارہ اشاعت المیہ وئی لاہور 1979ء۔

پھانسی دے دی گئی۔ پچھلی صدی کے ساٹھ کے اوائل عشرہ میں ہندوستان کی جنگ آزادی کی سنگدلانہ بیخ کنی کے بعد انگریزوں نے گریڈ ٹرگنو میٹرککل سروے کے مہتمم کرنل واکر کی زیر سرکردگی وسطی ایشیاء میں اپنی مذموم سرگرمیاں دوبارہ تیز کر دیں۔ اس کام میں کرنل کی معاونت پنڈت من پھول، فیض محمد، بھائی دیوان سنگھ اور غلام ربانی نے کی۔^(۱) اردو کے مشہور نقاد محمد حسین آزاد بھی ایک برطانوی جاسوس تھے۔ انہوں نے انگریز کے ایماء پر وسط ایشیاء میں ایک جاسوسی مشن کی ذمہ داری سرانجام دی۔^(۲) قلب ناکھلی اور کولن سمکسن نے اپنی بھرپور دستاویزی کتاب ”لارنس آف عربیہ کی خفیہ زندگی“ میں جب روس اور برطانوی ہند کی رقابتوں پر بحث کی تو انہوں نے تصدیق کی کہ اس وقت جاسوسوں کا ایک گروہ وسطی ایشیاء میں کام کر رہا تھا۔ انیسویں صدی کے اوائل میں ایشیائی روس اور برطانوی ہند کے مابین کشمکش میں کچھ حد تک کمی آ گئی۔ مگر مقاصد کے ایک جیسے حصول کے لیے یہ جاری ضرور رہی۔ افغانستان، فارس، عراق، شام اور خلیج فارس میں تو نصلوں، سیاحوں، تاجروں اور آثار قدیمہ کے ماہرین کی شکل میں جاسوسوں کا ایک گروہ دفتر خارجہ یا خفیہ اداروں کے لیے فوجی، بحری، سیاسی اور معاشی معلومات کے حصول میں اس امید پر سرگرم عمل تھا کہ کسی جگہ کسی کے لیے خدمت انجام دے سکیں گے۔ سرداروں پر اثر انداز ہونا، قبائل کو خریدنا، معاملات طے کرنا اور روسیوں اور فرانسیسیوں کی تحقیر کرنا ان کے مقاصد میں شامل تھا تاکہ برطانوی سامراجیت کو بچایا جا سکے۔^(۳)

۱۸۹۹ء میں مرزا صاحب نے وسط ایشیاء میں جاسوسی کے لیے ایک نام نہاد تبلیغی وفد بھجوانے کی منصوبہ بندی کی۔ جس میں مولوی قطب دین، میاں جمال دین اور مرزا خدا بخش شامل تھے۔ اس وفد کا بظاہر مقصد حضرت عیسیٰؑ کے مہینہ سفر ہندوستان

۱۔ دودھرا کوشیک۔ وسطی ایشیاء۔ جدید دور میں۔ ماسکو ۱۹۷۰ء ص ۳۸۔

۲۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے آثار شرف وسط ایشیاء کی سیاحت۔ ہمدرد اکیڈمی کراچی۔ ۱۹۶۰ء انہوں نے آزاد کے مشن کی رپورٹ شائع کی۔ جو انہیں انڈیا آفس لائبریری لندن سے ملی۔

۳۔ قلب ناکھلی اور کولن سمکسن۔ لارنس آف عربیہ کی خفیہ زندگی۔ لندن ۱۹۷۱ء ص ۵۰۔

براہ راستہ وسط ایشیاء کا پتہ چلانا تھا۔ چار اکتوبر ۱۸۹۹ء کو مرزا صاحب نے ان کو الوداعی تقریب کے بعد رخصت کرنے کا اہتمام کیا اور کہا کہ وہ ایک عظیم مقصد کی خاطر جا رہے ہیں۔^(۱) تاہم یہ وفد روانہ نہ ہو سکا اور بعض افراد کو سیاسی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے مختلف مواقع پر افغانستان اور وسط ایشیاء بھیجوا یا جاتا رہا۔

افغانستان

افغانستان، برطانوی سامراج کے لیے ہمیشہ سے سیاسی بغاوت کا مرکز رہا ہے۔ کابل میں قادیانی جاسوسوں کی مذموم سرگرمیوں کی تفصیلات بیان کرنے سے قبل اس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے ایک مختصر سا تعارفی خاکہ پیش کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں روس اور برطانیہ نے وسط ایشیاء کے لیے ایک جارحانہ حکمت عملی اپنائی۔ اس رقابت کا اصلی مقصد عسکری اہمیتوں کے ساتھ ساتھ معاشی مفادات کا تحفظ تھا۔ اس کے علاوہ پہلے سے مفتوحہ علاقوں پر قبضے کو مستحکم کرنا تھا۔ ہندوستان میں برطانوی نوآبادکاروں کو خدشہ تھا کہ کسی بھی غیر ملکی فوج کی ہندوستانی سرحدوں پر آمد کی صورت میں ان کے راج کے لیے ایک عمومی نفرت اہل پڑے گی۔ وہ اپنا اثر و رسوخ پھیلانے میں بھی دلچسپی رکھتے تھے اور ممکنہ حد تک ملحقہ ممالک فارس، افغانستان، سکیانگ اور برما پر مکمل قبضہ جمانے میں بھی کوشاں تھے۔

زار روس بھی اپنا علاقہ وسیع کر رہا تھا۔ ۱۸۶۶ء اور ۱۸۷۲ء کے مابین روس نے بخارا، شمرقند اور خیوا کو اپنے اختیار میں کر لیا تھا۔ برطانوی حکومت کا یہ خیال تھا کہ روس جنوب کی طرف بڑھے گا اور ہندوستان پر حملہ آور ہوگا۔ اس خطرے سے بچنے کیلئے پہلے برطانیہ اس پہاڑی ملک کو اپنے قبضہ میں لینا چاہتا تھا جو کہ پامیر کی مرتفع چوٹیوں اور بحیرہ عرب کے مابین واقع تھا۔ دوسرے وہ تخت افغانستان پر اپنا حامی امیر بٹھانا چاہتا

تھا۔ چنانچہ ۱۸۷۶ء میں کوسٹہ کو خان آف قلات سے لے کر اسے ایک مضبوط فوجی مرکز بنادیا گیا۔^(۱) والیہ افغانستان شیر علی نے کوسٹہ میں انگریزوں کی موجودگی کو پسند نہ کیا اور روس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔ برطانوی نوآبادکاروں نے اس کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ جنگ دو سال جاری رہی۔ شیر علی روس بھاگ گیا اور اس کی جگہ عبدالرحمن امیر بن گیا۔ انگریزوں نے اسے اس صورت میں تسلیم کرنے کی حامی بھری اگر افغان خارجہ پالیسی ان کے ہاتھوں میں دے دی جائے۔ نتیجتاً وہ بلوچستان، چترال اور گلگت کی پہاڑی چوٹیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۹۰۰ء میں چند افغان قبائل انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ وہ افغانستان اور برطانوی ہند کے مابین حد بندی کے مسئلہ سے مطمئن نہ تھے۔ صورتحال اس وقت مزید بگڑ گئی جب کچھ افغانوں نے برطانوی حکام کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ امیر کابل کی ہدایت پر ایک کتاب بعنوان ”تقویم الدین در بارہ تحریک جہاد“ افغانستان میں پھیلائی گئی۔^(۲) اس کتاب نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور انگریزوں کو مزید سیاسی مصائب سے دوچار کر دیا۔

انگریزوں کی افغان حریت پسندوں کو ٹھنڈا کرنے کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ ۱۸۹۳ء کے لگ بھگ پنجاب کے خفیہ محکمہ جسے اس وقت ”محکمہ لٹکلی و ڈکیچی“ کہا جاتا تھا نے لیفٹیننٹ گورنر میکورتھ ریگ کو تجویز بھجوائی کہ کابل میں ایک قادیانی مرکز قائم کیا جائے تاکہ تمام بڑے قبائل کی طرف سے بڑی شد و مد سے شروع کیے جانے والے جہاد کو روکا جاسکے۔ کیونکہ جہاد کے عقیدے نے افغان معاشرے میں ایک جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ صوبہ سرحد کے چیف کمشنر ہیرالڈ ڈین نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔^(۳)

۱۸۹۳ء میں خوست (کابل) کے مولوی عبداللطیف نے جو کہ انگریزوں کا

۱۔ پرنسپل سکر۔ آکسفورڈ تاریخ ہندوستان دہلی۔ ۱۹۷۶ء ص ۲۵۲ اور رچرڈ ایس نیل۔ افغانستان کی سیاست۔ کارنیل یونیورسٹی پریس۔ لندن۔ ۱۹۷۲ء ص ۴۵۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد ۳ ص ۱۸۵۔

۳۔ ایڈیٹر ص ۵۷۔

ایک قابل اعتماد آلہ کار تھا ڈیورنڈ کمیشن کے رکن کی حیثیت سے ہندوستان کا دورہ کیا جس کا مقصد افغانستان اور برطانوی ہند کے مابین حد بندی کرنا تھا۔ وہ خواست کے گورنر شیریں دل خان کا ہمراز اور اس کا دست راست تھا۔ جب کمیشن نے اپنا کام مکمل کر لیا تو مولوی عبداللطیف نے اپنے دو آلہ کاروں مولوی احمد نور اور مولوی عبدالرحمن کے ذریعے مرزا غلام احمد کو ملاقات کا پیغام بھیجا۔ عبدالرحمن نے دو یا تین دفعہ قادیان کا چکر لگایا۔ وہ مرزا صاحب اور خواجہ کمال الدین کی تحریروں سے متاثر تھا۔ خواجہ صاحب ان دنوں پشاور میں مقیم تھے اور جہاد کے خلاف کتابچے چھپواتے تھے۔ مولوی عبداللطیف نے کابل میں تقسیم کرنے کے لیے قادیانی مطبوعات لیں۔^(۱) عبدالرحمن کو کابل پولیس نے گرفتار کر کے ۱۹۰۱ء میں جیل میں ڈال دیا جسے وہیں قید کی کوٹھڑی میں ہی پھانسی دے دی گئی۔ ۱۸۹۶ء کے بعد کابل میں برطانوی جاسوسوں کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ مئی ۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب نے امیر کابل عبدالرحمن کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے برطانوی راج کے شاندار کارناموں کی تفصیل بیان کی تھی اور ”اسلام کی خدمت“ کی مہم کے سلسلے میں اس سے مالی امداد طلب کی تھی۔ یہ خط مرزا صاحب کی زندگی میں نہ چھپ سکا۔ عبدالرحیم درد نے اسے ڈپٹی انسپکٹر پولیس بٹالہ محمد بخش کے کاغذات سے حاصل کیا اور اپنی انگریزی کتاب ”لائف آف احمد“ میں درج کیا ہے جو انہوں نے مرزا غلام احمد کی زندگی پر لکھی ہے۔^(۲)

۱۹۰۲ء میں مولوی عبداللطیف اپنے دو شاگردوں سمیت کابل سے حج کے بہانے ہندوستان آیا۔ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت وہ قادیان میں رہائش پذیر ہو گیا اور پنجاب کے محکمہ خفیہ کی راہنمائی میں کابل میں جاسوس بھیجنے شروع کر دیے۔ قادیان میں وہ چند ماہ قیام پذیر رہا۔ کابل روانگی سے قبل اس نے کابل پولیس کے کمشنر بریگیڈیئر محمد حسین کو خط لکھا کہ آیا امیر اسے کابل میں واپس آنے کی اجازت دے گا یا

۱۔ سر ظفر اللہ - احمدیت کا لندن مشن ۱۹۷۶ء ص ۸۴۔

۲۔ عبدالرحیم درد - ”حیات احمد“ ص ۳۵۲۔

نہیں؟^(۱) امیر نے اسے واپسی کی اجازت دے دی، تاہم کامل آتے ہی اسے گرفتار کر لیا گیا اور جہاد کے خلاف پرچار کرنے اور ارتداد پر مبنی عقائد اور کفر پھیلانے کے الزام میں جیل میں ڈال دیا گیا۔

اسے ترغیب دی گئی کہ وہ اپنے کفریہ عقائد کو ترک کر دے مگر اس نے انکار کر دیا۔ چار ماہ بعد ایک مذہبی عدالت نے اسے ایک مرتبہ پھر کفریہ عقائد ترک کرنے کو کہا مگر وہ پھر مکر گیا۔^(۲) آخر کار اسے ارتداد کا مجرم قرار دے کر چار جولائی ۱۹۰۳ء کو سنگسار کر دیا گیا۔ ریویو آف ریلیجنز قادیان کا مدیر مولوی محمد علی قادیانی، مولوی لطیف کی سنگساری پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے۔

”صاحبزادہ عبداللطیف قادیان میں حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ عرصہ اقامت کر کے جب اپنے ملک واپس پہنچے تو بڑے بڑے عمائد کابل کو اس پاک سلسلہ کی تبلیغ کی سیب ان عقائد میں سے جو سلسلہ احمدیہ کی خصوصیات میں سے ہیں سب ہے انفرادی مقصد خونی مہدی اور جہاد کا انکار ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مسیح موعود کے دلائل کی یہی بنیاد ہے۔ امیر افغانستان کو مرجعہ عقیدہ جہاد سے یہ علیحدگی باعث خطر معلوم ہوئی۔ افغانستان میں قومی وحدت زیادہ تر تعلیم مسئلہ جہاد کی بنیاد پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ خونی مہدی کے عقیدے کو معمولی مذہبی اختلاف سے بڑھ کر اور گورنمنٹ کی خاطر مضمر خیال کر کے ابر نے صاحبزادہ کو سنگسار کرا دیا۔“^(۳)

ایک اطالوی انجینئر فریک مارٹن جو ان دنوں کابل میں تعینات تھا، اس سارے واقعہ کا چشم دید گواہ ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

”اس نئے آدمی (مرزا غلام احمد قادیانی) کی اگر تبلیغ کو سنا جاتا تو وہ اسلام کو خاصا بگاڑ دیتا اور جیسا کہ وہ پرچار کرتا تھا کہ مسلمان عیسائیوں کو اپنا بھائی سمجھیں اور کافر نہ سمجھیں، یہ امیر کے سب سے بڑے ہتھیار جہاد کو بے کار کر دینے کے مترادف تھا۔ اگر برطانیہ یا روس

۱۔ دیکھیں ریویو آف ریلیجنز، قادیان، نومبر۔ دسمبر ۱۹۰۳ء اور مرزا غلام احمد۔ تذکرہ ائمہ دین، قادیان ۱۹۰۳ء ص ۴۷۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد ۳، روہ ۱۹۶۲ء ص ۳۳۸۔

۳۔ ”ریویو آف ریلیجنز“ قادیان، مئی ۱۹۰۶ء۔

جاریت کریں گے تو مزاحمت نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ امیر نے جب یہ سب سنا تو ملا (علیف) کو کہلا بھیجا کہ وہ واپس آ جائے اور ملانے ایسا ہی کیا۔ اس نے آتے ہی نئے مذہب کی تبلیغ شروع کر دی اور جیسے ہی وہ کامل کی حدود کے اندر داخل ہوا اسے گرفتار کر لیا گیا اور کامل لے جایا گیا۔“ (۱)

مرزا صاحب نے اس واقعہ کو برطانوی سامراجیت کے حق میں استعمال کرتے ہوئے کابل کی مذہبی اور سیاسی حکمت عملی کے خلاف ایک مکروہ مہم شروع کر دی۔ اپنی کتاب ”تذکرۃ الشہادتین“ میں انہوں نے برطانوی شہنشاہیت کی زبردست مدح سرائی کی اور اپنے پیروکاروں کو سخت تاکید کی کہ وہ اپنی اور اپنی جماعت کی بقاء اور اس کے مفاد کی خاطر حکومت سے مکمل تعاون کریں۔ کئی دوسرے مواقع پر انہوں نے اپنی جماعت کو مندرجہ ذیل نصیحت کی۔

[illegible]

۱۔ فریڈک اے مارش "مطلق العنان آمر کے دور میں" (Under the Absolute Amir) پیر پرائنڈ پراورز۔ لندن 1967ء میں 203۔
۲۔ میر قاسم علی۔ تبلیغ رسالت جلد 10 ص 123۔

ایران

مرزا صاحب نے اپنے آپ کو یا جماعت کو ایرانی معاملات میں سنجیدگی سے ملوث نہ کیا کیونکہ وہاں پہلے ہی ایران کے بڑے شہروں میں بہائیوں نے خفیہ یہودی تنظیموں کی مدد سے سامراج کی حمایت میں ایک تحریک شروع کر رکھی تھی۔ تاہم ۱۹۰۶ء میں انہوں نے اپنی ایک وحی کی تفسیر کی کہ ”تزلزل در ایوان کسری فاد“ (شاہ ایران کے محل میں سخت تزلزل و تباہی آئی)۔ قادیانی مصنفین^(۱) نے اسے شاہ ناصر الدین کے زوال اور اس کے بعد (۱۹۰۵ء) کی آئینی اصلاحات کے لیے چلنے والی تحریک سے تعبیر کیا۔ فری میسنوں اور یہودیوں کی امداد سے چلنے والی تحریکی تنظیموں خصوصاً بہائیوں نے دوسری دہائی کے اوائل میں ایران میں کئی سیاسی سازشوں میں حصہ لیا۔

ہندوستان

قادیان کے مدعی نبوت نے ہندوستان کے متعلق کئی سیاسی پیش گوئیاں کیں جن میں سے ایک تقسیم بنگال سے تعلق رکھتی تھی۔

۱۸۹۸ء میں لارڈ کرزن (۱۹۴۵-۱۸۵۹ء) ہندوستان میں وائسرائے بن کر آیا۔ اس نے صوبائی سرحدوں کے بارے میں ۱۹۰۲ء میں بحث چھیڑ دی جو نہ صرف بنگال بلکہ بہار، صوبجات مرکزیہ، مدراس، بمبئی اور سندھ کو بھی متاثر کرتی تھی۔ اگلے سال ایک منصوبہ منظر عام پر آیا جس کی رو سے اکثریتی طور پر بنگالی بولے جانے والے مسلمان مشرقی علاقوں کو کاٹ کر آسام سے ملا دیا تھا اور اس طرح تین کروڑ دس لاکھ آبادی والے نئے صوبے کا قیام تھا جس کی انسٹھ فیصد آبادی مسلمان تھی۔^(۲) کچھ انتہا پسند ہندو بنگالی رہنماؤں نے اس منصوبے کی مخالفت کی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ برطانوی اہلکاروں کو قتل کر کے کالی ماتا کی بھیبت چڑھا دیا جائے۔

۱۔ چوہدری علی محمد۔ مسک محمود کی مجلس میں لائیں پریس ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۲ء ص ۳۰۷۔
۲۔ پرنسپل ہنری۔ آکسفورڈ جدید ہندوستان کی تاریخ ۱۹۷۸ء۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ دہلی ص ۳۱۵۔

لارڈ کرزن نے ہندو انتہا پسند تنظیموں کے تقسیم بنگال روکنے کے مطالبے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اگست ۱۹۰۶ء میں نئے صوبے مشرقی بنگال اور آسام کے لیفٹیننٹ گورنر سر ہیمفیلڈ نے سراج گنج میں سکول کے بچوں کے احتجاج پر انتقام لینے کی تجویز کی مخالفت پر استعفیٰ دے دیا۔ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ منٹو نے یہ استعفیٰ قبول کر لیا۔ ہندو مظاہرین نے اسے اپنی فتح قرار دیا۔ لائسلیٹ میئر نے فکر کے بعد اقتدار سنبھالا۔^(۱) بنگال کی بے چینی کے دوران مرزا صاحب نے پیش گوئی کی۔

”پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی۔“ (فردری

۱۹۰۶ء)

جب فکر نے استعفیٰ دے دیا تو یہ دعویٰ کیا گیا کہ قادیانی پیش گوئی پوری ہو گئی ہے اور قادیان کے وسائل ”الفضل“ نے بڑی مسرت سے سوال کیا۔

”کیا چھ ماہ پہلے کوئی یہ اندازہ بھی کر سکتا تھا کہ فلر استعفیٰ دے گا اور بنگالی احتجاج کرنے والے راضی ہو جائیں گے؟ کوئی بھی یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ انگلستان میں ایک آزاد خیال حکومت تقسیم کے اس حکم کو واپس لے گی بلکہ کسی نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ حکومت ایسی صلح جو یا نہ حکمت عملی اختیار کرے گی۔“^(۲)

۱۹۱۱ء میں دہلی دربار کے موقع پر جب تقسیم بنگال منسوخ ہو گئی تو اس پیش گوئی کی تشریح مختلف انداز میں کی گئی کہ

”مرزا صاحب نے تقسیم بنگال کی تنبیخ کی پیش گوئی کر دی تھی۔ کس طرح پراسرار طور پر واقعات نے ایسی شکل اختیار کی جو کہ ایک قادر مطلق کے خدائی ہاتھ کی تدبیروں کو ظاہر کرتی ہے۔ جس نے اس سیاسی کھیل کے آخری منظر کو بتا دیا اور یہ رسم تاج پوشی ۱۹۱۱ء میں ہونے والی تقریب میں ڈرامائی انداز میں اعلان سے پورا ہوا۔ تقسیم بنگال کو بنگال کے لوگوں

۱۔ ریویو آف ریجنر - ۵ دیاں جلد ۵ نمبر ۷ - جولائی ۱۹۰۶ء ص ۸۲۔

۲۔ ریویو آف ریجنر - ۵ دیاں جلد ۵ ص ۳۶۳۔

کے لیے صلے کے ایک نشان کے طور پر روک دیا گیا۔ حضرت مرزا غلام احمد کی وفات کے تین سال بعد یہ پیش گوئی کس طرح شاندار طور پر پوری ہوئی۔^(۱)

مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن کی تحریک میں تقسیم بنگال ایک اہم واقعہ ہے۔ ہندوؤں نے اس کی متنیخ پر خوشیاں منائیں جبکہ مسلمان مایوس ہوئے۔ یہ ان کے لیے ماتم کا دن تھا جبکہ ہندوؤں کے لیے خوشیوں بھرا موقع تھا یا پھر قادیانیوں کے لیے جن کو اپنے پیغمبر کی پیش گوئی کی تکمیل نظر آئی۔

مسلم لیگ

مرزا صاحب برطانوی سامراجیت کے ساتھ اس حد تک تخلص تھے کہ انہوں نے ہندوستان کی دو بڑی سیاسی جماعتوں انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کو ناپسند کیا اور ان کے سیاسی طریق کار کی مخالفت کی۔^(۲) وہ سرسید کی محمدن ایجوکیشنل کانفرنس، علی گڑھ کانج اور ندوۃ العلماء کے بھی سخت مخالف تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سامراجی تسلط سے ہندوستان آزاد ہو جائے گا یا اپنے حقوق کی بحالی کے لیے ایک غلام قوم کی چلائی ہوئی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔

جنوبی افریقہ میں لڑائیاں

ولندیزی بورروں نے جو کیپ کالونی افریقہ سے ہجرت کر کے ۱۸۳۰ء میں نیپال جنوبی افریقہ میں آباد ہو گئے تھے ۱۸۸۰ء میں برطانوی نوآبادکاروں کے خلاف لڑائی چھیڑ دی اور اس ملک کے الحاق کے خلاف دلیرانہ مزاحمت کی۔ اس ملک میں سونے اور ہیروں کی دریافت سے انگریزوں اور دوسری قوموں کے غول کے غول آنے لگے۔ لیکن بورروں کے دوسری قوموں کو حق رائے دہی سے انکار نے بہت زیادہ بے چینی

۱۔ ماہنامہ رجم بخش۔ The Debt Forgotten لاہور ۱۹۶۰ء ص ۵۲ اور مرزا محمود احمد۔ تحفہ شہزادہ ولزم ص ۸۶۔

۲۔ الفضل۔ قادیانہ یکم جنوری ۱۹۱۴ء۔

پیدا کر دی۔ بوروں نے دوسری قوموں کو حق رائے دہی کے بدلے برطانوی اقتدار کے خاتمے کا مطالبہ کر دیا۔ انگریزوں نے انکار کر دیا جس سے لڑائی چھڑ گئی۔ (۱۹۰۰ء)۔ ۱۸۹۹ء) میں ٹرانسوال کے بوروں نے نیتال کے شمال مغرب پر حملہ کر دیا مگر برطانوی جنرل سائمنز نے گلینکو کے مقام پر انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ پھر انہوں نے جنرل وہائٹ کے زیر قبضہ لیڈی سمٹھ پر حملہ کیا۔ لیڈی سمٹھ پر انگریزوں کے دفاعی حصار نے بوروں کے ساحل کی طرف بڑھنے کے منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ آخر کار انگریزوں نے ٹرانسوال کو ۱۹۰۶ء میں حکومت خود اختیاری عطا کر دی۔ افریقہ میں لڑائی کے دوران مرزا غلام احمد برطانوی سامراج کی فتح کی دعائی کرتے رہے۔ ٹرانسوال پر جارحیت کے دوران زخمی ہونے والے بھاڑے کے ٹٹوؤں کے لیے چندے جمع کیے گئے۔ جب جنرل سائمنز نے بوروں کو ٹرانسوال سے واپس دھکیل دیا تو مرزا صاحب نے حکومت پنجاب کو مبارکبادی کا خط لکھا۔ نومبر ۱۹۰۰ء کو پنجاب کے گورنر نے حکومت ہند کے محکمہ خارجہ کے سیکرٹری کو خط لکھا۔

”میری چٹھی نمبری ۵۴ تاریخ ۱۹۰۰ء ۲-۳۔ حکومت ہند کی اطلاع پر مشتمل ہے۔ ان مبارکبادی پیغامات کی نقول درج ہیں جو افراد اور تنظیموں کی طرف سے جنوبی افریقہ میں برطانوی کامیابی پر دیے گئے ہیں۔ جن کے نام حاشیہ میں لکھے گئے ہیں اور مزید یہ کہ یہ تمام پیغامات میکورتھ ایک لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نے خوشدلی سے قبول کیے ہیں۔ (۱) نواب محمد حیات خان حسن ابدال (۲) سیکرٹری انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور اور (۳) مرزا غلام احمد رئیس قادیان“

”مثالہ“ (۱)

جب برطانوی جنرل وہائٹ نے لیڈی سمٹھ پر بوروں کا حملہ روک دیا تو مرزا غلام احمد نے لیفٹیننٹ گورنر کی وساطت سے ملکہ معظمہ کو برقی عریضہ ارسال کیا۔

”میں ملکہ معظمہ کو لیڈی سمٹھ کی بازیابی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ براہ کرم اسے آگے

۱۔ منجانب مسٹر ڈبلیو۔ آر۔ ایچ۔ مرک۔ قائم مقام سیکرٹری حکومت پنجاب منجانب سیکرٹری حکومت ہند۔ محکمہ خارجہ تاریخ ۱۹۰۰-۱۹۰۳ء لکھی آفس لاہور بری لندن۔

دس فروری ۱۹۰۰ء کو آپ نے ٹرانسوال جنگ کی طرف توجہ دلانے کے لیے اپنی جماعت کو ایک اشتہار بھجوایا جس میں انہوں نے اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ وہ انگریزوں کی کامیابی کے لیے دعا کریں اور زخمیوں کے لیے دل کھول کر امداد دیں۔ ہندوستان کی تمام احمدیہ جماعتوں سے رقم کی وصولی کے لیے رابطہ کی ذمہ داری مرزا خدا بخش کے ذمہ لگائی گئی۔ (۲) حکیم نور الدین کی پاپائیت (۱۹۱۳-۱۹۰۸ء) کے زمانے میں مرزا خدا بخش نے احمدیہ تحریک پر دو جلدوں پر مشتمل ”عمل مصطفیٰ“ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں اس نے یہ بات زور دے کر کہی کہ۔

”ملکہ معظمہ قیصرہ ہند تھہ کو مبارک ہو۔ تو کسی خوش نصیب تھی کہ مسیح کی روح نے تیرے زمانہ میں تیری ہی سلطنت کے اندر نزول کے لیے جوش کیا اور تیرے لیے اور تیرے ہی اقبال کا زیور ہوا۔ تھہ کو اور تیری اولاد کو خاص اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ یہ کل اقبال اس فانی فی اللہ مسیح موعود کے انفاس طہبات کی برکت کا نتیجہ ہے کہ تو دنیا کے سلاطین سے سبقت لے گئی۔ تھہ کو چاہئے کہ تو اس مبارک قدم انسان کی قدر کرے اور اس کی خاص حمایت میں سعی کرے۔ کیا تھہ کو حال ہی میں تجربہ نہیں ہوا کہ ٹرانسوال میں جب شکست پر شکست تیری فوج کو ہو رہی تھی تو اس خدا کے فرستادہ نے اپنی جماعت کے لوگوں کو قادیان میں طلب کیا اور عید کے روز ایک وسیع میدان میں کھڑے ہو کر تیری فوجوں کی فتح کیلئے دعا کی۔ پس ادھر دعا کا ہونا تھا، ادھر لارڈ رائٹس بہادر کو فتوحات پر فتوحات ہونا شروع ہو گئیں۔ یہ رائٹس کی ذاتی لیاقت اور بہادری کا نتیجہ نہیں ہے یہ صرف اس مرد خدا کی دعا کا اثر ہے کہ ہندوؤں اور توپوں سے زیادہ اثر کر گئی۔۔۔۔۔ اب بھی گورنمنٹ کو چاہئے کہ اس کے جانشین کی قدر کرے تاکہ وہ اس کے اقبال کے لیے دعا کرے تاکہ وہ تمام آفات زمانہ سے محفوظ رہے۔“ (۳)

۱۔ مرزا غلام احمد رئیس قادیان۔ جگہ۔ برقی عریضہ تاریخ ۲۴ مارچ ۱۹۰۰ء بجانب قادیان۔ اہل احرام لطیفینٹ گورنر پنجاب اٹلیا اہل لاہور ری لندن۔

۲۔ مرزا غلام احمد کا جماعت کے نام اشتہار۔ ۱۰ فروری ۱۹۰۰ء منیاء الاسلام پریس قادیان۔

۳۔ مرزا احمد بخش۔ عمل مصطفیٰ۔ قادیان ۱۹۱۴ء ص ۱۷۹۔

ایسی کوئی دعا ترکی، سوڈان، افغانستان یا کسی دوسرے اسلامی ملک کے مسلمانوں کے حق میں نہ کی گئی جو اپنے ممالک میں برطانوی فوجیوں کی ننگی جارحیت کا شکار ہوئے۔ اس سے تحریک کا سیاسی مزاج اور کردار واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔

جاپان

۱۹۰۶ء میں مرزا صاحب نے اعلان کیا کہ ان کو وحی ہوئی ہے ”ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت“ ان کے پیروکاروں نے اس کی تشریح جاپان روسی جنگ (۶-۱۹۰۵ء) کی شکل میں کی جو رائس ماؤتھ میں صلح کے دستخطوں پر منبج ہوئی۔ روس نے آدھا سخالین جزیرہ جاپان کو دے دیا اور کوریا پر اس کا اقتدار تسلیم کر لیا۔^(۱) جاپان نے اسے ۱۹۱۰ء میں اپنے ساتھ ملا لیا۔

روس

ایک دوسری پیش گوئی کا تعلق روس سے ہے۔ اس کا ایک دلچسپ پس منظر ہے۔ ایک اردو نظم میں مرزا صاحب نے ایک عظیم زلزلے کا ذکر کیا۔ قافیہ بندی کی لازمی شاعرانہ ضرورت کے تحت انہوں نے اپنے اشعار میں کہا۔ ”زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی با حال زار“ یعنی کہ اس وقت زار روس جیسا حکمران بھی ایک کڑے امتحان سے گزرے گا۔ (۲) اس مصرعے نے قادیانی مصنفین کو ایک موقع فراہم کر دیا کہ روس کے ۱۹۱۷ء کے انقلاب کا رشتہ اس پیش گوئی سے جوڑ دیں۔ یہ قادیانی شعر کی ایک عیارانہ اور بعید از عقل تشریح تھی۔ مرزا صاحب نے اپنی زندگی میں ہمیشہ انگریزوں کے حق میں دعائیں کیں۔ جب کبھی بھی ان کا پالا روس سے پڑا۔^(۳)

۱۔ محمود احمد۔ تحفہ شاہزادہ دلہن۔ قادیان 1921ء ص 37

۲۔ مرزا غلام احمد۔ درمیان۔ ریوہ ص 24۔

۳۔ میر قاسم علی۔ تبلیغ رسالت۔ جلد 1 ص 56۔

صیہونیت کی خاطر

۱۸۹۷ء میں ہرزل نے صیہونی تحریک شروع کی۔ صیہونیت کا مقصد اولین سلطان ترکی سے حکومت خود اختیاری کی بنیادوں پر زیادہ سے زیادہ یہودیوں کی آبادکاری کی قانونی رعایت حاصل کرنا تھا۔ سلطان عبدالحمید کے ساتھ ہرزل کی تین مسلسل ملاقاتیں۔ ۱۹۰۱ء اور ۱۹۰۲ء میں ناکام ہو گئیں۔ ہرزل نے اپنی ڈائری میں لکھا کہ ترکی اہلکار سمندری جھاگ کی طرح ہیں جن کی نیٹوں کی بجائے صرف اظہارات سنجیدہ تھے۔ اسے انگریزوں سے بھی مشورہ کرنا تھا جن کے ساتھ اس کی پہلے ہی افریقہ میں ایک یہودی کالونی کے قیام کی بات چیت ہو چکی تھی۔ مگر فلسطین کے علاوہ یہودی کسی بھی منصوبہ یا تجویز سے متفق نہ تھے۔ افریقی منصوبے پر یہودی سنج پا ہو گئے۔ چنانچہ صیہونیت سے ٹوٹنے والے بہت سے لوگوں نے ”یہودی علاقائی تنظیم“ کی بنیاد رکھی۔ یہودی علاقائی تنظیم نے سالونیکا۔ کینڈا۔ آسٹریلیا۔ عراق اور انگولا میں ایک مناسب علاقے کی تلاش میں ناکامی پر اپنا کام بند کر دیا۔

۱۹۰۳ء میں برطانوی حکومت نے صیہونی کانگریس کو مشرقی افریقہ میں یہودی آبادکاری کے لیے وسیع علاقہ کی پیشکش کی مگر یہ پیشکش مسترد کر دی گئی کیونکہ صیہونیوں کی اکثریت ”ارض صیہون“ کے علاوہ کسی اور علاقہ کو اپنا وطن ماننے پر تیار نہ تھی۔^(۱) بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں شکاگو میں صیہون قائم کرنے کی ایک تحریک نے بڑی شہرت حاصل کی۔ یہودیوں کی بڑی تعداد نے جو کہ وسطی اور مشرقی یورپ سے آئے تھے اسے پر امید نظروں سے دیکھا۔ جان الیگزینڈر ڈوئی اس کا محرک تھا۔

امریکہ میں ایک صیہون پیدا کرنے کے جذباتی منصوبے کے ساتھ ڈوئی منظر عام پر آیا۔ اس نے اس کا نام عہد نامہ قدیم کی مناسبت سے ”سلطنت خداوند“ رکھا۔ ڈوئی ۱۸۴۷ء میں ایڈن برگ میں پیدا ہوا۔ جہاں اس نے مذہبی وزارت میں داخل

۱۔ انسٹیٹیوٹ یا آف ریجنر اور اممس۔ صیہونیت۔ حریدہ کیسے انسٹیٹیوٹ یا ریجنر اور اممس۔ صیہونیت۔

ہونے سے پہلے یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ اسے جنوبی آسٹریلیا میں ایک کلیسائی خود مختاری کا حامی رکن مقرر کیا گیا۔ نتیجہ میں اس نے ”آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی خدائی مجلس شفاء“ کی بنیاد رکھی۔ وہ ۱۸۸۸ء میں امریکہ چلا گیا اور شکاگو صیہون میں ”عیسائی حواری کلیسا“ کی بنیاد رکھی۔ شکاگو کی جھیل مشی گن کے مغربی کناروں پر شہر صیہون بسایا گیا۔ وہ خود اس کا عمومی نگران بن گیا۔ اس نے اپنے آپ کو ”ایلیاہ“ یعنی یہود کی فلسطین بحالی کرنے والا ”مسح موعود“ کہنا شروع کر دیا۔ اس نے ایک اخبار کی اشاعت شروع کی جس کا نام ”صحت افزائی کے پتے“ رکھا۔ شہر صیہون میں کوئی تھیریا ناچ گھر نہیں تھا۔ شراب خوروں اور سور خودوں پر سنگین سزائیں عائد کی جاتیں۔^(۱) صیہون کی تحریک کا مقصد پوری دنیا میں موجود دیگر مسیحی کلیساؤں کا خاتمہ تھا۔ اکیس ستمبر ۱۹۰۲ء کو اتوار کے دن شہر صیہون میں شلوہ طاہر نیکل کے نام پر ”میزبانوں کی بحالی صیہون تنظیم“ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس سے ڈوئی کو ”عہد نامہ کا پیغام دہندہ“ یعنی وہ پیغمبر جس کی پیش گوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی اور ایلیاہ یعنی یہود کی دوبارہ فلسطین بحالی کرنے والا تسلیم کر لیا گیا۔^(۲)

خدا بے صیہون کی سلطنت کے قیام کے بعد اور ایلیاہ کے مذہبی لہادے میں بحالی کے میزبان کے طور پر ڈوئی نے اپنے آپ کو ”یہودیوں کے نجات دہندہ“ اور ہر ذیلی صیہونیوں کے مخالف گروہ کے سرغنہ کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا۔ اس متوازی یہودی ریاست کے خلاف صیہونیوں نے اپنے ہندوستانی آلہ کار (مرزا صاحب) کو ہدایت کی کہ وہ ڈوئی اور صیہون کی تباہی کی ایک شدید مہم شروع کر دے۔ انہوں نے ڈوئی کو مذہبی مباحثے میں الجھانے کی کوشش کی لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ ۱۹۰۲ء میں مرزا صاحب نے اسے دعوت مبطلہ دی اور پیش گوئی کی کہ اس کے صیہون

۱۔ دیکھیے امریکا دنیا گرنی زیر اداوت چائنہ اور دس نئے یارک ۱۹۵۹ء اور نیوز کی انٹ آپ جی امریکا۔
۲۔ الوکس برلان۔ چان ایکز اور ڈوئی اور عیسائی کی تحریک حواری کلیسا۔ یونیورسٹی آف شکاگو۔ ۱۹۰۶ء ص ۲-۹ غیر مطبوعہ مقالہ وائٹلز لاہوری۔
ہارورڈ یونیورسٹی امریکا۔

پر ایک آفت ناگہانی آنے والی ہے۔ ڈوئی نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔^(۱) اگلے سال یہ سب کچھ مزید شدت سے کیا گیا مگر اب بھی کوئی جواب نہ آیا۔ اس دوران یہودیت کے حامی حلقوں نے مرزا صاحب کی پیش گوئی کو امریکہ کے تقریباً تیس سرکردہ اخباروں میں چھپوا کر اسے وسیع تشہیر دی۔ ڈوئی نے کمال عقل مندی سے اس روحانی جنگ یا دعوت مبہلہ سے دامن بچا لیا اور مرزا صاحب کے ساتھ کسی بھی مباحثے۔ دعایا الہامی مقابلے میں اپنے آپ کو ملوث نہ کیا۔

۱۹۰۵ء تک صیہونی ڈوئی کی تحریک کو اس کے اندر ہی سے تہہ وبالا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ڈوئی پر کثرت ازدواج اور رقومات کی خورد برد کا الزام لگایا گیا۔ ۱۹۰۶ء میں اس کے پرانے ساتھی گلین ودلو نے صیہون کا انتظام سنبھال لیا۔ ڈوئی کو نکال دیا گیا۔ اس نے مارچ ۱۹۰۷ء میں وفات پائی۔ مرزا صاحب نے اسے ایک مناسب موقع جانا اور مشہور کر دیا کہ ان کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی ہے۔^(۲) اگرچہ ڈوئی نے ان کو مکمل نظر انداز کیا اور ان کے ساتھ کسی قسم کے مباحثے مباحلے وغیرہ سے احتراز کیا۔

مرزا صاحب جب اسے مذہبی مناقشات اور مبہلہ میں پھانسنے میں ناکام ہو گئے تو کہنے لگے کہ ڈوئی اور اس کی تحریک عوام کی نظروں میں گر گئی ہے۔ ڈوئی کی اپنی حماقتوں کے علاوہ مرزا صاحب کے وہ بیانات جن کو امریکہ میں وسیع پذیرائی ملی اس کے زوال کی بڑی وجہ بنے۔ اسی زمانے میں برطانیہ میں ہی ایک نبوت اور مسیحیت کا دعویٰ اڑھا جس کا نام ”سٹوارٹ پکٹ“ تھا۔ وہ کسی بھی سیاسی تحریک میں ملوث نہیں ہوا۔ مرزا صاحب نے ۱۹۰۲ء میں اسے ایک سادہ خط لکھا جس میں اسے احمدیت قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اس کے خلاف کوئی بڑا محاذ نہ کھولا۔ نہ ہی برطانوی اخباروں میں قادیانی دعوت کو کوئی خاص پذیرائی میسر آ سکی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مرزا

۱۔ مپان رحیم بخش۔ Dabet Fergitton احمدیہ انجمن لاہور ۱۹۶۰ء ص ۴۸۔

۲۔ دیکھئے مرزا غلام احمد۔ حقیقت الہی قادیان ۱۹۰۷ء۔

صاحب کے آقاؤں کے مفادات کو پکٹ کے دعوے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ مرزا صاحب اسی وقت اکھاڑے میں اترتے تھے جب ان کے آقاؤں کے مفادات خطرے میں ہوتے تھے۔ ڈوئی کے خلاف تحریک حقیقت میں ایک سیاسی خدمت تھی جسے غلام احمد مسیح موعود نے اپنے یہودی آقاؤں اور صیہونیت کے لیے سرانجام دیا دوسرے لفظوں میں امریکہ میں یہودی ریاست کے منصوبے صیہون کو ناکام بنانے میں مدد دی۔

ترکی:-

بیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان میں ترکوں کے ساتھ ہمدردی اور امداد نے برطانوی حکمرانوں کی نیندیں اڑا دیں۔ وہ روس اور ترکی کے مابین ۱۸۷۶ء کی جنگ سے خوفزدہ ہو گئے۔ ہندوستان میں اس کا بڑا سخت رد عمل ہوا اور کچھ مسلمانوں نے تو سلطان کو یہ تجویز بھی پیش کی کہ وہ مہدی سوڈان اور ایران کے ساتھ اتحاد کر کے ہندوستان پر چڑھائی کر دے۔ سلطان نے اس تجویز پر بہت کم توجہ دی۔ تاہم وہ ترکی کے مسئلہ پر ہندوستان سے آنے والی امداد سے باخبر تھا۔^(۱)

برطانوی سامراج اس بات سے بھی پریشان تھا کہ مبادا امیر افغانستان اس وقت دندان آرتیز کرے جب برطانوی فوجیں شمالی مغربی سرحد پر افغان قبائل کے ساتھ برسر پیکار ہوں اور یہ پریشانی بھی ہو سکتی تھی کہ حیدر آباد ریاست بھی سرحد پر جہاد کی پکار پر لبیک کہہ دے۔ جولائی ۱۸۹۷ء میں لکھنؤ میں مولانا ہدایت رسول کو ایک کھلے اجتماع میں باغیانہ تقریر اور سلطان ترکی اور امیر افغانستان کو اسلام کی سربراہی کرنے پر مارکباد پیش کرنے پر ایک سال قید کی سزا دی گئی۔^(۲) لیفٹیننٹ گورنر اتر پردیش انتھونی میکڈونل نے اطلاع دی کہ ایک کتاب تقسیم ہوئی ہے جس میں جہاد کی تبلیغ کی گئی ہے اور وائسرائے لارڈ ایٹکن (۱۹۱۹ء-۱۸۳۷ء) کو ایک صفحہ بھجوایا۔ جس میں سلطان ترکی کو

۱۔ سی جے ایملڈر۔ برطانوی ہند کی شمالی سرحد ۱۸۹۵-۱۸۹۶ء۔
۲۔ ایٹکن سے ایملڈر۔ ۲۰ نومبر ۱۸۹۵ء۔ ایملڈر کا اعداد۔ اٹلی آفس لائبریری 5091 ص 357 جان کر وہ بی ہڈی۔ برطانوی ہند کے مسلمان ص ۱۷۷۔

”امیر المومنین“ اور ”بادشاہ مسلمانان“ قرار دیا گیا تھا۔ اس خط میں اس نے روئیل کھنڈ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی صلح کے آثار بھی بیان کیے۔ بعد میں ایک خط میں میکڈوئل نے اطلاعات دیں کہ رامپور میں بہت سے خبردہاں اور ترک موجود ہیں۔^(۱) ایک بڑی اطلاع میں وہ کہتا ہے کہ

”اس میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا کہ ترکی کے ساتھ بہت جلد ہی یہ طور موجود جذبات سے اسلامی احیاء کا تانا بانا جاسکتا ہے۔ اس کا مجھے کچھ حد تک یقین ہے کہ اصل جذبہ باہر سے پیدا ہو رہا ہے اور کچھ خود بخود پیدا ہو رہا ہے۔ اور میرے خیال میں اس جذبے کو اسلامی مدارس میں ترقی حاصل ہو رہی ہے۔ آگرہ کے کشترنے مجھے بتایا ہے کہ پہلے کی نسبت اب بہت زیادہ لوگوں نے ترکی ٹوپی پہننا شروع کر دی ہے اور شاید یہ وہ شکا ہے جو پتلے والی ہوا کے رخ کی نشاندہی کر رہا ہے۔“^(۲)

ترک۔ یونانی جنگ میں ترک سپاہیوں کے خاندانوں کی کفالت کے لیے چندے جمع کیے گئے اور ان کی فوج کی دعائیں مانگی گئیں۔ جب ۱۸۹۷ء میں تھیسالی میں یونانیوں کو شکست ہوئی تو پورے ہندوستان میں خوشیاں منائی گئیں۔ مسلمانوں کے ایک وفد نے ترک قونصل جنرل سے ملاقات میں گزارش کی کہ وہ سلطان جس کی لوگ بیعت کر چکے تھے ان تک یہ جذبات پہنچا دیے جائیں۔^(۳)

دنیا نے یہودیت کے ایک گھٹیا آلہ کار کی حیثیت سے مرزا صاحب سامراجی جاسوسوں اور یہودی خفیہ تھیموں کے ذریعے برطانیہ کی حمایت اور جہاد مخالف اپنا راہتی مواد ترکی بھجوانے لگے۔ انہوں نے یہ اعلان کیا کہ ترکی سلطنت کی بڑھتی ہوئی کمزوری اور دنیائے عرب میں علیحدگی پسندانہ رجحانات مسیح موعود اور مہدی علیہ السلام کی آمد کی نشانیاں ہیں۔^(۴)

۱۔ میکڈوئل سے ملنے کی طرف ۱۶ جولائی ۱۸۹۷ء، میکڈوئل کاغذات۔ بوڈاکن انٹرنیشنل انکوائس بشارتیں، ۳۳۵ فولڈرز ۳۳-۱۷۲۲۔

۲۔ اپریل ۲۲ اگست ۱۸۹۷ء۔

۳۔ بی بی یو ملور۔ عدم تعاون اور تحریک خلافت کی تواریخ۔ دہلی ۱۹۲۵ء، حکومت ہند کی مخصوص دستاویزہ ہر وسطی پر تجزیہ کیلئے کی غرض سے نمبر لگا ہوا ہے۔ حوالہ اشتیاق حسین قریشی طامیہ ان سیاست میں۔ ص ۲۴۲۔

۴۔ مرزا غلام احمد۔ نشان آسمانی ۱۸۹۲ء، منیاء الاسلام پریس راولپنڈی ۱۹۵۶ء ص ۴۔

مئی ۱۸۹۹ء میں حسین کامی بیک ترک قونصل لاہور آیا۔ اسے ترک خلیفہ کا نمائندہ سمجھتے ہوئے لاہور اسٹیشن پر ان کا تاریخی استقبال کیا گیا۔ شاید برطانوی خفیہ محکمہ کی ہدایت پر کچھ بااثر لاہوری احمدیوں نے اسے قادیان جانے کی تجویز پیش کی۔ قونصل نے ان کی بات مان لی۔ ڈاکٹر بشارت احمد کے الفاظ میں یا تو اس کی کچھ سیاسی خواہشات تھیں^(۱) یا پھر یہ اتحاد اسلامی کے جذبات کے تحت تھا۔ اس نے مرزا صاحب کو خط لکھا اور ان کی رضامندی کے بعد وہ قادیان چلا گیا۔ اس نے مرزا صاحب کے ساتھ بند کمرے میں بات چیت کی۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کے درمیان کیا گفت و شنید ہوئی۔ تاہم بعد میں مرزا صاحب کی ہفوات سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اس نے مرزا صاحب سے التماس کیا کہ وہ سلطان اور سلطنت عثمانیہ کی حمایت کریں۔ مرزا صاحب نے اس کا کھلے انداز سے انکار کر دیا اور جواب میں سلطان اور اس کی خلافت کی مذمت کی۔ انہوں نے ملکہ وکنور یہ کی تعریفوں کے بل باندھ دیئے اور برطانوی راج کی مدح کے ڈونگرے برسائے۔ مسلمانان ہند نے اس ملاقات سے بڑی امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں اور اس کے نتائج کا بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ روزنامہ ”ناظم ہند لاہور“ کے مدیر نے ترک قونصل کو خط لکھا کہ اس ملاقات کے نتائج سے آگاہ کیا جائے۔ قونصل کے جواب میں ایک بالواسطہ حوالہ تھا کہ مرزا صاحب نے برطانوی سامراج کیلئے کس طرح اسلام کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔ ترک قونصل نے مرزا صاحب کو ”نمرود“، ”شداد“، ”شیطان“، ”بہت بڑا جھوٹا“ اور ”مجسمہ فریب“ قرار دیا۔^(۲)

چوبیس مئی ۱۸۹۷ء کو مرزا صاحب نے اس کے خط کا جواب دیتے ہوئے ایک زوردار اشتہار چھپوایا جس میں واشگاف الفاظ میں اقرار کیا کہ وہ صرف برطانوی حکومت کے وفادار ہیں جو ہر قسم کے احترام اور تحسین کے لائق ہے اور جس کے باہرکت راج میں وہ اپنے ”خدائی کام“ میں مصروف ہیں۔ ترکی حکومت کی ”سیرچشمہ ظلمت“ کے

طور پر مذمت کی اور اس کی تباہی کو اسکا مقدر قرار دیا گیا۔ انہوں نے ایک ”وحی“ کی آڑ میں بتایا کہ ترکی کے سلطان عبدالحمید ثانی اور ان کے متعلقین کی حالت بہت بری تھی اور ان کا خوفناک انجام قریب ہے۔^(۱) ایک قادیانی ترکی خلافت پر اپنا نقطہ نظریوں بیان کرتا ہے۔

”سلطان ترکی کے دعویٰ خلافت کو احمدی غلط سمجھتے ہیں اور اس کی بیعت کے منکر ہیں۔ جب ۱۸۹۷ء میں حسین کامی نائب قونصل ترکی نے قادیان کا چکر لگایا تو احمد نے اسے واضح انداز میں بتایا کہ سلطان کا خلافت پر کوئی استحقاق نہیں جس پر وہ نائب قونصل بننے پا ہو گیا اور کئی غیر احمدی بھی۔ جس پر مرزا صاحب نے ایک اشتہار چھپوایا جس میں لکھا۔ ”مجھے سلطان ترکی کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس کے قونصل سے ملنے کا شوق۔ میرے لیے ایک ہی سلطان کافی ہے جو آسمان و زمین کا مالک ہے جبکہ سلطان ترکی کی حیثیت میرے سلطان کے سامنے ایک بٹکے کی سی ہے تو اس کے قونصل کی کیا حیثیت ہوئی۔“

مرزا صاحب کہتے ہیں۔

”میرے نزدیک واجب التعظیم اور واجب الاطاعت اور شکر گزاری کے لائق ”مورنمنٹ انگریزی“ ہے جس کے زیر سایہ امن کے یہ آسمانی کارروائی کر رہا ہوں۔ ترکی سلطنت آج کل تاریکی سے بھری ہوئی ہے اور وہی شامت اعمال بھگت رہی ہے۔ اور ہرگز ممکن نہیں کہ اس کے زیر سایہ ہم راستی کو پھیلان سکیں۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ سلطان کی حالت اچھی نہیں ہے اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں۔ یہی وہ باتیں تھیں جو سفیر مذکور کو اپنی بد قسمتی سے بہت بری معلوم ہوئیں۔ میں نے کئی اشارات سے اس بات پر بھی زور دیا کہ رومی سلطنت خدا کے نزدیک کئی باتوں میں قصور وار ہے اور خدا سچے تقویٰ اور عبادت اور نوع انسانی کی ہمدردی کو چاہتا ہے اور روم کی موجودہ حکومت بربادی کو چاہتی ہے۔“^(۲) میرے لیے اس کی حفاظت میں کسی سچائی کو پھیلانا

۱۔ ذاکر بشارت احمد ص 512۔

۲۔ تبلیغ رسالت جلد آٹھ صفحہ 5۔

ناممکن ہے۔ مجھے خدشہ ہے اس فتویٰ سے بہت سے لوگ ناراض ہو جائیں گے۔ مگر یہ صداقت ہے۔ میں نے کئی طریقوں سے اس حقیقت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ اس قونصل کے ذہن پر جو قادیان آیا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کئی وجوہات کی بناء پر خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ مگر میں نے اس کے ذہن میں جھانکا تو پایا کہ اسے میرے الفاظ برے لگے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اب ترکی پر بہت زیادہ عرصہ تک اچھے دن نہیں رہیں گے۔ قادیان سے واپسی پر اس کے میرے بارے میں خیالات ترکی کے زوال کے بارے میں واضح اشارہ کرتے ہیں۔ میں نے اسے بتا دیا کہ اب یہ خدا کی مرضی ہے کہ جو کوئی مسلمانوں میں سے مجھ سے علیحدہ ہوگا، کاٹا جائے گا چاہے وہ بادشاہ ہوں یا رعایا اور میرے خیال میں یہ الفاظ اسے تیروں کی طرح چبھے۔ میں نے اسے اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ وہ کہا جو خدا کی طرف سے مجھ پر وحی کیا گیا۔“

ایک دوسرے اشتہار میں مرزا صاحب کہتے ہیں۔

”سلطان کی طرف سے مسلمانوں کا سربراہ یا خلیفہ ہونے کا دعویٰ اس کا واہمہ ہے۔“ (۱)

مسلم پریس نے مرزا صاحب کی بدزبانی کا بڑی سنجیدگی سے نوٹس لیا اور سلطان کے خلاف ان کے خیالات پر تنقید کی۔ ان کی برطانیہ کے لیے قہیدہ خوانی چھپ نہ سکی۔ روزنامہ سراج الاخبار جہلم نے لکھا کہ مرزا صاحب نہ صرف مسلمان علماء کے دشمن ہیں بلکہ اخوت اسلامی اور اسلامی دنیا کے بھی شدید ترین دشمن ہیں۔ جس طرح گلیڈ سٹون برطانیہ میں ترکی کا سب سے بڑا مخالف تھا۔ اسی طرح مرزا قادیانی ہندوستان میں سلطنت عثمانیہ کے سب سے بڑے مخالف ہیں۔ جنوری ۱۹۰۴ء میں مرزا صاحب نے پیش گوئی کی کہ

”روی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے مگر شکست کے بعد وہ اپنے دشمنوں کو شکست

دیں گے۔“ (۱)

ترکی کے خلاف قادیانیوں اور دیگر غیر مسلم قظیموں نے پروپیگنڈا اہم شدید کر دی۔ ترکی خلافت کے زوال کی یہ وجہ بھی بنی۔ ۱۹۰۸ء تک ”نوجوان ترک“ جو یہودیوں اور فری میسنوں کے پروردہ تھے۔ ترکی میں برسرِ اقتدار آ گئے اور سلطان کا اقتدار ختم ہو کر رہ گیا۔

عمومی جائزہ

برطانوی راج کے حامی ایک مغل جاگیردار کے عیار بیٹے کی چلائی ہوئی اسلام مخالف احمدی تحریک کا لب لباب برطانوی نوآبادیاتی نظام کے سیاسی مفادات کا تحفظ اور ان کے اقتدار کو دوام بخشنا تھا۔ انہوں نے یہودی تحریک قوم پرستی کو بھی مدد دی جو یورپی طاقتوں کی آ شیر باد سے احمدیہ تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ بنیادی طور پر یہ تحریک سیاسی تھی جسے بعد میں ایک مذہبی ارتداد کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ تاہم اس نے اسلام کے سیاسی ڈھانچے میں یہودیت کے عناصر داخل کر دیئے اور جھوٹی نبوت کی بناء پر ایک نئی اہمیت پیدا کر دی۔

اپنی مبینہ نبوت کی بناء پر مرزا صاحب نے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا۔ چاہے وہ کلمہ گو ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ درحقیقت کلمہ طیبہ سے انکار اور حضور اکرم ﷺ پر فوقیت حاصل کرنے کی ایک خفیہ کارروائی تھی۔

اپنے پیروکاروں سے مسلمانوں کو جدا کرنے کیلئے انہوں نے احمدی لڑکی سے مسلمان کی شادی خدا کے حکم سے ممنوع قرار دی۔ (۲) انہوں نے اپنے پیروکاروں کو مسلمانوں کے ساتھ روزمرہ کی نمازیں ادا کرنے سے منع کر دیا۔ اسی طرح ایک غیر احمدی کے جنازہ پڑھنے سے (خواہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو) وحی کی رو سے ممنوع قرار دے دیا۔ (۳) مسلمانوں کو مکہ اور مدینہ سے دور کرنے کے لیے ایک پرفریب انداز میں

۱۔ ڈاکٹر بشارت احمد۔ ص 50۔

۲۔ مرزا محمود احمد۔ The Truth About the Split دیان 1939۔

۳۔ مرزا محمود احمد۔ اوار خلافت۔ دیان ص 93 اور برکات خلافت ص 75۔

قادیان کو ”مقام مقدس“ قرار دیا گیا۔ اسے خانہ کعبہ (ارض حرم) اور مدینۃ النبی قرار دیا گیا۔ مرزا صاحب نے اس کا نام قرآن پاک میں لکھا ہوا پایا۔ کرمس کے ہفتے میں قادیان میں سالانہ اجتماع کو احمدیوں کا ظلی حج بنا دیا گیا۔ مرزا صاحب نے قادیان بہشتی مقبرہ کی بنیاد رکھی۔ اس جگہ صرف ان قادیانیوں کی تدفین ہو سکتی تھی جو اپنی جائیداد کا دسواں حصہ قادیانی تجوری کی نذر کریں۔ انہوں نے قادیان میں تعمیر شدہ اپنے والد کی مسجد کی توسیع کی اور اسے اصلی مسجد اقصیٰ قرار دیا جو قرآن پاک میں مذکور ہے۔

مسلمان معاشرے میں انتشار پھیلانے اور برطانیہ کے سیاسی مفادات پورا کرنے والی تحریک میں انگریزوں نے قدرتی طور پر بھرپور دلچسپی لی۔ اس تنظیم کے لیے خفیہ فنڈ مہیا کیے گئے تاکہ یہ پھلے پھولے اور اپنا اثر دکھائے۔ یہ بڑی سنجیدگی سے یقین کیا جاتا ہے کہ چند مذہبی جوشیلوں کے علاوہ برطانوی حکمرانوں نے اس تنظیم کی تفویض پر ایک کثیر تعداد میں مصنفین کو مقرر کیا تاکہ اس نوزائیدہ تحریک کو اس بڑی تباہی سے بچایا جاسکے جو ایک غیر متوازن شخصیت کے حامل برطانوی آلہء کار کی نادانستہ حماقتوں اور جہالتوں کی وجہ سے اسے پیش آ سکتی تھی۔ قادیانی مشنریوں کو مذہبی لبائے جس عرب ممالک میں بھجوا دیا گیا اور برطانوی نوآبادیوں میں تعینات کیا گیا تاکہ برطانوی وزارت خارجہ کے مراکز کی ہدایات کی روشنی میں سیاسی کام جاری رکھے جاسکیں۔

بہائیت تحریک قادیانیت سے بہت حد تک مشابہت رکھتی ہے جو کہ یہود کی پروردہ ایک سیاسی تحریک ہے اور اپنے آپ کو کھلے عام اسلام کی مخالف قرار دیتی ہے۔ ان دونوں جماعتوں کے اسرائیل میں طاقتور مراکز ہیں۔ تحریک احمدیہ سنی ہندوستان میں پھوٹی اور بہائیت شیعہ ایران سے اٹھی۔ بہاء اللہ (متوفی ۱۸۹۲ء) نے اسلام کو مسخ کر کے ”مظہر خدا“ ہونے کا دعویٰ کیا۔ مرزا صاحب نے کمال چالاکی سے اپنے آپ کو ایک پیغمبر اور نجات دہندہ کے طور پر پیش کیا اور بڑے غرور سے اسلامی معتقدات کو مسخ کیا۔ انہوں نے پرفریب انداز سے اپنی پنجابی عربی کے فقرات کو ٹھونس کر قرآنی آیات

کو بگاڑنے کی کوشش کی۔ مرزا قادیان اور مرزا ایران دونوں نے خدائی الہامات کا دعویٰ کیا۔ بہاء اللہ نے کمال مکاری سے ختم نبوت کا انکار کیا جبکہ مرزا صاحب نے منافقانہ انداز سے اس میں تحریف کر کے اپنے مبنی بر ارتداد عقائد کیلئے جگہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ پہلے نے اسلام کی کھلی مخالفت کی جبکہ دوسرے نے ”منہ میں رام رام بغل میں چھری“ والی حکمت عملی اپنائی۔ دونوں نے عیسائی نظریات کی مخالفت کی مگر اس کے علمبرداروں اور سامراجیت پر نچھاور ہو گئے۔ معجزات عیسوی کے ہارے میں دونوں کا موقف یکساں تھا۔ دونوں نے ”مسح موعود“ اور انسانیت کے ”نجات دہندہ“ ہونے کا دعویٰ کیا۔ دونوں نے حصول وحی اور عربی نویسی کی للکار دی۔ بہاء اللہ نے ایک ہی رات میں ”ایقان“ لکھی اور ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب نے ایک ہی نشست میں اپنا خطبہ الہامیہ پیش کیا۔^(۱) اور بھی بہت سے یکسانیت کے نکات ہیں جو ان تحریکوں کے ایک جیسے کردار کو اجاگر کرتے ہیں۔ سیاسی طور پر بہاء اللہ اور مرزا صاحب دونوں سامراج اور یہودیوں کے آلہ کار اور پروردہ تھے۔ انہوں نے خدا کے حکم کی آڑ میں جہاد کی مخالفت کی۔ یورپی توسیع پسندی کی تعریف کی۔ دنیائے اسلام کی مذمت کی اور ایک غیر ملکی راج کی غلامانہ تابعداری کا پرچار کیا۔^(۲)

دونوں نے عثمانی سلطنت کے زوال کے لیے کام کیا اور ترک خلیفہ کے انجام بد کی پیش گوئیاں کیں۔ فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کی پیش گوئیاں کیں اور پورے فلووس اور لگن کے ساتھ اس کے لیے کام کیا۔ مرزا صاحب نے اپنی مادر معظمہ ملکہ وکٹوریہ کی درازی عمر اور خوشحالی کی دعائیں کیں جبکہ بہاء اللہ نے اپنے آقا زار روس کے لیے تعریف کے ڈوگرے برسائے۔ اس کے بیٹے عبدالہاء نے فلسطین میں برطانیہ کے انتدابی نظام کو خوش آمدید کہا جو کہ پہلی جنگ عظیم کے آخر میں ”لیگ آف نیشنز“ نے ٹھوسا تھا۔ انہوں نے اپنی خدمات کے باعث سر کا خطاب حاصل کیا۔

۱۔ دیکھئے سوانح آئی امرتسری۔ اللہ بیہ الغادیہ۔ امرتسرس جڑ ہوئی نیس۔
 ۲۔ باب اور نہایت کے لیے دیکھیں۔ بشیر احمد بہانیت اسرائیل کی خبیثہ سیاسی عظیم۔ اسلاک ملٹی فورم رولپنڈی سی ایم ریل۔ پہلی تحریک اور پروڈیوسر انڈیا کی اس عنوان پر تحریریں۔

دونوں نے سامراجیت سے امیدیں وابستہ کیں اور اس کی ضمنی پیداوار صیہونیت کی شکل میں اپنی بہتری اور بقاء کی آس لگائے رکھی۔ دونوں تحریکیں ابھی تک اسرائیل میں سامراجی صیہونی سرپرستی میں اپنی مذموم سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

چوتھا باب

حکیم نور الدین - قادیانی ناخدا (۱۲-۱۹۰۸ء)

چھبیس مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب لاہور میں مبینہ طور پر دائمی پیش کی وجہ سے وفات پا گئے۔^(۱) ان کی وفات کے بعد ان کا قریبی ساتھی حکیم نور الدین بھیروی قادیان کی گدی پر ”مسح موعود“ کے جانشین کے طور بیٹھے۔

حکیم صاحب (۱۹۱۴-۱۸۴۱ء) پیشے کے لحاظ سے ایک طبیب تھے۔ انہوں نے ہندوستان میں طب اور مذہب کی تعلیم حاصل کی اور کچھ عرصہ (۶۶-۱۸۶۵ء) مکہ میں گزارا۔ آپ بھیرہ کے ایک حجام گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جو ضلع سرگودھا کی ایک سب تحصیل تھا۔ ۱۸۷۶ء میں انہیں مہاراجہ کشمیر رنیر سنگھ کے دربار میں شاہی معالج کی ملازمت مل گئی۔ اس عہدہ کے حصول میں ریاست کے ہندو پولیس آفیسر لالہ متھرا داس اور مشہور کشمیری مورخ دیوان کرپارام نے مدد دی۔^(۲) ۱۸۷۷ء میں انہوں نے دہلی دربار میں حاضری دی جس میں ملکہ وکٹوریہ کو قیصرہء ہند کا خطاب دیا گیا۔

حکیم صاحب ایک معاملہ فہم اور شاطر آدمی تھے۔ انہوں نے مختلف مواقع پر کشمیر کی سیر کے لیے آنے والے برطانوی حکام سے روابط رکھے اور ان میں سے بعض کے ساتھ تعلقات پروان چڑھائے۔ برطانوی حکومت نے ان کو کشمیر دربار میں اپنا مخبر مقرر کر دیا۔ کشمیر دربار کے بارے میں دی گئی ان کی اطلاع کو حکومت بڑی اہمیت دیتی تھی۔ انیسویں صدی کے اختتام پر وسط ایشیاء میں روسی سرگرمیوں سے برطانوی پریشان

۱۔ رپوبلک آف ریلچر - قادیان جون ۱۹۰۸ء۔

۲۔ اکبر شاہ خاں - نجیب آبادی - حیات نور الدین - لاہور ص ۱۴۰۔

تھے۔ حکیم صاحب نے مہاراجہ زنبیر سنگھ کے ان معانقوں پر گہری نظر رکھی جو وہ زار روس کے ساتھ انگریزوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے کر رہا تھا۔

مہاراجہ نے روسی امداد کے حصول کے لیے ایک چار رکنی وفد روس بھیجا۔ اس وفد کے رہنما کو دو ایلیچیوں سمیت راستے میں ہی قتل کر دیا گیا۔ غالباً وسط ایشیاء میں سرگرم برطانوی جاسوسوں کے طاقتور حلقے نے انہیں ختم کر دیا اور مہاراجہ کی طرف سے تاشقند کے روسی حکام کو لکھا جانے والا خط بھی راستے میں ہی غائب ہو گیا۔ زندہ بچ جانے والے اشخاص عبدالرحمن خان اور سرفراز خان نومبر ۱۸۶۵ء میں تاشقند پہنچے۔ روسی جنرل چرنایوف نے ان کا استقبال کیا۔ مہاراجہ نے روس سے معاہدہ دوستی اور امکانی مدد کی درخواست کی تھی۔ یہ شکوہ ناکام ہو گئی کیونکہ زار حکومت ہندوستان میں آزادی کے مقصد کو پروان چڑھانے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔^(۱) مہاراجہ زنبیر سنگھ نے بابا کرم پرکاش کی سربراہی میں ۱۸۷۰ء میں ایک اور وفد تاشقند بھیجا تا کہ روسی فوجی مدد حاصل کر سکے مگر یہ وفد بھی کوئی کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہا۔^(۲)

زنبیر سنگھ کی وفات کے بعد پرتاپ سنگھ (۱۹۲۵-۱۸۸۵ء) تخت کشمیر پر بیٹھا۔ اس کا چھوٹا بھائی رام سنگھ اور سب سے چھوٹا امر سنگھ تھا۔ معاہدہ امرتسر کے تحت پرتاپ سنگھ ریاست کے جملہ امور اپنی نگرانی میں رکھنا چاہتا تھا جبکہ برطانوی حکومت اپنی بالادستی برقرار رکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ کشمیر میں ایک ریذیڈنٹ (برطانوی حکومت کا ایجنٹ جو وائسرائے کی طرف سے ریاست میں متعین ہوتا تھا) کا تقرر کیا گیا جس کا کام ریاست کے اندرونی حالات پر نظر رکھنا تھا۔ اس میں روسی توسیع پسندی اور داخلی تبدیلیوں کا جائزہ لینا شامل تھا۔ مہاراجہ نے انگریز ریذیڈنٹ کا تقرر با امر مجبوری قبول کر لیا۔ پہلا ریذیڈنٹ سر لویور سینٹ جان تھا جس کے بعد پلاؤڈن اور کرنل پیری نسبت تعینات کیئے گئے۔ اپنی تقرری کے کچھ عرصہ بعد ہی نسبت نے چند خطوط پکڑے جو اس نے

پرتاپ سنگھ کے نام منسوب کیئے۔ یہ خطوط اس نے زار روس کو لکھے تھے۔ لندن اور (اس وقت کے دار الحکومت ہند) کلکتہ نے اس پر شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ معاہدہ امرتسر کو پس پشت ڈال کر انگریز نے ریاست کے برطانوی عملداری سے الحاق کا فیصلہ کر لیا۔ امر سنگھ نے جو کرنل نسبت کے ساتھ مل کر درپردہ حصول اقتدار کے لیے سرگرم عمل تھا پرتاپ سنگھ سے زبردستی انتظامی امور سے دستبرداری کے پروانہ پر دستخط کرائیئے۔^(۱)

حکیم نور الدین نے برطانوی ریڈیڈنٹ کے آلہ کار اور امر سنگھ کے ساتھی کے طور پر کام کیا۔ حکیم صاحب درباری سازشوں میں پوری طرح ملوث تھے۔^(۲) انگریزوں نے پوری طرح ریاست کا الحاق کر لیا ہوتا مگر حالات کے دھارے نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ ایک قوم پرست اخبار ”امرت بازار پتریکا کلکتہ“ نے پرتاپ سنگھ کے دستخطوں سے وائسرائے ہند کو لکھا گیا ایک خط پہلی دفعہ چھاپ دیا۔ جس میں اس نے اپنے اوپر لگائے گئے تمام الزامات سے انکار کر دیا تھا۔ دوسرے واقعہ میں اس اخبار نے ایک اعلیٰ خفیہ تحریر چھاپ دی جس میں برطانوی سیکرٹری خارجہ نے حکومت ہند کو تمام سرحدی ریاستوں کے الحاق کا مشورہ دیا تھا۔ برطانوی حکومت پہلے مرحلے میں گلگت کو اپنے ساتھ ملانا چاہتی تھی۔ ایک ہندوستانی قوم پرست صوفی امبا پرشاد جو اپنے آپ کو گونگا اور بہرہ ظاہر کرتا تھا اور برطانوی ریڈیڈنٹ کے دفتر میں ملازم تھا نے یہ خفیہ کاغذات اخبار کے حوالے کر دیئے۔ دو برطانوی پارلیمانی ارکان ولیم ڈبلیو اور بریڈلا نے مہاراجہ کے دفاع میں کئی مضامین لکھے۔^(۳) آخر کار برطانوی حکومت مجبور ہو کر ریاست کے الحاق سے باز آ گئی۔

نور الدین نے امر سنگھ پر اپنا خاص اثر و رسوخ قائم کر لیا تھا۔ انہوں نے اسے قائل کر لیا تھا کہ حصول اقتدار کے لیے برطانوی امداد حاصل کرے۔ نور الدین نے کشنوار پر برطانوی راج کے قیام کے لیے بھی ایک سازش کی داغ بیل ڈالی مگر یہ

۱۔ ولیم ڈبلیو۔ مذمت شدہ بلاعات۔ لندن ص 164-168۔

۲۔ ممتاز احمد۔ مسئلہ کشمیر لاہور۔ ص 58۔

۳۔ ڈبلیو ص 168۔

منصوبہ برطانوی سیاسی محکمہ نے ترک کر دیا۔ محرم علی چشتی بھی اس منصوبے میں ان کا شریک کار تھا جس کو بعد میں کشمیر سے نکال دیا گیا۔ اس نے اخبار ”رفیق ہند لاهور“ کی ادارت شروع کر دی۔^(۱)

۱۸۸۹ء میں انگریز نے کشمیر کے نظم و نسق کے لیے ایک مجلس قائم کی اور مہاراجہ کے اختیارات محدود کر دیے۔ مجلس میں رام سنگھ، امر سنگھ، ایک برطانوی آفیسر، پنڈت سورج کول اور پنڈت بھاگ رام شامل تھے۔ تمام انتظامی اختیارات امر سنگھ کے ہاتھ میں تھے جو اس مجلس کا سربراہ تھا۔ ۱۸۹۱ء تک یہ سلسلہ رہا۔ بعد میں پرتاپ سنگھ انگریز کو وفاداری کی یقین دہانی کروا کر اس مجلس کا سربراہ بن گیا۔ سورج کول نور الدین کو اس کی خفیہ سرگرمیوں اور برطانوی ریڈیڈنٹ کے ساتھ تعلقات کی بناء پر سخت ناپسند کرتا تھا۔ جونہی پرتاپ سنگھ مجلس کا سربراہ اور امر سنگھ اس کا نائب سربراہ بنا اس نے فوری طور پر حکیم نور الدین کی چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ریاست بدری کے احکامات جاری کر دیے۔ حکیم صاحب کو چوبیس گھنٹے کے اندر ریاست کشمیر چھوڑنا پڑی۔ اس طرح حکیم صاحب جو کہ بدنام درباری سازشی اور برطانوی آلہء کار تھے بہت جلد ریاست چھوڑ کر اپنے آبائی گاؤں بھیرہ آ گئے۔ بعد ازاں انہوں نے قادیان میں سکونت اختیار کر لی۔ راجہ امر سنگھ نے ان کے ساتھ تعلقات قائم رکھے اور انہیں خفیہ طور پر خطوط لکھتا رہا۔ اس واقعہ کے بعد بھی وہ ان کی عزت کرتا تھا۔^(۲)

شیخ یعقوب علی قادیانی کہتا ہے کہ نور الدین کے مخالفین انہیں الزام دیتے ہیں کہ وہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی بجائے مہاراجہ امر سنگھ کو تخت نشین کرانے کے لیے ایک سیاسی سازش کا تانا بانا بنتے رہے۔ یہی ان کی ریاست سے اخراج کی وجہ تھی۔^(۳) مرزا محمود نے یہ دلیل گھڑی ہے کہ حکیم صاحب امر سنگھ کو مسلمان کرنا چاہتے تھے۔ لیکن پرتاپ سنگھ کو اس بات کا پتہ چل گیا۔^(۴) ریاست سے نکلنے وقت حکیم صاحب دو لاکھ

۱۔ رفیق دلاوری۔ آئٹم ٹکس لاہور ۱۹۳۷ء ص ۴۷۱۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۴۳۷۔

۳۔ شیخ یعقوب علی عرفانی۔ حیات احمد۔ جلد ۲ ص ۴۲۳۔

۴۔ تاریخ احمدیت۔ جلد ۴ ص ۱۴۴۔

روپے کے بھاری مقروض تھے۔ راجہ امر سنگھ نے ایک کاروباری ہندو کو بہت بڑا ٹھیکہ دے دیا جس کے منافع سے ان کا قرضہ ادا ہوا۔^(۱)

حکیم صاحب مئی ۱۹۰۸ء کے آخر میں قادیان میں مرزائے قادیان کے جانشین بنے۔ انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مثل کہا جاتا ہے جو اسلام کے پہلے خلیفہ تھے۔ بمشکل ایک سال بعد ہی ان کے اور صدر انجمن احمدیہ کے جو کہ انجمن کے معاملات چلانے والی مرکزی جماعت تھی، تعلقات خراب ہو گئے جو بالآخر افتراق کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ انہوں نے کمال عیاری سے تمام معاملات کو سنبھالا۔ با اثر قادیانیوں نے ان کی مذمت کی۔ وہ نجی مجالس میں ان کی تحقیر کرتے اور انہیں جماعت کا مطلق العنان سربراہ قرار دیتے۔ ان کو مرزا صاحب کے گھرانے اور صدر انجمن احمدیہ کے چند اراکین کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔ انہوں نے مصائب سے پر زندگی گزاری اور ان کے آخری ایام بڑی تنگی اور ذمی اذیت میں گزرے۔

عظیم کھیل

مرزا صاحب کی طرح حکیم صاحب نے بھی برطانوی سامراجیت اور بین الاقوامی صیہونیت کی مدد کی۔ ان کی پاپائیت کے دوران ہندوستان اور بیرون ہند بہت سے سیاسی واقعات رونما ہوئے۔ تقسیم بنگال کی منسوخی (۱۹۱۱ء) اور سلطنت عثمانیہ کے علاقے بلقان کے معاملات نے پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں بے چینی پیدا کر دی۔ ۱۹۰۸ء میں بین الاقوامی صیہونیت کی سازشیں ترکی سلطنت کے خلاف اپنے عروج کو پہنچ گئیں۔ کیونکہ وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے فلسطین حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جرمن، فرانسیسی، روسی اور برطانوی سامراج مرد بیمار کی موت کی امید میں اس طاقت کے خلاء کو پر کرنے کے منصوبے بنانے لگے جو ان کے خیال میں سلطنت عثمانیہ کی تحلیل کے بعد پیدا ہونا تھا۔ ترکی کی شکست و ریخت کی صورت میں برطانیہ کو ہندوستان کے

ساتھ معاشی اور عسکری رسل و رسائل کے ذرائع کو محفوظ بنانا تھا کیونکہ برطانیہ کی آدمی فوجیں وہاں مقیم تھیں۔ نہر سوئز کی بھی حفاظت کرنا تھی۔ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے برطانیہ کی نظریں شام اور عرب پر لگی ہوئی تھیں۔^(۱) اس ساری صورتحال کا بہترین فائدہ اٹھانے کے لیے سامراجی اور صیہونی جاسوسوں نے اپنی حرکتیں تیز کر دیں۔ قلب ماکلی اور کالن سمپسن یورپ اور ایشیاء کے اس سامراجی کھیل پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

”نوجوان انگریزوں کی نسلوں نے بادشاہ ملک اور ہندوستان کی حفاظت کے بڑے کھیل میں حصہ لیا۔ انہوں نے دلی، لاہور، کابل، تہران، تبریز اور سرحد میں بیٹھ کر اپنا کردار ادا کیا۔ کپٹنک نے اپنے ناول ”کم“ میں یہی کچھ لکھا مگر سچائی اپنے طور پر خوش کن تھی۔ ایک نیوبائی نے بیان کیا کہ کس طرح مشہد میں برطانوی قونصل خانہ جو بند ہو چکا تھا اور ۱۹۵۶ء میں شمال مشرقی فارس میں خراسان کے صوبے میں اس نے وسطی ایشیاء کا ایک نقشہ تلاش کیا۔ جس پر رگمین پنسلوں کے کافی نشانات تھے اور ”کاراکوم“ کے صحرائے ٹیلے بنائے ہوئے تھے جو روسی علاقے کے کافی اندر تھے اور جس پر خفیہ تحریر تھی کیپٹن ایکس (۲) جولائی ۱۹۸۴ء“

یہ تقریباً وہی زمانہ تھا جب صیہونی سازشیں اپنے عروج پر تھیں۔ سلطنت عثمانیہ کے خلاف ڈی۔ جی ہاگورتھ نے جو بدنام سیاسی خفیہ کار افسر تھا۔ لارنس آف عربیہ کو برطانوی سلطنت کے لیے جاسوسی کیلئے عرب ممالک میں جانے پر راضی کر لیا۔ لارنس جو کہ ایک اینگلو۔ آئرش چھوٹے نواب کا ذہین بیٹا تھا۔ دوسرے جاسوسوں کی مدد سے صحرائے سینا میں خفیہ طور پر پہنچ گیا اور چند خفیہ نقشے بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ واضح تھا کہ جو کوئی صحرائے سینا کو قابو کر لے وہ نہر سوئز کو بھی قابو کر سکتا تھا۔ ترک برطانوی جاسوسوں کو اپنے علاقوں میں جاسوسی کی اجازت نہ دیتے تھے۔ چنانچہ لارنس اور اس کے دوست لیونارڈ وولی نے یہودیوں کی مدد حاصل کی۔ انہوں نے بہانہ کیا کہ وہ صحرائے سینا

۱۔ ماکلی اور سمپسن۔ لارنس آف عربیہ کی خفیہ زندگی۔ سی ٹیکسن ایڈیشن لندن ۱۹۹۶ء ص ۹۸۔

۲۔ ایٹا۔

پر تحقیقی کام کریں گے۔ یہودیوں کی قائم کردہ ”فلسطین مطالعاتی فنڈ“ کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا۔ برطانوی انجینئرنگ دستے کے کپتان ایس۔ ایف۔ نیوکومب نے عسکری کام مکمل کیا۔ انہوں نے یہ جاسوسی مشن قاہرہ میں برطانوی ایجنسی کے کہنے پر شروع کیا۔^(۱)

جاسوسی مشن

ستمبر ۱۹۱۲ء میں حکیم نور الدین نے ایک جاسوسی مشن عرب میں بھیجا جس میں مرزا محمود، مرزا ناصر نواب (محمود کا نانا اور ایک عرب شامل تھے)۔ حکیم صاحب بڑی ہوشیاری سے مرزا محمود کو تیار کر رہے تھے کہ وہ مستقبل میں ان کی جگہ سنبھالیں۔ ان کے ایماء پر مرزا محمود نے پہلے ہی ایک تنظیم ”انصار اللہ“ کے نام سے بنالی تھی تاکہ وقت آنے پر اسے صدر انجمن احمدیہ کے خلاف استعمال کیا جاسکے اور مستقبل قریب میں اقتدار پر قبضہ کیا جاسکے۔ عبدالحی عرب عراق کا باشندہ تھا اور قادیان میں ایک برطانوی ایجنٹ کے طور پر قیام پذیر تھا۔ مرزا صاحب کی اپنی تحریروں کے مطابق انہوں نے برطانیہ کی حمایت اور جہاد کی مخالفت میں لٹریچر شریف عربوں کے ذریعے عرب ممالک میں روانہ کیا۔ یہ بھی ایک شریف عرب تھا۔ مرزا محمود نے حجاز، یروشلم اور مصر روانگی سے قبل مشن کا یہ مقصد بتالیا کہ وہ اس سفر کے ذریعے احمدیت کے پرچار کے نئے افق تلاش کریں گے۔^(۲) اس کے علاوہ کچھ اور بھی وجوہات ہیں۔ جن کا اظہار کرنا مناسب نہ ہوگا۔^(۳) انہوں نے یہ زور دے کر کہا۔

چھبیس اکتوبر ۱۹۱۲ء کو مرزا محمود اور عبدالحی عرب پورٹ سعید پہنچے اور برطانوی اہلکاروں سے مذاکرات کیے۔ تھوڑا عرصہ قیام کے بعد وہ مصر سے مکہ روانہ ہو گئے۔ میر ناصر انیس جہدہ میں ملے۔ انہوں نے حجاز میں اپنی مذہبی اور سیاسی سرگرمیوں کا آغاز

۱۔ ایضاً۔

۲۔ مرزا محمود، خیراتی کی حقیقت ص 252۔
۳۔ عبدالقادر، حیات نور، ص 573۔

احمدیت کے بنیادی عقائد یعنی تنسیخ جہاد، مسیحیت، مرزا صاحب کی نبوت اور انگریزوں کی وفاداری وغیرہ کا پرچار شروع کیا۔ جب عربوں کو پتہ چلا کہ ایک قادیانی مرتد کا بیٹا انہیں مکہ کے مقدس شہر میں ایک جھوٹی نبوت کی طرف دعوت دے رہا ہے تو وہ سراپا احتجاج بن گئے اور شریف مکہ کی انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ انہیں فوراً شہر سے نکالا جائے۔ تاریخ احمدیت میں مذکور ہے کہ مرزا محمود جہاں بھی جاتے لوگ ان کی طرف انگلیاں اٹھاتے اور امن قادیانی پکارتے۔ مشہور المجدیٹ عالم میر ابراہیم سیالکوٹی اس سال حج کے لیے مکہ مکرمہ میں تھے۔ انہوں نے اور بھوپال کے ایک شخص خالد نے قادیانی مشن کا پردہ چاک کیا۔ یہ لوگ بیس روز تک مکہ میں ٹھہرے۔

قادیانی مشن نے مقامی جاسوسوں سے روابط بڑھائے اور ان کے ساتھ متواتر رابطے رکھے۔ مرزا محمود شریف مکہ سے بھی ملے۔^(۱) جو ترکوں کے خلاف بغاوت کی تیاری کر رہا تھا اور پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کا وفادار ثابت ہوا تھا۔ ترک خفیہ محکمہ نے قادیانیوں کی ان زیر زمین سرگرمیوں کا سختی سے نوٹس لیا۔ پولیس نے ان کو پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر بد قسمتی سے وہ ہاتھ نہ آ سکے۔ مرزا محمود حجاز میں اپنی سرگرمیوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”میں نے وہاں (مکہ) تبلیغ شروع کی اور خدا نے اپنے خاص فضل سے میری حفاظت کی۔ اس وقت حکومت ترکی کا وہاں چنداں اثر نہ تھا اب تو شاہ حجاز کی گورنمنٹ انگریزی کے زیر اثر ہونے کے باعث ہندوستان سے بدسلوکی نہیں ہو سکتی مگر اس وقت یہ حالت نہ تھی۔ اس وقت وہاں جس کو چاہے گرفتار کر لیتے تھے مگر میں نے تبلیغ کی اور کھلے طور پر ہی، لیکن جب ہم وہ مکان چھوڑ کر واپس ہوئے تو دوسرے دن اس مکان پر چھاپہ مارا گیا اور مالک مکان کو پکڑ لیا گیا کہ اس قسم کا یہاں کوئی شخص تھا۔“

قادیان کا لارنس

اسی سال ستمبر ۱۹۱۲ء میں حکیم نور الدین نے خواجہ کمال الدین کو جو کہ صدر انجمن احمدیہ کا ایک اہم رکن تھا، انگلستان بھیجا۔ انہوں نے ووکنگ لندن میں ایک احمدیہ مشن قائم کیا اور اپنی مستقبل کی سیاسی سرگرمیوں کی منصوبہ بندی برطانوی دفتر خارجہ اور عالمی صیہونی تنظیم کی رہنمائی میں کی۔

عرب ممالک سے تین رکنی جاسوسی وفد جب واپس آیا تو اپنی کارگزاری حکیم صاحب کو پیش کی۔ عرب ممالک کے متعلق ان کی رپورٹ کی بناء پر حکیم صاحب نے زین العابدین، ولی اللہ شاہ اور شیخ عبدالرحمن کو چھبیس جولائی ۱۹۱۳ء کو مصر بھیجا۔ یہ احمدی مبلغین کے روپ میں گئے مگر ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ برطانوی خفیہ محکمہ قاہرہ کے ساتھ مل کر کام کریں۔ جون ۱۹۱۳ء میں انہوں نے چوہدری فتح محمد سیال اور شیخ نور احمد کو برطانیہ بھیجا تاکہ وہ خواجہ کمال الدین کے کام میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔^(۱) ان دنوں قاہرہ کی برطانوی خفیہ تنظیم نئے جاسوسوں کو بھرتی کر کے انہیں شام، عرب اور عراق بھجوا رہی تھی۔ عیسائی مبلغین بھی عرب ممالک میں اپنے پنجے گاڑنے میں مصروف تھے۔ عیسائی مشنری خصوصاً ڈاکٹر زویر جو ایک انتہا پسند عیسائی مبلغ تھا۔ ۱۹۱۳ء میں عرب گیا اس کے ساتھ قاہرہ کی مجلس اناجیل کا ایک آلہ کار بھی تھا۔^(۲) وہ اس امکان کا اندازہ لگانے لگے کہ آیا وہاں ایک عیسائی مشن کھولا جاسکتا ہے یا نہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بدنام زمانہ لارنس آف عربیہ جو کہ صحرائے سینا میں پوری سرگرمی سے صیہونی مدد کے ساتھ فوجی راز حاصل کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے حکومت برطانیہ کو آمادہ کیا کہ شریف مکہ کی امداد کی جائے جو کہ ترکوں کے خلاف بغاوت کا منصوبہ بنا رہا تھا۔^(۳) انگریزوں کو اندازہ تھا کہ مقامات مقدسہ پر ترکوں کے اقتدار کا خاتمہ ان کے عرب میں اقتدار کیلئے مہلک ثابت ہو سکتا

۱۔ تاریخ احمدیت - جلد ۴ - ص ۴۹۲۔

۲۔ خبریں اور تحریری سلسلہ (ایک خفیہ ہندوستان کا تبلیغی پرچار) ۷-۶ دسمبر ۱۹۱۹ء ص ۶۔

۳۔ بائبل اور سکسن ص ۶۸۔

ہے۔ مسلمان اپنی وفاداری کو جلد ہی تبدیل کر کے اس کے ساتھ ہو جائیں گے جو شخص مقامات مقدسہ کا نیا حکمران بنے گا۔

زین العابدین اور عبدالرحمن ۱۹۱۳ء میں مصر پہنچے۔ انہیں مصر میں برطانوی ریڈینٹ جنرل کچھر کے دفتر میں ہدایات دی گئیں۔ چند ماہ انہوں نے برطانوی محکمہ خفیہ قاہرہ میں کام کیا۔ جو عرب قوم پرستوں کو ترکی کے خلاف بغاوت کے لیے تیاری میں بڑی شدت سے سرگرم عمل تھا۔ عبدالرحمن (مصری) قاہرہ میں ہی رک گیا جبکہ ولی اللہ شاہ بیروت چلا گیا جہاں اس نے عربی کا علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ نوجوان عرب طلباء کے ساتھ تعلقات استوار کر لئے۔^(۱) ہندوستان میں ترک حامی تحریک کے اجراء نے ترکوں کے دلوں میں ہندوستانیوں کے لیے دوستی کے جذبات پیدا کر دیئے تھے۔ ولی اللہ نے ان جذبات کو اپنے مذموم مقصد کے لیے استعمال کیا اور صلاح الدین ایوبی کالج یروشلم میں معلم کا عہدہ حاصل کر لیا۔ بعد میں اسے دمشق کے سلطانیہ کالج میں نائب پرنسپل مقرر کر دیا گیا۔ اس نے ان کٹھن ایام میں جب ترکوں کے خلاف عرب بغاوت برپا ہونے والی تھی۔ بیروت، مصر اور یروشلم میں برطانوی مفادات کے لیے تندی سے کام کیا۔

ایک مشہور شاہی عالم محمد منیر القادری نے اپنی مشہور کتاب ”القادیانیہ“ میں پہلی جنگ عظیم کے موقع پر احمدیوں کی سازشوں کا ان الفاظ میں بھرپور تذکرہ کیا ہے۔

”یہ پوری ذمہ داری سے کہا جاسکتا ہے کہ قادیانیوں کی حرکات سے چشم پوشی مسلمانوں کے لیے حد درجہ خطرناک ثابت ہوگی۔ خصوصاً ان کی جاسوسی سرگرمیوں کو نظر انداز کرنا۔ یہ پہلی جنگ عظیم کا وقت تھا جب برطانوی ساسراجیوں نے ایک قادیانی جاسوس کو سلطنت عثمانیہ میں بھیجا۔ جس کا نام ولی اللہ زین العابدین تھا۔ اس نے ظاہر یہ کیا کہ وہ سلطنت عثمانیہ کا خیر خواہ اور مسلمان ہے۔ ترک اس کے دھوکے میں آ گئے۔ انہوں نے اسے جمال پاشا کے پاس بھیجا جو پانچویں فوجی ڈویژن کے کمانڈر تھے انہوں نے زین العابدین کو قدس

یونیورسٹی میں ملازمت دے دی۔ بعد میں جب جنرل الین بائی کی قیادت میں انگریزی فوج شام میں داخل ہوئی تو وہی ولی اللہ زین العابدین ان سے فوراً مل گیا۔

مصالح العرب

برطانیہ کی جنگی حکمت عملی کو کامیاب بنانے کے لیے نور الدین کی ہدایت پر قادیان میں دو اخبار جاری کیے گئے۔ خواجہ کمال الدین نے امریکہ، افریقہ اور یورپ میں تقسیم کے لیے برطانیہ سے ”مسلم انڈیا“ اور ”اسلامک ریویو“ جاری کیے۔^(۱) قادیان میں جاری ”بدر“ کا ایک ہفتہ وار ضمیمہ عربی زبان میں عہدہ نجی عرب نے شائع کیا۔ اس اخبار کو مصر، حجاز، عراق اور عرب ریاستوں میں متعین اعلیٰ حکام کے پاس بھیجا جاتا تھا۔ اسے مرزا غلام احمد کی ایک وجہی کی بناء پر ”مصالح العرب“ کا نام دیا گیا۔ اخبار نے سامراجی نقطہ نظر کو اجاگر کیا اور صیہونی مقصد کے لیے بھرپور کام کیا۔ عرب بیورو قاہرہ نے بھی اسی مقصد کے پیش نظر قاہرہ سے ”عرب پلیٹن“ کا اجراء کیا جس کا مدیر ایک مصری افسر کارنوالس تھا۔ یورپی دفتر خارجہ، خفیہ یہودی تنظیموں اور فری مین حلقوں نے ترکی کے خلاف مشرق وسطیٰ اور یورپ کے بعض حصوں میں بسج پلانے پر لٹرچر تقسیم کیا۔

ترکی کی سالمیت کے لیے بلقانی جنگیں تباہ کن ثابت ہوئیں۔ لندن کے مبلغ خواجہ کمال الدین نے ترکوں کے نام ایک مراسلہ لکھا۔^(۲) مرزا صاحب کی ترکی سلطنت کے زوال کی پیش گوئیوں اور مسلمانوں کی اس عظیم سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے بارے میں ایک قادیانی الہام کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے کہا کہ ”حضرت احمد کی پیش گوئی پوری ہو چکی ہے جو اس نے نو سال پہلے کی تھی“۔^(۳) مرزا محمود کہتے ہیں کہ

”پیش گوئی کا دوسرا حصہ ان کی اسی عارضی فتح کے متعلق ہے جو کہ فاتحین اور

۱۔ عہدہ افتادہ۔ ص 598۔

۲۔ خواجہ کمال الدین۔ ترکوں کے نام مراسلہ 158 ص 158 سیرت لندن یکم فروری 1913ء۔

۳۔ تاریخ احمدیہ جلد 4 ص 466۔

دوسری ریاستوں کے مابین اچانک چھڑ جانے والی جنگ سے ہوئی۔ شکست خوردہ ترک فوج نے چند دنوں میں ایڈریانوہل اور اس کے ملحقہ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ جہاں سے وہ بظاہر ہمیشہ کے لیے نکالے جا چکے تھے۔ چنانچہ اس طرح یہ دلچسپ پیش گوئی پوری ہو گئی۔“ (۱)

مسئلہ خلافت

مسلمانان برصغیر نے پوری تندی سے بلقانی جنگوں میں ترکوں کی امداد کی۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۳ء تک کے زمانے میں کئی ترک ہندوستان آئے۔ کمال عمر بے اور عدنان بے ترکی کی انجمن ہلال احمر کی جانب سے ہندوستان آ کر بہت سے مسلمان زعماء سے ملے تاکہ اس مسئلہ پر ان کی مدد حاصل کی جاسکے۔ سمجھ بے بھی ایسے ہی مقصد سے ہندوستان آیا مگر ہندوستان کے خفیہ اداروں نے اسے پہچان لیا کہ ترکی میں اقتدار پر قابض نوجوان ترکوں کا نمائندہ ہے۔ اس کا بھائی اشرف بے ترکوں کے لیے حمایت حاصل کرنے کے لیے مصر گیا مگر وہاں گرفتار ہو گیا۔ ہندوستانی انقلابیوں کے لیے افغانستان ایک مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ کابل کا ایک اہم روزنامہ ”سراج الاخبار“ ترکوں کے لیے گہری ہمدردی کا اظہار کرتا تھا اس کا موقف تھا کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ (۲)

قادیانیوں کی نظر میں مسئلہ خلافت کی بہت کم اہمیت تھی۔ برطانوی شہنشاہ معظم ان کا دنیاوی حکمران اور حکیم نور الدین انکا مامور خلیفہ تھا۔ قادیانی عقیدے کے مطابق سلطان ترکی باقی مسلمانوں کی طرح ایک کافر تھا۔ جس کی خلافت ایک ڈھونگ تھا۔ مرزا صاحب بطور نبی اور مسیح موعود پہلے ہی پیش گوئی کر چکے تھے کہ اس کی سلطنت ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گی۔

بلقانی جنگ کے دوران کچھ علماء نے مسلمانان ہند سے اپیل کی کہ وہ عید الاضحیٰ کے

۱۔ مرزا محمود احمد - زندہ خدا کے زبردست نشان - قادیان اپریل ۱۹۱۷ء حریدہ دیکھئے مولوی محمد علی: تحریک احمدیہ جلد ۳ ص ۱۸۱-۱۸۲۔
۲۔ بی ایس۔ بھٹو ص ۱۱-۱۲۔ خواجہ شتیاق حسین ترکی۔ علامہ میدان سیاست میں۔ ص ۲۲۴۔

موقع پر جانوروں کی قربانی کرنے کی بجائے یہ رقم ترکوں کو بطور چندہ دے دیں۔ حکیم نور الدین نے اس کے خلاف دسمبر ۱۹۱۲ء میں ایک فتویٰ جاری کیا^(۱) لیکن اس فتویٰ کو بعض احمدیوں نے ناپسند کیا۔ یہ لوگ جو بعد میں لاہوری کہلائے یہ سیاست میں نرم رویہ رکھتے تھے۔

الفضل کا اجراء

۱۹۱۳ء میں ترکی خلافت کے خلاف مذموم پروپیگنڈہ مہم اس وقت مزید زور پکڑ گئی جب مسلمان پریس خصوصاً ”الہلال“ کلکتہ اور ”زمیندار“ لاہور نے ترکی کی حمایت میں متاثر کن تحریریں چھاپیں۔ سامراجی نکتہ نظر کو اجاگر کرنے کے لیے مرزا محمود نے مشرق وسطیٰ سے واپسی پر الفضل قادیان کا اجراء کیا جو آنے والے سالوں میں قادیانی جماعت کا نمائندہ اخبار بن گیا۔ مرزا محمود کہتے ہیں۔

”سال ۱۹۱۳ء دو اہم واقعات کی وجہ سے مشہور ہے۔ ج سے واپسی پر میں نے قادیان میں نشر و اشاعت کی مضبوطی کی ضرورت محسوس کی۔ مجھے اس کی ضرورت مولوی ابوالکلام آزاد کے اخبار ”الہلال“ نے محسوس کرائی جس کے بہت سے احمدی خریدار تھے۔ میرے خدشہ کی وجہ یہ تھی کہ کچھ احمدی اس اخبار کی زہریلی تحریروں سے متاثر نہ ہو جائیں۔ چنانچہ میں نے اس مقصد کے لیے اپنے آپ کو تیار کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح (حکیم نور الدین) کی اجازت حاصل کی کہ قادیان سے ایک نیا اخبار نکالا جائے جو مذہبی معاملات کے علاوہ عمومی دلچسپی کے معاملات پر بھی روشنی ڈالے اور اس طرح احمدیوں کی مذہبی ضروریات کو بھی پورا کرے اور تحریک احمدیہ کے مقاصد کا بھی ترجمان ہو۔“^(۲)

اس مقصد کے علاوہ لاہوری جماعت کے اخبار ”پیغام صلح“ لاہور کے مضامین کا جواب دینا بھی مرزا محمود کے پیش نظر تھا۔

کانپور مسجد کا سانحہ

سانحہء کانپور مسجد (اگست ۱۹۱۳ء) ہماری تحریک آزادی کی تحریک میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے احتجاج کی فوری وجہ مسجد کے ملحقة ایک غسل خانے کا انہدام تھا جس کو سڑک چوڑی کرنے کے لیے توڑ دیا گیا۔ مسلمانان کانپور مسجد کے غسل خانہ کے انہدام پر شدید مشتعل ہو گئے۔ احتجاج کے نتیجہ میں جان کا نذرانہ دینے والوں کو شہید کا درجہ دیا گیا۔ حکومت کے اقدام کے خلاف اخبارات میں نہایت سخت مضامین لکھے گئے۔

قادیانی جماعت نے حکومتی اقدام کی بھرپور تائید کی اور اسے اپنی پوری مدد بہم پہنچائی۔^(۱) الفضل قادیان نے مسلمانان ہند کے جذبات کو فرو کرنے کے لیے مضامین لکھے۔ حکیم نور الدین نے حکومتی اقدام کی تائید کی اور احتجاج کرنے والوں کو مطعون کیا کہ وہ امن تباہ کر رہے تھے۔ انہوں نے واضح کیا کہ غسل خانہ مسجد کا حصہ نہیں تھا اور اس سلسلے میں تحریک چلانے والے غلطی پر تھے اور دراصل منافقانہ طرز عمل اختیار کیے ہوئے تھے۔^(۲) مولوی محمد علی نے جو بعد میں لاہوری جماعت کے سربراہ بنے ”پیغام صلح لاہور“ میں تین مضامین لکھے جن میں تحریک کانپور میں مسلمانوں کے مطالبات کی حمایت کی۔ حکیم صاحب نے ان کو سخت ناپسند کیا۔ الفضل قادیان میں ان مضامین کے جوابات آ گئے۔ قادیانی جماعت میں دراڑ کی ایک وجہ یہ بھی بنی۔^(۳)

لاہوری احمدی جماعت نے مسلمانوں کے سیاسی مطالبات کے نزدیک تر موقف اختیار کیا۔ ان کے رسالے ”پیغام صلح“ لاہور نے ترکی خلافت کی حمایت میں مضامین چھاپے۔ انہوں نے مذہبی عقائد مثلاً نبوت مرزا، کفر و اسلام، شادی بیاہ، جنازہ وغیرہ کے مسائل کو نرم کر کے پیش کیا تاکہ احمدیوں کو اسلام کے دھارے میں دوبارہ لایا جاسکے۔ شاید یہ پہلا اخبار تھا جس نے سترہ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو مولانا ظفر علی خان کی علاقہ

۱۔ الفضل - قادیان - ۲ جولائی ۱۹۱۴ء۔

۲۔ مرزا محمود ص ۲۶۹۔

۳۔ ایضاً - ص ۲۷۲ مذہبی و علمی مباحث کے بارے میں اصل حقائق - لاہور ۱۹۶۰ء ص ۹۷۔

بدری کے احکامات کے خلاف لکھا۔ اخبار نے پریس کو دعوت دی کہ وہ مولانا ظفر علی خان کی حمایت کریں۔ دو بارہ مئی ۱۹۱۵ء میں اس اخبار نے علی برادران کی حمایت کی۔ خلافت کے ایام میں مسلمانوں کے نقطہ نظر کی تائید کی۔ جبکہ قادیانی جماعت اپنی بے لوث وفاداری سے حکومت کی کاسہ لیس میں سرگرم عمل رہی۔ قادیانی سیاست میں عدم مداخلت کی پالیسی کے دعویدار تھے لیکن ان کی تمام کارروائیاں سیاست پر مبنی تھیں۔^(۱)

مارچ ۱۹۱۳ء میں اپنی جماعت کو منقسم چھوڑ کر حکیم صاحب وفات پا گئے۔ حکیم صاحب چاہتے تھے کہ ان کا چھپتا مرزا محمود ان کا جانشین خلیفہ بنے۔ آزاد خیال اور صدر انجمن احمدیہ کے اکابر اس بارے میں پہلے ہی باخبر تھے۔ خواجہ کمال الدین، مولوی محمد علی، ڈاکٹر بشارت احمد جیسے لوگوں کو حکیم صاحب نہ تو قادیان سے نکال سکے اور نہ ہی اپنی زندگی میں مرزا محمود کو قادیان کی گدلی کے لیے نامزد کر سکے۔

برطانوی آلہ کار

حکیم نور الدین کی وفات کے بعد بے اطمینانی اور افتراق کی جو چنگاری پچھلے چھ سالوں یعنی (۱۲-۱۹۰۸ء) سے آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی، بھڑک کر شعلہ بن گئی۔ میر ناصر نواب میر اسحاق اور انصار اللہ کے گروپ نے طاقت اور غنڈہ گردی کے مظاہرے کے بعد جماعتی انتخابات میں مرزا محمود کو قادیان میں بطور خلیفہ تخت نشین کرا دیا۔ ایسی بد نظمی کی مثال پہلے تحریک کی تاریخ میں ناپید تھی۔ حکیم صاحب جنہوں نے جماعت کے خلیفہ کی حیثیت سے مطلق العنانیت کا مظاہرہ کیا تھا، چاہتے تھے کہ مرزا محمود ان کا جانشین بنے۔ (۱) اگرچہ وہ اپنے ”پیغمبر زادے“ کی اخلاقی کمزوریوں سے بخوبی واقف تھے۔ جب مرزا محمود کا عقنوان شباب تھا اور طالب علمی کا زمانہ تھا تو کئی شرمناک اور غیر اخلاقی داستانیں آپ کی ذات سے منسوب کی گئیں۔ جن میں ایک الزام زنا کاری کا بھی تھا۔ مرزا غلام احمد کے کئی قریبی پیروکار اپنی نجی محفلوں میں اس مبینہ جنسی بے راہ رو کی حرکات کا تذکرہ کرتے۔ مرزا غلام احمد کو بھی اس کا علم تھا۔ اپنی وحی کی بناء پر مسئلہ حل کرنے کی بجائے انہوں نے زنا کاری کے واقعہ کی تحقیقات کے لیے قادیانی اکابر پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کر دیا۔ (۲) نور الدین نے صورتحال کی سنگینی کا اندازہ لگا

۱۔ سید حضور محمد قادیانی نے ۱۹۱۳ء میں حکیم صاحب کی ایک دھماکہ خیز شائع کی۔ جس کے مطابق مرزا غلام احمد کی قریبیوں کی مد سے ”پیر موعود“ کے لیے مرزا محمود کی ذات پر ان کے پیروکاروں کا اکتہار ہوتا ہے۔ سید حضور محمد۔ پیر موعود۔ اللہ بخش۔ پریس قادیان۔ مئی ۱۹۱۴ء ص 28 ح ۱ اس کا کتابچہ علامہ ”نشان فضل“ قادیان۔ اگست 1914ء۔
۲۔ ممتاز احمد فاروقی۔ فتح حق احمدیہ انجمن لاہور۔ 1965ء ص 40۔

لیا۔ انہوں نے بڑی ہوشیاری سے ایک گواہ کو خرید لیا اور دوسروں پر اثر انداز ہو کر انہیں توڑ لیا کیونکہ اس میں بلا واسطہ طور پر مامور زمانہ حضرت ”مسح موعود“ کی عزت کا سوال تھا۔ چنانچہ زنا کی شہادت کے لیے ضروری چار گواہوں کی عدم فراہمی کی وجہ سے معاملہ ٹھپ کر دیا گیا۔

جماعت کا خلیفہ بننے کے بعد ان کو صدر انجمن احمدیہ کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ اراکین خصوصاً محمد علی پارٹی نے ان کے آمرانہ رویے پر کھلے عام تنقید کی۔ ۱۹۰۹ء میں قادیان کی ایک جماعت یہ مسئلہ طے کرنے میں لگ گئی کہ مسح موعود کا اصل جانشین انجمن ہے یا خلیفہ۔ ۱۹۱۲ء کے انتشار کے بعد یہ گروہ ”لاہوری جماعت“ کہلایا۔ اس جماعت کا یہ موقف تھا کہ مرزا صاحب نے اپنی تصنیف ”الوصیت“ (۱۹۰۵ء) میں جماعت چلانے کا ایک انتظامی ڈھانچہ پیش کیا تھا۔ اسی حوالے سے انہوں نے ۱۹۰۶ء میں صدر انجمن احمدیہ کو ایک فعال انجمن کے طور پر تشکیل دیا۔ عموماً اس کے تمام فیصلے حتمی اور موثر ہوتے تھے۔^(۱) دوسرے گروہ نے جس کی قیادت مرزا محمود۔ میر ناصر نواب (نٹا) اور میر اسحاق (ماموں) کر رہے تھے، انجمن کو بے جان تنظیم کہتے تھے۔ ایک اور گروہ انصار اللہ تیار کیا گیا جس میں چالیس سال سے زائد عمر کے افراد تھے جس کے ذمہ باغی گروہ ”خواجہ کمال الدین اینڈ پارٹی“ کے خلاف گندے اور مکروہ الزامات کی تشہیر تھی۔^(۲) اس اندرونی اختلاف نے مرزا صاحب کی نبوت، غیر احمدیوں کے کفر اور دوسرے مسئلہ معاملات کو بھی اجاگر کر دیا۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مرزا صاحب کے مبہم وحی والہامات اور غیر واضح تحریروں سے جس جماعت نے جو چاہا اخذ کر لیا۔ حکیم صاحب کی زندگی میں (۱۹۱۳ء کے آخر میں) لاہور سے دو گم نام کتابچے ”اظہار الحق اول“ اور ”اظہار الحق دوم“ شائع ہوئے۔ نامعلوم مصنف نے احمدیہ خلافت، انجمن کے اختیار، حکیم صاحب کی

۱۔ ہمارے قادیانی، ”مجلہ تبلیغ احمدی“ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۳۱۔

۲۔ محمد علی True Facts About the Split ص ۹۹۔

آمرانہ روش اور جماعت کے پرانے ارکان کے بارے میں ان کے معاندانہ رویے جیسے مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی تھی۔ جماعت کے مختلف گروہوں نے ایک دوسرے پر الزامات اور جوابی الزامات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ”پیغام صلح لاہور“ لاہوری جماعت کا نمائندہ تھا جبکہ ”الفضل قادیان“ قادیانی جماعت کی انگلوں کا ترجمان تھا۔ حکیم صاحب نے یہ سارا کھیل بڑی بے بسی اور حسرت سے ملاحظہ کیا۔ اس وقت وہ بیماری کی حالت میں بستر پر تھے۔^(۱) انتہائی مایوسی کے عالم میں آپ نے خوجہ کمال الدین کو (جو اس وقت انگلستان میں تھے) خط لکھا جس میں یہ گریہ زاری کی۔

انکی ایمانداری خطرے میں پڑی ہے۔ ان پر رقم کی خورد برد کے الزامات ہیں۔“ اس نے مزید کہا۔ ”نواب محمد علی (جو کہ مالیر کوٹلہ کا تھا اور مرزا کا داماد تھا) میر ناصر اور مرزا محمود احمد بیکار لوگ اور بلاوجہ جو شیلے ہیں، یہ بلا اب تک لگی ہے یا اللہ نجات دے آمین۔“^(۲) اس سے قبل ڈاکٹر محمد حسین کو ایک دوسرے خط میں انہوں نے لکھا۔

”میاں صاحب علیل۔ ضعیف معدہ۔ غیر مستقل مزاج اور دل کے کمزور ہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ وہ جذباتیت کی رو میں بہہ جائیں۔ آپ ایک حاذق شخص ہیں۔ آپ کو سمجھ کیوں نہیں آ رہی ہے۔ ایک دائمی مریض انسان بہت جلد زور و رنج اور غصیلا ہو جاتا ہے۔ ان پر کوئی دوش نہیں ہے۔ البتہ آپ پر ضرور ہو سکتا ہے۔ اللہ آپ سب لوگوں کو خوش رکھے آمین (9 مئی 1913ء)“^(۳)

دوسری جگہ انہوں نے لاہوری اراکین کو اپنی حیثیت جتاتے ہوئے ان کی تذلیل و تحقیر کی۔ تاہم حکیم صاحب کی وفات کے بعد مرزا محمود اور ان کی جماعت نے قادیان میں ایک انتخابی ٹانک رچایا۔ انصار اللہ نے غنڈہ گردی اور قوت کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی نظیر پہلے کبھی نہیں ملتی تھی۔ جو لوگ کچھ کہنے کے لیے اٹھے انہیں زبردستی بٹھا دیا

۱۔ دیکھیں تاریخ احمدیت جلد 4 ص 5-6 محمد علی 99 قاضی محمد عزیز کی غلب حق ربوہ ص 126-127 ڈاکٹر بشارت احمد مراد الا خلافت احمدیہ انجمن لاہور 1938ء۔
۲۔ ممتاز فاروقی ص 38 (پچیس نومبر 1913ء۔
۳۔ محمد علی۔ ص 96۔

گیا اور چپ کر دیا گیا۔ مرزا محمود اس دن فاتح رہے۔ حکومت برطانیہ اور ہندوستان میں انجمن کی تمام شاخوں کو ان کی خلافت کے بارے میں مطلع کر دیا گیا۔ خلیفہ کا منصب سنبھالتے وقت مرزا محمود کی عمر پچیس برس تھی۔^(۱)

برطانوی سامراجیوں کی تمام ہمدردیاں مرزا محمود کے حق میں تھیں۔ انہیں لاہوری پارٹی سے زیادہ ایک نرم رو اور انگریز نواز شخص کی ضرورت تھی۔ وہ منڈلی جس کے ہاتھوں میں پس پردہ اصل قوت تھی، اس کے چند اہم اراکین برطانوی افسران کے ساتھ خفیہ ساز باز رکھتے تھے۔ مرزا محمود اپنی اہلیت کا مظاہرہ پہلے ہی مسلمانوں کی تحریک آزادی کے خلاف مضمون لکھ کر کر چکے تھے جو اس وقت ہندوستان میں چل رہی تھی۔ حکیم صاحب کی خلافت کے دوران مشرق وسطیٰ میں ایک جاسوسی مشن پر بھی جا چکے تھے۔ برطانوی شاطر جانتے تھے کہ جماعت احمدیہ کا ایک نوجوان اور اطاعت شعار خلیفہ ان کی سیاسی چالوں کی مکمل حمایت کرے گا اور اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے ان کا بھرپور ساتھ دے گا۔

عرب دنیا کی مذمت

پہلی جنگ عظیم ۱۸-۱۹۱۴ء کے دوران قادیان نے ترکی خلافت کی شدید مذمت کی۔ مرزا محمود نے بھی صیہونی آقاؤں کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے پہلی جنگ عظیم کے دوران افراد کی بھرتی اور مالی امداد سے بھرپور تعاون کیا۔ احمدیوں نے ہندوستان اور بیرون ملک ترکی خلافت کے خلاف ایک مکروہ پروپیگنڈہ مہم شروع کی کیونکہ وہ پہلی جنگ عظیم میں اتحادیوں کے مقابلے میں جرمنی کا ساتھ دے رہا تھا۔ چنانچہ ترکی کے فوری زوال اور تقسیم کی پیش گوئی بھی کر دی گئی۔ تحریک احمدیت کا کہنا ہے کہ۔

”آپ (مرزا محمود) نے عربی زبان میں ”الدین الہی“ کے عنوان سے ایک کتابچہ لکھا اور

اسے عرب دنیا میں وسیع پیمانے پر تقسیم کیا۔ جس میں مرزا غلام احمد کی ترکی کی سلطنت کے

زوال کے بارے میں پیش گوئی درج تھی۔ آپ نے اسلامی دنیا کو مرزا غلام احمد کی نبوت کو قبول کرنے کی دعوت دی۔^(۱)

صیہونی حلقوں نے اس رسالے کی مشرق وسطیٰ کے ملکوں میں تقسیم کا اہتمام کیا۔ بہت سے قادیانی ترک مخالف مواد لے کر مسلمان ممالک میں گئے جہاں انہوں نے اپنے سامراجی آقاؤں اور ان کے صیہونی شرکاء کار کے کہنے پر معاندانہ سرگرمیاں شروع کیں۔

پہلی جنگ عظیم

پہلی جنگ عظیم چار سال بلا وقفہ جاری رہی۔ ۱۹۱۴ء کے شروع میں یہ جنگ یورپ کی چند ریاستوں کے مابین تھی۔ بعد میں اس نے تقریباً تمام بنی نوع انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جرمنوں نے اپنی حمایت کے لیے ترکی، نومبر ۱۹۱۴ء میں آسٹریا اور ہنگری اور اکتوبر ۱۹۱۵ء میں بلغاریہ کو ایک سازش کے تحت گھسیٹ لیا۔

مشرق میں پہلی جنگ عظیم کے شروع ہونے سے ایک یوم قبل جرمنوں نے ترکی کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کیا۔ مگر تین ماہ تک ترک جنگ میں شامل نہ ہوئے۔ جرمن اسی تذبذب کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ قسطنطنیہ سے لنگر اٹھانے والے جنگی جہاز جرمنی نے ترکی کو فروخت کیئے تھے۔ ترک سپہ سالار انور پاشا کو کچھ بتائے بغیر جرمنوں نے ان جہازوں کے جرمن عملے کو حکم دیا کہ وہ روسی ساحلوں پر بمباری کریں۔ یہ چال کامیاب ہو گئی۔ پہلے روس نے اور بعد میں دوسرے اتحادیوں نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ چار طاقتوں کے مقابلے میں دنیا کی تقریباً پندرہ طاقتیں کھڑی تھیں۔ برطانیہ نے اس جنگ میں ایک نوآبادیاتی قوت کی حیثیت سے اہم کردار ادا کیا۔^(۲)

مرزا محمود نے نومبر ۱۹۱۴ء کو جرمنوں کی حمایت میں ترکی کے جنگ میں شامل

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد ۵ ص 169۔
۲۔ ایل لیون وڈورڈ۔ برطانیہ وسطی اور جنگ 1914ء۔ میٹھون اینڈ کمپنی لیڈز۔ لندن 1967ء۔

ہونے پر ایک مضمون لکھا۔ انہوں نے ترکی کے اتحادیوں کے خلاف اعلان جنگ کو ”ایک فعل بلا جواز“ قرار دیا اور پرزور اعلان کیا کہ مسیح موعود کی پیش گوئی کے مصداق ترکی خلافت المسلمین کا خاتمہ ہو جانا چاہئے۔^(۱) انہوں نے برطانیہ کی زبردست حمایت کے لیے جماعت کو اکسایا اور اپنی اخلاقی امداد کے ساتھ ساتھ سامراجی جنگی فنڈ میں حصہ لیا۔^(۲) انٹرن امپیریل ریلیف فنڈ میں جماعت نے کافی مالی امداد فراہم کی۔ قادیانی اگرچہ تعداد میں تھوڑے تھے مگر اپنی وفاداری میں برطانوی راج کے لیے متحد تھے۔ الفضل نے تمام مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ حکومت کے وفادار رہیں۔ جنگ کے دوران وقتاً فوقتاً جماعت کی طرف سے ترکی سلطنت کے تباہ ہونے اور اس کی اشیاء و یورپ سے نیست و نابود ہونے کی پیش گوئی کی جاتی رہی۔

جنگ کے زمانے میں حکومت برطانیہ مستقل خطرہ محسوس کرتی رہی کہ برطانوی سامراج کے خلاف ترکی کی جہاد کی اپیل ہندوستانی مسلمانوں میں بغاوت نہ پیدا کر دے۔ یہ بغاوت اگر افغانستان کی جنگجو حکومت کی طرف سے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر حملے کی صورت میں ہو جائے تو اس کا مطلب برطانیہ کے لیے ایک نئے محاذ کا اس وقت کھلنا تھا جب ہندوستانی فوج کی کثیر تعداد پہلے ہی مشرق وسطیٰ اور فرانس کے خلاف لڑنے کے لیے بھجوائی جا چکی تھی۔ تقریباً تمام برطانوی افسر شاہی بشمول وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ کو خطرہ تھا کہ حجاز سے اٹھنے والی کوئی بھی بغاوت ایسے مضامین کی تخلیق کے لیے مہینز کا کام کرے گی۔ چونکہ سلطان ترکی کی تعظیم ہندوستانی مسلمانوں کے ایمان کا حصہ تھی۔^(۳) اس خدشے کو روس کی فوجی کمزوری نے مزید طاقتور بنا دیا۔ روس کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ فارس میں موجود ترک فوجیں افغانستان کے راستے روس پر چڑھ دوڑیں گی۔ اس مسئلے میں ہندوستانی فوج کے برطانوی سپہ سالار سر بیکمپ ڈف کو

۱۔ تاریخ احمدیت جلد ۵ ص ۱۷۸۔

۲۔ ایضاً ص ۱۷۷۔

۳۔ سی آر ریتھمیل۔ برطانوی جنگ۔ مقاصد اور اس کی سفارت۔ کلیرٹن پریس آکسفورڈ۔ لندن ۱۹۷۱ء ص ۸۸۔

یقین تھا کہ افغانستان عالمی جنگ میں ترکی اور جرمنی کی مدد کرے گا۔

اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لیے برطانوی سامراجیوں نے مسلمانوں کے خدشات کو اس اعلان کے ساتھ ختم کرنے کی کوشش کی کہ حجاز کے ”مقامات مقدسہ“ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی۔ برطانوی وزیراعظم اسکوٹھ نے یقین دلایا کہ حملہ آوروں سے ان مقامات کا بچاؤ ان کی خارجہ حکمت عملی کا حصہ ہے۔^(۱) قادیانیوں نے دعائیں مانگیں کہ مقامات مقدسہ پر برطانوی اقتدار قائم ہو جائے اور اس بات پر زور دیا گیا کہ برطانوی اقتدار کی موجودگی میں دوران جنگ یہ جگہیں کسی بھی نقصان سے محفوظ رہیں گی۔ ”ریویو آف ریلیجنز“ قادیان نے ”سورہ الفیل“ سے یہ تہدیت ڈھونڈ نکالی کہ یہ دراصل حکومت برطانیہ کا وعدہ ہے کہ عرب میں کسی بھی حملے کے خلاف وہ ان کا دفاع کرے گی۔

”مگر رب کعبہ جس نے اپنی مقدس کتاب میں تمام حملہ آوروں کے خلاف اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ اس نے اس موقع پر ان عیسائی قوتوں کے وزراء کو تحریک کی کہ وہ ہر جنگ کے شروع سے پہلے پکا وعدہ کریں کہ نہ صرف وہ مسلمانوں کی مقدس جگہوں پر حملہ کریں گے بلکہ ہر حملہ آور کے خلاف ان کی حفاظت کریں گے۔ اگر کوئی حکمران ان خدائی احکامات کی تائید میں کبھی بولا ہے تو وہ برطانیہ عظمیٰ کا بادشاہ ہے۔ جس نے مذکورہ بلا مہد کیا۔ اس کے اس اعلان پر اظہار تشکر کرتے ہوئے ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ اگر مکہ مکرمہ کے مقدس شہر پر کسی بھی حملہ آور کے خلاف برطانیہ کو آواز دی گئی تو خدا برطانیہ عظمیٰ کے ساتھ ہوگا۔ اور اسی طرح دشمن کی فوجوں کے خلاف لڑے گا جس طرح نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کے سال ابراہیم کی فوجوں کے خلاف لڑا تھا۔“^(۲)

قادیانیوں نے انگریزوں کو اپنی خدمات رضا کارانہ طور پر پیش کر دیں۔ اگرچہ کثیر تعداد میں نہ سہی مگر ۱۹۱۵ء میں بعض افراد نے انٹیلی جنس ایجنسی میں ملازمت

۱۔ دنیائے سلم، جلد ۵، ۱۹۱۵ء، ص ۳۰۸۔

۲۔ سلمان دین، جلد ۵، ۱۹۱۵ء، ص ۳۰۸۔

حاصل کر لی اور برطانوی فوجی یونٹوں کے ساتھ مشرق وسطیٰ میں جاسوسی کے لیے چلے گئے۔ مرزا محمد شریف خان قادیانی کو جو پشاور کی سرحدی فوج میں ایک اجرتی حوالدار تھا، جاسوسی کے لیے آمادہ کیا گیا۔ مہتمم پولیس پشاور گرینکسن نے اسے بطور سب انسپکٹر ترقی دی۔ اسے بعض قبائلیوں کے ذریعے بلوچستان کے سواحل پر اسلحہ کی ترسیل پر نظر رکھنے کے لیے خلیج فارس بھجوا دیا گیا۔ وہ کامیاب واپس آیا اور اسے پشاور پولیس میں تھانیدار بنادیا گیا۔ مسٹر گرینکسن نے ایک اور قادیانی مرزا ناصر احمد کو سب انسپکٹر کے عہدے پر ترقی دے کر جاسوسی کے لیے خلیج فارس بھجوا دیا۔^(۱)

چند قادیانی جاسوسوں نے احمدی مبلغین کے روپ میں ان انقلابیوں پر بھی نظر رکھی جو آزاد ہندوستان کے لیے لندن، پیرس، برلن اور ٹوکیو میں سرگرم عمل تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے دوران جنگ ہندوستان کو آزاد کرانے کا پروگرام تیار کیا۔ ترکوں کے ساتھ رابطے کے لیے وہ مجاز تشریف لے گئے۔^(۲) انہوں نے انور پاشا (۱۹۲۲-۱۸۶۱ء) سے ملاقاتیں کیں۔ شریف مکہ کے آدمیوں نے ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھی اور ان کو حراست میں لے لیا گیا۔ اس وقت وہ شریف ترکوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کر چکا تھا۔ ان کو انگریزوں کے حوالے کر دیا گیا جنہوں نے ان کو ۱۹۱۷ء سے لے کر ۱۹۲۰ء تک مالٹا میں قید رکھا۔ ان کے ایک اور رفیق کار مولانا عبید اللہ سندھی افغانستان چلے گئے۔ جہاں انہوں نے ترک اور جرمن انقلابیوں کے ساتھ مل کر شمال مغربی سرحد پر قبائل میں تحریک جہاد شروع کرنے کی کوشش کی۔^(۳)

جنگ کے پہلے دو سالوں کے دوران مغربی سرحدوں پر جنگ جمو کا شکار ہو گئی اور باسفورس کے بند دروازوں کے پیچھے روس اتحادیوں سے علیحدہ ہو کر مدد کے لیے پکارنے لگا۔ اتحادیوں نے فیصلہ کیا کہ ہرمز کے راستے درہ دانیال کے مقام پر ترک

۱۔ جی۔ ایم۔ یوسف، امیر جماعت سرحد۔ تاریخ احمدیہ سرحد۔ منکور عام پریس پشاور ۱۹۵۹ء ص ۱۴۸-۱۴۹۔

۲۔ دیکھئے مولانا حسین احمد مدنی، عقل حیات۔ جلد ۲ دہرند ۱۹۵۴ء ص ۸۱-۱۴۵۔

۳۔ سر مائیکل کوڈوڈز، ہندوستان جیسا کہ میں اسے جانتا ہوں۔ لندن ۱۹۲۵ء ص ۱۷۸ تا ۱۸۰۔ مذہب و دلتان کی رول۔ ہندوستانی بے پناہ۔ مکمل ہندوستان لندن ۱۹۱۰ء۔

دار الخلافہ پر حملہ کیا جائے۔ ۱۹۱۵ء میں کیلی پولی پر ایک برطانوی فرانسیسی حملہ ناکام ہو چکا تھا۔ اتحادیوں نے اپنے حملہ کا رخ سلطنت عثمانیہ کے علاقہ جات بعید یعنی کوہ قاف میسوپوٹیمیا اور مشرق قریب کی طرف موڑ دیا۔

عراق

میسوپوٹیمیا (عراق) میں برطانوی دستوں کی روانگی کا بڑا مقصد ابادان میں تیل کی تنصیبات کا تحفظ تھا اس کے علاوہ عراقی عربوں اور خلیج فارس کے علاقوں کے شیخوں کو جو کہ برطانیہ کی زیر حفاظت تھے یہ بتانا تھا کہ وہ ترکی کے خلاف برطانوی امداد حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال کیا گیا کہ ہندوستان کی حفاظت کیلئے عراق پر قبضہ ضروری ہے۔^(۱)

عراق میں ہندوستان کی برطانوی افواج ترکوں کے خلاف لڑتی رہی تھیں۔ ترکوں نے پہلے تو ان کو پسپا کر دیا اور پھر ان سے ہتھیار ڈلوا لیے۔ برطانوی فوج کی دس ہزار کی نفری کو قط کے مقام پر گھیرے میں لے لیا گیا اور ان کو بچانے کی تمام تدبیریں ناکام ہو گئیں۔ لندن میں جنگی زعماء نے لارنس آف عربیہ کو کہا کہ وہ عراق جا کر ترکوں کو خریدنے کی کوشش کرے۔ اس نے ترک جنرل خلیل پاشا سے رابطہ کیا اور اسے برطانوی فوجیوں کو چھوڑنے کے عوض دس لاکھ پاؤنڈ کا سونا لینے کی پیشکش کی۔ خلیل پاشا اس پر ہنس دیا۔ لارنس نے یہ رقم دگنی کر کے بیس لاکھ کر دی مگر خلیل پاشا نے صاف انکار کر دیا۔^(۲) برطانوی سامراجی جارحیت کے خلاف عراق کو بچانے کے لیے ترک بڑی بہادری سے لڑے۔ پھر بھی بغداد نہ بچایا جاسکا اور برطانوی فوجیں عراق کے تمام اطراف سے فاتحانہ طور پر گیارہ مارچ ۱۹۱۷ء کو بغداد میں داخل ہو گئیں۔ برطانوی فوجوں کی قیادت شیٹلے ماڈ کر رہا تھا۔

عراق کی لڑائی میں قادیانی برطانوی سپاہیوں کے شانہ بشانہ اپنی مذہبی لگن

۱۔ پیٹر کیمپبلڈ۔ دی عربز۔ ۱۹۱۔

۲۔ بائبل اور کھن ص ۶۱۔

اور جوش سے لڑے۔ مرزا محمود دعویٰ کرتے ہیں۔

”عراق کے فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہائے اور میری تحریک پر سینکڑوں آدمی

بھرتی ہو کر چلے گئے۔“ (۱)

مرزا محمود احمد کے برادر نسبتی میجر حبیب اللہ نے میڈیکل کور میں خدمات سرانجام دیں۔ اسے عراق میں اہم انتظامی عہدے پیش کیے گئے۔ اسے سب سے بڑا سامراج کا آلہ کار سمجھا جاتا تھا۔ وہ زین العابدین ولی اللہ شاہ کا بھائی تھا جو کہ فلسطین میں موجود بدنام زمانہ سامراجی آلہ کار تھا۔

ہندوستان میں قادیانی جماعت نے سقوط بغداد پر خوشیاں منائیں اور اس سانحہ پر اپنے حدود و اطمینان کا اظہار کیا۔ سقوط بغداد پر تبصرہ کرتے ہوئے الفضل قادیان لکھتا ہے۔

”میں اپنے احمدی بھائیوں کو جو ہزبات پر غور کرنے کے عادی ہیں، ایک مژدہ بناتا ہوں

کہ بغیر وہ بغداد کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہماری محنت کو رنجش کے لیے فتوحات کا دروازہ

کھول دیا ہے۔ اس سے ہم احمدیوں کو معمولی خوشی حاصل نہیں ہوتی بلکہ سینکڑوں اور

ہزاروں برس کی خوش خبریاں جو الہامی کتابوں میں چھپی ہوئی تھیں آج 1335ھ میں وہ

ظاہر ہو کہ ہمارے سامنے آ گئی ہیں۔“ (۲)

مرزا محمود اور قادیانی جماعت نے برطانوی سامراج کو خراج تحسین پیش کیا۔ انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ برطانوی سامراجیوں نے مشرق وسطیٰ میں عسکری اہمیت کے علاقے ہتھیائے تھے جس سے سامراجی سرپرستی میں انہیں اپنے مراکز کھولنے میں مدد ملے گی۔ (۳)

۱۔ الفضل قادیان۔ 31 اگست 1923ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 13 اپریل 1917ء۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 17 ستمبر 1918ء۔

حجاز

حجاز میں شریف مکہ شریف حسین نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ اسکے چار بیٹے علی، فیصل، عبداللہ اور زید تھے۔ ۱۹۱۴ء میں اس نے عبداللہ کو مصر میں برطانوی قونصل اور سامراجی آلہ کار لارڈ کچر کے پاس برطانوی امداد کے حصول کے لیے بھیجا۔ اس اجلاس کا کوئی عملی نتیجہ برآمد نہ ہوا مگر اس نے دو شخصیتوں کے مابین ایک تعلق قائم کر دیا۔^(۱)

علی اور فیصل ترک افواج میں خدمات سرانجام دیتے رہے اور ان عرب افواج کی قیادت کرتے رہے تھے جنہیں ترکوں نے تربیت دی تھی۔ اپنے والد شریف مکہ کے حکم پر وہ ان افواج کو ترکوں سے دور صحرا میں لے گئے جہاں انہیں چھپا دیا۔ اسی وقت شریف مکہ نے مکہ میں عرب بغاوت کا آغاز کیا۔ اس نے اپنے گھر کی کھڑکی سے رائل نکال کر ترکوں کی بیروں پر گولی چلائی۔ جیسے ہی ترکوں کے خلاف عربوں نے بغاوت کی، مکہ میں موجود برطانوی جاسوسوں نے اپنی سرگرمیوں کو تیز کر دیا۔ لارنس آف عربیہ شریف مکہ اور اس کے بیٹے سے یہ طے کرنے کے لیے چل پڑا کہ برطانیہ کے سیاسی منصوبوں کو کون بہتر انداز میں پورا کر سکتا تھا۔ اس نے فیصل کو چن لیا۔ بغاوت پورے حجاز میں پھیل گئی اور ترکوں کے لیے قبضہ برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔^(۲)

پہلی جنگ عظیم سے ایک سال قبل عیسائی مشنریوں نے حجاز میں اپنے پنجے گاڑنے شروع کر دیے تھے۔^(۳) اسی طرح مرزا محمود نے صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عرب میں بڑی تعداد میں اپنے آلہ کار داخل کر دیے۔ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان لنگو نے جو بنیادی طور پر یہودی تھا، عرب سرزمین پر جاسوسی کی کارروائیوں میں تیزی پیدا کی۔ قاہرہ کے عرب بیورو کے سربراہ گلبرٹ کلین نے ۱۹۱۶ء

۱۔ جینر پبلشنگ، ص ۱۹۸۔

۲۔ دیکھئے ڈی ویلر لارنس، Seven Pillars of Wisdom، شرقی پریس لندن ۱۹۷۳ء، ص ۵۵، ۷۱۔

۳۔ خبر ۱، اور اطلاعات کا سلسلہ نمبر ۸ دسمبر ۱۹۱۹ء، ص ۶۶ (تخیر)۔

میں عرب انجیلی جنس پیورو قائم کیا تھا جس سے قادیانیوں کو ہدایات ملتی تھیں۔ اس نئے قائم شدہ دفتر کا مقصد عرب بغاوت میں برطانیہ کے کردار کو منظم کرنا تھا۔

شام

سامراجی و صیہونی زعماء شام میں ترکی کے اقتدار کے خاتمہ کی بڑی دیر سے توقعات باندھے ہوئے تھے۔ ۱۹۱۵ء کے اوائل میں شام میں ترکی کے سپہ سالار جمال پاشا کے ہاتھ چند ایسی دستاویزات لگیں جو شام میں فرانسیسی قونصل ایف۔ جی۔ پیکو چھوڑ گیا تھا۔ ان دستاویزات میں کچھ قوم پرستوں کو مورد الزام ٹھہرایا گیا تھا۔ جمال نے ان میں سے کچھ لوگوں کو قید کر دیا۔ کچھ کو جلاوطن کر دیا اور کچھ کو پھانسی دے دی اور اس طرح تحریک کچل کر رکھ دی۔ جب جنگ عظیم کے الاؤ بھڑ کے تو صورت حال بہت کشیدہ ہو گئی۔ لارنس نے شریف مکہ اور اس کے بیٹے فیصل کی مدد سے جنگی اہمیت کی حامل بندرگاہ عقبہ پر قبضہ کر لیا جس نے انگریزوں کو شام میں آگے بڑھنے کا موقع دے دیا۔^(۱) برطانوی افواج نے آرکیٹالڈ مرے کی قیادت میں ایک معمولی کامیابی حاصل کی۔ جون ۱۹۱۷ء میں غزہ کی دوسری جنگ کے بعد ایڈورڈ ایلن بائی کمانڈر بنا۔ اس نے ٹینکوں کی مدد سے مشرقی ساحلوں کے کنارے کنارے بڑھ کر جولان کی پہاڑیوں پر حملہ کر لیا اور آخر کار دمشق پر قبضہ کر لیا۔ گیارہ دسمبر ۱۹۱۷ء کو یروشلم بھی فتح ہو گیا۔ اس سے قبل تیس اکتوبر ۱۹۱۷ء کو جرمنی سے بارہ دن پہلے ترکوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ شام میں ۱۹۱۳ء سے زین العابدین ولی اللہ شاہ جو کہ بدنام زمانہ قادیانی خفیہ جاسوس تھا، ایک ترک اتحادی کے بھیس میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھا۔ جنگ کے دوران وہ ترکی فوج میں بھرتی ہو گیا اور یہ ظاہر کرتا رہا کہ وہ ترکوں کی طرف سے لڑ رہا ہے۔ ۱۹۱۸ء میں جب شام انگریزوں کے ہاتھ آ گیا اور ایلن بائی کی قیادت میں اتحادی فوجیں شام میں داخل ہو گئیں۔ ولی اللہ شاہ فوراً ان کی طرف ہو گیا۔ یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے

کہ اس برطانوی مہم کے دوران اگرچہ ترکی کے ہیڈ کوارٹر تلکرم پر زبردست بمباری کی گئی مگر اتحادی دستے آگے نہ بڑھ سکے۔ صرف رائل ایئر فورس اور آسٹریلوی فضائی دستوں کے متواتر حملوں اور کئی مقامات پر سڑک کی بندش نے اتحادیوں کو آگے بڑھنے کے قابل بنایا۔^(۱) ولی اللہ ترک سپاہیوں کے ساتھ اگلے محاذ پر لڑ رہا تھا۔ جب جنگ ختم ہوئی اسے گرفتار کر لیا گیا۔ وہ شامی محاذ پر جنگ کے دوران اپنی سرگرمیوں اور گرفتاری کو حسب ذیل بیان کرتا ہے۔

”پہلی جنگ عظیم کے آخری سال یعنی اکتوبر ۱۹۱۸ء کے آخری ہفتے میں جنرل ایلن بی کے حکم سے میں دمشق میں بطور ایک سیاسی اور جنگی قیدی کے حراست میں لیا گیا۔ مجھے اس وعدہ پر فلسطین لے جایا جانے لگا کہ ایک امر کی تحقیق کرنے کے بعد دمشق واپس کر دیں گے۔ جہاں میں سلطانیہ کا مدیر داخل تھا اور میں نے ابھی تک اس کا چارج بھی کسی کو نہیں دیا تھا۔ مگر دمشق کے اسٹیشن پر جو میدان کی طرف ہے اور جہاں میں فنن میں لے جایا گیا تھا، اسٹیشن ماسٹر سے مجھے اپنی گرفتاری کا علم ہوا۔ وہ مجھے جانتا تھا اس کے پاس میرے ساتھی انگریز فوجی افسر اس غرض سے گئے کہ کلکٹ وغیرہ کا انتظام کریں۔ چونکہ وہ اسٹیشن ماسٹر انگریزی نہیں جانتا تھا اس لیے کاغذات میرے پاس لے آیا۔ ان میں یہ لکھا تھا کہ سید زین العابدین بطور جنگی اور سیاسی قیدی کے جنرل ایلن بی کے حکم سے گرفتار کیا گیا ہے۔ راستہ میں سفری سہولتیں بہم پہنچائی جائیں ورنہ پہلے مجھ سے یہی کہا گیا تھا کہ بعض باتوں کے متعلق تحقیق کرنا ہے اور پھر تم دمشق واپس کر دیئے جاؤ گے۔ ان میں سے طول کرم کے معرکے میں میرے شریک ہونے کا بھی سوال تھا۔ جیسا کہ میجر ویوینن سے مجھے معلوم ہوا تھا۔ جب دو روز قبل مجھ سے پہلی گفتگو کی۔ اس معرکے میں ایک انگریزی کمپنی کا سخت نقصان ہوا تھا اور مجھ پر یہ الزام تھا کہ میں اس میں شریک تھا اور یہ کہ میری ہی اطلاعات کی بناء پر وہ کمپنی جو گھات میں پہاڑوں کے پیچھے چھپی ہوئی تھی، ترکی فوج کے زرنے میں آ گئی اور کمپنی کو سخت نقصان پہنچا۔ نیز یہ کہ میں ۱۶-۱۹۱۵ء میں

۱۔ جی وی کیزی ہوا جی کلاٹ، جنگ عظیم کی تاریخ کا خاکہ۔ نیچر جیوگرافک پریس، ۱۹۲۹ء، ص ۲۳۶۔

ایک فوجی مہم میں شریک ہوا تھا۔ میرا جواب ایک ہی تھا کہ میں احمدی ہوں اور ہمارا مذہب ہی اصلی الاصول یہ ہے کہ جس حکومت میں رہو اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرو۔ غرض مجھے یہ یقین دلایا گیا تھا کہ تم دمشق واپس کیے جاؤ گے اور خود میرا بھی یہی خیال تھا کہ میرے متعلق تحقیقات دمشق میں بھی ہوگی اور مجھے کالج کا باقاعدہ چارج بھی دیتا ہے۔ بعد کو میں اسٹیشن سے ایک کار میں کورٹ مارشل کے لیے ملٹری کیمپ میں پہنچایا گیا۔ مگر وہاں میرے محافظ فوجی ساتھیوں کو جب ایک افسر کی طرف سے یہ حکم ملا کہ اسے بحفاظت تمام آفسرز کے کیمپ میں لے جائیں تو میرے فوجی محافظ اور وارنٹ آفیسرز بھی حیران ہو گئے اور میں بھی حیران تھا۔ جس کیمپ میں مجھے لے گئے وہ اسیر فوجی ترک افسروں کی قیام گاہ تھی۔

چار پانچ دن کے بعد مجھے مغرب سے ذرا پہلے اسٹیشن پر لے گئے۔ اب میں نئے فوجی محافظوں کی معیت میں تھا۔ میں نے ان سے پوچھا۔ ”ہم کہاں جا رہے ہیں؟ تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں سمجھا دمشق کے سوا اور کہاں ہوگا۔ رات اطمینان سے پوری نیند کے ساتھ بسر ہوئی۔ صبح کے وقت میں نے سمندر کی ٹھنڈی ہوا محسوس کی اور اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔ ”ہم کہاں ہیں؟“ انہوں نے کہا۔ ”کھارا“ میں اس لفظ سے کچھ نہ سمجھا اور خاموش ہو رہا۔ جب گاڑی سے اتر کر ریگستانی ٹہنکارے پر ایک کیمپ میں پہنچے تو وہاں مجھے معلوم ہوا یہ قطرہ ہے یعنی وہ پل جو نہر سوز پر ہے۔ بیت المقدس ۱۹۱۷ء میں فتح ہوا۔ اور ایک سال بعد ۱۹۱۸ء میں دمشق فتح ہوا۔ اس ایک سال کے عرصے میں لد سے مصر کی طرف ریل کے ذریعے اتصال پیدا کر لیا گیا تھا۔ اس کا مجھے علم نہ تھا۔ قطرہ سے ہم قاہرہ پہنچے جہاں قصر اہل نامی قلعہ میں جو دریائے نیل کے کنارے واقع ہے، مجھے تقریباً سات ماہ نظر بند رہنا پڑا۔ وہاں دوسرے ترک اور بلغاری اور جرمن وغیرہ فوجی افسر نظر بند تھے۔ زاعلول پاشا بھی ایک دو دن کے لیے وہیں نظر بند رکھے گئے تھے۔“ (۱)

جنگ کے بعد زین العابدین کو ہندوستان بھیج دیا گیا۔ مرزا محمود کو اس کی

گرفتاری کا مکمل علم تھا۔ اسکی رہائی کے لیے وہ وائسرائے ہند سے بھی ملے۔^(۱) جس کے بعد اسے رہا کر دیا گیا۔ چھبیس مئی ۱۹۱۹ء کو وہ ہندوستان واپس پہنچا۔ قادیان میں اسے کافی سالوں تک معتد نشر و اشاعت کا عہدہ ملا رہا۔

اعلان بالقور

یروشلم پر اتحادیوں کے قبضہ سے ایک ماہ قبل دو نومبر ۱۹۱۷ء کو برطانوی حکومت نے بدنام زمانہ بالقور اعلان جاری کیا جو برطانوی حکومت کے سیکرٹری خارجہ نے ایک خط کی شکل میں برطانوی یہودی لارڈ روتھس چائلڈ کو لکھا تھا۔ عربوں کو یہودی مملکت کے قیام کے اعلان کا کچھ پتہ نہ تھا۔ برطانوی سامراجی عربوں کے ساتھ دوہرا کھیل کھیل رہے تھے۔ ایک طرف وہ عربوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ رہے تھے تو دوسری طرف یہودیوں کو خوش کر رہے تھے۔ انگریزوں نے جنگ میں ترکوں کے خلاف امداد کے عوض عربوں کی آزادی گروی رکھ دی۔ اس کا مزید ثبوت اس خط و کتابت سے مل سکتا ہے جو شریف مکہ کے بطور عرب نمائندہ اور مصر میں برطانوی ہائی کمشنر ہنری میکوہن کے بطور انگریزی حکومت کے نمائندہ کے مابین ہوئی مگر انگریزوں نے صیہونیوں کو مطمئن کرنے کے لیے عربوں کو دھوکہ دیا اور عرب دنیا میں ان کے شرمناک منصوبوں کو پورا کیا۔^(۲)

مئی ۱۹۱۶ء میں برطانوی حکومت نے فرانسیسی حکومت اور زار روس کے ساتھ مل کر ایک معاہدہ کو حتمی شکل دی کہ فلسطین کو ترکی سلطنت سے علیحدہ کر دیا جائے اور اسے آزادی دیے بغیر ایک مخصوص حکومت کے سپرد کر دیا جائے۔ اسے پکٹ سائیکیز معاہدہ کہا جاتا ہے۔ نومبر ۱۹۱۷ء تک یہ معاہدہ خفیہ رہا جب روس میں اشتراکی حکومت قائم ہوئی تو وزارت خارجہ پیٹرو گریڈ کے محافظ خانہ میں انہیں ایک نقل مل گئی جس کو انہوں نے عام کر دیا۔^(۳)

عرب بغاوت کو روکنے کے لیے ترکی نے سائیکیز پکو خفیہ معاہدے کی وسیع

۱۔ تاریخ احمدیت، جلد ۴، ص 485۔

۲۔ مسیح حدادی کو ذی قفل۔ فلسطین۔ 1914ء اور 1979ء کے درمیان کاروان یکس 1979ء ص 11۔

۳۔ تاخلی اور یکس۔ ص 90۔

تشمیر کی۔ سپہ سالار جمال پاشا نے شریف مکہ کے بیٹے فیصل کو ایک خفیہ خط لکھا جس میں اس معاہدہ کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ برطانوی حکام اس پر بڑے پریشان ہوئے۔ مگر وزارت خارجہ نے وٹکیت کی ہدایت اور برطانوی سیکرٹری خارجہ اے۔ جے بالفور کی مرضی سے جدہ میں برطانوی نمائندہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ حسین (شریف مکہ) کو نہایت حیلہ سازی کے ساتھ حقائق کو توڑ مروڑ کر اور بددیانتی کے ساتھ ایک جواب دے جس سے ثابت ہو کہ سائیکیز پیکو معاہدہ کا کوئی وجود نہیں۔ یہ محض پروپیگنڈہ ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔^(۱)

مسلمان دنیا کے خلاف سامراجی سازشیں تاریخ کا المناک باب ہیں۔ تاہم ہمارا معاملہ صرف مرزا غلام احمد اور ان کے جانشینوں تک محدود ہے جو فلسطین میں یہودیوں کی آباد کاری اور ترکی سلطنت کے حصے بخرے کرنے کے پر جوش حامی تھے۔

اسرائیل کے بارے میں احمدیہ پیش گوئی

قادیانیوں کا ہمیشہ سے ہی نظریہ رہا ہے کہ مرزا صاحب مسیح موعود کی پیش گوئیوں کے مطابق ایک یہودی ریاست قائم ہوگی۔ مرزا صاحب کی وحی والہامات کی کتاب تذکرہ میں فلسطین میں یہودیوں کے اکٹھے ہونے اور یورپی اقوام کے ان کے بارے میں مثبت رویہ اختیار کرنے کی پیش گوئی موجود ہے۔ ذیل میں ان کے کچھ پیغمبرانہ بیانات والہامات پیش کیے جاتے ہیں جو ان کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہیں۔

”میں نے اسرائیل کو ضرر سے بچالیا ہے۔ فردن اور ہامان اور ان کی فوجیں غلطی پر تھیں۔“

عربوں کے لیے مفید راستے، عرب اپنے گمروں سے نکل پڑے۔“^(۲)

”ریویو آف ریلیجنس“ ان پیش گوئیوں کو نقل کر کے لکھتا ہے۔

”میں نے اسرائیل کو ضرر سے بچالیا ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس مصیبت (جنگ عظیم)

کا نتیجہ یہودیوں کے فائدے میں نکلے گا۔“ (۱)

پہلی جنگ عظیم کے دوران یہودی قوم پرست تحریک کی ابتداء کے بارے میں قادیانی جریدہ لکھتا ہے۔

”اس جنگ عظیم کا ایک پہلو اسرائیل کے یہودیوں کے لیے سازگار حالات پیدا کرنا تھا۔ یہ پیش گوئی واضح طور پر پوری ہوگئی۔ ابھی یہ جنگ ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ جنگ کے نتائج کے بارے میں مسٹر بالفور نے یہ اعلان کیا کہ اسرائیلی جو کہ ایک وطن کے بغیر تھے ان کو ان کی قدیم مادر وطن فلسطین میں آباد کیا جائے گا۔ اتحادی قوتوں نے اسرائیلیوں کے ساتھ ماضی میں ہونے والی زیادتیوں کے ازالے کا وعدہ کیا۔ اسی عہد کی خاطر انہوں نے ترکی سے فلسطین لے کر اسے یہودیوں کا ”قوی وطن“ قرار دیا۔ یہودیوں کا ایک بہت پرانا مطالبہ پورا ہو گیا کہ ان کی قومی وحدت کو پروان چڑھانے والے حالات پیدا کیے جائیں۔“ (۲)

قادیانی جریدہ مزید کہتا ہے کہ اس پیش گوئی کا سب سے دلچسپ پہلو اس کا قرآن میں تذکرہ ہے کہ آخری دنوں میں یہودی فلسطین میں جمع ہو جائیں گے۔

”آخری دنوں کے وعدے کا تعلق مسیح موعود کے ساتھ ہے۔ چنانچہ اسرائیلیوں کا دوبارہ اجتماع مسیح موعود کے وقت میں ہوگا۔ قرآنی الفاظ ”ہم تمہیں اکٹھا کریں گے“ کا مطلب فلسطین میں یہودیوں کے موجودہ اثر کو ظاہر کرتا ہے۔ مختلف ممالک سے یہودیوں کو سفر اور آباد کاری کی سہولتیں مہیا کی جارہی ہیں۔ مسیح موعود کی پیش گوئی میں کہا گیا ہے۔ ”میں بنی اسرائیل کی چارہ سازی کروں گا۔“ یہ اس مخالفت کے خاتمہ کو ظاہر کرتی ہے جو یہودیوں کے آزاد وطن کے خلاف اقوام عالم نے طویل عرصہ تک کی ہے۔“ (۳)

قادیانیوں کی یہ پیش گوئی فلسطین میں یہودیوں کے اجتماع کو ظاہر کرتی ہے اور انصاف کے تمام اصولوں کے خلاف یہودی ریاست کی تخلیق کو ظاہر کرتی ہے۔ یہودیوں کو مرزا صاحب کا شکر گزار ہونا چاہئے جنہوں نے اعلان بالفور سے کئی سال قبل میسزیں

۱۔ ریویو آف ڈیپنچر۔ ریو۔ نومبر ۱۹۷۸ء ص ۳۲۰۔

۲۔ تذکرہ ص ۵۸۳۔ ریویو آف ڈیپنچر ص ۳۲۰-۳۲۱۔

۳۔ ایضاً مزید دیکھئے مرزا محمد احمد۔ اہمیت کی طرف دعوت۔ ریو۔ ۱۹۸۱ء ص ۲۷۶۔

صدی کے اوائل میں ان کے روشن مستقبل کی پیش گوئی کر دی۔ مرزا صاحب کے ایک ہم عصر بہاء اللہ نے جو کہ ایک صیہونی یہودی آلہ کار تھا، اپنی الواح وحی اور بیانات میں یہودیوں کی ایک ریاست کے قیام کی پیش گوئی کی اور ان کی نام نہاد قومی امنگوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا۔ ان کے بیٹے عبدالبہاء نے بھی ایسا ہی کیا۔^(۱)

مانٹیکو سے ملاقات

جنگ عظیم کے دوران مرزا محمود یہودی سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند مانٹیکو سے ملے۔ انہوں نے ہندوستان کی حکومت خود اختیاری کے بارے میں تادیبانی نقطہ نظر کی وضاحت کی^(۲) اور ہندوستانی سیاست میں ممکنہ قادیانی کردار پر بحث کی۔ الفضل قادیان اس ملاقات کو احمدیت کی تاریخ میں ایک سنگ میل قرار دیتا ہے۔ ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کے بارے میں یہ کہا گیا کہ یہ بہت اہم اور ضروری معاملات کے بارے میں تھی۔^(۳)

ہندوستان میں مرزا محمود اپنی ہندوستانی حکمت عملی ترتیب دے رہے تھے تو مشرق وسطیٰ میں نئی سیاسی تبدیلیوں کی روشنی میں لندن میں احمدیہ مشن کا انچارج قاضی محمد عبد اللہ برطانوی پریس میں یہودی وطن کے قیام پر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اس نے یورپی پریس میں یہودیوں کے حق میں ایک مہم چلا رکھی تھی اور جب یروشلم پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا اور برطانوی فوجیں شام میں داخل ہو گئیں تو اس نے برطانوی پریس میں فلسطین کے سقوط پر ایک مضمون شائع کیا۔ اس نے برطانوی حکومت کو اس کی امن انصاف اور مذہبی رواداری کی حکمت عملی پر شاندار خراج تحسین پیش کیا۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کے لیے برطانوی راج ہی سب سے بہترین ہے۔ ایلن بائی نے یروشلم کو جو ”آزادی“ دلائی تھی اسے پہلی جنگوں کے پس منظر میں آخری جہادی

۱۔ ملاحظہ ہو بشیر احمد - بہائیت - اسرائیل کی خفیہ سیاسی تنظیم - راولپنڈی۔

۲۔ الفضل قادیان - 20 نومبر 1917ء۔

۳۔ ایضاً۔

کارروائی قرار دیا گیا۔ اس مضمون کی ایک نقل صیہونیوں کے حامی برطانوی وزیراعظم لائڈ چارج کو بھجوائی گئی تاکہ اس کو یہودی وطن کے قیام کے بارے میں قادیانی موقف سے آگاہ کیا جاسکے۔ وزیراعظم کے سیکرٹری اور ایک کٹر یہودی سرفیلپ ساسون نے اسے شکریے کا خط لکھا اور لائڈ چارج کی انتہائی پسندیدگی سے آگاہ کیا۔^(۱)

جنگ کا خاتمہ

اکتوبر ۱۹۱۸ء میں ترکی نے اتحادیوں سے التوائے جنگ کی درخواست کر دی۔ جرنل اعلیٰ قیادت نے ایک ماہ بعد ایسا کیا۔ جنگ اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ مسلمانان ہند ترکی اور سلطان کے متعلق گہری ہمدردی رکھتے تھے۔ انہوں نے ترکی کی شکست و ریخت سے دوچار سلطنت کے کرب کو محسوس کیا جو بعد میں تحریک خلافت میں بدل گیا۔ دوسری طرف قادیانیوں نے سقوط حجاز، بغداد، شام اور قسطنطنیہ پر خوشیاں منائیں اور اس موقع پر چراغاں کیا۔ انہوں نے زوردار انداز میں برطانوی حکومت کو اپنی بے لوث وفاداری اور اپنی جماعت کی گہری اور پر خلوص مدد کا ہر کڑے وقت میں یقین دلایا۔^(۲) الفضل نے ذیل میں قادیانی مافی الضمیر بیان کیا ہے۔

”درحقیقت برطانوی حکومت ایک ڈھال ہے جس کی حفاظت میں احمدی فرقہ پروان چڑھتا جا رہا ہے۔ اس ڈھال سے دور ہو کر دیکھو کہ کس طرح ہر طرف سے زہریلے تیرتھیں چھید کر رکھ دیں گے۔ پھر ہم اس حکومت کے شکرگزار کیوں نہ ہوں۔ ہمارے مفادات اس حکومت کے ساتھ اس حد تک منسلک ہیں کہ اس کی جابی ہماری تباہی ہوگی اور اس کی ترقی ہماری ترقی۔ جہاں کہیں بھی برطانوی حکومت پہلے پہلے ہوئے گی، ہمیں اپنے مشنوں کے لیے میدان میسر آئے گا۔“

جنگ کے خاتمے پر مسلمانوں نے عمومی طور پر ”امن کے جشن“ منانے سے انکار کر دیا جس کے لیے انہیں برطانوی معاندانہ کارروائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلم لیگ کے امرتسر کے اجلاس میں یہ اعلان کیا گیا کہ مسلمانوں کو ایسی تقریبات سے اجتناب کرنا

۱۔ الفضل کا بیان۔ ۱۹ مارچ ۱۹۱۸ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد ۵ ص ۱۷۷۔

چاہئے کیونکہ ان کے مقامات مقدسہ مسلمانوں کی تحویل سے نکل چکے تھے اور ان کا مذہب ایسی تقریبات سے منع کرتا ہے اور جہاں کہیں بھی ان کے مذہب کے احکامات اور افسران کی خواہشات کا ٹکراؤ ہوا تو انہیں اول الذکر کی پیروی کرنی چاہئے جس کو کوئی بھی ارضی خواہشات نچا نہیں دکھا سکتیں۔ ایک احتجاجی تحریک چلانے کے عزم کا بھی اظہار کیا گیا جس میں برطانوی فوج کا مقاطعہ بھی شامل تھا۔

ایک عیسائی تبلیغی رسالے کی خفیہ اطلاع کا حوالہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ جس میں ”امن کی تقریبات“ کے بارے میں مسلمانوں کا رد عمل ظاہر کیا گیا تھا۔

”جیسے ہی ہم پریس میں جاتے ہیں تو جشن فتوحات کی نوعیت ہم پر واضح ہو جاتی ہے۔ آخری لمحات میں لکھنؤ سے ایک فتویٰ شائع ہوا کہ مسلمانوں کے لیے ان تقریبات میں شمولیت حرام ہے۔ اس میں مرقوہ ہے کہ کس طرح کچے مسلمان خوشیاں منا سکتے ہیں جبکہ ان کی آخری عظمت رفتہ ہاتھوں سے جارہی ہے۔ امیر المومنین اور خلیفۃ الرسول اللہ کی خلافت ایک موم کا گولہ بن چکی ہے۔ نہیں بلکہ کہہ دو کہ یہ اسلام کو تباہ کرنے اور مٹانے کی تیاریاں ہیں۔ بلکہ یہ ماتم کا وقت ہے۔“ (۱) (مولانا عبدالباری فرنگی محل)

اس فتویٰ پر عمل شروع ہو چکا ہے۔ بہت سے دوسرے شہروں کی طرح اس شہر (لکھنؤ) میں بھی تمام گلیوں پر ایک اشتہار تقسیم ہو رہا ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے مشترکہ مقصد کے لیے بھاری مجمع کو بلانے کی تیاریاں جو رہی ہیں تاکہ مہاتما گاندھی اور مولانا عبدالباری لکھنؤ کے فرمودات کو عملی شکل دی جاسکے۔ مسلمان رہنماؤں نے اس میں حصہ لینے کے لیے لوگوں کو دھمکانا تک شروع کر دیا ہے۔

مسلمان پریس نے ”جشن فتوحات“ میں حصہ لینے والوں کو ”ندار اسلام“ قرار دیا۔ ”ہم ان لوگوں کو جنہوں نے مسلمان ہونے کے دعوے کیے اور علماء کے فتاویٰ کے باوجود ”امن تقریبات“ میں حصہ لیا۔ ندار اسلام سے اچھا کوئی لفظ نہیں استعمال کر سکتے۔ آیا وہ کافر ہو چکے ہیں یا نہیں۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہ علماء کا کام ہے کہ اس نکتہ پر اظہار خیال

کریں۔“ (۱)

قادیانیوں نے اس موقع پر خوشیاں منائیں اور جشن امن کی تقریبات میں ”بھرپور حصہ لیا۔ الفضل نے لکھا۔

”تیرہ نومبر ۱۹۱۸ء کو جس وقت جرمنی کے شرائط صلح منظور کر لینے اور التوائے جنگ کے کاغذ پر دستخط ہو جانے کی اطلاع قادیان پہنچی تو خوشی اور انبساط کی ایک لہر برقی سرعت کے ساتھ تمام لوگوں کے قلوب میں سرایت کر گئی اور جس نے اس خبر کو سنا، نہایت شاداں و فرحاں ہوا۔ دونوں سکولوں، انجمن ترقی اسلام اور صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں تعطیل کر دی گئی۔ بعد نماز عصر مسجد مبارک میں ایک جلسہ ہوا۔ جس میں مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب نے تقریر کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کی طرف سے گورنمنٹ برطانیہ کی فتح و نصرت پر خوشی کا اظہار کیا اور اس فتح کو جماعت احمدیہ کے اغراض و مقاصد کے لیے نہایت فائدہ بخش بتایا۔“ (۲)

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کی طرف سے مبارکباد کے تار بھیجے گئے اور حضور نے پانسو روپیہ اظہار و مسرت کے طور پر ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور کی خدمت میں بھجوایا کہ آپ جہاں پسند فرمائیں خرچ کریں۔ بیشتر ازیں چند روز ہوئے ترکی اور آسٹریا کے چھپیاؤں کے لئے کی خوشی میں حضور نے پانچ ہزار روپیہ جنگی اغراض کے لیے صاحب ڈپٹی کمشنر صاحب کی خدمت میں بھجوایا۔ فتح کی خوشی میں مولوی عبد الغنی صاحب نے بحیثیت سیکرٹری انجمن احمدیہ برائے امداد جنگ اور جناب شیخ یعقوب علی صاحب نے بلحاظ ایڈیٹر ’الحکم ہر آزیفیشنٹ گورنمنٹ پنجاب کی خدمت میں مبارکباد کا تار بھیجا۔“ (۳) الفضل نے مزید لکھا کہ اس جنگ میں برطانیہ کی فتح مرزا محمود کی دعا کی قبولیت کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اور خدا کا ایک بڑا فضل یہ ہوا ہے کہ حکومت برطانیہ کا اقتدار و اثر اور بھی زیادہ بڑھنے سے وہ ممالک بھی احمدیت کی تبلیغ کے لیے کھل گئے ہیں جو اب تک بالکل بند تھے۔

۱۔ مسلمان۔ کلکتہ۔ جمعہ نو فروری ۱۹۰۹ء) خبریں اور اطلاعات کا سلسلہ نمبر ۸-۹ جنوری ۱۹۲۰ء۔

۲۔ الفضل۔ ۱۶ نومبر ۱۹۱۸ء۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد ۵ ص ۲۳۸۔

جہاں بالخصوص احمدیت کی بڑی ضرورت تھی۔“ (۱)

جسٹس منیر رپورٹ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے دوران ۱۹۱۸ء میں انگریزوں کے ہاتھوں ترکی کی شکست اور سقوط بغداد پر قادیان میں منائے جانے والی خوشیوں نے مسلمانوں کے دلوں میں شدید غم و غصہ پیدا کر دیا اور احمدیت کو انگریزوں کی لونڈی سمجھا جانے لگا۔ (۲) اس بات کی مزید تصدیق مرزا محمود کے خطبات سے ہوتی ہے جو انہوں نے احمدیہ جماعت کے ساتھ برطانوی تعلقات کے موضوع پر دیئے۔

”احمدیہ جماعت کے برطانوی حکومت کے ساتھ تعلقات دوسری جماعتوں کے ساتھ تعلقات کے برعکس ایک بالکل مختلف نوعیت کے ہیں۔ ان کا ایک دوسرے پر انحصار ہے۔ جتنا برطانوی راج وسیع ہوتا جائے گا، ہمیں بھی آگے بڑھنے کے اتنے ہی مواقع میسر آ جائیں گے اور اگر خدا نخواستہ اس حکومت کو نقصان پہنچتا ہے تو ہم بھی اس کے نتائج سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔“ (۳)

احمدیہ جماعت کے لاہوری ترجمان نے لکھا کہ جنگ کے دوران قادیان ایک سیاسی مرکز بن گیا تھا اور ہندوستان کے اطراف و جوانب سے لوگ سیاسی معاملات پر رہنمائی کے حصول کے لیے مرزا محمود کو خط بھیج رہے تھے۔ حتیٰ کہ دنیا کے دوسرے علاقوں جیسے افغانستان سے بھی لوگ قادیان آتے اور میاں صاحب نے ایک دیانت دار دلال کی طرح حکومت برطانیہ اور ان کے درمیان معاملات طے کرائے۔ قادیان ایک خالصتاً سیاسی مرکز ہے اور جو میاں صاحب کر رہے تھے بڑے بڑے سیاسی شاطر نہ کر سکتے تھے۔ (۴)

۱۔ الفضل۔ قادیان۔ 23 نومبر 1918ء۔

۲۔ منیر رپورٹ۔ ص 196۔

۳۔ الفضل۔ قادیان۔ 27 جولائی 1918ء۔

۴۔ پیغام صلح۔ لاہور 5 دسمبر 1917ء۔

جنگ کے بعد

جنگ کے بعد ہندوستان میں سیاسی واقعات نے ایک نیا رخ لیا اور قوم پرستی کی تحریک کو ایک نیا انداز دے دیا۔ بیس اگست ۱۹۱۷ء کو جنگ کے دوران حکومت ہند نے ایک اعلان جاری کیا جس کے تحت ہندوستان میں ایک ذمہ دار حکومت کو اپنا مقصد قرار دیا۔ اس اعلان کے نتیجے میں حکومت نے ای ایس مانڈیگکو یہودی سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند اور دیگر ممبران پارلیمنٹ کی ایک چھوٹی سی مجلس بنادی جس میں سر ولیم ڈیوک، بی باسو، اور چارلس رابرٹس شامل تھے۔ ان کا کام تھا کہ وہ ہندوستانی حکومت اور سیاستدانوں سے صلاح و مشورہ کریں۔ مانڈیگکو نے مختلف وفد سے ملاقات کی اور افراد اور تنظیموں کی آئینی تجاویز سنیں۔^(۱) سامراج کی حاشیہ بردار جماعت احمدیت کو برطانوی اعلان سے بڑی پریشانی لاحق ہوئی اور انہیں اپنی بقاء خطرے میں نظر آئی۔ ریویو آف ریلیجنز نے اعلان کیا کہ احمدیہ جماعت کا ایک وفد سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند سے ملنے جائے گا تاکہ اسے احمدیہ موقف سے آگاہ کیا جاسکے۔ یہ وفد دہلی میں وائسرائے ہند لارڈ چیمفورڈ سے بھی ملے گا۔ اخبار نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگ مقامی حکومت کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن اس میں احمدیہ جماعت اپنے مفادات کی تباہی محسوس کرتی ہے۔^(۲)

پندرہ نومبر ۱۹۱۷ء کو ظفر اللہ کی قیادت میں نور کنی وفد نے دہلی میں سیکرٹری آف سٹیٹ مانڈیگکو کو ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ اس میں برطانوی حکمت عملی پر جماعت

۱۔ لال بہادر۔ مسلم لیگ۔ یک ٹریڈرز لائبر۔ ۱۹۷۹ء ص ۱۲۳۔
۲۔ ریویو آف ریلیجنز۔ ۴ دیان۔ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۱۷ء۔

کی جانب سے شدید رد عمل کا اظہار کیا اور حکومت خود اختیاری کو مذہبی اقلیتوں خصوصاً احمدیوں کے لیے تباہ کن قرار دیا۔^(۱) مرزا محمود نے بھی ایک ایڈریس تیار کیا جس میں انہوں نے اپنے خیالات کا مکمل اظہار کیا۔ وہ ایک وفد کے ساتھ گورنر جنرل اور سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند سے ملنے دہلی گئے۔ اس خطاب میں انہوں نے وہ وجوہات اجاگر کیں جن کے باعث لوگوں کو ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس میں مندرجہ ذیل نکات پر زور دیا گیا تھا۔

- 1- انگریزوں کی طرف سے ان کی رعایا سے بدسلوکی۔
- 2- یورپیوں کی ہندوستانی لوگوں کے متعلق اختیار کی گئی سماجی زندگی میں جانبدارانہ حکمت عملی جیسے ریل کا سفر، ہتھیار رکھنا، عدالتی مقدمات وغیرہ۔
- 3- بڑھتی ہوئی آبادی سے پیدا شدہ سماجی و معاشی مسائل۔
- 4- تعلیم خصوصاً تکنیکی تعلیم کی کمی۔^(۲)

ظفر اللہ کہتا ہے کہ سیکرٹری آف سٹیٹ اس خطاب سے بہت متاثر ہوا اور اس نے چند نکات کی وضاحت بھی طلب کی۔ اس نے ایڈریس میں دی گئی تجاویز پر محتاط نوٹ تیار کیے۔ جن میں سے چند تجاویز اپنی رپورٹ میں شامل کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ ان تجاویز کو خصوصی طور پر نوٹ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ اہمیت نہ کھودیں اور حتمی تجاویز میں شامل ہوں۔ خلیفہ المسیح مرزا محمود کا عوامی زندگی اور سیاست میں پہلا قدم تھا۔^(۳)

پنجاب میں مارشل لاء

جنگ میں ہندوستانیوں کی شرکت اور ۱۹۱۷ء کے مانٹینگو اعلان نے ہندوستانیوں کے دلوں میں یہ توقعات پیدا کر دیں کہ آزادی کے لیے مناسب اقدامات

۱۔ احمدیہ جماعت کا ایڈریس، دلی، ۱۵ نومبر ۱۹۱۷ء، نیگزین پریس کا دیان من ۱۳۔ مزید دیکھئے ملک ملاح الدین ایم اے اسحاق احمد، جلد ۱۱، رومہ ۱۹۶۲ء، صفحہ ۷۳-۷۵۔

۲۔ راج پور آف دہلی، دسمبر ۱۹۱۷ء۔

۳۔ ظفر اللہ، احمدیت، لندن، ص ۲۳۸۔

اٹھائے جائیں مگر مائیکو، نورڈ آئینی اصلاحات جو ۱۹۱۹ء میں منظر عام پر آئیں، انہوں نے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کو مایوس کر دیا۔ مارچ ۱۹۱۹ء میں برطانوی حکومت نے ابھرتی ہوئی تحریک آزادی کو کچلنے کے لیے رولٹ ایکٹ کا نفاذ کر دیا۔ جو بغاوت کمیٹی کی رپورٹ کا نتیجہ تھا۔ اس ایکٹ کی رو سے کسی بھی شخص کو جس پر بغاوت کا شک ہو یا ناپسندیدہ سرگرمیوں میں ملوث پایا جائے، بغیر مناسب مقدمہ چلائے سزا دی جاسکتی تھی۔ اس قانون کے تحت چند رہنماؤں کی گرفتاری نے حکومت اور عوام کے مابین براہ راست تصادم کی کیفیت پیدا کر دی۔ تیرہ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ امرتسر میں ایک ہولناک المیہ وقوع پذیر ہوا۔ جنرل ڈائر نے سپاہیوں کو پرامن مجمع پر گولی چلانے کا حکم دیا۔ جس کے نتیجے میں چار سو افراد مارے گئے اور تقریباً دو ہزار زخمی ہو گئے۔ پنجاب میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور ہندوستان کے کئی حصوں میں فسادات پھوٹ پڑے۔^(۱)

ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کے لیے قادیانیوں کے دلوں میں کوئی ہمدردی نہ تھی۔ مارشل لاء کے دوران ان کے مبلغین پنجاب کے بڑے شہروں اور قصبوں میں پھرے اور امن کا راگ الاپتے رہے۔ انہوں نے مجاہدین آزادی کی جاسوسی کی اور انہیں گرفتار کروا دیا۔ ملک میں تام نہاد امن کی بحالی کے لیے مارشل لاء افسران کو مکمل تعاون فراہم کیا۔^(۲) اپریل کے احتجاجوں کے دوران مرزا محمود نے شملہ میں وائسرائے کو خط لکھا کہ قادیانی ہڑتالوں میں ملوث نہیں تھے۔ انہوں نے ہڑتال کے دوران اپنے پیروکاروں کو دوکانیں کھلی رکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے لوگوں کے سامنے رولٹ ایکٹ کی وضاحت کے لیے ایک کمیٹی ترتیب دی۔ جس نے اس بات پر زور دیا کہ ہندوستان میں انتظامی اصلاحات کے لیے رولٹ ایکٹ ضروری تھا۔ سکھوں کے لیے گورکھی میں ایک کتابچہ شائع کیا گیا جس میں ان کے ایک گرو کی پیش گوئی یاد دلائی گئی تھی کہ ہندوستان میں برطانوی راج قائم ہوگا اور یہ ایک انصاف پسند اور عادل حکومت ہوگی۔^(۳)

۱۔ وائی بی مہر۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاست کی افواہ۔ ص 138۔

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 5 ص 243۔

۳۔ لاوان ہنر احمدیہ تحریک۔ دلی۔ 1974ء ص 132۔

پنجاب حکومت نے اپنے سرکاری اعلانات میں احمدیہ جماعت کی زمانہ بدامنی میں سرانجام دی گئی خدمات کی بے پناہ تعریف کی۔^(۱) ایک خطبہ جمعہ میں مرزا محمود نے احمدیہ جماعت کی خدمات کا ذکر کیا جو انہوں نے زمانہ بدامنی میں سرانجام دیں۔ آپ رولٹ ایکٹ کے نفاذ اور پنجاب میں انتشار پر جماعت کا موقف اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”جب برطانوی حکومت کے خلاف ہندوستان میں شدید احتجاج شروع ہوا تو اس نے ہندوستانی خیالات میں آگ لگا دی۔ ہندوؤں نے ہوم رول کا مطالبہ کیا تو مسلمانوں نے ترک خلافت کے حق میں مظاہرے کیے۔ ہندوستان میں انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے کوئی ایک تنظیم بھی نہ رہی۔ اس خطرے کی گھڑی میں احمدیہ جماعت کے سوا ہر کوئی خوفزدہ تھا، جس نے ایک جماعت کی حیثیت سے انگریزوں کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔ مجھے یاد ہے کہ بدامنی رولٹ ایکٹ کے بعد پھیلی۔ میں نے اپنی جماعت کے آدمیوں کو قادیان کے پڑوس میں گاؤں کے دولت مند اور بااثر لوگوں کی طرف بھیجا تاکہ انہیں سمجھا سکوں کہ وہ فسادات میں حصہ نہ لیں۔ جب ہم نے انہیں برطانوی حکومت مخالف بدامنی میں شرکت سے اجتناب کی نصیحت کی تو وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح ہم پر لپکے۔ مگر ہم انہیں اپنا موقف سمجھانے میں کامیاب ہو گئے۔ ہم نے انہیں بڑی افساری سے نصیحت کی اور عاجزانہ انداز میں انہیں بدامنی سے دور رہنے پر راضی کر لیا۔ انہوں نے علاقے میں امن کی ترقی میں مدد دی۔ اس کے علاوہ ہم نے پورے پنجاب میں اپنے آدمی بھیجے۔ یہ اتنا خطرناک وقت تھا جیسا کہ انگریز مصنفین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ بغاوت کی ایک چنگاری بھی برطانیہ کا بے تحاشہ نقصان کر سکتی تھی۔ اس کے بدلے میں ہمیں کوسا گیا بلکہ لوگوں نے ہمیں پینا بھی، مگر ہم نے غداری نہیں کی۔ ہم پر امن رہے اور دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کی نصیحت کی۔“^(۲)

۱۔ افضل قادیان۔ 10 مئی 1919ء۔

۲۔ افضل قادیان۔ 4 اپریل 1936ء۔

مرزا محمود شہزادہ ویلز کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔

”اس وقت جب پنجاب میں مارشل لاء نافذ تھا اور صورتحال خطرے سے بھرپور تھی، یہاں تک کہ بعض واقعات میں سرکاری افسران کو اپنے عہدے چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پناہ لینا پڑی تھی تو اس جماعت کے اراکین نہ صرف کہ خود وفادار رہے بلکہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو بھی پر امن رہنے کی تلقین کی۔ کچھ جگہوں پر بلوائیوں نے اس جماعت کے اراکین کو جانی و مالی نقصان پہنچایا مگر وہ ان کی وفاداری کو تبدیل نہ کر سکے۔“ (۱)

پندرہ اپریل ۱۹۱۹ء کو لکھے گئے ایک خط میں مائیکل اوڈوائر لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نے مرزا محمود کے سیکرٹریوں میں سے ایک کو لکھا۔

”اپنے عہدے کے چھ سالہ دور میں اس جماعت نے اپنے قابل احترام سربراہ کی قیادت میں حکومت کے لیے اپنی بھرپور وفاداری کا مکمل اظہار کیا ہے اور ملک کی ترقی اور بھلائی کے لیے اپنی لگن ظاہر کی ہے۔ عزت مآب نے اس جماعت کی طرف سے وصول ہونے والے گراں قدر خیالات پر مسرت کا اظہار کیا ہے جو ان معاملات کے متعلق اٹھائے گئے سوالات پر مبنی ہیں اور جنگ کی انجام دہی اور اندرونی امن کے قیام کے سلسلے میں ہیں۔ وہ ان اہم امور کو اپنے جانشین کو مطلع کر کے خوشی محسوس کریں گے۔ وہ پر امید ہیں کہ ان کا جانشین لیفٹیننٹ گورنر اور اس کے معزز سربراہ کی طرف سے وہ تعاون اور حمایت حاصل کرے گا جو اسے مل رہی ہے۔“ (۲)

جنگ افغانستان

پہلی جنگ عظیم کے دوران جرمن انگلیخت کے باوجود افغانستان غیر جانبدار رہا۔ ۱۹۱۹ء میں اپنے باپ کے قتل کے بعد امان اللہ تخت نشین ہوا۔ اس نے افغانستان کے خارجہ معاملات پر برطانوی تسلط ختم کرنا چاہا جس کے نتیجے میں تیسری جنگ

۱۔ مرزا محمود شہزادہ ویکٹوریہ کی خدمت میں خط۔ ۵ دیاں ۱۹۲۱ء ص ۹۔

۲۔ مرزا محمود احمد۔ ہندوستان سیکرٹری اس کا مل۔ ۱۹۲۷ء ص ۲۸۔

افغانستان چھڑ گئی۔ چونکہ ۱۹۱۷ء میں روس کا اشتراک کی انقلاب سیاسی منظر کو تبدیل کر چکا تھا لہذا افغانستان کے ساتھ جنگ نے برطانوی خارجہ پالیسی پر گہرے اثرات چھوڑے۔^(۱) جنگ سات مئی ۱۹۱۹ء کو شروع ہوئی۔ برطانوی افواج نے جلال آباد کی طرف پیش قدمی کی مگر کئی پسپائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مارشل نادر خان نے قلعہ ٹھل پر قبضہ کر لیا اور انگریزوں کو مجبوراً کابل سے گفٹ و شنید کرنا پڑی جس کا نتیجہ معاہدہ راولپنڈی کی صورت میں نکلا۔ جس پر اگست ۱۹۱۹ء میں دستخط کیئے گئے اور ۱۹۲۲ء میں اس کی توثیق ہوئی۔ انگریزوں کو افغانستان کے خارجہ معاملات میں دخل اندازی ترک کرنا پڑی۔ جنگ کی بالکل ابتداء میں ہی قادیانیوں نے برطانیہ کے لیے بھرتی، مالی امداد اور ساز و سامان کی فراہمی کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ کابل اس ملک کا دار الخلافہ تھا جہاں ان کے آدمیوں کو سنگسار کیا گیا تھا۔ الفضل قادیان بیان کرتا ہے۔

”اس وقت کابل نے گورنمنٹ انگریزی سے مدد کی سے جنگ شروع کر دی ہے۔ احمدیوں کا یہ فرض ہے کہ گورنمنٹ کی خدمت کریں کیونکہ گورنمنٹ کی اطاعت ہمارا فرض ہے لیکن افغانستان کی جنگ احمدیوں کے لیے ایک نئی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ کابل وہ زمین ہے جہاں ہمارے نہایت قیمتی وجود مارے گئے اور ظلم سے مارے گئے اور بے سبب و بلا وجہ مارے گئے۔ پس کابل وہ جگہ ہے جہاں احمدیت کی تبلیغ منع ہے اور اس پر صداقت کے دروازے بند ہیں۔ اس لیے صداقت کے قیام کے لیے گورنمنٹ کی فوج میں شامل ہو کر ان ظالمانہ روکوں کو دفع کرنے کے لیے گورنمنٹ کی مدد کرنا احمدیوں کا مذہبی فرض ہے۔ پس کوشش کرو تمہارے ذریعے وہ شاخیں پیدا ہوں جن کی حضرت مسیح موعود نے پیش گوئیاں کی ہیں۔“^(۲)

افغان جنگ پر اپنی خفیہ اطلاع میں ایک عیسائی مشنری جریدے نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔

۱۔ الفضل قادیان۔ ۱۰ مئی ۱۹۱۹ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ ۲۷ مئی ۱۹۱۹ء۔

”جنگ کے ذریعے قلعہ اسلام کی زمین ہوی پر شکریہ کا اظہار۔ آج انجیل کی تبلیغ کے لیے دو ہی سرزمین بند ہیں، عرب اور افغانستان اور ان میں سے سابقہ اب کھل رہی ہے اور بغداد پہلے ہی ہمارے قبضہ میں ہے اور دوسرے کے بارے میں کون بتا سکتا ہے کہ امیر کابل کی چھیڑی ہوئی جنگ کا کیا نتیجہ نکلے گا۔“ (۱)

لارڈ ریڈنگ کی خدمت میں جوان دنوں ہندوستان کا ایک یہودی وائسرائے تھا۔ قادیانیوں نے ایک ایڈریس پیش کیا۔ اس میں جنگ افغانستان کے دوران اپنی خدمات گنواتے ہوئے کہا۔

”جب کابل کے ساتھ جنگ ہوئی تب بھی ہماری جماعت نے اپنی طاقت سے بڑھ کر مدد دی اور علاوہ اہم قسم کی خدمات کے ایک ڈبل کمپنی پیش کی جس کی بھرتی بوجہ جنگ کے بند ہو جانے کے رک گئی ورنہ ایک ہزار سے زائد آدمی اس کے لیے نام لکھوا چکے تھے اور خود ہمارے سلسلہ کے بانی کے چھوٹے صاحبزادے اور ہمارے موجودہ امام کے چھوٹے بھائی نے اپنی خدمات پیش کیں اور چھ ماہ تک ٹرانسپورٹ کور میں آزریری طور پر کام کرتے رہے۔“ (۲)

۱۹۱۹ء میں گورنر پنجاب سر میکلم ہیلی کو جماعت احمدیہ نے ایک خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ جواب میں اس نے کہا۔

”میرے پیش رو سر ایڈورڈ میکلم کی طرح میں سیاسی معاملات میں اختیار کیے گئے جماعت احمدیہ کے رویے کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ ایک جماعت کی حیثیت سے تم نے اس نظریے کے پیروکار ہونے کا ثبوت دیا ہے کہ سیاسی تحریک کو عقل اور لگن سے چلانا چاہئے تاکہ عوامی تحریک اور تشدد آمیز احتجاج میں ملوث نہ ہوا جائے۔ جنگ عظیم میں ایک جماعت کی حیثیت سے تم نے اپنے رویے سے یہی ظاہر کیا ہے اور ۱۹۱۹ء میں افغانستان کے ساتھ ہماری مشکل میں ایک منصفانہ مقصد کے لیے تم نے ہر قسم کی قربانی کی تیاریاں کیں۔ تم نے

۱۔ خبریں اور تحریکیں نمبر ۸ سلسلہ نمبر ۲ آٹھ جون ۱۹۱۹ء۔

۲۔ افضل ۵ دیان ۴ جولائی ۱۹۲۱ء۔

علاقائی بھرتی کی تحریک کے لیے دلی اور علی امداد فراہم کی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تمہاری سیاست میں تھکندی کی جھلک ہے۔ میں معاشرے کے استحکام کی خاطر تمہاری کوششوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔“ (۱)

روس میں تخریب کاری

جنگ عظیم نے مرزا محمود کو بہترین موقع فراہم کیا کہ وہ مختلف ممالک میں مبلغین کی صورت میں جاسوس بھیج سکے۔ انہیں خصوصی طور پر ان ممالک میں بھیجا گیا جہاں برطانوی و صیہونی سیاسی مفادات کے لیے کام کرنے کی زیادہ ضرورت تھی۔ برطانوی سیاسی محکمہ کی قریبی اعانت سے مشرق وسطیٰ، افغانستان، ترکی اور روس میں تربیت یافتہ جاسوس بھیجے گئے۔ روس کو خصوصی اہمیت دی گئی کیونکہ اشتراکی حکومت کی سامراج مخالف حکمت عملی نے ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے لیے سنجیدہ خطرات پیدا کر دیئے تھے۔

روس کی ممکنہ پیش قدمی کو روکنے کے لیے برطانیہ نے وسطی ایشیاء کے عسکری اہمیت کے حامل ان علاقوں میں اپنا اثر و نفوذ بڑھانا شروع کر دیا تھا جو ہندوستانی انقلابیوں کے لیے برطانوی مخالف سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے ایک اڈے کا کام دیتے تھے۔ ۱۹۱۷ء کے بعد ہندوستانی انقلابیوں کا آہستہ آہستہ سیلاب اٹھنا لگا۔ ۱۹۲۰ء کے آخر تک مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کامل اور پھر تاشقند کی طرف ہجرت کر گئے۔ انہوں نے روس سے عسکری تربیت حاصل کی تاکہ ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف ایک مسلح جدوجہد شروع کر سکیں۔ (۲) وہ انقلابی جو روس سے واپس ہندوستان آئے۔ برطانوی حکومت نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ انہیں پشاور سازش کیس میں مختلف المیادسزائیں سنائی گئیں۔

۱۔ مرزا محمود احمد۔ ہندو مسلم مسئلہ اور اس کا حل۔ ص 3۔
۲۔ جوزف کارل۔ کشمیر میں خطرہ۔ پرنسٹن یونیورسٹی پریس امریکہ۔ 1986ء ص 28۔

بیسویں صدی کے دوسرے عشرہ کے اوائل میں اشتراکی روس نے ازبک، ترکمان اور کارا کپاہ دہقانوں کی یورش کو کچلنے کے لیے ایک حکمت عملی وضع کی جبکہ انگریزوں نے وسطی ایشیاء میں سوویت منصوبوں کے جواب کے لیے جاسوس بھیجنا شروع کر دیئے۔ امریکی قونصل، فرانسیسی آلہ کار کازستان اور ہندوستان محکمہ سیاست کے برطانوی کرنل ہیلے نے ”اشک آباد“ میں اس بغاوت کی پشت پناہی کی جس میں بابی ملوٹ تھے اور جہاں بابیوں نے اپنا مضبوط مرکز قائم کر لیا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں کرنل ہیلے تاشقند آیا۔ اسے قید اور پھانسی کی دھمکیاں ملیں جس پر وہ زیر زمین چلا گیا۔ ایک سال سے زائد عرصہ کی آنکھ بچوئی کے بعد وہ بالشویکوں کی گرفتاری سے بچ نکلا۔ اس نے ان سے تعاون کا سواگت رچایا۔ بعد میں اس نے انہیں اپنی گرفتاری کی لٹا کر دی۔ جسے اشتراکیوں نے قبول کر لیا۔ وہ ۱۹۲۰ء کے اوائل میں خفیہ طور پر ایران جا پہنچا حالانکہ گولیوں کی بوچھاڑ اس کی تعاقب میں تھی۔^(۱)

خیوا اور بخارا میں ایک مضبوط اتحاد اسلامی اور سوویت مخالف تحریک چل رہی تھی۔ مسلمانوں نے روسیوں کے غلاف مقدس جنگ چھیڑ دی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں بخارا روسی قبضے میں چلا گیا۔ تمام اطراف سے برطانوی جاسوسوں نے وسطی ایشیاء کا رخ کر لیا تاکہ اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کر سکیں۔ ترک جنرل انور پاشا اور جمال پاشا بالترتیب بخارا اور افغانستان میں تھے۔ برطانوی ان کی موجودگی کا بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ جمال پاشا اگست ۱۹۲۰ء میں تاشقند پہنچے۔ ہندوستان کی آزادی کے لیے انہوں نے کامل جا کر ایک اسلامی انقلابی انجمن کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے افغانستان میں فوجوں کو منظم کیا۔ اکیس جولائی ۱۹۲۲ء کو آپ کو طغلس میں شہید کر دیا گیا۔ اکتوبر ۱۹۲۱ء میں انور پاشا بخارا پہنچے۔ ان کا مقصد بالشویکوں کے ساتھ مل کر اسلامی نظریات کی بنیاد پر برطانوی سامراجیت کو شکست دینا تھا۔ دریائے جیوں کے علاقے تک ان کی کامرانوں نے ہندوستان میں انگریزوں کے اندر ہچکچاہٹ برپا کر دیا۔

۱۹۲۲ء میں ایک حملے میں وہ بھی شہید ہو گئے۔^(۱)

۱۹۲۱ء میں مرزا محمود نے مولوی محمد امین کو وسط ایشیاء میں ہندوستان کے انقلابی مراکز کی جاسوسی کے لیے بھیجا۔ وہ پہلے ہی بخارا، ایران، افغانستان اور دوسرے عرب ممالک میں احمدیہ مراکز کے قیام کے بارے میں بیانات دے رہا تھا۔^(۲) مولوی امین کی روس میں سرگرمیوں کے سلسلے میں فتح محمد سیال یوں مختصر اعلان کرتا ہے۔

”۱۹۲۱ء میں ہم نے اپنے دوست مولوی محمد امین خان صاحب کو بطور مبلغ بھیجا چونکہ حکومت برطانیہ اور روس کے تعلقات جنگ کے بعد خراب چلے آ رہے تھے۔ اس لیے پاسپورٹ نہ مل سکا۔ مولوی صاحب نے ایران تک پیدل سفر کیا اور ایران کے راستے روس میں داخل ہوئے۔ روسی حکومت کے آدمیوں نے ان کو گرفتار کر لیا اور انگریزی جاسوس سمجھ کر جیل خانے میں ڈال دیا۔ مولوی صاحب موصوف دو سال مختلف جیل خانوں میں رہے اور ان کی سختیوں کو برداشت کرتے رہے کئی وقت ایسے آئے جب کہ انہوں نے مولوی صاحب کو گولی سے مار دینے کا ارادہ کیا۔ اس دو سال کے عرصے میں جیل خانوں سے بعض دفعہ رہائی پا کر چند ماہ ان کو ایسے ملے جس میں وہ لوگوں کو مل کر وہاں کے مسلمانوں کو مذہبی اور اخلاقی حالت کا اندازہ کر سکے اور ان کو تعلیم اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کر سکے۔ دو سال بعد وہ واپس تشریف لائے لیکن تھوڑے عرصے بعد ہمارے امام نے پھر دوبارہ ان کو بھیجا اور اب کی دفعہ ان کے ساتھ ایک اور نوجوان دوست مولوی ظہور حسین صاحب مولوی فاضل کو بھی بھیجا۔ یہ دونوں صاحب پھر ایران کے راستے روس میں داخل ہوئے۔“^(۳)

روس میں قادیانی سرگرمیوں کا بغور مطالعہ منکشف کرتا ہے کہ برطانوی خفیہ کی سرگرم مدد سے ”احمدیہ دعوت“ کے نام سے ہندوستان میں انقلابیوں کی کوششوں کو سیوتاؤ کرنے کے لیے وہ وسطی ایشیاء میں ایک مضبوط مرکز کے قیام کے خواہش مند تھے۔ مرزا

۱۔ ایڈیٹر بکس لورڈ شیل لبریریز لکھے۔ ”سودیت روس میں اسلام“ پال مال پریس لندن۔ ۱۹۶۷ء ص ۵۵۔

۲۔ مرزا محمود کا خطاب ۱۷ مارچ ۱۹۱۹ء ۴۰ دیان ص ۱۰۴۔

۳۔ فتح محمد سیال ”جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات“ لاہور ۱۹۲۷ء ص ۳۰۔

محمود کی تحریروں سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے بلکہ ”شہزادہ ولیز کی خدمت میں تحفہ“ کا اقتباس تو دراصل اسی فریب کی تصدیق کرتا ہے۔

مرزا محمود روس اور وسط ایشیاء میں قادیانی سرگرمیوں کے بارے میں مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کناں ہیں۔

”شہزادہ مکرم! روس کے سلسلے میں اس (مسح موعود) کی پیش گوئی یہ ہے کہ آخر میں روسی حکومت احمدیوں کے ہاتھ لگے گی۔ اس کی دوسری پیش گوئیوں میں ہے کہ ”اس کی (احمدی) جماعت بخارا میں بڑی تیزی سے پھیلے گی جو کہ اب زیادہ دور نہیں“۔^(۱)

وسطی ایشیاء میں اپنے مستقبل کے سیاسی کردار کے متعلق قادیانیوں کی اعلیٰ امیدیں پروان چڑھ رہی تھیں۔ ۱۹۲۳ء میں مولوی امین دوبارہ روس پہنچا۔ روسی حکومت نے اسے کئی مرتبہ برطانوی سامراج کے لیے جاسوسی کے الزام میں دھر لیا۔ اسے اشک آباد اور سرقتد وغیرہ کی جیلوں میں رکھا گیا اور عرصہ سزا پورا ہونے پر اسے ایران یا افغانستان دھکیل دیا جاتا۔ مگر اس نے اپنے مذموم مقصد کو جاری رکھا۔ روس میں مولوی امین کے کام کے بارے میں مرزا محمود کہتے ہیں۔

”چونکہ برادر محمد امین خان صاحب (قادیانی) کے پاس پاسپورٹ نہ تھا۔ اس لیے وہ روس میں داخل ہوتے ہی روس کے پہلے ریلوے اسٹیشن قبضہ پر انگریزی جاسوس قرار دیئے جا کر گرفتار کیئے گئے۔ کپڑے اور کتابیں اور جو پاس تھا وہ ضبط کر لیا گیا۔ وہاں سے مسلم روسی پولیس کی حراست میں آپ کو اشک آباد کے قید خانہ میں تبدیل کیا گیا۔ وہاں سے مسلم روسی پولیس کی حراست میں آپ کو براستہ سرقتد، تاشقند بھیجا گیا اور وہاں دو ماہ تک قید رکھا گیا اور بار بار آپ سے بیانات لیے گئے۔ تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ آپ انگریزی حکومت کے جاسوس ہیں اور جب طاقت سے کام نہ چلا تو قسم قسم کی لالچوں اور دھمکیوں سے کام لیا اور فوٹو لیے گئے تاکہ اس محفوظ رہے اور آئندہ گرفتاری میں آسانی ہو اور اس کے بعد کوہنگی سرحد افغانستان پر لے جایا گیا۔ اور وہاں سے ہرات

افغانستان کی طرف اخراج کا حکم دیا گیا۔ مگر چونکہ یہ مجاہد گھر سے اس امر کا عزم کر کے نکلا تھا کہ میں نے اسی علاقہ میں حق کی تبلیغ کرنی ہے۔ اس لیے واپس آنے کو اپنے لیے موت سمجھا اور رومی پولیس کی حراست سے بھاگ نکلا اور بھاگ کر بخارا پہنچا۔ دو ماہ تک آپ وہاں آزاد رہے۔ لیکن دو ماہ بعد پھر انگریزی جاسوس کے شبہ میں گرفتار کیے گئے اور تین ماہ تک نہایت سخت اور دل ہلا دینے والے مظالم آپ پر کیے گئے اور قید میں رکھا گیا اور بخارا سے مسلم رومی پولیس کی حراست میں سرحد ایران کی طرف واپس کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ اس مجاہد کی ہمت اور اخلاص اور تقویٰ میں برکت دے چونکہ ابھی اس کی پیاس نہ بجھی تھی۔ اس لیے پھر کاکان کے ریلوے اسٹیشن سے رومی مسلم پولیس کی حراست سے بھاگ نکلا اور پیادہ بخارا پہنچا۔ بخارا میں ایک ہفتہ کے بعد پھر ان کو گرفتار کر لیا گیا اور حسب سابق پھر کاکان کی طرف لایا گیا اور وہاں سے سرقند پہنچایا گیا۔ وہاں سے آپ پھر چھپ کر بھاگے اور بخارا پہنچے“ (۱)

مولوی امین وسط الشیاء میں اپنی ”تبلیغی سرگرمیوں“ کے بارے میں لکھتا ہے۔
 ”روسیہ میں اگرچہ تبلیغ احمدیت کے لیے گیا تھا لیکن چونکہ احمدیہ اور برٹش حکومت کے باہمی مفادات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اس لیے جہاں میں اپنے سلسلہ کی تبلیغ کرتا تھا وہاں لازماً مجھے گورنمنٹ انگریزی کی خدمت گزاری کرنی پڑتی تھی کیونکہ ہمارے سلسلہ کا مرکز ہندوستان میں ہے تو ساتھ ہی ہندوستانی حکومت کے احسانات اور مذہبی آزادی کا ذکر لوگوں کے سامنے کرنا پڑتا تھا“۔ (۲)

اکتوبر ۱۹۲۳ء کے دوسرے ہفتے میں قین قادیانی جاسوس مولوی محمد امین مولوی عبدالجید اور مولوی ظہور حسین قادیان سے روس کیلئے روانہ ہوئے۔ (۳) سفر پر روانگی سے پہلے برطانوی خفیہ محکمہ نے انہیں ہدایات دیں۔ مولوی ظہور اپنی بیماری کی وجہ سے شہر میں ٹھہر گئے اور مولوی امین آگے چلے گئے۔ دسمبر ۱۹۲۳ء میں مولوی ظہور بیماری سے صحت

۱۔ النان میں محمود احمد صاحب غلط قادیان مندرجہ اخبار افضل قادیان جلد ۲ مورخہ ۴ اگست ۱۹۲۲ء۔
 ۲۔ محمد امین صاحب قادیانی مبلغ کا مکتوب مندرجہ اخبار افضل قادیان جلد ۵ مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۲۳ء۔
 ۳۔ تاریخ احمدیت جلد ۵ ص ۴۹۳۔

یاب ہو گیا اور روسی علاقے کی طرف بڑھ گیا۔ آرتھک ریلوے اسٹیشن پر وہ برطانوی جاسوس ہونے کے الزام میں پکڑا گیا۔ جب وہ بخارا جانے کے لیے ریل پر سوار ہونے ہی والا تھا۔ روس کی خفیہ پولیس ”شہکا“ نے اس کا بیان قلم بند کیا اور احمدیہ جماعت کے برطانوی حکومت کے ساتھ تعلقات کے متعلق بہت سے سوالات کیے۔ روس میں قادیانی مبلغین کی سرگرمیوں کے بارے میں مولوی ظہور کا اپنا بیان حسب ذیل ہے۔

”روسی افسر نے مجھ پر چند سوالات سیاست اور باقی مذہب کے بارے میں کیے۔ اس نے مجھ سے برطانوی راج کے خلاف گاندھی، محمد علی اور شوکت علی کی شروع کردہ سیاسی تحریکوں کے بارے میں میرا موقف دریافت کیا۔ میں نے بتایا کہ ہم احمدی اپنے امام کی زیر ہدایت کام کرتے ہیں۔ ہم کسی تحریک میں حصہ نہیں لیتے اور نہ ہی ملک میں کسی کے خلاف امن سرگرمی میں حصہ لیتے ہیں جو بغاوت تک جا پہنچے۔ ہم جہاں بھی رہتے ہوں‘ امن قائم رکھنے میں اپنے حکمرانوں سے بھرپور تعاون کرتے ہیں۔“ (۱)

مولوی ظہور روسی جیلوں میں تقریباً دو سال تک رہا۔ ۱۹۲۶ء میں مرزا محمود نے برطانوی حکومت سے استدعا کی کہ وہ روسی حکومت کی قید سے اسے چھڑائے۔ ماسکو میں برطانوی نمائندہ کو کہا گیا کہ وہ یہ معاملہ دوسری حکام کے ساتھ اٹھائے۔ اس طرح اسکو رہائی مل۔ وائسرائے ہند لارڈ اردن کو پیش کیے جانے والے ایک ایڈریس میں قادیانی جماعت نے روسی قید سے مولوی ظہور کو چھڑوانے کے لیے برطانوی سفارت کاری پر پرزور تشکر و امتنان کا اظہار کیا۔

”ہم اس موقع پر گورنمنٹ برطانیہ کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس نے ہر حالت میں ہماری حفاظت کی ہے اور پچھلے دنوں میں ہی جناب کے زمانہ وائسرائیلٹی میں ہمارے ایک مبلغ مولوی ظہور حسین صاحب کو جنہیں روسی حکومت نے نہایت سخت قید سے جس کا گہرا اثر ان کی صحت پر پڑا ہے نکال کر بحفاظت تمام مرکز سلسلہ میں پہنچایا ہے۔ جسکا ہم ایک دفعہ پھر اس موقع پر بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔“ (۲)

۱۔ مولوی ظہور حسین۔ ”آپ جی“۔ ۵۴ دیان م ۳۴۔

۲۔ الفضل ۵ دیان۔ ۸ دج ۱۹۲۷ء۔

یہاں یہ بھی ذکر ہو جائے کہ ۱۹۳۷ء میں درون خانہ حالات سے چند باخبر قادیانیوں نے جو مرزا محمود کی پاپائیت کے مخالف تھے ایک تحریک شروع کی۔ انہوں نے مرزا محمود کے خلاف سنگین قسم کے اخلاقی الزامات لگائے اور ان کے ثبوت میں ٹھوس شہادتیں بھی پیش کر دیں۔ ان میں فخر الدین ملتانی اور عبدالرحمان مصری زیادہ اہم تھے۔ ان میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ مولوی امین کے دوستانہ مراسم تھے۔ اس نے روس سے کی گئی خفیہ سیاسی سرگرمیوں کے افشاء کی دھمکی دی جن میں وہ خود بھی عرصہ دراز سے ملوث تھا۔ فتح محمد سیال نے جو کہ مرزا محمود کا بڑا چہیتا تھا۔ مولوی امین کے ساتھ جھگڑا شروع کر دیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہ لائی جاسکی کیونکہ قادیان میں مرزا محمود کی آمریت میں ایک متوازی حکومت قائم تھی۔^(۱)

ترکی

پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکوں کے لیے حکومت کرنے کے لیے بحیرہ اسود کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا رہ گیا تھا مگر جب برطانوی شہر پر یونان نے اناطولیہ کے بحیرہ روم کے سواحل پر چڑھائی کی تو ترکوں کی قوت نئے محور پر جاگ اٹھی۔ مصطفیٰ کمال جنگ کے دوران جو انرڈی سے لڑا تھا۔ اس نے مشرقی اناطولیہ میں مزاحمتی قوتوں کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ انقرہ میں قوی اسمبلی کے اجلاس میں اسے صدر چن لیا گیا۔ ترکی نے اگست ۱۹۲۰ء کے معاہدہ سیورے کی ظالمانہ شرائط کو مسترد کر دیا۔ جن کی رو سے ترکی کو اس کے خوشحال ترین صوبوں سے محروم کر کے بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا تھا۔ ۲۲۔ ۱۹۲۰ء کی ترکوں اور یونانیوں کی شدید جنگیں یونانیوں کی مکمل شکست پر منتج ہوئیں۔ جب مصطفیٰ کمال کی فوجیں یونانیوں کو یورپی ترکی سے بھاگا کر درہ دانیال کی طرف بڑھ رہی تھیں تو انگریزوں کے ساتھ لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔

مرزا محمود نے احمدی مبلغین کے روپ میں اپنے آلہ کاروں اور جاسوسوں کو

ترکی کے اندر تخریبی کارروائیوں کے لیے روانہ کیا۔ برطانوی خفیہ محکمہ کے ساتھ ساز باز کر کے آپ نے مصطفیٰ صغیر کو جو کہ بنارس کا ایک مسلمان تھا، بدنام زمانہ سی آئی ڈی سپرنٹنڈنٹ معراج دین کے ساتھ مصطفیٰ کمال کو قتل کرنے کے لیے ترکی بھیجا۔ مصطفیٰ کمال پر قاتلانہ حملہ سے پہلے ہی وہ پکڑا گیا۔^(۱) اس نے اپنا جرم تسلیم کر لیا اور ان ترکوں کے نام ظاہر کر دیئے جو اس مقصد کے لیے حکومت برطانیہ نے خریدے تھے۔ اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ افغانستان کے امیر حبیب اللہ کے قتل میں بھی ملوث ہے۔ انا ترک کے قتل پر اسے ایک لاکھ پاؤنڈ انعام ملنا تھا۔ برطانیہ کی اس سازش پر مسلمانوں نے شدید غم و غصہ کا اظہار کیا۔^(۲) ترکوں کی تحریک قومیت ابھرنے کے ساتھ ہی برطانوی اثر و نفوذ تیزی سے کم ہونے لگا تو قادیانی مداخلت کار تیزی سے استنبول اور ترکی کی سرحدوں پر پہنچنا شروع ہو گئے مگر ان میں سے بہت سے پہچان لیے گئے اور گرفتار کر لیے گئے۔ مرزا محمود نے ترک حکام کے ہاتھوں قادیانیوں کی گرفتاری پر غم و غصہ کا اظہار کیا۔^(۳)

معاہدہ سیورے (۱۹۲۰ء) نے معزول سلطنت عثمانیہ میں کردوں کے اکثریتی علاقے میں ایک کرد ریاست کے قیام کا بھی عندیہ دیا تھا۔ جب مصطفیٰ کمال نے معاہدہ سیورے منسوخ کیا تو یہ خواب بھی اپنی موت آپ مر گیا۔ تین سال بعد جب تیس جولائی ۱۹۲۳ء کو معاہدہ لوزان عمل میں لایا گیا تو اس میں ایک ریاست کا حوالہ تھا۔ ۱۹۲۳ء میں انا ترک نے ترکی میں قائم خلافت کا منصب ختم کر دیا۔

۱۹۲۵ء میں کردوں نے بغاوت کر دی۔ نقشبندی سلسلہ کے ایک روحانی سردار شیخ سعد کی قیادت میں وہ خلافت کا احیاء چاہتے تھے۔^(۴) مصطفیٰ کمال نے خطرے کا احساس کرتے ہوئے اعلان کیا کہ کرد بغاوت کے پیچھے برطانیہ کا ہاتھ ہے جس کا مطلب

۱۔ آغا شورش کا شیری۔ "تحریک فتح نبوت" ۱۹۷۶ء لاہور۔

۲۔ مولانا انعام اللہ خان کمال انا ترک۔ لاہور۔ ص ۱۲۴۔

۳۔ الفضل قادیانی۔ ۱۱ اپریل ۱۹۲۱ء۔

۴۔ کیپٹن شیخ اے وجیہ The Kurds لاہور ۱۹۵۵ء ص ۱۶۳۔

ہے کہ ترکی کا وجود خطرے میں ہے۔ بغاوت کچلنے میں دو ماہ لگ گئے۔ خصوصی فوجی عدالتیں جنہیں عدالت ہائے آزادی کہا جاتا تھا، قائم کی گئیں۔ شیخ سعد سمیت چھیالیس سرداروں کو پھانسی دے دی گئی۔

مصطفیٰ کمال نے اسمبلی کے اندر اس راز سے پردہ اٹھایا کہ

”اس سارے معاملے کے پیچھے برطانیہ تھا۔ جنگ عظیم میں برطانیہ نے کردوں کو ہمیشہ ترکی کو ذک پہنچانے کے لیے استعمال کیا تھا۔ ترکی کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کی خاطر اس نے اپنے آلہ کاروں لارنس اور نوئل کو بھیجا۔ معاہدے سیورے میں انہیں ایک علیحدہ ریاست کے قیام کا لالچ دیا گیا تھا اور ایک بار پھر ان کے آلہ کار قبائل میں باغیانہ تقریریں کرتے اور اسلحہ تقسیم کرتے ہوئے پائے گئے۔ برطانیہ کو موصل اور اس کے تیل کے مسئلے پر مطلب تھا۔ کرد موصل اور ایران کے تیل کے لیے کئی کی حیثیت رکھتے تھے۔ برطانیہ اس خفیہ حربے کے ذریعے ترکی کو موصل چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا اسی لیے شیخ سعد غدار سلطان خلیفہ وحید الدین کے حق میں آواز بلند کرتا رہا۔ تمام لوگ برطانیہ اور اس پرانے آلہ کار کے درمیان تعلقات سے بخوبی واقف ہیں اور حزب مخالف کے رہنماؤں نے اس دوستے کے ساتھ شریک کار ہو کر جمہوریہ ترکی کو تباہ کرنے کی روش اپنائی تھی۔ وہ خود غدار تھے اور پورے ملک میں عوام کو اکسانے میں سرگرم تھے۔ کردوں کی پائی ہوئی مکر ترکی اب بھی سنگین خطرات سے دوچار تھا۔ یہ خطرہ داخلی نوعیت کا تھا۔“ (۱)

بغاوت کے پینتیس سال بعد ۱۹۵۸ء میں مرزا محمود نے راز آشکارا کیا کہ شیخ سعد نقشبندی نہیں دراصل احمدی سلسلہ سے وابستہ تھے، وہ کہتے ہیں۔

”کرو لیڈر سعد پاشا جس نے مصطفیٰ کمال کے زمانے میں بغاوت کی، احمدی تھا۔ اس کا کورٹ مارشل ہوا، اس کا بیان ترکی اخبارات میں شائع ہوا اور وہاں سے مصری اخبار نے نقل کیا۔“ (۲)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ سعد کی تحریک برطانوی سامراج کی آشیر باد

۱۔ ایچ سی۔ آر سترگ۔ گمرے وولف۔ دوبارہ مطبعہ کوشہ ادب کوئٹہ۔ ص 66-264۔

۲۔ الفضل ربیعہ 18 فروری 1951ء۔

سے چلی اور اسکے پیچھے قادیانی جاسوس پوری طرح سرگرم تھے۔ اس بات کی شہادتیں موجود ہیں کہ قادیانی آلہء کار ترکی میں کافی عرصہ تک سرگرم عمل رہے۔ سولہ اگست ۱۹۲۶ء کو الفضل قادیان نے رپورٹ دی کہ ترکی میں اکھاڑ پچھاڑ ترک حکام کی بدعہدی کو ظاہر کر رہی ہے اور مسیح موعود کی پیش گوئیوں کا امتحان بھی لے رہی ہے۔ اگرچہ اس وقت تک ترکی حکومت ایک نئی سلطنت میں تبدیل ہو چکی ہے اور ”پہلی حکومت ترکی کی خاک تک اکھاڑ کر پھینک دی گئی ہے“۔^(۱)

تحریک خلافت

التوائے جنگ کے معاہدہ کے بعد اتحادیوں کی ترک دشمنی نے ایک نیا انتہا پسندانہ رویہ اختیار کر لیا۔ برصغیر کے مسلمان اس سے چوکنے ہو گئے۔ وہ ترکی کی سالمیت کے حق میں تھے۔ چھبیس جنوری ۱۹۱۹ء کو لکھنؤ میں ایک اجتماع منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا عبدالباری نے کی۔ ایک ”خلافت کمیٹی“ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بائیس ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنؤ میں ایک خلافت کانفرنس معرض وجود میں آئی۔ جس میں تحریک کو کامیابی سے ہمتار کرنے کے لیے طریق کار مرتب کرنے پر سوچ بچار کیا گیا۔ اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جنگ عظیم کے خاتمے پر جشن فتح کا مقاطعہ کیا جائے اور احتجاجی جلسے منعقد کیئے جائیں۔ اگر ترکی پر کوئی غیر منصفانہ معاہدہ مسلط کرنے کی کوشش کی جائے تو اس کا مقابلہ کیا جائے۔

تحریک خلافت میں قادیانوں نے غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا۔ کل ہند مسلم کانفرنس کے لیے مرزا محمود نے ایک مضمون لکھا۔ ترکی کے مستقبل کے سوال پر غور و خوض کے لیے کانفرنس کا اجلاس اکیس ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ اس مضمون میں اس بات پر زور دیا گیا کہ برطانیہ کے لیے وفاداری میں کمی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہ ایک مذہبی فریضہ ہے اور مسلمانوں نے برطانوی راج سے بہت سے فوائد حاصل کیئے ہیں۔

احمدی کسی بھی قیمت پر خلیفہ کے منصب خلافت کو تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے۔ خلیفہ کے اصل منصب کے لیے اس عاجز یعنی مرزا محمود کے علاوہ کوئی بھی مستحق نہ تھا۔^(۱) احمدیہ جماعت اپنا دنیاوی بادشاہ، شہنشاہ برطانیہ چارج پنجم کو سمجھتی تھی جو کہ شاہ آئرلینڈ اور شہنشاہ ہند بھی تھے اور روحانی سربراہ اور خلیفہ مرزا محمود تھے۔^(۲)

مرزا محمود احمد نے کہا کہ

”اتحادی قوتوں میں سے اگر کسی نے ترکی کے لیے اظہار ہمدردی کیا یا کوئی مدد کا خواہش مند تھا تو وہ صرف برطانیہ عظمیٰ تھی۔ یہی طاقت تھی جو امن کانفرنس میں شاہ حجاز کے موقف کو پیش کرتی رہی تھی اور جسے حکومت حجاز کے نیم سرکاری رسالے ”قبلہ“ نے ایک سے زیادہ دفعہ تسلیم بھی کیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ مسلمانوں کو برطانوی سرکاری تمام اچھی خدمات ذہن میں رکھنی چاہئیں۔ چاہے وہ جو بھی قدم اٹھانا چاہیں۔ یہ سوچ لیں کہ ہم کہیں آخری دوست بھی غلٹ میں گنوا نہ بیٹھیں اور ناشکری کے مرتکب ہوں۔“^(۳)

مرزا محمود نے خلافت عثمانیہ کے خلاف برطانیہ کی کٹھن حکمت عملی کا یہ جواز پیش کیا کہ یہ مسلمانوں کی ہمدردی پر مبنی تھی۔ مسلمانوں کو یہ احساس کرنا چاہئے کہ جب سے برطانیہ نے دوسری اقوام کی عسکری اور مالی امداد کا بیڑا اٹھایا ہے جو کہ مسلمانوں کی ان خدمات سے کہیں زیادہ ہیں جو انہوں نے جنگ کے فاتحانہ اختتام کے لیے ہیں اور شریک جنگ ریاستوں نے کچھ معاہدہ جات کیے ہیں جن کی تکمیل کے لیے بھی برطانیہ پر زور ڈالا جا رہا تھا۔ ان تمام چیزوں نے برطانیہ کو مسلمانوں کے موقف کی اس حد تک وکالت سے روک دیا ہے جس کی آخرا لڈ کر توقع رکھتے تھے۔ آخر میں انہوں نے نصیحت کی کہ ان حالات میں کہ کوئی گفت و شنید شروع نہ کی جائے اور نہ شروع کرنے دی جائے جس سے یہ تاثر پیدا ہو کہ برطانیہ مسلمانوں کے معاملات کو منصفانہ طریقے سے نہیں سلجھا رہا۔ مسلمانوں کو وہ سب کچھ کرنا چاہئے جس سے برطانیہ کے ہاتھ مضبوط

۱۔ تاریخ احمدیت جلد ۵ ص ۲۴۹۔

۲۔ مرزا محمود احمد۔ ترکی کا مستقبل۔ ۵ دیان ۱۹۱۹ء۔

۳۔ مرزا محمود احمد۔ ترکی کا مستقبل۔ ۵ دیان ۱۹۱۹ء۔

ہوں اور ملک میں اندرونی مشکلات پیدا نہیں کرنی چاہئیں۔^(۱) انہوں نے اپنے اخبار میں اس بات پر زور دیا۔

”ماتے یاد رکھنا سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ کئی ایسے لاپرواہ لوگ ہیں جو موجودہ

صورت حال کا فائدہ اٹھانا چاہیں گے اور جہاں انہیں دعا دینی چاہئے وہاں دھمکی دیں

گے اور دوستانہ استدعا کی بجائے غیر دوستانہ دباؤ ڈالیں گے۔ چونکہ برطانیہ پہلے ہی

مسلمانوں کے موقف کی وکالت کر رہا ہے۔ مسلمانوں کے لیے مناسب لائحہ عمل یہی ہونا

چاہئے کہ وہ اس پر شکر گزار ہوں جو ماضی میں ان کے لیے ہوتا رہا ہے اور اہتماس کرنا

چاہئے کہ مستقبل میں بھی اسی سمت پر کوششیں جاری رکھی جائیں۔ انگلستان میں کمیٹی کے

لیجے کوئی کانفرنس، خطبہ، چندے، کتبوں اور رسالوں کی تقسیم یا رقم بھجوانے کی بجائے

ایک معین کمیٹی بنانی چاہئے جو مجوزہ مفروضوں کی حمایت میں دلائل اکٹھے کر سکے۔“^(۲)

دسمبر ۱۹۱۹ء کے وسط میں ظفر اللہ کی قیادت میں ایک احمدی وفد لیفٹیننٹ گورنر

پنجاب ایڈورڈ میکلیکین سے ملا۔ برطانوی سرکار کو اپنی زبردست وفاداری اور جنگ عظیم

اول^(۳) کے دوران اپنی خدمات گنوانے کے بعد ایڈریس ترک مسئلہ پر یوں روشنی ڈالتا ہے۔

”مذہبی طور پر ہمارا موقف یہ ہے کہ ہمارے لیے سلطان ترک سے وفاداری کا کوئی جواز

نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ صرف مسیح موعود کا جانشین ہی مسلمانوں کا روحانی رہنما ہو سکتا

ہے اور اپنے دنیاوی حاکم کے طور پر ہم صرف اسے تسلیم کرتے ہیں جس کے ماتحت ہم رہ

رہے ہیں۔“^(۴)

”اس خطاب کی نقول برطانوی پارلیمان کے ممبران میں تقسیم کی گئیں تاکہ انہیں بھی وسیع

پیمانے پر پھیلتی احمدیہ جماعت اور اس کے سیاسی نظریات سے آگاہی ہو جائے۔“^(۵)

تحریک خلافت کے عروج کے زمانے میں مرزا محمود نے یہ دعویٰ کیا کہ انہیں

۱۔ ایضاً۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ الفضل ۵ دیاں 22 دسمبر 1919ء۔

۴۔ پنہر۔ احمدیہ تحریک۔ ص 133۔

۵۔ الفضل ۵ دیاں 12 اپریل 1920ء۔

اللہ آباد کی خلافت کانفرنس میں مولانا عبدالباری فرنگی مجلی نے مدعو کیا ہے۔ ایک طرف تو انہیں خلافت تحریک کے رہنماؤں کی جانب سے حملوں کا خدشہ تھا اور دوسری طرف اپنے بھائی بندہوں کی طرف سے محبت اور نیک خواہشات اور اسلام کیلئے خدمات کے جذبہ نے مجبور کیا کہ وہ اس نکتہ پر اپنے موقف سے انہیں آگاہ کر سکیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ لوگ اس کو کس مفہوم میں لیں۔^(۱)

انہوں نے ایک مضمون میں خلافت کے مسئلے پر اپنا موقف بیان کر کے اس مضمون کو ایک وفد کے ساتھ خلافت کانفرنس میں بھیجا۔ انہوں نے اس میں عرب دنیا میں رائج لیگ آف نیشنز کے انتدابی نظام اور فلسطین میں پوری آباد کاری کے متعلق کچھ سیاسی سوالات اٹھائے۔ احمدیہ تحریک پر تحقیقی مقالے میں پروفیسر لاوان نے بڑا مناسب سوال اٹھایا ہے کہ

”کیا کوئی احمدیت کے ابتدائی دور میں ایسا قدم اٹھانے کی سوچ سکتا تھا؟ مرزا غلام احمد یا حکیم نور الدین ایسا قدم اٹھا سکتے تھے؟ بدلتے حالات نے قادیانیوں کو ایسے سوال اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا لیکن ان کی بنیادی پالیسی ایک ہی رہی۔ اللہ آباد کانفرنس احمدیوں کی شمولیت مستقبل میں مسلمانوں کے ممکنہ مظالم کی صورت اختیار کر سکتی تھی۔ یہ ظاہر کرتی ہے کہ احمدی حکومت کو خطوط لکھنے اور دھڑو روانہ کرنے کی جد سے آگے بڑھ چکے تھے۔ اب وہ قوم پرستوں، اتحاد اسلامی کے حامیوں اور خلافت کے علمبردار مسلمانوں کے مد مقابل آ گئے تھے۔“^(۲)

قادیانی اور عیسائی اپنی نجی محفلوں میں مسلمان ممالک کی محکومی پر اظہار اطمینان کرتے تھے۔ ایک خفیہ رپورٹ میں ایک عیسائی اخبار نے لکھا۔

”ہم مسلمان تعلقات خلافت کے سوال پر مضبوط ہو رہے ہیں۔ یہ حیران کن امر ہے کہ دونوں کے برادرانہ تعلقات اس طور سے پروان چڑھ رہے ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ سلسلہ

کہاں تک چلے گا اور آیا یہ واقعی بھائی چارہ ہے یا وقتی مفاد پرستی۔ مگر کئی عیسائی سمجھتے ہیں۔ قدیم کتب میں بتایا گیا زمانہ آ گیا ہے۔ غیر یہود حکومتیں جنہوں نے طویل عرصہ تک شہر مقدس پر ظلم کو پامال کیا ہے، اب اس کی جگہ یہودیوں کی مقدس قوم لے گی۔^(۱)

تحریک عدم تعاون

رولٹ بل کے منظور ہونے کے ساتھ ہی غیر معمولی واقعات جیسے سانحہ امرتسر معاہدہ سیورے اور خلافت تحریک کی وقوع پذیری نے عدم تعاون کے طریق کار کو ناگزیر بنا دیا تھا۔ اگست ۱۹۲۰ء میں تحریک عدم تعاون اپنے زوروں پر تھی۔ لوگوں سے کہا گیا کہ وہ خطابات واپس کر دیں اور وہ تمام عہدے جو برطانوی حکومت نے عطا کیئے تھے اور گورنمنٹ کی منعقد کردہ تمام سرکاری و نیم سرکاری تقریبات سے لا تعلقی کا اظہار کر دیں۔ سرکاری اداروں سے طلبہ کا اخراج۔ برطانوی عدالتوں اور غیر ملکی سامان کا پرچار کیا گیا۔

شدید برطانیہ مخالف جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی خاطر قادیانیوں نے عدم تعاون کے نظریہ پر شدید تنقید کی اور ہندوستان کے مسلمانوں پر اس مہم کے اطلاق کا تفصیلی جائزہ لیا۔^(۲) مرزا محمود مسلمانوں کے ساتھ کسی ہمدردی کے تحت ایسا نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کے برطانوی آقاؤں کے مفادات کے تحفظ نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ عدم تعاون کی مخالفت کریں۔

تحریک ہجرت

عدم تعاون کو تحریک ہجرت نے قوت بہم پہنچائی۔ مسلمان علماء کے ایک طبقے نے برصغیر سے افغانستان کی طرف ہجرت کا پرچار کیا۔ پہلے پہل کابل حکومت نے

۱۔ تجزیہ ایڈولف سلسلہ ۸ نمبر ۷ نومبر ۱۹۱۹ء۔

۲۔ جے ڈی شمس۔ پاکستان اور جماعت احمدیہ۔ ریلوہ ۱۹۴۸ء ص ۱۷۔

تحریک کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا مگر مہاجرین کا ہجوم دیکھ کر پالیسی بدل لی۔^(۱) اور بہت سے لٹے پٹے مسلمان کامل سے واپس ہندوستان آنے پر مجبور ہو گئے۔ کچھ ان میں سے روس چلے گئے اور اشتراکیت کے علمبردار بن گئے۔ نتیجتاً انہوں نے ہندوستان میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کی بنیاد رکھی اور برصغیر میں برطانوی راج کے لیے مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ ان پر جوش انقلابیوں کے لیے روس نے وسط ایشیاء خصوصاً تاشقند میں بہت سے تربیتی مراکز قائم کر دیئے۔^(۲) ہجرت اور عدم تعاون کی تحریکوں کے دوران مرزا محمود نے احمدیہ سیاسی موقف کے اظہار کیلئے ایک پمفلٹ شائع کیا۔ انہوں نے نظریہ جہاد کی مذمت کی۔ ہجرت کی شدید مخالفت کی اور ان تحریکوں کے حق میں دیئے گئے فتوؤں کی مذہبی اور قانونی حیثیت پر بہت سے سوال اٹھائے۔ انہوں نے برطانوی حکومت کے خلاف جہاد کے پرچار کوں کی مذمت کی اور برطانوی حکومت کے خلاف اکسانے اور عوام کو دھوکہ دینے پر علماء اور مسلم رہنماؤں کے خلاف نہایت گھٹیا زبان استعمال کی۔^(۳)

آخر میں انہوں نے مسلمانوں کو اپنے خیالات کے اظہار کیلئے پر امن طریقے اختیار کرنے کی تلقین کی۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ احتجاجی تحریکیں ختم کر دی جائیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ترک سلطان کو محض مسلمانوں کا ایک قابل احترام حکمران کہا جائے اور مسلمانان عالم کا خلیفہ نہ کہا جائے۔ انہوں نے پیشکش کی کہ اگر ان کی تجاویز قبول کر لی جائیں تو وہ پچاس ہزار روپے اور اپنے سارے بیرون ملک مبلغین کی خدمات پیش کرنے کے لیے تیار رہیں۔^(۴)

لارڈ ریڈنگ سے ملاقات

تیس جون ۱۹۲۳ء کو جماعت احمدیہ نے نئے وائسرائے لارڈ ریڈنگ کو خطبہء

۱۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین۔ علمامہدان سیاست میں۔ ص 243۔

۲۔ جوزف کورٹل۔ کشمیر میں خطرہ۔ ص 283۔

۳۔ افضل قادیان۔ 3 اور 7 جون 1920ء۔

۴۔ افضل قادیان۔ 14 اپریل 1936ء۔

استقبالیہ دیا جس میں اپنی بے لوث اور غیر مشروط وفاداری کا یقین دلانے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے لیے چند آئینی تجاویز پیش کیں۔ انہوں نے مشرق قریب کے مسئلے اور خلافت کے مستقبل کا حوالہ دیا اور یہ اشارہ کیا کہ مسلمان اس بدگمانی کا شکار ہیں کہ ترکی کی عملداری کا جواز سے خاتمے کا مطلب یہ ہے کہ اسے یورپی طاقتوں کے زیر اثر کیا جائے گا۔ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے نوآبادیات مسٹر چرچل نے ایک تجویز پیش کر رکھی تھی کہ اگر جواز حکومت اندرونی امن و امان پر قابو پالے اور اپنی خارجہ حکمت عملی کو برطانیہ کے تابع کر دے تو اس کے عوض اسے سالانہ مالی امداد دی جائے گی۔ یہ مکمل حکومت تھی، فرق محض یہ تھا کہ برطانیہ اب جواز پر براہ راست حکومت کی بجائے بالواسطہ طور پر ایک مسلمان سردار کے ذریعے حکومت کریں گے۔ خطبہ استقبالیہ میں مزید کہا گیا۔

”اگر جواز حکومت اپنا خیال خود نہیں رکھ سکتی تو اسے ترکی کے ذریعے اختیار انہی شرائط پر دے دیا جائے جن شرائط پر مسٹر چرچل نے اسے برطانیہ کے اختیار میں دینے کی تجویز دی تھی۔“ (۱) لارڈ ریڈنگ نے احمدیہ جماعت کی خدمات کو سراہا جو انہوں نے جنگ کے دوران سرانجام دیں اور ان کی وفاداری پر اپنے مکمل اطمینان کا اظہار کیا۔“ (۲)

سوراجیوں پر حملہ

بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے اوائل میں ہم قادیانیوں کو سوراجیوں اور کانگریس کی تحریکوں کی مذمت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے مہاتما گاندھی کی ”ستیاگرہ“ اور ”سوراج“ کی تحریکوں کی شدید مخالفت کی۔ ان کے اخبارات نے گاندھی جی پر شدید تنقید کی اور اسکے ساتھ ساتھ حکومت برطانیہ کی پرزور حمایت جاری رکھی۔ عوامی تحریکوں اور احمدیوں کو درپیش خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے مرزا محمود نے احمدی نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی نصیحت کی۔ انہوں نے انگریزوں کو استدعا کی کہ وہ

۱۔ پنجر - ص 135۔
۲۔ افضل قادیان - 4 جولائی 1921ء اور یو ایف رلیجر - قادیان جون 1921ء۔

احمدیوں کی ایک ڈبل کمپنی قائم کر دیں۔ احمدیہ دستوں کے قیام سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا ہوگی۔^(۱) کیونکہ ان میں سے کچھ دستے اپنے مذہبی نظریات کی وجہ سے کھلے اور چھپے امتیازات کا شکار ہیں۔ قادیانی پولیس نے قومی جذبات کے اظہار کے لیے سیاسی نظموں، گیتوں اور نغموں کے استعمال پر بھی شدید تنقید کی۔ انہوں نے سوراج کے نظریے کو ہندوستانیوں کی آزادی حکومت کی بجائے اسے روحانی نجات کے معنی پہنا دیئے۔ ان کے نزدیک یہ نظریہ عدم تشدد اور خود اختیاری کی طرح تھا۔ ہندو مسلم اتحاد نصف حقیقت تھی۔ اصل حقیقت خدا کی ذات تھی۔ جس کا مظہر اور اوتار مرزا غلام احمد قادیانی تھے۔ صرف ان کا پیغام (احمدیت) ہی سچائی پر مبنی ہے۔^(۲)

لندن یا ترا

۱۹۲۳ء میں مرزا محمود احمد نے ویملے کے مقام پر برطانوی سلطنت کے زیر اہتمام عالمی مذہبی کانفرنس کی نمائش میں شرکت کے لیے لندن جانے کی تیاریاں کر لیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہیں مجوزہ سفر کے متعلق پہلے ہی وحی کی جا چکی تھی۔ ان کے خوابوں اور وحی کی کتاب ”المبشرات“ میں یہ الہامات بتائے جاتے ہیں جو ان کے لندن کے مجوزہ سفر سے تین ماہ قبل ہوئے۔^(۱)

تاریخ احمدیت میں مذکور ہے۔

”حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے حضرت مسیح موعود کی تحریروں کی طرف توجہ فرمائی تو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ قرآن مجید میں ذوالقرنین (قادیانی یہ نام مرزا غلام احمد کو دیتے ہیں) اب ذوالقرنین کی نسبت قرآن مجید میں لکھا ہے کہ اس نے مغربی ممالک کا سفر کیا۔ ثابت ہوا کہ مسیح موعود یا اس کے جانشین کو ان ممالک کی طرف سفر کرنا پڑے گا یا ان کے نائب کے سفر یورپ کی اور حدیث شریف میں سفر دمشق کی پیش گوئیاں موجود ہیں۔

ذوالقرنین کے سفر کے متعلق واقعے پر مزید غور کرتے ہوئے حضور (مرزا محمود) نے معلوم کیا کہ یہ سفر بنیادی اغراض کے اعتبار سے تبلیغ کے لیے نہیں بلکہ مغربی ممالک میں اسلامی انقلاب کی تبلیغی سکیم تیار کرنے کے لیے کیا جائے گا۔“^(۲)

مرزا محمود نے یہ بتایا کہ خدا نے انہیں ایک روایا میں ”ولیم فاتح“ کہا ہے۔^(۳) بارہ جولائی ۱۹۲۳ء کو یہ خود ساختہ ”ولیم فاتح“ اپنے بارہ سبز پگڑی والے

۱۔ ”المبشرات“ ادارۃ المصنفین۔ ربوہ۔ صفحہ نمبر 76۔

۲۔ تاریخ احمدیت، جلد پنجم، صفحہ نمبر 393۔

۳۔ تاریخ احمدیت، جلد پنجم، صفحہ نمبر 394۔

ہیروکاروں کے ساتھ انگلستان کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اپنے سفر کے دوران وہ پورٹ سعید کے علاوہ یروشلیم اور دمشق بھی رکے۔

۱۹۲۲ء میں عالمی سیاسی اور معاشی حالات ابتر تھے۔ پوری دنیا میں عمومی بے روزگاری اور معاشی سرگرمیاں جمود کا شکار تھیں۔ برطانیہ میں ریمزے میکڈنلڈ کی حکومت برسرِ اقتدار تھی۔ مشرق وسطیٰ میں سیاسی نظام نوآبادیاتی قوتوں کے زعمے میں تھا۔ مصطفیٰ کمال کی قیادت میں ترکی ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔ شام فرانسیسی نوآبادکاروں کے ساتھ اپنے مفتوحہ علاقوں کی واپسی کے لیے برسرِ پیکار تھا۔ عراق میں پرکسی کا کس نے فیصل کو ترغیب دی کہ وہ ۱۹۲۲ء کے ”اینگلو عراق معاہدہ“ کی توثیق کر دے جو کہ برطانوی مخصوص مفادات کے تحت تھا۔ مصر میں برطانیہ کی مخالفت میں ایک بھرپور عوامی تحریک جاری تھی جس کے نتیجے میں سعد زانلول ایک قوم پرست رہنما کے طور پر ابھرنے لگا تھا۔ ہندوستان بھی سیاسی اور معاشی بحران سے گزر رہا تھا۔ ہندوستان کے یہودی وائسرائے لارڈ ریڈنگ نے ہندوستان میں تحریک آزادی دبا دی تھی اور یہودی ہونے کے ناطے وہ مشرق وسطیٰ کی سیاست میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔

فلسطین یورپی سازشوں کے لیے طبع آزمائی کا میدان بنا ہوا تھا اور برطانوی نوآبادکاروں کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ ایلن بائی کی فلسطین میں پیش قدمی سے لے کر جون ۱۹۲۰ء تک برطانوی انتظامیہ اسے ”مفتوحہ دشمن علاقہ جات“ کے طور پر چلا رہی تھی۔ یہ سلسلہ جولائی ۱۹۲۰ء کے اوائل میں ختم ہوا جب ہربرٹ سیموئیل نے نوزائیدہ انتداب علاقے فلسطین کے پہلے ہائی کمشنر کے طور پر ذمہ داریاں سنبھالیں۔ انتداب کی شرائط کے تحت برطانیہ کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا گیا کہ وہ ملک میں ایسی سیاسی، انتظامی اور معاشی فضا تیار کرے جو فلسطین کو ”یہودی قوم پرستوں کا وطن“ بنانے میں مدد معاون ثابت ہوں۔ عالمی صیہونی ایجنسی کی ایک نمائندہ جماعت کو برطانوی انتظامیہ کے ساتھ تعاون اور مشاورت کی غرض سے مقرر کیا گیا تھا۔ اس جماعت کا صدر ویزمین اورڈیوڈ بین گوریان اس کی قائم انتظامی کمیٹی کا صدر تھا۔ اس ایجنسی کے ہندوستان کے

وائسرائے لارڈ ریڈنگ اور انڈیا آفس سے قریبی تعلقات تھے۔ اس کا خارجی سیاسی حکمہ وکٹر ارلوسروف کے ماتحت تھا۔ عربوں نے مفتی امین الحسینی کی پرجوش قیادت میں صیہونیوں اور سامراجی حربہ کاروں کے تسلط کے خلاف ارض مقدس کی آزادی کی جدوجہد شروع کر رکھی تھی۔

برطانیہ کے فلسطین پر قائم اقتدار کے نتیجے میں اسے دفاعی اور سیاسی لحاظ سے مضبوط بنایا گیا۔ اس کا ربع صدی کا اقتدار نوآبادیاتی غلامی اور عرب خواہشات کی سرکوبی کی ایک بدترین مثال ہے۔ ستمبر ۱۹۲۰ء میں برطانوی حکام نے یہودی آبادکاری کا پہلا آرڈیننس جاری کیا جس کی رو سے سالانہ سولہ ہزار چھ سو یہودیوں کی آبادکاری کا کوئی مقرر کیا گیا۔ امین الحسینی کی بار بار نظر بندی اور فلسطینی عربوں کی بے دخلی عام تھی۔ اپریل ۱۹۲۰ء میں یروشلم میں ایک مسیحی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ایک عیسائی اخبار کہتا ہے کہ ”اس کانفرنس نے جو پہلی چیز ذمے لی وہ یہ تھی کہ پہلے عام حالات کا ایک وسیع جائزہ لیا جائے اور پھر فلسطینیوں کی زمینوں کے حصول کا اندازہ لگایا جائے۔“

عیسائی مندوبین کا کہنا تھا کہ

”ترکی میں خلافت کے خاتمہ، بالشویک پروپیگنڈہ کی وسعت اور بادشاہتوں کے خاتمہ نے اسلامی دنیا کو ایک ایسی صورت حال میں مبتلا کر دیا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کی تلاش میں ہیں۔ ان کے مسائل مسلسل بڑھ رہے ہیں اور کسی جواز کے بغیر اپنے دفاع کے منصوبے بنا رہے ہیں۔“^(۱)

مصر

اس سیاسی پس منظر میں مرزا محمود نے مشرق وسطیٰ کی سرزمین پر انتیس جولائی کو قدم رکھا۔ قاہرہ پہنچ کر انہوں نے ایک قادیانی جاسوس شیخ محمود احمد عرفانی کے ہاں، قیام کیا جو ۱۹۲۲ء سے مصر میں احمدیت کی تبلیغ کر رہا تھا۔ انہوں نے قاہرہ انٹیلی جنس

یورو کے ساتھ مذاکرات کیئے۔ مصر میں برطانوی ہائی کمشنر سے مشرق وسطیٰ کے مسائل پر رہنمائی حاصل کی۔ مصری علماء نے قاہرہ میں قادیانی جماعت کے سربراہ کی موجودگی اور ان کی سرگرمیوں کی شدید مذمت کی۔

مرزا محمود کہتے ہیں۔

”مصر میں تین جماعتیں ہیں۔ ایک کی قیادت مصری وزیراعظم سعد زغلول کے پاس

ہے۔ دوسری وطنیوں سے متعلق ہے اور تیسری کا نام حزب احرار ہے۔ عبدالعزیز شاہ

واعش قادیانیوں کا سخت مخالف ہے۔ ازہر کا گروہ اور صوفی سید ابوالاعظم مجھے ملے

ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کسی کو مسلمانان عالم کا خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ

صرف ایک روحانی طبقہ کے ہاتھ پر لوگ جمع ہو سکتے ہیں۔“ (۱)

وہ ظاہری طور پر اپنی خلافت کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ مصر سے مرزا محمود

یروشلم گئے جہاں ایک صیہونی تنظیم نے ان کا استقبال کیا۔

یروشلم

یروشلم میں پہنچتے ہی انہوں نے اعلان کیا کہ مسیح موعود کی وحی اور پیش گوئیوں

کی بنا پر یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ یہودی فلسطین کی آبادکاری میں کامیاب

ہو جائیں گے۔ مرزا محمود نے کہا کہ انہوں نے یہودیوں کی قابل رحم حالت دیکھ لی ہے

وہ ”دیوار گریہ“ کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ یہ ایک بڑا دردناک منظر تھا

جس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔

”میں نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کا حق بنتا ہے کہ انہیں ہیکل سلیمانی (مسجد اقصیٰ) کا

ایک حصہ دے دیا جائے تاکہ وہاں اپنی عبادات کے لیے ہیکل سلیمانی تعمیر کر سکیں۔

مزید برآں میرے ذہن میں وہ مسلمان بھی تھے جنہوں نے حضرت مسیح موعود کو نہ مانا تھا۔

یہودیوں کی طرح ہو گئے تھے۔ میں نے ان کے اس گناہ اور اس کے نتیجے میں ملنے والی

سزا کے بارے میں خیال کیا ہے میں خوفزدہ اور متاثر نہ رہا۔ یہ لوگ بلا خوف خدا کے غضب کو دعوت دے رہے تھے۔“ (۱)

اسکے بعد وہ مزید کہتے ہیں۔

”میں فلسطین میں بڑے بڑے مسلمانوں سے ملا ہوں میں نے دیکھا کہ وہ مطمئن ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہودیوں کو نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے مگر میرے نزدیک ان کی رائے غلط ہے۔ یہودی قوم اپنے آبائی ملک پر قبضہ کرنے پر تکی ہوئی ہے۔“ (۲)

”اگرچہ وہ کچھ عرصہ کے لیے آباد کاری میں کامیاب نہیں ہو سکے کیونکہ ان میں سے اکثریت کاروباری طبقے کی تھی اور انہیں زرعت کا بہت کم تجربہ تھا لیکن یہ چیز ان کے ہرادوں کو ڈانواں ڈول نہ کوسکی اس لیے انہیں آباد کاری کی ابتدائی کوششوں میں کچھ نقصان ہوتا یہ اچھے کی بات نہیں۔“ (۳)

”قرآن شریف کی پیش گوئیوں اور حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ضرور ملک میں آباد کار ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ (بعد کے واقعات نے حضور (مرزا محمود) کے الفاظ کی تصدیق کر دی)۔“ (۴)

”جہاں تک میرا خیال ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں سے شرائط طے کر لینی چاہیں۔ ان شرائط کے تحت اس ملک میں آباد ہو سکتے ہیں اور مسلمانوں کی برتری بھی قائم رہ سکتی ہے۔ میرے ذہن میں ایسا خاکہ ہے جس کا میں یہاں اظہار نہیں کر سکتا۔“ (۵)

فلسطین کا ہائی کمشنر ہر برٹ سیمنٹیل (۱۹۶۳-۱۸۷۰ء) اس وقت لندن میں تھا اور اس کی جگہ گلبرٹ کلین کام کر رہا تھا۔ یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ گلبرٹ کلین ایک متعصب صیہونی تھا اور جنگ کے زمانے میں قاہرہ میں فوجی خفیہ محکمہ کا سربراہ تھا۔

۱۔ الفضل قادیان: 13 ستمبر 1924ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد ۵، صفحہ 411۔

۳۔ الفضل قادیان: 13 ستمبر 1924ء۔

۴۔ تاریخ احمدیت کے نیچے دیا گیا فوٹ از دوست محمد قادیانی۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر 5 صفحہ 411۔

۵۔ الفضل قادیان، تیرہ ستمبر 1924ء۔

وہ لارنس آف عربیہ کا قریبی ساتھی تھا اور شام میں اتحادیوں کے قبضے کے دوران ایلن ہائی کا مشیر بھی رہ چکا تھا۔ درحقیقت مشرق وسطیٰ میں جاسوسی کا جال اسکا تیار کردہ تھا۔ جس نے عربوں کو صیہونی سامراجی شکنجے میں جکڑنے میں مدد دی۔ مرزا محمود کی اس کے ساتھ بے تکلف ملاقاتیں ہوئیں۔ یہودی ایجنسی کے سربراہ اور سیاسی محکمہ خارجہ کے سربراہ نے ان ملاقاتوں کے نتائج میں گہری دلچسپی ظاہر کی۔ کلینٹن نے احمدیہ عقائد میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا اور مسئلہ فلسطین کے کئی پہلوؤں پر ان کے ساتھ گفتگو کی۔

بارہ اگست کو فلسطین کی مجلس اعلیٰ کے صدر مفتی امین الحسینی نے مرزا صاحب کو چائے پر مدعو کیا۔ وہاں رئیس شہر بھی موجود تھے۔ مرزا محمود نے وہاں احمدیت کی نوعیت اور اس کی ترقی کے متعلق بتایا۔ دجال سے لے کر ختم نبوت تک کئی موضوعات پر سیر حاصل بحثیں ہوئیں۔^(۱) رئیس شہر نے مرزا صاحب کی بے ہنگم گفتگو پر شدید کراہت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد مرزا محمود فلسطین کے ہائی کمشنر کلینٹن سے اپنی ملاقات کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

”فلسطین کے گورنر ہائی کمشنر کہلاتے ہیں۔ اس وقت ہائی کمشنر ولایت گئے ہوئے میں ان کی جگہ سر گبرٹ کلینٹن کام کر رہے ہیں۔ ان سے ملا تھا ایک گھنٹہ تک ان سے مکمل معاملات کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ وہ ایک یورپی ہیں اور مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ انہوں نے ملکی ترقی کے لیے مستقبل میں ایک منصوبہ بنایا ہے جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

افسوس اس بات کا ہے کہ وہ ملازمت سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لینا چاہتے ہیں۔ یہ بھی امکان ہے کہ دوسرے لوگ اس کام کو اس طرح بخوبی سرانجام نہ دے سکیں گے۔ مسلمانوں کو اپنے تعلیمی معاملات کے سلسلے میں شکایات ہیں۔ جسے درست تسلیم کرتے ہوئے انہوں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے برطانوی حکومت کو ایک تجویز بھجوائی ہے کہ تعلیمی

معلومات پر ایک ذیلی کمیٹی ترتیب دی جائے جس کے پاس کچھ اختیارات بھی ہوں۔“ (۱)
مرزا محمود مزید کہتے ہیں۔

”پہلی ملاقات میں بی کلین کو ہمارے سلسلے سے بہت ہی دلچسپی ہوگئی اور ہم نے دوسرے دن روانہ ہونا تھا مگر انہوں نے اصرار کیا کہ ڈیڑھ بجے ان کے ساتھ کھانا کھائیں۔ چنانچہ ڈیڑھ گھنٹہ تک دوسرے دن بھی ان کے ساتھ گفتگو ہوتی رہی اور فلسطین کی حالت کے متعلق بہت سی معلومات ان سے حاصل ہوئیں۔ فلسطین کے حالات کے علاوہ کلین نے ہندوستانی سیاست پر بھی بات کی۔“ (۲)
مرزا محمود مزید کہتے ہیں۔

”میں نے انہیں کچھ تہاذیب بھی پیش کیں جو انہوں نے بڑی خوشی اور احترام سے قبول کیں۔ وہ بہت خوش تھے اور ہماری روانگی کے وقت انہوں نے ہمیں فلسطین کا نقشہ دکھایا جس میں بحر مردار بڑا واضح تھا۔ میری درخواست کے بغیر ہی وہ دو چھٹیاں لے آئے۔ ایک ان میں سے دمشق کے قونصل اور دوسری اٹلی کے قونصل کے نام تھی۔ ان میں اس نے ہمارے لیے پرستاش انداز اختیار کیا اور ہماری بہت زیادہ تعریف کی۔ انہوں نے ہمارے فلسطین میں مزید قیام میں بھی گہری دلچسپی ظاہر کی۔ مسٹر کلین نے ریلوے حکام کو حکم دیا کہ وہ ہمارے دمشق کے سفر کے دوران تمام سہولیات بہم پہنچائیں۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جیو کو بھی انہوں نے ایک خط لکھا کہ وہ ہمارا خیال رکھے۔“ (۳)

دمشق

دمشق میں قادیان کے بدنام زمانہ لارنس زین العابدین کے وقت (۱۹۱۲ء) سے ہی کئی قادیانی سرگرم عمل تھے۔ انہوں نے وہاں اپنا مرکز قائم کر لیا تھا۔ مرزا محمود وہاں سنٹرل ہوٹل میں ٹھہرے۔ شامی مسلمانوں کو متوجہ کرنے کے لیے قادیانی جاسوسوں

۱۔ افضل قادیان، ۴ ستمبر ۱۹۲۴ء۔

۲۔ افضل قادیان، ۴ ستمبر ۱۹۲۴ء۔

۳۔ افضل قادیان، ۴ ستمبر ۱۹۲۴ء۔

نے احمدیت کے متعلق لٹریچر مفت تقسیم کرنا شروع کر دیا جو اس مقصد کے لیے خاص طور پر قادیان میں تیار کیا گیا تھا۔ شامی پولیس نے اس مکروہ کاروائی پر سخت رد عمل کا اظہار کیا اور علماء کرام نے قادیانی طائفے کے دمشق سے اخراج کا مطالبہ کر دیا۔ مرزا محمود اپنی سرگرمیوں کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

”دمشق میں گئے تو اول تو ٹھہرنے کی جگہ نہ ملتی تھی مشکل سے انتظام ہوا مگر دو دن تک کسی نے توجہ نہ کی۔ میں بہت گھبرایا اور دعا کی کہ اے اللہ ٹیٹھ گوتی جو دمشق کے متعلق ہے کس طرح پوری ہوگی۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ ہم ہاتھ لگا کر واپس چلے جائیں۔ تو اپنے فضل سے کامیابی عطا فرما۔ جب میں دعا کر کے سویا تو رات کو یہ الفاظ میری زبان پر جاری ہو گئے۔ عبد مکرم، یعنی ہمارا بندہ جس کو عزت دی گئی اس سے میں نے سمجھا کہ تبلیغ کا سلسلہ یہاں کھلنے والا ہے۔ چنانچہ دوسرے ہی دن جب اٹھے تو لوگ آنے لگے۔ یہاں تک کہ صبح سے رات بارہ بجے تک دو سو سے لے کر بارہ سو تک لوگ ہوٹل کے سامنے کھڑے رہے اس سے ہوٹل والا ڈر گیا کہ فساد نہ ہو جائے۔ پولیس بھی آگئی اور پولیس آفیسر کہنے لگا کہ فساد کا خطرہ ہے۔ میں نے یہ دکھانے کے لیے کہ لوگ فساد کی نیت سے نہیں آئے مجمع کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چند ایک نے گالیاں بھی دیں لیکن اکثر نہایت محبت کا اظہار کرتے اور ”ہذا امن مہدی“ کہتے اور سلام کرتے مگر باوجود اسکے پولیس والوں نے کہا اندر بیٹھیں ہماری ذمہ داری ہے اور اس طرح ہمیں اندر بند کر دیا گیا۔ اس پر ہم نے برٹش قونصل کو فون کیا اس نے ایسا انتظام کیا کہ لوگ اجازت لے کر اندر آئے۔“ (۱)

شامی مسلمانوں نے شام میں متعین فرانسیسی ہائی کمشنر میکسم لگان سے دمشق میں قادیانی طائفے کی موجودگی اور ان کی اشتعال انگیز کاروائیوں پر شدید احتجاج کیا اور انہیں دمشق سے فوری نکالنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے قادیانی لٹریچر کی ضبطی کا بھی مطالبہ کیا جو وہ شام میں تقسیم کر رہے تھے۔ مرزا محمود نے برطانوی قونصل کے ذریعے پورا زور

لگایا کہ دمشق میں ان کا قیام طویل ہو جائے مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اٹھارہ اگست کو برطانوی قونصل مرزا محمود سے سنٹرل ہوٹل میں ملا اور مستقبل کی کاروائیوں کے بارے میں اسے ہدایات دیں۔ مرزا محمود شام کے گورنر صحتی بیک سے بھی ملا اور اسے تحریک احمدیہ سے متعارف کرایا۔ چند علماء و رؤساء جو اس وقت وہاں موجود تھے انہوں نے احمدیہ جماعت کی سخت مخالفت کی اور ان کے فوری اخراج کا مطالبہ کیا۔ مرزا محمود اپنی جمعہ کی ایک تقریر میں قادیانی مراکز کی بیرون ملک امداد میں برطانوی مدد اور دوسری نوآبادیاتی قوموں خصوصاً فرانس کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

”جب میں انگلستان جاتے ہوئے شام گیا تو وہاں میں نے ایک تبلیغی رسالہ چھپوایا۔ مسلمانوں نے اس پر شور مچایا کہ اسے ضبط کر لینا چاہیے۔ اتفاقاً میں اس دن فرانسیسی گورنر سے ملنے گیا تھا جب میں وہاں پہنچا تو وہ نہایت ہی میٹھی زبان میں مجھ سے ہم کام ہوا اور کہنے لگا آپ کیا بتائیں گے؟ شربت بتائیں گے؟ کافی بتائیں گے؟ طبیعت کیسی ہے؟ آپ کی کیا تواضع کروں۔ بالکل وہی طریق تھا جو ہمارے ہاں مروج ہے۔ دوران گفتگو میں اس ٹریکٹ کا بھی ذکر آگیا کہ لوگ اس کے خلاف بلاوجہ شور کر رہے ہیں اور میں نے سنا ہے کہ حکومت اسے ضبط کرنا چاہتی ہے تو وہ کہنے لگا کہ یہ بالکل غلط بات ہے ہمیں مذہبی معاملات میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ حکومت نے واقعہ میں اسے ضبط کر لیا تھا۔ جب بعض افسران کے پاس شکایت کی گئی کہ گورنر تو اس فعل کو ناجائز قرار دیتا ہے پھر یہ کس طرح ضبط ہوا تو انہوں نے بتایا کہ خود گورنر کے حکم سے ایسا ہوا ہے اور ہمارے آدمیوں کو بتایا گیا کہ جب وہ آپ کو شربت پلا رہا تھا اور یہ کہہ رہا کہ ہم مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیا کرتے تو اس سے پہلے وہ اسے ضبط کر چکا تھا۔“^(۱)

دمشق میں قیام کے دوران ایک عرب رسالے ”الف باء“ کے نمائندے نے چودہ اگست ۱۹۲۲ء (۹ محرم ۱۳۴۲ھ) کو مرزا محمود کا انٹرویو کیا جو حسب ذیل ہے۔

سوال: الخلافت الاسلام کیا ہے؟
 جواب: خلیفہ اسلامی جس کی اتباع تمام مشرقی و مغربی دنیا پر فرض ہے وہ میں ہوں۔ میں کسی کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتا۔
 سوال: مشرق کا مستقبل کیا ہے اور آپ کا سلسلہ اسکی حالت سیاست پر کیا اثر ڈالے گا؟

جواب: ہم سیاست میں دخل نہیں دیتے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا سلسلہ دنیا کے چاروں گوشوں میں پھیل جائے گا اس وقت تمام انسان بھائی بھائی ہوں گے اور کوئی انسان اس طرح حاکم و محکوم نہ ہوگا۔

شامی اخباروں خصوصاً ”فتح العرب“ اور ”الف باء“ نے قادیانیت کا پردہ چاک کرنے کے لیے متاثر کن مضامین لکھے اور اس کے اسلام مخالف اور سامراج نواز کردار کو کھول کر بیان کیا۔ تاریخ احمدیت میں ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخالف حالات کے باوجود مشن میں غیر معمولی طور پر کامیابی عطا فرمائی۔“ (۱)

اثلی

سترہ اگست کو مرزا محمود اور ان کے ساتھی اثلی پہنچے۔ انہیں اگست کو وہ اطالوی فاشٹ رہنما موسولینی سے ملے اور انہیں احمدیہ جماعت کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا۔ انہوں نے پاپائے روم سے بھی تبادلہ خیال کا وقت مانگا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ جریدے ”لاتریبوتا“ کے نائب مدیر نے آپ کا انٹرویو کیا۔ اس نے چند سوالات ہندوستان کی سیاست پر کیئے۔ آپ نے بتایا کہ

”ہندوستان میں مختلف نسلی و مذہبی گروہوں میں ایک کثیر المذہبی معاشرے میں جہاں

بداعتمادی کی فضاء ہو وہاں اتحاد قائم نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے خلافت کے مسئلہ پر بھی تنقید کی اور دعویٰ کیا کہ اصلی خلیفہ وہی ہیں۔“ (۱)

لندن

بائیس اگست کو وہ لندن پہنچے اور چوتھم ہاؤس میں اپنی رہائش رکھی۔ ایک برطانوی اخبار نے ان کی آمد کی اطلاع یوں دی۔

”قدس مآب، خلیفۃ المسیح، الحاج مرزا بشیر الدین محمود احمد، جو اسلام میں احمدیہ تحریک کے سربراہ ہیں جو کہ ویسٹلے میں ہونے والی مذہبی کانفرنس میں اسلام کی نمائندگی کریں گے۔ بائیس اگست کو کنوریہ اسٹیشن لندن پہنچے۔ ایک غلط فہمی کی وجہ سے خلیفہ اس وقت پہنچے جب ان کے استقبال کے لیے آنے والوں میں سے آدھے افراد غیر حاضر تھے۔ تاہم جو موجود تھے انہوں نے نماز ان کے ہمراہ ادا کی اور جماعت کے ایک آدمی کے ذمہ سامان کی رکھوالی لگا کر وہ پہلے لڈ گیٹ مل گئے اور وہاں سے سینٹ پال کے قبرستان گئے۔ یہ مسلمانوں کی ایک حدیث کی تکمیل کے لیے کیا گیا کہ دمشق سے آنے کے بعد مہدی ”باب لد“ یعنی لڈ گیٹ میں نماز ادا کریں گے۔ لندن میں آتے ہوئے خلیفہ دمشق کے لڈ گیٹ سے قدس مآب سیدھے چوتھم ہاؤس گئے جہاں وہ اپنے سفر لندن کے دوران قیام کریں گے ان کی برکٹن جانے کی تجویز ہے تاکہ ان مسلمان فوجیوں کی یاد میں تعمیر شدہ یادگار دیکھیں جو جنگ کے دوران مارے گئے۔“ (۲)

تاریخ احمدیت کے مطابق برطانوی پولیس میں مرزا محمود کو غیر معمولی پذیرائی ملی۔ ایک تنگ نظر رومی کیتھولک اخبار نے اسے ایک سازش سے تعبیر کیا۔ (۳) مصیہونیت کا پروردہ پولیس مرزا محمود اور ان کی احمدیت کو برطانوی عوام میں متعارف کرانے میں پیش پیش تھا۔

۱۔ الفضل کا دیان۔ 20 ستمبر 1924ء۔

۲۔ مشرق، مغرب اور ہندوستان لندن۔ 11 ستمبر 1924ء۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 5 ستمبر 417۔

ویمبلے کانفرنس

سلطنت میں موجود مذاہب پر کانفرنس مورخہ بائیس ستمبر سے لے کر تیس اکتوبر ۱۹۳۳ء تک ”امپیریل انسٹی ٹیوٹ ساؤتھ کینسیگلٹن“ میں ”سکول آف نیشنل سٹڈیز“ اور ”سوشیالوجیکل سوسائٹی“ کے زیر اہتمام سر ڈی بی سن راس کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اسلام کے بارے میں مختص اجلاس کی صدارت ڈاکٹر مارگو لیٹھ نے کی۔ اس دوران تین تقاریر ہوئیں۔ خواجہ کمال الدین کا پرچہ بعنوان ”اسلام کے بنیادی اصول“ یوسف علی نے پڑھا جس میں قرآنی تعلیمات کی محتاط تاویلیں پیش کی گئی تھیں۔

اسلام کے سماجی پہلو کو بڑے بلیغ انداز میں پیش کیا گیا اور ان اخلاقی خصوصیات پر بھی اظہار خیال کیا گیا جو مذہب کے اتباع میں انسان کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔ اس مضمون میں مسلمان عورت کے اس مقام کو بیان کیا گیا جسے بلند کر کے اسلام نے اسے مرد کے برابر کر دیا۔ اس مضمون کا اختتامی عنوان مادی ترقی پر منتج ہوا۔

دوسرا مضمون بغداد کے شیعہ فاضل شیخ خادم دوجیلی نے پیش کیا۔ انہوں نے شیعہ عقائد کی تاریخ اور شیعہ عقائد کے اہم نکات پر روشنی ڈالی۔ پھر مرزا محمود کے مضمون بعنوان ”احمدیت یا حقیقی اسلام“ کی باری آئی۔^(۱) جسے ظفر اللہ خان نے پڑھا اس سے قبل برطانوی رکن پارلیمنٹ تھیوڈور مورسین نے شرکائے کانفرنس سے انکا تعارف کرایا۔ اپنے مضمون میں مرزا صاحب نے تحریک احمدیت کا تعارف۔ مذہب کے اہم مقاصد اور ایک بین الاقوامی امن فارمولا پیش کیا۔^(۲)

یہ فارمولا مندرجہ ذیل وسیع اصولوں پر مبنی تھا۔

- ۱۔ بین الاقوامی طرز عمل قابل قبول انفرادی اخلاقی معیاروں کے تابع ہونے چاہئیں اور ایک ”لیگ آف نیشنز“ قائم ہونی چاہیے۔
- ۲۔ بین الاقوامی امن کمیشن کے ارکان اقوام کے خلاف جارحیت کا کھل کر مقابلہ کریں۔

۱۔ مرزا محمود احمد۔ احمدیت یا سچا اسلام۔ قادیان مطبع روم۔ ۱۹۳۷ء۔

۲۔ یو ایف آف ریشٹر۔ ریو، مارچ ۱۹۶۳ء۔

- ۳۔ معاہدات کا مکمل طور پر احترام ہونا چاہیے مگر غیر منصفانہ معاہدات کے نفاذ کو غیر یقینی بنایا جائے۔
- ۴۔ غلطی کرنے والے فریق پر سخت شرائط عائد نہ کی جائیں۔
- ۵۔ قوم پرست جارحانہ حکمت عملیوں کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔
- ۶۔ کوئی بھی طاقت اپنے پڑوسی کی ملکیت پر حرص ظاہر نہ کرے اور اس کے امن کو تباہ نہ کرے نہ ہی اس کے سرحدی حقوق میں دخل اندازی کی جائے۔
- ۷۔ کوئی بھی قوم احساس برتری کو اپنے اندر جگہ نہ دے۔
- ۸۔ حکومت اور عوام کے مابین امن قائم ہونا چاہیے۔
- ۹۔ کوئی بھی قوم کسی کمزور کی کسی بھی صورتحال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔
- ۱۰۔ قومیں، دو برادر اقوام کے مابین اختلاف میں جانبداری کا مظاہرہ نہ کریں اور اجتماعی طور پر اختلاف کو منصفانہ اور برادرانہ طریقے سے حل کیا جائے۔
- ۱۱۔ اقوام کو بین الاقوامی امن کے لیے قربانیوں سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔
- ۱۲۔ اقوام ایک دوسرے کے خلاف تعصب اور حسد کو بھول کر ایک دوسرے کے بارے میں منصفانہ برتاؤ کریں۔
- ۱۳۔ ہر قوم کو جارحیت کے خلاف لڑنے کے لیے بھرپور طور پر تیار رہنا چاہیے تاکہ کسی کا کمزور دفاع مسلح قوم کو اس کے علاقوں پر جارحیت سے باز رکھ سکے۔^(۱)

قادیانی جاسوس سنگسار

لندن میں قیام کے دوسرے ہفتے میں مرزا محمود کو کابل میں ایک قادیانی مبلغ کی سنگساری کی اطلاع ملی۔ مولوی عبداللطیف کی طرح یہ قادیانی نعت اللہ بھی افغانان میں برطانوی جاسوس کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ افغان پولیس کو اس کی حرکات پر شک تھا

اور وہ اس پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ آخر کار اسے گرفتار کیا گیا اور ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ اس پر جاسوسی اور اسلام سے ارتداد کا جرم ثابت ہو گیا۔ اس پر مورخہ چھبیس اگست ۱۹۲۳ء کو اسے سنگسار کر دیا گیا۔ (کابل کے اخبار میں افغان عدالت قانون اور اس کی دو بڑی عدالتوں سے تصدیق پر مبنی فیصلہ مورخہ چھ ستمبر ۱۹۲۴ء کو چھپا) قادیانیوں نے افغانستان میں اپنے ارتدادی مشن کی ترقی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ قادیانیوں کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ ریاست میں جاری مذہب کے خلاف تبلیغ کی سزا موت ہے مگر انہوں نے امیر کے حکم کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ ریاست کے استحکام کی خاطر افغان حکام مجبور ہو گئے کہ قادیانی تخریب کاروں سے نمٹیں۔^(۱)

لندن کا ایک اخبار لکھتا ہے۔

”جب لندن میں نعمت اللہ خان کی سنگساری کی خبر پہنچی تو حضرت خلیفۃ المسیح اور ان کی پارٹی کے لوگ اس نوجوان مقتول کے لیے رحم اور غم کے جذبات میں ڈوب گئے۔ ایکسٹریسٹ کے ایکس ہال میں ایک احتجاجی اجلاس بلایا گیا جو اس کے ایک سرے سے وکٹوریہ کے کنارے تک وسیع تھا۔ اس بڑے مجمعے کی صدارت ڈاکٹر والٹر والش نے کی۔“^(۲)

لندن میں قائم ووکنگ مشن کے سربراہ خواجہ کمال الدین کے فرزند خواجہ نذیر احمد بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے قرارداد کے متن پر فوری رد عمل کا اظہار کیا اور اسے ”یکطرفہ اور جانبدارانہ“ قرار دیا۔ اس سے لوگوں کو کہانی کا دوسرا رخ جاننے کا موقع ملا۔ ظفر اللہ نے ”نوجوان شہید“ کی ظالمانہ سنگساری پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور علماء اور امیر کے خلاف ناشائستہ زبان استعمال کی۔ انہوں نے اسے ایک ”وحشی حرکت اور کمینے پن اور دھوکہ دہی کی داستان“ قرار دیا۔^(۳) لیگ آف نیشنز۔ امریکی صدر۔ ہندوستان اور مشرق قریب فرانس، اٹلی اور برطانیہ

۱۔ سردار اقبال علی شاہ۔ افغانستان اور افغانی۔ دوبارہ طباعت کوثر ادب کوئٹہ۔ ۱۹۷۸ء صفحہ ۲۱۵۔

۲۔ الفضل دیان۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء۔

کے وزرائے اعظم کو احمدیوں کے خلاف امان اللہ کی افغان حکومت کی اختیار کردہ ظالمانہ حکمت عملی سے آگاہی کے لیے برقی تار روانہ کیئے گئے۔ ظفر اللہ نے پیرس میں متعین افغان سفیر کو شدید احتجاجی مراسلہ روانہ کیا جو کہ برطانیہ کا بھی نمائندہ تھا۔ جسے انہوں نے پھاڑ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ (۲) ظفر اللہ نے کامل میں ایک احمدی مبلغ کے طور پر کام کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں، جنہیں مرزا صاحب نے منظور نہ کیا۔ ظفر اللہ کہتا ہے کہ ”احمدی مبلغ کے قتل کے ایک سال بعد جب امان اللہ اور اس کی ملکہ ثریا اپنے یورپی دورے سے واپس آئے تو ایک معمولی شخص کی قیادت میں ایک بغاوت کے ذریعے اس کی بادشاہت کا تختہ الٹ دیا گیا اور بادشاہ اور ملکہ کو ذلت آمیز جلاوطنی اختیار کرنا پڑی۔ وہ روم میں جا کر گھٹیا قسم کی زندگی گزارنے لگا۔ اس کی بیوی اور بیٹی نے نفرت سے اسے چھوڑ دیا اور زندگی کے بقیہ سال اس نے تنہائی میں بسر کیئے۔“ (۳)

قادیانی پروپیگنڈے کے جواب میں افغان حکومت نے وضاحت کی کہ حکومت کے دستور میں دی گئی مذہبی آزادی تمام مذاہب کے پیروکاروں کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے مگر یہ نام نہاد مسلمانوں کو طحانہ نظریات کے پرچار کی اجازت فراہم نہیں کرتی۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ قادیانی سیاست میں ملوث تھے اور ۱۹۲۳ء کی امان اللہ حکومت کے خلاف خواست میں بغاوت کو بھڑکانے کی سازشوں میں شریک تھے۔ (۴)

ہندوستان کے لیے سیکریٹری آف سٹیٹ نے لندن میں مرزا محمود کو اطلاع دی کہ حکومت برطانیہ یہ معاملہ افغان حکومت سے غیر رسمی بنیادوں پر اٹھائے گی۔ ہندوستان میں جماعت کے قائم مقام خلیفہ مولوی شیر علی نے مسلم لیگ اور کانگریس کے صدر کو برقی تار روانہ کیئے جن میں اس قتل کی مذمت کی استدعا کی گئی تھی۔ گاندھی جی نے بھی اپنی

۱۔ افضل قادیان۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۴ء۔

۲۔ سر ظفر اللہ۔ تختہ تختہ لاہور ستمبر ۲۱۹۔

۳۔ ظفر اللہ۔ سرخ آف گاؤں صفحہ ۵۱

۴۔ امان، افغان۔ ۵۔ نمبر ۱۳۔ ۱۵ سالانہ رپورٹ ۱۹۸۵ جاری کردہ لیون بی پاؤلا ڈا۔ جماعت اور افغانستان میں اصلاحات ۲۰-۱۹۱۹ء کارنیل یونیورسٹی پریس۔ امریکہ ۱۹۸۳ء ستمبر نمبر ۱۲۴۔

ذاتی حیثیت میں اس واقعہ کو ”افسوسناک“ قرار دیا۔^(۱)

لندن میں ایک عوامی اجتماع منعقد ہوا جس میں اس واقعے پر غم و غصے اور افسوس کی ایک قرارداد منظور کی گئی۔ اس قرارداد کی نقول افغانستان، امریکہ، فرانس، اطالیہ، جرمنی، جاپان، ترکی، مصر اور ہندوستان کی حکومتوں کو ارسال کی گئیں۔ اس قرارداد پر مندرجہ ذیل برطانوی دانشوروں نے دستخط کیے۔^(۲)

۱۔ اے آر نکلسن (ایم اے ڈی لٹ۔ پروفیسر کیمبرج)

۲۔ ایچ جی ویلز

۳۔ سر اے کوٹان ڈونیل (ایم ڈی لٹ)

۴۔ جی آر ہسمنڈ (مدیر ”دی کوسٹ“ لندن)

۵۔ سر سڈنی لی لینڈ (ڈی ڈی لٹ پروفیسر انگریزی ادب)

۶۔ سر اولیور لاج (ایف آر ڈی ایس سی)

۷۔ سر فرانسس بیک ہمنڈ (کے ای ایس۔ ایل ایل ڈی۔ ڈی ایس سی)

ہندوستان کے اسلامی پریس جس میں لاہور کے ”سیاست“ اور ”زمیندار“ امرتسر کے ”وکیل“ اور لکھنؤ کے ”ہمد“ شامل تھے اس معاملے پر اظہار خیال کرتے رہے۔ انہوں نے قادیان کی سیاسی سازش کی پردہ کشائی کی۔ اور سنگساری کی یہ وجہ بتائی کہ نعمت اللہ خواست کے باغیوں کا قریبی ساتھی تھا۔ کابل کی حکومت نے ہندوؤں، سکھوں اور دوسرے اقلیتوں پر کبھی ظلم نہیں کیا کیونکہ وہ امن سے رہ رہی ہیں۔^(۳) اور انہوں نے ریاست کے استحکام کے خلاف کبھی کوئی سازش نہیں کی لیکن قادیانیوں کی سرگرمیاں مختلف نوعیت کی ہیں۔ برطانوی اخبارات جن میں ”ڈیلی نیوز“، ”ڈیلی ایکسپریس“، ”ڈیلی کرائیکل“ اور ”ڈیلی ٹیلی گراف“ پیش پیش تھے اس معاملے کو خوب

۱۔ الفضل ۶ دیاں فروری ۱۹۲۵ء۔

۲۔ الفضل ۶ دیاں ۲۴ اپریل ۱۹۲۵ء۔

۳۔ الفضل ۶ دیاں ۱۶ ستمبر ۱۹۲۴ء۔

اچھالتے رہے اور ”احمدیوں پر مظالم“ کے عنوان سے بیانات شائع کرتے رہے۔^(۱)
ایک برطانوی اخبار ”انڈیا اینڈ فار ایسٹ“ نے امان اللہ کی کابل میں سیاسی و سماجی اصلاحات پر تنقید کرتے ہوئے لکھا

”اس حقیقت سے عیاں ہے کہ مولوی نعمت اللہ جواب مرچکا ہے ایک وقت میں امیر کی ہمدردی حاصل کیئے ہوئے تھا۔ جس کا جرم ایک مسلمان ممنوعہ فرقے سے تعلق تھا اور جس پر ایک سیاسی سازش میں شرکت کا الزام تھا اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ اس قسم کے اقدامات امیر کی ایک مایوس کوشش ہو سکتی ہے کہ اس طوفان جس کو وہ اٹھتے ہوئے دیکھ رہا ہے اپنے عوام کی طرف اس کا رخ موڑ سکے گا۔“^(۲)

قادیانیوں کی حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب لندن پریس نے حکومت برطانیہ شملہ کی طرف سے موصول شدہ ایک خط چھاپ دیا جس کے مطابق نعمت اللہ سیاسی معاملات میں ملوث تھا۔ جس کے نتیجے میں حکومت افغانستان نے اسے سنگسار کیا تھا۔ مرزا محمود کی پریشانی کے لیے یہ کافی تھا۔ قادیان سرعام رسوا ہو چکا تھا۔ مرزا محمود نے کوئی وقت ضائع کیئے بغیر لندن سے وائسرائے ہند کو برقی تار بھیجا جس میں لندن ٹائمز میں چھپنے والے شملہ کے برقی تار پر دکھ کا اظہار کیا۔ جس میں قادیانیوں پر افغانی سیاست میں ملوث ہونے کا الزام تھا۔ انہوں نے اسے ناقابل یقین معاملات کی ”غلط تعبیر“ قرار دیا اور کہا۔

”ہندوستان کے سیاسی محکمہ خارجہ نے پہلے ہی جون میں آنے والے واقعات کا اندازہ لگایا تھا۔ اگر مولوی نعمت اللہ کا قتل اور امیر کابل کے خلاف بغاوت کا قصہ درست ہے تو کابل حکام نے غلام رسول اور عبدالحلیم کو اس واقعہ کے چار یا پانچ ماہ قبل کیوں گرفتار کیا۔ جب میں قادیان سے چلا تو غلام رسول پولیس تشدد سے مرچکا تھا اور عبدالحلیم ابھی قید میں تھا۔ مزید برآں افغان حکومت نے ہندوستان میں برطانوی حکومت کو کیوں مجبور کیا کہ وہ

۱۔ الفضل قادیان 16 ستمبر 1924ء۔

۲۔ مشرق، مغرب اور ہندوستان۔ لندن 11 ستمبر 1924ء۔

کابل کے برطانوی سفارتخانے میں متعین ڈاکٹر فضل کریم احمدی کو واپس بلا لے۔ (نعت)
اللہ نے فضل کریم کو اپنی حراست کے دوران کابل جیل سے خط لکھا تھا اور اپنی وفات تک
اس کے ساتھ اپنے رابطے کو قائم رکھا۔^(۱)

”یہ تمام واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ ان تمام امور کی پہلے سے منصوبہ بندی ہو چکی تھی۔
میں یہ یقین کرنے کو تیار نہیں کہ حکومت احمدیوں کے ساتھ جن کا ہندوستان میں مرکز ہے
اور جنہوں نے حکومت کی خاطر بے پناہ قربانیاں دی ہیں اور غیر معمولی مشکل حالات میں
اپنا ہر ممکن تعاون پیش کیا ہے۔ ہمدردی کی بجائے قتل کی سازش کی محکمہ خیز داستان کی
تصدیق اور اشاعت کر کے ان کے غم اور اذیت میں اور اضافہ کر دے گی۔“^(۲)

آنے والے سالوں کے دوران قادیانی تحریک کاروں نے افغانی سیاست
میں اپنا مجرمانہ کردار جاری رکھا۔ فروری ۱۹۳۵ء میں دو اور قادیانی گرفتار کیے گئے جن پر
افغان حکومت کے استحکام کے خلاف سازشوں کا الزام تھا۔ انہیں بھی موت کے گھاٹ
اتار دیا گیا۔ ان قادیانی جاسوسوں کی پھانسی پر افغان وزیر داخلہ نے مندرجہ ذیل بیان
جاری کیا۔

”کابل کے دو اشخاص ملا عبد الحلیم چہار آسانی اور ملا نور علی قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو
چکے تھے اور لوگوں کو اس عقیدے کی تلقین کر کے انہیں اصلاح کی راہ سے بھٹکا رہے
تھے۔ جمہوریہ نے ان کی اس حرکت سے مشتعل ہو کر ان کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا جس
کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجرم ثابت ہو کر عوام کے ہاتھوں بے گناہ رہا۔ رجب کو عدم آباد پہنچائے
گئے ان کے خلاف عدالت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا اور مملکت افغانستان کے مصالح
کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے پائے گئے تھے۔ جن میں پایا
جاتا ہے کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھوں بک چکے تھے اس واقعے کی تفصیل مزید
تفتیش کے بعد شائع کی جائے گی۔“^(۳) لاہوری جماعت نے قادیانی مرتدین اور کابل

۱۔ الفضل ۵ دیان۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۴ء۔

۲۔ الفضل ۵ دیان ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۴ء۔

۳۔ الفضل ۵ دیان۔ ۱۳ مارچ ۱۹۲۳ء۔ مزید تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ نمبر ۴۶۷۔

میں جاسوسوں کی وفات پر قادیانی موقف کی تائید کی۔^(۱)

امان اللہ خان کو سلطنت سے نکالنے کے لیے برطانوی جارحیت کے دوران قادیانیوں نے افراد اور دولت کے ذریعے اپنی بھرپور مدد فراہم کی۔ انگریزوں نے ”بچہ سقہ“ کو تخت پر براجمان کرانے کے لیے اسے آگے بڑھایا۔ جس کے نتیجے میں سینکڑوں افغان جنگجو موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ قادیانی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ”پندرہ اپریل ۱۹۰۳ء کی مرزا غلام احمد پیش گوئی کے مطابق سلطنت کا بل میں پچاسی ہزار آدمی مارے جائیں گے۔“ جبکہ اس خانہ جنگی میں تقریباً ایک لاکھ آدمی مارے گئے تھے۔

نو مارچ کو جنرل نادر خان نے فرانس سے واپس آ کر ”بچہ سقہ“ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور کامل پر قبضہ کر لیا۔ بد قسمتی سے آٹھ نومبر ۱۹۳۳ء کو اسے گولی مار دی گئی۔ مرزا محمود نے بڑی مسرت سے یہ اعلان کیا کہ

”مرزا غلام احمد کی پیش گوئی ”آہ! نادر خان کہاں چلا گیا پوری ہو چکی ہے۔“^(۲)

کامل کے استحکام کے خلاف قادیانی سازشیں کبھی بھی ختم نہ ہوئیں۔ قادیان کے افغان مخالف بہروپ نے مختلف مواقع پر مختلف شکلیں اختیار کیں۔ وہ افغان حکمرانوں سے نفرت کرتے تھے اور ان کی حکمت عملیوں کی سرعام مذمت کرتے تھے۔

لندن ”مسجد“

ڈاکٹر ہنری لائٹرن نے جو اورینٹل کالج لاہور کا سربراہ اور ایک مستشرق تھا لندن میں ایک مشرقی ادارہ کے قیام کا خیال ظاہر کیا جس کے ساتھ ایک مسجد بھی ملحقہ ہو۔ اسے اس مقصد کے لیے ہندوستان سے خطیر عطیہ جات موصول ہوئے۔

”عطیات دینے والوں میں سب سے اہم بیگم بھوپال اور ریاست حیدرآباد کے وزیراعظم

سالار جنگ تھے۔ ڈاکٹر لائٹرن نے لندن سے چوبیس میل دور سرے میں وزنگ کے مقام

۱۔ مولوی محمد علی۔ ”تحریک احمدیہ اور جہاد“ افغانستان“ سول پبلیکیشنس۔ لاہور ۱۹۲۵ء

۲۔ مرزا محمود احمد سرزمینِ قافل میں ایک نادر عنوان کا ٹھہر۔ قادیان نومبر ۱۹۳۳ء۔

پر ادارہ اور مسجد قائم کی۔ بیگم بھوپال کے اعزاز میں اس مسجد کا نام ”شاہجہاں مسجد“ اور اس کے ساتھ ہی ملحقہ ایک رہائشی عمارت تعمیر کی گئی جس کا نام ”سرسالار جنگ میموریل ہال“ رکھا گیا۔ ڈاکٹر لائٹر کی وفات کے بعد تمام جائیداد اس کے سب سے بڑے بیٹے اور خاندان کے سربراہ کے پاس چلی گئی۔^(۱)

مسجد اور ہال کی دیکھ بھال اسی خاندان کے پاس رہی مگر ان کا کوئی عملی استعمال نہ ہو سکا۔ سید امیر علی کے علاوہ کئی دیگر مسلمان عمائدین نے ان سے گزارش کی کہ چونکہ یہ جائیداد بنیادی طور پر مسلمانوں سے متعلق ہے لہذا یہ ان کے حوالے کر دی جائے۔ یہ ان کے لیے قابل قبول نہ تھا کیونکہ وہ اس جائیداد کو اپنی ذاتی ملکیت تصور کرتے تھے۔ تاہم ایک معاہدے پر وہ راضی ہو گئے جس کی رو سے میموریل ہاؤس اور مسجد کو اس خاندان نے مسلمانوں کے حوالے کر دیا جبکہ ادارہ اور اس کے ملحقہ رقبہ کو اپنے تصرف میں رکھا۔^(۲)

۱۹۱۲ء میں حکیم نور الدین نے خوجہ کمال الدین کو قادیانی عقائد کی تبلیغ کے لیے انگلستان بھیجا۔ اس نے سید امیر علی سے گزارش کی کہ وہ مسجد اور ہاؤس کا انچارج اسے بنادے تاکہ مسجد کو ایک عبادت گاہ اور میموریل ہاؤس کو امام کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔ امیر علی نے اس سے اتفاق کر لیا اور ایک رسمی وقف نامہ ۱۹۱۳ء میں مرتب ہو گیا جسکی رو سے مسجد اور اس میموریل ہاؤس کا انصرام ان کے ہاتھوں میں چلا گیا۔^(۳)

۱۹۱۳ء میں قادیانی جماعت دو متحارب فریقوں لاہوریوں اور قادیانیوں میں تقسیم ہو گئی۔ خوجہ کمال الدین نے قادیانی مبلغ فتح محمد سیال کو لندن کمیشن سے نکال دیا جسے مرزا محمود نے خوجہ کمال الدین کی حرکات پر نظر رکھنے کے لیے لندن بھیجا تھا۔ احمدیہ لاہور کے ارکان نے اس کو اپنے عقائد کے پرچار کے لیے کئی سال تک استعمال کیا۔

۱۔ ظفر اللہ احمدی۔ ص ۲۴۸۔

۲۔ ظفر اللہ احمدی۔ ص ۲۴۸۔

۳۔ ظفر اللہ احمدی۔ ص ۲۵۰۔

دو کنگ مسجد اب مسلمانوں کے تصرف میں ہے۔

قادیانی جماعت نے لندن میں اپنے الگ مرکز کی کمی کو شدت سے محسوس کیا۔ ۶۳۱ میلروز روڈ لندن میں ایک یہودی^(۱) سے مسجد کی تعمیر کے لیے ایک گھر اور ایک قطعہ زمین حاصل کیا گیا۔ مرزا محمود نے لندن سے روانگی سے قبل یہاں ”مسجد“ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس تقریب میں پنجاب کے سابقہ کمشنر خزانہ سر الیگزینڈر ڈریک۔ انڈیا آفس کی سسر رینی پین، جاپانی سفیر، جرمن ناظم الامور، ایتھوپیا اور البانیہ کے وزراء، سریا کے قونصل اور وینڈز ورتھ کے میئر نے شرکت کی۔ ترکی وزیر نے بیماری کی وجہ سے معذرت کر لی۔

یہ اعلان کیا گیا کہ مسجد کی تعمیر پر دس ہزار روپے لاگت آئے گی جس کا انتظام ہو چکا ہے۔ تقریب کے موقع پر صرف محراب تعمیر کیا گیا۔^(۲)

مرزا صاحب نے اس بات کو صاف طور پر واضح کر دیا کہ مسجد کا مطلب خدا کی عبادت گاہ ہے اور یہ عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے بھی اسی طرح کھلی ہوگی جیسی مسلمانوں کے لیے ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بھی خدا پر یقین رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ احمدیہ جماعت کی مخلصانہ کوششوں سے انصاف اور دوستی اور محبت کو پروان چڑھانے میں مدد ملے گی۔^(۳) اخبار ”یارکشائر آبدور لندن“ کی ایک اطلاع میں مذکور ہے۔

”آج سہ پہر لندن کی پہلی مسجد کا سنگ بنیاد ساؤتھ فیلڈز میں رکھا گیا جو کہ احمدیہ جماعت کی زیر نگرانی مغربی ماحول کی مطابقت میں تھا۔ خلیفہ المسیح نے صدارت کی جو اس جماعت کے سربراہ ہیں۔ جس کی بنیاد پنجاب میں چونتیس سال پہلے رکھی گئی تھی۔ آپ بانی سلسلہ احمدیہ کے تیسرے جانشین ہیں۔ آپ نے تقریب کی صدارت کی۔ اس مجمع نے رنگ برنگ منظر پیش کیا۔ میں نے بھی محسوس کیا کہ سبز پتھریوں نے اس کی اہمیت اس

۱۔ ڈاکٹر محمد اسحاق۔ تاریخ مسجد فضل لندن ۵ دیان ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۲-۳۴۔

۲۔ دی مسلم ورلڈ آکٹوبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۴۰۹۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ نمبر ۴۲۷۔

طرح بنادی کہ اس کے پہننے والوں اور سرخ ترکی ٹوپوں والوں نے ملکہ کے حج کا سماں پیدا کر دیا۔^(۱)

ایک عیسائی تبلیغی رسالے کی ایک خفیہ رپورٹ یوں ہے۔

”عام مسلمان احمدیوں کو مرتد خیال کرتے ہیں مگر احمدیہ جماعت جو کچھ بھی ہے آہستہ آہستہ مغربی ممالک میں پروان چڑھ رہی ہے۔ اسلام کے لیے اس کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے شروع شروع میں عیسائیت کی حیثیت یہودیت کے لیے تھی۔ اور اس کا بانی بھی مہدی اور مسیح موعود کی پیش گوئی کا دعویٰ ہے۔“^(۲)

اخبار مزید لکھتا ہے۔

”مسلم ممالک میں بہت سے برطانوی باشندوں نے جو ہمارے زیر حکومت یا زیر اثر ہیں اس انداز لا تعلقی پر افسوس کا اظہار کیا ہے جس طرح حکومت نے حالیہ تجویز پر عمل کیا ہے کہ یہ لندن میں مذہب کے مطابق ایک مسجد کی تعمیر میں مدد فراہم کرے گی۔ فرانسیسی حکومت نے اپنی مسلمان رعایا کے لیے ایک ایسی ہی مسجد تعمیر کی ہے جس سے اس کے احترام میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔“^(۳)

اکتوبر ۱۹۲۳ء کے آخری ہفتے میں مرزا محمود واپس ہندوستان کے لیے روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل انہوں نے کہا۔

”میرے خیال میں انگریز کے کاندھوں پر ایک عظیم ذمہ داری ہے وہ برطانوی سلطنت کا مرکز اور اسکے اتحاد کے ضامن ہیں۔ میرے خیال میں یہ رشتے اور مضبوط ہوں گے اور کبھی بھی توڑے نہیں جاسکیں گے۔ میں اپنی اور اپنی جماعت کی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ اپنے ہم وطنوں کو جو برطانوی جزیروں اور سلطنت کے دوسرے حصوں میں رہتے ہیں باہم متحد کریں گے۔ برطانوی سلطنت میں اتحاد اور تعاون کی تحریک کی مضبوطی اور تمام دنیا سے ان کے روابط بڑھانے کے لیے اپنی بہترین کوششیں صرف کریں گے۔“^(۴)

۱۔ دی مسلم ورلڈ، اکتوبر نومبر ۱۹۲۵ء۔

۲۔ نیوز اینڈ ٹوئس۔ یکم جنوری ۱۹۲۵ء۔

۳۔ نیوز اینڈ ٹوئس۔ یکم جنوری ۱۹۲۵ء۔

۴۔ لندن اور مشرقی قریب۔ نومبر ۱۹۲۴ء۔

افتتاحی تقریب

سامراجی مقاصد کی ترویج کے لیے لندن مسجد نے ایک مضبوط پروپیگنڈہ مرکز کا کردار ادا کیا۔ یہ بیک وقت کلیسا اور یہودی معبد تھی۔ ۱۹۲۶ء میں مسجد کی تعمیر کے بعد اس کی افتتاحی تقریب بھی ایک دلچسپ قصہ ہے۔ مرزا محمود نے اس مقصد کے لیے سب سے پہلے سابق شریف ملہ کے بیٹے امیر زید کا نام تجویز کیا۔ اس کے بعد عراق کے شاہ فیصل کے نام کا قرعہ نکل آیا۔ ان کو دعوت نامہ بھجوا دیا گیا مگر انہوں نے ٹکا سا جواب دے دیا۔^(۱) کسی بھی اہم عرب مسلمان کا نام تجویز کرنے میں مرزا محمود کی یہ نیت تھی کہ وہ اس عمارت کو ایک مسجد کے طور پر پیش کرے اور قادیانی جماعت کو اسلام کی ایک تبلیغی جماعت کے طور پر ظاہر کرے۔ یہاں سے ناکامی کے بعد اس نے اپنی توجہ سعودی عرب کے شہزادہ فیصل (شاہ فیصل شہید) پر مرکوز کر لی اور شاہ سعود کو لکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو اس تقریب کے افتتاح کے لیے کہیں۔ انہوں نے شاہ سعود کے ایک قریبی دوست سینٹ جان فلیس کو جس کے تعلقات سعود خاندان کے ساتھ اتنے زیادہ منظر عام پر نہیں آئے تھے بھی گزارش کی کہ وہ اپنے دوست کو ترغیب دیں کہ وہ اس تقریب کے لیے اپنے بیٹے کو بھجوائیں۔^(۲) یہاں یہ تذکرہ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ جان فلیس کم فلیس کا باپ تھا جو بعد میں ایک بدنام دہرے جاسوس کے طور پر سامنے آیا اور جس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ روسیوں کی طرف داری میں جنگ عظیم دوم کے بعد کے زمانے میں انگریزوں کو دھوکا دیتا رہا۔^(۳)

ستمبر ۱۹۲۶ء میں امیر فیصل لندن کے سرکاری دورے پر گئے۔ مرزا محمود نے اعلیٰ برطانوی حکام جن میں جدہ میں برطانوی قنصل مسٹر جورڈن اور محکمہ امور خارجہ کے کنٹرولر مائٹ شامل تھے۔ برقی تار ارسال کیئے اور شاہ سعود کو متواتر گزارش کی کہ وہ اپنے

۱۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۵۴۸۔

۲۔ اکثر اساتذہ صفحہ ۳۲-۳۳۔

۳۔ برس ۵۳۔ ڈیوڈ کی اور فلپ ناٹھی، جاسوس جس نے ایک نسل کو دھوکا۔ لندن ۱۹۸۰ء۔

بیٹے کو اس تقریب میں شرکت کے لیے کہیں۔ لندن کے مبلغ عبدالرحیم درد نے بار بار اعلانات شائع کیے کہ رسم افتتاح پر امیر فیصل مہمان خصوصی ہونگے جبکہ مرحوم شاہ سے اس بات کی اس نے کوئی رسمی رضامندی اور یقین دہانی حاصل نہ کی تھی۔

شاہ سعود کو قائل کرنے کے لیے مرزا محمود اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے دھمکی دی کہ شاہ سعود نے اپنے بیٹے کو افتتاحی تقریب میں نہ بھیجا تو ان کی حکومت جو کہ پہلے ہی ایک عام آدمی کی ہمدردیاں کھو چکی تھی ہندوستان کے تعلیم یافتہ اور دانا طبقے کے غضب کو دعوت دے گی۔^(۱)

امیر فیصل نے مختلف برطانوی حلقوں کی پر زور ترغیب کے باوجود تقریب میں حصہ نہ لیا۔ مخزن لاہور کے مدیر اور پنجاب مجلس قانون ساز کے صدر سر عبدالقادر کی آمد نے امام درد کو منہ دکھانے کے قائل کر دیا وہ لیگ آف نیشنز میں ہندوستان کی نمائندگی کے لیے آئے تھے۔ اسے فضل مسجد لندن کی افتتاحی تقریب کے لیے ترغیب دی گئی۔ تاریخ احمدیت میں مرقوم ہے۔

”اگرچہ شہزادہ فیصل نہ آئے مگر فضل مسجد کی افتتاحی تقریب کے بعد جماعت احمدیہ نے وہ کچھ حاصل کر لیا جس کی منصوبہ بندی کی گئی تھی برطانوی پولیس نے لندن مسجد اور احمدیہ جماعت کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی۔“^(۲)

لندن کے اخبار ”مشرقِ قریب اور ہندوستان“ نے اس غلط فہمی پر مسلسل اظہار خیال کیا جس کی بنا پر نوجوان امیر کو مسجد کے افتتاح کے لیے کہا گیا تھا۔ اور پھر ایسا نہ ہونے کے باعث اس رنگین اور تاریخی تقریب کی صدارت کے لیے آخری وقت پر ایک نیا انتخاب کیا گیا۔ یعنی یہ قرعہ خان بہادر شیخ عبدالقادر کے نام نکلا جو لیگ آف نیشنز میں ہندوستانی وفد کے رکن کے طور پر لندن میں تھے۔

امام عبدالرحیم درد نے خلیفہ کا پیغام پڑھ کر سنایا جس کا سب سے اہم حصہ یہ تھا

کہ عیسائیوں اور مسلمانوں پر برابر کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ زمین پر دوستی اور امن کے لیے مل کر کوششیں کریں اس مقصد کے لیے خدا کے نام پر تعمیر شدہ گھروں کو اس اتحاد کے مراکز بنایا جاسکتا تھا۔ اس خطاب میں اس نے کہا کہ وہ سمجھ نہیں پاتے کہ ابن سعود کے رویہ میں کس طرح تبدیلی آئی۔

شیخ عبدالقادر نے مسجد کے افتتاح کے وقت کہا کہ وہ اس قابل نہیں کہ یہ کام انجام دیں۔ پہلے تو یہ کہ وہ شہزادے نہیں دوسرے وہ ایسی تقاریب کو ناپسند کرتے ہیں۔ تاہم انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ حکومت برطانیہ فرانس کی مثال کو پیش نظر رکھتے ہوئے برطانوی سلطنت کے دارالحکومت میں مسجد تعمیر کرے گی۔

پھر ایک غیر مسلم مہاراجہ بردوان کا چونکا دینے والا خطاب تھا۔ اس نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کی فضا میں رہ سکتے ہیں اس تقریب میں شمولیت کو اپنی ذمہ داری سمجھا۔ اس نے اس بات پر بھی خوشی کا اظہار کیا کہ اسے ایک مسلمان تقریب میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے اور خان بہادر کی صدارت کو اس نے اس موقع کی مناسبت سے اسلام کی ہمہ گیری کا ایک مظہر قرار دیا۔ تقریب میں شرکت کرنے والوں میں سفارتکار۔ کاؤنٹ ور سے، لارڈ ویسٹی، لارڈ ایش فیلڈ، سر پارک گاف رکن پارلیمنٹ، سر مائیکل اور لیڈی ایڈوارڈ، سر ولیم سمپسن، سر ہنری جیکسن رکن پارلیمنٹ، مسٹر بیٹ فلی، لیفٹیننٹ کرنل پی ایس بی ولیمز، اور لیفٹننٹ کرنل کٹلی فون شامل تھے۔

یہ بات مد نظر رہے کہ کسی مسلمان ملک نے سرکاری طور پر نمائندگی نہ کی۔^(۱) اخبار نے یہ نتیجہ نکالا کہ مسجد بذات خود مشرق اور مغرب کے مابین ایک اتحاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ احمدیہ جماعت کے ارکان نے اسلام اور عیسائیت کے درمیان ایک قسم کی یک جہتی کی کوشش کی ہے۔^(۲)

۱۔ The Near East and India، سات اکتوبر ۱۹۲۶ء۔

۲۔ مشرق بعید اور ہندوستان، ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۶ء۔

فلسطین مشن

لندن کے دفتر نوآبادیات کی ہدایات کی روشنی میں مرزا محمود نے مشرق وسطیٰ کیلئے ایک مذموم منصوبہ تشکیل دیا۔ مرزا محمود اکتوبر ۱۹۲۳ء میں ہندوستان واپسی کے وقت ظفر اللہ خان کے ساتھ گرینڈ ہوٹل پیرس میں ٹھہرے۔ ستائیس اکتوبر کو وہ ”کھرے ڈوینوں“ گئے۔ فرانسیسی کھرے ہوٹلوں میں منعقد کیئے جاتے تھے جہاں ننگے ڈانس ہوتے تھے۔ اس کھرے میں ”موت و حیات“ نامی کھیل چلایا جا رہا تھا۔ خلیفہ صاحب نے یورپی معاشرے کی عریانیت اور اس کے جنسی پہلو کو بھی دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ وہ ظفر اللہ خان کو لے کر ایک ناچ گھر گئے جہاں انہوں نے فرانس کی فاحش لڑکیوں کے قابل اعتراض مناظر بھی ملاحظہ کیئے۔ ان سب چیزوں کا انہوں نے خود ذکر کیا ہے۔^(۱) جب سارا کھیل ختم ہو گیا تب وہ اس ناچ گھر سے باہر آئے۔^(۲)

اتیس اکتوبر کو وہ پیرس میں برطانوی وزیر لارڈ کریو سے ملے اور اس کے ساتھ ہندوستان کی سیاسی صورت حال پر تبادلہ خیال کیا۔ لارڈ کریو نے ان کے موقف کو سراہا۔^(۳) مصر میں مختصر قیام کے دوران مصری مسلمانوں نے مرزا محمود کے استقبال کے لیے کیئے گئے انتظامات کو تہہ وبالا کر دیا۔ مرزا محمود کہتے ہیں۔

”جب میں ۱۹۲۳ء میں ہندوستان کیلئے واپس آ رہا تھا تو مصر کے احمدیوں نے اسکندریہ میں میرے استقبال کے انتظامات کے لیے ایک اجلاس بلایا جہاں لوگوں نے ان پر

۱۔ الفضل ۵ دیاں 18 جنوری 1934ء۔

۲۔ الفضل ۵ دیاں 7 جولائی 1946ء۔

۳۔ الفضل ۵ دیاں 13 اپریل 1926ء۔

برطانوی آلہ کار ہونے کے الزامات عائد کرتے ہوئے بے خبری میں حملہ کر دیا۔ جن میں سے کچھ معصوم لوگ مارے گئے جبکہ بعض کا شدید مالی نقصان ہوا۔“

دورے سے حاصل کردہ مقاصد اور لندن میں اعلیٰ برطانوی حکام کی جانب سے دی گئی ہدایات کی روشنی میں مرزا محمود نے اپنا آئندہ کا سیاسی لائحہ عمل ترتیب دیا۔ انہوں نے مشرق وسطیٰ کے معاملات میں خصوصی دلچسپی ظاہر کی جہاں قادیانیت ابھی تک جڑیں نہیں پکڑ سکی تھی۔ لہذا انہوں نے سامراجی مقاصد کی خاطر اپنی جماعت کو وہاں بھی داخل کرنے کی کوشش کی۔ عرب ممالک میں اپنی مذموم منصوبہ بندی کی خاطر انہوں نے احمدیہ مشن کے قیام کی تجویز تیار کی۔ اس مقصد کے لیے جون ۱۹۲۵ء میں انہوں نے ولی اللہ شاہ اور جلال الدین شمس کو مشرق وسطیٰ بھیجا۔^(۱) یہ دونوں سامراجی ایجنٹ شام پہنچے۔ جو ان دنوں فرانس کے زیر تسلط تھا۔ شمس مصر میں ٹھہر گیا جبکہ ولی اللہ کچھ برطانوی آلہ کاروں کو اہم خطوط پہنچانے کے لیے عراق چلا گیا۔ اس نے عراق میں برطانوی ہائی کمشنر پرسی کا کس سے ملاقات کی تاکہ شاہ فیصل کو قائل کیا جاسکے کہ وہ احمدیت پر پابندی کو ہٹالے جو حکومت نے عراق میں ان کی سرگرمیوں پر عائد کر رکھی تھی۔ نئے برطانوی ہائی کمشنر سر ہنری ڈابس کی سرگرم کوششوں اور ولی اللہ کے ایک پرانے دوست عراقی وزیر خزانہ رستم بے حیدر^(۲) کی بھرپور حمایت سے شاہ فیصل آف عراق قادیانی جماعت پر پابندیاں نرم کرنے پر راضی ہو گئے۔ اپنے ایک خطاب میں مرزا محمود احمد قادیانی جماعت کے لیے اس کی اہمیت اور اثرات پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

”میرے نزدیک شاہ صاحب نے اس سفر میں جو بڑا کام کیا ہے وہ عراق کے متعلق ہے۔ یہ سب سے پہلے ایک ایسا کام ہے جو دور رس اثر رکھتا ہے۔ ہم گورنمنٹ آف انڈیا کے ذریعے کوشش کر چکے تھے مگر پھر بھی اجازت نہ حاصل ہوئی تھی۔ وہاں سے ہمارے آدمی اس لیے نکالے جا رہے تھے کہ تبلیغ کر رہے تھے۔ اپنے گھر میں جلسہ کرنا منع تھا۔ یہ کام

۱۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم۔ ص 493۔
۲۔ شیخ محمود عمر فاروق، قادیان۔ عالمگیر پبلشرز پریس۔ لاہور۔ 1942ء ص 288۔

اس قسم کا ہے کہ سیاسی طور پر اس کے کئی اثرات ہیں۔ اس سے سمجھا جائے گا کہ احمدی قوم حکومتوں کی رائے بدلنے کی قابلیت رکھتی ہے۔^(۱)

عراق میں سیاسی مقصد کے حصول کے بعد ولی اللہ دمشق چلا گیا۔ جہاں پہلی جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے اسے ترکوں کی جاسوسی پر مامور کیا تھا۔ وہ وہاں فرانسیسی بائی کمشنر جنرل مورس سریال سے ملا اور اسے مصر میں قادیانی مرکز کے ذمہ لگائے جانے والے سیاسی کردار کی وضاحت کی۔ ۱۹۲۵ء تک شام میں فرانسیسی راج کی بنیادیں مل گئیں جب سات روزہ بغاوت کا آغاز ہوا۔ انہوں نے دمشق میں قوم پرستوں کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا۔ فرانسیسی سامراجیوں نے اس بغاوت کو کچلنے کے لیے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ آخر کار ایک معاہدہ طے ہو گیا۔ عبدالرحمان شاہ نے شام کے لیے ایک انقلابی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔^(۲) اس ابتری کے دور میں شمس نے قادیانی عقائد کی خفیہ تبلیغ جاری رکھی۔ اس نے احمدیت کے تعارف کے لیے ایک رسالہ ”الحقائق الاحمدیہ“ شائع کیا اور مرزا غلام احمد کی کتاب کشتی نوح کا عربی میں ترجمہ کر ڈالا۔^(۳) اس کی جہاد مخالف اور برطانوی حمایت میں تحریروں نے شامی مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ اس کی سرگرمیوں کے خلاف حکومت سے احتجاج کریں اور اس کے شام سے نکالے جانے کا مطالبہ کریں۔

شمس نے قادیان کو شام مشن کی سرگرمیوں کی رپورٹ ارسال کی اور تبلیغ کے دوران پیش آنے والی مشکلات کو بیان کیا۔ اس نے شام میں سیاسی بے چینی کے بارے میں اشارہ کیا اور انگریزوں کی بیرون ملک سفارتکاروں کے ذریعے بحال کی گئی امداد اور احمدی مبلغین کے ساتھ تعاون اور ان کی حفاظت پر زبردست خراج تحسین پیش کیا۔^(۴) دسمبر ۱۹۲۷ء میں اسکی نام نہاد تبلیغی سرگرمیوں سے مشغول ہو کر کچھ شامی قوم پرستوں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا جس میں وہ بمشکل بچا۔^(۵) مرزا محمود نے اس حملے کا گہرا اثر قبول کیا

۱۔ تاریخ احمدیت جلد ہفتم ص ۱۰۷۔

۲۔ پیر سنسلاٹ ص ۲۳۸۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد ہفتم ص ۴۹۷۔

۴۔ الفضل قادیان، ۸ اگست ۱۹۲۶ء۔

۵۔ تاریخ احمدیت جلد ہفتم ص ۴۹۷۔

اور برطانوی اور فرانسیسی حکام خصوصاً شام میں فرانسیسی ہائی کمشنر ہنری پانسو کو خطوط لکھے۔ دوسری طرف شامی مسلمانوں نے اس کے اخراج اور مذہبی اور سیاسی بنیادوں پر شام میں قادیانی مرکز کی بندش پر مسلسل دباؤ ڈالے رکھا۔^(۱) ۱۹۲۸ء میں مارشل لاء اٹھایا گیا اور تاج الدین الحسنی کو کابینہ بنانے کی دعوت دی گئی۔ دس مارچ ۱۹۲۸ء کو انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا اور اس سے ایک روز قبل جلال الدین شمس کو چوبیس گھنٹے کے اندر ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا گیا۔ مرزا محمود کی ہدایات پر وہ فلسطین چلا گیا اور اس کی جگہ ایک شامی احمدی کو امیر مقرر کر دیا گیا۔

مارچ ۱۹۲۸ء میں شمس فلسطین پہنچا۔ اللہ دتہ قادیانی کے الفاظ میں اس نے کوہ کارمل پر مقدس صحائف کی پیش گوئیوں کے مطابق احمدیہ مرکز قائم کیا۔^(۲) فلسطین ان دنوں برطانوی انتداب کے ماتحت تھا۔ فلسطین میں مرزا غلام احمد کے دور سے ہی احمدی سرگرم عمل تھے۔ انہوں نے فری میسنری، خفیہ یہودی مجالس اور سامراجی حمایت یافتہ قوم پرست تنظیموں کے ساتھ تعلقات قائم کیئے ہوئے تھے۔ تاریخ احمدیت کے مولف دوست محمد شاہد کے مطابق طرابلس کا محمد المنربی پچھلے تیس برسوں سے (۱۹۰۵ء) سے احمدیہ عقائد کی تبلیغ میں مصروف تھا۔ مرزا غلام احمد نے بذات خود عرب دنیا میں جہاد مخالف اور برطانیہ کی حمایت میں لٹرچر کی تقسیم جاری رکھی تھی۔^(۳) (بہائیت کے موجودہ مرکز) حیفہ کے قریب عکہ میں شاذلیہ صوفی سلسلے کا ایک رکن شیخ ابراہیم قادیانی آلہ کار تھا۔ ۱۹۳۰ء تک چند خاندانوں نے قادیانی مذہب اختیار کر لیا۔ جن میں کبابیر کے صالح عبدالقادر عودہ نمایاں تھے۔ چنانچہ شمس کو اس کی آمد پر فلسطین میں بنیائی حمایت مل گئی۔ شمس فلسطین کے ہائی کمشنر سر ہربرٹ پلومر سے ملا اور دوسرے برطانوی حکام کے ساتھ غیر رسمی ملاقاتیں کیں۔ مرزا محمود نے انڈیا آفس۔ وائسرائے ہند لارڈ ارون اور لندن کے محکمہ نوآبادیات کو مطلع کیا اور فلسطین میں قادیانی مشن کے مستقبل کے سیاسی

۱۔ دیکھئے خالد احمدیت۔ جے ڈی شمس کی مختصر سوانح جلد اول۔ ریلو، ۱۹۶۸ء ص ۱۷۳-۱۹۲۔

۲۔ افضل قادیان۔ ۲۵ فروری ۱۹۴۴ء۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم ص ۴۹۹۔

کردار کے سلسلے میں ہدایات حاصل کیں۔ فلسطین میں احمدی مشن کے رسی قیام پر یہودی حلقوں نے اطمینان کا اظہار کیا۔ یہ مشن جلد ہی پورے مشرق وسطیٰ کے لیے ہیڈ کوارٹر میں تبدیل ہو گیا۔ اپنی سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیے مصر، شام، عراق اور خلیج کے قادیانی مبلغین فلسطین مشن سے ہی رہنمائی حاصل کرتے تھے۔^(۱) فلسطینی مشن کا سربراہ اکثر مشرق وسطیٰ کے دورے پر جاتا اور اپنی خفیہ اطلاعات قادیان کو ارسال کرتا۔

فلسطین مرکز نے صیہونیت کے سیاسی مقاصد کی تکمیل میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ عجیب محکمہ خیز بات ہے کہ یہودی احمدیت قبول کر لیں جو کہ انگریز کا لگایا ہوا پودا تھا۔ یہودیوں نے حقیقی مسیح علیہ السلام کو معاف نہیں کیا تھا وہ قادیان کے ایک جموٹے مسیحا کو کیسے قبول کر لیتے؟ جو آدمی یہودی ذہن کو سمجھتا ہے وہ بڑی آسانی سے جان لے گا کہ یہودی صیہونی ریاست کے بنیادی نظریے کے خلاف سرگرم عمل کسی بھی مشن کو فلسطین میں قائم کرنے کی کبھی بھی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ انہوں نے ارض موعود میں یہود مخالف مذہبی تنظیموں کو پھلنے پھولنے کی اجازت نہیں دی۔ قادیانی اور بہائی مراکز اس سے مستثنیٰ تھے۔ قادیانی مرکز فلسطینی مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کے خلاف بہت خطرناک ثابت ہوا۔ اس کا مقصد ان کی تحریک آزادی کو تباہ کرنا اور مسلمانوں کے درمیان رجعت پسند پریشر گروپ کو مستحکم کرنا تھا۔ جس کے لیے مقامی مبلغوں کو احمدی بنانے کی ضرورت تھی۔ اس مشن نے سامراجی تائید میں قائم ان سیاسی تحریکوں کو جو عرب ممالک میں چل رہی تھیں مزید مستحکم کیا اور مشرق وسطیٰ کے ممالک میں جاسوسوں کی کھیپ روانہ کرنے کے لیے مرکزی کردار ادا کیا۔ فلسطین مشن کو سامراجی سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے یہودی تنظیموں سے امداد ملتی تھی۔ یہودیوں کو احمدیت کے لبادے میں ایک مسخ شدہ اسلام یعنی جدید یہودیت کے پرچار پر بظاہر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔

مٹس نے آہستہ آہستہ اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ عرب حراحتی تحریکوں کو سبوتاژ کرنے کے لیے اس نے جہاد مخالف لٹریچر تقسیم کیا اور ”الجہاد الاسلامی“ کے عنوان سے ایک رسالہ تالیف کیا جس میں یہ ثابت کیا کہ مسیح موعود یعنی مرزا غلام احمد کی آمد کے بعد جہاد ہمیشہ کیلئے منسوخ ہو چکا ہے۔ یہ فلسطینی تحریک آزادی کی قوت محرکہ کو پامال کرنے کے مترادف تھا اور مرزا غلام احمد کے کتابچے ”انگریزی حکومت اور جہاد“ کا جہرہ تھا۔ ان دنوں فلسطین شدید ہنگاموں کی لپیٹ میں تھا۔ یہودی تنظیموں نے ایسے لٹریچر کی وسیع پیمانے پر تقسیم میں خصوصی دلچسپی ظاہر کی۔ یروشلم میں دیوار گریہ کے مقام پر مذہبی رسومات کی بجائے آوری سے متعلق ایک جھگڑے کے بعد فلسطین میں بد امنی شروع ہوئی۔ جس نے بڑی تیزی سے ایک یہود مخالف تحریک کا رخ اختیار کر لیا۔ صیہونی دہشت گردوں کے خلاف تحریک جہاد منظم کرنے میں مفتی امین الحسینی نے عظیم کردار ادا کیا۔ قادیانوں کی مذہب پرور پیگنڈہ ہم کے جواب میں ”مجلس اسلامی اعلیٰ“ اور ”جمعیت الشبان المسلمین“ نے گرانقدر خدمات سر انجام دیں۔^(۱)

ایک دفعہ مٹس پر عرب مجاہدین نے قاتلانہ حملہ کیا لیکن وہ نزدیکی یہودی آبادی میں بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ فلسطین کے برطانوی انتدابی علاقے میں دوسری دہائی کے وسط کے لگ بھگ یہودیوں کے پروردہ قادیانی عناصر اور فلسطینیوں کے مابین مستقل چپقلش جاری رہی۔ اپریل ۱۹۳۱ء میں مٹس نے صیہونی امداد کے ساتھ کبابیر میں ایک مسجد بنائی اور اپنی سرگرمیوں کے دائرہ کو خلیجی ریاستوں تک وسیع کر دیا۔

یروشلم کا نگر لیس

۱۹۲۳ء میں دیوار گریہ (مسجد اقصیٰ کا وہ مقام جہاں معراج کی رات حضرت جبرائیل علیہ السلام نے براق کو باندھا تھا) کے ہنگاموں کے بعد لیگ آف نیشنز نے معاملہ کے تصفیہ کے لیے ایک کمیشن روانہ کیا۔ کمیشن نے رپورٹ دی کہ فلسطینی زمینوں

پر حق ملکیت مسلمانوں کو حاصل ہے۔ یہودیوں نے مسلمانوں پر حملے جاری رکھے۔ مفتی انظم فلسطین نے یہودی چالوں کے مقابلے اور مسلمانان عالم کی توجہ حاصل کرنے کی غرض سے سات تا سولہ دسمبر ۱۹۳۱ء (۲۷ رجب) کو ”ورلڈ مسلم کانگریس“ کا اجلاس بلا لیا۔

کانگریس کا انعقاد ”روضۃ المعارف“ یروشلم میں ہوا۔ مسلمانان ہند کی نمائندگی علامہ اقبال، مولانا غلام رسول مہر اور مولانا شوکت علی نے کی۔ مولانا غلام رسول مہر اور علامہ اقبال یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کو گول میز کانفرنس لندن سے واپسی پر قاہرہ پہنچے۔ شان المسلمون کے نمائندوں، جمعیت رابطہ الہند (جس میں غالب اکثریت قادیانیوں کی تھی) ڈاکٹر عبدالحمید، سعید بے (ممبران پارلیمنٹ) علامہ رشید رضا، (مدیر المینار) ماسٹر امام دین سیالکوٹی، خود رشید عالم، شیخ محمود حسین اور شیخ محمود احمد عرفانی (احمدی) نے ان کا استقبال کیا۔^(۱) عرفانی نے عربی زبان میں ایک اخبار کی ادارت سنبھال رکھی تھی جس کا نام ”العالم الاسلامی“ تھا اور جس میں سیاسی معاملات پر سامراجی نکتہ نظر کی ترجمانی کی جاتی تھی۔ اس اخبار نے عرب دنیا میں تصادم کی بنیاد رکھی اور بد اعتمادی کے بیج بوئے۔ وہ رابطہ ہند یا ایک سرگرم رکن تھا۔

دو دسمبر کو شمس قاہرہ پہنچا۔ وہ مسلمان رہنماؤں سے ملا اور ان کے ساتھ فلسطینی معاملات پر تبادلہ خیال کیا۔ اگلے روز مسلمان مندوبین دمشق کیلئے روانہ ہوئے اور پچیس دسمبر کو کانگریس میں شرکت کے لیے یروشلم پہنچ گئے۔ حضرت مفتی امین الحسینی اور دوسرے ورلڈ مسلم کانگریس کے زعماء نے یروشلم ریلوے اسٹیشن پر ان کا استقبال کیا۔ احمدیوں اور یہودیوں نے بھی اپنا اثر ڈالنے کے لیے کانگریس میں شرکت کا فیصلہ کر لیا۔ فلسطین کے برطانوی ہائی کمشنر وانچوپ نے مسلمان نمائندگان سے کانگریس میں داخلے کی اجازت چاہی مگر احمدیوں اور یہودیوں کو کانگریس کے اجلاسوں میں شرکت کی اجازت نہ دی گئی۔ پہلے دن کے اجلاس کے علاوہ صحافیوں کو کانگریس میں داخلے کی اجازت مل گئی مگر کسی احمدی یا یہودی صحافی کے کانگریس کے اندر جانے پر پابندی تھی۔ ایک عیسائی رسالے نے

ایک یہودی کو اپنے نمائندہ کے طور پر اندر بھجوانا چاہا مگر اس کو نہ جانے دیا گیا اور مذکر کو کہہ دیا گیا کہ وہ کسی عیسائی یا مسلمان کو اس کی جگہ بھجوائے۔^(۱)

تاریخ احمدیت کا یہ دعویٰ ہے کہ مرزا محمود کو بھی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی مگر انہوں نے اپنی نمائندگی کے لیے ٹمس کو بھجوا دیا۔^(۲) یہ ایک مکمل طور پر بے بنیاد اور مضحکہ خیز دعویٰ ہے کیونکہ مسلمان مندوبین نے احمدیوں اور یہودیوں پر گہری نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ لہذا ٹمس کو کانفرنس میں داخلہ کی اجازت نہ ملی۔ مولف تاریخ احمدیت تسلیم کرتا ہے کہ

”اگرچہ ٹمس کو اجازت نہ دی گئی لیکن اس سے احمدیہ جماعت کی بین الاقوامی حیثیت مسلم ہوئی۔“^(۳)

”ورلڈ مسلم کانگریس“ کامیاب رہی۔ عالم اسلام کی مشہور مذہبی و سیاسی شخصیات نے اس میں شرکت کی۔ عبدالعزیز (تونس) موسیٰ جبار اللہ (چین) رضا توفیق (ترکی) سعید الجزائر (الجزائر) رشید رضا (مصر) ضیاء الدین طباطبائی (سابق وزیر اعظم ایران) شیخ سعید شامل (حضرت امام شامل رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے) اور بلقان، یوگوسلاویہ، افریقہ، جاوا، سری لنکا کے نمائندگان نے افتتاحی اجلاس میں شرکت کی۔ جو مسجد اقصیٰ میں منعقد ہوا۔ ایک سو تینتیس مندوبین کے علاوہ یروشلم اور فلسطین کے دیگر حصوں سے ایک کثیر تعداد میں حریت پسندوں نے شرکت کی۔^(۴)

قادیانی آلہ کاروں نے یہودیوں کی اعانت سے حضرت مفتی اعظم کے خلاف ایک شرم ناک مہم شروع کر رکھی تھی کہ مفتی صاحب تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لے رہے ہیں اور اس طرح ان کے اثر میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ مفتی صاحب کے خلاف مہم میں نٹشابلی خاندان کے مخالفین بھی شامل تھے۔ جو اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہے

۱۔ دی مسلم ورلڈ۔ اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۳۱ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد ۵ ص ۸۰۱۔

۳۔ یہیضا۔

۴۔ سہ ماہ ذابحث ۱۸ ستمبر ۱۹۷۴ء۔

تھے۔^(۱) مخالفین نے بیرونی دنیا کو کانگریس کے اصل مقاصد کی جگہ بڑی گھمبیر تصویر بنانا کر پیش کی۔ یہ افواہیں بھی پھیلائی گئیں کہ حضرت مفتی اعظم چند دنوں بعد اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیں گے۔ اس متحدہ مسلم فرنٹ کے قیام سے صیہونی خاصے پریشان ہوئے جبکہ مسلمانان عالم کو اپنے فلسطینی بھائیوں کے ساتھ ہونے والی نا انصافیوں سے آگاہی حاصل ہوئی۔ حضرت مفتی اعظم تمام مندوبین کو یہ قائل کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ صیہونی براق شریف (دیوار گریہ) کو یہودیت کے لیے حاصل کر کے اسے پوری مسجد اقصیٰ تک لے جانے کی نیت رکھتے ہیں۔ کانفرنس کی قراردادوں میں ”تنظیم نوجوانان مسلمانان کے قیام“ یروشلم میں مسلم یونیورسٹی اور فلسطین میں عرب کسانوں کی امداد“ شامل تھیں۔

نیا مبلغ

دسمبر کے آخری ہفتے میں ایک نیا مبلغ ہندوستان سے فلسطین روانہ ہوا۔ نئے مبلغ اللہ دتہ جالندھری کے فلسطین پہنچنے کے بعد جلال الدین ٹمس کے اعزاز میں ایک الوداعی تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں اور لوگوں کے علاوہ چند عیسائیوں اور یہودیوں نے بھی شرکت کی۔ انہوں نے ٹمس کی تعریف کی اور اسے شاندار خراج تحسین پیش کیا۔^(۲)

ناگوار حکمت عملی

ستمبر ۱۹۳۱ء سے لے کر جنوری ۱۹۳۶ء تک اللہ دتہ فلسطین میں احمدی مبلغ کے طور پر کام کرتا رہا۔ اس نے اپنے صیہونی آقاؤں کی پالیسیوں کو کامیاب بنایا اور قادیان کے ان سیاسی نظریات کی خوب ترویج کی جن کا منبع جہاد کی تنبیہ اور برطانوی سامراج سے تعاون تھا۔ اس نے فلسطینی قوم پرستوں کی سرگرمیوں کو کچلنے کے لیے ایک نیم عسکری

۱۔ البعث، ۲۰ مئی ۱۹۸۸ء۔

۲۔ البعث، ۲۰ مئی ۱۹۸۸ء۔

تنظیم قائم کی۔ جس میں مصر، شام اور فلسطین کے بدنام زمانہ دہشت گرد شامل تھے۔ علی الطفراق، احمد مصری، سلیم ربانی، عبدالرحمن برجاوی، صالح عودی، خضر آفندی اور درجنوں دوسرے بدنام دہشت گرد عرب ممالک میں سرگرم عمل تھے۔ ایک یہودی تنظیم کے ایماء پر انہوں نے قادیانیت کے ساتھ مل کر فلسطینی عربوں کی تنظیموں کی سرگرمیوں کو بری طرح متاثر کیا۔^(۱)

۱۹۳۳ء میں اللہ دتہ مصر چلا گیا۔ وہاں اس نے قاہرہ خفیہ محکمہ کے بدنام آلہ کار سعید بخت ولی سے ملاقات کی۔ اس نے مصری علماء کی عیسائی مبلغین کے خلاف چلائی گئی تحریک کو سیوتاڑ کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس نے فلسطینی مشن کے لیے خدمات سرانجام دینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ واپسی پر اللہ دتہ نے برطانوی حکومت سے استدعا کی کہ بخت ولی کو فلسطین میں داخلے کی اجازت دی جائے۔ پہلے پہل حکومت متردق تھی مگر بعد میں رضا مندی ظاہر کر دی۔ بخت ولی ایک احمدی سکول میں استاد کے لبادے میں فلسطین میں قیام پذیر ہو گیا۔ اللہ دتہ کہتا ہے۔

”فلسطین حکومت کے ساتھ آٹھ ماہ کی طویل خط و کتابت کے بعد ہمارے دوست سعید

بخت ولی کو فلسطین آمد کی اجازت ملی۔ وہ الازہر میں بھی زیر تعلیم رہا تھا۔ یکم اپریل ۱۹۳۳ء

کو اسے احمدیہ سکول میں معلم مقرر کیا گیا۔“^(۲)

اسی سال فرانسیسی حکومت نے شام سے قادیانی مبلغ کو نامعلوم وجوہات کی بناء پر نکال دیا۔ تاریخ احمدیت رقم طراز ہے۔

”اس سال (۱۹۳۳ء) میں شام میں (قادیانی) مبلغ منیر الحسنی کو فرانسیسی حکومت نے

نکال دیا اور وہ حیدہ (فلسطین) پہنچ گیا۔“^(۳)

فلسطین میں اپنے قیام کے دوران اللہ دتہ نے کبائیر میں احمدیہ مسجد مکمل کی اور وہاں ایک دارالکتب اور ایک مطبع قائم کیا۔ اپنے طباعتی مرکز کے کردار کے بارے

۱۔ پیر ۱۱۹ ص ۱۱۹۔

۲۔ الفضل قادیان۔ ۲۴ مئی ۱۹۳۴ء۔

۳۔ تاریخ احمدیت۔ جلد ۵ ص ۵۰۲۔

میں وہ لکھتا ہے۔

”اگرچہ ہم اقلیت میں ہیں مگر ہمارے مخالفین ہم سے خوفزدہ ہیں۔ عراق، شامی اور مصری پریس ہماری مخالفت اور ہمارے خلاف نفرت پیدا کرنے کو اپنی اولین ذمہ داری سمجھتا ہے۔ احمدیت کے تعارف اور مخالفانہ پروپیگنڈہ کے سدباب کیلئے پریس ہماری اولین ضرورت ہے۔“

فلسطین کے مذہبی و سیاسی حالات پر روشنی ڈالنے کے لیے اور احمدی موقف کے اظہار کے لیے ایک عربی رسالہ ”البشری“ جاری کیا گیا۔ مرزا محمود نے اللہ دتہ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

”مولوی اللہ دتہ صاحب شام اور مصر میں اچھا کام کر رہے ہیں۔ وہاں احمدیت کے شدید مخالفت ہو رہی ہے۔ بعض احمدیوں کو پٹا بھی گیا ہے۔ حکومت بھی مخالف ہے۔ حیدر میں ایک بہت بڑی جماعت قائم ہے جس کی بہت سے افراد مولوی جلال الدین مس کے وقت سے ہیں۔ مگر اللہ دتہ صاحب کام کو خوب پھیلا رہے ہیں۔“ (۱)

گول میز کانفرنسوں کے حوالے سے سر ظفر اللہ خان مئی ۱۹۳۳ء میں لندن میں مقیم تھے۔ وہ مرزا محمود کو کانفرنس کی کارروائی، مسلمانوں کے سیاسی مسائل اور برطانوی رد عمل سے آگاہ کرنے کے لیے متواتر خط لکھتے رہتے تھے۔ چھپیس مئی ۱۹۳۳ء کو لکھے گئے خط میں وہ کہتے ہیں۔

”میں فلسطینی معاملات پر تبادلہ خیال کیلئے سیکرٹری نوآبادیات سے ملا ہوں۔ سر فضل حسین نے مجھے کہا ہے کہ میں برطانوی حکومت کو مطلع کروں کہ وہ عربوں کے سلسلہ میں ایک ہمدردانہ حکمت عملی اپنائیں کیونکہ اس مسئلہ پر ہندوستان میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ فلسطین کے معاملات کی تازہ ترین صورتحال سے حکومت ہندوستان کو بھی مطلع کیا جانا چاہئے۔ میں نے اس معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر ان سے تبادلہ خیال کیا ہے اور ان کے علاوہ مجھے فلسطینی ہائی کمشنر سے بھی تبادلہ خیال کا موقع ملا ہے جو ان دنوں لندن میں

ہیں۔“ (۱)

اپنے خط میں ظفر اللہ نے لندن سے واپسی پر قسطنطنیہ اور فلسطین جانے کے لیے مرزا محمود سے اجازت طلب کی۔ انہوں نے اپنے مجوزہ دورے میں بعض معاملات میں ان کی ہدایات بھی طلب کیں کیونکہ فلسطین میں ہائی کمشنر نے انہیں ان ضروری اطلاعات کی فراہمی کا خصوصی وعدہ کیا تھا جس سے انہیں حکومت کی حکمت عملی اور اس کے نفاذ کے طریقہ کار کے متعلق جاننے کی اہلیت ہو سکتی تھی۔ (۲) سر ظفر اللہ نے اپنی آپ بیتی میں یہ افشاء کیا ہے کہ ۱۹۳۴ء میں انہوں نے لندن میں سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان سیمونیل ہور سے ملاقات کی اور اسے چند تجاویز بھی پیش کیں۔ سیکرٹری آف سٹیٹ نے یہ تجاویز سر لپی۔ جے۔ لسٹر سیکرٹری نوآبادیات کو پہنچا دیں۔ برطانوی ہائی کمشنر برائے فلسطین سر وانچپ بھی ان دنوں لندن میں تھا۔ اس نے عربوں کی طرف سے یہودیوں کو زمینوں کی فروخت کے اطلاق کے بارے میں مطلع کیا۔ اگرچہ سر سیمونیل کی سفارش پر فلپ لسٹر ظفر اللہ کو ملنے کے لیے راضی ہو گیا مگر اس نے عربوں کے لیے برائے نام ہمدردی کا اظہار کیا۔ (۳)

۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۵ء کے درمیان فلسطین میں یہودی آبادکاروں کا سیلاب اٹھ آیا۔ سب سے پہلے فلسطین میں یہودی آبادکاری مالی اور معاشی لالچ کی بناء پر شروع ہوئی حالانکہ بقیہ تمام دنیا اس وقت معاشی کساد بازاری کا شکار تھی۔ احمد یہ تبلیغ کے نام پر فلسطین کے قادیانی آلہ کاروں نے مسلح دستے تیار کر لیے اور فلسطین کے تمام حصوں میں وسیع پیمانے پر جہاد مخالف اور برطانوی حمایت پر مبنی لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ قادیان کو اللہ دتہ کی ارسال کردہ ایک اطلاع سے ظاہر ہوتا ہے کہ فلسطینی یہودی ہنگاموں کے دوران قادیانی عناصر پوری طرح سرگرم عمل تھے۔ انہوں نے فلسطین میں برطانوی حکمت عملی کی حمایت کی جس کا مقصد عربوں کو دبانا تھا۔ اللہ دتہ نے اپنی ایک رپورٹ میں تسلیم کیا ہے

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد ۵ ص ۵۸-۵۹۔

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد ۵ ص ۲۵۹۔

۳۔ ظفر اللہ خاں۔ تحفہ عتہ لوت۔ لاہور ص ۴۸۸۔

کہ ”یوم تبلیغ“ پر اس نے دس وفدوں پر مشتمل پینتیس مبلغین کو موٹر سائیکلوں پر فلسطین کے دور دراز کے علاقوں میں خصوصی طور پر تیار کئے گئے لٹرچر کی تقسیم کے لیے بھیجا۔^(۱)

۱۹۳۵ء کی آخری سہ ماہی میں فلسطین میں عرب سیاسی جماعتیں اس قابل ہو چکی تھیں کہ وہ صیہونیت کے خلاف کامیاب تحریک چلا سکیں۔ مرزا محمود نے لندن میں دفتر نوآبادیات سے رابطہ کیا اور لندن میں مقیم ایک قادیانی مبلغ مولوی یار محمد کو حیدر روانہ کیا کہ وہ فلسطینی معاملات پر ایک مفصل رپورٹ تیار کرے۔ مولوی یار محمد نے فلسطین پہنچ کر اپنی رپورٹ کی تیاری کے لیے صیہونی تنظیم کے اراکین اور فلسطین میں برطانوی ہائی کمشنر وانچوپ سے ملاقاتیں کیں۔

۱۹۳۶ء میں قادیان سے ایک نیا قادیانی مبلغ فلسطین بھجوا دیا گیا۔ فلسطین میں اپنے پانچ سالہ قیام کے دوران اللہ دتہ نے فلسطینی مجاہدین حریت کے خلاف مزاحمت کو منظم کیا۔ وسیع پیمانے پر اسلام مخالف لٹرچر تقسیم کیا گیا اور سیاسی سطح پر برطانوی، صیہونی طبقوں کو زیادہ سے زیادہ مدد فراہم کی گئی۔ مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کے تمام طبقے قادیانی رسالے ”البشری“ کے مضامین کو ناپسند کرتے تھے۔ الازہر یونیورسٹی کے سربراہ نے وزیر داخلہ سے مصر میں قادیانی لٹرچر کی تقسیم کے خلاف پرزور احتجاج کیا اور اس پر مکمل پابندی کا مطالبہ کیا۔^(۲) فلسطینی مشن نے قادیانیوں کے خزانے میں بھاری رقومات چندے کے طور پر جمع کرائیں۔ اس وقت (۱۹۳۶ء) فلسطین میں قیام پذیر قادیانیوں کی کل تعداد پانچ سو بتائی گئی مگر ان کے چندوں کی مالیت ہزاروں پونڈ تک جا پہنچی۔ اللہ دتہ کا اپنا اقرار نیچے بیان کیا جاتا ہے۔

”فلسطین کی جماعت نہایت مخلص جماعت ہے۔ وہ ہزار ہا روپے سالانہ چندہ دے رہے

ہیں۔“^(۳)

یہ بات ہر خاص و عام کی سمجھ میں باآسانی آ جاتی ہے کہ صیہونیوں نے اپنے

۱۔ افضل قادیان۔ 13 ستمبر 1935ء۔

۲۔ افضل قادیان۔ 26 فروری 1936ء۔

۳۔ افضل قادیان۔ 29 فروری 1944ء۔

قادیانی آلہ کاروں کے استعمال کے لیے بھاری رقومات رکھ دی تھیں تاکہ انہیں فلسطین کے اندر اور باہر اپنی تخریب کارانہ سرگرمیاں جاری رکھنے میں مدد مل سکے کیونکہ عرب ممالک میں حریت پسندوں کی طرف سے قادیانی آلہ کاروں کو حملے اور تشدد کے لاقعداد واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

۱۹۳۳ء میں عراق میں فیصل کی وفات کے بعد غازی برسر اقتدار آیا۔ مخالف سیاسی دھڑوں نے قبائلی عصیت کو فروغ دیا۔ جس کے نتیجے میں تواتر کے ساتھ کامینہ بنتی اور ٹوٹی رہیں۔ ۱۹۳۶ء میں جنرل بکر صدقی نے اقتدار حاصل کر لیا۔ عراقی ہائی کمشنر سرفرانس ہمفرے کے ایماء پر قادیانی آلہ کار عراق میں سرگرم عمل تھے۔ ہندوستان میں خفیہ محکمہ کا سابق مہتمم حاجی عبداللہ، معراج دین اور شیخ احمد فرقانی عراق میں برطانیہ کے تیل کے مفادات کی نگرانی کر رہے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں عراقی مجاہدین آزادی نے شیخ احمد فرقانی کو قتل کر دیا۔ اسے عراقی مسلمانوں کی جانب سے دس سالہ مقاطعہ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ ۱۹۴۴ء میں مرزا محمود کے سفر لندن کے دوران بغداد میں ان کے ساتھ قیام پذیر رہا تھا۔^(۱)

فروری ۱۹۳۶ء میں اللہ دتہ قادیان روانہ ہوا۔ مرزا محمود نے اس کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ فلسطین میں اس کی خدمات کو سراہا گیا۔ فلسطینی مرکز کانیا سربراہ محمد سلیم بنا۔ جس نے فلسطین میں آنے کے بعد یہودی تنظیم کے صیہونی ارکان کے ساتھ متواتر روابط رکھے تاکہ مستقبل کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جاسکے۔ ۱۹۳۶ء میں فلسطین میں آمد کے دو ماہ بعد حضرت سید امین الحسینی کی قیادت میں عرب سیاسی جماعتوں نے ”ہائیر عرب کمیٹی“ تشکیل دی۔ فلسطین میں یہودیوں کی تعداد کے بڑھتے ہوئے خطرے اور اس خوفناک خبر کے رد عمل میں کہ یہودی فلسطین میں خفیہ طور پر اسلحہ اکٹھا کر رہے تھے، اس مجلس اعلیٰ نے ہڑتال کی اپیل کی جو شامی اور عراقی رضا کاروں کی مدد سے ایک عوامی تحریک میں بدل گئی۔^(۲) ایک پیشہ ور خفیہ آلہ کار کیپٹن اوروون گیٹ جو مہدی سوڈانی

۱- تاریخ احمدیت، جلد ہفتم ص 156۔

۲- سبٹر مضمحلہ، ص 250۔

کے جانشین کے قتل کا ذمہ دار بھی تھا اور قاہرہ کے فوجی خفیہ محکمہ کے ساتھ بھی منسلک رہ چکا تھا۔ اس نے یہودیوں کی نیم عسکری دہشت پسند تنظیموں کی قیادت کی، ان کو منظم کیا اور انہیں پیشہ ور تعزیری دستوں میں تبدیل کر دیا۔^(۱) ان یہودی دستوں کی ذمہ داریوں میں سے ایک یہ تھی کہ وہ عربوں کو زبردستی ان کی آبائی سر زمین سے بے دخل کر دیں۔ بن گوریان کے مشیر اسرائیل بیر نے ان صیہونی تادیبی دستوں کی کارروائیوں کے سلسلے میں لکھا ہے کہ جنہیں وٹکیٹ نے تربیت دی تھی (بیر ۳۷۸-۱۹۳۶ء کی عرب یورش کے خاتمہ کی بات کرتا ہے)

”دوسری فوجوں کی نسبت ان خصوصی تادیبی دستوں نے زیادہ کام یہ کیا کہ وہ رات کو شب خون مارتے عربوں کو دبانے کے علاوہ انہوں نے انگریزی انتظامیہ کو بھی مفلوج کر دیا۔ جیسا کہ فلسطین کے شاہی کمیشن نے بھی تسلیم کیا ہے کہ وٹکیٹ کے خصوصی دستے صرف گوریلا جنگ کو دبانے کے لیے قائم نہ کیے گئے تھے بلکہ خصوصی طور پر زیادہ قابل قدر مقصد کے تحفظ یعنی عراقی تیل کے پائپ لائن کا تحفظ ان کے پیش نظر تھا جو حیفہ تک پھیلی ہوئی تھی۔“^(۲)

چونکہ قادیانی ان تحریکی کارروائیوں میں پوری طرح ملوث تھے۔ چنانچہ انہیں سرکاری طور پر اجازت حاصل تھی کہ وہ اپنے پاس ہندو قیدیں رکھ سکتے تھے۔ قادیانی گماشتوں کی عرب مجاہدین آزادی کے ساتھ کئی باقاعدہ جھڑپیں ہوئیں۔ قادیان کو ارسال کردہ ایک رپورٹ میں مولوی سلیم لکھتا ہے۔

”جماعت احمد کبابیر کے ایک نہایت ہی مخلص احمدی سید محمد صالح کے مکان پر چھ ماہ کے اندر اندر بعض بدتماش فتنہ پرداز (مفتی اعظم کے حریت پسندوں کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ مولف) رات کے وقت دو دفعہ مسلح حملہ کر چکے تھے اور گورہرو دفعہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ناکام و نامراد کیا تاہم ہمارے لیے بہت ضروری ہو گیا تھا کہ بہ

۱۔ پارکس۔ تاریخ فلسطین لندن ۱۹۴۹ء ص ۳۲۳۔

۲۔ یوری ایوانوف۔ جنتا صیہونیت۔ ص ۷۸۔

حد امکان اپنی حفاظت کا انتظام کریں۔ چنانچہ ہم نے ڈپٹی کمشنر ناردرن ڈسٹرکٹ حیفہ کی خدمت میں ایک مفصل چٹھی لکھی اور اسلحہ رکھنے کی اجازت چاہی مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے متعلقہ پولیس کو ہدایت کر دی ہے کہ ہفتہ میں کم از کم دو دفعہ کہا بیر کو اپنی گشت میں شامل کرے۔ حادثہ کے متعلق تحقیقات ہو رہی ہیں۔ یہ جواب غیر تسلی بخش تھا اس پر دوسرا حادثہ مستزاد ہمیں زیادہ تک و دو سے کام لینا پڑا۔ اسسٹنٹ کمشنر حیفہ سے ملاقات کر کے حالات بیان کیے گئے اور احمدیت کی مختصر تاریخ سے انہیں آگاہ کیا گیا۔ وہ مذہباً مسلمان تھے اس لیے توجہ سے ہمارا پیغام سنتے رہے۔ بالاخر آپ نے ہمیں اسلحہ رکھنے کی اجازت دے دی۔

قائم مقام اسسٹنٹ کمشنر دائرہ المہاجر حیفہ مذہبی یہودی ہیں۔ ان سے ملاقات کر کے احمدیہ نقطہ نظر سے فلسطین کی موجودہ سیاسی شورش پر تبصرہ کیا گیا کہ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو امن و سلامتی کا حقیقی علمبردار ہے اور جس نے ہر حالت میں ہر قسم کے جانی دشمنوں کے حق میں بھی عدل و انصاف اور گنجائش رحم سے کام لینے کی تعلیم دی ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک ان سے گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں انہوں نے وعدہ کیا کہ سلسلہ کالٹریچر انہیں دیا گیا تو ضرور مطالعہ کریں گے۔

اللہ ربہ نے مختلف دیہات میں دورے کیے اور تبلیغی لٹریچر تقسیم کیا۔ بحیرہ حیفہ، منشیہ، عتہ اور کھلی فضا میں عربوں کے خیموں میں پہنچ کر احمدیت کا پیغام پہنچایا۔ انصار اللہ میں سے سید محمد صالح۔ سید عبدالقادر صالح۔ سید محمود صالح۔ سید عبدالملک۔ شیخ حسین علی۔ شیخ عبدالرحمن براجوی کی مساعی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان سب دوستوں نے کم از کم دو سو پچاس ٹریکٹ و اشتہارات تقسیم کیے۔ ان دوروں کے نتیجے میں مختلف دیہات سے بعض لوگ بغرض تحقیق مرکز میں آئے اور اچھی طرح تبلیغ کی گئی اور لٹریچر برائے مطالعہ دیا گیا۔^(۱)

فلسطین میں یہودی مسئلے کے حل کے لیے بہت سے کمیشن مقرر ہوئے۔

۱۹۳۶ء کے وسط میں برطانیہ نے فلسطین میں اپنی فوجوں کی تعداد دس ہزار سے تیس ہزار کر دی۔ بدامنی اس حد تک پھیل گئی کہ نئے رائل کمیشن کو ڈبلیو آر۔ ہیل کی سربراہی میں فلسطین آنا پڑا۔ کمیشن نے فلسطین کی تقسیم، یہودی ریاست کے قیام، یروشلم اور بیت اللحم کے قریبی علاقے کی غیر جانبدار حیثیت اور بقیہ علاقوں کی اردن میں تشکیل کی سفارش کر دی۔ اس خیال کو عرب اور یہودیوں دونوں نے مسترد کر دیا اور اگلے سال ووڈ ہاؤس کمیشن نے ان سفارشات کو ناقابل عمل قرار دے دیا۔^(۱) عرب اور ہندوستانی پریس نے رائل کمیشن کے منصوبے کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ پنجاب اور صوبہ جات متحدہ کی اسمبلیوں میں تحریک التواء پیش کی گئیں۔ جن کی حکومت نے مخالفت کی۔ سٹائیکس جولائی ۱۹۳۷ء کو علامہ اقبال نے تقسیم فلسطین کی مذمت میں بیان جاری کر دیا جو پنجاب کی صوبائی مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک اجلاس میں پڑھ کر سنایا گیا۔

۱۹۳۲ء میں جب حضرت مفتی امین احمسی نے برصغیر کا دورہ کیا تھا اور مسلمان رہنماؤں کو فلسطینی مسلمانوں کی حالت زار سے آگاہ کیا۔ ہندوستان کی مسلمان تنظیمیں خصوصاً مسلم لیگ، فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام پر مبنی برطانوی حکمت عملی کی مذمت کرتی آئی تھی۔ اپریل ۱۹۳۳ء میں منعقدہ مسلم لیگ کونسل پہلے ہی اپنے اجلاس میں جو کہ قائد اعظم کی زیر صدارت ہوا، یہ تجویز منظور کر چکی تھی کہ ایک مضبوط اور موثر وفد وائسرائے سے ملے اور اس کے سامنے درست حقائق رکھے کہ کس طرح اعلان بالفور نے دنیا کے یہود کو فلسطین میں زمینیں خریدنے اور وہاں آباد ہونے میں مدد دی ہے جس سے وہاں کے اصل عرب باشندوں، مسلمانوں اور عیسائیوں کو ان کے حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے تاکہ ارض مقدس حاصل کی جاسکے۔^(۲) ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ میں ہونے والے اجلاس میں قائد اعظم نے اپنے صدارتی خطاب میں رائل کمیشن کی سفارشات پر تنقید کی۔^(۳) قائد اعظم کی ہدایات پر چھبیس اگست ۱۹۳۸ء کو ”یوم فلسطین“ منایا گیا اور

۱۔ پیٹر سٹیلز ص 250۔

۲۔ سید شریف الدین جرزادہ۔ پاکستان کی بنیادیں۔ ص 332۔

۳۔ ایبنا۔

برطانوی سامراجیوں کی طرف سے فلسطین میں غیر منصفانہ، ظالمانہ اور غیر انسانی حکمت عملی پر عمل پیرا ہونے کے خلاف اجلاس منعقد کیے گئے۔ اپنے عرب بھائیوں کی باوقار اور منصفانہ جدوجہد کی کھل کامیابی کیلئے خصوصی دعائیں مانگی گئیں۔

افضل قادیان نے مسئلہ فلسطین پر اپنے موقف کا اظہار کیا۔ رائل کمیشن کی رپورٹ پر بحث کرتے ہوئے اس نے یہ سوال اٹھایا کہ

”کیا فلسطین کی تقسیم برطانیہ کی منصفانہ حکمت عملی کے عین مطابق ہوگی اور فلسطینیوں کو

مطمئن کرے گی اسکا فیصلہ صرف مستقبل کرے گا۔“ (۱)

قادیانی اخبارات نے فلسطینی کانفرنس کے انعقاد اور ہندوستان میں ”یوم فلسطین“ منائے جانے پر شدید تنقید کی۔ انہوں نے فلسطین کے لیے چندے جمع کرنے قرار دادیں منظور کرنے، فلسطین میں جاری برطانوی حکمت عملی کی مذمت اور ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات کی عکاسی کیلئے بیرون ملک وفدوں کے روانہ کرنے جیسے معاملات کو ایک بیکار اور بے سود سلسلہ قرار دیا گیا جس کا مقصد ہندوستانی مسلمانوں کی غیر شمر آور معاملوں میں توانائیوں کا ضیاع اور اپنے ذاتی اغراض کے لیے دولت کا حصول تھا۔ (۲)

شام میں عرب کانگریس

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ۱۹۳۷ء کی آخری سہ ماہی میں فلسطین میں عظیم یورش ہوئی۔ عرب ہائیر کمیٹی نے فلسطین میں یہودی آباد کاری کے دباؤ کو بڑھانے کی برطانوی حکمت عملی کے خلاف احتجاج جاری رکھا۔ عربوں نے شدید یہود مخالف مظاہرے کیے۔ عربوں کے خطرے سے نپٹنے کے لیے قادیانیوں نے فلسطین میں موجود اپنے آلہ کاروں کو مزید سرگرم کر دیا۔ ۱۹۳۷ء میں محمد صادق مجاہد تحریک جدید کے

۱۔ افضل قادیان۔ گیارہ جولائی ۱۹۳۷ء۔

۲۔ افضل قادیان۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء۔

منصوبے کے تحت مولوی سلیم کو اسکے کام میں مدد بہم پہنچانے، فلسطین پہنچا۔^(۱) اس سے پہلے وہ سیاسی نوعیت کے دوروں پر مصر اور شام جا چکا تھا۔

آٹھ ستمبر کو بلودان (شام) میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں فلسطین سمیت دنیا کے عرب کے چار سو مندوبین نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کی صدارت سابق عراقی صدر توفیق السعدی نے کی۔ کانگریس میں متفقہ طور پر قراردادیں منظور کی گئیں اور اعلیٰ عرب مجالس کو اس نے عرب اتحاد کی راہیں بھنائیں۔ اس کے بڑے مطالبات میں اعلان بالفور کی واپسی، برطانوی انتداب کی مذمت اور فلسطین کے عرب سرزمین کا ایک الٹوٹ انگ ہونے کا اعلان شامل تھے۔

مولوی سلیم اور اس کے قادیانی رفقاء کار نے بڑے محتاط انداز سے کانگریس کی کارروائی کو دیکھا۔ شام میں قادیانی مبلغ منیر الحسینی نے عرب مندوبین کے ساتھ رابطہ کر کے یہودیوں کے لیے حمایت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسے فرانسیسی ہائی کمشنر دامین دے مارٹل کی پشت پناہی حاصل تھی کیونکہ فرانس اپنے انتدابی علاقوں میں ایسی کانگریسوں کے انعقاد کا مخالف تھا۔^(۲)

یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء کو عرب ہائیر کمیشن کے اراکین کو فلسطین میں گرفتار کر لیا گیا۔ پریس پر سنگین سنسر شپ لاگو کر دی گئی۔ عرب رہنماؤں میں سے زیادہ تر یا تو گرفتار کر لیے گئے یا سیشلی کی طرف جلاوطن کر دیئے گئے۔ حضرت مفتی اعظم بیچ کر لبنان پہنچ گئے جہاں انہوں نے اپنی جلاوطنی کے دوران عرب گوریلوں کو ہدایات دینی جاری رکھیں۔ اس دوران فلسطین کا ہائی کمشنر سر وانچوپ مستعفی ہو گیا اور اس کی جگہ ہیرالڈ میکمال فلسطین کا ہائی کمشنر بنا۔

مرزا برادران مصر میں

۱۹۳۶ء میں عرب رہنماؤں نے فلسطین میں اپنی جدوجہد دوبارہ شروع کی۔

۱۔ الفضل قادیان۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۳۷ء۔

۲۔ ابو مدثر۔ ص ۱۳۴۔

انگریزوں اور صیہونی دہشت گردوں نے حریت پسندوں کو دبایا۔ صیہونی تنظیم ہگانہ اس سلسلے میں پیش پیش تھی۔ ہگانہ کے ایک تشدد پسند دستے نے ارغون (قومی فوجی تنظیم) بنائی جو جلد ہی ایک مسلح دہشت گرد قوت بن گئی۔ ۱۹۳۶ء میں مصر میں کچھ نئی سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ وفد پارٹی نے برطانیہ کے سلسلے میں اپنا رویہ نرم کر لیا۔ اسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ برطانیہ اور شاہی محل دونوں کی مخالفت کر کے زیادہ دیر اقتدار میں نہیں رہ سکتی۔ دوسری طرف برطانیہ نے ان سیاست دانوں سے سودے بازی کا فائدہ اٹھایا جن کی عوامی مقبولیت کافی تھی۔ اس نے افریقہ پر موسومینی کے تسلط کا ہوا کھڑا کر کے مصر کے ساتھ ایک دفاعی معاہدے اینگلو، مصری معاہدہ پر دستخط کروا لیے۔^(۱) جون ۱۹۳۸ء میں مرزا محمود نے اپنے بیٹے مرزا مبارک احمد کو بظاہر عربی زبان سیکھنے اور مصری کپاس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے مصر بھیجا۔ مصر روانگی سے قبل مرزا محمود نے اسے مصر، فلسطین اور شام میں مقیم احمدیوں سے ملنے کی تلقین کی کیونکہ ان علاقوں میں احمدیت اتنی زیادہ مضبوط نہ تھی۔ انہوں نے اسے نئے اراکین کی شمولیت کے ساتھ ان تنظیموں کی مضبوطی کے لیے کام کرنے کی ہدایت کی۔ مرزا^(۲) ناصر احمد جو بعد میں جماعت احمدیہ کے تیسرے خلیفہ بنے، انہوں نے اس زمانہ میں آکسفورڈ سے اپنی تعلیم مکمل کی تھی۔ انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ مصر میں مرزا مبارک احمد کے ساتھ جا ملیں۔ ناصر احمد کو لندن ایئر پورٹ پر سر ظفر اللہ خان نے الوداع کیا۔

ستمبر ۱۹۳۸ء میں مرزا محمود نے چوہدری محمد شریف کو فلسطین میں نیا مبلغ بنا کر بھیجا۔ اگرچہ عدنان اور فلسطین میں غیر ملکیتوں کے داخلے پر حکومت پہلے ہی بہت سخت پابندیاں لگا چکی تھی لیکن شریف کو پھر بھی اجازت مل گئی۔ مرزا محمود نے اسے عرب اقوام کے کردار کے مطالعہ کی ہدایت کی۔^(۳) قادیانی برادران مصر میں فلسطینی مسئلہ پر ہونے والی کانفرنس میں دلچسپی رکھے ہوئے تھے۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں مجوزہ فلسطینی مسئلہ کے

۱۔ حذر منہملہ۔ ص ۲۴۶۔

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد ۸ ص ۴۸۴۔

۳۔ تحریک جدید اردو۔ جنوری ۱۹۷۴ء۔

سلسلہ میں ہونے والی کانفرنس میں مصر کے محمد علی آلہ پاشا نے ہندوستان سے مسلمان نمائندگان کو شرکت کی دعوت دی۔ مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی نے کانفرنس میں چار مندوبین رحمان صدیقی، مولانا حسرت موہانی، مولانا عرفان اور چوہدری خلیق الرحمان کو نامزد کیا۔ کانفرنس نے مختلف ملکوں کے عرب نمائندگان پر مشتمل ایک وفد لندن بھجوانے کا فیصلہ کیا تاکہ حکومت برطانیہ کو فلسطینی مسلمانوں کے موقف سے مطلع کیا جاسکے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے رحمان صدیقی اور چوہدری خلیق الرحمان کے نام تجویز ہوئے۔^(۱)

مرزا برادران کے لیے دوسرا دائرہ عمل مصر میں بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے پروان چڑھنے والی احمدیہ مخالف مہم کا مقابلہ کرتا تھا۔ مرزا ناصر احمد نے برطانوی مدد سے قاہرہ میں احمدیوں کی ہمدرد لابی تشکیل دینے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ وہ احمدیہ عقائد کی وضاحت کے لیے شیخ الازہر سے بھی ملے مگر انہیں قائل کرنے میں ناکام رہے۔ مصر میں اپنے تین ماہ کے قیام کے بعد دونوں بھائی ناکام و نامراد واپس ہندوستان آ گئے۔ بعض سیاسی وجوہات کی بناء پر وہ فلسطین نہ جاسکے تھے۔

اس بات کی کوئی شہادت میسر نہیں کہ مرزا برادران نے عربی زبان سیکھی یا کپاس کے متعلق معلومات حاصل کی ہوں۔ عوام کی طرف سے احمدیہ مبلغین کو کبھی پذیرائی نہ مل سکی۔ بون یونیورسٹی جرمنی کے پروفیسر علامہ تقی الدین ہلالی نے افتتاح قاہرہ میں یہ ثابت کرنے کے لیے بڑے متاثر کن مضامین لکھے کہ احمدیت ایک ارتدادی تحریک ہے جسے عالم اسلام پر اپنے قبضہ کو دوام بخشنے کے لیے دشمنان اسلام کی حمایت حاصل ہے۔ ۱۹۳۹ء میں قادیانی مخالف مہم کو ایک تازہ مہمیز اس وقت ملی جب قادیانیوں کے لاہوری گروہ کے دو البانوی نژاد طلباء کو الازہر میں داخلہ مل گیا۔ انہوں نے احمدی عقائد پر دو کتابچے لکھے اور شیخ الازہر محمد مصطفیٰ المراغی کے ساتھ نزاعی مسائل مثلاً حضرت عیسیٰ کی وفات وغیرہ کو چھیڑ دیا۔ یہ معاملہ مشہور کتاب قادیانی مذہب کے مولف اور

عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے پروفیسر علامہ الیاس برنی کے علم میں آ گیا۔ انہوں نے شیخ اور حلقہ اساتذہ کو احمدی لٹریچر کا دافر ذخیرہ بھجوا دیا۔^(۱) شیخ نے ایک مجلس قائم کر دی جس کی سفارشات کے نتیجے میں البانوی طلبہ کو یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ سید محبت الدین خطیب مدیر الفتح نے قادیانیت کے سیاسی و مذہبی کردار کو آشکارا کرنے میں قابل قدر کام کیا۔^(۲) لاہوری جماعت کے مصر میں مبلغ حامدی اسماعیل نے احمدیت سے توبہ کر لی۔ مصری پریس نے احمدیہ تحریک کی مخالفت میں قابل قدر مضامین لکھے اور عالم اسلام کو احمدیوں کے ارتدادی ہتھکنڈوں سے آگاہ کیا۔

فلسطین میں چوہدری محمد شریف کو فلسطینی مجاہدین آزادی اور علماء کی طرف سے سامراجی مقاصد کے حصول میں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ تاریخ احمدیت میں ہے۔

”فلسطین میں چوہدری محمد شریف کا دور بدترین حالات میں گزرا، عرب یہودی دشمنی اپنی خطرناک حدوں کو چھو رہی تھی۔ اس کے قتل کا ایک منصوبہ بھی تیار کیا گیا جو ناکام ہو گیا۔“^(۳)

لندن کانفرنس

۱۹۳۹ء میں مسئلہ فلسطین کو طے کرنے کے لیے لندن میں برطانیہ نے ایک گول میز کانفرنس بلا لی۔ اس میں مصر، عراق، سعودی عرب، اردن اور یمن کو مدعو کیا گیا۔ کانفرنس نے دنیائے عرب کے فلسطین میں مفادات کو تسلیم کر لیا مگر یہ ناکامی کا شکار ہو گئی۔ فلسطینی عربوں کے منصفانہ مطالبات اور صیہونیوں کے ”ارض اسرائیل“ کو یہودی وطن میں بدلنے کے اصرار کے باعث کوئی بھی قابل قبول تصفیہ ممکن نہ ہو سکا۔ حضرت

۱۔ تاریخ احمدیت، جلد ۸ ص 625 اور علامہ الیاس برنی، قادیانی مذہب جلد ۱۱ ص 126۔

۲۔ 1957ء میں حکم تعلیم حکومت مصر نے ایک کتاب اٹھکرواٹو الا شائع کی۔ یہ مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ اور جماعت کی کتاب کا عربی ترجمہ تھا۔ سید محبت الدین خطیب نے فروری 1957ء کے مجلہ الا زہر کے شمارے میں حکومت مصر پر شدید تنقید کی کہ اس کی طاعت کیوں ہوئی۔ دیکھئے ماہنامہ فاران کراچی، مئی 1958ء۔

۳۔ تاریخ احمدیت، جلد 5 ص 504۔

مفتی اعظم کو کانفرنس میں شرکت کی اجازت نہ دی گئی۔ ان کی جگہ ان کے چچا زاد بھائی جہاں حسینی شریک ہوئے۔ تاہم فلسطین کے وفد نے دنیائے عرب کے لیے آئندہ لائحہ عمل کا خاکہ وضع کیا۔^(۱) لندن میں قادیانی مبلغ جلال الدین شمس نے یہودی مقاصد کیلئے کام کیا۔ اکتیس جنوری ۱۹۳۹ء کو عید الاضحیٰ کے دن اس نے لندن مسجد کے احاطہ میں ایک اجتماع منعقد کیا۔ جس کی صدارت سرفرانس بیگ ہسپیڈ نے کی۔ بریگیڈیئر جنرل سر پرسی سائیکس نے اس میں تقریر کی۔ اس نے فلسطینی مسئلے کو پیچیدہ قرار دیا کیونکہ جرمنی اور اٹلی سے نکالے گئے یہودی وہاں جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ ویلز کے رقبہ جتنا ملک بھی ان کیلئے ناکافی تھا۔ اس نے اس توقع کا اظہار کیا کہ کانفرنس کے شرکاء اس مسئلہ کا کوئی حل تلاش کر لیں گے۔ لندن مسجد کی اس کانفرنس کے شرکاء میں برطانوی امراء، کلیسائے انگلستان کے اراکین، فوجی افسران، اراکین پارلیمنٹ، سر عبدالقادر، مجلس برائے ہند کے رکن اور فلسطین کے سابق ہائی کمشنر سرونچوپ شامل تھے۔ اختتامی کلمات میں جلال دین شمس نے یہ انکشاف کیا کہ مرزا محمود احمد نے برطانوی وزیراعظم کو اس کی امن کے قیام کے لیے مخلصانہ کوششوں پر ایک برقی تار کے ذریعے مبارکباد ارسال کی اور اس توقع کا اظہار کیا کہ جس طرح یورپ میں امن کے لیے کوششیں کی گئی ہیں اسی طرح ہندوستان اور فلسطین میں بھی پائیدار امن کے لیے کوششیں کی جائیں گی۔ اس نے کانگریس کی کامیابی کی خواہش کا اظہار کیا۔^(۲) کانفرنس کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ہی ناکام ہو گئی۔ سیکرٹری خارجہ لارڈ ہیٹی فیکس نے دوسری حکومتوں کے دباؤ کے تحت فلسطین میں انتقال اقتدار کیلئے پانچ سال۔ سے لے کر دس سال کا عرصہ مقرر کیا۔ یہ تجویز عربوں کے لیے ناقابل قبول تھی۔ ابتدائی طور پر اس نے یہ اعلان کیا تھا کہ فوری انتقال اقتدار بعد میں ایک مکمل حکومت میں تبدیل ہو جائے گا۔

مئی ۱۹۳۹ء میں برطانوی حکومت نے ایک قرطاس ایض شائع کیا جس میں

۱۔ سائیکس۔ اسرائیل چرچے پر۔ ص ۲۰۲۔

۲۔ فارلنڈن شائع لندن ۳ فروری ۱۹۳۴ء اور تاریخ احمدیت جلد ۸ ص ۵۵۸۔

فلسطین میں ایک آزاد دو قومی حکومت کے دس سال کے اندر قیام اور صیہونیوں کی اگلے پانچ سالوں میں تعداد چوتھارہ ہزار تک کرنے کا نظریہ پیش کیا گیا۔ صیہونیوں نے اس تجویز کو جرمنی کے ساتھ متوقع جنگ میں عربوں کے ساتھ مصالحانہ کوشش قرار دیا اور اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔^(۱) مفتی اعظم فلسطین کی ہدایت پر عربوں نے ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔

فلسطینی عربوں نے کئی مواقع پر قادیانی آلہ کاروں کے خلاف اپنے حملے جاری رکھے۔ علماء کی طرف سے ایک فتویٰ جاری کیا گیا کہ جو قادیانی مرتد سامراج اور یہودی مسلح تنظیموں کے آلہ کار کے طور پر کام کر رہے ہیں ان پر کڑی نظر رکھی جائے اور ان قادیانیوں کو صیہونی مدد سے مسلمان رہنماؤں کو قتل کرنے کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا گیا۔ یہ نفرت اس وقت اور بھی بڑھ گئی جب ایک نامور مسلمان رہنما کو قتل کر دیا گیا۔^(۲)

۱۔ سائیکس ۲۰۷۔

۲۔ دیکھئے تاریخ احمدیت جلد ۸ ص ۶۲۵۔

سیاسی عزائم

گاندھی کی تحریک عدم تعاون کے دنوں میں ہندو مسلم اتحاد ختم ہو گیا۔ ۱۹۳۱ء میں مولویوں کی بے چینی اور ۱۹۳۲ء میں چورا چوری کے واقعات کے بعد ہندوستان کا سیاسی نقشہ بدل گیا۔ شدھی (مسلمانوں کو ہندو بنانے) اور سنگھٹن (مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہندوؤں کو منظم کرنے) کی تحریکیں شروع ہو گئیں۔ شدھی تحریک کا سب سے بڑا پرچارک سوامی شرمدھانند تھا جسے تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کے دوران جیل بھجوا دیا گیا تھا۔ اس کی قید کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی اسے رہا کر دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سوامی کے ساتھ لارڈ ریڈنگ نے مولویوں کی بغاوت کے بعد ملاقات کی تھی اور یہ اسی کا شاخسانہ تھا۔^(۱)

شدھی کا حملہ

ان دونوں تحریکوں کی مخالفت کا بیڑہ جمعیت العلماء ہند نے اٹھایا۔ اس کام کے لیے ”کل ہند انجمن تبلیغ اسلام“ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ پنجاب میں تحریک کی تنظیم شروع کی گئی۔ خواجہ حسن نظامی اور مولانا خضر علی خان اور درجنوں دوسرے مسلمان رہنماؤں نے مسلمانوں کو اس ”زبردستی سے تبدیلی مذہب“ کے فتنے سے بچانے میں مدد دی۔ سوامی شرمدھانند اور اس کے پیروں نے اپنی تحریروں میں اسلام پر ناروا حملے کیے^(۲) قادیانیوں نے یہ موقع اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے کیلئے استعمال کیا۔ انہوں نے اس

۱۔ چوہدری ظلیق الرحمن۔ شاہرہ پاکستان۔ ۱۹۶۱ء ص ۲۰۔

۲۔ دیکھئے سوامی الوبھادند جی۔ ”کلیات سیاسی“ (سوامی شرمدھانند کی نایاب تحریروں کا ترجمہ) الیٹھک پریس دہلی ۱۹۲۸ء ص ۱۸۵۔

تحریک کا سہارا لے کر تبلیغی مہم کا آغاز کر دیا۔ اور اپنے آپ کو اسلام کے علمبردار کے طور پر پیش کیا تاکہ عام مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں۔ قادیانی مبلغوں نے بڑی چالاکی سے مسلمانوں کو اس اجتماعی مقصد کے لیے ساتھ ملانے کی جگہ ددو کی مگر کسی بھی مسلمان تنظیم نے ان کی حوصلہ افزائی نہ کی۔

برطانوی خفیہ فنڈ کی مدد سے قادیانیوں نے تند و تیز تقریروں، گالیوں سے لبریز مضامین اور غلیظ رسالوں^(۱) سے معاشرے کے مختلف طبقات میں نفرت انگیزی کا کام جاری رکھا۔ جس کے جواب میں مسلح ہندو تنظیموں کو اسلام کے خلاف گھٹیا لٹریچر پھیلانے کے لیے براہیختہ کیا۔ قادیانیوں نے دراصل برطانوی حکومت کے مقاصد کی بھرپور اعانت کی۔ برطانیہ دو بڑی قوموں میں انتشار کو پروان چڑھانا چاہتا تھا۔ ان اقدامات کے نتیجے میں ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کے بیج بو کر قوم پرست عناصر کی اتحاد کی کوششوں کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا گیا^(۲) سرکردہ علماء نے ملکانہ کے مسلمانوں کو قادیانیوں کے ارتدادی عقائد سے خبردار کرنے کے لیے ایک فتویٰ جاری کیا۔^(۳) مرزا محمود نے اپنے قادیانی پیروکاروں کو اپیل کی کہ چندوں کی صورت میں پچاس ہزار روپے مرکز کو روانہ کریں تاکہ وہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں شدھی کے جواب میں ۱۵۰ مبلغین میدان میں بھیج سکیں۔^(۴)

اس فرقہ دارانہ منافرت کو روکنے اور باہمی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے دلی میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ ہندو اور مسلمان رہنماؤں نے اپنے اپنے مناظرین منظر عام سے ہٹانے کے لیے اتفاق کر لیا۔ ایک گروہ (قادیانی) پھر بھی میدان میں رہ گیا۔ حکیم اجل خان اور ڈاکٹر انصاری نے مرزا محمود کو اس کانفرنس میں نمائندہ بھیجنے کے لیے برقی تار بھجوائے۔ ذوالفقار علی خان اور شیخ یعقوب علی عرفانی نے کانفرنس میں جماعت

۱۔ میر تقی میر، بیسویں صدی کا مہارشی (حیات سوامی دیانند) ۱۹۲۳ء (پہلا بار) دیانندی مشن۔ فاروقی دیان میں ایک کالم۔ اجنب سوامی تصدق ۱۹۲۳ء (پہلا بار) دیانندی مشن۔ فاروقی دیان میں ایک کالم۔

۲۔ دیکھئے الفضل کا دیان 31 مئی اور 11 جون 1923ء۔ ماسٹر محمد شفیع اسلم، کارڈ اور شدھی، حریم الفضل کا دیان 21 ستمبر 1923

۳۔ افضل کا دیان۔ 12 مارچ 1923ء۔
۴۔ ایضاً۔

احمد یہ کی نمائندگی کی۔ وہ ان امن کوششوں سے متفق نہ ہوئے اور اعلان کیا کہ وہ ہندوؤں کے خلاف اس وقت تک تبلیغ جاری رکھیں گے۔ جب تک بیس ہزار مرتدین کو دوبارہ دائرہ اسلام میں لایا نہیں جاتا۔^(۱)

تاہم یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کی جائے جو کانگریس کو ایک رپورٹ دے کہ شدھی کا پس منظر کیا تھا اور ایسے حالات کیوں رونما ہوئے۔ ذوالفقار علی خان قادیانی کمیٹی کا ممبر تھا۔ نہ ہی کمیٹی کسی پس پردہ عوامل کی نشاندہی کر سکی نہ ہی قادیانی بیس ہزار مرتدین کو دوبارہ دائرہ اسلام میں لانے کے بلند بانگ دعوٰی کو کسی طرح پورا کر سکے۔ یہ دھوکہ تھا۔ دراصل ان تمام نام نہاد قادیانی مبلغوں نے جب اپنے مفادات کو خطرے میں محسوس کیا تو بڑی تیزی سے منظر سے غائب ہو گئے۔

فرقہ وارانہ مسئلے پر احمدیہ نقطہ نظر

پندرہ فروری ۱۹۷۷ء کو مرزا محمود احمد نے ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ارون کو خط لکھا جس میں ہندوستان کے فرقہ وارانہ مسئلے پر اپنے خیالات اور تجاویز پیش کیں۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ برطانیہ کو ہندوستان کے لوگوں کے حوالے حکومت اس وقت تک نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ اقلیتوں کو تحفظ نہیں مل جاتا۔ سیاسی نکتہ نظر سے انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے لیے فرقہ وارانہ نمائندگی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ ہندوستان کے اس وقت کے حالات کے پیش نظر جداگانہ حلقہ انتخاب کے قانون میں تبدیلی کو ملکی امن کے لیے خطرہ قرار دیا۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ جداگانہ حلقہ انتخاب کا موجودہ قانون اس وقت تک تبدیل نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ کسی اقلیت کے اسمبلی میں موجود تین چوتھائی اراکین ووٹ نہ دیں۔ سادہ اکثریت سے تبدیلی نہ کی جائے یہ اراکین تین بار متواتر اسمبلی کی مدت کے دوران ایسا کریں اور جب تک اقلیت کے متاثرہ ارکان اسمبلی کی تین چوتھائی تعداد اس کے اپنے اپنے صوبوں میں اس کے نفاذ پر

متفق نہ ہو جائیں۔ انہوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ ایک قانون کے طور پر اقلیتی نمائندگان کو ان کی تعداد کے مطابق متناسب نمائندگی دی جائے اور اگر کسی کو اضافی نمائندگی دی جائے تو اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ گروہ کی تعداد اکثریت میں تو نہیں بدل جاتی۔

انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ مذہبی اور سماجی معاملات میں آزادی ہو۔ دوسرے مذہبی گروہوں کے مذہبی احساسات کا احترام کیا جائے۔ انہوں نے قابل اعتراض تقاریر کو روکنے کی غرض سے پریس اور عوامی تقاریر سے متعلقہ قوانین کو بہتر بنانے کے لیے بھی تجاویز پیش کیں۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ مرزا غلام احمد کے کتابچے ”امن کا پیغام“ میں دی گئی تجاویز کو فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے اپنایا جائے۔^(۱) تیرہ دسمبر ۱۹۲۷ء کو عبدالرشید نے شدھی کے آریہ سماجی رہنما سوامی شردھانند کو قتل کر دیا جس کے نتیجے میں کئی جگہوں پر فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے اور سیاسی کشیدگی میں اضافہ ہو گیا۔ مرزا محمود نے سوامی جی کے اس قتل پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا اور عبدالرشید کو اسلام دشمن قرار دیا کیونکہ اس نے عقیدے کے دفاع میں تلوار اٹھائی تھی۔^(۲) مزید برآں اسکے فعل کو حد درجہ شرمناک اور مذموم قرار دیا گیا کہ اس سے ملک کا امن تباہ ہو گیا اور اسلام پر حرف آگیا۔^(۳)

۱۹۲۳ء میں راجپال نامی ایک آریہ سماجی نے حضرت محمد ﷺ کے خلاف ایک انتہائی دل آزار کتاب شائع کی۔ حکومت پنجاب نے ناشر پر مقدمہ چلایا۔ مقدمہ فیلیوس نے سنا اور ملزم کو ایک انتہائی نامناسب کتاب چھاپنے کا مجرم گردانتے ہوئے دس ماہ قید با مشقت اور ایک ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی۔ اپیل پر ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کرنل نکولس نے سزا کو برقرار رکھا مگر اس کی مدت گھٹا کر چھ ماہ کر دی۔ ہندو مقدمہ کو ہائی کورٹ میں لے گئے جہاں ایک عیسائی منصف کنور دلیپ سنگھ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ ملزم کا جرم تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ الف کے زمرے میں نہ آتا تھا۔ ملزم کو

۱۔ مرزا محمود احمد۔ ہندو مسلم مسئلہ۔ قادیانی۔ فروری ۱۹۲۷ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم۔ ستمبر ۱۹۵۵ء۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم۔ ستمبر ۱۹۵۶ء۔

صاف بری کر دیا۔^(۱)

مسلمانوں میں عمومی تاثر یہی تھا کہ یہ ایک سیاسی نوعیت کا فیصلہ ہے۔ لاہور کے ایک روز نامہ ”مسلم آؤٹ لک“ نے ”استغنی“ کے عنوان سے ادارہ یہ لکھا۔ اپنے چودہ جون ۱۹۸۷ء کے شمارے میں پرچے نے واضح کیا کہ جج دلیپ سنگھ افسوسناک حد تک تجربے کی کمی کی وجہ سے دھوکہ کھا گیا ہے۔ اخبار نے مطالبہ کیا کہ اس امر کی تحقیقات ہونی چاہیں کہ وہ کون سے حالات تھے جن کے باعث ایسا غیر معمولی فیصلہ دیا گیا۔

اس اخبار کے ناشر نور الحق اور اس کے قادیانی مدیر سید دلاور شاہ بخاری کو تو بین عدالت کا مجرم قرار دے دیا گیا۔ دلاور شاہ کی طرف سے سر ظفر اللہ بطور وکیل پیش ہوا۔ عدالت عالیہ کے بڑے جج نے اس مقدمہ کی سماعت کی اور اکثریتی فیصلہ کی رو سے مدیر اخبار کو چھ ماہ قید اور ساڑھے سات سو روپے جرمانہ جبکہ اس کے ناشر کو تین ماہ قید کی سزا دی گئی۔^(۲)

ایک ہندو رسالے درتمان امرتسر نے مئی ۱۹۲۷ء کے شمارے میں ایک ایسا ہی جارحانہ مضمون چھاپا۔ اس دل آزار مضمون کو مرزا محمود نے ایک اشتہار کی شکل میں ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلا کر مسلمانان ہند کے جذبات کو برا بھینٹہ کیا۔^(۳) اس تشہیر سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین دشمنی کو مزید ابھارا گیا اور فرقہ وارانہ جنون کو اپنے عروج تک پہنچا دیا گیا۔ حکومت نے اس اشتہار کی تمام نقول ضبط کر لیں۔^(۴) ہندو پریس نے مطالبہ کیا کہ مرزا محمود پر اس مضمون کی وسیع پیمانے پر تشہیر کے لیے مقدمہ چلایا جائے کیونکہ وہ اس جرم میں برابر کا شریک ہے۔^(۵) مگر حکومت پنجاب نے کوئی عملی قدم نہ اٹھایا۔

مسلمانان ہند کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور اپنے آپ کو اسلام کے علمبردار

۱۔ ایف ۵، دین ۳ جون ۱۹۲۷ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم۔ صفحہ ۵۸۲-۵۸۳۔

۳۔ ایف ۵، سن ۵۸۰۔

۴۔ ایف ۵، دین ۲۸ جون ۱۹۲۷ء۔

۵۔ تاریخ احمدیت صفحہ ۵۸۱۔

کے طور پر پیش کرنے کے لیے مرزا محمود نے تجویز پیش کی کہ پہلے تمام اسلامی فرقوں (جن میں قادیانی شامل ہوں) پر مشتمل ایک وفد گورنر پنجاب سے ملاقات کرے اور روزنامہ ”آؤٹ لک“ کے قادیانی مدیر کی رہائی کا مطالبہ کرے۔ دوسرے پنجاب، سرحد اور دہلی کے پانچ لاکھ افراد کے دستخطوں پر مشتمل ایک یادداشت حکومت کو پیش کی جائے جس میں مذاہب اور مذہبی سربراہوں کے مناسب احترام کی حفاظت کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ انہوں نے پنجاب ہائی کورٹ بیچ کے جسٹس دلیپ سنگھ کے اخراج اور اس کی جگہ مسلمان قانون دانوں میں سے کسی ایک قابل شخص کی تعیناتی کی تجویز پیش کی۔ جو پنجاب عدالت عالیہ کا مستقل جج ہو اور جسے چیف جسٹس سر شادی لال کے مدت عہدہ ختم ہونے کے بعد اپنی باری سے پہلے ترقی دے کر چیف جسٹس مقرر کر دیا جائے^(۱) اس تجویز کا مقصد ظفر اللہ خان کے لیے عدالت عالیہ کے منصف کے عہدہ کا حصول تھا۔^(۲) جو اس کا شدید خواہشمند تھا۔ گورنر پنجاب سر میلکم ہیلی، ظفر اللہ کا حمایتی تھا جبکہ مسلمانان ہند اس مجلس میں علامہ محمد اقبال کی تقرری کے خواہشمند تھے۔ جس پر جسٹس شادی لال نے ساز باز کر کے اپنی پسند کا منصف مقرر کر لیا۔ پانچ اگست ۱۹۲۵ء کو سر فضل حسین نے میلکم ہیلی کو اپنے خط میں لکھا۔

”عدالت عالیہ کی ججی! لگتا ہے معاملہ ہمارے صوبہ سے آگے چلا گیا ہے اور یہ کتنے دکھ کی بات ہے۔ مجھے جناب عالی اور حکومت ہند کے انتخاب پر مکمل اعتماد ہے۔ حروف جمی کی ترتیب میں عبدالقادر، علامہ اقبال، شاہ نواز، شہاب الدین تمام کے تمام اعلیٰ صلاحیت کے وکلاء ہیں ان میں سے کوئی ایک اس عہدہ اور اپنے ساتھیوں کے فرائض کو سرانجام دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ میں تو اس حد تک بھی التجا کروں گا کہ ایک مسلمان کی تقرری کی بجائے باہر سے کسی مسلمان کی درآمدگی سے تنقید کے دروازے کھلنے کا زیادہ امکان ہے کیونکہ پہلے کی نسبت ایک گھٹیا آدمی کی درآمد سے وسیع پیمانے پر بے چینی پہلے

۱۔ افضل قادیان ۱۵ جولائی اور ۲۲ جولائی ۱۹۲۷ء۔
۲۔ مرزا سلطان احمد۔ ”انکشاف حقیقت“۔ احمدیہ انجمن پٹنہ۔ مئی ۱۹۲۹ء۔

گی۔ نوجوانوں میں ڈاکٹر شجاع الدین اور ظفر اللہ بہت اچھے ہیں جبکہ نیاز محمد وکیل بھی

مطلوبہ اہلیت رکھنے والا قانون دان ہے۔^(۱)

ستائیس ستمبر ۱۹۲۸ء کو سر فضل حسین نے اپنے خط میں سر ظفر اللہ کو ترغیب دی

کہ وہ ہائی کورٹ کی تقرری کروالے۔^(۲)

خلیفہ المسیح کے سیکریٹری خارجہ مفتی محمد صادق نے ستائیس اگست ۱۹۲۷ء کو

وائسرائے ہند لارڈ ارون کو ایک خط میں درخواست کی کہ انبیاء اوتاروں اور بانیان

مذہب کے احترام کے تحفظ کے لیے قانون میں ترمیم کی جائے۔^(۳)

اسی دوران مدیر ”ورتمان“ لالہ گیان چند کو چھ ماہ قید با مشقت اور دو سو روپے

جرمانہ اور بصورت عدم ادائیگی جرمانہ مزید تین ماہ قید با مشقت کی سزا سنائی گئی۔ مضمون

کے مصنف کو ایک سال قید با مشقت اور پانچ سو روپے جرمانہ اور عدم ادائیگی جرمانہ کی

صورت میں مزید چھ ماہ قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ یہ فیصلہ قائم مقام چیف جسٹس براڈ

وے اور جسٹس سکیمپ نے سنایا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جسٹس ولیم سنگھ کی دفعہ ۱۵۳

الف کی گئی تشریح غلط تھی۔^(۴) عدالت عالیہ الہ آباد نے بھی ایسے ہی جرم

(۱۵۳ الف) میں ”وچترن جیون“ کے مولف پنڈت کالی چرن شرما کے بارے میں

فیصلہ سناتے ہوئے سزا دی

بانیان مذہب کے احترام کی حفاظت کے لیے قانون سازی کا مسلمانوں کا

مطالبہ مزید قوت پکڑ گیا۔ چوبیس اگست ۱۹۲۷ء کو قانون ساز اسمبلی میں ایک مسودہ قانون

پیش کیا گیا جو بحث کے دو دن بعد ہی کتاب قانون سازی میں شامل کر دیا گیا۔ موجودہ

قانون کی ترمیم کرنے والے تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۵ الف کا مسودہ مولانا محمد علی نے

مرتب کیا۔ مرزا محمود وسط اگست ۱۹۲۷ء میں شملہ میں چھٹیاں گزار رہے تھے۔

۱۔ مہاں فضل حسین کے خطوط۔ مدیر ڈاکٹر وحید احمد۔ تحقیقاتی مجلس پاکستان لاہور۔ سون ۱۹۷۶، مؤرخہ ۱۳۔

۲۔ ڈاکٹر وحید احمد۔ تحقیقاتی مجلس پاکستان لاہور۔ سون ۱۹۷۶، مؤرخہ ۵۱۱۔

۳۔ لاوان مؤرخہ ۱۳۶۔

۴۔ الفضل قادیان ۱۶ اگست ۱۹۲۷ء۔

مرزا محمود کی بانیان مذاہب کے حق میں تحریک کا ایک خفیہ مقصد اپنی اور مرزا غلام احمد کی حیثیت کا دفاع تھا۔ انہیں اسلام یا حضرت محمد ﷺ کے ساتھ محبت کے جذبے نے بے چین نہیں کیا تھا بلکہ یہ ان کے اپنے مفاد میں تھا کہ وہ اپنے طور پر اپنے باپ کو مولوی عبدالکریم جیسے لوگوں کی طرف سے الزامات اور اتہامات کے شدید حملوں سے بچا سکیں۔ مبالغہ کا ایک مختصر پس منظر ہمیں معاملہ کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھنے میں مدد دے گا۔

مبالغہ مہم

۱۹۱۹ء کے لگ بھگ جالندھر کے ایک لوہار فضل کریم نے مذہبی جوش میں آکر اپنے دو بیٹوں عبدالکریم محمد زاہد اور ایک بیٹی سکیکنہ کے ہمراہ قادیان میں سکونت اختیار کر لی۔ وہ پکا احمدی اور مرزا غلام احمد کے دعوؤں پر اندھا اعتقاد رکھنے والا تھا۔ اپنی متواتر محنت سے اس خاندان نے ایک سویاں بنانے والی مشین کا کارخانہ اور قادیان میں ایک آٹے کی چکی لگالی۔ سکیکنہ کی مرزا عبدالحق نامی ایک وکیل سے شادی کر دی گئی۔

اگست ۱۹۱۹ء سے لے کر اکتوبر ۱۹۲۳ء تک فضل کریم کے گھرانے کو قادیانی خلیفہ اور اس کے منظور ان نظر نے بہت پریشان کیا کیونکہ وہ مرزا محمود اور اس کے گھرانے کے چند افراد کے رویے پر شدید تنقید کرتا تھا۔ قادیان کی وزارت داخلہ نے انہیں واجبات کی عدم ادائیگی کے کئی معاملات میں الجھا کر دھمکیاں دیں اور ہراساں کیا مگر پھر بھی انہوں نے مرزا محمود کے رویہ پر اپنی تنقید جاری رکھی۔ اس کام میں نور ہسپتال قادیان کا ہیڈ کمپانڈر شیخ عبداللہ بھی ان کے ساتھ شریک ہو گیا۔ مرزا محمود نے شدید رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے دونوں کو جماعت سے نکال دیا۔ قادیانی غنڈوں نے انہیں قادیان چھوڑ جانے کے لیے دھمکیاں دیں۔ فضل کریم اور اس کے بیٹوں نے مسلمانان پنجاب کو اپنی دردناک داستان بیان کی۔^(۱) لاہور جماعت کے ایک اہم رکن کہتے ہیں کہ

۱۔ دیکھئے قادیان کے قتل کی حقیقت جنر ۱۹۲۲ء، صفحہ ۵۵۱ قادیان کی اصل حقیقت۔ جنر ۱۹۲۲ء، مکمل چھٹی خدمت خلیفہ قادیان ۱۹۲۲ء، انکشاف حقیقت ۱۹۲۲ء، (الفضل) قادیان ۱۳ دسمبر ۱۹۲۲ء کے شمارے میں اس کا جواب بھی ملا تھا کیا جاسکتا ہے۔

”۱۹۴۷ء میں مستری عبدالکریم اور اس کے احباب واقارب نے مرزا محمود پر زنا کا الزام لگایا اور اس کے خلاف ثبوت بھی مہیا کر دیئے۔ انہوں نے مرزا محمود کو مہبلہ کی دعوت بھی دی مگر مرزا محمود نے ایک معمولی بہانہ بنا کر انکار کر دیا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ مرزا غلام احمد مسیح موعود نے دو شرائط رکھی تھیں جن کی رو سے فریقین کے مابین مہبلہ جائز ہے۔^(۱)

عبدالکریم نے اپنے اخبار ”مہبلہ“ میں مرزا محمود احمد پر سنگین اخلاقی الزامات عائد کیئے۔ انہیں عیاش، شہوت پرست اور اخلاقی طور پر دیوالیہ قرار دیا۔ جنہوں نے دولت کے انبار لگا لیے تھے اور مقدس لبادے میں انہیں ہڑپ کر گئے تھے۔^(۲) انہیں مہبلہ کے لیے متواتر لکارا جاتا رہا مگر وہ مختلف حیلوں بہانوں سے اس سے بچتے ہی رہے۔^(۳) اس بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے قادیانی غنڈوں نے محمد امین، چوہدری فتح محمد سیال اور نیک محمد افغان کی قیادت میں مرزا محمود کے کہنے پر عبدالکریم اور اسکے گھرانے کو سخت ہراساں کیا۔ انہوں نے عدالت میں نالش کر دی اور حکومت پنجاب کو درخواست کی کہ انہیں قادیانی غنڈوں کے چنگل سے بچایا جائے مگر حکومت کے ساتھ ان کی ساز باز اور اثر و نفوذ کی بناء پر مرزا محمود کے خلاف کچھ نہ کیا جاسکا۔ گورداسپور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۴۴ کے تحت پہلے ہی ”مہبلہ“ کے مدیر پر پابندی عائد کر دی تھی کہ وہ مرزا محمود کے خلاف کوئی بھی اشتہار یا قابل اعتراض مواد شائع نہیں کرے گا۔ قادیانی جماعت کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور ان کے جذبات سرد کرنے کے لیے قادیانی مبلغوں اور مفاد پرستوں نے کئی خواب اور پیش گوئیاں گھڑ کر پیش کر دیں۔^(۴) اور اس سارے معاملے کو ایک گہری سازش سے تعبیر کیا گیا جسے متعصب علماء، جگ نظر ہندوؤں اور لاہوری جماعت کے اراکین نے تیار کیا تھا۔^(۵) یہ مہبلہ مہم تیزی سے نہ صرف پنجاب بلکہ پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ مرزا محمود نے حکومت

۱۔ ممتاز فاروقی فتح علی۔ صفحہ 40۔

۲۔ دیکھئے ماہنامہ تائید الاسلام۔ لاہور مئی 1930ء۔

۳۔ دیکھئے مرزا محمود احمد تقریریں و خطبات۔ یکم تا ۱۵ دیاں دسمبر 1928ء صفحات 28-30۔

۴۔ دیکھئے میر قاسم علی ”فتنہ سزایں فاروقی پریس“ دیاں۔ 1928ء اور فتنہ مہبلہ کے جواب میں۔ لاہور اکٹر بدر دین فتنہ سزایں وغیرہ۔

۵۔ الفضل دیاں 19 اپریل 1929ء۔

پنجاب سے فوری اقدامات کرنے کی التجا کی۔

پنجاب حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لیے مرزا محمود نے ہیرون ملک قادیانی مراکز کے سربراہوں کو حکم دیا کہ وہ اہم برطانوی اخباروں کو برقی تاریخ ارسال کریں اور خود برطانوی عوام سے استدعا کی کہ وہ احمدیہ جماعت کی خاطر ہندوستانی حکام پر اخلاقی دباؤ ڈالیں تاکہ مخالفین کی جانب سے ان کے خلاف پروپیگنڈہ مہم بند کی جاسکے۔ سالٹ پونڈ مرکز (افریقہ) کے سربراہ امام احمد نے ایک برطانوی اخبار کو یہ برقی عریضہ ارسال کیا۔

”رجعت پسندوں کی طرف سے ہندوستان میں احمدیہ جماعت کے سربراہ کے خلاف

اشتعال انگیز پروپیگنڈہ مہم کی ہزاروں مغربی افریقی احمدی مذمت کرتے ہیں۔ ۱۹۱۹ء سے

لے کر ہماری مذہبی جماعت امن کے ساتھ مذہبی عقائد پر کاربند رہی ہے۔ مشکل وقت

میں جب پولیس بھاگ جاتی تھی تو احمدیہ کارندے کاغذیں کے چوڑے سے تعاون کی

گزارشات کیا کرتے تھے جس کے نتیجے میں ان پر مظالم ہوئے اور ان کا سماجی مقاطعہ

بھی کیا گیا۔ حکومت پنجاب شہنشاہ معظم کے قانون کے تابعدار لوگوں کی عزت کی

حفاظت میں ناکام ہوگئی ہے۔ ہندوستان کو آج بھی اور کل بھی منظم و قدار جماعتوں کی

ضرورت رہے گی۔ ہم برطانوی عوام سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہندوستانی حکام پر اپنا دباؤ

ڈالیں۔“ (۱)

مختصر یہ کہ مرزا محمود نے اپنی جان بچانے کی خاطر اور اپنے آپ کو اسلام کا ایک ترجمان ثابت کرنے کے لیے مہبلہ والوں کی جارحانہ اشاعتی سرگرمیوں کے خلاف قانون سازی کی ایک مہم شروع کی۔ ان کا اصلی رنگ اس وقت ظاہر ہوا جب اپریل ۱۹۲۹ء میں غازی علم دین شہیدؒ نے رسول کریم ﷺ کے عشق میں سرشار ہو کر لاہور میں راجپال کو واصل جہنم کر دیا۔ ان کے خلاف قتل کا مقدمہ چلا۔ انہوں نے بڑے فخر سے اقرار جرم کیا، انہیں سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ آپ بڑی خوشی خوشی پھانسی گھاٹ گئے اور اکتیس دسمبر ۱۹۲۹ء کو شہادت کے رتبہ سے سرفراز ہوئے۔

مرزا محمود نے غازی علم دین شہید پر سخت تنقید کی^(۱) جیسا کہ وہ سوامی شرمدھانند کے قاتل کے خلاف بھی کر چکے تھے۔ انہوں نے اس واقعہ کو مذہبی جنون اور پاگل پن کا نتیجہ قرار دیا۔ جس کسی نے بھی راجپال کے قتل پر اطمینان کا اظہار کیا اسے مجرم اور قوم دشمن قرار دیا گیا۔ انہوں نے اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے غازی علم دین کے خیر خواہوں اور ہمدردوں کو مشورہ دیا کہ وہ ان سے مل کر ان پر واضح کریں کہ انہوں نے ایک جرم کا ارتکاب کیا ہے جس پر خدا کی سزا سے بچنے کے لیے پچھتاوے کا اظہار کریں۔^(۲)

اس کے برعکس مہلبہ کے عبدالکریم کے ایک قریبی دوست محمد حسین کو قاضی محمد علی قادیانی نے قتل کر دیا تو مرزا محمود نے بذات خود اسے بڑی عزت اور تکریم بخشی۔ عدالت مجاز نے اسے سزائے موت سنائی۔ عدالت عالیہ میں اپیل کی گئی۔ عدالت عالیہ نے مجاز عدالت کے فیصلے کو برقرار رکھا۔ پھر پریوی کونسل کو اپیل کی گئی لیکن مسترد ہو گئی۔ سولہ مئی ۱۹۳۱ء کو اسے گورداسپور جیل میں پھانسی دے دی گئی۔ مرزا محمود اس کی لاش کو کندھا دینے والوں میں شامل تھے۔ اسے دفن کے لیے بہشتی مقبرہ میں لیجایا گیا اور اسے ”شہید احمدیت“ کہا گیا۔^(۳) جبکہ عبدالرشید اور غازی علم دین شہید کو ان کے قتل کرنے پر سخت تنقید کا نشانہ بنایا اور انہیں ”قابل اعتراض فعل کا مرتکب“ گردانا گیا۔

ہندوستانی انقلابیوں کے خلاف مہم

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد برطانوی ہند میں انقلابی یا ”دہشت گرد“ تنظیمیں کسی نہ کسی صورت میں سرگرم عمل رہیں۔^(۴) بلا تميز گرفتاریاں اور پولیس کی کاروائیاں ان ”دہشت گرد تنظیموں“ کو باز نہ رکھ سکیں۔^(۵) ۱۹۲۲ء میں تحریک عدم تعاون

۱۔ تاریخ احمدیت، جلد ۶۔ ستمبر ۱۹۹۔

۲۔ تاریخ احمدیت، جلد ۶۔ ستمبر ۱۹۹۔

۳۔ تاریخ احمدیت، جلد ۶۔ ستمبر ۳۱۹۔

۴۔ ہندوستان میں برطانوی نوآبادیاتی نظام کی ابتداء اور اس کی توسیع کے ساتھ ہی ”دہشت گردی“ شروع ہو گئی تھی۔ نوآبادیاتی نظام نے چونکہ اپنی ابتداء تشدد اور سفاکی سے کی تھی اور مقامی آبادی کی معاشی، سیاسی اور سماجی خواہشات کو دبایا تھا چنانچہ فطری طور پر تشدد و انقلابیت یا ”دہشت گردی“ نے جنم لیا۔

۵۔ آری موہن داس۔ تاریخ تحریک آزادی جلد ۱۱، بک ٹریڈرز لاہور۔ ۱۹۷۹ء، صفحہ ۴۵۸۔

کو مہاتما گاندھی نے ختم کر دیا لیکن ان کی قید کے بعد یہ سرگرمیاں زیادہ زور پکڑ گئیں۔ اسکا بڑا مرکز بنگال تھا۔ سرخ بنگال کے عنوان سے دسی اشتہارات کی وسیع پیمانے پر تقسیم اور ظالم پولیس افسران کے قتل اور سی آئی ڈی کے برطانوی افسران کے پے در پے قتل نے سامراجیوں کو دہشت زدہ کر دیا۔ کلکتہ اور کئی دوسری جگہوں پر بم ساز فیکٹریاں بھی پکڑی گئیں۔ ہندوستانی انقلابی تنظیموں نے اپنی سرگرمیوں کا دائرہ کار اتر پردیش تک بڑھا دیا۔ اور اپنے آپ کو ”ہندوستان سوشلسٹ ری پبلکن آرمی“ کی طرز پر ڈھال لیا۔^(۱)

۱۹۲۷ء کے بعد انقلابیوں کی سرگرمیوں میں کمی آگئی۔ گورنمنٹ نے محسوس کیا کہ ان پر عائد بے جا سختی میں نرمی کر دی جائے۔ ستمبر ۱۹۲۸ء تک حکومت نے بنگال فوجداری ترمیمی ایکٹ اور آرڈیننس ۱۹۳۵ء کے تحت نظر بند تمام افراد کو رہا کر دیا۔ یہ ایکٹ بھی خود بخود ۱۹۳۰ء میں ختم ہو گیا۔ مگر ایک پندرہ واڑے کے اندر اندر انقلابی سرگرمیاں ایک دم شدید ہو گئیں۔ ان سرگرمیوں میں ہونٹوں، کلبوں اور تبلیغی مراکز میں یورپیوں کا قتل، اہم عمارات کا جلاؤ اور ذرائع مواصلات میں رکاوٹ وغیرہ شامل تھیں۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں بنگال فوجداری ترمیمی ایکٹ دوبارہ نافذ کر دیا گیا اور بنگال ایمر جنسی پاور آرڈیننس ۱۹۳۱ء بھی جاری کر دیا گیا تاکہ بد امنی پھیلانے والوں اور ”دہشت گرد“ تنظیموں کو تکیل ڈالی جاسکے۔^(۲)

۱۹۲۰ء کے وسط میں بنگال میں انقلابی جدوجہد کے خلاف مرزا محمود احمد نے بڑی شد و مد سے مہم چلائی۔ ان کے آلہ کاروں نے برطانوی خفیہ محکمہ سے مل کر ان سرگرمیوں کو روکنے اور ان کی زیر زمین تنظیموں کو بے نقاب کرنے کے لیے بڑے زور و شور سے کام کیا۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو بد امنی پھیلانے والے عناصر پر گہری نظر رکھنے کی نصیحت کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ خدا نے احمدیہ جماعت کو نہ صرف

ہندوستان بلکہ اگر برطانیہ میں بھی ہو تو تخریبی منصوبوں کی بیخ کنی کے لیے مقرر کیا ہے۔ احمد یوں کو ایسی سرگرمیوں کے خلاف لڑنے کے لیے اپنی بہترین صلاحیتیں بروئے کار لانا ہوگی۔^(۱)

بنگالی دہشت گردی کی روک تھام کرنے پر ایک بزرگ قادیانی مرزا محمود کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتا ہے۔

”ان پر آشوب ایام میں جبکہ ملک میں خوفناک حد تک بد امنی پھیلانے والے جرائم میں اضافہ ہو رہا تھا۔ لاقانونیت کا دور دورہ تھا۔ دن دیہاڑے قاتلانہ حملے اور سسنی خیز ڈکیتیاں ہو رہی تھیں اور ہندوستان میں حکومت میں ہونے کے باوجود برطانوی اپنے آپ کو غیر محفوظ تصور کر رہے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح (مرزا محمود) نے اپنے ہزاروں پیروکاروں کو ان سنگین جرائم کو کچلنے کیلئے تیار کر لیا۔ آپ نے نوجوانوں میں اس جذبہ کو ختم کرنے کی سعی کی جو انہیں متواتر ان مظالم پر اکسارہا تھا۔ انگریزوں، ان کے خاندانوں حتیٰ کہ حکومت ہندوستان کو اس بات پر ان کا مشکور ہونا چاہیے۔ ان افسران کی اطلاعات ان حالات کی تصدیق کرتی ہیں جن میں ہم نے بنگالی بد امنی کا مقابلہ کیا تھا۔ ان بد امنی کی قوتوں کے خلاف ہم لڑے مگر ان کے ناموں کے اظہار سے اس لیے احتراز کیا کہ حکومت ان کو گرفتار کر سکے۔ ماضی کی ہماری خدمات کے ریکارڈ میں صرف ایک ایسا واقعہ ہے کہ ایک شخص کی سرگرمیوں کے بارے میں ہم نے حکومت کو اطلاع دی۔ وہ بھی اس لیے کہ وہ شخص ہندوستان سے باہر تھا اور اسے ہمارے موقف سے آگاہ کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ جب ہم نے برطانوی حکومت کو اس کے بارے میں اطلاع دی تو وہ حکومت برطانیہ کے خلاف بہت بڑی سازش میں ملوث تھا۔ برطانوی سیکرٹری خارجہ نے اس کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانے سے معذوری کا اظہار کر دیا تھا۔ خوش قسمتی سے اس ملک کی حکومت نے جہاں وہ قیام پذیر تھا اسے نکال دیا ورنہ وہ وہاں سے حکومت برطانیہ کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔“^(۲)

۱۔ الفضل ۵ دیاں۔ 7 جولائی 1932ء۔
۲۔ الفضل ۵ دیاں۔ 14 اپریل 1934ء مزید دیکھئے ”فضل مر کے ذریعہ کارنامے“ ۵ دیاں۔

سائنس کمیشن

۱۹۲۷ء میں حکومت برطانیہ نے ۱۹۱۹ء کے ایکٹ کی بنیاد پر سر جان سائنس کی سربراہی میں ایک کمیشن بھیجا تا کہ ہندوستان میں آئینی تبدیلیوں کی سفارشات مرتب کی جاسکیں۔ اس کمیشن کے تمام سفید فام اراکین کی وجہ سے سارے ہندوستان میں غم و غصہ پایا جاتا تھا۔ پورے ملک میں ہڑتالیں اور بد امنی ہوئی۔ الفضل نے کمیشن کی آمد کا جواز ان الفاظ میں پیش کیا۔

”اس حد تک ہندوستان میں تفرقہ بازی بڑھ گئی ہے کہ کوئی ہندوستانی تنظیم پوری ہندوستان کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اس ”تمام سفید فام کمیشن“ کا انتظام

ہر لحاظ سے قابل توصیف ہے۔“^(۱)

ہندوستانوں میں کمیشن کی آمد سے پہلے سر فضل حسین نے ظفر اللہ کولندن روانہ کیا۔ فضل حسین ظفر اللہ کو صوبائی مجلس قانون ساز کا رکن بنا کر اسے اپنی یونیٹ پارٹی کا رکن بنوانا چاہتا تھا۔ ظفر اللہ خود کہتا ہے کہ فضل حسین نے اسے گزارش کی کہ وہ لندن جا کر اراکین پارلیمنٹ اور دوسری عوامی شخصیات کو مسلمانوں کے تکتہ نظر سے آگاہ کرے۔ ظفر اللہ نے یہ گزارش مان لی اور اس ذمہ داری کی تکمیل کیلئے دو ماہ لندن میں گزار دیئے۔ مرزا محمود کی ہدایات کی روشنی میں اس نے عبدالرحیم درد امام مسجد لندن سے گرانقدر مدد حاصل کی۔ واپسی پر لاہور میں اس نے کسی حد تک ایک مفصل رپورٹ فضل حسین کو پیش کی جس پر اس نے کافی اطمینان کا اظہار کیا۔^(۲)

مرزا محمود نے اپنے برطانوی آقاؤں کی محبت میں سرشار ہو کر اور ہندوستان کے مستقبل کے آئینی ڈھانچہ میں اپنی جماعت کے لیے کچھ تحفظات حاصل کرنے کی غرض سے کمیشن کے ساتھ صوبائی و مرکزی سطح پر تعاون کی ضرورت پر زور دیا۔^(۳)

قادیانی جماعت کے اراکین نے سیاسی اور آئینی معاملات پر اپنے موقف

۱۔ الفضل قادیان۔ ۲۱ نومبر ۱۹۲۷ء۔

۲۔ سر ظفر اللہ۔ سرونت آف ۱۶۔ صفحہ ۶۰۔

۳۔ سر ظفر اللہ۔ احمدیت صفحہ ۲۳۹۔

کے بارے میں لمبی چوڑی یادداشتیں مرتب کیں اور کمیشن سے علی الترتیب گورداسپور اور لاہور میں ملاقاتیں کیں۔ کمیشن کو احمدیہ تحریک کی ابتداء اور اس کے سیاسی نظریات سے آگاہ کیا گیا۔ سرکردہ احمدیوں کے ایک گروپ نے کمیشن کے سامنے ہندوستان کے وفادار احمدیوں کے لیے آئینی تحفظات کے لیے چند تجاویز پیش کیں۔ احمدیہ یادداشت پر تقریباً پانچ لاکھ افراد نے دستخط کیے تھے۔ کمیشن کے صدر جان سائمن نے سیاسی مسائل پر احمدیہ موقف سے آگاہ کرنے اور بھرپور عمومی تعاون پر احمدیوں کا شکریہ ادا کیا اور ہندوستان کی احمدیہ جماعت کی اہمیت کو قلمبند کر لیا۔^(۱)

کمیشن کے اراکین کے ساتھ احمدیہ استدلال کے ثمرات کے بارے میں مرزا محمود اتنا پر امید تھے کہ سولہ اپریل ۱۹۲۸ء کو مجلس شوریٰ کے اجلاس میں انہوں نے اسے ”آنے والے وقتوں میں دنیا پر ایک بے مثل فتح قرار دیا“۔ انہوں نے مسلمانوں کو عدم تعاون کے خطرات سے خبردار کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ وہ اپنا مقدمہ اس طور سے پیش کریں جو کمیشن کی سمجھ میں آ جائے۔ دوسری چیزوں کے علاوہ انہوں نے مندرجہ ذیل سیاسی مسائل پر اپنی رائے پیش کی۔

(الف) مسلمان اچھوتوں کے مسئلے کو اجاگر کریں اور کمیشن کے ارکان کے اذہان میں ان کے حقوق کی اہمیت بٹھائیں۔

(ب) ہندوستان میں خصوصی حالات کے تحت مسلمانوں کو جداگانہ طریقہ انتخاب پر اصرار کرنا چاہئے جو انہیں ہندوستانی آئین میں مہیا کیا گیا ہو اور جسے صرف مسلمانوں کی خواہش اور فیصلے کے بعد ہی رد کیا جاسکے۔

(ج) مسلمانوں کی بنگال اور پنجاب میں اکثریت برقرار رہنی چاہئے اور آئندہ جن صوبوں کو خود مختاری دی جائے ان پر یہ قاعدہ لاگو ہونا چاہئے۔

(د) اصلاحات کا دائرہ کار صوبہ سرحد تک بڑھا دیا جائے اور سندھ کو ایک خود مختار صوبہ کا درجہ دیا جائے۔

(ر) آئین میں اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ کسی فرقہ کو کسی بھی مرحلے پر کسی بھی معاملے میں مذہب، ثقافت یا معاشی اصلاحات کے نام پر دوسرے فرقہ کی آزادی سلب کرنے یا اسے روکنے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

(س) عقیدے کی تبلیغ کو کسی بھی وقت کسی پابندی کے تحت نہیں رکھنا چاہئے۔

(ق) اردو کو ان تمام صوبوں میں جہاں یہ ہر لحیزہ ہے۔ سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے اور مسلمانوں کو اسے ذریعہ تعلیم کے طور پر اپنانے کی مکمل آزادی ہونی چاہئے۔^(۱)

دہلی تجاویز

کل ہند مسلم لیگ جو کہ سائنس کمیشن کے مسئلے پر جناح اور سر شفیع لیگ کے دو دھڑوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کے ان بنیادی مطالبات پر پرزور بحث کر چکی تھی۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں محمد علی جناح نے چند سرکردہ مسلمان زعماء کا دلی میں اجلاس بلایا۔ جن میں سے زیادہ تر مرکزی مجلس قانون کے رکن تھے، اجلاس کے آخر میں مجالس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے آئینی تجاویز پیش کی گئیں۔

(۱) بمبئی بے سندھ کی علیحدگی۔

(۲) دوسرے صوبوں کی طرح سندھ اور بلوچستان میں اصلاحات متعارف کی جائیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو مسلمان ایسے صوبوں میں مشترکہ حلقہ انتخاب کے لیے تیار ہوں گے اور سندھ، سرحد اور بلوچستان میں ہندو اقلیتوں کو وہ تمام رعایا تیس دینے کے لیے تیار ہوں گے جو وہ ہندو اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں کو دیں گے۔

(۳) پنجاب اور بنگال میں مناسب نمائندگی آبادی کے تناسب پر مبنی ہو۔

(۴) مرکزی قانون ساز مجلس میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہو اور

مخلوط حلقہ انتخاب ہو۔^(۲)

۱۔ دہلی ریویو آف ریجنل ریسرچ۔ فروری ۱۹۷۱ء۔

۲۔ کے کے عزیز۔ ”آل انڈیا مسلم کانفرنس“ ۱۹۲۵-۳۵ء، کراچی ۱۹۷۸ء، ص ۲۔

یہ تجاویز بیس مئی ۱۹۲۷ء کو شائع ہوئیں۔ مئی میں کانگریس کمیٹی نے ایک قرارداد منظور کی جس کا بنیادی مقصد ان تجاویز کو قبول کرنا تھا۔ تاہم دسمبر ۱۹۲۷ء میں کانگریس نے اپنے مدراس کے اجلاس میں ایک کل جماعتی کانفرنس میں ”سوراج آئین برائے ہندوستان“ مرتب کرنے کی قرارداد منظور کی۔ مجلس عاملہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ دوسری جماعتوں کی طرف سے تشکیل کردہ مجالس عمومی سے گفت و شنید کرے۔ جناح لیگ نے کلکتہ میں اپنے سالانہ اجلاس میں اپنی کونسل کو ایک سب کمیٹی قائم کرنے کا اختیار دیا جو دہلی تجاویز کی روشنی میں کانگریس کی مجلس عاملہ سے بات چیت کرے اور جداگانہ حلقہ انتخاب پر کسی سمجھوتے کے بغیر صرف سندھ، بلوچستان اور سرحد کے متعلق تجاویز کو تسلیم کرے جن کو قبول کرنے کے بعد لاگو بھی دیا جائے گا۔ شفیع لیگ نے اپنے لاہور کے اجلاس میں جداگانہ حلقہ انتخابات کی بحالی، سندھ کی بمبئی سے علیحدگی اور بلوچستان و سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔

نہرو رپورٹ

مدراس قرارداد کے نتیجے میں کانگریس نے تمام سیاسی گروہوں کو دعوت دی کہ وہ ایک ”سوراج آئین برائے ہندوستان“ کی تیاری میں تعاون کریں۔ جناح لیگ نے دعوت قبول کر لی اور شفیع لیگ نے علیحدہ رہنے کا فیصلہ کیا۔^(۱)

کل جماعتی کانفرنس کا پہلا اجلاس دلی میں بارہ فروری ۱۹۲۸ء کو ہوا اور دو ذیلی کمیٹیوں کی تقرری کے بعد ملتوی ہو گیا، جس میں سے ایک کے ذمہ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے نتیجے میں مالی معاملات کی تحقیق اور دوسری کے ذمہ ہندوستان میں مناسب نمائندگی کے نظام کے مناسب اور قابل عمل ہونے کا جائزہ لیتا تھا۔ جب کانفرنس کا دوبارہ اجلاس بمبئی میں ہوا تو یہ اس وقت تک کوئی اعلامیہ تیار نہ کر سکی تھی۔ تاہم موتی لعل نہرو کی سربراہی میں ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی جو کہ ”آئین کے حوالہ سے اور

مجموعی طور پر فرقہ وارانہ مسئلہ کے جائزے کے لیے تھی۔ اگست ۱۹۲۸ء میں اس کمیٹی نے نہرو رپورٹ پیش کر دی۔^(۱)

تین نومبر ۱۹۲۸ء کو کل ہند کانگریس کمیٹی نے نہرو رپورٹ کو مکمل طور پر تسلیم کر لیا۔ اس رپورٹ پر ہندوستانی قانون ساز اسمبلی کے مسلمان ارکان، صوبائی مجالس قوانین ساز۔ کل ہند وفاق، یو پی آل پارٹیز مسلم کانفرنس، علی برادران کل ہند خلافت کمیٹی حتیٰ کہ جمعیتہ العلماء ہند نے بھی اس پر شدید تنقید کی۔^(۲) مرزا محمود نے اس رپورٹ پر تفصیلی تبصرہ لکھا جو الفضل کی دوا اکتوبر ۱۹۲۸ء تا دو نومبر ۱۹۲۸ء میں سات قسطوں میں شائع ہوا اور بعد میں اسے ”نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے حقوق“ کے عنوان سے تین نومبر ۱۹۲۸ء کو کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔^(۳) یہ کتاب کم و بیش ان مطالبات کا خلاصہ تھی جو سر شفیع لیگ نے پیش کیے تھے۔^(۴) مرزا محمود نے یہ بات زور دے کر کہی کہ کل جماعتی کانفرنس جس نے نہرو ذیلی کمیٹی کو آئین سازی کی ذمہ داری دی تھی وہ مکمل طور پر نمائندہ حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ مثال کے طور پر اس نے اپنی کارروائی کے دوران کسی بھی مرحلے پر احمدیہ جماعت کے ساتھ رابطہ نہیں کیا حالانکہ احمدی تعداد کے لحاظ سے پارسیوں سے کہیں زیادہ ہیں۔^(۵) اس تجزیے کا ایک اہم پہلو برطانیہ کو دی گئی وہ نصیحت جس کی رو سے وہ اشیاء میں اپنی حکومت کو دوام بخشنے کے لیے مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرے کیونکہ مستقبل قریب میں یورپ سے اس کا بوریا بستر گول ہو رہا تھا۔^(۶)

مسلم کانفرنس

نہرو رپورٹ کا ایک نتیجہ ”کل ہند مسلم کانفرنس“ کا قیام تھا جس کے بڑے

۱۔ ایضاً ص ۴۔

۲۔ ایضاً صفحہ ۵۔

۳۔ سر ظفر اللہ۔ ص ۲۴۰۔

۴۔ تاریخ احمدیت جلد ۶ ص ۹۱۔

۵۔ مرزا محمود۔ ”نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے حقوق“ اسلامیہ تعلیم پریس لاہور ۱۹۲۸ء ص ۵۔

۶۔ ایضاً ص ۱۰۹۔

محرکین میں سر شفیع (پنجاب)۔ سر عبدالرحیم غزنوی۔ ڈاکٹر شفاعت احمد (یو۔ پی)۔ شفیع داؤدی (پٹنہ)۔ عبداللہ ہارون سندھ اور سر عبدالقیوم (سرحد) جیسے لوگ شامل تھے۔ کانفرنس نے مسٹر محمد علی جناح کو بھی شمولیت کی دعوت دی مگر آپ نے اسے مسلم اتحاد کو تباہ کرنے کی کوشش قرار دیتے ہوئے معذرت کر لی۔^(۱)

پہلی کل ہند مسلم کانفرنس میں جو دسمبر ۱۹۲۸ء کو سر آغا خان کی صدارت میں دہلی میں منعقد ہوئی مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندوں، اہم عوامی شخصیات، جو شیہ قوم پرستوں حتیٰ کہ قادیانوں نے بھی شرکت کی۔ مرزا محمود کو ان کی جماعت کی نمائندگی کے لیے رسمی دعوت دی گئی۔ انہوں نے بیس قادیانی ارکان کو صوبائی نمائندوں کے طور پر بھیجا جن میں حکیم ابو طاہر (امیر جماعت احمدیہ کلکتہ)۔ حکیم خلیل احمد منگھیری (بہار)۔ ظفر اللہ (پنجاب)۔ بابو اعجاز حسین (دہلی)۔ اور مرکز قادیان کے نمائندہ محمد صادق شامل تھے۔^(۲) کانفرنس نے اپنی قرارداد میں مسٹر جناح کے مخلوط طرز انتخابات، جس میں مسلمانوں کے تحفظات کی شرط شامل تھی کے برعکس جداگانہ حلقہ انتخاب کی ضرورت پر زور دیا۔ یہ بات اہم ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے جداگانہ انتخاب کو حتیٰ مقصد نہیں سمجھا بلکہ آخری حد تک جانے کا ایک متبادل ذریعہ خیال کیا اور دہلی تجاویز میں شامل شرائط کی تکمیل کے بغیر وہ اس نظام کو ترک کرنے پر تیار نہ تھے۔ وہ دہلی تجاویز اور لیگ کے کلکتہ اجلاس کی قرارداد کی سب سے نمایاں شخصیت تھے۔ اس مسودہ میں مسلمانوں کے مطالبات کو باقاعدہ طور پر پوری قوم کے سامنے رکھا گیا تھا۔

اٹھائیس تا اکتیس مارچ ۱۹۲۹ء کو دہلی میں ہونے والے لیگ کے اجلاس میں محمد علی جناح کی قرارداد کے مسودے میں چودہ نکات پیش کر کے کل ہند مسلم کانفرنس کو مفلوج کر دیا گیا۔ اس کی مستقبل کی حیثیت ختم ہو گئی اور وہ اپنی اہمیت کھو بیٹھی کیونکہ اسکی قرارداد بلکہ اس کی بنیاد کو چودہ نکات کی مقبولیت نے کمزور کر دیا۔ ان نکات نے سائنس

کمیشن رپورٹ (۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۰ء) گول میز کانفرنسوں (۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء)۔ قرطاس ابیض (۱۹۳۳ء) سلیکٹ کمیٹی کی کارروائی (۱۹۳۳-۱۹۳۴ء) اور ۱۹۳۵ء کے ایکٹ پر اپنا انٹ نقش چھوڑا۔

کچھ مصنفین کا خیال ہے کہ دہلی مسلم کانفرنس کی تجاویز کی بنیاد پر قائد اعظم محمد علی جناح نے اپنے نکات تیار کیئے تھے۔^(۱) یہ درست نہیں ہے کیونکہ دہلی تجاویز ان متواتر واقعات کے نتیجے میں مرتب ہوئیں جو مسلمان مطالبات کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ یہ اعزاز جناب محمد علی جناح کو جاتا ہے جنہوں نے ایک شاندار دستاویز مسلمانوں کو تیار کر کے دی جس نے انہیں اپنے مستقبل کی راہیں متعین کرنے میں مدد دی۔

سول نافرمانی

دسمبر ۱۹۲۹ء میں کانگریس نے اپنے لاہور کے اجلاس میں برطانوی دولت مشترکہ کے باہر ہندوستان کی مکمل آزادی کی قرارداد منظور کی۔ مارچ ۱۹۳۰ء میں مہاتما گاندھی نے نمک ستیاگرہ اور سول نافرمانی کی تحریکیں شروع کیں۔ جیسے ہی کانگریس نے یہ تحریکیں شروع کیں قادیانی جماعت نے انگریزوں کے کہنے پر ان کے خلاف تحریک شروع کر دی۔ احمدیہ جماعت لاہور کے ایک اخبار نے لکھا۔

”آج کل کانگریس کو حکومت اور قادیانیوں دونوں سے مشترکہ پالا پڑا ہے۔ وہ ایک شدید

صورت حال سے دو چار ہیں۔ قادیانی مبلغین گاؤں گاؤں پھر رہے ہیں تاکہ وہ اپنے

خطابات اور تقریروں سے کانگریس کے حکومت کے خلاف پراپیگنڈہ کا جواب دے سکیں۔

عوام کو انگریزوں سے وفاداری کا سبق دیا جا رہا ہے۔ انگریزوں کو ادنیٰ الامر کے قرآنی حکم

کی متابعت میں مامور من اللہ حکمران قرار دیا جا رہا ہے۔“^(۲)

اخبار نے قادیانیوں کے نظام جاسوسی کی مذمت کی اور برطانوی سامراج کے مکروہ عزائم کی تکمیل کے لیے ان کے شریک کار ہونے پر افسوس کا اظہار کیا۔ ناظر امور

خارجہ (قادیان کے خارجہ معاملات کے محکمہ کے انچارج) مفتی محمد صادق کی طرف سے قادیانی جماعت کو ایک انتہائی خفیہ پیغام ارسال کیا گیا جس میں انہیں اپنے علاقوں میں سیاسی حالات پر نظر رکھنے اور مرکز کو کانگریس اثرات کے اتار چڑھاؤ کے متعلق آگاہ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ یہ بھی ہدایت کی گئی کہ اگر کوئی سرکاری ملازم کانگریس کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے یا اس کے نظریات سے اتفاق کر لے تو مرکز کو فوراً مطلع کیا جائے۔^(۱)

قادیانی زعماء نے برطانوی سامراج کے ساتھ مذموم ساز باز جاری رکھی اور حکومت کو اپنی وفاداری کے کئی حوالے دیے۔ مرزا محمود نے دعویٰ کیا کہ آخری پچاس سالوں (۱۸۸۳ء تا ۱۹۳۳ء) کے دوران حکومت کو جب کبھی سنگین صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ قادیانیوں نے پوری وفاداری سے ان کی خدمت کی۔ انہوں نے پہلی جنگ عظیم، رولٹ ایکٹ کی بد امنی اور تحریک ہجرت کے دوران حکومت کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔ انہوں نے ہندوستان میں عدم تعاون کی کانگریسی تحریکوں کا بڑی بہادری کے ساتھ مفت لٹریچر تقسیم کر کے مقابلہ کیا اور اس کے خلاف عوامی خطبات و اجتماعات منعقد کر کے بڑی جرأت مندی سے حکومت کی پالیسی کا دفاع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر سول نا فرمانی کی تحریکوں، ریڈ شرٹ تحریک جو کمیونسٹوں کی انقلابی تحریک تھی اور ہنگامی دہشت گردی کا بڑی پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ قادیانی خلیفہ نے ہمیشہ اپنے خطبات میں اس بات پر زور دیا کہ احمدیہ جماعت اپنی ابتداء سے ہی انگریزوں کی مستقل وفاداری سے خدمت کرنے پر خوش ہے بلکہ شہنشاہ معظم کی رعایا ہونے پر فخر کا اظہار کرتی ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ان کے پاس ان کو یا ان کی جماعت کے معتمدین کو برطانوی سرکاری حکام کے طرف سے لکھے ہوئے تعریفی خطوط کی ٹوکریاں بھری پڑی ہیں جن میں مختلف مواقع پر برطانیہ کے لیے جماعت احمدیہ کی خدمات اور وفاداری کو شاندار خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ انہوں نے مزید دعویٰ کیا کہ ان کی جماعت کے پاس تمغوں کی ٹوکریاں بھری پڑی ہیں جو احمدیوں نے حکومت کی خاطر اپنی جانیں قربان

کر کے حاصل کیئے۔ ان ٹوکریوں کا وزن ان کے دعوے کے مطابق ایک سرکاری اہلکار کے وزن سے زیادہ تھا۔^(۱)

مرزا محمود یہ اقرار کرنے سے کبھی بھی نہیں ہچکچائے کہ احمدیہ جماعت نے ہمیشہ ہر اس سیاسی تحریک کی مخالفت کی جس نے برصغیر ہند میں برطانوی بالادستی کے لیے خطرہ پیدا کیا ہو۔ انہوں نے ان تمام مخالف تحریکوں کا حوالہ دیا جن میں احمدیوں نے انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ یعنی ۱۹۰۷ء کی پہلی منظم مزاحمت، تقسیم بنگال کے بعد شروع ہونے والی بدامنی، تحریک مسجد کانپور (۱۹۱۳ء) اور پہلی (۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء)۔ دوسری (۱۹۳۰ء) اور تیسری عدم تعاون کی کانگریسی تحریکوں (۱۹۳۲ء) ان سب کا بھرپور مقابلہ کیا گیا۔^(۲)

ہر شخص یہی خیال کرتا تھا کہ احمدیہ جماعت برطانوی سامراج کی پیداوار اور اس کے سیاسی مفادات کی نگہبانی کے لئے ایک خفیہ سیاسی تنظیم ہے۔ کانگریس کی اعلیٰ قیادت قادیانی جماعت کو برطانوی پٹھو قرار دیتی تھی۔ اس بات کو حوالے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے مرزا محمود نے اپنی جماعت کو یوں مخاطب کیا۔

”پھر یہ خیال کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کی ایجنٹ ہے، لوگوں کے دلوں میں اس قدر رائج تھا کہ بعض بڑے بڑے سیاسی لیڈروں نے مجھ سے سوال کیا کہ ہم علیحدگی میں آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کانگریسی حکومت کے ساتھ اس قسم کا تعلق ہے۔ ڈاکٹر سید محمود جو اس وقت کانگریس کے سیکرٹری ہیں، ایک دفعہ قادیان آئے اور انہوں نے بتایا کہ پنڈت جواہر لعل نہرو صاحب جب یورپ کے سفر سے واپس آئے تو انہوں نے انٹیشن پر اتر کر جو باتیں سب سے پہلے کیں ان میں ایک یہ تھی کہ میں نے اس سفر یورپ میں یہ سبق حاصل کیا ہے کہ اگر انگریزی حکومت کو ہم کمزور کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس سے پہلے احمدیہ جماعت کو کمزور کیا جائے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر

مخلص کا یہ خیال تھا کہ احمدی جماعت انگریزوں کی نمائندہ اور ان کی ایجنٹ ہے۔^(۱)

مرزا محمود نے اپنی کئی تقریروں میں ہندوستان اور اس کے باہر برطانوی راج کے قیام اور اس کی مضبوطی کے لیے انجام دی گئی احمدیوں کی خدمات کی نوعیت اور تعداد گنوائی۔ نہ صرف قادیانیوں نے برطانوی سامراج کے لیے اپنی جانیں گنوائیں، بلکہ ہندوستان اور اس کے باہر برطانوی عروج کے لیے خطرہ بننے والی سیاسی تحریکوں اور یورشوں کو روکنے کے لیے کروڑوں روپے بھی خرچ کیئے۔ انہوں نے بڑے فخر سے دعویٰ کیا کہ جب برطانوی اہلکار حکومت سے اپنی خدمات کا معاوضہ لے رہے تھے تو انہوں نے اور ان کی جماعت نے ہندوستان میں برطانیہ مخالف تحریکوں کو کچلنے کیلئے اپنی جیب سے کروڑوں روپے خرچ کیئے۔ انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ شہنشاہ معظم کی حکومت کے قیام و استحکام کی شدید خواہش نے انہیں پورے ہندوستان کا دشمن بنا دیا۔^(۲)

احمدیہ مشن لندن نے برطانوی نوآبادیوں میں برطانوی سامراجی مفادات کی نگرانی کی۔ اسے اعلیٰ برطانوی حکام اور سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند کی نظروں میں ایک منفرد حیثیت حاصل تھی۔ لندن مشن کا سربراہ ہمیشہ مرزا محمود کا قریبی رازدار ہوتا تھا کیونکہ اسے ہمیشہ اہم سیاسی کام سپرد کیئے جاتے تھے جنہیں وہ خفیہ طور پر سرانجام دیتا تھا۔ ۱۹۲۸ء میں لندن مشن کا سربراہ عبدالرحیم درد تھا جب اس کی جگہ مولوی فرزند علی کو نیا سربراہ مقرر کیا گیا تو ایک تقریب منعقد کی گئی۔ اس دوران عید الاضحیٰ کے موقع پر عبدالرحیم درد نے ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا جس میں سرکردہ برطانوی شخصیات نے شرکت کی۔ اس تقریب کے سلسلے میں ایک برطانوی اخباری اطلاع کا حوالہ دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

”اکتیس مئی ۱۹۲۸ء کو عید الاضحیٰ کے دوسرے دن ساؤتھ فیلڈ میں احمدیہ مشن میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں سر ڈینی سن راس نے اسلام پر خطاب کیا۔ اس تقریب

میں والی کاؤنٹ ایلن بائی اور اسکی اہلیہ۔ لارڈ لیہد۔ سر ولیم ہل (رکن پارلیمنٹ) سر کھیمٹ کن لاک کک (ممبر پارلیمنٹ) اور اس کی اہلیہ۔ سر پارک گوف (رکن پارلیمنٹ)۔ سر فریک سینڈرسن (رکن پارلیمنٹ)۔ سر ہنری کوون اور اس کی اہلیہ۔ سر مردوک میکڈونلڈ (رکن پارلیمنٹ) اور اسکی اہلیہ کیپٹن کیر و جونز (رکن پارلیمنٹ)۔ مسٹر جے۔ بی اور مس کوہز کرٹل اپلین (رکن پارلیمنٹ)۔ مسٹر رہائس ڈیویز (رکن پارلیمنٹ)۔ مسٹر اور مسز رجنالڈ ایٹری۔ سر شین فورڈ لندن۔ ڈاکٹر ٹی ڈی احمد مسٹر ایم نسیم۔ مسٹر ایچ۔ ڈی وائسن۔ بشپ جیمز۔ جرمن سفارت خانے کے معتمد۔ فارس لیکیشن کے معتمد لیفٹیننٹ کرٹل ای مرے۔ معتمد برطانوی ایمپائر لیگ۔ مسٹر جی۔ آر۔ ایس میڈ۔ مسٹر ایچ آر کب۔ سردار اقبال علی شاہ۔ سر ایڈورڈ میکلیکن۔ پنجاب کے سابق لیفٹیننٹ گورنر اور مہاراجہ بردوان نے شرکت کی۔

سر ایڈورڈ میکلیکن نے صدارت کی انہوں نے دلچسپ انداز سے کہا کہ امام عبدالرحیم درد نے عید کی تقریبات میں قدیم عیسائی روایات کا لحاظ رکھا اور غیر احمدی مسلمانوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کو بھی دعوت دی۔ یہ اس عظیم حب الوطنی اور بے غرضی کی مثال ہے۔ جو جماعت احمدیہ نے پنجاب میں جنگ عظیم کے دوران پیش کی۔ انہوں نے اس بات پر انہوس کا اظہار کیا کہ امام لندن سے روانہ ہو رہے ہیں۔

سر ڈی جی سن راس نے اسلام کے مطالعہ کے دوران مسلمانوں میں رہنے کے اپنے چند تجربات کا ذکر کیا اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں تاریخی حقیقات کے اضافے کی تعریف کی۔

مہاراجہ بردوان نے ایسے ناقابل فراموش اجتماع میں اپنی موجودگی پر مسرت کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایسی مجالس جن میں وہ اپنے مسلمان دوستوں سے مل سکیں مختلف عقائد کے لوگوں میں دوستی استوار کرنے میں ناکام نہیں ہو سکتیں۔ امام درد نے اپنے اس عقیدے کا حوالہ دیا کہ آسمانی باپ کی پرستش کرنے والے خواہ وہ مسلمان ہوں، عیسائی یا یہودی ایسے مواقع پر بخوبی مل سکتے ہیں۔ رواداری اس کے عقیدے کی بنیاد ہے۔ اس

نے پھر اعلان کیا کہ صحت کی وجوہات کی بنیاد پر احمدیہ جماعت کے سربراہ نے اسے واپس ہندوستان بلا لیا ہے اور اپنے جانشین مسٹر فرزند علی کا حاضریں سے تعارف کروایا اور یہ توقع ظاہر کی کہ جیسی شفقت اور معاونت اسے حاصل تھی فرزند علی کو بھی ملتی رہے گی۔^(۱)

لندن میں گول میز کانفرنسیں

سائنس کمیشن کی رپورٹ مئی ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔ ہندوستان بھر میں اس سے مایوسی طاری ہو گئی۔ عوامی سطح پر اس کی مذمت کی گئی۔ ہندوستان کی سیاسی صورتحال پر بحث کے لیے چند وفادار عناصر نے شملہ میں جولائی ۱۹۳۰ء میں ایک کل مسلم جماعتی کانفرنس بلائی۔ جس میں تمام برطانوی حکومت کے وفادار سیاسی رہنما، نواب اور جاگیردار شامل ہوئے۔ ہندوستانی پریس نے اسے ”کل ہند ٹوڈی کانفرنس“ یعنی انگریزوں کے پٹھوں کی کانفرنس کا نام دیا۔ سر ظفر اللہ کی استدعا پر مرزا محمود نے اس میں شرکت کی۔ انہوں نے رہنماؤں پر زور دیا کہ کوئی مزید قدم اٹھانے سے پہلے مسلمانوں کو یہ سمجھایا جائے کہ وہ آئندہ لندن میں منعقد ہونے والی گول میز کانفرنسوں کا انتظار کریں۔ انہوں نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ کچھ عناصر صورتحال کا فائدہ اٹھا کر موقع محل کو سول نافرمانی کی تحریک کی طرف لے جائیں گے۔^(۲) بظاہر ان کا اشارہ کانگریس کی طرف تھا۔ لیبر حکومت نے ہندوستان کے لیے خود اختیاری کے درجہ کا اعلان کیا اور برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے نمائندوں کو مشاورت کے لیے لندن میں ہونے والی گول میز کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔ اس موقع پر مرزا محمود نے سائنس رپورٹ کا ایک تجزیہ تیار کر کے شائع کروا دیا۔ اس کتابچے کا عنوان ”ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا حل“ تھا۔ لندن کی گول میز کانفرنس کے مسلم شرکاء میں اس کی خوب تشہیر کی گئی۔

۱۔ دی نیوز ایسٹ انڈیا لندن۔ ۷ جون ۱۹۲۸ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد ۶ ص ۲۳۸۔

اس کتابچے میں کہا گیا کہ ہندوستان ابھی آزادی کے قابل نہیں اور ہندوستان کی آزادی اور بقاء کی خاطر دوسری چیزوں کے علاوہ اس کی عسکری ضروریات کا خاکہ تیار کرنے کی ضرورت ہے۔^(۱) انہوں نے زور دے کر کہا کہ گول میز کانفرنس کے شرکاء کو سائنس کمیشن رپورٹ سے ابتداء کرنی چاہیے اور ہندوستان کی آزادی کی خاطر متعلقہ سوالات کا جائزہ لینا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ آخری سوال ایک اخلاقی، سیاسی اور مذہبی جواب کا متقاضی ہے۔ مذہبی جواب ہندوستانیوں اور یورپیوں کے مابین وسیع مذہبی اختلافات کی بناء پر نہیں دیا جاسکتا مگر سیاسی اور اخلاقی جواب کی گنجائش بہر حال موجود ہے اور ان دونوں کے لیے ان کا واضح جواب ”ہاں“ تھا۔ انگلستان اپنے سابقہ دعوؤں کی بناء پر سیاسی اور اخلاقی لحاظ سے آخر کار ہندوستان کی حتمی آزادی کا پابند تھا۔ احمدیت کے موضوع پر کام کرنے والے امریکی محقق لیوان نے لکھا ہے کہ

”محمود احمد کا موقف انقلابی موقف سے بہت ہی دور تھا کیونکہ انہوں نے اپنے اس جملے میں ہندوستان میں برطانیہ کی مستقل موجودگی کی حمایت پر زور دیا اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ ”مختصر یہ کہ برطانیہ سے علیحدگی نہ صرف ناممکن ہے بلکہ یہ حالات کی خدائی تسلیم کے بھی خلاف ہے۔“^(۲) انہوں نے برطانوی حکومت کو فرقہ واریت پھیلانے کے جرم سے بری الذمہ قرار دیا اور سائنس کمیشن رپورٹ کی حمایت کی۔ برطانیہ سے ہندوستان کی علیحدگی کا محض خیال خدا کی مشیت کے خلاف بتایا گیا اور ایسا سوچنے والے کو ملک کا بوا دشمن قرار دیا گیا۔ حتیٰ کہ مرزا محمود کے نزدیک ہندوستان کے لیے نیم خود اختیاری کا درجہ (ڈومینین سٹیٹس) ایک لعنت کی حیثیت رکھتا تھا۔^(۳)

مرزا محمود نے انگلستان کو ہندوستان میں متواتر فرقہ واریت کے الزام سے بری کرتے ہوئے سائنس کمیشن کی تجاویز خصوصاً ان میں اقلیتی گروہوں کے مفادات کے تحفظ کی تجویز کی بھرپور حمایت کی۔ دراصل انہوں نے ہندوستان میں مستقبل کے مجوزہ

۱۔ مرزا محمود، ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا حل۔ ۵ دیاں ۱۹۳۰ء ص ۱۳۹۔

۲۔ لیوان۔ ص ۱۳۹۔

۳۔ مرزا محمود احمد۔ ص ۱۴۲۔

آئینی ڈھانچے میں مسلمانوں کے ایک ”غلامانہ حیثیت“ کی تجویز پیش کی۔ فرماتے ہیں۔

”میں یہ بیان کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اگر برطانوی اقوام دولت مشترکہ میں ہندوستان کو تاج برطانیہ کے ماتحت رہنا ہے جیسا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اسے رہنا چاہیے تو میں تو کیا، کوئی بھی اس معاملے پر مضبوط ترین سیاسی اتحاد کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔ تو پھر یہ ضروری ہے کہ آنے والے طویل عرصہ کے لیے برطانوی عناصر کو رہنا چاہیے۔ اب تک تمام برطانوی نیم خود مختار ریاستیں یا تو تمام کی تمام برطانوی خون سے نو آباد ہوئی ہیں مثلاً آسٹریلیا، نیوزی لینڈ یا جزوی طور پر برطانوی اور جزوی طور پر غیر برطانوی عناصر سے نو آباد ہوئی ہیں جیسا کہ کینیڈا اور جنوبی افریقہ۔ نیم خود مختار ریاستیں بڑی آسانی سے اپنی مادر مملکت سے قرابت داری اور زبان کی بنیاد پر تعلقات رکھ سکتی ہیں مگر ایک ہندوستان جیسی سر زمین جو کہ برطانیہ کے لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں سے آباد ہے جو ان سے زبان، نسل، مذہب اور تہذیب میں بہت مختلف ہیں۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ ان دونوں کے مابین کسی نہ کسی طرح کے روابط برقرار رہنے چاہئیں تاکہ آزاد اور خود مختار ہندوستان برطانیہ عظمیٰ کے بارے میں دوستانہ جذبات کو زندہ رکھنے کی حالت میں ہو اور اس کے حصول کے لیے بہترین طریق کار یہ ہے کہ برطانوی اہلکاروں کی خدمات کا حصول جاری رہے وگرنہ ایک سلطنت کا احساس دم توڑ دے گا اور ہندوستان کے برطانوی عوام کی دولت مشترکہ سے قطع ہو جانے کا خدشہ موجود رہے گا جس کا نتیجہ میرے خیال میں پسندیدہ خود اختیاری حکومت کی بجائے بدترین غلامی کی صورت میں سامنے آئے گا۔“ (۱)

پہلی گول میز کانفرنس

پہلی گول میز کانفرنس بارہ نومبر ۱۹۳۰ء کو لندن میں شروع ہوئی۔ کانگریس نے اس کا مقابلہ کر دیا۔ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن سر فضل حسین نے اپنے سب

سے بڑے رفیق کار سر ظفر اللہ اور شفاعت احمد کو محمد علی جناح کی سرگرمیوں کی روک تھام کے لیے لندن بھیجا۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ظفر اللہ کا سرکاری اثر بڑھ گیا تھا کیونکہ ۳۱-۱۹۳۰ء میں ”دلی سازش مقدمہ“ میں وہ سرکاری وکیل تھا۔ اس مقدمے میں بھگت سنگھ اور دت جیسے انقلابی ملوث تھے۔^(۱) انہوں نے ایک انقلابی تحریک چلائی۔ سرفضل حسین نے بیس مئی ۱۹۳۰ء کو اتر پردیش کے گورنر میکلم ہیلی کو ایک خط میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا۔

”کلف برطرف“ میں اس خیال سے متفق نہیں کہ جناح کانفرنس میں بولتا رہے اور کوئی بھی ایسا مضبوط دماغ کا آدمی موجود نہ ہو جو جناح کے نظریات کے خلاف احتجاج کر سکے۔ جبکہ یہ خیالات ہندوستانی مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہ ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی کھل کر کہہ دے کہ یہ مسلمانوں کے نظریات نہیں، یہ مشکل کام ہے اور ناخوشگوار بھی۔ اور ایک نمائندے کی جتنی اونچی حیثیت ہوگی اتنا ہی اسکے لیے کانفرنس میں یہ کہنا مشکل ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ شفاعت احمد اور ظفر اللہ اس کام میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے۔ جبکہ شفع کی تردید رقابت کی حامل بھی جائے گی۔“^(۲)

پہلی گول میز کانفرنس میں کوئی بھی قابل ستائش پیش رفت نہ ہو سکی۔ محمد علی جناح نے کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کے بعد ایک فارمولا تجویز کیا جسے ہندو رہنما جیا کار نے مسترد کر دیا۔ گول میز کانفرنس کا پہلا اجلاس انیس جنوری ۱۹۳۱ء کو ختم ہوا جس میں برطانوی وزیراعظم ریمزے میکڈلڈ نے بیان جاری کیا۔ انہوں نے یہ اشارہ دیا کہ حکومت دو پہلوؤں والی مکمل خود مختاری کی تجاویز قبول کر سکتی ہے۔ ہندوستان میں ایک خوش کن تبدیلی پہلے ہی رونما ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر اقبال نے مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے الہ آباد کے اجلاس (۱۹۳۰ء) میں شمالی مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں میں ایک علیحدہ ریاست کے قیام کا نظریہ پیش کر دیا تھا۔ ہندو پولیس نے اس نظریہ

۱۔ لیڈان۔ ص ۱۴۴ اور ظفر اللہ۔ سرونت آف گاڑ۔ لندن ۱۹۸۳ء ص ۵۵۔
۲۔ مہاں فضل حسین کے خطوط۔ ص ۷۷ اور ماسق حسین ٹائمری۔ اقبال کے آخری دو سال۔ ص ۲۴۹۔

پر سخت تنقید کی اور اسے ہندوستان کے سیاسی مسئلے کے حل کے طور پر مسترد کر دیا۔

لارڈ ارون کے لیے تحفہ

ہندوستان میں لارڈ ارون کا عہد وائسرائلٹی ۱۹۳۱ء میں ختم ہو گیا۔ اسکی جاہلانہ حکمت عملیوں کی وجہ سے ہندوستانی اس سے سخت نفرت کرتے تھے۔ ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ قدامت پسندوں نے اسکے واپس بلائے جانے کا مطالبہ کر دیا۔ اپنی روایتی حکمت عملی کے مطابق مرزا محمود نے اس کی لندن روانگی کے موقع پر اپنے آقا کی چالپوسی کا ایک بار پھر مظاہرہ کیا۔ انہوں نے سر ظفر اللہ چوہدری فتح محمد سیال اور عبدالرحیم درد پر مشتمل ایک سات رکنی وفد اس کی خدمت میں ارسال کیا جس نے مرزا محمود کی لکھی ہوئی کتاب کی ایک خوشنما جلد اسے پیش کی۔ یہ کتاب ایک خوبصورت صندوقچہ میں رکھ کر پیش کی گئی۔ اسے مرزا محمود اور ہندوستان کے تمام صوبوں کے سو شہروں میں بسنے والے دس ہزار اراکین جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش کیا گیا۔ اس میں احمدیت کی مختصر تاریخ کے علاوہ ماضی کی سیاسی بدامنی کے ادوار میں احمدیہ جماعت کی خدمات جلیلہ اور انگریزوں کے ساتھ تعلقات پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ اس کتاب کی رو سے احمدیہ برطانیہ تعلقات اتنے قریبی تھے کہ لوگ یہ غلط تاثر لینے پر مجبور تھے کہ شاید احمدی انگریزوں کے جاسوس ہیں۔

لارڈ ارون نے ہندوستان میں اپنے عہد حکومت کے دوران مرزا محمود کو جوابی خط میں احمدیہ جماعت کی گراں قدر سیاسی خدمات کی تعریف کی۔ اس نے ہندوستان چھوڑے کے بعد بھی احمدیہ جماعت میں اپنی دلچسپی اور ہمدردی کی یقین دہانی کرائی۔^(۱)

بے کیف لیگ اجلاس

یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کو دوسری گول میز کانفرنس ختم ہو گئی اور ظفر اللہ کوئی وقت

۱۔ مرزا محمود احمد "تحفہ لارڈ ارون" اللہ بخش شمیم پریس قادیان۔ مارچ ۱۹۳۱ء۔

ضائع کیے بغیر دہلی میں لیگ کے اجلاس کی صدارت کے لیے ہندوستان کو روانہ ہو گیا۔ چند برطانیہ نواز عناصر نے مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کے لیے انہیں بطور امیدوار پیش کیا۔ صدارت سے پہلے انہوں نے رہنمائی کے حصول کے لیے مرزا محمود کو خط لکھا جو تاریخ احمدیت میں محفوظ ہے۔ ظفر اللہ لکھتے ہیں۔

”ادھر اس موقع پر ذمہ داری بھی بہت ہے۔ غالباً ایسا اہم سیاسی موقع پہلے نہ ہوا ہوگا اس لیے خاکسار (ظفر اللہ) نے حضور (مرزا محمود) کی منظوری کی امید میں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتے ہوئے اسے منظور کر لیا ہے اور زیادہ تر اس رنگ میں اپنے خیالات کے لحاظ سے اسے قبول کیا کہ اس موقع پر مسلمانان ہند کو حضور کی زبان بن کر سیاسی مشورہ دوں اور کسی حد تک ان کی سیاسی رہنمائی کر سکوں۔ اسی لیے معروض ہوں کہ حضور کمال ذرہ نوازی اور شفقت سے اپنا قیمتی وقت نکال کر ایڈریس کا مسودہ لکھوا دیں اور خاکسار کو بھجوا دیں۔ خاکسار اسے ترجمہ کر لے گا۔۔۔۔۔ میرے نام کا اعلان ہوتے ہی جمعیت العلماء وغیرہ شور مچانا اور مخالفت شروع کر دیں گے اور کوشش کریں گے کہ اجلاس کے دنوں میں بھی مخالفت ہو اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ جماعت احمدیہ کے بہت سے ممبران شامل ہو سکیں تاکہ حاضری بھی اچھی ہو اور ریزولوشن وغیرہ بھی حسب فضاء پاس ہو جائیں۔۔۔۔۔ ایڈریس میں سیاست حاضرہ میں مسلمانوں کی حالت، موجودہ سیاسی حالات پر تبصرہ اور آئندہ کے کام کے متعلق بھی ہوگا۔ آئندہ ایک باقاعدہ نظام اور اتحاد کے ساتھ کام کرنے پر اگر حضور پسند فرمائیں تو خصوصیت سے زور دیں۔“ (۱)

مسلم لیگ کا اجلاس جیون ہال دہلی میں منعقد ہوا۔ جب مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ مسلم لیگ کے بانیوں اجلاس کی صدارت ایک قادیانی کرے گا تو انہوں نے پر تشدد مظاہرہ کرتے ہوئے ہال پر قبضہ کر لیا۔ ظفر اللہ کی مخالفت میں مظاہرہ نے شرکاء کو مجبور کر دیا کہ وہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ (۲) آخر کار یہ اجلاس نواب محمد علی کی رہائش

گاہ پر سخت حفاظت میں منعقد ہوا۔ ظفر اللہ نے اپنے صدارتی خطاب میں سیاسی معاملات جیسے ہندوستان کے لیے نیم خود اختیاری حکومت، کل ہند وفاق، صوبائی خود مختاری، اقلیتوں کے لیے آئینی تحفظات، کشمیری مسلمانوں کے حقوق اور ملک میں مختلف عناصر کی جانب سے دہشت آمیز اور انقلابی کارروائیوں کے ارتکاب پر اظہار خیال کیا۔^(۱)

یہ ایک بے کیف اور نیم حاضری والا ایوان تھا جس میں بمشکل ایک سو بیس آدمی تھے۔ اس اجلاس میں سالانہ اجتماع کی مطلوبہ تعداد کمتر سے پچاس تک کر دی گئی اور نئے ارکان کی کشش کے لیے سالانہ چندہ چھ روپے سے کم کر کے ایک روپیہ کر دیا گیا اور رکنیت کی پانچ روپے فیس یکسر ختم کر دی گئی۔^(۲) لیگ کے آئین میں دوسری اہم ترمیم جو کہ لیگ کے بنیادی مقاصد میں سے بیان کی گئی یہ تھی کہ ہندوستان کے لیے پر امن اور قانونی طریقے سے ”سوراج“ یا آزادی کے حصول کے نصب العین کو تبدیل کرنے ”ہندوستان کے لیے مکمل ذمہ دارانہ حکومت کا پر امن اور قانونی طریقے سے مسلمانوں کے لیے تحفظات کے ساتھ حصول“ کر دیا گیا۔^(۳) ڈاکٹر ایم۔ یو۔ ایس جنگ نے لفظ ”سوراج“ (آزادی) کے لفظ کو باقی رکھنے کی تجویز دی جبکہ مسٹر صابری نے اسے ”مکمل آزادی“ سے تبدیل کرنے کو کہا۔ اکثریت نے ان دونوں ترامیم کو مسترد کر دیا جبکہ ان کے حق میں صرف ارکان نے رائے دی۔ منظور ہونے والی قراردادوں میں سے ایک ایسی کمیٹی کے قیام کے بارے میں تھی جو ”کل ہند مسلم کانفرنس“ کی مجلس عاملہ سے گفت و شنید کے بعد دونوں جماعتوں کے مابین ایک اتحاد قائم کرے۔ مجلس کمیٹی نے اپنی رپورٹ مارچ ۱۹۳۲ء تک لیگ کونسل کو پیش کرنی تھی جو انضمام کی تجویز اور نتیجے میں بننے والی تنظیم کے آئین کی تیاری کرتی۔ اس کمیٹی میں ظفر اللہ صدر مسلم لیگ، ایس ایم

۱۔ شریف علی بن محمد زادہ، قائدِ حیر آف پاکستان ص 137۔

۲۔ سرمد حسن، پاکستان ص 56۔

۳۔ پیر احمد ص 181۔

عبداللہ اور مرزا اعجاز حسین جائنٹ سیکرٹری لیگ کے طور پر شامل تھے۔^(۱)

سامراجی کھیل کے لیے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کو استعمال کرنے کی یہ ایک گھناؤنی سازش تھی۔ قادیانی لیگ پر مکمل قابو پانے کے بعد اس کو مسلم کانفرنس میں ضم کر کے اس کی آزاد حیثیت کو ختم کرنا چاہتے تھے۔

پاکستان سکیم

انگریزوں نے مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر ظفر اللہ کا نام تینوں گول میز کانفرنسوں کے لیے تجویز کیا۔ ان اجلاسوں کے اختتام پر ان کا نام جائنٹ سلیکٹ کمیٹی میں بھی شامل کیا گیا تاکہ وہ ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے متعلق تجاویز کے قابل عمل ہونے کے بارے میں شہادتوں کی پرکھ کر سکے۔ جب کانفرنس اور لیگ کے نمائندے اس جائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے روبرو پیش ہوئے تو چار صفحات پر مشتمل ایک اشتہار بعنوان ”ابھی نہیں تو کبھی نہیں“ یا ”ہم سب کو زندہ رہنا ہوگا یا ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے“ گول میز کانفرنس کے شرکاء کی توجہ کا حامل بن گیا۔ یہ چوہدری رحمت علی کی تجویز تھی۔ ظفر اللہ نے پاکستان کے منصوبے کے بارے میں پارلیمنٹ کی جائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے روبرو یکم اگست ۱۹۳۳ء کو یہ بیان دیا کہ یہ محض طالب علموں کا منصوبہ ہے اور اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے اس منصوبے کو ناقابل عمل اور بے بنیاد قرار دیا جس کا مقصد چند صوبوں کا وفاق تھا۔^(۲) تاہم بعد میں اس نے اپنے موقف کی وضاحت میں (۱۹۸۲ء) میں پچاس سال بعد کہا کہ

”چونکہ چوہدری رحمت علی کا منصوبہ پاکستان ہندوستان کے ایک حصے سے آبادی کا

دوسرے حصے میں انتقال کے سوا کچھ نہ تھا اس لیے انہوں نے اسے اپنی نوعیت میں بے

بنیاد اور ناقابل عمل قرار دیا تھا۔“^(۳)

۱۔ بیرون زادہ، ص 192۔

۲۔ ہندوستان کے اجلاس برائے آئینی اصلاحات مشفقہ 37-1932ء میں مشترکہ مجلس کے سامنے دی گئی شہادت کی کارروائی، جلد 2 ص 1496۔

۳۔ پاکستان ٹائمز لاہور، 13 فروری 1982ء۔

ظفر اللہ نے گول میز کانفرنسوں میں اپنے برطانوی آقاؤں کیلئے خدمات سرانجام دینے کا ایک شاندار ریکارڈ قائم کیا۔ اپنی انہی خدمات کی وجہ سے انہیں گول میز کانفرنسوں کے اختتام پر سر کے خطاب سے نوازا گیا۔ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندو سر سیمونل ہور نے انہیں شاندار خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کے ہندوستان میں شاندار مستقبل کے متعلق اپنے پختہ یقین کا اظہار کیا اور توقع ظاہر کی کہ وہ برطانیہ سے اپنی وفاداریاں جاری رکھے گا۔^(۱) اس کو برطانیہ کے مستقبل انڈر سیکرٹری برائے ہندو سر فنڈ لیٹر سٹیوارٹ سر مورلیس گوانر چیف ٹریژری کونسل جو بعد میں ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس مقرر ہوئے اور دوسرے برطانوی حکام کی بھی حمایت حاصل ہو گئی۔^(۲)

محمد علی جناح کی ہندوستان واپسی

محمد علی جناح نے گول میز کانفرنس کے مباحثوں اور برطانوی آلہ کاروں کی سودے بازیوں سے تنگ آ کر لندن میں اس نیت سے قیام پذیر ہونے کا ارادہ کر لیا کہ وہ پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی کے سامنے وکالت کریں گے۔ چونکہ انہیں وفاقی منصوبے سے اختلاف تھا اس لیے گول میز کانفرنس کی آخری نشستوں میں انہیں مدعو نہ کیا گیا۔ قادیانیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ مرزا محمود احمد نے احمدیہ مشن لندن کے امام عبدالرحیم درد کو ہدایت کی کہ وہ جناح صاحب کو واپس وطن آ کر سیاست میں حصہ لینے کی ترغیب دے۔^(۱) درد نے مبینہ طور پر محمد علی جناح سے کئی ملاقاتیں کیں۔ نتیجتاً محمد علی جناح نے اپنا ذہن تبدیل کر لیا اور اس سے اتفاق کر لیا کہ ہندوستان واپس جا کر ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے سیاسی جدوجہد دوبارہ شروع کی جائے۔ اس کی ابتداء لندن سے کی گئی۔ سترہ اپریل ۱۹۳۳ء کو عید الاضحیٰ کے موقع پر عبدالرحیم درد نے لندن مسجد کے صحن میں ایک اجلاس منعقد کیا جس میں دوسو کے قریب سیاستدانوں اور مدبروں نے شرکت

۱۔ الفضل قادیانی، 24 جولائی 1934ء۔

۲۔ سر ظفر اللہ، سروسٹ آف گاڈ، صفحہ 71۔

۳۔ سر ظفر اللہ احمدیت، ص 243 حیدر دیکھئے ولی اللہ شاہ، ہماری ہجرت اور قیام پاکستان لاہور۔ 1949ء ص 21۔

کی۔ جن میں پیتھک لارنس، سرائیو ورڈ میکلیگن، پروفیسر اے۔ آر۔ گب۔ سر ڈینی سن راس وغیرہ شامل تھے۔ اس اجلاس کی صدارت سر نارن سٹیوارٹ نے کی۔ مسٹر جناح نے اس میں ہندوستان کے مستقبل پر تقریر کی۔ انہوں نے اپنی بات اس فقرے سے شروع کی۔

”امام کی بلیغانہ ترغیب نے میرے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔“

سنڈے ٹائمز لندن نے اپنے نو اپریل ۱۹۳۳ء کے شمارے میں لکھا۔

”مسٹر روز روڈ وبلڈن کی مسجد کے صحن میں ایک عظیم اجتماع تھا۔ جب مشہور ہندوستانی مسلمان مسٹر جناح نے ہندوستان کے مستقبل پر تقریر کی۔ مسٹر جناح نے قوی نکتہ نگاہ سے قرطاس انیض پر ناگوار تبصرہ کیا۔ چیئر مین این سٹیوارٹ سنڈیمن نے اس موضوع پر چرچل والا رویہ اپنایا تو چند مسلمان طلباء نے دوران تقریر ناگوار غلط ڈال دیا جن کو آخر کار مسجد کے امام نے چپ کرایا۔“^(۱)

قادیانیوں کے اس دعوے کا کوئی ٹھوس ثبوت میسر نہیں ہے۔^(۲) بلکہ گول میز کانفرنسوں میں ظفر اللہ کا رویہ اور بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے دوران قادیانی قیادت کا کردار قادیانی مصنفین کے بے سرو پا دعوؤں کو مسترد کرنے کے لیے کافی شہادت پیش کرتا ہے۔ محمد علی جناح ستمبر ۱۹۳۱ء میں واپس آئے اور کچھ دنوں کے لیے بمبئی میں قیام کیا۔ انہوں نے ایک عوامی اجتماع سے خطاب کیا اور مسلمانوں کو اپنے اختلافات بھلانے کی تلقین کی۔ لیاقت علی نے ۱۹۳۳ء میں لندن جا کر ان کو قوم کی قیادت سنبھالنے کی ترغیب دی۔ ۱۹۳۴ء میں وہ دوبارہ ایک ماہ کیلئے ہندوستان آئے۔ اس آمد کا بڑا مقصد لیگ کونسل کے اجلاس سے خطاب کے علاوہ مسلمانوں کو کمیونٹی ایوارڈ قبول کرنے اور آئندہ انتخابات کی تیاری کی ترغیب دینا بھی تھی۔ ۱۹۳۵ء میں جناح صاحب ہندوستان واپس آئے تاکہ مرکزی مجلس قانون ساز کے اجلاس میں شرکت کر

۱۔ ریویو آف ریجنل پریس، مارچ ۱۹۸۴ء۔

۲۔ الفضل ۲۷ اپریل ۱۹۳۳ء نے اس اجلاس کی اطلاع دیتے ہوئے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔

سکیں جس کی رکنیت انہیں اپنی غیر موجودگی میں اکتوبر ۱۹۳۳ء میں بلا مقابلہ حاصل ہو چکی تھی۔ ۱۹۳۳ء میں ہی انہیں مسلم لیگ کا مستقل صدر چن لیا گیا۔^(۱)

بمبئی میں حتی طور پر دوبارہ قیام سے پہلے جناح صاحب جاں بلب مسلم لیگ کو ایک موثر تنظیم میں بدلنے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ ہوئے اور ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۵ء کے درمیان کئی دفعہ صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے انہوں نے ہندوستان کا دورہ کیا۔ ہندوستان واپسی میں قادیانی ترغیب کا کوئی عنصر شامل نہ تھا۔ محمد علی جناح کی ہندوستان واپسی کے بعد قادیانیوں نے کبھی انکے ساتھ تعاون نہ کیا۔ پنجاب کے رسوائے زمانہ یونیورسٹیوں کے ساتھ مذموم ساز باز کی وجہ سے انہوں نے مسلم لیگ کی ساری پالیسیوں کو عموماً اور پنجاب میں خصوصاً مخالفت کا نشانہ بنایا۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے آخر میں انہوں نے کانگریس کی کھلے عام حمایت کی اور ہندوستان کے چھ صوبوں میں کانگریس کی وزارتوں کی تشکیل پر خوشیاں منائیں۔

کشمیر میں قادیانی سازشیں

کشمیر پر قادیانیوں کی ہمیشہ سے نظر رہی ہے۔ مرزا محمود ایک جگہ کہتے ہیں کہ سکھ دربار کی طرف سے مقرر کردہ کشمیر کے گورنر امام الدین سے ان کے دادا مرزا غلام مرتضیٰ کی گہری دوستی رہی تھی۔ جب اسے سکھ دربار کی جانب سے کشمیر میں ذمہ داری سنبھالنے کی ہدایت ہوئی تو اس نے مرزا غلام مرتضیٰ کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے اصرار کیا۔ سکھوں اور انگریزوں کے مابین ہونے والی جنگ (۱۸۴۶ء) کے دوران مرزا غلام مرتضیٰ امام الدین کے ہمراہ کشمیر میں تھا۔ انگریزوں نے پنجاب میں سکھوں کی قوت کو کچل کر رکھ دیا اور مارچ ۱۸۴۶ء میں معاہدہ امرتسر کی رو سے پچھتر لاکھ روپے کے عوض کشمیر گلاب سنگھ کو بیچ دیا۔ گلاب سنگھ کو کشمیر کا قبضہ لینے میں چند مشکلات درپیش تھیں۔ امام الدین نے کچھ عرصے تک کامیاب مزاحمت کی۔ لیکن ۱۸۴۶ء کے آخر میں برطانوی دستوں اور لاہور دربار کی مدد سے گلاب سنگھ کشمیر پر قابض ہو گیا۔ مرزا محمود مزید کہتے ہیں کہ امام الدین کشمیر کے ارد گرد کی ریاستوں کے وفاق کے قیام کے چکروں میں تھا تاہم وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ پہاڑی ریاستوں کے نواب انگریزوں کے ساتھ مقابلے کی سکت نہیں رکھتے۔ مزید یہ کوئی غلط فہمی بھی نہیں تھی کہ انگریزوں سے براہ راست دشمنی مول لی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ ان وجوہات کی بناء پر مرزا محمود نے سیاست میں حصہ لیا۔^(۱)

دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کا اتالیق، سر اور احمدیہ جماعت کا پہلا خلیفہ

حکیم نور الدین کشمیر کے دربار کا شاہی طبیب تھا۔ کشمیر کے آخری مہاراجہ ہری سنگھ کے باپ امر سنگھ کے بڑے بھائی مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو اس کا پتہ چل گیا۔ اس نے ریاست سے حکیم صاحب کے اخراج کے فوری احکامات جاری کر دیئے۔^(۱) مگر اس کے اخراج کی اصل وجہ یہ نہیں ہے۔

اصل کہانی یہ کہ ۱۸۸۵ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا پرتاپ سنگھ اس کا جانشین بنا۔ ۱۸۸۹ء میں انگریزوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ اس بہانہ سے کشمیر اور گلگت کے کچھ حصوں کا برطانوی ہند سے الحاق کر لیا جائے۔^(۲) اس منصوبے کو ایک قوم پرست سادھو امبا پرشاد نے طشت از بام کر دیا جو گونگا اور بہرہ بن کر برطانوی نمائندہ مقیم کلکتہ کے دفتر میں ملازم ہو گیا۔ اس نے خفیہ سرکاری دستاویزات چوری کر کے کلکتہ کے اخبار ”امرت بازار پتریکا“ میں چھپوا دیں۔ جن میں اس سازش کا ذکر تھا۔ اس سے کلکتہ انتظامیہ اور برطانوی پارلیمنٹ کو بڑا دھچکا لگا۔ تاہم اس وقت ہندوستان کا دار الحکومت کلکتہ تھا۔ انگریزوں نے مہاراجہ کی خوب خبر لی اس کے اختیارات محدود کر دیئے اور ریاست کی انتظامیہ چلانے کے لیے ایک مجلس تشکیل دے دی جس میں مہاراجہ کے دو بھائی رام سنگھ اور امر سنگھ کے علاوہ کچھ چیدہ چیدہ برطانوی اہلکار شامل تھے۔ انہیں وائسرائے کے نمائندہ کی پیشگی اجازت کے بغیر کوئی بڑا قدم اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ نومبر ۱۸۹۱ء میں مہاراجہ کو کچھ جزوی اختیارات واپس مل گئے۔ یہ اختیار ملنے کے فوراً بعد اس نے سب سے پہلے حکیم نور الدین کے ریاست سے اخراج کے احکامات صادر کیئے۔ حکیم برطانوی انٹیلی جنس کا کارندہ تھا۔ اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ پرتاپ سنگھ کی سیاسی سرگرمیوں پر نظر رکھے۔ اس نے کشمیر میں مقیم برطانوی ریڈیڈنٹ کو تمام دوبارہ سازی سازشوں سے آگاہ رکھا۔^(۳)

اپنے سامراجی آقاؤں کی ہدایت پر اس نے اور محرم علی چشتی نے کشمیر کی سرحد

پر (کشتواڑ میں) ^(۱) ایک طفیلی ریاست کے قیام کی سازش تیار کی تاکہ روسی جارحیت کی صورت میں یہ ایک بفر سٹیٹ کا کام دے سکے۔ یہ منصوبہ چند سیاسی وجوہات کی بناء پر پروان نہ چڑھ سکا۔ امر سنگھ حکومت کے حصول کی خواہش میں حکیم صاحب کے ہاتھوں میں کھیلتا رہا۔ مرزا محمود نے کشمیری مسلمانوں کی کسمپرسی کو کشمیر کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی تیسری وجہ قرار دیا ہے جو انہوں نے اپنے کشمیر کے تین دوروں کے دوران محسوس کیا۔ کشمیر میں پہلی دفعہ وہ جولائی ۱۹۰۹ء میں محلہ خانیاں سری نگر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقبرہ دیکھنے گئے۔ ان کے دوسرے دورے کا مقصد سیاسی تھا کہ وہ کشمیر کو پڑاؤ بنا کر وسط ایشیاء میں اپنے آلہ کار بھجوانے کے امکان کا جائزہ لینا چاہتے تھے۔ ان دنوں برطانوی حکمت عملی یہ تھی کہ اشتراکی روس کی توسیع پسندی کا مقابلہ کیا جائے۔ ^(۲) مولوی محمد امین اور مولوی ظہور حسین کئی دفعہ جاسوسی کے لیے روس گئے اور روسی خفیہ پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ مرزا محمود نے وسط ایشیاء میں قادیانیوں کی مسلسل اور خفیہ سرانیت پذیری کے دنوں میں ایک احمدی ریاست کے قیام کی طرف اشارہ بھی کیا۔ ^(۳)

جون ۱۹۲۹ء میں مرزا محمود تیسری دفعہ کشمیر گئے۔ ۱۹۲۹ء تک روسی انقلاب (۱۹۱۷ء) ایک خاص حد تک ترقی کر چکا تھا اور اس نے ہندوستان میں برطانوی سامراج کے لیے شدید خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ اشتراکی روس نے ہندوستانی مسلمانوں کو بار بار اکسایا کہ وہ سامراج کا جواء اپنے گلے سے اتار پھینکیں اور روسی انقلاب کی مدد کریں۔ ان نعروں نے برطانیہ کی ناک میں دم کر دیا تھا۔ تاہم روس کی درآمدی ضروریات، مغرب سے قرضوں پر اس کا انحصار اور مارچ ۱۹۲۱ء میں برطانیہ کے ساتھ ایک تجارتی معاہدے کی تکمیل نے روس کو مجبور کیا کہ وہ ایشیائی پالیسی میں چلک پیدا کرے۔ برطانوی مفادات کا خیال کر کے اور ہندوستان میں قائم برطانوی سامراج کی حکومت افغانستان کی آزاد ریاست کے خلاف عسکری یا سفارتی طریقے سے کسی بھی

۱۔ رقیق دلاوری۔ آئرن ٹینس لاہور ۱۹۳۷ء ص ۴۸۸۔

۲۔ جوزف کوریل۔ ڈائجسٹ ان کشمیر۔ امریکہ ۱۹۸۶ء ص ۲۷۴۔

۳۔ مرزا محمود۔ اے پریذیڈنٹ نوپرس آف ولز۔ ص ۹۳ اور افضل قادیان ۱۲ مارچ ۱۹۲۲ء۔

طرح ایشیائی باشندوں کو اکسانے اور مسلح تصادم کرانے سے احتراز کرے۔ مگر اس کے باوجود یوں اپنے اشتراکی نظریات کے باعث ہندوستان کے انقلابیوں کی کسی نہ کسی طریقے سے مدد کرتا رہا۔ ہندوستان کے انقلابیوں کا سب سے بڑا تربیتی مرکز تاشقند میں تھا۔ ۱۹۲۰ء میں سر قند میں ایک تربیتی ادارہ بھی قائم کیا گیا جس میں تین ہزار پانچ سو ماہرین نے شرکت کی۔ جنہیں مناسب رقومات مہیا کر کے روس نے انقلابی سرگرمیوں کے لیے ہندوستان بھجوایا۔ کامل میں سوویت سفیر رسکو لکوف نے وزیرستان کے قبائلیوں پر خصوصی توجہ دی۔^(۱) ہندوستان کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی بروسی یقین دہانوں کے باوجود برطانوی کمیونسٹ جماعت کے محکمہ نوآبادیات نے ہندوستانی کمیونسٹوں کی سرگرمیوں کی رہنمائی جاری رکھی۔^(۲) ۱۹۲۸ء میں تیسری بین الاقوامی چھٹی کانگریس کے بعد اشتراکیوں نے ہندوستان میں اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ ابتداء میں انہوں نے بمبئی، بنگال اور صوبجات متحدہ (یوپی) کے مزدوروں کو ہڑتال پر اکسایا۔ (مقدمہ کانپور سازش ۱۹۲۴ء) اور ان کے رہنماؤں کو قید میں ڈال دیا گیا۔ (میرٹھ سازش مقدمہ)۔ ۱۹۳۰ء میں ایک ڈرافٹ پروگرام تیار کرنے۔ ہندوستانی حکومت کا زبردستی تختہ الٹنے اور اس کی جگہ سوویت یونین کی حامی حکومت کے قیام کی ترغیب دی گئی۔^(۳) ان اشتراکی اعلانات سے خوفزدہ ہو کر برطانیہ نے کشمیر کے فوجی اہمیت کے حامل علاقوں میں رونما ہونے والی سیاسی تبدیلیوں میں گہری دلچسپی لینا شروع کر دی۔ وہ روسی اثر کے علاقوں میں اپنے وفادار آلہ کار بسانا چاہتا تھا۔

سامراج کے نہایت قابل اعتماد آلہ کار سوائے قادیانیوں کے کوئی بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کا برطانیہ نواز سرگرمیوں، تخریب کاری اور جاسوسی کا شاندار ریکارڈ تھا۔ انکے ذریعے سے چلائی گئی کسی بھی تحریک کو آسانی سے جاری رکھا اور سنبھالا جاسکتا تھا۔ ان پر تمام معاملات میں اعتماد کیا جاسکتا تھا۔ ہندوستان میں قومی آزادی کی تحریکوں کی

۱۔ کورنل۔ ص 281۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ کورنل۔ ص 281۔

مخالفت کر کے وہ اپنی اہمیت اور حیثیت پہلے ہی منوا چکے تھے۔ کانپور مسجد کی تحریک، سانحہ جلیانوالہ باغ، خلافت اور رسول نافرمانی کی تحریکوں میں مجاہدین آزادی کی کوششوں کو ناکام کرنے میں وہ انگریز کے شانہ بشانہ رہے تھے۔ وہ اشتراکیوں اور ”بنگالی دہشت گردوں“ کے خلاف خصوصی طور پر سرگرم عمل تھے۔ کشمیر کی سرحدوں پر ان کی موجودگی نہ صرف اشتراکی یورشوں کو ختم کرنے بلکہ سکلیانگ سے انقلابیوں کی کشمیر میں آمد روکنے میں بھی مدد ثابت ہو سکتی تھی۔

کشمیر میں بد امنی

بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے آخری سال کشمیر میں سیاسی صورتحال بگڑنے لگی اور حالات کافی دھماکہ خیز ہو گئے۔ مارچ ۱۹۲۹ء میں کشمیر کے وزیر سیاسی معاملات سر المیون بینرجی نے ریاست کے بگڑتے حالات پر احتجاج کرتے ہوئے استعفیٰ دے دیا اور کشمیری مسلمانوں کی کمپری پر دھواں دھار بیانات دیئے۔ ان بیانات کے بعد (جون ۱۹۲۹ء میں) مرزا محمود نے تیسری دفعہ کشمیر کا چکر لگایا تاکہ اپنے تخریبی منصوبے کو آخری شکل دے سکیں۔ انہوں نے قادیانی کارکنوں کو ہدایت کی کہ وہ ہر اس جماعت کی صفوں میں گھس جائیں جس کسی کے بھی مستقل میں سیاسی قیادت میں آنے کے مواقع ہوں۔ کشمیر میں درجنوں قادیانی موجود تھے۔ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کی خاطر مرزا محمود نے کشمیر کے طول و عرض میں تقریباً پچاس قادیانی مراکز قائم کر دیئے تھے جن میں بڑے شاطر مبلغین کشمیر کی بگڑتی ہوئی صورتحال سے فائدہ اٹھانے میں مصروف و مستعد تھے۔^(۱) مرزا محمود نے اس دور میں اپنی سیاسی سرگرمی کے بل بوتے پر مستقبل میں اپنی بیس کے طور پر ہندوستان میں کسی بھی جگہ ایک قادیانی ریاست کے قیام کا نعرہ بلند کر دیا۔^(۲) بظاہر وہ کشمیر کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔

۱۔ تاریخ احمدیہ جلد ۶ ص ۴۸۰۔
۲۔ الفضل قادیان ۲۵ اپریل ۱۹۳۰ء۔

۱۹۳۰ء میں کشمیر میں سیاسی ابتری اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ قرآن پاک کی بے حرمتی اور جموں میں جمعہ کی نماز کے دوران خطبہ میں دخل اندازی نے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا۔ وہ ڈوگرہ حکمرانوں کی زیادتی کے خلاف احتجاج کے لیے جامع مسجد سری نگر کے دروازہ پر اکٹھے ہو گئے۔ اجلاس کے اختتام پر پٹھے کے لحاظ سے سیاحتی رہنما اور صوبجات متحدہ کے ایک نوجوان پٹھان عبدالقدیر نے آتش بیانی سے ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف تقریر کی۔ اس کو گرفتار کر کے اس کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا۔^(۱)

تیرہ جولائی ۱۹۳۱ء کو سری نگر جیل کے دروازے پر ہزاروں مسلمان جمع ہو گئے جہاں مقدمہ کی سماعت ہو رہی تھی۔ وہ سب عبدالقدیر کے بارے میں متفکر تھے۔ پولیس نے پرامن مظاہرین پر گولی چلا دی جس سے تینیس شہید ہو گئے اور چالیس زخمی ہو گئے۔ پورے ہندوستان میں شدید غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ مسلمانان ہند نے ڈوگرہ مظالم کے خلاف احتجاج کیا اور کشمیری مسلمانوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا۔ ہم عصر مصرین کشمیر کی آتش فشاں جیسی صورتحال کی وجوہات کے مسئلہ پر تقسیم ہو گئے۔ کشمیر دربار کے ترجمان اور کچھ برطانوی سیاستدانوں کا یہ خیال تھا کہ اس میں بالشو کی آلہ کار بیرونی عناصر کا ہاتھ تھا اور اس کا اظہار برطانوی دارالعوام کے ایک رکن لیفٹیننٹ کرنل سر سائیلو نے بھی کیا (۲) مگر گرہائی دارالحکومت میں اکثر لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اس میں اندرونی ہاتھ ملوث ہے۔ ڈپٹی کمشنر امرتسرای ایم جکسنز کے مطابق

”فساد کی جڑ ریاست میں ہے۔ پنجاب میں نہیں جو اس کے برعکس سوچتا ہے وہ احمقوں

کی جنت میں رہتا ہے۔“ (۳)

مصیبت کی جڑ سے اس کی مراد کشمیری معاشرے میں مسلمانوں کی تکلیف دہ صورتحال تھی۔

۱۔ آئن کوپلینڈ (پروفیسر سوشل اینڈ پالیسی اسلام آباد پولیٹیکس سوسائٹیز ان کشمیر ۳۴-۱۹۳۱ء پیپلک افیئرز۔ ستمبر ۱۹۸۱ء ص ۲۳۱۔
۲۔ لیفٹیننٹ کرنل سر وائس سائیکلر دارالعلوم ص ۲۲ فروری ۱۹۳۲ء برطانیہ۔ پارلیمنٹری ڈسکس۔ جلد ۲۶۲ کا لم ۱۱۔
۳۔ نوٹ سورہ ۱۴ فروری ۱۹۳۲ء۔ نائب چیکل سیکریٹری کا یہ خیال تھا کہ اس اطلاع کی نقل کچھ ریڈیو پیش کے تاثر کو درست کرنے میں مدد دے گی۔ منٹ سورہ ۲۳ فروری ۱۹۳۲ء۔ انڈیا آفس ریکارڈز ۸-۲۹-۱ بیان کردہ کوپلینڈ۔

کشمیر کمیٹی

پچیس جولائی ۱۹۳۱ء کو مرزا محمود نے ہندوستان کے سرکردہ مسلمانوں کو نواب ذوالفقار علی خان کی رہائش گاہ واقع شملہ میں کشمیر کے معاملات پر مشاورت کی دعوت دی۔ شرکاء میں سرفضل حسین، خواجہ حسن نظامی، ڈاکٹر محمد اقبال، سر ذوالفقار علی، نواب کنج پورہ، شیخ رحیم بخش (ریٹائرڈ سیشن جج)۔ سید محسن شاہ (ایڈووکیٹ)، مولوی اسماعیل غزنوی، مولوی نور الحق (مدیر ”مسلم آؤٹ لک“ لاہور)۔ سید حبیب (مدیر ”سیاست“ لاہور) میرک شاہ، اے۔ آرساغر اور عبداللطیف (سر عبد القیوم آف سرحد کے بھائی) شامل تھے جبکہ ظہور احمد (قادیانی) نے بطور پریس سیکرٹری شرکت کی۔^(۱)

مرزا محمود کی صدارت میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ مجلس کے ڈیکلٹر بننے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔^(۲) عبدالرحیم درد اس کا سیکرٹری بن گیا۔ انہوں نے کشمیری مسلمانوں کے حقوق کی بحالی کے لیے آئینی جدوجہد شروع کرنے کا اعلان کیا۔^(۳) کشمیر کمیٹی کے قیام کے نتیجے میں کشمیر کے سیاسی معاملات میں قادیانیوں کی گہری دلچسپی کی آئین کوپ لینڈ یہ توجیہ بیان کرتا ہے۔

”اس توسیع پسند فرتے کو کشمیر نے قدرتی طور پر ایک وسیع میدان پیش کر دیا تھا۔ ضلع گورداسپور میں جہاں احمدیوں کا ہیڈ کوارٹر واقع تھا، کشمیر کی سرحدوں سے متصل تھا اور احمدیت نے اس عقیدہ کو قبول کر لیا تھا کہ سری مگر حضرت یسوع مسیح کی آخری آرام گاہ ہے جو کہ مسلمانوں میں بھی ایک پیغمبر کے طور پر قابل احترام تھے۔ تاہم جولائی کی تحریک میں احمدیہ خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود نے یہ خیال کیا کہ وقت آ گیا تھا کہ تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز ہو۔ عوامی حقوق کی علمبرداری کا نعرہ کشمیری مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں پر قابل

۱۔ تاریخ احمدیت جلد ۸ ص 462۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ روزنامہ زمیندار لاہور کے تین اگست 1937ء کے قادیان نمبر کے شمارے کے مطابق کمیٹی کے بڑے مقاصد میں وائسرائے کی کشمیر کے معاملات میں مداخلت، برطانوی وزیر اعظم سے ملاقات، ہمارے کشمیری مسلمانوں کے مطالبات پیش کرنا۔ کشمیری ریاست کے حکام کے مظالم کو بے نقاب کرنا اور سیاسی ایجنٹوں کی رہائی کے اقدامات کرنا شامل تھے۔

قدر اثر ڈالے گا اور وہ اپنی نیک نیتی کی آڑ میں اپنی تبدیلی مذہب کی مہم کو خوب استعمال کر سکے گا۔ تاہم یہ بات ابھی تک پوری طرح واضح نہیں ہے کہ آیا اتنی بڑی پرخطر مہم کی کامیابی کے لیے اس فرقہ نے سری نگر میں کوئی اہم عوامی رابطے کے حصول میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ تین آدمی قادیانیوں کے اہم لیکن تھے ایک جمال الدین (خواجہ کمال الدین کا بھائی) دوسرا دربار کے پبلک انٹرکشن کا منتظم اور تیسرا ہر جگہ موجود شیخ عبداللہ^(۱)۔

کشمیر کمیٹی کا صدر دفتر قادیان میں قائم کیا گیا۔ مرزا محمود نے قادیان میں ایک پبلٹی کمیٹی قائم کر دی اور تمام قادیانی اخبارات مرزا محمود کے متعلق تاثر دینے لگے کہ آپ سیاسی مدیر مسلمانوں کے خیر خواہ اور کشمیری مسلمانوں کے بھی خواہ ہیں۔ ان کے حقوق دلانے کیلئے کمر بستہ ہو گئے ہیں۔ ہندوستان میں مسلم پریس کے ایک حصے نے بھی مرزا محمود کی شخصیت کو عمدہ طور پر پیش کرنے کے لیے صفحات کے صفحات سیاہ کر دیئے۔ الفضل قادیان نے جو چالوسی کے ضمن میں یکتا تھا، چند قادیانیوں یا کشمیر کے قادیانی نواز عناصر کے بیان چھاپنے لگا۔ ان میں سے مرزا محمود کو کشمیر کے مظلوم عوام کے بے باک ترجمان کے طور پر پیش کیا گیا۔ قادیان کے گروں اور فضل حسین کے پروردہ جاگیرداروں کے ٹولے کی ہندوستان میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی یہ ایک بھیاں تک چال تھی۔ وادی کشمیر میں مرزا محمود کے پھوؤں نے کشمیر کمیٹی کے مخالفین کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کاروائیاں تیز کر دیں۔

مجلس احرار

کشمیر میں قادیانیوں کی چالبازیوں کو پنجاب میں مسلمانوں کی ایک نئی سیاسی تنظیم ”مجلس احرار اسلام“ نے آشکارا کیا۔ احراری زعماء پہلے تحریک خلافت کے حامی تھے، بعد میں کانگریس سے چند مسائل پر اختلافات کے بعد ان سے علیحدہ ہو گئے۔

گیارہ جولائی ۱۹۳۱ء کو حبیبیہ ہال لاہور میں ایک اجلاس میں انہوں نے اپنی الگ جماعت بنانے کا اعلان کیا۔ وہ مسلم لیگ کی حکمت عملیوں سے بھی مختلف تھے۔ اس جماعت کے مقاصد میں ہندوستان کے لیے کامل آزادی کا حصول، ہندوستان کے دوسرے طبقوں کے ساتھ میل جول اور ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ شامل تھے۔ بادی النظر میں وہ سامراج مخالف اور ترقی پسند معلوم ہوتے تھے۔ اس جماعت کی سب سے بڑی محرک قوت چوہدری افضل حق تھے۔ احراریوں کے دیگر اہم قائدین میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا مظہر علی اظہر، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری اور سید حبیب الرحمن لدھیانوی تھے۔ یہ سحر آفرین مقررین کی ایک کہکشاں تھی۔ انہوں نے ایک عام آدمی کی زبان میں گفتگو کی اور سرمایہ دارانہ نظام کو لاکارا۔ قادیانیت کو انہوں نے اس لیے خصوصی نشانہ بنایا کیونکہ یہ برطانوی سامراج کی خدمت اور وفاداری کی انتہاؤں کو چھو رہی تھی۔ کشمیر کی سیاست میں قادیانیوں کے ملوث ہونے کو انہوں نے اپنی بھرپور توجہ کا مرکز قرار دیا۔ انہوں نے واضح طریقے سے یہ بتایا کہ کشمیر کمیٹی سامراجیوں کی پٹھو جماعت ہے اور ہندوستان میں برطانوی حلقوں کے سب سے زیادہ وفادار احمدی اپنے سامراجی آقاؤں کا کھیل کھیل رہے ہیں۔^(۱)

آئین کوپ لینڈ وضاحت کرتا ہے:

”کشمیر کے بارے میں قادیانیوں نے دو غلطی حکمت عملی اختیار کی۔ پہلی بات جس کے بارے میں انہوں نے کوئی راز نہ رکھا وہ کشمیر کمیٹی کا اختیار سنبھالنا تھا جو سر فضل حسین کی قائم کردہ لاہور میں موجود ایک لابی تھی۔ اس میں وہ کیسے کامیاب ہوئے جبکہ راجہ اعتقیدہ لوگوں کے دلوں میں تو ان کے بارے میں نفرت بدرجہ اتم موجود تھی۔ پھر بھی وہ اس میں کامیاب ہو ہی گئے۔ (۲) حکمت عملی کا دوسرا حصہ کشمیر کمیٹی کے وقار کو حکومت ہندوستان پر دباؤ ڈالنے کے لیے استعمال کرنا تھا۔“

۱۔ عبد اللہ ملک۔ پنجاب کی سیاسی تحریکیں۔ لاہور ص ۱۶۶۔

۲۔ آئین کوپ لینڈ۔ ص ۲۳۶ حوالہ دیکھئے لیوان ص ۱۴۹۔

کول بطور نیا دیوان

کشمیر کمیٹی کے قیام کے ساتھ ہی ہری کشن کول کو ریاست کشمیر کا نیا وزیراعظم مقرر کر دیا گیا۔ پچیس جولائی کو مہاراجہ نے وزیراعظم ویکفیلڈ کو کشمیر میں احتجاجی تحریک کی حوصلہ افزائی کرنے کے الزام میں برطرف کر دیا۔ کول نے چاہرہ حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے کئی سیاسی کارکنوں کو نظر بند کر دیا اور کئی مسلم سرکاری اہلکاروں کو ان کے عہدوں سے معطل کر دیا۔ بعد ازاں کول کے ساتھ اس کا بھائی دیا بھی شامل ہو گیا جو پٹیلہ کا سابق دیوان اور انگریزوں کے نزدیک ایک بدنام سازشی کے طور پر مشہور تھا۔^(۱) مرزا محمود نے کشمیر کمیٹی کے لیے آئندہ کے لائحہ عمل کو وضع کیا۔ چودہ اگست کو یوم کشمیر منایا گیا اور سیکرٹری کشمیر کمیٹی اور عبدالرحیم درد سر چارلس وائسن^(۲) پولیٹیکل سیکرٹری ہند کو کشمیر کے حالات سے مطلع کرنے شملہ چلا گیا۔ محمود احمد کا اصرار تھا کہ انگریزوں کو جلد یا بدیر کشمیر میں اپنی مسلمان رعایا کو ٹھنڈا کرنے کے لیے مداخلت کرنی چاہئے۔ اس کا اصل کام یہ تھا کہ موخر الذکر تک اس کی آواز پہنچ جائے۔ قادیانی حکمت عملی پر مزید بحث کرتے ہوئے کوپ لینڈ بیان کرتا ہے۔

”احمد یوں کو فوری طور پر حاصل ہونے والے فوائد میں ایک ان کی کشمیر میں خفیہ کارروائیاں تھیں۔“^(۳) بقیہ کشمیر کمیٹی کو مطلع کیے بغیر محمود احمد نے سری نگر میں شیخ عبداللہ کے ساتھ خفیہ تعلقات قائم کیے اور انہوں نے کشمیریوں کی ایک نیم سیاسی تنظیم ”بنک میز ایسوسی ایشن“ کو چندہ دینے اور اس کا پروپیگنڈہ کرنے کا وعدہ کیا۔^(۴)

عبدالرحیم درد نے کشمیر کی سرحد پر واقع گڑھی حبیب اللہ کے مقام پر مرزا محمود اور شیخ عبداللہ کے مابین ایک خفیہ ملاقات کا اہتمام کیا۔ انہوں نے شیخ کو ترغیب دی کہ وہ کشمیر کمیٹی کے حق میں آواز اٹھائے اور اس سلسلے میں اپنا نمائندہ کردار ادا کرے اور اس

۱۔ ایضاً۔ پولیٹیکل سیکرٹری نورینڈ پینٹ 25 ستمبر 1931ء۔

۲۔ وائسن کا حاشیہ بابت ملاقات مع عبدالرحیم درد اور مولوی رحیم بخش بتاريخ 21 اگست 1931ء انڈیا آفس ریکارڈ 1129/7777۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ ایضاً۔

کے صدر کو یہ موقع فراہم کرے کہ وہ انگریزوں کو کشمیری مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے خطاب کرے۔^(۱)

شیخ عبداللہ نے جلد ہی قادیانی عناصر کے ہاتھوں میں کھیلنا شروع کر دیا۔ اس نے محکمہ تعلیم میں اپنی ملازمت چھوڑ دی اور کل وقتی سیاسی کارکنوں سے مل کر سری نگر میں ایک چھوٹا سا دفتر کھول لیا۔^(۲)

”آنے والے ہفتوں میں جموں اور ریاست کے دوسرے حصوں میں نئی تنظیم کی شاخیں کھولی گئیں اور نئے اراکین کا ایک سیلاب بھرتی کر لیا گیا جن میں کئی نوجوان انتہا پسند تھے جو کشمیر دربار سے جولائی کے ہنگاموں کا بدلہ لینے کے لیے بے چین تھے مگر عبداللہ نے مرزا محمود کی نصیحت پر عمل کیا اور اپنا ہاتھ روک رکھا۔“^(۳)

احمدیت کی سرکاری تاریخ میں شیخ عبداللہ کے خطوط کی نقول دی گئی ہیں جن میں اس نے قادیان سے مالی امداد، رہنمائی اور مالی مدد کی درخواست کی ہے۔^(۴)

کشمیر کمیٹی کا پلیٹ فارم

مرزا محمود احمد نے حکومت ہند کے پولیٹیکل سیکرٹری سے جو کہ ریاستوں کے امور کا انچارج بھی تھا، ملاقات کی اور بعد میں وائسرائے لارڈ ولنگٹن سے یکم اگست ۱۹۳۱ء کو ملے۔ انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ برطانوی حکام کشمیر کے اندرونی معاملات میں مداخلت کریں۔ وائسرائے نے اس تجویز پر مناسب عمل کے لیے وقت طلب کیا۔ تاہم اس نے مرزا محمود کی اس خواہش کو پسند کیا کہ کشمیر میں حالات کا جائزہ لینے کے لیے نواب ذوالفقار علی، خان بہادر رحیم بخش، خواجہ حسن نظامی، درد اور مولانا اسماعیل غزنوی پر مشتمل ایک وفد بھیجا جائے۔ بعد میں علامہ اقبال کا نام بھی اس میں

۱۔ تاریخ احمدیت جلد ۶ صفحات ۹۰-۴۸۹۔

۲۔ ریڈیفنٹ نو پلیٹیکل سیکرٹری ۸ جون ۱۹۳۳ء انڈیا آفس ریکارڈ ۱۰۳۱/۱/۲۹۔

۳۔ میوبائی ریڈیفنٹ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء انڈیا آفس ریکارڈ ۱۰۳۱/۱/۲۹۔

۴۔ تاریخ احمدیت جلد ۶ ص ۹۲-۴۹۰۔

شامل کر لیا گیا۔ علامہ اقبال نے اس تجویز کو کشمیری مسلمانوں کے وسیع تر مفاد کے خلاف قرار دیتے ہوئے اس کی پرزور مخالفت کی۔ ان کا خیال تھا کہ اس مرحلہ پر یہ قبل از وقت ہے۔ اس سے کشمیر کی حکومت کو اپنی من مانی کرنے کا ایک بہانہ فراہم ہو جائے گا۔ اس کی بجائے انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک تین رکنی وفد جس میں مرزا محمود بھی شامل ہوں، لندن جائے اور برطانوی عوام اور پارلیمنٹ کے اراکین کو کشمیر کے مسئلہ سے آگاہ کرے۔ انہوں نے وعدہ بھی کیا کہ اگر گول میز کانفرنس کے دوران انہیں جب بھی موقع ملا وہ کشمیر انتظامیہ پر کھلی تنقید کریں گے۔ مرزا محمود کہتے ہیں کہ چونکہ انہیں یقین تھا کہ مہاراجہ ان کی تجویز سے کبھی اتفاق نہیں کرے گا۔ لہذا انہوں نے علامہ اقبال کی تجویز کو بھی سنجیدگی سے نہیں لیا۔ وہ اس موقع کی تاک میں تھے کہ کب وہ وائسرائے کو کشمیر کے معاملات میں دخل اندازی کرنے کو کہیں۔ وہ موقع کی تلاش میں تھے کہ وائسرائے کو ایک بار پھر کشمیر میں مداخلت کے لیے راضی کریں۔ مرزا محمود کا یہ دعویٰ ہے کہ وائسرائے کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ جلد یا بدیر حکومت برطانیہ کشمیر کے معاملات میں دخل اندازی کرنے والی ہے۔^(۱)

گول میز کانفرنس کے دوران لندن میں سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند کے ساتھ سر آغا خان، سر شفیع، سر علامہ اقبال اور سر ظفر اللہ خان نے کشمیر کے معاملات پر گفتگو کے لیے الگ الگ ملاقاتیں کیں۔ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان نے بعد میں کشمیر کمیٹی کے سربراہ (مرزا محمود) کو بتایا کہ ریاست کے ساتھ اس معاملہ پر خط و کتابت شروع ہو چکی ہے۔^(۲)

بارہ اور تیرہ ستمبر ۱۹۳۱ء کو کشمیر کمیٹی کا اجلاس سیالکوٹ میں منعقد ہوا۔ ایک دوسرا اجلاس چوتیس اکتوبر ۱۹۳۱ء کو لاہور میں منعقد ہوا۔ کمیٹی نے برطانوی پریس میں کشمیر کی خبریں چھپوانے کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ برطانوی پریس کے بعض حلقوں نے مسلمانوں کے اس مطالبہ کی حمایت کی کہ کشمیر سے وزیراعظم کو لے کر نکالا جائے اور سیاسی

اصلاحات متعارف کرائی جائیں۔ لندن مسجد کے امام فرزند علی نے لندن میں کشمیر کے لیے ایک مہم کا آغاز کر رکھا تھا۔ برطانوی پارلیمنٹ میں بھی یہ معاملہ کئی دفعہ اٹھایا گیا۔^(۱) برطانوی عوامی رائے مہاراجہ کے حق میں نہیں تھی کیونکہ اس نے گول میز کانفرنس کے موقع پر کانگریس کے حق میں زوردار تقریر کی تھی۔ اس کے اس طرز عمل سے برطانوی آقا ناراض تھے۔ وہ اپنی ریاست کی نیم خود مختاری کو بھول کر اپنی تخت نشینی کے زمانے سے کشمیر میں برطانوی ریڈیڈنٹ کے ساتھ کافی مغرور رویہ اپنائے ہوئے تھا۔^(۲) پنڈت کول نے کشمیری مسلمانوں کی تحریک کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنے قریبی دوست پنجاب کے سر مہر شاہ کی خدمات حاصل کیں تاکہ مسلمانوں کے نمائندوں کے ساتھ اس کی ملاقات کا اہتمام کیا جاسکے۔ فریقین کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ مسلمان تحریک ختم کر دیں گے اور کول ان ہنگامی ضابطوں اور احکامات کو معطل کر دے گا جو پچھلے دو ماہ سے نافذ تھے اور مسلمان سرکاری اہلکاروں کو ان کے عہدوں پر دوبارہ تعینات کر دیا جائے گا۔^(۳) اگست میں حکومت نے چند کشمیری رہنماؤں کی رہائی کا اعلان کر دیا۔ تاہم انہوں نے حکومت پر یہ واضح کر دیا تھا کہ جب تک ان کے مطالبات تسلیم نہیں کیے جاتے ان کی رہائی کی کوئی تک نہیں بنتی۔ چنانچہ حکومت نے انہیں اجازت دے دی کہ وہ اپنے مطالبات پر مشتمل ایک یادداشت مہاراجہ کشمیر کو پیش کریں۔ ابتدائی مسودہ غلام احمد عثمانی (قادیانی) نے ترتیب دیا جسے کشمیر کمیٹی کو دکھانے کے لیے عبدالرحیم درد لاہور لے گیا۔ ابھی اس مسودہ پر کام ہو رہا تھا کہ اکتیس ستمبر کو شیخ عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ سری نگر میں ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں احتجاج کو جاری رکھنے کے لیے ”وار کونسل“ کا قیام عمل میں لایا گیا۔

تین اکتوبر ۱۹۳۱ء کو اپنی چھبیسویں سالگرہ کے موقع پر مہاراجہ نے سری نگر میں منعقدہ ایک دربار میں تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی اور نوٹیفکیشن نمبر ۱۹۔ ل سمیت تمام

۱۔ محمد یوسف مراد۔ کشمیر ٹائمز فار فریڈم۔

۲۔ پریم ناتھ براز۔ اے ہسٹری آف سترنگ فار فریڈم ان کشمیر۔ ص ۱۴۹۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد ۶ ص ۵۱۵۔

ہنگامی قوانین کی واپسی کا اعلان کیا۔ سولہ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو مسلمانوں کو اپنے مطالبات پیش کرنے کی اجازت مل گئی۔ کشمیر کمیٹی کی مرتب کردہ یادداشت مہاراجہ کو پیش کی گئی جو ایک گیارہ رکنی وفد نے آئینی اصلاحات کے ایک خاکے کے ساتھ پیش کی۔

کشمیر چلو

قادیانی منصوبوں کو طشت از بام کرنے میں مجلس احرار اسلام نے قطعاً وقت نہ ضائع کیا۔ احراری رہنماؤں چوہدری افضل حق، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا داؤد غزنوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا مظہر علی اظہر اور دوسرے کئی رہنماؤں نے کشمیری مسلمانوں کے حقوق کے لیے ایک اہم اور کلیدی کردار ادا کیا۔^(۱) ان کی تحریک مجلس کشمیر کے جاگیردارانہ مزاج کی بجائے شہری درمیانے درجہ کی عوامی نوعیت کی تھی۔

احراری رہنماؤں کی آتش افروز تقریروں نے کشمیری بھائیوں کے لیے مسلمانان ہند کی ہمدردیوں کو ایک نئی جلا بخشی۔ ان تقاریر سے سامراج دشمن اور قادیانیت مخالف رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے قادیانیوں کو اپنی تقریروں میں زبردست تنقید کا نشانہ بنایا۔ انہوں نے زور دے کر کہا۔ قادیانی برطانیہ کے تلوے چاٹنے والے لوگ ہیں۔ احرار نے شیخ عبداللہ کی بھی خوب درگت بنائی کیونکہ وہ کشمیر کمیٹی اور احمدیوں سے امداد لیتا رہا تھا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ تین اکتوبر ۱۹۳۱ء کو شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے بعد برطانوی ریڈیو نے اپنی سرکاری اطلاع میں اسے ”قادیانی“ لکھا۔^(۲)

احرار رہنماؤں نے کشمیر کے واقعات کے پس پردہ انگریزوں کی سازشوں کو دیکھا اور مسلمانوں کو قادیانیوں کے خفیہ عزائم سے خبردار کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ

۱۔ دای بی باقر۔ کردتھ آف مسلم پابلیکس ان انڈیا۔ ص ۱۰۷ مزید دیکھئے چوہدری افضل حق۔ تاریخ احرار ملتان جاہاز مرزا کاروان احرار جلد ۱-۲ لاہور۔

۲۔ حکومت ہند۔ فائل ۳۵ رپورٹ سرسل ۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء انڈیا آفس ریکارڈ ۷۸۰/۲۹/۱۔

قادیانی آہستہ آہستہ کشمیر میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر رہے ہیں اور کشمیر کمیٹی کا نقاب پہن کر انگریزوں کے لیے سامراجی کھیل کھیل رہے ہیں۔ احرار رہنماؤں نے اس بات سے بھی پردہ اٹھایا کہ لاہوری فریق کے خواجہ کمال الدین کے بھائی خواجہ جمال الدین نے اپنے عہدے بطور ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام تعلیمی اداروں کو لاہوری قادیانیوں سے پر کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔^(۱) قادیانیوں کو خلیفہ عبدالرحیم قادیانی کی بھی بالواسطہ کافی مدد حاصل رہی تھی جو خلیفہ نور الدین گجراتی کا بیٹا تھا۔ حکیم نور الدین بھیروی اور خلیفہ نور الدین گجراتی آپس میں گہرے دوست تھے۔ خلیفہ نے انیسویں صدی کی آخری دہائی میں جموں میں اپنے قیام کے دوران کشمیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقبرہ ثابت کرنے کے لیے بہت سے ”شواہد“ اکٹھے کیے تھے۔ خلیفہ رحیم مہاراجہ ہری سنگھ کا پریس سیکرٹری تھا۔ وہ کشمیر کے درخواست شدہ سربراہ سر جی۔ ای سی ویکفیلڈ کے نائب سیاسی و خارجہ سیکرٹری کے طور پر بھی کام کرتا رہا تھا۔ یہ دونوں حضرات تحریک کے عروج کے دنوں میں انگریزوں کے ساتھ ساز باز کرنے کے جرم میں ملازمت سے نکال دیئے گئے تھے۔^(۲) محمد یوسف صراف کشمیر میں احراری تحریک اور قادیانی عناصر سے پر کشمیر کمیٹی کے متعلق ان کے رد عمل پر لکھتے ہیں۔

”یہ حقیقت کہ کل ہند کشمیر کمیٹی کی سربراہی ایک قادیانی کے پاس تھی اور اس کا سیکرٹری بھی ایک قادیانی تھا اور یہ ساری مہم بھی قادیانی چندوں سے جاری و ساری تھی۔ احرار کے نزدیک مذہبی نکتہ نظر سے یہ ایک خطرناک بات تھی۔ مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان شدید ترین اختلافات تھے۔ احرار سمیت مسلمانوں کا ایک طبقہ تحریک کشمیر کے متعلق ایسی رائے نہ رکھتا تھا کیونکہ پنجاب میں اس تحریک کی اصل قوت اور قیادت احمدیوں کے پاس تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ کشمیر کمیٹی کے پلیٹ فارم نے قادیانیوں کو اس بات کا موقع بہم پہنچایا تھا کہ وہ عام مسلمانوں تک پہنچیں۔ ان کے دلوں کو گرمائیں اور اس طرح سے

۱۔ پتھر لیوان۔ ڈی احمد یہ مومنٹ۔ دہلی 1974ء ص 148۔

۲۔ لیوان۔ ص 51-150۔

وہ اپنا اچھا تاثر قائم کرنے کے اہل ہوں۔ چند عناصر ایسے بھی تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ احمدی کشمیر میں اپنے لیے راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں جسے بنیاد بنا کر وہ شمالی ہندوستان میں اپنا مشن اور بالآخر سٹیٹ قائم کرنے کے لیے استعمال کریں گے۔ ایسے لگتا تھا کہ احرار یہ بھانپ چکے تھے کہ تاج برطانیہ کے ساتھ وفاداری کی بنیادی حکمت عملی پر عمل پیرا ہو کر احمدی صورت حال میں انقلاب پیدا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے یا احرار کی بصیرت کے مطابق وہ ان حدوں تک جانے کے لائق نہیں تھے جو صورت حال کے متقاضی حالات کے لیے ناگزیر تھیں۔ احرار کو یہ بھی یقین ہو چلا تھا کہ اس سے احمدیوں کو عوام سے رابطہ اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کا موقع بھی مل گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کشمیر کمیٹی کے ساتھ تعاون کی بجائے آزادانہ حکمت عملی اپنانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے عوامی رضا کاروں کے ایک سیلاب کی ترسیل سے ریاست کو ہلانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ نہ صرف برطانوی حکومت کو اس میں ملوث کیا جائے بلکہ ریاست کے ذرائع بھی اس میں صرف ہونے لگیں۔ نتیجتاً ستمبر کے وسط تک ریاست میں کئی اطراف سے احرار رضا کار داخل ہونے لگے مگر ابھی تحریک زور نہ پکڑ سکی تھی۔ شیخ عبداللہ کو چار اکتوبر کو رہا کر دیا گیا اور کشمیر کمیٹی کی طرف سے یادداشت پیش کرنے کے لیے راہ صاف کر دی گئی۔“ (۱)

بعض ایسی تبدیلیاں رونما ہوئیں جن سے مجبور ہو کر احرار نے کچھ عرصہ کے لیے اپنی تحریک میں تعطل پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کول کی خواہش پر ان کے اور کشمیر حکومت کے درمیان بات چیت شروع ہو گئی۔ احرار رہنما مظہر علی اظہر نے اس وعدہ پر جتھہ بندی کو معطل کرنے سے اتفاق کر لیا کہ کشمیر دربار پنجاب کے مسلمانوں کے ساتھ بات چیت صرف ان کے ذریعے کرے گا۔ (۲) بعد میں دربار اس بات سے مکر گیا کہ ایسا کوئی سمجھوتہ ہوا تھا۔ (۳) احرار رہنماؤں نے دربار کے دغے پن کو بھانپ کر تیس اکتوبر

۱۔ مراف۔ ص 462۔

۲۔ ریڈیو پٹنہ کی طرف سے سیاسی مستند کو ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۱ء، ایل آر/۲۹/۷۸۰ ریکارڈ۔

۳۔ آئین کوپنہ۔ ص ۲۴۰ اور ریڈیو پٹنہ کی جانب سے سیاسی مستند کو ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۱ء۔

کو سیالکوٹ کے راستے پہلا رضا کار جتھہ کشمیر کی سرحدوں پر روانہ کر دیا۔ یہ کشمیر چلو تحریک کا باضابطہ آغاز تھا۔ کانگریس کے اراکین اور گاندھی جی کی لندن سے بذات خود مذمت کے باوجود احرار نے مظہر علی اظہر کو کشمیر پروگرام کا ڈکٹیٹر مقرر کر دیا تاکہ تحریک جاری رکھی جاسکے۔^(۱) مہاراجہ نے محسوس کر لیا کہ احرار کی تحریک روکنا ناممکن ہے۔ چنانچہ اس نے بدنام زمانہ معاہدہ امرتسر (۱۸۴۶ء) کے تحت برطانوی ریذیڈنٹ کے ساتھ صلاح مشورے کے بعد گورنر جنرل ہند لارڈ ویلنگٹن سے برطانوی دستوں کی امداد کی التجا کی۔ برطانوی ریذیڈنٹ پہلے ہی وسیع پیمانے پر بغاوت کی ہوسنگھ چکا تھا۔ حکومت پنجاب سے کہا گیا کہ وہ کشمیر میں احرار کی دستوں کی آمد کو روکے۔^(۲)

اس عوامی تحریک کو روکنا اس لیے بھی مشکل ہو رہا تھا کیونکہ ”کشمیر چلو“ کے نعرے نے مظلوم لوگوں کے جذبے کو اجاگر کر دیا تھا۔ ہزاروں مسلمان سیالکوٹ، میر پور، آزاد پتن اور کوہالہ کی سرحدوں پر گرفتار ہو گئے۔ برطانوی پیش بندیوں کے برعکس تقریباً دو ہزار تین سو چھتر افراد نومبر کے آغاز میں سرحدیں عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔^(۳) تقریباً چالیس ہزار احرار رضا کاروں کو پابند سلاسل کر دیا گیا جبکہ اکیس نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ یہ ایک عوامی تحریک تھی جسے وسیع پذیرائی ملی۔^(۴)

گلابی کمیشن

برطانوی حکومت ریاستوں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی دعویدار تھی۔ حکومت ہند کے سیاسی امور کے سیکرٹری سر چارلس وائٹن نے ایک انٹرویو میں عبدالرحیم درد کو بتایا کہ مسلمان رعایا کے لیے درست اقدامات کی مہاراجہ سے توقع کی جاسکتی تھی۔^(۵) عدم مداخلت کی حکمت عملی نہ صرف روایتی بلکہ مناسب بھی تھی اور

۱۔ ایضاً لوزمبے دیکھئے چوہدری افضل حق۔ تاریخ احرار۔ جلد ۱ ص 38 اور ماسٹر تاج الدین انصاری۔ تحریک کشمیر اور احرار۔ جلد ۱ ص 8۔

۲۔ کیلیج۔ ص 234۔

۳۔ چیف سیکرٹری پنجاب کی طرف سے ریذیڈنٹ کشمیر کی طرف۔ 26 اکتوبر اور دو نومبر 1931ء انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/780۔

۴۔ اشرف حلقہ، کچھ فکرت، داستانیں۔ کچھ پریشان تذکرے۔ لاہور 1966ء۔

۵۔ وائٹن کا ورد کے ساتھ انٹرویو رپورٹ اور ذوالفقار علی خان۔ 27 جولائی 1931ء انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/779۔

لندن میں گول میز کانفرنس کی کامیابی کے لیے برطانوی راج اپنی مسلمان رعیت کو جو پنجاب میں تھے اور جن کی حمایت کانفرنس کے لیے ضروری تھی نظر انداز نہ کر سکتا تھا۔ دوسری طرف وہ اپنے ایک انتہائی قریبی اتحادی مہاراجہ کشمیر کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے جس کا رویہ مستقبل میں نوزائیدہ وفاقی آئینی منصوبے کو متاثر کر سکتا تھا۔ انگریزوں نے ان دو کشتیوں کے درمیان پھنس کر معاملے کو اس امید پر طول دینا شروع کر دیا کہ بحران اپنے طور پر ہی ختم ہو جائے گا۔

ستمبر تک اس حکمت عملی کی ناکامی سب پر آشکارا ہو گئی۔ مسلمانوں کی حالت زار بہتر نہ ہو سکی اور بد امنی بڑھتی گئی۔ جس کے باعث یہ خطرات پیدا ہو گئے کہ پنجاب کے نہری نظام اور ”واوی جنت نظیر“ میں چھٹیاں گزارنے والے یورپی سیاحوں کی جانیں محفوظ نہ تھیں۔^(۱)

معاهدے کا اعلان

پچیس ستمبر کو وائسرائے کی رہائش گاہ پر ایک اعلیٰ اختیاراتی کانفرنس کے بعد سر چارلس وائسن نے مہاراجہ کشمیر سے وزیراعظم دیا کشن کول سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے ملاقات کی اور کشمیری مسلمانوں کی شکایات کی تحقیقات کے لیے سر جے۔ بی گلائی کی خدمات حاصل کرنے کی پیشکش کی۔ شرکاء میں وائسرائے گورنر پنجاب، کمائڈر انچیف، سر جیمز کریار، سر ہنری کریک لیفٹیننٹ جنرل سر کیچھ ویران، سر وائسن اور ڈبلیو۔ ایچ۔ ایمرسن شامل تھے۔^(۲)

سرزا محمود کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ اعلان جو حکومت کشمیر نے کشمیری مسلمانوں کی شکایات کے سلسلے میں جاری کیا تھا وہ ان کی اور کشمیر کمیٹی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ ہری کشن کول نے اس اعلان کا مسودہ تیار کیا اور اس کی ایک نقل برطانوی ریڈیڈنٹ لیٹر کو بھجوائی

۱۔ معتمد سیاسی بجانب ریڈیڈنٹ 25 ستمبر 1931ء انڈیا آفس ریکارڈ 780/29/1۔
۲۔ آئین کوپلینڈ - ص 242

جس پر اس نے (بارہ نومبر ۱۹۳۱ء) کو عبدالرحیم درد کے ساتھ ملاقات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ بے بی گلائی کی موجودگی میں درد نے اس کی حامی بھری اور وعدہ کیا کہ اگلے دن منعقد ہونے والے عوامی اجتماع میں وہ اعلان کی مخالفت نہیں کرے گا۔^(۱)

احمد کی تحریک نے کشمیر کمیٹی کو اس قدر پچھاڑا کہ وائسرائے نے اس کی مشکوک کامیابی کے بارے میں مرزا محمود سے تذکرہ کیا۔ نتیجہ تیرہ نومبر ۱۹۳۱ء کو مرزا محمود کے ایک خط کے جواب میں وائسرائے نے لکھا۔

”مجھے اس بات سے بہت دکھ ہوا ہے کہ تم میرے پچھلے جواب سے مطمئن نہیں ہو اور یہ

محسوس کر رہے ہو کہ تمہاری اور تمہاری جماعت کی کشمیر کے امن میں دلچسپی کو پوری طرح

عزت و تکریم نہیں ملی بلکہ حکومت ہندوستان کی طرف سے بہت کم توجہ اور اہمیت دی گئی

ہے۔ عزت مآب وائسرائے کو یقین ہے کہ یہ سب کچھ محض کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا

ہے۔ ان کی کبھی بھی یہ خواہش نہیں رہی کہ حکومت کسی طرح سے جماعت احمدیہ کی

وفادارانہ مدد کی تحقیر کرے جو حکومت کو ہمیشہ ملتی رہی ہے۔“^(۲)

ہندوستان کی کسی ریاست کے معاملات میں مداخلت کرنے کے سوال پر اپنی بے بسی بیان کرتے ہوئے اس نے یقین ظاہر کیا کہ وہ اس پر اور کشمیر کمیٹی کے دیگر ارکان پر اطمینان بخش حل کے لیے بھروسہ کرے گا۔ کمیٹی اپنی بہترین کوششیں بروئے کار لائے گی تاکہ پر امن فضا قائم ہو جس کے نتیجے میں جلد اطمینان بخش حل نکل آئے۔^(۳)

احرار پر تنقید

قادیانیوں نے احرار رہنماؤں کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ بظاہر وہ اس عوامی تحریک سے پریشان تھے جس نے مہاراجہ حکومت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مرزا محمود

۱۔ تاریخ احمدیت میں بیان کردہ مرزا محمود کا ایک غیر مطبوعہ مضمون جلد 6 ص 533۔
۲۔ مرزا محمود الہود۔ 8 دسمبر 1944ء کو قادیان میں دیا گیا ایک خطاب۔ اشاعت ربوہ ص 169۔
۳۔ ایضاً۔

نے حکومت کشمیر کے خلاف ایک پروپیگنڈا مہم چلا کر اس دعوت کا جواب دیا جو حکومت نے احرار رہنماؤں کو گفت و شنید کے لیے دی تھی۔ حکومت کشمیر نے احرار رہنماؤں کو دعوت دی کہ وہ اعلیٰ سرکاری حکام سے بات کرنے کے لیے اپنے مطالبات پیش کریں۔ عبدالرحیم درد حکومت ہند کے پولیٹیکل سیکرٹری سے ملا اور کول کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ ان دنوں قادیانی بھرپور اعتماد سے بات کر رہے تھے کیونکہ ان کے اور حکومت کے مابین بڑا رابطہ یعنی سر ظفر اللہ خان گول میز کانفرنس کے سلسلے میں اپنے لندن میں قیام کے دوران کئی مواقع پر مرزا محمود سے خط و کتابت کر چکا تھا۔ اس نے مرزا محمود کو برطانوی حکمت عملی سے آگاہ کیا اور کشمیر کمیٹی کے پلیٹ فارم سے مزید ضروری اقدامات کرنے کے لیے اپنی تجاویز پیش کیں۔ دسمبر میں بڑی عجلت میں وہ مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کے لیے لندن سے ہندوستان روانہ ہوا۔ اس نے مسلم لیگ کے بند اجلاس میں کشمیر کے معاملات پر بحث کی کیونکہ مسلمانوں نے انہیں ایک کھلے اجتماع کی اجازت نہیں دی تھی۔ انہوں نے تعاون پر زور دیا تاکہ کسی حل تک پہنچا جاسکے۔^(۱)

مفتی کفایت اللہ صاحب کا مشن

نومبر ۱۹۳۱ء کے آخر میں احرار نے جمعیتہ العلماء ہند کے صدر حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ وہ احرار کی جانب سے مہاراجہ کشمیر کے ساتھ کسی مصالحتی حل تک پہنچنے میں مدد فرمائیں۔ دو دسمبر ۱۹۳۱ء کو حضرت مفتی صاحب نے مولانا احمد سعید کی معیت میں مہاراجہ سے ملاقات کی۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ احرار کے جیل میں مقید رہنماؤں سے صلاح کر لی جائے تاکہ ایک متفقہ موقف تک پہنچا جاسکے۔ سر فضل حسین کی کوششوں سے احرار رہنماؤں کو بورٹل جیل لاہور لایا گیا اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب سے لمبی بحث ہوئی۔ انہوں نے کشمیر کے لیے ایک نمائندہ حکومت کے قیام پر زور دیا اور آئندہ کشمیر دربار کے کسی ذمہ دار

نمائندہ سے بات چیت کی ضرورت بیان کی جو کشمیری مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کی یقین دہانی کرائے۔^(۱) احرار کے نمائندوں نے کول کے ساتھ معاملے کو سرگرمی سے اٹھایا مگر کول وہاں ڈنڈی مار گیا اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب سے استدعا کی کہ وہ سرسکندر حیات اور سرہنری کریگ سے ملاقات کر کے جیل میں مقید احرار رہنماؤں کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد کروائیں۔ پانچ جنوری ۱۹۳۲ء کو سرسکندر حیات وزیر مال پنجاب کی رہائش گاہ پر ایک ملاقات کی گئی۔ اس میں دوسروں کے علاوہ مرزا محمود، چوہدری افضل حق، نواب مظفر علی قزلباش اور ملک برکت علی نے مسلم لیگ کے نمائندے کے طور پر شرکت کی۔ سرسکندر حیات نے حکومت ہند کی جانب سے حکومت کشمیر کے اعلان کو پڑھ کر سنایا جس میں گلانی کمیشن کے قیام کا ذکر تھا۔ احرار نے اس اعلان کو موقع پر ہی مسترد کر دیا جبکہ دوسروں نے اس کے قیام کی حمایت کی۔ سکندر حیات نے یہ بات سرکاری کی بجائے اپنی ذاتی حیثیت میں کی۔ چھ جنوری ۱۹۳۲ء کو حکومت پنجاب نے بورشل جیل لاہور میں احرار کی مجلس عاملہ کا دوسرا اجلاس بلانے کی کوشش کی۔ مجلس عاملہ نے دیگر بنیادی مسائل کے حل کے بغیر اس مسئلہ پر بات چیت سے انکار کر دیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا ابوذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سر فضل حسین، قادیانیوں اور دیگر شرکاء کے وفاداروں کی پس پردہ سازشوں نے معاملات کو سنگین بنا دیا کیونکہ انہیں نظر آ گیا تھا کہ کشمیر دربار کے ساتھ مذاکرات کے بعد احرار کا مستقبل بہت روشن ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے ان ملاقاتوں کو فوری طور پر ختم کرانے کی سازشیں کی۔^(۲)

صلح جو دیوان

وادی کشمیر کے علاوہ جموں، پونچھ اور ریاست کے کئی دیگر حصوں میں مسلمانوں نے ڈوگرہ راج کے خلاف تحریک شروع کر دی۔ سخت تادیبی اقدامات اور

۱۔ ابوذر بخاری۔ احرار اور سرکاری خط و کتابت۔ مجلس احرار ملتان۔ ۱۹۶۸ء ص ۲۷-۱۴۔

۲۔ ابوذر۔ ص ۴۔

ایک بریگیڈ فوج کی کشمیر میں اضافی نفری کے باوجود یہ تحریک بڑھتی رہی۔ مہاراجہ کو برے انجام سے بچانے کے لیے ہندوستانی ریاستوں کے چیمبر کے چانسلر نواب بھوپال نے ایوان کی خصوصی تنظیم کے ناظم کیلاش ہسکر کو سری نگر بھجوایا تاکہ ایک قابل قبول معاہدہ ہو سکے۔ اس نے مہاراجہ کو قائل کر لیا کہ وہ کول کو ہر طرف کر کے اس کی جگہ برطانیہ کے دوست اور ریاست ریوا کے سابق دیوان کرنل کالون کو کشمیر کا وزیر اعظم مقرر کر دے۔ مہاراجہ کو اس منصوبہ سے آگاہ کرنے کے بعد ہسکر بڑی سرعت سے دہلی واپس آیا اور نواب بھوپال کی معیت میں یہی تجویز وائسرائے لارڈ ویلنگٹن کے سامنے دوبارہ بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کی۔^(۱) سرتیج بہادر سپرو کو ایک خط میں ہسکر لکھتا ہے۔

”ہمارے ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہنے والے انٹرویو کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہم نے وائسرائے کو

غیر حتمی طور پر تمام تجاویز سے متفق کر لیا۔ اس نے پختہ وعدہ کیا کہ وہ مہاراجہ کے سر پر

ہرگز پستول نہیں تانے گا اور وہ تمام عمل مہاراجہ پر چھوڑ دے گا۔ جہاں تک میں نے اسے

یقین دلایا ضروری عمل مکمل ہو چکا تھا۔“^(۲)

برطانوی ڈیپارٹمنٹ ہند میں منظور ہونے والے ہسکر، ویلنگٹن معاہدے کو لاہور میں بڑی سرد مہری سے وصول کیا گیا۔ پنجاب حکومت کو یہ شک تھا کہ آیا سیاسی اہلکار ”دو ہندوستانوں“ کی بڑی غلطی کا ارتکاب تو نہیں کر رہے۔^(۳) جن میں ایک برطانوی اور ترقی پسند جبکہ دوسرا مشرقی اور ان قدیم الخیال رجعت پسندوں کا نمونہ ہو جنہیں کشمیر کی اصلاح سوچ دی جائے۔^(۴) جیسا کہ بعد میں ظاہر ہوا مقامی حکومت کی غلطیوں کا خوب جواز پیش کیا گیا۔ کالون ایک صلح جو دیوان ثابت ہوا جس نے مکمل تبدیلی کی تجویز کو کلی طور پر مسترد کر دیا۔^(۵) اور مسلمان زعماء کے لیے سخت گیر ثابت ہوا۔

۱۔ کیپٹن۔ ص 242۔

۲۔ ہسکر کی طرف سے سرتیج بہادر سپرو کی طرف 7 فروری 1932ء پر دو جلد جلد 6/7 نمبر وولم 2142۔ جیمیل لائبریری آف آسٹریلیا کینبرا۔
۳۔ سر نیرس کیپٹن۔ ریڈیفنٹ حیدر آباد کی جانب سے سر مورس گائیڈ کی جانب 6 مارچ 1932ء کیپٹن کوکشن انڈیا آفس لائبریری 131 جلد 31
سپریم کورٹ بنگلور کی سیکریٹری مستند 9-1908ء اور 29-1928ء میں ہندوستانی ریاستی مجلس کا جیڑ میں رہا قلم سر سلیم ڈارنگ چیف کسٹر
راڈ ایجنسی کی طرف سے چیف کسٹر پنجاب کو 15 فروری 1932ء انڈیا آفس ریکارڈ 870/24/1-R۔

۴۔ کالون کی جانب سے ریڈیفنٹ کو 17-18 مارچ 1932ء۔

۵۔ ریڈیفنٹ سے مستند سیاست کو 10 اگست 1933ء 1031/29/R-10R۔

مزید برآں لیٹمر Latimer نے بھی ہاں میں ہاں ملائی کہ جلد بازی سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لہذا اسے برطانوی حاکم گلانی کی مہربانی پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اصلاحات کا مسودہ تیار کرے۔ آخر کار جب گلانی کی رپورٹ مارچ ۱۹۳۲ء میں منظر عام پر آئی تو اس سے کوئی بھی مطمئن نہ تھا۔^(۱)

بائیس مارچ ۱۹۳۲ء کو ای جی ڈی کالون کو کشمیر کا وزیراعظم مقرر کر دیا گیا۔ پندرہ دن بعد چودہ اپریل ۱۹۳۲ء کو ظفر اللہ خان کی سربراہی میں ایک بارہ رکنی کشمیر کمیٹی کے وفد نے نئی دہلی میں وائسرائے سے ملاقات کی تاکہ گلانی کمیشن رپورٹ پر فوری عمل درآمد کیا جائے۔ گلانی کمیٹی میں آئینی اصلاحات کے لیے مسلمانوں کی نمائندگی بڑھا دی جائے۔ سیاسی اسیران کو رہا کیا جائے اور کشمیری مسلمانوں کی پنجاب میں ہجرت کی فوری روک تھام کے لیے دباؤ ڈالا جاسکے۔ وائسرائے نے وفد کو نصیحت کی کہ وہ یہ معاملہ کشمیر حکومت کے سامنے اٹھائیں۔ تیس اپریل ۱۹۳۲ء کو کشمیر کمیٹی کا ایک وفد جموں میں کرنل کالون سے ملا اور اس کے سامنے بھی تقریباً یہی مطالبات رکھے۔^(۲)

قادیانیوں کا کمیٹی سے اخراج

مئی ۱۹۳۳ء میں کشمیر کمیٹی کے گیارہ مسلمان ارکان نے مرزا محمود کو ایک خط لکھا جس میں کمیٹی کے آئین کی تیاری کے لیے کمیٹی کا خصوصی اجلاس بلانے کی درخواست کی گئی تاکہ ایک غیر احمدی صدر بھی چنا جاسکے۔^(۳)

قادیانی اس پیش رفت پر خوفزدہ ہو گئے۔ مرزا محمود نے یہ پیش رفت مبنی کر لی کہ وہ کشمیر کمیٹی کو اپنے سیاسی مقاصد کیلئے تادیر استعمال نہیں کر سکیں گے۔ سستی شہرت کے حصول کے لیے انہوں نے کشمیر میں قادیانی آلہ کاروں کو ایک گھٹیا درجے کی تحریک چلانے کے لیے اکسایا۔ انہوں نے شیخ عبداللہ کی قید کے خلاف احتجاج شروع کر دیا۔

۱۔ کپیلڈ - ص ۲۴۳۔

۲۔ محمد یوسف مراد - ص ۴۶۱۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد ۷ ص ۶۰۸۔

دوسری طرف انہوں نے سری نگر میں میر واعظ مولانا یوسف شاہ اور میر واعظ ہمدان گروپوں کو آپس میں لڑانے کی سازش تیار کی۔ اگرچہ یہ تنازعہ جون ۱۹۳۲ء کے آخر میں ختم ہو گیا مگر سری نگر میں دو قادیانیوں یعنی زین العابدین ولی اللہ جو قادیان کا بدنام زمانہ لارنس تھا دوسرا شیخ بشیر احمد جو کہ لاہور کا ایک وکیل تھا (دونوں مرزا محمود کے رشتہ دار تھے) کی آمد سے حالات بگڑ گئے۔ کشمیر میں برطانوی ریڈیڈنٹ کو یہ احساس تھا کہ ان دونوں کی ریاست میں موجودگی سے کشیدگی دوبارہ پیدا ہو سکتی ہے۔^(۱)

انہیں کشمیر میں مرزا محمود نے بھیجا تھا۔ ولی اللہ نے کرنل کالون سے ملنا تھا جبکہ شیخ بشیر احمد کشمیریوں کے مقدمات لڑنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔^(۲) بہر حال دونوں قادیانیوں کو ریاست کشمیر سے نکال دیا گیا۔ اسی دوران کشمیر کے وزیراعظم کرنل کالون سے پنجاب کا ایک اور وفد ملا۔ جس نے مصالحتی بورڈ میں شمولیت کی غرض سے علامہ اقبال کو کشمیر آنے کی اجازت کا مطالبہ کیا۔ کالون نے جو کہ کسی بھی پنجابی مداخلت کی راہ کا سب سے بڑا روڑا تھا۔ یہ وعدہ کیا کہ اگرچہ ہفتوں تک کوئی احتجاج نہ ہوا تو وہ شیخ عبداللہ کو رہا کر دے گا لیکن کسی بھی حالات میں علامہ اقبال کو کشمیر آنے کی اجازت نہیں دے گا۔^(۳)

حکومت کی یکم جولائی ۱۹۳۳ء کی اطلاعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ اقبال اور ملک برکت علی نے سری نگر کے ایک دورے کا منصوبہ بنایا تھا تا کہ احتجاج کو بھڑکایا جاسکے۔ علامہ اقبال کے بارے میں یہ افواہیں بھی تھیں کہ چند شدت پسند مسلمان جو علامہ اقبال کے حامی تھے وہ قادیانیوں کی طرف سے حال ہی میں تین رسالوں کی تشہیر و تقسیم کے جواب میں ایک رسالہ چھپوا کر تقسیم کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ مزید اطلاع یہ تھی کہ اگر کشمیر کمیٹی سے قادیانی نکال دیئے جائیں تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کارکنوں اور فنڈ سے کشمیر کا زکے لینے کام کریں گے۔ سری نگر میں ہونے والی ایک نجی

۱۔ حکومت ہندوستان۔ بایا اور خارجی فائل، ص 155۔

۲۔ کشمیر کی کہانی ۱۱ اور ۱۹68ء ص 269۔

۳۔ حکومت ہندوستان۔ خارجی و بایا فائل 257۔ کرنل کالون کی جانب سے مورخہ 29 جون 1933ء کو خطیہ اطلاع۔

ملاقات جس میں دوسروں کے علاوہ مولانا ظفر علی خان اور مولانا داؤد غزنوی بھی شامل تھے، قادیانیوں کے کشمیر کمیٹی کے اخراج پر متفق تھے۔ ڈاکٹر اقبال کو دعوت دی گئی کہ وہ کشمیر کمیٹی کی قیادت سنبھالیں۔^(۱)

جولائی کے دوسرے ہفتے میں علامہ اقبال، ملک برکت علی اور محسن شاہ کے دستخطوں سے جاری ہونے والے ایک اشتہار نے وادی میں ہلچل پیدا کر دی۔ کشمیر میں ریڈیڈنٹ کی ہدایت پر حکومت پنجاب نے علامہ اقبال کو نصیحت کی کہ وہ کشمیر کے معاملات سے الگ تھلگ رہیں۔^(۲) ڈاکٹر اقبال نے تحریک کو جاری رکھا۔ وہ مسلمان جو اس صورتحال کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے تھے انہوں نے ہجرت کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ دوسروں نے جو ریاست میں پر امن حالات دیکھنا چاہتے تھے، کمیٹی کے مستقبل کے لائحہ عمل کے متعلق کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ (کشمیر کمیٹی کا اس وقت کوئی حقیقی وجود نہ تھا) نتیجہ کے طور پر علامہ اقبال نے مہاراجہ پر سرکاری دباؤ ڈالوانے کا سوچا تا کہ وہ کشمیری مسلمان برادری کی دگرگوں حالت کا کچھ مددوا کرے۔^(۳)

نئی کل ہند کشمیر کمیٹی

علامہ اقبال کل ہند کشمیر کمیٹی کے نئے صدر بن گئے۔ خود غرض مرزا محمود صدارت چھن جانے کے ساتھ ہی کشمیری مسلمانوں کے لیے تمام ہمدردیاں اور محبتیں فراموش کر بیٹھے۔ انہوں نے اپنی ہر قسم کی امداد بند کر دی اور احمدی کارکنوں اور وکلاء کو ہدایت کر دی کہ نئے صدر کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہ کریں۔ قادیانی عناصر نے علامہ اقبال اور کشمیر کمیٹی کے خلاف ایک زہریلی پروپیگنڈا مہم بھی شروع کر دی۔

سات جون ۱۹۳۳ء کو علامہ اقبال نے اپنے بیان میں کہا۔

۱۔ سیاسی فائل ۱۵۰، کشمیر پرائیمری ڈائری۔ یکم جولائی ۱۹۳۳ء۔

۲۔ دفتری نم ۱۵۲۶۷-۷۰ ایس بی شملہ ۱۱ جولائی ۱۹۳۳ء، آئی سی کارپوریشن کی جانب سے اقبال کو۔ لاہور میں ۱۵۵۔

۳۔ ایضاً۔ ص ۱۵۸۔

”حال ہی میں جموں اور کشمیر کے کئی مسلمانوں اور لاہور کے کئی دوسرے مسلمانوں نے مجھے کشمیر کے معاملات کے بارے میں مطلع کیا ہے۔ یہ بڑی آسانی سے معلوم ہو گیا کہ ان (قادیانیوں) کا مقصد برطانوی ہند کے مسلمانان کے خلاف مسلمانان کشمیر کے کانوں میں زہر گھولنا تھا۔ مجھے پتہ نہیں کہ ان لوگوں نے اتنا جتھسا نہ کام کیوں شروع کیا۔ تاہم جو کوئی بھی ان اقدامات کی پشت پر ہے انہیں خبردار کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ کشمیر کمیٹی کے ارکان بے وقوف نہیں ہیں اور نہ ہی وہ اس خیال میں پھنسیں گے جو ان کے لیے تیار کیا گیا ہے۔“^(۱)

میں جون ۱۹۳۳ء کو علامہ اقبال نے کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ صدارت ایک عارضی انتظام تھا کیونکہ کمیٹی بذات خود کشمیر میں ابھرنے والی ایک خاص صورتحال کے نتیجے میں قیام پذیر ہوئی تھی۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ کمیٹی کے قادیانی اراکین اپنے مذہبی سربراہ مرزا محمود کے سوا کسی کے وفادار نہیں۔^(۲) انہوں نے سر ظفر اللہ کے اس بیان کا حوالہ دیا جس میں اس نے کہا تھا کہ وہ کسی کمیٹی کو نہیں جانتا۔ اس نے اور اس کے رفقاء کار نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ اپنے خلیفہ مرزا محمود کے حکم اور اطاعت میں کیا ہے۔

چھبیس جون ۱۹۳۳ء کو کشمیر کمیٹی کے مسئلے پر سر فضل حسین نے سر ظفر اللہ کو اپنے خط میں لکھا۔

”مجھے خدشہ ہے کہ یہاں کشمیر کمیٹی کے متعلق کوئی سازش چپ رہی ہے۔ مرزا صاحب مستعفی ہو گئے اور اقبال صدر بن گیا۔ اب اقبال نے بھی استعفیٰ دے دیا ہے اور پریس کو یہ بیان دیا ہے کہ جس میں کشمیر کمیٹی میں مرزا صاحب کے پیروکاروں کے تخریب کارانہ رسوخ کو اپنے استعفیٰ کی وجہ بتایا ہے۔ وہ اور چند دیگر لوگ مختلف وجوہات کی بناء پر مختلف لوگوں کے خلاف پروپیگنڈا مہم چلائے ہوئے ہیں۔ میں نے ہمیشہ خواہش کی ہے کہ فرقہ

۱۔ لطیف احمد شروانی۔ حرف اقبال۔ اقبال اکیڈمی لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۲۳۱۔

۲۔ شروانی، ص ۲۳۳۔

دارانہ مسئلہ کو پس پشت رکھا جائے۔ مگر چند مسلمان رہنما اپنی ذاتی وجوہات کی بناء پر اس عنصر کو سامنے لاتے ہیں تاکہ سیاسی دنیا میں اپنی حیثیت اجاگر کر سکیں۔ اب آپ کی طرف سے اختلاف کو وسیع کرنے کے لیے کوئی قدم نہ اٹھایا جائے کیونکہ محض اختلاف برائے اختلاف کو ہوا دی گئی تو وہ نقصان ہوگا جس سے ہم بچنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کے لیے ممکن ہو تو یہ سب کچھ مرزا صاحب سے بیان فرمادیں۔“ (۱)

دو جولائی ۱۹۳۳ء کو لاہور میں ایک نئی ”کل ہند کشمیر کمیٹی“ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کا صوبائی صدر علامہ اقبال کو چنا گیا۔ ملک برکت علی سیکرٹری، مولانا ظفر علی خان آٹھ نائب صدور میں سے ایک تھے۔ پینتیس ارکان پر مشتمل ایک مجلس عاملہ چن لی گئی۔ اجلاس کے اختتام پر کمیٹی نے ایک قرارداد منظور کی کہ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت کا قانونی کردار بحال کیا جائے۔ چند قادیانی تخریب پسند عناصر نے نوزائیدہ کشمیر کمیٹی کو سیوا تاثر کرنے اور قادیانی خلیفہ مرزا محمود کو دوبارہ نیا صدر بنانے کی کوشش کی مگر بری طرح ناکام ہو گئے۔

کشمیریوں کے حق میں تحریک کے اتنی سرعت سے بے اثر ہونے پر آئن کوپلینڈ یہ تبصرہ کرتا ہے۔

”کشمیریوں کے حقوق کی یہ تحریک بیرونی قوتوں کی مدد اور حوصلہ افزائی سے چلی۔ احرار کے تحریک کو چھوڑنے اور کل ہند کشمیر کمیٹی کے خاتمے کے بعد ۱۹۳۳ء کے بعد سے کمزور ہونا شروع ہو گئی تھی۔ برطانوی جبر اور مالی مشکلات کی بناء پر احرار تحریک سے الگ ہو گئے تھے (کیونکہ ۱۹۳۳ء تک بڑے احرار رہنما قید میں تھے) مگر کشمیر کمیٹی کی اصل مشکلات دھڑے بندیوں کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ جولائی ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال اور ملک برکت علی کی سربراہی میں راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ایک اتحاد بن گیا۔ جس کے لیے مالی ایذا کا وعدہ جمعیتہ العلماء ہند نے کیا تھا۔ اس حوصلہ افزاء تبدیلی سے مسلمانوں کے

تمام مکاتب فکر پر مشتمل نمائندوں نے ایک نئی کمیٹی بنالی۔^(۱) جس کی احمدیوں نے سخت مخالفت کی۔ تاہم جب قوت کے اظہار کا وقت آیا تو اراکین کی کثیر تعداد علامہ اقبال کے ساتھ تھی۔^(۲) کمیٹی کے اعلیٰ اجلاس کے جواب میں مرزا محمود نے سیسل ہوٹل لاہور میں ایک اجلاس بلا لیا، مگر اس میں حاضرین کی تعداد بہت کم تھی۔ روزنامہ ہیرالڈ لاہور نے انیس جولائی ۱۹۳۳ء کو شرکاء کے نام تک دے دیئے۔ چنانچہ مرزا محمود خاسر و خائب ہو کر منظر سے ہٹ گئے۔ اسی دوران وہ بدترین تشہیری ہم جس کے باعث کمیٹی تقسیم ہو گئی تھی اس نے مرزا محمود کو اس تحریک کے بارے میں از سر نو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے شیخ عبداللہ کے ساتھ مشاورت کے بعد یہ بیان جاری کیا کہ دو سال تک احمدی کشمیری مسلمانوں میں احمدیت کی کوئی تبلیغ نہیں کریں گے نہ ہی وہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی مذہبی مباحثہ کریں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ پہلے سے ہی نئی بننے والی کشمیر کمیٹی کی سربراہی سے انکار کر چکے ہیں۔^(۳) تنظیم کشمیر کمیٹی کی صدارت چھوڑنے سے غالباً نئی سیاسی جماعت کشمیر مسلم کانفرنس کو یہ فائدہ ہو گیا کہ شیخ عبداللہ کے مذہبی عقیدے کے متعلق خاموشی چھا گئی کیونکہ وہ قادیانی مشہور تھا مگر مالی طور پر قادیانیوں کی سرپرستی ختم ہو جانے سے کمیٹی بری طرح متاثر ہوئی۔^(۴)

علامہ اقبال کی سربراہی میں بننے والی کشمیر کمیٹی کی سرگرمیوں پر حکومت گہری نظر رکھے ہوئے تھی۔ پورے موسم گرما میں علامہ اقبال یا ان کے رفقاء پر مقدمہ قائم کرنے کی تجاویز پر بحث ہوئی لیکن پنجاب حکومت ایسا نہ کر سکی۔ خوش قسمتی سے انگریزوں کے نزدیک کشمیر کمیٹی مائل بہ پروا نہ ہو سکی۔ کمیٹی کے اراکان نے کبھی بھی کشمیر کی سرحد عبور کرنے کی کوشش کر کے حکومت کشمیر کو موقع نہ دیا کہ وہ اس پر پابندی لگا دے۔^(۵)

۱۔ لاہور ریکارڈ خفیہ انری۔ یکم جولائی ۱۹۳۳ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ مرزا محمود کا کتابچہ "حقیقت حال" مئی ۱۹۳۴ء۔ اٹلی آفس ریکارڈ R11/29/11۔

۴۔ کولینڈر۔ ص ۲۴۹۔

۵۔ دیوان مغلہ نمبر ۱۵۶۔

کمیٹیاں ختم

جولائی ۱۹۳۲ء میں شیخ عبداللہ نے رہائی کے بعد کشمیر میں آئینی اصلاحات کے لئے سرگرم گلانی کمیشن کی رپورٹ سے بددل ہو کر احتجاج شروع کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی تحریک کو متحد کر کے کشمیری عوام پر اپنی گرفت مضبوط کر لے۔ وہ احرار رہنماؤں کے ساتھ دشمنی ختم کرنے کی غرض سے لاہور آیا (۱) مگر اسے خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ نومبر میں اس نے ”جہوں کشمیر مسلم کانفرنس“ کے نام سے نئی جماعت بنالی تھی اور خود اس کا صدر بن گیا تھا۔ اس وقت اتحاد کی سخت ضرورت تھی کیونکہ بدقسمتی سے کشمیری مسلمان سری نگر میں دو دھڑوں میں بٹ گئے تھے۔ میر واعظ مولانا یوسف شاہ کے گروہ کو ”وفاداران“ کہا جاتا تھا جبکہ عبداللہ ہمدانی کے گروہ کو ”قادیانی آلہ کار“ کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔

پنہر کہتا ہے کہ کشمیری انتظامیہ نے حکومت پنجاب پر زور دیا کہ وہ پنجاب کی کمیٹیوں کو ختم کرے۔ اکتیس جولائی ۱۹۳۳ء کو کشمیر کمیٹی کی منظور شدہ ”قرارداد شکایات“ پر کرنل کالون نے رد عمل ظاہر کرتے ہوئے ”دہلی“ (حکومت ہند) سے کہا کہ وہ کشمیر کمیٹی پر واضح کر دے کہ مستقبل میں اگر کوئی احتجاج ہو تو حکومت ہند کشمیر حکومت کی پشت پر ہوگی۔ اس کے علاوہ کالون نے اس بات پر بھی زور دیا کہ اب احتجاج کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی کیونکہ گلانی رپورٹ کی سفارشات پر پیش رفت جاری ہے۔ اگرچہ دہلی میں موجود حکومت کے اراکین یہ محسوس کر رہے تھے کہ مہاراجہ گلانی اصلاحات پر بڑی سست روی سے عملدرآمد کر رہا تھا۔ موجودہ ریڈیڈنٹ کشمیر کرنل بلی نے بھی کرنل کالون کی تائید کرتے ہوئے ”دہلی“ سے مطالبہ کیا کہ وہ کشمیر کمیٹی جیسے پنجابی مسلمانوں کے

۱۔ محکمہ خفیہ پنجاب کی فہرستی اطلاع۔ مورخہ ۷ جولائی 1982ء مورسولانا معین الدین ترجمان مجلس احرار اسلام لاہور کی جانب سے حقہ مجلس احرار اسلام دہلی کی طرف۔ جولائی 1932ء انڈیا آفس ریکارڈ۔ R/1/29/929 ایسا لگتا تھا کہ احرار شیخ عبداللہ کے ساتھ بات کرنے پر آمادہ تھے۔ کیونکہ اس وقت وہ خود مخت فطرات سے دوچار تھے اور دوسرے کچھ احرار رہنماؤں جیسے سید عطاء اللہ شاہ بخاری حالی میں لاگھریں کے نزدیک آئے تھے جو شیخ عبداللہ کو دوسرے عبدالغفار خان کے طور پر قبول کرنے پر تیار تھے (ماہر۔ ص 113)۔

گروہوں کو ختم کر دے۔^(۱)

کشمیر کی تقسیم کا منصوبہ

اگر ۱۹۳۳ء میں جموں اور کشمیر کی تقسیم کے خفیہ منصوبے کی چند تفصیل بیان کر دی جائیں۔ تو یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی برطانوی منصوبے کے مطابق مہاراجہ ہری سنگھ کو وادی کشمیر اور گلگت سے دستبردار ہو جانا تھا۔ جہاں سر آغا خان کو حکمران بنانے کی تجویز تھی۔ اس کے بدلے میں مہاراجہ کشمیر کو پنجاب کا ضلع کا گلڑہ دیا جانا تھا۔^(۲) ۱۹۳۳ء کی گول میز کانفرنس کی جائنٹ سلیکٹ کمیٹی میں تقسیم کشمیر کی تجویز زیر بحث آئی۔ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان سیمونیل ہور نے اس منصوبے کا خیر مقدم کیا اور اس کے حق میں ہندوستان کے گورنر جنرل (وائسرائے) کو لکھا۔ مہاراجہ کشمیر سری نگر نے تقسیم کے اس منصوبے کی سخت مزاحمت کی۔ ۱۹۳۳ء کے سال میں رونما ہونے والی سیاسی تبدیلیوں خصوصاً کشمیر انتظامیہ اور انگریزوں کے مابین پیدا ہونے والی مفاہمت کی فضا نے تقسیم کشمیر کے منصوبہ کو قفل کا شکار کر دیا۔ سر آغا خان ہندوستان کے کسی بھی علاقے میں اسماعیلی سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے۔ آج کل اسماعیلی شمالی علاقہ جات میں اس کے لیے کوشاں ہیں۔

قادیانیوں کی معذرت

جون میں قادیانی تخریب کار زین العابدین ولی اللہ شاہ اور بشیر احمد ایڈووکیٹ کے کشمیر سے اخراج سے قادیانی جماعت کو بہت دھچکا لگا۔ احمد یوں کو سر برٹرنڈ گلانی سے بہت گلہ تھا۔ قادیانی خلیفہ کے نمائندہ مولوی فرزند علی نے سر گلانی سے کہا کہ اخراج کی وجوہات زین العابدین کے پہلے خط میں درج معتدل نظریات کے برعکس ہیں۔

۱۔ حکومت ہندوستان خارجہ سیاسی نگر۔ فائل نمبر 204 (تخریب) اور فائل نمبر 150۔ کشمیر میں احتجاج کی خبریں بحالی۔ سر محمد اقبال اور مجلس کشمیر کے اراکین کو ریاست کے خلاف احتجاج شروع کرنے کے بارے میں مراسلہ۔ خط مورخہ 11 فروری 1933ء ریڈیفنٹ کشمیر کی طرف سے سیالکوٹ سے دہلی۔

۲۔ انڈیا آفس ریکارڈز۔ مستند ریاست برائے ہندوستان سر سیمونیل ہور کے نجی کاغذات۔

گلائی نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ کشمیر حکومت نے صرف یہی محسوس کیا کہ اب زین العابدین کی وہاں ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک سرپرستانہ انداز میں گلائی نے فرزند علی کو مطلع کیا کہ اسے خدشہ تھا کہ زین العابدین مرزا محمود کی ہدایات کے برعکس کام کرے گا اور امن کے قیام کی حکمت عملی پر کاربند رہنے میں ناکام ہو جائے گا جو قادیانی تحریک کا خاصہ تھی۔^(۱)

گلائی نے کسی بھی قادیانی ورکر کی کشمیر میں موجودگی کو پسند نہ کیا اور وہ حکمت عملی اپنائی جس پر حکومت پنجاب پہلے سے ہی کاربند تھی کہ اس تنظیم کو کشمیر سے دور رہنا چاہیے جہاں ایک زبردست فساد برپا ہو سکتا تھا۔ اس نے یہ کہا کہ دربار اپنی بھرپور کوششیں کر رہا ہے کہ وہ اصلاحات جاری رکھے اور لوگوں کے مفادات میں کسی بھی قسم کی حوصلہ افزائی سے گریز کیا جائے جس سے بد امنی کا اندیشہ ہو۔^(۲) گلائی نے اپنی اطلاع میں یہ کہا کہ فرزند علی نے شیخ عبداللہ کو کمزور قرار دیا ہے جو شیخ عبداللہ کے بارے میں قادیانی غم و غصہ کا اظہار ہے کیونکہ وہ کسی بھی گروہ کی مدد کا خواہش مند ہے۔ گلائی نے اطلاع دی کہ مولوی فرزند علی نے یہ وعدہ کیا کہ وہ اس گفتگو کے بارے میں مرزا محمود کو مطلع کرے گا۔ اس نے بڑے تضحیک آمیز انداز میں کہا کہ

”مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری گفتگو کے بارے میں اپنی اصلی یادداشت برقرار رکھے

کا۔“^(۳)

اکیس جولائی ۱۹۳۳ء کو فرزند علی اور زین العابدین گلائی سے ملے۔ یہ ملاقات تینوں کے لیے ناخوشگوار تھی کیونکہ گلائی نے اپنی رپورٹ میں یہ تاثرات دیے تھے کہ وہ زین العابدین سے زیادہ متاثر نہ تھا۔ اس نے اس پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ فرزند علی زین العابدین کو ساتھ لایا ہے۔ احمدیوں کی شملہ سے روانگی سے قبل زین العابدین نے گلائی کو لکھے گئے خط میں صورتحال کو اور زیادہ خراب کر دیا۔ اس نے

۱۔ حکومت ہندوستان۔ خارجی و سیاسی فائل 427 پی 91 (خفیہ) سید زین العابدین اور بشیر احمد ایڈووکیٹ کی روانگی۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ حکومت ہندوستان۔ خارجی اور سیاسی فائل (پی 91 خفیہ) ص 427) سید زین العابدین اور بشیر احمد ایڈووکیٹ کی روانگی۔

کشمیر میں اپنی موجودگی کے حق پر مزید زور دے کر کہا کہ آزاد گروپ چاہتا ہے کہ میر واعظ یوسف شاہ کا اگر بس چلے تو وہ ہر احمدی کو کشمیر سے نکال دے۔ شیخ عبداللہ کی حمایت میں زین العابدین نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس وقت جیل میں تھا جب محمد یوسف اور اس کی جماعت نے ریاست میں واقعی مشکلات پیدا کی تھیں۔ زین العابدین کے ان خیالات پر معذرت خواہانہ رویہ اپناتے ہوئے بعد میں فوراً ہی فرزند علی نے خط لکھ دیا۔

چار اگست کو شملہ میں گلانی سے ملاقات کے لیے ایک اور قادیانی صوفی عبدالقدیر کشمیر رکا۔ عبدالقادر ۱۹۳۱ء کی گاؤ کشی کی احتجاجی تحریک کے دوران اپنے رویہ پر معذرت کے بہانے آیا تھا۔ چونکہ مرزا محمود اس قسم کے احتجاج کا حامی نہیں تھا لہذا عبدالقدیر نے ضروری سمجھا کہ وہ اپنے ملوث ہونے کا جواز پیش کرے۔ اسی وقت اس نے گلانی کو بھی مطلع کیا کہ کشمیر کمیٹی (غالباً قادیانی) شیخ عبداللہ کو ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں۔^(۱) عبداللہ کی ایک ہی خصوصیت بتائی گئی کہ وہ اچھا مقرر ہے جو اس کی مقررانہ صلاحیت پر ایک طنز تھا۔^(۲)

کشمیر اور پنجاب کی حکومتوں کو احمدیوں کے متعلق سب سے بڑا یہ مسئلہ درپیش تھا کہ ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۴ء کے درمیان کئی غیر معتدل احمدی رسائل و جرائد کی تشہیر کی گئی تھی۔ ان میں سے جو مرزا محمود کے تحریر کردہ تھے ان میں کشمیر میں احمدیوں کے ملوث ہونے کے جواز پیش کیئے گئے تھے۔ سب سے زیادہ متنازع رسالہ جو ۱۹۳۴ء کے اوائل میں لکھا گیا ”حقیقت حال“ تھا جس میں مرزا محمود نے شیخ عبداللہ کے لیے اپنی متواتر ایداد کا اظہار کیا تھا۔ مرزا محمود نے مسئلہ کشمیر کیلئے مختلف النوع قسم کے اقدامات کیئے۔ پہلے انہوں نے عبدالرحیم درد کو لندن بھجوایا کہ کشمیر کا معاملہ برطانوی پریس اور پارلیمنٹ کے سامنے اٹھایا جائے۔ اس نے میر پور میں مسلمانوں کو سیاسی قیدیوں کی رہائی کے لیے رقوم فراہم کیں اور میر واعظ ہمدانی کے کشمیر سے اخراج کو منسوخ کرانے کی کوشش

کی۔ مرزا محمود نے ظفر اللہ خان، زین العابدین اور دیگر افراد کو حکومت کے ساتھ اعلیٰ سطحی مذاکرات کے لیے روانہ کیا۔ اگرچہ انہوں نے بظاہر کشمیری مسلمانوں کو سول تافرمانی کے خلاف ہدایت کی مگر پھر بھی مرزا محمود کی عملی تجاویز غیر واضح تھیں۔ واضح ہدایت صرف یوسف شاہ کی آزاد پارٹی کی مخالفت پر مشتمل تھی اور مسلمانوں کو ۱۹۳۴ء تک مجلس قانون سازی کے انتخابات میں میر واعظ کی آزاد پارٹی کو ناکام بنانا تھا۔ مرزا محمود نے اپنے رسالہ ”حقیقت حال“ میں اسلامی اتحاد، امن و امان اور کشمیر کے ظالم افسروں کو دہلیز انصاف تک لانے کی استدعا کی۔^(۱)

مرزا محمود کی تردید کے باوجود ان تمام واقعات کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ احمدیوں نے کشمیر میں اپنی نام نہاد تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں تاکہ وہ یہاں قدم جما سکیں۔ سری نگر کے ایک اردو اخبار ”اسلام“ نے ایک سلسلہ وار مضامین میں قادیانیت اور اس کے برطانوی آقاؤں کے ساتھ ساز باز کو آشکارا کیا۔ سولہ جولائی ۱۹۳۳ء کو زین العابدین حکومت ہندوستان کے پولیٹیکل سیکرٹری آر۔ ای ونگیٹ سے ملا اور اس کی توجہ ان مضامین کی طرف دلائی^(۲) اور مبارک احمد قادیانی کی کشمیر سے اخراج کی طرف بھی توجہ دلائی۔ اس نے بتایا کہ میر واعظ یوسف شاہ اور آزاد پارٹی نے حکومت اور کشمیری مسلمانوں کو احمدیوں کے خلاف کر دیا ہے۔ اس نے ونگیٹ کو درخواست کی کہ وہ دربار کو سفارش کرے کہ ”احمدی امن پسند اور وفادار ہیں“۔ ونگیٹ نے کسی بھی کارروائی کا وعدہ کیے بغیر اپنی سرکاری رپورٹ میں یہ لکھا کہ ”کرنل کالون اور کشمیر کے نئے ریڈیٹ کرنل لینگ کو اس رپورٹ سے مطلع کر دیا جائے“۔^(۳)

۱۔ حکومت ہندوستان۔ خارجی و سیاسی (سیاسی برانچ) فائل نمبر 19-1۔ شیخ محمد عبداللہ قادیانی کی سرگرمیاں۔ کرنل ایل ای الیک کی اطلاع (کشمیر میں ریڈیٹ کرنل کی جانب سے شملہ میں گاؤں کی طرف 17 مئی 1934ء اس میں حقیقت حال کی انتہائی مبہم ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔

۲۔ زین العابدین نے ونگیٹ کو 17 مضامین پر رسائل کے مندرجات روانہ کئے جو زیادہ تر ”اسلام“ اخبار میں پہچے تھے۔ 29 جولائی 1933ء اور 19 جولائی 1934ء کے درمیان۔ جس میں مولانا یوسف شاہ کے کئی احمدیوں کے خلاف بیانات بھی تھے۔ قندہ قادیانیت کا قادیانیت کے طاعون زدہ چہرے۔ جیسے رسائل نے قادیانیت کو بے نقاب کیا اخبار نے شیخ عبداللہ کے نام سے مرزا محمود کا ایک خط حاصل کر کے شائع کیا جس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ شیخ عبداللہ ایک فعال احمدی تھا (رسالہ ”حقیقت آشکارا ہو گئی“) انڈیا آفیشل ریکارڈز۔ 1031/1/29/R) مزید لیوانہ ص

ایک عمومی جائزہ

۱۹۳۱ء کے درمیانی عرصہ کے تمام واقعات کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ برطانوی سامراج کے وفادار ترین آلہ کار قادیانیوں نے بظاہر کشمیری مسلمانوں کی حمایت میں تحریک شروع کی جبکہ ان کا اصل مقصد کشمیر میں سرگرمی سے چلنے والے پچاسی احمدیہ تبلیغی مراکز کی مدد سے کشمیر میں ایک طاقتور مرکز یا ریاست کا قیام تھا۔ کشمیر کمیٹی سر فضل حسین کا ایک دماغی شوشہ تھا۔ مرزا محمود کے ہاتھوں میں سیاسی قوت کے حصول کے لیے ایک اوزار تھا۔ ہندوستانی سیاست میں قادیانیوں کے داخلے کا راستہ ڈھونڈنا تھا اور سامراجی مفادات کا تحفظ کرنا تھا۔ دوسری طرف انگریز کشمیر میں روسی اثر و رسوخ کے آگے بند باندھنے کے لیے قادیانیت کو فروغ دینا چاہتے تھے تاکہ ان کی وفادار جماعت ان کے لیے کام کر سکے۔ تحریک کشمیر مدہم پڑی تو حکومت پنجاب کو حکومت ہندوستان نے امن و امان کے قیام کے لیے ایک لاکھ اسٹھ ہزار دو سو ساٹھ روپے ادا کیے۔ مہاراجہ کشمیر کو مجبوراً انگریزوں سے امداد لینی پڑی تاکہ وادی میں امن و امان قائم رہے۔ ۱۹۳۵ء میں جب روس نے سکیناگ پر قبضہ کر لیا تو انگریزوں نے مہاراجہ کشمیر سے روسی سرحدوں سے ملحقہ کشمیر کے علاقے ساٹھ سال کے لیے پٹے پر حاصل کر کے کشمیر اور گلگت پر براہ راست اختیار حاصل کر لیا۔^(۱) انگریزوں کے ذہن میں کشمیر کی تقسیم کا منصوبہ بھی تھا جو کہ بعد میں ختم کر دیا گیا۔ تحریک احرار نے قادیانیوں کے سیاسی عزائم اور منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ اس تحریک نے کشمیر میں مسلمانوں کی سیاسی بیداری میں ایک فعال کردار ادا کیا۔^(۲) پروفیسر لاوان کا کہنا ہے کہ

”قادیانیوں کی سرگرمیوں پر موت کی کھنٹی چند دنوں کے بعد آ کر بجی۔ حکومت پنجاب کے ای۔سی۔گاریٹ نے وٹکٹ کو مطلع کیا کہ مرزا محمود کے رسائل پر قانونی کارروائی

۱۔ بزاز۔ کشمیر میں جدوجہد آزادی کی تاریخ۔ ص ۱۴۹

۲۔ بی۔کے۔ن پال۔ مسئلہ کشمیر پر ضروری اطلاعات و دستاویزات دہلی ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۶۔ شیخ عبداللہ کی خودنوشت سوانح عمری ”آتش چٹار“ (چہدری اکیڈمی لاہور ۱۹۸۶) میں بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں احرار اور قادیانیوں کا کشمیری تحریک میں کردار ظاہر کرتے ہیں

انہیں کی جاسکتی اور اس نے حکومت کو یہ بھی زوردار تجویز پیش کی کہ آئندہ حکومت احمدیوں کو کوئی انٹرویو نہ دے کیونکہ وہ ان مواقع کو کشمیری مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ گاربیٹ کی تنقید مگر مفید رہائے کو پنجاب اور دہلی کی دونوں حکومتوں نے ”حکمت عملی“ کے طور پر اپنایا۔ اس سے حکومت کا قادیانیوں کے خلاف مبہم کردار واضح ہو گیا جو پنجاب حکومت نے احرار کے ساتھ براہ راست مناقشات کے وقت (۱۹۳۲-۳۶ء) کے درمیان اپنایا تھا۔ احمدی جو یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ وہ کشمیر میں ہمدردی کی بناء پر سرگرم ہیں اور حکومت کے حد درجہ وفادار ہیں۔ دارصل حد درجہ سیاسی انداز میں کام کر رہے تھے۔ ان کا طریق عمل کشمیر دربار کے لیے برطانوی امداد کی پالیسی کی مخالفت میں جا رہا تھا۔^(۱)

پروفیسر کوپ لینڈتھر یک کشمیر کے بارے میں یہ موقف اختیار کرتے ہیں۔
 ”احمدیوں کو کوئی نئے احمدی مل گئے مگر وہ اتنی تعداد میں نہ تھے جس کی مرزا محمود کو توقع تھی۔ جب انہوں نے کشمیر کے لیے اپنے ابتدائی لائحہ عمل کا آغاز کیا تھا۔ اس کے علاوہ قادیانی قیادت کو شیخ عبداللہ اور ہمدانی کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے جو مخالفانہ پروپیگنڈے کا سامنا تھا اس کی طافی ممکن نہ تھی۔ مزید برآں قادیانیوں کے کشمیر میں کردار کے نتیجے میں انہیں برطانوی سرکار کی کافی ہمدردی حاصل ہوئی۔ جس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ حکومت پنجاب کے محکمہ استغاثہ نے احرار کی پٹھان کوٹ شاخ کے سیکرٹری کے خلاف جنوری ۱۹۳۲ء میں مقدمہ چلانے کی سفارش کی، کیونکہ اس نے احمدیوں کے خلاف ایک اشتعال انگیز رسالہ شائع کیا۔ دوسری مثال یہ تھی کہ اسی سال کے آخر میں مجلس احرار کو قادیان میں اس کے ہیڈ کوارٹر کے قریب ایک تبلیغی کانفرنس کے انعقاد کو حکومت پنجاب نے روک دیا۔“

احرار بھی کشمیر میں اپنی مساعی سے مکمل فائدہ نہ اٹھا سکے کیونکہ ان کی پرچم لہرانے کی کارروائی اور کشمیر چلو تحریک نے ان قدامت پسند پنجابی رہنماؤں پر کوئی تاثر نہ چھوڑا

جن پر وہ انتخابی تعاون کے لیے تکیہ کیے بیٹھے تھے۔ بلاشبہ جو بھی عارضی شہرت احرار کو کشمیر میں ان کی کاوشوں پر حاصل ہوئی۔ وہ جلد ہی ۱۹۳۶ء کے شہید گنج مسجد کے جھگڑے میں حصہ لینے سے انکار پر ختم ہو گئی کیونکہ یہ سبق انہیں ابتدائی احتجاجی تحریک کے دوران حاصل ہوا تھا۔ (۱)

احرار کا نفرنس

مرزا محمود کو قادیان میں کلی اقتدار حاصل تھا۔ یہ ان کی اپنی سلطنت تھی۔ کسی شخص میں یہ جرأت نہ تھی کہ وہ ان کے اقتدار پر انگلی اٹھا سکے۔ خلیفہ کی نجی زندگی کے بارے میں بات کرنے کے سوالوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ قادیان میں ایک حکومت کی سی پوری خصوصیات موجود تھیں جو حکومت برطانیہ کے متوازی چل رہی تھی۔ لوگ اسے ریاست در ریاست کا نام دیتے تھے۔

قادیانی جماعت کی ساخت ایک حکومت کے تمام عناصر پر مشتمل تھی۔ تحریک کے افعال سرانجام دینے کے لیے ایک بے جان انجمن (صدر انجمن احمدیہ) اور ایک خود سرسراہ موجود تھا۔ جسے خلیفہ کہتے تھے۔ انجمن جماعت کے تمام انتظامی، تعلیمی اور دوسرے معاملات کی دیکھ بھال کرتی تھی جن میں ان تمام مہمانوں کی آسائشوں کا خیال رکھنا بھی شامل تھا جو قادیان آتے۔ مذہبی اور دنیاوی تعلیمات کی خاطر جامعات اور سکولوں کی دیکھ بھال بھی اس کا کام تھا۔ تحریک کے انتظامات سے متعلقہ افعال کئی ایک سیکرٹریوں کے ذمہ تھا۔ یہ سیکرٹری جماعت کے سربراہ کے احکامات کی روشنی میں کام کرتے تھے۔ اس تنظیم کا اعلیٰ تنظیمی ساخت کا ڈھانچہ نیچے بیان کیا جاتا ہے۔

(i) ایک چیف سیکرٹری تھا جو کابینہ کے اجلاسوں کی صدارت کرتا اور مختلف سیکرٹریوں کے کاموں کی نگرانی کرتا۔

(ii) تبلیغی امور کا سیکرٹری تحریک کی تمام تبلیغی سرگرمیوں کا نگران تھا اور ہندوستان اور بیرون ملک قائم شدہ مراکز کی کارکردگی پر نظر رکھتا۔ وہ احمدیہ پریس اور

محکمہ طباعت کا بھی ناظم ہوتا تھا۔

(iii) سیکرٹری تعلیم تمام تعلیمی معاملات کو سرانجام دیتا تھا۔

(iv) سیکرٹری داخلہ کے پاس تمام سماجی، معاشی، عدالتی اور دیگر متفرق کاموں کی نظامت تھی۔

(v) سیکرٹری خارجہ کے پاس جماعت کے برطانوی حکومت کے ساتھ تعلقات اور دیگر جماعتوں کے ساتھ معاملات کی دیکھ بھال تھی۔

(vi) سیکرٹری دعوت و تعلیم کا کام مناسب لٹریچر کی تخلیق، ایک مرکزی احمدیہ لائبریری چلانا اور تحقیقی کام سرانجام دینا تھا۔

(vii) سیکرٹری تجارت، صنعتی اور تجارت کے محکموں کا ذمہ دار تھا۔

(viii) سیکرٹری خزانہ جماعت کے مالی معاملات کا ذمہ دار تھا۔

ان کے علاوہ ایک خلیفہ کا ذاتی سیکرٹری، ایک اکاؤنٹنٹ اور ایک حسابات کی جانچ پڑتال کا افسر تھا۔^(۱) تنظیم کے لیے آمدنی کے مندرجہ ذیل ذرائع تھے۔

(i) ہر کمانے والے رکن کی کل آمدنی کا چھٹا حصہ بطور خصوصی چندہ۔

(ii) قادیان میں موجود قبرستان جسے بہشتی مقبرہ کہا جاتا ہے اس میں تدفین کے لیے جگہ حاصل کرنے کے لیے تمام آمدنی کا دسواں حصہ بطور مخصوص چندہ۔

(iii) زکوٰۃ۔

(iv) فطرانہ، عید فٹہ، شادی فٹہ، یتیمی و غرباء کے لیے صدقات، خیرات۔

مذہبی عبادت گاہوں کے لیے توسیعی فٹہ اور دیگر کئی چندے شامل تھے۔ ایک پائی تک کی رقم بھی مرزا محمود کے حکم کے بغیر صرف نہ ہو سکتی تھی۔ انہیں اور بھی نامعلوم ذرائع سے بھاری رقمات ملتی تھیں جنہیں وہ ہندوستان اور بیرون ممالک بنکوں میں اپنے یا اپنے کسی خاندان کے فرد کے نام سے جمع کرا دیتے تھے۔ یہ رقم سیاسی تحریکوں کو دبانے اور اٹھلی جنس کے لیے استعمال ہوتی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قادیان

بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے سیاست میں حصہ لے رہا تھا۔ کشمیر، مسلم لیگ، گول میز کانفرنسوں، سائمن رپورٹ جیسے سیاسی معاملات میں قادیان پوری طرح ملوث تھا۔ سر فضل حسین^(۱) کی مساعی سے سر ظفر اللہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن بن چکا تھا۔ اگرچہ اس کی تقرری کے خلاف مجلس احرار اور پنجاب کے ایک ہر و عزیز مسلمان روزنامے ”زمیندار“ لاہور نے سخت احتجاج کیا تھا۔^(۲) پنجاب میں برطانوی سامراج کی سرپرستی میں رجعت پسند گروہوں کا سیاسی رسوخ بڑھتا گیا۔ سارا اعزاز احرار کو جاتا ہے جنہوں نے ٹوڈیوں اور برطانیہ نواز عناصر کے خلاف شدید ہم چلائی۔ چونکہ سر فضل حسین قادیانیوں کا مربی اور ہمدرد تھا، چنانچہ احرار نے اسکے خلاف ایک بالواسطہ ہم چلائی اور اس کی یونیسٹ پارٹی کو قادیانیوں پر تنقید کے ذریعے نشانہ بنایا۔^(۳)

احرار کو یہ پختہ یقین تھا کہ قادیانی برطانوی سامراج کے کھلے عام شریک کار ہیں اور مسلمانوں میں خفیہ طور پر فتنہ کالم کا کردار ادا کر رہے ہیں۔^(۴) قادیانی بڑوں کی سینکڑوں تحریروں اور بیانات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ برطانوی سامراج کے سیاسی کارندے تھے۔ اس کی تازہ ترین مثال یہ تھی کہ جب لارڈ ویلنگٹن دہلی میں نیا وائسرائے ہند بن کر آیا تو ایک بائیس رکنی قادیانی وفد کی طرف سے اس کو خطبہ استقبال دیا گیا۔ اس میں قادیانیوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں حکومت برطانیہ کی مصمم وفاداری سے نہیں ہٹا سکتی۔ اگرچہ ان کے مخالف عناصر کی پیدا کردہ غلط فہمیاں، مخالفین اور مشکلات راہ میں آئیں۔^(۵) وائسرائے ہند نے اس پر اپنے گہرے اطمینان کا اظہار کیا اور حکومت کے ساتھ تعاون کی احمدیہ عہد نامہ کو بہت پسند کیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ قادیانی وفد کے جذبات کو شہنشاہ معظم تک پہنچا دے گا۔

۱۔ عبد المجید سالک، یارانِ کین۔ لاہور۔ 1987ء ص 82 اور نور احمد۔ مارشل لاء سے مارشل لاء تک۔ لاہور۔ ص 165۔

۲۔ حمایتِ قیم سوہدروی۔ ظفر علی خان اور اظہارِ مہد لاہور 1982ء ص 394۔ جارج ویم کو مولانا ظفر علی خان کا مکتوب مورخہ 24 نومبر 1934ء جس میں مسلمانوں کے اس مطالبے کی وکالت کی گئی تھی کہ ظفر اللہ خان کو کونسل سے نکال دیا جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اخبار کی حمانت بحسن کار ضبط کر لی گئی۔

۳۔ عبد اللہ ملک پنجاب کی سیاسی تحریکیں لاہور۔ ص 209۔

۴۔ چوہدری فضل حق۔ تاریخ احرار لاہور 1968ء ص 180۔

۵۔ الفضل قادیان 29 مارچ 1934ء۔

اس نے اس توقع کا اظہار کیا کہ قادیانی اپنی وفاداریاں جاری رکھیں گے۔^(۱) چوٹیں ستمبر ۱۹۳۲ء کو سر مظفر اللہ نے لندن سے سر فضل حسین کو خط لکھا جس میں اس کی تقرری بطور رکن وائسرائے انتظامی کونسل پر مسلمانوں کے شدید احتجاج کا ذکر تھا۔ اسکے جواب میں سر فضل حسین لکھتے ہیں۔

”ہاں! تم بڑی جلدی یہاں ہو گے اور اس احتجاج کے بارے میں جان جاؤ گے۔ اس کی بنیاد جیسا کہ تم جانتے ہو، درجنوں مذہبی نظریات ہیں مگر اس کے پیچھے کارفرما روح یہ ہے کہ ان نظریات کا اتحاد دوسرے احمدیوں کے ساتھ انہیں ایک اکائی بنا دیتا ہے۔ اور دوسرے غیر احمدی مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرتا ہے۔ اصل میں پہلے تو انہوں نے کہا کہ ایسے شخص کا ۱۹۳۲ء میں تقرر ہوا۔ وہ اگرچہ عارضی طور پر تھا۔ دوسرے احمدی مبلغین نے اپنی حیثیت کا غلط استعمال کیا اور مسلمانوں کو احمدی بنایا۔ تیسرے یہ چیز ایک فرقہ کو عمومی شان عطا کرتی ہے جس کو کوئی دبانے کی کوشش کرتا ہے یا پھر حوصلہ افزائی ہوتی ہے جیسے ۱۹۳۲ء میں تم قادیان گئے تھے۔“^(۲)

او برائن کا نظریہ

قادیان میں احمدیہ جماعت کی پالیسیوں اور طرز عمل نے بعض برطانوی حکام کو اس بات کے اظہار پر مجبور کیا کہ قادیانی برطانیہ کی مدد سے قوت حاصل کرنے کے بعد قادیان میں ایک ریاست قائم کر سکتے ہیں۔ پنجاب کے ایک سابق کمشنر مسٹر او برائن نے کھلے طور پر احمدیوں کے اس سیاسی عزم کا اظہار کر دیا کہ موقع میسر آنے پر وہ اپنی ریاست قائم کر لیں گے۔^(۳) مرزا محمود نے اس سلسلے میں انکشاف کیا کہ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک پنجاب کے گورنر سر ڈبلیو۔ ایم ہیلی نے احمدیہ ریاست کے قیام کے بارے میں چند خفیہ اطلاعات موصول کیں اور مزید تحقیقات کے لیے اسے دو یا تین دفعہ خود

۱۔ الفضل قادیان ۱۳ اپریل ۱۹۳۴ء۔

۲۔ سر فضل حسین کے خطوط۔ ص ۳۸۰۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد ۷ ص ۴۱۴۔

گوروا سپور جانا پڑا۔^(۱) ۱۹۳۲ میں گورنر پنجاب سے لے کر وائسرائے ہند تک تمام برطانوی حکام اور ان کے نظریہ پر یقین رکھتے تھے۔^(۲) قادیان کا نوہال اب ایک ضدی جوان میں تبدیل ہو چکا تھا۔

قادیان کی نیم مذہبی سیاسی تنظیم پر پہلے حملہ کے طور پر چھ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو مجلس احرار نے اپنے دو کارکنان کو قادیان میں تبلیغ کے لئے بھیجا۔ قادیانی غنڈوں نے ان پر حملہ کر کے ان کی تذلیل کی۔ احرار نے اس پر سخت احتجاج کیا اور مولانا عنایت اللہ چشتی کو قادیان میں کل وقتی مبلغ مقرر کر دیا۔^(۳) ۱۹۳۳ء کے اوائل میں قادیان میں مجلس احرار کا دفتر قائم کر دیا گیا۔ قادیانی پریس نے احرار رہنماؤں پر حملے جاری رکھے جبکہ حکومت پنجاب نے چند روز ناموں جیسے ”احسان“ اور ”زمیندار“ لاہور پر قادیانیوں کے خلاف مواد چھاپنے پر پابندیاں عائد کیں۔

احرار نے سب سے پہلے قادیان کی کسی قریبی جگہ پر ایک کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ کانفرنس اکیس اور تیس اکتوبر ۱۹۳۴ء کے دوران منعقد ہوئی تھی۔ قادیان کے رہائشی ایشرنگھ سے اس کی اجازت بھی حاصل کر لی گئی کہ اس کی زمین پر کانفرنس منعقد کر لی جائے۔^(۴) قادیانی غنڈہ گردی پر اتر آئے اور انہیں کانفرنس سے باز رکھنے کے لئے اس گاؤں میں کانفرنس کی جگہ کے گرد چار دیواری کھڑی کر دی۔ کسی دوسری جگہ کے حصول میں ناکامی پر احرار نے قادیان سے ایک میل دور راجدہ گاؤں کے DAV ہائی سکول کے احاطے میں کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ قادیانیوں کی توقعات کے برعکس مبادا احرار نے مذہبی حقوق میں ناجائز دخل اندازی کا دعویٰ نہ کریں۔ حکومت نے احرار

۱۔ ایضاً۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ مولانا عنایت اللہ چشتی پہلے احراری کارکن تھے۔ جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں ہادی ولیری اور بے غنی سے تبلیغی مرکز چلایا۔ کچھ وقت تک ان کی اعانت ماسٹر تاج الدین انصاری کرتے رہے۔ آخر کار مولانا محمد حیات (کھوڑا) بھی ان سے جاملے۔ مولانا چشتی نے ہادی خوبصورتی سے وہ واقعات بیان کئے ہیں جو قادیان میں تبلیغی مرکز کے قیام کا باعث بنے اور کس طرح لاقعد مشکلات کا مقابلہ کر کے انہوں نے ”نعم نبوت“ کے کام کو جاری و ساری رکھا۔ دیکھئے مولانا عنایت علی چشتی۔ مشاہدات قادیان۔ مکتبہ معاویہ۔ ملتان ۱۹۸۶ء۔

۴۔ دوائی لی مائر۔ ص ۱۰۹ اور حکومت ہند۔ محکمہ داخلہ۔ ڈائری ۳۴/ ۷۲۴۵ سی کی گوریٹ کی طرف سے مستدیراے حکومت ہند ایم جی میلہٹ کو خط۔ دلی (خفیہ) یکم نومبر ۱۹۳۴ء ص ۱۔

کو کانفرنس کے انعقاد کی اجازت دے دی۔ گورنمنٹ نے یہ سعیءِ لا حاصل بھی کی کہ وہ احرار کو اختلافات سے باز رکھ سکے۔ متبادل اقدام کے طور پر حکومت نے قادیان میں امن و امان کے قیام کے لیے سخت اقدامات کیے۔ پنجاب کی نوکر شاہی کا یہ اصرار تھا کہ قادیان کے بالکل ملحقہ علاقے میں کانفرنس منعقد نہ ہو۔ قادیان سے کوئی جلوس نکالنے کی اجازت نہ ہو۔ احمدیوں کو جوابی مظاہروں کی اجازت نہ دی جائے اور دونوں فریق اپنی مستقل حفاظت سے خبردار رہیں۔^(۱) احرار حملہ آور تھے۔ قادیانی دفاع کر رہے تھے اور حکومت پنجاب ان کے درمیان مصالحت کنندہ تھی۔ خلیفہ قادیان اور ان کے حامیوں کے لیے قادیان میں اس سے شدید بے چینی پیدا ہو گئی۔ خصوصاً اس بات سے کہ احرار کا انداز ہمیشہ سے برطانوی مخالف اور تشدد پسندانہ رہا تھا۔^(۲) مرزا محمود کی ہدایت پر قادیان کے محکمہ خفیہ کے سیکرٹری مرزا شریف احمد نے قادیان کی سلامتی کے نام پر تحریک کی تمام شاخوں کو خطوط لکھے کہ وہ ایک خاص تعداد میں (اڑھائی ہزار سے اوپر) مسلح رضا کار قادیان روانہ کریں تاکہ احرازیوں کو ڈرایا اور دہشت زدہ کیا جاسکے۔^(۳)

اگرچہ سی آئی ڈی کے سپرنٹنڈنٹ مرزا معراج دین نے مرزا محمود اور شریف احمد کو ترغیب دی کہ وہ خط کو واپس لے لیں مگر انہوں نے اسے بالکل نظر انداز کر دیا۔ احرار کے حملے سے اپنے والد اور نبی کی جائے پیدائش قادیان کو بچانے کے لیے پورے ہندوستان اور گورداسپور سے قادیانی رضا کار متواتر قادیان آتے گئے۔ ان حالات میں حکومت پنجاب کے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ ضابطہ فوجداری کے ترمیمی ایکٹ کے تحت مرزا محمود کو نوٹس دے کہ احرار کانفرنس کے انعقاد کے دوران وہ قادیان میں مسلح رضا کاروں کی آمد کو روکے۔ اس عرصے میں قادیان پہنچنے والے تحریک کے کسی رکن کو خوراک و رہائش فراہم نہ کرے۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے اقدامات کا بھی کہا گیا تھا جو سرکش قادیانیوں اور احرازیوں کے مابین کشیدگی کے خطرے کو کم کر سکیں۔ درج ذیل

۱۔ باقر۔ ص 109۔

۲۔ لیون۔ ص 164۔

۳۔ حکومت ہند۔ محکمہ داخلہ کا خفیہ خط۔ ص 2۔ نوالہ لیون ص 183۔

سطور میں اس حکم کا متن دیا جاتا ہے۔^(۱)

”حکم زیر دفعہ ۳ (۱) (د) پنجاب فوجداری قانون ترمیمی ایکٹ ۱۹۳۲ء۔

ہر گاہ کہ حکومت پنجاب کو اطمینان ہے کہ اس بات کے قوی شواہد ہیں کہ تم مرزا بشیر الدین محمود آف قادیان ضلع گورداسپور لوگوں کو قادیان میں بلا تے رہے ہو کہ وہ شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنس کے دوران قادیان یا اس کے نزدیک ایکس سے تیس اکتوبر ۱۹۳۲ء تک موجود رہیں اور ہر گاہ کہ تمہارا یہ فعل عوامی امن و سلامتی کے خلاف ہے لہذا حکومت پنجاب تمہیں زیر دفعہ ۳ (۱) (۷) پنجاب فوجداری قانون (ترمیمی) ایکٹ ۱۹۳۲ء کے تحت ہدایت کرتی ہے کہ

(۱) ایسے تمام احکامات جو تم نے یا تمہارے حکم سے کسی بھی شخص نے پہلے دی گئی تاریخوں کے دوران قادیان آنے کے بارے میں دیئے ہیں واپس لے لو۔

(۲) کئی بھی شخص یا اشخاص کو انہیں سے لے کر چوبیس اکتوبر ۱۹۳۲ء تک قادیان لانے سے باز رہو۔

(۳) قادیان میں چوبیس اکتوبر تک یا اس کے بعد کوئی اجلاس لانے یا منعقد کرتے سے احتراز کرو۔

(۴) چوبیس اکتوبر ۱۹۳۲ء کے بعد تک قادیان میں کسی بھی شخص کے جسے تم نے بلایا ہے استقبال کے انتظامات سے اور انہیں خوراک و رہائش کی فراہمی سے اجتناب کرو۔

تیرہ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو میرے دستخط اور مہر سے جاری ہوا۔

جی گاربیٹ

چیف سیکرٹری، حکومت پنجاب

۱۹-۱۰-۱۹۳۲

یہ حکم نامہ ایک بم دھماکہ ثابت ہوا۔ اس نے خلیفہ کی ان لطیف خوش خیالیوں کو مجروح کیا جو وہ ہمیشہ انگریزوں کے لیے اپنے ذہن میں رکھتے تھے اور جس سے محبت

کا پرچار کرتے تھے۔ اپنی جماعت کو انگریزوں سے مکمل وفاداری کا درس دیتے تھے۔ انہوں نے اپنی نجی محفلوں میں سر ہربرٹ ایمرسن گورنر پنجاب کو برا بھلا کہا شروع کر دیا۔ اور اسے برطانوی راج کا ”بدخواہ“ قرار دیا۔ ان کیلئے اس نوٹس کی ذلت ہضم کرنا مشکل ہو گئی۔ وہ اپنی اس بے عزتی پر اس قدر سیخ پا اور برہم ہوئے کہ انہوں نے اپنے معمول کا خطبہ جمعہ بھی نہ دیا۔ ”قدس مآب“ کا احترام خطرے سے دوچار تھا۔ یہ ناقابل یقین تھا کہ برطانوی حکام ان کے آقاؐ، مربی اور سرپرست اس طرح بھی کر سکتے تھے۔^(۱)

احرار کانفرنس

سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے احرار کانفرنس قادیان کی صدارت کی۔ انہوں نے قادیانی عقائد کا پردہ چاک کیا اور اس تحریک کے بانی کے لئے لیتے۔ انہوں نے قادیانیوں کو برطانوی سامراج کے آلہ کار، بیرونی قوتوں کے دم کئے کتے اور اپنے آقاؤں کے تلوے چاٹنے والے قرار دیا۔ سرفضل حسین کی سفارش پر سرفکر اللہ کی وائسرائے کی انتظامی کونسل میں نامزدگی کے خلاف ایک قرارداد منظور کی گئی۔^(۲) حکومت پنجاب کے مقبول اخبارات ”زمیندار“ اور ”احسان“ لاہور کے خلاف تادیبی کارروائی پر شدید تنقید کی گئی۔ اسمبلی انتخابات کے ایک نو مسلم امیدوار کے ایل گاہا کے حق میں انتخابی تقاریر بھی ہوئیں جو کہ لیگ اور مسلم کانفرنس کے حمایت یافتہ امیدوار خان بہادر حاجی رحیم بخش کے مقابلے میں انتخاب لڑ رہے تھے۔^(۳)

قادیان میں احرار کی انتہائی کامیاب کانفرنس اور حکومت پنجاب کے مرزا محمود

۱۔ قادیانی موقف کے بارے میں ملاحظہ ہو۔ سرفکر اللہ۔ سرونٹ آف گاؤ۔ ص 74-73۔

۲۔ تاریخ احمدیہ جلد 7 ص 501۔ سرفکر اللہ کا کہنا ہے کہ 1934ء کے گرام کے دوران جب وہ انگلستان میں تھے تو نیکرڈی آف سٹیٹ نے انہیں بتایا کہ وہ اور وائسرائے کی خواہش رکھتے ہیں کہ وہ سرفضل حسین کا جانشین بنے جب موخر الذکر وائسرائے کی انگریجو نوٹس میں اپنا دور پورا کرے تو۔ سرفکر اللہ نے کہا کہ وہ ان خواہشات کا احترام کرنے لگے۔ سرونٹ آف گاؤ۔ ص۔

۳۔ گاربیٹ کی جانب سے میٹ کو مراسلہ (لہوان۔ بحولہ ص 183) احرار کے نامزد امیدوار کے ایل گاہا کے انتخاب کے بارے میں سر شہاب الدین کی ایک تجویز کی تائید سرفضل حسین نے کی۔ دو اکتوبر 1934ء کو سر شہاب الدین کو لکھے گئے ایک خط میں وہ کتاب ”آپ کے خط کے دوسرے پیرامیں دی گئی تجویز (یکم اکتوبر 1934ء) کافی وزنی نظر آتی ہے۔ چنانچہ آپ اس کو آگے چلا سکتے ہیں کہ اگر گاہا یہ واضح کر دے کہ وہ احرار کے ٹکٹ پر اسمبلی جانے پر تیار نہیں ہوتا بلکہ مسلم کانفرنس یا کسی غیر احرار کی جانب سے تیار ہوتا ہے۔“ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ کی پیشکش گاہا کے لیے قابل قبول ہے یا نہیں اس کو بلا تاخیر ہو جانا چاہئے۔ (میاں فضل حسین کے خطوط۔ ص 384۔)

کونوٹس جس نے ان کی شان و شوکت اور عزت کو پامال کر دیا تھا، برطانیہ کے اس بے رحمانہ رویے پر ماتم کرنے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے اپنے جمعہ کے خطبات میں اپنے خاندان کی ماضی کی خدمات گتوائیں اور اپنے آقاؤں کی یاد دہانی کے لیے تحریک کے ارکان کی برطانوی سامراج کے لیے خدمات کا تذکرہ کیا۔^(۱) ہر فضل حسین کو ایک خط میں انہوں نے بڑی عیاری سے قادیان میں احمدیوں کو بلانے کے احکامات کے اجراء کے متعلق اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ مرزا محمود جو فخر الرسل ہونے کے دعویدار تھے، ان کا یہ شرمناک بہانہ تھا ان کا بھائی ان کے حکم کے بغیر کبھی ایسی چٹھی روانہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے مرزا محمود کی دروغ گوئی عیاں ہو گئی۔

پنجاب کے چیف سیکرٹری نے احرار کی اتنی کامیاب کانفرنس کی بعض وجوہات بیان کیں جن سے احرار کو یہ منفرد مقام حاصل ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کا باعث قادیانیوں نے قادیان میں خود اپنی منفرد حیثیت کی وجہ سے کیا۔ جس سے احرار کو کافی تقویت حاصل ہوئی۔^(۲) ۱۹۳۳ء میں احرار نے جب قادیان میں اپنا باقاعدہ دفتر قائم کرنے کا ارادہ کیا تو احمدیوں نے مجوزہ عمارت پر اپنا حق جتلاتے ہوئے اسے گرا دیا اور اس کی جگہ بیت الخلاء تعمیر کر دیئے۔ اس کے علاوہ قادیان کے غیر احمدی رہائشیوں کی طرف سے بھی شکایات موصول ہوئیں کہ انہیں احمدی تنگ کرتے رہتے ہیں۔ گار بیٹ کے خیال میں یہی وجوہات ہو سکتی ہیں کہ احرار اتنے زیادہ لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ گار بیٹ کے بیان کے چھٹے پیرے میں اختتامی بیان سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

”اس کے علاوہ کشمیر کی احتجاجی تحریک میں قادیانیوں کے کردار کے علاوہ جماعت کے سربراہ اور ان کے پیروکار احمدی برطانوی حکومت کے سرگرم حامی رہے ہیں اور سول نا فرمانی اور دوسری تحریمی تحریکوں میں انہوں نے امن و امان بحال کرنے والی قوتوں کا

۱۔ افضل قادیان یکم نومبر ۱۹۳۴ء ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء۔

۲۔ گار بیٹ کا ہولٹ کوٹھ۔ ص ۵ لاوان ۱۲۵۔

ساتھ دیا۔“ (۱)

ستائیس اکتوبر ۱۹۳۲ء کو سر فضل حسین نے احمدیوں کے بارے میں نرمی اختیار کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے گورنر پنجاب سر ایمرسن کو خط لکھا۔

”جب سے میں آپ سے ملا ہوں، میں نے (احرار کے خلاف پنجاب حکومت کے)

مقدمہ کے بارے میں مرزا صاحب کے بیان کو پڑھا ہے۔ دریں اثناء مجھے ان کے

سیکرٹری سے دو تین پیغامات بھی ملے ہیں جنہیں میں صورت حال بیان کی گئی ہے۔ میرے

خیال میں موجودہ جھگڑا ایک ہی وقت میں دو مقاصد کے حصول کا موقع فراہم نہیں کرتا۔

پہلا یہ کہ احمدیہ جماعت کو یہ احساس دلایا جائے کہ وہ جارج بن رہے ہیں اور یہ بھی

محسوس کرایا جائے کہ وہ صوبے میں موجود دوسرے گروہوں یا جماعتوں کی طرح ہو

جائیں۔ دوسرے احرار کی قوت اور ولولہ حاصل کرنے میں حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔

دوئی حکمت عملی اپنانے سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ احرار کی حوصلہ افزائی

اور احمدیوں کی حوصلہ شکنی۔ جس میں ایسی صورت حال پیدا ہو جائے گی کہ دوست کمزور ہو

جائیں گے اور دشمن مضبوط ہو جائیں گے۔ مناسب حکمت عملی یہ ہوگی کہ اس معاملہ کو سختی

سے نبھا جائے۔ احمدیوں کے خلاف احرار کی جارحیت کو سختی سے دبا کر اسے ختم کر دیا

جائے اور پھر ایک مناسب وقفے سے احمدیوں کے ساتھ مقامی طور پر معاملہ کیا جائے

تاکہ ان میں ان لوگوں کے بارے میں جو ان کے ساتھ یا ان کے قریب رہتے ہیں،

جارحانہ ذہنیت پر دان نہ چڑھے۔ میری نظر میں ایک تیرے دو شکار کی کوشش غیر مستحکم

اور کامیاب نہ ہو سکے گی۔ میں نے معاملہ پر غور کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں جو اوپر کہا

گیا ہے۔ اسے آپ کی طرف ارسال کر رہا ہوں کیونکہ آپ پہلے ہی اس معاملہ کو نمٹنا

رہے ہیں۔“ (۲)

نیشنل لیگ

جنوری ۱۹۳۵ء کے آخری ہفتہ میں مرزا محمود نے ایک ”آل انڈیا نیشنل لیگ“ نامی بظاہر سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان کیا۔ اس کا مرکزی دفتر لاہور میں قائم کیا گیا اور شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ کو اس کا پہلا صدر مقرر کیا گیا۔ ایک نیم فوجی گروہ کو اس کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔ اس نیشنل لیگ دستہ کا پہلا سالار سر ظفر اللہ کے بھائی چوہدری عبداللہ کو مقرر کیا گیا۔^(۱)

ان دونوں جماعتوں کا بڑا مقصد احمدیوں کے مخالف گروہوں خصوصاً احرار کے بڑھتے ہوئے دباؤ کا مقابلہ کرنا تھا اور قادیان کی پوزیشن کو مضبوط کرنا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرا مقصد حکومت پنجاب کو بھی اپنی قوت سے آگاہ کرنا تھا۔ احرار اور قادیان کے مابین براہ راست ٹکراؤ سے بچنے کے لیے حکومت پنجاب نے قادیان اور اس کے نواحی علاقوں میں تین جنوری ۱۹۳۵ء سے دو ماہ کے لیے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۴۲ کا نفاذ کر دیا اور کسی بھی عوامی اجتماع کے انعقاد پر پابندی لگا دی گئی۔^(۲) آمادہ فساد قادیانیوں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جے ایم شری ٹکیش کے احکامات کو سیشن عدالت ضلع گورداسپور میں چیلنج کر دیا۔^(۳) سیشن عدالت نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے احکامات کو برقرار رکھا۔ عدالت عالیہ میں اپیل دائر کر دی گئی لیکن اسی دوران میں مارچ ۱۹۳۵ء کو دو ماہ کا عرصہ ویسے ہی گزر گیا۔^(۴) احرار کی تنظیم کو بھی حکومت نے قادیان میں کسی قسم کا جلسہ منعقد کرنے سے منع کر دیا کیونکہ ان کے بارے میں بھی یہ کہا گیا کہ انہوں نے امن کی تباہی، جھگڑے اور خونریزی کی دھمکیاں دی تھیں۔ قادیانیوں کے وقار کو نہ تو چیلنج کیا جاسکتا تھا اور نہ ہی سمیٹا جاسکتا تھا۔^(۵)

۱۔ تاریخ احمدیت جلد ۷ ص 522۔

۲۔ پنجاب کی صورتحال پر خفیہ اطلاع۔ بیان کردہ لاڈلہ۔ ص 184۔

۳۔ ایضاً۔ الفضل ۵ دیاں 17-24 اور 28 فروری 1935ء۔

۴۔ الفضل ۵ دیاں۔ 4 اپریل 1935ء (ایم ۵ دیاں وکلاء سر ظفر اللہ خان۔ شیخ بشیر احمد۔ مرزا عبدالحق۔ چوہدری عبداللہ خان۔ فضل دین ۵ دیاں)۔

۵۔ دی سلم ہائز لندن جلد ۱ نمبر 16 مئی بیان کنندہ لیوان۔

کھوسلہ کا فیصلہ

اکیس۔ تیس اکتوبر ۱۹۳۳ء کو احرار کانفرنس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اشتعال انگیز تقریر کرنے پر پیشل بمسٹرٹ گورنمنٹ دیوان سکھ آئند نے چھ ماہ قید کی سزا دی۔ شاہ صاحب سیشن کورٹ گورنمنٹ میں جے۔ ڈی کھوسلہ سیشن جج کی عدالت میں چلے گئے۔ جے ڈی کھوسلہ نے سزا کی معیاد کم کر کے تاوقت برخواست عدالت کردی اور احمدیہ تحریک اور اس کے بانی مرزا غلام احمد کے متعلق سخت مگر حقیقت پسندانہ کلمات درج کیے۔ مسٹر کھوسلہ نے لکھا۔

”اپنی دلیل کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ ایسے ہتھیار استعمال کرتے ہیں جن کو ویسے بیان کرنا انتہائی ناخوشگوار ہوگا۔ ہر شخص کو جو ان کے دائرہ میں آنے پر رضامند نہ ہو۔ وہ مقاطعہ اور اخراج کی دھمکی دیتے ہیں اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ سخت دھمکی دیتے ہیں اور ان کے لوگوں کی تبدیلی مذہب کے عمل میں یہ دھمکیاں ہی کار فرما ہوتی ہیں۔ شاید اپنے فیصلوں کو بروئے کار لانے کے لیے قادیان میں رضا کارانہ فوج قائم کی گئی ہے۔“ (۱)

مسٹر کھوسلہ نے مزید لکھا کہ

”اپنے عقائد کی تشہیر اور اپنی جماعت کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیے احمدی (مرزا محمود کے مرید) ایسے ہتھکنڈے استعمال کرنے لگے ہیں جو عمومی طور پر قابل اعتراض خیال کیئے جاتے ہیں۔ جو لوگ ان کی راہ پر چلنے کے لیے تیار نہ ہوں ان کا سماجی و معاشی مقاطعہ ہو جاتا ہے اور انہیں قصبے یا مذہب میں سے نکال دیا جاتا ہے اور بعض اوقات انہیں خوفناک اور خطرناک نتائج کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔“ (۲)

اس فیصلے نے قادیان میں دیوانی و فوجداری عدالتوں کے قیام کی تصدیق کر دی۔ جماعت سے اختلاف کرنے والوں کو دھمکانے کے لیے نیم فوجی دستے استعمال

۱۔ پنجاب رپورٹ۔ ص 50-64۔

۲۔ ایم اے ذرونی۔ ج ۱۔ ص 46۔

ہوتے تھے۔ بھگت سنگھ، غریب شاہ اور مستزی عبدالکریم کو موت کی دھمکیاں دی گئیں۔ مولوی عبدالکریم کے ایک دوست محمد حسین کو قاضی محمد علی قادیانی نے قتل کر دیا۔ محمد امین قادیانی جاسوس جو اشتراکی روس کے خلاف وسط ایشیاء میں جاسوسی سرگرمیوں میں مصروف کار رہا تھا) کو فتح محمد سیال نے جو کہ مرزا محمود کا ایک قابل اعتماد چیلہ تھا، موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے خلاف کچھ نہ ہوا۔ قادیان کی ریاست میں پولیس بے بس تھی۔ یہ ایک متوازی حکومت تھی جس کا اپنا ایک سربراہ، ایک کابینہ اور انتظامی و عدالتی نظام تھا۔^(۱)

مسٹر کھوسلہ نے مرزا غلام احمد کے اپنے مریدوں کو لکھے گئے خطوط کی روشنی میں قادیانیت اور اس کے بانی کو بالکل مناسب جگہ پر اپنے فیصلہ میں رکھا۔ اس نے یہ اخذ کیا کہ مرزا صاحب توانائی بخش شراب ٹانک وائن کے عادی تھے اور جنسی قوت بخش ادویہ استعمال کرتے تھے۔^(۲) (اس فیصلہ کا متن اس کتاب کے آخر میں درج ہے)

کچھ باتیں حذف

کھوسلہ کے فیصلہ نے قادیان اور قادیانیت کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا۔ قادیانی فیصلے کو عدالت عالیہ میں لے آئے۔ اس مقدمہ کی سماعت جسٹس کولڈسٹریم نے کی جبکہ قادیانیوں کے مقدمہ کی پیروی سر جے بہادر سپرو نے کی۔^(۳) اس بات کے کافی شواہد موجود ہیں کہ حکومت پنجاب اور حکومت ہند قادیانیوں کی طرفدار تھیں۔ گیارہ نومبر ۱۹۳۵ء کو جسٹس کولڈسٹریم نے اپنا فیصلہ دیا۔ حکومت پنجاب اور احمدیہ جماعت کی درخواست پر سیشن جج گورداسپور کے دیئے گئے فیصلہ میں کچھ مشاہدات کو زیر دفعہ ۵۶۱۔ الف ضابطہ دیوانی حذف کرنے کے لیے کہا گیا۔ یہ مقدمہ تاج برطانیہ بنام سید عطاء اللہ شاہ بخاری رہنما مجلس احرار اسلام تھا جس سے قادیان کو کچھ تشفی ملی۔^(۴) دس ستمبر کو کھوسلہ

۱۔ ایم اے فاروقی، ج ۱، ص ۴۱ دیکھئے سرکار بنام عطاء اللہ شاہ بخاری اور کھوسلہ کا فیصلہ۔ طالع و ناشر محمد علی قادیانی۔ اسلامی پریس گوجرانوالہ۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ تفصیلات کے لیے دیکھیں۔ افضل قادیان، ۲۵-۲۷ اور ۲۸ مارچ ۱۹۳۵ء۔

۴۔ راج پوت آف دلہنچر، قادیان، دسمبر ۱۹۳۵ء۔

کے فیصلہ کے تقریباً چھتیس قابل اعتراض نکات لاہور ہائی کورٹ میں پیش کیے گئے۔ ان پر بحث کے ایک ماہ بعد حکومت پنجاب نے اپنی طرف سے ایک درخواست مرتب کی جس میں مسٹر کھوسلہ کے بیانات کی تردید کی استدعا کی گئی۔ جسٹس کولڈسٹریم نے اس کے بعض حصوں کو ”مبالغہ آمیز“ قرار دیا اور احمدیت کو ایک ”سانپ کے دانت“ کے ساتھ تشبیہ کے بارے میں کہا گیا کہ اس مقدمہ کی شہادت میں ایسا کوئی مواد موجود نہیں۔ اس نے اس اصطلاح والے پیراکو حذف کر دیا اور یہ لکھا۔

”تاہم قادیانی ان تمام بیرونی تنقیدوں سے بے خبر رہے اور اپنے آبائی علاقہ قادیان کی حفاظت میں مصروف رہے اور ان حالات میں جتنا وہ پھل پھول سکتے تھے، پھلے پھولے۔ اس امتیازی حفاظت نے جو ان کو ملی ان کے درمیان فخر پیدا کیا جو قادیانیوں میں غرور کی حد تک پہنچ گیا“ (۱)

بلا واسطہ دباؤ

احرار رہنما کبھی بھی قادیان سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز نہ آ سکے تھے۔ انہوں نے مخالفت کا ایک نیا منصوبہ سوچا۔ جولائی ۱۹۳۵ء میں انہوں نے ایک احراری کارکن محمد حنیف عرف حنیفا کو تیار کیا کہ وہ مرزا محمود کے چھوٹے بھائی مرزا شریف احمد پر حملہ کر کے اسے سرعام رسوا کرے۔ یہ منصوبہ کامیاب رہا۔ حنیف نے دن دیہاڑے بھرے بازار میں مرزا شریف کو ایک ہاکی سے پیٹا۔ احمد یوں نے ایک احراری کارکن کی اس جسارت پر اس کے خلاف پرتشدد رد عمل کا اظہار کیا۔ اس واقعہ پر غم و غصہ کے اظہار کے لیے کئی احتجاجی قراردادیں منظور کی گئیں۔ سر ظفر اللہ اپنی ماں کو لے کر وائسرائے کی رہائش گاہ پر گیا تاکہ پنجاب انتظامیہ کے زیر سایہ احمد یوں کی حالت زار کو بیان کر سکے۔ اس کی والدہ محترمہ اس کے خاندان کی پہلی خاتون تھیں جس نے مرزا غلام احمد کے ۱۹۰۴ء کے دورہ سیالکوٹ کے موقع پر ان کی نبوت کا اقرار کیا تھا۔ وہ مرزا صاحب کے بیٹوں

سے بڑا پیار کرتی اور ان کی عقیدت مند تھی۔ وائسرائے اور لیڈی ولنگٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران اس نے دہائی دی۔

”میرا احمدی جماعت سے تعلق ہے۔ مسیح موعود احمدیت کے بانی تھے۔ انہوں نے ہمیں انگریزوں سے محبت کا درس دیا اور ان کے راج کے لیے دعائیں کرنے کی نصیحت کی جنہوں نے ہمیں مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ میں ہمیشہ برطانوی راج کے لیے دعا گو رہی ہوں مگر پچھلے دو سالوں سے حکومت پنجاب ہمارے ساتھ بہت نا انصافی کا رویہ اپنائے ہوئے ہے اور ہماری جماعت اور ہمارے امام کو ایسی سختیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے کہ اگرچہ میں مسیح موعود کی نصیحت کے مطابق برطانوی راج کے لیے دعاؤں پر مجبور ہوں مگر اب ان دعاؤں میں وہ لگن یا جذبہ نہیں رہا۔ اب ہم اداں ہیں۔ چند دن پہلے ایک احراری غنڈے نے مسیح موعود کے بیٹے پر حملہ کیا جو ہمارے امام کا چھوٹا بھائی ہے۔ وائسرائے نے جواب دیا کہ یہ معاملہ پنجاب گورنر کے دائرہ اختیار میں ہے۔ قبل اس سے کہ وہ اس کے دکھوں کے مداوے کے لیے کچھ کرتا، انہوں نے لیڈی ولنگٹن کو قائل کر لیا۔ جس نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ یہ معاملہ گورنر پنجاب کے پاس اٹھائے گی اور گورنر ایمرن کو ہدایت کرے گی کہ وہ کسی بھی احمدی مخالف یا برطانوی مخالف تنظیم کے بارے میں جانبدار اندرون پر ترک کر دے۔“ (۱)

ظفر اللہ کہتا ہے کہ

”لیڈی ولنگٹن کا اپنے خاوند پر بڑا اثر تھا۔ وہ میرے (ظفر اللہ کے) لیے بھی اتنی ہی قابل احترام تھی اور اس کی والدہ کے ساتھ بھی بڑی شفقت سے پیش آتی اور اپنے خاوند کی ریٹائرمنٹ کے بعد کئی سالوں تک اس کے ساتھ تعلقات قائم رکھ کر اسے سرفراز کرتی رہی۔“ (۲)

یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ لارڈ ویلنگٹن اپنی کامیابی کی بڑی وجہ اپنی

۱۔ سر ظفر اللہ خان۔ ”میری والدہ“ لاہور۔ بار سوم ۱۹۷۱ء ملور انٹرنل ۵ دیاں ۲۲ مئی ۱۹۳۶ء ظفر اللہ کی ماں کی وفات پر مرزا محمود کا خطاب۔

۲۔ سر ظفر اللہ۔ سرنٹ آف گاؤ۔ ص ۹۳۔

بیوی (دھوپ) کو قرار دیتا تھا۔ وہ اپنے خاوند سے نو سال چھوٹی تھی۔ اسکی لوگوں کو گانٹھنے کی صلاحیت اپنے خاوند سے کہیں زیادہ تھی۔ ایک دفعہ اس نے یہ تسلیم کیا کہ آج تک وہ کسی ایسے شخص سے نہیں ملی جسے وہ پہلی ہی دفعہ اپنے ششے میں اتارنے میں کامیاب نہ ہوئی ہو۔^(۱)

جو نز لکھتا ہے کہ

”اگرچہ لوگ لیڈی ویلنگڈن کو سراہتے تھے مگر کئی ایسے تھے جو اس کے خود پرستانہ اور غیر شائستہ طریقوں کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ایک دفعہ وائسرائے کی ایک دعوت میں ایک اعلیٰ افسر کو بڑا اطمینان ہوا جب وائسرائے کی بیوی کھانے کے کمرے سے جانے کے لیے اٹھی تو اس نے اپنا رومال ہوا میں پھینک کر زور سے کہا ”دھوپ“ اس کے اس طرز عمل پر سزا کے طور پر اسے اپنے عہدے کی سند ایک تقریب میں دینے کی بجائے ایک چڑاسی کے ذریعہ دی گئی۔“^(۲)

انگریزوں کو یہ فکر لاحق تھی کہ احرار قوت پکڑ کر ایک حقیقی خطرہ بنتے جا رہے

تھے۔

”آنے والے دنوں اور ہفتوں میں انگریزوں نے قادیان کی سرگرمیوں کا احتیاط سے جائزہ لیا اور اپنے اور احمدیوں کے درمیان مزید تناؤ پیدا کر لیا۔ بڑھتی ہوئی سیاسی بیداری اور قادیانی تحریک کا سیاست میں طوٹ ہونا اس وقت ظاہر ہو گیا جب احمدیوں نے پنجاب قانون ساز اسمبلی کے لیے اپنے امیدوار کھڑے کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ قدم ظاہری طور پر ان سیاسی سرگرمیوں کے خلاف تھا جس میں احرار پہلے ہی ملوث تھے۔“^(۳)

قادیانیوں نے لندن کے سیاسی حلقوں میں اپنی وفاداری کی بنیاد پر حکومت پنجاب اور امیر سن کو بدنام کرنے کی مہم شروع کی۔ تخریبی مہم سے تنگ آ کر گورنر پنجاب

۱۔ مارک ٹولس جوز۔ ہندوستان کے وائسرائے۔ سینٹ مارٹن پریس نیویارک ۱۹۸۲ء ص ۲۸۴۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ جنوری ۱۹۳۵ء کے پہلے نصف کے بارے میں پنجاب کی صورت حال پر خیرہ اطلاع تحقیقات کی تفصیلات دستاویز نمبر ایچ ڈی نمبر ۷۔ ۳۴/۱۲۸۔ سیاسی میں درج ہیں۔

ایمرن نے سر ظفر اللہ کو جو حکومت اور جماعت کے مابین اہم رابطے کا کام کر رہا تھا یہ ترغیب دی کہ وہ مرزا محمود اور حکومت پنجاب کے درمیان غلط فہمیوں کو دور کرنے میں مدد کرے۔ وہ ان دونوں میں ماضی کے تعلقات کی بحالی میں مکمل طور پر کامیاب رہا۔ تاہم بعد کے واقعات نے یہ ظاہر کر دیا۔ جیسا کہ ظفر اللہ کہتا ہے کہ

”تحریک احمدیت کے منصوبوں کے متعلق گورنر کے جنی شبہات مکمل طور پر دور نہ ہوئے

تھے۔“ (۱)

اگرچہ حکومت پنجاب نے احرار کو پوری طرح دبایا تھا مگر احرار رہنماؤں نے ایک اور منصوبہ تیار کیا جس کا مقصد قادیانیوں کو کھلی لڑائی کے لیے تیار کرنا تھا مگر مسجد شہید گنج کے بد قسمت واقعہ نے حالات کا پلٹا ایک دفعہ پھر قادیان کے حق میں کر دیا تھا۔ مسجد شہید گنج کے مسئلے پر پنجاب میں مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان تصادم ہوا۔ احرار نے اس تحریک میں حصہ نہ لیا۔ ۱۹۳۵ء میں سکھ مسلم فسادات نے حکومت پنجاب کو ہلا کر کر رکھ دیا۔ مرزا محمود نے شہید گنج کے واقعہ کو احرار قیادت کو بدنام کرنے اور ان کی کردار کشی کرنے میں بڑی ہوشیاری دکھائی۔ قادیانیوں نے احرار رہنماؤں کے خلاف وسیع پروپیگنڈہ مہم چلائی۔ اس کے لیے انہوں نے زر کثیر صرف کیا بلکہ ستمبر ۱۹۳۵ء میں جوش خطابت میں ان کو ”مبہلہ“ کی دعوت دے ڈالی جسے انہوں نے بڑی خوشی سے قبول کر لیا۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں مرزا محمود نے اپنی اس للکار کو پھر دہرایا۔ ایک شاطرانہ انداز سے یہ جاننے کے لیے کہ مسلمان احمدیوں کے متعلق کیا سوچتے ہیں اور احرار کی مقبولیت اور ان کی ہر دلعزیزی کا درجہ کیا ہے، مبہلہ کا چیلنج کر دیا گیا۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مقصود تھا کہ احرار مخالف مہم چلانے میں قادیانیوں کو کن مسائل کا سامنا ہوگا۔ پہلے قدم کے طور پر قادیانیوں نے اتحاد ملت پارٹی (نئی پوش) کے کارکنوں کو ہر ممکن تعاون مہیا کیا۔ اس پارٹی کی قیادت مولانا ظفر علی خان کے پاس تھی۔ مولانا شہید گنج کے معاملے میں احرار کے خلاف ہو چکے تھے۔ ان تمام مشکلات کے باوجود احرار نے قادیانیوں سے مبہلہ

کے لیے تیس نومبر ۱۹۳۵ء کی تاریخ مقرر کر دی اور اعلان کر دیا کہ وہ قادیان جا کر خلیفہ کی رہائش کو زمین بوس کر دیں گے۔ دراصل ”مہبلہ مہم“ کے نام سے وہ قادیان میں ایک اور احرار کانفرنس منعقد کرنا چاہتے تھے۔ اپنی آتش بیانی سے وہ ایک بار پھر عوامی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ سب کچھ مرزا محمود احمد کو دہشت زدہ کرنے کے لیے کافی تھا جو احرار کے مقاصد سے بخوبی آگاہ تھے۔ اپنی للکار کی حماقت کا انہیں جلد اندازہ ہو گیا اور انہوں نے مہبلہ کے نام سے احرار کے ساتھ براہ راست مناقشے سے بچنے کے لیے حکومت پنجاب سے مدد کی التجا کی۔ تاہم انہیں یہ احساس تھا کہ اگرچہ احرار نے شہید گنج مسجد کی تحریک میں حصہ نہ لے کر اپنی مقبولیت کم کر دی تھی، مگر پھر بھی وہ ختم نبوت کے نام پر عوام کو اپنی طرف موڑ کر راغب کر سکتے تھے۔ حکومت پنجاب نے قادیان اور اس کی اطراف میں عوامی اجتماعات پر پابندی عائد کر دی۔ قادیان کے قرب و جوار میں نماز جمعہ پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ احرار رہنماؤں نے یہ پابندی مسترد کر دی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مورخہ چھ دسمبر ۱۹۳۵ء کو گرفتاری دے دی۔ اس کے بعد ہر جمعہ پر علی الترتیب چار ممتاز علماء مولانا ابو وفا شاہ جہانپوری، مولانا محمد حسین سیفی، مولانا بشیر احمد اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے دفعہ ۱۳۳ کو توڑا اور گرفتار ہوئے۔ پانچ جنوری ۱۹۳۶ء کو حکومت پنجاب کو قادیان میں جمعہ کے اجتماعات پر سے پابندی اٹھانی پڑی۔ مولانا لال حسین اختر نے اس یادگار نماز جمعہ کی امامت کی اور بڑے دلکش انداز میں قادیانی ارتداد کو لٹاڑا۔^(۱)

قادیانی اور کانگریس

کانگریس کی قیادت جانتی تھی کہ قادیانی برطانیہ کے پروردہ عناصر ہیں۔ وہ ہمیشہ غیر ملکی حکمرانوں کے وفادار اور اپنے مطمح نظر میں بڑے رجعت پسند ہیں۔ انہیں احساس تھا کہ مسلمان ان کے مذہبی عقائد اور سیاسی نظریات کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔ وہ ایک ایسا گروہ ہیں جنہیں مسلمانان عالم نے اسلام سے خارج کر دیا ہے۔ بعض کانگریسی رہنما احمدیوں کو خاص وجوہات کی بناء پر مختلف تناظر میں دیکھتے تھے۔ اس کی بنیاد سیاسی تھی۔ چونکہ قادیانی ہندوستان میں پیدا ہوئے اور پھلے پھولے اس لیے یہ ایک سودیشی (قومی) تحریک تھی اور بھارت ماتا کی دھرتی سے اٹھی تھی۔ اسلام کی طرح بدیشی نہیں تھی۔ ان کانگریسی زعماء نے اس کے ذریعے اسلام کو ہندوستانی رنگ میں رنگنے کی طرح ڈالی۔ ان کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کی مکہ اور مدینہ کی محبت کو قادیان کی محبت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں قوم پرستی کے رجحانات کو ابھرتے دیکھ کر کچھ انتہا پسند ہندوؤں نے ہندوستان میں قادیانیت کی ترقی کو سراہا۔ دراصل ۱۹۲۷ء کے آخر سے قادیانی زعماء ایک ”قومی پیغمبر“ کے نظریے کے پرچار میں لگے ہوئے تھے اور لوگوں کو دعوت دے رہے تھے کہ وہ ”قادیان کے احمد“ پر ایمان لے آئیں تاکہ اپنے قومی پیغمبر پر ایمان لانے سے ان کی نجات ہو جائے۔ مفتی محمد صادق ناظر امور خارجہ نے یہ نظریہ نہ صرف ہندوستان بلکہ امریکہ میں بھی پیش کیا۔^(۱)

ایک ہندو قوم پرست ڈاکٹر شکر داس مہرہ کا کہنا تھا کہ تحریک احمدیت نے ہندوستان میں قومی مقاصد حاصل کرنے کے لیے بنیاد فراہم کی ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں سے عربی پیغمبر (ﷺ) کی محبت کو محو کرنے کی کوشش کی ہے۔ جتنی احمدیوں کی تعداد بڑھے گی اتنا ہی ہندوستانیوں کی زیادہ تعداد قادیان کو اپنے مکہ کی طرح سمجھیں گے اور ہندوستان کی محبت ان کے دلوں میں بڑھے گی۔ مکہ اور مدینہ ان کے لیے محض روایتی شہر بن کر رہ جائیں گے۔ ہر قادیانی خواہ وہ عرب، ترکی، ایران یا دنیا کے کسی بھی کونے میں رہتا ہو، روحانی ہدایت اور سکون کے لیے قادیان کی طرف رخ کرتا ہے۔ ارض قادیان اس کے لیے ارض نجات ہے۔ اسی میں ہندوستان کی مہانتا (بڑائی) مضمر ہے۔ اس تحریک کا بانی بھی ایک ہندوستانی تھا اور اس کے تمام جانشین جو اس کڑے وقت میں فرقہ کی رہنمائی کر رہے ہیں، تمام ہندوستانی ہیں۔^(۱)

ڈاکٹر شکر داس نے اپنے طویل مضمون میں قادیانیت کے خلاف مسلمانوں کے رد عمل کا تجزیہ کرتے ہوئے بالآخر یہ نتیجہ نکالا۔

”مسلمان جانتے تھے کہ قادیانیت عربی تہذیب اور اسلام کے خلاف ہے۔ تحریک خلافت کے دوران قادیانیوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا کیونکہ وہ ترکی یا عرب کے بجائے خلافت قادیان میں قائم کرنا چاہتے تھے۔ تاہم یہ عام مسلمان کے لیے مایوس کن ہو سکتا ہے جو اتحاد عالم اسلامی یا اتحاد عالم عربی کا خواب دیکھتا ہے۔ مگر ایک قوم پرست کیلئے یقیناً بہت خوش کن ہے۔“^(۲)

قادیانیت بے نقاب

قادیانی تحریک کے لیے بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے وسطی سال بڑے شدید تھے۔ ”زمیندار“ لاہور میں مولانا ظفر علی خان کی خوبصورت استعاروں سے پر نظمیں اور درخشندہ تحریریں اور گھفٹہ نظمیں اور مضامین شائع ہو رہے

۱۔ مولانا الیاس مدنی۔ ”قادیانی مذہب“ ص 67 ڈاکٹر ظفر داس مہرہ کا بندے مازم میں مضمون۔ لاہور 22 اپریل 1932ء۔
۲۔ ایضاً۔

تھے۔ روزنامہ ”سیاست“ لاہور کے مدیر سید حبیب جلاپوری^(۱) اور ایک ریٹائرڈ جج مرزا ظفر علی نے قادیانی عقائد پر تنقید کی۔ قادیانیوں کے خلاف بہاولپور کے عدالتی فیصلے اور جی ڈی کھوسلہ کے فیصلے نے عوامی رائے عامہ پر گہرا اثر چھوڑا۔ ان باتوں سے قادیانیوں کو خاصا رسوا ہونا پڑا۔ احرار کے شعلہ بیان مقررین نے قادیانیوں کے مذہبی اور سیاسی منصوبوں کو بے نقاب کرنے کے لیے ملک کے مختلف حصوں کے دورے کیے۔

قادیانیت کی سب سے بہترین پردہ کشائی ڈاکٹر محمد اقبال نے کی۔ انکے متاثر کن بیانات اور زبردست علمی و عقلی دلائل نے سامراجیت کی اس آلہء کار سیاسی و مذہبی تنظیم کی خوب پردہ درسی کی۔ علامہ اقبال کو کس چیز نے قادیانیت کے خلاف اس جہاد پر ابھارا۔ یہ سمجھنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔

ڈاکٹر اقبال قادیانیت کے آغاز سے اس سے ایک حد تک واقف تھے۔ جماعت احمدیہ لاہور کے امیر مولوی محمد علی کے مطابق ۱۹۰۸ء میں انہیں سر فضل حسین کے ہمراہ مرزا غلام احمد سے ملاقات کرنے کا موقع ملا تھا۔ سر فضل حسین نے مرزا غلام احمد سے پوچھا کہ جو لوگ انکے دعوؤں کو نہیں مانتے وہ کافر ہیں؟ مرزا صاحب نے نفی میں جواب دیا۔ احمدیت ان کے خاندان میں سرایت کر گئی تھی۔ ان کے والد اور بڑے بھائی احمدیت سے متاثر ہو گئے تھے۔ اگرچہ بعد میں ان کے والد گرامی نے اپنے آپ کو قادیانیت سے مکمل طور پر لاتعلق کر لیا۔ ڈاکٹر اقبال نے کبھی قادیانیت قبول نہ کی تھی۔ وہ اس تحریک کے ابتدائی دنوں میں اس کے متعلق کسی حد تک نرم رویہ رکھتے تھے کیونکہ اس کی اصلیت اس وقت تک مکمل طور پر ظاہر نہ ہوئی تھی۔ تیسری دہائی کے ابتدائی سالوں میں علامہ اقبال پوری طرح جان چکے تھے کہ قادیانی ہندوستان اور تحریک کشمیر میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں اور ان کے سیاسی عزائم کیا ہیں۔ وہ خود آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے رکن تھے اور کمیٹی میں مرزا محمود کی صدارت کے ایک بڑے تائید کنندہ تھے تاکہ مناسب

۱۔ سید حبیب جلاپوری روزنامہ سیاست لاہور نے اپریل۔ اگست ۱۹۳۳ کے دوران اپنے اخبار میں قادیانیت پر سلسلہ وار مضامین لکھے۔

برطانوی مداخلت سے کشمیریوں کے لیے مہاراجہ کے ساتھ کوئی معاملہ طے پاسکے۔ چند ماہ میں ہی انہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ احمدیت کا چہرہ بڑا مکروہ ہے جو اس نے جذبہ ایثار کے بہرہ وپ میں چھپا رکھا ہے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ اس تحریک کے خطرناک اثرات نہ صرف ہندوستانی مسلمانوں بلکہ پورے عالم اسلام پر پڑیں گے۔ انہوں نے اس تحریک کی پچھلی پچاس سالہ کارکردگی (۱۹۳۵-۱۸۸۰ء) میں جس طرح یہ تبدیلی کے مراحل سے گزری اس کا اصل چہرہ دیکھا۔ اور ایک تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے انہوں نے اسے ایک اسلام مخالف، رجعت پسند اور مذہبی احیاء کے باریک ظاہری پردے کے بھیس میں سامراج نواز تنظیم پایا۔

گورنر پنجاب کی ایک تقریر نے علامہ اقبال کو قادیانیت پر اظہار رائے کا فوری موقع فراہم کر دیا۔ گورنر نے مذہبی معاملات میں رواداری کا پرچار کیا تھا۔ دراصل وہ احمدیت کے خلاف احرار کے شدید رد عمل کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ دسمی ۱۹۳۵ء کو علامہ اقبال نے پریس کو قادیانی مسئلہ کے سیاسی و سماجی مضمرات سے متعلق اپنا تاریخی بیان جاری کیا۔^(۱) انہوں نے وضاحت کی کہ ہندوستان میں اسلامی معاشرہ کے وجود کی بنیاد صرف اس کا مذہبی نظریہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام کے اندر سے نکلے اور اپنی بنیاد کے لیے ایک نئی نبوت کا دعویٰ کرے اور جو اس کی مبینہ وحی کا انکار کرے۔ ان مسلمانوں کو وہ کا فر قرار دے تو پھر ہر مسلمان کو اسے استحکام اسلام کے لیے ایک شدید خطرہ خیال کرنا چاہئے۔ ایسا لازمی طور پر ہونا چاہیے کیونکہ اسلامی معاشرے کا استحکام صرف نظریہ ختم نبوت سے ہی محفوظ بنایا جاسکتا ہے۔

انہوں نے موبدانہ (یہودی، عیسائی، پارسی وغیرہ) تمدن میں اجرائے نبوت کے نظریے کی نوعیت بتاتے ہوئے اسے زرتشتی، یہودی، عیسائی، کلدانی اور صابی مذاہب سے ثقافتی طور پر منسلک قرار دیا۔ انہوں نے یہ دلیل دی کہ مذہبی مہم جوؤں نے

۱۔ قادیانیت اور رائج اعتقاد مسلمان اقبال کے بیانات اور تقریریں۔ تدوین اور ترتیب: لطیف احمد شریوانی۔ اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور۔ ۱۹۷۳ء

نبوت کی بناء پر نئے مذاہب قائم کیئے اور لوگوں کو ہمیشہ انتظار کی کیفیت میں رکھا۔ اسلام کسی صورت میں ان تحریکوں سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتا۔

علامہ اقبال نے قادیانیت کی نسبت بہانیت کو زیادہ مخلص قرار دیا کیونکہ بہائی اسلام سے کھلے طور پر باغی ہیں جبکہ قادیانی بظاہر اسلام کے اہم معتقدات کو برقرار رکھتے ہوئے اندرونی طور پر اس کی روح اور فلسفے کے بالکل مخالف ہیں۔ احمدیت کا ایک حاسد خدا کا تصور جس کے پاس اس کے مخالفین کے لئے لاتعداد زلزلوں اور بیماریوں کا نہ ختم ہونے والا ذخیرہ ہے، ایک پیش گوئی کرنے والے نجومی کے طور پر نظریہ نبوت، اس کا روح مسیح کے تسلسل کا عقیدہ وغیرہ اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتا ہے گویا یہ تحریک یہودیت ہی کی طرف رجوع ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے مغرب کے نظریہ رواداری پر تنقید کی اور واضح کیا کہ برطانوی ہند میں مسلمان معاشرے کا استحکام اس یہودی معاشرے کے استحکام سے بھی زیادہ غیر محفوظ ہے، جو رومیوں کے دور اقتدار میں حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ ہندوستان میں کوئی بھی مذہبی مہم جو ایک نیا دعویٰ کر سکتا ہے اور اپنی اغراض کے لئے ایک نیا مذہبی گروہ تشکیل دے سکتا ہے اگر وہ حکومت کو اپنی وفاداری اور اس کے پیروکار ٹیکس دینے کا یقین دلا دیں۔ انہوں نے حکومت کو یہ تجویز پیش کی کہ وہ قادیانیوں کو ایک علیحدہ اقلیت قرار دے جو کہ قادیانیوں کے مذہبی معتقدات اور ان کی پالیسی سے مطابقت رکھتا ہے۔ آخر میں یہ نتیجہ نکالا کہ ”ہندوستانی مسلمان انہیں اسی طرح برداشت کر لیں گے جس طرح وہ دوسرے مذاہب کو کر رہے ہیں۔“ (۱)

مسلمانان ہند نے ڈاکٹر اقبال کی تجویز کا خیر مقدم کیا مگر لاہوری اور قادیانی جماعت کے عذر خواہوں کی جانب سے اس پر تنقید شروع ہو گئی۔ (۲) مرزا محمود نے اپنا

۱۔ تقاریر اور تحریریں۔ ص ۱۷۳۔

۲۔ الفضل قادیانی ۱۵ مئی ۱۹۳۵ء میں امیر عالم بیٹا لوی کا مضمون (ریپوبلیک آف ریپبلک قادیانی) کا جولائی ۱۹۳۵ء کا شمارہ پیغام صلح لاہور کے مئی اور جون ۱۹۳۵ء کے شمارے۔

جو بیس مئی ۱۹۳۵ء کا خطبہ جمعہ ڈاکٹر اقبال کے بیان پر صرف کر دیا۔^(۱) اس میں تمام غیر متعلق اور غیر منطقیانہ تبصرے تھے جن میں کوئی قابل ذکر دلیل موجود نہ تھی۔ نیچے مرزا صاحب نے ایک مضمون لکھا^(۲) جس میں ایک احمقانہ تکرار کے ساتھ اپنے روایتی قادیانی دلائل پر تکیہ کیا۔ قدرتی طور پر یہ طرز عمل ان کے موقف کے خلاف گیا۔ امیر جماعت لاہور مولوی محمد علی نے بھی اپنے نرم موقف پر مبنی ایک جواب لکھا اور اپنی جماعت کے وجود کا کھوکھلا جواز پیش کیا۔^(۳)

ہندوستانی پریس نے اسلام کے سیاسی ڈھانچے سے قادیانیوں کی علیحدگی پر اپنے موقف اور تبصرے شائع کرنا شروع کر دیے۔ سٹیٹسمن کلکتہ نے اپنے چودہ مئی ۱۹۳۵ء کے شمارے میں علامہ اقبال کے بیان پر ایک ادارہ لکھا۔ اس ادارے میں اٹھائے گئے سوالات پر علامہ اقبال نے بڑا متاثر کن جواب دیا۔ انہوں نے لکھا کہ قادیانیوں کے سامنے صرف دو راستے ہی کھلے ہیں۔ یا تو بلا تکلف بہائیوں کی پیروی کریں یا پھر اپنے نظریہ ختم نبوت پر اصرار نہ کریں اور اس نظریہ کو اس کی مکمل اصلیت کے ساتھ قبول کریں۔ قادیانی اپنے سیاسی مفادات کے حصول کی خاطر اور حکومت کی خدمت کیلئے اسلام کے دائرہ کے اندر رہنے پر مصر ہیں کیونکہ ان کی تعداد اس قدر کم ہے کہ وہ قانون ساز مجلس کیلئے ایک سیٹ بھی حاصل کرنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ انہوں نے حکومت پر زور دیا کہ وہ قادیانیوں کو علیحدہ جماعت قرار دینے کے لیے ضروری اقدامات کرے اور ان کی طرف سے رسمی مطالبہ کا انتظار نہ کرے۔ آخر ۱۹۱۹ء میں حکومت برطانیہ نے ہندوؤں سے سکھوں کی علیحدگی کے مسئلے پر کسی مطالبے کا انتظار نہیں کیا تھا۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ آخر حکومت قادیانیوں کی طرف سے کسی رسمی مطالبے کی منتظر کیوں ہے؟^(۴)

۱۔ دیکھئے الفضل قادیان 30 مئی 1935ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 18 جولائی 1935ء۔

۳۔ دیکھئے محمد علی۔ اقبال اور قادیان لاہور ایڈیشن 1987ء حریہ دیکھئے اختر حسین گیلانی۔ تحریک احمدیت اور علامہ اقبال۔ انجمن احمدیہ لاہور 1944ء۔

۴۔ تقاریر اور تحریریں۔ ص 173-174۔

احمدیہ لٹریچر کا ایک تنقیدی جائزہ^(۱) یہ امر منکشف کرتا ہے کہ قادیانی کبھی بھی ڈاکٹر اقبال کے قوی دلائل یا احمدیہ تحریک پر ان کے حقیقت پسندانہ تجزیے اور عالم اسلام پر اس کے مضمرات کو جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکے۔ اصل معاملہ سے کئی کتراتے ہوئے علامہ اقبال کے ناقد قادیانیوں نے وقتاً فوقتاً ان پر بے جا الزامات عائد کیئے اور زیادہ تر اس قسم کی گویہ افشائیاں ان کی وفات کے بعد منظر عام پر آئیں۔ ”زندہ رود“^(۲) میں اقبال کے ہونہار فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال نے ان تمام الزامات کی مناسب انداز میں تردید کر دی ہے جو کہ عظیم شاعر اور مفکر اسلام کی حیات و نظریات پر ایک عمدہ تقابلی جائزہ پیش کرتی ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ایک وقت میں علامہ اقبال نے مرزا غلام احمد کو ہندوستان کا ممتاز ترین دینی ”مفکر“ قرار دیا تھا۔^(۳) مگر یہ ۱۹۰۰ء کی بات ہے جب مرزا صاحب نے کھلے عام نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور وہ بڑی مہارت سے اس نظریے کے درجہ قبولیت کو پرکھنے کے لیے اس کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

ڈاکٹر اقبال نے یہ خیالات عبدالکریم البیلانی کے پیش کردہ ”نظریہ وحدت الوجود“ پر بحث کرتے ہوئے ایک رسالے میں تحریر کیئے۔ یہ مضمون ۱۹۰۰ء میں بمبئی کے ”دی انڈین اینٹی کونیٹی“ میں شائع ہوا تھا۔ سر رچرڈ ٹمپل کی ادارت میں چھپنے والا یہ رسالہ مشرقیت پر تحقیق پیش کرتا تھا۔

تقریباً ایک دہائی کے بعد ۱۹۱۱ء میں علامہ اقبال نے سترپچی ہال علی گڑھ میں اپنے خطاب میں قادیانیت کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا۔

”پنجاب میں مسلم گھرانے اس میں فرقہ قادیانی کی صحبت میں گمراہ اظہار کیا ہے۔“^(۴)

یہ خطاب بعد میں ”مسلمان معاشرہ۔ ایک عمرانی مطالعہ“ کے زیر عنوان چھپا اور اسے اردو زبان میں ”ملت بیضاء پر ایک عمرانی نظر“^(۱) کے عنوان سے مولانا ظفر علی

۱۔ دیکھئے الفضل قادیان ۲۵ فروری ۱۹۳۶ء، پروجیکٹ پبلشر قادیان مارچ ۱۹۳۶ء، تاریخ احمدیت جلد ۸۔

۲۔ ڈاکٹر جاوید اقبال۔ زندہ رود جلد ۱۱۲ اور۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد ۸ ص ۱۸۹۔

۴۔ ایضاً۔

خان نے مختل کیا۔ اس پر مغز خطاب میں علامہ اقبال نے قادیانی فرقے کو مندرجہ ذیل حوالے سے مخاطب کیا۔

”ہمارا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کے لیے ایک تواتر حیات حاصل کر لیں اور اس کا ایسا کردار بن جائے جو کسی بھی قیمت پر اسی سے وابستہ رہے اور جو اس کی پسندیدہ روایات اور اداروں میں جو کچھ بھی بھلایا برا ہے مکمل طور پر اپنے آپ میں جذب کر لے۔ ہندوستان میں مسلمان معاشرے کے ایک محتاط مطالعہ سے یہ نکتہ ظاہر ہوتا ہے جس پر معاشرے کی اخلاقی اقدار کی تمام لکیریں سمٹ رہی ہیں۔ پنجاب میں مسلم انداز تشخص اس سبب قادیانی فرقے کی صورت میں ظاہر ہوا ہے جبکہ صوبہ جات متحدہ میں تھوڑے سے علمی ماحول کے فرق کی وجہ سے اس قسم کے ضروری کردار کو ایک بلند شاعرانہ آواز (اکبر الہ آبادی) نے بیان کر دیا ہے۔“ (۲)

۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر اقبال نے اپنے اس خطبے میں اہم تبدیلیاں کیں اور اس کے متن پر نظر ثانی کی۔ ان کا تشریحی حاشیہ قادیانیت کے متعلق دلچسپ تجزیہ پیش کرتا ہے۔ قادیانی ان کے خطاب کو ہمیشہ اپنے مقصد کے لیے حوالے کے طور پر پیش کرتے ہیں جبکہ اس حاشیہ کو وہ حذف کر جاتے ہیں جو سب سے آخر میں علامہ اقبال نے اس پر لکھا تھا۔ ڈاکٹر اقبال واضح کرتے ہیں۔

”یہ خطبہ ۱۹۱۱ء میں علی گڑھ میں دیا گیا۔ ۱۹۱۱ء سے اس تحریک کی روح کے انکشافات کی روشنی میں قادیانیوں کے بارے میں بیانات پر نظر ثانی ہونی چاہئے۔ بیرونی طور پر قادیانی اب بھی مسلمان ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ بے شک وہ ظاہری اطوار میں بڑے کٹر ہیں مگر ان کی تحریک کی روح جو اکثر منکشف ہوتی ہے وہ مکمل طور پر اسلام کے خلاف ہے۔ ظاہری طور پر وہ مسلمان بنتے ہیں اور ایسا نظر آنے میں بڑے فکر مند رہتے ہیں مگر اندرونی طور پر ان کی ذہنیت مکمل طور پر مجوسی ہے۔ یہ اغلب امکان ہے کہ یہ تحریک حتیٰ

طور پر بہائیت میں ضم ہو جائے جہاں سے اس نے فکری قوت حاصل کی ہے۔“ (۱)
 جہاں تک قادیانی واہموں کا تعلق ہے علامہ کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں
 کہ رابع صدی قبل وہ اس تحریک سے اچھے نتائج کی توقع رکھتے تھے۔ انہوں نے واضح کیا
 کہ مسلمان اکابر جیسے مولوی چراغ علی نے بانی تحریک کے ساتھ تعاون کیا تھا اور کتاب
 ”برائین احمدیہ“ کے لیے عظیم خدمات سرانجام دیں۔

”مگر کسی بھی تحریک کی اصلی روح اور اس کے اجزاء ایک دن میں ظاہر نہیں ہوتے۔ یہ
 اپنے آپ کو ظاہر کرنے میں دہائیاں لے جاتے ہیں۔ اس تحریک کے اندر دو فریقین کی
 محاربت اس حقیقت کی شاہد ہے کہ وہ لوگ بھی جو اس کے بانی کے قریبی حلقہ سے تعلق
 رکھتے تھے اس بات سے بے خبر تھے کہ یہ تحریک کس طرح ظہور پذیر ہوگی؟ ذاتی طور پر
 اس تحریک سے میں اس وقت بدظن ہوا جب اس میں ایک بانی اسلام ﷺ سے بھی برتر
 نبوت کا دعویٰ پیش کیا گیا اور مسلمانان عالم کو کافر قرار دے دیا۔“ (۲)

بعد میں میرے شکوک ایک مثبت بغاوت میں تبدیل ہو گئے جب میں نے اپنے کانوں
 سے تحریک کے ایک پیروکار کو پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں بڑی تحقیر آمیز زبان
 استعمال کرتے سنا۔ درخت اپنی جڑ سے نہیں پھل سے پچھتا جاتا ہے۔ اگر میرا موجودہ
 رویہ متضاد ہے تو ٹھیک ہے ایک زندہ اور فہم رکھنے والے شخص کا یہ استحقاق ہے کہ وہ اپنے
 پہلے نظریے کو بدل لے۔ جیسا کہ ایمرن کا قول ہے کہ ”صرف پتھر ہی اپنی تردید نہیں
 کرتے۔“ (۱)

علامہ اقبال کی کردار کشی کے لیے قادیانی ناقد یہ الزام لگاتے ہیں کہ ۱۹۳۵ء

۱۔ دہخدا محمد اقبال۔ ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء) (دیکھئے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ تصانیف اقبال ص ۴۴۹ ڈاکٹر اقبال نے یہ حاشیہ اپنے قلم سے لکھا تھا اس
 کی فوٹو کاپی ڈاکٹر ہاشمی کی کتاب سے ملاحظہ کی جاسکتی ہے اس کا اصل مسودہ علامہ اقبال میوزیم لاہور میں ہے۔ (ایم ایس نمبر ۲۰۸ اے۔
 ایم/۱۹۷۲ء)

۲۔ صدر۔ ۵ دیان ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء) مرزا صاحب کا ایک ساتھی قاضی عبود اکل اس کے بارے میں اپنے اشعار میں بیان کرتا ہے کہ ”محمد بکر مرزا
 آئے ہیں۔ اور آگے سے میں بڑھ کر اپنی شان میں محمد دیکھتے ہوں جس نے اکل۔ غلام احمد کو دیکھے قادیان میں۔ مرزا دعویدار تھا کہ اس کے
 معجزات حضرت محمد ﷺ کے معجزات سے بڑھ گئے ہیں۔ (تحدہ کلڈویہ ص ۴۰ اور برائین جلد ۵ ص ۵۰) مرزا عبود کہتا ہے پیغمبر ﷺ سے بھی
 اعلیٰ درجہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (معاذ اللہ) مگر ابھی تک کوئی بھی ان سے آگے بڑھنے کے قابل نہیں ہوا۔ (۱۱ فروری ۱۹۴۴ء) کو مرزا عبود کا
 خطاب اخبار الفضل قادیان۔

میں علامہ اقبال پنجاب ہائی کورٹ کے جج بننے کے خواہش مند تھے مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر انہوں نے وکالت چھوڑ کر کشمیر کی سٹیٹ کونسل میں ملازمت کی کوشش کی۔ وہ اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ ۱۹۳۵ء میں پھر ایک اور موقع آیا جب وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں سر فضل حسین کی نشست خالی ہو گئی۔ علامہ اقبال اس کونسل کے ممبر بننا چاہتے تھے مگر سر فضل حسین کی سفارش پر انگریزوں نے اس پر وقار عہدہ کی پیشکش سر ظفر اللہ کو کر دی۔ قنوطیت کے عالم میں اور احرار کے اثر خصوصاً سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ترغیب پر انہوں نے احمدیت پر شدید حملے شروع کر دیئے۔^(۲)

”بلاشبہ یہ علامہ اقبال کا حق تھا کہ انہیں پنجاب ہائی کورٹ میں جج کے عہدہ پر مقرر کیا جاتا مگر وہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس شادی لال کے متعصبانہ رویہ اور فرقہ واریت کی پالیسی کا شکار ہو گئے۔“ اس وقت کے وقوع پذیر ہونے والے تمام واقعات کے چشم دید گواہ کے۔ ایل گا با اپنی پر معنی خود نوشت سوانح عمری میں بیان کرتے ہیں کہ ڈاکٹر اقبال کو عدالت عالیہ پنجاب کی ججی کیلئے یقینی امید وار خیال کر لیا گیا تھا۔ کئی دفعہ توقع کی گئی کہ انکا نام آگے پیش کیا جائے گا مگر چیف جسٹس سر شادی لال کی اپنی ایک تنگ نظر فرقہ وارانہ حکمت عملی تھی۔ وہ اہم مسلمانوں کا عدالت عالیہ کے جج میں تقرر نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے غیر معروف مسلمانوں کو منتخب کیا۔ مثلاً اس نے ایک ڈسٹرکٹ جج مرزا ظفر علی کو چنا جسے عرف عام میں لوگ ان کی سادگی کے باعث ”ڈفر علی“ کہتے تھے۔ شادی لال اسے پسند کرتا تھا۔ ایک اور آغا حیدر تھے جسے وہ صوبہ جات متحدہ سے لے کر آیا کیونکہ شادی لال کے مطابق اسے پنجاب سے کوئی مناسب شخص نہ مل سکا جس کا بطور جج تقرر کیا جاسکے۔“^(۳)

سر شفیع شادی لال کا مربی تھا۔ جب وہ پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس مقرر ہوا تو اس نے ناشکری کا مظاہرہ کرتے ہوئے میاں خاندان کی مخالفت کی۔ خصوصاً

۱۔ تقاریر اور تقریریں۔ ص 169۔
۲۔ دیکھئے ایضاً ”مظلوم اقبال اور ڈاکٹر جادو“ اقبال زندہ رود۔
۳۔ کے ایل گا۔ دوست اور دشمن۔ جیل پبلشنگ ہاؤس لاہور۔ ص 164۔

میاں شاہنواز جو میاں شفیع کا داماد تھا۔ علامہ اقبال شاہنواز کے اچھے دوست تھے۔ شادی لال نے علامہ اقبال کو اس معاملے میں گھسیٹنے کی کوشش کی مگر علامہ اقبال نے کورا جواب دے دیا۔ شادی لال کے معاندانہ رویہ نے اقبال کو مجبور کر دیا کہ وہ وکالت چھوڑ کر کشمیر کونسل میں ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔^(۱) شادی لال کی بدینتی مشہور ہندوستانی مصنف وید مہتہ کی بیان کردہ روایت سے بھی ظاہر ہے۔ ان کا مضمون نیویارک امریکہ کے تیس جولائی ۱۹۷۹ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ شادی لال نے وید مہتہ کے والد کو بتایا کہ کس ہوشیاری سے اس نے عدالت عالیہ کی مسلم نشست پر اپنے مرضی کے بندے کا انتخاب کیا اور اس کی چالوں کی بناء پر ہی گورنر پنجاب نے ججی کے لیے ڈاکٹر اقبال اور شاہنواز کے ناموں پر غور نہیں کیا۔^(۲)

آغا شورش کشمیری نے یہ انکشاف کیا ہے کہ میاں خاندان باغبانپورہ لاہور کی چالوں کی وجہ سے ڈاکٹر اقبال عدالت عالیہ لاہور میں ججی کی نشست حاصل نہ کر سکے۔ یہ بات علامہ اقبال نے بذات خود سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو شورش کشمیری کی موجودگی میں اس وقت بتائی جب وہ ایک دفعہ شاہ صاحب کے ہمراہ علامہ اقبال سے ملنے لاہور گئے۔^(۳)

یہ معاملہ بھی دلچسپ ہے کہ مرزا محمود نے اگست ۱۹۲۷ء میں جب برطانوی حکومت کو بائیان مذاہب کے وقار کے تحفظ کی یادداشت روانہ کی تو اس کا مقصد سر ظفر اللہ قادیانی کیلئے عدالت عالیہ کے جج کی نشست حاصل کرنا تھا۔^(۴) علامہ اقبال نے وائسرائے کی انتظامی کونسل کی رکنیت کے حصول کی کبھی کوشش نہیں کی۔ مسلمانان ہند کی یہ شدید خواہش تھی کہ وائسرائے کی انتظامی کونسل میں سر فضل حسین کی جگہ کسی ایسے آدمی کو رکنیت ملے جو ان کا صحیح ترجمان ہو۔ مسلمان پریس خصوصاً ”زمیندار“ لاہور نے اس کے

۱۔ ڈاکٹر جاوید اقبال زندہ رود۔ ص 403۔

۲۔ ہفت روزہ لاہور۔ لاہور 3 اکتوبر 1982ء۔

۳۔ ہفت روزہ چٹان لاہور 22 اپریل 1974ء۔

۴۔ مرزا سلطان احمد۔ انکشاف حقیقت احمدیہ انجمن پشاور 1929ء ص 7۔

خلاف ایک بھرپور ہم چلائی۔ اگرچہ یہ ناگزیر تھا کہ سرظفر اللہ علی وائسرائے کا حتمی انتخاب ہوتا کیونکہ نہ صرف وہ برطانیہ کا وفادار اہلکار تھا بلکہ اپنے مذہب کی رو سے بھی برطانوی سامراج کی خدمت کا پابند تھا۔ کئی مواقع پر اس نے اپنے آپ کو شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار ثابت کیا۔ وہ سر فضل حسین کا بھی انتخاب تھا جبکہ دوسری طرف علامہ اقبال کو سر فضل حسین پسند نہ کرتا تھا کیونکہ وہ اسکی پسندیدہ یونیٹ پارٹی جس کو ظفر اللہ اور قادیان پال پوس رہے تھے، تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ یہ بھی حیران کن بات ہے کہ برٹش بیورو آف سنٹرل انٹیلی جنس نے علامہ اقبال کے خلاف رپورٹ دی۔ رپورٹ میں انہیں ”ہندوستان کے گھنا بد معاش“ کہا۔^(۱) کیا ایسے نام نہاد بد معاش کو وائسرائے کی انتظامی کونسل کا رکن مقرر کیا جاسکتا تھا جب نہایت وفادار قادیانی موجود تھا؟

پنڈت نہرو کی تنقید کا جواب

یہ بھی تاریخ کا عجیب واقعہ ہے کہ احمدیوں کو ہندوستان میں کانگریس کے قوم پرست، لادین اور اشتراکی رہنما پنڈت جواہر لال نہرو کی شکل میں ایک بڑا ہمدرد مل گیا۔ پنڈت جی جب المورڈا جیل میں قید تھے تو انہوں نے اقبال کے قادیانیت کے خلاف مضامین پڑھے۔ پنڈت جی نے ان مضامین پر مختصر تبصرے لکھے جن کا مقصد سیاست میں اپنا الو سیدھا کرنا تھا۔ علامہ اقبال کے احمدی ناقدین ان تبصروں کو بڑا مقدس خیال کرتے ہیں۔ پنڈت جواہر لال پوری طرح جانتے تھے کہ احمدیت سامراجیت کی ایک ضمنی پیداوار ہے اور ہمیشہ سیاست میں برطانوی پالیسی کی حمایت کرتی رہی ہے۔ کانگریس کی چلائی ہوئی کئی تحریکوں کو اس نے سبوتاژ کیا مگر پھر بھی نظریہ ضرورت کے تحت آغا خانی اسماعیلیوں کو بدنام کرنے اور مسلم لیگ اور آغا خان کے میج کو خراب کرنے کے لیے قادیانیوں کی حمایت کرنے پر تل گئے۔

اپنے مختصر مضامین میں پنڈت نہرو نے اقبال کی تحریروں میں اپنی دلچسپی ظاہر

کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا کہ انہوں نے ان مضامین میں ایک ایسی دنیا تصور کی جسے پہلے سمجھے میں انہیں بہت مشکل پیش آ رہی تھی۔ انہوں نے علامہ اقبال کو اسلام پر قابلِ تکریم اتھارٹی قرار دیا اور یہ تسلیم کیا کہ وہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کے نمائندہ ہیں۔ انہوں نے علامہ اقبال کے تحریر کردہ مضمون ”قادیانی اور راسخ العقیدہ مسلمان“ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ انہوں نے یہ مضمون الموزا جیل میں بڑی گہری دلچسپی سے پڑھا جو احمدیہ مسئلے کے حوالے سے استحکام اسلام کے متعلق تھا۔^(۱) انہوں نے اپنے خیالات میں اگست ۱۹۳۵ء کو ”ماڈرن ریویو“ کلکتہ کو ارسال کیے جو نومبر ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں منظر عام پر آئے۔ پنڈت نہرو نے عرب دنیا میں قوم پرستی کی اٹھتی لہر کو خالصتاً مذہبی نکتہ نظر کی بنیاد پر رونما ہونے والی تبدیلی قرار دیا۔ ان کا خیال تھا کہ قوم پرستانہ خیالات اپنا کر اقوام اسلامی استحکام کے نظریہ سے کافی دور جا چکی ہیں اور قادیانیوں کا مسئلہ ان واقعات عالم کی وجہ سے غیر اہمیت کے سمندر میں ڈوب چکا ہے۔ ڈاکٹر اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پنجاب میں بظاہر ایک ایسے قائد کی ضرورت ہے جو قادیانی خطرے کا سد باب کر سکے۔ مگر اس سے بڑے خطرے کی وہ کیا توجیہ پیش کرتے ہیں؟ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ آغا خان ہندوستانی مسلمانوں کے قائد ہیں۔ کیا وہ ان معنوں میں اسلام کے استحکام کی علامت ہیں جن میں علامہ اقبال نے بیان کیا ہے؟^(۲)

اکیس اگست ۱۹۳۵ء کو لکھے گئے ایک اور نوٹ میں پنڈت جی نے آغا خان کو الگ طور پر تنقید کا نشانہ بنایا اور سوال کیا کہ کیا یہ فرقہ مذہبی نظریہ کے استحکام میں شریک کار ہے؟^(۳) پنڈت نہرو کا تیسرا مضمون ”تمام مذاہب کے راسخ العقیدہ افراد متحد ہوں“ کے عنوان سے اگست ۱۹۳۵ء کے آخری ہفتے میں لکھا گیا اور ماڈرن ریویو کلکتہ کے دسمبر ۱۹۳۵ء کے شمارے میں شائع ہوا۔^(۴) ان مختصر مضامین سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ پنڈت نہرو ان سے یہ تاثر دینے کی کوشش میں تھے کہ کانگریس کی حامی مجلس احرار نے جو قادیان مخالف مہم

۱۔ جوہر ل نہرو کی منتخب تحریریں۔ جلد ۴، یونیٹ لاگ بین لندن ۱۹۷۵ء ص ۴۶۳، ماڈرن ریویو کلکتہ۔ نومبر ۱۹۳۵ء ص ۵۰۴-۵۰۵۔

۲۔ منتخب تحریریں۔ ص ۴۶۸۔

۳۔ ایضاً۔ ص ۴۷۰۔

شروع کر رکھی ہے اسے کانگریس کی کوئی حمایت حاصل نہیں ہے۔ وہ مسلم لیگ کی آئینی اور مالی حالت کو کمزور کرنے کی سعی کرنا چاہتے تھے۔ آغا خان پر الگ سے تنقید کر کے وہ اسماعیلیوں کو بھی احمدیوں کے ساتھ غیر مسلموں کے زمرے میں لارہے تھے۔

احمدیہ مسئلہ پر ان مضامین کے باعث پنڈت نہرو کو مختلف سیاسی اطراف و جوانب سے کافی رد عمل کا سامنا کرنا پڑا۔ جے ڈی جینکنز نے اپنے خطوط میں جو ”مائٹنر آف انڈیا“ میں اٹھارہ اور چوبیس جولائی ۱۹۳۶ء میں چھپے۔ پنڈت نہرو کے اس مضمون کو ”انتہائی خطرناک“، ”مکمل طور پر قابل اعتراض“، ”انتہائی جارحانہ“، ”رسوا کن“، ”حیران کن“، ”اغلاط سے بھرپور“ اور ”نامعقول اور فضول گوئی“ پر مبنی قرار دیا۔ اس نے پنڈت نہرو پر الزام عائد کیا کہ انہوں نے جان بوجھ کر مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے اور اس طرح دو مذاہب کے درمیان شدید تلخیاں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔^(۲)

ڈاکٹر اقبال کو مختلف مذاہب فکر کے مسلمانوں کی طرف سے لاتعداد خطوط موصول ہوئے جن میں ان سے پنڈت نہرو کے مضمون کا جواب لکھنے کی درخواست کی گئی تھی۔ زیادہ تر لوگ یہ چاہتے تھے کہ احمدیوں کے بارے میں ہندوستانی مسلمانوں کے موقف کی واضح تشریح کی جائے۔ جنوری ۱۹۳۶ء میں انہوں نے لکھا

”میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ قادیانیت پر میرا بیان جدید خطوط پر ایک مذہبی نظریے

کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں تھا جس نے پنڈت نہرو اور قادیانیوں دونوں کو پریشان کر دیا

ہے کیونکہ مختلف دجوات کی بناء پر داخلی طور پر یہ دونوں غصے کا اظہار کرتے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی استحکام کو یہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اس سے یہ ظاہر ہے کہ ایک ہندوستانی قوم پرست جس کے سیاسی نظریات نے اس کی

حقیقت پسندی کی حس کو ختم کر دیا ہے وہ شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے خود

اختیاری کی خواہش کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ میرے خیال میں وہ یہ غلط سوچتا ہے کہ ہندوستانی قوم پرستی کی طرف بھی راستہ لے جاتا ہے کہ ملک کی تمام ثقافتوں کو دبا کر ایک ایسا ثقافتی ملغوبہ تیار کیا جائے جو سب کے لیے قابل قبول ہو۔ ان ذرائع سے حاصل شدہ کسی نوع کی قومیت پسندی کا مقصد سوائے تلخی اور ظلم کے کچھ نہیں ہوگا۔ یہ بھی اتنا ظاہر ہے کہ قادیانی مسلمانوں کی سیاسی بیداری سے پریشانی محسوس کرتے ہیں کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی وقار میں اضافے سے پیغمبر عربی ﷺ کی امت سے ایک اور امت کی پیدائش کے منصوبے کی ناکامی یقینی ہے۔ میرے لیے یہ کم حیرانی کی بات نہیں ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اندرونی اتحاد کی میری کوششوں اور ان کی تاریخ کے اس بحرانی دور میں میرا تحریری قوتوں کے خلاف انتباہ جو اصلاحی تحریکوں کا روپ اختیار کیے ہوئے ہیں اس نے پنڈت جی کو ایک موقع فراہم کیا ہے کہ وہ ان قوتوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کریں۔^(۱)

ڈاکٹر اقبال نے نہایت عمدہ طریقے سے احمدیت کی نوعیت اور اس کے مقابلے میں اسلام میں ختم نبوت کے نظریات کی ثقافتی اہمیت اجاگر کی اور مرزا غلام احمد کی نبوت کے پر فریب دعویٰ کی قلعی کھولی۔ انہوں نے ثابت کیا کہ احمدیت کی اصل حقیقت قرون وسطیٰ کے تصوف کی دھند کے دبیز پردوں میں دبی ہوئی ہے۔ یہ تحریک اپنی نوعیت میں سیاسی ہے اور برطانوی سامراج کی حاشیہ بردار ہے۔

انہوں نے پنڈت جواہر لال کے مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے جواب میں کہا۔ ”پنڈت جواہر لال نہرو نے تمام مذاہب کے رائج العقیدہ کو نصیحت کی ہے کہ وہ متحد ہو کر اسے موخر کر دیں جسے وہ ہندوستانی قوم پرستی کا نام دیتے ہیں۔ یہ ستم ظریفانہ نصیحت احمدیت کو ایک اصلاحی تحریک قرار دیتی ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ جہاں تک اسلام کا ہندوستان میں تعلق ہے احمدیت انتہائی اہمیت کے حامل سیاسی و مذہبی معاملات میں ملوث ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی فکر کی تاریخ میں احمدیت کا کام یہ ہے کہ ہندوستان کی موجودہ

سیاسی غلامی کو ایک ”وجہ“ کی بنیاد فراہم کرے۔ خالصتاً مذہبی معاملات کو ایک طرف رکھتے ہوئے اور صرف سیاسی معاملات کی بنیاد پر رچے ہوئے میرا خیال ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو جیسے آدمی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کو رجعت پسندانہ قدامت پسندی کا مورد الزام ٹھہرائے۔ میں بلاشبہ کہتا ہوں کہ اگر انہوں نے احمدیت کی اصلی حقیقت جان لی ہوتی تو وہ ہندوستانی مسلمانوں کے اس مذہبی تحریک کے خلاف رویے کو سراجے جو ہندوستان کے مصائب کے بارے میں خدائی احکامات کے حصول کی دعویٰ دار ہے۔“ (۱)

آخر میں انہوں نے پنڈت مہرو کی ان تحریروں کی مخالفت کی جن میں قادیانیوں اور اسماعیلیوں کو ایک ہی تھیلی کے چنے بنے بتایا گیا تھا۔ انہوں نے وضاحت کی کہ قادیانیوں کے برعکس اسماعیلی اسلام کے بنیادی اصولوں پر یقین رکھتے ہیں۔ (۲)

اکیس جون ۱۹۳۶ء کو پنڈت جواہر لعل نہرو کو علامہ اقبال نے خط میں لکھا کہ کہ قادیانی اسلام اور ہندوستان دونوں کے خداداد ہیں۔

۲۱ جون ۱۹۳۶ء

ڈیر پنڈت جواہر لال!

کل آپ کا مرحلہ خط ملا، جس کے لیے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے جب آپ کے تحریر کردہ مضامین کا جواب لکھا تو میرا گمان تھا کہ آپ کو احمدیوں کے سیاسی رویہ کا علم نہیں۔ میرے ان جوابات کے لکھنے کی بنیادی وجہ فی الحقیقت اس بات کو ظاہر کرنا اور خاص طور پر آپ پر یہ واضح کرنا تھا کہ مسلمانوں کے اندر جذبات و فاداری کیسے پیدا ہوئے اور یہ کہ احمدیت نے ان کے لیے الہامی بنیاد کس طرح فراہم کی؟ ان مضامین کی اشاعت کے بعد میرے لیے یہ انکشاف انتہائی حیران کن تھا کہ خود مسلمانوں کا پڑھا لکھا طبقہ بھی ان تاریخی وجوہات سے ناواقف ہے جنہوں نے احمدی تعلیمات کو تشکیل کیا۔

علاوہ ازیں پنجاب اور دوسرے علاقوں میں بسنے والے آپکے ساتھی بھی آپ کے ان مضامین کے باعث بے چینی محسوس کرتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں آپ کی ہمدردیاں احمدیہ تحریک کے ساتھ تھیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ کے ان مضامین سے احمدی از حد خوشی محسوس کرتے تھے (اور) احمدی پریس خاص طور پر آپ کے خلاف اس غلط فہمی کو پھیلانے کا موجب تھا۔ بہر حال مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میری آپ کے متعلق رائے غلط تھی۔ میں بذات خود مذہبی معاملات میں نہیں الجھتا مگر احمدیوں سے خود انہی کے میدان میں مقابلہ کرنے کی خاطر مجھے اس بحث میں حصہ لینا پڑا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان مضامین کو لکھتے وقت ہندوستان اور اسلام کی بہتری میرے پیش نظر تھی اور میں اپنے ذہن میں اس امر کے متعلق کوئی شبہ نہیں پاتا کہ احمدی اسلام اور ہندوستان دونوں کے خداری ہیں۔“ (۱)

قادیانیت پر ڈاکٹر محمد اقبال کی تحریروں نے مسلمانوں کے اذہان پر گہرا اثر چھوڑا اور قادیانی امداد کے خلاف ہندوستان اور اسلامی دنیا میں ایک قابل لحاظ نفرت پیدا ہو گئی۔ یہ قادیانیت کے خلاف علامہ اقبال کے جہاد کا ہی نتیجہ تھا کہ ۱۹۳۵ء میں اپنے سالانہ اجلاس میں انجمن حمایت اسلام لاہور نے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں سر ظفر اللہ کی ایک ”مسلمان“ کے طور پر رکنیت کے خلاف قرارداد منظور کی۔ (۲) ڈاکٹر محمد اقبال نے اجلاس کی صدارت کی اور مولانا ظفر علی خان نے یہ قرارداد پیش کی جس کی پر جوش حمایت کی گئی۔ اگلے سال ۱۹۳۶ء میں انجمن سے قادیانی ارکان کی چھٹی کرا دی گئی۔ یہ دھچکا (۳) احمدیہ جماعت کے سینئر رکن مرزا یعقوب بیگ جو انجمن احمدیہ کی کی مجلس عمومی کا بھی رکن تھا مہلک ثابت ہوا۔ جماعت احمدیہ لاہور کے امیر مولوی محمد علی کو بھی یہ جان کر صدمہ ہوا۔ انہوں نے ان اداروں سے اخراج کو روکنے کے لیے لاہوری جماعت کے مذہبی عقائد کے دفاع کی کوشش کی تاہم ہر اس موقع پر بڑی خفت

۱۔ اپنے خطوط کا مجموعہ جو دیا تریجوہر لال نہرو کے کلمے تھے۔ ایڈیا پبلشنگ ہاؤس لندن ۱۹۵۸ء صفحہ نمبر ۸۸-۱۸۷۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد ۸ نمبر ۱۷۱۔

۳۔ پیغام صلح۔ ۱۱ مارچ ۱۹۹۳ء۔ بحوالہ قاضی محمد عزیز علی ریلوہ۔

اٹھانا پڑی جب انہوں نے اپنے سابقہ عقیدہ یعنی نبوت مرزا کی وضاحت پیش کی۔ یہ وضاحت مرزا صاحب کی زندگی میں اختیار کیئے گئے موقف کے منافی تھی۔ اس مسئلہ پر مولوی محمد علی ہمیشہ بڑی دلچسپ توجیہات پیش کرتے رہے۔^(۱)

پنڈت نہرو کا استقبال

تیسری دہائی کے وسط میں قادیانی کانگریس کے بہت قریب آ گئے۔ مرزا محمود نے کانگریس کے رہنماؤں کے پاس نمائندے بھجوا کر سیاسی مسائل پر ان کی رہنمائی طلب کی۔ قادیانی نیم فوجی ”نیشنل لیگ“ نے ہندوستان میں اپنے وسیع جال کی قوت کا بھرپور مظاہرہ کیا اور ۱۹۳۷ء میں ہونے والے انتخابات کی زیر دست تیاری کی۔ سامراج نواز رجعت پسندانہ سیاسی جماعت جس میں جاسوسوں، کاسہ کیسوں، برطانوی آلہ کاروں اور آزادی کے دشمن شامل تھے ترقی و آزادی پسند سیاسی جماعت کانگریس جس کا خمیر سیکولرزم سے اٹھا تھا ان دونوں میں اتحاد سیاست کے طلباء کو ایک دلچسپ موضوع فراہم کرتا تھا۔

کانگریس کے ساتھ تعلقات مضبوط کرنے کی خاطر اٹھائیس مئی ۱۹۳۶ء کو پنڈت نہرو کی لاہور آمد پر کل ہند نیشنل لیگ اور قادیانی رضا کاروں نے ان کا پر جوش استقبال کیا۔ انہیں ہاروں سے لاد دیا گیا اور ”فخر قوم“، ”فخر ملک“ کے نعروں سے ان کا استقبال کیا گیا۔^(۲)

قادیانی رضا کاروں نے کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر درج تھا۔

”فخر قوم! خوش آمدید“

”ہم شہری آزادی کی یونین میں شامل ہیں“

”جواہر لعل نہرو زندہ باد“

۱۔ محمد علی ”عمری تحریر میں لفظ ”نیم“ کا استعمال 4 فروری 1929ء، انجمن اشاعت لاہور۔ حریہ خردی سے دبیر تک اس کے خطبات جمعہ 1935ء۔
نظام سلح لاہور۔

۲۔ الفضل قادیانی۔ 31 مئی 1936ء۔

کانگریسی رہنما اس استقبال سے بڑے متاثر ہوئے جو تقریباً پانچ سو کے قریب افراد نے کیا۔ نیشنل لیگ کے صدر کو ایک مقتدر قادیانی نے بتایا کہ اگر احمدیہ جماعت ساتھ دے تو کانگریس یقیناً جیت جائے گی۔^(۱)

احمدیہ جماعت لاہور کا رسالہ ”پیغام صلح“ قادیانیوں کی طرف سے کیئے گئے پنڈت نہرو کے لاہور میں استقبال کے بارے میں لکھتا ہے۔

”یہ کوئی زیادہ دور کی بات نہیں۔ خلیفہ قادیان کانگریس کا بدترین اور شدید ترین دشمن تھا۔

قادیانی جماعت نے کانگریس کی تحریکوں کی مخالفت کر کے اور ان کی جاسوسی کر کے

حکومت کی مدد کی۔ آج کل وہ کانگریس کے ایک اہم پسند اور اشتراکی رہنما کو بڑی

سرگرمی سے خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔ فلسوں اکہ یہ تبلیغ چھوڑ کر بڑے بھونڈے انداز

میں سیاست میں حصہ لے رہے ہیں۔“^(۲)

پنڈت نہرو جسے نیشنل لیگ نے بڑے پر تپاک طریقے سے خوش آمدید کہا ایک وقت میں یہ پختہ یقین رکھتے تھے کہ ہندوستان میں برطانوی راج کے خاتمے کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ قادیانی قوت کو کچل دیا جائے کیونکہ یہ سامراج کے حاشیہ بردار ہیں۔^(۳) کچھ قادیانی واقعی اس استقبالی ڈرامے کو ناپسند کرتے تھے اور پنڈت کو ”مخرقوم“ کہنے پر سخت معترض تھے لیکن مرزا محمود احمد نے اپنے خطبے میں اس کو درمست قرار دیا۔ کیونکہ جب علامہ اقبال نے احمدیت پر تنقید کی تھی تو انہوں نے شایان شایاں جواب دیا۔^(۴)

۱۹۳۷ء کے انتخابات

۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت انتخابات کا انعقاد ۱۹۳۶ء کے موسم سرما میں ہوتا تھا۔ پنجاب میں ۱۹۲۳ء میں سرفضل حسین کی قائم کردہ یونیٹ پارٹی کا جاگیرداروں، برطانوی نواز گروہوں اور قادیانیوں میں بڑا اثر تھا۔ پنجاب میں مسلم لیگ کی کوئی حیثیت

۱۔ پیغام صلح۔ لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

۲۔ پیغام صلح لاہور۔ ۳ جون ۱۹۳۶ء۔

۳۔ سرفضل قادیان ۶ اگست ۱۹۳۵ء۔

۴۔ اعمال صالح۔ مرزا محمود کے خطبات مطبوعہ کردہ خضر تحریک جدید قادیان ۱۹۳۶ء صفحہ ۶۳۔

نہ تھی۔ ۱۹۳۶ء کے اوائل میں جب قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی اور پنجاب میں جماعت کو منظم کرنا شروع کیا تو سر فضل حسین دھاڑا ”پنجاب کے معاملے میں بمبئی کا وکیل دخل اندازی سے باز رہے“۔ لیگ انتخابات لڑنے کے لیے ایک پارلیمانی بورڈ بنارہی تھی۔

قادیانی یونینوں کے سرگرم حامی تھے۔ تیس اکتوبر ۱۹۳۵ء کو اپنی ڈائری میں سر فضل حسین نے لکھا

”مرزا صاحب قادیان سے ملاقات کی۔ مرزا سرگرم ہے اور سیاسی زندگی میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اس کی طبیعت کا جھکاؤ سیاست کی طرف ہے۔“ (۱)

انتخابات کے دوران میاں فضل حسین کی ہدایات پر قادیانیوں نے مسلم لیگ کی مخالفت، اس کی فرقہ واریت پر مبنی حکمت عملی کی بناء پر کی۔ (۲)

احرار فضل حسین اور یونینسٹ پارٹی کی کھلی مخالفت پر اتر آئے تھے۔ تاہم انہوں نے انتخابات کے دوران مسجد شہید گنج کے حوالے سے احرار کے اثر کو زائل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ احرار نے اس تحریک میں حصہ نہیں لیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس میں شرکت سے حکومت پنجاب انہیں کچل دے گی۔ دوسری طرف انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ اس سکھ مخالف تحریک میں حصہ نہ لینے پر وہ مسلمانوں کی ہمدردیاں کھو بیٹھیں گے۔ (۳) قادیانیوں نے اپنے مذموم مقاصد کے لیے اس صورت حال کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور انتخابات کے اکھاڑے سے احرار کو مکمل طور پر نکال باہر کرنے کے لیے اور ان کی کردار کشی کے لیے ہزاروں روپے خرچ کر ڈالے۔ اپنے پسندیدہ سیاسی نتائج کے حصول کے لیے مرزا محمود نے پنجاب پریس کے ایک فریق کو خریدنے کے لیے بے تحاشہ رقم خرچ کی۔ انہوں نے کانگریس سے تعلقات بنانے اور پنجاب انتظامیہ پر دباؤ ڈالنے کے لیے ایک ہندو قوم پرست ہفت روزہ ”دی پیپل“ پر خفیہ سرمایہ کاری کی۔ اس اخبار کا

۱۔ میاں فضل حسین کی ڈائری اور حاشیہ۔ مدون کردہ ڈاکٹر وحید احمد۔ لاہور صفحہ ۱۸۹۔

۲۔ انجمنیت دہلی ۱۳ مئی ۱۹۳۶ء کے علاوہ احسان لاہور ۲۲ مئی ۱۹۳۶ء۔

۳۔ چاند باز مرزا۔ کاروان احرار جلد صفحہ ۱۳۶ ۱۵۵۷۔

مدیر رام پال اکثر قادیان جا کر مرزا محمود سے رقب اور سیاسی حکمت عملی وضع کرنے کے لیے ہدایات وصول کرتا تھا۔ رام پال کے بعد لالہ فیروز چند اس اخبار کا مدیر منتظم مقرر ہوا اور ڈاکٹر گوپی چند بھارگو ا اس کا منتظم مقرر ہوا۔ یہ اخبار ایک نئی انتظامیہ کے ساتھ روزنامہ میں بدل گیا اور قادیان کی سیاسی پالیسی کا ہمنوا رہا۔^(۱) اسکی حکمت عملی یہ تھی کہ مسلمانوں کی مختلف تنظیموں کے درمیان نفرت کے بیج بوئے جائیں تاکہ ان کے اتحاد میں دراڑیں ڈال کر لگی قیادت کو مطعون کیا جاسکے۔

تقسیم سے قبل لاہور کے ایک جہاندیدہ صحافی جننا داس اختر کا کہنا ہے کہ مرزا محمود نے اخبار کی نئی وقف کمپنی کے تقریباً پچاس ہزار سے زیادہ کے حصص خریدے جو اس اخبار کو چلا رہی تھی۔^(۲) مرزا صاحب کانگریس کا کھل کر ساتھ دینا چاہتے تھے اور ۱۹۳۶ء میں قادیان کے سالانہ جلسہ میں اس طرز کا ایک بیان داغنا چاہتے تھے مگر شاید ظفر اللہ یا اپنے کسی برطانوی دوست کی ترغیب سے ایسا کرنے سے باز رہے۔ یہ بیان سرفضل حسین کی حکمت عملی کے مطابق بھی نہ تھا جو پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کے استحکام کا خواہشمند تھا اور قادیان کی سرگرم امداد پر بھروسہ کرتا تھا۔ مسلم لیگ پنجاب میں انتخابات کے لیے حمایت کی تلاش میں تھی۔ ۱۹۳۶ء میں محمد علی جناح نے لاہور کا دورہ کیا۔

۱۹۳۶ء میں احرار رہنماؤں اور محمد علی جناح کے درمیان ایک ملاقات ہوگئی تاکہ مجلس احرار اور مسلم لیگ کے درمیان انتخابی اتحاد قائم کیا جاسکے۔ اس سے قادیان کو عظیم پریشانی لاحق ہوئی۔ قادیانی حمایت یافتہ اخبار دی پیپل نے محمد علی جناح کو تنبیہ کی کہ وہ احرار کے ساتھ کسی بھی انتخابی معاہدے سے باز رہے۔ اخبار نے احرار کے پنجاب میں سابقہ سیاسی کردار پر تنقید کی اور محمد علی جناح کو نصیحت کی کہ وہ اس سے سبق حاصل کریں۔ وہ امن میں رہنا چاہتے ہیں۔^(۱) اس سے پہلے افضل قادیان نے

۱۔ مرزا محمود حسین کا مضمون بعنوان ”قادیانی اور کانگریس“ جو کہ ایک ماہر قادیانی صحافی اور ایک وقت میں مرزا گمرانے کا اہلیق رہ چکا تھا۔ بحوالہ نوائے وقت لاہور 24 جنبر 1977ء۔

۲۔ نوائے وقت لاہور میں جننا داس اختر کا کالم 16 جنبر 1977ء۔

مسلمانان پنجاب کو نصیحت کی تھی کہ وہ مسٹر جناح کے خلاف آواز بلند کریں اور انہیں یونیسٹ پارٹی میں شمولیت کی ترغیب دیں۔

”ہم مسٹر جناح کی کوششوں کے بارے میں کوئی خوشگوار بات نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت (مسلم لیگ) اپنی حمایتوں کے اثر سے خود ہی ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔“ (۲)

قادیانیوں کو اس وقت سکون کا سانس ملا جب احرار لیگ اتحاد پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ سترہ مئی کے الفضل نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ مسٹر جناح پنجاب میں ناکام ہو گئے ہیں۔ اخبار لکھتا ہے کہ:

”وہ لاہور سے خالی ہاتھ، ہلکا پھلکا روانہ ہو گیا اور کسی مشہور رہنما نے اسے الوداع تک نہ کہا۔“

پہلے احرار اور ظفر علی خان کی ”اتحاد ملت پارٹی“ نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا بعد میں قطع تعلق کر کے انتخابات میں مسلم لیگ کی مخالفت کی۔ (۳) پنجاب کے انتخابات کے دوران مرزا محمود نے کافی رقم خرچ کی اور ظفر اللہ نے یونیسٹ پارٹی کے لیے سرگرمی سے کام کیا۔ (۴) قادیانی مبلغین نے پنجاب کے کئی دیہی علاقوں کے دورے کیے اور مظلوم عوام کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کی کہ شہری علاقہ جات کے مفادات کی بجائے یونیسٹ دیہی علاقوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ اس کے علاوہ اس پارٹی کو پنجاب میں انتخابات جیتنے کے لیے ہندو جاٹوں اور سکھ زرعی کاشتکاروں کی بھرپور حمایت حاصل تھی۔

کانگریس وزارتیں

۱۔ الفضل قادیان 24 مئی 1936ء میان کردہ دی سیل لاہور۔ حریدہ کیے الفضل 28 اپریل 27 مئی 1936ء۔

۲۔ الفضل قادیان 13 مئی 1936ء۔

۳۔ ریاض حسین۔ اقبال کی سیاست۔ لاہور مئی نمبر 96۔

۴۔ دیکھئے ڈائری اور تحریروں میں ازاں میں فضل حسین۔ مدون کردہ ڈاکٹر وحید احمد اور سر فضل کی سراغ عمری مولف میں عظیم حسین۔

۱۹۳۷ء کے انتخابات کے نتیجے میں کانگریس نے مدراس، بمبئی، مدھیہ پردیش (صوبہ جات مرکزی)، اتر پردیش (صوبہ جات متحدہ)، بہار، اڑیسہ اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں اپنی وزارتیں قائم کر لیں۔ جبکہ آسام میں مخلوط وزارت قائم ہوئی۔ پنجاب اور بنگال کانگریس حکومت کے دائرے سے باہر رہے۔ لیگ کی اکثریت بنگال، پنجاب، سندھ اور سرحد میں نہیں تھی حالانکہ وہ ان علاقوں میں زیادہ تھے۔ پنجاب میں اسے صرف ایک نشست ملی۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی نے حکومت بنائی۔ چودہ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو سر سکندر خیات نے لیگ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جسے ”سکندر، جناح معاہدہ“ کا نام دیا جاتا ہے۔ تاہم پنجاب کے سیاسی طریق کار میں کوئی تبدیلی نہ آئی کیونکہ یونینسٹ کاہینہ کے غیر مسلم اراکین کو یقین دلایا گیا تھا کہ پارٹی کی حکمت عملی میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئے گی۔

قادیانی پریس نے ملک میں کانگریسی وزارتوں کے قیام پر اطمینان کا اظہار کیا۔ نیشنل لیگ کے صدر شیخ بشیر احمد نے مرزا محمود کو خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے کانگریس وزارتوں کی تشکیل کا حوالہ دیا اور حکومت کی وزارت سازی کی پیش کش کو منظور کرنے پر اظہار اطمینان دھارت کیا۔^(۱) اخبار نے اپنے خلیفہ سے عاجزانہ استدعا کی کہ وہ نیشنل لیگ کی رہنمائی کریں تاکہ وہ انسانیت کے دکھوں کا مداوا کر سکے اور ہندوستان کے لمحے ہوئے معاشی سیاسی مسائل کو سلجھا سکے۔^(۲) مرزا محمود پنجاب میں مسلم لیگ کی شکست پر شاداں و فرحاں تھے۔ اپنے ایک خطبے میں انہوں نے قادیانیوں کے بارے میں لیگ کی حکمت عملی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری وسیع پیمانے پر مخالفت ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ مسلم لیگ جو میری مالی امداد کے بغیر اپنے اجلاس بھی منعقد نہ کر سکتی تھی اسکی پنجاب شاخ نے بھی احمدیوں کو اپنی رکنیت سے خارج کر دیا۔ ان کے رہنماؤں کا خیال تھا کہ اس طرح وہ

ووٹ حاصل کر سکیں گے۔ مگر خدا نے ان کو سزا دی اور پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگ صرف ایک نشست حاصل کر سکی۔ دوسرے الفاظ میں وہ بھی ہمارے ہی جیسے ہیں۔ یہ ہماری عظیم فتح اور مسلم لیگ کی ذلت آمیز شکست ہے۔^(۱)

کانگریس اور مسلم لیگ کا بجنور (اتر پردیش) کے ضمنی انتخاب میں کانٹے دار جوڑ پڑا۔ یہ مسلمانوں کا اکثریتی حلقہ انتخاب تھا۔ کانگریس کی طرف سے حافظ محمد ابراہیم جبکہ مسلم لیگ کی طرف سے عبدالمسیح امیدوار تھے۔ پنڈت نہرو، عبدالغفار خان، مولانا آزاد، ڈاکٹر سید محمود، سر وزیر حسین اور مفتی کفایت اللہ کانگریس کے امیدوار کی مہم چلا رہے تھے۔ دوسری طرف محمد علی جناح، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، بیگم محمد علی اور مولانا ظفر علی خان نے مسلم لیگ کے امیدوار کی خاطر ووٹ مانگے۔ بجنور کے انتخابات دو مخالف تنظیموں کے لیے عزت کا مسئلہ بن چکے تھے۔ لیگ کی تمام تر کوششوں کے باوجود کانگریس اس نشست پر جیت گئی۔

الفضل قادیان نے ”کانگریس کی شاندار فتح اور لیگ کی بجنور کے انتخابات میں ناکامی کی وجہ“ کے زیر عنوان ایک اداریہ لکھا۔ اخبار نے مسلم لیگ پر تنقید کرتے ہوئے اسے ایک بد نظم اور غیر موثر تنظیم قرار دیا جس کی کوئی عوامی حمایت نہ تھی۔ اخبار نے کہا کہ انتخابات میں شکست اس کا مقدر تھی۔^(۲)

قادیانی جماعت کے لاہوری فریق نے کانگریس کے ساتھ تعاون کی قادیانی حکمت عملی پر تنقید کرتے ہوئے مرزا محمود کے پیروکاروں کو یاد دہانی کرائی کہ کس طرح انہوں نے ماضی میں برطانوی سامراج کی زبردست مدد کی اور کانگریس کی تحریکوں کے خلاف جاسوسی اور انتشار پر مبنی کارروائیاں منظم کرنے میں شرمناک کردار کرتے رہے۔ ”پیغام صلح“ لاہور نے مرزا محمود کی ان تقاریر و تحریروں کا خصوصی حوالہ دیا جو وہ پچھلے بیس سالوں سے برطانوی سامراج کی حمایت میں انجام دے رہے تھے۔ اخبار نے کانگریس

۱۔ قادیانی، ۱۱ نومبر ۱۹۳۸ء۔

۲۔ الفضل قادیانی، ۱۱ نومبر ۱۹۳۷ء، ص ۱۱، پیغام صلح، ۹ دسمبر ۱۹۳۷ء۔

کی تمام اہم سیاسی تحریکوں کو ناکام کرنے کے سلسلے میں مرزا محمود کے اعتراضات کے حوالے دیئے۔ اس نے قادیانی پریس کی انتخابات میں کانگریس کی کامیابیوں پر جشن منانے کی روش پر بھی اظہار افسوس کیا۔^(۱)

۱۹۳۷ء کے اواخر میں کانگریس کے قادیانیوں کیساتھ تعلقات اور بھی زیادہ مضبوط ہو گئے۔ ”پیغام صلح“ نے لکھا کہ قادیانی بڑی تیزی سے کانگریس کے ساتھ تعلقات مضبوط بنا رہے ہیں۔ چھبیس نومبر ۱۹۳۷ء کو قادیانی جماعت نے اہم کانگریسی رہنماؤں لاڈو رانی زٹشی صدر پنجاب کانگریس اور کارمیز گیانی اندرجی کو قادیان بلایا۔ ناظر اعلیٰ قادیان فتح محمد سیال کی زیر صدارت ایک اجلاس منعقد ہوا اور ”وسیع عوامی رابطہ مہم“ کے مسئلہ پر تقاریر ہوئیں۔ کانگریس کی عوامی رابطہ مہم کا مقصد کانگریس کے نظریہ اور نصب العین کیلئے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنا تھا۔ اس میں احمدیوں کے کانگریس کے ساتھ اتحاد پر بھی بحث ہوئی۔ آخر کثرت رائے سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ احمدیہ جماعت کانگریس میں شمولیت اختیار کرے گی۔ ایک احمدی بزرگ کے بقول ”آنے والے سالوں میں تقسیم ہند تک قادیانی اس پر کاربند رہے۔“^(۲)

جولائی ۱۹۳۸ء میں الفضل نے ادارہ لکھا جس کا عنوان تھا ”جماعت احمدیہ اور کانگریس“۔ اس میں لکھا کہ

”جب سے جماعت احمدیہ نے اپنے قومی و سیاسی حقوق کے حصول کے لیے اپنا رویہ بدلا ہے اور ملکی خدمت کے لیے کسی جماعت سے ملنے کی خواہش کی ہے، عام لوگ بھی اندازوں میں مصروف ہیں۔ اپنے سولہ جولائی کے شمارے میں ”پر تپ“ لاہور نے لکھا کہ جماعت احمدیہ کل ہند مجلس کانگریس کے ساتھ خط و کتابت کر رہی ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ سرکاری ملازمین کے علاوہ تمام احمدی کانگریس میں شمولیت اختیار کر لیں۔ کانگریس کی اعلیٰ قیادت مہاتما گاندھی اور سبھاش چندر بوس نے احمدیوں کو یقین دہانی کرائی کہ

۱۔ پیغام صلح۔ لاہور 30 نومبر 1937ء۔
۲۔ قلام نبی مسلم۔ قیام پاکستان کیلئے انجمن احمدیہ جماعت لاہور کی جدوجہد۔ لاہور۔ 1970ء ص 20۔

کانگریس انکی نئے احمدی بنانے کی مذہبی سرگرمیوں میں مداخلت نہیں کرے گی۔“ الفضل قادیان نے تصدیق کی کہ ”جماعت کے متعلقہ شعبہ کے ذمہ یہ کام لگایا گیا ہے اور وہ کانگریس کی اعلیٰ قیادت کے ساتھ خط و کتابت میں مصروف ہیں مگر ابھی تک کن نتیجہ پر نہیں پہنچے۔“ (۱)

اپنے سولہ جولائی کے شمارے میں ”احسان“ لاہور نے یہ انکشاف کیا کہ حال ہی میں قادیان میں قائم شدہ کانگریس کے اجلاس میں تین قادیانی شامل ہوئے۔ اخبار نے سوال کیا کہ چونکہ قادیانی حکومت کی اطاعت کو اپنے عقیدے کا حصہ سمجھتے ہیں جس کی تصدیق قادیانی لٹریچر کے طومار سے ہوتی ہے۔ کانگریس کو اس وقت شدید مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا جب کسی بھی وقت اسے کوئی سول نافرمانی کی تحریک چلانی پڑی۔ قادیانی بھی اس مشکل میں گرفتار رہیں گے کہ انہیں حکومت مخالف تحریک کا ساتھ دینا پڑے گا۔ اس پر الفضل نے جواب دیا۔

”پہلے تو جب ایسی حکومت ہوگی تو سول نافرمانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ دوسرے اگر کانگریس حکومت کو چھوڑنے کا فیصلہ کرتی ہے اور احمدی اس کے رکن ہونگے تو وہ رکنیت چھوڑنے کی نصیحت نہیں کریں گے کیونکہ ان کو اکثریت کی امداد حاصل ہوگی۔ ان کو بتایا جائے گا کہ انہیں اپنے حقوق کی خاطر لڑنا چاہیے۔ اور کسی اصولی موقف پر اختلاف کی صورت میں احمدی دوسروں کی طرح استعفیٰ دے دیں گے۔“ (۲)

مقدس دہشت

ایک دفعہ پھر ہم قادیان کا رخ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ احمدیہ تحریک کی تاریخ کا یہ ایک سیاہ باب ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا محمود کے تنخواہ دار غنڈے ان تمام سچی اور باخبر آوازوں کو خاموش کر دیتے تھے جنہوں نے ان کی نجی زندگی پر تنقید کرنے کی جرأت کی۔ پھر بھی ان کے کئی پیروکاروں نے ان پر زنا کاری کے الزامات

۱۔ الفضل قادیان ۱۹ جولائی ۱۹۳۸ء۔

۲۔ ایضاً۔

عائد کیے۔ شیخ عبدالرحمان مصری کو جو کہ ان کا اعلیٰ درجے کا مرید اور مدرسہ احمدیہ قادیان کا مہتمم تھا کو حالات نے مجبور کر دیا کہ وہ انہیں تین خطوط لکھے کہ وہ اپنے کردار کی وضاحت کریں اور اپنے سابقہ کرتوتوں پر معافی مانگیں۔ وگرنہ مصری صاحب کے پاس کوئی چارہ کار نہ ہوگا کہ وہ احمدیہ جماعت کے قائم کردہ کمیشن کے سامنے سارا معاملہ تحقیقات کے لیے رکھیں مگر خلیفہ محمود احمد نے یہ تنبیہ نظر انداز کر دی اور اپنی غلط حرکتوں پر اڑے رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے شیخ عبدالرحمان اور ان کے چند دوستوں پر جو کہ ان کی اعانت کرتے تھے، مظالم کرنے شروع کر دیے۔ حتیٰ کہ کچھ پر تو قاتلانہ حملے بھی کیے۔^(۱) مقطعوں۔ حملوں۔ عورتوں کی بے حرمتی۔ گھروں کے جلانے کی ہولناکی اور دو نکلے کھڑے کر دینے والی لہانیاں قادیانیت کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کرتی ہیں۔^(۲)

شیخ مصری کو قاتلانہ حملے کے خوف سے قادیان چھوڑنا پڑا۔ بعد میں انہوں نے قادیانی جماعت کو چھوڑنے اور خلیفہ محمود کے ساتھ کیے گئے عہد کو توڑنے کی وجوہات بیان کیں۔ ۱۹۳۷ء میں یہ بیان حلفی مصری مصاحب نے ایک عدالت کے سامنے دیا تھا جو پنجاب کی عدالت عالیہ نے اپنے حکم میں درج کیا۔

”موجودہ خلیفہ (محمود احمد) سخت بد چلن ہے۔ یہ تقدس کے پردے میں عورتوں کا شکار کھیلتا

ہے۔ اس کام کے لیے اس نے بعض مردوں اور بعض عورتوں کو بطور ایجنٹ رکھا ہوا ہے۔

ان کے ذریعہ سے یہ معصوم لڑکیوں اور لڑکوں کو قابو کرتا ہے۔ اس نے ایک سوسائٹی بنائی

ہوئی ہے جس میں مرد اور عورتیں شامل ہیں اور اس سوسائٹی میں زنا ہوتا ہے۔“

فخر الدین ملتانی جو کہ ایک معزز قادیانی کا بیٹا اور مرزا محمود کا انتہائی وفادار مرید تھا۔ اس نے ”تقدس مآب“ کے خلاف آواز بلند کی۔ جسے مرزا عزیز احمد قادیانی نے قتل کر دیا۔ مقدمہ اپیل میں عدالت عالیہ میں چلا گیا۔ قاتل کو تمام براہ راست اور بالواسطہ مدد مہیا کی گئی۔ ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر نے مرزا محمود کو مولوی فرزند علی کے ذریعے

۱۔ ممتاز احمد قادری۔ ص 41 تاریخ احمدیت کے مولف دوست محمد نے یہ انکشاف کیا ہے کہ مصری نے فری میسنری کی طرف ایک خفیہ تنظیم قائم کر لی تھی اس کا حوالہ مرزا کی دہی میں دیا گیا ہے کہ فری مین کسی بھی محلے کے لئے پر قادر نہ ہو سکیں گے (تاریخ احمدیت جلد 8 ص 367۔

۲۔ احسان الحق ظہیر ”مرزا نیت اور اسلام“ لاہور 1972ء ص 156-80۔

پیغام بھجوایا، جس میں نصیحت کی گئی تھی کہ قاتل کو اس قدر کھلے عام مدد مہیا نہ کی جائے۔ اس طرح سے وہ محمد علی نوشہروی (جو مہبلہ کے عبدالکریم کا دوست اور محمد حسین کا قاتل تھا) کی طرح ایک ہیر و شمار ہونے لگے گا اور دوسروں کو بھی شہہ ملے گی کہ وہ بھی ایسے جرائم کا ارتکاب کریں۔ مرزا محمود نے محتاط رویہ اپنالیا کیونکہ ہر کسی کو یقین تھا کہ یہ سازش انہوں نے تیار کی تھی۔ اپنی وفات سے قبل ملتانی نے ایک بیان دیا تھا کہ اس کی زندگی کو ختم کرنے کے مرزا محمود اور ولی اللہ شاہ ذمہ دار ہونگے۔^(۱) قاتل عزیز احمد اور اس کے ساتھیوں کو بچانے کی خاطر اسے یہ ترغیب دی گئی کہ وہ یہ اقبال جرم کر لے کہ ملتانی کی اشتعال انگیز تحریروں اور بیانات کی وجہ سے اس اکیلے نے اسے قتل کیا ہے اور یہ اس کا ذاتی فعل تھا۔^(۲) اسے عدالت نے سزائے موت کی سزا سنائی۔ اسکی نماز جنازہ میں کثیر تعداد میں قادیانیوں نے شرکت کی۔ مرزا محمود کے بقول

”اس قربانی کی روح کو جو اس نے کسی دنیاوی مقصد کی بجائے خدا کی رضا کے لیے دی تھی، گھبائے عقیدت پنہاوار کرنے اور خراج تحسین پیش کرنے کے لیے لوگ آئے۔“^(۳)

پیغامی شطرنج

احمدی جماعت کے لاہوری فریق نے مرزا محمود سے درخواست کی کہ وہ احمدیت اور اس کے بانی کی خاطر اپنے مخالفین کو اپنے کردار کے بارے میں مطمئن کریں۔ انہوں نے قادیانیوں کو اکسایا کہ وہ اس کے خلاف دیگر الزامات کے علاوہ ”روفو سکیٹل مہم“ اور مرزا محمود کے ۱۹۳۳ء میں مغربی معاشرے کی عربی ملاحظہ کرنے کے لیے پیرس کے ایک

۱۔ فاروق قادیان۔ 21 جولائی 1938ء۔

۲۔ دیکھئے محمد خالد بن ملتانی۔ (i) مظلوم قادیانیوں پر گالیوں کی بوچھاڑ۔ سردار پریس ہال بازار امرتسر۔ 12 جولائی 1937ء۔ (ii) صدائے مظلوم سردار پریس ہال بازار امرتسر۔ 14 جولائی 1937ء۔ (iii) الحب لعلم وضم۔ سردار پریس امرتسر۔ 14 جولائی 1937ء۔ (iv) صدائے ہماجر۔ امرتسر۔ 12 جولائی 1937ء۔ (v) قش کا مرکز۔ امرتسر۔ 12 جولائی 1937ء۔ اس کے علاوہ قادیانیوں کی زیادتیوں کے بارے میں ”مرزا بشیر الدین محمود کی طرف ایک کھلا خط“ ثنائی برقی پریس امرتسر 28 مئی 1938ء۔ سے احمدیہ انجمن سائنس (چنار) کے مستند بھرائے کے قادیانی حبیب احمد نے لکھا تھا۔

۳۔ فاروق قادیان۔ 18 مارچ 1934ء۔

رقص گھر میں جانے کے اقرار جرم کی بناء پر ان کے کردار و افعال کا محاسبہ کریں۔

”روفو“ ایک اطالوی دوشیزہ تھی جو لاہور کے سیسل ہوٹل میں ”کیمبرے

رقص“ کی خاطر ملازم تھی۔ تین مارچ ۱۹۳۳ء کو مرزا محمود اسے نامعلوم وجوہات کی بناء پر

قادیان لے گئے۔ جب ہوٹل کی انتظامیہ نے پریس میں اعلان کیا کہ اب وہ یکدم

غائب ہو جانے کی وجہ سے رقص نہیں کرے گی تو اس کے پرستاروں نے اس کی تلاش

شروع کر دی اور بالآخر اسے ”قصر خلافت“ قادیان میں ڈھونڈ نکالا۔ یہ واضح نہ ہو سکا کہ

وہ ایسی مقدس جگہ پر ایسے مقدس آدمی کے ساتھ کیوں گئی۔ جمعہ کے ایک خطبہ میں مرزا

محمود نے یہ انکشاف کیا کہ انہوں نے اسے قادیان آنے کی دعوت دی تھی تاکہ وہ ان کی

بیویوں اور بیٹیوں کو انگریزی زبان کی تعلیم دے۔^(۱) بعد میں روفو مرزا محمود کو بلیک میل

کرنا چاہتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ محمد منیر ایڈووکیٹ (جو بعد میں ہائی کورٹ لاہور کے چیف

جسٹس بنے) کے پاس مرزا محمود کے خلاف زنا کا مقدمہ درج کرانے پہنچ گئی مگر لاہور

کے چند بااثر افراد کی وساطت سے معاملہ ٹھپ ہو گیا۔ اسے زبان بندی کی ایک معقول

رقم مل گئی۔ اسے بتایا گیا کہ اس بات کی گواہی ملنی مشکل ہوگی۔ لاہوری جماعت کے

ہفت روزہ ”لائٹ لاہور“ نے قادیان میں تبدیلیوں کا ایک خوبصورت تجزیہ تیار کیا اور ان

میں کچھ اہم اقدامات کی تجویز پیش کی مگر بظاہر یہ سب اقدامات قادیانی جماعت کے

خود سربراہ کو قبول نہیں تھے۔ اخبار نے لکھا۔

”حال ہی میں قادیان میں چند بدقسمت واقعات ظہور پذیر ہوئے جنہیں دیکھ کر دلی دکھ

ہوا کہ کس طرح ایک عظیم تحریک جو اسلام کے پائیدار احیاء کی خاطر اٹھی تھی ٹوٹ پھوٹ

کا شکار ہو گئی۔ اس کی وجوہات کچھ ایسی ہیں کہ ان کو تحریر میں لانا مشکل ہے۔ اتنا کہنا

کافی ہوگا کہ خلیفہ صاحب (موجودہ مرزائے قادیان) کے دو پیروکاروں نے خلیفہ

صاحب کے ذاتی کردار پر سنگین الزامات عائد کیے۔ یہ الزامات غلط ہیں یا درست اس کا

فیصلہ ایک مناسب تکمیل کردہ ٹریبونل ہی بنا سکتا ہے۔ (۱) مگر یہ حقیقت کہ یہ (الزامات) ان لوگوں کی طرف سے آئے ہیں جو خلیفہ صاحب کے دست راست رہے ہیں۔ ان میں سے ایک ایسے ادارے کا سربراہ رہا ہے جہاں تحریک کے مبلغین کو تربیت دی جاتی ہے۔ اس سوال کو خارج از امکان کر دیتا ہے کہ انہیں نرم دلی سے پیش کیا گیا ہے۔ اس لیے ان کو فوراً مسترد کر دیا جائے۔ درحقیقت یہ لوگ جنہوں نے الزام لگائے مرزا صاحب کے اتنے قریب تھے کہ ان کی اپنی دیانتداری، تقویٰ اور سنجیدگی کی بناء پر پورے عالم میں جانے جاتے تھے۔ کئی لوگوں کی نظروں میں یہ الزامات کھلے طور پر خلیفہ صاحب پر عائد ہوتے ہیں۔ ان کو خلیفہ صاحب کی نظر میں اولین حیثیت حاصل ہونا چاہیے بلکہ ہر وہ شخص جو اپنی عزت کا تحفظ چاہتا ہے اس کو اپنے کردار سے ان داغوں کو دھونا چاہیے۔ ایسا صرف ایک مناسب طور پر تکمیل دیے گئے ٹریبونل کے ذریعے سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ خلیفہ صاحب اور ان کے پیروکاروں کو اس تجویز کا خیر مقدم کرنا چاہیے تھا کہ الزامات متہم پر لوٹائے جاسکتے۔ مگر اس سیدھے اور صاف رستے کو اختیار کرنے کی بجائے جو کہ عقل و وقار کا راستہ ہیں۔ ان الزامات کے بارے میں قادیانی خلافت کے رد عمل کیا ہیں۔

پہلی چیز جو خلافت نے کی وہ یہ پروپیگنڈہ مہم تھی کہ یہ ساری شرارت تحریک کی لاہور جماعت کی ہے۔ قادیانی خلافت نے ابتداء سے ہی لاہوری جماعت کے خلاف شدید نفرت پروان چڑھا رکھی ہے اور ہر وہ آزر دہ کرنے والی چیز جس سے چھٹکارا ممکن نہیں اس کو نے پر ٹانگ دی جاتی ہے۔ ان الزامات کو بھی اس طرح سے دھونے کی کوشش کی مگر سوال یہ ہے کہ آیا یہ حقیقت کہ یہ الزامات کسی کی انگلیت پر عائد کیئے گئے ہیں۔ ان الزامات کی شدت کو کسی بھی طرح سے کم نہیں کرتے۔ الزامات موجود ہیں اور صرف ایک مناسب تکمیل کردہ ٹریبونل ہی انہیں دھوسکتا ہے۔ تاہم ٹریبونل جیسا کہ دکھائی دیتا ہے ایک چیز تھی۔ جسے وہ نہیں چاہتے تھے اور اسے ختم کرنے کا انہوں نے پورا اختیار برتا۔

۱۔ حکیم عبدالعزیز قادیانی۔ مسند المجتہد انصار احمد نے اصرار کیا کہ ایک آزاد کمیشن قائم کیا جائے جو ان لوگوں کو جان لوگوں اور لوگوں کے ممانعت کی روشنی میں تحقیقات کرے جو مزید طور پر مرزا محمود کی ہوس ناکوں کا شکار ہوئے۔ (۱) مجتہد انصار کا رسالہ نمبر ۱۰۱، اکتوبر ۱۹۳۷ء، ص ۱۰۱۔

انہوں نے پروپیگنڈہ مہم کی ساری کلیں اس طرف موڑ دیں کہ اسلامی شریعت میں خلیفہ خدا کا مقرر کردہ ہوتا ہے اور وہ صرف خدا کو ہی جواب دہ ہوتا ہے۔ کوئی انسان اس کے رویے پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ ہمارے دو سابقہ اہم مضامین میں دی گئی قرآنی آیت کو مرضی کے معانی پہنانے کے لیے بگاڑ کر پیش کیا گیا۔^(۱) اس تحریف کی رو سے تو خلیفہ صاحب خدا اور پیغمبر کی مسند پر براجمان دکھائی دیتے ہیں۔

ان الزامات کی تردید کے لیے پھلایا گیا دوسرا نظریہ ہے کہ ایک خاص قرآنی آیت کے مطابق خلیفہ غلطی نہیں کر سکتا۔ ہر شخص اس منطق پر افسردہ ہے۔ یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ذاتی تجربات کی بناء پر خلیفہ صاحب کے خلاف سنگین الزامات عائد کر رہے ہیں اور ان الزامات کو غلط ثابت کرنے کے لیے وہ قرآن کی آیت پیش کر رہے ہیں۔ قرآنی آیت کی کوئی بھی توضیح جو حقیقت سے ٹکرائے غلط تشریح ہوگی۔ حقائق کو دیگر تمام چیزوں پر فوقیت حاصل ہونی چاہیے اور حقائق کو ہمیشہ ایک مناسب تفکیک کردہ ٹریبونل کے ذریعہ ہی پرکھا جانا چاہیے۔“^(۲)

احمد یوں کی لاہوری جماعت کے سربراہ مولوی محمد علی نے اپنے بیان مورخہ نومبر ۱۹۳۸ء میں ان معاملات پر دکھ کا اظہار کیا۔

”وہ (مرزا محمود) تسلیم کریں یا نہ کریں مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کے خلاف جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ قادیان اور مسیح موعود پر ایک کلنک کا ٹیکہ ہیں۔ اگر میں میاں صاحب کی جگہ ہوتا تو میں مولوی عبدالکریم (کے مبالغہ کے جواب میں) مبالغہ کو قبول کرتا اور حلف لے کر فوراً اس الزام کو اپنی خاطر نہ سہی قادیان اور مسیح موعود کی خاطر تردید کرتا۔ یہ برکت اور بے گناہی کا سیدھا راستہ تھا جو میاں صاحب نے نہیں اپنایا۔ مصری صاحب کا مطالبہ کچھ البتہ مشکل تھا۔ مگر اس مطالبے کو مسترد کرنے سے جو بے عزتی ہوئی ہے اس کو آسانی سے قبول کر کے معاملے کی تحقیق کے لیے ایک آزاد کمیشن مقرر کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔“

۱۔ ”دی لائن“ لاہور میں چھپے۔

۲۔ ”دی لائن“ لاہور۔ یکم جنوری ۱۹۳۷ء۔

میاں صاحب کے پیروکار ہر حال میں اس کمیشن کے ارکان ہوتے۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنے مذہبی پیشوا کے متعلق شہادت کی باریک بین پرکھ کے بغیر ان کے خلاف فیصلہ دیتے۔ اس کے برعکس ان کا فیصلہ ہی ہوتا تھا جیسا کہ ان کے پیشوں سے ظاہر ہے کہ اگر وہ میاں صاحب کو قابل اعتراض حالت میں بھی دیکھ لیتے تو وہ اپنی آنکھیں پھیر لیتے۔“ (۱)

لاہور کے ”پاک بندوں“ کی بات سننے کی بجائے مرزا محمود نے الٹا ان پر الزامات لگانے شروع کر دیئے تاکہ انہیں چپ کرایا جاسکے۔ انہوں نے امیر جماعت لاہور مولوی محمد علی کو دھمکی دی کہ وہ ان کے خلاف غلیظ مہم بند کر دے ورنہ وہ ان کے خلاف اس سے بھی شدید جوابی مہم شروع کر دیں گے۔ ایک خطبے میں مرزا محمود نے ان الفاظ میں دھمکی دی۔

”تیس نومبر ۱۹۳۰ء کے لاہور کے پیغام صلح میں مولوی محمد علی کہتا ہے کہ صرف صبح موعود کے مخالفین ہی اس پر الزامات لگاتے رہے ہیں۔ اس کے برعکس ان (مرزا محمود) پر نہایت سنگین الزامات عائد کر رہے ہیں۔ لوگوں نے مولوی محمد علی صاحب اور ان کے خاندان پر بھی الزامات لگائے ہیں مگر ہم نے ان کی حوصلہ شکنی کی اور انہیں دبا دیا۔ اگر ہم بھی لاہور جماعت کے خلاف ایسا ہی حملہ کرتے تو انہیں کہیں بھی جائے پناہ نہ ملتی۔“ (۲)

اگرچہ مرزا محمود نے بڑے شاطرانہ انداز سے اپنے پیروکاروں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر پھر بھی ان کے قریبی لوگ قادیان کے ہلڑ باز لونڈوں کی زیادتیوں کے باوجود ان کے کردار پر الزامات عائد کرتے رہے۔ چند ایک ”ضمیمہ کے قیدیوں“ نے احتجاج کیا اور جماعت کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔ تاہم قادیانی آلہ کاروں اور پنجاب پولیس کی مدد سے خلیفہ صاحب نے اپنے خلاف چلنے والی مہم کو بے رحمی سے کچل دیا۔ پھر بھی مرزا صاحب کو روزانہ اپنے پیروکاروں کی طرف سے درجنوں گستاخوں کی

۱۔ ایم اے قادری، ص ۵۔

۲۔ قادری، قادیان ۱۴ دسمبر ۱۹۳۸ء۔

ملنے رہتے تھے۔ یہ خطوط ان کی نام نہاد بے راہ روی پر شدید رد عمل کیے ہوئے ہوتے۔ آپ کی ذات پر ہر جائز و ناجائز ذرائع سے دولت کے انبار اکٹھا کرنے اور ایک پر قیث زندگی گزارنے کے الزامات عام تھے۔ یہ کہا جاتا تھا کہ انہوں نے اپنے چار بیٹے جماعت کے خذ سے لندن پڑھنے کے لیے بھجوا دیے تھے۔ انہوں نے اکثر ان الزامات کی تردید کی اور کہا کہ اپنے بیٹوں کو بیرون ملک بھجوانے کی خاطر انہوں نے اپنی کچھ زمین فروخت کی تھی۔ ان کے گھر کے افراد پر بھی الزامات عائد کیے گئے۔ آپ کے آنجنابی بھائی سلطان احمد اور آپ کے قریبی ساتھی سر ظفر اللہ کے بارے میں ایک گم نام خط کے مندرجات کو ایک خطاب میں مرزا محمود نے یوں پیش کیا۔

”اگر مرزا سلطان احمد جیسا زانی فحش بہشتی مقبرہ میں دفن ہے تو کیا یہ جگہ اب بھی مقدس رہ گئی ہے جس کے باسی جنت میں جائیں گے اور اگر ظفر اللہ جیسے غلیظ آدمی بھی بہشتی مقبرے میں دفن ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں تو پھر اسے بہشتی مقبرہ کہنے کی کون جسارت کرے گا۔“ (۱)

مرزا محمود نے اپنے پیروؤں کو خاموش کرانے کے لیے یہ دلیل دی کہ منافقین نے نہ صرف ان کے خلاف یہ الزامات عائد کیے ہیں بلکہ حکیم نور الدین مسیح موعود اور حتیٰ کہ پیغمبروں (۲) پر بھی ایسے الزامات لگائے جاتے رہے ہیں۔ اگرچہ یہ بات مکمل طور پر درست نہیں تاہم لاہوری جماعت نے مرزا محمود کی نام نہاد بے راہ روی کے واقعات میں دلچسپی لی اور ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جو قادیانی جماعت کو رسوا کر سکتے تھے۔ تقریباً تمام قادیانی منخرفین نے لاہور میں پناہ لی۔ دوسروں کے علاوہ مستری دین محمد کے بیٹے شیخ غلام محمد نے احمدیہ بلڈنگ لاہور میں ایک عرصہ تک رہائش رسی۔ وہ اپنے آپ کو ایک مامور اور مصلح موعود قرار دیتا تھا جس کی پیش گوئی مرزا غلام احمد نے کی تھی۔ اس کی کتاب ”بیعت رضوان کی حقیقت“ نے مرزا محمود کے مرزا صاحب کی پیش گوئی

پھر موعودؑ ہونے کے مرزا محمود کے دعویٰ کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا۔^(۱) اس نے ۱۹۳۸ء کے بعد مرزا محمود کے خلاف اپنی مہم کو اور شدید کر دیا۔ غالباً اس نے ایسا جماعت احمدیہ لاہور کی شہ پر کیا کیونکہ ۱۹۳۹ء میں قادیان میں خلافت جوہلی تقریبات جاری تھیں۔ احمدیہ جماعت نے اس کی اشتعال انگیز پیش گوئیوں اور بیانات پر کئی احتجاجی قراردادیں منظور کیں۔ ان قراردادوں کی نقول حکومت پنجاب کو مناسب کارروائی کے لیے بھجوائی گئیں۔ مرزا محمود نے نجی محفلوں میں اپنے مبلغین کو ہدایت کی کہ وہ لاہور جماعت کے ارکان کے خلاف جوابی کارروائی کریں اور انہیں خفیہ طور پر اور محتاط انداز میں ترکی بہ ترکی جواب دیں۔

تیرہواں باب

جاسوسوں کی زیر زمین دنیا

ہم نے کچھ غیر ملکی سرزمینوں میں قادیانی جاسوسوں کے کردار پر بحث کی ہے۔ قادیانی مبلغین نے کچھ ممالک میں شیطانی کھیل کھیلے۔ مذہب کے لبادے میں انہوں نے اپنے آپ کو مکروہ کاموں میں الجھائے رکھا اور بیرون ملک سامراج کی گرفت مضبوط کرنے میں مدد کی۔ قادیان کے بیرون ملک مشن برطانوی خفیہ ایجنسی MI-5 کے خفیہ ہتھیار تھے۔ قادیان میں ایک شعبہ جاسوسی تھا جو برطانوی نوآبادیات میں جاسوس بھرتی کرتا اور اس پر اسرار جال کے سربراہ مرزا محمود تھے۔ ۱۹۳۴ء تک قادیانی جاسوسی نظام بڑی حد تک پھیل چکا تھا۔ پہلے اس کا دائرہ اثر محدود تھا اور چند گئے چنے افراد ہی بیرون ممالک کام کرتے۔ زین العابدین، ولی اللہ (شام۔ فلسطین) عبدالرحمن اور غلام نبی (مصر) مولوی عبداللطیف اور نعمت اللہ (افغانستان) مولوی امین اور ظہور حسین (وسطی ایشیاء) ان جاسوسوں میں سے تھے جنہیں برطانوی خفیہ محکمہ کی شراکت سے احمدیہ مبلغین کے روپ میں بیرون ممالک جاسوسی کے مراکز چلانے کے لیے بھجوا دیا گیا۔ برطانوی سفارت خانوں و مراکز، سرکردہ یہودی فرموں، صیہونی تنظیموں اور دوسرے خفیہ اداروں کے ساتھ انہوں نے قریبی روابط رکھے تاکہ اپنی جاسوسی اور تخریب کارانہ سرگرمیوں کو آگے بڑھایا جاسکے۔ اپنی خفیہ کروتوتوں کو سرانجام دینے کے لیے انہیں مختلف خفیہ تنظیموں سے بے بہامالی امداد ملتی تھی۔

نیا منصوبہ

۱۹۳۴ء کے آخری مہینوں میں مرزا محمود نے ایک انیس نکاتی منصوبے کا اعلان کیا جسے ”تحریک جدید“ کا نام دیا گیا۔ جس کا بنیادی مقصد ”تبلیغی سرگرمیوں“ کو

وسعت دینا تھا۔ اس میں قادیانیوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ لباس، خوراک وغیرہ کے معاملے میں سادگی اختیار کریں اور ایک ایسی مستقل مد قائم کریں جس سے تبلیغی سرگرمیوں میں وسعت کی مہم کو جاری رکھا جاسکے۔ ابتداء میں اس تحریک کا عملی عرصہ تین سال پر محیط تھا۔ مگر یہ عرصہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اسے مستقل کر دیا گیا۔ اس منصوبے کی مالی مدد کے لیے انہوں نے اپنی جماعت سے کہا کہ چند سال کے اخراجات کے لیے ساڑھے ستائیس ہزار روپے فراہم کرے۔ جماعت نے ان کی اپیل پر بڑا اچھا رد عمل ظاہر کیا اور انہیں ایک لاکھ سات ہزار روپے فراہم کر دیئے۔ انہوں نے ان کے جذبے کو جوان رکھے اور روحانی تربیت کے لیے مزید کئی مطالبات جماعت کے سامنے رکھ دیئے۔ ایک ٹرسٹ فنڈ قائم کر دیا گیا اور نو جوان احمدیوں کو یہ نصیحت کی گئی کہ وہ بیرون ملک جا کر وہاں کام کے ساتھ ساتھ رضا کارانہ طور پر احمدی تبلیغی سرگرمیوں میں حصہ لیں۔ قادیان سے ان کو صرف چند ماہ کے لیے امداد ملے گی۔^(۱)

اس منصوبے کے تحت، برطانوی نوآبادیوں میں بیرونی مشعوں کا ایسا جال قائم کیا گیا جس کا سالانہ بجٹ کروڑوں روپے تک پہنچ گیا۔ قادیانی مبلغ ہر اس ملک کی زمین و زبان کے ماہر ہوتے جس میں انہوں نے یہ سرگرمیاں شروع کرنی ہوتیں۔ وہ مختلف جگہوں پر اپنے آپ کو پیش کرتے۔ عام اور اہم لوگوں سے ملتے۔ تازہ ترین واقعات سے باخبر رہتے۔ جاسوسی کی خاطر سماجی و پیشہ دارانہ تنظیموں میں گھس کر اطلاعات اکٹھی کرتے اور اپنی جانوں پر کھیل کر سامراجی مفادات کے تحفظ کی خاطر تخریبی کارروائیوں میں ملوث رہتے۔

گھٹیا حرکات کا ماہر

احمدیہ تبلیغ کو اس کے صحیح تناظر میں دیکھنے کے لیے اور اس کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے مرزا محمود کے خطبہ کا ایک حصہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

”دوسرے کئی ممالک میں احمدیوں کی ایک کثیر تعداد بستی ہے۔ خصوصاً امریکہ میں جہاں پچیس تیس احمدی مراکز ہیں اور وہاں سینکڑوں احمدی ہیں۔ دوسرا ڈچ انڈیز، یعنی سائرا اور جاوا۔ ان ممالک میں بھی ہزاروں احمدی ہیں۔ بلکہ ڈچ انڈیز میں خصوصیت سے ایسے احمدی ہوئے ہیں جو بالٹویک ازم کے پیرو تھے مگر اب احمدیت کے ذریعے وہ اپنے خیالات سے توبہ کر کے لوگوں کو امن پسندی کی تعلیم دے رہے ہیں جن کی وجہ سے وہاں کی حکومت انہیں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

بین الاقوامی سطح پر سیاسی خدمات

پھر یہ قدرتی بات ہے کہ ہمارے عقلموں، لیکچروں، کتابوں، اخباروں اور رسالوں میں چونکہ بار بار یہ ذکر آتا ہے کہ انگریز عادل و منصف ہیں۔ وہ اپنی رعایا کے تمام فرقوں سے حسن سلوک کرتے اور امن قائم کرتے ہیں۔ اس لیے غیر ممالک کے احمدی بھی ہمارے لٹریچر سے متاثر ہو کر کہتے ہیں کہ گو ہم انگریزوں کے ماتحت نہیں لیکن چونکہ ہمارا مرکز ان کی تعریف کرتا ہے اس لیے وہ برے نہیں بلکہ منصف مزاج حکمران ہیں۔ اس ذریعہ سے ہزاروں آدمی امریکہ میں، ہزاروں آدمی ڈچ میں اور ہزاروں آدمی باقی غیر ممالک میں ایسے تھے جو گواپی اپنی حکومتوں کے وفادار تھے مگر انگریزوں کے متعلق بھی کلمہ خیر کہا کرتے تھے۔ امریکہ جسے کسی وقت جرمن ایجنٹوں نے انگریزی گورنمنٹ کے خلاف کرنے کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر دی تھیں وہاں احمدی ہی تھے جو اپنی جماعت کا لٹریچر پڑھنے سے جس میں انگریزوں کی تعریف ہوتی، آپ ہی آپ ان خیالات کا ازالہ کرتے تھے۔ اسی طرح ڈچ انڈیز جاپان کے قرب کی وجہ سے جسے اس وقت ایشیائی آزادی کا خیال گدگدا رہا ہے اور اس میں صرف برطانوی حکومت کو وہ حائل سمجھتا ہے وہاں بھی انگریزوں کے خلاف جب اس قسم کی کوئی تحریک اٹھتی تو وہاں کے رہنے والے احمدی جہاں ڈچ حکومت کی وفاداری کی تعلیم دیتے وہاں کہتے کہ انگریزوں کو بھی برا نہ کہو۔ وہ بھی نیک مزاج اور انصاف پسند ہیں۔

دراصل انگریزوں کے ایجنٹ ہیں۔ یہ اثر اتنا وسیع تھا کہ جرمنی میں جب ہماری مسجد بنی تو وہاں کی وزارت کا ایک افسر اعلیٰ بھی ہماری مسجد میں آیا یا اس نے آنے کی اطلاع دی۔ اس وقت مصریوں اور ہندوستانیوں نے مل کر جرمنی حکومت سے شکایت کی کہ احمدی حکومت انگریزی کے ایجنٹ ہیں اور یہاں اس لیے آئے ہیں کہ انگریزوں کی بنیاد مضبوط کریں۔ ایسے لوگوں کی ایک تقریب میں ایک وزیر کا شامل ہونا تعجب انگیز ہے۔ اس شکایت کا اتنا اثر پڑا کہ جرمنی حکومت نے اس وزیر سے جواب طلبی کی کہ احمدی جماعت کے کام میں تم نے کیوں حصہ لیا۔^(۱)

اس استقبالیے کے دوران کیا ہوا یہ بھی ایک دلچسپ داستان ہے۔ ایک سرکردہ روزنامہ کا نامہ نگار لکھتا ہے۔

”جرمنی میں مشن کے سربراہ مبارک علی نے اپنی تقریر انگریزی زبان میں کی۔ کئی مصریوں نے چلا چلا کر کئی دفعہ دخل اندازی کی۔ ”تم مکروہ انگریزی زبان کیوں بولتے ہو؟“ ایک دوسرا چلایا۔ ”جو کچھ کہہ رہے ہو سب جھوٹ ہے۔ یہ ایک مسجد نہیں انگریزی چھاؤنی ہے جو انگریزوں کے پیسے سے تعمیر کی گئی ہے۔“ اس سے مختلف اسلامی تحریکوں کے پیروکاروں کے درمیان لفظی ٹھکرار شروع ہو گئی۔ آخر کار پولیس کو مداخلت کرنا پڑا اور مداخلت کاروں کو باہر نکالنا پڑا۔“^(۲)

اسی نامہ نگار نے اطلاع دی ہے کہ

مصری قومی جماعت کی مجلس نے متحدہ جرمن پریس کو ایک خط میں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ احمدیہ جماعت ایسے انگریز اور ہندوستانیوں کا مرکب ہے جو خالصتا برطانوی نوآبادیاتی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے تاکہ اسلامی دنیا پر اپنا گہرا اثر قائم کیا جاسکے۔ مجلس نے مزید کہا کہ ”مسلمان اور قوم پرست ہونے کے باطنی یہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اس خطرناک تحریک کے آگے بند باندھ دیں، ورنہ ہم بھی برطانوی جہنم میں دھکیل دیے

۱۔ الفضل ۵ دیاں ۶ اگست ۱۹۳۵ء۔

۲۔ ”دی مسلم ورلڈ“ جنوری ۱۹۲۴ء۔

جائیں گے۔“ (۱)

اپنے طویل خطبے کے آخر میں مرزا محمود لکھتے ہیں

”پھر یہ خیال کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کی ایجنٹ ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اس قدر راسخ تھا کہ بعض بڑے بڑے سیاسی لیڈروں نے مجھ سے سوال کیا کہ ہم علیحدگی میں آپ سے پوچھتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ آپ کا انگریزی حکومت سے اس قسم کا تعلق ہے۔ ڈاکٹر سید محمود جو اس وقت کانگریس کے سیکرٹری ہیں۔ ایک دفعہ قادیان آئے اور انہوں نے بتایا کہ پنڈت جواہر لال صاحب جو یورپ کے سفر سے واپس آئے تو انہوں نے اسٹیشن سے اتر کر جو باتیں سب سے پہلے کہیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ میں نے اس سفر یورپ سے یہ سبق حاصل کیا ہے کہ انگریزی حکومت کو ہم کمزور کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس سے پہلے احمدیہ جماعت کو کمزور کیا جائے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کا یہ خیال تھا کہ احمدی جماعت انگریزوں کی نمائندہ اور ان کی ایجنٹ ہے۔“ (۲)

برطانوی تحفظ

بیرون ممالک میں قادیانی مبلغین کے سیاسی کردار پر بحث کرنے سے پہلے ہم برطانوی سامراج کی قادیانی مبلغین کے بارے میں اپنائی گئی حکمت عملی کی وضاحت کریں گے جیسا کہ مرزا محمود نے اپنے ایک خطبہ میں بیان کیا ہے۔ دوسری نوآبادیاتی طاقتوں کے مقابلے میں برطانوی حکومت کی مہیا کردہ امداد کا موازنہ کرتے ہوئے وہ بیان کرتے ہیں:

اگر ہم اسلام اور احمدیت کے نقطہ نظر سے دیکھیں اور ہم غور کریں کہ کس کے جیتنے میں احمدیت کو فائدہ ہے تو اس صورت میں بھی یقیناً یہی نظر آئے گا کہ انگریزوں کی فتح اسلام و احمدیت کے لیے مفید ہے..... حکومت انگریزی کو ایک بہت بڑی مہم درپیش ہے

اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس معاملہ میں حکومت کی امداد کریں کیونکہ اس حکومت کے ساتھ اسلام اور احمدیت کی تبلیغ وابستہ ہے۔ اگر یہ حکومت جاتی رہی تو یہ تمام فوائد بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ ہمارا یہ پچاس سالہ تجربہ ہے کہ دنیوی حکومتوں میں سب سے بہتر حکومت برطانیہ ہے۔ دوسرے نمبر پر ہالینڈ کی حکومت ہے۔ کیونکہ ہم نے جاوا اور سماٹرا میں تبلیغ کی اور ہم نے دیکھا کہ وہ لوگ ہماری راہ میں روک نہیں بنے بلکہ انہوں نے ہمارے مبلغوں کے ساتھ انصاف کی حد تک تعاون کیا۔ اور ان دونوں سے اتر کر بعض اور حکومتیں بھی ہیں جن میں یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ بھی شامل ہے..... ہم یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کے ممنون احسان بھی ہیں کہ انہوں نے ہمارے بعض پرانے مبلغوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دی ہوئی ہے۔ دوسرے نمبر پر ہالینڈ کی حکومت ہے۔ سماٹرا اور جاوا میں بیسیوں جگہ احمدیہ جماعتیں قائم ہیں اور حکومت کے افسران سے تعاون کرتے ہیں بلکہ انکے دو قنصل مجھ سے ملنے قادیان بھی آئے تھے اور انہوں نے مجھے کہا تھا کہ چونکہ آپ کی جماعت کے کئی لوگ ہمارے ملک میں آباد ہیں اس لیے میں نے چاہا کہ آپ کے مرکز کو بھی دیکھ لیا جائے۔ ایک تو خصوصیت سے حکومت ہالینڈ نے یہاں بھیجا تھا تاکہ وہ مرکز کے متعلق براہ راست معلومات حاصل کرے۔ غرض یہ کہ دو حکومتیں تو صاف طور پر نظر آتی ہیں۔ باقی حکومتوں کا یہ حال ہے کہ ان کے ملک میں ہمارا مبلغ چار مہینے رہتا ہے تو وہ اسے پکڑ کر باہر نکال دیتی ہیں۔ پھر وہ اگلی حکومت کے علاقے میں جاتا ہے اور وہاں سے دو چار ماہ کے بعد اسے نکلنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ پھر وہ اگلی حکومت میں جاتا ہے اور وہاں بھی اسے پکڑ لیا جاتا ہے کہ نکل جاؤ ہمارے ملک سے، کیا تم چاہتے ہو کہ دنیا میں ان قوموں کی حکومت ہو جو احمدی مبلغین کو کان پکڑ پکڑ کر اپنے ملک سے باہر نکال دیں اور اسلام اور احمدیت کی اشاعت کا دروازہ بند ہو جائے؟^(۱)

لاہوری مرزا ائی ڈاکٹر بشارت احمد لکھتے ہیں:

دنیا کے اکثر ممالک میں یہ قادیانی لوگ جاسوس سمجھے جانے لگے۔ خواجہ کمال الدین مرحوم

فرماتے تھے۔ ”جس ملک میں میں گیا، وہاں کے لوگوں کو یہی کہتے سنا کہ یہ قادیانی لوگ گورنمنٹ کے خفیہ جاسوس ہیں۔ یہ بات غلط ہو یا صحیح، مگر لوگوں کے قلوب پر یہ اثر کیوں پڑا۔ اس لیے کہ میاں صاحب (مرزا محمود) گورنمنٹ کی خاطر ایسی خفیہ کارروائیاں کیا کرتے تھے جن کا انہوں نے خود اپنی تقریر میں اعتراف کیا ہے۔“ (۱)

سنگاپور

مرزا محمود نے ۱۹۳۵ء میں غلام حسین ایاز کو تحریک جدید کے منصوبے کے تحت سنگاپور بھیجا۔ وہ وہاں چند دن ہی رہا کہ جمعیت دعوت الاسلام سنگاپور کی شدید مخالفت کی وجہ سے اسے ملایا فرار ہونا پڑا۔ (۲) مولانا عبدالعلیم صدیقی (مولانا شاہ احمد نورانی کے والد گرامی) نے اس کے شیطانی منصوبوں کو بے نقاب کیا۔

جنگ عظیم چھڑ جانے کے بعد جاپان نے فلپائن، ملایا، سنگاپور وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ دسمبر ۱۹۴۱ء میں جب جاپان نے شمالی ملایا پر چڑھائی کی اور وہاں برطانوی فوجوں کو شکست دی تو کیپٹن موہن سنگھ نے جاپان کے تعاون سے انگریزوں سے لڑنے کے لیے ایک فوج ترتیب دی۔ پندرہ فروری ۱۹۴۲ء کو سقوط سنگاپور کے بعد برطانوی حکومت کی طرف سے کرنل ہنٹ نے جاپانی حکومت کے نمائندے میجر فوجی ہارا کو کیپٹن موہن سنگھ کے علاوہ چالیس ہزار جنگی قیدی واپس کیے۔ راش بہاری بوس جو کہ پہلے ہی جاپان میں قیام پذیر ہو چکا تھا اور کیپٹن موہن سنگھ کی ترغیب پر کئی ہندوستانی سپاہی ”آزاد ہند فوج“ میں شامل ہو چکے تھے۔ جب آزاد ہند فوج (انڈین نیشنل آرمی یا آئی این اے) مشرق بعید میں برطانوی سامراج سے نبرد آزما تھی تو اس سنگین دور میں قادیانی مبلغ کا کہا کردار تھا، اسکی تفصیل الفضل یوں بیان کرتا ہے۔

”۱۹۴۲ء کے شروع میں جب جاپانی سنگاپور آئے تو پروپیگنڈا شروع ہوا کہ ہندوستانی

۱۔ ڈاکٹر بارت احمد۔ ”مرآۃ الخلاف“ لاہور ۱۹۳۸ء ص ۶۲۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد ۸ صفحہ ۲۰۱۔

فوجیوں کی ایک فوج بنائی جائے اور جاپانیوں سے امداد لی جائے۔ ماہ مئی کے قریب موہن سنگھ نے I.N.A بنائی اور لیگ بنائی۔ جو فوجی اس کے مخالف تھے۔ انہوں نے کیمپوں کو چھوڑ کر اندرون شہر میں پناہ لیتی شروع کی اور کئی دوست مولوی (ایاز) صاحب سے امداد کے طالب ہوئے۔ مختلف اوقات میں مولوی صاحب نے قریباً بیس فوجیوں کو مختلف مکانوں میں چھپا رکھا تھا جو لوگ شامل نہیں ہوتے تھے ان پر بہت ظلم و ستم کیا جاتا تھا۔ کئی فوجیوں سے جبراً دستخط لیے گئے۔ جب مولوی صاحب کو معلوم ہوا تو ان کے کیمپ میں جا کر انہیں سمجھایا اور مولوی صاحب کے کہنے پر انہوں نے درخواست دی کہ ہم اس تحریک سے بیزار ہیں اور مذہباً اس میں شامل نہیں ہو سکتے جو مخالفت کرتا اس کو فوراً کنسنٹریشن (Concentration) کیمپ میں بھیج دیا جاتا تھا۔ ان احمدیوں کو بھی وہاں بھیج دیا گیا۔ ان کیمپوں میں جو جو ظلم کیے جاتے تھے سن کر رو گئے کھڑے ہوتے تھے۔

چونکہ مکرم مولوی صاحب کو حضرت مسیح موعود کے الہامات اور حضور کے رویاء و کشف کی بناء پر پورا یقین تھا اور اللہ تعالیٰ نے خود مولوی صاحب کو بھی اس تحریک کے شروع ہونے سے پہلے، اس کے مضمر اثرات اور ناکام انجام کی خبر دے دی تھی اس لیے آپ نے اس کی سرگرم مخالفت شروع کر دی۔ اس پر حامیان آئی این اے اور جاپانی جناب مولوی صاحب کے درپے آزار ہو گئے۔ تمام افراد جماعت کو طرح طرح سے تنگ کیا گیا۔ ایک دفعہ مولوی صاحب کو ایک کیمپ میں مخالفانہ پروپیگنڈہ کرنے کی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا۔ کافی دن مقدمہ چلتا رہا لیکن جب تک کوئی خلاف فیصلہ ہوا اللہ تعالیٰ نے موہن سنگھ کا ہی فیصلہ کر دیا۔ اور آئی این کے ریکارڈ جلا دیئے گئے۔ جاپانیوں نے دوبارہ فوجیوں کو پی او ڈبلیو (pow) کیمپوں میں بھیج دیا۔ سویلین منتشر کرائے گئے۔ اس کے بعد جب راش بہاری بوس اور سبھاش چندر بوس کی کوششوں سے آئی این اے بنی اور اس تحریک نے بہت قدم پھیلایا تو مولوی صاحب موصوف نے بھی اپنی مخالفت کو تیز کر دیا۔ کونسل تک میں سوال اٹھایا گیا کہ غلام حسین ایاز جو سخت خلاف پروپیگنڈہ کر رہا ہے اور اتنا

مخالف ہے کیا وجہ ہے ابھی تک گرفتار نہیں کیا گیا؟..... مولوی صاحب نے pow کی سامان خوراک کپڑوں اور نقدی کے ساتھ مقدور بھرا ہوا ادکی جو جاپانیوں کی نظر میں خطرناک جرم تھا اور آئی این اے کے ایک سرگرم ممبر اور افسر کو اپنے ساتھ ملا کر (INA) کے اندر مخالفین کا جھنڈا تیار کیا۔ ایک کمپ میں تین سو جوانوں کا ایک اور کمپ میں تیس آدمیوں کی ٹولی بنائی گئی تھی ان کے علاوہ سوئیلین بھی دو سو کے قریب ہوں گے۔ سنگاپور میں آئی این اے کا ایمنیشن ڈپوسی پارٹی کے قبضہ میں تھا۔ اگر موقع آ جاتا اور سنگاپور پر حملہ ہوتا تو دنیا کو معلوم ہو جاتا کہ یہ کتنی طاقت تھی۔ اس نے کیا کچھ کیا۔

۱۹۴۵ء کے شروع میں برٹش گورنر دہشتوں سے تعلق پیدا کرنے کے لیے ایک آدمی سرمن کو لاہر بھیجا اور ان کا ایک نمائندہ بھی ملنے کے لیے آیا۔ جسے جاپانی ڈیفنس اور اپنی تیاری کی تفصیلات دی گئیں۔ اس نے ایک تجویز پیش کی کہ جب سنگاپور پر متوقع حملہ ہو تو آپ کیونسٹ جھنڈا لے کر باہر آئیں مگر اس کا فوراً انکار کر دیا گیا اور کہا گیا کہ ہم تو (برطانیہ کا جھنڈا) یونین جیک لے کر نکلیں گے۔ آخر نمائندہ نے یہ بات مان لی۔ یہ نمائندہ چینی تھا اور کیونسٹ خیالات سے متاثر معلوم ہوتا تھا۔^(۱)

جاپان نے سنگاپور پر تسلط قائم کر لیا اور تمام اندراجی، سیاسی، مذہبی تجارتی سوسائٹیوں پر پابندی لگا دی۔ انجمن احمدیہ ایک رجسٹرڈ تنظیم نہیں تھی اس لیے بچ گئی البتہ مختلف پارٹیوں کے چیدہ اور سرغنہ آدمی گرفتار کر لیے گئے۔ تاہم قادیانی جاسوس اپنی مکروہ سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیے زیر زمین چلے گئے۔ مولف تاریخ احمدیت ایک قادیانی جنگی قیدی کے حوالے سے رقم طراز ہے کہ

”مولوی ایاز کے لیے یہ اچھائی صبر آزما دور تھا۔ خصوصاً جاپانیوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کی وجہ سے آپ پر بہت سختیاں کی گئیں۔ پولیس نے گورنمنٹ کے ریکارڈ میں ان کا نام بلیک شیٹ میں سب سے اوپر لکھوایا ہوا تھا۔“^(۲) ایک اور قادیانی کی شہادت

۱۔ افضل قادیان۔ ۸ فروری ۱۹۴۵ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد ۸ ص ۲۰۶۔

درج کرتے ہوئے مولف مذکور نے انکشاف کیا ہے کہ ”مولوی صاحب کے خلاف ہر روز رپورٹیں پہنچتی رہتی تھیں اور ہر وقت جاپان ملٹری پولیس اور سی آئی ڈی مولوی صاحب کے پیچھے لگی رہتی تھی۔“ (۱)

جاپان

تحریک جدید جاپان کے دوسرے قادیانی مبلغ صوفی عبدالقدیر نیاز نے جون ۱۹۳۵ء میں جاپان کے لیے روانگی اختیار کی۔ اس نے وہاں ایک مشن قائم کیا اور کچھ خفیہ سامراجی تنظیموں کی مدد سے اپنی سرگرمیاں شروع کیں۔ تاریخ احمدیت کے مطابق حکومت جاپان کو آپ کی نسبت شروع ہی سے بعض سیاسی شکوک تھے۔ جاپان پولیس کی طرف سے آپ کی کڑی نگرانی کی گئی آپ زیر حراست لے لیے گئے۔ آخر کار انہیں برطانویوں کے لیے جاسوسی کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ (۲) یہ الفضل قادیان نے تسلیم کیا ہے کہ

”صوفی عبدالقدیر نیاز احمدی مجاہد کو حکومت جاپان نے جاسوسی کے الزام میں گرفتار کیا مگر

اب رہا کر دیے گئے ہیں۔“ (۳)

صوفی قدیر کی مدد کے لیے مرزا محمود نے (بدنام زمانہ مناظر اللہ دتہ جاندھری کے بھائی) عبدالغفور جاندھری کو جاپان روانہ کیا۔ وہ عبدالغفور کو مشن کی تنظیم کی خاطر چھوڑ کر جولائی ۱۹۳۸ء میں قادیان واپس آ گیا۔ جاپانی مشن کی سرگرمیوں کا اندازہ قادیان کو بھیجی گئی اس رپورٹ سے بخوبی ہو جاتا ہے جو اگست ۱۹۳۹ء میں عبدالغفور نے بھجوائی۔

”بعض نئے دوستوں کو تبلیغی خط لکھے۔ جاپانی زبان کی تعلیم جاری ہے۔ مسٹر ٹوینا (ایک

مقامی آلہ کار) آئے۔ علاقہ کو بے میں انگریزوں کے خلاف احتجاجی مظاہروں کا حل

۱۔ ایضاً۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد ۷ ص 218۔

۳۔ الفضل قادیان 20 نومبر 1937ء۔

بتایا۔ بتاتے تھے کہ جلوس میں دس لاکھ آدمی شامل تھے۔“ (۱)

دوسری جنگ عظیم کے دوران جب جاپانی جاسوس ہندوستان میں سرگرم تھے تو برطانوی خفیہ محکمہ نے مرزا محمود احمد کو ترغیب دی کہ وہ صوفی نیاز اور عبدالغفور جالندھری کی خدمات کو جاپان میں تخریبی کارروائیوں کے لیے مستعار دے۔ مرزا محمود کہتے ہیں کہ ایک اعلیٰ خفیہ افسر نے صوفی عبدالقدیر نیاز سے جاپان اور اس کی وہاں سرگرمیوں کے متعلق اطلاعات فراہم کرنے کو کہا۔ اس خفیہ کے اہلکار نے صوفی کو دھمکی بھی دی کہ وہ تمام اطلاعات بیان کر دے ورنہ ”قوانین تحفظ ہند“ کے تحت اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ بعد میں صوفی کا نام مشکوک اور غنڈہ عناصر میں درج کر لیا گیا اور وہ پولیس کی زیر نگرانی رہا۔ کچھ اعلیٰ حکام اور اعلیٰ خفیہ اہلکار ان معاملات پر ہامور تھے۔ اسی طرح مولوی عبدالغفور کو پولیس نے امرتسر بلایا اور جاپان میں اس کے مرکز کی نوعیت دریافت کی اور اسے ایک جاپانی جاسوس کے طور پر جاپان جانے کی ترغیب دی گئی۔ مرزا محمود نے اظہار تاسف کرتے ہوئے کہا کہ

اگر جاپان اور امریکہ، روس اور اعلیٰ چین اور جرمنی وغیرہ کی حکومتوں کو یہ خیال پیدا ہو جائے کہ احمدی مبلغ انگریزوں کے جاسوس ہوتے ہیں تو وہ انہیں تبلیغ کی کیا اجازت دیں گے ایسی صورت میں تو جب کوئی مبلغ ان کے ملک میں جائے گا، وہ اسے پکڑ کر باہر نکال دیں گے۔“ (۲)

جاوا

جاوا میں بہت سے قادیانی تخریب کار تھے۔ ان میں عبدالمسیح، مولوی رحمت علی، شاہ محمد اور ملک عزیز احمد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ جنگ عظیم کے دوران اتحادیوں کے لیے زیر زمین سرگرمیوں میں ملوث تھے۔ مولوی عبدالواحد کو مرزا محمود نے

تحریک جدید کا مبلغ مقرر کیا۔ مارچ ۱۹۳۲ء میں جاوا جاپان کے قبضہ میں چلا گیا۔ جاپانی خفیہ پولیس نے کئی قادیانی جاسوسوں کو تخریب کاری اور جاسوسی کے الزامات میں گرفتار کر لیا۔ بائیس فروری ۱۹۳۶ء کو عبدالواحد نے مرزا محمود کو ایک خط لکھا جو ہندوستانی میں کام کرنے والے قادیانی مشن کی سیاسی نوعیت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

”جاپانوں کے غلبہ کے زمانے میں اس شبہ کی بناء پر کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کی جابوس ہے، موزعہ آٹھ مارچ ۱۹۳۲ء کو بندہ (عبدالواحد) اور عبدالمسیح اور محمد یحییٰ صاحب جو جماعت احمدیہ گاروت کے پریذیڈنٹ تھے۔ ہم تینوں کو دو بجے رات کے جاپانیوں نے پکڑ کر بنگلہ کے حراست خانہ میں ڈال دیا۔ اس واقعہ کے چار روز بعد جماعت احمدیہ نامک ملایا کے چھ عہدیداران اسی حراست خانہ میں لائے گئے۔ پھر بارہ روز کے بعد سردار سید شاہ محمد صاحب مجاہد اور سردار ملک عزیز احمد خان صاحب مجاہد بھی کہیں سے پکڑ کر اسی ڈال دیے گئے۔ جاپانی کن پٹائی یعنی جاسوسی پولیس نے ہم سے مندرجہ ذیل امور کے متعلق کئی کئی رنگ میں سوالات کیے۔“

- 1- جماعت احمدیہ کے بانی کون ہیں؟
- 2- جماعت احمدیہ کی غرض و غایت کیا ہے؟
- 3- جماعت احمدیہ کے عقائد کیا ہیں؟
- 4- صدر انجمن احمدیہ کے نظم و نسق کے مفصل حالات کیا ہیں؟
- 5- بیعت کا کیا مفہوم ہے؟
- 6- چندہ کا کیا مطلب ہے؟
- 7- ائمہ و نیشیاء کی جماعتوں کا قادیان سے کیا تعلق ہے؟

آخر کن پٹائی کے اعلیٰ افسر نے کہا کہ تمہاری جماعت کا نظام جانے والا دنیا کے بہترین دماغ کا مالک ہے مگر شاید تم لوگوں کو معلوم نہ ہو اس کے پیچھے انگریزوں کے ہاتھ ہیں۔ اگرچہ ہماری طرف سے بار بار کہا گیا کہ انگریزوں کا اس میں کوئی دخل نہیں مگر وہ اس

بات پر اڑا رہا کہ صدر انجمن احمدیہ کے اوپر بدظانوی ہاتھ کام کر رہا ہے۔ تراسی روز قید رکھنے کے بعد ہمیں جھوڑ دیا گیا۔^(۱)

جاوا کے ایک اور قادیانی مبلغ مولوی محی الدین کے پراسرار غائب کر دیئے جانے کے بارے میں مرزا محمود فرماتے ہیں:

”پہلے ساٹرا اور جاوا پر جاپان نے قبضہ کر لیا پھر انڈونیشین کی خود مختار حکومت قائم ہوئی، پھر انگریزوں نے ڈچ کو داخل کرنے کی کوشش کی۔ اب وہاں ری پبلکن حکومت قائم ہے۔ بہت سے اعتلاء بھی ہماری جماعت پر آئے۔ جاپانی قبضہ کے زمانے میں احمدیوں کے ساتھ سختی بھی کی گئی۔ پہلے تو اس طرف توجہ نہیں کی گئی لیکن آہستہ آہستہ جب جاپانیوں کا ڈر دور ہوا اور ان کے پاس شکائتیں پہنچنے لگیں تو احمدیوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ لیکن جب وہ اپنے ارادوں کو جماعت احمدیہ کے خلاف پوری مضبوطی سے قائم کر چکے تو یک دم اللہ تعالیٰ نے ان کی حکومت کو تباہ کر دیا اور انڈونیشیاء میں ری پبلکن حکومت قائم ہو گئی۔ اس ری پبلکن حکومت کے زمانہ اور اس سے پہلے زمانہ میں بھی جبکہ افراد محض انفرادی طور پر اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے کوشش کرتے تھے ہماری جماعت نے ری پبلکن تحریک کا ساتھ دیا تھا اور ملک کی آزادی کے لیے اس نے ہر رنگ میں کوشش کی تھی۔ اس لیے جاپانی حکومت کے جانے کے بعد جب ری پبلکن حکومت قائم ہوئی تو عام طور پر ہماری جماعت کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا۔ افسرول کاروبار ہماری جماعت کے ساتھ بہت بہتر رہا اور انہوں نے ہم سے اپنے تعلقات قائم رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ جاوا میں اب بھی ہمارے مبلغین کام کر رہے ہیں۔ گوانہیں آہستگی سے کام کرنا پڑتا ہے لیکن بہر حال ان کے کام میں کوئی خاص روک نہیں پائی جاتی اور جیسا کہ ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے بعض اعلیٰ حکام حتیٰ کہ بعض وزراء تک بھی ہمارے مبلغوں سے ملتے ہیں ان سے مشورہ بھی کرتے ہیں اور ان کے ذریعے ہندوستان پیغام بھی بھجواتے ہیں۔ وہاں ہماری جماعت کے ایک معزز دوست مولوی محی الدین صاحب بہت اعزاز رکھتے

ہیں۔ اور ری پبلکن حکام میں بھی ان کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے مگر اب مولوی عزت علی صاحب اور بعض دوسرے دوستوں کی چشیوں سے معلوم ہوا ہے کہ رات کو چھاپہ مار کر ان کو کوئی قید کر کے لے گیا ہے۔ ابھی تک یہ پتہ نہیں لگ سکا کہ ان کو کون قید کر کے لے گیا ہے۔ ایک ماہ بلکہ ڈیڑھ ماہ کے قریب عرصہ ہو گیا ہے ابھی تک ان کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئیں اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کو کس نے پکڑا ہے۔“ (۱)

جاپانی خفیہ پولیس نے ایک اور بدنام زمانہ قادیانی جاسوس محمد صادق کو گرفتار کیا۔ اس پر برطانویوں کے لیے جاسوسی کا الزام تھا۔ ایک مقدمے کے دوران یہ ثابت ہو گیا اور اسے چھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ (۲) تاریخ احمدیت کہتی ہے کہ محمد صادق کا نام جاپانی حکومت کی بلیک لسٹ میں لکھا گیا تھا۔ (۳)

انڈونیشیا

اگست ۱۹۴۵ء میں انڈونیشیاء کے عوام نے ایک ری پبلکن کے قیام کا اعلان کر دیا۔ مغربی سامراجی طاقتوں نے انقلاب کا گلا گھونٹنے کی کوششوں میں بڑی تیزی دکھائی۔ چونکہ ولندیزیوں نے اس وقت جرمنی کے فاشٹ قبضہ سے ابھی ابھی رہائی حاصل کی تھی اس لیے وہ انڈونیشی محبت وطن عناصر کے خلاف مسلح جدوجہد کی سکت نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ ظالمانہ کردار بھی برطانیہ کو ادا کرنا پڑا۔

ستمبر ۱۹۴۵ء کے آخر میں برطانوی ہند کی فوجیں اسی بہانے سے جنارتہ میں اتریں کہ انڈونیشی دستوں کو غیر مسلح کیا جاسکے۔ اپنے روایتی ہتھکنڈوں کو استعمال کرتے ہوئے برطانوی اور ولندیزی دخل اندازوں نے پہلے جمہوریہ سے مذاکرات شروع کیے تاکہ محبت وطن لوگوں کی نشاندہی کی جاسکے اور پھر یکدم مذاکرات کو تاخت و تاراج

۱۔ الفضل ۵ دیاں ۱۳ نومبر ۱۹۴۲ء۔

۲۔ الفضل ۵ دیاں ۲۴ جنوری ۱۹۴۸ء۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد ۵ ص ۵۱۹۔

کر کے ایک سنگدلانہ مسلح حملہ شروع کر دیا۔^(۱)

مولوی محمد صادق قادیانی مبلغ پائید انگ (سائرا) نے چار جنوری ۱۹۴۶ء کو مرزا محمود کو چار سوالات ارسال کیئے جو غیر ملکی تسلط کے خلاف انڈینیشن کی تحریک آزادی کے متعلق تھے۔ یہ سوال و جواب درج ذیل ہیں۔

”سوال: پہلے انڈینیشن میں ڈچ حکومت تھی اسکے بعد جاپانی حکومت قائم ہوئی پھر جاپانی حکومت بھی ختم ہو گئی۔ چونکہ اتحادی فوجوں کے آنے میں دیر ہوئی اس لیے انڈینیشن کے لوگوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ آزادی کا اعلان اور حکومت کا قیام اتحادیوں کے مشورہ کے بغیر ہوا۔ اس لیے اتحادیوں نے آج تک انڈینیشن آزادی اور حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ اس صورت میں کیا اسلام کی رو سے انڈینیشن واقعی آزاد قرار پاتا ہے اور کیا انڈینیشن حکومت واقعی وہ حکومت ہے جس کی اطاعت رعیت پر فرض ہے یا کہ باغی جمیعت ہے۔

جواب: واقعی حکومت تو دینی ہوگی جس کو ملک کی اکثریت قبول کرے گی۔ باقی اگر ملک کی اکثریت آزاد حکومت بنائے تو شرعاً باغی نہیں کہلائے گی بلکہ حق پر سمجھی جائے گی۔ کیونکہ ملک کو کلی طور پر فتح کر کے سابق حکومت کے قبضہ سے نکال لیا گیا تھا۔ باقی رہا سوال مصلحت اور حکمت کا اسے وہاں کے لوگ خود سمجھ سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مغربی حکومت کلی آزاد حکومت نہیں بنے دے گی۔ اس لیے سمجھوتہ کرنا مفید ہے۔

سوال: آزادی کی تحریک اور دوسرے سیاسی امور میں احمدی حصہ لے سکتے ہیں یا نہیں۔ مثلاً انڈینیشن حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر ڈچ لوگ دفتروں اور کارخانوں پر قابض ہو گئے تو ہم ان سے بائیکاٹ اور سٹرائیک کریں گے۔ کیا ایسے بائیکاٹ اور سٹرائیک میں شریک ہونا جائز ہے؟

جواب: اگر انڈینیشن حکومت واقعی اکثریت کی حکومت ہے تو اوپر لکھا جا چکا ہے کہ وہ جائز ہے۔ اس صورت میں اس کے احکام کے تعمیل شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ پسندیدہ ہے۔

سوال: اگر ڈائج لوگ اس علاقے میں داخل ہوں اور انڈونیشین ان کا مقابلہ کریں تو جماعت احمدیہ کو کس طرف ہونا چاہئے۔

جواب: میں کہہ چکا ہوں کہ مصلحت اسی میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل کر کے صلح کر لی جائے، کیونکہ سب مغربی حکومتیں منہ سے کچھ بھی کہیں، ڈچ کے ساتھ ہوگی۔ لیکن اگر فی الواقعہ ملک میں اکثریت کی حکومت قائم ہو چکی ہے تو چونکہ وہ جائز حکومت ہے۔ احمدیوں کا اس کا ساتھ دینا جائز ہی نہیں پسندیدہ ہوگا۔ مگر یہ فعل انڈونیشین کا ہوگا خلاف حکمت۔“ (۱)

ہندوستان میں عوام نے انڈونیشی عجمان وطن کی بھرپور حمایت کی۔ ہندوستان میں بڑے عوامی اجتماعات منعقد ہوئے۔ ڈچ سامراج کی حمایت کے لیے ہند کی برطانوی افواج کے استعمال کے برطانوی فیصلے پر شدید احتجاج کیا گیا۔ پچیس اکتوبر ۱۹۴۶ء کو پورے ہندوستان میں وسیع پیمانے پر ”یوم انڈونیشیا“ منایا گیا۔ ہندوستانی قلیوں نے انڈونیشیاء کو لے جانے والے عسکری ساز و سامان کو بحری جہازوں پر لادنے سے انکار کر دیا۔ ”رائل انڈین نیوی“ کے ملاحوں نے بمبئی میں بغاوت کر دی اور انڈونیشیاء سے انگریزی ہندی دستوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ۱۹۴۷ء کے وسط میں برطانوی دستوں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ انڈونیشیاء سے پسپائی اختیار کریں۔

حبشہ

اگست ۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر نذیر احمد کو احمدی مبلغ کے طور پر حبشہ بھجوایا گیا۔ ان دنوں اطالیہ اور حبشہ کے مابین جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ قادیانی آلہء کار نے تبلیغی مشن کے نام سے ایک احمدی مرکز قائم کر لیا اور وہاں روایتی چالبازی سے قادیانیت کا پرچار شروع کر دیا۔ مئی ۱۹۳۶ء میں اطالیہ نے حبشہ پر قبضہ کر لیا اور شاہ ہیلسا لاسی برطانیہ فرار ہو گیا۔ ان بدلتے ہوئے حالات میں ڈاکٹر نذیر احمد بھی مشرق وسطیٰ کی طرف بھاگ گیا

اور فلسطین جا پہنچا جہاں ایک زبردست صیہونی مخالف تحریک حضرت مفتی امین الحسینیؒ کی زیر قیادت چل رہی تھی۔

۱۹۴۰ء میں وہ مکہ چلا گیا۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کیا اور پھر قادیان جا پہنچا۔ جنگ کے زمانے میں مرزا محمود احمد نے اسے دوبارہ حبشہ اور عدن کی طرف روانہ کیا جو ان دنوں زبردست برطانیہ مخالف تحریک کے چنگل میں تھا۔ عربوں نے اس برطانوی جاسوس کا جلد ہی کھوج نکال لیا اور اس کی ملک بدری کا مطالبہ کر دیا۔ ایک دفعہ عربوں اور صومالیوں نے اس کی ”مسجد“ پر چھاپہ مارا تاکہ اس کا قصہ تمام کیا جاسکے۔ مگر سی آئی ڈی نے اسے بچا لیا۔ تاریخ احمدیت میں اس کے بارے میں یوں درج ہے۔

”ایک دن عربوں اور صومالیوں نے مسجد کو گھرے میں لے لیا تاکہ خاکسار (ڈاکٹر نذیر)

کو کا حکم کر دیا جائے۔ اسی اثناء میں سی۔ آئی۔ ڈی کا ایک آدمی میرے پاس آ کر کھڑا

ہو گیا اور انگریزی میں کہنے لگا: ”ہم کو حکم ہوا ہے کہ آپ کو گھر سلامتی کے ساتھ پہرے

کے اندر پہنچا دیں کیونکہ پبلک مسجد کے اندر اور باہر ڈنڈے اور چاقو لیے کھڑی ہے۔ ان

کی نیت آج آپ کے متعلق خطرناک ہے۔“ میں نے کہا گورنمنٹ کی حکم عدولی میں نہیں

کر سکتا۔ بہت اچھا۔“ (۱)

عدن کے علماء نے گورنر کو قادیانی مبلغ کی خطرناک سرگرمیوں پر مشتمل کئی میمورنڈم ارسال کیئے اور اس کو فی الفور ملک سے نکالنے کا مطالبہ کیا۔

مشرقی یورپ

مشرقی یورپ کے ممالک میں قادیانیوں نے خصوصی کام سرانجام دیئے۔ ہٹلر کی

یورپ کے بارے جنگی حکمت عملی اور جرمنی میں نازی اقتدار سے تمام صیہونیت نواز ممالک

پریشان تھے۔ مشرقی یورپ کے ملکوں میں قادیانی مشن ۱۹۳۵ء سے ہی سرگرم عمل تھے۔

جنوری ۱۹۳۶ء میں مرزا محمود نے احمد خان ایاز کو بڈ اپسٹ (ہنگری) بھیجا۔ وہاں وہ

پینتیس افراد کو مرتد بنانے میں کامیاب ہو گیا۔^(۱) وہاں اس نے برطانوی عناصر کی مدد سے بڈاپسٹ، میں ابتری پیدا کرنے والے رجعت پسند اور باغی عناصر سے ساز باز کر لی۔

فروری ۱۹۳۷ء میں مرزا محمود نے ابراہیم ناصر کو ہنگری مشن کی ذمہ داری سنبھالنے کا حکم دیا اور ایاز کو ہدایت کی کہ وہ پولینڈ چلا جائے۔ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ تھا کہ انہوں نے یہ فیصلہ مفتی اعظم پولینڈ کی اس درخواست پر کیا تھا جو مفتی اعظم پولینڈ ڈاکٹر یعقوب شکلتاک نے اپنے دورہ ہندوستان میں ان سے ملاقات کے دوران کی۔
(۲) پہلے ابراہیم ناصر کو امریکی مشن کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے کہا گیا تھا مگر حکومت امریکہ نے چند غیر واضح وجوہات کی بناء پر اس کا امریکہ میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ ناصر نے ہنگری میں اپنے کام کو وسیع پیمانے پر چلانے کیلئے خوب برطانوی امداد وصول کی۔ وہ نومبر ۱۹۳۸ء میں قادیان واپس آ گیا۔

جب اپریل ۱۹۳۶ء میں ایاز نے ہنگری سے آ کر پولینڈ میں اپنا کام شروع کیا تو پولینڈ کی خفیہ پولیس نے اسے خفیہ جاسوس پا کر اس کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھنا شروع کر دی۔ جونہی اس کی مدت اقامت ختم ہوئی۔ اس کے قیام میں مزید توسیع سے انکار کر دیا گیا۔ اس نے اپنے مدت قیام میں اضافے کی سر توڑ کوشش کی مگر حکومت پولینڈ نے توسیع دینے سے انکار کرتے ہوئے اسے فوراً ملک چھوڑ جانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء کے اوائل میں وہاں مرکز قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وارسا کی خفیہ تنظیم نے جو (STB) کہلاتی تھی اسے جلد از جلد ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

البانیہ اور یوگوسلاویہ

اپریل ۱۹۳۶ء سے ہی قادیانی آلہ کار البانیہ اور یوگوسلاویہ میں اپنے مراکز چلا رہے تھے۔ جب محمد دین کو قادیان سے البانیہ روانہ کیا گیا اس وقت وہاں شدید

اٹری کی صورت تھی اور احمد زونو بے کی حکومت کے خلاف تحریک چل رہی تھی۔ سیاسی ضروریات کے تحت محمد دین نے جہاد مخالف لٹریچر تیار کر کے وسیع پیمانے پر تقسیم کیا اور برطانوی سامراج کے ترانے الاپنے لگا۔ الہیہ کے مسلمان رہنما اس کی ان حرکتوں پر چوکنے ہو گئے۔ اسے ایک برطانوی جاسوس سمجھ کر البانیہ سے نکال دیا گیا۔ قادیان نے اسے بلغراد جانے کا حکم دے دیا جہاں پہلے ہی ایک برطانوی جاسوس شریف دوستا سامراجی مقصد کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل تھا۔ جولائی ۱۹۳۷ء میں انہوں نے البانیہ کے نزدیک کسودا میں ایک مرکز قائم کیا۔ کسودا ان دنوں انتظامی طور پر یوگوسلاویہ کے ماتحت تھا۔ یوگوسلاویہ کے خفیہ محکمہ نے قادیانی آلہ کاروں کی سرگرمیوں پر شک کرتے ہوئے پانچ جون ۱۹۳۸ء کو محمد دین کو بلک چھوڑنے کا حکم دے دیا۔^(۱) وہ وہاں سے بلغاریہ اور پھر اٹلی چلا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران وہ مصر پہنچا اور مارچ ۱۹۴۱ء میں واپس قادیان لوٹ گیا۔ تاریخ احمدیت میں مذکور ہے۔

”مولوی محمد دین حضرت خلیفۃ المسیح ثانی (مرزا محمود) کی آواز پر ۱۹۳۵ء میں البانیہ گئے جہاں کے فرماؤ اور احمد زونو اور علاقے سرحدی پٹھانوں کی مانند تھے۔ ۱۹۳۶ء میں لوگوں نے پولیس میں رپورٹ کر دی کہ نووارد جہاد سیف کا قاتل نہیں اور لوگوں میں اس کے خلاف خیالات کا اظہار کرتا ہے۔“ اچانک ایک روز پولیس نے مولوی صاحب کو ہمراہ لے کر طویل گفتگو کی اور نقل و حرکت پر پابندی لگا دی اور کہا کہ افسران بالا کے احکام کا انتظار کریں۔ چند دنوں بعد پولیس نے مولوی صاحب کو البانیہ سے یوگوسلاویہ کی سرحد میں داخل کر دیا۔ آپ مرکز کی ہدایت پر البانیہ اور یوگوسلاویہ کے خط فاضل کے علاقے میں تبلیغ کرتے رہے۔ ہنگامی کے شریف دوستا کے مشورے سے ایک شخص سے شراکت کر کے چائے کی دکان کھول لی جو تبلیغی اڈے کے طور پر استعمال کی گئی۔ شریف دوستا بلگراد میوہیل کمیٹی کے ممبر تھے اور ان کا چھوٹا بھائی فوج میں لیفٹیننٹ تھا۔“^(۲)

قادیانی مولف مزید لکھتا ہے کہ

”حالات نے یکدم یوں پلٹا کھایا کہ البانیہ کی پولیس کے کاغذ بلکراڈ پولیس کے پاس پہنچ گئے۔ مولوی صاحب اس وقت مرکز سے باہر تھے۔ پولیس کے شبہ کو تقویت کی گنجائش نکل آئی اور انہوں نے بار بار چکر لگانے شروع کیے اور آخر کار گرفتار کر کے چوبیس گھنٹے کے اعدہ ہندو بلخراڈ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ شریف دوتسا اور اس کا بھائی اس سیاسی معاملہ میں کچھ مدد نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے ان کو الگ رہنے کی ہدایت کی۔^(۱) اور صرف یہ کہا۔ ”اگر آپ میرے شریک کار سے میری رقم نکلوا دیں تو سفر کی آسانی رہے گی۔“ ہوا یہ کہ وہ شخص پولیس کی آمد دیکھ کر سب کچھ فروخت کر کے دکان بند کر کے بھاگ گیا۔ پولیس نے مولوی صاحب کو یونان کی سرحد میں داخل کر دیا جہاں سے وہ اٹلی میں ملکہ محمد شریف کے پاس چلے گئے۔

شریف دوتسا کو جولائی ۱۹۳۶ء میں البانیہ کی کمیونسٹ حکومت نے ان کے خاندان سمیت قتل کر دیا۔ البتہ اس کا لڑکا بہرام بعض قادیانی فوجیوں کی مدد سے سامراجی غلبہ و تسلط کے قیام کے لیے البانوی حکومت سے برسرِ پیکار رہا۔ اس کا ذکر مرزا محمود نے ایک خطبہ میں کیا۔“^(۲)

ہسپانیہ

تحریک جدید کے منصوبے کے تحت فروری ۱۹۳۶ء میں محمد شریف گجراتی ہسپانیہ روانہ ہوا۔ ہسپانیہ میں ان دنوں ابتری پھیلی ہوئی تھی اور اطالوی، جرمنی اور برطانوی قوتیں خانہ جنگی میں ملوث تھیں۔ جنرل فرانکو حکومت کے حصول کے لیے کوشاں تھا۔ تاریخ احمدیت کہتی ہے۔

”حالات زیادہ مخدوش ہو گئے تو برطانوی سفیر میڈرڈ نے آپ کو سفارت خانہ بلایا

۱۔ ایضاً۔
۲۔ انشٹاٹ دیان۔ ۱۲ جولائی ۱۹۴۶ء۔
۳۔ تاریخ جلد VIII ص ۲۹۳۔

اور برٹش رعایا کے ساتھ آپ کو بھی حکما دار الحکومت میڈرڈ سے لندن بھجوایا۔ (۳) ایک ہفتہ لندن گزارنے اور تازہ ہدایات حاصل کر کے ملک شریف جبرالٹر روانہ ہوئے۔ جہاں حکومت کی خاص پابندیوں کے باعث اسی جہاز میں فرانس کی ایک بندرگاہ میں اترے۔ آپ نے مرزا محمود سے قادیان رابطہ قائم کیا۔ مرزا صاحب نے حکم دیا کہ اٹلی چلے جائیں۔ پچھلے میں قادیانی مبلغ نے میڈرڈ بار ایسوسی ایشن کے صدر کو قادیانی بتایا اور ان کا نام کونٹ غلام احمد رکھا۔ قادیانی کونٹ نے ایک طویل عرصہ تک کیونسٹوں کی تحریکات پر نظر رکھی اور برطانوی سفارت خانے کے آلہ کار کے طور پر کام کیا اور پھر پچھلے سے فرار ہو کر البانیہ چلا گیا۔ (۱)

قادیانی مبلغ ملک شریف لکھتا ہے۔ ”کونٹ غلام احمد کو پچھلے سے ٹکنا پڑا۔ عرصہ کے بعد البانیہ پہنچے جہاں اپنی عمر کا باقی ماندہ حصہ بسر کر کے عین اس وقت آپ کی وفات ہوئی جبکہ میں جنگ عالمگیر ثانی کے دوران دشمن کے قیدی کیمپوں میں بے کسی کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔ آپ کی اہلیہ آمنہ کو میڈرڈ پولیس نے گرفتار کر کے ہر روز ڈراؤ دھمکاؤ کے ساتھ گولی سے اڑا دینے کی دھمکیاں دیں اور یہی بتایا جاتا رہا کہ اگلی صبح آپ کو گولی مار کر اڑا دیا جائے گا۔“

اطالیہ

جنگ عظیم کے دوران قادیانی مبلغ اپنی شرمناک سرگرمیوں کے باعث اٹلی کی قید میں رہا۔ جب اتحادیوں کو فتح حاصل ہوئی اور ان کی افواج اٹلی کے شہر فلارن میں داخل ہوئیں تو مبلغ مذکور نے ایک ہندوستانی کمانڈر سے رابطہ پیدا کر کے رہائی حاصل کی۔ اس کی قادیانی بیوی سلیمہ خاتون بھی قید میں تھی۔ اسے بھی رہا کر دیا گیا۔ بعد میں دونوں انڈین آرمی ایجوکیشن کے تحت فلارن یونیورسٹی میں لیکچرار مقرر ہوئے۔

قادیانی مبلغ اپنی خدمات اور کارکردگی کی بدولت اٹلی میں کام کرنے والے

اتحادی کمیشن کے ساتھ اپریل ۱۹۴۷ء تک کام کرتا رہا۔ اس دوران مرزا محمود نے دو نئے مجاہد میسر محمد ابراہیم خلیل اور مولوی محمد عثمان اٹلی روانہ کیے اور ملک شریف کو دوبارہ اٹلی کا امیر مقرر کر دیا گیا۔ یہ دو ”مجاہد“ سسلی کے مخصوص سیاسی حالات کے باعث میسینہ (Massina) بھیجے گئے۔ لیکن وہاں کی حکومت نے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر انہیں ملک چھوڑ دینے کا حکم دیا۔^(۱) بعد ازاں اس حکم کو مقامی حکام اعلیٰ سے مل کر منسوخ کر لیا گیا اور جلد ہی اٹلی مشن بند کر دیا گیا۔

قادیانی مبلغ کی ایک رپورٹ ملاحظہ کریں جس سے حقیقت تبلیغ آشکارا ہوتی ہے۔ ناظم تحریک جدیدہ کو اٹلی سے لکھتا ہے کہ عیسائی فرقے سینما کے ذریعے تبلیغ کرتے ہیں۔

”میرا ارادہ ہے کہ تحریری تقریری اور نمائشی ذرائع سے احمدیت کی تبلیغ کی جائے۔ زمانہ گزشتہ کے مذاہب اور ان کے لیڈرز تمام نمائش میں آجائیں۔ (سینما کے رنگ میں معلوم ہوتا ہے) تحفہ پرنس آف ویلز پڑھنے پر مجھے ایک کتاب فلم کے اصول پر لکھنے کا خیال ہے۔ اس کا نام ”British Empire Forever“ (برطانوی حکومت ہمیشہ کے لیے) ہوگا۔ اس میں حکومت انگلشیہ کی رعایت کو مد نظر رکھتے ہوئے لوگوں پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ موجودہ زمانہ میں بین الاقوامی تمدن اور اخلاق صرف احمدیت کی پیروی میں ہے۔“^(۲)

خفیہ پولیس کی نگرانی

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ مارچ ۱۹۳۶ء میں سپین کا قادیانی مشن بند ہو چکا تھا اور مبلغ سپین ملک محمد شریف گجراتی اٹلی میں مقیم تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد مرزا محمود نے لندن سے وسط ۱۹۴۶ء میں تحریک جدیدہ کے دو مبلغ مولوی کرم الہی ظفر اور مولوی محمد اسحاق کو سپین کے دار الحکومت میڈرڈ روانہ کیا تا کہ اس مشن کو دوبارہ کھولیں لیکن یہ مشن خاص پولیس کی نگرانی میں کام کرتا رہا۔ مولف تاریخ احمدیت لکھتا ہے:-

”۱۹۳۵ء میں جرمنی کی شکست کے بعد جب بین الاقوامی سیاست نے پلٹا کھلایا تو اس ملک (سین) کی خارجہ پالیسی میں کسی قدر ہلک پیدا ہو گئی اور اس نے اسلام کے نام سے انتہائی نفرت کے باوجود شام، شرق اردن، سعودی عرب اور ترکی وغیرہ مسلم ممالک سے سفارتی تعلقات قائم کر لیے اس طرح خدا کے فضل و کرم سے اگرچہ مبلغین احمدیت کو بھی سین میں داخلہ کی اجازت مل گئی مگر خفیہ پولیس مشن کی خاص نگرانی پر متعین کر دی گئی۔“

امریکہ

جنگ عظیم اول سے قبل مشرقِ قریب کے کئی مسلمان امریکہ چلے گئے اور وہاں نیویارک، بوٹن، فلاڈلفیا، پیٹسبرگ، ڈیٹرائٹ، شکاگو، ملواکی، سینٹ لوئی، سان فرانسسکو اور لاس اینجلس جیسے بڑے کاروباری مراکز میں قیام پذیر ہو گئے۔ پہلا قادیانی مرکز ڈیٹرائٹ کے نواح میں ہائی لینڈ پارک میں قائم کیا گیا جہاں امریکہ کی کل مسلمان آبادی تقریباً پچاس ہزار سے زائد تھی۔ ڈیٹرائٹ میں سات سے آٹھ ہزار مسلمان قیام پذیر تھے۔ وہ وہاں فورڈ موٹر کمپنی میں ملازم تھے۔ اخبار ”مسلم ورلڈ“ لکھتا ہے۔

”ایک امیر کبیر محمد قاروب نامی شخص نے مسجد تعمیر کی اور اسے اگست ۱۹۲۱ء میں ڈیٹرائٹ مشی گن میں عبادت کیلئے کھول دیا۔ شاہی امریکہ میں مسلمانوں کے لیے یہ واحد عبادت گاہ تھی اور مغربی دنیا میں اسلام کی علامت تھی۔ یہ عرب مصر سے مفلسی کی حالت میں ڈیٹرائٹ آیا تھا۔ اس نے موٹریں بنانے کے کارخانے میں مزدوری کی اور زمینوں کی خرید و فروخت میں سرمایہ لگایا۔ اس طرح اس نے کافی سرمایہ اکٹھا کر لیا۔ بد قسمتی سے چند ماہ بعد ہی ایسا نظر آنے لگا کہ مسجد کو یا تو بند کرنا پڑے گا یا سمار کرنا پڑے گا جس کی وجہ مسلمانوں کی صفوں میں افتراق اور مسجد کے معاملات میں ان کی عدم دلچسپی تھی۔ مسٹر قاروب نے یہ تجویز پیش کی کہ عمارت کو زمین بوس کر کے اس کی زمین کو فروخت کر دیا جائے۔ اس نے اس کی تعمیر میں تقریباً پچپن ہزار ڈالر خرچ کیے تھے۔ ہائی لینڈ پارک نے اس جگہ کو اپنے ٹیکس کے تخمینہ میں لے کر مسٹر قاروب کو مجبور کیا گیا کہ وہ اس مسجد پر

ٹیکس ادا کریں کیونکہ شہر کے ٹیکس حکام نے یہ دلیل دی کہ یہ ایک خالی جگہ ہے اور عبادت کیلئے استعمال نہیں ہو رہی۔

قاروب نے مسجد کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا جو سات جون ۱۹۲۱ء کو پایہ تکمیل کو پہنچا۔ جس پر عظیم الشان تقریبات منعقد ہوئیں۔ جن کا اہتمام مفتی محمد صادق قادیانی اور دو مقامی مسلمانوں غلیل بڑی اور معمار مسجد کے بھائی حسن قاروب نے کیا تھا۔

مرزا محمود نے مفتی محمد صادق کو جنوری ۱۹۲۰ء میں امریکہ روانہ کیا تھا۔ امریکی محکمہ تارکین وطن نے اسے کچھ وقت کے لیے اس بناء پر حراست میں رکھا کہ وہ ایک ایسے مذہب کا پیروکار تھا جو تعدد ازواج کو جائز قرار دیتا ہے۔ وہ شکاگو میں قیام پذیر ہو گیا۔ ”مسلم ورلڈ“ مزید لکھتا ہے۔

”قاروب اپنے اخراجات پر مفتی محمد صادق کو ڈیڑ لاکھ لایا جہاں اس نے قادیانی عقائد کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ حضرت محمد ﷺ عظیم پیغمبر ہیں۔ آخری پیغمبر نہیں۔ قادیانی مبلغ نے یہ درس دیا کہ قادیان کا پیغمبر ”احمد“ مسیح موعود مہدی اور وقت کا مصلح ہے۔ اس نے یہاں اپنے مقصد کو یوں ظاہر کیا کہ وہ یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر تمام لوگوں کو دائرہ احمدیت میں داخل کرنا چاہتا ہے۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں نے احمدی عقائد کی سختی سے تردید کی جس کی بناء پر یہ عبادت گاہ بدنام ہو گئی۔ مفتی صادق نے اپنے قبیحین سے اجازت لی اور ہکا بھکا کر اپنے عقائد کا پرچار شروع کر دیا۔

مسٹر قاروب نے مسجد کے گرانے کے اپنے منصوبے کا اظہار نہایت بددلی سے کیا۔ وہ اس بات سے باپس تھا کہ اس میں کوئی بھی عبادت کے لیے نہ آتا تھا۔ آخر کار اس نے عمارت کو گرانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ اسے بے ہودہ کاموں کے لیے استعمال میں نہ لایا جا سکے۔ کیونکہ عمارت تو خدا کی عبادت کے لیے مخصوص تھی۔ قاروب نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”اگر وہ (احمدی) ہم سے حضور ﷺ کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں تو یہ ان کا اپنا معاملہ

اور حق ہے۔ میں تو ضمیر کی آزادی پر عمل یقین رکھتا ہوں۔“ (۱)

جب تفرقہ بازوں نے یہ نعرہ بلند کیا کہ ”مسجد کی جگہ پر ہمیشہ مسجد ہی ہوگی“ اور معاملہ کو عدالتوں میں لے گئے تو مسجد شہر ڈیٹرائٹ کی بلدیہ کو فروخت کر دی گئی تاکہ وہاں ایک تفریحی مرکز قائم کیا جاسکے۔ اسی دوران قادیانیوں نے شکاگو میں ایک رہائشی گھر کو مسجد میں تبدیل کر کے چھوٹے سپیکر میں اذان دے دی۔ ارتداد کی مہم میں صرف حبشیوں کو پھانسا گیا۔ ایک سہ ماہی رسالہ ”دی مسلم سن رائز“ پہلے ڈیٹرائٹ اور بعد ازاں شکاگو سے شروع کیا گیا۔ جب غیر یقینی کی فضا ختم ہو گئی (۲) تو ۱۹۲۳ء میں مفتی واپس قادیان چلا گیا۔ اس رسالے کو چھ سال کے تعطل کے بعد قدرے باقاعدگی سے دوبارہ جاری کیا گیا۔ طباعت کا بیڑہ نئے قادیانی مبلغ صوفی، ایم۔ آر بنگالی نے اٹھایا۔ (۳)

مشرق وسطیٰ

اگرچہ مشرق وسطیٰ خصوصاً شمالی افریقہ دوسری جنگ کا بڑا مرکز تھا لیکن عرب اس میں براہ راست ملوث نہ تھے۔ جو عالمی طاقتیں جنگ میں ملوث تھیں وہ عربوں کے حریت پسندانہ جذبات سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھیں۔ سوائے اس تھوڑی سی حد تک کہ وہ ان کی جنگی کوششوں کو روکتی یا ان میں رکاوٹ ڈالتی تھیں۔ جب جنگ چھڑ گئی تو ”جیوش ایجنسی کی ایگزیکٹو“ نے انقلابی قوتوں پر زور ڈالنا شروع کر دیا کہ صیہونی اپنے جھنڈے اور نام کے ساتھ برطانیہ کی مدد کے لیے ایک لڑاکا فوج بنانا چاہتے ہیں جس کی منظوری دی جائے۔ صیہونی اس طرح اپنی قوت کے بل بوتے پر عربوں سے متعلق اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انگریزوں نے ایک یہودی بریگیڈ کے قیام کے لیے رضامندی ظاہر کر دی مگر عربوں کے خوف کی وجہ سے انہیں علیحدہ جھنڈے کی اجازت نہ دی۔

۱۔ دی مسلم ورلڈ - جنوری ۱۹۲۲ء۔

۲۔ دی مسلم ورلڈ - اکتوبر ۱۹۲۶ء۔

See Charles S Braden, Islam in America International Review of Missions, New York, 1959 P ۳

ڈیوڈ اور جان کچے نے اپنی کتاب ”خفیہ راستوں“ میں لکھا۔

”یہودی جاسوس نازی جرمنی میں جرمن یہودیوں کو نہیں پہچانے آئے تھے۔ وہ تو ان

نوجوان مردوں اور عورتوں کی تلاش میں تھے جو فلسطین جانا چاہتے تھے اور جا کر جدوجہد

کے پیش رو بننے اور اس کے لیے لڑنے کیلئے تیار تھے۔“^(۱)

صیہونی دہشت گردوں نے اسلحہ اسمگل کیا اور عربوں کی آبادیوں پر حملے

کیئے۔ انہوں نے معصوم عربوں کو قتل کیا اور فلسطین میں ایک متوازی حکومت قائم کر لی۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران بہت سے قوم پرست گروہوں نے اتحادیوں کی

نکست اور محوری قوتوں کی فتح کی امید لگا رکھی تھی۔ مفتی اعظم فلسطین فرانس کے زیر

اقتدار لبنان میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ برطانیہ نے مفتی صاحب کی گرفتاری

کے لیے اپنا سیاسی دباؤ ڈالا۔ فرانس متفق ہو گیا مگر مفتی صاحب عراق کی طرف بھاگ نکلے۔

اکتوبر ۱۹۳۹ء میں وہ بطور سیاسی پناہ گزین بغداد پہنچے۔ برطانیہ نے ان کی ”عرب ہائر

کمیشن“ کو غیر قانونی قرار دے دیا تھا کیونکہ وہ صیہونی اور برطانوی مخالف قوتوں کی

جوصلہ افزائی کر رہے تھے۔

عراقی وزیراعظم نوری سعید برطانیہ کا بڑا حاشیہ بردار تھا۔ ستمبر ۱۹۳۹ء میں رشید

علی گیلانی اور چار دوسرے فوجی افسران نے جنہیں ”سنہری چوکور“ کہا جاتا ہے نوری

سعید کی غیر مقبول اور برطانیہ نواز سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور جنگ کے دوران ملک کو غیر

جانبدار قرار دیا۔ رشید مفتی صاحب کا گہرا دوست تھا۔ برطانیہ جنگ میں بری طرح پھنس

چکا تھا پھر بھی نومبر ۱۹۴۰ء میں اس نے عراقی وزیراعظم کے استعفیٰ کا مطالبہ کر دیا۔

”سنہری چوکور“ نے دوبارہ فوجی انقلاب کے ذریعے رشید کو اقتدار دلا دیا اور نوری سعید

اردن کی طرف بھاگ گیا۔

جب رشید کی کابینہ نے برطانوی دستوں کو بصرہ میں اترنے کی اجازت دینے

سے انکار کر دیا تو برطانیہ نے مداخلت کی اور اس کی فوجوں نے عراق کا محاصرہ کر لیا۔

عراق میں قادیانی مرکز نے پوری تہذیبی سے اتحادیوں کے لیے کام کیا۔ مفتی صاحب نے رشید کا بینہ کے لیے حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔^(۱) وہ دوسرے عرب ممالک سے بھی اس لیے حمایت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ہندوستان میں مسلمان نوری حکومت کے خاتمہ پر خوش تھے کیونکہ وہ برطانیہ کا حامی تھا اور رشید کے انقلاب پر راضی تھے۔ قادیانی پریس پہلے ہی رشید اور مفتی صاحب کے خلاف نفرت انگیز مہم شروع کر چکا تھا۔ مرزا محمود نے آل انڈیا ریڈیو پر ایک پیغام نشر کیا جس میں عرب ممالک میں برطانیہ مخالف فوجی انقلابات کی شدید مذمت کی اور ان کی روک تھام کی ضرورت پر زور دیا تاکہ مقامات مقدسہ کا تحفظ کیا جاسکے۔^(۲)

اکس مئی ۱۹۴۱ء کو عراق پر قبضہ ہو گیا۔ نئی عراق حکومت نے اتحادیوں سے تعاون کیا کیونکہ عراق ایران پر حملے کے لیے بیلاہ بن سکتا تھا۔ برطانوی آلہ کار اور ان کے خاص پٹھو قادیانی عراق میں مفتی صاحب کو گرفتار کرنے کی سر توڑ کوشش میں مصروف تھے۔ مفتی صاحب اپنی یادداشتوں میں یہ انکشاف کرتے ہیں کہ برطانوی جاسوسوں خصوصاً آدمانس جو کہ عراقی وزارت داخلہ میں برطانوی مشیر تھانے انہیں گرفتار کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ یہودیوں کی دہشت گرد تنظیم ارغون کے سالار رازیل نے عراق میں آ کر آپ کو پکڑنے کی کوشش کی مگر اپنی کوشش میں ناکام ہو گیا۔^(۳) کرسٹوفر سائیکیز نے ڈاکٹر یہودا باور کی ذاتی یادداشتوں کے حوالے سے لکھا ہے۔

”اسی مہینے میں انہی خفیہ حکام (یہودی دہشت گرد تنظیموں) جن کو برطانوی فوج سے ممتاز کرنا مشکل تھا۔ انہوں نے ایک اور فلسطینی یہودی مہم کا آغاز کیا اور اس دفعہ یہودی تنظیم ہگانا کی طرف سے بھرتی نہ کی گئی بلکہ فیصلہ کن حد تک ناممکن تنظیم لہٹل سے (جو کہ قومی عسکری تنظیم تھی) کی گئی تاکہ بغداد سے مفتی کو پکڑا جاسکے جہاں بیٹھ کر وہ رشید علی کی ابھرتی ہوئی قوت کی اعانت اور اس کے عروج کیلئے ہدایات دے رہا تھا۔ ۱۹۴۱ء کے

۱۔ کرسٹوفر سائیکیز کی اس یادداشت اسرائیل ص 229۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 9 ص 227۔

۳۔ سیارہ ڈائجسٹ لاہور 1974ء

دوران ہنگامہ کے عملے نے جاسوسی اور خفیہ پروپیگنڈہ مہم کا بیڑہ اٹھایا۔ شام اور لبنان میں بعض اوقات برطانوی ہدایات پر اور بعض اوقات انگریزوں کی امداد سے ہنگامہ کے دفتر واقع حیفہ کے حکم سے ایسا کیا گیا۔ حیفہ دفتر کو عمانوئیل ویلسکی اور ایک سابقہ راما پروفیسر ریمٹر چلا رہے تھے۔ ان دونوں کا تعلق حیفہ کے آفس تھا۔ جب جولائی ۱۹۴۱ء میں انگریزوں نے شام اور لبنان پر چڑھائی کی تو فوج کے بعد ایک ہنگامہ پلٹن نے بعد میں تباہیاں پھیر دیں۔^(۱)

۱۹۴۱ء میں مفتی صاحب ایران چلے گئے اور بعد ازاں افغانستان کی دعوت پر وہ کابل میں قیام پذیر ہونا چاہتے تھے۔ مفتی صاحب حریت کے متوالے افغانوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ وہ افغان وزیر خارجہ فیض محمد خان کے سابقہ دوست تھے۔ برطانوی خفیہ محکمہ نے کئی جاسوسوں کو افغانستان بھجوایا تاکہ مفتی صاحب کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جاسکے۔ برطانوی مخالف افغانستان میں ان کی موجودگی اور قبائلی علاقے کے لوگوں کو بھڑکانے کی ان کی اہلیت نے ان کے لیے کافی پریشانی پیدا کر دی۔ ولی اللہ اور اللہ دتہ کی ہدایت پر قادیانی جاسوس صوبہ سرحد پہنچ گئے۔ امیر جماعت احمدیہ سرحد قاضی محمد یوسف پشاور نے ان تمام منصوبوں کی نگرانی کی۔ کابل میں برطانوی قونصل خانہ میں ایک بدنام قادیانی سفارتکاری کی آڑ میں کام کر رہا تھا۔ اس کا نام فضل کریم تھا۔ اس نے مفتی صاحب کو پکڑ کر برطانیہ کے حوالے کرنے کی سازش تیار کی۔ برطانوی حکومت آپ کو پکڑ کر جنگ کے دوران جیل میں رکھنا چاہتی تھی۔^(۲) انگریزوں کا تیار کردہ منصوبہ بے نقاب ہو گیا اور مفتی صاحب اٹالیہ چلے گئے۔

نظر اللہ کا خطاب

جنگ کے دوران مشرق وسطیٰ میں امریکہ نے بڑا محتاط رویہ اختیار کیا۔ مئی

۱۔ والیکو - ص 229۔

۲۔ سارہ ڈائجسٹ نومبر 1974ء کابل میں برطانوی قونصل خانے میں پیشہ ایک قادیانی جاسوس رہتا تھا۔ ملک مظفر احمد نے جبری دہلی کے قونصل خانہ میں کام کیا۔ ان کے حالات جاننے کے لئے ملاحظہ ہو قاضی محمد یوسف پشاوری۔ تاریخ احمدیہ سرحد 1959ء ص 203۔

۱۹۴۲ء میں امریکی صیہونی تنظیم نے ہالٹی مور لائحہ عمل کا اعلان کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ فلسطین میں یہودیوں کی کھلے عام آبادی، فلسطین کی ایک یہودی ریاست میں تبدیلی اور ایک یہودی فوج کے قیام پر کام کیا جائے۔

سرفخر اللہ کا کہنا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران اسے لارڈ لنٹن صدر فلسطین فوڑینٹ کمپنی سے ملنے کا موقع ملا۔ اس نے رائل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل آفئیرز کے زیر اہتمام چوتھم ہاؤس لندن میں مسئلہ فلسطین پر تقریر کی۔ اس نے امید ظاہر کی کہ صیہونیوں اور عربوں کے درمیان ایک سمجھوتہ طے پا سکتا ہے جس کا اس نے خاکہ بھی پیش کیا۔ جب اس کی تقریر ختم ہوئی تو ظفر اللہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بائبل کے ان کلمات کو قدرے تبدیل کر کے یوں پیش کیا کہ:-

”جن کو خدا نے اکٹھا کیا ہے انسانوں کو انہیں جدا نہیں کرنا چاہیے۔“

کو اس طرح کہا کہ

”جن کو خدا نے جدا کیا ہے انسان انہیں نہ ملائیں۔“

اس طرح اس نے مسئلہ فلسطین پر سنجیدہ بحث کے مواقع کو ختم کر دیا۔^(۱)

فلسطین میں سرگرمیاں

قادیانی رضا کاروں نے فلسطین میں یہودی دہشت گرد تنظیموں کے ساتھ مل کر وارداتیں شروع کر دیں۔ انہوں نے برطانوی اور اتحادیوں کے حق میں لٹریچر کی وسیع پیمانے پر تقسیم کی اور اپنی سرگرمیوں کو ایک نئے جذبے سے شروع کر دیا۔ فلسطین میں قادیانی مبلغ چوہدری شریف نے اپنی رپورٹ میں لکھا۔

”ماہ مئی میں حسب ہدایت نظامت دعوت و تبلیغ غیر مسلموں میں یوم تبلیغ منایا گیا۔ اس روز

احباب کہا پیر وحیفا کے حسب سابق دُود بتائے گئے اور فلسطین کے مندرجہ ذیل مشہور

مقامات ناصرہ۔ یا فا۔ مل ایب، بیت المقدس، بیت اللہ، خلیل، حیفا، لصلیہ، کفر کناس میں اسلام کا پیغام پہنچایا اور اس موقع پر سات ہزار کے قریب مختلف اشتہارات و کتب تقسیم کیں..... جبل زیتون پر بھی وفات مسیح کے متعلق ایک اجتماع میں گفتگو کی گئی..... اگرچہ ایک فنڈے (حریت پسند فلسطینی۔ مولف) نے وہاں شرارت کرنی چاہی مگر الحمد للہ کہ وہ اپنے کمر میں کامیاب نہ ہو سکا۔

آتے وقت خاکسار نے نابلس میں بھی قیام کیا اور دعوت حق پہنچائی۔ وہاں پر حال ہی میں دونو جوانوں نے بیعت کی ہے۔ انہوں نے خاکسار کی دعوت اور اپنے دیگر اعزہ کو پیغام حق پہنچایا۔ اہالیان نابلس کی ذہنیت عجیب واقعہ ہوئی ہے۔ ثورہ میں قبتہ پردازی کا مرکزی نقطہ بھی شہر اور اس کے نواحی دیہات تھے۔ خاکسار کے آنے جانے کے بعد وہاں کے علماء کی طرف سے احمدی احباب کو قتل وغیرہ کی دھمکیاں دی گئیں اور اب بھی ان کی مخالفت زوروں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے احمدی احباب کا حافظ و ناصر ہو اور ان کو ہر قسم کے مکر و ہات سے محفوظ رکھے۔ الغرض یہ سفر خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر لحاظ سے بہتر رہا۔“ (۱)

دوسری جنگ عظیم کے دوران قادیانیوں کو مشرق وسطیٰ میں ان کی سیاسی سرگرمیوں کی بناء پر قابل مذمت قرار دیا گیا۔ مرزا محمود نے ستمبر ۱۹۳۷ء میں محمد صادق امرتسری کو وہاں کے قادیانی مبلغ کی امداد کے لیے بھیجا۔ وہ اکثر دمشق، قاہرہ، بغداد اور لبنان جاتا تھا۔ کئی مواقع پر اسے پاسپورٹ کے حصول میں بڑی دشواری پیش آئی۔ اسے بغداد سے اس وقت نکال دیا گیا جب وہ دیگر احمدیوں کے ہمراہ برطانیہ کے ہسپانوی فضائی مرکز میں قیام پذیر تھا۔ (۲)

صادق امرتسری اپنی یادداشتوں میں تحریر کرتا ہے۔

”ستمبر ۱۹۳۸ء میں وہ تیسری دفعہ دمشق گیا۔ تقریباً تین ہفتوں کے قیام کے بعد وزارت

۱۔ ورلڈ ہسٹری زیر لفٹیننٹ ورلڈ وار (تاریخ احمدیہ جلد ۹ ص 392۔

۲۔ محمد صادق امرتسری۔ روح پرور یادیں لاہور 1931ء ص 135۔

خارجہ دمشق نے اسے ایک ہفتے کے اندر اندر شام چھوڑنے کا حکم دیا۔ جماعت احمدیہ شام نے اپنی پوری کوشش کی کہ اسے فلسطین یا لبنان جانے کی اجازت مل جائے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔^(۱) عراقی سفارتخانے نے اسے سیاسی اجازت دینے سے بھی انکار کر دیا کیونکہ وہ اسے ایک سیاسی جاسوس سمجھتے تھے۔ تاہم وہ عراقی سفیر سے اس کی رہائش گاہ پر ملا اور ہندوستان جانے کیلئے ایک یوم کا سیاسی اجازت نامہ حاصل کر لیا۔“

دوسری جنگ عظیم کے ابتدائی دور میں مرزا محمود نے اسے لندن جانے کا حکم دیا۔ جہاں سے اس کی تعیناتی سیرالیون میں کر دی گئی۔ بہت سے شامی اور لبنانی عرب مغربی افریقہ میں قیام پذیر تھے۔ جنگ کے دوران ایک لبنانی مسلمان شامی سیاسی رہنما استاد موسیٰ الزاہین ضرار سیرالیون میں ایک پناہ گزین بن کر آئے۔ وہ فرانسیسی سامراج کے خلاف لبنانیوں کو اٹھ کھڑے ہونے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بیک وقت احمدیت کے خلاف بھی تحریک شروع کر دی۔ حکومت سیرالیون نے ان کے خروج کے حکم جاری کر دیئے۔

احمدی ارتداد سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے انہوں نے عربی زبان میں ایک طویل نظم لکھی جس میں انہوں نے جماعت احمدیہ پر شدید تنقید کی اور احمدیوں کو برطانوی جاسوس اور یہود نواز عناصر قرار دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو اس جماعت کی قیادت سے خبردار کیا جو اچھائی کے بھیس میں برائی کے بدترین نتائج کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس جماعت کو یہودیوں نے قائم نہیں کیا تو پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ یہودی نواز اقوام ان کی پشت پر ضرور ہیں۔“^(۲)

ظفر اللہ کا دورہ فلسطین

دوسری جنگ عظیم کے اختتامی سالوں کے دوران ظفر اللہ فلسطین گیا۔ جنگ کا

پانسہ اتحادیوں کے حق میں پلٹ چکا تھا اور صیہونیوں نے ایک آزاد اسرائیل کی ریاست کے قیام کا بڑے زور و شور سے مطالبہ کر دیا تھا۔ واپسی پر وہ دمشق رکا تاکہ بدنام زمانہ قادیانی جاسوس شیخ عبدالقادر المغربی کے ساتھ چند سیاسی معاملات پر گفتگو کر سکے۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء کے اوائل میں وہ صیہونی رہنماؤں سے فلسطین میں ملا اور یہودی تنظیم کے صدر ڈاکٹر کوہن کے ساتھ طویل تبادلہ خیال کیا۔ وہ یروشلم کے ایڈن ہوٹل میں ٹھہرا۔ شام میں قادیانی مبلغ محی الدین حسنی نے کئی عرب رہنماؤں کو اکٹھا کیا اور انہیں لے کر ہوٹل میں ملاقات کیلئے آیا۔ چونکہ یہ جگہ غیر محفوظ تصور کی گئی تھی لہذا وہ فلسطین کے مسئلہ پر کھلی اور آزاد بحث کے لئے ”ولاروز میری ہوٹل“ چلے گئے۔ جو عربوں کی ملکیت تھا۔ فلسطین کے ایک سرکردہ قانون دان ہنری قطان نے اسے عربوں کے نکتہ نگاہ سے آگاہ کیا۔^(۱)

سر ظفر اللہ کہتا ہے

”اسرائیلی سرگرمیوں کو دیکھ کر میرا اثر یہ تھا کہ جس سرعت سے یہ لوگ اپنے پاؤں جما

رہے ہیں اس کا نتیجہ عربوں کی ہسپائی ہوگا۔“^(۲)

فلسطین نے واپسی پر اس نے مسئلہ فلسطین پر یک مین کرچین ہال لاہور میں ایک تقریر کی۔ ستمبر ۱۹۴۶ء کو اس تقریب کا اہتمام احمدیہ بین الکلیاتی تنظیم نے کیا تھا جس کی صدارت ایف۔ سی کالج لاہور کے وائس پرنسپل ڈاکٹر ای۔ ڈی۔ لوکاس نے کی۔ ظفر اللہ نے جو کہ ان دنوں ہندوستان کی وفاقی عدالت کا جج بھی تھا۔ مسئلہ فلسطین کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالی جس میں پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانیہ کے عربوں کو کیئے گئے وعدے، بالفور کا اعلان یہودی آبادکاریاں اور قرطاس ایض کی صیہونی مخالفت وغیرہ شامل تھے۔ اور اس بات پر زور دیا کہ یہودی فلسطین میں اپنی ریاست کے قیام پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ اس مقصد کے لئے ان کی

۱۔ ہنری قطان یروشلم کے کتب قانون میں استاد تھے انہوں نے فلسطینی مسئلے پر کئی کتابیں لکھیں ان کی کتاب ”یروشلم“ لندن ۱۹۸۱ء بڑی دلچسپی کی حامل ہے۔

۲۔ سر ظفر اللہ۔ ترجمہ صحت ۴۸۹۔

پشت بنائی کر رہے ہیں کیونکہ یہودیوں نے ان ملکوں میں کافی سیاسی رسوخ اور ان کی معیشت پر قابو حاصل کر لیا ہے۔ ایک سیکرٹری آف سٹیٹ اور دو کابینہ کے وزراء کے علاوہ برطانوی دارالعوام کے پچیس ارکان یہودی ہیں۔ اس نے یہ دلیل بھی دی کہ اگر فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری روک بھی دی جائے تو بھی عربوں کو یہودیوں کی طرف سے سیاسی و معاشی خطرات لاحق رہیں گے۔^(۱)

سر ظفر اللہ نے اس خطاب میں عربوں کے بارے برطانوی یا امریکی پالیسی پر تنقید نہیں کی۔ نہ ہی اس نے صیہونی خطرے کے مقابلے میں اس الجھے ہوئے مسئلہ کا کوئی حل پیش کیا۔ اس نے فلسطین میں صیہونیوں کے قدم جم جانے کی صورت میں اپنی جماعت کے روشن مستقبل کی نوید دی۔

سعودی عرب

ہم البانیہ اور بلغراد مشن کے سلسلے میں محمد دین قادیانی کے تبلیغی اور سیاسی کارناموں پر نظر ڈال چکے ہیں۔ اسے بلغراد سے نکالا گیا تو وہ ملک شریف کی مدد سے اطالیہ میں قیام پذیر ہو گیا۔ وہاں سے وہ مکہ کے لیے روانہ ہوا اور ایک مکان کرایہ پر لے کر برطانوی قونصل خانے کی ہدایت پر اپنا کام شروع کر دیا۔ اس نے اپنی اصلیت ظاہر نہ کی اور کسی نہ کسی طرح شاہ سعود کا ہندی ترجمان بننے میں کامیاب ہو گیا۔^(۲) اس نے قادیان کو کئی راز اوانے پونے فراہم کیے۔ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ قادیانی بڑی مدت سے سعودی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ مہم چلائے ہوئے تھے کیونکہ شاہ سعود نے اپنے بیٹے شاہ فیصل (شہید) کو لندن مسجد کے افتتاح سے روک دیا تھا۔^(۳) سعودی حکومت نے ہمیشہ قادیانیوں کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھی اور ان کی پوشیدہ عملی کارستانیوں کو چننے نہ دیا۔ ۱۹۲۹ء میں ایک سیاسی منصوبے کی تکمیل کے لیے

۱۔ الفضل قادیان۔ 37 جنوری 1946ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 8 ص 313۔

۳۔ الفضل قادیان 23 مارچ 1935ء۔

مرزا محمود نے مولوی رحمت علی قادیانی کے ہمراہ پاڈاگ (ساٹرا) کے قادیانی جاسوس دامنگ داتو کو مکہ روانہ کیا۔ انہیں ارتداد کی تبلیغ اور سلطنت کے استحکام کے خلاف سرگرمیوں میں حصہ لینے کی بناء پر گرفتار کر لیا گیا۔^(۱) اس واقعہ کے بعد سعودی حکومت اور بھی چوکس ہو گئی۔

محمد دین شاہ سعود کے نزدیک تر ہونے کی کوششوں میں مصروف تھا لیکن ایک برطانوی جاسوس کے طور پر سعودی پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ تاریخ احمدیت میں مذکور ہے۔

”ایک روز کسی نے پولیس کو یہ اطلاع دے دی کہ ہندی اور عرب لوگ اکثر اس ہندی مولوی کے پاس آتے ہیں۔ یہ انگریزوں کا جاسوس معلوم ہوتا ہے، پھر کیا تھا پولیس نے فوراً مولوی صاحب کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ یہ جیل حیوانوں کے لیے بھی موزوں نہ تھی چہ جائیکہ اس میں انسانوں کی بسر اوقات ہوتی تھی..... ایک ہفتہ بعد ہندوستانی تو فیصل صاحب مقیم جدہ کی کوششوں سے رہائی حاصل ہوئی۔“^(۲)

قادیان واپسی پر اسے کسی دیگر مقصد کے لیے ڈربن (جنوبی افریقہ) بھیجا گیا۔ وہ ایک نیوی کے جاسوس جہاز میں جا رہا تھا کہ اسے جرمنی کی ایک تار پیڈ کشتی نے تباہ کر دیا۔

افریقہ

قادیانی افریقہ میں پہلی جنگ عظیم کے دوران اپنے سامراجی آقاؤں کی خدمت کے لیے پہنچے۔ ابتداء میں وہ مشرقی افریقہ میں اپنے عقیدے کا پرچار محدود پیمانے پر کرتے تھے۔ برطانوی سامراجیوں نے انہیں افریقہ میں پاؤں جمانے کیلئے ہر ممکن امداد فراہم کی۔ ”ریویو آف ریلیجز“ قادیان ایک قادیانی مبلغ فضل دین کی

۱۔ الفضل قادیان 16 دسمبر 1937ء
۲۔ تاریخ احمدیت جلد 8 ص 313

رپورٹ درج کرتا ہے۔ جو پیشے کے لحاظ سے ایک جانوروں کے ڈاکٹر کا معاون تھا اور پہلی جنگ عظیم کے دوران کمپالا (یوگنڈا) میں قیام پذیر تھا۔

”جنگ میں کام کرنے والے احمدی قادیان کے پیغام کو عیسائی یورپ تک پہنچانے کی اپنی سی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی یہی معاملہ ہے۔ بھائی فضل دین جو کہ معالج حیوانات کا معاون ہے نے کمپالا (یوگنڈا) سے لکھا ہے ”عید الفطر کے موقع پر تقریباً چار ہزار عرب اور سہالی مردوزن اکٹھے ہو گئے۔ میں نے مجمع کو قادیان چندہ بھیجنے کی درخواست کی۔ مجمع نے بڑی فراخ دلی سے میری استدعا کا جواب دیا۔ مجھے یہ اطلاع دیتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ حکومت نے بڑی مسرت سے ”مسجد“ کی تعمیر کے لیے ایک قطعہ اراضی عطا کر دیا ہے اور چار ہزار ایکڑ کا ایک اضافی قطعہ بھی دیا ہے کہ مسجد کے دیگر اخراجات پورے کیئے جاسکیں۔ جب مسجد مکمل ہو جائے گی تو ایک امام کا بھی تقرر کر دیا جائے گا۔“ (۱)

۱۹۲۱ء میں عبدالرحیم نیر لندن سے ٹائیجریا چلا گیا تاکہ وہاں ایک مرکز قائم کیا جاسکے۔ احمدیہ مرکز کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں ”کیمبرج ہسٹری آف انڈیا“ میں مذکور ہے کہ یہ برطانیہ کی مدد سے افریقہ میں قائم کیا گیا۔

”مغربی افریقہ کے ساحلوں پر احمدیہ فرقہ پہلی بار پہلی جنگ عظیم کے موقع پر لاگوس پہنچے۔

جہاں لاگوس اور فری ٹاؤن کے کئی نوجوانوں تک بذریعہ خطوط رسائی حاصل کی۔ ۱۹۲۱ء

میں پہلی بار ہندوستانی مبلغ وہاں پہنچا۔ اگرچہ یہ لوگ کسی عقیدے کا پرچار نہیں کر سکے لیکن

ان کا ارادہ مسلم آبادی کے اندرونی علاقوں میں قدم بھانا تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر جنوبی

ٹائیجریا، جنوبی گولڈ کوسٹ اور سیرالیون ہی میں سرگرم عمل رہے۔ ان لوگوں نے ان

مسلمانوں کے دستوں کو مضبوط کیا جو کہ مملکت برطانیہ کے حد درجہ وقادار تھے وہ ان

اسلامی تنظیموں کو علاقوں میں اسلام کے جدید تقاضوں سے ہمکنار کرتے رہے۔ مگر اس

کے امکان کی تعداد تھوڑی ہی رہی اور اندرونی افتراق کی وجہ سے ان کی موثر قوت نہ ابھر

سکی۔ ان کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے اندر جدید مغربی علوم متعارف کرائے۔ انہوں نے ”امامت“ کی حیثیت اور ”آئین کی ضرورت“ پر بھی دلائل مہیا کیئے۔ انہوں نے ”مالیات“ میں بھی نظم و ضبط پیدا کیا۔ مثلاً انہوں نے پر تکلف تقاریب پر پابندی لگائی اور مرد و زن کے اختلاط کی پرانی بدعتیہ دیکھی سے بھی نکلواؤ مول لیا۔“ (۱)

افریقہ کی برطانوی نوآبادیوں میں قادیانی مراکز پھلتے پھولتے رہے۔ بریگیڈیئر گلزار کا کہنا ہے کہ قادیانی مشن صرف انہیں علاقوں میں پروان چڑھے جو برطانوی نوآبادی حکومت کے علاقوں میں واقع ہے۔ (۲)

جے۔ پی ٹنگھم اپنی کتاب ”افریقہ میں اسلام“ میں بیان کرتا ہے کہ افریقہ میں قادیانی مبلغوں کو برطانیہ کی سرپرستی حاصل تھی۔ (۳)

۱۔ (دی کیمرج ہسٹری آف اسلام۔ جلد ۲ متعین کردہ پی۔ ایم۔ ہولٹ۔ اے این کے ایس لمپٹن اور برنارڈ لیوس، کیمرج یونیورسٹی پریس۔ لندن ۹۷۰ صفحہ ۴۰۰۔
 ۲۔ (بریگیڈیئر گلزار احمد تذکرہ افریقہ۔ صفحہ ۲۸۔
 ۳۔ (اردو ڈائجسٹ لاہور۔ جولائی ۱۹۷۴ء)

چودھواں باب

قادیانی اور تحریک پاکستان

جنگ عظیم کی حمایت

دوسری جنگ عظیم چھڑنے کے ساتھ ہی مرزا محمود نے انگریزوں کو احمدیہ جماعت کی بھرپور مدد کا یقین دلایا۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ برطانیہ کی فتح کے لیے دعا کریں اور ان کے ”منصفانہ اور شاندار“ راج پر اپنے پختہ یقین کا اظہار کیا۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ نہ تو جرمن نہ ہی روسی احمدیوں کے لیے اتنا دست تعاون بڑھا سکتے تھے جتنا کہ انگریزوں نے بڑھایا۔ اگر احمدیوں کو اپنے لیے حکمرانوں کا انتخاب کرنا پڑے اور ان میں عقل ہو تو وہ انگریزوں کا ہی انتخاب کریں گے۔ انہوں نے کانگریس کو نصیحت کی کہ جنگ کے دوران وہ برطانیہ کی بھرپور مدد کریں کیونکہ وہ ”سامراجی مقاصد کی خاطر ہندوستانی ذرائع کے استعمال“ کی مخالفت کر رہے تھے۔ انہیں برطانیہ کی مدد کرنی چاہئے، چاہے وہ برے ہیں یا اچھے۔ اگر ہندوستانی ان کی مدد نہیں کریں گے تو نہ صرف وہ اپنے آپ کو شدید مشکلات میں مبتلا کر لیں گے بلکہ آئندہ آنے والی نسلیں بھی اس کا خمیازہ بھگتیں گی۔^(۱)

مسلم لیگ نے حکومت کی مشروط مدد کی۔ اٹھارہ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ایک قرارداد منظور کی گئی کہ ”مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت“ مسلم لیگ کی منظوری کے بغیر ہندوستان میں کوئی آئینی اصلاح نہیں کی جائے گی۔ اس شرط پر حکومت کی مدد کی جائے گی۔

مارچ ۱۹۳۹ء میں مرزا محمود نے اپنی خلافت کے پچیس سال پورے کر لیے۔
 دسمبر ۱۹۳۹ء میں ”خلافت جو ملی تقریبات“ کے موقع پر انہوں نے اعلان کیا۔
 ”یہ کوئی معمولی جنگ نہیں ہے، ہماری جماعت اس سے متاثر ہوگی۔ انہیں برطانیہ کو ہر ممکن
 مدد فراہم کرنی چاہیے۔“ ہر احمدی جماعت سے ایک ناظم جنگ مقرر کیا جا رہا ہے۔ جس کا
 کام جنگ سے متعلقہ مرکز (قادیان) کی ہدایات پہنچانا اور احمدیوں کو اس کی مدد کے لیے
 تیار کرنا ہوگا۔ اسلام اور احمدیت کے لیے یہ مدد فرض عین ہے۔“ (۱)

مرزا محمود نے جنگ کی حمایت میں ہندوستانی عوامی حمایت کو تحریک دینے کے
 لیے مختلف قسم کے دلائل دیئے۔ ۱۹۳۲ء کے ایک سالانہ جلسے کے موقع پر انہوں نے کہا۔
 ”جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے تو میں نے کئی مواقع پر یہ کہا ہے کہ جرمنی کی فتح کی
 صورت میں ہم بدترین مشکلات کا شکار ہونگے اور ہندوستان کے معاملات میں بہتری
 کے لیے لازم ہے کہ برطانیہ کی فتح ہو۔ ہم میں سے کچھ کی یہ سوچ بڑی مناسب ہے کہ
 اگر ہم محکوم رہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ ہم اس طاقت کے محکوم رہیں یا کسی
 اور کے، لیکن یہ بڑا غلط فہمی پر مبنی نکتہ نظر ہے۔ برطانیہ عظمیٰ دنیا کے قدیم علاقوں پر حکمران
 ہے۔ وہ چین کی حدود تک پہلے ہی اقتدار کے مزے لوٹ رہا ہے۔ ملحقہ دنیا پر امریکہ اپنی
 معاشی قوت سے حاوی ہے۔ یہ اس آدمی کی مانند ہیں جو کہ پہلے ہی پر شکم ہیں اور جن
 سے زیادتی یا ظلم کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ عموماً قدیم طاقتیں مذہب کے معاملات میں دخل
 نہیں دیتیں اور ان معاملات میں اگر انتہائی طور پر سیاسی یا معاشی مجبوری نہ ہو تو خفیہ اور
 بالواسطہ دباؤ نہیں ڈالتے۔“ (۲)

برطانوی جنگی مساعی میں غیر مشروط امداد و تعاون کے سب سے بڑے
 علمبردار قادیانی تھے۔ (۳)

۱۔ سر ظفر اللہ احمدیت۔ صفحہ 286-7۔
 ۲۔ مرزا محمود احمد۔ ”اسلام کا چاند لڑا آؤ۔“ شمشیر طاقت۔ ربوہ 1969ء صفحہ 36 (قادیان 28 دسمبر 1942ء کو قادیانی جماعت کے سالانہ اجتماع
 سے خطاب کا انگلش ترجمہ۔ سر ظفر اللہ نے کیا۔
 ۳۔ ڈی جے ایس اور محمد یعقوب۔ ”گزشتہ دو سوچہ جنگ کے متعلق پیش گوئیاں۔“ لندن 1943ء۔

انہوں نے برطانوی بدعہدیوں سے پیدا ہونے والی بدگمانیوں کو دھونے کی کوشش کی۔ ہندوستان کے عوام جانتے تھے کہ برطانوی وعدے صرف جنگ میں فتح حاصل کرنے کی غرض سے پیش کی گئی رشوت ہے۔ جونہی جنگ ختم ہوگی برطانیہ اپنے وعدوں سے پھر جائے گا۔ انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کی صورت میں قادیانیوں نے یہ امیدیں وابستہ کر لی تھیں کہ وہ ہندوستان کے حاکم بن جائیں گے۔ مرزا محمود نے اپنے پیروکاروں کو یہ یقین دلایا تھا کہ جتنی دیر دوسری جنگ عظیم جاری رہتی ہے، احمدی ہندوستان میں حکومت کی تیاری کر لیں۔^(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے واقعہ سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جس طرح اللہ نے دو تہائی کے خزانے کی ان کی بلوغت تک پہنچنے تک حفاظت کی تھی اسی طرح یہ آفتیں طویل ہو رہی تھیں تاکہ احمدی انگریزوں سے اپنا اقتدار حاصل کرنے کے لیے مناسب اور کافی تربیت حاصل کر لیں۔

احمدیہ فوج:

جنگ سے ایک سال قبل مرزا محمود احمد نے اپنی جماعت کو تیار کیا کہ وہ عسکری تربیت حاصل کریں۔ انہوں نے نوجوان احمدیوں کو فوج یا پولیس میں بھرتی ہونے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا کہ:

”پنجاب کے احمدیوں کو ایک ذمہ داری ادا کرنا ہے کیونکہ وہ پنجاب میں نسبتاً اکثریت میں ہیں۔ دوسرے پنجاب برطانوی فوج کو افرادی قوت فراہم کرتا ہے اور احمدیت ان خاندانوں تک پہنچ چکی ہے جو فوج میں بھرتی کے لیے آدمی فراہم کرتے ہیں۔ مزید برآں احمدیت کا گڑھ پنجاب میں ہے اور پنجاب میں اس کے کئی مراکز ہیں۔ جماعت کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو کسی بھی برے وقت کے لیے تیار کرے۔ جماعت کو چاہیے کہ اس علاقائی فوج میں شمولیت اختیار کرے جو حکومت نے امن و امان کے قیام کے لیے

قائم کی ہے۔ پنجاب رجمنٹ علاقائی فوج ۱۱ اور ۱۵ میں اس کے قیام سے لے کر ایک احمدیہ کمپنی موجود رہی۔“ (۱)

۱۵/۱۵ پنجاب رجمنٹ میں چار کمپنیاں شامل تھیں۔ جو (i) پنجابی مسلمان (ii) جاٹ۔ (iii) عیسائی اور (iv) احمدیوں پر مشتمل تھیں۔ جنگ کے دوران ایک اور رجمنٹ ۸/۱۵ بھی تیار کی گئی۔ احمدی اپنے علیحدہ وجود میں دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ پنجابی مسلمان کمپنی میں شامل نہ ہوئے۔ مرزا شریف احمد کو احمدیہ کمپنی کا کپتان مقرر کیا گیا۔ اس کے بیٹے مرزا داؤد احمد کو احمدیہ کمپنی خیر ایجنسی میں ۴۲۔۱۹۴۱ء میں کرنل کے طور پر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۴۲ء میں وہ چار باغ قلعہ خیر ایجنسی کا کپتان، انچارج تھا۔ برطانویوں کو شمال کی طرف سے روسی حملے کا شدید خطرہ تھا اور اس لیے شیواری قبائل کی سیاسی یورش سے نمٹنے کے لیے خصوصی اقدامات کیے گئے۔ قادیانیوں کا شمال مغربی علاقے میں تقریباً سی لیے تھا۔ ایک سرکردہ قادیانی خلیفہ صلاح الدین احمد کہتا ہے کہ:

”علاقائی فوج کی احمدیہ کمپنی مرزا شریف احمد کی زیرِ کمان تھی۔ چوہدری عبداللہ خان اعزازی لیفٹیننٹ نائب کمانڈر تھا۔ اس کی وفات کے بعد صلاح الدین نے فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔ انہی دنوں میجر گورینک برطانیہ سے آیا اور اس یونٹ میں اس کی تعیناتی ہو گئی۔ اس نے احمدیہ کمپنی کی سرگرمیوں پر سخت نظر رکھی۔ چند دنوں کے بعد اس نے یہ انکشاف کیا کہ اسے برطانیہ میں بتایا گیا تھا کہ احمدیہ کمپنی پر گہری نظر رکھی جائے کیونکہ احمدیہ جماعت بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح اٹھ رہی ہے۔“ (۲)

قادیان کے محکمہ تعلقات خارجہ نے احمدیوں کے تمام ملک کے حصوں سے بھرتی کا انتظام کیا اور علاقائی فوج میں ان کے نام لکھوانے میں قطعاً سستی نہ کی۔ اپنی علیحدہ شناخت باقی رکھنے کیلئے انہوں نے بھرتی کے فارموں میں اپنی قومیت ”احمدی“ لکھی۔ (۳)

۱۔ افضل قادیان۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۹ء۔

۲۔ سیرت مرزا شریف احمد۔ چوہدری محمد ابراہیم پبلشنگ خدام احمدیہ ریلوے، ۱۹۸۲ء صفحہ ۱۳۶۔

۳۔ افضل قادیان ۹ مارچ ۱۹۳۹ء۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران احمدیوں کی طرف سے انجام دی گئی خدمات کی ایک جھلک لندن کے قادیانی مبلغ ہے۔ ڈی ٹمس کی طرف سے شہنشاہ معظم کو ارسال کردہ۔ سال نو (۱۹۴۶) کے موقع پر ایک خطاب سے ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ وہ کہتا ہے:

”شہنشاہ معظم کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ ہماری جماعت نے برطانیہ کی فتح کیلئے ہر ممکن مدد فراہم کی ہے۔ تقریباً ۱۵ ہزار احمدی فوجیوں اور دو سے تین سو تک کمشنڈ اور غیر کمشنڈ افسران نے دوسری جنگ عظیم میں حصہ لیا ہے۔ ہماری جماعت کی کل آبادی کے تناسب سے یہ ایک بڑی تعداد ہے۔“ (۱)

اس کے بعد قادیانی مبلغ مرزا غلام احمد کی ایک وحی کا حوالہ دیتا ہے۔ (نومبر ۱۹۰۰ء) جس میں یہ کہا گیا ہے کہ خدا نے مرزا صاحب کو الہام کیا کہ:

”چونکہ برطانوی ان کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے میں (خدا) نے ان کی مدد کی ہے۔ وہ جو خدا کی طرف دیکھتے ہیں انکو کسی قسم کا خوف نہیں۔“

ٹمس آخر میں کہتا ہے کہ:

”یہ ہمارا راسخ عقیدہ ہے کہ ان وحی و الہامات کی بناء پر خدا نے برطانیہ کو پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں شکست سے بچایا ہے۔“ (۲)

قرارداد لاہور

تیس مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے قرارداد لاہور منظور کی۔ جو بعد میں پاکستان کی بنیاد بنی۔ ۱۹۸۱ء کے اواخر میں مسلمانوں کی تاریخ کے کڑے وقت میں ظفر اللہ کے کردار پر ایک تنازعہ اٹھا جس کا یہاں پر بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

اکیس دسمبر ۱۹۸۱ء کو پاکستان کے ایک پرانے سیاست دان ولی خان نے ہفت روزہ ”چٹان“ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ تیس مارچ ۱۹۴۰ء کو پیش کی جانے والی

۱۔ پاؤڈری کمیشن کو احمدیہ یادداشت (۱۹۴۷) میں ۲۰۰ قادیانی فوجیوں کی لسٹ دی گئی ہے۔ تقسیم پنجاب۔ جلد ۱ لاہور ۱۹۸۴ء۔
۲۔ افضل قادیان۔ ۸۹ ج ۱۹۴۶ء۔

قرارداد لاہور کا متن ظفر اللہ قادیانی نے مرتب کیا تھا۔ قومی پریس میں انہوں نے ایک تنازعہ کھڑا کر دیا۔ ولی خان نے اپنے موقف کی بنیاد فروری ۱۹۴۰ء میں ظفر اللہ کی وائسرائے ہند کو دی گئی ایک آئینی تجویز کی بنیاد پر رکھی جب وہ ایگزیکٹو کونسل کا ایک ممبر تھا۔ ولی خان نے اس وقت کے وائسرائے ہند لارڈ لنلٹھلو کی تحریروں سے اپنے موقف کی وضاحت کی۔^(۱) ولی خان کے موقف کے جواب میں ظفر اللہ قادیانی نے اپنی حیثیت کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ ”اُس نے وہ تجویز بطور رکن ایگزیکٹو کونسل وائسرائے پیش کی تھی۔ فروری ۱۹۴۰ء کے وسط میں اُس نے ایک تجویز پیش کی کہ ہندوستان کو ”حکومت خود اختیاری“ کا درجہ دے دیا جائے۔ مگر اس میں اُس نے دو تجاویز پیش کی تھیں۔ ایک ”پاکستان سکیم“ تھی۔ دوسری ”منصوبہ تقسیم ہند“ تھا۔ پاکستانی سکیم کا خیال چوہدری رحمت علی نے پیش کیا تھا جس میں تمام کی تمام آبادی کا تبادلہ تھا اور جو ”نا قابل عمل“ اور ”بے بنیاد“ تھا جبکہ تقسیم ہند کا منصوبہ قابل عمل تھا۔ پاکستانی سکیم ایک ”شمالی مشرقی وفاق“ پر مشتمل تھی جس میں پنجاب، سندھ، سرحد اور سرحدی قبائل شامل تھے۔ بقیہ ہندوستان اگر چاہے تو اپنے آپ کو ایک یا ایک سے زیادہ وفاقوں میں تقسیم دے سکتا تھا۔ اس منصوبہ کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ

”شمال مشرقی وفاق“ اور ”شمال مغربی وفاقوں“ کے براہ راست تاج برطانیہ سے تعلقات

ہو سکتے تھے اور یہ وفاقوں کا ایک وفاق ہوتا جس میں بقیہ تمام ہندوستان شامل ہوگا۔“^(۲)

سر ظفر اللہ نے اپنا یہ نوٹ وائسرائے لارڈ لنلٹھلو کو چھ مارچ ۱۹۴۰ء کو ارسال کیا۔ جس نے اسے سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند لارڈ زیلینڈ کو ان خیالات کے ساتھ بھجوا دیا۔

”آخری بیک میں“ میں ظفر اللہ کا ڈومنین سٹیٹس (حکومت خود اختیاری) پر ایک نوٹ بھیج

رہا ہوں جو کہ میرے خیال میں ایک انتہا پسندانہ موقف کا عکاس ہے۔ میں یہ اس لیے

۱۔ ولی خان کی کتاب لکچر اور روزنامہ ”فریئر پوسٹ“ نے شائع کیا تھا اور بعد میں ۱۹۸۷ء میں یہ کتاب بعنوان ”Facts Are Facts“ کی صورت میں چھپی۔

۲۔ پاکستان ٹائمز میں سر ظفر اللہ کا وضاحتی مضمون 13 فروری 1982ء۔

کہہ رہا ہوں کہ اس وقت تک (ظفر اللہ) کے ساتھ اس پر بحث کرنے کا موقع نہیں ملا اور اس میں جو تجاویز ہیں ان میں سے کچھ کے بارے میں یہ امکان ہے کہ وہ رکی طود پر کونسل کے رکن کے نام سے ظاہر ہوں گی۔ میرے خیال میں ان تجاویز کی تشریح کی ضرورت ہے۔ میں نے کل ظفر اللہ سے کہا کہ وہ ان کی مزید تفصیل بتائیں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ پہلے تو یہ صرف ابتدائی مسودہ ہے۔ دوسرے اگر ان کی حفاظت کی یقین دہانی کرائی جائے اور اس تجویز کو عوامی سطح پر زیر بحث لایا جائے تو میں اسے اپنی خواہش کے موافق استعمال کر سکتا ہوں اور اس کی ایک نقل میں آپ کو بھی ارسال کروں گا۔ اور تیسرے یہ نقول جناح تک پہنچ چکی ہیں اور میرا خیال ہے حیدری کو بھی مل چکی ہیں، چوتھے جبکہ ظفر اللہ اس کی تصنیف کا اقرار نہیں کر سکتا ہے تو اس کا یہ مسودہ مسلم لیگ کو دینے کے لیے تیار کیا گیا ہے تاکہ اس کو مکمل تشہیر دی جاسکے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے مکمل سمجھنے کا مجھے موقع مل گیا ہے اور میری یہ ترجیح ہوگی کہ اس پر اپنے تاثرات بھر کسی وقت دوں۔ مگر یہ ایک ٹھوس اور پرزور شاہکار ہے اور میں اس میں آپ کے ذاتی رد عمل میں دلچسپی رکھوں گا۔“ (۱)

ولی خان کا یہ موقف ہے کہ اس ”منصوبہ تقسیم“ کو جو کہ ظفر اللہ کے دماغ کی تخلیق تھی صرف پندرہ دن بعد مسلم لیگ نے اپنا لیا اور تیس مارچ ۱۹۴۰ء کو اپنے لاہور کے اجلاس میں پیش کر دیا۔ جیسا کہ وائسرائے کی تحریر میں ہے۔ ولی خان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ انگریزوں کی معاونت سے ایک قادیانی نے تقسیم ہند کا نظریہ پیش کیا جو ۱۹۴۰ء کے بعد مسلم لیگ کا مطمح نظر و منشور بن گیا۔

ظفر اللہ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ:

”مسلم لیگ کی تیس مارچ ۱۹۴۰ء کی قرارداد اور اس کے نوٹ میں دیا گیا ”منصوبہ تقسیم“ ایک ہی ہے۔“

”پاکستان“ کا نام باضابطہ طور پر مسلم لیگ کے نو اپرل ۱۹۴۶ء کے مسلم لیگ

کے اجتماع کے بعد استعمال کیا جانے لگا۔ (پاکستان ٹائمز راولپنڈی ۱۳ فروری ۱۹۸۲ء)۔ تاہم ولی خان کے اخذ کردہ نتائج غلط ہیں۔ ظفر اللہ بیان کرتے ہیں۔
 ”درپردہ الزام کہ میرا نوٹ لارڈ لٹلٹھلو کی ایماء پر اس کی اعانت سے لکھا گیا تا کہ نظریہ پاکستان جو مسلمانوں کے ذہنوں میں مقبولیت حاصل کر رہا تھا اس کی اہمیت کم کی جائے تو مجھے بڑا افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ مکمل طور پر جھوٹ اور بے بنیاد بات ہے۔“ لارڈ لٹلٹھلو کے میرے اس نوٹ لکھنے میں یا اس کے کسی فرد میں کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اس نوٹ کی تمام ذمہ داری میری ہے۔“ (۱)

لارڈ لٹلٹھلو کی لارڈ زیلینڈ کے ساتھ خط و کتابت کے محتاط مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سر ظفر اللہ نے ”مطالبہ پاکستان“ کو چنداں اہمیت نہیں دی۔ پچیس مارچ ۱۹۴۰ء کو ”قرارداد لاہور“ کے اگلے دن ہی لارڈ لٹلٹھلو نے لارڈ زیلینڈ کو لکھا۔
 ”میں جناح کے ان مطالبات کو زیادہ اہمیت کے حامل نہیں سمجھتا کہ ہندوستان کو لاتعداد مذہبی علاقوں یا جیسا کہ وہ جملہ استعمال کرتا ہے کہ حکومت ہائے خود اختیاریوں میں تبدیل کر دیا جائے اور میں خود یہ اندازہ کر سکتا ہوں کہ اس وقت اس کا رویہ یہ ہے کہ چونکہ کانگریس ایسی تجاویز پیش کر رہی ہے جو ناقابل قبول ہیں، اس لیے وہ بھی اسی طرح کا ناقابل عمل مطالبہ پیش کرے گا۔ جس کا غالباً اسے خود بھی احساس ہے مگر اس کی موجودگی میں جب کانگریس کے دعوؤں کے خلاف مسلمانوں کے رویہ کی تجدید ہوگی تو ان میں سے کچھ ان الزامات کی وجہ سے ہٹا لیے جائیں گے جو ان کے خلاف اب تک لگتے آئے ہیں کہ ان کے پاس کوئی تعمیری نظریہ سرے سے ہے ہی نہیں۔“ (۲)

سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند لارڈ زیلینڈ نے پانچ اپریل ۱۹۴۰ء کو لارڈ لٹلٹھلو کو جواب دیا کہ:

”میرے خیال میں کہ آنے والے مباحثے میں اپنی ناراضماندی ظاہر کرنے کا پابند

۱۔ پاکستان ٹائمز۔ راولپنڈی۔ ۱۳ فروری ۱۹۸۲ء۔
 ۲۔ لارڈ لٹلٹھلو کے کاغذات۔ انچیا آف آفس لاہوری، حکومت روزہ ”معیار کراچی“ ۱۳-۷ جنوری ۱۹۸۴ء۔

ہوں گا۔ ان تجاویز سے جو حال ہی میں کل ہند مسلم لیگ نے اپنی لاہور کی موجودہ کانفرنس کے دوران پیش کی ہیں، مجھے بہت زیادہ شک ہے کہ ان تجاویز پر پوری طرح غور بھی کیا گیا ہے اور اگر ہندوستان میں لاتعداد الشتر قائم کر دیئے جائیں تو اس صورت میں نہ صرف اس سارے سلسلے کو توڑنے پھوڑنے کے مترادف ہوگا جس کی تیاری برسوں سے ہوتی رہی ہے بلکہ میں تو یہ بھی خیال کروں گا کہ اس سے کانگریس کی طرف سے شدید مخالفت ہوگی اور ان کی طرف سے بھی جو کہ دراصل کانگریس کے ساتھ منسلک نہیں ہیں۔“ (۱)

پاکستان کا مسئلہ برطانوی دارالعوام میں بھی زیر بحث آیا۔ اٹھارہ اپریل ۱۹۴۰ء کی بحث سے ارکان کی تقسیم ہند اور مسلمان ریاستوں کی ایک آزاد زنجیر جو کہ شمال مغرب سے لے کر ہندوستان کے مشرق تک پھیلی ہوئی مخالفت صاف ظاہر ہوتی ہے۔“ (۲)

یہ تجویز ”ماپوسی پر مبنی تھی“ زیادہ اسکی منظوری کا مطلب اس ناکامی کو تسلیم کرنا تھا کہ ہندوستان اور برطانیہ کی تمام کوشش کے باوجود برطانیہ کے لیے ہندوستان کا اتحاد ممکن نہیں اور نہ ہی لائق تحسین ہے۔“ (۳)

قادیانی کونسل کا اجلاس

۱۹۴۰ء کے عشرے میں مسلمانوں کی قومی خواہشات اور ان کے ملی احساسات کے متعلق قادیانیوں کا رویہ منفی رہا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قادیانی پاکستان یا ہندوستان میں مسلمانوں کی علیحدہ ریاست کے حامی نہ تھے۔ قرارداد پر ان کا کچھ رد عمل نہ تھا۔ مارچ ۱۹۴۰ء کے آخری ہفتہ میں قادیان میں بیسویں مجلس مشاورت کے اجلاس میں احمدیہ محکمہ خارجہ کی ذیلی کمیٹی کی رپورٹ زیر بحث آئی۔ محکمہ خارجہ کے سربراہ زین العابدین نے اس بات پر بحث کی کہ آیا احمدیوں کو مسلم لیگ کا ساتھ دینا چاہیئے یا

۱۔ ایضاً۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ کے۔ کے۔ عزیز۔ برطانیہ اور پاکستان۔ پرنٹرز آف اسلام آباد پریس۔ ۱۹۷۶ء۔ صفحہ ۲۸۔

کانگریس کا۔ انہوں نے اور پیر اکبر علی نے گزشتہ واقعات بیان کیے۔ کثرت رائے سے یہ معاملہ اگلے اجلاس یعنی ۱۹۴۱ء کے لیے موخر کر دیا گیا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس وقت تک کانگریس اور لیگ کے ساتھ کسی مشترکہ معاہدہ تک فیصلہ کیا جائے۔ حضرت امیر المومنین (مرزا محمود قادیانی) نے اکثریت کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیا۔^(۱)

مرزا محمود نے اپنے مریدوں کو ہدایت کی کہ وہ کانگریس کا ساتھ دیں تاکہ کانگریسی قیادت کی حمایت حاصل کی جاسکے۔ ۱۹۴۰ء کے بعد سیاسی ماحول بڑی تیزی سے تبدیل ہو گیا۔ مسلمانوں کی اکثریت کانگریس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو رہی تھی۔ پاکستان کا تخیل مقبولیت حاصل کر رہا تھا۔ یہ بات عیاں تھی کہ مسلمانان ہند کے معاشی اور سیاسی مسائل کا حل صرف قیام پاکستان ہی ہے۔ انگریزوں نے بھی ہندوستانی مسئلہ کے حل پر سنجیدگی سے توجہ دینی شروع کر دی۔ ایسی کوئی شہادت میسر نہیں کہ قادیانیوں نے نظریہ پاکستان کی طرف التفات کیا ہو نہ ہی انہوں نے لیگ کی کوئی عملی مدد کی۔ ان کی تمام توانائیاں جنگ اور بیرون ممالک اتحادیوں کے لیے جاسوسی پر صرف ہو رہی تھیں۔

کرپس مشن

۱۹۳۹ء میں کانگریس حکومتیں مستعفی ہو گئیں۔ ان کا کہنا تھا کہ برطانوی حکومت نے دوسری جنگ عظیم میں ہندوستانیوں کو ان کی رضامندی کے بغیر جنگ میں ملوث کیا ہے۔ بائیس دسمبر کو لیگ نے ”یوم نجات“ منایا کہ انہیں کانگریسی وزایتوں سے خلاصی نصیب ہوئی۔

اگست ۱۹۴۰ء میں لارڈ لٹلٹھلو نے یہ پیشکش کی کہ دوسروں کے علاوہ گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کو توسیع دی جائے گی اور ایک مشاورتی وار کونسل کا قیام عمل میں

لایا جائے گا۔ ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس کے کئی عوامل تھے جن میں جاپان کی جنگ میں شرکت اور اس کی تیز ترین کامیابیاں، امریکی صدر روز ویلٹ کا دباؤ اور اندرون ہند روز افزوں عوامی رائے کہ ہندوستان کا مسئلہ حل ہونا چاہیے۔ ان امور نے برطانیہ کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان کے متعلق اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کرے۔

مارچ ۱۹۴۲ء میں سر شیفرڈ کرپس ہندوستان میں اپنی اس پیشکش کے ساتھ آیا جو بیس مارچ ۱۹۴۲ء کو چھپی۔ جس میں جنگ کے بعد ہندوستان کو آزادی دی جانی تھی مگر اس میں صوبوں کے لیے حق خود اختیاری پر بھی رضامندی ظاہر کی گئی تھی۔ مجوزہ انتظامات کے تحت صوبے ہندوستان کے ساتھ رہنے یا وفاق ہندوستان سے باہر رہنے میں آزاد تھے اور وہ صوبے جن میں مسلمان اکثریت میں تھے وہ اپنا ایک وفاق یعنی آخر کار پاکستان بنا سکتے تھے۔ کرپس نے یہ بھی سمجھانے کی کوشش کی کہ محکمہ دفاع کے استثناء کے ساتھ بقیہ تمام محکمہ جات مکمل طور پر ہندوستانیوں کے پاس رہیں گے اور گورنر جنرل محض ایک آئینی سربراہ کے طور پر کام کرے گا۔ مگر بعد میں ایک مرحلے پر انہوں نے اپنا بیان واپس لے لیا۔ انہوں نے کانگریس کی نظروں میں حکومت برطانیہ کی ایمانداری کو مشکوک بنا دیا۔ کانگریس چاہتی تھی کہ گورنر جنرل کی انتظامی مجلس کا مینبر کے طور پر کام کرے۔ مگر اس پر حکومت برطانیہ رضامند ہونے کے لیے تیار نہ تھی۔

جنگ کے دوران ظفر اللہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن تھا۔ اُس نے ایک مدت کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ اُس نے وائسرائے کو مشورہ دیا کہ مجلس کونسل میں توسیع کی جائے تاکہ اس میں ہندوستانی مکمل اکثریت میں ہوں۔ وائسرائے کی سفارش پر حکومت اس تجویز سے متفق ہو گئی اور ستمبر ۱۹۴۱ء کے بعد سے لے کر مرکزی انتظامیہ میں ہندوستانیوں کی آواز کافی موثر ہوئی۔ سر ایڈورڈ ہیلٹھال جو کہ ہندوستان میں برطانوی مفادات کا نگران تھا اس کو بھی اس توسیعی کونسل میں شامل کر لیا گیا۔ اس کونسل کی توسیع

کے ایک سال کے اندر اندر ظفر اللہ سپریم کورٹ آف انڈیا کے بیج میں شامل ہو گیا۔^(۱)

دوسری جنگ عظیم کے چھڑ جانے کے نتیجے میں حکومت برطانیہ نے ہندوستان میں محکمہ وار سپلائی قائم کر دیا۔ ظفر اللہ جو کہ وائسرائے کی کونسل کا رکن برائے قانون تھا کو وار سپلائی کونسل کا چیئرمین بنا دیا گیا۔ اس میں ان تمام برطانوی نوآبادیوں کے بندے شامل تھے۔ جو سویز کے جنوب و مغرب میں واقع تھیں جنگ کے دوران (نومبر ۱۹۳۹ء میں) وائسرائے نے اسے لندن بھیجا کہ ڈومنین وزراء کی کانفرنس میں ہندوستان کی نمائندگی کرے جو برطانوی وزیراعظم نوبل چیمبرلین نے جنگ سے پیدا شدہ صورتحال پر بحث کے لیے بلائی تھی۔ ظفر اللہ ابھی لندن میں ہی تھا کہ وائسرائے نے اسے ہدایت کی کہ وہ لیگ آف نیشنز میں ایک وفد کی قیادت کرے۔ لیگ کا یہ اجلاس فن لینڈ کی شکایت پر روس کی جارحیت کے خلاف بحث کے لیے بلایا گیا تھا۔ ظفر اللہ نے پوری قوت سے روس کی مذمت کی جس کے نتیجے میں روس کو لیگ سے نکال دیا گیا۔^(۲)

جنگ کے دوران مرزا محمود کو اپنی ترقی کے خواب متواتر آتے رہے۔ خصوصاً ان مواقع پر جہاں پر اتحادی فوجوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ وہ ان کی کامیابی کی مسلسل دعائیں کرتے رہے۔ ظفر اللہ کہتا ہے کہ مرزا محمود کو وقتاً فوقتاً جنگ کے مستقبل کے واقعات الہام یا رویاؤں کے ذریعے معلوم ہو جاتے تھے۔ جیسے شامی افریقہ میں فوجی حکمت عملی اور اطالیہ اور سسلی میں اتحادیوں کی لنگر اندازی وغیرہ۔ ظفر اللہ ان سب باتوں سے وائسرائے کو مطلع کر دیتا تھا۔ جو ان معاملات میں گہری دلچسپی ظاہر کرتا تھا بلکہ بعض اوقات وہ اُس سے پوچھ لیتا کہ جماعت کے سربراہ کی طرف سے کوئی اطلاع وصول ہوئی ہے یا نہیں۔^(۳)

۱۔ سر ظفر اللہ - The Agony of Pakistan - لندن صفحہ 20۔

۲۔ سر ظفر اللہ - سرفٹ آف گاڈ - صفحہ 110۔

۳۔ ایضاً - صفحہ 111۔

چین میں ایجنٹ جنرل

فروری ۱۹۴۲ء میں چین کے مطلق العنان حکمران جنرل چیانگ کائی شیک دہلی کے سرکاری دورے پر آئے۔ وائسرائے اور ان کے درمیان جو دوسرے معاملات طے ہوئے۔ ان میں یہ بھی تھا کہ ہندوستان کو چنگ کنگ میں براہ راست سفارتی تعلقات قائم رکھنے چاہئیں جو ان زی کیا نگ کے بالائی علاقوں میں تھا اور جہاں جاپانی دباؤ پر دارالحکومت منتقل کر دیا گیا تھا۔ انڈیا کے نمائندے کا نام ”ایجنٹ جنرل“ ہوتا تھا اور اس کا مرتبہ سفیر کے برابر تھا۔^(۱)

پچیس مارچ ۱۹۴۲ء کو وائسرائے لارڈ لٹلٹھلو نے ظفر اللہ کو خط لکھا کہ وہ چین میں چنگ کنگ کے شہر میں شہنشاہ معظم کے سفارتخانے میں ایجنٹ جنرل کا عہدہ سنبھال لے اور چھ ماہ تک وفاقی عدالت کے منصف کا عہدہ بھی اپنے پاس رکھے۔ یہ ایک بہت عمدہ عہدہ تھا اور محدودے چند لوگ ہی تھے جن کو وائسرائے اس عہدہ کی پیشکش کر سکتا تھا۔ چین میں ایجنٹ جنرل کی تقرری کا مطلب یہ تاثر دینا تھا کہ ہندوستان کی صورت میں چین کا ایک اتحادی موجود ہے جو جاپان کے خلاف پانسہ پلٹنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

ظفر اللہ نے چین میں سامراجی مفادات کا بڑے بہتر انداز میں تحفظ کیا۔ اُس کے ششماہی مدت عہدہ کے آخر پر چیانگ کائی شیک نے لارڈ لٹلٹھلو کو چھبیس ستمبر ۱۹۴۲ء کو ایک خط لکھا جس میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”ہم نجی اور عوامی سطح پر ظفر اللہ سے جدا ہونے پر غمگین ہیں۔ انہوں نے اپنے نسبتاً کم مدتی

قیام کے دوران ہندوستان اور چین کے درمیان سیاسی اور ثقافتی تعلقات کو مضبوط بنایا۔“

چنگ کنگ میں برطانوی قونصل نے بھی ظفر اللہ کو ”برطانوی سلطنت کا بہترین نمائندہ“ کہا جو اس نے چین کے لیے کبھی بھیجا ہے۔ اس لحاظ سے بھی جوان کا اثر تھا۔ اور اس لحاظ سے بھی اس اثر کی جو سمت مقرر کی گئی۔^(۲)

۱۔ ظفر اللہ۔ سرونٹ آف گاڈ۔ صفحہ ۱۱۵۔

۲۔ انتقال اللہ ار۔ جلد ۸ صفحہ ۷۸۳۔

ظفر اللہ ہندوستان کے پولیٹیکل سیکرٹری سر اولف کیرو کو اپنی ہفتہ وار سیاسی رپورٹیں روانہ کرتا تھا۔ جو چین کے اشتراکی رہنماؤں کی یعنی ماؤزے تنگ اور چو این لائی کے متعلق تھیں۔ اکتوبر ۱۹۴۲ء میں چین سے واپسی پر اُس نے وائسرائے کو اطلاع دی کہ چین کے اشتراکی ماسکو کے تربیت یافتہ لوگ ہیں اور چین میں بڑے منظم طور پر کام کر رہے ہیں۔ وہ جاپان کی شکست کے بعد اقتدار میں آ سکتے تھے۔ مظلوم کسان ان کو اپنا نجات دہندہ خیال کرتے ہیں۔^(۱)

غلام محمد کیلئے ظفر اللہ کی سفارش:

چار اگست ۱۹۴۲ء کو ظفر اللہ نے وائسرائے ہند کو چین سے ایک خفیہ اور ذاتی خط لکھا۔ اُس نے وائسرائے کی کونسل میں ایک اور مسلمان کی تقرری کی تجویز پیش کی۔ ان کی تجاویز مندرجہ ذیل تھیں۔

(i) ”وائسرائے کی انتظامی کونسل کے رکن برائے امور داخلہ سر رجب اللہ میکسویل کی مدت عہدہ کے اختتام پر اس جگہ ایس اکبر حیدری کی تعیناتی کر دی جائے۔

(ii) سر مرزا اسماعیل کی مناسب وقت پر تعیناتی کے لیے غور کیا جائے۔

(iii) اگر پہلی اور دوسری بات نامنظور ہو تو جناب معظم (وائسرائے) مسٹر غلام محمد کے تقرر پر بھی غور

کر سکتے ہیں جو محکمہ سپلائی میں ایڈیشنل سیکرٹری رہا تھا اور اب نظام حیدر آباد حکومت کافانس

ممبر ہے۔ مسٹر غلام محمد نہایت ایک نوجوان آدمی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس میں بڑی اہلیت و

قوت ہے جو عملی طور پر اس کے انتخاب کا جواز مہیا کرتی ہے۔“^(۲)

سر ظفر اللہ نے اپنے خط میں دفاع پر ہندوستانی افسروں کی مجوزہ حیثیت کے

بارے میں بھی سوال اٹھایا۔ جب اگر انتقال اقتدار کی کوئی صورت نکلے۔ وائسرائے ہند

نے مسلمانوں کی نمائندگی کے بارے میں اُس کے تکتے کو پسند کیا اور ان کو سی این سی

۱۔ ظفر اللہ۔ سروینٹ آف گاڈ۔

۲۔ ظفر اللہ کا لاہور ٹیلی گرام ۱۹ اگست ۱۹۴۲ء۔ جلد ۲۔ صفحہ ۵۶۲۔

جنرل ہارٹلے کے اس نوٹ کے ساتھ انہیں روانہ کر دیا جو انہوں نے اس موضوع پر لارڈ
نلتھلو کے لیے تیار کیا تھا۔^(۱)

کونسل میں ہندوستانی نمائندگی

چین چھوڑنے سے پہلے ظفر اللہ نے وائسرائے کو ہندوستان کے آئینی مسائل
کے بارے میں ایک یادداشت پیش کی۔ اس نے تجویز پیش کی کہ وقت آ گیا تھا کہ
پوری وائسرائے کی کونسل ہندوستانیوں پر مشتمل ہو اور شریف آدمی کے ساتھ کیے گئے
معاهدے کے مطابق ایک کابینہ کے طور پر کام کرے۔ سیکرٹری آف سٹیٹ کسی فیصلے کو
اس وقت تک ویٹو نہ کرے جب تک ایسے حالات پیدا نہ ہو جائیں کہ ہندوستان کی
سلامتی کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ وائسرائے ہند نے سیکرٹری آف سٹیٹ کو یہ یادداشت
تبصرے کے لیے بھجوا دی۔ لیکن یہ تجویز اس لیے رو بہ عمل نہ ہو سکی کہ مہاتما گاندھی نے
مرن برت رکھ لیا اور وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے دو ارکان نے گاندھی جی کے ساتھ
اظہار ہمدردی کے طور پر کونسل سے استعفیٰ دے دیا۔^(۲) چین سے واپسی پر ظفر اللہ
پیسفک کانفرنس میں شرکت کے لیے کینیڈا چلا گیا۔

بحرالکاہل کانفرنس

نومبر 1942ء کے آخر میں انسٹی ٹیوٹ آف پیسفک ریلیشنز کے کانفرنس
کے زیر اہتمام کمیٹ (کینیڈا) میں کانفرنس منعقد ہوئی۔ ظفر اللہ اور ہندو نمائندہ مدالیار
جو دونوں وائسرائے کی کونسل کے اراکین تھے ان کے علاوہ بیگم شاہنواز کو ہندوستانی وفد
میں شامل کیا گیا۔ اس کانفرنس کے تمام مباحثات مکمل طور پر تحقیقی و علمی نوعیت کے تھے۔
ہندوستان سے متعلقہ اس میں کوئی بات زیر بحث نہ تھی۔ اس لیے اس کانفرنس سے کوئی

1- Transfer of Power - جلد 2 - صفحہ 834۔

2- ظفر اللہ - Agony of Pakistan - صفحہ 20۔

عملی نتیجہ اخذ نہ ہو سکا۔^(۱) کانفرنس کو چار گول میز کانفرنسوں میں تقسیم کیا گیا۔ یعنی معاشی امور یا ہندوستان، چین اور سیاسی یا عمومی معاملات۔ کینیڈا کے نمائندے مسٹر ٹار ایک گول میز کانفرنس کے صدر تھے۔ معاشی گول میز کانفرنس کا صدر ظفر اللہ تھا اور ہندوستانی گول میز کانفرنس کا نمائندہ سرمد الیاز تھا۔ مسٹر کھنہ نے ہندوستان کا معاملہ بڑے پر زور اور جذباتی انداز میں اٹھایا۔ بیگم شاہنواز نے بڑی عمدگی سے مسلمانوں کا معاملہ پیش کیا اور ہندوستان میں جاری سیاسی صورتحال کی اصل تصویر کشی کی۔^(۲)

امریکہ میں ہندوستانی ایجنٹ جنرل سر گر جاسکر باجپائی تھے۔ واشنگٹن میں ظفر اللہ کے قیام کے دوران انہوں نے امریکی صدر روز ویلٹ سے ان کی ملاقات کا اہتمام کر دیا۔ روز ویلٹ نے انہیں بتایا کہ وہ چرچل پر دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ تاہم اس کے لیے وہ کوئی بھی موقع ضائع نہیں کرے گا۔ چرچل کو قائل کرنے کی کوشش کرے گا کہ وہ ہندوستان کو آزادی دے دے۔^(۳)

ظفر اللہ کے بیرون ملک دورے کے دوران لارڈ لٹلٹھلو نے سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند کو ایک نوٹ میں خبردار کیا کہ وہ ان کی اور مد الیاز کی مقررہ حد سے بڑھ کر آگنی حد۔ ہندوستانی افسروں کی تقرریوں اور ہائی کورٹ کے سلسلے میں سرگرمیوں پر گہری نظر رکھے۔ اس نے وضاحت کی کہ برطانوی اداروں کی ہندوستانیہ کی تجویز کے پیچھے اس کا مقصد اپنی جماعت، اپنے دوستوں یا ہندوستان کے کسی حصے کے لیے کوئی حیثیت حاصل کرنا ہے۔^(۴)

دسمبر ۱۹۴۲ء میں سپنس (Spens) ہندوستان کا چیف جسٹس بنا۔ لارڈ لٹلٹھلو

کہتا ہے۔

”مختلف جانب سے اس پر اطمینان کا اظہار ہو رہا ہے کہ نظر انتخاب ظفر اللہ پر نہیں پڑی

۱۔ سر ظفر اللہ۔ سر وٹ آف گاڈ۔ صفحہ 125۔

۲۔ جہاں آرا شاہنواز Father and Daughter۔ لاہور 1971ء صفحہ 184۔

۳۔ سر ظفر اللہ تھت ٹوٹ۔ صفحہ 450۔

۴۔ Transfer of power جلد 8 ص 407۔

جو کہ سیاسی سرگرمیوں میں اس حد تک آگے چلا گیا ہے جو کہ ایک جج کے شایان شان نہیں ہو سکتیں۔ وائسرائے نے ہندوستانی چیف جسٹس کے لیے وردھا چاری کا نام تجویز کیا کیونکہ وہ ظفر اللہ کو اس کے لیے اہل نہیں سمجھتا تھا۔^(۱)

واشنگٹن میں برطانوی سفیر لارڈ ہیلی فلیس کی طرف سے ظفر اللہ کو پیغام موصول ہوا کہ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان مشاورت کے لیے اسے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ جنوری ۱۹۴۳ء کے پہلے ہفتے میں وہاں پہنچا اور مارچ کے پہلے ہفتے تک وہاں قیام پذیر رہا۔ پندرہ جنوری ۱۹۴۳ء کو سیکرٹری آف سٹیٹ وائسرائے کو لکھتا ہے۔

”بدھ کے روز ہم نے ظفر اللہ کو سرکاری ظہرانہ دیا جس میں جنگی کابینہ کے ارکان اور کئی وزراء شریک ہوئے۔ یا تو ظفر اللہ کو دیکھنے اور سننے کے مشتاق تھے (حالانکہ ان میں سب سے زیادہ اسے پہلے ہی جانتے تھے) یا پھر اچھے کھانے اور حتیٰ کہ شراب ملنے کی توقع تھی۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ تاہم وہ ظفر اللہ کی مختصر مگر فی البدیہہ تقریر سے بڑے محظوظ ہوئے جس میں اُس نے ہندوستانی صورتحال پر ہلکا سا اظہار خیال کرتے ہوئے اپنے پختہ یقین کا اظہار کیا کہ ہندوستان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دولت مشترکہ میں رہے اور اس کے باہر جانے کا خطرہ تب ہی پیدا ہوگا اگر ہم نے اس کو مجبور کر دیا یا اگر ہم اپنے وعدوں سے پھر گئے۔

مجھ سے بات کرتے ہوئے اُس نے عمومی طور پر ہندوستانی ترقی پسندانہ انتظامیہ، افواج اور عدلیہ کی اہمیت پر تبادلہ خیال کیا، تاکہ ہندوستانی مقاصد کے لیے تجربہ کار اور معتدل لوگ میسر آسکیں اور یورپیوں کی جگہ لے سکیں جو کہ بصورت دیگر جاہل اور مفرد سیاست دانوں سے پرہیزی تھیں۔

قانون کی پانچ ماہ کی چھیون کے دوران وہ چاہتا ہے کہ کسی ایک یا دوسری قسم کا کوئی مفید کام کر سکے اور اس کے متعلقہ اس نے صرف یہی تجویز پیش کی کہ:

”ہو سکتا ہے کہ دوبارہ امریکہ کا دورہ کرے اور وہ کرے جو اسے زیادہ موثر لگے یعنی

خاموشی سے تعلیمی اور پیشہ ورانہ جماعتوں کے چھوٹے گروپوں سے ملے جن کا موقف امریکہ میں سب سے زیادہ موثر ہے۔“ (۱)

میں جنوری ۱۹۴۳ء کو ایک اور خط میں سیکرٹری آف سٹیٹ نے وائسرائے لارڈ لٹلٹھلو کو بتایا کہ ظفر اللہ اعتدال پسندوں کی ایک جماعت بنانا چاہتا ہے جو اپنا موثر وزن اس وقت ڈال سکیں گے جب ہندوستانی آئین کی تشکیل کے لیے تحریک چلے گی اور جب ہندوستان یہ فیصلہ کرے گا کہ اسے دولت مشترکہ میں رہنا ہے یا نہیں۔ (۲)

ظفر اللہ نے لندن میں آئینی مسئلہ پر ایمپائر پارلیمانی ایسوسی ایشن کو بھی خطاب کیا۔ اس نے کہا:

”اگر جنگ کے بعد پیدا ہونے والی بین الاقوامی صورتحال میں ہماری شراکت ختم ہوگئی تو ”یہ ہندوستان اور ہمارے لیے تباہی کا باعث ہوگا“ کیونکہ جنگ کے دوران تو دونوں یعنی برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان کسی معاہدہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی مگر ہم پیش رفت کر کے عقل مند ہونگے بجائے اس کے کہ ہم احتجاج کر کے اشتراک پیدا کریں اور اس طرح ہم ذمہ دار آدمیوں کی ایک جماعت تیار کرنے کے قابل ہو سکیں جو بعد میں آہستہ آہستہ اپنا اثر استعمال کر سکیں گے۔“ (۳)

لارڈ لٹلٹھلو کو سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند لارڈ ایمرے نے فروری ۱۹۴۳ء میں خط لکھا کہ:

”ظفر اللہ اپنا سارا فارغ وقت اس بات پر صرف کرنے میں بڑا مشتاق ہے کہ وہ اعتدال پسندوں کی جماعت کا ایک ایسا مرکز قائم کرے جو برطانوی سلطنت میں رہتے ہوئے دنیا میں ہندوستان کے مستقبل کے لیے ہندوستان کے لیے ایک پائیدار آئین تلاش کر سکیں۔“

وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری نے حاشیہ میں یہ لکھا:

”مجھے یہ نہیں نظر آتا کہ کیا ان باتوں سے قانون کی آزادی برقرار رہ سکتی ہے اور یہ بات عوام کے بھروسے کے مطابق ہو سکتی ہے کہ ایک وفاقی عدالت کا جج‘ قومی اور آئینی سیاست میں اتنا سرگرم عمل ہو۔ نہ ہی مجھے ظفر اللہ کی جہت یا تعلیم پر اتنا بھروسہ ہے‘ وہ ایسے معاملہ میں نہ جانے کہاں اٹک جائے۔ تاہم سیکرٹری آف سٹیٹ کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری پر جو چاہتا ہے کرے۔ وہ ہندوستان کے سلطنت برطانیہ کے ساتھ رہنے کی ضرورت پر درست طور پر قائل ہے اور مدالیار اور عزیز الحق کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔“ (۱)

صلح کی تجویز

کرپس مشن کی ٹاکاؤں کے بعد کانگریس نے آٹھ اگست ۱۹۴۲ء کو ”ہندوستان چھوڑ دو“ کی قرارداد منظور کی۔ مہاتما گاندھی کو گرفتار کر لیا گیا اور کانگریس پر پابندی لگا دی گئی۔ لیگ کا کہنا تھا کہ اس تحریک کا مقصد دراصل برطانوی حکومت کو مجبور کرنا تھا کہ وہ اس ملک کی انتظامیہ ہندوؤں کو سونپ دیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو اس میں حصہ لینے سے منع کیا۔ قادیانیوں نے اس تحریک آزادی سے ایک نیا خطرہ محسوس کیا۔ انہوں نے بلا توقف مسلم لیگ کی حکمت عملی کی مخالفت کر دی۔ مرزا محمود نے قیام پاکستان اور آزاد ریاست کے مطالبے کو ”ہندوستانی غلامی کو مزید بکا کرنا“ قرار دیا۔ (۲)

دسمبر ۱۹۴۳ء میں سر ظفر اللہ نے جو اس وقت ہندوستان کی وفاقی عدالت کا جج تھا‘ نے مرزا محمود کے حالات زندگی کا ایک نقشہ پیش کیا۔ اپنے پمفلٹ میں ان کے سیاسی خیالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:

”ان کا خیال ہے کہ ہندوستان اپنی سیاسی‘ معاشی اور اخلاقی نجات اسلام کے ذریعے حاصل کرے گا۔ اس طرح وہ کسی علاقائی منصوبہ پاکستان میں یقین نہیں رکھتے۔ ان کا

۱۔ انگریزوں کے لٹکھ کوکھ۔ ۲۸ فروری ۱۹۴۳ء۔ انتقال اقتدار۔ جلد ۳۔ صفحہ ۷۳۸۔

۲۔ الفضل قادیانی۔ ۱۱ جون ۱۹۴۴ء۔

خیال ہے کہ آخر کار تمام ہندوستان پاکستان ہوگا اور یہ ”اکھنڈ ہندوستان“ ہوگا۔ ان کا خیال ہے کہ دو قصورات کے مابین جو تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا ہے وہ محض ہندوستانی عوام کے لیے برطانوی غلامی کو طول دینا ہے۔

بارہ جنوری ۱۹۴۵ء کو مرزا محمود نے قادیان میں اپنی جماعت کو خطاب کیا۔ آپ نے ہندوستان کے ساتھ برطانوی تعلقات پر گفتگو کرتے ہوئے کہا:

”وقت آ گیا ہے کہ برطانیہ ہندوستانیوں کو اعتماد میں لے۔ یہ خدا کی مرضی ہے کہ اس نے اسن عالم کو برطانیہ سے منسلک کر دیا ہے۔ چند خامیوں کے باوجود خدا نے انگریزوں کو بے مثل خوبیاں عطا کی ہیں۔ ہم خدا کے حکم سے کیسے روگردانی کر سکتے ہیں یا نظریں چما سکتے ہیں۔ ہم ہمیشہ سے ہی حکومت اور خصوصاً برطانیہ سے تعاون کرتے آئے ہیں کیونکہ یہی کچھ ہے جو ہم نے قرآن سے سیکھا ہے۔ اگرچہ ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے یا ہمیں خطرات لاحق ہوں۔ ہم عمومی طور پر ہر حکومت کے ساتھ تعاون جاری رکھیں گے۔ اب یہ برطانیہ کے مفاد میں ہے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ معاہدہ کرے۔ یہ برطانیہ کے لیے ایک استحکام کا ذریعہ ہے۔ ایک وسیع منڈی مہیا کرتا ہے۔ برطانوی فوج کو افرادی قوت دیتا ہے اور درحقیقت یہ تاج برطانیہ میں ایک بہرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے مسیح موعود کو ہندوستان میں بھیجا ہے۔ ہندوستان مستقبل قریب میں مسیح موعود کے پھر رہنے تلے ہوگا۔ دنیا کی کوئی قوت ہندوستانیوں کو خواہ ہندو سکھ یا مسلمان ہوں مسیح موعود کی غلامی میں آنے سے نہیں روک سکتی۔“ (۲)

آخر میں انہوں نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ وہ ”محبت اور باہمی ہمدردی کے اس پیغام کو ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچادیں۔

دولت مشترکہ کا نفرنس

سر ظفر اللہ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے آخری دور میں اپنے کردار پر

۱۔ سر ظفر اللہ۔ سرمد تحریک احمدیہ۔ ”یکراپنڈ وٹ لینڈ۔ لندن صفحہ 26۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 17 جنوری 1945ء۔

روشنی ڈالتا ہے۔ ۱۹۴۵ء کے موسم بہار میں چوتھم ہاؤس سینٹ جیمز اسکوائر لندن میں ہونے والی ”دولت مشترکہ ممالک کے تعلقات“ کی کانفرنس میں شرکت کے لیے وہ ”ہندوستانی ادارہ برائے بین الاقوامی تعلقات“ کے وفد کو لے کر گیا۔ اس وقت بھی وہ وفاقی عدالت کے جج کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اختتامی اجلاس میں اُس نے دولت مشترکہ کی آزادی کی خاطر اور اپنی معاشی تباہی کی قیمت پر امن عالم کی خاطر ہندوستان کے کردار پر روشنی ڈالی۔ پھر اُس نے ہندوستان کے آئینی بحران کے سلسلے میں روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

”دولت مشترکہ کے مدیرین نے کہا! کیا یہ بات آپ کو معلوم نہیں کہ یہ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ ہندوستان کے پانچ لاکھ آدمی میدان جنگ میں دولت مشترکہ کی آزادی کی خاطر سرگرم عمل ہوں اور پھر بھی آزادی کی بھیک مانگتے پھریں۔ کیا خیال ہے آپ کا کہ انہیں کتنی دیر اور انتظار کرنا پڑے گا؟ ہندوستان رواں دواں ہے۔ آپ اس کی مدد کریں یا اسے روکیں لیکن کوئی اس کو روک نہیں سکے گا۔ ہندوستان دولت مشترکہ میں رہتے ہوئے آزاد ہوگا۔ اگر آپ اس کی اجازت دیں گے وہ اسے اس کی مناسب جگہ دیں جو اس کا حق بنتا ہے۔ وہ دولت مشترکہ کے علاوہ آزاد ہوگا اگر آپ کے پاس کوئی اور متبادل نہ ہو تو.....“ (۱)

یہ برطانوی عوامی رائے عامہ تھی جو ان دنوں تشکیل پا چکی تھی۔ شاید ایک بہت ہی کم اقلیت ایسے جنونیوں کی ہوگی جو چرچل کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے آزادی مخالف تھے۔ آٹھ مارچ ۱۹۴۵ء کو سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند ائیر نے وائسرائے ویول کو لکھا کہ:

”ظفر اللہ کی سب سے بڑی دلیل کہ ہندوستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے میں جتنی تاخیر ہوگی اتنا ہی دولت مشترکہ میں اس کی شمولیت مشکوک ہوتی جائے گی۔ اس نکتہ پر آپ باہم اختلاف نہیں کر سکتے۔“ (۲)

۱۔ سر ظفر اللہ - The Agony of Pakistan - صفحہ 23۔

۲۔ ڈائری آف پاور - جلد 5 - صفحہ 667۔

جہاں تک ہندوستان کے لیے عبوری آئین کا مسئلہ ہے، میں ہندوستان کے لیے کوئی بہتر عبوری آئین کا نہیں سوچ سکتا کیونکہ موجودہ آئین جس میں معمولی قطع برید کر دی جائے تو قانون جدید خطوط پر آ سکتا ہے اور معاشی تحفظات سے بھی نجات مل سکتی ہے۔^(۱)

ظفر اللہ کا آئینی منصوبہ

۱۹۴۵ء میں سر ظفر اللہ اور سر سلطان احمد نے ہندوستانی مسائل پر غور و خوض کے لیے برطانیہ حکومت کو ایک آئینی منصوبہ پیش کیا۔ ظفر اللہ کا پیش کردہ منصوبہ ایک یادداشت کی صورت میں مشترکہ کیا گیا۔ (انڈین کمیٹی پیپر) سولہ فروری ۱۹۴۵ء کو سر سلطان احمد نے بھی اپنا آئینی منصوبہ پیش کر دیا۔ آپ بعد میں وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بنے۔ ان منصوبوں پر سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان کی زبانی ان آئینی مسائل کا نکتہ نظر ملاحظہ کریں۔

”میں آپ کی اطلاع کے لیے یہ نوٹ مشترکہ کر رہا ہوں۔ جس میں ظفر اللہ خان نے آئینی مسائل کے ضمن میں فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کے ممکنہ ذرائع پر اپنا اظہار خیال کیا ہے۔

سر ظفر اللہ گول میز کانفرنس میں شریک رہے اور جائنٹ سلیکٹ کمیٹی میں شامل تھے۔ آپ بعد میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن بنے۔ اب وہ وفاقی عدالت کے جج اور اب

یہاں ادارہ بین الاقوامی تعلقات کے زیر اہتمام ہونے والی دولت مشترکہ کانفرنس میں

ہندوستانی وفد کی قیادت کر رہے ہیں۔ یہ ایک پنجابی ہے اور بڑے تیز ذہن کا مالک ہے

جو ایک معتدل مسلم نکتہ نظر پیش کرتا ہے مگر بد قسمتی سے اس کی ذاتی پیروکار نہ ہونے کے

بجائے ہیں کیونکہ یہ ایک غیر قدامت پسند فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔“ (۲)

سیکرٹری آف سٹیٹ نے ظفر اللہ کے منصوبے کا سلطان احمد کے منصوبے سے

موازنہ کرتے ہوئے زور دیا۔

”ظفر اللہ اور سلطان کے منصوبوں کے کئی نکات ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور بہت کم میں اختلاف ہے۔ پاکستان کی کوئی بھی وکالت نہیں کرتا۔ دونوں نے وفاقی مرکز کی سفارش کی ہے جس کے پاس محدود اختیارات ہوں اور بقیہ اختیارات اکائیوں کے پاس ہوں۔ اکائیوں پر دونوں کا اختلاف ہے۔ سر سلطان احمد کا خیال ہے کہ سرحدوں کی دوبارہ حد بندی کی جائے جبکہ سر ظفر اللہ کا خیال ہے کہ صوبوں کی موجودہ سرحدیں برقرار رہیں بلکہ انہیں پچیس سال تک نہ چھیڑا جائے۔ دونوں معمولی اختلاف کے ساتھ وفاقی انتظامیہ اور وفاقی افواج میں کم سے کم نمائندگی کے حامی ہیں۔ سر ظفر اللہ انتظامیہ میں پچاس فیصد حصہ مانگتا ہے جبکہ سلطان چالیس فیصد پر مطمئن ہے (بقیہ چالیس فیصد ہندوؤں کیلئے دس فیصد غلی جاتیوں کے لیے اور دس فیصد دیگر کیلئے) سوخا لڈ کر مقامی ملازمتوں میں اس تناسب پر مطمئن ہے مگر دفاعی ملازمتوں میں پچاس فیصد حصہ مانگتا ہے۔ ظفر اللہ کا خیال ہے کہ مسلمان دس فیصد وفاقی ملازمتیں اور مقامی ملازمتیں میں تیسرا حصہ چاہتے ہیں۔ کسی نہ کسی لحاظ سے ان فرقہ وارانہ تجاویز میں ہندو ان کے مخالف ہونگے جو کہ ایک کمزور مرکز کی مخالفت کریں گے۔ ظفر اللہ ہندوستان میں موجودہ حکومت کی عبوری تنظیم نو کے امکان کے بارے میں کوئی حوالہ نہیں دیتا۔ سر سلطان احمد کا خیال ہے کہ صوبائی حکومتوں کے قیام سے پہلے ہندوستان کے آئین کی ترمیم نہ ہونی چاہیے۔“ (۱)

ظفر اللہ کا منصوبہ لندن میں زیر بحث آیا۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں کے اتفاق سے ایک آئین تشکیل دیا جائے۔ ظفر اللہ کا خیال تھا کہ ہندوستانیوں کا کسی بات پر اتفاق رائے نہیں ہوگا اور حکومت کو ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں رہتے ہوئے ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق کی طرف کوئی حل نکالنا پڑے گا۔

ویول منصوبہ

جولائی ۱۹۴۴ء کو گاندھی جی کو جیل سے رہا کر دیا گیا۔ انہوں نے وائسرائے سے مذاکرات شروع کیئے جو بار آور ثابت نہ ہو سکے۔ جبکہ دوسرے مسائل پر بھی کوئی اتفاق رائے نہ ہوا۔ گاندھی جناح خط و کتابت بھی ناکام رہی۔ حکومت برطانیہ نے لارڈ ویول کو مشاورت کے لیے لندن بلوایا۔ ویول منصوبے سے پیشتر ظفر اللہ لندن چلا گیا۔ ہندوستان کے قائم مقام گورنر جنرل سر جے کلوویل نے بائیس مئی ۱۹۴۵ء کو سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندو ائیر کے کو لکھا۔

”ظفر اللہ کے سفر برطانیہ کے بارے میں آپ نے اپیل (وائسرائے کے ڈپٹی سیکرٹری) کے ٹرن بال (سیکرٹری آف سٹیٹ کے پرائیویٹ سیکرٹری) کو بھیج دیا گیا برقی عریضہ دیکھا ہے۔ یہاں لوگ اس شک میں مبتلا ہیں کہ وہ سیاسی مقاصد کی خاطر گیا ہے اور میں اور سب (عدالت عظمیٰ کا چیف جسٹس) اس پر سخت ناراض ہیں۔ اگرچہ پچھلی دفعہ جب ظفر اللہ لندن میں تھا تو اس نے ایک قوم پرست بن کر بات کی اور قومی پریس سے کافی داد و وصول کی تھی مگر میرا خیال ہے کہ وہ اور فیروز خان نون دونوں اکٹھے لندن اس امید پر گئے ہوں گے کہ کسی بھی قابل قبول آئینی تجویز کی مخالفت کر سکیں جو انہیں پسند نہ ہو۔“ (۱)

ویول ہندوستان میں ایک منصوبہ برائے آزادی لے کر ہندوستان آیا تھا۔ اس نے اپنے منصوبے کا اعلان بارہ جون ۱۹۴۵ء کو کر دیا۔ اس نے شملہ میں کانگریس اور لیگ کے رہنماؤں کے ساتھ ایک میٹنگ کی تاکہ ہندوستان کا اپنی جمود ٹوٹے اور ہندوستان کی بڑی سیاسی جماعتوں کا تعاون حاصل کیا جاسکے تاکہ جاپان کے خلاف جنگ کے نتائج میں کامیابی حاصل کی جاسکے۔ مرکز اور صوبوں سے ہندوستانی سیاسی زندگی سے وابستہ رہنماؤں کو وائسرائے کی کونسل میں اس تناسب سے نمائندگی دی جائے۔ کہ تمام طبقوں کی متناسب نمائندگی ہو اور ہندو جاتیوں اور مسلمانوں کی

۱۔ فیروز خان نون وائسرائے کی کونسل میں وزیم دلائے۔ ۱۹۴۴ء میں انہیں ہمارے کثیر کے سربراہ جنگی کابینہ میں برطانوی ہند کی نمائندگی کیلئے بھیجا گیا تھا۔ ہمارے وائیان ریاست کی نمائندگی کرتا تھا۔ (دیکھئے فیروز خان نون لاہور۔ ۱۹۶۶ء صفحہ ۱۸۰) (انتقال اقتدار جلد ۵۔ صفحہ ۱۰۵۶۔

برابر نمائندگی ہو یہ منصوبہ ناکام ہو گیا کیونکہ لیگ نے تمام مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے پر اصرار کیا جس پر دیول نے اتفاق نہ کیا۔

بائیس جون ۱۹۴۵ء کو مرزا محمود نے اپنے خطبہء جمعہ میں اس منصوبے کی بڑی تعریف کی اور ہندوستانی سیاسی رہنماؤں پر زور دیا کہ وہ مزید کسی تاخیر یا سوچ بچار کے اسے قبول کر لیں۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ اس منصوبے کے ماننے پر وہ انگریزوں کے ساتھ کسی سمجھوتے پر آ جائیں گے۔ اس طرح نہ صرف وہ اپنا بھلا کریں گے بلکہ آئندہ نسلوں پر بھی احسان عظیم کریں گے۔^(۱) انہوں نے سیاسی رہنماؤں پر تنقید کی جو معاملات کی تفصیل پر ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا کر رہے تھے۔ جبکہ برطانیہ نے ہندوستان کو آزادی عنایت کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔^(۲) اس کے خطاب کا انگریزی ترجمہ ان مسلمان رہنماؤں میں تقسیم کیا گیا جو وائسرائے کی کانفرنس میں شرکت کے لیے شملہ گئے تھے۔ کانفرنس ناکام ہو گئی اور کانگریس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کے درمیان کوئی بھی قابل قبول سمجھوتہ نہ ملے پاسکا۔

انتخابات (۱۹۴۵-۴۶):

(۴۶-۱۹۴۵ء) جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی اسٹلی کی لیبر حکومت نے انتخابات کا پروگرام جاری کر دیا۔ ہندوستان میں انتخابات ۴۶-۱۹۴۵ء کے درمیانی موسم سرما میں ہونے تھے۔

مسلم لیگ محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بن چکی تھی۔ قادیانیوں کو اس کا بخوبی علم تھا۔ مرزا محمود جو اپنے وقت کے بدنام سیاسی موقع پرست سمجھے جاتے تھے، نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی۔ اکیس اکتوبر ۱۹۴۵ء کو انہوں نے ”آئندہ انتخابات میں جماعت احمدیہ کی پالیسی“ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں انہوں نے اپنی جماعت کو ہدایت کی کہ وہ مسلم لیگ کی مدد کرے۔ یہ بھی

۱۔ تاریخ احمدیت، جلد ۱۰، صفحہ ۲۶۳۔

۲۔ ایضاً۔

بڑی دلچسپ بات ہے کہ اسی مضمون میں ”منصوبہ پاکستان“ کی مخالفت کی جس کی بنیاد پر مسلم لیگ اپنی انتخابی مہم چلا رہی تھی۔ آپ لکھتے ہیں:

”پس اس وقت (شملہ کانفرنس ۱۹۴۵ء) تک میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ جب تک یہ صورت حالات نہ بدلے، ہمیں مسلم لیگ یا مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہئے گو ہم دل سے پہلے بھی ایسے اکھنڈ ہندوستان ہی کے قائل تھے جس میں مسلمان کا پاکستان اور ہندو کا ہندوستان برضا و رغبت کے ساتھ شامل ہوں اور اب بھی ہمارا یہی عقیدہ ہے۔“^(۱)

پورے ہندوستان میں قادیانی ایک غیر اہم اقلیت تھے۔ مزید برآں وہ اتنے بکھرے ہوئے تھے کہ انتخابات پر اثر انداز نہ ہو سکتے تھے۔ ان کا اپنی جائے پیدائش یعنی پنجاب میں بہت معمولی اثر تھا۔^(۲) مرزا محمود کے مطابق قادیانیوں کی کل تعداد چار یا پانچ لاکھ کے قریب تھی جن میں صرف پچاس ہزار کے قریب ووٹ دینے کے اہل تھے۔ پنجاب میں صرف چھ ہزار کے قریب رائے دہندگان تھے جو کہ سیالکوٹ، وزیر آباد، شکر گڑھ اور بٹالہ کی تحصیلوں میں مرکوز تھے۔ ان کی تعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلم لیگ، یونینسٹ یا کسی دیگر جماعت کے لیے ان کی حمایت کوئی خاص اہمیت نہ رکھتی تھی۔ کوئی بھی جماعت ان کے ساتھ تعاون کر کے عام مسلمانوں کے غضب کو دعوت نہیں دے سکتی تھی جو آئندہ انتخابات میں اپنی اسلامی شناخت کو برقرار رکھنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ مرزا محمود نے آنے والے انتخابات میں قادیانیوں کو درپیش مشکلات کے متعلق اپنی اندرونی کابینہ میں بحث کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ مقامی جماعتوں کے سربراہوں اور انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواروں کے ساتھ کوڑا سمجھوتہ طے کیا جائے۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ، زمیندارہ لیگ یا یونینسٹ پارٹی میں سے کسی ایک نے بھی قادیانیوں کو ٹکٹ نہیں دیا۔ انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ سیاسی جماعتیں دیگر حلقہ ہائے انتخابات میں حمایت کے عوض چند

۱۔ تاریخ احمدیت، جلد ۱۰، صفحہ ۲۷۶۔

۲۔ افضل قادیان، ۱۳ نومبر ۱۹۴۶ء۔

امیدواروں کی حمایت کر رہی تھیں جیسے یونینسٹ نواب محمد دین (سیالکوٹ) کی مدد کرے گی اور چوہدری انور حسین (اجنالہ) اور مسلم لیگ عبدالغفور قمر (شکر گڑھ) سے تعاون کا ہاتھ بڑھائے گی۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک عجیب صورت بن گئی ہے کہ مسلم لیگی اور یونینسٹ احمدیوں کی چند مقامی حلقہ ہائے انتخابات میں شدید مخالفت کر رہے ہیں جبکہ کچھ دوسرے حلقوں میں ان کی مدد کر رہے تھے۔ انہوں نے احمدیت کے مفاد کی خاطر اپنی جماعت کو قادیان کی بدلتی ہوئی حکمت عملی میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی تلقین کی۔^(۱) یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ لیگی قیادت قادیانیت کو ایک ارتداد اور قادیانیوں کو غیر مسلم سمجھتے تھے۔ تیس جولائی ۱۹۴۴ء کو لاہور کے مسلم لیگ کے اجلاس میں مولانا عبدالحامد بدایونی نے یہ قرارداد پیش کرنے کی کوشش کی کہ قادیانیوں کو مسلم لیگ کی رکنیت حاصل کرنے سے روک دیا جائے مگر سیاسی وجوہات کی بناء پر انہیں ایسا نہ کرنے دیا گیا۔ مرزا محمود نے بھی لیگی قیادت سے قادیانیت کی حمایت میں ایک مفید فیصلہ لینے کی کوشش کی مگر ناکام ہو گئے۔ انہوں نے پیر اکبر علی کی ذمہ داری لگائی کہ وہ اس معاملے کو لیگی زعماء کے ساتھ اٹھائے مگر لیگی قیادت نے اس کو بہت مایوس کیا۔

اٹھائیس جنوری ۱۹۴۶ء کو قادیان نے پنجاب اسمبلی کے امیدواروں کے لیے اپنی رکی حمایت کا آئندہ آنے والے انتخابات کے لیے اعلان کیا^(۲)۔ اس میں مسلم

۱۔ الفضل قادیان۔ 29 جنوری 1946ء۔

۲۔ شمیری علاقوں میں (۱) نواب غلام محمد (جنوبی شمیری) (۲) سردار شوکت حیات (جنوب مشرقی) (۳) ملک برکت علی (شمیری مشرقی) (۴) کرامت علی (شمال مشرقی) (۵) سر فیروز خان نون (راولپنڈی) (۶) شیخ محمد امین (ملتان) (۷) ملک وزیر محمد (لاہور) (۸) عظیم صدق حسین (لاہور) (۹) محمد رفیق (لاہور) (۱۰) عظیم شاہنواز (لاہور) (۱۱) شیخ سجاد قیصر (لاہور) (۱۲) عظیم علی اکبر (کاٹھورہ اور ہوشیار پور مشرقی) (۱۳) محمد سلام (چاندر) (۱۴) نواب افتخار حسین ممدوت (فیروز پور) (۱۵) مہاں افتخار علی (سور) (۱۶) چوہدری غلام فرید (گورداسپور) (۱۷) چوہدری محمد حسین (شکو پور) (۱۸) خان بہادر مدحت دین (شاہ پور) (۱۹) رانا عبدالمجید (پاکپتن) (۲۰) چوہدری فضل انیس (گجرات) (۲۱) چوہدری بہاول بخش (گجرات) (۲۲) سردار بہادر خان (ذیرہ غازی خان) (۲۳) غلام جیلانی گورکھ پوری (۲۴) سید بدین شاہ (خانوال) (۲۵) عبدالمجید (مظفر گڑھ) (۲۶) چوہدری جہان خان (گجرات) اور (۲۷) غلام رسول تالپر (گجرات) (۲۸) سولہ یونینسٹ امیدوار (۱) سردار شوکت حیات (ملتان اور مظفری پنجاب) (۲) رانا محمد اسرار خان (ایبٹ آباد) (۳) سر مظفر علی قریشی (لاہور) (۴) سردار حبیب اللہ خان (چنیان) (۵) چوہدری غلام جیلانی (سیالکوٹ) (۶) چوہدری انور حسین (اجنالہ) (۷) چوہدری غلام جیلانی (سیالکوٹ) (۸) نواب محمد دین قادیانی (راولپنڈی) (۹) چوہدری غلام محمد (حافظ آباد) (۱۰) چوہدری حسین علی (ننگران) (۱۱) نوابزادہ اعظم علی (گجرات) (۱۲) ملک نصر حیات نواز (خوشاب) (۱۳) راجہ یعقوب خان (چنڈا خان) (۱۴) ملک فتح شیر ننگر پال (مظفری) (سیالکوٹ) (۱۵) شیخ فیض محمد (ذیرہ غازی خان) (۱۶) محمد ابراہیم برقی (علی پور) (۱۷) تین آزاد امیدوار (۱) پیر اکبر علی (فیروز پور) (۲) سید محمد عبدالحق (ذیرہ غازی خان) (۳) فتح محمد سیال (ننگران) (۴) قادیان) (۵) چوہدری نور خان (ذیرہ غازی خان) (۶) چنڈا

لیگ کے سٹائیس امیدوار۔^(۲) اور ایک زمیندارہ لیگ کا نامزد امیدوار^(۳) مشترکہ حلقہ نیابت کی نشستوں میں ملک خضر حیات یونینٹ (ملتان اور مغربی پنجاب کے جاگیردار) اور سردار جگجیت سنگھ مان (سطی جاگیردار) کیلئے ان کی حمایت کا اعلان کیا گیا۔^(۱) فروری کے اوائل میں قادیان نے چند دیگر امیدواران کی حمایت کا اعلان کیا۔ ان میں چار مسلم لگی^(۲) اور ایک آزاد امیدوار^(۳) شامل تھے۔^(۴)

مرزا محمود ایک ایسے موقع پرست اور ابن الوقت تھے جن کے کوئی مثبت نظریات اور اصول نہ تھے۔ انہوں نے آئندہ ہونے والے انتخابات میں اپنی جماعت کے لیے فوائد سمیٹنے کیلئے الیکشن کے اکھاڑے میں چھلانگ لگا دی۔ یعنی مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان ایک سیاسی ضرورت تھی لیکن ان کی حمایت مختلف جماعتوں کے لیے مخصوص تھی یہ موقع پرستی کی بدترین مثال تھی جو کہ ہمیشہ سے ہی قادیان کا طرہ امتیاز تھا۔^(۵) پنجاب کے چند حلقہ ہائے انتخابات میں سطحی طور پر زبانی حمایت کے برعکس جس کی انہیں قطعاً ضرورت نہ تھی۔ قادیانیوں نے بیک وقت کئی مسلم لگی نامزد امیدواروں کے خلاف یونینٹوں اور آزاد امیدواران کے اشتراک سے پروپیگنڈہ مہم شروع کر دی۔ اس چیز نے مسلم لیگ کے سیاسی کارکنوں کے لیے بڑی مضحکہ خیز صورتحال پیدا کر دی اور انہیں اپنی انتخابی مہم کو صاف انداز میں چلانے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

مزید برآں مرکز (قادیان) اور مقامی جماعت کی طرف سے مختلف امیدواروں کے لیے اعلان نے بڑی الجھن پیدا کر دی۔ کئی جگہوں پر مقامی جماعتوں نے مرکز (قادیان) کی ہدایات کو ٹھکراتے ہوئے اپنی مرضی کے امیدواروں کی حمایت

۱۔ الفضل قادیان۔ 28 جنوری 1946ء۔

۲۔ شیخ فضل حق پراچہ (مطلوبی)۔ سردار نصر اللہ خان (علی پور)۔ میاں عبدالحق (لوکاڑہ) دلی محمد کبیر (عمور)۔ پھلور) دس یونینٹ (نواب علی بخش فوانہ (سرگودھا)۔ رانا محمد حسین (بوشیار پور)۔ سید حسین شاہ گرد پڑی (کبیر والہ) ملک محمد نواز (کوہراں) سید نصیر الدین شاہ (نوبلک سنگھ) ملک رب کوٹا فوانہ (لاکھو ر صاحبزادہ فیض الحسن آکوہاروی (ڈسکہ) رجب خیر مہدی (جہلم)۔ سر نواب محمد حسن قریشی (لوحیانہ) رائے محمد اقبال (لوحیانہ)

۳۔ سوچو بدلتی صحت اللہ لاکھو رہے ایک قادیانی وکیل۔

۴۔ الفضل قادیان۔ 29 جنوری تا 3 فروری 1946ء۔

۵۔ پیغام مس۔ لاہور۔ 27 فروری 1946ء۔

۶۔ الفضل قادیان۔ 20 مارچ 1946ء۔

کی۔^(۱) اس کی ایک روایتی مثال گوجرانوالہ کے احمدی رائے دہندگان کی تھی۔ انہوں نے مرزا محمود کے احکامات کی پرواہ نہیں کی اور اپنی مرضی کے امیدوار کی حمایت جاری رکھی جس پر مرزا محمود کو ناراض ہو کر یہ اعلان کرنا پڑا کہ احمدی اپنی مرضی کے امیدواروں کو ووٹ دیں مگر قادیان کی مجلس شوریٰ سے ان کی نمائندگی کو معطل کر کے انہیں اس کی سزا دی گئی اور یہ اعلان کیا گیا کہ گوجرانوالہ سے کوئی احمدی مستقبل میں انہیں نہیں مل سکتا۔^(۱)

نارووال کے حلقہ انتخاب میں احمدیوں نے اپنے احمدی امیدوار خان بہادر نواب محمد دین کی حمایت کی جو کہ یونیسٹوں کا امیدوار تھا اور مسلم لیگی امیدوار میاں ممتاز محمد دولتانہ کے خلاف نامزد امیدوار تھا۔ اسی طرح ڈسکہ، سیالکوٹ، حلقہ انتخاب سے پہلے یہ اعلان کیا گیا کہ لیگی امیدوار چوہدری نصیر الدین کے خلاف یونیسٹ امیدوار ذیلدار غلام جیلانی کی حمایت کی جائے گی۔ بعد ازاں اس فیصلے کو تبدیل کر کے ایک مسلم احراری صاحبزادہ فیض الحسن آلو مہاروی کی حمایت کی گئی جو یونیسٹوں کے نامزد کردہ تھے۔ ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے جج ظفر اللہ قادیانی اور ڈسکہ کے خان بہادر قاسم علی جنوری ۱۹۴۶ء میں صاحبزادہ صاحب کو قادیان لے کر آئے تاکہ ان کے ساتھ کوئی سودے بازی کی جاسکے۔^(۲) مرزا محمود نے ان کے ساتھ خفیہ معاہدہ کر کے جماعت کو حکم دیا کہ وہ انہیں ووٹ دیں۔ الفضل میں احراری رہنما صاحبزادہ فیض الحسن کی انتخابی حمایت کے اعلان سے لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی اور کئی قادیانیوں نے بار بار ان کی وضاحتیں طلب کیں کیونکہ یہ سب کچھ ان کے لیے ناقابل یقین تھا۔

بھلوال کے حلقہ انتخاب میں مرزا محمود نے ایک یونیسٹ امیدوار کی حمایت کا اعلان کیا۔ مرزا محمود کی کرائی گئی یقین دہانیوں کی بناء پر علاقہ کے بااثر جاگیردار قادیانی ملک صاحب خان نون نے انہیں مکمل یقین دہانی کرائی کہ اس امیدوار کی بھرپور مدد کی

۱۔ الفضل قادیان۔ 26 جنوری 1946ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 20 مارچ 1946ء۔

جائے گی۔ اس کی کامیابی کے کم امکان دیکھ کر مرزا محمود نے شیخ فضل حق پراچہ لنگی امیدوار کی مدد کا اعلان کر دیا۔ اسکے ساتھ ساتھ صاحب خان نون کو یہی ہدایت دی کہ وہ یونینٹ امیدوار کی حمایت جاری رکھے۔^(۱)

انتخابات میں ہمیشہ سے بدلتی حکمت عملی سے پیدا شدہ صورتحال سے نمٹنے کے لیے مرزا محمود نے حصار، روپنگ، گڑگاؤں، کرنال، میانوالی، جھنگ اور راولپنڈی کی مقامی جماعتوں کو ہدایت کی کہ وہ خاص جماعت کے امیدواروں کی حمایت کرنے کی بجائے کثرت رائے کی بنیاد پر وہ قابل قبول سمجھوتے کر لیں۔^(۲) کئی مواقع پر قادیانیوں کی غیر واضح حکمت عملی کی بناء پر ان کے حلقہ ہائے انتخابات میں یونینٹ امیدواروں کی حمایت کی گئی۔ قادیان کا اصل مفاد پٹیاہ کے حلقہ انتخاب میں تھا جہاں ایک آزاد قادیانی امیدوار اور مرزا محمود کا چھپتا فتح محمد سیال یونینٹ میاں بدر محی الدین اور سید بہاء الدین مسلم لنگی امیدوار کے خلاف انتخاب لڑ رہا تھا۔ اسے غیر مسلم جاگیردار امراء اور برطانیہ کی بالواسطہ سرپرستی حاصل تھی۔ سیال انتخاب جیت گیا۔ اس کی کامیابی پر مرزا محمود نے اپنے ہندو اور سکھ دوستوں کا شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر قادیانی امیدوار کی حمایت کی تھی۔^(۳) مرزا محمود نے یہ واضح کیا کہ پنجاب اسمبلی کے اس احمدی رکن کا اصل کام یہ ہوگا کہ وہ اس طرح کام کرے کہ ہندو، مسلمان اور سکھ مشترکہ طور پر صوبے کی ترقی کے لیے کام کریں جو کہ یونینٹ جماعت کی پالیسی تھی۔^(۴)

لاہپور (فیصل آباد) کے حلقہ انتخاب میں چوہدری عصمت اللہ قادیانی نے لیگ کے نامزد امیدوار سے مقابلہ کیا اور عبرتناک شکست کھائی۔ جس سے یہ بات بڑی واضح ہو کر سامنے آئی کہ مسلم لیگ کی حمایت کے قادیانی دھوکے محض فریب ہیں۔ یہ ایک

۱۔ ایضاً۔

۲۔ الفضل قادیان۔ یکم فروری ۱۹۴۶ء۔

۳۔ الفضل قادیان۔ ۲۲ فروری ۱۹۴۶ء۔

۴۔ الفضل قادیان۔ یکم مارچ ۱۹۴۸ء۔

یکطرفہ اعلان تھا جس کا مطلب عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا اور اپنی خفیہ سازشوں پر پردہ ڈالنا تھا۔ کئی مواقع پر اس نے لیگ کے نعرے یعنی ایک اسلامی مملکت پاکستان کے قیام کو بھی نقصان پہنچایا اور کانگریس کے حامی قوم پسند عناصر نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا۔ سولہ احرار یا احرار حامی امیدواروں^(۱) کیخلاف غلیظ اور نہایت گھٹیا مہم چلائی گئی جو پنجاب انتخابات میں حصہ لے رہے تھے۔^(۲)

ان انتخابات میں احرار کی ساکھ گر گئی اور وہ اپنی شہرت کھو بیٹھے کیونکہ وہ مسلم لیگ اور پاکستان کے خلاف تھے۔ اس سے قادیانیوں کو اپنے سب سے بڑے دشمنوں کو بدنام اور ذلیل کرنے کا موقع مل گیا۔ احرار رہنماؤں کی کردار کشی کی مہم میں قادیان کی طرف سے بے تحاشا پیسہ بہایا گیا۔ قادیانیوں نے اپنی تمام کوششوں کا رخ مرزا محمود کی اس پیش گوئی کی طرف موڑ دیا کہ

”احرار کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی جو ان کے یکدم ڈوال سے تعلق رکھتی ہے۔“

الغرض احرار کی انتخابات میں مکمل شکست پر خوشیاں مناتا رہا۔^(۳)

پنجاب کے انتخابات کے اختتام پر مسلمانوں کے سامنے قادیانیوں سے متعلق بڑی دلچسپ اور حیران کن باتیں سامنے آئیں۔

(۱) مرزا محمود کے بعض امیدواروں کی مکمل حمایت کے حکم کے باوجود کئی قادیانی اکابر نے ”حضرت خلیفۃ المسیح“ کے احکامات کو پس پشت ڈال کر اپنی مرضی کے امیدواروں کی حمایت کی۔ انہوں نے یونیسٹوں کی انتخابی مہم کے لیے باقاعدہ رقم اور مدد ملی اور قادیان کی ڈگر لاتی حکمت عملی کو اپنے ذاتی خواہشات کے لیے استعمال کیا۔ مرزا محمود نے اپنے خطبات میں اس صورتحال پر افسوس

۱۔ شیخ حسام الدین (امیر قمر)۔ مسرتاج الدین انصاری (شمس)۔ میاں عبدالقیوم (شمس)۔ مظہر علی مظہر (شمس)۔ سیالکوٹ۔ مولوی میر نواز (ملتان)۔ غلام فرید (گورداسپور)۔ چوہدری عبدالرحمن (جاندھر)۔ چوہدری محمد عبداللہ (نارووال)۔ کاظم علی (خانوال)۔ نصر اللہ خان (مظفر گڑھ)۔ عبدالحی (انک)۔ خوشی محمد (سندری)۔ عبدالغفور (نوبلک سنگھ)۔ محمد علی (جاندھر)۔ فیض محمد خان (ملی پور)۔ نور سداد محمد شفیع (چونیاں)۔

۲۔ پاکستان فور دوسرے فرقہ وارانہ مسائل پر احرار کے نقطہ نظر کو جاننے کے لیے دیکھئے۔ مولانا مظہر علی مظہر۔ ”ہمارے فرقہ وارانہ فیصلے کا استدراج“۔

۱۱ نومبر ۱۹۴۶ء۔

۳۔ الفضل قادیان ۲۶ فروری ۱۹۴۶ء۔

۴۔ الفضل قادیان ۲۰ مارچ ۱۹۴۴ء۔

کا اظہار کیا۔^(۱) ان حلقہ ہائے انتخاب میں جہاں مقامی جماعت نے اکثریت کی بناء پر فیصلے کیے اور مرکزی قادیان نے ان کی حمایت کی۔ وہاں بھی قادیانی رائے دہندگان نے تمام ہدایات کو بالائے طاق رکھ دیا اور اپنی پسند کے امیدواروں کو ووٹ دیے۔^(۲)

(2) کئی قادیانیوں نے مرزا محمود کے پنجاب کی انتخابی مہم میں حصہ لینے کے طریق کار پر سخت ناراضی کا اظہار کیا۔ ولیدار غلام جیلانی کی بجائے احراری رہنما صاحبزادہ فیض الحسن کی کھلی حمایت شدید تنقید کا نشانہ بنی حالانکہ پہلے قادیان نے جیلانی کی حمایت کا واضح اعلان کر دیا تھا۔^(۳) صاحبزادہ کی حمایت کو تنگ نظری اور ظفر اللہ اور ملک خضر حیات کے آگے خواہ مخواہ کی اطاعت سے تعبیر کیا گیا۔

(3) متواتر بدلتی وفاداریوں اور چند امیدواروں کی غیر اعلانیہ امداد نے قادیان کو بے نقاب کر دیا جو بے شک سمجھوتوں کی بناء پر کی گئی۔ یہ بات واضح ہو گئی کہ مرزا محمود بلاشبہ ایک چال باز اصول پسندی سے عاری موقع پرست سیاست دان اور خود غرض آدمی ہیں۔ انتخابات کے بعد قادیان میں باغی عناصر کی آوازوں کی گونج سنائی دیتی رہی۔ یہ الزامات بھی سامنے آئے کہ احمدیوں کی خون پسینی کمانی جو انہوں نے اپنے مذہب کی ترویج کے لیے پیش کی تھی بیاسی کاموں میں بے تحاشا صرف کی گئی۔^(۴)

مرزا محمود نے اپنے تنخواہ دار مبلغوں اور مخلص پیروکاروں کے ذریعے ایسی ابھرتی آوازوں کو خاموش کرادیا۔

صوبائی اسمبلیوں میں کانگریس نے آسام، صوبہ سرحد اور ہندو اکثریتی علاقوں میں اکثریت حاصل کر لی۔ لیگ نے تمام صوبائی اسمبلیوں میں مسلمانوں کے لیے مختص

۱۔ ایضاً۔
۲۔ الفضل قادیان۔ 31 جولائی 1946ء۔
۳۔ الفضل قادیان۔ 20 مارچ 1946ء۔

چار سو بانوے میں سے چار سو اٹھائیس نشستیں حاصل کر لیں۔ بنگال اور سندھ میں ان کی وزارتیں بن گئیں مگر پنجاب میں خضر حیات ٹوانہ کی سربراہی میں یونیسٹوں، اکالی سکھوں اور کانگریس کی مخلوط حکومت بنی۔ پنجاب اسمبلی میں جماعتوں کی صورتحال کچھ یوں تھی۔ مسلم لیگ (تہتر) اور یونیسٹ (بارہ) بعد ازاں چار یونیسٹ لیگ میں شامل ہو گئے۔

انتخابات کے بعد قادیان سے یہ شاطرانہ بیان سامنے آیا کہ انہوں نے کانگریس کے تینتیس امیدواروں کی حمایت کی جن میں سے بتیس کامیاب ہو گئے اور پنجاب میں نو یونیسٹ امیدواروں کی حمایت کی گئی جن میں سے چھ کامیاب ہوئے۔^(۱) اصل میں انہوں نے اپنے دعاوی کے مطابق اکتیس مسلم لیگیوں، چھبیس یونیسٹوں۔ چار آزاد اور ایک زمیندارہ لیگ کے امیدوار کی حمایت کی جبکہ عملی طور پر ان کی دھوکہ دہی پر مبنی حکمت عملی میں یونیسٹوں کی حمایت کا عنصر غالب تھا اور مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کے اعلانات و انتخابی معاہدے کسی وقعت کے حامل نہ تھے۔

مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لیے مختص تمام نشستیں مسلم لیگ نے حاصل کر لیں جبکہ باقی ماندہ منتخب نشستیں کانگریس لے گئی۔ قادیانیوں نے مرکزی اسمبلی کے لیے مسلم لیگ کے امیدوار مولانا ظفر علی خان کو ووٹ ڈالے چونکہ ان کے پاس اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا۔ مرزا محمود نے بنگال، بہار، صوبجات متحدہ، وسطی صوبہ جات، بمبئی، صوبہ سرحد وغیرہ میں قادیانیوں کو ہدایت کی کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں ان کے مختصر سے ووٹوں کی کوئی اہمیت نہ تھی یہ لفظی شعبہ بازی تھی تاکہ اپنے دو غلے پن کو چھپایا جا سکے۔ یہ پالیسی انتخابات کے اعلان (۱۹۴۵ء) سے جاری تھی۔

نہرو کی ظفر اللہ کے لیے حمایت

جدوجہد آزادی کے آخری مرحلے میں قادیانی اور کانگریسی رہنماؤں کے تعلقات بڑے قریبی تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے برطانوی ہند کی جانب سے

ظفر اللہ کا نام بین الاقوامی عدالت انصاف کی صدارت کے لیے پیش کر دیا۔ برطانوی حکومت نے اس کی پوری تائید کی۔ یو کے نیشنلسٹ گروپ نے اسے برطانوی فہرست میں شامل چار امیدواروں میں ایک کے طور پر نامزد کیا۔ مگر اقوام متحدہ میں امریکی وفد نے آخری مرحلے پر اس کے لیے اپنی حمایت واپس لے لی اور پولینڈ کے امیدوار کی حمایت کر دی۔ اس طرح ظفر اللہ اس مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکا۔ نہرو کے ذہن میں ظفر اللہ کا نام ہندوستان کے مستقبل کے چیف جسٹس کے طور پر بھی موجود تھا۔^(۱)

کیبنٹ مشن

انیس فروری ۱۹۴۶ء کو برطانوی پارلیمنٹ میں یہ اعلان کیا گیا کہ ہندوستانی مسئلہ کے حل کیلئے ایک تین رکنی کمیٹی مشن ہندوستان کا دورہ کرے گا۔ مشن چوبیس مارچ ۱۹۴۶ء کو دہلی پہنچا اور اس نے ایک متفقہ حل کیلئے تمام ہندوستانی جماعتوں کے ساتھ طویل مذاکرات کیے۔ پندرہ اپریل ۱۹۴۶ء کو افضل قادیان میں ”پارلیمانی مشن اور ہندوستانیوں کا فرض“ کے عنوان سے مرزا محمود نے ایک مضمون لکھا۔ جس میں انہوں نے کہا:

”مجھ سے احمدیوں نے پوچھا ہے کہ احمدیوں کو ان کے خیالات کے اظہار کا موقع کیوں نہیں دیا گیا۔ میں نے اس کا جواب ان احمدیوں کو یہ دیا ہے کہ ہماری جماعت ایک مذہبی جماعت ہے (گوسیپوں کی انجمن کو کمیشن نے اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دی ہے) دوسرے جہاں تک سیاسیات کا تعلق ہے جو حال دوسرے مسلمانوں کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا۔ تیسرے ہم ایک چھوٹی اقلیت ہیں اور پارلیمنٹری وفد اس مقصد سے بات کر رہا ہے جو ہندوستان کے مستقبل کو بنایا جا سکتے ہیں۔ دنیوی نقطہ نظر سے ہم ان جماعتوں میں سے نہیں ہیں۔ اس لیے باوجود اس امر کے کہ جنگی سرگرمیوں کے لحاظ سے اپنی نسبت آبادی کے مد نظر ہم تمام دوسری جماعتوں سے زیادہ قربانی کرنے والے تھے۔ کمیشن کے نقطہ نگاہ سے ہمیں کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ چوتھے یہ کہ خواہ کمیشن کے سامنے ہمارے آدمی پیش

۱۔ سر ظفر اللہ رحمہ اللہ فوت۔

۲۔ افضل قادیان۔ 16 اپریل 1946ء۔

ہوں یا نہ ہوں ہم اپنے خیالات تحریر کے ذریعے بروقت پیش کر سکتے ہیں۔“ (۲)

انہوں نے مشن کے ارکان کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی کہ اگر ایسی صورت حال پیدا کی گئی جس میں اقلیت کو ان کے مکمل حقوق نہ ملے تو اس کی ذمہ دار حکومت برطانیہ ہوگی۔ آخر میں انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ہندو مسلم مسائل کو ایک منصفانہ طریقے سے حل کیا جاسکتا ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہی سلطنت برطانیہ کے اصول پر کاربند رہے اور انہیں اس وقت کی قائم کردہ انٹرنیشنل لیگ یا اقوام متحدہ کے اصولوں سے کہیں اعلیٰ سمجھا۔ نظام میں تبدیلی ہو سکتی تھی لیکن اس کو ایک غیر ملکی محکومی نہیں کہا جاسکتا۔ اگر ہم اس میں حصہ دار ہوں، لیکن اپنی اس بات پر وہ پھر بھی قائم رہے کہ سلطنت برطانیہ اور ہندوستان کے مختلف حصوں کے درمیان ایک باہمی سمجھوتہ ہونا چاہئے۔ اس سمجھوتے کی بنیاد پر ہندو اور مسلمان اسی طرح اکٹھے رہ سکتے تھے جس طرح وہ ماضی میں صوبوں سے رہتے آئے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کو یقین دلایا کہ ان کا دل ان کے ساتھ ہے اور ان کی یہ شدید خواہش ہے کہ ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین ایک سمجھوتہ طے پا جائے جس کی بناء پر یہ سوتیلے بھائی سکے بھائیوں کی طرح رہ سکیں۔ آخر میں انہوں نے کہا۔

”میں اس امر کے حق میں ہوں کہ جس طرح ہندوستان کے متحدہ رکھے کی کوشش کی جائے“

خواہ اہلری جدائی اصل جدائی نہ ہو بلکہ جدائی اتحاد کا پیش خیمہ ہو۔“ (۱)

اس مضمون کو ایک کتابچے کی شکل دے کر اسے مولانا ابوالکلام آزاد، مہاتما گاندھی اور محمد علی جناح کو ارسال کیا گیا۔ اسے مسلم کنونشن دہلی اور اردو پارک دہلی میں مسلم لیگ کے زیر اہتمام منعقدہ اجلاس میں بھی تقسیم کیا گیا۔ (۲)

عارضی حکومت:

بارہ اگست ۱۹۴۶ء کو لارڈ ویول نے کانگریس کے صدر پنڈت نہرو کو مسلم لیگ

۱۔ تاریخ احمد عت۔ جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۰۔ نور الفضل قادیان ۶۔ اپریل ۱۹۴۶ء۔

۲۔ نور الفضل قادیان۔ ۱۶ اپریل ۱۹۴۶ء۔

کے ساتھ مل کر ایک عارضی حکومت کے ممکنہ قیام کی دعوت دی۔ قائد اعظم نے اس کابینہ میں شمولیت سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ کابینہ مشن کے منصوبے کو مسلم لیگ نے قبول کر لیا تھا مگر کانگریس نے نامنظور کر دیا تھا۔ چنانچہ منطقی طور پر مسلم لیگ کو موقع ملنا چاہیے کہ وہ ایک عبوری حکومت قائم کرے۔ چنانچہ لیگ نے یہ فیصلہ کیا کہ ”راست اقدام“ کی قرارداد منظور کی جائے۔ انہوں نے برطانیہ اور کانگریس کو تنقید کا نشانہ بنایا کہ انہوں نے مسلمانوں سے کیا گیا وعدہ توڑا ہے۔ سولہ اگست کو ”یوم راست اقدام“ منایا گیا۔

دواگست کو مرزا محمود نے مسلم لیگ کو ہدایت کی کہ وہ اپنے مسلمانوں کے واحد نمائندہ ہونے کے دعوے کو ترک کر دے اور اس میں غیر مسلم اقلیتوں، پارسیوں، سکھوں اور عیسائیوں کو بھی شامل کرے۔ لیگ کو یہ تجویز پیش کی گئی کہ وہ دوسری تنظیموں کو بھی شامل کرنے کے لیے پکھڑا رو یہ اپنائے۔^(۱) اور اپنے آپ کو ایک مذہبی کی بجائے ایک سیاسی پارٹی ظاہر کرے۔ یہ سب کچھ شاید لیگ میں قادیانیوں کیلئے جگہ بنانے کے لیے کیا جا رہا تھا۔

قادیانیوں نے لیگ کے راست اقدام پر تنقید کی۔ انہوں نے اس بناء پر اس کی مذمت کی کہ ”قادیانی اسے تسلیم کرنے کے پابند نہیں کیونکہ یہ ان کے مذہبی عقائد کے خلاف ہے۔ وہ ایسا کرنے کے پابند اس لیے بھی نہ تھے کہ ان کا لیگ کے ساتھ اس قسم کا کوئی معاہدہ نہ تھا۔“^(۲)

اگست ۱۹۴۶ء کے آخر میں مرزا محمود نے بشیر احمد ایڈووکیٹ لاہور کو ہدایت کی کہ وہ وہ نیشنل لیگ کے نیم فوجی دستوں کی تنظیم نو کرے تاکہ اس وقت کے حالات میں وہ اپنا موثر کردار ادا کر سکیں۔^(۳) اس کا مقصد راست اقدام کے مقابلے میں حکومت برطانیہ کی حمایت اور قادیانیوں کا مسلح حملوں سے بچاؤ تھا۔ قادیانی پہلے ہی بابو سوبھاش کی آزاد ہند فوج کے ہندوستان میں موجود جاسوسوں کو ڈھونڈنے میں سرگرم عمل تھے اور

۱۔ الفضل قادیانی۔ ۲ اگست ۱۹۴۶ء۔

۲۔ الفضل قادیانی۔ ۱۹ جنوری ۱۹۴۶ء۔

۳۔ الفضل قادیانی ۲ جنوری ۱۹۴۶ء۔

انہوں نے برطانوی محکمہ خفیہ کی اعانت کے لیے ہندوستان میں اپنا مضبوط جاسوسی نظام قائم کر لیا ہوا تھا۔ اس کا دائرہ کار مشرق البعید خصوصاً جاپان تک پھیلا ہوا تھا۔

دہلی منصوبہ:

پنڈت نہرو کی بٹائی ہوئی حکومت نے دو ستمبر ۱۹۴۶ء کو اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ لیگ نے عبوری حکومت میں شمولیت سے انکار کر دیا۔ الفضل نے لکھا کہ ”کانگریس نے دانش مندانہ قدم نہیں اٹھایا ہے۔ اسے چاہیے تھا کہ ہندو مسلم مصالحت کے لیے وہ مسلمانوں کو اعتماد میں لیتی۔“^(۱)

تیس ستمبر ۱۹۴۶ء کو مرزا محمود ایک سیاسی مشن پر دہلی روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ مرزا بشیر احمد، عبدالرحیم درد، ڈاکٹر حشمت اللہ، مرزا شریف احمد، چوہدری اسد اللہ (ظفر اللہ کا بھائی) ذوالفقار علی، چوہدری مظفر دین اور صوفی عبدالقدیر شامل سفر تھے۔ وہ اہم سیاسی رہنماؤں، قائد اعظم، گاندھی جی، مولانا آزاد، نواب بھوپال، پنڈت نہرو اور چند ایک غیر ملکی صحافیوں سے بھی ملے۔ وہ وائسرائے سے بھی ملنا چاہتے تھے مگر ان کی مصروفیات کی وجہ سے اسے ملنے کی اجازت نہ ملی۔ تاہم اس وقت کے سیاسی جمود کے بارے میں اپنے قلم نگاہ سے آگاہ کرنے کے لیے انہوں نے وائسرائے کو چند خطوط لکھے۔ جس میں انگریزوں سے استدعا کی گئی تھی کہ لیگ اور کانگریس کو انتقال اقتدار کے وقت پرانے وفادار احمدیوں کا بھی خیال رکھا جائے۔ عبدالرحیم درد وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری سے ملے اور انہیں مرزا محمود کا خط پہنچایا۔^(۲)

۱۹۴۶ء کے اواخر میں الفضل نے قادیانیوں کو شدت سے احساس دلایا کہ وہ مسلمانوں کو دائرہ احمدیت میں لانے کی سعی کریں۔ ہر احمدی کو کم از کم ایک مسلمان کو احمدی بنانے کا نشانہ دیا گیا۔^(۳) الفضل نے احمدیوں کو اپنے روایتی انداز میں یہ بھی

۱۔ الفضل، دیان، ۴ ستمبر ۱۹۴۶ء۔

۲۔ الفضل، دیان، ۴ ستمبر ۱۹۴۶ء۔

۳۔ الفضل، دیان، ۴ ستمبر ۱۹۴۶ء۔

سمجھانے کی کوشش کی کہ خدا نے پہلے ہی سے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ قادیانیوں کے لیے نئے زمین و آسمان قائم کرے گا۔ یہ کام وہ اپنے مسیح موعودؑ اس کے خلفاء اور جماعت کی وساطت سے کرے گا۔^(۱) ایسے بیانات کا مقصد ہندوستان کے کسی حصے میں ایک قادیانی ریاست قائم کرنا تھا۔

دہلی میں قیام کے وقت مرزا محمود صوبہ سرحد کے سابقہ پولیٹیکل ایجنٹ خان بہادر علی قلی خان سے بھی ملے۔ اتر پردیش کے سابقہ گورنر نواب چھتاری نے بھی انہیں ان کے ”مشن“ کی کامیابی کے لیے اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور ایک برقی عریضہ ارسال کیا۔ سر آغا خان نے بھی یورپ سے انہیں اسی قسم کا برقی عریضہ ارسال کیا۔^(۲) مرزا محمود کی ”دہلی یا تر“ کا ایک بڑا مقصد برطانوی خفیہ محکمہ کے اہلکاروں سے ملاقاتیں کرنا بھی تھا۔ یہ بات ”مسلمہ“ ہے جو کہ ایک انتہائی خفیہ خط میں ملتی ہے جو برطانوی محکمہ خفیہ کے افسر اعلیٰ کو پنجاب کے اعلیٰ افسر خفیہ کی طرف سے لکھا گیا۔ اس کی تاریخ آٹھ جولائی ۱۹۴۷ء ہے۔ اس کا ہم بعد میں تذکرہ کریں گے۔

الفضل نے اپنے انیس ستمبر ۱۹۴۶ء کے شمارے میں مسلم لیگی قیادت کو نصیحت کی کہ وہ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا محمود احمد سے استدعا کریں کہ وہ راست اقدام جیسے سیاسی مسائل کے سلسلے میں ان کی راہنمائی کریں۔ ان کی قیادت کے ذریعہ سے مسلمان بغیر خون بہائے اور ملک میں بے چینی پیدا کرنے کے بغیر اپنے سیاسی حقوق حاصل کر سکتے تھے۔ اخبار نے یہ بات واضح کی کہ اس نے یہ تجویز نیک نیتی کی بناء پر پیش کی ہے۔ تاہم ان کے نزدیک یہ بات مسلم تھی کہ سال ۱۹۴۸ء تک ان کے امام (مرزا محمود) کی پیش گوئی کے مطابق جماعت احمدیہ ایک خاص پوزیشن کی حامل ہوگی۔^(۳) مرزا محمود کے اس ”مشن“ کی نوعیت اور مسلم لیگ کے اندر قادیانی جماعت کے جگہ حاصل کرنے کی خواہش کا اندازہ اس خط سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے دہلی

۱۔ الفضل قادیان ۴ ستمبر ۱۹۴۶ء۔

۲۔ الفضل قادیان ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء۔

۳۔ الفضل قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۴۶ء۔

سے چھ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو قائد اعظم کو لکھا جب انگریزوں نے مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل کر لیا تھا۔ اس خط کا متن حسب ذیل ہے۔

۸۔ یارک روڈ۔ نئی دہلی

۶۔ اکتوبر ۱۹۴۶ء

ذیہر مشرجناح

سلام علیکم!

مجھے یہ سن کر بے حد مسرت ہوئی کہ آخر کار موجودہ گفت و شنید تصفیہ کے آخری مراحل میں ہے۔ اس دوران میں اس رائے پر ہنگامی سے قائم رہا ہوں کہ ہمیں ہرگز اپنے نصب العین کو بھولنا نہیں چاہیے اور نہ اس کے حصول کے لیے اپنی جدوجہد میں کمزوری دکھانی چاہیے، لیکن ہمہ وقت سمجھوتے کیلئے بھی تیار رہنا چاہیے کیونکہ اسلام ایسے موقعوں پر سمجھوتہ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ بشرطیکہ ایسا سمجھوتہ باعزت ہو اور ہمارے آگے بڑھنے کے لیے آئینی جدوجہد کا راستہ کھلا رہے۔ تاکہ ہم مستقبل میں اپنے مطمح نظر کے حاصل کرنے میں فائز المرام ہو سکیں۔ یہی وہ امر ہے جسے عرف عام میں ”ذریعہ احتجاج“ قبول کرنا کہتے ہیں۔ چونکہ عبوری حکومت کو نیک و بد کرنے کے وسیع اختیارات دے دیئے گئے ہیں اس لیے قدرتی طور پر مجھے بے حد تشویش ہوئی کہ کوئی ایسا راستہ نکالا جائے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان حکومت میں شامل کیئے جائیں۔ تاہم مجھے مسرت ہوئی کہ آپ نے موقع کی نزاکت کو بڑی عقلمندی اور فراست سے سنبھال لیا اور بااثر دوستوں کے تعاون سے یہ ممکن ہو سکا۔

اگر کوئی مزید رکاوٹ اچانک پیدا نہ ہوگئی اور تصفیہ بالآخر طے پا گیا (جس کی ہمیں امید ہے اور میں دعا گو بھی ہوں) تو مجھے آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانی ہے کہ مسلم لیگ کی تنظیم و توسیع کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے نئے مندرجہ ذیل پانچ امور پر اساس قائم کی جائے:

- 1- مرکز کی تنظیم و ترتیب میں استحکام پیدا کیا جائے۔ صوبوں اور اضلاع کی تنظیم میں مضبوطی اور زیادہ سے زیادہ نیابت دی جائے۔
 - 2- مستقل فنڈز قائم کرنے کی سکیم بنائی جائے اور ویر پا آمد کے لیے یقینی صورت پیدا کی جائے۔
 - 3- مرکز اور صوبائی سطح پر مسلم پریس کو مضبوط کیا جائے۔
 - 4- لیگ کی مرکزی تنظیم کا ایسا نظام قائم کیا جائے کہ وہ مسلمانوں کو تجارت اور صنعت کے میدان میں ترقی کے مواقع بہم پہنچائے۔
 - 5- غیر ممالک سے تعلقات وسیع اور استوار کیئے جائیں۔
- لاریب کام کرنے کا نہایت وسیع میدان موجود ہے۔ تاہم اگر اب سیدھی سلوی ابتداء کی داغ بیل ڈال دی جائے تو مستقبل میں ترقی و خوشحالی مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس تنظیم کی وسعت پذیری ایک اور رنگ میں بھی خوش آئند ہو سکتی ہے وہ یہ کہ موجودہ دور میں ایک کافی تعداد قابل اور صاحب دانش و فہم مسلمانوں کی ایسی ہے جو اسلام اور مسلمانان ہند کی خدمت کے لیے بطیب خاطر اور ذوق شوق سے اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں۔ اس تو وسیع شدہ تنظیم کو چاہیے کہ ایسے آمادہ بہ کار لوگوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے لیے دروازے وا کر دے۔ ورنہ رفتہ رفتہ یہ لوگ برگشتہ ہو جائیں گے۔ بلکہ ان میں سے بعض غیر مطمئن ہو کر شر پسندی اور فساد کا موجب بن سکتے ہیں۔
- میں شاید اس سے قبل آپ کو مطلع نہیں کر سکا کہ اسی روز جس دن میں نے آپ سے ملاقات کی تھی، میں نے ہزار ایکسی لینسی وانسرائے کو ایک خط بھجو دیا تھا۔ جس میں انہیں لکھا تھا کہ مسلم لیگ کے تمام مطالبات کے ساتھ مجھے اور میری جماعت کو پورا پورا تعاون اور حمایت حاصل ہے۔

آپ کا مخلص

دستخط (مرزا بشیر الدین محمود احمد) ⁽¹⁾

مرزا محمود کی ”دلی یاترا“ کا واحد مقصد اپنی جماعت کے لیے کوئی مقام حاصل کرنا تھا۔ نہ تو وہ کانگریس کی قیادت پر اثر انداز ہو سکے نہ ہی لیگ ان کے لیے کوئی نرم گوشہ رکھتی تھی۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ان کی دعاؤں کی بدولت سیاسی قائدین کے دل نرم ہو گئے ہیں اور وہ عبوری حکومت کے مسئلے پر کسی سمجھوتے پر پہنچ گئے ہیں۔ قادیانیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ مرزا محمود نے محمد علی جناح کے ساتھ مذاکرات کا ماحول پیدا کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا اور نواب بھوپال کی اعانت اور تعاون کے لیے اس کے باعث راہ ہموار ہوئی اور مسلم لیگ کے لیے دروازہ کھلا کہ محمد علی جناح کے لیے قابل قبول شرائط پر اسے عبوری حکومت میں شمولیت کے لیے کہا۔^(۱) یہ مکمل طور پر غلط بات ہے اس چیز کا ثبوت نہ تو احمدیوں کی دستاویزات سے ملا ہے اور نہ ہی کسی دیگر آزاد ذرائع سے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ مرزا محمود نے خود یہ تسلیم کیا ہے کہ گاندھی اور نہرو نہ تو ان کی بات سننے کے لیے تیار تھے اور نہ ہی ان کی اس خود ساختہ ”مصالحی تحریک“ پر کوئی ادنیٰ توجہ دیتے تھے۔^(۲) لیگ کی عبوری حکومت میں شمولیت کے لیے نواب بھوپال کی بے لوث مساعی تحسین کے لائق ہیں۔ وہی اس سلسلے میں کوشاں رہے۔^(۳)

اکتوبر ۱۹۴۶ء میں آخر کار مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں وائسرائے کی ترغیب پر مسلمانوں کے عمومی مفادات کے تحفظ کی خاطر شمولیت پر رضامندی ظاہر کر دی مگر اس نے کابینہ مشن کی مجوزہ آئینی اسمبلی میں اس وقت شمولیت سے انکار کر دیا جب تک کہ کانگریس اس منصوبے کو مکمل طور پر واضح طور پر اور بغیر کسی تحفظ کے قبول کرے۔ تین جماعتوں کانگریس لیگ اور اکالی دل کی لندن میں عجلت میں بلائی گئی کانفرنس بھی شمر آور ثابت نہ ہو سکی۔

۱۹۴۶ء کے آخر تک بنگال، بہار اور پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے۔ عبوری حکومت مکمل طور پر ناکامی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کانگریس نے لندن اور

۱۔ سرفکر اللہ احمدیت۔ صفحہ 244۔

۲۔ افضل قادیان۔ 19 مئی 1947ء۔

۳۔ افضل قادیان۔ 13 نومبر 1946ء۔

ہندوستان میں تار ہلانے شروع کر دیئے اور آخر کار وائسرائے کی واپسی کے بعد اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔ برطانوی حکومت نے ہندوستان سے روائگی کا وقت (جون ۱۹۴۸ء) مقرر کر دیا۔ اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان بھیجا تاکہ وہ انتقال اقتدار کی تفصیلات پر کام کرے۔

تیسرے اکتوبر ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شمولیت پر رضامندی ظاہر کر دی اور اگلے ہی دن مرزا محمود قادیان چلے گئے۔ انہوں نے اپنے دلی کے دورے کے متعلق اپنی جماعت کو ایک خطاب میں اس دورے کی تفصیلات بتائیں جو ان کی سیاسی خواہشات اور ان میں ناکامی پر روشنی ڈالتی ہیں۔

”بلاشبہ یہ حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ اس سلسلہ میں مشاورت کرے اور ہمارے مفادات کا خیال رکھے۔ ہم ہندوستان میں سات سے لے کر آٹھ لاکھ تک کی تعداد میں ہیں مگر اس طرح بکھرے ہوئے ہیں کہ ہماری آواز سنائی نہیں دیتی۔ لیگ ہماری شمولیت پر خوش نہیں جبکہ کانگریس کے ساتھ ہم ملنا نہیں چاہتے۔ دوسری طرف پارسی صرف تین لاکھ کی تعداد میں ہیں اور حکومت نے مرکز میں ایک پارسی وزیر لیا ہوا ہے۔ ان کے وجود کو سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا ہے اور ہم اس سے دو گنی تعداد میں ہیں اور ان سے زیادہ بھی ہیں (پھر بھی ہمیں وہ سیاسی حیثیت حاصل نہیں) میں نے دلی میں برطانوی حکام کو مطلع کیا کہ اگرچہ ہم شکایت نہیں کرتے۔ پھر بھی حکومت نے یہ منصفانہ فیصلہ نہیں کیا۔ انہوں نے پارسیوں کے سیاسی وجود کو تسلیم کیا ہے احمدیوں کے نہیں۔ میں نے اسے کہا ہے کہ میں ایک پارسی کے بدلے میں دو احمدی پیش کر سکتا ہوں۔ چونکہ ہماری جماعت احتجاج نہیں کرتی اور خاموش رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے مفادات کی حفاظت نہیں کی جاتی۔ میرے نمائندے نے بھی اسے یہ جواب دیا کہ بلاشبہ احمدی ایک مذہبی جماعت ہیں تاہم انہیں ہندوستان میں رہنا ہے اور یہاں کے سیاسی حالات سے متاثر ہوئے بغیر وہ نہیں رہ سکتے۔ اس کا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ پارسی اور عیسائی

مذہبی گروہ ہیں اور انہیں سیاسی کی بجائے مذہبی بنیادوں پر نمائندگی دی گئی ہے۔ ہم تمام ہندوستان میں منقسم ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے حقوق کا عشر عشر بھی حاصل نہ کر سکے۔“ (۱)

اگر احمدی پارسیوں کی طرح اپنے آپ کو غیر مسلم قرار دے کر یہ واضح حکمت عملی اپنا لیتے تو آزاد ریاستوں میں ان کے سیاسی حقوق زیادہ محفوظ رہتے۔ قادیانی موقع پرست مرزا محمود نے ستمبر ۱۹۴۶ء کو قائد اعظم کو قادیان سے مسلم لیگ کے عبوری حکومت میں قلمدان وزارت سنبھالنے پر ایک دوسرا خط لکھا۔

”وزارتوں کے قلمدانوں کی تقسیم ہو چکی ہے۔ اگرچہ ان کی مساویانہ تقسیم ناممکن ہے پھر بھی آپ کی کامیاب کوششوں پر آپ کو لازمی طور پر مبارکباد دی جانی چاہیے۔ اہم قلمدان وزارت مثلاً دفاع، خارجہ امور، داخلہ وغیرہ کانگریس کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان میں سے ایک یعنی دفاع یا رسد رسائی کو لازمی طور پر مسلم لیگ کے پاس ہونا چاہیے تھا تاہم لگی نمائندے آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے اور مسلمانوں کے حقوق کی مکمل حفاظت کے لیے پختہ عزم سے کام کریں گے۔ اللہ آپ کے اس عظیم کام میں آپ کی مدد کرے اور آپ کو سیدھے راہ پر لے جائے۔ آمین۔“ (۲)

۱۔ الفضل قادیان۔ ۱۳ نومبر ۱۹۴۶ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد ۱۱۔ اینڈکس۔

خالصتان اور قادیانی ریاست

کابینہ مشن کی آمد کے ساتھ ہی قادیانیوں نے اپنے مستقبل کے متعلق اپنی توقعات میں اضافہ شروع کر دیا۔ مرزا محمود نے منصوبہ پاکستان کی تحقیر کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ کابینہ مشن کی آمد کا مقصد ہندوستانیوں کو وہ سب کچھ عطا کرنا تھا جس کی ہندوستانی خواہش کرتے تھے۔^(۱) تاہم قادیانی اس بات پر سخت بے چین تھے کہ انگریزوں نے آزاد مملکتوں میں اپنے وفاداروں کی پوزیشن پر کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے مقدر کو ہمیشہ انگریزوں کے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا اور انگریزوں کے اس فیصلہ نے انہیں خوف میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ اب مکمل طور پر کانگریس یا لیگ کے رحم و کرم پر رہیں گے۔ وہ اپنی محفلوں میں لیبر حکومت کو برا بھلا کہتے تھے۔ جسے ہندوستان میں انتقال اقتدار کی اس قدر جلدی تھی۔

پنجاب میں سکھوں اور قادیانیوں دونوں نے انگریزوں سے رابطہ کیا کہ آزادی کے بعد ان کے مستقبل کے تحفظ کا منصوبہ مرتب کیا جائے۔ سردار بلدیو سنگھ اور ماسٹر تارا سنگھ پندرہ۔ سولہ مئی ۱۹۴۶ء کو لارڈ ویول سے ملے کہ سکھوں کو ان کا ایک اپنا وطن خالصتان دے دیا جائے۔^(۲) وہ ”منصوبہ خالصتان“ لے کر اسے دوبارہ چھ جون کو وائسرائے سے ملے۔ ویول نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے۔

”اس سہ پہر کو ہم سکھوں سے ملے۔ تارا سنگھ اور بلدیو سنگھ سے۔ مجموعی طور پر میرا خیال ہے کہ بہت اچھی ملاقات رہی۔ ہم نے انہیں بتا دیا کہ احتجاج اور بد امنی ان کے لیے

۱۔ انٹرویو ۵ دیاں ۲۵ اپریل ۱۹۴۸ء۔

۲۔ ویول وائسرائے کا رسالہ۔ مدون۔ پینڈل مون۔ آکسفرڈ یونیورسٹی پریس۔ کراچی ۱۹۷۴ء صفحہ ۲۷۱۔

نقصان دہ ہوگی اور برداشت نہیں کی جائے گی اور انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اگر وہ پرامن رہ کر اپنا اثر استعمال کریں گے تو پنجاب میں کوئی حیثیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مصیبت یہ ہے کہ سکھوں کو ابھی تک یہ نہیں بھولا کہ ایک وقت میں وہ پورے پنجاب کے مالک رہے ہیں مگر سیاسی سوجھ بوجھ کی بجائے وہ اپنی مبالغہ آراء خصوصیات اور اہمیت پر بھند ہیں۔^(۱)

سکھوں نے پنجاب میں خالصتان کی آزاد ریاست پر زور دیا اور قادیانیوں نے قادیان کو ”ویٹی کن ریاست“ کی حیثیت دلوانے کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا۔ دونوں نے اپنی ماضی کی خدمات کا حوالہ دیتے ہوئے انگریزوں کے ساتھ اپنی وفاداری کی تجدید کی۔ قادیانیوں نے سکھوں کے آزاد ریاست کے مطالبے کی حمایت کر دی اور ایک مشترکہ نصب العین کے لیے ان کی شراکت کے حصول کی کوششوں کا آغاز کر دیا۔^(۲) قادیانیوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں سے ایک علیحدہ جماعت قرار دیتے ہوئے اس کام کے لیے ایک یادداشت تیار کی تاکہ لیبر حکومت کو پیش کی جاسکے۔ انہوں نے انگریزوں کو عاجزانہ استدعا کی کہ ان کے مستقبل کے تحفظ کے لیے اس خود کاشتہ پودے کو پنپنے دیا جائے۔ انہوں نے قادیان کے لیے ویٹی کن کی طرح ایک آزاد ریاست کا مطالبہ کیا کیونکہ ان کے خیال میں یہ ان کا متبرک ترین مقام معظمہ تھا جیسا کہ مرزا صاحب نے کہا تھا کہ وہاں پر (قادیانیوں کا جنت کے لیے پاسپورٹ) بہشتی مقبرہ تھا۔ اور احمدیت کا بانی اور ان کے ساتھی وہاں دفن تھے۔ قادیان کا نام قرآن میں تھا جیسا کہ مرزا صاحب نے اپنی ایک وحی کی بنیاد پر اسکا دعویٰ کیا۔^(۳) مزید قرآن میں مذکور مسجد الاقصیٰ کا مطلب سوائے ”مسجد موعود کی مسجد واقع قادیان“ کے کچھ نہیں تھا^(۴) یہ مرکز خلافت بھی تھا۔ یہ سب کچھ ”قدس مآب قادیانی پوپ“ کی ریاست کے قیام کے لیے

۱۔ ایسا۔
۲۔ افضل قادیانی۔ 19 جون 1946ء۔
۳۔ اشتہار جلد ۱ ص 28 مئی 1900ء۔
۴۔ تذکرہ صفحہ 345۔

کافی جواز مہیا کرتا تھا۔ قادیانی ریاست کا قیام نہ تو جغرافیائی طور پر قابل عمل تھا نہ ہی سیاسی طور پر ممکن۔ اگرچہ قادیانیوں نے انگریزوں کو یقین دہانی کرائی تھی کہ یہ ایک بفر ریاست ہوگی جو سامراجی مقاصد کو آگے بڑھائے گی مگر پھر بھی لیبر حکومت نے اس پر سنجیدگی سے کوئی توجہ نہ دی۔ لندن احمدیہ مشن کی وساطت سے احمدیہ یادداشت کی ایک نقل اعلیٰ حکومت کو بھیجوائی گئی۔ عبدالرحیم درو نے اس کی ایک دوسری نقل وائسرائے لارڈ ویول کے پرائیویٹ سیکرٹری کو پہنچائی جب ستمبر ۱۹۴۶ء میں مرزا محمود دہلی میں قیام پذیر تھے۔

سکھ رہنماؤں خصوصاً گیانی کرتار سنگھ اور ماسٹر تارا سنگھ نے پنجاب کی چھ ریاستوں کو ملا کر اسے سکھوں کا وطن بنانے کا مطالبہ جاری رکھا۔^(۱) انہوں نے کہا کہ اگر پنجاب کو متحد ہی رکھنا ہے تو سکھوں کو اور ہندوؤں کو بالترتیب تیس تیس اور مسلمانوں کو چالیس فیصد نمائندگی دی جائے مگر اس کی ناکامی کے نتیجے میں وہ نظریہ تقسیم بنگال کو لے کر آگے بڑھیں گے۔

پنجاب میں خضر حیات ٹوانہ غیر مسلموں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ اس نے چوبیس جولائی ۱۹۴۷ء کو لیگ کی اعلیٰ کمان کے سات ارکان کو گرفتار کر لیا اور لیگ پینل گارڈز کو غیر قانونی قرار دے دیا جس سے اس کی حکومت کے خلاف عمومی تحریک شروع ہو گئی۔ مرزا محمود نے لیگ کی اس شروع کردہ احتجاجی ہڑتال میں حصہ لینے سے قادیانیوں کو منع کر دیا۔^(۲) پنجاب میں مسلم لیگ کی تحریک کے دوران وزیراعظم اعلیٰ نے بیس فروری ۱۹۴۷ء کو ایک مشہور بیان جاری کیا جس میں پنجاب کی صورتحال کا اشارہ کرتے ہوئے یہ عندیہ دیا گیا کہ برطانوی سیاسی انتقال اقتدار کے لیے جون ۱۹۴۸ء سے پہلے تیار ہیں۔^(۳) لیگ نے اسے کابینہ مشن پلان کی ایک ترقی یافتہ صورت قرار دیتے ہوئے

۱۔ سورپ حکمہ مدعو۔ لاہور ۱۹۴۶ء۔

۲۔ افضل قادیان یکم جنوری ۱۹۴۷ء۔

۳۔ افضل نے اپنے ۲۵ فروری ۱۹۴۷ء کے شمارے میں جماعت احمدیہ کو خوشخبری دی۔ مرزا محمود نے یہ پیش گوئی کی کہ جون ۱۹۴۸ء تک خدا ایسے خصوصی حالات پیدا کر دے گا جس میں جماعت احمدیہ احکام پکڑے گی۔

ان مسلمان صوبوں کو انتقال اقتدار کا وعدہ کیا جنہیں اب تک آئینی اسمبلی میں نمائندگی نہیں دی گئی تھی۔ ہندو اور سکھ حلقوں نے خضر کی مخلوط حکومت کی حمایت کا خفیہ فیصلہ کر لیا۔ مرزا محمود ہندو مسلم اتحاد کا وہی پرانا راگ الاپتے رہے۔ انہوں نے ایک خواب کی بناء پر یہ اعلان کیا کہ انگریز زیادہ دیر تک ہندوستان کو اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتے۔ نہ ہی انگریزوں سے چمٹکارا حاصل کرنے کے بعد ہندوستان مضبوطی سے متحد رہ سکے گا۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ مسیح موعود کی آمد کا اصل مقصد مذہب کو سیاست سے جدا رکھنا تھا۔^(۱)

آٹھ مارچ ۱۹۴۷ء کو خضر حکومت نے اس بہانے پر حکومت سے استعفیٰ دے دیا کہ برطانوی حکومت یہ چاہتی تھی کہ صوبوں میں حکومتیں اپنے مسائل پر خود قابو پائیں۔ سر ظفر اللہ کا کہنا ہے کہ اُس نے خضر کو مستعفی ہونے کی ترغیب دی تھی۔ مرزا محمود کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے خضر حیات کو خط لکھا تھا اور ظفر اللہ کو ترغیب دلانے کے لیے بھجوایا تھا۔ قادیان کے خارجہ امور کے ناظر عبد الرحیم درد کا یہ دعویٰ ہے کہ بعد ازاں وہ قائد اعظم سے ملا تو ان کے الفاظ یہ تھے۔ ”اے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔“^(۲)

لیگ کل جماعتی حکومت بنانا چاہتی تھی مگر ہندوؤں اور سکھوں نے حزب اختلاف میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ الفضل نے قائد اعظم کو مشورہ دیا کہ خضر کا مستعفی ہونے پر شکریہ ادا کیا جائے اور ماضی کو فراموش کر دیا جائے۔ یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ لیگ کی حکومت، تعاون کے اصولوں پر قائم کی جائے۔^(۳)

پنجاب کی تقسیم

کانگریس کی مجلس عاملہ کا آٹھ مارچ ۱۹۴۷ء کو دہلی میں اجلاس ہوا جس میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ پنجاب کے فرقہ وارانہ مسائل کا ایک ہی حل ہے کہ اسے دو

۱۔ الفضل قادیان۔ 27 فروری 1947ء۔

۲۔ ڈی ٹی ٹی۔ قیام پاکستان اور جماعت احمدیہ۔ صفحہ 49۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 5 فروری 1947ء۔

صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ قادیانیوں نے اپنی قوت کے مرکز قادیان اور اپنے معاشی و سماجی مفادات کو بچانے کی خاطر پنجاب کی تقسیم کی مخالفت کی۔ مرزا محمود نے پنجاب کی قادیانی جماعتوں کو ہدایت کی کہ وہ تقسیم پنجاب کے خلاف درج ذیل خطوط پر قراردادیں منظور کریں۔

(i) مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں کو مسلمان علاقے میں شامل کیا جائے اور اسکے لیے یا تو ضلعی حد بندیاں تبدیل کر دی جائیں یا پھر تو اتر کا لحاظ کیے بغیر چھوٹے چھوٹے آزاد جازرے بنا لیے جائیں۔

(ii) مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں کو اسلامی علاقے قرار دینے کے بعد اچھوتوں اور عیسائیوں کے الحاق کے لیے ریفرنڈم کروا لیا جائے۔

(iii) غمروں، بکلی گھروں اور پہاڑی صحت افزاء مقامات کے صدر مقاموں کو پنجاب میں شامل کیا جائے اور اس میں آبادی کے تناسب کا پچھلے پندرہ سالوں سے لحاظ نہ کیا جائے۔

قادیان کے ناظر اعلیٰ نے اس قرارداد کی نقول قائد اعظم کو ارسال کیں۔ (۱) اسی قرارداد کی دیگر نقول برطانوی وزیر اعظم لارڈ اسٹلی۔ قائد حزب اختلاف چرچل اور محمد علی جناح کو بھجوائی گئیں جن میں لکھا تھا۔

”احمدی پنجاب کی تقسیم کے حد درجہ مخالف تھے کیونکہ جغرافیائی اور معاشی لحاظ سے یہ ایک قدرتی اکائی ہے۔ تقسیم ہند کا قائد ماس پر لاگو نہیں ہوتا۔“ (۲)

ایم ایم احمد کے والد مرزا امیر احمد نے ایک رسالہ مرتب کیا جس کا عنوان تھا ”خالصہ ہوشیار باش“ اس میں تقسیم پنجاب کی معاشی، مذہبی اور سیاسی بنیادوں پر مخالفت کی گئی تھی (۳) انہوں نے زور دیا کہ

”احمدی ایک متحدہ ہندوستان کے خواہش مند ہیں تاہم اگر ہندوستان کو تقسیم ہونا ہی ہے تو

۱۔ افضل قادیان 29 اپریل 1947ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت، جلد 10 صفحہ 345۔

۳۔ افضل قادیان، 9 مئی 1947ء۔

پنجاب کو اس سے بچانا چاہئے تاکہ مسلمان سکھ اور ہندو بھی اس علاقے پر اپنی سرزمین ہونے کا دعویٰ کر سکیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اس کا غالب امکان ہے کہ مستقبل میں پنجاب

کے متحد رہنے کے بیچ ہندوستان کی تقسیم کو ختم کر دیں اسے دوبارہ متحد کر دیں۔^(۱)

مرزا محمود نے معاشی اور مذہبی بنیادوں پر تقسیم پنجاب کی مخالفت کی۔ آپ نے اپنے خطاب کے آخر میں دعا کی۔

”اے میرے رب! اس ملک کو سمجھ دے۔ اول تو یہ ملک بچے نہیں اور اگر بچے تو اس طرح

بچے کہ پھر مل جانے کے راستے کھلے رہیں۔ آمین۔“^(۲)

قادیان کو بچانے کی کوشش میں مرزا محمود نے چند سکھ رہنماؤں خصوصاً سردار وریام سنگھ سے گفت و شنید شروع کر دی۔^(۳) مرزا بشیر احمد نے ان سے ملاقات کی تاکہ سکھ رہنماؤں کا متحدہ اور آزاد پنجاب کے لیے تعاون حاصل کیا جاسکے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ بہر حال قادیانی زعماء نے یہ امید قائم رکھی کہ قادیان کے برطانوی دولت مشترکہ میں رہنے میں انہیں برطانوی حمایت میسر ہوگی۔ برطانوی گورنر جنرل کو پنجاب کو متحد اور اسے برطانوی دولت مشترکہ میں رکھنے کے لیے کوشاں تھا۔ ماؤنٹ بیٹن کے سیکرٹری جارج اسپل نے اس حوالے سے ایک منصوبہ تیار کیا تھا۔ وہ اسے لندن لے گیا۔ برطانوی حکومت نے اسے اصولی طور پر منظور کر لیا مگر کانگریس رہنما وی پی مینن کے مطابق نہرو نے اسے مسترد کر دیا اور اس کی جگہ مینن کے تیار کردہ منصوبے کے مسودے کو مان لیا گیا۔ ابتدائی منصوبے کے مطابق انتقال اقتدار کا رخ صوبوں کی جانب ہونا تھا اور چائین حکومتوں کا از خود کوئی انتظام موجود نہ تھا۔ صوبائی ریاستوں کی جانشینی کا منصوبہ اس وقت ختم کر دیا گیا جب انگریزوں نے یہ محسوس کر لیا کہ پنجاب نہیں بلکہ تمام برصغیر برطانوی دولت مشترکہ میں شامل ہوگا۔^(۴)

لارڈ اسے کا سوانح نگار سر رونا لڈ وکلیٹ کہتا ہے کہ جب پنجاب میں اسے سر ایون جینکنز سے ملا کہ ہو سکتا ہے کہ پاکستان کو منظور کرنا پڑے اور اس کا مطلب برصغیر کی پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم ہو سکتی تھی اور اسے ہمیں ہندوستان اور پاکستان کی علیحدہ حکومتوں کے حوالے کرنا پڑ جائے تو جینکنز کا جواب یہ تھا۔

”یہ پنجاب کی موت ہے۔ یہ ظاہر تھا کہ تقسیم پنجاب کے نتائج برے ہوں گے مگر جینکنز اسے قائل کرنے میں ناکام رہا کہ یہ الناک ہو سکتے تھے“ (۱)

سکھوں کا خالصتان کا مطالبہ اپنی موت آپ مر گیا۔ وائسرائے ہندوستان کی چھوٹی جماعتوں کے ساتھ معاملہ کرنے پر راضی نہ تھا اس لیے اس نے اس مطالبہ کی حمایت نہ کی۔ (۲) کانگریس نے اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر سکھوں کی ہمدردیاں جیت لیں۔ اس طرح مرزا محمود نے قادیان کے لیے ویٹی کن کا درجہ حاصل کرنے کی سعی لا حاصل کی۔ جنرل افغانی طور پر مجوزہ قادیانی ریاست ایک محصور اور لینڈ لاک علاقہ بنا تھا جو نہ تو اپنی آزادانہ حیثیت برقرار رکھ سکتا تھا نہ ہی مستقبل میں برطانوی سامراج کے کسی کام آ سکتا تھا۔

مرزا محمود نے بڑی تندہی سے قادیان کو بچانے کی کوشش کی۔ ان کی اصل خواہش کی تکمیل متحدہ ہندوستان یا کم از کم متحدہ پنجاب کی صورت میں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے اپنے سامراجی آقاؤں کے دروازے کھٹکھٹائے۔ سکھوں کی منتیں کیں۔ کانگریس کے آگے سجدہ ریز ہوئے اور آخر کار اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر مسلم لیگ کا رخ کیا۔ اس برطانوی آلہ کار کے لیے یہ ایک کڑا وقت تھا جو ایک وقت میں اپنے غیر ملکی آقاؤں کے ساتھ مل کر ہندوستان کے مقدر کا فیصلہ کرتے تھے۔

متحدہ ہندوستان کی قادیانی خواہش

تحریک پاکستان کے آخری حصہ میں مرزا محمود احمد اور دوسرے قادیانی زعماء

۱۔ سر رونا لڈ وکلیٹ۔ لارڈ اسے۔ پرنٹس اینڈ کپی لینڈ۔ لندن ۱۹۷۰ء۔ صفحہ ۱۴۷۔

۲۔ ایچ ڈی ہڈسن۔ تعلیم تقسیم۔ لندن ۱۹۸۹ء۔ صفحہ ۲۳۸۔

نے مطالبہ پاکستان یا تقسیم ہند کی شدید مخالفت کی اور اپنی حفاظت کے لیے انگریزوں کی طرف دیکھا۔ اس حقیقت کا ثبوت اہم مواقع پر دیئے گئے ان کے خطبات اور ان کے ہمدردوں کے ان مضامین سے ملتا ہے جو وقتاً فوقتاً قادیانی پریس میں چھپتے رہے۔ ۱۹۴۶ء کے ابتدائی مہینوں میں یہ رجحان بڑا تیز تھا مگر جب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قیام پاکستان کا ظہور ممکن نظر آنے لگا تو یہ فرو ہونا شروع ہو گیا اور قادیانیوں نے اپنے آپ کو مسلمان قوم کے ساتھ نتھی کرنا شروع کر دیا جس کے ساتھ ان کا مستقبل وابستہ تھا۔ اپریل ۱۹۴۶ء میں سندھ سے واپسی پر مرزا محمود نے ”ڈیلی گزٹ“ کے نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔

س۔ آپ کا پاکستان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

ج۔ میرا پاکستان ہندوستان تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ تمام دنیا پر محیط ہے اور اگر آپ

موجودہ پاکستان کے بارے میں پوچھ رہے ہیں تو میرا خیال ہے کہ سیاست میرے

دائرہ عمل سے باہر ہے۔^(۱)

ان کے دورے کے دوران حیدر آباد کے فوجی افسران کی طعام گاہ میں انہیں استقبال دیا گیا۔ میجر تھانیا، سیکنڈ کلنڈ بلوچ رجمنٹ، میجر ایم۔ ایم۔ احمد کیپٹن ولسن۔ لیفٹیننٹ سین اور دیگر ہندوستانی و یورپی افسروں نے آپ کو خوش آمدید کہا۔^(۲) اور آپ کے ساتھ غیر رسمی گفتگو کی۔

مئی ۱۹۴۶ء میں ان کے بھائی مرزا بشیر احمد نے ہندوستانی مسئلہ کے لیے ایک آئینی تجویز پیش کی۔ انہوں نے دلیل دی کہ پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کی تجدید صرف صوبوں کی مکمل اور حقیقی خود مختاری اور مناسب تحفظات کے ساتھ مرکز میں حقوق کی برابری کے ذریعے ہو سکتی ہے۔^(۳) اس مجوزہ منصوبے میں کوئی نئی بات شامل نہ تھی سوائے اس کے کہ ہندوستان کو متحدہ رکھا جائے۔ مرزا محمود نے ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے نامہ

۱۔ افضل ۵ دیاں۔ 28 اپریل 1946ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ افضل ۵ دیاں۔ 13 مئی 1946ء۔

نگار کو ایک دوسرے انٹرویو میں کہا کہ اگر آئینی معاملات اور تقسیم پر لیگ اور کانگریس کے مابین کوئی سمجھوتہ نہیں ہوتا تو وہ صرف اس جماعت کا ساتھ دیں گے۔ جس کا نصب العین منصفانہ ہوگا۔^(۱) اور کس جماعت کا نصب العین منصفانہ ہے اس کا جواب نہیں دیا گیا۔

۱۹۴۶ء کے وسط میں الفضل نے اپنے شماروں میں ہندو مسلم اتحاد کی رٹ لگائے رکھی۔ اس کی ہدایت مرزا محمود نے دے رکھی تھی جو اپنے روایتی الہام، کشف اور خواب کی زبان میں اپنی جماعت کو قائل کرنے میں مصروف تھے کہ وہ نئے ہندوستانی نظام میں ایک بہتر مستقبل کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں۔ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کے متواتر خوابوں اور کشف نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ

”خدا ہندوستان کو ہندو مسلم اتحاد یا ہندوستانی آزادی کی طرف دھکیل رہا ہے۔“^(۲)

برطانوی حکمت عملی کے سرکاری ریکارڈ نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ۱۹۴۷ء کے اوائل میں برطانیہ نے تقسیم ہند کی مخالفت کی تھی۔ ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خصوصی طور پر مخالفت کی کہ اس اعلیٰ درجہ کی اسٹیبلشمنٹ خصوصاً مسلح افواج کے ادارے کو تقسیم کیا جائے۔^(۳) مزید برآں وہ کانگریسی قیادت سے بڑے واضح طور پر متاثر تھا اور اس رابطہ کو اس کی متمول بیوی کے جواہر لعل نہرو کے ساتھ تعلقات نے اور بھی آسان کر دیا تھا۔

قادیانی ایک متحدہ اور غیر منقسم ہندوستان پر پختہ یقین رکھتے تھے اور اس عقیدہ کی بنیاد اپنے اکابر کی وحی الہامات یا تحریروں کو قرار دیتے تھے۔ مرزا محمود کے بیانات سے وقتاً فوقتاً اس کی تائید ہوتی رہتی تھی۔ سال ۱۹۴۷ء میں جناح صاحب کی زیر قیادت ہندوستان میں قیام پاکستان کے لیے ایک زبردست تحریک چلی۔ اپریل ۱۹۴۷ء میں مرزا محمود سندھ گئے۔ واپسی پر روزنامہ ”ہندوستان ڈیلی گزٹ“ کے نمائندہ مسٹر لال وانی اور ”سٹیٹس مین“ کلکتہ کے نمائندہ نے ان کا انٹرویو کیا۔ ان میں سے ایک سوال پاکستان

۱۔ الفضل قادیان۔ 30 مئی 1946ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 18 اکتوبر 1946ء۔

۳۔ دیکھئے جان نیرین۔ ”ماؤنٹ بیٹن کی حیات و وفات“۔ لندن۔

پر تھا۔

”سوال:- کیا پاکستان عملی طور پر ممکن ہے؟

جواب:- سیاسی اور معاشی نکتہ نگاہ سے یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ تاہم میں ذاتی طور پر سمجھتا

ہوں کہ ملک کو تقسیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آج کی دنیا میں ترقی کا انحصار اتحاد پر

ہے۔ ذرائع مواصلات بھی تعاون کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔“ (۱)

۱۹۴۷ء میں پاکستان کے موضوع پر دیئے گئے ان کے خطبات کا یہاں تذکرہ

دیکھیں۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے موضوع پر دیئے گئے ان کے خطبات کا یہاں تذکرہ

دیکھیں۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے موضوع پر دیئے گئے ان کے خطبات کا یہاں تذکرہ

دیکھیں۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے موضوع پر دیئے گئے ان کے خطبات کا یہاں تذکرہ

دیکھیں۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے موضوع پر دیئے گئے ان کے خطبات کا یہاں تذکرہ

”اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں اقوام کو متحدہ رکھنے کی سعی کرنی چاہیے جیسا کہ خدا

نے مجھے اس خواب میں بتایا ہے۔ ہندوستان کا اتحاد ہمارا اولین مقصد ہونا چاہیے۔ اسکی

مدد ہم اپنے تحفظ کی خاطر نہیں بلکہ اسکا مقصد ان کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔ اللہ ہمیں محفوظ

رکھے جیسا کہ اس کا وعدہ ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ دیگر مسلمان بھی ہماری طرح محفوظ

رہیں۔“ (۲)

چار اپریل ۱۹۴۷ء کو مرزا محمود نے ان لوگوں پر کڑی تنقید کی جو کہ تقسیم ہند

سے امن قائم کرنے کے خواہاں تھے اور امن کے قیام کے لیے متحدہ ہندوستان کو امر

لازم قرار دیا۔ (۳) پانچ اپریل کو الفضل قادیان نے بڑے موثر انداز میں واضح کیا کہ

احمدی غیر منقسم ہندوستان پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی تقسیم کی مخالفت کرتے ہیں۔ اپنے

ایک خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے احمدی سربراہ نے اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ

وہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے کام کریں تاکہ ہندو مسلم سوال کو ختم کیا جاسکے اور ہندوستان کی

۱۔ الفضل قادیان۔ ۱۲ اپریل ۱۹۴۷ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ الفضل قادیان۔ ۱۰ اپریل ۱۹۴۷ء۔

تمام قومیں اتحاد سے رہنے کے قابل ہو سکیں۔ اس سے ملک تقسیم کی آفت سے بچ جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ یہ ایک سخت مشکل کام ہو سکتا ہے مگر اس کے نتائج شاندار ہونگے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ یہ خدا کی مرضی ہے کہ ہندوستان کی تمام اقوام متحد ہوں تاکہ احمدیت وسیع پیمانے پر ترقی کر سکے۔ اپنے اس خواب کا حوالہ دیتے ہوئے جس میں انہوں نے اپنے آپ کو اور مہاتما گاندھی کو ایک بستر پر لیٹے دیکھا تھا۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ:

”بہت کم عرصہ کے لیے شاید ہندوؤں اور مسلمانوں میں علیحدگی ہو جائے مگر یہ تقسیم

خالصتا عارضی ہوگی اور ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ یہ منجزہ تقسیم جلد ہی ختم ہو جائے۔“

مرزا محمود کا یہ خطاب قادیان کے سرکاری ترجمان اخبار الفضل قادیان میں ”اکھنڈ ہندوستان“ کے عنوان سے شائع ہوا۔^(۱) سولہ مئی ۱۹۳۷ء کو اپنی مجلس عرفان میں مرزا محمود نے اپنے پیروکاروں کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

”میں پہلے ہی یہ بات واضح کر چکا ہوں کہ یہ خدا کی مرضی ہے کہ ہندوستان متحد رہے۔

تاہم اگر ہندوستان کی اقوام ان کے درمیان موجود غیر معمولی نفرت کی وجہ سے عارضی طور

تقسیم ہو بھی جائیں تو یہ ایک علیحدہ چیز ہے۔ اکثر اوقات معالج جسم کے ایک مردہ عضو

کے کاٹ دینے کا بدولی سے مشورہ دیتا ہے مگر وہ ایسا تب کرتا ہے جب اس کا کوئی متبادل

نہ رہ جائے۔ اگر اسے پتہ چل جائے کہ نئے عضو کی پیوند کاری ہو سکتی ہے تو کوئی سادہ

لوح ہی اس کی کوشش نہیں کرے گا۔ چنانچہ یہ بات ہے ہم ہندوستان کی تقسیم پر

رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ کس نہ کسی

طرح متحد ہو جائیں۔^(۲)

خالی خولی حمایت

جریدے ”ریاست“ دہلی کے مدیر دیوان سنگھ مفتون نے ایک خط میں احمدیوں

۱۔ الفضل قادیان۔ ۱۵ اپریل ۱۹۴۷ء۔

۲۔ الفضل قادیانی ۱۵ مئی ۱۹۴۷ء۔

کو ایک مسلمان ریاست پاکستان کے قیام سے پیدا ہونے والے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ کامل میں ہونے والے سلوک کو یاد کرایا۔ اس نے انہیں تجویز پیش کی کہ وہ پاکستان کے معاملے میں اپنے آپ کو مکمل طور پر علیحدہ رکھیں۔ اس بات سے مرزا محمود کو ہندو قیادت کی قادیانی خواہشات کے بارے میں سردمہری پر تنقید کرنے کا ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ ماضی میں ہندوؤں کے مسلمانوں کے ساتھ سماجی و معاشی میدانوں میں ناروا رویے نے مسلمانوں کو پاکستان کا مطالبہ کرنے پر مجبور کیا ہے۔ انہوں نے ستمبر ۱۹۴۶ء میں دہلی میں کانگریسی قیادت گاندھی جی اور نہرو کے ساتھ ہونے والی اپنی ملاقات کا حوالہ دیتے ہوئے ہندوستان کے مستقبل کے متعلق ان کی تجویز پر کانگریسی زعماء کی بے توجہی اور سردمہری پر اظہار افسوس کیا۔ آپ نے دلیل دی کہ:

”جو کچھ میں نے کہا وہ مکمل طور پر انہوں نے مسترد کر دیا۔ موجودہ کشیدہ صورت حال کا حتمی نتیجہ یہی ہے۔“

پھر انہوں نے پاکستان کی مخالفت نہ کرنے کے موقف کے جواز کو مندرجہ ذیل بنیادوں پر پیش کیا۔

”پہلے تو ہم پاکستان کی حمایت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا حق ہے اور انہیں ضرور ملنا چاہیے۔ ہم اگر ایک منصفانہ مقصد کے لیے چھانسی پر بھی لٹکا دیئے جائیں تو ہمیں اس پر مطمئن رہنا چاہیے۔“

دوسرے ہمارے متعلق ہندوؤں کا رویہ کیا تھا۔ بہار کے حالیہ ہنگاموں میں احمدیوں کو بھی قتل کیا گیا۔ ایک سکھ رہنما نے قادیان کو مکمل طور پر گرا کر اسے دریائے بیاس میں پھینک دینے کی دھمکی دی۔ مختصر اہندوؤں نے ہمیں دبانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا تو اب ہم ان کے ساتھ کیسے تعاون کر سکتے ہیں۔

تیسرے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جاتا رہا ہے اور

ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں ان کی طرف دست تعاون بڑھانا چاہیے۔ اگر ہم یہ جانتے ہیں کہ ہندو یا مسلمان جس کسی کو بھی موقع ملا تو ہمیں ختم کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔“ (۱)

کیا اس کے معنی پاکستان کے لیے کم از کم زبانی امداد ہے یا عوام کی نظروں میں دھول جھونکنا ہے۔ آنے والے مہینوں میں مرزا محمود کے تمام بیانات نے پاکستان کی حمایت کے تمام دعوؤں کی نفی کر دی۔ دو جون ۱۹۴۷ء کو اپنی مجلس عرفان قادیان میں انہوں نے واضح کیا۔

”ہندوستانیوں کے دلوں میں موجود نفرت اس حد تک پہنچ گئی ہے جہاں پر تقسیم ناگزیر دکھائی دیتی ہے۔ موجودہ حالات نے کوئی ایسا متبادل نہیں چھوڑا۔ سوائے اس کے کہ اس نفرت کو نکال دیا جائے۔ جب دشمنی اور نفرت گھٹ جائے گی تو وطن سے محبت جاگے گی اور ہندو مسلمانوں کو دوبارہ اکٹھا کرنے کے کام آئے گی۔“ (۲)

ایک سکھ اخبار ”شیر پنجاب“ کی تنقید کے جواب میں مرزا بشیر احمد نے تقسیم پنجاب کے سلسلے میں اپنی خواہش کا یوں اظہار کیا۔

”ہمیں خدا کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ تا آنکہ ہم یہ دیکھ لیں کہ اب ہم یہ کہتے ہوئے محراحت نہیں کر سکتے۔ ”کاش ہندوستان متحد ہوگا! کاش کہ پنجاب اب بھی متحد رہ جاتا!“ (۳)

یہ بہت دلچسپ بات ہے کہ پاکستان کے بن جانے کے بعد بھی مرزا محمود ”اکھنڈ بھارت“ متحدہ ہندوستان کے نظریہ کے سرگرم حامی تھے۔ اپنی جماعت کو اپنے پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کے خطاب میں انہوں نے ہندوستان کے متحد رہنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے یہ دعا کی۔

”خدا امن بھائی چارے اور معاملہ شناسی کے ذریعے ایسے حالات پیدا کرے کہ ہم اس

۱۔ افضل قادیان۔ ۱۹ مئی ۱۹۴۷ء۔

۲۔ افضل قادیان۔ ۵ جون ۱۹۴۷ء۔

۳۔ افضل قادیان ۲۰ جون ۱۹۴۷ء۔

ملک کو ایک بار پھر متحد دیکھ سکیں اور اسے اسلام کا گہوارہ بنا سکیں۔“ (۱)

حد بندی کمیشن

مسلم لیگ نے تین جون کا وہ منصوبہ منظور کر لیا جس کے مطابق پنجاب اور بنگال کو تقسیم کیا جانا تھا۔ تیس جون ۱۹۴۷ء کو برطانوی قانون دان سرسرل ریڈ کلف کی زیر سربراہی ایک حد بندی کمیشن قائم کیا گیا۔ پنجاب میں اس کے ارکان میں دو مسلمان جسٹس محمد منیر اور جسٹس دین محمد اور دو غیر مسلم جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تپا سنگھ شامل تھے۔ ظفر اللہ مسلم لیگ کا اہم مشیر تھا۔ اس کی مدد کے لیے قانون دانوں کی ایک جماعت تھی۔ جن میں سید شمیم حسین قادری، ملک عبدالعزیز اور ایس۔ اے رحمان شامل تھے۔ مسلم لیگ کے ایک جہاندیدہ رہنمایاں امیر الدین کا کہنا ہے کہ ظفر اللہ کی تعیناتی لگی قیادت کی فاش غلطی تھی۔ جس کے ذمہ دار لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی تھے۔ (۲)

حد بندی کی حدود کے تعین کے لیے مسلم لیگ کے مقدمے میں بنیادی مسئلہ حدود کی تقسیم کی اکائی کا تعین کا رہا جو کہ ضلع، تحصیل، گاؤں ذیل یا تھانہ ہو سکتی تھی۔ حد بندی کے لیے دونوں کی اپنی اپنی علیحدہ جہنی سوچ تھی۔ ظفر اللہ نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اس وقت کی لگی قیادت کے ساتھ جس میں پنجاب مسلم لیگ کے صدر نواب محمود کے علاوہ میاں ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات بھی تھے۔ اس مسئلہ پر رابطہ کیا مگر ان میں سے کوئی بھی اسے اس وقت پالیسی لائن دینے پر تیار نہ ہوا۔ چنانچہ اس نے خود ہی اپنے ساتھی وکلاء کی مشاورت سے تحصیل کو حد بندی کی ایک اکائی کے طور پر منتخب کر لیا۔ (۳)

قادیانی پہلے سے ہی حد بندی کی اکائی کے لئے تحصیل پر زور دے رہے تھے۔

۱۔ الفضل کا دامن۔ 15 اگست 1947ء۔

۲۔ مہاں احمد الدین کا گفت روزہ "چٹان" لاہور کو اترو پو مورخہ 6 اگست 1984ء۔

۳۔ ہر قلم اللہ، تحدیثِ نعمت صفحہ 505۔

جون ۱۹۴۷ء میں جب مرزا محمود نے سکھ قوم کو خطاب کرتے ہوئے اتحاد کی اپیل کی تھی تو انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی تھی کہ حد بندی کی تقسیم کی اکائی تحصیل ہونی چاہیے۔ انہوں نے یہ دلیل دی کہ اگر اس کے علاوہ کوئی اور اکائی لی گئی تو جتنی چھوٹی اکائی ہوگی تو اتنے ہی برے نتائج برآمد ہونگے۔^(۱) مرزا بشیر احمد نے ”پنجاب حد بندی کمیشن کی توجہ کے چند بنیادی نکات“ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا اور تقسیم کے لیے تحصیل کو ایک بہتر اکائی قرار دیا۔^(۲)

تحصیل کو اکائی کے طور پر لینے سے یقینی طور پر پاکستان کی جغرافیائی حدود کے لیے دور رس اثرات مرتب ہوئے تھے۔ عمومی طور پر خیال کیا جا رہا تھا کہ مسلم لیگ پنجاب کے مغربی اور مشرقی حصوں کے درمیان حد مقرر کراتے وقت آبادی کو بنیاد قرار دے گی۔ مغربی پنجاب میں صرف سترہ لاکھ اسی ہزار سکھ اور اکیس لاکھ اکاون ہزار ہندو تھے جبکہ اس کے مقابلے میں مشرقی پنجاب میں سینتالیس لاکھ ستانوے ہزار مسلمان موجود تھے۔ مغربی پنجاب کی ہندو اور سکھ آبادی کے مجموعے کے مقابلے میں مشرقی پنجاب میں آٹھ لاکھ پچاسی ہزار مسلمان اکثریت موجود تھی۔ اس بناء پر مغربی پنجاب کا یہ حق بنتا تھا کہ گورداسپور ضلع جو کہ ابتدائی برطانوی منصوبے کے مطابق پہلے ہی مغربی پنجاب کو دیا جا چکا تھا۔ اسکے علاوہ تمام اکثریتی آبادی والے ملحقہ علاقے خصوصاً اجنالہ، زیرہ، فیروز پور، ٹکودر اور جالندھر کی تحصیلیں جن میں پہلی دو میں مسلمانوں کی آبادی ساٹھ فیصد اور باقی تین میں اکاون فیصد سے زیادہ تھی۔ مغربی پنجاب کو ملنے تھے۔^(۳)

ظفر اللہ نے مسلم لیگ کی یادداشت میں یہ بات زور دے کر کہی کہ تحصیل کو تقسیم کی بنیادی اکائی ہونی چاہیے۔ یہ بات جانتے ہوئے کہ پٹھان وٹ ایک ہندو اکثریتی علاقے کی تحصیل ہے اور اس طرح وہ مشرقی پنجاب کو مل جائے گی اور ہندوستان کو اس طرح جموں و کشمیر کی ریاست تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔ اس کا مقصد کشمیر کو

۱۔ افضل قادیان ۱۹ جون ۱۹۴۷ء۔

۲۔ افضل قادیان ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء۔

۳۔ ایم۔ ایس۔ طوی ”مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کراچی ۱۹۷۸ء صفحہ ۳۴۱۔

ایک رکابی میں رکھ کر ہندوستان کو پیش کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا جیسا کہ سید نور احمد^(۱) کا کہنا ہے کہ تحصیل کو بنیادی اکائی قرار دینے کے فیصلے نے پٹھان کوٹ کی قسمت کا فیصلہ مشرقی پنجاب کے حق میں کر دیا۔ گورداسپور ایک مسلمان اکثریتی علاقہ تھا مگر اس کی تحصیل پٹھان کوٹ میں ہندو اکثریتی آبادی تھی۔ کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ واحد زمینی راستے پٹھان کوٹ کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے بعد ظفر اللہ نے ”دوسرے عوامل“ کی بناء پر یہ دلیل دی کہ حد بندی کے خط میں معمولی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ لیگ کی یادداشت نے جب اس بات پر زور دیا تھا کہ تقسیم کے لیے قابل قبول اکائی تحصیل ہو سکتی تھی تو یہ بات بھی پیش نظر تھی کہ حد بندی کا خط اس طرح کھینچا جائے کہ مسلمان اکثریتی ملحقہ تحصیلیں اور ملحقہ غیر مسلم اکثریتی تحصیلیں دوسرے علاقے میں چلی جائیں۔ تقسیم کی حد کے ساتھ اگر ملحقہ طور پر مسلمانوں یا غیر مسلموں کے اکثریتی علاقے ایک تحصیل کی حد سے بڑھ رہے ہوں تو یہ اکثریتی حیثیت والے علاقے پڑوسی تحصیل کے مسلمان اکثریتی یا غیر مسلمان علاقوں کے ساتھ ملا دیئے جائیں جس طرح بھی معاملہ مناسب سمجھا جائے۔ اس مرحلے کے مکمل ہونے کے بعد کمیشن ان عوامل پر بھی غور کر سکتا تھا جو حد بندی خطوط کھینچے جانے کے بعد مقامی طور پر معمولی تبدیلیوں کے خواہاں ہوں۔ یہ بات یادداشت میں کہی گئی۔^(۲)

یادداشت میں یہ بھی کہا گیا دوسرے عوامل کا لحاظ کرتے ہوئے دیکھا جائے گا کہ مغربی پنجاب سے گورداسپور کی تحصیل پٹھان کوٹ کو علیحدہ کر کے مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا جائے۔ گورداسپور کی بقیہ تمام تحصیلوں اور مغربی پنجاب میں شامل کیئے گئے تمام سولہ اضلاع کی تحصیلوں میں مسلمانوں کی کلی اکثریت ہے۔ امرتسر ضلع کی تحصیل اجنالہ جس میں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہے اور وہ لاہور، سیالکوٹ اور گورداسپور کے اضلاع سے ملحقہ ہے مغربی پنجاب میں شامل کر دیا جائے گا۔^(۳)

۱۔ سید نور احمد مارشل لا سے مارشل لا ایک لاہور، صفحہ 318۔

۲۔ تقسیم پنجاب پر مسلم لیگ کی یادداشت ملاحظہ ہو۔ جلد اول لاہور 1984ء۔

۳۔ پارٹیشن آف پنجاب جلد اول۔ پبلیش ڈاکوٹیشن سنٹر لاہور 1984ء، صفحہ 291-290۔

ضلع گورداسپور کی تحصیل پٹھانکوٹ میں مادھوپور میں واقع اپر باری دو آب کے نہری نظام کے ہیڈ ورکس کے حوالے میں ”دوسرے عوامل“ پر زور دیتے ہوئے یہ درخواست کی گئی کہ باری دو آب کے بالائی حصے میں آبادی کو کسی بھی آفت ساوی سے بچانے کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ مغربی پنجاب میں اس حصے کو بھی شامل کر دیا جائے جو مادھوپور سے دو میل آگے کھینچے گئے خط پر واقع ہے اور اپر باری دو آب نہر کے مشرق میں جاتا ہوا اس نقطے پر مل جاتا ہے جہاں پٹھان کوٹ تحصیل ضلع گورداسپور سے جاملتا ہے۔^(۱)

مختصر اسر ظفر اللہ کی تجویز کردہ حد بندی خطوط میں پٹھان کوٹ تحصیل کا آدھا جنوبی حصہ شامل تھا۔ جس میں اپر باری دو آب نہر کا مادھوپور کا ہیڈ ورکس بھی تھا۔ یہیں سے ستلج پیاس زاویے کا مرکزی نقطہ بنتا تھا۔ جس کے بعد شوالک کی پہاڑیوں کی چوٹیاں آتیں اور جنوب مغرب میں جاتے ہوئے یہ روپڑ ہیڈ ورکس تک پہنچتا جہاں سے یہ لدھیانہ اور فیروز پور کے اضلاع جو کہ ستلج کے جنوب مغربی کناروں پر واقع تھے کو ملاتا ہوا مغرب کی طرف مڑ جاتا۔ ظفر اللہ نے اپنی تحریک کے جواز میں اس بات پر زور دیا کہ اگر عیسائی مسلمانوں کا ساتھ دیتے تو اس نقطہ نظر کو اپنا کر مسلمانوں کی اکثریتی تحصیلیں فیروز پور اور زیرہ (ضلع گورداسپور) نواں شہر اور جالندھر (ضلع جالندھر) اور تحصیل دسویہ (ضلع ہوشیار پور) مغربی پنجاب میں آ سکتی تھیں۔ صرف ان تحصیلوں کو پانے کی موہوم امید کی خاطر اس نے کم عقلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پٹھان کوٹ کی انتہائی اہم اور حساس ترین تحصیل کو گنوا دیا۔^(۲)

درست خدشات

حد بندی کے اس مہلک تعین کی سوچ نے ان مسلمان منصفین کو بھی ششدر کر دیا جو پٹھان کوٹ کے مستقبل کے بارے میں پہلے ہی آگاہ تھے۔ جسٹس منیر کا کہنا ہے

۱۔ تقسیم پنجاب جلد اول قومی دستاویزی مرکز لاہور 1983ء صفحہ 291-290۔
۲۔ سید نور احمد مارشل لاء سے مارشل لاء تک لاہور۔ صفحہ نمبر 318۔

کہ وہ اور جسٹس دیں محمد ریڈ کلف کے ساتھ مذاکرات کے آغاز سے ہی جانتے تھے کہ گورداسپور ہندوستان کو مل جائے گا اور انہوں نے اپنے خدشات کا بالکل ابتداء ہی میں ان لوگوں کے سامنے اظہار کر دیا تھا جو مسلم لیگ کی طرف سے ان کی معاونت کے لیے مقرر تھے۔^(۱)

اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ریڈ کلف نے وائسرائے کی ہدایت پر پہلے سے طے شدہ ایک فیصلہ دیا۔ اپنے اس سیاسی فیصلے میں اس نے تمام طے شدہ انتظامی اکائیوں کو مسترد کرتے ہوئے ایک عجیب و غریب طریقہء کار اختیار کیا۔ پہلے اس نے ایسے علاقے کو چنا جسے باری دو آب نہر سیراب کرتی تھی جولاءہ اور امرتسر اور گورداسپور کے مین اضلاع تک پھیلا ہوا تھا اور جب اسے بتایا گیا کہ مسلمان تو پہلے ہی اس علاقے میں اکثریت ہیں تو اس نے سودے بازی کے انداز میں اس کا کچھ حصہ نکال دیا اور ملکیت اور انصاف کے تمام اصولوں کی دھجیاں اڑا دیں۔^(۲)

اصل سوال یہ ہے کہ لیگ کی یادداشت میں اپنایا گیا موقف ہی ناقص اور ضرر رساں نوعیت کا تھا۔ پٹھان کوٹ تحصیل بغیر کسی تنازعہ کے ہندوستان کو اس لیے دے دی گئی تھی کہ ہیڈ ورکس اور کشمیر پر اس کا اختیار بحال ہو جائے۔ جسٹس منیر نے ۱۹۵۴ء میں اپنی تحقیقاتی رپورٹ بابت مغربی پاکستان میں چند علاقہ جات کی پاکستان میں شمولیت نہ ہونے کے متعلق کہا کہ ظفر اللہ نے یہ مقدمہ بڑی محنت سے لڑا ہوگا۔ جس پر وہ اس کا ممنون بھی ہے۔^(۳) مگر مقدمہ لڑنے کا انداز بڑا غلط تھا۔ ظفر اللہ نے حد بندی معاملات کے جغرافیائی اور دفاعی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا اور شاید ایسا جان بوجھ کر کیا اور بیکار دلائل میں اپنا وقت ضائع کر دیا۔

۱۔ چوہدری غلام حسین۔ چیف جسٹس محمد منیر۔ مجلس تحقیق پاکستان لاہور 1973ء صفحہ نمبر 15۔

۲۔ جسٹس دین محمد۔ ریڈ کلف کی شعبہ ہاوی۔ پاکستان ڈائجسٹ کراچی۔ مارچ اپریل 1976ء صفحہ نمبر 29۔

۳۔ منیر رپورٹ صفحہ 197۔

احمدیہ یادداشت:

قادیانیوں نے پنجاب حد بندی کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کے مقدمے کی عجیب و غریب وکالت کے بعد اس طرح کی ایک متوازی خطرناک چال چلی۔ انہوں نے کمیشن کو اپنی ایک علیحدہ یادداشت پیش کر دی۔ احمدیہ جماعت کی جانب سے سابقہ نیشنل لیگ کے سربراہ مرزا بشیر احمد نے یہ یادداشت پیش کی۔ قادیانیوں کو اپنی اس یادداشت کی تیاری میں بڑی محنت کرنا پڑی۔ اس کے لیے قادیان میں ابتدائی تیاریاں مکمل کی گئیں۔ چیف سیکرٹری قادیان مرزا بشیر احمد کی نگرانی میں ایک ”امن و اتحاد“ دفتر کھولا گیا۔ مرزا ناصر احمد جو جماعت کے تیسرے سربراہ تھے زین العابدین فتح محمد سیال اور چند دیگر اہم افراد کو اس میں شامل کیا گیا۔ لندن سکول آف اکنامکس کے پروفیسر او۔ ایچ۔ کے۔ سپیٹ^(۱) جو کہ دفاعی امور کا بھی ماہر تھا۔ احمدیہ مقدمے کے مختلف پہلوؤں پر غور کے لیے لندن سے بلوایا گیا۔ احمدیت کی تاریخ میں احمدیہ یادداشت کا مکمل متن دیا ہوا ہے۔^(۲) قومی دستاویزاتی مرکز لاہور نے پنجاب حد بندی کمیشن کا جو ریکارڈ مرتب کیا ہے اس میں بھی تمام یادداشتوں کا متن اور متعلقہ مباحثات موجود ہیں۔^(۳) احمدیہ یادداشت میں بشیر احمد قادیانی نے دلیل دی کہ تقسیم کی اکائی جو چاہے ہو قادیان مغربی پنجاب میں آتا ہے۔ عددی اکثریت کو تقسیم کی اکائی مان کر اور قادیان کی خصوصی مذہبی حیثیت کی حمایت میں ”دوسرے عوامل“ کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے تجویز پیش کی کہ قادیان کو مغربی پنجاب کے ساتھ ختمی کر دیا جائے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل امور کی بناء پر قادیان کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

- 1- اسلام میں یہ عالمی تحریک احمدیت کا فعال مرکز ہے۔
- 2- ہندوستان کے کسی بھی مذہبی مقام سے اس کا تقدس زیادہ ہے۔

۱۔ او۔ ایچ۔ کے۔ سپیٹ نے اپنی کتاب ”انڈیا اور پاکستان“ میں قادیان کو ”وئی کن کی جمہوری صورت“ قرار دیا ہے۔

۲۔ تاریخ احمدیت، جلد 10 صفحہ 414-39۔

۳۔ تقسیم پنجاب جلد 1-2-3 قومی دستاویزاتی مرکز۔ لاہور 1984ء۔

- 3- مذہبی ہدایات اور تبلیغی تربیت کے لیے لوگ دنیا بھر سے اس کا رخ کرتے ہیں۔
- 4- احمدیہ تحریک کے مقدس بانی کا لکھا ہوا زیادہ تر احمدیہ لٹریچر اردو زبان میں ہے جو پاکستان کی زبان ہے اور ہندوستان میں غیر مقبول ہے۔
- 5- احمدیہ جماعت کی چوتھریں صد شاخیں پاکستان میں واقع ہیں۔
- 6- احمدیہ جماعت کے زیادہ تر مالی اثاثے پاکستان میں ہیں۔
- 7- وہ ضلع جس میں قادیان واقع ہے واضح طور پر مسلمانوں کا اکثریتی علاقہ ہے اور مغربی اضلاع سے متصل ہے۔

8- امن اور جنگ کے دوران اس جماعت کی خدمات اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ چنانچہ اس جماعت کے مفادات کو کسی دیگر مذہبی برادری کے مفادات پر قربان نہ کیا جائے۔^(۱) قادیانی وکیل نے اس خدشہ کا بھی اظہار کیا کہ دیگر عوامل کا پہلو سکھوں کے مطالبات کے حق میں کہیں استعمال نہ ہو جائے۔ اسکے جواب کے لیے اس نے احمدیہ جماعت کی فوجی خدمات کا سکھوں کی خدمات سے موازنہ کرتے ہوئے دعویٰ کیا۔

”ذمہ دار برطانوی حکام کے چند اطلاعات کی رو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ ”دیگر عوامل“

سکھوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ خصوصاً ان کے لیے جنہوں نے

حکومت برطانیہ کو خدمات کثیر دی ہیں۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ تعداد کے لحاظ سے احمدیہ

جماعت سکھوں کی نسبت بہت کم ہے۔ مگر اس جماعت کی دو عظیم جنگوں کے دوران بے

غرضانہ خدمات کو دیکھا جائے تو ان کی تعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے احمدیہ خدمات کسی طرح

بھی سکھوں کی خدمات سے کم نہیں۔ قادیان جس کی آبادی صرف چودہ ہزار ہے۔ اس

نے جنگ کے لیے چودہ سو سے زائد رگروٹ مہیا کیئے تھے جو دوسری جنگ عظیم میں

اتحادیوں کی جانب سے لڑے۔ احمدیہ جماعت بہت چھوٹی جماعت ہے پھر بھی اس کے

دوسو سے زائد افراد نے رائل (فوج میں) کمیشن حاصل کیا اور اس لحاظ سے بلاشبہ یہ

جماعت تمام ہندوستانی برادریوں سے ان کی عددی قوت کو مد نظر رکھتے ہوئے امتیازی

حیثیت کی حامل ہے۔“ (۱)

کیا علیحدہ یادداشت پیش کرتے وقت قادیانیوں نے لیگ سے مشورہ کیا؟ کیا قادیانی علیحدہ یادداشت پیش کرنے میں از خود کامیاب ہوئے؟ اس کے پیچھے کیا مقصد کار فرما تھا؟ مرزا محمود کا یہ دعویٰ ہے کہ کانگریس نواز علماء خصوصاً احرار رہنماؤں نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی ایک طاقتور پروپیگنڈہ مہم شروع کر دی تھی۔ جس سے مسلمانوں کی عددی قوت میں کمی ہو سکتی تھی۔ یہ بھی خدشہ محسوس کیا گیا کہ ہندو اور سکھ وکلاء احمدیہ جماعت کی اسلامی حیثیت پر انگلی اٹھا سکتے تھے اور اگر ذرا آگے جایا جائے تو مسلمانوں کی آبادی سے احمدیوں کو نکالنے سے مسلمان اکثریتی گورداسپور ایک غیر مسلم اکثریتی ضلع بن جاتا۔ احرار کی اس مبینہ کوشش کا توڑ کرنے کی خاطر بقول مرزا محمود احمدیہ جماعت نے مسلم لیگ کو استدعا کی تھی کہ وہ اپنے اوقات میں سے کچھ وقت احمدیہ جماعت کو دے تاکہ کمیشن کو ایک علیحدہ یادداشت کے ذریعے ان کی حیثیت کو واضح کیا جاسکے۔ مرزا محمود نے یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ مسلم لیگ نے احمدیوں کو علیحدہ یادداشت پیش کرنے کی خصوصی اجازت دی تھی اور پنجاب لیگ کا صدر نواب ممدوٹ۔ لاہور کا ایک سابقہ کمشنر خواجہ عبدالرحیم، چوہدری اکبر علی اور دوسرے لیگی ارکان اس سے بخوبی آگاہ تھے۔ (۲)

مسلم لیگ گورداسپور نے بھی کمیشن کو پیش کرنے کے لیے ایک علیحدہ یادداشت مرتب کی۔ اسے غلام فرید رکن اسمبلی، شیخ کبیر الدین (مسلم لیگ کا سابقہ نمائندہ) شیخ شریف حسین ایڈووکیٹ، شیخ محبوب عالم (احراری رہنما) اور مرزا عبدالحق ایڈووکیٹ نے تیار کیا تھا لیکن انہیں کمیشن کو یہ یادداشت پیش کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ لیگ نے صرف احمدیوں اور عیسائیوں کو اپنی علیحدہ یادداشتیں پیش کرنے کی اجازت دی۔ (۳)

۱۔ تقسیم پنجاب۔ جلد ۱۔ صفحہ 429۔

۲۔ مرزا محمود کا خطاب۔ 27 دسمبر 1950ء۔

۳۔ دوست محمد شاہ۔ تحریک پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار۔ ربوہ۔ صفحہ 61۔

مرزا محمود یہ انکشاف بھی کرتے ہیں۔

”میں جسٹس منیر کو اس کی رہائش گاہ پر ملا۔ گورنر سندھ دین محمد بھی وہیں آ گئے۔ میرے ساتھ شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ جو بعد میں جج بنے اور عبدالرحیم درد تھے۔ ہم نے اس یادداشت کے قانونی پہلوؤں پر تبادلہ خیال کیا اور اس کی نقول ان کے حوالہ کیں۔“ (۱)

علیحدہ یادداشت کا نقصان

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قادیانی مسلم لیگ کے موقف سے متفق تھے تو انہوں نے کمیشن کو ایک علیحدہ یادداشت کیوں پیش کی؟ دوسرے وہ اور لیگ دونوں اگر قادیان کو مغربی پنجاب میں شامل کرنا چاہتے تھے تو اس کی کیا ضرورت تھی؟ مسلم لیگ کا مقدمہ تیار کرنے میں ظفر اللہ کی اعانت خود مرزا محمود نے کی تھی۔ اس مسودے کی تیاری میں پروفیسر سپیٹ کی مشاورت بھی شامل تھی۔ جس نے حد بندی کے دفاعی اور سیاسی و جغرافیائی پہلوؤں پر مفید مشورے دیئے۔ (۲) جسٹس دین محمد اس یادداشت میں پیش کیئے گئے احمدیہ موقف پر ششدر رہ گئے اور انہوں نے ظفر اللہ سے اس بارے میں ایک نجی محفل میں سوال بھی کیا۔ (۳) مسٹر جسٹس منیر احمد بھی قادیانی وکیل بشیر احمد کو ایک علیحدہ یادداشت کے ساتھ کمیشن کے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے اسے ایک ”انتہائی بد قسمت واقعہ“ قرار دیا جو مسلم لیگ کے موقف کے خلاف گیا۔

ایک مضمون میں جسٹس منیر نے لکھا۔

اب ضلع گورداسپور کی طرف آئیے۔ کیا یہ مسلم اکثریت کا علاقہ نہیں تھا؟ اس میں شک نہیں کہ اس ضلع میں مسلم اکثریت بہت معمولی تھی لیکن پٹھان کوٹ تحصیل اگر بھارت میں شامل کر دی جاتی تو باقی ضلع میں مسلم لیگ کا تناسب خود بخود بڑھ جاتا۔ مزید برآں مسلم اکثریت کی تحصیل شکر گڑھ کو تقسیم کرنے کی مجبوری کیوں پیش آئی۔ اگر

۱۔ مرزا محمود کا خطاب۔ 27 دسمبر 1950ء صفحہ 3۔

۲۔ ظفر اللہ۔ تجدیدِ فہم۔ صفحہ 5۔

۳۔ سید نور احمد۔ صفحہ 318۔

اس تحصیل کو تقسیم کرنا ضروری تھا تو دریائے راوی کی قدرتی سرحد یا اس کے ایک معاون نالے کو کیوں نہ قبول کیا گیا بلکہ اس مقام سے اس نالے کے مغربی کنارے کو سرحد قرار دیا گیا جہاں یہ نالہ ریاست کشمیر سے صوبہ پنجاب میں داخل ہوتا ہے۔ کیا گورداسپور کو اس لیے بھارت میں شامل کیا گیا کہ اس وقت بھی بھارت کو کشمیر سے منسلک رکھنے کا عزم واردہ تھا۔

اس ضمن میں ایک بہت ناگوار واقعہ کا ذکر کرنے پر مجبور ہوں۔ میرے لیے یہ بات ہمیشہ ناقابل فہم رہی ہے کہ احمدیوں نے علیحدہ نمائندگی کا کیوں اہتمام کیا۔ اگر احمدیوں کو مسلم لیگ سے اتفاق نہ ہوتا تو ان کی طرف سے علیحدہ نمائندگی کی ضرورت ایک افسوسناک امکان کے طور پر سمجھ میں آ سکتی تھی۔ شاید وہ علیحدہ ترجمانی سے مسلم لیگ کے موقف کو تقویت پہنچانا چاہتے تھے لیکن اس سلسلہ میں انہوں نے شکر گڑھ کے مختلف حصوں کیلئے حقائق اور اعداد و شمار پیش کیے۔ اس طرح احمدیوں نے یہ پہلو اہم بنا دیا کہ تاکہ بعض اور نالہ بسنتر کے درمیانی علاقہ میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں اور اس دعویٰ کیلئے دلیل میسر کر دی کہ اگر نالہ اجہ اور نالہ بعض کا درمیانی علاقہ از خود بھارت کے حصے میں آ جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ علاقہ ہمارے (پاکستان) کے حصے میں آ گیا لیکن گورداسپور کے متعلق احمدیوں نے اس وقت سے ہمارے لیے سخت محنت پیدا کر دیا۔^(۱)

ظفر اللہ جو اس وقت ہیگ ہالینڈ میں بین الاقوامی عدالت انصاف کا جج تھا، اُس نے اس کا جواب بھیجا جو آٹھ جولائی ۱۹۶۳ء کو پاکستان ٹائمز کے کالم ”ایڈیٹر کے نام خطوط“ میں شائع ہوا۔ اُس نے اپنے موقف میں اپنی حیثیت کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ:

وہ احمدیوں کے نمائندہ نہیں تھے بلکہ مسلم لیگ کے وکیل تھے۔ احمدیوں کا مقدمہ مغربی پاکستان کی عدالت عالیہ کے سابق جج شیخ بشیر احمد نے پیش کیا تھا جو احمدیوں کی جانب سے جسٹس منیر کو ایک علیحدہ یادداشت پیش کرنے کا جواب دینے کی اہلیت رکھتے تھے۔

تاہم اس کی ضرورت اس لیے پڑی کہ غیر مسلموں نے احمدیوں کے خلاف پروپیگنڈہ مہم شروع کر رکھی تھی کہ کچھ مسلمان احمدیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔ اس طرح احمدی گورداسپور میں مسلم اکثریت کے ساتھ شامل نہ ہو سکتے تھے۔ اگر احمدیوں کو مسلمانوں میں نہ گنا جاتا تو مسلمان اس ضلع میں اکثریت میں نہ ہوتے۔“ (۱)

اپنے ایک خط میں احمدیوں کی جانب سے علیحدہ یادداشت پیش کرنے پر احمدیوں کی صفائی میں شیخ بشیر احمد (قادیانی وکیل) نے لکھا۔

”سکھوں کی جانب سے پیش کردہ یادداشت میں اس امر پر بڑی وضاحت سے زور دیا گیا تھا کہ چونکہ گوردو گوبند سنگھ کی جائے پیدائش (گوبند پور) گورداسپور ضلع میں واقع ہے لہذا مسلمانوں کی محض ۱۲ فیصد اکثریت کو اس لحاظ سے مسترد کیا جاسکتا تھا۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ مسٹر بٹ کلف کو اپنے ذہن کے مطابق مسلمان اکثریتی علاقوں کی غیر مسلم اکثریتی علاقوں سے علیحدہ حد بندی کرنی تھی اور ایسا کرتے وقت اسے ”دیگر عوامل“ کا بھی خیال رکھنا پڑا تھا۔ دلائل ان بنیادوں پر آگے بڑھے تھے۔ یہ دلیل بھی دی گئی کہ صرف یہ بات ہی گورداسپور کو پاکستان کی بجائے انڈین یونین میں شامل کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس دعویٰ کے جواب میں مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ احمدیہ جماعت ایک علیحدہ یادداشت پیش کرے اور حد بندی کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کو دیئے گئے دلائل کے وقت سے پینتالیس منٹ انہیں بھی کمیشن کو مخاطب کرنے کے لیے دئے دیئے گئے۔ چوہدری ظفر اللہ مسلم لیگ کے وکیل کے طور پر پیش ہوئے اور احمدیہ جماعت کے خصوصی دعاوی کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔“

بشیر احمد مزید کہتا ہے کہ:

”احمدیوں نے ایک نکتہ یہ بھی پیش کیا کہ قادیان ایک بین الاقوامی اسلامی مرکز تھا اور تحریک کابانی بھی یہاں دفن ہے، وغیرہ۔ گورداسپور کو محض مسلمانوں کی ۱۲ فیصد آبادی کی اکثریت کی بناء پر پاکستان میں شامل نہیں کیا جانا چاہیے۔ بلکہ اس وجہ سے بھی ایسا کیا

جانا چاہیے۔ اس نے مزید دلیل دی کہ قادیان کو دوسرے مقامات مقدسہ سے ممتاز حیثیت حاصل ہے اور اگر اسے ہندوستانی یونین کا حصہ بنادیا گیا تو تبلیغی سرگرمیوں کو اس سے سخت دھچکا پہنچے گا۔^(۱)

پاکستان ٹائمز میں جسٹس منیر کی یادداشتوں کے جواب میں بہت سے خطوط تھے جو سب کے سب اس موضوع پر تھے کہ پاکستان کی بنیاد دینی تھی یا معاشی۔^(۲) ان کے جواب میں جسٹس منیر نے اخبار کو ایک مشترکہ جواب بھجوایا جس میں انہوں نے اپنے موقف کے جواز میں قائد اعظم کی ایک تقریر کا حوالہ دیا جو آپ نے چھبیس اگست ۱۹۴۸ء کو اسمبلی میں کی تھی۔ بہر حال اس نے احمدیہ وضاحت کو قبول نہیں کیا اور کبھی نہ جان سکا کہ احمدیوں نے اپنی علیحدہ نمائندگی کیوں پیش کی جس نے حد بندی کمیشن کے مسلمان ججوں کے لیے گوروا سپور کے معاملہ میں فیصلہ کرتے وقت اتنی سخت کا سامان پیدا کیا۔

یہ اب طے شدہ بات ہے کہ ریڈ کلف کا فیصلہ پہلے سے تیار ہو چکا تھا اور ”نو دیگر عوامل“ کی اصطلاح کو دلنستہ مبہم رکھا گیا تھا تا کہ مبالغہ آراء دعوؤں کی حوصلہ افزائی ہو اور حد بندی کے دوران کی گئی زیادتیوں کی پردہ پوشی ہو سکے۔ ظفر اللہ قادیانی^(۳) جسٹس منیر^(۴) جسٹس دین محمد^(۵) اور چوہدری محمد علی^(۶) سب نے ایوارڈ کو مکمل طور پر خلاف حقیقت اور سیاسی فیصلہ قرار دیا۔ اگر گوروا سپور کا ضلع ہندوستان کو نہ دیا جاتا تو اسے کبھی بھی کشمیر کا راستہ نہ ملتا اور نہ پاکستان کو جنگ لڑنا پڑتی۔^(۷) تاہم ظفر اللہ کے تقسیم کی بنیاد کے انتخاب یعنی تحصیل اور احمدیوں کی علیحدہ نمائندگی قادیان کی بددیہتی کا مظہر ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ہنالہ تحصیل جس میں قادیان واقع ہے اسے بچانے کے لیے

۱۔ پاکستان ٹائمز ۸ جولائی ۱۹۸۴ء۔

۲۔ اس کے آئین میں پاکستان کے بارے میں لادینی نظریات کے لیے ملاحظہ ہو ”جناح سے خیاء تک“ لاہور ۱۹۸۰ء۔

۳۔ سر ظفر اللہ۔ تحریک ملت۔ صفحہ ۵۰۷۔

۴۔ جسٹس محمد منیر۔ الامام بادر فنگان۔ پاکستان ٹائمز۔ ۲۴ جون ۱۹۶۴ء۔

۵۔ جسٹس دین محمد ریڈ کلف کی شعبہ بازی۔ پاکستان ڈائجسٹ کراچی۔ مارچ اپریل ۱۹۷۶ء۔

۶۔ چوہدری محمد علی۔ تحقیق پاکستان۔

۷۔ لاہور ٹریڈ ووڈ۔ براہظم کا فیصلہ۔ لندن ۱۹۳۵ء۔ صفحہ ۲۳۵۔

ظفر اللہ نے پٹھان کوٹ کی تحصیل (بالفاظ دیگر ریاست جموں و کشمیر) ہندوستان کے حوالے کر دی۔ مسلم لیگ کے میمورنڈم سے یہی تاثر ملتا ہے۔

برطانوی خفیہ سازشیں

ریڈ کلف کا فیصلہ اس برطانوی سازش کا حصہ تھا۔ اسکا مقصد نوزائیدہ ریاست پاکستان کے وجود کو ختم کرنا تھا۔ برطانوی سامراجیوں کی بری نیت کے اور بھی کئی شواہد موجود ہیں۔ اس کے سیاق میں برطانوی خفیہ محکمہ کے افسر اعلیٰ کوڈی آئی جی جینکنز کا لکھا ہوا خط کافی غور طلب ہے۔

آٹھ جولائی ۱۹۴۷ء کو تقسیم سے تقریباً ایک ماہ قبل مسٹر جینکنز ڈی آئی جی نے ایک سر بمبر خط جس پر ”انتہائی خفیہ“ لکھا ہوا تھا، پنجاب سی آئی ڈی کے سب انسپکٹر دبیر حسین رضوی کے حوالہ کیا تاکہ وہ اسے وائسرائے کی رہائش گاہ میں دہلی پہنچا دے۔ (یہ ایک قادیانی تھا) مس ممتاز شاہنواز جو کہ ایک لگی خاتون رہنما تھی کی ترغیب پر یہ خط کھولا گیا۔ اس لفافے میں ایک اور سر بمبر خط تھا جس پر یہ پتا لکھا ہوا تھا۔ ”مسٹر لیڈل“ چیف آف برٹش سیکرٹ سروس۔ اسے کھولا گیا اور اس کی ایک نقل قائد اعظم کے حوالے کر دی گئی۔ تین ہفتوں کے بعد پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ چار ستمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان نامنر لاہور نے یہ خط اپنے ادارتی حاشیے کے ساتھ شائع کر دیا۔ یہ خط اور اس پر تاثرات پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ خط مسٹر احمد کے کردار کے بارے میں روشنی ڈالتا ہے جو اس نے پاکستان کی نئی قائم شدہ ریاست میں ادا کرنا تھا۔ (یہ عمومی طور پر سمجھا جاتا ہے کہ وہ احمد مرزا محمود احمد کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا اور اس میں بیان کیا گیا اجلاس جو کہ دہلی میں ہوا۔ یہ وہ اجلاس ہے جب آپ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں اپنی جماعت کے لیے عبوری حکومت میں جگہ حاصل کرنے گئے۔ دیکھئے۔

خط میں لکھا ہے:

”پاکستان کے بارے میں سب کچھ طے پا چکا ہے تاہم دیگر حالات انتہائی مبہم ہیں۔ پاکستان کی حتمی شکل کے بارے میں فیصلہ نہیں ہوا اور یہ بھی علم نہیں کہ اس میں حکومت کی ہیئت کیا ہوگی۔ یہ تو بدیہی اثر ہے کہ مسٹر جناح ایک آمر کی حیثیت اختیار کر جائیں گے اور پوری قوت ایک منتخب ٹولے کے ہاتھ میں مرکوز ہوگی لیکن ان میں سے ہر ایک کا منصب کیا ہوگا اس کا فیصلہ ابھی تک نہیں ہوا۔ حالات کے پیش نظر ایسا موزوں وقت نہیں آیا جب ان افراد کی نشاندہی کی جاسکے یا ان سے روابط استوار کیے جاسکیں کیونکہ کچھ پتہ نہیں کون لوگ سامنے آئے والے ہیں۔

میرے خیال میں رابطہ افسر لائن پر عمل کرنا درست ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بہترین راستہ ہے لیکن احمد کو علم ہے کہ دہلی میں متعلقہ امور پر بحث کے دوران اسی انتظام کے بارے میں اتفاق رائے پایا گیا تھا۔ امید ہے کہ احمد کو پاکستان میں بڑی اہمیت حاصل ہوگی۔ چنانچہ وہ گزشتہ تصورات نظریات سے پسپائی کو پسند کرے گا۔ یہ بھی امکان ہے کہ حد بندی کمیشن مسلمانوں کو اس سے بھی زیادہ مدہم کر دے گا جتنے کہ وہ اب ہیں۔ میری دلچسپی پاکستان کی حد تک ہے اور میرا خیال ہے تمہیں یاد ہوگا کہ جب آپ لاہور میں تھے تو میں نے آپ کے ساتھ چند احکامات پر جادوہ خیال کیا تھا۔ مجھے اب تک یہی مختصہ ہے کہ آیا میں پاکستان کے ڈائریکٹر انٹیلی جنس کا عہدہ لینے کے لیے تیار ہو سکوں گا جس کا مطلب یہ ہوا کہ میں بلیک لسٹ میں نہیں ہوں۔ بہر حال شخص مناسبت کا نکتہ ایک دوسرا معاملہ ہے جو مستقبل قریب میں واضح ہو جائے گا۔“ (۱)

پاکستان ٹائمز کے اسی شمارے میں یہ ادارہ بھی چھپا۔

جاسوس منڈلی:

”قائد اعظم نے نشری تقریر میں حد بندی کمیشن کے فیصلے کو غیر منصفانہ ناقابل فہم اور بددیانتی پر مبنی قرار دیا ہے۔

ہمیں (پاکستان ٹائمز) کو یہ شواہد بھی ملے ہیں کہ حد بندی کمیشن اس سازش کا حصہ ہے جو برطانوی پاکستان کے خلاف کر رہے ہیں اور سرسرل ریڈ کلف کے علاوہ دیگر تجزیہ کاروں نے ہماری ریاست کو تباہ کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ ہمارے پاس اس سوچ کی بہترین وجوہات موجود ہیں کہ برطانوی اعلیٰ حکام ہمارے لوگوں یا ہمارے رہنماؤں کے ساتھ کوئی کھیل نہیں کھیل رہے اور سرایون جینکنز کی کڑوئیں اس قدر ہیں کہ ان پر تبصرہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ سنسنی خیز تفصیلات جو ہم نے ابھی تک دریافت کی ہیں وہ قائد اعظم کے خدشات کو ظاہر کرتی ہیں اور ہمارے اس یقین کو پختہ کرتی ہیں کہ ہمارے مستقبل کا بڑا کچھ ابھی تک ہمارے اب تک کے ظالموں کی خفیہ اور زیر زمین کارروائیوں میں الجھا ہوا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جب برطانوی ہمارے رہنماؤں سے انتقال اقتدار کے مذاکرات کر رہے تھے۔ اس وقت برطانوی حکام ملک میں سازشوں کا جال بن رہے تھے تاکہ ہمارے اندر خفیہ تنظیموں اور فتنہ کالم کو منظم کیا جاسکے۔ یہ منصوبے اتنے خفیہ تھے کہ پنجاب کے برطانوی گورنر کو بھی سازشیوں نے اپنی سازشوں میں شریک نہیں کیا۔ ایک نامہ نگار نے ہمیں سنسنی خیز دستاویز بھجوائی ہے جسے ہم اس شمارے میں اسی طرح شائع کر رہے ہیں۔ بد قسمتی سے ہم برطانوی خفیہ محکمہ اور پنجاب کے خفیہ کے سربراہ کے مابین اس خط و کتابت کے پس منظر سے آگاہی نہیں رکھتے، نہ ہی ہمیں یہ پتہ ہے کہ اس کی روانگی کے بعد کیا وقوع پذیر ہوا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ برطانوی اور ہندوستانی خفیہ محکموں کے درمیان پراسرار سرگرمیاں جاری رہیں جس کا ہمارے رہنماؤں کو قطعاً علم نہ تھا جو کہ بعد میں اقتدار کے مجوزہ مالک بننے والے تھے۔ اس میں کئی اہم انکشافات اور کئی واضح سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ مثلاً مسٹر جینکنز کی گفت و شنید کا کیا مقصد تھا اور ”صحیح آدمیوں“ سے اس کی کیا مراد تھی۔ یہ شریف آدمی ”احمد“ کون ہے جسے پاکستان میں اہمیت حاصل ہوئی تھی اور مسٹر جینکنز اور اس کے بڑوں کے ساتھ اس کے کیا معاملات ملے پائے تھے۔ اس نے کس کے مفاد میں کن کے درمیان رابطے کا کام دینا تھا۔ مسٹر جینکنز کو

یہ کیسے پتہ چلا جبکہ باقی بے خبر تھے کہ حد بندی کمیشن مسلمانوں کو برہم کرے گا۔ کیا ہم یہ فرض کر لیں جیسا کہ ہم پہلے ہی پیش گوئی کر چکے ہیں کہ یہ دانستہ طور پر غیر منصفانہ اور غیر جمہوری تھا۔ صرف غیر منصفانہ فیصلہ ہی ہندوستان اور پاکستان کے درمیان زیادہ سے زیادہ دشمنی اور بد مزگی پیدا کر سکتا تھا اور انصاف مسلمان کے خلاف اس لیے کیا کہ وہ دونوں فریقوں میں کمزور تھا۔ پھر مسٹر جینکنز قسم کی خدمات اس مسئلے میں چاہتا ہے جس کی وہ بے صبری سے امید کر رہا ہے اور کس مسلم لنگی نے اسی نام کے خبیث اعظم کے رابطے کروائے جواب تک پاکستان میں گورنر کے اہم عہدے پر متمکن ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ اس عہدے پر کچھ دیر اور بھی ٹھہرے گا اور وہ اپنے اور اپنے مکتوب الیہ کے درمیان لندن میں تیز ترین مواصلات کے بارے میں بے چین ہے۔ ہم پہلے ہی مسٹر جینکنز کے ٹونے کی پیدائش اور تفصیلات کے بارے میں بے خبری کا کہہ چکے ہیں لیکن اس دستاویز کی جو تشریح ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اور اس کے امدادی پاکستان میں جاسوسی کا ایک حلقہ قائم کرنے کی فکر میں ہیں جو کہ برطانیہ کی ایک شاخ ہوگا اور حکومت پاکستان کی پشت پر ہوگا اور ہمارے لوگ یقیناً اس قسم کی یورشوں اور فتنہ پردازوں سے بےزار ہوں گے۔ خصوصاً کسی ایسی غداری یا دھوکے کے دہرائے جانے کے بارے میں جس کا تجربہ ہم نے حالیہ دنوں میں کر لیا ہے۔^(۱)

قادیان اور اسرائیل

اقوام متحدہ کے سامنے مسئلہ فلسطین آنے سے ایک ماہ قبل پاکستان اقوام متحدہ کا رکن بنا۔ ظفر اللہ نے اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت کی۔ ہم یہاں ”یہودیوں کی قومی جدوجہد“ کے آخری مرحلے کے دوران ظفر اللہ اور قادیان کے کردار پر بحث کریں گے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ظفر اللہ نے صیہونی تحریک کے لیے سرگرمی دکھائی۔ وہ فلسطین گیا۔ ڈاکٹر کوہن سے ملا جو یہودی تنظیم کا سربراہ تھا اور بعد میں اُس نے اعلان کیا کہ ”یہودی آبادکاری“ کے نتیجے میں فلسطینی عربوں کو پسپائی ہوگی۔^(۱)

برطانوی امریکی کمیٹی

فلسطینی مسئلہ اس وقت بڑی تیزی سے یہودیوں کے حق میں ہو گیا جب نئی سامراجی قوت امریکہ نے اس کی بین الاقوامی سطح پر مکمل اور بھرپور مدد کی۔ امریکی صدر روز ویلٹ نہ صرف ”صیہونی خواہشات“ کے ساتھ ہمدردی رکھتا تھا بلکہ اس نے جنگ عظیم کے دوران مشرق وسطیٰ کے معاملات میں خصوصی دلچسپی لی اور اس علاقے میں وہ امریکہ کے بڑھتے ہوئے تیل کے مفادات کے بارے میں بھی باخبر تھا۔ لندن میں صیہونی رہنماؤں نے ۱۹۳۹ء میں جاری کردہ مسئلہ فلسطین پر برطانوی قرطاس ایضاً کی اشاعت کو منسوخ کرنے کی استدعا کی اور فلسطین میں فوری طور پر ایک لاکھ یہودیوں کے داخلے کی سفارش کی۔ لیبر حکومت کے اقتدار میں آنے کی بعد ان کی خواہشات اور بھی شدت اختیار کر گئیں۔ برطانوی سیکرٹری خارجہ ارنسٹ بیون جو کہ فلسطین کے لیے

برطانیہ کی حکمت عملی کا ذمہ دار تھا۔ بعض وجوہ کی بناء پر فلسطین کے فوری طور پر یہودی ریاست قرار دیئے جانے کے حق میں نہ تھا۔

اگست ۱۹۴۵ء میں امریکی صدر ٹرومین نے صیہونی مطالبے کی حمایت کر دی اور فلسطین میں فوری طور پر ایک لاکھ یہودیوں کو بسانے کا مطالبہ کر دیا۔ اسی وقت امریکی کانگریس نے یہ مطالبہ بھی پیش کر دیا کہ فلسطین کی استطاعت کے مطابق یہودیوں کو غیر محدود آبادکاری کی اجازت دے دی جائے۔ نومبر ۱۹۴۵ء میں فلسطین میں یہودی داخلے کے مسئلہ کی دیکھ بھال کے لیے ایک برطانوی، امریکی کمیٹی قائم کر دی گئی۔ اس میں چھ امریکی اور چھ برطانوی ارکان تھے۔ قبل اس کے کہ یہ کمیٹی فلسطین میں اپنا کام شروع کرتی، مرزا محمود نے شیخ نور احمد منیر کو اکتوبر ۱۹۴۵ء میں فلسطین بھیجا تاکہ چوہدری شریف کے کام میں اس کا ہاتھ بٹائے^(۱) جو کہ برطانوی ہائی کمشنر فلسطین ہیرالڈ میکمیکسٹل کا گمشدہ تھا۔

احمدی یہودی مسئلہ میں براہ راست فریق نہ تھے مگر قادیانی مبلغ چوہدری شریف نے امریکی، برطانوی کمیٹی کو ایک یادداشت پیش کی۔ شاید وہ انہیں مسئلہ فلسطین پر احمدیہ نکتہ نظر سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کمیٹی کے دو ارکان رچرڈ کراس مین جو کہ لیبر گورنمنٹ کا ممبر پارلیمان تھا اور ولیم فلپ جو کہ اطالیہ میں امریکی سفیر رہ چکا تھا۔ قادیانیوں سے قدیمی شناسائی رکھتے تھے۔ قادیان کو ارسال کردہ رپورٹ میں چوہدری شریف بیان کرتا ہے کہ وہ صدر کمیٹی سے ملا اور بارہ جنوری ۱۹۴۵ء کے مرزا محمود کے خطبے کی ایک نقل اسے پیش کی۔ اس میں برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان صلح کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔^(۲) قادیانیوں کے نکتہ نظر کی مزید وضاحت کے لیے ان ارکان کو ایک کتابچہ دیا گیا۔ جس میں جنگ عظیم میں محوری قوتوں کی شکست اور اتحادیوں کی فتح کے بارے میں مرزا محمود کے الہامات، روایات اور خوابوں کا تذکرہ درج تھا۔ کمیٹی کو

احمدیہ جماعت کی قدیم خدمات اور وفاداری کے ثبوت میں قادیانی مبلغ نے مرزا محمود کی مشہور کتاب ”تحفہ شہزادہ ولیز“ ۱۹۲۱ء کے نسخے بھی پیش کیے۔ اس کو عرب ممالک میں بھی مفت تقسیم کیا گیا۔ اس میں قادیانیوں کے سیاسی نظریات اور ان کی برطانوی راج کے لیے بے لوث وفاداری کا یقین دلایا گیا تھا۔ چاہے وہ ہندوستان میں ہو یا فلسطین میں۔

اپریل ۱۹۴۶ء میں کمیٹی نے اپنی رپورٹ تیار کی۔ اس نے انتداب کے تسلسل اور فلسطین میں فوری طور پر ایک لاکھ یہودیوں کی آمد کی سفارش کی۔ صیہونی دہشت گرد تنظیمیں پہلے ہی اپنی سرگرمیوں میں شدت پیدا کر چکی تھیں۔ درحقیقت انہیں فلسطین کا اختیار حاصل ہو چکا تھا۔ جولائی ۱۹۴۶ء میں انہوں نے کنگ ڈیوڈ ہوٹل اور اس میں موجود برطانوی حکومتی دفاتر کو دھماکے سے اڑا دیا تھا۔

الفضل نے اپنی شہ سرنی میں انگریزوں کو یہ ”دیانتدارانہ نصیحت“ کی کہ وہ یہ دیکھیں کہ فلسطین میں یہودیوں کی بزدل قوت آباد کاری چنگاری ثابت ہوگی۔ جسے کچھ لوگ شعلوں میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے اور پوری دنیا کو نکل لیں گے۔ اگر امریکہ کو مسلمانوں کی زود رنجی کا کوئی خیال نہیں ہے تو کم از کم برطانیہ ان کا ضرور خیال رکھے کیونکہ اس کے زیادہ تر مفادات انہی کے ساتھ وابستہ ہیں۔^(۱)

تخریب کاری:

قادیانیوں نے ان کڑے ایام میں اپنی ارتدادی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ”ایام تبلیغ“ منانے کی آڑ میں وہ فلسطین کے تمام حصوں میں پہنچے۔ قادیان کو بھجوائی گئی رپورٹ میں چوہدری محمد شریف یوں رقم طراز ہے۔

”بوجہ ہڑتال عام یہاں ستائیس اپریل کو یوم التلیغ منایا گیا۔ اس روز ہمارے احمدی احباب نے بصورت خود فلسطین کے مندرجہ ذیل شہروں حیفہ، ناصرہ، عکہ، طبریا، بیسان،

شفا عمرو، صفد، یافا۔ بیت اللحم، بیت المقدس، حل ایب، ترشحا میں تبلیغ اسلام کی اور پانچ ہزار کے قریب اشتہارات و کتب تقسیم کیے۔ اس دفعہ خدا تعالیٰ کے فضل سے کوئی خاص ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

اواخر دسمبر میں خاکسار (چوہدری محمد شریف) اور برادر مخ شیخ نور احمد صاحب بیت المقدس گئے تھے۔ چار پانچ روز تک برادر مخ موصوف کا بیت المقدس کے احباب سے تعارف کرا کر ضروری کاموں کی وجہ سے واپس آ گیا۔ برادر عزیز وہاں ایک ہفتہ اور مقیم رہے اور بیت المقدس اور غلیل کے بڑے بڑے عمائد کو سلسلہ کا پیغام پہنچایا۔ جن میں محمد علی الجبری پریذیڈنٹ غلیل میونسپلٹی، شیخ عبداللہ طہوب مفتی غلیل اور جملہ مشائخ صحرہ و مسجد اقصیٰ بیت المقدس اور مسٹر سی ایل سلینک پروفیسر جیوش یونیورسٹی (جس نے کوئی حرمہ کتبہ متعلقہ صلیب مسج دریافت کیا ہے) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ غلیل میں ایک دوست السید عبدالرزاق الحبیب باللہ نے آپ کے ذریعہ بیعت بھی کی۔

دوسرا سفر آپ کا عکہ کا تھا جہاں آپ کو ایک ضروری کام کے لیے بھیجا گیا۔ وہاں کے ادبائش لوگوں (یعنی مجاہدین آزادی اور مفتی اعظم کے جانبازوں۔۔۔ مولف) نے آپ کا محاصرہ کر لیا۔ مگر الحمد للہ آپ بخیریت حید پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو عکہ کے شریکوں سے محفوظ رکھا۔^(۱)

ان دنوں جب یہودی فلسطین میں اپنی ریاست کے قیام کی ہر ممکن کوششیں کر رہے تھے تو جلال الدین شمس کا مشرق وسطیٰ مشن کئی لحاظ سے اہمیت کا حامل تھا۔ اس نے ان جگہوں کا دورہ کیا جہاں صیہونی نیم فوجی تنظیمیں عربوں پر مسلسل حملے کر کے انہیں خوفزدہ کر رہی تھیں۔ اس نے یروشلم میں عرب رہنماؤں کے ساتھ فلسطین پر گفتگو کی۔ فلسطین سے قادیان بھجوائی گئی اطلاعات میں سے ایک میں شیخ نور محمد یوں رقم طراز ہے۔

”مکرم مولوی شمس صاحب اکتیس اگست کو قاہرہ سے حیدہ تشریف لائے۔ مقامی حالات کے مطابق جماعت حیدہ اور کبابیر نے استقبال کیا۔ تین ستمبر کو مکرم شمس صاحب مکرم

چوہدری محمد شریف فاضل اور خاکسار (شیخ نور احمد منیر) بیت المقدس ایک اہم مقصد کے پیش نظر روانہ ہوئے۔ اس سے قبل عاجز (نور احمد) ایک مہینہ بیت المقدس میں گزار کر اس اہم مقصد کے حالات اور تفصیلات معلوم کر چکا تھا۔ القدس میں مکرم الحاج علم دین صاحب سیالکوٹی نے ہماری رہنمائی کی۔ جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ مولوی صاحب نے یہاں السید عونى عبدلہادی بے سے بھی ملاقات کی اور قضیہ فلسطین کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ان کو بعض مشورے دیئے۔^(۱)

قادیانی مبلغ شیخ نور احمد آگے لکھتے ہیں کہ حیدر سے شمس صاحب شام گئے۔ وزیر خارجہ شام سے ملاقات کی۔ عراق کے ایک سابق وزیر اعظم سید سیدی سے بغداد میں گفتگو کی۔ اور قادیانی تنظیم الجمعۃ الہندیہ کے افراد سے بعض امور پر تبادلہ خیالات کیا ان واقعات کو مبلغ مذکور کے قلم سے ملاحظہ کریں۔

”سات اکتوبر کو صبح کے وقت مکرم شمس صاحب السید منیر الحسنی صاحب اور خاکسار دمشق کے لیے روانہ ہوئے۔ حکومت کی وزارت خارجہ نے مجھے (نور احمد) تین مہینے کی تحقیق کے بعد صرف ایک ماہ کے لیے شام میں ٹھہرنے کی اجازت دی۔ چونکہ اہل شام کو حال ہی میں آزادی ملی ہے اور یہاں کے مقامی سیاسی حالات دگرگوں ہیں۔ اس لیے اجنبی آدمی پر خاص نگرانی کی جاتی ہے..... یہاں کئی ایک سیاسی پارٹیاں ہیں جو اپنا کام کر رہی ہیں۔ حال ہی میں تین چار سو سو کو گرفتار بھی کیا گیا ہے۔ مکرم شمس صاحب نے مختصر قیام میں وزیر اعظم شام اور وزیر خارجہ سے ملاقات کی۔“^(۲)

بغداد کی آمدہ اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ مکرم شمس صاحب کو سید توفیق سیدی سابق وزیر اعظم عراق سے ملاقات کا موقع ملا۔ اور ریجنٹ سموالا میں عبداللہ سے بھی آپ نے ملاقات کی۔ الجمعۃ الہندیہ نے آپ کے اعزاز میں ٹی پارٹی دی۔“

سولہ اکتوبر کو شام کے قادیانی مبلغ امیر الحسنی کو ساتھ لے کر شمس قادیان کے لیے

روانہ ہوا تا کہ مرزا محمود احمد سے تازہ ہدایات حاصل کر سکیں۔ سر ظفر اللہ کے دورے کی روشنی میں قادیان میں ایک لائحہ عمل زیر غور تھا جسے ان قادیانیوں کی آمد کے بعد حتمی صورت دی گئی اور اس کی تکمیل کے لیے امیر الحسنی کو واپس شام روانہ کیا گیا۔

ایسا نظر آتا ہے کہ قادیانی عربوں کو فلسطین کے مسئلے پر ایک وفاقی منصوبہ فروخت کرنے کی ٹیگ و دو میں مصروف تھے۔ جسے ایک امریکی سفیر ہنری گارڈی اور برطانوی لارڈ آف پریذیڈنٹ آف کونسل لارڈ تھیوڈور مورسین نے پیش کیا تھا۔^(۱) اس منصوبے کے تحت فلسطین کو تین حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ بڑے حصے پر عربوں کی حکومت، نیکیو، ہیرشیا سے نیچے براہ راست انگلستان کے زیر تسلط اور پندرہ سو مربع کلومیٹر کا علاقہ یہودی وطن کے لیے علیحدہ کر دیا جانا تھا۔ عالمی صیہونی تنظیم نے اسے مسترد کر دیا۔ الفتوہ اور التجادہ، صیہونی بربریت کے خلاف مزاحمت کر رہی تھیں۔ عراق، شام اور لبنان فلسطین کے مستقبل کے بارے میں اپنے خدشات کا اظہار کر رہے تھے۔

سولہ اکتوبر کو شامی قادیانی مبلغ امیر الحسنی کے ہمراہ شمس قادیان روانہ ہوا۔ حسنی قادیان میں چند روز ہی رہا اور نئی ہدایا سنا لے کر پھر واپس شام چلا گیا۔

”لاہور پہنچنے پر ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نامہ نگار نے شمس صاحب سے ملاقات کی اور فلسطین کے مسئلے پر آپ کے تاثرات معلوم کیے۔ آپ نے بتایا کہ اس مسئلے کا حل کنفیڈریشن کے قیام میں مضمر ہے۔ واضح رہے یہ منصوبہ اس سے قبل یہودی لارڈ پریذیڈنٹ آف کونسل مسٹر مارین (Morrison) پیش کر چکے تھے لیکن صیہونی تنظیم نے اسے مسترد کر دیا تھا۔ شمس صاحب نے یہ گمراہ کن تاثر بھی دیا کہ بقول ان کے ”انگریز مسئلہ فلسطین کے بارے میں مسلمانوں کے حق میں نظر آتے ہیں۔“^(۲) یہ دعویٰ حقائق کے منہ پر طمانچہ رسید کرنے کے مترادف تھا۔ یہود کی مکمل جارحیت اور سامراج کی شرمناک چہرہ دستیوں کے باوصف ایسا بیان ایک فریب کار کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔

۱۔ افضل قادیان 25 اکتوبر 1946ء) مرزا محمود نے تھیوڈور مورسین کے ساتھ اس وقت بڑے قریبی تعلقات وضع کر لیے تھے۔ جب 1924ء میں وہ جلد مذہب عالم میں تقریر کرنے کے لیے لندن گئے تھے۔ مورسین نے سامعین سے ان کا تعارف کرایا تھا (افضل 21 اکتوبر 1924) دوسری جگہ تعلیم کے دوران اپنے ایک اہام میں مرزا محمود نے مورسین کا نام لیا۔

۲۔ افضل قادیان 10 اکتوبر 1946ء

ٹمس اور منیر الجھنی سے ملاقات کے بعد مرزا محمود نے فوراً ایک نئے قادیانی مبلغ رشید احمد چٹائی کو فلسطین روانہ کیا تاکہ صیہونی سازش کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔“

روسی امداد کی رویاء:

اینگلو امریکن کمیٹی کی ناکامی کے بعد برطانیہ نے عرب ریاستوں کے نمائندوں اور یہودیوں کو لندن بلایا تاکہ وہ کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔ لیکن کوئی تصفیہ نہ ہو سکا۔ بلکہ دونوں فریق ایک دوسرے سے ملنے اور ایک میز پر بیٹھنے کو تیار نہ تھے۔ تاہم وہ ایک بات پر متفق ہو گئے۔ وہ یہ کہ برطانوی افواج فلسطین سے نکل جائیں اور عرب اور یہودی آپس میں نبٹ لیں ادھر امریکہ اور روس دونوں برطانوی انتداب پر بدستور حملے کر رہے تھے۔

مشرقی یورپ کے یہودی، عالمی صیہونی تنظیمیں اور خود روس میں اعلیٰ عہدوں پر فائز یہودی افسر، روسی سربراہ مارشل شالن اور کمیونسٹ پارٹی پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ فلسطین میں آزاد یہودی ریاست کے قیام کے مطالبے کی حمایت کا واضح اعلان کرے۔ مارشل شالن بذات خود یہودی تھا اور اس امر کا غالب امکان تھا کہ وہ یہودی مفاد کے خلاف قدم نہیں اٹھائے گا۔

مئی ۱۹۴۷ء میں مرزا محمود نے ایک دلچسپ سیاسی رویاء شائع کیا۔ جس میں یہود کو متوقع روسی امداد کا یقین دلایا گیا تھا۔ اس میں انہوں نے یہ اشارہ دیا کہ روس اور برطانیہ میں اتفاق رائے ہو جائے گا۔ جس سے عرب ممالک میں تشویش بڑھ جائے گی۔ برطانوی صیہونی سامراج کے سیاسی کاہن مرزا غلام احمد کے پسر مرزا محمود احمد فرماتے ہیں۔

”پرسوں یا ترسوں رات کے وقت جب میری آنکھ کھلی تو بڑے زور کے ساتھ میرے

قلب پر یہ مضمون نازل ہو رہا تھا کہ برطانیہ اور روس کے درمیان ایک Modified

Treaty ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک میں بڑی بے چینی

اور تشویش پھیل گئی۔ فرمایا ماڈیفائیڈ کے معنی ہوتے ہیں سویا ہوا وسطی۔ میں سمجھتا ہوں کہ

یہ الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ غالباً بیرونی دباؤ اور بعض خطرات کی وجہ سے برطانیہ مخفی طور پر روس کے ساتھ کوئی ایسا سمجھوتہ کرے جس کی وجہ سے روسی دباؤ مشرق وسطیٰ پر بڑھ جائے گا۔ اس وقت میرے ذہن میں عراق، فلسطین اور شام کے ممالک آتے ہیں۔ یعنی ان ممالک کے اندر روس اور برطانیہ کے سمجھوتہ کر لینے کی وجہ سے گھبراہٹ اور تشویش پیدا ہوگئی کہ اگر یہ جو سختی کے ساتھ روس کی مخالفت کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ سمجھوتہ اس سے کس بناء پر کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ جو ہمیشہ روس کے مفاد کے راستے میں حائل رہتے تھے۔ اب بعض سیاسی حالات یا اغراض کے ماتحت اس کی مخالفت کو چھوڑ دیں گے اور ادھر روس بھی جو بعض باتوں میں برطانیہ اور امریکہ سے چپقلش رکھتا تھا۔ اب ان کی مخالفت کو ترک کر دے گا۔“ (۱)

اقوام متحدہ میں اور بین الاقوامی سطح پر روس نے صیہونیوں کی قیام اسرائیل کی سازش میں ہر ممکن مدد فراہم کی۔

اقوام متحدہ میں:

جب فلسطین کا معاملہ اقوام متحدہ میں پیش ہوا تو اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد روانہ کیا گیا۔ اس کے اراکین میں مرزا اے۔ ایچ اصفہانی (وائٹنگٹن میں پاکستانی سفیر) میر لیاقت علی، عبدالستار حمید زادہ اور بیگم تصدق حسین شامل تھے۔ وفد کی قیادت پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ قادیانی نے کی۔ ظفر اللہ یکم دسمبر ۱۹۴۷ء کو وزیر خارجہ بن گیا تھا۔ فلسطین کے متعلق اقوام متحدہ میں پاکستان نے جو موقف اختیار کیا وہ یہ تھا کہ بالفور اعلان اور لیگ آف نیشنز کا انتخاب غیر قانونی تھے۔ عوام کی خواہشات کے برعکس تھے اور تقسیم اقوام متحدہ کے منشور کے خلاف تھی۔ (۲)

ایڈ ہاک کمیٹی نے جس کے حوالے جنرل اسمبلی نے مسئلہ فلسطین کیا تھا، اس

۱۔ الفضل قادیان 30 مئی 1947ء دیکھئے (مرزا محمود کی دینی اور پیش گوئیوں کی کتاب) المہمات۔ رولہ۔ صفحہ 293۔
۲۔ دیکھئے جنرل اسمبلی میں ظفر اللہ کی تقریریں۔ سرکاری ریکارڈ 126 بلنری میٹنگ۔ 28 نومبر 1947ء صفحہ 1366 1379C۔

مسئلہ پر بحث کے لیے دو ذیلی کمیٹیاں تشکیل دے دیں۔ دونوں ذیلی کمیٹیاں اس طرح تشکیل دی گئیں کہ پہلی ذیلی کمیٹی کے تمام اراکین تقسیم کے حق میں تھے اور دوسری ذیلی کمیٹی کے تمام اراکین تقسیم کے مخالف تھے۔ چنانچہ ان دونوں ذیلی کمیٹیوں کی طرف سے کسی مصالحتی حل کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس صورتحال کے ازالے کے لیے دوسری ذیلی کمیٹی کے چیئرمین نے جو کہ کولمبیا کا نمائندہ تھا، ایڈ ہاک کمیٹی کے چیئرمین سے استدعا کی کہ اس ذیلی کمیٹی کے دو رکن عرب ریاستوں کی بجائے دو غیر جانبدارانہ رویہ رکھنے والی ریاستوں سے لے کر ان کی نامزدگی کر دی جائے جو اس سے مستغنی ہونے میں رضامندی رکھتی ہوں۔ ایڈ ہاک کمیٹی کے چیئرمین کے انکار پر کولمبیا نے چیئرمین کے عہدے سے استغفی دے دیا اور اس کی جگہ ظفر اللہ کو ذیلی کمیٹی کا صدر منتخب کر لیا گیا۔^(۱)

پہلی ذیلی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں یروشلم کو بین الاقوامی حیثیت دینے، بقیہ فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کرنے جو عرب اور یہودی حصوں پر مشتمل ہوں مگر ان کی معاشی کمیٹی ایک ہی ہو۔ جیسے امور پر مبنی سفارشات پیش کیں۔ دوسری کمیٹی نے تمام فلسطین کے لیے ایک وحدانی ریاست اور یہود اور فلسطینیوں کے حقوق کے آئینی تحفظات کی سفارش کر دی۔

مسئلہ فلسطین اور قادیانی سرگرمیاں:

اگرچہ مرزا محمود قادیان چھوڑ کر لاہور آ گئے تھے اور انہیں پاکستان میں اپنا مرکز قائم کرنے میں سخت دشواریوں کا سامنا تھا۔ پھر بھی انہوں نے فلسطینی مسئلہ سے نظر نہیں ہٹائی۔ جب معاملہ اقوام متحدہ میں زیر بحث تھا انہوں نے نائیجیریا کے قادیانی مبلغ حکیم فضل رحمن کو ہدایت کی کہ وہ فوری طور پر فلسطین جائے۔ ولی اللہ شاہ کد مشرق وسطیٰ اور جلال الدین قمر کو مشرقی افریقہ بھجوایا کہ وہ انہیں معاونت فراہم کریں۔ حکیم فضل رحمن اکتیس اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بیروت پہنچا۔ فلسطین میں قادیانی مبلغ شیخ نور احمد لکھتا ہے۔

”حکیم صاحب یکدم بیروت پہنچے اور مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ میں وزیر اعظم لبنان

جیل بیک کے عم زاد سے ملے لبنان گیا ہوا تھا۔ لبنان سے واپسی پر میں حکیم صاحب سے ملا۔ چونکہ انہیں پاکستان پہنچنا تھا۔ اس لیے وہ جلد از جلد فلسطین جانا چاہتے تھے۔ تاہم وہ چار نومبر کو فلسطین چلے گئے۔ جماعت کبائیر نے انہیں خوش آمدید کہہ حکیم صاحب نے یروشلم، نامرۃ اور عکہ کے شہروں کا دورہ کیا۔ وہ عرب لیگ کمیٹی کے ممبران سے ملنا چاہتے تھے مگر وقت کی کمی کی وجہ سے ان سے نہ مل سکے۔ وہ دس دن فلسطین میں رہے اور پھر دمشق چلے گئے۔^(۱)

نور احمد مزید بیان کرتا ہے کہ وہ ایک بہت ہی اہم کام کے سلسلے میں بیروت گیا۔ دمشق سے اس کی غیر حاضری کے دوران حکیم صاحب نے فوجی افسران کے علاوہ کئی بیرونیوں اور وکلاء سے ملاقاتیں کیں۔ بائیس نومبر ۱۹۴۷ء کو حکیم صاحب کراچی کے لیے روانہ ہو گئے۔^(۲)

اقوام متحدہ میں فلسطین کا مسئلہ زیر بحث تھا اور فلسطین میں عرب مظلوموں کا قتل عام جاری تھا۔ لاہور میں مرزا محمود احمد اپنی مجلس علم و عرفان (اٹھائیس اکتوبر ۱۹۴۷ء) میں مرزا غلام احمد کے اس الہام کی تفسیر میں جو فلسطین میں قادیانی مسجد محمود کے محراب پر کندہ ہے..... یدعون لک ابدال..... شام کے ابدال تیرے لیے دعا کرتے ہیں۔ بڑے درد بھرے انداز میں اپنے مریدوں کو بتا رہے تھے کہ اس الہام کی رو سے جماعت احمدیہ کے ایک حصہ کو شام جانا پڑے گا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی کے الہام اور مرزا محمود کی تفسیر کے تحت قادیانی کسی وقت جب کہ پاکستان میں حالات سازگار نہ رہیں، اسرائیل چلے جائیں گے۔
الفضل لاہور لکھتا ہے:

”حضور (مرزا محمود) نے حضرت مسیح موعود کے الہام یدعون لک ابدال شام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ایک دوست نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ حضرت مسیح موعود کے امتلاؤں

۱۔ الفضل لاہور ۱۲ نومبر ۱۹۴۷ء۔

۲۔ الفضل لاہور ۱۲ نومبر ۱۹۴۷ء۔

والے الہامات کے ساتھ اس الہام کا بھی ذکر ہے۔ حضور نے فرمایا۔ یہ الہام پہلے ہی میرے مد نظر ہے۔ یہاں (پاکستان) کے حالات مخدوش ہیں۔ ممکن ہے کسی وقت ہم میں سے ایک حصہ کو شام جانا ہی پڑے۔ اس الہام کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ابدال شام ہمارے لیے خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ دوسرا یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ ابدال شام ہمیں بلاتے ہیں۔^(۱)

ترمیم شدہ منصوبہ:

سر ظفر اللہ نے اقوام متحدہ میں پاکستان کے مسئلہ فلسطین پر موقف کی مطابقت میں منصوبہ تقسیم کی مخالفت کی۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ قائد اعظم نے ہمیشہ خصوصاً ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۸ء تک فلسطین کے مسئلہ پر ملکی کانفرنسوں انٹرویو اخباری بیانات کے ذریعے اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاسوں، کونسلوں اور مجلس عاملہ کے اجلاسوں میں قراردادوں کے ذریعے حمایت کی۔ پاکستان کا نقطہ نظر بڑا واضح تھا۔^(۲) رائٹر کے نامہ نگار ڈکن ہوپر (پچیس اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک سوال کے جواب میں قائد اعظم نے فرمایا: ”اقوام متحدہ میں ہمارے وفد کے سربراہ سر ظفر اللہ نے فلسطین میں ہونے والی تازہ ترین تبدیلیوں پر ہمارے موقف کی بڑی واضح تشریح کی ہے۔“^(۳))

یہ ایک حیران کن امر ہے کہ جب اقوام متحدہ میں منصوبہ تقسیم پر بحث جاری تھی۔ ظفر اللہ نے اس میں ترمیم پیش کرنی شروع کر دیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر اس میں تھوڑی سی ترمیم ہو جائے تو بہتر ہے وہ بنیادی طور پر منصوبہ تقسیم سے متفق تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ انہوں نے سیکنڈے نیوین ممالک کے نمائندوں کے ایماء پر ایسا کیا تاکہ تقسیم کے منصوبہ کو لنگڑا لولا کر دیا جائے۔ سر ظفر اللہ کہتے ہیں کہ انہوں نے محض اراکین کمیٹی کا رد عمل معلوم کرنے کے لیے ترمیم کی تجویز پیش کی تھی جو ترمیم ہم سب نے پیش کیں ان

۱۔ الفضل لاہور۔ 30 اکتوبر 1947ء۔

۲۔ قائد اعظم اور عالم اسلام۔ تدوین و تالیف حمید ظفر علی اور محمد ریاض ملک۔ کراچی۔ 1978ء صفحات 50-125۔

۳۔ ایضاً۔

کو رائے شماری کے بعد فوراً قبول کر لیا گیا۔ فلسطینی وفد کے سربراہ سید جمال الحسینی نے بڑی عجلت میں اس سے رابطہ کر کے اس سے پوچھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ ظفر اللہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کے سامنے حقیقت حال واضح کی اور ڈنمارک کے نمائندے کی چال سے مطلع کیا۔^(۱) جمال الحسینی نے حد درجہ حیرانگی سے پوچھا کہ اگر اس کی مجوزہ تمام ترامیم منظور ہو جائیں تو کیا تم بھی منصوبہ تقسیم کی حمایت میں رائے دو گے؟

ظفر اللہ: ہرگز نہیں ہم پھر بھی پرزور مخالفت کریں گے لیکن اتنا تو ہوگا کہ تقسیم کے منصوبے کمزور ہو جائیں گے۔ اگر منصوبہ منظور ہو بھی گیا تو اتنا برا نہیں ہوگا جتنا اس وقت ہے۔

جمال الحسینی: ہمارے لیے تو بڑی مشکل ہوگی۔

ظفر اللہ: آپ عرب ریاستوں کے نمائندوں کو کہہ دیں کہ بے شک ترمیم کے حق میں رائے نہ دیں غیر جانبدار رہیں۔

جمال الحسینی: مشکل تو پھر بھی حل نہیں ہوئی۔

ظفر اللہ: کیا مشکل ہے؟

جمال الحسینی: مشکل یہ ہے کہ اگر تقسیم ہمارے حقوق کو واضح طور پر غصب کرنے والی نہ ہو تو ہمارے لوگ اس کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے اور ہمیں سخت نقصان پہنچے گا۔ تم مہربانی کر کے اور کوئی ترمیم پیش نہ کرو۔

ظفر اللہ: میں خاموش ہو گیا۔

ظفر اللہ کی اصل نیت کیا تھی؟ کیا وہ ایک متحدہ فلسطین کے لیے ایک وحدانی طرز حکومت کی بجائے ایک ترمیمی منصوبہ تقسیم کی حمایت کر کے مسئلہ فلسطین کو تباہ کرنے کے درپے تھا؟ مسئلہ فلسطین پر پاکستانی موقف کو اس نے کس حد تک اجاگر کیا؟ یہ سوال ایک مناسب جواب کا متقاضی ہے۔

ظفر اللہ نے اپنی تقریر میں یورپ میں یہودیوں کی کسمپرسی پر ان کے ساتھ

اظہار ہمدردی کیا۔ اس نے یہ وکالت کی کہ ان کے مسئلے کا درست حل یہ تھا کہ جن ملکوں میں وہ بستے تھے ان میں ان کا دوبارہ انجذاب ہو جائے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو انہیں نئے وسیع ممالک میں بسنے کے مواقع مہیا کیئے جائیں جو چھوٹے سے فلسطین کی بجائے بہت زیادہ رقبہ اور وسائل کے حامل ہیں۔^(۱)

منصوبہ تقسیم کے حامی اس منصوبہ کی کامیابی کو ہر قیمت پر دیکھنا چاہتے تھے۔ چھبیس نومبر ۱۹۴۷ء کو ہونے والے اجلاس عام میں رائے شماری ہونا تھی۔ مگر ظفر اللہ کے مطابق اگر اس دن اسے رائے شماری کے لیے پیش کر دیا جاتا تو تقسیم کے منصوبہ کی کامیابی ممکن نہ تھی۔ مگر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے کہا کہ (اٹھائیس نومبر کو) یوم تشکر پر اقوام متحدہ کا عملہ کام نہیں کرے گا۔ (دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے دن کو یوم تشکر کے طور پر منایا جاتا ہے) لہذا معاملے کو موخر کر دیا جائے۔ جب التواء کے بعد معاملہ اصل رائے شماری کے لیے پیش ہوا تو کچھ ریاستوں نے جن کے نمائندے تجویز تقسیم کے مخالف تھے امریکہ کے دباؤ کے باعث اس کے حق میں ہو گئے اور انیس نومبر کو جنرل اسمبلی نے تقسیم کی قرارداد کی منظوری دے دی۔ منصوبہ تقسیم کے لیے مطلوبہ دو تہائی اکثریت حاصل کر لی گئی جسے امریکہ اور سوویت یونین دونوں کی حمایت حاصل تھی۔^(۲) سر ظفر اللہ اس بات کا قائل ہے کہ یہ تمام تبدیلیاں صدر ٹرومین کی ذاتی مداخلت پر وقوع پذیر ہوئیں۔^(۳) اظہار تشکر کے وقفے کے دوران جب امریکہ منصوبہ تقسیم کی کامیابی کے لیے مطلوبہ اکثریت کے حصول کی خاطر وقت لے رہا تھا تو ایک نامہ نگار نے ظفر اللہ سے سوال کیا۔ ”عربوں اور یہودیوں کے مابین کامیاب گفت و شنید کی بنیاد کیا ہو سکتی ہے؟“ اس نے جواب دیا۔ ”اگر دونوں مجھے ثالث تسلیم کر لیں۔ اس معاملے کو صحیح طریق پر حل کر سکتا ہوں۔“^(۴) یہ واضح نہیں ہو سکا کہ کیوں اور کس حیثیت

۱۔ کے سرور۔ صفحہ ۱۷۰۔

۲۔ ایبنا۔ حرید دیکھئے۔ تاریخ احمدیت۔ جلد ۱۲۔ صفحہ ۲۶۷۔

۳۔ برقی۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی۔ لندن ۱۹۷۳۔ صفحہ ۱۳۸۔

۴۔ الفضل۔ لاہور۔ ۳۰ نومبر ۱۹۴۷ء۔

میں اُس نے ہاشمی کے لیے اپنی خدمات پیش کیں اور فلسطین کے مسئلے پر پاکستان کے واضح موقف سے اس کی کتنی مطابقت ہے؟

اسرائیل کی تخلیق پر احمدیہ رد عمل کیا تھا۔ الفضل لاہور نے یہودی ریاست کی تخلیق اور تقسیم کی غیر منصفانہ قرارداد پر ایک چھوٹا سا کالم لکھا۔ اسے عربوں کے لیے ایک عظیم شکست قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے دور روشن پہلوؤں کو بھی واضح کیا۔ پہلا یہ کہ اب مغرب کے متعلق اچھی امیدیں قائم کرنے کی بجائے عرب ممالک کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اپنے پاؤں پر کس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ ثانیاً عرب ممالک کو اتحاد کے فوائد کا بھی احساس ہو جائے گا۔^(۱)

قادیانی اخبار نے تقسیم فلسطین کی نہ تو کبھی مذمت کی نہ ہی کسی بھی طریقے سے سامراجی و صیہونی سازشوں کو بے نقاب کیا۔ اس کے برعکس مرزا محمود نے ”قیام اسرائیل“ کو اس پیش گوئی کا مصداق قرار دیا جو پہلے سے قرآن احادیث اور انجیل مقدس میں موجود تھی۔^(۲) قادیانی اکابر اس بات پر بھی زور دیتے رہے کہ مرزا محمود نے ایک خواب میں یہ سب دیکھا ہے جو اقوام متحدہ میں ہوا۔ انہوں نے ”ترمیم شدہ معاہدے“ کی پہلے سے پیش گوئی کر دی تھی اور واضح طور پر یہودی ریاست کے لیے سوویت حمایت کو ثابت کر دیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ اسرائیل کی تخلیق کے بعد ان کی اس پیش گوئی کی شاندار تکمیل ہوئی ہے۔^(۳)

ظفر اللہ کا کردار:

پاکستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے اقوام متحدہ میں ظفر اللہ کے لیے لازمی تھا کہ وہ مسئلہ فلسطین پر پاکستانی موقف کو پیش کرے۔ آئی ایچ اصفہانی کا کہنا ہے کہ

۱۔ الفضل لاہور۔ 3 دسمبر 1947ء۔

۲۔ الفضل لاہور۔ 11 دسمبر 1947ء۔

۳۔ الفضل لاہور۔ 12 دسمبر 1947ء۔

سہ ماہی اے جناح اصفہانی خط و کتابت۔ ایڈیٹر۔ آئی ایچ اے۔ کراچی 1973ء صفحہ 138۔

ظفر اللہ نے عمدگی سے ایسا کیا۔^(۴) دراصل ظفر اللہ پاکستان کا مندوب تھا قادیان کا ترجمان نہیں تھا مگر یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جب کبھی ”یہودی عزائم“ کی حمایت میں قادیانی کردار کو بے نقاب کیا جاتا ہے تو وہ پاکستانی پولیس کے تبصروں کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ تبصرے ظفر اللہ کی اقوام متحدہ میں تقریر پر کیئے گئے تھے۔ اس طرح وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ مسئلہ فلسطین پر پاکستان اور قادیانیوں کا موقف ایک ہی تھا۔ یہ سب کچھ محض اصل حقائق کو چھپانے کے مترادف ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کے بعد ظفر اللہ نے پاکستان کے موقف کو عرب ممالک کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسے قادیانیت کی ترویج کے لیے استعمال کیا۔ اقوام متحدہ سے واپسی پر وہ دانستہ شام میں احمدیہ جماعت کے پاس کچھ وقت گزارنے کے لیے ٹھہرا۔^(۱) دمشق کے ہوائی اڈے پر شامی وزراء کے علاوہ قادیانی مبلغ نور احمد منیر اور دیگر افراد اس کے استقبال کے لئے موجود تھے۔

سر ظفر اللہ نے اس موقع پر قادیانی جماعت کے وقار کو بلند کرنے کے لیے ان سے بے تکلفانہ گفتگو کی اور شامی اکابر کے مقابلے میں قادیانیوں سے زیادہ گرم جوشی سے ملا۔ شامی وزراء چونکہ اور متحیر ہو گئے۔ ہوائی اڈے پر اس کا پاکستانی نمائندے کی حیثیت سے استقبال کرنے والوں میں فائزہ الرئیس السید شکر المی القوتلی بک کے ذاتی نمائندے سید سہیل العی، شامی وزراء کی طرف سے استاذ عارف حمزہ، السید غالب میوز بک جنرل سپرنٹنڈنٹ پولیس، عرب لیگ کی طرف سے استاذ معین بک الماضی اور عزت بک دروزہ شامل تھے۔ سر ظفر اللہ نے ہوائی اڈے پر اتر کر شامی رہنماؤں اور استقبال کرنے والوں سے سرسری مصافحہ کیا اور قادیانی جماعت سے بڑی گرم جوشی سے ملا اور بھرپور بے تکلفی اور اپنائیت کا اظہار کیا۔ مصافحے اور معافے کئے۔

۱۔ ظفر اللہ کہتا ہے کہ سفر فارس غوری جو کہ اقوام متحدہ میں شام کے مندوب تھے۔ انہوں نے واپسی پر دمشق رکنے کے لیے کہا تھا تا کہ وہ چھ عرب ممالک کے وزرائے خارجہ، اقوام متحدہ کے اراکین کو وہ سب کچھ بتائے جو ہیں پر وہ مسئلہ فلسطین پر طے پا چکا تھا۔ (سروٹ آف گاڈ۔ صفحہ

قادیانی مبلغ نور احمد اپنی رپورٹ میں تحریر کرتا ہے کہ:

”اس موقع پر عرب لیگ کے نمائندے نے پولیس افسر سے کہا۔ ”من حواء“ یہ کون لوگ ہیں۔ مگر ان کو یہ علم نہ تھا کہ مکرم چوہدری صاحب ہماری خواہش کے مطابق یہاں تشریف لا رہے ہیں اور آپ کی آمد ہمارے لیے ضرور کا موجب ہے اور انہی جذبات و احساسات کے پیش نظر ہر چھوٹا بڑا جماعت کا دوست آپ سے معاف کر رہا تھا اور اس نظارہ نے تمام حاضرین کو حیران کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ مکرم چوہدری صاحب ایک اجنبی کی حیثیت سے یہاں تشریف لا رہے ہیں چنانچہ دمشق اخبارات نے جہاں اس موقع پر یہ ذکر کیا کہ آپ کا سرکاری طور پر استقبال کیا گیا وہاں جماعت کے استقبال کا بھی نمایاں طور پر ذکر کیا گیا اور اہالیان دمشق کو جماعت کے علمی اور سیاسی مقام کا علم ہوا۔“

فائزہ رئیس شکرہ القوتی (شام کے صدر۔ مولف) نے کہا کہ انہیں (سرظفر اللہ) کو دعوت دی کہ مورخہ ۱۳/۱۲/۷۷ کو دوپہر کا کھانا تناول فرمائیں اور ساتھ ہی عاجز کو بھی کہا۔ نیز آپ حکومت کے مہمان ہیں اور آپ کے لیے ہوٹل میں کمرہ کا خاص انتظام کیا گیا ہے۔ مکرم چوہدری صاحب نے اس عاجز (قادیانی مبلغ نور احمد۔۔۔ مولف) کو کہا کہ میری طرف سے پریذیڈنٹ کو ان الفاظ میں عرض کر دیں۔

”میری درخواست ہے کہ مجھے اپنے احمدی بھائیوں کے پاس قیام کی اجازت دی جائے مگر آپ کی خواہش کے احترام میں آج کی رات ہوٹل میں گزاروں گا۔“

عاجز (قادیانی مبلغ۔۔۔ مولف) نے اس فہرے کا معنوی ترجمہ کر دیا۔ اس پر السید شکر القوتی نے بڑی حیرانی اور تعجب سے دریافت کیا کہ کن کے پاس آپ کا قیام ہوگا؟ اس پر عاجز نے ان کو تفصیل سے بتایا کہ ہم نے چوہدری صاحب کا انتظام کیا ہوا ہے؟

”پریذیڈنٹ کے دفتر سے فارغ ہونے کے بعد ہم دمشق کے بڑے خوبصورت ہوٹل اورینٹل ہٹل میں آ گئے جہاں مکرم چوہدری صاحب کے لیے حکومت کی طرف سے انتظام کیا گیا تھا۔ شام کے کھانے پر پریذیڈنٹ کے خاص نمائندے نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد آپ جماعت کے دوستوں سے گفتگو کرتے رہے اور جو

دوست نہ آ سکے ان کی خیر و عافیت کے متعلق بھی دریافت کرتے رہے۔ دوسرے دن صبح ساڑھے نو بجے پروگرام کے مطابق آپ مکرم الحاج بدر الدین الحسنی (قادیانی) کے مکان پر تشریف لے آئے۔^(۱)

لبنان میں ظفر اللہ قادیانی مفتی اعظم فلسطین سے ملا اور وہاں اعلیٰ حکام کے ساتھ مسئلہ فلسطین پر تبادلہء خیال کیا۔ وزیر اعظم لبنان جمال بیک کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ جس میں چند دیگر قادیانی بھی موجود تھے۔ صدر کے ساتھ ملاقات کے دوران چند اہم سیاسی مسائل زیر غور آئے۔ بیروت میں لبنانی پارلیمان کے صدر شیخ محمد جبار کی بیوہ ام جازم سیاسی سرگرمیوں میں مشغول تھی۔ اس نے اور اس کے شوہر نے سیاسی وجوہات کی بناء پر قادیانیت قبول کر لی تھی۔

ظفر اللہ نے واپسی پر مرزا محمود کو تجویز پیش کی کہ عرب ریاستوں میں نئے مشن قائم کیئے جائیں تاکہ مسیح موعود کا پیغام دنیا کے کناروں تک پہنچے۔ چنانچہ آنے والے سالوں میں اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے انہوں نے مشرق وسطیٰ میں اپنے مبلغین روانہ کیئے۔

اسرائیل میں سرگرمیاں:

صیہونی ریاست اسرائیل کے قیام کے فوراً بعد فلسطین کے باشندوں نے صیہونیوں کے خلاف مکمل اعلان جنگ کر دیا۔ فلسطین کے عربوں کی حمایت میں شام، لبنان، اردن اور مصر کے عرب ممالک مکمل کر میدان میں آ گئے۔ سعودی عرب اور یمن نے جنگ میں اپنی شمولیت کا اعلان عرب ممالک کی حمایت کر کے کیا۔ عرب ریاستوں کے بہت سے علاقوں کو مسلح تصادم کے بعد اسرائیلی ریاست میں شامل کر دیا گیا۔ انتیس نومبر ۱۹۴۷ء کا اقوام متحدہ کا ایک عرب ریاست کے قیام کا فیصلہ نامکمل ہو کر رہ گیا۔ اسرائیل نے فلسطین کا تقریباً ۴/۵ حصہ زبردستی قابو کر لیا۔ چوہدری محمد شریف نے اسرائیل کی اس جارحیت کو ”فتوحات“ کا نام دیتے ہوئے اسرائیل سے پاکستان یہ اطلاع بھجوائی۔

دستیس اپریل ۱۹۴۸ء کو یہودیوں نے حیفہ فتح کر لیا۔ چوبیس اور پچیس مئی کو انہوں نے ملکات پر قبضہ کر لیا۔ اس سلسلے میں پچیس تاریخ کو ماؤنٹ کرمل پر واقع عرب آبادی کا صبح ہوتے ہی چاروں اطراف سے مسلح فوجوں نے محاصرہ کر لیا اور ہمارے سامنے دو شرائط پیش کیں۔ ہجرت کرنا چاہیں تو ہتھیاروں اور جس قدر سپاہی آپ کے پاس مقیم ہیں وہ ہمارے سپرد کر دیں۔ ہم نے ارشاد نبوی من قتل دون حالہ و عرضہ فہر شہید (جو شخص اپنی دولت یا جاگیر کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے) پر عمل کر رکھا تھا۔ سپاہی کوئی ہمارے ہاں آیا نہ تھا۔ مغرب تک گوشہ گوشہ تلاش کر کے تفتیش کر کے آل کلیئر دیئے گئے۔^(۱)

مرزا محمود نے اسرائیل میں قادیانی مرکز کی اہمیت کا بخوبی احساس کر لیا تھا۔ فلسطین میں برطانوی انتدابی نظام کے خاتمے کے ایک روز قبل اس نے لاہور سے اسرائیل میں موجود قادیانی جماعت کو ایک خصوصی پیغام بھجوایا۔ انہوں نے کبابیر کی قادیانی جماعت کو ہدایت کی کہ وہ یہودیوں کو اپنی زمین فروخت نہ کریں۔ تاریخ احمدیت کا مؤلف دوست محمد شاہد رجسٹر کارروائی مشاورتی اجلاس رتن باغ لاہور کے پندرہ مئی ۱۹۴۸ء کی ایک غیر مطبوعہ کارروائی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے اسرائیل کے قادیانیوں کو مندرجہ ذیل پیغام بھجوایا۔

”شام والوں کو لکھا جائے کہ کسی نہ کسی طرح کبابیر والوں کو اطلاع دیں کہ ننگی کے دن صبر

سے گزاریں اور کسی قیمت پر بھی کبابیر کی زمین یہود کے پاس فروخت نہ کریں۔“^(۲)

صیہونی تنظیموں نے عرب دیہاتوں کی تباہی اور وحشیانہ قتل و غارت گری کر کے بدلہ لیا۔ بچوں اور ضعیفوں کو بے رحمانہ طریقے سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہودی دہشت پسند تنظیموں نے پورے گاؤں دیر یا سین کی آبادی کو بے رحم طریقے سے قتل کر دیا۔ نہتے فلسطینی انتہائی دہشت اور ناامیدی کے عالم میں اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگ

کھڑے ہوئے۔ انہی ایام میں احمدی مبلغوں کو فلسطینی پناہ گزینوں کی زبوں حالی سے فائدہ اٹھانے کا زبردست موقع مل گیا۔ وہ پناہ گزینوں کی بستیوں کا دورہ کرتے اور انہیں مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے۔ وہ ساتھ ساتھ صیہونیوں کے لیے باسوسی کرتے اور انہیں فلسطینیوں کی مزاحمتی کارروائیوں سے آگاہ کرتے۔

اگست تا اکتوبر ۱۹۴۸ء کے دوران کی اسرائیل سے پاکستان کو بھجوائی گئی اطلاع میں رشید احمد چغتائی کہتا ہے۔

”فلسطین کے شہر صور اپنے حید کے احمدی بھائیوں تک پہنچنے کے سلسلے میں گیا۔ جہاں فلسطینی پناہ گزینوں میں تبلیغ کی۔ احمدی بھائیوں کی خواہش پر دو یوم یہاں قیام کیا۔ تبلیغ کے علاوہ ان کی تربیت کے لیے بھی وقت صرف کیا۔ یہاں آتیس آدمیوں کو تبلیغ کی ایک شخص سے خاص طور پر تبادلہ خیالات دو روز تک چار سے چھ گھنٹے تک ہوتا رہا۔ انہیں بعض کتب بھی مطالعہ کے لیے دی گئیں۔“ (۱)

قادیانیوں نے خیموں اور کھلے آسمان تلے رہنے والے بے بس پناہ گزینوں کی کسمپرسی کو پس پشت ڈالتے ہوئے یہ شرمناک حرکات جاری رکھیں۔ چوہدری شریف نے اسرائیل سے پاکستان میں پندرہ اپریل ۱۹۴۸ء سے لے کر جون ۱۹۴۹ء تک کے عرصے کی رپورٹ ارسال کی۔ وہ لکھتا ہے:

”ہماری آنکھوں کے سامنے شہر گر گئے آبادیاں ویران ہو گئیں۔ ان ایام میں جب چاروں طرف گولیاں برستی تھیں اور ہر رات معلوم ہوتا تھا کہ صبح ہم پر طلوع ہوگی یا نہیں۔ دعوت احمدیت کا کام باوجود محصور ہونے کے جاری رکھا۔“ (۲)

نا قابل عمل تجویز:

سولہ مئی ۱۹۴۸ء کو فلسطین سے برطانوی فوجوں کے انخلاء کے وقت مرزا محمود

نے مسئلہ فلسطین پر اردو میں ایک پمفلٹ لکھا۔ مشرق وسطیٰ میں اس کی وسیع پیمانے پر تشہیر کے لیے اس کا عربی ترجمہ عراق سے شائع کرایا گیا۔ اس کتابچے کا مرکزی خیال یہ تھا کہ:

”یہودی ارض فلسطین پر کتب مقدسہ کی پیش گوئیوں کے مصداق قابض ہوئے ہیں۔ ان کی نیت اسلام کے مقدس مقامات پر قبضہ کرنے کی ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا دشمن سوویت یونین ہے۔ اس کی پالیسیاں امریکہ کی نسبت اسلام کے لیے کئی گنا خطرناک ہیں۔ پاکستان کے مسلمانوں کو اپنی جائیدادوں کا کم از کم ایک فیصد حکومت کو دے دینا چاہئے۔ اس طرح ایک ارب روپے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ اسلامی دنیا اس مثال کی پیروی کرے گی اور اس طرح پانچ سے چھ ارب روپے اسلحہ کی خریداری کے لیے مغربی ممالک کی مخالفت کے باوجود اکٹھے ہو جائیں گے۔ اسلام کے مقامات مقدسہ خطرے میں ہیں، انہیں بچانے کے لیے مسلمانوں کو متحد ہو جانا چاہئے۔“

آخر میں اس بات پر زور دیا گیا کہ بلاشبہ قرآن اور احادیث کی پیش گوئیوں میں یہ بات درج ہے کہ:

”یہودی ایک بار پھر فلسطین میں آباد ہو جائیں گے لیکن ہمیشہ کی حکومت عباد الصالحون کی ہے۔ اس پیش گوئی کا عرصہ تقویٰ سے کام لے کر ٹھک کر دیں۔ شاید اس قربانی سے مسلمانوں کی بے دینی دین سے ان کی بے ایمانی ایمان سے اور ان کی کستی چستی سے اور ان کی بد عملی سستی بہیم سے بدل جائے۔“ (۱)

یہ پمفلٹ نہ تو اسرائیل کی مذمت میں ہے۔ نہ ہی عربوں کے خلاف وحشیانہ پالیسیوں سے متعلق ہے۔ ایک فیصد جائیداد کے جمع کرانے کی تجویز نہ صرف ناقابل عمل ہے بلکہ مضحکہ خیز بھی۔ تقسیم ہند کے وقت مسلمان مہاجرین کے پاس نہ تو کوئی جائیدادیں تھیں نہ ہی کوئی سر چھپانے کی جگہ۔ قادیانی خلیفہ اسرائیلی جارحیت کی مذمت کیے بغیر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ عربوں کے مفاد میں آواز اٹھا رہے ہیں۔ ان کا ایک مقصد

مستقبل میں استعماری اڈے قائم کرنے کے لیے عرب ممالک میں قدم جمانا تھا۔ احمدی اپنے آپ کو ہمیشہ ”مسیحی“ اور ”منتخب“ افراد شمار کرتے تھے جو کہ آخر کار اسرائیل میں آباد ہوں گے۔^(۱) مسیح موعود کی پیش گوئیوں پر پکا ایمان رکھنے والے قادیانیوں نے مرزا غلام احمد کی وحی ”میں نے اسرائیل کو ضرر سے بچا لیا“۔ ”فرعون اور ہامان۔ دونوں کی فوجیں غلط راستے پر ہیں“۔ ”عربوں کے لیے مفید راستہ۔ اپنے وطن سے سفر پر نکل پڑے“ کا تعلق ”فلسطین میں یہودیوں کی بحالی“ سے جوڑ دیا۔ ”ریویو آف ریلیجنس۔ ریوہ“ وضاحت کرتا ہے۔

”اس پیش گوئی کا مصداق بڑے واضح انداز سے تکمیل پذیر ہو چکا ہے۔ جنگ عظیم (۱۹۱۴ء) ابھی ختم نہیں ہوئی تھی جب مسٹر بالفور نے جنگ کے نتیجے کے طور پر یہ اعلان کیا کہ اسرائیل کے لوگ جو کہ ”بے وطن“ ہیں، ان کے آبائی وطن ”فلسطین“ میں بسایا جائے گا۔ اتحادی قوتوں نے اسرائیلی لوگوں سے وعدہ کیا کہ ماضی میں ان کے ساتھ ہونے والی بے انصافیوں کا ازالہ کیا جائے گا۔ ان اعلانات کی مطابقت میں فلسطین کو ترکی سے لے کر اسے یہودیوں کا وطن قرار دیا گیا۔ فلسطین کی انتظامی شکل اس طرح تبدیل کی گئی کہ اسے یہودیوں کا وطن بنانے میں آسانی رہے۔ یہودیوں کا قدیم مطالبہ کہ ”ان کی قومی یکجہتی کو مضبوط کرنے والے حالات پیدا کیے جائیں“ پورا کر دیا گیا۔“

قادیانی رسالہ مزید لکھتا ہے:

”مسیح موعود کی وحی یہ بھی کہتی ہے۔ ”میں بنی اسرائیل کو آسائش دوں گا“۔ اس چیز نے بھی یہودیوں کی حالت میں عظیم تبدیلی کر دی۔ اس نے یہودیوں کے آزاد وطن کے لیے اقوام عالم کی اب تک کی مخالفت کے خاتمہ کا بھی عندیہ دے دیا۔“^(۲)

احمدیہ جماعت کے تیسرے سربراہ مرزا ناصر احمد ۱۹۸۰ء میں یورپی دورے پر تھے۔ پکاڈلی لندن کے کیفے رائل میں ایک پریس کانفرنس کے دوران ایک سوال کے

۱۔ افضل قادیان، ۷ نومبر ۱۹۲۱ء۔

۲۔ ریویو آف ریلیجنس۔ ریوہ، نومبر ۱۹۷۶ء مزید دیکھئے مرزا محمود احمد۔ Invitation، ریوہ، ۱۹۶۸ء صفحہ ۱۲۲۔

جواب میں کہ آیا:

”وہ اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں؟“ انہوں نے جواب میں کہا کہ ”میں تاریخ کی اس

حقیقت کہ اسرائیل قائم ہے کو قبول کرنے سے انکار نہیں کرتا۔“^(۱)

اور ان کی وفات کے بعد ربوہ کی ”گدی“ پر مرزا طاہر احمد بیٹھے۔ انہوں نے کمال ہوشیاری سے اس مسئلے پر اپنے نکتہ نظر کا اظہار کیا۔ اس موضوع پر ان کا کتابچہ ”ربوہ سے قل امیب تک“ خاصی دلچسپی کا حامل ہے۔

خلیجی جنگ (۱۹۹۱ء) کے دوران انہوں نے کئی چونکا دینے والے خطابات کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے سیاسی ابتلاء میں بڑی طاقتوں کے کردار کا تجزیہ بھی کیا۔ انہوں نے اسرائیل کے ماضی میں یورپی اقوام کے ساتھ قریبی تعلقات کا بطور خاص ذکر کیا۔^(۲) یہ ایک احمدیہ مخالف پروپیگنڈہ مہم کو تحلیل کرنے کے لیے کوشش نامتو تھی یا بے وقت کی راگنی کے سوا کچھ نہ تھا۔ انہیں ہمیشہ یہودی لابی اور مغربی ممالک کی متواتر حمایت و تائید حاصل رہی۔ ان کے خطابات سے یہ حقیقت چھپ نہ سکی کہ احمدیت کے یہود سے رابطے ہیں اور مغربی دنیا ان کی پشت پناہ ہے۔

۱۔ روبو آف دلیٹھو۔ لندن۔ فروری ۱۹۸۴ء صفحہ ۴۰۔
۲۔ طبع کالج لندن۔ مرزا طاہر کے خطابات۔ ۱۹۹۱ء۔

پاکستان میں قادیانی سازشیں

پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق مرزا محمود نے اکتیس اگست ۱۹۴۷ء کو قادیان چھوڑنے کی تجویز پیش کی۔ اپنی جماعت کو ایک خطبے میں انہوں نے واضح کیا کہ جب انہوں نے مرزا غلام احمد کی ایک وحی ملاحظہ کی جو انہیں شمارہ نمبر ۱۸۹۴ء کو ہوئی تھی تو انہوں نے ہجرت کرنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔ یہ الہام ”داغ بھرت“ تھا جس میں احمدیوں کی قادیان سے ہجرت کا حوالہ ملتا ہے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں واقعات تیزی سے بدلنے لگے اور برطانوی فوج کے ایک کرنل نے مرزا محمود کو بتایا کہ اکتیس اگست ۱۹۴۷ء کے بعد پنجاب میں مسلمان مصائب کا شکار ہو جائیں گے۔^(۱)

مرزا محمود پاکستان میں:

قادیان کو آتش و وحشت میں چھوڑ کر لاہور جانے کے لیے مرزا محمود نے ایک فوجی جیپ میں سفر کا منصوبہ بنایا جسے میجر جنرل نذیر احمد نے مہیا کرنا تھا۔ یہ وہی شخص ہے جو بعد میں ”پنڈی سازش کیس“ میں ملوث ہوا۔ اس مجوزہ جیپ کی عدم دستیابی کی وجہ سے انہوں نے اپنے بیٹے کی کار لی اور کیپٹن عطاء اللہ کی حفاظت میں وہ اپنی بیوی اور بہو کے ہمراہ لاہور پہنچے۔ جمعہ کے ایک خطبے میں انہوں نے قادیان سے لاہور ہجرت کے تمام واقعہ کو بیان کیا۔

”جب حضرت مسیح موعود کے الہامات کے مطالعے سے میں نے سمجھا کہ ہجرت یقینی ہے

اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ مجھے قادیان چھوڑ دینا چاہئے تو اس وقت لاہور فون کیا گیا کہ کسی نہ

کسی طرح ٹرانسپورٹ کا انتظام کیا جائے لیکن آٹھ دس دن تک کوئی جواب نہ آیا۔ آخر حکومت نے ٹرانسپورٹ نہ دی۔ اس وقت صبح موعود کا ایک الہام ”بعد گیارہ“ نظر آیا۔ اس سے میں نے گیارہ تاریخ سمجھی۔ آخر کمیشن عطاء اللہ نے نواب محمد دین کی کارلی اور مرزا منصور احمد کی جیب کے علاوہ دیگر دوستوں کی کاریں لیں اور گیارہ بجے کے بعد مرزا صاحب کے الہام کے مطابق قادیان سے لاہور پہنچے۔^(۱)

یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ قادیان سے لاہور کی طرف سفر کے دوران انہوں نے اپنی شناخت چھپانے کے لیے برقعہ پہن رکھا تھا۔ ایک کہانی یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایک ہندو جوگی کا روپ دھار لیا اور خفیہ طور پر ایک جہاز کے ذریعے لاہور روانہ ہو گئے اور اپنے پیچھے قادیانی آبادی کو سرکش ہندو اور سکھ حملہ آوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔^(۲)

یہ تمام داستانیں فرضی ہیں۔ انہوں نے دوران سفر اپنی شناخت نہیں چھپائی تھی۔ قادیانیوں کے قادیان سے اخراج کے بارے میں مرزا غلام احمد کی وحیوں کی بناء پر ایک لاہوری قادیانی مندرجہ ذیل نتائج اخذ کرتا ہے۔

”حضرت مرزا صاحب کو قادیان کے متعلق الہام ہوا۔ الخرج منہ للیزیدیون (تذکرہ 181) یعنی یزیدی مفت لوگ اس بستی میں پیدا ہوں گے۔ اب یزیدی خاص قوم یا قبیلہ کا نام نہیں بلکہ یزید پلید کی رعایت ہے اس کے پیروکاروں کو یزیدی کہا جاتا ہے۔ کوئی ایسا غلیفہ ہوگا جو یزیدی کی طرح خلافت حق اسلام کے داعی ہوگا۔ پھر خدا تعالیٰ ایسے سامان کرے گا کہ یہ غلیفہ اپنے پیروؤں کے قادیان سے نکال دیا جائے گا۔ جیسا کہ اخراج کے لفظ سے ظاہر ہے اور اس کی تخصیص کرنے کے لیے حضرت مرزا صاحب کو بلائے دمشق (تذکرہ 710) کا بھی الہام ہوا تھا۔ واضح ہو کہ یزید کا پایہ تخت دمشق تھا۔ اس قسم کی ایک بلا قادیان میں بھی پیدا ہو جائے گی۔“^(۳)

۱۔ الخرج قادیان 31 جولائی 1949ء۔

۲۔ مرزا محمد حسین۔ مختصر تذکرہ نعمت۔ لاہور 1978ء صفحہ 192۔

۳۔ ممتاز احمد قادری۔ فتح حق صفحہ 48۔

۱۹۴۷ء کا قادیان

تقسیم کے بعد قادیانی رضا کاروں نے قادیان میں اپنی بقاء کی آخری جدوجہد جاری رکھی۔^(۱) انہوں نے اپنے آپ کو ہلکے ہتھیاروں سے مسلح کر لیا اور ارد گرد کے علاقوں میں مشقین کرنے کے علاوہ مسلح سکھ دستوں کے ساتھ مسلح تصادم بھی شروع کر دیا۔ اٹھائیس اگست کو ظفر اللہ قادیانی لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملا اور اُس سے قادیان کو بچانے کی ضرورت کو پُر زور انداز میں پیش کیا۔^(۲) کلکتہ کا قادیانی مبلغ مولوی سلیم قادیان کی حفاظت کی خاطر پنڈت نہرو سردار بلدیو سنگھ اور مولانا ابوالکلام آزاد سے ملا۔ ہندوستانی حکام نے یہ الزام لگایا کہ قادیانی سکھ دیہاتوں پر حملہ آور ہو کر وہاں کے باسیوں کو دہشت زدہ کرتے رہے ہیں۔ یہ بات بھی ان کے علم میں آئی کہ قادیان میں اسلحہ کے بڑے بڑے ذخائر موجود ہیں۔ جبکہ قادیانیوں نے قادیانی رضا کاروں کے متعلق کہا گیا کہ وہ ذاتی حفاظت کے لیے ہتھیار استعمال کرتے رہے ہیں۔^(۳)

حکومت ہند نے فوجداری دفعہ تین سو دو کے تحت چند نامور قادیانیوں، فتح محمد سیال (ناظر تبلیغ) اور سید ولی اللہ (ناظر امور عامہ) کو گرفتار کر لیا جبکہ قادیان اور اس کے گرد و نواح میں پائی جانے والی سکھ، قادیانی کشیدگی کو کم کرنے کے لیے چوہدری عبدالباری (ناظر مالیات) کو سیفٹی آرڈیننس کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

مرزا محمود نے لاہور میں ایک پریس کانفرنس میں اپنے اس فیصلے کا اعلان کیا کہ احمدی قادیان سے اس وقت تک وابستہ رہیں گے جب تک کہ حکومت ہندو ایک تحریری حکم کے ذریعے ان کو وہاں قیام سے منع نہ کر دے۔ انہوں نے مزید کہا کہ وقت آ گیا ہے دونوں ریاستوں کی حکومتیں اس نازک مسئلہ پر سوچ بچار کریں کہ مقدس مذہبی مقامات مثلاً سرہند شریف، جمیر شریف، دہلی، قادیان اور ننکانہ صاحب کی کس طرح

۱۔ مرزا بشیر احمد، ”مقام قادیان کا غنی روزنامہ“ لاہور۔ 1949ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد۔ 10 صفحہ 74۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 11۔ صفحہ 219-195۔

حفاظت کی جائے۔ دونوں حکومتیں اس بات پر اتفاق کریں کہ وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اجازت دیں گی کہ وہ مالی و جانی تحفظ کی یقین دہانی کے ساتھ اپنے متبرک مقامات پر ٹھہر سکیں۔ مرزا محمود نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے گاندھی جی اور کئی برطانوی اراکین پارلیمان کو قادیان آنے کی دعوت دی ہے تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے وہاں کے حالات کا مشاہدہ کر سکیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ فوج اور پولیس کی کھلی مخالفت کے باوجود یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ قادیان کو خالی نہیں کیا جائے گا اور وہاں اتنی تعداد میں لوگ رکھے جائیں گے جنہیں آسانی سے خوراک بہم پہنچائی جاسکے اور جو مناسب حفظان صحت کے حالات میں وہاں رہ سکیں۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ قادیان کے مسئلہ کو تنہا نہ سمجھا جائے بلکہ قومی سطح پر اس کے لیے منصوبہ تیار کیا جائے۔^(۱)

قادیانی قیادت نے پنڈت نہرو، گاندھی جی، مولانا آزاد اور دیگر برطانوی سول و فوجی حکام پر دباؤ جاری رکھا تاکہ قادیانیوں کے قادیان میں مستقبل میں قیام کے لیے ہندوستانی حکومت کے ساتھ کوئی سمجھوتہ طے پا جائے۔ جنوری اور فروری ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل ایک سکسیس نیویارک میں کشمیر پر پاکستانی اور ہندوستانی موقف زیر بحث تھا۔ پندرہ جنوری ۱۹۴۸ء کو پاکستانی مندوب ظفر اللہ نے اپنی تقریر میں قادیان میں احمدیوں کے قتل عام کے بارے میں واضح ذکر کیا۔ ہندوستانی مندوب سر گوپال سوامی آئنگر نے ان تمام الزامات کی تردید کی۔ چوبیس جنوری ۱۹۴۸ء کو اپنی تقریر میں ظفر اللہ نے ایک بار پھر اپنے نبی کے مولد، قادیان کے حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ہندوستانی مندوب نے مجھ پر یہ الزام لگایا ہے کہ میرے قادیان میں جو کچھ ہتی ہے اس کے حوالے سے میں نے سکیورٹی کونسل کے ارکان کے ذہنوں میں غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے علاقہ کا حوالہ کسی خاص شکایت یا زیادتی کے انداز سے نہیں دیا۔ (جہاں لاکھوں انسانوں کو اپنی جاکیروں اور

گھروں سے ہاتھ دھونا پڑے اور مشکلات و مصائب کے مختلف مراحل سے گزرتا پڑا تو وہاں پر ایک قصبے میں ہونے والے ایک شخص کے نقصان کا حوالہ بلا جواز تھا) میں نے اسے ایک مثال کے طور پر بیان کیا کہ وہاں کیا ہوا مگر حکومت ہندوستان اب بھی انکار کر رہی ہے کہ کچھ نہیں ہوا۔

اصل واقعہ یوں ہوا کہ ستائیس ستمبر اور یکم اکتوبر کے پانچ دنوں کے دوران فوج اور سکھوں نے میرا (ظفر اللہ) کا مکان لوٹ لیا۔ اتفاق سے دہلی کا ایک اخبار میری نظر سے گزرا۔ جس میں قادیان میں فسادات کی دوسری قسط درج تھی۔ جہاں اتفاق سے ایک مذہبی تنظیم کا صدر دفتر ہے جس کی شاخیں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ میں یہ تذکرہ بھی کرتا چلوں کہ میری اور اس تحریک کے دوسرے اہم زعماء کی استدعا پر حکومت ہندوستان نے ہماری حفاظت کی خاطر دستے بھجوائے اور اضافی پولیس بھی تعینات کرائی۔^(۱)

ہندوستان ٹائمز نے بعد میں اس بات کا انکشاف کیا کہ پنڈت نہرو کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے احمدی اور ان کے خلیفہ فوج کی حفاظت میں پاکستان جانے کے لیے بھارت سے سرحد پار کرنے کے قابل ہوئے۔ وہاں سے سرحد صرف بیس میل دور ہے۔ تاہم تین سو تیرہ صحت مند احمدی جوانوں کو وہاں چھوڑ دیا گیا کہ وہ ہندوستان میں انجمن کے کام کی دیکھ بھال کریں۔^(۲)

وہ لوگ جو قادیان میں رہ گئے، انہیں قادیانی درویش کہا جاتا ہے۔ مرزا غلام احمد نے اپنے الہامات میں یہ دعویٰ کیا کہ ایک فرشتے نے انہیں نان عطا کیا اور بتایا کہ یہ اس کے اور اس کے درویشوں کے لیے ہے۔ ان لوگوں کو ”اصحاب صفہ“ بھی کہا جاتا ہے۔ ہندوستانی حکومت کے ساتھ ایک معاہدے کے بعد سولہ نومبر ۱۹۴۷ء سے ”درویشی کا یہ دور“ شروع ہوا۔ ان کی تعداد بدلتی رہتی ہے مگر تین سو تیرہ سے کم کبھی نہیں ہوئی۔ ۱۹۶۶ء میں ان کی تعداد دو ہزار ہو گئی تھی۔^(۳) یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے

۱۔ سیکورڈ کنسل ریکارڈ۔ قائد برسر محمد ظفر اللہ خان۔ پاکستانی مندوب۔ ۲۴ جنوری ۱۹۴۸ء۔
۲۔ ہندوستان ٹائمز ۱۳۱ اکتوبر ۱۹۷۴ء بحوالہ ”عالمی پریس سے“۔ تالیف بی۔ اے رفیق۔ لندن قادیانی مرکز۔
۳۔ ۱۵ افروریہ نومبر ۱۹۶۶ء۔

کہ کچھ درویش بیرونی قوتوں کے جاسوس ہیں اور اپنے آپ کو مقامات مقدسہ کے محافظ کے طور پر چھپاتے رہے ہیں۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی پاک و بھارت جنگوں کے بعد ان کے کردار پر تنقید کی جاتی رہی۔ تقسیم کے بعد قادیان کے نقشے کو ہندوستان ٹائمز نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

”ان دنوں (۱۹۷۷ء) میں قادیان کا دورہ کرنے والے اہم رہنماؤں میں (مہاتما گاندھی

کی ہدایات پر) حسین شہید سہروردی، مردولا سارا بھائی اور جنرل تھاپا تھے۔ جنہوں نے

احمدیوں کو تسلی دی۔ بعد میں ونوبا بھاوے اچاریہ نے بھی قادیان کا چکر لگایا۔“ (۱)

تاہم پاکستان سے ہجرت کر کے آنے والے ہندوؤں اور سکھوں نے قادیان میں احمدیوں کی چھوڑی ہوئی دکانوں، زمینوں اور مکانوں پر قبضہ کر لیا۔ تعلیم الاسلام ڈگری کالج کو لاہور میں خالی کیے گئے ”سکھ نیشنل کالج“ میں تبدیل کر دیا گیا۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول کو کلاس والا خالصہ ہائی سکول بنا دیا گیا جو اس سے قبل گجرات میں تھا اور نصرت گرلز ہائی سکول کو وید کور آریہ گرلز ہائی سکول کا نام دے دیا گیا۔ ”احمدی کالج برائے تربیت مبلغین“ کو نہ چھیڑا گیا۔ انجمن کے زیر انصرام چلنے والے نور ہسپتال کو ریاستی حکومت نے اپنی تحویل میں لے کر اسے عام لوگوں کے لیے ہسپتال میں تبدیل کر دیا۔“

ربوہ:

مرزا محمود نے عارضی طور پر تن باغ لاہور میں ڈیرہ لگایا۔ بعد میں ظلی قادیان قائم کرنے کے لیے جسے ربوہ کہا جاتا ہے تنگ و دو شروع کی۔ ۱۹۳۸ء کی آخری سہ ماہی میں پنجاب کے ضلع جھنگ میں ۱۱۰۳۳ ایکڑ اراضی حاصل کر لی گئی۔ مرزا محمود نے یہ دعویٰ

۱۔ ہندوستان ٹائمز ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۷ء)۔ مہاتما گاندھی کے نامزدہ ڈاکٹر ڈنٹا مہتہ تھے۔ جنہوں نے ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو حسین شہید سہروردی کے ساتھ قادیان کا دورہ کیا۔ وہاں وہ امیر جماعت قادیان مرزا بشیر احمد، مرزا ناصر احمد، ملک غلام فرید، مولوی جلال الدین، جس اور مرزا اسد احمد سے ملے۔ اس سے قبل کرشنا مورتی بورڈ آف کنفرنٹس ساراہائی کے ساتھ ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو قادیان آئے اور احمدیوں کو اپنی مکمل امداد کا یقین دلایا۔ ملک ملاح الدین ایم۔ اے ”نامین احباب احمد“ جلد ۷۔ لاہور آرٹ پریس لاہور ۱۹۷۱ء صفحہ ۶۵-۶۵۔

کیا کہ تقسیم سے دو سال قبل انہیں ایسا نظر آیا کہ قادیان پر کسی ایسی قوت نے حملہ کیا ہے کہ انہیں قادیان چھوڑنا پڑا ہے۔ انہیں احمدی جماعت کے ساتھ یہ بھی الہام ہوا کہ قادیانیوں کو نیلا گنبد میں پناہ ملی۔ چنانچہ لاہور میں نیلا گنبد نامی علاقہ ہے جو اس کے قریب ہی واقع مسجد کے نام پر مشہور ہو گیا جس کا گنبد نیلی ٹانگوں سے بنا ہوا ہے۔ خلیفہ صاحب نے یہ سوچ لیا کہ اس منظر نے مستقبل میں لاہور میں پناہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تاہم جب قادیانیوں کا جبری طور پر انخلاء وقوع پذیر ہو گیا تو خلیفہ صاحب کو روحانی اشارے ملے کہ ان کی جماعت کو لاہور میں قبول نہیں کیا جائے گا تو پھر انہیں جائے سکونت کے حصول کا مسئلہ درپیش آیا۔ انہیں اطلاعات ملیں کہ موجودہ ربوہ کی جگہ خریدی جاسکتی ہے جو کہ دو اطراف سے پہاڑیوں میں گھری ہوئی تھی۔ مرزا محمود کو ان کے مشیروں نے یہ یاد دہانی کرائی کہ ان کے طبع شدہ الہامات میں جو منظر بیان کیا گیا ہے وہ پہاڑیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ مزید برآں اب ان پر منکشف ہو چکا تھا کہ نیلا گنبد کا مطلب ”کھلا آسمان“ تھا۔ بعض احساسات کے بعد خدا نے ان کی منزل ان پر منکشف کر دی۔ خلیفہ صاحب ایک جدید موسیٰ علیہ السلام کی طرز پر اپنے بنی اسرائیل کو ہندوستان سے پاکستان کی ”ارض موعود“ پر لے آئے۔^(۱)

ربوہ تقسیم کے بعد کئی سال تک کم و بیش ایک آزاد احمدی ریاست کے طور پر رہا۔ ابتدائی دہائیوں میں ربوہ کی انتظامیہ نے ایک متوازی حکومت چلائی۔ دوسرے افسروں کا تو کیا کہنا جھگ کا ڈپٹی کمشنر بھی مرزا محمود کی پیشگی اجازت کے بغیر مقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ ربوہ کالج میں غیر احمدی عملہ متعین نہیں ہو سکتا تھا۔ چونکہ ربوہ کی اراضی احمدیہ انجمن کی ملکیت تھی لہذا کوئی بھی ان کی اجازت کے بغیر کسی قطعہ اراضی کی خرید و فروخت، مکان کی تعمیر یا کاروبار نہیں کر سکتا تھا۔ احمدیوں کے اثر و اختیار کو جھٹلانے کی کوئی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ جماعت سے اختلاف کرنے والوں کو سخت مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑتا، جن میں ”سامانی مقاطعہ“، ”بدسلوکی“، ”حملے“ اور رسوائی شامل تھی۔ اس وقت کا

گورنر پنجاب سرفرانس موڈی واضح طور پر احمدیوں کی طرف جھکاؤ رکھتا تھا۔ اسی کی سازش سے ربوہ کی زمین انہیں برائے نام قیمت پر فروخت کر دی گئی۔ قادیانیوں کو جلد از جلد آباد کرنے کے لیے بڑی عجلت میں ربوہ کی زمین پٹے پر دی گئی۔ یہ جگہ ان کے حفاظتی نکتہ نگاہ سے بھی بڑی اہم تھی۔ چنیوٹ کی طرف یہ کسی بھی حملہ کی صورت میں محفوظ رہتی تھی کیونکہ دریائے اے چنیوٹ سے جدا کر دیا ہے۔ اپنے صدر دفاتر کے لیے جگہ کا انتخاب کرتے وقت انہوں نے ان پہلوؤں کو پوری طرح مد نظر رکھا تھا۔

حصول قادیان کی تمنا:

اگرچہ مرزا محمود نے ربوہ میں مرکز قائم کر لیا مگر حصول قادیان کے لیے وہ ہمیشہ بے تاب رہے۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو یہ ذہن نشین کرا دیا کہ وہ جلد ہی قادیان واپس لے لیں گے اور انہیں نصیحت کی کہ وہ پاکستان اور ہندوستان کے دوبارہ اتحاد کی کوششیں جاری رکھیں۔ منیر رپورٹ میں مذکور ہے:

”جب ملک کی تقسیم سے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن کی دھندلی تصویر افق پر

ابھرنے لگی تو احمدیوں نے بھی آنے والے حالات کے سائے میں اپنے آپ کو ڈھالنا

شروع کر دیا۔ ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۷ء کے درمیان ان کی چند تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

وہ یہ توقعات قائم کیے ہوئے تھے کہ وہ برطانیہ کی جانشینی حاصل کرنے میں کامیاب ہو

جائیں گے۔ مگر جب پاکستان کی خیالی تصویر حقیقت کا روپ دھارنے لگی تو انہیں نئی

ریاست کے نظریہ کے ساتھ دائمی مصالحت مشکل محسوس ہونے لگی۔ انہوں نے اپنے

آپ کو دوہری مصیبت میں پایا کیونکہ وہ ایک لادین ہندو ریاست ہندوستان کا انتخاب

نہیں کر سکتے تھے نہ ہی پاکستان کا جہاں تفرقہ بازی کی حوصلہ افزائی نہ ہو سکتی تھی۔ ان

کی تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تقسیم کے مخالف تھے اور اگر تقسیم ہو گئی تو وہ دوبارہ

اتحاد کی سعی کریں گے۔“ (۱)

احمدی حلقوں میں قادیان کے چھن جانے کے نقصان کو بڑی بری طرح محسوس کیا گیا مگر قادیان کی واپسی کو مرزا صاحب کی پیش گوئیوں کی تشریح کی صورت میں بیان کرنے پر وہ اطمینان حاصل کر لیتے تھے۔ قادیانی مہاجرین کی حالت زار کا یہودیوں کے خروج سے موازنہ کیا جاتا تھا۔ احمدی یہودیت کے لیے مرزا غلام احمد پہلے ہی موسیٰ ہونے کا دعویٰ کر چکے تھے۔ مرزا صاحب کے بہت سے ارشادات اور خوابوں کے حوالے دے دے کر یہ باور کرایا جانے لگا کہ احمدی جلد ہی مسیح موعود کی ارض مقدس قادیان کو لوٹ جائیں گے۔^(۱) مرزا محمود کا یہ عقیدہ تھا کہ اب مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ خشک ہو چکا ہے اور یہ قادیان میں موجزن ہے۔^(۲) قادیان خدا کے پیغمبر کا پایہء تخت ہے۔^(۳) یہ ارض حرم^(۴) اور احمدیوں کا مدینہ ہے۔ مرزا غلام احمد نے اسے ”جائے حفاظت“ اور یروشلم قرار دیا جہاں مسیح کا ایک مینارہ واقع ہے جسے مرزا صاحب نے خود اپنی ایک پیش گوئی کی تکمیل کی خاطر تعمیر کرایا۔ مسیح موعود کی مسجد وہ مسجد اقصیٰ ہے جس کا قرآن میں حوالہ موجود ہے۔^(۵) قادیان کی دوسری اہم مسجد ”مسجد مبارک“ ہے۔^(۶) بہشتی مقبرہ بھی وہیں موجود ہے۔^(۷) ان سب باتوں نے اسے ایک مقدس مقام اور ”شعائر اللہ“ بنا دیا ہے۔

ہر احمدی کو یہ حلف اٹھانا پڑتا تھا کہ وہ اپنے اصل مقصد یعنی قادیان واپسی کے خیال کو کبھی فراموش نہیں کرے گا اور اسے قادیان واپسی کے لیے پیش آنے والی ہر قربانی کے لیے اپنے خاندان کو تیار کرنا پڑتا تھا۔ مرزا محمود کا ایک خواب^(۸) بڑے واضح انداز میں ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہر ذریعے سے قادیان کو واپس لینا چاہتے تھے۔^(۹)

لاہور میں آمد کے بعد سے لے کر ۱۹۶۵ء میں وفات تک انہوں نے یہی

۱۔ الفضل لاہور۔ 26 نومبر 1947ء۔

۲۔ مرزا محمود احمد۔ حقیقت الہیاء۔ صفحہ 35۔

۳۔ مرزا غلام احمد۔ واقع الہاء۔ قادیان صفحہ 11۔

۴۔ مرزا غلام احمد۔ درشن۔ قادیان۔

۵۔ مرزا غلام احمد۔ اشتہار چھہ برائے بنیادۃ المسیح۔ 5 دیکان 28 مئی 1900ء۔

۶۔ تذکرہ صفحہ 127۔

۷۔ مرزا غلام احمد۔ ”الوصیت قادیان صفحہ 25۔

۸۔ مورخہ 11 جون 1951ء۔

۹۔ حمیر۔ تحریک جدیدہ۔ راولہ۔ دسمبر 1971ء۔

رٹ لگائے رکھی۔ ان کی پیش گوئیوں نے بڑے اہتمام سے ظاہر کیا کہ احمدی یقیناً قادیان واپس لے لیں گے اور یہ یا تو پرامن ذرائع سے ہوگا یا پھر گورداسپور کی پوری آبادی کو احمدی بنا کر یہ مقصد حاصل کیا جائے گا۔ کیا مجذوبانہ بڑھتی۔ یہ بھی کہا گیا کہ اگر ضرورت محسوس کی گئی تو احمدی جنگ چھیڑنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ اپنے عقیدے کی تکمیل کے لیے ہر احمدی کو ہدایت کی گئی کہ انہیں آخرا کا اپنے ابتدائی اور اصل مرکز کی طرف لوٹنا ہے۔ اگر اس وقت احمدیوں کے پاس قوت نہیں ہے تو اس سے قطعاً کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس بھی قوت نہیں تھی۔ جب انہوں نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا۔ مرزا محمود نے اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ وہ اس نصیحت کو اپنے ایمان کا حصہ بنالیں کہ کوئی چھوٹی یا بڑی حکومت یا حکومتوں کا مجموعہ ان کے اصل مقصد سے انہیں دور نہیں رکھ سکے گا۔

”اگر یہ حکومتیں دخل دینے کی جرات کریں گی تو آسمان سے فرشتے اتریں گے اور احمدیوں کو ان کے زندہ مرکز قادیان میں واپس لے جائیں گے۔“

انہوں نے دعویٰ کیا۔^(۱)

آزادی کے دس سال بعد انہوں نے پیش گوئی کی۔

”ماپوس مت ہو! خدا پر بھروسہ رکھو۔ وہ ایسے حالات پیدا کر کے تمہاری مدد کرے گا (کہ تم قادیان واپس چلے جاؤ) کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہودیوں کو تیرہ سو سال انتظار کرنا پڑا اور آخر کار وہ اس قابل ہو گئے کہ اپنے آپ کو فلسطین میں بسا سکیں۔ مگر تمہیں تیرہ سال بھی انتظار نہیں کرنا پڑے گا بلکہ دس سال بھی نہیں اور خدا تم پر اپنی رحمتیں نازل کر دے گا۔“^(۲)

مرزا محمود نے ایک طرف تو اپنے پیروکاروں کو قادیان جانے کی خوشخبری دی اور دوسری طرف وہ خفیہ طور پر رابطے کر کے سکھ قیادت پر زور دیتے رہے کہ وہ قادیان کی جھانڈت اور سلامتی کا خیال رکھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ کسی بھی سیاسی بحران میں

۱۔ الفضل لاہور۔ 25 اکتوبر 1947ء۔

۲۔ الفضل ربوہ۔ 15 مارچ 1957ء۔

سکھوں کا بھرپور تعاون حاصل کر سکیں۔ قادیانی زعماء نے بابا گورو نانک کی جائے پیدائش ننکانہ صاحب شیخوپورہ پاکستان کو خصوصی حیثیت دینے کے سکھوں کے مطالبے کی حمایت کی۔ جب اکتوبر ۱۹۴۷ء میں گیانی کرتار سنگھ نے ننکانہ صاحب کے لیے ”ویٹی کن“ کی حیثیت کا مطالبہ کیا تو الفضل نے اس کی کھل تائید کی۔ اسے ایک ”منصفانہ اور جائز مطالبہ“ قرار دیا گیا۔ اگرچہ یہ مطالبہ بہت دیر بعد سامنے آیا تھا۔^(۱)

قادیان میں اپنی جائیدادوں کے قانونی دعویٰ کے حصول کے لیے پاکستان کے احمدیوں کو ہدایات جاری کی گئیں کہ وہ قادیان اور اس کے نواحی علاقوں منگل بھینی، کھاروا وغیرہ میں چھوڑی گئی جائیدادوں کے بدلے میں پاکستان میں کسی قسم کا کلیم داخل نہ کریں۔ ان پر واضح کر دیا گیا تھا کہ چونکہ وہ سیاسی حالات سے مجبور ہو کر عارضی طور پر پاکستان آئے ہیں اور دو یا تین کوششوں کے بعد وہ لازمی طور پر قادیان واپس حاصل کر لیں گے اس لیے قادیان میں اپنی جاگیروں کے دعویٰ کے لیے وہ پاکستان میں اپنے کلیم داخل نہ کریں۔^(۲)

یہ بھی واضح کیا گیا کہ خلیفہ صاحب اور مرزا غلام احمد کے خاندان کے دیگر افراد کی میتیں ربوہ میں امانت کے طور پر دفن کی گئی ہیں۔ بعد میں مناسب وقت پر قادیان لے جانی جائیں گی۔ مرزا غلام احمد کی اہلیہ محترمہ نصرت جہاں کی قبر پر کندہ عبارت اور مرزا محمود اور دیگر خاندان نبوت کی قبروں پر کندہ عبارات ہر قادیانی کو مرزا محمود کی وصیت یاد دلاتی ہیں کہ بہشتی مقبرے قادیان میں رسی تدفین کے لیے ان کی لاشیں قادیان لے کر جانا از حد ضروری اور مذہبی فریضہ ہے۔

ربوہ کے اکابر کے ذہنوں میں ہمیشہ سے ننکانہ اور قادیان کے مقدس مقامات کے متعلق ایک معاہدہ کا امکان گردش کرتا رہتا ہے۔ وہ ہندوستانی پنجاب میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کو نظر غائر دیکھتے رہتے ہیں۔ تقسیم کے فوراً بعد قادیانیوں نے سکھ قیادت

۱۔ الفضل لاہور۔ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء۔

۲۔ الفضل لاہور۔ ۷ دسمبر ۱۹۴۷ء۔

سے رابطہ کیا تاکہ باہمی تعلقات استوار کیئے جائیں۔ ۱۹۵۳ء میں پاکستان سے احمدیوں کا ایک خیر سگالی وفد ظفر اللہ کے بھائی کی قیادت میں قادیان گیا اور ننگانہ صاحب کے گوردوارہ پاکستان سے قادیان کی سکھ برادری کو پیش کرنے کے لیے ”پوتر جل“ کی شیشیاں اور گرنٹھ صاحب کے نسخے لے کر گیا۔ اس کے بدلے میں انہیں قرآن کے نسخے دیئے گئے۔ یہ تواضعات دونوں گروہوں کی ذمہ دار قیادت کے باہمی تعلقات کو استوار کرنے کی خواہش کو ظاہر کرتی ہیں۔^(۱)

کانگریس کے بزرگ سیاست دان ڈاکٹر شکر داس مہرہ جو بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں ہندوؤں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں قادیانیوں کی سرگرمی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ احمدیت پر ایک مضمون لکھ کر ”سٹیٹسمین کلکتہ“ کو روانہ کیا جو اس کے بائیس فروری ۱۹۳۹ء کے شمارے میں چھپا۔ اس نے حکومت ہندوستان کو تجویز پیش کی کہ وہ احمدیہ جماعت کے ساتھ اتحاد قائم کرے تاکہ ہندوستان کی پرانی شان و شوکت بحال کی جاسکے۔ یہ تحریک توجہ کی مستحق ہے کیونکہ اس کا بانی ایک ہندوستانی تھا۔ ان کا مکہ قادیان تھا اور اسے مسلمان دنیا کی سیاسی خواہشوں کے ساتھ کوئی حقیقی ہمدردیاں نہیں۔“ اس نے دلیل دی۔^(۲)

چھبیس دسمبر ۱۹۳۹ء کو ناظر اعلیٰ قادیان کے نام ایک خط میں اس نے تحریک کے سودیشی کردار سے بہت سی امیدیں وابستہ کیں اور اس کی مدح و تعریف کی کہ ہندوستان کی دو برادریوں یعنی ہندو اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں احمدیت اہم کردار ادا کرے گی۔^(۳)

ظفر اللہ بطور وزیر خارجہ:

قادیانیوں نے اس وقت اپنی سیاسی سوچ اور جماعتی خواہشات میں انقلابی

۱۔ مکتوبات احمد راجگی تحریک احمدیت۔ قادیان صفحہ ۵۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ ایضاً۔

تبدیلی پیدا کر لی جب پچیس دسمبر ۱۹۴۷ء کو ظفر اللہ کو پاکستان کے وزیر خارجہ بننے کی پیشکش کی گئی۔ (قادیانی اس کے لیے محض پنجاب کی وزارت اعلیٰ کے حصول کے لیے زور لگا رہے تھے) تقسیم کے بعد ظفر اللہ کے لیے حالات اس وقت سے سازگار تھے جب اُسے اس سے پہلے حد بندی کمیشن کے سامنے پاکستان کا مقدمہ پیش کرنے کے لیے کہا گیا جہاں اُس کی اپنی جماعت نے اپنے آپ کو ایک علیحدہ حیثیت سے پیش کیا۔ جس کے نتیجے میں پاکستان کو گورداسپور (بلکہ مکمل کشمیر) سے ہاتھ دھونا پڑے۔ بعد میں اس کا بطور وزیر خارجہ تقرر ہمارے ذہن میں بعض سوالات ابھارتا ہے۔ تقسیم کے وقت ظفر اللہ نواب بھوپال کا آئینی مشیر تھا۔^(۱)

قائد اعظم کی خواہش تھی کہ حسین شہید سہروردی مرکزی حکومت میں وزارت خارجہ سنبھال لیں۔ مگر وہ اس بات سے ناراض تھے کہ خواجہ ناظم الدین کو اس وقت کے مشرقی پاکستان کا وزیر اعلیٰ مقرر کر دیا گیا ہے۔ حسین شہید نے یہ پیشکش یہ کہہ کر ٹھکرا دی کہ وہ ان مسلمانوں کی مدد میں مصروف ہیں جو آزادی کے فوراً بعد بھڑک اٹھنے والے غیر متوقع فسادات میں پھنس گئے تھے۔^(۲)

ظفر اللہ کی تقرری کی پاکستانی پریس کے ایک دھڑے نے اس بناء پر مخالفت کی کہ وہ ایک متعصب قادیانی تھے اور انہوں نے کبھی مسلم لیگ میں شمولیت نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت کی ہر کوشش کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی۔^(۳)

۱۔ نواب آف بھوپال اس وقت ہندوستانی راجسٹوں کے جیمز آف پرنسز کے چانسلر تھے۔ وہ اپنی بیٹی کے حق میں دستبردار ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے پہلے لاڈ مارڈنٹیشن سے رابطہ کیا اور استدعا کی کہ ”بھوپال“ صورت حال ہندوستان سے الحاق کئے جوں کی توں بغیر رکھی جائے۔ مگر اس کے انکار پر نواب صاحب نے اپنے آئینی مشیر ظفر اللہ کو بھیجا کہ وہ الحاق کی شرائط لے کر آئے۔ اسے بتایا گیا کہ اس کی حیثیت میں تبدیلی ممکن ہو سکتی ہے۔ نواب بھوپال برطانوی ہند کے سیاسی شعبہ کے سربراہ اور وائسرائے کے سیاسی مشیر سر کار نے گورنر لیڈ کے دوست تھے۔ یہ وہی شخص تھا جس نے ریاستی حکمرانوں کے متعلق تقریباً ۳۴ سن کا نقد ضائع کرا دیے تھے۔ جن میں انتہائی خفیہ خطوط اور برطانیہ کی ہندوستان میں سامراجی حکمت عملی کے بارے میں اہم ہدایات موجود تھیں۔ ظفر اللہ نے پاکستان اور ہندوستان کے نئے آئینی ڈھانچوں میں راجوں مہاراجوں کے لیے ایک منفرد مقام کے حصول کے لیے کام کیا۔ تاہم نواب بھوپال نے نتیجہ کا مکمل اعظم کی رضامندی سے اپنی ریاست کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا۔

۲۔ آؤٹ لک۔ کراچی۔ 6 جولائی 1974ء۔ سہروردی اس وقت سرٹ چندریوس کے ساتھ مل کر آزاد خود مختار بنگال کی تحریک چلا رہے تھے۔ دیکھئے اہلیہ و دے ”جدید ہندس اسلام“۔ المپارکائن ٹکٹ۔ 1981ء صفحہ 42-230۔

۳۔ حوالہ شدہ الفضل لاہور۔ 31 دسمبر 1947ء۔

ظفر اللہ کے ماضی سے مکمل باخبری کے باوجود قائد اعظم نے اسے اس عہدہ کی پیشکش کر دی۔ سر محمد اسماعیل کا کہنا ہے۔

”ولکلڈن کی وائسرائے کے دوران جب ظفر اللہ ایگزیکٹو کونسل کا ممبر تھا۔ مسٹر جناح کو سیاسی میدان میں ان کی واضح اہمیت کے باوجود گول میز کانفرنسوں کے آخری مراحل میں انہیں دانستہ طور پر باہر رکھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود قائد اعظم نے پاکستان کے خارجہ امور کا قلمدان اس کے حوالے کر دیا۔ یہ واقعہ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ قائد اعظم کتنے عالی ظرف تھے۔“ (۱)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ظفر اللہ کی تعیناتی کے لیے قائد اعظم اس لیے مجبور تھے کہ وہ انگریزوں کے بہت قریب تھا اور وہ بیورو کریٹ جنہوں نے اس کے تقرر کی سفارش کی تھی ان کے خیال میں اس وقت ماؤنٹ بیٹن کی نوزائیدہ ریاست کے خلاف کھلی دشمنی کا موثر جواب دینے کی ضرورت تھی۔ شاید یہ فیصلہ کرتے وقت برطانیہ کا پاکستان کے بارے میں رویہ قائد اعظم کے ذہن میں ہو۔ پاکستان کی تخلیق کے وقت ملک کو درپیش مسائل کا نہ صرف برطانیہ ذمہ دار تھا بلکہ اس کے معاملات میں ان کا ہاتھ بھی تھا اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی مخالفت تو کھلے طور پر تھی۔ اس لیے کوئی ایسا شخص چاہئے تھا جو اپنے ذاتی رسوخ سے وائٹ ہال میں غیر حل شدہ معاملات کو حل کر سکے۔ چنانچہ ظفر اللہ کا انتخاب اس لیے تھا۔ ویسے جماعت احمدیہ کا تحریک پاکستان میں منفی کردار واضح تھا۔ انہوں نے اس تحریک میں حصہ نہیں لیا تھا اور سر ظفر اللہ اس کا ایک نہایت اعلیٰ فرد تھا۔ (۲)

پاکستان کی ابھرتی ہوئی خارجہ پالیسی میں پالیسی ساز، بیورو کریٹ گروپ جو سب سے زیادہ طاقتور اور موثر تھا اس میں اعلیٰ درجے کی سول سروس اور پاکستان کی فوج کے اعلیٰ افسروں پر مشتمل لوگ تھے۔ شروع شروع میں نہ تو پاکستان کے پاس ایک منظم دفتر خارجہ تھا اور نہ ہی تربیت یافتہ اور ساز و سامان سے آراستہ فارن سروس تھی۔ ان سالوں میں

۱۔ سر سردار اسماعیل ”میری عوامی زندگی“ صفحہ ۱۰۰۔

۲۔ پاکستان ہائٹس۔ لاہور ۲۴ نومبر ۱۹۸۰ء۔

برطانوی ہند کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے پرانے اور تجربہ کار افراد پاکستانی دفتر خارجہ کی کلیدی آسامیوں پر چھائے ہوئے تھے۔ ان میں چند برطانوی بھی تھے جو پرانی انڈین سول سروس (I.C.S) سے تعلق رکھتے تھے۔ ان برطانوی افسران نے جن میں کریگھ کوآئن، فلچر، ڈکسن اور ریڈ پاتھ شامل تھے، پاکستانی خارجہ پالیسی مرتب کی اور اس کی سمت متعین کی۔ دفتر خارجہ اور اس کے عملے کی سیاسی سوچ کے دھارے کا رخ مقرر کیا۔

قائد اعظم کی وفات اور چند برطانوی افسروں کی روائی کے بعد پاکستان کی خارجہ پالیسی کا مکمل نظام پاکستان کے چند اعلیٰ افسروں کے ہاتھوں میں چلا گیا جو اس وقت کے سیاسی گرگے تھے اور داخلی طور پر جاری حصول اقتدار کی کشمکش میں پوری طرح ملوث تھے۔^(۱)

اسکندر مرزا، چوہدری محمد علی (دونوں بعد ازاں اعلیٰ ترین عہدہ کے حصول میں کامیاب ہوئے) محمد اکرام اللہ سیکرٹری دفتر خارجہ کے عہدے پر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۱ء تک فائز رہے، عزیز احمد اور اس کے علاوہ چند دوسرے سول سروسز مثلاً اختر حسین جو محکمہ سپلائی کے افسر تھے۔ آغا ہلالی جو محکمہ تعلیم ہیلتھ کے کرتا دھرتا تھے اور کینیڈا سے آئے تھے۔ بعد میں دفتر خارجہ کی اہم ترین شخصیات میں شمار ہونے لگے۔ چند اعلیٰ فوجی افسران مثلاً ایوب خان دفتر خارجہ کے اس خاص اعلیٰ گروپ میں شامل ہو گئے اور خارجہ پالیسی کے عملی طریق کار میں اپنا اثر و سونخ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ خصوصاً قائد اعظم کی وفات کے بعد یہ سلسلہ زور پکڑ گیا۔ یہ بات ریکارڈ پر آ چکی ہے کہ ۱۹۵۱ء میں ہی ایوب خان نے پاکستان کی مغربی فوجی بلاک میں شمولیت کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ بات واضح نہیں کہ قائد اعظم اس نوزائیدہ ریاست کے دیگر اعلیٰ حلقوں کی طرح قادیانی اعلیٰ قیادت کے مذہبی عقائد سے واقف تھے۔ خصوصاً اس ریاست کے مستقبل کے بارے میں پیغمبرانہ پیش گوئیوں سے آگاہ تھے۔ جس کے قیام میں انہوں نے سخت تنگ و دو کی تھی۔ اسکے باوجود انہوں نے ہدایت جاری کی کہ خارجہ حکمت عملی کے

وہ پہلو جو پالیسی سے متعلق ہوں انہیں یا تو احکامات کے لیے ان کو بھیجا جائے یا پھر وزیراعظم لیاقت علی خان کو بھیجوائے جائیں۔ مگر درحقیقت یہ فیصلہ کرنا وزیر خارجہ کا کام کہ کون سا معاملہ خارجہ پالیسی سے متعلق ہے اور کون سا روزمرہ کا معمول ہے۔^(۱)

رابطہ مہم:

ظفر اللہ کے پاکستان کی وزارت خارجہ کے قلمدان سنبھالنے کے ساتھ ہی احمدیہ جماعت کے خلیفہ مرزا محمود پاکستانی سیاست میں سرگرمی سے دخل اندازی شروع کر دی۔ ستمبر ۱۹۴۷ء سے لے کر جنوری ۱۹۴۸ء تک الفضل لاہور میں انہوں نے اپنے تصنیف کردہ مضامین کا ایک سلسلہ دفاعی قوت اور نوزائیدہ ریاست پاکستان کی معاشی قوت و خود انحصاری کے متعلق شائع کرایا۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ پاکستان کو سیاسی و معاشی میدانوں کے علاوہ دفاع کے دائرے میں ہندوستان کے ساتھ تعاون کے لیے ہر ممکن قدم اٹھانا چاہئے۔^(۲)

پاکستان کی معاشی سیاسی اور دفاعی استعداد کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے فوجی کالج اور علاقائی فوج بنانے کی تجویز پیش کی۔ لاء کالج لاہور میں ”پاکستان کے مستقبل“ پر اپنی چوتھی تقریر میں انہوں نے ہندوستان کے ساتھ مشترکہ دفاع کی ضرورت پر زور دیا، انہوں نے وضاحت کی کہ پاکستانی فوج کی تعداد اسی ہزار ہے جن میں پیادہ فوج، توپخانہ اور چھاتہ بردار بھی شامل ہیں، جن میں صرف چالیس ہزار یا اس کا پچاس فیصد لڑاکا قوت ہے۔ پاکستان کے مکمل سرحدی علاقوں اور اس لڑاکا فوج کے تناسب کی بناء پر پاکستانی سرحد کے ایک میل کی حفاظت کے لیے تینتالیس سپاہی آتے ہیں جن میں صرف اکیس لڑ سکتے ہیں، انہوں نے جرمنی کی مثال دی کہ جس نے ایک میل کے دفاع کے لیے ایک ہزار فوجی تعینات کیے تھے۔ انہوں نے پاکستانی دفاع کو

۱۔ امپیکٹ انٹرنیشنل - ۲۷ - ستمبر ۱۹۷۴ء۔

۲۔ الفضل لاہور - ۴ دسمبر ۱۹۴۷ء۔

بہت کمزور قرار دیا کیونکہ اس کے پاس بہت کم تربیت یافتہ افسران تھے۔ محفوظ دستے نہ تھے اور معمولی توپخانہ تھا اس کے علاوہ اسلحہ بہت ہی کم تھا۔ چھاتہ بردار بٹالین ختم ہونے والی تھی، ملک میں کوئی بھی اسلحہ ساز فیکٹری نہ تھی۔ ان مسائل کی طرف اشارہ کر کے انہوں نے زور دے کر کہا کہ ہندوستان اور پاکستان کو اپنے دفاعی نظام کو مشترکہ طور پر ترتیب دینا چاہیے۔^(۱) انہوں نے یہ دلیل بھی دی کہ برصغیر پاک و ہند کو چاہے دس لاکھ حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تو بھی یہ ایک ہی وجود ہوگا۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہندوستان اور پاکستان کو اپنی دفاعی حکمت عملی میں ایک مشترکہ مقصد پروان چڑھانا چاہیے۔^(۲)

ایک مشترکہ دفاعی منصوبے کی وکالت کے بعد وہ مسلم لیگ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اے پی پی کو ایک انٹرویو میں مرزا محمود نے مطالبہ کیا کہ مسلم لیگ کے دروازے پاکستان کے تمام غیر مسلموں کے لیے بھی کھلے رہنے چاہئیں تاکہ اس جماعت کو جمہوری اور بین الاقوامی مسلمہ اصول کی بنیادوں پر دوبارہ منظم کیا جاسکے۔ انہوں نے یہ دلیل دی کہ قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ کو ہندوستان یا پاکستان میں اپنا وجود برقرار رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانان ہند کو ”انڈین نیشنل کانگریس“ میں شامل ہو جانا چاہیے۔^(۳)

اس وقت کے مغربی پاکستان کے سیاسی حلقوں میں اپنے آپ کو متعارف کرانے کے لیے انہوں نے مارچ ۱۹۴۸ء میں ملک کا دورہ شروع کر دیا۔ سیالکوٹ، جہلم، کراچی، پشاور، راولپنڈی اور کوئٹہ جا کر منتخب اجتماعات سے خطاب کیا۔ سول و فوجی حکام سے ملے اور مشہور سیاسی رہنماؤں سے ملاقات کی۔^(۴) انہوں نے پاکستان کے اہم سیاسی مسائل جیسے کشمیر کا مسئلہ دفاعی حکمت عملی اور نئی قائم شدہ مسلم ریاست پاکستان کے مستقبل کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔

اپریل ۱۹۴۸ء کے اوائل میں سرحد کے دورے کے دوران وہ لنڈی کوتل میں شتواری

۱۔ الفضل لاہور 21 دسمبر 1947ء۔

۲۔ الفضل لاہور ۲۱ دسمبر 1947ء بجگ کراچی 24 دسمبر 1947ء۔

۳۔ الفضل لاہور 19 دسمبر 1947ء۔

۴۔ تاریخ احمدیت جلد 12 ص 280-310۔

اور آفریدی قبائلی سرداروں سے ملے۔ انہوں نے پشاور میں دو اجتماعات میں تقاریر کیں اور اتمان زئی میں ڈاکٹر خان صاحب اور عبدالغفار خان سے ملاقات کی۔^(۱)

افغانستان کے پاکستان کے ساتھ تعلقات نومبر ۱۹۴۷ء سے ہی کشیدہ تھے جب ظاہر شاہ کے نمائندہ کے طور پر سردار نجیب اللہ پاکستانی حکام سے بات چیت کے لیے کراچی آئے۔ کابل واپسی کے بعد افغانستان نے پختونستان کا نعرہ با آواز بلند لگا دیا۔ قادیانیوں کو کابل سے قدرتی، نفسیاتی اور دلی نفرت تھی کیونکہ ان کے مبلغین کو وہاں جاسوسی کے الزام کے تحت مختلف اوقات میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ کابل کے متعلق پاکستان کی خارجہ حکمت عملی کی تشکیل میں ظفر اللہ کے تعصب نے پائیدار رنگ بھرا۔

پشاور سے واپسی پر مرزا محمود راولپنڈی رے کے جہاں انہوں نے ایک سینما ہال میں ایک منتخب مجمع سے خطاب کیا اور مسئلہ کشمیر پر بات کی۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اگر حکومت پاکستان کی خواہش ہو تو وہ مسئلہ کشمیر پر اہم کردار ادا کر سکتے ہیں کیونکہ شیخ عبداللہ ان کی بہت عزت کرتا ہے۔ تقریر کے دوران عوام نے ہال کے باہر مظاہرہ کیا۔ احتجاج کرنے والوں پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔

ہنڈی سے وہ کوئٹہ چلے گئے، چودہ جون ۱۹۴۸ء کو کوئٹہ کی احمدیہ جماعت نے ان کے اعزاز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا۔ منتظمین میں ایم کاظمی ایرانی قونصل، قلات ریاست کے وزراء اعلیٰ سول و فوجی حکام، سر فلپ ایڈورڈ پولیٹیکل ایجنٹ، کوئٹہ، مرزا بشیر احمد ایس او کوئٹہ، مسٹر بالانگ مہتمم پولیس، مسٹر بیک ڈی ایس پی۔ خان بہادر ملک بشیر احمد انڈر سیکرٹری، ایڈجوٹنٹ جنرل، نواب ریسائی، آغا سردار شاہ کمشنر کالونی ریونیو کمشن، نواب کرم خان کانسی، محمد خان جوگہزی، میر ڈوڈا خاں اور مسلم لیگ کے کئی اہم ارکان شامل تھے انہوں نے اسلامی آئین کے مسئلے پر گفتگو کی اور کشمیر میں لڑنے والے رضا کاروں کی امداد کی ضرورت پر زور دیا۔^(۲) اپنے احمدی پیروکاروں کے لیے ان کا یہ پیغام تھا جو حکم کا درجہ رکھتا تھا کہ طاقت اور

اقتدار حاصل کرو۔ اگر پر امن ذرائع سے حاصل نہ ہو سکے تو یہ قوت سے حاصل کرو انہوں نے احمدیوں کو نصیحت کی کہ وہ احمدی بنانے کی بھرپور تہادہی مہم شروع کر دیں۔ بعد ازاں ان بیانات کے رد عمل میں علماء نے قادیانیت کے لئے لینے شروع کر دیئے۔

حیدر آباد:

گیارہ ستمبر ۱۹۳۸ء کو قائد اعظم کی رحلت واقع ہو گئی۔ قوم کے لئے یہ نقصان عظیم تھا۔ لوگ اپنے عظیم رہنما کی وفات کا ماتم کر رہے تھے کہ خبر آ گئی کہ ہندوستانی فوجیں حیدر آباد دکن میں داخل ہو گئی ہیں۔

برطانوی راج کے دوران حیدر آباد کو ایک خاص حیثیت حاصل تھی۔ نظام کو سامراجی آشر واد حاصل رہی تھی سوائے دوسری دہائی کے وسط میں جب انہوں نے اندرونی معاملات میں خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اپنی حیثیت مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ وائسرائے لارڈ ریڈنگ نے اس پر فوری رد عمل کا اظہار کیا اور ستائیس مارچ ۱۹۳۶ء کو ایک کونسل قائم کر دی تاکہ ریاست کے معاملات کو چلایا جاسکے۔ اس کونسل میں چار برطانوی افسر شامل تھے۔ کونسل کو اختیارات حاصل ہونے کے بعد نظام کی قوت تقریباً ختم ہو کر رہ گئی۔ وہ اس ہندو اکثریتی ریاست کے برائے نام سربراہ بن کر رہ گئے۔^(۱)

نظام کے دو بیٹے پرنس برادر اور معظم جاہ آپس میں بدست و گریبان تھے۔ برادر نے اپنے ذاتی استعمال کے لئے ایک بڑی رقم ہندو ساء و کاروں سے قرض حاصل کر رکھی تھی اس نے برطانوی افسران کے ساتھ ساز باز کی تاکہ کسی مناسب وقت پر برسر اقتدار آسکے۔ سکندر آباد گھرانے کے قادیانی حیدر آباد کی سیاست میں ملوث تھے انہوں نے نظام کے محل میں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے جو قادیان کو تمام محلاتی سازشوں سے باخبر رکھتے۔ قادیان نے شہزادہ برادر کو آگے بڑھایا۔ ۱۹۳۸ء کے آخر میں جب ہندوستان نے حیدر آباد پر قبضہ کر لیا تو ایک خطبے میں مرزا محمود احمد نے یہ انکشاف کیا کہ شہزادہ برادر نے کوئی اکیس سال قبل (۱۹۲۷ء

میں) ہندو مہاسجائیوں کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کر لیا تھا۔ اس نے ان سے رقم وصول کی اور مناسب وقت پر طاقت کے حصول کے بعد انہیں چند مراعات دینے کا وعدہ کیا۔ اس معاہدے کی بھگت شہزادے کے کسی (غالباً قادیانی) مصاحب کے کان میں پڑ گئی۔ اس نے کاغذات میں سے یہ معاہدہ چوری کر کے مرزا محمود کے حوالے کر دیا۔^(۱) قادیانی خفیہ محکمہ نے اس معاہدے کے پس منظر کا کھوج لگا لیا کہ چونکہ شہزادہ کو خزانہ عامرہ سے جیب خرچ نہیں ملتا تھا اس لیے اس نے ہندو ساہوکاروں سے کچھ رقم مستعار لی جنہوں نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے خفیہ معاہدہ کر لیا۔ مرزا محمود کہتے ہیں کہ انہوں نے اس معاہدہ کی اطلاع برطانوی حکومت کو کر دی۔ جس پر برطانوی حکومت نے نظام کو حکم دیا کہ وہ شہزادے کو ماہانہ دس سے بیس ہزار روپے دیا کرے۔ مرزا محمود مزید کہتے ہیں کہ وہ حیدر آباد کے بدلے کشمیر کا سودا کرنے کے حق میں ہیں۔ انہوں نے یہ دلیل دی کہ حیدر آباد کے جغرافیائی حالات کی وجہ سے اسے انڈین یونین کا حصہ بننا چاہیے اور کشمیر کا پاکستان کے ساتھ الحاق ہونا چاہیے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ مسلمانوں کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرائیں کہ (کشمیر اور حیدر آباد کے یہ) دونوں مسائل ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ لہذا ان کا اکٹھا حل ہونا چاہیے۔ ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کو حیدر آباد دے کر اس سے کشمیر لے لیا جائے۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ بعض اوقات قوم کے رہنما عوامی خواہشات کے آگے اس قدر جھک جاتے ہیں کہ وہ درست راستہ نہیں اختیار کر پاتے۔ انہوں نے شہزادہ برار اور قاسم رضوی کی اہلیت پر شک ظاہر کیا کہ وہ معاملہ طے کر سکیں گے یا نہیں۔^(۲)

پاکستان کے مسلمانوں نے یہ بھی دیکھا کہ ظفر اللہ نے قائد اعظم کو غیر مسلم قرار دیتے ہوئے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔ قادیانی کھلے عام نوے کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دیتے تھے اس میں قائد اعظم کے لیے کوئی استثنیٰ نہ تھا۔ اس بات سے پورے پاکستان میں

۱۔ مرزا محمود احمد کا خطاب الفضل لاہور 21 ستمبر 1948ء۔

۲۔ ایضاً۔

قادیانیوں کے خلاف نفرت پیدا ہوئی مگر قادیانیوں نے اس کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی۔ پاکستان کے استحکام کو کھوکھلا کرنے کی مذموم سرگرمیوں میں انہیں سامراجی قوتوں کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی۔

قادیانیوں کا یہ پختہ ایمان تھا کہ ہندوستان میں برطانوی راج کے دوران (اور یہ عقیدہ ابھی تک قائم ہے) کہ وہ انگریزوں کے زیر سایہ ہی پنپ سکتے ہیں اور اپنے نظریات پھیلا سکتے ہیں، نہ کہ مکہ شام نہ ہی کابل میں۔ محض برطانوی حکومت کے زیر سرپرستی ایسا کر سکتے ہیں جن کی ترقی و خوشحالی کے لیے احمدیت کا بانی ہمیشہ دعا گورہا۔^(۱) اب انہیں پاکستان کی صورت حال اپنے حق میں بہتر محسوس ہوئی۔ مرزا محمود نے اپنے سیاسی دوروں کے دوران اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ

”وہ کم آبادی والے وسیع و عریض بلوچستان کی آبادی کو احمدی بنانے پر توجہ دیں تاکہ احمدی اس قابل ہوں کہ کم از کم ایک صوبے کو تو اپنا کہہ سکیں۔“^(۲)

انہوں نے متنبہ کیا کہ ایک یا دو محکموں میں بھیڑوں کی طرح جمع ہونے کی بجائے تمام کلیدی شعبوں میں پھیل جائیں۔ جہاں تک فوج میں جانے کا تعلق ہے تو اگر کبھی یہ فرض کیا جائے کہ پاکستان میں دس ہزار احمدی ہیں تو ان میں سے نو ہزار کو فوج میں ہونا چاہیے۔ فوجی تیاری بڑی اہم چیز ہے۔ انہوں نے سوال کیا کہ اگر تم نے فوجی علوم نہ سیکھے تو اپنا کام کیسے کرو گے؟ ”بعد میں پاکستان میں جمہوریت کی پامالی اور بدعنوانی۔ جمہوری عمل میں عدم تسلسل، اسلامی قوانین کے نفاذ کی راہ میں پیدا کردہ رکاوٹوں اور ملک میں پہلے عوامی اور پھر فوجی نوکریاں کا ملک میں بطور برسر اقتدار طبقہ ابھرنا۔ ان سب کے پیچھے قادیانیوں کی پس پردہ گہری سازشوں کو دخل تھا اور ان امور کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔“^(۳)

عمومی طور پر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ قیام پاکستان کے ابتدائی سالوں میں احمدیوں کی پالیسی مندرجہ ذیل نکات پر مرکوز تھی۔

۱۔ تبلیغ، المودن، ص ۶۴، جلد ۶، ص 69۔

۲۔ الفضل، ۱۳ اگست 1948ء۔

۳۔ میکس، لندن، 27 جنوری 1974ء۔

- (i) پاکستان میں ایک بیس قائم کی جائے۔ مرزا محمود کی کشمیر اور بلوچستان پر نظر تھی۔
 - (ii) مسلح افواج میں سرایت کی جائے۔
 - (iii) تقسیم کو ختم کر کے قادیان کو دوبارہ حاصل کیا جائے گا۔
 - (iv) ظفر اللہ کی مدد سے افریقہ اور عرب ممالک میں نئے تبلیغی سیل قائم کیے جائیں۔
- کشمیر:

کشمیر میں قادیانی سازشوں کی ایک طویل تاریخ ہے۔ پچھلے ابواب میں مختصراً قادیانی کردار پر بحث ہو چکی ہے، جن میں کشمیر کمیٹی میں قادیانی کردار کا تذکرہ تھا۔ ۱۹۳۳ء میں قادیانی تخریب کاروں نے ”کل ہند انجمن کشمیر“ قائم کی تاکہ سامراجی طاقتوں کی اعانت سے اپنے مذموم عزائم کو پورا کیا جاسکے۔ عوامی ذہن پر اثر انداز ہونے کیلئے ایک قادیانی جریدے ”الاصلاح“ کا سری نگر سے اجراء کیا گیا۔ ۱۹۳۳ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک کشمیر کی سیاست میں قادیانیوں کا کردار واضح طور پر مہاراجہ کی حمایت میں تھا۔^(۱)

شیخ عبداللہ نے ۱۹۴۶ء میں ”کشمیر چھوڑ دو“ تحریک شروع کی جو ڈوگرہ حکمران کے خلاف تھی اور جس کا انداز ۱۹۴۲ء کی کانگریس کی ”ہندوستان چھوڑ دو“ تحریک سے ملتا جلتا تھا۔ عبداللہ نے ”نیشنل کانفرنس“ کا چوترا اس مقصد کیلئے استعمال کیا۔ اس کو ۱۹۳۹ء میں ”مسلم کانفرنس“ کے مقابلے کے لیے بنایا گیا تھا۔ مرزا محمود نے شیخ عبداللہ کی مہاراجہ کشمیر کے خلاف چلائی گئی ”کشمیر چھوڑ دو“ تحریک کی سخت مخالفت کی اور مہاراجہ کشمیر کی پالیسی کی تائید اور ستائش کی۔^(۲) کشمیری مسلمانوں کی تحریک حریت اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی اس وقت ان کو موثر حمایت کی ضرورت تھی۔ مرزا محمود نے کشمیریوں کے لیے تمام ہمدردیاں فراموش کر دیں۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ وہ کشمیریوں کو قادیانی بنانے کے لیے اپنی تمام توجہ مرکوز کریں اور اپنے اس امر پر پختہ یقین کا اظہار کیا کہ تمام کشمیری مجموعی طور پر احمدیت قبول کر لیں گے جس طرح کہ اسنوڑ چک سسفرج اور رشی نگر

۱۔ اصلاح سری نگر 4 جولائی 1946ء۔
۲۔ افضل قادیان یکم دسمبر 1946ء۔

وغیرہ کے دیہاتوں میں ہو چکا ہے۔

کشمیر میں احمدی مشن کی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے الفضل لکھتا ہے۔

”پچھلے سال (۱۹۳۵ء میں) حضرت مصلح موعود نے مشاورتی کمیٹی کے اجلاس میں کمال مہربانی سے اجازت دی ہے کہ کشمیر کی اہمیت اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے اس ریاست میں تبلیغی مرکز قائم کیا جائے۔ وہاں دارالتبلیغ اور مسجد کے قیام کی اشد ضرورت تھی۔ حکومت کشمیر نے بخوشی ہمیں دارالتبلیغ مسجد اور مہمان خانہ کیلئے چار کنال اراضی مہیا کر دی ہے۔ جب ہم نے زمین حاصل کر لی تو احمدی مبلغ کو حضرت مصلح موعود نے مبارکباد کا پیغام بھجوایا۔“ (۱)

قادیانیوں نے کشمیر اسمبلی کے انتخابات میں فتح کدل کے حلقہ انتخاب سے جماعت احمدیہ سری نگر کے صدر غلام نبی گلکار کی کامیابی پر جشن منائے۔ جموں کے احمدیوں نے مرزا محمود کی بدلتی ہوئی پالیسی کے متعلق تشویش کا اظہار کیا۔ انہوں نے قادیان جا کر کشمیر کی جدوجہد آزادی کے نازک مرحلے پر مرزا محمود کی سردمہری پر اظہار تاسف کیا۔ مرزا محمود نے ۱۹۳۰ء کی دہائی کے دوران تحریک کشمیر میں اپنے کردار کی مفصل وضاحت کرتے ہوئے اس وقت کی کشمیری قیادت پر تنقید کی کیونکہ انہوں نے مہاراجہ کے خلاف تحریک شروع کر رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ

”مہاراجہ اور اس کے خاندان کے خلاف الزامات عائد کیئے جا رہے ہیں۔ یہ غلط بات ہے اور ہم اس تحریک کی سختی سے مخالفت کرتے ہیں۔ ہماری تمام تر ہمدردیاں مہاراجہ کشمیر کے ساتھ ہیں۔ تاہم ان کو بھی اپنی رعایا کا خیال رکھنا چاہیے۔“ (۲)

کشمیر کی قادیانی جماعت کے بعض افراد قادیان میں مرزا محمود سے ملنے آئے۔ انہوں نے ان کے ایڈریس کے جواب میں کہا۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے کشمیر کی سیاست میں حصہ لیا ہے اس سلسلے میں دلچسپی رکھنے والی تمام جماعتوں کو حمایت کی پیشکش کی ہے اگر وہ ان کی زیر ہدایت کام کرنے پر

۱۔ الفضل قادیان 10 جنوری 1946ء۔

۲۔ الفضل قادیان 20 جون 1946ء۔

راہی ہوں تو ”ہم ان کے ساتھ تعاون پر رضامند ہیں اور اسی طریقے سے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔“

انہوں نے اپنے ایک خواب کا تذکرہ کیا جو انہوں نے ۱۹۴۲ء میں دیکھا تھا یہ کشمیر کے مہاراجہ کے بارے میں تھا۔

”اگلے دن پھر وہی خواب آیا مرزا غلام احمد مسیح موعود نے بھی اس قسم کا خواب مہاراجہ پنپالہ کے بارے میں دیکھا تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہوا کہ پنجاب کی سیاست کے ساتھ کشمیر اور پنپالہ کا کوئی تعلق ہے۔ تاہم احمدیت پھیلانے کی متواتر کوششیں کر رہے ہیں اور ہماری جماعتوں نے کشمیر کو گھر لیا ہے۔“ (۱)

پاکستان بلور ہندوستان کی ریاستوں میں انتقال اقتدار کے ساتھ ہی چھوٹی راجدھانیوں پر سے برطانوی غلبہ چھٹنے لگا۔ تقسیم سے بہت پہلے ہی ہندوستانی رہنماؤں نے کشمیر کے حصول کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ ریڈ کلف ایوارڈ سے مسلمان آبادی کا اکثریتی ضلع گودا سپور ہندوستان کے پاس چلا گیا جس سے ہندوستان کو وادی کے ساتھ مواصلاتی رابطہ مہیا ہو گیا جو بصورت دیگر نہ ہو سکتا تھا۔

حکومت آزاد کشمیر:

قیام پاکستان کے بعد کے اتر حالات کے باعث پاکستانی قیادت مسائل میں گھرے ہونے کی بناء پر کشمیر میں ہندوستان کی جارحانہ اقدامات کا بھرپور جواب دینے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ قبائلیوں کے رضا کار دستے نے جو ڈوگر راج سے ریاست کو چھڑوانے کی تگ و دو کر رہے تھے ناقص منصوبہ بندی اور ذرائع کے ناکافی ہونے کی وجہ سے موثر پیش قدمی نہ کر سکے۔ ڈوگرہوں کے ظالمانہ راج کے خلاف پونچھ کے عوام نے ایک دلیرانہ جدوجہد شروع کر دی۔ مرزا محمود نے کشمیر کے محاذ پر لڑنے کے لیے کوئی وقت ضائع کیے بغیر ایک قادیانی ہٹلین بنا ڈالی۔ قادیانیوں نے ہمیشہ جہاد کی مخالفت کی تھی اور ان کے مسیح موعود کی آمد کا

مقصد ہی آنے والے وقتوں میں جہاد کو ممنوع قرار دینا تھا۔ یہ ان کے عقیدے کا جزو تھا اور اس پر ہندوستان میں برطانوی راج کے دوران وہ سختی سے کاربند رہے۔ مگر اب سیاسی مصلحت نے مرزا محمود کو مجبور کر دیا کہ وہ کشمیر کی اتر صورت حال میں احمدیوں کے مفادات کی نگہبانی کے لیے کشمیر کی سرحد پر فرقان بٹالین روانہ کرے اور قادیان سے متعلق عسکری مفادات کی نگرانی کرے۔ پونچھ اور وادی میں پہلے ہی بہت سے قادیانی جاسوس سرگرم عمل تھے جو مرزا محمود کی زیر ہدایت خفیہ کارروائیوں کے لیے کشمیر گئے ہوئے تھے۔

قادیانی دعویٰ کرتے ہیں کہ کشمیر میں جدوجہد آزادی ۴۸-۱۹۴۷ء کے دوران غلام نبی گلکار نے راولپنڈی میں پہلی جلاوطن آزاد کشمیر حکومت قائم کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ چھ اکتوبر کو مہاراجہ ہری سنگھ کو گرفتار کرنے کے لیے سری نگر روانہ ہوا۔^(۱) سری نگر میں خفیہ طور پر ایک تیرہ رکنی کابینہ بنائی گئی جس میں تعلیم، صحت، دفاع اور قانون کے وزیر مقرر کیئے گئے تھے ان کے اصل نام ظاہر نہ کیئے گئے۔ یہ ایک قادیانی تصوراتی کابینہ تھی۔ گلکار کو سری نگر میں گرفتار کر لیا گیا جسے وہاں چند ماہ قید میں رہنا پڑا۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں۔

”ریڈیو پاکستان کے اعلان کے مطابق (کشمیر میں قائم) عارضی حکومت کا سربراہ انور تھلہ یہ انور کون ہے؟ اب تک تین آدمی منظر عام پر آئے ہیں جن میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ انور ہے۔ مگر باخبر لوگوں کو یقین ہے کہ انور غلام نبی گلکار کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں جو کہ مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کارکن اور کشمیر کی جدوجہد آزادی کا پرانا کارکن اور آزاد کشمیر کی عارضی انتظامی حکومت کا سربراہ ہے۔ جیسے ہی یہ عارضی حکومت منصفہ مشہود پر آئی اس وقت اس کے سربراہ نے ایک بچگانہ اور حیران کن حرکت کی۔ وہ مہاراجہ کو گرفتار کرنے کی نیت سے اور شیخ عبداللہ کو اس کے کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کے نظریے کے خوفناک نتائج کے بارے

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 7 ص 696) یہ بات حیران کن ہے کہ ۱۹۴۷ء میں اکتوبر نومبر کے کسی شمارے میں الفضل لاہور نے غلام نبی گلگاہی کی آزاد حکومت کشمیر کے قیام کے بارے میں جو کچھ لکھا ایک غیر مصروف شخص فرار گلگاہی کو لکھ دے "مارا شہر" منظر آباد نے اسے اخبار میں چھاپا اکتوبر 1953ء کو ایک مضمون شائع کیا جسے 5 دہائی مضمین اسے دعوے کی تائید میں لے کر پورا اعداد و شمار پیش کرتے ہیں حریدہ کیجئے تاریخ احمدیت جلد 11 ص

میں متنبہ کرنے کیلئے سری نگر چل پڑا۔ یہ خوب ساختہ صدر گرفتار کر لیا گیا اور قید میں ڈال دیا گیا۔ اپنی گرفتاری سے قبل وہ عبداللہ سے ملا اور اس سے گفتگو بھی کی مگر اس نے اپنی شناخت ظاہر نہ کی۔^(۱)

یہ زیر زمین کا بینہ جو میدان طور پر گلکار نے بنائی تھی ساری کی ساری قادیانی یا قادیانی نواز عناصر پر مشتمل تھی۔ صرف عبدالغفار ڈار (نائب پبلیٹی آفیسر) اور خوجہ عبدالمتان (چیف انجینئر) جیسے لوگوں کے ناموں کے علاوہ بقیہ کسی کا نام ظاہر نہ کیا گیا تھا۔^(۲)

قادیانیوں کے اس دعویٰ میں قطعاً صداقت نہیں کہ گلکار نے پہلی آزاد کشمیر کی عارضی حکومت کی بنیاد رکھی۔ چار اکتوبر کو جموں کے ایک مشہور کشمیری رہنما نذیر حسین شاہ نے آزاد کشمیر حکومت کے قیام کا اعلان کیا۔ اس اعلان کو ”انور“ کے ایک فرضی نام کے تحت کیا گیا تھا۔^(۳) انہوں نے خود راقم کو بتایا کہ چونکہ وہ ترک جرنیل انور پاشا سے محبت کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس عظیم مقصد کیلئے انکا نام اختیار کیا۔ نتیجہ غلام نبی گلکار نے اس لقب کو اپنے نام کا حصہ بنا لیا حالانکہ گلکار نے مسئلہ کشمیر پر پاکستان کے موقف کی ہمیشہ مخالفت کی اور خود مختار کشمیر کے نظریے کی وکالت کی۔ کشمیر کے آزاد علاقے میں آزاد کشمیر کی حکومت چوبیس اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قائم کی گئی اور سردار ابراہیم کو اس کا صدر مقرر کیا گیا۔^(۴)

چھبیس اکتوبر کو ہندوستان نے کشمیر پر ایک بھرپور حملہ کر دیا اس سے قبل مہاراجہ نے کانگریس کے ساتھ نام نہاد الحاق کا معاہدہ کیا۔ جدید تحقیق کے مطابق اس کا وجود نہیں ملتا۔ جب یہ بات قائد اعظم کے علم میں لائی گئی تو انہوں نے جزل گریسی کو حکم دیا کہ وہ کشمیر میں فوجیں داخل کرے۔ وہ پاکستانی فوج کا قائم مقام سی این سی تھا مگر برطانوی کمانڈر نے ان احکامات کی تعمیل سے انکار کر دیا حالانکہ اس کا برطانوی ہم منصب ہندوستان کی طرف سے

۱۔ ہاؤس 621 ’مزید دیکھئے لارڈ رڈ“ کشمیر اور ڈوڈ ’لندن 1956ء ص 81۔

۲۔ دیکھئے اسد اللہ کشمیری ’قادیانی‘ ’مصلحہ راجہ راجی کشمیر غلام نبی گلکار‘۔ دہلی 1957ء ص 25۔

۳۔ تحصیل باغ آزاد کشمیر کے گاؤں مل سرگ کے یٹیفینٹ سید انور شاہ اور بھیر خورشید اور جن کی مکان میں 21 اکتوبر 1947ء کو قادیانیوں نے مظہر آباد پر حملہ کیا تھا وہ بھی اس کے گویہار ہیں۔

۴۔ سید عزیز دیکھئے مولانا محمد آزاد کشمیر کی قرارداد پر مرزا نیوں کے گروہ کن پرووینس کے مسکت جواب مرکزی تحریک ختم نبوت پاکستان 1973ء۔

ریاست جموں و کشمیر پر ایک مسلح حملے میں مصروف تھا۔ فیلڈ مارشل آکنلیک کا سوانح نگار قلب وارنر بیان کرتا ہے۔

”ہندوستان کی مسلح افواج کے کمانڈران چیف جنرل لوکارٹ کے حکم پر ہندوستانی افواج کے حملے کے فوراً بعد (آکنلیک فوراً لاہور پہنچا۔ یہاں پر جنرل سر ڈگلس گریسی نے (جو پاکستانی مسلح افواج کے کمانڈران چیف میسروی کے چھٹی پر جانے کی بناء پر قائم مقامی کے فرائض سرانجام دے رہا تھا) اسے مطلع کیا کہ محمد علی جناح نے اسے بتایا ہے کہ کشمیر کی طرف مختلف مقامات پر فوجی دستے روانہ کر دو ان کی ہدایات میں سری نگر پر قبضہ کرنا بھی شامل تھا۔ ظاہر ہے کہ پاکستانی گورنر جنرل کشمیر کو اتنی آسانی سے ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔

آکنلیک نے بڑے واضح انداز میں جناح کو بتا دیا کہ کشمیر کے بارے میں وہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں یہ بالکل بے قاعدہ بات ہے کیونکہ کشمیر اب قانونی طور پر بھارت کا حصہ بن چکا ہے۔ اس نے خاموشی سے بتایا کہ اگر جناح نے اس پر اصرار کیا تو وہ ذاتی طور پر پاکستانی فوج میں موجود تمام برطانوی افسران کو واپس بلا لے گا۔ اس دھمکی نے جناح کو مشتعل تو کیا مگر اسی وقت خاموش بھی کر دیا۔ اس کے بعد آکنلیک نے یہ تجویز پیش کی کہ جناح صاحب ایک کانفرنس میں نہرو ماؤنٹ بیٹن، مہاراجہ کشمیر اور اس کے وزیر اعظم سے مل لیں اس تجویز سے اتفاق کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ اس وقت نہرو بیمار تھے اور جانیں سکتے تھے اگرچہ اس بات پر اتفاق کر لیا گیا تھا کہ کشمیریوں کے اصل احساسات کا جائزہ لینے کے لیے ایک رائے شماری کرائی جائے گی۔“ (۱)

کشمیر اقوام متحدہ میں:

کیم جنوری ۱۹۴۸ء کو ہندوستان اقوام متحدہ میں یہ شکایت لے کر چلا گیا کہ پاکستان ریاست کشمیر میں لڑائی کے لیے اپنے باشندوں اور قبائلی لوگوں کو شہ اور امداد دے رہا ہے۔ ابھی سلامتی کونسل میں یہ معاملہ زیر بحث ہی تھا کہ ریاست کشمیر میں ہندوستان نے اپنی

کارروائیوں میں شدت پیدا کر دی جس نے پاکستان کو ضروری دفاعی اقدامات کی خاطر حفاظتی نگاہ نظر سے محدود تعداد میں دہستے بھیجنے پر مجبور کر دیا۔

اقوام متحدہ میں گوپال سوامی آئیٹنگر نے ہندوستان کی نمائندگی کی جبکہ ظفر اللہ نے سلامتی کونسل میں پاکستانی نگاہ نظر پیش کیا۔ ظفر اللہ کے دلائل کا لب لباب یہ تھا کہ ”الحاق یا مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل عام اور پڑوسی ہندو اور سکھ ریاستیں ایک وسیع سازش میں مصروف ہیں جن کی وجہ سے یہ واقعات رونما ہو رہے ہیں“۔^(۱) اُس نے اس بات پر اپنی تقریر ختم کی کہ بھارتی فوج کے نام نہاد الحاق کے فیصلے میں ناکامی کے باعث ہندوستان نے سلامتی کونسل کے آگے مسئلہ پیش کر دیا ہے۔ اگرچہ اس میں کسی حد تک صداقت کا عنصر بھی شامل تھا۔ تقریر کے ابتدائی مرحلے میں ظفر اللہ نے معاملے کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ ڈیہامائی اور چوٹکا دھپینے والے الزامات لگائے گئے جن سے ہندوستانی قیادت کے شیطانی مظالم آشکارہ ہوتے ہوں اور جو خون سے اپنی پیاس بجھا رہی ہو۔ اس سے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو متاثر نہ کیا جاسکا۔ اس کے علاوہ ظفر اللہ معمولی بات کو بہت طول دیتا تھا۔ بہت زیادہ طوالت دینے کا رجحان بھی نقصان دہ ثابت ہوا۔^(۲)

بارہ اپریل ۱۹۴۸ء کو راولپنڈی میں اپنے خطاب میں مرزا محمود نے یہ بات پہلے ہی واضح کر دی تھی کہ سلامتی کونسل کا فیصلہ پاکستان کے خلاف ہوگا۔ فیصلہ بین الاقوامی عوامل کے تابع ہوگا اور دس ظفر اللہ بھی مل کر اس پر اثر انداز نہ ہو سکیں گے۔^(۳) انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ گوپال سوامی آئیٹنگر نے امریکہ اور برطانیہ کو یہ یقین دہانی کرادی ہے کہ ہندوستان روس کے ساتھ کسی جنگ میں انہیں مطلوبہ رعایتیں فراہم کرے گا۔^(۴)

سلامتی کونسل نے اقوام متحدہ کا کمیشن برائے پاک و ہند مقرر کیا تاکہ وہ حقائق کی تفتیش

۱۔ دیکھئے ظفر اللہ سرگٹ آف گاڈس 152-149۔

۲۔ لارڈ برڈوڈہ اقوام اور کشمیر لندن، ص 88۔

۳۔ تاریخ احمدیت، جلد 12، ص 324۔

۴۔ ظفر اللہ کہتے ہیں کہ سلامتی کونسل رائے شماری کی قرارداد پر غور و خوض کر رہی تھی کہ دولت مشترکہ کے معاملات کے وزیر قلم نوکل بکرنے گوپال سوامی اور گرجہ سنگھ راجپانی سے بات کی اور انہیں کہا کہ وہ وزیر اعظم نہرو کو اس بات پر قائل کر لیں کہ وہ قرارداد کی تفسیل کرے اس کو یہ امید دلائی گئی وزیر اعظم کو قائل کر لیا جائے گا مگر وزیر اعظم برطانیہ دھڑکی کی جانب سے ٹکلیک کر دیتی پیٹا موصول ہوا کہ ”دست بردار ہو جاؤ“ قرارداد میں یہ اعلان ہوا کہ اس کے خلاف شہادت کیلئے دوبارہ دلی دلائل بلالیا گیا۔“ (سرگٹ آف گاڈس 153۔)

کرے اور دونوں فریقوں کے درمیان مصالحت کرائے۔ سات جولائی ۱۹۴۸ء کو جب کمیشن پاکستان پہنچا تو ظفر اللہ نے آسانی سے تسلیم کر لیا کہ آٹھ مئی سے پاکستانی دستے کشمیر میں لڑ رہے ہیں۔ اگرچہ اس حقیقت کا سبھی کو علم تھا مگر پاکستانی حکومت اب تک اس کا انکار کرتی آئی تھی۔ کمیشن کے نظروں میں یہ ”صورتحال میں ایک ڈرامائی اور مادی تبدیلی“ تھی۔ کمیشن نے پاکستانی حکومت کے ساتھ خط و کتابت میں بھی اسے ایسا ہی قرار دیا۔ اگست ۱۹۴۸ء میں پاکستان نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ آزاد کشمیر کی فوجیں پاکستان کی فوج کے دائرہ کمان میں ہیں۔^(۱) اس سے معاملے کی نوعیت ہی بدل گئی اور ہندوستان نے اس صورتحال کا اپنے حق میں ناجائز فائدہ اٹھایا۔^(۲)

اقوام متحدہ کے کمیشن نے طویل مذاکرات کے بعد فریقین کے درمیان معاہدہ طے کیا جسے اقوام متحدہ کی قرارداد تیرہ اگست ۱۹۴۸ء اور پانچ جنوری ۱۹۴۹ء کہا جاتا ہے۔ اس کی رو سے یکم جنوری ۱۹۴۹ء سے جنگ بندی منظور کر لی گئی جو کہ مسئلہ کشمیر کے لیے مہلک ثابت ہوئی۔ ظفر اللہ کی غیر معمولی طور پر طویل تقاریر نے معاملہ کو اور الجھا دیا۔ پاکستان ”غیر مسلح کیے جانے کی تجویز“ پر ہندوستان کے ساتھ لفاظی کی جنگ کی دلدل میں پھنس گیا اور اصل مقصد یعنی رائے شماری کے لیے ایک ایڈمنسٹریٹر قائم کیا جائے۔ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

میاں افتخار الدین جو کہ ایک بزرگ مسلم لیگی رہنما تھے انہوں نے پانچ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو پاکستان کی آئینی اسمبلی میں اپنی تقریر کے دوران ظفر اللہ کے کردار پر بڑے واضح اور متاثر کن انداز میں تنقید کرتے ہوئے کہا۔

”کیا ہمیں یہ صاف نظر نہیں آتا کہ ان (برطانوی اور امریکی سامراجیوں) کا مفاد اس میں ہے کہ وہ مشرق کے لوگوں پر اپنا تسلط قائم رکھیں جن پر وہ پرانے طریقوں سے حکومت نہیں کر سکتے ان پر اب وہ بالواسطہ طور پر اپنے آلہ کاروں کے ذریعے حکومت کریں گے اور ہم نے اپنے آپ کو دانستہ یا غیر دانستہ طور پر جھکا دیا ہے اور ہماری حکومت نے دانستہ یا نادانستہ طور پر

۱۔ ڈی بیوٹا ریس برائون اقوام متحدہ اور پاکستان ہندوستان امریکہ ص 189۔

۲۔ مسئلہ کشمیر پر ہندوستانی کنٹرول کے لیے لائحہ عمل، نکلون گٹھ، کشمیر کی سیاسی سازشیں لائٹ اینڈ ڈانک مطبوعات، نکلون ہندوستان 1973ء۔

اپنے آپ کو ان کا آلہ کار ثابت کرتے ہوئے جھکا دیا ہے۔ یہ ہی وہ کردار ہے جو ہم نے اس مسئلہ پر ادا کیا ہے۔ جناب آپ اس آدمی (ظفر اللہ) کے بارے میں سوچیں جس کی میں بات کر رہا ہوں اور میں کسی فرد کی مخالفت نہیں کر رہا اور جب تک حکومت کی حکمت عملی یہ رہے گی جواب تک رہی ہے تو بظاہر بہترین آدمی (اقوام متحدہ) جائے گا اور اپنی ناکامی ظاہر کر دے گا مگر یہ تو پاکستانی حکومت کی شدت جذبات، نیت اور ذہنیت کا علامتی اظہار ہوگا۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ظفر اللہ تیس یا چالیس سالہ تجربے کا مالک اور ایک قابل وکیل تو ہو سکتا ہے اور برطانوی راج پر یقین کامل رکھنے والا ہو سکتا ہے اور ”شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار“ ہو سکتا ہے جس نے ان تیس سالوں کے دوران ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ وہ آئے اور ملک کی آزادی کا سوال پیش کرے۔ اس نے ساری زندگی برطانوی حکومت کی خدمت کی ہے، اگر اسے رقم مل جائے تو یہ بہادپور، بھوپال یا حکومت ہند کی خاطر بول سکتا ہے اور ہندوستانی حکومت کے نمائندہ کے طور پر پیش ہو سکتا ہے اگر اسے ادائیگی کی جائے اور اس طرح اس نے چین میں جا کر کیا اور اس طرح اس نے حکومت پاکستان کی نمائندگی کی جس کے لیے اسے ادائیگی ہوئی۔ اگر حکومت اسے رقم دے تو یہ متحدہ ہندوستانی حکومت کی نمائندگی بھی کر دے گا اگر خدا نخواستہ کل پاکستان انڈین یونین بن جائے تو اسے صرف رقم کی ضرورت ہے اس شخص کو ہم نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے بھجوا دیا ہے کہ یہ بہترین وکیل ہے جو ہمیں میسر آ سکتا تھا۔ اس وکیل نے باؤنڈری کمیشن میں سرحدی مسئلے پر ہماری وکالت کی اور ہم سب جانتے ہیں کہ ریڈ کلف نے ہمیں کیا دیا؟ یہی وکیل قابل نفرت یونیسٹوں کا فکری دہنما تھا جو سب سے زیادہ تنگ نظر اور رجعت پسند عناصر تھے۔ برصغیر کی آج تک سیاست کی بد صورت ترین پیداوار تھے۔ یہ شخص کشمیر کے عوام کے جذبہ آزادی کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ ان کے لیے نہیں لڑ سکتا۔ یہ شخص صرف بال کی کمال تو اتار سکتا ہے مگر کوئی حکمت عملی دینے سے قاصر ہے۔

جناب والا! یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ شخص لازمی طور پر برطانوی مفادات کا نگہبان

ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بحث کو طویل کیا جائے۔ تمام معاملات کو طوالت دی جائے تاکہ دونوں پاکستان اور ہندوستان مدد کے لیے برطانیہ اور امریکہ کو پکاریں۔ ہمارا معزز وزیر امریکہ سے زیادہ برطانیہ کا آلکار ہے۔ تاہم یہ تو بات سر راہ آگئی۔ بات یہ ہے کہ اس حکمت عملی سے ہمیں کشمیر نہیں مل سکتا۔“^(۱)

فرقان بٹالین:

جون ۱۹۴۸ء میں مرزا محمود نے کشمیر کے معاملات میں اپنا الوسیدھا کرنے کے لیے فرقان بٹالین تیار کی۔ مجلس شوریٰ کے ایک خصوصی اجلاس میں انہوں نے اعلان کیا کہ چند فوجی افسروں نے انہیں ترغیب دی ہے کہ کشمیر کی جنگ میں حصہ لینے کے لیے انہیں جہوں کے محاذ پر کم از کم ایک پلاٹون بھجوانی چاہیے۔ اس وقت کے سیکلوت کے ڈپٹی کمشنر ایم ایم احمد سے ہدایات وصول کر کے انہوں نے مرزا مبارک احمد کی زیر کمان پینتالیس احمدیوں کی ایک پلاٹون کو معراج کے روانہ کیا تاکہ جہوں کے محاذ پر لڑا جاسکے۔ ایک قادیانی مفت روزہ ”لاہور“ کا یہ دعویٰ ہے کہ حکومت پاکستان نے مرزا محمود سے درخواست کی تھی کہ وہ کشمیر کے محاذ پر ایک بٹالین بھجوائے۔ مرزا ناصر احمد (فتح الدین) کی زیر سربراہی ایک انتظامی کمیٹی قائم کی گئی۔ جس نے قادیانی رضا کار بھرتی کیے اور جون ۱۹۴۸ء تک کرنل (ریٹائرڈ) سردار محمد حیات قیصرانی کی زیر کمان فرقان بٹالین تیار ہو گئی جنہوں نے جہلم کے قریب سرائے عالمگیر کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ سردار قیصرانی کے بعد مرزا مبارک احمد اس کا کمانڈر مقرر ہوا۔ فرقان کمپ کو زیر کمان دیا گیا اور کمانڈنٹ آفیسر کو ”عالم کباب“ کا نام دیا گیا (مستقبل کے مصلح موعود کے لیے یہ نام مرزا غلام احمد کی وحی میں موجود ہے، مرزا محمود نے یہ دعویٰ ۱۹۴۴ء میں کیا) کرنل قیصرانی کے علاوہ میجر و قیصر الزمان۔ (کمانڈر ثانی) میجر حمید احمد کلیم میجر عبدالحمید میجر عبداللہ مہر اور کپتان نعمت اللہ شریف کو بھی بٹالین میں اہم ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

اس ٹالین نے باغسر مجاز سے دس جولائی ۱۹۴۸ء کو وادی سعد آباد کی طرف پیش قدمی شروع کی اور اس کے تقریباً دو میل چوڑے اور پانچ میل لمبے حصے پر جنگ بندی کے بعد قبضہ کر لیا۔ کشمیر کی اس جنگ کے دوران نو قادیانی مارے گئے^(۱) جب جنگ جاری تھی تو مرزا محمود نے چند بااثر قادیانوں کو لاہور بلایا تاکہ وادی کے اندر ایک تحریک شروع کی جاسکے۔ خلیفہ عبدالرحیم قادیانی مہاراجہ کشمیر کا سابقہ ہوم سیکرٹری تھا۔ اُس کا بیٹا خلیفہ عبدالمنان پیشے کے اعتبار سے انجینئر تھا۔ اس کو لاہور بلا کر نصیحت کی گئی کہ وہ اس قادیانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وادی میں کسی سے رابطہ قائم کرے۔ خلیفہ کہتا ہے۔

”اس کے بعد آپ (مرزا محمود) کہنے لگے۔ ”مجھے وادی میں ایک قابل اعتبار شخص چاہیئے جو کہ جنگ کی لائن پر فوجی کارروائیوں کے لیے دستیاب ہو۔۔۔۔۔ میں (عبدالمنان) نے فوراً کہا ”جی ہاں! حضرت صاحب میرے ذہن میں ایک ایسا آدمی ہے مگر اس وقت وہ سری نگر میں ہے۔“ ”کیا وہ آسکتا ہے؟“ انہوں نے دریافت کیا۔ میں نے جواب دیا ہاں مگر میرے پاس اس سے رابطہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔“ ”تم اسے خط لکھو اور میرے حوالے کر دو۔“ میں نے اسے پیغام لکھا جو اسے سری نگر میں پہنچ گیا اور وہ فوراً مجھے بدل کر روانہ ہو گیا۔ کشمیر کی ایمر جنسی انتظامیہ نے اس کی گرفتاری کے احکامات جاری کیئے ہوئے تھے۔ چند دنوں میں لاہور پہنچ کر وہ رتن باغ حاضر ہو گیا اور اپنے فرض منصبی پر کام شروع کر دیا اور پھر سال ہا سال تک اس پر کام کرتا رہا۔“^(۲)

فرقان ٹالین نے اپنی زیادہ تر سرگرمیوں کا مرکز وادی سعد آباد سیکٹر کو بنائے رکھا۔ یہ لڑاکا کی بجائے ایک جاسوسی فوج تھی۔ مسلم کانفرنس کے رہنماؤں نے کشمیر کے معاملات میں قادیانیوں کے ملوث ہونے پر اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ مسلم کانفرنس کے جنرل سیکرٹری سردار آفتاب احمد نے کشمیر کی جنگ کے دوران قادیانیوں کے کردار کی مذمت کی اور انہیں جاسوسی کرنے اور سامراجیوں کا کھیل کھیلنے کا ذمہ دار قرار دیا۔^(۳)

۱۔ حضرت دودہ ”لاہور“۔ لاہور 31 مارچ 1975ء میں کے علاوہ تاریخ احمدیت جلد 2676۔

۲۔ خلیفہ عبدالمنان کشمیر کی کہانی لاہور 1970ء میں 120۔

۳۔ غرض العلماء مفتی شمس الدین مفتی اعظم پانچواں ”آزاد کشمیر میں مردانوں کے چھکنڈے“ ضمیمہ صادق آزاد کشمیر۔ 5 جنوری 1951ء میں 16۔

ستائیس دسمبر ۱۹۵۰ء کو اپنے خطاب میں مرزا محمود نے بیان کیا۔

”مسلم کانفرنس کے جنرل سیکرٹری سردار آفتاب احمد نے الزام لگایا ہے کہ احمدیوں نے فرقان بٹالین کو کشمیر میں ایک سازش کے تحت لڑنے کے لیے بھیجا ہے۔ انہوں نے ہندوستانی فوج کو خفیہ راز فراہم کیے اور ان کی اطلاعات کی بناء پر دشمن کے جنگی جہازوں نے پاکستان کے اہم ٹھکانوں پر بمباری کی۔ پنجاب کے تمام اخبارات نے اس خبر کو شدید سرخیوں میں جگہ دی۔ ہم نے حکومت کو یہ شکایت کی کہ ”حکومت نے ہمیں دو سال تک کشمیر کے اندر رہنے کی اجازت کیوں دی؟“ حکومت نے سردار آفتاب سے بیان واہس لینے کو کہا اور وزارت کشمیر نے ایک مسوداتی بیان تیار کر کے اسے کراچی بھجوایا تا کہ پہلے بیان کی تردید کی جاسکے مگر سردار آفتاب کا بیان ایک بگڑی شکل میں صرف راولپنڈی کے سب سے کم اشاعتی روزنامے ”تغیر“ میں شائع ہوا۔ نومبر ۱۹۵۰ء میں کچھ دیر کے بعد مسئلہ کشمیر کے لیے تاشی کے لیے آنے والے سرواؤن ڈکسن مشن کی آمد پر سردار آفتاب نے پھر وہی الزامات دہرائے اگرچہ اس وقت تک یہ رضا کار فوج کشمیر سے واہس بلائی جا چکی تھی۔“ (۱)

سترہ جون ۱۹۵۰ء کو فرقان بٹالین کو ختم کر دیا گیا۔ پاکستانی فوج کے بریگیڈیئر کے ایم شیخ نے ایک تقریب میں بٹالین کے کمانڈران چیف کا فرقان فوج کی طرف پیغام پڑھ کر سنایا جو اس لیے خاص طور پر منعقد کی گئی تھی۔

سترہ جون ۱۹۵۰ء کے پیغام میں جنرل گریسی کمانڈران چیف نے فرقان بٹالین کو شاندار خراج تحسین پیش کیا۔ بدنام زمانہ جنرل ڈگلس گریسی کی طرف سے بٹالین کو بھجوائے گئے پیغام کا متن حسب ذیل ہے۔

”جون ۱۹۴۸ء میں کشمیر کی آزادی کے لیے آپ کی رضا کارانہ پیشکش کو شکریے کے ساتھ قبول کیا گیا اور فرقان بٹالین معرض وجود میں آئی۔ ۱۹۴۸ء کی گرمیوں میں تربیت کے تھوڑے عرصے کے بعد آپ میدان جنگ میں اپنی جگہ سنبھالنے کے لیے تیار تھے۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں آپ کو کمانڈر ایم اے ایل ایف کی زیر کمان دے دیا گیا۔“

آپ کی بٹالین خالصتاً رضا کاروں پر مشتمل تھی جو نوجوان کسانوں، طلباء، اساتذہ، کاروباری افراد اور زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد پر مشتمل تھی۔ وہ تمام کے تمام پاکستان کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھے۔ آپ نے کوئی انعام قبول نہیں کیا اور اس رضا کارانہ قربانی کے لیے کوئی تشہیر قبول نہ کی۔ آپ کا مقصد واقعی عظیم تھا۔

آپ نے ہم سب کو اپنے تعلیمی شوق اور اس جذبے سے متاثر کیا جو آپ اپنے ساتھ لائے تھے، آپ اور آپ کے افسروں نے بڑی جلدی ان تمام مشکلات پر قابو پایا جو ایک نوخیز یونٹ کو درپیش ہوتی ہیں، کشمیر میں ایک اہم سیکٹر آپ کے سپرد کیا گیا اور جلد ہی آپ نے اس اعتماد کا اپنے آپ کو اہل ثابت کر دیا جو آپ پر کیا گیا تھا اور جنگ میں آپ نے دشمن کے شدید یزمنی و فضائی حملوں کے باوجود ایک انجٹ تک پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا۔

آپ کے دونوں نظروں اور اجتماعی رویے اور آپ کا نظم و ضبط بلاشبہ اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اب چونکہ آپ کا مقصد پورا ہو چکا ہے اور آپ کی بٹالین کو ختم کرنے کے لیے احکامات آچکے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی ملک کی خاطر سرانجام دی گئی خدمات پر آپ سب کا شکریہ ادا کروں۔ خدا حافظ۔^(۱)

بلوچستان

مرزا محمود نے پاکستان آکر اپنے سیاسی نصب العین کو خفیہ نہیں رکھا۔ بائیس جولائی ۱۹۴۸ء کو وہ ایک سیاسی مقصد کی تکمیل کے لیے بلوچستان گئے جہاں ایک خفیہ آزاد بلوچستان تحریک چل رہی تھی جس کو برطانیہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔ انہوں نے بلوچستان کو ایک قادیانی صوبہ بنانے کا اعلان کیا تاکہ اسے بیس بنا کر پاکستان کے دوسرے علاقوں میں سرایت کیا جائے۔

یہ جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ”عظیم بلوچستان“ کا منصوبہ دوسری جنگ عظیم کے دوران محوری طاقتوں کے حامی عناصر نے تیار کیا تھا۔ ہٹلر ہندوستان پہنچ کر برطانوی

سامراج کو بڑا دھچکہ پہنچانا چاہتا تھا۔ بالواسطہ چند برسوں کے ذریعے آزاد ہند فوج بنوا کر جرمنی نے عراق اور خلیج فارس کے ذریعے بلوچستان پہنچنے کی اشد ضرورت محسوس کی۔ یہ منصوبہ ریاست قلات میں تیار کیا گیا۔ عظیم تر بلوچستان کے منصوبے پر ایک کتاب بھی شائع کی گئی جس کی تمام کاپیاں انگریزوں نے ۱۹۴۲ء میں ضبط کر لیں۔^(۱) دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے ساتھ ہی انگریزوں نے بلوچستان کی دفاعی اہمیت کی بناء پر اس کے معاملات میں گہری دلچسپی لینی شروع کر دی۔ کیونکہ یہ روسی توسیع پسندی کے خلاف فاصل ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے انہوں نے آزاد بلوچستان عناصر کی حوصلہ افزائی کی۔ کونسل کا پولیٹیکل ایجنٹ ڈی وائی فیل اور کانگریسی جماعت بلوچستان میں ایک سازش کو پروان چڑھا رہے تھے۔^(۲) انگریز نے خان آف قلات کو برطانوی حمایت کا مکمل یقین دلایا اور اس کی ریاست کی نیپال کی طرح ایک آزاد حیثیت کو تسلیم کرنے کی حامی بھری۔ وہاں برطانوی دستے پچاس سال تک قیام کر سکتے تھے جس طرح مصر میں کرتے رہے تھے۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لیے بلوچستان کے اسسٹنٹ گورنر جنرل کرنل جفری پرائیر نے خان قلات کو ماؤنٹ بیٹن کا پیغام پہنچانے کے لیے بلوچستان کا دورہ کیا۔ یہ تجویز پیش کی گئی کہ ”آزاد بلوچستان منصوبے“ کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ایک کل بلوچستان کانفرنس بلائی جائے۔ خان نے اس منصوبے سے قائد اعظم کو آگاہ کر دیا انہوں نے فوراً ماؤنٹ بیٹن سے بات کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے اسسٹنٹ گورنر جنرل جفری کو مندرجہ ذیل خفیہ پیغام بھجوایا۔

”بلوچ کانفرنس روک دو۔ خان آف قلات بہت زیادہ ناقابل اعتبار شخص ہے۔“^(۳)

ریاست قلات کے الحاق کے بارے میں امریکی ممبر ڈبلیو واکس لکھتا ہے۔
تقسیم کے وقت خان آف قلات نے انگریزوں سے گٹھ جوڑ کر لیا تاکہ بلوچستان کے لیے ایک آزاد خود مختار حیثیت حاصل کر لی جائے۔ جون ۱۹۴۷ء کے آخر میں بلوچستان کا شامی جرگہ پہلی بار پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ دے چکا تھا مگر ریاست قلات کے انضمام کا

۱۔ اردو انجسٹ لاہور اکتوبر 1969ء۔

۲۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں تحریک پاکستان اسلام آباد 36:40۔

۳۔ اردو انجسٹ لاہور اکتوبر 1969ء۔

مسئلہ ابھی تک حل طلب تھا۔ انیس دسمبر ۱۹۴۷ء کو قلات کے وزیر خارجہ ڈی وائی فیل نے دیوان عام میں ایک سوال کے جواب میں کہا کہ تمام تر کوششوں کے باوجود ریاست کے الحاق پاکستان کے بارے میں کوئی معاہدہ طے نہیں پاسکا۔ جہاں تک ان کے مستقبل کے تعلقات کا معاملہ ہے قلات کی ریاست نے مواصلات اور خارجہ امور پاکستان کے حوالے کرنے کی تجویز پیش کی تھی مگر پاکستان ریاست کے غیر مشروط الحاق پر مصر تھا اور اس نے مکران اور بسیلہ کے حکمرانوں کو بھی شہ دی کہ وہ قلات کے حکمران کی خود مختاری کو

لاکھریں۔“ (۱)

پاکستان سے چند دن قبل خان آف قلات نے چند انگریزوں کو وزیر خارجہ کے طور پر اور اس کی فوجوں کی کمان کے لیے ملازم رکھا۔ بارہ اگست ۱۹۴۹ء کو ”نیویارک ٹائمز“ نے یہ اطلاع دی کہ

”پاکستان نے قلات کو دوسری ہندوستانی ریاستوں سے مختلف حیثیت دے دی ہے۔ اس کو آزاد خود مختار ریاست تسلیم کر لیا ہے۔“

اگلے روز ”ٹائمز“ نے قلات اور مکران کے آزاد ریاستوں کے طور پر نقشے چھاپ دیے۔ چند روز اگست کو خان نے قلات کی آزادی کا دعویٰ کر دیا (۲) ڈگلس فیل وزیر خارجہ نے ریاست کے آزاد ہونے کو قائم رکھنے کے لیے برطانیہ سے رابطہ کیا اور خان کے بھائی اور چچا نے کابل سے مدد طلب کر لی۔

جنوری ۱۹۴۸ء میں لیاقت علی خان نے پشاور میں قلات کے وزیر دفاع سے ملاقات کی۔ قائد اعظم نے خان قلات سے اور دیگر سرداروں سے بی شاعی جرگہ سے خطاب کے لیے جاتے ہوئے ملاقات کی۔ پچیس فروری کو قلات کی قومی پارٹی نے ایک ”عدم الحاق بل“ تیار کیا جو ایوان عام میں پیش کیا گیا اور فیل امداد کی تلاش کے لیے لندن چلا گیا۔ ڈان کراچی نے مندرجہ ذیل شہ سرخی لگائی۔

۱۔ الفضل لاہور ۲۰ دسمبر ۱۹۴۷ء۔

۲۔ ڈیلیوڈ بیوول کاکس پاکستان ریاست کا استحکام سرکے۔ ۱۹۸۳ء ص ۷۶۔

”خان قلات براہ راست انگریزوں سے تعلقات قائم کرے گا۔“ (۱)

نیچے پاکستان نے بلوچستان میں فوج کشی کا فیصلہ کر لیا۔ مکران، خاران اور لسبیلہ کے الحاق کو تسلیم کرتے ہوئے قلات کو سمندر اور ایرانی سرحد سے جدا کر دیا۔ ستائیس مارچ ۱۹۴۸ء کو خان آف قلات نے پاکستان کے ساتھ غیر مشروط طور پر الحاق کا فیصلہ کر لیا۔

قلات کے الحاق کے بعد خان کے ایک رشتہ دار شہزادہ کریم کو مکران کی گورنری سے علیحدہ کر دیا گیا۔ وہ افغانستان بھاگ گیا تاکہ پاکستانی فوج کے ساتھ لڑنے کے لیے افغان قبائلیوں کی ایک فوج بھرتی کر سکے۔ فیل اور اینڈرسن نے اس باغی رہنما کی معاونت کی اور خان قلات سے مالی امداد حاصل کی۔ سولہ جون کو کریم اور دوسرے باغیوں کو پاکستانی فوج نے گرفتار کر لیا۔ (۲) خان آف قلات نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں ایجنٹ برائے گورنر جنرل وزیر خارجہ اور کرنل ایس پی شاہ کو کالی بھیڑیں قرار دیا۔ جنہوں نے قلات کے پاکستان میں انضمام کی مخالفت کی۔ (۳) اس تمام سیاسی پس منظر میں مرزا محمود کی کونٹہ کی جولائی ۱۹۴۸ء کی یا ترائی نوعیت کا با آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی تقریر جو کہ بلوچستان میں احمدی ریاست کے قیام کے بارے میں تھی توجہ کی حامل ہے۔ (۴)

”برٹش بلوچستان، جو اب پاکی بلوچستان ہے، کی کل آبادی پانچ یا چھ لاکھ ہے۔ یہ آبادی اگرچہ دوسرے صوبوں کی آبادی سے کم ہے مگر بوجہ ایک یونٹ ہونے کے اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا میں جیسے افراد کی قیمت ہوتی ہے یونٹ کی بھی قیمت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ کا کانسی ٹیوشن ہے۔ وہاں اسٹینس یونٹ کے لیے اپنے ممبر منتخب کرتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی اسٹینٹ کی آبادی دس کروڑ ہے یا ایک کروڑ ہے۔ سب اسٹینٹس کی طرف سے برابر ممبر لیے جاتے ہیں، غرض پاکی بلوچستان کی آبادی پانچ چھ لاکھ ہے اور اگر ریاستی بلوچستان کو ملا لیا جائے تو اس کی آبادی دس لاکھ ہے لیکن چونکہ یہ ایک یونٹ ہے

۱۔ ڈان کراچی 28 فروری 1948ء۔

۲۔ ڈبلیو، ل کاکس۔ ”پاکستان“ امریکہ 1963ء، ص 76 تا 81۔

۳۔ میراجہ یار ”اندرون بلوچستان“ رائل بک کینی کراچی 1975ء، ص 156۔

۴۔ الفضل، 13 ہوز 13 اگست 1948ء۔

اس لیے اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ زیادہ آبادی کو تو احمدی بنانا مشکل ہے لیکن تھوڑے آدمیوں کو احمدی بنانا کوئی مشکل نہیں۔ پس جماعت اس طرف اگر پوری توجہ دے تو اس صوبے کو بہت جلدی احمدی بنایا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔ یاد رکھو تبلیغ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک ہماری (Base) مضبوط نہ ہو۔ پہلے میں مضبوط ہو تو پھر تبلیغ پھیلتی ہے۔ پس پہلے اپنی (Base) مضبوط کر لو۔ کسی نہ کسی جگہ اپنی (Base) بنالو کسی ملک میں ہی بنا لو۔۔۔۔۔ اگر ہم سارے صوبے کو احمدی بنالیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو جائے گا جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں گے اور یہ بڑی آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔“ (۱)

مرزا محمود کا اعتراف:

منیر کمپنی ۱۹۵۲ء نے مرزا محمود سے قادیانی ریاست کے بلوچستان میں قیام کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کیئے۔

سوال کیا آپ نے کونڈہ میں اپنے جمعہ کے خطبہ کے دوران یہ تقریر (Ex DE ۳۲۴) کی جو الفضل کے تیرہ اگست ۱۹۴۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی؟

مرزا:- ہاں بالکل!

سوال جب تم نے اپنی تقریر میں یہ الفاظ استعمال کیئے تو اس سے تمہارے یہ کہنے کی نیت کیا تھی ”یاد رکھو! ہمارا تبلیغی مقصد کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہمارے پاس مضبوط مرکز نہ ہو۔ تبلیغ کیلئے ایک مضبوط مرکز ناگزیر ہے۔“؟

مرزا یہ الفاظ تو اپنی تشریح خود کر رہے ہیں۔

سوال جب تم نے یہ کہا ”جب ہم یہ سارا صوبہ احمدی بنالیں گے تو کم از کم ایک صوبے کو تو اپنا کہہ سکیں گے۔“ اس سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

مرزا اس کی دو جوہات تھیں۔

(i) قلات کے موجودہ نواب کا دادا احمدی تھا (مرزا محمود نے اس کا ثبوت بھی دیا۔

انہوں نے ایک خط کی نقل شائع کی جو خان آف قلات کے دادا میر خدا داد خان نے مورخہ گیارہ جون ۱۹۰۳ء کو مرزا غلام احمد کو لکھا تھا جس میں دعا کی درخواست کی گئی تھی۔ مرزا کے بارے میں اسے حسین بخش آف لورالائی سے پتا چلا تھا۔^(۱)

(ii) بلوچستان ایک چھوٹا صوبہ ہے۔

سوال کیا آپ نے جمعہ کے خطبہ میں یہ الفاظ کہے جو الفضل مورخہ بائیس اکتوبر ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئے۔ (Ex.D,E- ۲۱۰)؟

”میں یہ جانتا ہوں کہ اب یہ صوبہ کبھی بھی ہمارے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتا، یہ ہمارا شکار ضرور ہوگا۔ اگر دنیا کی تمام قومیں بھی متحد ہو جائیں تو اس خطے کو ہم سے نہیں چھین سکتیں۔“

مرزا ہاں بالکل! مگر اس کے لفظی معنوں پر نہیں جانا چاہئے، میں نے مستقبل کا حوالہ دیا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ چونکہ ایک احمدی اہلکار وہاں قتل ہوا تھا تو یہ صوبہ لازمی طور پر احمدیوں کا ہوگا۔“^(۲)

منیر رپورٹ میں مذکور ہے:

”اس سلسلے میں مرزا بشیر الدین محمود کی کوئٹہ والی تقریر جو الفضل میں تیرہ اگست ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئی ہے پراکتفا کیا جاتا ہے۔ جس میں اس نے اپنے نولے کو بلوچستان میں پروپیگنڈا مہم تیز کرنے کے لیے کہا ہے تاکہ یہ صوبہ مستقبل کے اقدامات کے لیے ایک بیس بن جائے اور ۱۹۵۱ء کے کرمس کے موقع پر صدر انجمن احمدیہ کے سالانہ اجلاس میں ان کے خطاب پر جو سولہ جنوری ۱۹۵۲ء میں الفضل میں چھپا۔ اکتفا کیا جاتا ہے جس میں اس نے اپنے پیروکاروں کو بے صبری سے کہا کہ وہ اپنی ارتدادی کارروائیوں کو اور تیز اور شدید کر دیں تاکہ جو لوگ اب تک ”کافر“ ہیں وہ احمدیت کے دائرہ میں ۱۹۵۲ء کے آخر تک آجائیں۔“

۱۔ مرزا محمود ”اسلامی نظریہ“ رجبہ ۱۹۵۳ء) اس سے کسی طور پر بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ میر خدا داد خان احمدی تھا۔

۲۔ تحقیقاتی عدالت میں امام جماعت احمدیہ کا بیان شعبہ اشاعت رجبہ ۱۹۵۳ء ۳۰۔

گیارہ جنوری ۱۹۵۱ء میں الفضل میں چھپنے والے خطبے جس میں احمدیوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ کسی لاپک محکمے میں نہ رکتے ہوں یعنی فوج میں بلکہ دیگر تمام محکموں میں پھیل جائیں، کا بھی حوالہ دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ کئی احمدی اہلکاران نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی اطلاع اپنے صدر دفتر میں روانہ کی ہیں ان کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔^(۱)

ہنڈی سازش کیس

نومارچ ۱۹۵۱ء کی نصف شب چیف آف جنرل شاف میجر جنرل اکبر خان، بریگیڈیئر ایم لطیف اور کچھ دیگر لوگوں کو ملک میں پر تشدد کارروائیوں کے ذریعے افراتفری پھیلانے اور اس وقت کے وزیراعظم لیاقت علی خان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش تیار کرنے پر گرفتار کر لیا گیا۔ ظفر اللہ کے ہم زلف میجر جنرل نذیر احمد قادیانی کو جو اس وقت امیریل ڈیفنس کالج لندن میں ایک تربیتی کورس پر گیا ہوا تھا۔ واپس بلوا کر گرفتار کر لیا گیا۔

ایک اشتراکی مصنف کے مطابق ”راولپنڈی سازش کا بے ہنگم سلسلہ پہلے سے عیاں تھا اس کا سب سے بڑا محرک پاکستانی فوج کا چیف آف شاف میجر جنرل اکبر خان تھا۔ اکبر نے کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑی تھی اور محسوس کرتا تھا کہ سیاسی قیادت نے اسے دغا دیا ہے۔ وہ ایک ترقی پسند ممبر کے صدر ناصر کا حامی اور سخت گیر خیال کیا جاتا تھا اور اس کے حامیوں میں قومی ہم جو اور فاشٹ خیال رکھنے والے لوگ شامل تھے۔ ننھی کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان بھی اس ملغوبے میں شامل تھی۔ سجاد ظہیر نے مجھے (طارق علی کو) بتایا کہ جنرل اکبر سے میری ملاقات ایک کاکٹل تقریب میں ہوئی۔ وہاں جنرل نے موضوع سخن چھیڑ دیا اور منشور اور ممکنہ لائحہ عمل تیار کرنے کو کہا۔ کمیونسٹ پارٹی کی قیادت نے پیشکش قبول کر لی اور فوجی افسران کے ساتھ کئی اجلاس منعقد کئے۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ منصوبے کو کچھ وقت کے لیے موخر کر دیا جائے۔ مگر ایک سازش نے یہ خدشہ محسوس کرتے ہوئے کہ آخر کار حقیقت کھل جائے گی، مخبر بن کر سازش بے نقاب کر دی۔ فوجی افسران اور کمیونسٹوں کو گرفتار کر لیا گیا۔^(۲)

۱۔ منیر پورٹ میں 200۔

۲۔ طارق علی، پاکستان فوجی اقتدار یا عوامی حکومت، جرنلزم کپ لندن 1970ء میں 45۔

سازش کی یہ توجہ یہ کہ ”چونکہ کشمیر میں پاکستانی فوج کی کامیابی کو ناکامی میں بدل دیا گیا تھا اور جنگ بندی کی غلطی کی گئی تھی اس لیے انہوں نے حکومت کا تختہ الٹنے کا فیصلہ کیا“ عموماً تسلیم نہیں کیا جاتا۔^(۱)

ظفر اللہ پوشنی اور ایئر کموڈور جنجوعہ جو اس سازش میں بذات خود ملوث تھے انہوں نے اسے مفروضہ قرار دیا ہے۔ ظفر اللہ پوشنی کے مطابق اصل مطمع نظریہ تھا کہ اس حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے جو بدعنوان، اقربا پرور، نا اہل اور برطانوی سامراجی اثر سے مغلوب اپناج لوگوں پر مشتمل تھی۔^(۲) پنڈی سازش کیس کے ایک اور شریک کار بریگیڈیئر صدیق نے بعد میں انکشاف کیا کہ ظفر اللہ قادیانی نے سلامتی کونسل میں جنگ بندی کا عندیہ عین اس وقت (جنوری ۱۹۴۹ء میں) دیا جب بھارت کو کشمیر میں چند اہم کامیابیاں حاصل ہو چکی تھیں۔ ہم نے جنگ بندی قبول کر لی اور اپنی جنگ میں کامیابیوں کا کوئی سیاسی فائدہ حاصل نہ کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ سکندر مرزا نے لیاقت کی مخالفت کی۔ وہ ایوب خاں کو کمانڈر انچیف کی وردی میں دیکھنا چاہتا تھا۔ جو بہت اچھے دوست تھے۔ ایوب خاں کے فوجی اثر کے ذریعے اس نے اپنے مخالفین کو راہ سے ہٹا کر اقتدار حاصل کرنے کا خواب دیکھا تھا۔^(۳)

اس سازش کا ایک دوسرا ظاہری مقصد یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ ایک سوویت منصوبہ نہیں بلکہ برطانیہ کی محرکہ سازش تھی۔^(۴)

(i) قادیانی برطانوی سامراج کے آلہ کار تھے اور کامیاب فوجی انقلاب میں ان کے مفادات مضمر تھے۔ اس لیے انقلاب لانے والے فوجی افسران کیمونسٹ نہیں ہو

۱۔ ”حکایت“ لاہور میں جنر ۱۹۷۲ء میں بھجر جنرل اکبر خان کے مضمون کا حوالہ حسن مگر کی رضوی۔ ”پاکستان میں فوج اور سیاست“ پراکریو پبلیشرز کراچی ۱۹۷۸ء ص ۸۵۔

۲۔ دی آؤٹ لک کراچی ۳ فروری ۱۹۷۳ء۔ مزید دیکھئے اردو ڈائجسٹ لاہور میں کرنل ریٹائرڈ حسن خان کا ”پنڈی سازش کیس“ کے بارے میں مضمون اکتوبر ۱۹۸۲ء۔

۳۔ ہفت روزہ ”حریت“ ۱-۷ اپریل ۱۹۸۴ء پنڈی سازش کیس پر تحقیقاتی رپورٹ مزید دیکھئے ڈینس جنرل میں دیا گیا بھجر جنرل اکبر خان کا انٹرویو جون جولائی ۱۹۸۵ء۔

۴۔ ۱۹۵۰ء کے اوائل میں پاکستانی فوج کے جنرل ہینر کوادرز کا قبضہ سنبھالنے کے قادیانی شدت سے خواہشمند تھے سفر آڈینس دیا رمانٹ راولپنڈی کے ایب مائی شیر ضل محمود خان قادیانی نے ۲۴ فروری ۱۹۴۹ء کو مرزا محمود کو ایک خط لکھا اور اپنے شیطانی منصوبے کے متعلق چند تجاویز پیش کیں دیکھئے بر غلام نی ماسک۔ ”مرزاہیت کے ناپاک ارادے“ راولپنڈی ۱۹۵۱ء۔ یہ ایک محرکتہ الارڈینک تھا جس کی اشاعت کے بعد پر جوش ارادہ ہمارا ناسک کو بے مصائب برداشت کرنے پڑے۔

سکتے برطانیہ نواز ہو سکتے ہیں۔

(ii) برطانوی ہند کی کیمونسٹ پارٹی دوسری نو آبادی برطانوی جماعتوں کی طرح حکومت برطانیہ کی کم تو جہی اور سیاسی لاپرواہی کا حصہ ہو سکتی ہے نہ کہ ”ماسکو کی تیار کردہ“ پارٹی۔ مزید برآں کیمونسٹ پارٹی کے اندر ہمیشہ برطانوی خفیہ والوں کا ایک حصہ موجود رہتا تھا۔^(۱)

(iii) ایک ایسے وقت میں جبکہ لیاقت علی بذات خود اپنے آپ کو امریکہ اور برطانیہ سے دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے ایک سوویت حمایت یافتہ سازش کا خیال بہت احتمالاً معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے برطانیہ کو بتا دیا تھا کہ پاکستان کو معمولی نہ سمجھا جائے اور انہوں نے اس وقت کے امریکی منصوبے ڈل ایسٹ ڈیفنس آرگنائزیشن میں شمولیت کے لیے تمام پیشکش اور دباؤ مسترد کر دیا تھا۔ دوسری طرف لیاقت علی کی معزولی پاکستان کو مغربی اتحادوں میں دھکیلنے کے مترادف تھی جن سے پاکستان کو نہ تو کبھی کوئی فائدہ ہوا نہ ہی پاکستان ان سے لاتعلق رہ سکا۔^(۲)

یہ سب کچھ اس یقین دہانی کے لیے ہے کہ یہ ایک برطانوی سازش تھی روسی نہ تھی۔ اور قادیانی اس میں پوری طرح ملوث تھے۔ آنے والے واقعات نے ہمارے موقف کی تائید کر دی۔ (سجاد ظہیر نے کتاب پنڈی سازش کیس میں تمام اہم ریکارڈ شائع کر دیا ہے)

لیاقت علی خان کا قتل:

چار سال کے عرصے میں ہی لیاقت علی خان کو کشمیر اور بلوچستان میں احمدی ریاست کے قیام کے بارے قادیانی پیش گوئیوں اور بیانات کا علم ہو گیا۔ اکھنڈ بھارت یا متحدہ ہندوستان

۱۔ ہندوستان کی کیمونسٹ پارٹی نے قومی تحریکوں کو تباہ کرنے کے لیے دوسری جنگ عظیم میں انگریزوں کے ساتھ علیحدہ ساز باز کی ایک مشہور ہندوستانی معصوبہ اور دشوری نے مئی ۱۹۵۰ء کے والے خائن میں کیے ہیں ”انٹرنیشنل ویلی آف انڈیا“ کے چارٹر دوس 18 مارچ 198۰ء اپریل 1984ء میں دستاویزی ثبوت کے ساتھ کیمونسٹ سامراجی گم جوڑ کی 1940ء کی دہائی کی کہانی بیان کی گئی ہے۔

۲۔ ایمیک لندن 21 اکتوبر 1982ء۔

کے بارے ان کی حکمت عملی اور خواہشات کے متعلق شناسائی کے بعد انہوں نے ایک خصوصی انٹیلی جنس سیل قائم کرنے کا حکم دیا تاکہ حساس عہدوں پر فائز قادیانیوں کی ایک فہرست تیار کی جاسکے اور ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جاسکے۔^(۱) اسی سال فوجی افسران کی سازش (ہنڈی سازش کیس) پکڑی گئی جس کا مقصد حکومت کا تختہ الٹنا تھا۔ اگلے سال لیاقت علی خان کو دن دہاڑے قتل کر دیا گیا۔ قاتل کو بھی موقع پر ہی ڈھیر کر دیا گیا اور اس وقت سے لے کر اب تک یہ ایک ناقابل فہم معمہ بنا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ لیاقت علی اپنی کابینہ میں وسیع پیمانے پر رد و بدل کرنے والے تھے۔ ایک یہودی اخبار ”یروشلم پوسٹ“ نے اپنے تیس اکتوبر ۱۹۵۱ء کے شمارے میں لیاقت علی خان کے قتل پر ایک دلچسپ ادارہ لکھا اس نے پہلے گذشتہ مئی ۱۹۵۱ء میں کراچی میں ”اتحاد اسلامی کانفرنس“ کے انعقاد کی بات کی جس میں لیاقت علی خان نے مرحوم مفتی اعظم امین الحسینی کو اسکا سیکرٹری جنرل بنانے پر دستخط کیے۔ اس لیے ممکن ہے اس نے ایسا کر کے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے ہوں۔^(۲) اخبار جو تاثر دینا چاہتا تھا وہ کچھ یوں ہے کہ ”اگرچہ مفتی صاحب لیاقت علی خان کے قتل میں براہ راست ملوث نہیں ہیں لیکن اس حیثیت کے آدمی کی حمایت نے مقامی مسلمان جو شیلوں کو ابھارا کہ وہ اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔“^(۳) ہم اگر مفتی صاحب کے عقیدتمندوں کے ہاتھوں لیاقت علی خان کا قتل ہوتا تو بھی اخبار یروشلم پوسٹ یہ تبصرہ کیئے بغیر نہ رہ سکا۔ ”کہ قتل کے بعد اتنے آرام سے سیاسی تبدیلیاں ہوئیں اور حالات نے اس انداز سے جلدی میں پلٹا کھایا جیسے کہ متوقع ہنگامی حالت کے لیے پہلے سے منصوبہ بندی کی جا چکی ہو۔“^(۴)

اگست ۱۹۸۳ء میں ہماری تاریخ کے اس اہم سوال پر ممتاز دولتانہ نے چونکا دینے والے

۱۔ ایبیک انٹرنیشنل برطانیہ 27 جنوری ۱۹۷۳ء۔

۲۔ دی ایبیک لندن 21 اکتوبر 1982ء۔

۳۔ جنرل سلمان دانست جو کہ پاکستان کی تحریک انجمنی کا ایک جاسوس تھا اس نے سخت روزہ تعمیر کراچی کو ایک خصوصی انٹرویو میں بتایا کہ ایک جنرل مرتد کینری نے لیاقت علی کو قتل کیا تھا سید اکبر جو کہ سید قاتل سمجھا جاتا ہے وہ تو شخص ایک ہو کہ تھا (جنگ لاہور ۱9 اگست 1986ء) کینری نے قادیانیت قبول کی، عبداللہ گورنا کوڑ میں سکونت اختیار کی اور شادی بدوہ میں کی نظر اللہ قادیانی کے گھرا بنے کے ساتھ اس کے قریبی تعلقات تھے۔

۴۔ دی ایبیک لندن 21 اکتوبر 1982ء۔

انکشافات کیے، جب انہوں نے لیاقت علی خان کے قتل میں نواب مشتاق احمد گورمانی، جنرل محمد ایوب خاں، غلام محمد، چوہدری ظفر اللہ خاں (جو کہ لیاقت علی خان کے قتل کے وقت نیویارک میں تھا) اور سردار بہادر خاں کے ملوث ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے میاں ممتاز دولتانہ کہتے ہیں کہ لیاقت علی خاں غلام محمد کو کابینہ سے نکال کر سردار عبدالرب نشتر کو ڈپٹی وزیراعظم بنانا چاہتے تھے۔ وہ حسین شہید سہروردی کی وفاقی کابینہ میں ناخردگی اور ابراہیم اسماعیل چندرگیر کو پنجاب کا گورنر مقرر کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

جب لیاقت علی خاں نے راولپنڈی میں منعقدہ سولہ اکتوبر ۱۹۵۱ء کے عوامی جلسہ میں اپنی ان انتظامی تبدیلیوں اور دیگر اہم امور کا اعلان کرنے کا فیصلہ کیا تو انہیں ایک لفظ بھی کہنے سے پہلے گولی مار دی گئی۔ سردار عبدالرب نشتر کو جب اس سانحہ کی اطلاع ملی تو وہ فوراً راولپنڈی پہنچے تو انہیں اس کمرہ میں داخل نہ ہونے دیا گیا، جس میں نام نہاد کابینہ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ حالانکہ وزیراعظم کی وفات کے ساتھ یہ کابینہ بھی ختم ہو گئی تھی۔ یہ وہ نام نہاد کابینہ کا اجلاس تھا جس میں غلام محمد کو گورنر جنرل نامزد کیا گیا اور خواجہ ناظم الدین کو وزیراعظم بنادیا گیا۔ میاں ممتاز نے کہا کہ پوری مسلم لیگ اور اس کے سیکرٹری جنرل چوہدری محمد علی سردار عبدالرب نشتر کو نیا وزیراعظم بنانے کے حق میں تھے مگر لیگ کے موقف پر کوئی توجہ نہ دی گئی۔ جو کہ پاکستان میں سیاسی جماعتوں کے تصور کو پہلا دھچکا تھا۔ میاں صاحب کے مطابق اس وقت سردار عبدالرب نشتر نے بھی کوئی مزاحمت نہ کی کیونکہ وہ تاریخ کے اس کڑے وقت میں کوئی سیاسی تنازعہ کھڑا کرنے کے حق میں نہ تھے اور میاں صاحب نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اپنے قتل کے دو یوم قبل چودہ اکتوبر کو پنجاب کے وزیراعلیٰ کی حیثیت سے میر۔، ساتھ انہوں نے اپنی انتظامی تبدیلیوں پر تباہی خدیاں بھی کیا تھا۔^(۱)

غیر حقیقت پسندانہ خارجہ حکمت عملی:

پاکستان ایک آزاد خارجہ حکمت عملی نہ اپناسکا اور ظفر اللہ کی وجہ سے سامراجی مفادات

کے ساتھ بندھا رہا۔ ہماری آزادی کے بعد ابتدائی سالوں میں پاکستان کے سوویت یونین کے ساتھ تعلقات کشیدہ اور سرد رہے۔ روس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے لیے پہلی سنجیدہ کوشش وسط اپریل ۱۹۴۸ء میں کی گئی اور وہ بھی خلوص کی بجائے مسئلہ کشمیر پر مغربی قوتوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے کی گئی۔ ظفر اللہ نے روسی نائب وزیر خارجہ آندرے گرومیکو سے نیویارک میں سفیروں کے تبادلے کی تجویز پیش کی۔ مگر اس سے مغربی ممالک کے رویہ پر کوئی اثر نہیں پڑا کیونکہ پاکستان کے نمائندے نے اپنے سفارتی کاغذات ماسکو میں اکتیس دسمبر ۱۹۴۹ء کو پیش کیے جبکہ اس کے روسی ہم منصب کی پاکستان میں آمد مارچ ۱۹۵۰ء میں ہوئی۔ تعلقات قائم کرنے کا دوسرا موقعہ اس وقت آیا جب ماسکو نے لیاقت علی خاں کو روس کے دورے کی دعوت دی مگر اپنے بااثر وزیر خارجہ کی وجہ سے وہ واشنگٹن دورے پر چلے گئے جو کہ سامراج کا آلہ کار اور پاکستان کو طویل عرصے سے مغربی بلاک میں شامل کرنے کے لیے راستہ ہموار کر رہا تھا۔ دراصل وہ یورپ اور امریکہ میں اپنے قادیانی مراکز کھولنا چاہتا تھا تاکہ مرزا غلام احمد اور اس کے جانشین مرزا محمود کی پیش گوئیاں پوری کی جاسکیں۔^(۱)

لندن میں تیس سالہ آئینی عرصے کی پابندی کے بعد خفیہ دستاویزات کے منظر عام پر آنے سے یہ انکشاف ہوا کہ سال ۱۹۴۹ء میں لیاقت علی کو روس کے دورے کی دعوت ملی۔ چین پہلے ہی اشتراکی (سرخ) ہو چکا تھا۔ روسی دعوت نے وائٹ ہال کو ہوشیار کر دیا اور کامن ویلتھ ریلیشنز آفس کے پاکستان ڈسک میں برطانوی نمائندوں کے خطوط اور پاکستانی غیر ملکی پریس کی اطلاعات کا سیلاب آ گیا۔ دستاویزات کی رو سے یہ سال ایک اور وجہ سے بھی اہم ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب دولت مشترکہ کے دفتر نے (ستمبر ۱۹۴۹ء میں) ہندوستان کی خارجہ حکمت عملی کا جائزہ تیار کیا جس کے مطابق یہ برصغیر کی تقسیم پر رضامند نہ تھی اور نتیجے میں اس نے پاکستان کی مخالفت کی۔^(۲)

۱۔ لوہے وقت لاہور یکم فروری ۱۹۷۲ء

۲۔ ڈان کراچی یکم فروری ۱۹۸۵ء

ہندوستان کے رہنماؤں نے ماسکو کی کشش محسوس کی۔ نہرو نے پہلے اپنی بہن وجے لکشمی پنڈت کو بھیجا اور اس کے بعد کریملن ماسکو میں ڈاکٹر راوہا کرشنن کو ہندوستانی نمائندے کے طور پر بھیجوا یا۔ نئی دہلی جون ۱۹۴۹ء میں پاکستان کے وزیراعظم کوروسی دورے کی دعوت نے غیر معمولی طور پر پریشان کر دیا۔ انہیں یہ خدشہ تھا کہ پاکستان کو ایک بڑی اسلامی مملکت کے طور پر خیال کر کے روسی شاید پورے مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں اور عربوں کے ایک سوویت حامی الحاق کی کوشش کریں گے۔

برطانیہ کا تجزیہ یہ تھا کہ پاکستان نہ تو اشتراکی گود میں چلا جائے نہ ہی ایسی پیشکش کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ انہوں نے امریکہ کو ترغیب دی کہ وہ لیاقت علی کو واشنگٹن آنے کی دعوت دے تاکہ ماسکو کے کسی بھی دورے کے ڈنگ کو نکالا جاسکے۔ دستاویزات سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ برطانوی کوششوں کی حمایت ایک غیر متوقع جگہ سے ہوئی۔ قلی اس کے کہ دفتر خارجہ سٹیٹ ڈپارٹمنٹ سے ریکی رابطہ کرتا مسٹر غلام محمد نے جو کہ پاکستان کا وزیر خزانہ تھا اور اس وقت واشنگٹن میں تھا اس نے برطانیہ کے ہاتھوں سے معاملہ لے کر یہ تجویز پیش کی کہ پاکستانی وزیراعظم کے دورہ واشنگٹن کے خیال کی حمایت کی جائے۔ اس دورے کی دعوت ڈپٹی سیکرٹری ریاست جارج میلنگھی نے دی جو دسمبر ۱۹۴۹ء میں کراچی کے دورے پر آیا ہوا تھا۔ واشنگٹن میں برطانوی سفارت خانے نے بعد ازاں دفتر خارجہ کو آخر نومبر میں سٹیٹ ڈپارٹمنٹ کی طرف سے موصولہ خفیہ اطلاع کی بناء پر رپورٹ دی۔

”دستاویزی انکشافات کے مطابق کامن ویلتھ ریلیشنز کے سیکرٹری نوئل بیکر نے اٹلی کو

(چودہ جون کو) بتایا کہ برطانوی حمایت کے جذبات کو ابھارا جائے۔ اس کے لیے کشمیر میں

رائے شماری میں تاخیر کی جائے۔ بیکر نے دفتر خارجہ کو بھی نصیحت کی کہ وہ کشمیر کے مسئلے میں

سٹیٹ ڈپارٹمنٹ سے رابطہ کر کے اور ”ہندو پاک اقوام متحدہ کمیشن“ میں اکثریتی ووٹ کے

حصول کی کوشش کرے تاکہ ثالثی کے اصول تسلیم کر لیے جائیں۔“

دستاویزات میں مذکور ہے کہ بعد ازاں ایسا ہی کیا گیا۔ لیاقت علی خان کا ماسکو کا دورہ کبھی

نہ ہو سکا، کیوں؟ پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں نے کراچی میں امریکی سفارت خانے کے ایک استقبالیے میں یہ واضح طور پر کہا کہ روس نے دعوت دی۔ ہم نے مان لی۔ اب پاکستان نے اگلا قدم روس پر چھوڑ دیا ہے۔ اس بات کی رپورٹ پاکستان میں برطانوی ہائی کمشنر گریفیٹی سمٹھ نے اکیس جولائی کو لندن کو بھجوائی۔ اس نے ظفر اللہ کے اس بیان کا حوالہ دیا کہ

”انہوں نے ہمیں کہا ہے۔ ہم نے قبول کر لیا ہے۔ اب اگلا قدم ان پر ہے۔ جس کی تحریک روسیوں نے ظاہری طور پر نہ کی۔“ (۱)

جنگ کوریا

پاکستان نے امریکی اتحادی کے طور پر کوریا کے بحران پر امریکی حکمت عملی کی بھرپور حمایت کی بلکہ پاکستان کی فوج کا ایک بریگیڈ بھجوانے کی پیشکش کی جسے امریکہ نے جدید ہتھیاروں سے مسلح کرنے کی پیشکش کی تھی۔ مزید برآں پاکستان نے نہ صرف جاپانی امن معاہدے پر دستخط کر دیئے بلکہ کانفرنس کے ایوان میں اسکی مکمل حمایت کی۔ اس کڑے وقت میں پاکستان کی سب لوٹ مدد نے امریکیوں کے ذہن پر گہرا اثر چھوڑا۔ (۲)

دو سال بعد ڈلڑ نے بطور سیکرٹری آف سٹیٹ پاکستان کی گندم کیلئے درخواست کی یہ کہتے ہوئے حمایت کی کہ جاپانی امن معاہدے کے کڑے وقت میں روس نے اس معاہدے کو یہ رنگ دینے کی کوشش تھی کہ ”یہ جاپان پر امریکہ کی سربراہی میں چند مغربی قوتوں کی طرف سے مسلط کیا جا رہا ہے“ اور اس مشکل وقت میں پاکستان نے ایسی قیادت مہیا کی جس کی وجہ سے ایشیائی ممالک کی ایک معتد بہ تعداد شریک ہوئی۔“ (۳)

۱۔ ڈان کراچی، یکم فروری 1986ء۔
۲۔ ظفر اللہ کہتے ہیں کہ کانفرنس کی صدارت سیکرٹری آف سٹیٹ ڈین ایکنس نے کی اور جان فاسٹر ڈلڑ جس نے معاہدے کے لیے مذاکرات کیے تھے اور امریکہ کی جانب سے اس کا اظہار صحابہ نے اس کا بھرپور شکریہ ادا کیا۔ (سروین آف گاڈس 175۔)
۳۔ پاکستان گندم ہاؤس کمیٹی برائے زراعت و جنگلات کے ذریعہ وزارت کی ایوانی اطلاع مملکت 5661 تا 5659 پندرہ جون 1953ء ص 8 اور

چین

پاکستان نے ۱۹۵۰ء میں عوامی جمہوریہ چین کی اقوام متحدہ میں نمائندگی کے حق میں ووٹ دیا مگر اس کے بعد ۱۹۶۰ء تک اقوام متحدہ میں چین کی نشست کے التواء کے لیے امریکی پیش کردہ قراردادوں کی حمایت کی^(۱) مرزا محمود اپنے الہامات رویاء اور خوابوں کی خفیہ زبان میں اشارہ دیتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ حکومت پاکستان نے ایک بیان میں ظفر اللہ کو شاندار خراج تحسین پیش کیا ہے جس کے باعث پاکستان کی بین الاقوامی حیثیت مستحکم ہوئی ہے۔ یہ واضح ہو رہا تھا کہ اقوام متحدہ امریکی یا برطانوی حلقوں میں ہندوستان اہمیت حاصل کرنے ہی والا تھا کیونکہ اس نے روس کا چین میں اثر روک دیا تھا مگر اسی وقت ظفر اللہ نے اپنی خدمات پیش کر دیں اور واضح کیا کہ یہ خدمت تو پاکستان بھی سرانجام دے سکتا تھا۔^(۲)

مسلمان ریاستیں

پاکستان نے انڈونیشیا۔ لیبیا۔ اریٹیریا اور صومالی لینڈ کی آزادی کی بھرپور حمایت کی مگر ان ریاستوں میں سے کسی نے بھی پاکستان کے ساتھ ثقافتی کے علاوہ کوئی تعلقات نہ رکھے۔^(۳) ہمارے برطانیہ لواز سیاسی رویوں کی وجہ سے دیگر مسلم ریاستوں کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات افسوسناک ہی رہے۔ جب ۱۹۵۱ء کے موسم گرما و خزاں میں ایران۔ پھر مصر اور پھر عراق برطانیہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو پاکستان کو بڑی خفت کا سامنا پڑا۔ اس نے ان ممالک کے ساتھ قریبی تعلقات کی پالیسی اپنا رکھی تھی مگر بیک وقت اس کے فوری اقدامات ان ممالک کے مفادات کے خلاف تھے۔ ایران نے برطانیہ کے تیل کے حقوق منسوخ کر دیئے اس سے پاکستان کو تیل کی بہم رسانی خطرے میں پڑ گئی۔ مصر نے برطانیہ

۱۔ پاکستانی قانون پالیسی مملی ہندوستانی مطبع نظرمغرب کے عارفہ پبلیشرز لاہور ص 81۔

۲۔ الفضل برہہ 25 جنوری 1950ء ماہنامہ نشرات ص 294۔

۳۔ این براؤن ص 352۔

سے نہر سويز کے معاہدے کو توڑنے کی کوششیں کی اس سے پاکستان کی مغرب سے تجارت کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ مزید یہ کہ پاکستان اقوام متحدہ میں بھارت کے خلاف برطانوی مدد کا خواہاں تھا۔ چنانچہ اس نے دونوں فریقوں کو راضی رکھنے کی کوشش کی۔^(۱)

سولہ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو مصری پارلیمان نے ایک طرفہ طور پر برطانوی مصری معاہدہ ۱۹۳۶ء کو منسوخ کر دیا اور شاہ فاروق نے بادشاہت سنبھال لی۔ مصر میں ہر طرف ایک شادمانی کا سماں تھا۔ اخبارات نے دعوے کیے کہ ”سلطان اور عوام نے برطانوی سامراج کی بیڑیوں کو کاٹ ڈالا ہے۔“ اسما عیلیہ اور پورٹ سعید میں برطانیہ مخالف مظاہرے پھوٹ پڑے اور مصری گوریلا دستوں اور برطانوی فوج کے درمیان نومبر ۱۹۵۱ء سے جنوری ۱۹۵۲ء تک مسلح تصادم ہوئے۔ وفد حکومت برطانوی دستوں کے ساتھ جنگ کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھی۔ ستائیس جنوری ۱۹۵۲ء کو مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور شاہ فاروق نے نجاس پاشا کی حکومت ختم کر دی۔ اگلے چھ ماہ میں چار وزراء اعظم بنائے گئے۔ بائیس جولائی ۱۹۵۲ء کو آزاد افسران نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔^(۲)

فروری ۱۹۵۲ء میں جب مصر میں برطانیہ مخالف مہم جاری تھی، ظفر اللہ نے لندن سے واپسی پر قاہرہ کا ایک دوستانہ دورہ کیا۔ مصری قوم پرستوں نے اس پر سخت غم و غصہ کا اظہار کیا۔ انہوں نے یوں محسوس کیا کہ ”برطانوی وزیراعظم کا ایک ایٹمی شاہ فاروق کو یہ ترغیب دینے آیا ہے کہ نہر سويز کی بیس پر مکروہ سامراجی صورتحال جوں کی توں برقرار رکھی جائے اور برطانوی اخراج نہ کیا جائے۔“

ظفر اللہ نے شاہ فاروق اور وزیراعظم علی مہر پاشا سے ملاقاتیں کیں۔ اس کی آمد کے فوراً بعد مفتی مصر الشیخ حسین محمد ماخلوف نے ایک فتویٰ جاری کر کے قادیانی کفر کو بے نقاب کیا۔ ظفر اللہ کو ایک کافر قرار دے کر اس کی مذمت کی گئی اور عرب ریاستوں اور اسلام کے استحکام کے خلاف احمدیہ تحریک کے شرمناک کردار پر بھرپور تنقید کی گئی۔ عرب پریس نے اسے وسیع

پیانے پر تشہیری۔ ظفر اللہ کی ان سرگرمیوں کا نتیجہ اسلامی دنیا سے ہمارے تعلقات کے بگاڑ کی شکل میں برآمد ہوا۔ کچھ عرب ممالک نے پاکستان کی مغرب نواز حکمت عملی پر افسوس کا اظہار کیا اور عرب قوم پرستی کے حوالے سے تنقید کی۔ ظفر اللہ نے بطور پاکستانی وزیر خارجہ قاہرہ میں پاکستانی سفیر سے کہا کہ وہ اس فتویٰ کے خلاف حکومت مصر سے سرکاری طور پر احتجاج کرے۔ مصری وزیراعظم نجیب ہلالی یہ معاملہ شاہ فاروق کے علم میں لائے اور استدعا کی کہ وہ اس کے خلاف ایک بیان پر دستخط کر دیں لیکن شاہ نے صاف انکار کر دیا۔ تاریخ احمدیت کہتی ہے کہ اس بات پر ہلالی نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا (اٹھائیس جون ۱۹۵۲ء) (۱) مرزا محمود نے روزنامہ ”الیوم“ قاہرہ کو خط لکھا جس میں احمدی عقائد کی وضاحت کی گئی۔ انہوں نے اپنی قادیان والہی کی پیش گوئی کی وضاحت کی جسے اخبار نے یوں قرار دیا کہ یہ ہندوستان پر ایک حملے کے بعد وقوع پذیر ہوگی۔ انہوں نے مصری اور عرب پریس کو استدعا کی کہ وہ پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات کے فروغ کے لیے کام کرے۔ (۲)

ظفر اللہ نے دعویٰ کیا کہ وہ نہرو سیز سے برطانوی فوجوں کے انخلاء کے مسئلے پر برطانوی سیکرٹری آف سٹیٹ برائے امور خارجہ انتھونی ایڈن سے ملا اور ان سے سیز سے برطانوی افواج کے انخلاء پر بات کی۔ اس نے متعدد بار قاہرہ اور لندن کا دورہ کیا تاکہ پیش آمد دشواریوں کو دور کیلجاسکے۔ قاہرہ میں امریکی سفیر کیفرے اس کی معاونت پر رضامند تھا اور یہ معاونت بڑی مفید ثابت ہوئی۔ ایڈن نے ظفر اللہ کی برطانوی وزیراعظم چرچل کے ساتھ ملاقات کا بھی اہتمام کیا۔ قبل اس کے کہ ظفر اللہ چرچل سے مل سکتا۔ سیز میں برطانوی فوجوں کے کماندار برائن رابرٹسن نے اس کے ساتھ ایک خفیہ میٹنگ کی۔ جنرل رابرٹسن نے ظفر اللہ پر واضح کیا کہ سیز میں برطانوی فوجوں کی موجودگی اپنی حیثیت کھو چکی ہے لہذا اسے واپس چلا جانا چاہیے۔ مزید برآں مصر میں انقلاب عوامی جدوجہد کے نتیجے میں بپا ہوا ہے۔ لہذا اسے برقرار رہنا چاہیے۔

۱۔ تاریخ احمدیت جلد ۱ ص 307۔

۲۔ مرزا محمود کا ”الیوم“ کو خط۔ مصر شائع کردہ المومن ترقی اسلام ریویو جولائی 1952ء۔

ظفر اللہ برطانوی وزیراعظم چرچل سے ملا اور مسئلہ سوئز پر اس کے ساتھ گفتگو کی۔ اس کا رد عمل مثبت تھا۔ آخر کار برطانوی فوجوں کے مصر سے انخلاء کا ایک معاہدہ ہو گیا جو کہ مصر کے انقلابی حکام کے ساتھ طے کیا گیا۔ ظفر اللہ کا یہ دعویٰ ہے کہ جمال عبدالناصر نے اس معاملے میں اس کی خدمات کو پسند کیا اور ذہن میں رکھا۔^(۱) حالانکہ ان کی یہ سرگرمی اپنے پرانے برطانوی آقاؤں کے حق میں تھی۔ برطانیہ نے مصریوں کے ساتھ مختلف اوقات میں مختلف معاہدات کیئے پہلا معاہدہ سٹائیس جولائی ۱۹۵۴ء کو ہوا۔ مصری فوجوں کے لیے یہ ایک نعمت ثابت ہوا جو اس وقت ایک سول عسکری حزب مخالف اخوان المسلمون کے ساتھ برتری کی جنگ لڑ رہی تھیں۔ اگرچہ اب تک اس نے مصر کو برطانیہ کے ساتھ ایک قسم کے عسکری معاہدہ میں باندھ رکھا تھا مگر عام مصری نکتہ نظریہ تھا کہ سامراج پر یہ مصر کی بڑی فتح ہے۔ جو کہ ملک میں تقریباً پچھتر سال سے برطانوی فوجوں کی موجودگی کے خاتمے سے ہوئی۔ تیرہ جون کو برطانوی دستے پورٹ سعید سے چلے گئے۔ اور وہاں پر بحریہ کے دفتر میں جمال عبدالناصر نے اٹھارہ جون کو کسی طور پر مصری پرچم کشائی کی۔^(۲)

صیہونیوں کا حاشیہ بردار

ظفر اللہ کا یہ یقین تھا کہ اسرائیل کی صیہونی ریاست ایک حقیقت ہے اور یہ وجود میں آچکی ہے چاہے ہم اس کو تسلیم کریں یا نہ کریں۔ پاکستان ٹائمز میں ایک دلچسپ خط شائع ہوا۔^(۳)

اقوام متحدہ کے ایوانوں میں اسرائیلی مندوبین کے ساتھ ظفر اللہ کو مختلف سیاسی مسائل پر بحث کا موقع ملا۔ ہندوستان کے صیہونی بمبئی سے ایک ماہانہ رسالہ ”ہندوستان اور اسرائیل“

۱۔ ظفر اللہ سرونٹ آف گاڈ ص 188۔

۲۔ بی بی سی وائیکوئس۔ ”ہدیہ تاریخ مصر“ لندن 1976ء ص 389'90۔

۳۔ ”حال ہی میں کراچی میں ایک سوال کے جواب میں پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں نے کہا کہ ایک حقیقت پسند کے طور پر اسے یہ بات ماننا پڑے گی چاہے کسی کا اس مسئلے پر کوئی نکتہ نظر ہو کہ حقیقت میں اسرائیل کی ریاست وجود میں آچکی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظفر اللہ ”تسلیم شدہ حقیقت کو جانتا ہے۔“ وزیر موصوف اس مضمون سے عیاں ہے کہ اگر مسلمانوں سے کوئی علاقہ زبردستی چھین لیا جائے تو اس پر خاموش ہو جانا چاہیے۔ پاکستان ٹائمز 30 جون 1949ء سید غلام سرور (گمرات) کا کالم۔

نکالتے تھے۔ اس کا مدیر ”ڈبلیو ایف پولاک“ اور نائب مدیر ایچ ای شیلیم تھے۔ پولاک مہاتما گاندھی کا قریبی دوست تھا۔ وہ ہندوستان اور جنوب مشرقی ایشیا کے لیے اسرائیل کا ٹریڈ کمشنر بھی تھا۔ اس اخبار کا مقصد ہندوستان اور اسرائیل کے مابین دوستانہ تعلقات کو فروغ دینا تھا۔ اس نے ظفر اللہ کا اے اہان کے ساتھ فوٹو شائع کیا جو کہ اقوام متحدہ میں اسرائیل کا مستقل مندوب تھا۔ ظفر اللہ کو اس میں دوستانہ ماحول میں بات چیت کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا ان تصاویر کے نیچے اخبار نے مندرجہ ذیل سطور چھاپیں۔

”اگرچہ پاکستان اور اسرائیل کے درمیان ابھی تک سفارتی تعلقات قائم نہیں ہوئے ہیں لیکن اقوام متحدہ نے دونوں ممالک کے سفارتکاروں کو ایک خیر سگالی پلیٹ فارم فراہم کیا ہے جس پر یہ دونوں ممالک پر اثر انداز میں ایشیائی مسائل پر تبادلہ خیال کر سکتے ہیں۔“^(۱)

اٹھارواں باب:

تحریک ختم نبوت

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قادیانیوں نے اپنے مرکز قوت کو قادیان سے سرگودھا کے قریب ربوہ میں منتقل کر لیا۔ ان بدلے ہوئے حالات میں ربوہ کو ”وٹی کن“ جیسی خصوصی حیثیت حاصل ہو گئی۔ یہ ایک ”ریاست در ریاست“ تھی جس کے سامراجیوں کے ساتھ مضبوط روابط کے ساتھ ساتھ صیہونی اسرائیل کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے۔ قادیانیوں کی تمام منصوبہ بندیاں، رابطے اور انتظامات ربوہ سے ہی ہوتے تھے۔ انتظامیہ میں ان کے اثر کی بناء پر کسی حکومت نے سنجیدگی سے ان کی سیاسی سرگرمیوں کو نہ چھیڑا تھا۔

اپنے نظریے کے ایک حصے کے طور پر قادیانیوں نے مسلمانوں کی صفوں میں انسانی کمزوریوں کا فائدہ اٹھایا۔ معصوم اذہان کو انتشار کا شکار کیا اور انہیں جعلی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ جب آزادی کے ابتدائی ایام میں پاکستان اپنی بقاء کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا تو سامراج کا یہ نیا ایڈیشن افسر شامی۔ مسلح افواج اور دوسرے سرکاری و نیم سرکاری اداروں کی جڑوں میں بیٹھنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ان اداروں کی کلیدی اسامیوں پر قبضے کے بعد اپنے ماتحتوں کو احمدی بنانے کی کوششوں میں لگے رہے۔ یہ خالصتاً خدا اور انسان کے درمیان مذہبی معاملہ نہ تھا اور نہ ہی یہ قائد اعظم کی پالیسی کے مطابق تھا۔ یہ ”شدھی“ کی طرح کی ایک منظم اور اجتماعی تحریک تھی یہ ایک طرح کا استحصال۔ جارحیت اور مذہبی امداد تھا۔ سیکولرزم کے پرچارک یا ”روشن خیال جمہوری سلطنتیں“ نہ تو ایسے جارحانہ عزائم رکھتی ہیں اور نہ ان پر دھیان دیتی ہیں۔ نتیجہ قادیانیوں کو عوامی اذہان کے ساتھ کھل کھیلنے کا بلاروک ٹوک۔ موقع مل گیا۔ انہیں خوب سیاسی اثر و نفوذ حاصل ہو گیا جس سے وہ ہر ایسے شخص یا تنظیم کو شکست دینے کے قابل ہو گئے جو ان کے منصوبوں یا خواہشات کے خلاف کام کرے۔^(۱)

لیاقت علی کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین نے وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھالا اور ایک سابق افسر شاہی کا رکن غلام محمد پاکستان کا گورنر جنرل بن گیا۔ سیاسی قیادت میں یہ تبدیلی ایسے وقت میں رونما ہوئی جب چار سالہ ریشہ دوانیوں کے بعد سیاسی ربط اور جذبات حقائق پر غالب آ گئے تھے اور پاکستان میں بے چینی کے اثرات نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ آئین کی ابھی تشکیل نہ ہوئی تھی۔ آئین ساز اسمبلی علاقائی دھڑے بندیوں کا اکھاڑہ بن چکی تھی۔ صوبوں اور مرکز کے مابین ٹھن چکی تھی اور صوبے آپس میں بھی دست و گریبان تھے۔ معیشت رو بہ زوال تھی کیونکہ کوریائی جنگ کے حالات سرد پڑنے شروع ہو چکے تھے۔ غذا کی قلت تھی۔ یا اثر سیاسی جماعت کے طور پر مسلم لیگ اپنا اثر کھوتی جا رہی تھی اور سیاستدان خصوصاً پنجاب میں سازشوں اور یورشوں میں مصروف تھے۔ مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان کشیدگی بڑھ رہی تھی اور ہر طرف بے یقینی کی صورتحال طاری تھی۔ آباد کاری اور مسئلہ کشمیر کے سوال پر کوئی قابل ذکر کامیابی نہ حاصل ہوئی تھی اور ہندوستان کے ساتھ نہری پانی کا مسئلہ پاکستان کی سلامتی پر سایہ فگن ہونا شروع ہو گیا تھا۔^(۲)

پاکستان کی نوزائیدہ ریاست میں مرزا محمود کے سیاسی کردار پر پاکستان کے عوام کے اندر بددلی پھیلتی جا رہی تھی۔ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ ریاست کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے قادیانی سامراجیوں کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ قادیانیوں کی کشمیر اور بلوچستان کے بارے میں سازشوں اور ”پنڈی سازش کیس“ میں ان کے ملوث ہونے سے ان کے مستقبل کے تمام سیاسی منصوبے افشاء ہو چکے تھے۔ یہ بھی یقین کیا جا رہا تھا کہ قادیانی بہر طور سے لیاقت علی خان کے قتل میں ملوث تھے جو ان کے خفیہ منصوبوں کو جان چکے تھے اور اپنی کابینہ میں رد و بدل کرنے والے تھے۔ لوگ ظفر اللہ کے برطانوی سامراجی وفادار نوکر ہونے کے کردار کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اس کی مجوزہ خارجہ حکمت عملی کو حقیقت پسندانہ قرار دیتے تھے۔ جب اسے حد بندی کمیشن کے سامنے مسلم لیگ اور اقوام متحدہ میں کشمیر کے مسئلہ کی وکالت کے لیے بھیجا گیا تو اس نے دونوں جگہ مسلمانوں سے دغا کیا۔ اسکی بے کار لفاظی نے

سوائے کشمیری مسلمانوں کو مصائب اور اس مسئلہ کو سرد خانے میں ڈالنے کے کچھ نہ دیا۔

تحریک کی ابتداء

احمدیوں کے خلاف تحریک نے ابتدائی شکل تو ۱۹۲۸ء کے وسط میں پکڑ لی تھی مگر اپنے عروج کو ۱۹۵۳ء میں پہنچی۔ قیام پاکستان کے ایک سال بعد مرزا محمود نے مغربی پاکستان میں رابطہ مہم شروع کی۔ جب وہ کوئٹہ پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ اس کے ایک مرید کو جو کہ ایک فوجی افسر تھا مار دیا گیا ہے۔^(۱) گیارہ اگست ۱۹۲۸ء کو مسلم ریلوے ایسپلائز ایسوسی ایشن نے ایک جلسہ کا اہتمام کیا۔ علماء نے مجمع کو ختم نبوت کے موضوع سے روشناس کرایا۔ جلسہ گاہ میں میجر محمود قادیانی مشکوک حالت میں گھومتا پھرتا پایا گیا۔ جلسہ کے منتظمین فوراً خبردار ہو گئے اور قبل اس کے کہ وہ کوئی حرکت کرتا اسے ہلاک کر دیا گیا۔

چند ماہ کے اندر اندر تمام مکاتب فکر کے علماء نے ربوہ کے خلاف مہم شروع کر دی۔ ان کے خطابات کا سب سے بڑا موضوع یہ تھا کہ مرزا غلام احمد ایک برطانوی آلہ کار تھا اور اسے استحکام اسلامی میں دراڑیں ڈالنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ اسلامی مملکت پاکستان میں قادیانیوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔ تقسیم سے قبل مرزا محمود نے اپنے پیروکاروں کو بتا دیا تھا کہ پاکستان معرض وجود میں نہیں آئے گا اور اگر ایسی کوئی ریاست بن بھی گئی تو احمدی منقسم شدہ ملک کے دوبارہ اتحاد کی کوششیں کریں گے۔ ظفر اللہ ملک سے تخلص نہیں ہے لہذا اسے نکالا جائے۔ قادیانیوں کو کلیدی آسامیوں سے برطرف کیا جائے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ چند علماء تو اس انتہا تک بھی چلے گئے کہ قادیانیوں کو سنگسار کر دیا جائے جو کہ مرتدین کی سزا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ۱۹۲۰ء کی دہائی میں لکھے گئے مولانا شبیر احمد عثمانی کے کتابچے ”الشہاب“ کا حوالہ دیا جس میں انہوں نے زور دیا تھا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔^(۲)

۱- تاریخ احمدیت جلد ۱۲ ص ۳۲۱۔

۲- مولانا شبیر احمد عثمانی ”الشہاب“ مجلس ختم نبوت لاہور ۱۹۵۳ء۔

تحریک ختم نبوت کے بڑے رہنماؤں میں سے مجلس احرار اسلام کے رہنما پیش پیش تھے۔ تقسیم سے پہلے مجلس احرار کا زیادہ سیاسی رجحان کانگریس کی جانب تھا۔ تاہم بارہ جنوری ۱۹۴۹ء کو دفاع کانفرنس لاہور کے بعد انہوں نے اپنی تمام سیاسی سرگرمیوں کو ختم کرنے اور آئندہ اپنے آپ کو صرف اور صرف مذہبی سرگرمیوں تک محدود رکھنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی معاملات میں وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں گے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی کے اوائل میں مجلس احرار نے جتو کرہالا مشہور مطالبات کے حق میں کئی کانفرنسوں کا انعقاد کیا۔ قادیانیوں نے اس ہرلعنیز تحریک احتجاج پر خاص توجہ نہ دی جو بعد میں کئی معاملات پر نازک موڑ اختیار کر گئی۔ قادیانی مبلغین کو جو تے مارے گئے اور ان کے جلسوں کو الٹا دیا گیا۔ اس کے باوجود پاکستان کے بڑے شہروں میں انہوں نے اپنے اجلاس جاری رکھے۔

۱۹۵۱ء میں پنجاب میں انتخابات منعقد ہوئے۔ احرار کے ساتھ کیئے گئے معاہدہ کے برخلاف مسلم لیگ نے چند احمدیوں کو بھی ٹکٹ دے دیا لیکن تمام کے تمام ہار گئے۔^(۱) جس پر احرار نے یوم تشکر منایا۔

سترہ اور اٹھارہ مئی ۱۹۵۲ء کو انجمن احمدیہ کراچی نے ایک عوامی احتجاج کا اعلان کیا۔ سب سے بڑا مقرر ظفر اللہ تھا۔ اس اجتماع سے چند دن قبل خواجہ ناظم الدین نے ظفر اللہ کے ایک متنازعہ جلسہ میں شرکت پر اظہار ناپسندیدگی کیا۔ ظفر اللہ نے خواجہ ناظم الدین پر واضح کر دیا کہ وہ انجمن احمدیہ کے ساتھ مخلص ہے اور اگر اسے کچھ دن پہلے کہہ دیا جاتا تو وہ اس اجلاس میں شرکت سے اجتناب کر لیتا اور اب وہ اپنے اس اخلاص کی بناء پر اس جلسہ میں تقریر کرنا اپنا فرض خیال کرتا ہے اور اگر وزیراعظم نے شرکت نہ کرنے کا اصرار جاری رکھا تو وہ استعفیٰ دے گا۔^(۲)

ظفر اللہ نے کراچی میں اس جلسہ سے خطاب کیا اس نے اپنی تقریر میں کہا کہ احمدیت وہ پودا ہے جسے خدا نے خود اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے اور یہ پودا اس قدر جڑیں پکڑ

۱۔ کے کے جرنل پارٹی یا لیکس ان پاکستان اسلام آباد ۱۹۷۶ء ص ۱۶۲۔

۲۔ منیر پورٹ ص ۷۵۔

چکا ہے کہ جس سے اسلام کے تحفظ کی وہ ضمانت مہیا ہو گئی ہے جس کا وعدہ قرآن میں ہے کہ اگر اس پودے کو ختم کر دیا گیا تو اسلام عزیز زندہ نہ رہ سکے گا بلکہ اس سوکھے سوتے درخت کی طرح ہو جائے گا جس کی دوسرے مذاہب پر کوئی قابل ذکر بالادستی نہیں ہوگی۔^(۱)

اس اجلاس کے انعقاد پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا گیا اور کراچی اور پنجاب میں زبردست مظاہرے شروع ہو گئے۔

کراچی کے واقعہ پر قومی پریس نے ملا جلارو عمل ظاہر کیا۔^(۲) تاہم تبلیغ کے اس جارحانہ انداز نے کشیدگی میں اور اضافہ کیا جس سے قادیانی مخالف تحریک میں اور شدت پیدا ہو گئی۔ ظفر اللہ کی تقریر کے بعد ایک کل جماعتی مسلم کانفرنس کا کراچی میں انعقاد ہوا اور چار مطالبات پیش کیے گئے۔

۱۔ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ کے عہدہ سے برطرف کیا جائے۔ احمدیوں کو تمام کلیدی آسامیوں سے برطرف کیا جائے اور ان مطالبات کو منوانے کی خاطر پاکستان کی تمام اسلامی جماعتوں کا کنونشن طلب کیا جائے۔

مجلس عمل:

مولانا سید سلیمان ندویؒ کی زیر صدارت ایک کانفرنس منعقد ہوئی اور ان کی زیر سرکردگی ایک بورڈ تشکیل دیا گیا جس نے کنونشن کے اگلے اجلاس کے انتظامات سرانجام دینا تھے۔ اہم رہنماؤں پر مشتمل ایک کونسل تشکیل دی گئی۔ اس میں اکابر علماء بھی شامل تھے جو اس بورڈ کے اراکین تھے جو پاکستان کے آئینی اسمبلی کی مشاورت کے لیے بنایا گیا تھا۔ مجلس عمل علماء جولائی ۱۹۵۲ء میں تشکیل دی گئی جس کا کام مطالبات کی منظوری کے لیے لائحہ عمل ترتیب دینا تھا۔ یہ علماء تین مارچ ۱۹۵۰ء کو پاکستان کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین سے بھی مل چکے تھے تاکہ انہیں قادیانی مسئلے کی نزاکت سے آگاہ کیا جاسکے۔ انہیں قاضی احسان احمد شجاع

۱۔ میسرور پورٹ ص 76، تحریک تاریخ احمدیت جلد 15 ص 123۔

۲۔ تبلیغ الزہدہ 21 جن 1952ء۔

آبادی نے جو کہ احراری رہنما تھے مطالعے کے لیے قادیانی لٹریچر بھی پیش کیا۔ ناظم الدین اسے پڑھ کر ششدر رہ گئے۔^(۱)

حکومت اس مسئلے کو اپنی بدتمیزی سے الجھا رہی تھی اور چند رعایات دے کر علماء کو خاموش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مشہور مصنف بانسٹر نے خواجہ ناظم الدین کے رویے کا تجزیہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

”ناظم الدین نے اگرچہ یہ فوری اتفاق کر لیا تھا کہ احمدی مرتد ہیں اور شاید وہ یہ اتفاق بھی کر لیتا کہ یہ غیر مسلم ہیں اگر وہ آئینی طور پر ایسا کرنے کے قابل ہوتا۔ اگرچہ وہ اس سے بھی متفق تھا کہ حکومت کو احمدیوں کے مسئلے پر سختی نہیں کرنی چاہیے، مگر وہ علماء کی بے چینی پر بھی خوش نہیں تھا۔ چنانچہ وزیراعظم نے چیدہ چیدہ علماء کو اپنے گھر میں بلایا اور اس مسئلے پر ان کے ساتھ تفصیلی گفت و شنید کی۔ اس نے امید کا اظہار کیا کہ دوسرے معاملات میں دی گئی رعایتوں کو علماء اس کے بدلے میں قبول کر لیں گے۔ اس نے کراچی اور لاہور کے علماء کو تقسیم کرنے اور ایک دوسرے کے خلاف کرنے کی بھی کوشش کی۔ علماء کی دو تنظیموں کے اختلافات کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ تعلیمات بورڈ اور انتہا پسند علماء کے مابین تفریق سے بھی مطلب برداری کہنی چاہی۔ اس پورے تنازعے کے دوران ڈان اخبار جو کہ خواجہ ناظم الدین کا سرگرم حامی تھا نے اپنے اداروں کو ان علماء کی خبروں سے بھرے رکھا جو ان پر تنقید کی وجہ سے اسے مطعون کر رہے تھے اور اپنے اخبار کی زیادہ جگہ کو جدید ترین رجحانات سے لبریز کیے ہوئے تھا۔“^(۲)

جولائی ۱۹۵۲ء میں پانچ افراد پر مشتمل ایک وفد نے جس میں ”الفرقان ریو“ کا مدیر اللہ دتہ جالندھری، عبدالرحیم درد، جلال دین شمس، شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ اور عبدالرحمان خادم شامل تھے۔ لاہور میں سید ابوالاعلیٰ مودودی سے ملاقات کی۔ مولانا مودودی نے انہیں نصیحت کی کہ وہ اپنے عقائد کے فطری نتیجے یعنی غیر مسلم حیثیت کو قبول کر لیں۔ ان قادیانی زعماء کا

۱۔ دیکھئے ”سنیر رپورٹ“ ص ۱۲۵۔

۲۔ دیکھئے ڈان ۱۱ جولائی ۱۹۵۲ء۔ ۱۱ اگست ۱۹۵۲ء۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۵۲ء۔

صرف یہی مقصد تھا کہ اس ملاقات کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ مولانا مودودی کو ان کی بدینتی کا مکمل علم تھا۔ انہوں نے اپنا انٹرویو صرف اس شرط پر دیا تھا کہ اسے شائع نہیں کیا جائے گا۔^(۱)

پھر قادیانی وفد وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملا۔ وہاں سردار عبدالرب نشتر۔ نواب مشتاق احمد گورمانی اور فضل الرحمن بنگالی بھی موجود تھے۔ ختم نبوت پر ان کے موقف اور ان کے مطالبات کے نتائج بھی ان پر واضح کیئے گئے۔ وہ وزیر اعظم کو قائل نہ کر سکے۔

چونکہ اعلیٰ نوکر شاہی کے حلقوں تک قادیانیوں کی رسائی انتہائی آسان تھی لہذا انہوں نے احرار کے خلاف مہم بڑی شد و مد سے شروع کر دی۔ یہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ احرار کا سیاسی ماضی مشکوک ہے اور وہ پاکستان کے مخالف اور کانگریس نواز عناصر ہیں۔ احمد یہ مخالف تحریک کو ایک سیاسی داؤ قرار دیا گیا جس کا مقصد صرف اور صرف بد امنی پھیلانا اور برصغیر کی تقسیم کو ختم کرنا تھا۔ اس کے برعکس قادیانیوں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ پاکستان کے حامی ہیں اور یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے تحریک آزادی میں حصہ لے کر کانگریس اور انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ جیتی ہے۔^(۲)

پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے حساس مسئلے پر قادیانیوں کا خیال تھا کہ اس وقت کے پاکستان میں جاری حالات میں اسلامی آئین کا نفاذ بہت مشکل ہے کیونکہ اس کے لیے ماحول سازگار نہیں تھا اور علماء نے اس مسئلہ پر زمین ہموار نہیں کی تھی۔^(۳)

مرزا محمود کی خفت:

ختم نبوت کی تحریک کو سیواؤ کرنے کے لیے مرزا محمود نے ”لندن ڈیلی میل“ کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ

”میں پوری طرح قائل ہوں کہ موجودہ احمدیہ مخالف احتجاج کے پیچھے ہندوستان کا خفیہ ہاتھ

۱۔ الفرقان ریوہ نومبر ۱۹۷۰ء ص ۲۷۴۔

۲۔ الفرقان ریوہ فروری مارچ اپریل ۱۹۵۳ء۔

۳۔ الفرقان ریوہ اکتوبر ۱۹۵۳ء۔

ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ان کے اس بات کے مثبت ثبوت ان کے پاس موجود ہیں اور وہ انہیں مناسب وقت پر مناسب حکام کے سامنے پیش کرنے کو تیار ہیں۔^(۱)

جب اس بات کا پرزور مطالبہ ہو رہا تھا کہ ان مثبت ثبوت کو عوام کے سامنے لائیں تو انہوں نے بجائے ثبوت پیش کرنے کے جسے وہ یقیناً نہیں کر سکتے تھے سول اور ملٹری گزٹ لاہور کو ایک وضاحت جاری کر دی۔

”آپ کے (ہائیکس جولائی ۱۹۵۲ء کے) شمارے میں میرے ایک انٹرویو کے بارے میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ انٹرویو کرنے والے میاں محمد شفیع (م۔ش) انتہائی تجربہ کار اور دیانتدار آدمی ہیں انہوں نے کسی طرح یہ تاثر لے لیا کہ ہمارے پاس اس بات کا پہلے سے پکا ثبوت موجود ہے کہ احرار ہندوستان سے مدد لے رہے ہیں۔ میرے کہنے کا دراصل مقصد یہ تھا کہ مجھے چند لوگوں نے اطلاع دی تھی کہ ان کے پاس یہ ثبوت ہے کہ احرار کو سرحد پار سے امداد مل رہی ہے مگر یہ کہ میرے پاس کوئی حتمی قوت نہیں ہے کہ میں اس کی تصدیق کر سکوں۔ میں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے پاس اہم اشارات ہیں کہ چند احرار کی کارکنان چند ہندوستانی جماعتوں سے امداد لے رہے تھے اور ہم ان اشارات کی کھوج پر تھے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ جب ہم اہم نتائج پر پہنچ جائیں گے تو ہم انہیں مناسب وقت پر مناسب حکام کے سامنے پیش کر دیں گے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ بد قسمتی سے میں اپنے موقف کو واضح طور ظاہر نہیں کر پایا اور دو چیزیں آپس میں غلط ملط ہو گئیں۔“^(۲)

قادیان بے نقاب:

احمدیہ مخالف تحریک جلد ہی زور پکڑ گئی۔ عوام کے ہر دلعزیز مطالبات کے لیے پورے ملک میں مظاہرے اور جلسے ہونے شروع ہو گئے۔ حکومت نے تحریک کچلنے کے لیے تمام احتیاطی تدابیر اختیار کیں مگر بے سود۔ پنجاب میں دولتانہ حکومت اس وقت ہل کر رہ گئی جب مجلس عمل

۱۔ تاریخ احمدیت جلد ۱۵ اپنڈکس۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد ۱۵ اپنڈکس۔

نے راست اقدام کا فیصلہ کر لیا اور وزیراعظم کو مطالبات تسلیم کرنے کی آخری تاریخ کانٹولس دے دیا گیا۔ جماعت اسلامی ان مطالبات کی حمایت میں ہر ممکنہ اقدام کر رہی تھی۔^(۱)

اگرچہ جماعت اسلامی پاکستان کے آئینی مسائل کے حل کے لیے زیادہ سرگرم عمل تھی اور اوائل ۱۹۵۲ء سے اسلامی قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کر رہی تھی۔ اسلامی قوانین کے نفاذ کے ساتھ ہی قادیانیوں کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا تھا۔ مولانا مودودی یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ قادیانیوں کے خلاف تحریک ان کی نفاذ اسلام کی کوششوں کو پیچھے ڈال دے۔^(۲)

مولانا مودودی نے مسلمانوں کے مطالبات اور ان کی توجیہ کے لیے ”قادیانی مسئلہ“ نامی کتابچہ لکھا۔ انہوں نے احمدیہ تحریک کے سیاسی و مذہبی مقاصد کو واضح طور پر بے نقاب کیا۔ اپنے پر زور دلائل کی بناء پر ان کو بڑی پذیرائی ملی۔ قادیانی جماعت کے لاہوری ترجمان نے اس اہم مسئلہ کا جواب دینے کی احمقانہ کوشش کی مگر یہ الٹ پڑا۔^(۳) مولانا مودودی نے یہ واضح کیا کہ

”قادیانی مسئلہ اس لیے نہیں اٹھ کھڑا ہوا کہ مسلمان اپنی رجعت پسندی یا جنون کی رو میں بہہ کر کسی گروہ کو ملت سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔ قادیانیت جس کی ابتداء مرزا غلام احمد کے دعویٰ مسیح موعود و مہدی نبوت پر رکھی گئی ان مسلمانوں کو اندازہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ جو ان کے عادی پر ایمان نہیں لاتے۔ مرزا غلام احمد اور ان کے پیروکاروں کی تحریروں کی بناء پر انہوں نے ثابت کیا کہ احمدیت ایک علیحدہ مذہب ہے اور احمدی سامراج کے پٹھو اور جاسوس ہیں جن کے ذمے لگایا گیا ہے کہ وہ سامراجی راج کے خلاف مسلمانوں کی مزاحمت کو کمزور کر دیں اور اس کے وجود کی ابتداء سے ہی اس کا سب سے بڑا مقصد سامراجی مفادات کو پروان چڑھانا ہے۔ اب وہ پاکستان میں ایک سامراجی قوت کی تشکیل کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے درست طور پر ۱۹۳۵ء میں انگریزوں سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ انہیں غیر مسلم

۱۔ مولانا مودودی کا انٹرویو بیان کر پٹی ۱۱، 26 مارچ 1973ء حیدر دیکھے کلیم بہادر ”پاکستان کی جماعت اسلامی“ پارک ایئر بک لیژر لاہور 1983ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ جماعت احمدیہ لاہور ”قادیانی مسئلہ کا جواب“ طارق پرنٹنگ ایجنسی لاہور 1953ء۔

اقلیت قرار دے ڈالے۔ لیکن یہ مذہبی اور سماجی طور پر علیحدہ رہتے ہوئے بھی مذہبی طور پر دائرہ اسلام میں رہنے کے لیے متحمس ہیں کیونکہ وہ اس لبادے میں رہ کر ہی ملازمتوں میں اپنا حصہ وصول کر سکتے ہیں۔“

مولانا مودودی نے مزید کہا کہ

”ظفر اللہ کے دفتر خارجہ سے نکالے جانے والے مطالبہ کی صرف یہ وجہ نہیں کہ ایک اسلامی ریاست میں کسی غیر مسلم کو وزیر نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کی وجہ یہ حقیقت ہے کہ ظفر اللہ نے ہمیشہ اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر قادیانی تحریک کو پروان چڑھانے اور اسے ترقی دینے کی کوشش کی ہے۔ ہندوستان کی تقسیم سے قبل اور قیام پاکستان کے بعد اس نے اپنی حیثیت کا زیادہ سے زیادہ سہر گرتی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر قادیانیت کے مفادات کے لیے کام کیا ہے۔ چنانچہ اس کی سرکاری حیثیت مسلمانوں کے لیے ایک مستقل شکایت کا باعث ہے۔

ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر ظفر اللہ کا بینہ میں نہ ہوتا تو امریکہ ہمیں گندم کا ایک دانہ بھی نہ دیتا۔ (امریکی معلقوں نے کمال ہوشیاری سے ایک خط کی ہی صورت حال پیدا کر دی اور سی آئی اے کی مدد سے پریس میں ایسی ہم چلائی گئی کہ خوراک کی قلت کے باعث پاکستان میں قحط آیا کہ آیا اس سے ذخیرہ اندوزی کے دھچکان میں اضافہ ہوا اور خوراک کی قیمتیں بڑھ گئیں۔ ناظم الدین حکومت نے مایوس ہو کر امریکہ سے مدد کی بجائے امریکہ کی حکومت امریکہ کی جانب سے خوراک کی امداد کا وعدہ تک نہ کیا گیا حتیٰ کہ اپریل ۱۹۵۳ء میں ناظم الدین حکومت کو ختم کر دیا گیا بعد میں ایک ہفتے کے اندر اندر امریکہ کا خوراک کی فراہمی کا وعدہ آگیا۔ مگر امریکہ کی طرف سے دراصل خوراک کی ترسیل اس وقت تک نہ ہوئی جب اگلے سال کی شاندار فصل نہ آگئی۔ قحط کا ہوا کھڑا کرنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ خوراک کی صورت حال زیادہ خراب نہ ہو اور یہ سال اسی طرح چلتا رہا حتیٰ کہ اگلے سال کی فصل آگئی اور پاکستان کو اس کی وعدہ کی گئی خوراک نہ پہنچی۔“ (۱)

میں (مولانا مودودی) کہتا ہوں کہ اگر واقعی ایسا ہی ہے تو پھر معاملہ اور بھی سنگین ہو جاتا ہے۔ اس سے بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ایک امریکی پٹھو وزارت امور خارجہ کو چلا رہا ہے اور

ہماری خارجہ حکمت عملی دس لاکھ ٹن غلے کے ہاتھوں گروی پڑی ہوئی ہے۔ تو اس حالت میں ہمیں امریکہ کی سیاسی غلامی کی بیڑیاں کاٹ پھینکنے کے لیے قادیانی تحریک کو اپنے مطالبے کی بنیاد بنانے کی بجائے ظفر اللہ قادیانی کی برطانی پر زور دینا چاہیے۔^(۱)

مارشل لاء

مارچ کے ابتدائی ایام میں عوامی تحریک اس زور سے ابھری کہ اس نے سول حکومت کو ناکارہ کر کے رکھ دیا۔^(۲) تمام سرکردہ علماء کو گرفتار کر لیا گیا اور انہیں پابند سلاسل کر دیا گیا۔ اس کڑے وقت میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ ممتاز دولتانہ نے ایک بیان جاری کیا جو حقیقی طور پر مطالبوں کی تائید میں تھا کہ قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور قادیانی رہنماؤں مثلاً ظفر اللہ وغیرہ کو برطرف کر دیا جائے۔ اگرچہ جسٹس منیر نے اسے میکیاولی سیاست کا ایک نمونہ قرار دیا مگر یہ قادیانیوں کے لیے کسی بم سے کم نہ تھا۔ اُسی روز یعنی چھ مارچ ۱۹۵۲ء کو پنجاب میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور تحریک کو کچلنے کے لیے فوج بلا لی گئی۔ یہ نفاذ مئی ۱۹۵۳ء تک رہا۔

ظفر اللہ قادیانی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ناظم الدین کو پیشکش کی تھی کہ وہ استعفیٰ دینے کو تیار ہے اگر یہ اس کے لیے کسی بھی طور مفید ہو مگر ناظم الدین نہ مانا۔ پھر وہ اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے امریکہ چلا گیا جہاں اسے ناظم الدین کی طرف سے برقی پیغام موصول ہوا کہ وہ یوم راست اقدام سے قبل پاکستان واپس نہ آئے۔ پنجاب کے گورنر ابراہیم اسماعیل چندریگر اور وزیر اعلیٰ ممتاز دولتانہ نے یہ پیش بینی کی تھی کہ امن وامان کے حوالے سے صورتحال مزید خراب ہو جائے گی۔ گورنر نے وزیر اعلیٰ کو فون کیا کہ لاہور میں صورتحال اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ کئی عوامی اداروں کا کنٹرول عوام نے براہ راست اپنے

۱۔ ابراہیم سودی "قادیانی مسئلہ" اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۷۹ء ص ۸۲۔

۲۔ ظفر اللہ قادیانی کا یہ دعویٰ ہے کہ ان سلاطین میں شرقی پاکستان نے ذرہ بھر دیکھی ظاہر نہیں کی تھی کہ مغربی پاکستان میں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے ایک تھک رہے یہ ایک غلط دعویٰ ہے اکتوبر ۱۹۵۲ء میں ڈھاکہ میں مسلم لیگ کے کل پاکستان اجلاس میں لیگ کی کونسل کو ایک مطالبہ پیش کیا گیا تھا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے مگر لیگ نہ مانی دیکھیں تاریخ احمدیت جلد ۱۵ ص ۳۵۰۔

ہاتھ میں لے لیا ہے۔ کامینہ نے سیکرٹری دفاع سکندر مرزا سے پوچھا کہ وہ جنرل اعظم خاں سے فوری رابطہ کر کے دریافت کرے کہ آیا وہ شہر میں امن وامان بحال کر سکتا ہے یا نہیں؟ اعظم نے بتایا کہ اگر اسے ایسا کرنے کو کہا گیا تو وہ ایک گھنٹے میں امن وامان بحال کر دے گا اور اس نے ایسا کر بھی دکھایا۔^(۱)

مارشل لاء کے نفاذ میں بدنام زمانہ سکندر مرزا نے جو کچھ کیا وہ بالکل عجیب ہے۔ اس نے جنرل آفیسر کمانڈنگ اعظم خاں کو مارشل لاء نافذ کرنے کا حکم دیا اور اس سلسلے میں وزیر اعظم کی ضروری اجازت اور مرکزی کامینہ سے بھی اجازت نہ لی جو کہ اس وقت چھ مارچ ۱۹۵۳ء کو سر اجلاس تھی۔ جب فوجی کارروائی شروع ہوئی تو پھر اسے روکنا مشکل تھا۔

ختم نبوت کی تحریک کے دوران قادیانیوں نے بہت مکروہ کھیل کھیلا۔^(۲)

انہوں نے چند بے ضمیر صحافیوں۔ بیورو کریٹ۔ وکلاء اور سیکولر عناصر کو ہزاروں روپے خرچ کر کے خرید لیا تاکہ اس عوامی ہرلعزیز تحریک پر جوابی وار کیا جاسکے۔^(۳) سامراجی قوتوں نے پاکستان کی نوکر شاہی میں موجود اپنے گماشتوں کے ذریعے ان کی بھرپور پشت پناہی کی۔ صیہونی لابی اور یہودیت نواز غیر ملکی پریس نے احمدیہ موقف کی پرزور حمایت کی اور ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا۔ ظفر اللہ نے اپنے غیر ملکی آقاؤں کے ذریعے پاکستانی صاحبان اقتدار پر شدید دباؤ ڈالوایا کہ وہ قادیانی مخالف عوامی تحریک کو بے رحمانہ طریقے سے کچل دیں۔

مارشل لاء کے نفاذ کے بعد فوجی عدالتیں قائم ہو گئیں اور شہر کو فوج کے انتظامی اختیار میں دے دیا گیا۔ مولانا مودودیؒ کے علاوہ کئی علماء کو گرفتار کر لیا گیا۔ سید مودودی اور مولانا عبدالستار نیازی کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمہ چلا کر انہیں سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ یہاں پر پھر ایک بار فوجی حکام اپنے چارٹر سے انحراف کر گئے جو صرف امن وامان کی

۱۔ ظفر اللہ قندیل، "ختم نبوت" ص 585، "ہیرالڈ" ۱۹۹۹ء۔

۲۔ شورش کاشمیری، "تحریک ختم نبوت" لاہور، قادیانی موقف کے لیے ملاحظہ ہو ملک فضل حسین، "لسادات" 1953ء، "پریس سٹریٹ لاکھپور" 1957ء اور تاریخ احمدیہ جلد 15۔

۳۔ دیکھیں "المنہج" ریوہ کے 1950ء سے لے کر 1952ء تک کے نمبر ۴، "دیانیت" کی لاہوری شاخ کے موقف کے بارے میں چوہدری محمد حسین چیمہ ایڈووکیٹ گجرات (جو کہ صوبہ پنجاب کی مسلم لیگ کا رکن بھی تھا) "موجودہ ایجنڈا" 1952ء۔

بحالی کا تھا۔ پوری قوم نے اس کی مذمت کی اور وزیراعظم نے بھی اس پر غم و غصے کا اظہار کیا۔ عرب دنیا کی طرف سے بھی بڑا سخت رد عمل سامنے آیا۔ گورنر جنرل پاکستان کو مجبور کیا گیا کہ وہ سزائے موت کو عمر قید میں بدل دے۔ مولانا مودودیؒ نے رحم کی اپیل نہ کی بلکہ اپنے مقدر پر مطمئن رہے۔

یکم اپریل ۱۹۵۳ء کو مارشل لاء کی خلاف ورزی کرنے اور تشدد کے الزام میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل مرزا ناصر احمد اور مرزا شریف احمد کو آٹھ دیگر قادیانیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا مگر اٹھائیس مئی ۱۹۵۳ء کو انہیں رہا کر دیا گیا۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے اسلحہ و گولہ بارود کی برآمدگی کے لیے ربوہ چھاپہ مارا۔^(۱) مرزا محمود اتنے سادے نہیں تھے کہ وہ ربوہ میں اسلحہ کا ذخیرہ کرتے، وہ ایک اور عی کھیل کھیلنے کے چکروں میں تھے۔ ڈیفنس جنرل کے مدیر بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) اسے آر صدیقی نے بڑے مناسب انداز میں ۱۹۵۳ء کے مارشل لاء کے حالات کا تجزیہ کیا ہے اور نہایت متعلقہ سوالات پوچھے ہیں۔ اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ سکندر مرزا نے بذات خود جنرل آفیسر کمانڈنگ جنرل اعظم خاں کو وزیراعظم کی لازمی اجازت حاصل کیے بغیر مارشل لاء نافذ کرنے کا حکم دیا تھا۔ مزید یہ کہ مارشل لاء کے نفاذ کا واحد مقصد پنجاب میں امن و امان کی بحالی تھا جسے اس کے نفاذ یعنی چھ مارچ ۱۹۵۳ء کے پندرہ دن بعد تک حاصل کر لیا گیا تھا۔ اگرچہ یہ سترہ مئی تک نافذ رہا تھا کہ کچھ دیگر سیاسی فوائد بھی حاصل کیے جاسکیں جن میں وزیراعظم کی برطرفی اور اس کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال سے نبرد آزما ہونا بھی تھا۔

مارشل لاء، تنظیمیہ نے واضح طور پر اپنے اختیارات سے تجاوز کیا۔ پولیس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ سخت سنسر شپ عائد کر دی گئی۔ کئی اخبارات بند کر دیئے گئے اور ان کے مدیروں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ اب تک یہ بات واضح نہ تھی کہ مارشل لاء نے کیوں ہر طرح کے کاموں کو اپنے شکنجے میں لے لیا۔ ان میں کردار سازی، سماجی و تعلیمی اصلاحات اور روزمرہ صحت و صفائی کے معاملات شامل تھے۔ بہت سے چھوٹے فوجی افسران اپنے اختیارات

سے تجاوز اور بدتہذیبی میں ملوث پائے گئے جنہیں یا تو نظر انداز کر دیا گیا یا معمولی تنبیہ کے بعد چھوڑ دیا گیا۔

مولانا مودودیؒ اور مولانا عبدالستار نیازی کو فوجی عدالت سے سزائے موت کا حکم مارشل لاء کی حدود سے سراسر تجاوز تھا۔ یہ ایک مذموم فعل تھا جسے کوئی قانونی جواز حاصل نہ تھا اور اس سے قوم دہشت زدہ اور وزیراعظم سخت پرہم ہوا تھا۔ فوج کو پہلی دفعہ سول انتظامیہ کی ”مٹھاس“ کا مرہ چکھنے کو ملا۔ اسے قومی بحران میں اپنی اہمیت کا اندازہ ہوا اور بعد میں بھی قومی سیاست و معاملات میں اپنا کردار ادا کرنے کا شوق پیدا ہوا۔^(۱)

مارشل لاء انتظامیہ کو چیف آف جنرل سٹاف جنرل احیاء الدین جو ایک پکا قادیانی تھا کی ذات سے بڑی حوصلہ افزائی ملی۔ وہ اس تحریک کو کچلنے کے لیے سخت تشدد کا استعمال کرنے کے حق میں تھا۔ وہ وزیر خاں مسجد لاہور سے احتجاجی مظاہرین کو ”صاف“ کرنے کے حق میں تھا جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد میں بند کر لیا تھا۔ مگر اس منصوبہ کو وسیع تر سیاسی عواقب کی بناء پر ختم کر دیا گیا۔ میجر جنرل احیاء الدین قومی معاملات پر بڑی تنگ نظری کا حامل تھا۔ اس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ احمدیہ جماعت کو ہر قیمت پر تحفظ دیا جائے۔^(۲)

تحقیقاتی عدالت:

پنجاب کی بد امنی کی وجوہات جاننے کے لیے ایک تحقیقاتی عدالت قائم کی گئی۔ چیف جسٹس محمد منیر بورہ جسٹس رستم کیانی نے اپنی بدنام و پورٹ شائع کر دی۔ مرزا محمود تحقیقاتی عدالت کے سامنے تیرہ سے پندرہ جنوری ۱۹۵۳ء کو پیش ہوئے اور اپنی شہادت قلمبند کرائی۔^(۳) اس سے قبل دو جولائی ۱۹۵۳ء کو عدالت کے سامنے ایک تحریری بیان جمع کرایا جو کہ صدر انجمن احمدیہ کی جانب سے تھا۔^(۴) جس میں مذہبی و سیاسی معاملات پر قادیانی نقطہ نظر

۱۔ دی نیشن لاہور 23 ستمبر 1987ء۔

۲۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) امراؤ خاں، ”ایک جنرل کی سرگزشت“ لاہور 1985ء ص 92۔

۳۔ تحقیقاتی عدالت میں ملام جماعت احمدیہ کی شہادت: سید آرش علی خاں حیدر آباد۔

۴۔ مرزا محمود احمد اسلامی نظریہ حیات، ”الشکر الاسلامیہ لاہور 1954ء۔

کی وضاحت کی گئی تھی۔ عدالت نے قادیانیت اور اسلام کے سات بڑے اختلافات کے بارے میں بھی سوالات پوچھے۔ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے وکیلوں نے انتیس اگست ۱۹۵۳ء کو اپنے جوابات داخل عدالت کرائے۔^(۱)

عدالت کے سامنے اپنی شہادت میں مرزا محمود نے اصل حقیقت حال اور قادیانی عقائد کو جھوٹی تفصیلات اور مسخ شدہ توجیہات کے پردے میں پیش کیا۔ انہوں نے عدالت کو دھوکہ میں رکھنے کی شاطرانہ کوشش کی۔ ۱۹۱۳ء میں قادیانی گدی سنبھالنے کے بعد وہ متواتر یہی کہہ رہے تھے کہ مرزا غلام احمد حضرت موسیٰ و ابراہیم علیہم السلام کی طرح (نعموذا اللہ) سچا پیغمبر تھا۔ غیر احمدی کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ کوئی احمدی روزانہ کی نمازوں میں مسلمان کے ساتھ نہیں مل سکتا نہ ہی ان کی نماز جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے اور قرآن میں ”احمد“ کے نام سے مطلب غلام احمد قادیانی تھا۔ وغیرہ وغیرہ^(۲) مگر عدالت کے سامنے انہوں نے ایک مختلف انداز اختیار کیا اور ججوں کو دغا دینے کے لیے مصاحفی رویہ اختیار کیا۔ لوگوں نے ان کے اس رویے پر بہت اظہار افسوس کیا وہ ایک دم غلی سطح پر آ گئے تھے اور وہ موقف اختیار کر لیا تھا جو ایک عرصے سے جماعت لاہور نے اختیار کیا ہوا تھا۔^(۳) قادیانی جماعت کے کسی فرد کو یہ جسارت نہ ہوئی کہ وہ اپنے ”الوالعزم“ خلیفہ المسیح کی مصلحت کوش اور بے ضمیری پر سوال کرتا اور پوچھتا کہ اگر جماعت احمدیہ قادیان کا یہی مسلک ہے تو لاہور جماعت کو چالیس سال سب و شتم کا نشانہ کیوں بنایا گیا۔ مختصر اُمر مرزا محمود اپنے بہت سے عقائد و نظریات میں لچک پیدا کر کے اپنے آپ کو بچانے میں لگ گئے۔ قادیانی موقف پر ایک لاہوری احمدی نے بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے۔^(۴)

مولانا مودودی نے تحقیقاتی عدالت میں اپنے دوسرے بیان میں مرزا محمود کے بیان پر تنقید کی۔ انہوں نے کہا

۱۔ عدالتی تحقیقات کے سات سوالات کے جوابات ”دراجمہ لاہور“۔

۲۔ دیکھئے مرزا محمود کی کتاب ”حقیقت اختلاف“، ”برکات خلافت“۔ آئینہ صداقت، حقیقت نبوت وغیرہ۔

۳۔ عدالتی تحقیقات میں مولانا مودودی کا دوسرا بیان، جماعت اسلامی لاہور، ۱۹۴۵ء، ص ۳۶۲-۱۲۔

۴۔ محمد احمد قارونی محمد علی اسلام کا علیہ السلام، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۸۸۔

”عدالت میں یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی طرف سے اس کے وکیل نے عدالت کے دیئے ہوئے سات سوالوں کے جواب میں جو بیان دیا ہے، میں نے اس بیان کو پورے غور کے ساتھ پڑھا ہے۔ میری سوچیں بھی رائے یہ ہے کہ اس بیان سے پوزیشن میں ذرہ برابر بھی تغیر واقع نہیں ہوتا اور اس کے باوجود نزاع و اختلاف کے وہ تمام اسباب جن کے تون باقی رہتے ہیں جواب تک خرابی کے موجب رہے ہیں۔ اس بیان میں قادیانیوں نے پوری ہوشیاری کے ساتھ یہ کوشش کی ہے کہ اپنی اصلی پوزیشن کو تاویلوں کے پردے میں چھپا کر ایک بناوٹی پوزیشن عدالت کے سامنے پیش کریں تاکہ عدالت اس سے دھوکا کھا کر ان کے حق میں مفید مطلب رپورٹ بھی دے دے اور وہ اپنی سابق روش پر علیٰ حالہ قائم بھی رہ سکیں۔ ان کی سابق تحریروں اور اسلئے اب تک کے طرز عمل سے جو شخص کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو وہ یہ محسوس کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے اس بیان میں اپنی پوزیشن بدل کر قریب قریب وہ پوزیشن اختیار کر لی ہے جو اموری احمدیوں کی پوزیشن تھی۔ لیکن یہ تبدیلی وہ صاف صاف یہ کہہ کر اختیار نہیں کرتے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ نزاع ختم کرنے کے لیے اپنے عقیدے اور مسلک میں یہ تغیر کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ اسے اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ ہماری پوزیشن ابتداء سے یہی رہی ہے حالانکہ یہ صریح غلط بیانی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ عملاً اپنی سابق پوزیشن کی توثیق کر رہے ہیں اور آئندہ بھی اس پر قائم رہنا چاہتے ہیں، البتہ عارضی طور پر ان تحقیقات کے دوران انہوں نے ایک مناسب وقت پوزیشن اختیار کر لی ہے جو تحقیقات کا دور گزرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی۔“ (۱)

قادیانی ان فسادات کے کہاں تک ذمہ دار تھے؟ منیر رپورٹ بیان کرتی ہے۔
 ”مسلمانوں کے سوا اعظم کے ساتھ ان (قادیانیوں) کے اختلافات نصف صدی سے بھی زیادہ قدیم ہیں اور تقسیم سے قبل وہ اپنی نشریاتی مہم اور اردادی کارروائیوں کو بغیر کسی رکاوٹ یا رخنہ کے جاری رکھے ہوئے تھے۔ تاہم ساری صورتحال کا نقشہ تقسیم کے بعد بدلا اور احمدی اپنے آپ کو یہ سوچ کر احمق بنا رہے تھے کہ اگر اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب یا اسلام کے اندر

مختلف فرقوں کی تبلیغ کی عوام الناس میں تجدید نہ کی گئی تو ان کی حرکتوں کا کوئی برا نہیں منائے گا اور وہ بلا روک ٹوک نئی ریاست میں اپنا کام جاری رکھیں گے تو تبدیل شدہ حالات میں بھی ان کی حرکات اور جارحانہ نشریات اور غیر احمدی مسلمانوں کے بارے میں ان کی جارحیتیں جاری رہیں۔ ہم تاہم اس بات پر مطمئن ہیں کہ اگرچہ قادیانی ان فسادات میں براہ راست ملوث نہیں ہیں لیکن ان کے رویے نے اس تحریک کا بہانہ پیدا کر دیا ہے۔ اگر ان کے خلاف جذبات اٹھنے شدید نہ ہوتے تو ہم نہیں سمجھتے کہ احرار مختلف الذہن مذہبی تنظیموں کو ان پر حاوی کرنے میں کامیاب ہو سکتے۔

منیر رپورٹ پر بڑی بحث ہوئی اپنے مخصوص طرز عمل کے باعث ججوں نے بعض ایسے سوال بھی اٹھائے جو غیر متعلق تھے ان کی بعض قیاس آرائیاں یہ تھیں۔

”اگر پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بننے دیا گیا تو تمام غیر مسلم خود بخود ظلم کا نشانہ بن جائیں گے۔ مختلف مسلمان فرقے آپس میں برادر کشی پر مترا آئیں گے۔ قدیم الخیال قوانین کا نفاذ ہو جائے گا جو تہذیب کے معیار سے متصادم ہوں گے اور پاکستان کو بین الاقوامی برادری سے اس کی فرسودہ ثقافت اور رجعت پسند حکومت کی بناء پر اچھوت بنا کر نکال دیا جائے گا۔“

مغربی مستشرقین اور عیسائی مبلغین نے بھی اسلام پر اتنے سخت حملے نہیں کیے تھے جتنے کہ منیر رپورٹ نے کیے۔ یہ المیہ ہے کہ اس کا لکھنے والا ایک مسلمان تھا جس کی وجہ سے اس کے نقصانات کئی گنا بڑھ گئے۔“ (۱)

منیر رپورٹ پر پاکستان میں شدید رد عمل ظاہر ہوا اور اسے انتہائی متعصب گمراہ کن اور جانبدارانہ قرار دیا گیا۔ لادینوں، اشتراکیوں اور صیہونیوں نے اسے اسلامی ریاست کے خلاف اپنے دشنام آمیز پروپیگنڈے میں استعمال کیا۔ پاکستان کی وجہ تخلیق اور ہندوستان میں مسلمانوں کی زبوں حالی کا جواز پیدا کرنے کے لیے غیر مسلم مصنفین نے اسے حوالے کے طور پر استعمال کیا۔ (۲)

۱۔ مریم بیگم ”مردودی کوٹن ہے“ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۱۵۔

۲۔ دیکھئے ڈاکٹر ایم اے کاظمی کا ”ہندوستان کی تبدیلی جدیدیت میں اسلام“ انٹرنیشنل پبلشرز، ہندوستان ص ۲۵۴، ۲۵۷۔

ایک یہودی مورخ پروفیسر پی کے ہٹی نے جسٹس منیر کو ایک ذاتی خط لکھا بعد میں جب ان سے ملا تو کہا

”میں بھی پاکستان سے کچھ ایسی ہی توقع کر رہا تھا۔“

مرحوم شاہ ایران نے بھی جسٹس منیر سے گفتگو کرتے ہوئے رپورٹ کے بنیادی خلاصے سے اتفاق کیا اور کہا کہ

ماضی میں باب بہاء اللہ اور خوبصورت شاعرہ قرۃ العین کے دنوں میں ایران کو بھی ایسے ہی مسائل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔“

جسٹس منیر کہتے ہیں کہ ایک صحافی نے یہ لکھا کہ

”اس نے دو کتب ایک ہی نشست میں پڑھیں۔ ان میں سے ایک ”لیڈی چیئر لیزور“ تھی جبکہ دوسری ”حمیر رپورٹ“ تھی۔ واہ کیا خوبصورت تقابل ہے؟“ (۱)

لیڈی چیئر لے کا عاشق ایک فحش ناول ہے۔ جماعت اسلامی نے جسٹس منیر کی رپورٹ کا فوری جواب دیا۔ (۲) ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنی کتاب ”نظر نیہ پاکستان ۱۹۷۱ء“ میں منیر کی ہفوات اور تخلیق پاکستان پریس کے نظریے کی خوب خبر لی ہے۔ (۳)

عواقب و نتائج:-

۳-۱۹۵۲ء کے واقعات جنہوں نے ملک کو ہلا کر رکھ دیا تھا ان سے کیا حاصل ہوا؟ احمدیہ مخالف تحریک کے بارے میں اشتراکی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ یہ پاکستان کے اس متوسط طبقہ کی برہمی کی عکاس ہے جو امریکہ کی طرف جھکاؤ رکھتا تھا۔ جب کہ برطانیہ کے ساتھ قدیم تعلقات قائم تھے۔ امریکہ نے بھی حکومت سے برطانیہ نواز عناصر کو نکالنے کی کوشش کی اور ان کی جگہ ”مطیع“ سیاستدانوں کو داخل کیا۔ خواجہ ناظم الدین نے قانون ساز اسمبلی سے

۱۔ جسٹس منیر ”جامعے نیامک“، لاہور، دسمبر ۱۹۸۰ء ص ۴۳۔

۲۔ حمیر رپورٹ کا تجزیہ۔ جماعت اسلامی کراچی ۱۹۵۵ء حریدہ دیکھئے ”مجموعہ صدیقی“، ”تبرہ“ لاہور ۱۹۵۵ء، لاہور سولانا میٹش ”مجاہد“ لاہور ۱۹۵۵ء۔

۳۔ جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال ”نہریہ پاکستان“ حریدہ دیکھئے ”منیر رپورٹ“ ص ۷۱۔

خطاب کرتے ہوئے کہا

”احمدیہ مخالف احتجاج دراصل ایک سیاسی تحریک ہے جس کو پاور پالیٹکس سے شملی۔“

کہنہ مشق ہندوستانی صحافی ڈاکٹر جمناداس اختر کا کہنا ہے۔

”احمدی برطانوی سامراجی مفادات کو پروان چڑھانے کے کھلے مجرم تھے اور ایسے محمدانہ

عقائد کو پھیلانے کے ذمہ دار تھے جو اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف تھے۔ یہ بھی شک

کیا جاتا ہے کہ اس کھیل میں امریکی مفادات نے بھی بڑا اہم کردار ادا کیا۔ کیونکہ اس وقت

امریکہ حکومت سے برطانیہ حامی عناصر کے اخراج اور ان کی جگہ مزید ”تابعہ دار“ سیاستدان

لانے کی فکر میں تھا۔“ (۱)

قادیانیوں کے نزدیک اس تحریک نے ان کی پوزیشن کو مزید مضبوط کر دیا اور یہ ثابت ہو

گیا کہ جماعت ”ناقابل تسخیر“ تھی۔ اس سے مسیح موعود کی ایک پیشگوئی کو بھی پورا کرنے میں

مدد ملی۔ جلال الدین شمس جو اسرائیل میں احمدی مبلغ رہ چکا تھا بیان کرتا ہے۔

۱۹۵۳ء کے فسادات سے حضور (مرزا غلام احمد) الہامی پیشگوئی:

”وَإِذْ كَفَفْتُ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَرْزُقُونَ وَهَامَانَ

وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَطِئِينَ إِنِّي مَعَ الْآفَاجِ إِلَيْكَ بَغْتَةً“

نہایت وضاحت سے پوری ہوئی۔ جس میں جماعت احمدیہ کو بنی اسرائیل سے مشابہت دی

گئی ہے جنہیں فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تباہ کرنا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل

سے بنی اسرائیل کو تباہی سے بچالیا۔ اسی طرح جب جماعت احمدیہ کو مخالفین نے ۱۹۵۳ء میں

اپنے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے ذریعہ ذلیل اور تباہ کرنا چاہا اور اس غرض کے لیے انہوں

نے چھ ماہ ۱۹۵۳ء کی جو تاریخ مقرر کی تھی اس دن مخالفین کی حالت کا نقشہ تحقیقاتی عدالت

برائے فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء نے اپنی رپورٹ میں یوں کھینچا ہے کہ اس دن ”سول کے

حکام جو عام حالات میں قانون و نظام کے ذمہ دار ہوتے ہیں کاملاً بے بس ہو چکے تھے اور

ان میں دو مارچ کو پیدا ہونے والی صورت حالات کا مقابلہ کرنے کی کوئی خواہش اور اہلیت

باقی نہ رہی تھی۔ نظم حکومت کی مشینری بالکل بگڑ چکی تھی اور کوئی شخص مجرموں کو گرفتار کر کے یا ارتکاب جرم کو روک کر قانون کو نافذ العمل کرنے کی ذمہ داری لینے پر آمادہ یا خواہاں نہ تھا۔ انسان کے بڑے بڑے مجرموں نے جو معمولی حالات میں معقول اور سنجیدہ شہریوں پر مشتمل تھے ایسے سرکش اور جنون زدہ ہجوموں کی شکل اختیار کر لی تھی جن کا واحد جذبہ یہ تھا کہ قانون کی نافرمانی کریں اور حکومت وقت کو جھکنے پر مجبور کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی معاشرے کے ادنیٰ اور ذلیل عناصر موجودہ بد نظمی اور بہتری سے فائدہ اٹھا کر جنگل کے درندوں کی طرح لوگوں کو قتل کر رہے تھے اور ان کی املاک کو لوٹ رہے تھے اور قیمتی جائیداد کو نذر آتش کر رہے تھے۔ محض اس لیے کہ یہ ایک دلچسپ تماشا تھا یا کسی خیالی دشمن سے بدلہ لیا جا رہا تھا۔ پوری مشینری جو معاشرہ کو زندہ رکھتی ہے پرزہ پرزہ ہو چکی تھی اور مجنون انسانوں کو دوبارہ ہوش میں لانے اور بے بس شہریوں کی حفاظت کرنے کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ سخت سے سخت تدابیر اختیار کی جائیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان کے شر سے جماعت احمدیہ کی حفاظت کرنے کے لیے جیسا کہ فرمایا تھا:

”إِنِّي مَعَ الْاٰفْوَاجِ اَتِيكَ بَغْتَةً“

کہ میں اچانک فوجوں کو لے کر تیری حفاظت کے لیے آؤں گا۔ محکمہ افواج کے دل میں ڈال دیا کہ وہ فوراً مارشل لاء قائم کر دیں۔ چنانچہ ٹیلیفون پر کراچی سے لاہور متعین کمانڈر کو مارشل لاء نافذ کرنے کا اچانک اور غیر متوقع طور پر حکم ہوا اور فوج نے نہایت حزم و احتیاط لیکن جرأت مندانہ اور دلیرانہ مضبوط اقدام کے ساتھ شریعت طاقتوں کو بہت جلد زیر کر لیا اور جماعت احمدیہ کو جبکہ وہ بنی اسرائیل کی طرح مظلوم تھی اپنے وعدہ کے مطابق ہلاکت اور تباہی سے بچا لیا۔^(۱)

جناب عوامی لیگ کے سربراہ حسین شہید سہروردی نے چھبیس جون ۱۹۵۳ء کو کراچی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا

۱۔ بے جزی شمس۔ ”مسک مسعود کی پیشگوئیاں“ صدر انجمن احمدیہ ربوہ مرزا پیٹھوٹی کے لیے دیکھیں۔ غفر اللہ قادیانی کا ”تذکرہ“ کا انگریزی ترجمہ ص ۱۳۰۵

”پنجاب میں ایک مذہبی تحریک ابھری جسے بڑی قوتوں نے طاقت سے دبا دیا اور علماء کو پابند سلاسل کر دیا اب وہی قوتیں ہمیں اشارہ دے رہی ہیں کہ مسلمان گمراہ ہو گئے تھے اور اب ہمیں کہا جا رہا ہے کہ انکو گلے لگا لیں جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمیں بھی دوسروں کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔“

مرزا محمود نے جمعہ کے ایک خطبہ میں اس پر اظہار خیال کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر کو ایک تازہ تنبیہ قرار دی۔

”خدا نہ صرف احمدیہ جماعت کو بچائے گا بلکہ حکومت پاکستان کو بھی جس کو حملوں کا نشانہ محض اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس نے اپنی احمدی رعایا کے ساتھ انصاف کیا ہے اور ان کا تحفظ کیا ہے۔ پاکستانی حکومت کا صرف یہ تصور ہے کہ وہ ملک میں امن قائم کرنا چاہتی ہے اور خارجی عناصر کو کچل دینا چاہتی ہے جو لوگوں کو احمدیہ تحریک کے خلاف بھڑکا کر حکومت پر قبضہ کرنے کے خواہاں ہیں۔ خدا اپنے بندوں کو فتنہ پرداز یوں سے محفوظ رکھے گا اور بدخواہوں کی تمام بری خواہشوں سے ہٹا دے گا اور انہیں کبھی بھی پھلنے پھولنے یا ترقی کرنے کا موقع نہیں دے گا۔“ (۱)

قادیانی اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے اور اس تحریک کے عواقب سے خاصے مطمئن تھے، امریکی سی آئی اے اور سامراجی تنظیموں نے انہیں مشرق وسطیٰ اور نو آزاد افریقی ریاستوں میں پھیلنے پھولنے کے لیے مزید امداد مہیا کر دی۔ پاکستانی عوام کو شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہو گیا ہے۔ عوام کے جذبات پر اس کا ایک مایوس کن اثر پڑا جنہوں نے ایک عظیم مقصد کے لیے اپنی جانوں کی قربانی دی تھی۔

مسلم لیگ کو اس سے بڑا دھچکہ لگا اور آئندہ انتخابات میں اسے ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سے دولتانہ کو وزارت اعلیٰ پنجاب اور خواجہ ناظم الدین کو وزارت عظمیٰ سے ہاتھ دھونے پڑے جو گورنر جنرل غلام محمد، کمانڈر انچیف ایوب خاں اور سیکرٹری دفاع سکندر مرزا کی ٹکون کے آگے اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہے تھے۔ عوام کے ذہنوں میں

فوج کا امیج تباہ ہو گیا۔ دسویں پیادہ ڈویژن کے جنرل آفیسر کماڈنگ میجر جنرل اعظم خاں نے پراسن مجمع پر گولیوں کی بارش سمیت تمام قسم کا ظلم و ستم روا رکھا۔ فوج کو اقتدار کا چسکا اور مارشل لاء کے ذریعے برسر اقتدار آنے کی عادت پڑ گئی۔ نوکر شاہی اور پولیس نے ربوہ کی ”خدام احمدیہ“ اور دیگر قادیانی نیم عسکری تنظیموں کی مکمل حوصلہ افزائی کی اور انہیں ضرورت کے وقت اپنا کردار ادا کرنے کی ”دعوت“ دی۔ جس سے قادیانی مسلح قوتوں اور ان کی چیرہ دستیوں کا بڑا غلطہ بلند ہوا۔

۱۹۵۳ء کے بعد قادیانی بزنس۔ نوکر شاہی اور فوج میں اور بھی اہم عہدوں پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم قادیانیت مخالف تحریک نے ناظم الدین کے بعد ظفر اللہ کے وزیر اعظم بننے کے واضح امکانات کو وقت سے پہلے ختم کر دیا۔

آنے والے سالوں میں قادیانیوں نے اپنی سیاسی ترجیحات تبدیل کر لیں۔ انہوں نے عام مسلمانوں کے ساتھ کھلے تصادم کی بجائے فوج اور نوکر شاہی کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرنے شروع کر دیئے۔

بوگرہ حکومت:

گورنر جنرل غلام محمد کے ہاتھوں اپریل ۱۹۵۲ء میں وزیر اعظم ناظم الدین حکومت کی برطرفی ایک غیر جمہوری فیصلہ اور طاقت کے غلط استعمال کی ایک افسوسناک مثال تھی۔ ناظم الدین کو اسبلی بھی اسمبلی میں اکثریت حاصل تھی۔^(۱)

ظفر اللہ لکھتے ہیں۔

”گورنر جنرل نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہا کہ وزیر اعظم کی پس و پیش اور صورتحال سے سختی سے نہ منہنے کے طرز عمل نے اس بحران میں اور اضافہ کیا ہے جس میں ملک گرفتار ہو چکا تھا۔ وزیر اعظم سے استعفیٰ طلب کیا گیا جس کا انہوں نے انکار کر دیا۔ اس بات پر گورنر جنرل نے اسمبلی برطرف کر دی۔ اس نے مسٹر محمد علی بوگرہ (مشرقی پاکستان) کو جو کہ واشنگٹن میں

پاکستان کا سفیر تھا اور اتفاق سے اس وقت کراچی میں تھا حکومت بنانے کی دعوت دی۔ مسٹر محمد علی نے اس کام کا فوری بیڑہ اٹھایا اور اپنے مجوزہ ساتھیوں کی فہرست گورنر جنرل کو پیش کر دی۔ نئی حکومت کے اراکین نے سابقہ حکومت کی چار بجے شام برطانی کے صرف چار گھنٹے بعد یعنی آٹھ بجے شام نئی کابینہ نے حلف اٹھالیا۔^(۱)

ظفر اللہ حسب سابق وزیر خارجہ ہی رہا۔

حکومت کی اس تبدیلی اور تمام سیاسی بحران کو ایک قادیانی مبلغ نے اپنے روایتی انداز میں مرزا محمود کے ایک الہام (۱۶-۱۷ مارچ ۱۹۵۱ء) کی روشنی میں پیش کیا ہے:

”میں سندھ اور پنجاب سے دونوں اطراف سے متوازی نشانیاں دکھاؤں گا“ قادیانی مبلغ نے اس الہام کی پاکستانی بحران کے تناظر میں توضیح کرتے ہوئے کہا کہ ۱۹۵۳ء کی احتجاجی تحریک کے بعد مغربی پنجاب کی وزارت کی برطانی اور گورنر جنرل غلام محمد کے ہاتھوں آئین ساز اسمبلی کے خاتمے نے حیران کن اور شاندار طریقے سے اس الہام کو سچا ثابت کر دکھایا ہے۔“^(۲)

ناظم الدین کی اس طرح کی برطانی دراصل پاکستان میں پارلیمانی جمہوریت کے اتار چڑھاؤ اور اگلے پانچ سالوں تک سیاسی عدم استحکام کی شروعات تھی۔ یہ پارلیمانی طریق کار کے بالکل برعکس تھا اور اس طرز عمل کے سیاسی قانونی اور نفسیاتی اثرات دور رس ثابت ہوئے۔ بوگرہ بہت حد تک ایک غیر معروف سیاستدان تھے۔ عوام اور سیاسی حلقوں کے لیے ان کی تعیناتی بڑی حیران کن تھی اور ہر جگہ اس شبے کا اظہار کیا گیا کہ پہلے اسے کراچی بھجوایا جانا اور پھر اسے وزیراعظم بنادیا جانا پاکستانی امریکی تعلقات کی ”بہتری“ کا پیش خیمہ ہے۔“^(۳)

نئے وزیراعظم کی نامزدگی کے صرف تین دن بعد ہی امریکی صدر آئزن ہاور نے کانگریس سے درخواست کی کہ پاکستان کو لاکھوں ٹن گندم بھجوانے کا اختیار دیا جائے۔ ((اور

۱۔ سر ظفر اللہ The Agony of Pakistan ص 107 ح ۱۷ ”سرفٹ آف گاڈ“ ص 200-203۔

۲۔ مرزا محمود لہنزات ص 293۔

۳۔ ڈی بی سنگھ ص 82۔

یہ خوراک دراصل اس وقت تک نہ پہنچ سکی جب تک کہ اگلے سال کی شاندار فصل نہ آگئی۔^(۱) اس وقت امریکہ کیمونزم کے خلاف سخت حکمت عملی پر عمل پیرا تھا اور ایشیا میں دوستوں کی تلاش میں تھا۔ پاکستان امریکہ کے پیش کردہ وفاقی معاہدوں میں شامل ہو گیا۔

مئی ۱۹۵۳ء میں کراچی میں مسٹر ڈلز اور مسٹر شین کی آمد کے بعد گرامی قدر مہمان ترکی میں امریکی سفارتخانے کا ڈپٹی چیف تھا۔ اس کے بعد ایوان کی صلح کمیٹی کے سات ارکان کی غیر اعلانیہ آمد ہوئی۔ پھر ۱۹۵۳ء کے ہی ستمبر میں جنرل ایوب خان واشنگٹن علاج کے بہانے چلے گئے اور وہاں انہوں نے دوران ”علاج“ صدر آئزن ہاور سے بھی ملاقات کی۔ ایوب خان نے امریکہ کو یہ عندیہ دیا کہ اگر وہ اسے اسلحہ دے تو پاکستان اسے اڈوں کی سہولت کے علاوہ نئے اڈوں کی تعمیر کی اجازت بھی دے گا اور اپنی شرائط پر مشرق وسطیٰ کے دفاعی معاہدے (MEDO) میں شمولیت پر آمادگی ظاہر کر دی۔

نئی چال

تحریک ختم نبوت کے بعد قادیانیوں نے پاکستان کی سیاست میں اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے سول اور فوجی افسران کے ساتھ مل کر مرکز میں اپنے معاشی و سیاسی مفادات کا تحفظ کیا اور اپنی کوششوں کا رخ ملک میں آئینی عمل کو تہہ بالا کرنے کی جانب موڑ دیا۔

ملک کو بحران کا سامنا تھا اور سیاسی توازن مسلم لیگ کے خلاف جا رہا تھا۔ ۱۹۵۴ء کے انتخابات میں مشرقی پاکستان میں اے کے فضل حق اور سہروردی کی زیر قیادت یونائیٹڈ فرنٹ کے ہاتھوں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ یونائیٹڈ فرنٹ نے سہروردی کی وزارت قائم ہونے کے بعد کراچی کی بالادستی سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ (۲) مئی ۱۹۵۴ء میں مشرقی بنگال کی حکومت مرکز کے مقرر کردہ گورنر جنرل اسکندر مرزا کے حوالے کر دی گئی جو اس وقت سیکرٹری دفاع بھی تھا۔ چنانچہ پنجاب کی طرح مشرقی بنگال میں بھی

۱۔ گورنری اور شیدائیں: مسابقہ۔

۲۔ بی بی سی، ۸۵۔

مرکز کی اس طرح مداخلت ہوئی۔ پنجاب کے لگی سیاستدانوں پر یہ الزام تھا کہ وہ پنجاب میں مذہبی فسادات کی وجہ سے پیدا ہونے والی بد امنی پر قابو نہ پاسکے تھے جبکہ مشرقی بنگال میں یونائیٹڈ فرنٹ کے سیاستدان جنہیں صوبائی انتخابات میں ایک واضح اکثریت حاصل ہوئی تھی اور جنہوں نے صوبے بھر میں عوامی سطح تک نسلی بنیاد پر تحریک پیدا کی تھی اس کو بھی فارغ کر دیا گیا۔ دونوں جگہوں پر فوج نے مداخلت کی۔ پنجاب میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا جبکہ مشرقی بنگال میں مول انتظامیہ کو ایک فوجی افسر کے حوالے کر دیا گیا۔^(۱)

اب ہم آئین میں تشکیل کے سوال پر آتے ہیں۔

آئین ساز اسمبلی نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی ترمیمی رپورٹ میں کے مقابلے میں گیارہ ووٹوں سے منظور کر لی۔ وزیراعظم پاکستان نے اعلان کیا کہ آئین کے مسودے پر بحث پچیس دسمبر ۱۹۵۴ء کو مکمل کی جائے گی اور نیا آئین قائداعظم کے یوم پیدائش پر منظور کیا جائے گا۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ یکم جنوری ۱۹۵۵ء کو ”پاکستان عوامی جمہوریہ“ بن جائے گا۔ اس کے بعد اسمبلی ستائیس دسمبر ۱۹۵۴ء تک کے لیے ملتوی کر دی گئی۔ اکتوبر کے آخری ہفتے میں بوگرہ اور جنرل ایوب خان امریکہ کے ساتھ ایک طویل الیعا دفوجی و معاشی معاہدہ پر گفتگو کے بعد واشنگٹن سے واپس آئے۔ چوبیس اکتوبر ۱۹۵۴ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے دونوں اسمبلیاں اور کامینہ توڑ دیں جو ایک صریح غیر جمہوری فعل تھا۔ ایک نئی کامینہ تشکیل دی گئی جس کا وزیراعظم بوگرہ ہی رہا۔ نورکنی کامینہ میں جنرل ایوب خان، ڈاکٹر خاں، حسین شہید سہروردی اور جنرل اسکندر مرزا بھی شامل تھے۔ ان تمام نوارکان میں سے کوئی بھی تحلیل شدہ اسمبلی کا رکن نہیں تھا۔ فوج کو انتظامیہ کے قریب لایا گیا اور نوکر شاہی جو کہ پاکستان میں پہلے ہی ایک قوت تھی اور بھی طاقتور ہو گئی۔^(۲)

گورنر جنرل کے آئینی اسمبلی توڑنے کے غیر جمہوری اور آمرانہ فعل پر قادیانیوں نے خوشیوں کے ڈنکے بجائے اور اسے ایک عقلمندانہ دانشمندانہ اور اچھے وقت پر اٹھایا گیا قدم

۱۔ ظفر بن سعید پاکستان میں سیاست پر پیر پبلشر ڈسمبر ۱۹۸۰ء ص 41۔

۲۔ تحلیل ص 26۔

قرار دیا۔ اگر یہ قدم نہ اٹھایا جاتا تو صورتحال مزید خراب ہو سکتی تھی۔ قادیانی جماعت کے ترجمان الفضل ربوہ کے مطابق

”اس قدم کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ نئے انتخابات ہوں گے اور ایک نئی اسمبلی وجود میں آئے گی۔ اخبار نے انہماک پر ہنسناؤں کو تنبیہ کی کہ وہ قوم کی تقدیر سے اس طرح نہ کھیلے جس طرح اخوان مصر میں کھیل رہے تھے۔“^(۱)

مرزا محمود نے اپنے ایک خطاب میں گورنر جنرل کے اقدام پر گہرے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے یہ راز بے نقاب کیا کہ اس قدم کے اٹھائے جانے کے تین یوم قبل انہوں نے حکمران طبقے کی قوت کے ٹوٹنے کے امکان کی طرف اشارہ کیا تھا جو ملک میں شرارتیں پیدا کر رہے تھے تاکہ اس بحران سے ملک کو بچایا جاسکے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ پیش گوئی حیران کن انداز میں پوری ہوئی ہے۔^(۲)

گورنر جنرل کے اس غیر جمہوری اقدام کا جواز پیش کرتے ہوئے مرزا محمود نے زور دیا کہ آئینی اسمبلی پہلے ہی اپنی قدر و قیمت کھو چکی ہے۔ انہوں نے کابینہ میں ڈاکٹر خان جیسے غیر لگی ارکان کی شمولیت کا نیز مقدم کیا اور اسے ایسا فحش قرار دیا جو ملک و اسلام کا حامی تھا۔ انہوں نے مسلم لگی اراکین پر تنقید کی جنہوں نے احمدی مخالف رویہ اپنایا ہوا تھا۔^(۳)

اسلامی تحریکوں کی مخالفت:

۱۹۵۰ء کی دہائی کے اوائل میں اسلامی ممالک میں قادیانیوں نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ عرب دنیا اور پاکستان میں جاری اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے کے لیے انہوں نے ایک زبردست پروپیگنڈا مہم شروع کی۔ ایران، عراق اور مصر جیسے ممالک میں ترقی پسند اسلامی تحریکوں کو دبانے کے لیے صیہونی تنظیمیں پہلے ہی سرگرم عمل تھیں۔ امریکہ نے ایشیاء کے نو آزاد ممالک میں ایک نئی سامراجی طاقت کو تخلیق کرنے کے منصوبے کے لیے طفیلی

۱۔ الفضل ربوہ 5 نومبر 1954ء۔

۲۔ المشرق 12 ربیع الثانی 1375ھ۔

۳۔ الفضل ربوہ 5 نومبر 1954ء۔

چھاؤنیاں تعمیر کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ مصر (ناصر کی زیر قیادت) اور شام اس نئے مغربی دفاعی منصوبے میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر مصدق کے زیر اقتدار ایران بھی برطانوی سامراج کو نکال باہر کرنے پر آمادہ تھا۔ امریکہ نے عراق کی ہاشمی سلطنت کو جو کہ برطانوی سامراج کی پیداوار تھی وسیع تر مشرق وسطیٰ دفاعی معاہدے کی کنجی کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلے میں اس نے ”بغداد پیکٹ“۔ ایران سے مصدق حکومت کا خاتمہ اور مشرق وسطیٰ سے اشتراکی عناصر کی بیخ کنی میں کامیابی حاصل کر لی۔

اسرائیل میں قادیانی مشن نے صیہونی پالیسی کی پیروی کی۔ اس نے مشرق وسطیٰ میں ایک مذہبی اور نیم سیاسی نوعیت کی تحریک شروع کی۔ چونکہ عرب ممالک نے اپنی سرزمین پر قادیانیوں کو مراکز قائم کرنے کی اجازت نہیں دی تھی لہذا وہاں یا تو وہ خفیہ طور پر کام کرتے تھے یا افریقہ چلے جاتے جہاں پہلے ہی انہوں نے برطانوی امداد سے اپنے لیے جنت قائم کر لی تھی۔

قادیانی حملے کا سب سے بڑا نشانہ مصر کی تحریک اخوان المسلمون تھی۔ قادیانی اسے ایک ”اشتراکی فسطائی تحریک“ قرار دیتے تھے جو ان لوگوں کو پسند تھی جو اسلام کو نہیں جانتے تھے مگر اسے چاہتے تھے اور جو عرب دنیا کو مغربی غلامی سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ قادیانیوں کے بقول اس تحریک کے لیے دور اندیش قائدین اور ملک کے پڑھے لکھے طبقے کی نظروں میں کوئی پسندیدگی نہ تھی۔^(۱)

ایک شہ سرخی میں الفضل نے اخوان کے سو بیگز معاملات میں مداخلت پر شدید تنقید کی اور الزام لگایا کہ یہ لوگ مصر کی سالمیت کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ جس طرح عبد اللہ بن سباء یہودی نے مصر کی سرزمین سے کامیابی حاصل کی تھی۔^(۲)

قادیانی اخبار نے اخوان پر گالیوں کی مسلسل بوچھاڑ شروع کر دی اور ان کی سویز کے معاملات میں دخل اندازی کی حکمت عملی کی مذمت کی جس سے برطانوی مفادات متاثر ہو

۱۔ اشاعت کراچی ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۷ء۔

۲۔ الفضل لاہور ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء۔

رہے تھے۔ انہیں غیر اسلامی کردار کے حامل گردان کر مصر میں توڑ پھوڑ۔ بد امنی اور لاقانونیت پیدا کرنے کے ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ ان کو فسطائی طریقوں سے حکومت کے حصول اور حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کے ذمہ دار قرار دیا، جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔^(۱) اس مفروضے کی بنا پر کہ پاکستان کی جماعت اسلامی بھی اخوان کی ہی ایک نقل ہے، اخبار نے جماعت اسلامی کے پچھلے سالوں کے دوران پاکستان میں ادا کیے گئے کردار پر شدید تنقید کی اور یہ الزام لگایا کہ اخوان کی طرح جماعت اسلامی بھی دہاصل سیاسی جماعت ہے جو جنونی حرکات کرتی رہی ہے

”اگر یہ کسی اور جماعت کے ساتھ اشتراک میں کامیاب ہو گئی تو بالکل ویسے ہی کرے گی جو اخوان مصر کی انقلابی حکومت کے خلاف کر رہی ہے اور اس طرح کا اشتراک بھی اسی قسم کے انجام سے دوچار ہوگا۔“^(۲)

ایسی ہی ملامت ان اسلامی تنظیموں کے خلاف بھی شروع کی گئی جو عرب دنیا کی معاشی و سیاسی نجات کے لیے جدوجہد کر رہی تھیں۔ انڈونیشیا کی دارالسلام اور ایران کی فدائیان اسلام بھی اس حملے کا نشانہ بنیں۔ ان جماعتوں پر فسطائی کردار کا الزام لگایا گیا جو طاقت اور خونریزی پر یقین رکھتی تھیں۔

”اسلامی دنیا کو ان کی تخریبی کارروائیوں کا سد باب کرنا چاہیے۔“^(۳)

الفضل لاہور نے انڈونیشیا کی ”مجموعی پارٹی“ کی تعریف کی کیونکہ اس کے رہنما نے ظفر اللہ کی حمایت میں ایک مضمون لکھا تھا۔^(۴)

یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مجموعی پارٹی جس نے بظاہر اسلامی روپ دھار رکھا تھا کثیر الخیال عناصر کا منصوبہ تھی۔ مولانا مسعود عالم ندوی نے یہ راز بے نقاب کیا ہے کہ فروری ۱۹۵۱ء میں مؤتمر عالم اسلامی کے اجلاس کے موقع پر انہوں نے محسوس کیا کہ انڈونیشیا کے

۱۔ الفضل ۱۱، ہور۔ ۱۱۰، اکتوبر ۱۹۵۴ء۔

۲۔ الفضل ۱۱، ہور۔ ۱۹، نومبر ۱۹۵۴ء۔

۳۔ الفضل ۱۱، ہور۔ ۶، نومبر ۱۹۵۴ء۔

۴۔ الفضل ۱۱، ہور۔ ۱۱، جنوری ۱۹۵۵ء۔

تمام مندوبین میجوئی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ اس وفد کا قائد شمس الرحمانی واضح طور پر قادیانیت کی طرف میلان رکھتا تھا۔^(۱)

قادیانیوں نے صہیونیوں اور اپنے سامراجی آقاؤں کی ہدایت پر پاکستان کی سیاست میں دخل اندازی جاری رکھی۔ انہوں نے اسلامی آئین کے مطالبے اور پاکستان میں دینی طبقے پر تنقید میں اضافہ کر دیا۔ الفضل لکھتا ہے:

”ہم ایک آئین تشکیل دے سکتے تھے کیونکہ ہمارے درہم اس نعرے سے زیادہ مکر مند تھے جو غلط لوگوں نے لگایا تھا اور ان کے مطالبوں پر بھی تشویش کا اظہار کرتے تھے۔ ہم اس کی بجائے عزم راسخ کے ساتھ سیدھے سامنے پر چلے۔“^(۲)

فضل حری لکھتا ہے:

”ضروری ہے کہ ایسا مطالبہ کیا جائے کہ پاکستان کا آئین منصفانہ بنیادوں پر استوار ہو اور کسی بھی شخص یا جماعت خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی اس کے خلاف کوئی شکایت نہ کر سکے۔ یہ پاکستان کے تمام لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہو۔“^(۳)

تحلیق پاکستان کی آٹھویں سالگرہ چودہ اگست ۱۹۵۵ء کے موقع پر الفضل نے ملکی سیاست میں مسلم لیگ کے کردار پر تنقید کی

”یہ اپنی ہر دلعزیزی کو چھپا کر دیکھتا ہے کیونکہ اس کے چند رہنما اسلام دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیتے رہے ہیں۔“

اخبار نے ان عناصر پر بھی تنقید کی جو آئین کی تشکیل کی رٹ لگا رہے تھے مگر خود ہی آئین کی تشکیل کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔^(۴)

عدالت کے فیصلے کے مطابق گورنر جنرل نے نئی آئین ساز اسمبلی کی تشکیل کے احکامات جاری کر دیئے۔ نئی آئین ساز اسمبلی کے اہم اقدام ستمبر ۱۹۵۵ء میں منظور کردہ ”ویسٹ

۱۔ مولانا مسعود عالم ندوی ”دنیا نے اسلام کی موجودہ اسلامی تحریکیں“ اسلاک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۷۲ء۔

۲۔ الفضل زریو ۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔

۳۔ الفضل زریو ۲۳ جولائی ۱۹۵۵ء۔

۴۔ الفضل زریو ۱۴ اگست ۱۹۵۵ء۔

پاکستان ایکٹ“ جس کی رو سے تمام ریاستوں کو اپنی اور چاروں صوبوں پنجاب-سرحد-بلوچستان اور سندھ کا ایک اکائی ”ون یونٹ“ میں ادغام تھا۔ الفضل نے مغربی پاکستان کے ایک اکائی بننے کو اپنی شہ سرنخی میں جگہ دی۔ اس نے دو اکائیوں مغربی اور مشرقی پاکستان کے قیام کے امکان پر بحث کی جو ایک مرکز کے تحت ہوں اور اسے ایک آسان اور عملی تجربہ قرار دیا۔ اخبار نے ان رہنماؤں پر شدید تنقید کی جو اسلامی نظریے کی بنیاد پر ملک کے دونوں حصوں کے اتحاد کی ضرورت پر زور دے رہے تھے۔

”ہم افسوس سے کہہ رہے ہیں چند اسلامی ممالک میں ایک اسلامی حکومت کے قیام کی جس طرح کوششیں ہو رہی ہیں اور سیاسی جماعتوں کا قیام عمل میں لایا جا رہا ہے اس طرح نہ تو اسلامی حکومتوں کا قیام ہوگا اور نہ ہی ان کا پرچار کرنے والے پاکستان میں اپنے مفادات حاصل کر سکیں گے۔ سیاسی جماعتیں اپنے مذہبی خیالات دوسروں پر ٹھونسا چاہتی ہیں جبکہ اسلام جماعتوں کی سیاست کی اجازت نہیں دیتا۔ اس دلیل میں کوئی وزن نہیں کہ اسلامی نظریہ اتحاد کی بنیاد فراہم ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ درباب بعت و کشاد نہ تو مسلمان ہیں نہ ہی انہیں اسلام کا کوئی خیال ہے جب تک یہ اسلام کے ان علمبرداروں کی وضع کردہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہوں۔“ (۱)

غلام محمد (۲) جو کہ ایک فائر اعقل اور جسمانی عوارض میں مبتلا بوزھا اور پیشے کے لحاظ سے امریکہ نواز بیوروکریٹ تھا اور تمام غیر جمہوری احکامات اور غیر قانونی حکومت کی بنیادیں رکھنے کا ذمہ دار تھا۔ اُس نے بوجہ خرابی صحت ۱۹۵۵ء میں پاکستان کے گورنر جنرل کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ اس کے استعفیٰ پر الفضل نے اس سے اظہار ہمدردی کیا اور اس کی بہت تعریف کی۔

”ملک غلام محمد نے پاکستان کے گورنر جنرل کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ اپنی مدت عہدہ کے دوران جس لگن اور جرأت کے ساتھ انہوں نے پاکستان کی خدمت کی وہ قائد اعظم کے بعد صرف انہیں میں پائی جاتی ہے۔ رہنماؤں میں قائد اعظم کے بعد وہ برولعیزی میں

۱۔ الفضل لاہور۔ 25 نومبر 1954ء۔
۲۔ یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ تب سے کل تھرانہ نے اس کا نامہ پرائے کی انتظامی کونسل کے لیے جوڑ کیا تھا۔ ان لوگوں وہ غلام حیدر آباد کا کلام تھا۔

سب سے نمایاں نظر آتا ہے جس کی دوست دشمن بھی تعریف کرتے تھے۔ چند دن پہلے کچھ رہنماؤں کی وجہ سے پاکستان کو بحران کا سامنا کرنا پڑا اور ناگزیر دکھائی دے رہا تھا کہ ملک لاقانونیت میں جکڑا جائے مگر انہوں نے اپنی عظمتی سے ملک کو بحران سے بچالیا۔

اگر وہ اپنا اپنی ہاتھ نہ استعمال کرتے تو پاکستان کو خطرات لاحق ہو سکتے تھے اگرچہ چند شریک عناصر نے ان کے اس فعل کو پسند نہیں کیا مگر معاشرے کے تمام سنجیدہ طبقات نے ان کی تائید کی۔ جب ایک مورخ پاکستان کے ابتدائی دور کی تاریخ لکھے گا تو ہمارا پختہ یقین ہے وہ غلام محمد کا نام ان میں شامل کرے گا جو واقعی پاکستان کے خیر خواہ تھے اور جنہوں نے اسے بحران سے نکالا۔ انہوں نے کسی غرض اور خوف کے بغیر شدید مخالفت کے باوجود اپنے فرائض منصبی انتہائی جرأت اور دلیری سے ادا کیے۔ واقعی بے مثال خوبیوں کے ساتھ انہوں نے درست طور پر اپنے آپ کو قائد اعظم کا جانشین ثابت کیا۔ انہوں نے اپنے استعفیٰ پر بالکل درست طور پر لکھا ہے کہ جو کچھ انہوں نے کیا اس کا فیصلہ مورخ کرے گا۔ وہ جو کچھ بھی کرتے رہے ہیں ان پر ضمیر کی کوئی جھین نہیں ہے۔ ان کے ذہن میں ہمیشہ قوم کی فلاح موجود رہی۔ ان کے الفاظ کی تصدیق ان کے اعمال کر دیں گے۔ یہ خالی الفاظ نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار ہیں۔ انہیں خرابی صحت کی بناء پر استعفیٰ دینا پڑا ہے تاہم ملک کے تمام حقیقی خیر خواہ اور قوم کی یہ خواہش تھی کہ وہ ملک کی مزید خدمت کرتے۔“ (۱)

الوداعی ٹھوکر

۱۹۵۳ء میں روس۔ امریکہ اور پاکستان میں حکومتوں کی تبدیلی سے بین الاقوامی سیاسی منظر پر نئے نقوش نمودار ہوئے۔ آئرن ہاور کے صدر بننے اور جان فاسٹر ڈوگے سیکرٹری آف سٹیٹ بن جانے سے واشنگٹن میں سیاست کو نئی جہت ملی۔ بوگرہ کی وزارت عظمیٰ سے

پاکستان مزید تیزی سے امریکہ کی جھولی میں جا گرا۔ دوا پریل ۱۹۵۴ء کو کراچی میں پاکستان اور ترکی کا فوجی معاہدہ ہوا۔ ایک ماہ بعد انیس مئی کو پاکستان اور امریکہ نے کراچی میں امداد باہمی اور سلامتی کے معاہدوں پر دستخط کیے جنوب یا جنوب مشرق میں کسی بھی سوویت روس کے اثر کو روکنے کے لیے سامراجیت نے فیلا میں آٹھ ستمبر ۱۹۵۴ء میں ایک معاہدہ پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ اس معاہدے کو سینٹو کا نام دیا گیا اور اس پر دستخط کرنے والوں میں امریکہ۔ برطانیہ۔ فرانس اور آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ۔ تھائی لینڈ۔ پاکستان اور فلپائن شامل تھے۔

سینٹو کا مقصد صرف اشتراکیت کے خلاف تحفظ فراہم کرنا تھا۔ پاکستان چاہتا تھا کہ اس کا دائرہ کار غیر اشتراکی ممالک تک بھی بڑھا دیا جائے۔ ظفر اللہ کہتا ہے کہ اُس نے سیکرٹری آف سٹیٹ ڈلر سے اس معاملے پر بحث کی مگر بے سود ثابت ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے کا خصوصی احترام کرتے تھے۔ دونوں قانون سے تعلق رکھتے تھے اور ”جاپانی امن کانفرنس“ میں ڈلر نے ظفر اللہ کو کانفرنس کی بہترین تقریر کرنے پر گرمجوشی سے سراہا تھا اور اس کے بدلے میں ظفر اللہ نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ڈلر کے ارفع و اعلیٰ خیالات اور شریفانہ تصورات کی تعریف کی۔^(۱)

امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ نے سینٹو کے دائرہ اثر کی بابت سٹیٹ کی منظوری کے بغیر کوئی قدم اٹھانے پر اظہار افسوس کیا۔ ظفر اللہ کے مطابق چونکہ حکومت پاکستان سے مزید ہدایات حاصل کرنے کا وقت نہیں تھا لہذا انہوں نے سینٹو کے قیام کی دستاویز پر یہ کہتے ہوئے دستخط کر دیئے۔

”دستخط کیے جاتے ہیں تاکہ یہ حکومت پاکستان کو بھجوا دیا جائے جو آئینی طریقہ کار کے مطابق اس پر فیصلہ کرے۔“^(۲)

اس کی جو حتمی تحریری شکل ہمارے سامنے آئی اس میں یہ الفاظ موجود نہیں، انیس جنوری ۱۹۵۵ء کو پاکستان نے معاہدہ کی تصدیق کر دی اور آئندہ سالوں میں اس کا پر جوش رکن بنا

۱۔ جنرل اسمبلی مباحثہ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۳ء۔

۲۔ ظفر اللہ محمد میٹھمت ص ۶۰ سرگودھا آف گاؤس ۲۱۴۔

رہا۔ (۱)

ایک مشہور صحافی معظم علی کا کہنا ہے کہ انہوں نے فیلا کانفرس کے تمام معاملات سے بوگرہ کو مطلع کیا۔ جس پر انہوں نے فوراً کاہینہ کا اجلاس بلایا اور ظفر اللہ کو برقی پیغام بھجوایا اور ہدایت کی کہ معاہدہ کی اس شق کو قبول نہ کیا جائے۔ (۲)

مگر ظفر اللہ اس معاہدہ پر پہلے ہی دستخط کر چکا تھا اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے نیویارک چلا گیا تھا۔

ظفر اللہ نے سینٹو CENTO کے لیے بھی راہیں ہموار کیں۔ سی آئی اے کے ہاتھوں مصدق حکومت کا تختہ الٹے جانے کے بعد وہ ایران گیا اور شاہ ایران سے ایک خصوصی ملاقات کی۔ (۳)

ستمبر ۱۹۵۵ء میں پاکستان ”معاہدہ بغداد“ میں شامل ہو گیا۔ معاہدہ میں اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ اگر ضروری ہو تو رکن ممالک کی افواج پاکستانی علاقہ استعمال کر سکیں گی۔ اس طرح امریکہ پشاور میں بڈا بیراڈھ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا جو واقعی اس کے لیے نادر جاگیر تھی اور اس کا حصول امریکہ کا ۱۹۵۴ء سے ہی مقصد تھا۔ (۴)

عراق میں ایک فوجی انقلاب کے بعد اس معاہدہ کو سنچو کا نام دے دیا گیا جس کے ارکان میں ترکی۔ ایران۔ پاکستان اور برطانیہ شامل تھے۔

”اس معاہدہ کا سب سے اہم مقصد پاکستانی فوج کو ایک گماشتہ قوت بنانا تھا جو مشرق وسطیٰ میں امریکی مفادات کا تحفظ کر سکے۔“ (۵)

ان معاہدات سے پاکستان عرب دنیا سے کٹ کر رہ گیا اور اسلامی حلقوں سے اس کی خارجہ پالیسی پر شدید تنقید شروع ہو گئی۔ اسے ایک مغرب نواز اور امریکہ کا حاشیہ بردار ملک قرار دیا جانے لگا جو ایشیا کے علاقے میں سامراجی مفادات کا ترجمان تھا۔

۱۔ ایس ایم برکی ”پاکستان کی خارجہ پالیسی“ سن ۱۹۷۳ء ص ۱۶۸۔

۲۔ ہفت روزہ ”چٹان“ لاہور ۲۹ نومبر ۱۹۷۱ء۔

۳۔ سرخشا آف گاڈ ص ۲۰۴۔

۴۔ شیریں مایہ خٹلی ”زیاست ہائے متحدہ اور پاکستان“ پرنٹنگ پبلشرز نیویارک امریکہ ۱۹۸۲ء ص ۶۔

۵۔ طارق علی ص ۷۵۔

عالمی عدالت انصاف کانج

تقسیم سے ایک سال قبل (۱۹۴۶ء میں) ظفر اللہ کو برطانوی ہند نے بین الاقوامی عدالت کے جج کے امیدوار کے طور پر نامزد کیا۔ پنڈت جواہر لعل نہرو نے ان کا نام تجویز کیا تھا۔ امریکی حکومت نے آخری مرحلے پر پولینڈ کے امیدوار کی حمایت میں ظفر اللہ کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا اس لیے وہ منتخب نہ ہو سکا مگر ان دنوں کے برعکس ۱۹۵۴ء میں امریکہ کی شدید خواہش تھی کہ اسے عالمی عدالت انصاف کے جج کی حیثیت میں دیکھے۔

ظفر اللہ واضح امریکی حمایت سے عالمی عدالت انصاف کانج بن گیا۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ فروری ۱۹۵۲ء میں سربلی این راؤ بین الاقوامی عدالت انصاف کانج مقرر ہوا۔ اپنی مدت عہدہ پورا کرنے سے پہلے ہی نومبر ۱۹۵۳ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری نے خالی اسامی پر کرنے کے لیے نام مانگے لیکن وزیراعظم پاکستان نے ظفر اللہ کو اس نشست پر مقابلہ کرنے کے لیے فارغ نہ کیا۔ مئی ۱۹۵۴ء کے آخر میں ظفر اللہ ورلڈ بینک کے ساتھ پانی کے مسئلے پر مذاکرات کے لیے واشنگٹن گیا۔ وہاں اس کی ملاقات امریکی اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ کرنل ہینک باروڈ سے ہوئی جنہوں نے اسے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں ملاقات کا وقت دے دیا۔ ہینک نے ظفر اللہ کو بتایا کہ انہیں علم تھا کہ وہ پاکستان کی وزارت خارجہ سے استعفیٰ دے کر عالمی عدالت میں جانا چاہتا تھا۔ اسی دوران نامزدگی وصول کرنے کی میعاد گزر چکی تھی۔ اس لیے حکومت امریکہ نے اپنے طور پر ان کا نام اقوام متحدہ کے سیکرٹریٹ میں جج عالمی عدالت کے امیدوار کے طور پر بھجوا دیا۔

ظفر اللہ مطمئن ہو کر واپس لوٹ گیا۔ پھر اس نے اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ سے استدعا کی کہ وہ اس کی ایک اور مشکل میں مدد کریں۔ وہ یہ تھی کہ نومبر ۱۹۵۳ء میں راؤ کی وفات کے بعد ہندوستان اپنے امیدوار کی خاطر ووٹ مانگ رہا تھا اور اس طرح عالمی عدالت انصاف کے جج کی نشست کے حصول کے لیے مضبوط لابی اور ٹھوس حمایت کی اشد ضرورت پڑ گئی تھی۔

امریکی حکومت اور اس کے تمام اتحادی خصوصاً اسرائیل ظفر اللہ کی تعیناتی کے حق میں تھے۔ اس کا مد مقابل امیدوار جسٹس پال تھا جو کہ کلکتہ ہائی کورٹ کا جج تھا اور جاپانی جنگی جرائم کے ٹریبونل کا رکن رہ چکا تھا۔ اس نے اپنے اکثر رفقاء کار سے اس مسئلے پر اختلاف کیا تھا۔ ظفر اللہ کے مطابق اس نے اپنے اختلافی نوٹ میں یہ لکھا کہ جنگی جرائم کی سماعت بذات خود ایک جنگی جرم تھا۔ اس بات سے قدرتی طور پر امریکہ شدید ناراض تھا۔ درحقیقت اس نے امریکہ کو ”قاتل قرار دیا تھا“۔^(۱)

اس اصولی اختلاف رائے کی وجہ سے جسٹس پال کے ایک امریکی پٹھو کے مقابلے میں کامیابی کے مواقع بہت کم تھے۔

سفارتی پیمانے پر پاکستانی مشعوں نے بیرون ملک ظفر اللہ کی حمایت کے حصول کی سر توڑ کوششیں کیں۔ ۱۹۵۲ء میں جنرل اسمبلی کے اجلاس کے شروع ہوتے ہی ایسی صورتحال پیدا ہو گئی کہ سلامتی کونسل کے پانچ ارکان جنہوں نے ہندوستانی امیدوار کو اپنی حمایت کا یقین دلا دیا تھا انہوں نے سینو کے اتحادی ہونے کی وجہ سے حمایت واپس لے لی۔ جب سلامتی کونسل میں چھ ووٹ پاکستان کے حق میں اور پانچ ہندوستان کے حق میں تھے جبکہ اسمبلی میں پاکستان کے حق میں انتیس اور ہندوستان کے حق میں بتیس ووٹ پڑے۔ اسمبلی کے ووٹ فیصلہ کن ثابت نہ ہو سکے کیونکہ فیصلہ کن اکثریت کے لیے تینتیس ووٹوں کی ضرورت تھی۔ اس لیے اس عمل کو دہرانا پڑتا تھا۔ اسی دوران یہ معلوم ہوا کہ پاکستانی امیدوار کو سلامتی کونسل میں مکمل اکثریت حاصل ہو گئی ہے۔ اسمبلی میں دوبارہ ووٹ پڑنے سے ظفر اللہ تینتیس ووٹ لے کر منتخب ہو گیا۔^(۲)

یہ سب کچھ امریکہ کی اعانت اور مغربی ممالک کی وجہ سے ہوا۔ جی ڈبلیو چوہدری کے مطابق ہیک میں ظفر اللہ کو جج کا عہدہ انعام کے طور پر عطا کیا گیا تھا جو کہ سیٹو میں پاکستان کی شمولیت کے لیے ظفر اللہ کی خدمات کے عوض امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ فاسٹر ڈلر نے

۱۔ ظفر اللہ سرحد آف گاڈ ص 213۔

۲۔ سرحد آف گاڈ ص 217۔

داخلی انتشار

۱۹۵۳ء میں علم الدین شہید کے ایک ”بروز“ عبد الحمید نے مرزا محمود پر چاقو سے حملہ کر دیا تاکہ انکا سر کاٹ دے۔ کہنہ سال اور علیل مرزا محمود پہلے ہی بہت سی بیماریوں بشمول فالج کا شکار تھے۔ یہ افواہ بھی اڑی کہ مرزا صاحب اس زخم سے جانبر نہ ہو سکیں گے۔ حملے کے بعد جس اذیت ناک درد کا وہ شکار ہو چکے ہیں اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پائیں گے۔ ربوہ میں ایک طرح کی اقتدار کی رسہ کشی شروع ہو گئی جو آہستہ آہستہ قوت پکڑ گئی۔ کئی بااثر قادیانی زعماء خلافت کے پرکشش اور منافع بخش عہدے کے خواہشمند تھے۔ قیادت کے حصول کی یہ تحریک جو مرزا صاحب کے سامنے جاری تھی اس کو انکے گھرانے کے افراد نے شد سے دھکی تھی۔

اپریل ۱۹۵۵ء کے آخر میں انہوں نے اعلان کیا کہ وہ علاج کی غرض سے یورپ جا رہے ہیں۔ بہت سے قادیانیوں کا خیال تھا کہ خلیفہ کا داخلی بحران کے زمانے میں یہ اہم سیاسی مشن ہے۔ مرزا محمود کے مخالفین نے جنہیں مرزا محمود کے پیروکار ”منافقین“ کہتے تھے اپنی قوت کے اظہار کے لیے ”قادیانی خلافت“ کے خلاف کھلی جنگ چھیڑ دی تھی۔ قادیانی پریس نے انکی سرگرمیوں کا ایک سے زائد موقع پر اپنے روایتی مبہم انداز میں حوالہ دیا۔ دوسری طرف مغربیوں نے احمدی ”راسپوٹین“ کی بد اعمالیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے اپنے مرکز قوت ربوہ کے سقوط کی پیش گوئی کر دی۔ خلافت کے آلہ کار ان کی سرگرمیوں کی مذمت کے لیے میدان میں آ گئے اور انہوں نے قادیانیوں کو ان کے مذہب و ہتھکنڈوں خصوصاً خلافت کے زوال کے لیے کوششوں سے آگاہ کیا۔ (۲)

ان مغربیوں نے بعد میں ”حقیقت پسند جماعت“ بنالی اور لاہور منتقل ہو گئے۔ خلافت کی مخالف تحریک نے زور پکڑ لیا مغربی کے بعد یہ مشرقی پاکستان میں بھی شروع

۱۔ جی ڈی بیوچہ دہری ”ہندوستان پاکستان بلکہ دیش اور بڑی طاقتیں“ ص 89۔

۲۔ الفضل ربوہ 23 اپریل 1965ء۔

ہو گئی۔ مرزا محمود نے جماعت احمدیہ مشرقی پاکستان کو خط لکھا جہاں خلیفہ کی حیثیت کے بارے میں خصوصی بددی پھیلتی جا رہی تھی۔ انہوں نے جماعت کے پرانے اراکین دولت احمد (براہمن بڑیا) شاہ جہاں (ڈھاکہ) اور ڈپٹی خلیل الرحمن کو نصیحت کی کہ وہ انتشار پیدا نہ کریں۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کی جماعت کو عمومی طور پر ہدایت کی کہ وہ ان شر پسند عناصر سے لاتعلق ہو جائیں۔^(۱)

مئی ۱۹۵۵ء کے پہلے ہفتے میں وہ شام کے لیے روانہ ہوئے جہاں وہ ایک ہفتے تک قیام پذیر رہے۔^(۲) انہوں نے اسرائیل میں قادیانی مبلغ چوہدری محمد شریف سے رابطہ کیا اور اسرائیلی صدر بن زیوی اور وزیر خارجہ موشے شروٹ کو پراسرار ذرائع سے چند اہم پیغامات بھجوائے۔ سات مئی کو وہ لبنان چلے گئے اور وہاں مختصر قیام کے بعد یورپ کو روانہ ہو گئے۔ ظفر اللہ جو کہ سامراجیت کا ایک بہت بڑا نمائندہ تھا اس سفر میں ان کے ہمراہ تھا۔ اُن کے ساتھ ہونے سے پہلے ظفر اللہ اردن کے شاہ حسین سے ملا اور اس کے ساتھ ”عرب مفادات“ کے متعلق معاملات پر تبادلہ خیال کیا۔^(۳)

ظفر اللہ کے معاشرے

بشری ربانی نامی ایک لبنانی لڑکی دمشق میں قیام پذیر تھی۔ شام کے حسنی گھرانے کی کوششوں سے اس کے بڑے قادیانی ہو گئے تھے۔ محمد قاذق نام کا ایک نوجوان بشری کا کزن تھا جو اس سے محبت کرتا تھا۔ ۱۹۵۲ء میں ان کا نکاح ہو گیا اور وہ خلیجی ریاستوں میں دولت کمانے کے لیے چلا گیا۔ بشری کے محبت بھرے خطوط اسکی تسکین کا باعث تھے لیکن اس نے یکدم اسے خطوط لکھنے بند کر دیئے۔ قاذق نے اس کے لیے اپنے محبت بھرے خطوط جاری رکھے کیونکہ بشری کو بھلانا اسکے لیے ناممکن تھا۔ کافی عرصے بعد بشری نے اسے ایک

۱۔ تاریخ احمدیت جلد ۱۷ ص ۴۹۶ اور الفضل ریوہ ۲۱ اپریل ۱۹۵۵ء۔

۲۔ الفضل ریوہ ۲۱ مئی ۱۹۵۵ء۔

۳۔ الفضل ریوہ ۲۶ مئی ۱۹۵۵ء۔

خط لکھا جس میں قاذق کو دعوت دی کہ وہ مسیح موعود کے خلیفہ ثانی حضرت مرزا بشیر الدین کی نکریم بجالانے کے لیے دمشق آئے اور اس کے ساتھ ہی سر ظفر اللہ خان کی بھی جو ۱۹۵۵ء میں اس کے ساتھ ہی دمشق آئیں گے۔

”الیوم“ قاہرہ کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے قاذق نے بشریٰ کے ساتھ اپنی محبت اور نکاح کی کہانی بیان کی اور پھر بڑے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ بشریٰ کے بھائی محمود نے قاذق پر طلاق کے لیے زور ڈالا کیونکہ وہ لوگ پہلے ہی بشریٰ کی ظفر اللہ کے ساتھ شادی کا اہتمام کر چکے تھے۔ بشریٰ کے والدین کو پینتالیس ہزار پاؤنڈ کی خطیر رقم اور دمشق کے ایک مہنگے علاقے ”بستان الخضر“ میں ایک خوبصورت گھر خرید کر دے دیا گیا تھا۔^(۱)

ظفر اللہ بشریٰ کی محبت میں اس وقت گرفتار ہوا جب وہ قادیانی مرکز دمشق میں مرزا محمود کو سلام عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئی جو اپنے علاج کے لیے یورپ جا رہے تھے۔ اس نے بشریٰ کے بھائی کو دمشق میں پاکستانی سفارتخانے میں نوکری کی پیشکش بھی کی۔ چپ بشریٰ اس ”مقدس جہانے“ میں اپنی منگنی کے لیے آئی تو ظفر اللہ نے اسکی انگلی میں انگوٹھی پہنائی اور ایک ہیروں کا ہار اس کے گلے کی زینت بن کر چمکنے لگا۔ دمشق کے پاکستانی سفارتخانے میں یہ شادی سرانجام پائی۔ یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ظفر اللہ کی پہلی شادی اس کی کزن اقبال بیگم کے ساتھ ہوئی۔ اقبال بیگم کی وفات کے بعد اسکی بہن رشیدہ بیگم ظفر اللہ کی بیوی بنی۔ وہ بھی چند سال بعد وفات پا گئی۔ تیسری شادی بہار کی بدر بیگم کے ساتھ ہوئی جس کے بطن سے ظفر اللہ کی واحد اولاد ”امتہ الحی“ نے جنم لیا۔ بدر بیگم نے بعد میں ظفر اللہ سے طلاق لے لی۔

شام کے مفتی نے ظفر اللہ کی بشریٰ ربانی کے ساتھ شادی کی مذمت کی اور اس کے خلاف ایک فتویٰ جاری کیا۔ ایک دوسرے شامی عالم شیخ محمد خیر القادری نے پاکستانی سفارتخانے دمشق میں اس شادی کے اہتمام پر سخت احتجاج کیا۔ انہوں نے اس شادی کو غیر

قانونی اور قوانین اسلام کے خلاف قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ ظفر اللہ کا تعلق ایک غیر مسلم فرقے ”قادیانیہ“ سے ہے جسے برطانوی سامراج نے اپنے مکروہ مقاصد کی تکمیل اور جہاد کی تیئخ کے لیے جنم دیا تھا۔^(۱)

یہ شادی انجام کار ناکامی پر منتج ہوئی جو ظفر اللہ کی زندگی کا تلخ ترین واقعہ ثابت ہوا۔ بشری عمر میں اس کی بیٹی سے بھی چھوٹی تھی۔ وہ بعد ازاں ایک لبنانی عیسائی شاعر مائیکل ناکی کے بیٹے سے شادی کی خاطر ظفر اللہ کو چھوڑ کر چلی گئی جو ظلیل جبران کا ہم پلہ شاعر سمجھا جاتا ہے۔ بشری نے ناکی کی سوانح حیات بھی لکھی۔ ظفر اللہ صنف نازک سے محبت میں بڑا ”معصوم“ واقع ہوا تھا۔ حتیٰ کہ اس وقت بھی جب بشری اپنے دوسرے عاشق کے ساتھ رہنے کے لیے چلی گئی تھی۔ اس سارے چکر میں کوئی جذباتیت نہیں تھی یہ مکمل طور پر ایک دانشمندانہ فیصلہ تھا جو کہ جذبات کی بجائے عقل پر استوار تھا۔^(۲)

لندن کا نفرنس:

مرزا محمود نے زیورچ۔ ہمبرگ اور لندن میں احمدیہ کانفرنسوں کا انعقاد کیا تاکہ اپنی جماعت کی نشوونما کے لیے نئی حکمت عملی ترتیب دے سکے اور مغربی قوتوں کا وسیع تر تعاون حاصل کر سکے۔ لندن میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں تمام مراکز کے چیدہ چیدہ نمائندے شامل ہوئے۔ اس میں مذہبی۔ معاشی اور سیاسی مسائل کے ساتھ ساتھ اسلامی اقدار کے احیاء اور اپنی پہچان کے لیے عرب دنیا میں جاری تحریکوں پر غور کیا گیا۔

ظفر اللہ کہتا ہے

”ظیفۃ المسیح نے ۱۹۵۵ء میں اپنے دورہ یورپ کے دوران یورپ میں بہت سے مراکز کی کارکردگی معلوم کی اور مختلف یورپی ممالک میں کام کرنے والے مبلغین کی لندن میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں ان کی سرگرمیوں اور ترقی کا جائزہ لیا گیا۔ مستقبل میں ان کی ذمہ

۱۔ ”ریاست“ دہلی 28 مئی 1955ء۔

۲۔ ہفت روزہ ”میک“ کراچی 12 تا 18 ستمبر 1985ء۔

داریوں سے متعلق ہدایات دی گئیں اور رہنمائی فراہم کی گئی۔“ (۱)

پچیس ستمبر ۱۹۵۵ء کو بیروت - شام - سوئٹزرلینڈ - اطالیہ - ہالینڈ اور لندن کی یا تراقے بعد مرزا محمود ربوہ لوٹ آئے۔

صیہونی امداد:

مشرق وسطیٰ کے بارے میں مرتب شدہ نئی حکمت عملی کی روشنی میں مرزا محمود نے جلال الدین قمر کو پاکستان سے اسرائیلی بھیجا تا کہ وہ وہاں جا کر اپنے عہدہ کی ذمہ داریاں سنبھالے۔ چوہدری محمد شریف جو کہ ۱۹۳۳ء سے اسرائیل میں تھا پاکستان کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس سے قبل ۱۹۵۱ء میں شیخ نور احمد اور رشید چغتائی اپنے مکروہ منصوبوں پر کام کرنے کے بعد اسرائیل سے پاکستان واپس آ چکے تھے۔ یہ تمام کے تمام مبلغ ربوہ میں رہتے تھے۔ جلال الدین قمر جب اسرائیل میں تھا تو اس کا کنبہ ربوہ ہی میں قیام پذیر تھا۔ (۲)

جب چوہدری محمد شریف پاکستان کے لیے روانہ ہونے لگا تو اسرائیلی وزیر اعظم بن زیوی نے اسے ایک خصوصی پیغام بھیج دیا کہ وہ پاکستان روانگی سے قبل اس سے مل کر جائے۔ اس کا احمدی مبلغ سے ملنے کا اشتیاق اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ صیہونیوں اور قادیانیوں کے درمیان قریبی تعلقات اور کس قدر خفیہ مفاہمت پائی جاتی تھی۔ اٹھائیس نومبر ۱۹۵۵ء کو شریف اسرائیلی وزیر اعظم سے ملا۔ جمعے کے ایک خطبے میں مرزا محمود نے اپنی جماعت کو بڑے فخریہ انداز میں بتایا کہ اسرائیلی وزیر اعظم قادیانی مبلغ سے ملنے کا بڑا شائق تھا۔ (۳)

چوہدری شریف کی اسرائیل سے پاکستان آمد کے بعد الفرقان ربوہ نے ”فلسطین میں تبلیغ اسلام“ کے عنوان سے خصوصی ایڈیشن شائع کیا۔ اس کا مدیر اللہ دتہ لکھتا ہے

۱۔ سر ظفر اللہ ”احمدیت“ ص 333۔

۲۔ ابو مدثر، ص 203۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 5 ص 507۔

”مولانا محمد شریف فلسطین مشن کے انچارج ہوئے۔ آپ نے ۱۹۳۸ء سے لے کر ۱۹۵۵ء

تک اس مشن میں فریضہ تبلیغ انجام دیا۔ ابھی حال میں واپس آئے ہیں آپ مع اہل و عیال

واپس آئے ہیں اور ان کی جگہ اس مشن کے انچارج مولانا جلال الدین قمر مقرر ہیں۔^(۱)

مسلم صیہونی تنظیمیں اپنی ”ارض موعود“ میں عیسائی مبلغین کی سرگرمیوں پر ہمیشہ سخت رد عمل ظاہر کرتی تھیں۔ اپنی نظریاتی ریاست میں وہ ”مسیح کے پیغام“ کی اشاعت کو کبھی برداشت نہیں کرتی تھیں۔ اسرائیل میں عیسائیوں کے تبلیغی کاموں پر تنازعہ رہا مسلح یہودی مذہبی گروہوں نے انکو برداشت نہ کیا اور کئی بار بد مزگی پیدا کی۔ اسرائیل میں عیسائی مرکز کی اطلاع میں یہ کہا گیا ہے کہ

”تبلیغی مراکز پر حملے کیے گئے اور کتابوں کی دکانوں پر حملہ کر کے ”عہد نامہ جدید“ کے نسخوں

کو آگ لگانے کی کوششیں کی گئیں۔“^(۲)

مگر احمدی مشن کے ساتھ اسرائیل میں کبھی ایسا سلوک نہ ہوا حالانکہ وہ اسرائیل میں ”اسلام“ کی تبلیغ کے دعویدار تھے۔ احمدیوں اور اسرائیل کے یہودیوں کے مابین تعلقات ہمیشہ خوشگوار اور برادرانہ رہے۔

مرزا مبارک احمد کی کتاب ”ہمارے بیرون ملک مشن“ سے حاصل کیے گئے اس اقتباس سے اسرائیلی احمدی یگانگت کی ایک جھلک ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ مرزا مبارک احمد مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا ہے۔

احمدیہ مشن اسرائیل میں حیفہ (ماؤنٹ کرمل) کے مقام پر واقع ہے اور وہاں ہماری ایک مسجد۔ ایک مشن ہاؤس۔ ایک لائبریری۔ ایک بک ڈپو اور ایک سکول موجود ہے۔ ہمارے مشن کی طرف سے ”البشری“ کے نام سے ایک ماہانہ عربی رسالہ جاری ہے جو متن مختلف ممالک میں بھیجا جاتا ہے۔ مسیح موعود کی بہت سی تحریریں اس مشن نے عربی میں ترجمہ کی ہیں۔ فلسطین کے تقسیم ہونے سے یہ مشن کافی متاثر ہوا۔ چند مسلمان جو اس وقت اسرائیل میں موجود ہیں ہمارا مشن ان کی ہر ممکن خدمت کر رہا ہے اور مشن کی موجودگی سے ان کے حوصلے بلند ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ہمارے مشن کے لوگ حیفہ کے میز سے ملے اور ان سے گفت و شنید کی۔ میز

۱۔ القرآن زیوہ فروری ۱۹۵۶ء۔

۲۔ دکنک نغز کراچی ۲۶ ستمبر ۱۹۷۳ء۔

نے وعدہ کیا کہ احمدیہ جماعت کے لیے کباہر میں حیفہ کے قریب وہ ایک سکول بنانے کی اجازت دے دیں گے۔ یہ علاقہ ہماری جماعت کا مرکز اور گڑھ ہے۔ کچھ عرصہ بعد میسر صاحب ہمارا مشن دیکھنے کے لیے تشریف لائے۔ حیفہ کے چار محضرین بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ان کا پروٹاراستقبال کیا گیا۔ جس میں جماعت کے سرکردہ ممبر اور سکول کے طالب علم بھی موجود تھے۔ ان کی آمد کے اعزاز میں ایک جلسہ بھی منعقد ہوا۔ جس میں انہیں سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ واپسی سے پہلے میسر صاحب نے اپنے تاثرات مہمانوں کے رجسٹر میں بھی تحریر کیے۔ ہماری جماعت کے موثر ہونے کا ثبوت ایک چھوٹے سے مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں جب ہمارے مبلغ چوہدری محمد شریف صاحب ربوہ پاکستان واپس تشریف لارہے تھے۔ اس وقت اسرائیل کے صدر نے ہمارے مشنری کو پیغام بھیجا کہ چوہدری صاحب روانگی سے پہلے صدر صاحب سے ملیں۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر چوہدری صاحب نے ایک قرآن حکیم کا نسخہ جو جرمن زبان میں تھا صدر محترم کو پیش کیا۔ جس کو غلوں دل سے قبول کیا گیا۔ چوہدری صاحب کا صدر صاحب سے اسرائیل کے ریڈیو سے نشر کیا گیا اور ان کی ملاقات کو اخبارات نے جلی سرخیوں میں شائع کیا۔^(۱)

حقیقت پسند پارٹی:

جب مرزا محمود اپنی یورپ پاتر اسے واپس لوٹے تو انہوں نے دیکھا کہ کئی بااثر قادیانی جن میں مرزا غلام احمد کے جانشین اور ”احمدیوں کے نفس ناطقہ“ حکیم نور الدین کے دو بیٹے بھی شامل تھے ان کی ربوہ میں چیرہ دستیوں اور آمریت کے خلاف مہم چلا رہے تھے اس بات سے مرزا محمود کو بڑی جھنجھلاہٹ اور خفت اٹھانا پڑی کیونکہ حکیم نور الدین کے بیٹوں عبدالمنان عمر اور عبدالوہاب کو قادیانی حلقوں میں ان کی ”علیت و تقویٰ“ اور ان کی مرزا صاحب کی خاندانی و ذاتی قربت کی وجہ سے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔^(۲)

وہ دونوں ان کے برادر بستی بھی تھے۔

۱۔ مرزا مبارک احمد ”ہمارے بیرون ممالک مراکز“ نصرت آؤٹ پبلش ربوہ 1988ء ص 314۔

۲۔ الفضل ربوہ۔ 5 ستمبر 1956ء۔

احمدیہ تحریک کی تاریخ کا یہ ایک دلچسپ باب ہے کہ مرزا محمود کے کئی قریبی رفقاء کار نہ صرف ان کے مخالف ہو گئے بلکہ انہوں نے ان کی ذات پر کئی قسم کے سنگین الزامات بھی عائد کیے۔ احمدی مخرفین نے جو کہ اپنے آپ کو حقیقت پسند کہلاتے تھے۔ ربوہ کے ”علیل اور نیم پاگل خلیفہ“ کی کئی کمزوریوں کا پردہ چاک کیا۔ ان پر جو متعدد الزامات عائد کیے گئے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(i) مرزا محمود نے انجمن احمدیہ کی پونجی اپنے ذاتی استعمال میں خرچ کی اور اشاعت اسلام کے نام پر اکٹھی کی جانے والی رقم کو فضول خرچی میں اڑا دیا۔^(۱)

(ii) انہوں نے بے تحاشہ سرمایہ کاریاں کیں۔ پاکستان کے مختلف حصوں میں جائیدادیں خریدیں۔ اپنے رشتہ داروں کے لیے سرکردہ صنعتی اداروں کے حصص خریدے اور اپنے لیے ایک عظیم الشان مالی سلطنت تعمیر کر لی۔ ان کے اور ان کے وسیع خاندان کے مختلف افراد کے پاس غیر ملکی سرمایہ کاری کے زیادہ تر حصص تھے۔ وہ قانونی طور پر بھی ربوہ میں مقیم اپنی ساری جماعت کی جائیدادوں کے مالک ہیں۔^(۲)

(iii) مرزا محمود جنسی بے راہ روی میں ملوث تھے اور انہوں نے اخلاقی بے ضابطگی کے کئی جرائم کیے۔ ان کے متخوہ دار ایجنٹ انہیں نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں جنسی تسکین کے لیے مہیا کرتے تھے۔ قادیانی لڑکیوں کی طرف سے متواتر عائد کیے جانے والے الزامات نے انہیں مجرم ثابت کر دیا تھا۔ بعض نے اپنی شناخت ظاہر نہ کی مگر ایک کثیر تعداد نے جو ان کے مبینہ جنسی حملوں کا شکار ہو چکی تھی۔ اپنے مکمل نام اور پتے ظاہر کیے۔ ان لڑکیوں نے قرآن پاک کی قسمیں اٹھا کر انہیں مباہلے کے لیے لکارا کہ اگر وہ ان پر غلط الزام لگا رہی ہوں تو ان پر خدا کا قہر و غضب نازل ہو۔^(۳)

لیکن پھر بھی مرزا محمود ایک ”معصوم عن الخطاء“ ہونے کے دعویدار ہو کر اس بات پر مصر تھے کہ وہ کسی کو جوابدہ نہیں۔

۱۔ راحت کلف ”دور حاضر کا مذہبی آمر“ ابلاغ پریس لاہور 1956ء ص 64۔

۲۔ مرزا محمود کی مالی بدحمتاں ”حقیقت پسند پارٹی“ ابلاغ پریس لاہور ص 8۔

۳۔ تاریخ محمدیت کے چند اہم مکر پوشیدہ اور اقل ”حقیقت پسند پارٹی“ گیلانی پریس لاہور۔

(iv) یہ کہ مرزا محمود کے آلہ کار خلیفہ کے مخالفین پر حملہ آور ہوتے رہے۔ ان پر حملے کیے گئے۔ بدسلوکی کی گئی اور بعض اوقات تو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا جیسا کہ فخر الدین ملتانی کے ساتھ ہوا۔ مقاطعہ - جلاوطنی - ذہنی اذیت اور قریبی اقارب کے خلاف افواہیں پھیلا کر ذلیل کرنے کے، تھکنڈے وغیرہ ان لوگوں پر آزمائے جاتے تاکہ وہ ”محمودی آمریت“ کے آگے گھٹنے ٹیک دیں۔ خواتین کو بدترین ممکنہ طریقوں سے ذلیل کیا جاتا۔ ”خدام احمدیہ“ کے ارکان عورتوں کی تذلیل کرتے اور آگے سے سراٹھانے والوں کو ان سرکش نوجوانوں کے قاتلانہ حملوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ قادیانی برہمیت کے سب سے بڑے شکار (حکیم نور الدین کے بیٹے) عبدالمنان اور عبدالوہاب تھے۔^(۱)

ملک عزیز الرحمن - پروفیسر فیض الرحمان فیضی - راجہ بشیر احمد رازی - چوہدری غلام رسول - چوہدری عبدالحمید (ڈاڈا) - محمد یونس ملتانی - راحت ملک - عبداللطیف - عبدالرب برہم - چوہدری صلاح الدین ناصر - ایم مجید - مرزا حیات تاثیر - یوسف ناز اور علی محمد اجیری کو منافقین اور مردود قرار دے کر جماعت احمدیہ سے خارج کر دیا گیا۔ ان میں سے کئی اپنی مرضی سے بھی ربوہ چھوڑ گئے۔^(۲)

(v) یہ کہ مرزا محمود نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کی اہلیت کے بغیر کلیدی آسامیوں پر تعینات کیا۔ ایک ویانند ارٹھس اقربا پروری اور ذاتیات میں نہیں الجھتا۔^(۳)

(vi) یہ کہ مرزا محمود خفیہ و عیاں طریقوں سے مرزا ناصر احمد کی آمریت کے لیے راہیں ہموار کر رہے تھے۔^(۴)

یہ الزام ۱۹۶۵ء میں انکی وفات کے بعد سچ ثابت ہوا۔ مرزا ناصر جماعت کے سربراہ بنے۔ (vii) یہ کہ مرزا محمود ایک خلیفہ اور خدا کی طرف سے مصلح موعود ہونے کے دعویدار ہیں

۱۔ قادیانی نقطہ نظر کے لیے دیکھئے (مرزا محمد باجی) مولوی عبدالمنان کے کہیں کی اعلیٰ تعلیمات۔۔۔ ۲۵ نومبر ۱۹۵۶ء کے علاوہ (دوست محمد شاہ) ”خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک“ ربوہ ۱۹۵۶ء۔
۲۔ حقیقت پسند پارٹی ربوہ راج کے محمودی منصوبے سندھ ساگر اکیڈمی لاہور۔
۳۔ راحت ملک ص ۱۱۱۔
۴۔ ایضاً ”مرید گلین الزامات کے لیے کتابچہ“ مرزا محمود ہوش میں آؤ“ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جسے ربوہ میں خفیہ طور پر تقسیم کیا گیا اور بعد میں حقیقت پسند پارٹی نے اسے چھپوایا۔

جو کہ مکمل طور پر ایک بے بنیاد دعویٰ ہے وہ یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ ان پر الہام اور وحی آتی ہے۔ چونکہ انہوں نے جھوٹے دعوے کیئے ہیں۔ لہذا خدائی عذاب ان پر نازل ہوا اور وہ فاجح اور دیگر کئی امراض کا شکار ہو گئے۔^(۱)

(viii) یہ کہ مرزا محمود نے ۱۹۵۳ء کے تحقیقاتی کمیشن کے سامنے عدالت کو دھوکہ دیا اور عوامی رائے کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی خاطر اپنی اصل نیت اور عقائد کو چھپایا۔ وہ اپنے وقت کے عظیم موقع پرست تھے۔^(۲) وہ ابھرتی ہوئی سیاسی قوت سے اتحاد قائم کرنے کا موقع کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

مرزا محمود نے اپنے اختیار کو قائم رکھنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔ ان کے پیروکار منحرفین کے منصوبوں کو آشکارا کرنے کے لیے ان کی جاسوسی کرتے۔ ان نام نہاد شرارتی اور منافق عناصر کی سرگرمیوں پر غم و غصہ کے اظہار کے لیے احمدی تنظیموں کے ارکان نے درجنوں قراردادیں منظور کیں۔ ان افراد کے بارے میں یہ کہا گیا کہ انہیں احمدیہ جماعت لاہور کی حمایت حاصل تھی۔^(۳)

یہ الزام بھی عائد کیا گیا کہ منحرفین نے مرزا محمود کو قتل کرانے کے لیے ایک سابقہ قادیانی درویش اللہ رکھا کو تیار کیا ہے۔ اس دعوے میں کوئی صداقت نہیں تھی مگر مرزا محمود نے اس الزام کی رٹ لگائے رکھی۔ شاید وہ اس وقت مبینہ طور پر مایخو لیا میں جتلا ہو چکے تھے۔ قادیانی جماعتوں نے اللہ رکھا کے خلاف بھی قراردادیں منظور کیں۔^(۴)

احمدیہ مبلغوں اور خلافت کے آلہ کاروں نے مرزا محمود کو ایک ایسی خدائی مذہبی شخصیت جو تقریباً نبی رسول کے قریب قریب تھی تک پہنچا دیا اور حقیقت پسندوں کے خلاف اجلاس

۱۔ سید نور محمد علی غورخاںؒ، "لاہور ۱۹۶۱ء) حریدہ دیکھئے (عبدالرب برہم" "جلائے وطن اور خلافت اسلامیہ" روزنامہ پریس لائیکہ ریفیل آباد۔

۲۔ صالح نور محمدؒ، "خلیفہ ربوہ کے مذہب" پرواز پریس لائیکہ ریفیل آباد) اور ("احمدیت سے محمودیت تک" حقیقت پسند پارٹی لاہور) اور ("احمدیت کا دم وائیس" حقیقت پسند پارٹی لاہور۔

۳۔ مرزا محمودؒ، "ظاہر اسلام کی مخالفت" خلیفہ تاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۵۶ء مباحث اور سلام پریس ربوہ۔

۴۔ افضل ربوہ، ۲۹: ۳۱ جولائی ۱۹۵۶ء) حریدہ دیکھئے (الفرقان ربوہ یکم ستمبر ۱۹۵۶ء۔

منعقد کیے تاکہ داخلی خلفشار کو روکا جاسکے۔

حقیقت پسند پارٹی کا پہلا صدر راجہ رازی تھا جو دفتر احمدیہ میں اہلکار آبادی علی محمد کا بیٹا تھا۔ پارٹی نے قادیانی گروؤں کے اصل کردار اور سچے اسلام کے دعویداروں کی اخلاقی حیثیت کو آشکارا کرنے کے لیے بہت سا مواد شائع کیا۔ اصل حقائق اس قدر تلخ ہیں کہ یہاں بیان نہیں کیے جاسکتے۔ تحریک احمدیت کا کوئی بھی سنجیدہ طالب علم قادیانیت کے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اسے حقائق بیان کرنا ہی ہوں گے اگرچہ وہ کہتے ہی تلخ کیوں نہ ہوں اور معتقدین کو کہتے ہی ناگوار کیوں نہ گزریں۔^(۱)

محملاًتی سازشیں:

غلام محمد کے معذور اور ریٹائر ہونے کے بعد ملک کے دو بڑے بیوروکریٹوں اسکندر مرزا اور چوہدری محمد علی نے بڑے شاطرانہ طریقے سے بالترتیب صدر اور وزیراعظم کے عہدہ تک اپنی راہیں ہموار کر لیں۔ مگر جلد ہی میدان سیاست سے باہر ہو گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب نوکر شاہی اپنی طاقت کے عروج پر تھی اور ملکی سیاست کو محملاًتی سازشوں کے مترادف قرار دیا جاسکتا تھا۔

اسکندر مرزا نے بطور صدر سیاستدانوں کو آپس میں تقسیم کرنے کے پرانے طریقوں پر عمل پیرا ہو کر تمام قوتوں کو بے باکانہ طور پر اپنے شخصی راج کے قیام اور استحکام کے لیے استعمال کیا۔ اس نے ایک وقت چوہدری محمد علی سے چھٹکارا حاصل کیا اور اپنی توجہ بنگالیوں کی طرف مبذول کی جو شخصی آمریت پر بے لاگ تنقید کرتے تھے۔ مشرقی پاکستان کی اسمبلی کے سپیکر کے ذریعے ایک مصنوعی بحران پیدا کیا گیا جس نے یونائیٹڈ فرنٹ کی حکومت کو نااہل قرار دیکر بجٹ سازی سے روک دیا اور اسمبلی کو غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دیا۔ اس بات سے مرکزی حکومت کو یونائیٹڈ فرنٹ کی صوبائی وزارتوں کو ختم کرنے کا بہانہ مل گیا۔ چھبیس مئی ۱۹۵۶ء سے صوبے میں صدر راج کا نفاذ کر دیا گیا۔

۱۔ حربہ دیکھئے مرزا محمد حسین "قتلہ نبوت" لاہور ۱۹۷۶ء۔

یکم جولائی سے مشرقی پاکستان میں پارلیمانی طرز حکومت کو بحال کر کے ابو حسین سرکار نے یونائیٹڈ فرنٹ کی وزارتوں کی تشکیل کی۔ تاہم اس صوبائی حکومت کے ذریعے اور ایک جعلی بحران کو جنم دیا گیا۔ وزیر اعلیٰ کی خواہشات کے برعکس اسمبلی کو موقوف کر دیا گیا اور اکتیس اگست ۱۹۵۶ء کو دوسری دفعہ صدر راج کا نفاذ کر دیا گیا۔

اس دوران مغربی پاکستان میں چاروں صوبوں کے ایک یونٹ میں انضمام کے خلاف تحریک احتجاج شروع ہو چکی تھی۔ بیس مارچ ۱۹۵۷ء کو مغربی پاکستان کی کابینہ مستعفی ہو گئی اور فوری طور پر صدر راج کے نفاذ کا شلجہ کس دیا گیا۔ اسے چار ماہ بعد اٹھایا گیا جب صوبہ سرحد کے سابقہ آئی جی پولیس سردار عبدالرشید ڈاکٹر خان صاحب کی جگہ وزیر اعلیٰ بنے۔^(۱)

گیارہ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو اسکندر مرزا کو حسین شہید سہروردی سے چھٹکارا پانے میں کامیابی حاصل ہو گئی جو دونوں حصوں میں انتہائی ہردلعزیز ہو کر صدر مرزا کے اختیار کے لیے خطرہ بنتا جا رہا تھا۔ چنانچہ ایک اور بحران ناگزیر طور پر تیار ہو گیا۔ سہروردی کی مخلوط جماعت ری پبلکن پارٹی نے ون یونٹ کے مسئلہ پر حکومت کی مدد سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ سہروردی نے صدر سے استدعا کی کہ اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے لیے اسمبلی کا خصوصی اجلاس بلایا جائے۔ صدر نے اس سے انکار کر دیا اور سہروردی کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ مستعفی ہو جائیں۔

اس کے بعد جلدی جلدی ابراہیم اسماعیل چندر گپتا اور فیروز خان نون کی کامیائیں ایک کے بعد آئیں۔ آخر میں اسکندر مرزا نے جمہوریت کو آخری دھکا رسید کیا۔ سات اکتوبر ۱۹۵۸ء کو اس نے ایک آمر کا کردار ادا کیا۔ مارشل لاء کا اعلان کیا۔ صوبائی و مرکزی حکومتیں برطرف کر دیں۔ آئین کو تباہ کر دیا۔ اسمبلیاں تحلیل کر دیں اور فوجی کمانڈر جنرل محمد ایوب خاں کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا گیا۔ ایوب خاں نے اسے بھی لات مار کر دائرہ اقتدار سے باہر پھینک دیا۔

ان سالوں (۵۸-۱۹۵۳ء) میں پاکستان امریکی حکومت کا ایک اتحادی تھا۔ عرب دنیا

میں یہ اپنا وقار کھو بیٹھا تھا۔ کیونکہ یہ سینو اور سیٹو کا رکن تھا، مصر کے صدر ناصر نے ان معاہدات پر شدید تنقید کی۔ سوویت یونین نے پاکستان کو مغرب کے جارحانہ رویوں میں حصہ دار بننے کا مورد الزام ٹھہرایا اور مسئلہ کشمیر جیسے معاملات پر ہندوستانی موقف کی کھل کر تائید کی۔ سہروردی کی حکومت نے پاکستان کے تاثر کو کافی آلودہ کر دیا تھا کیونکہ جب جمال ناصر اور مصری فوجوں نے مصر کا کٹرول سنبھالا تو پاکستان نے عرب ممالک کے خلاف صیہونی سامراجی حملے کے جواب میں سرگرم امداد سے معذوری کر لی تھی۔^(۱)

۱۹۵۷ء میں قادیانی پاکستانی سیاست میں نوکر شاہی اور مغرب نواز حلقوں کے ذریعے کافی سرگرم رہے۔ وہ پاکستانی سیاست میں اتنے زیادہ ملوث تھے کہ حکومت کو اس تجویز پر غور کرنا پڑا کہ انہیں ایک سیاسی تنظیم قرار دیا جائے۔ ایک باخبر نامہ نگار نے جو پاکستانی اٹلی جنس کے اعلیٰ عہدے پر فائز رہے ”مسلم“ اسلام آباد میں یہ راز افشاء کیا۔

”مجھے یاد پڑتا ہے کہ ۱۹۵۷ء میں پنجاب سی آئی ڈی نے ایک تجویز تیار کی کہ جماعت احمدیہ کو سیاسی تنظیم قرار دے دیا جائے کیونکہ یہ اس وقت کی پنجاب حکومت کی نظروں میں مشکوک قرار پا چکی تھی۔ اس جماعت کے ذیلی اراکین کی ایک تنظیم کو حکومت نے غیر قانونی قرار دیا اور سرکاری ملازمین کو سختی سے منع کر دیا گیا کہ وہ اس کے ساتھ تعلق نہ رکھیں۔ یہ ذیلی تنظیم ”احمدیہ اٹلی جنس سٹاف“ کہلاتی تھی اور اس نے حکومت کے مختلف محکموں میں اپنے حلقے قائم کیے ہوئے تھے۔ اس کے نتیجے میں مسلح افواج میں احمدی افسران کی ایک فہرست لاہور اور دیگر بڑے شہروں میں تیار کی گئی۔ حکومت کے نوٹس میں یہ بات بھی آئی کہ قادیانی افسران خفیہ اجلاس بھی منعقد کرتے تھے۔“^(۲)

جماعت کی ان خفیہ کارستانیوں نے ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے بعد نئی جہتیں اختیار کر لیں۔ ایوب خان نے اس تحریک کی نشوونما میں سرپرستی کی تاکہ یہ اپنے استبدادی پنجہ بیرون ملک تک پھیلا سکے۔

انیسواں باب

قادیانیت کا پھیلتا جال

کہا جاتا ہے کہ ۱۹۵۹ء کے ایوب خان کے فوجی انقلاب کو سی آئی اے کی پشت پناہی حاصل تھی۔^(۱)

سٹائیکس اکتوبر ۱۹۵۸ء سے لے کر جون ۱۹۶۲ء تک ملک پر مارشل لاء مسلط رہا جسے ملک کی کسی اعلیٰ عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا تھا۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ سیاسی رہنماؤں کو پابند سلاسل کر دیا گیا۔ پریس پر شدید قلعن عائد کر دی گئی اور عوامی خواہشات کا گلا گھونٹ دیا گیا۔

قادیانیوں کو فوجی آمریت ایک نعمت غیر مترقبہ کے طور پر ملی۔ اس سے انہیں اپنے آپ کو مستحکم کرنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے بیرون ممالک مزید تبلیغی مراکز قائم کر لیے جس طرح کہ وہ ماضی میں برطانوی سامراج کے زیر سایہ کرتے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے تیزی سے پھیلتے ہوئے عوامی تھپیوں اور معاشی اداروں میں کلیدی آسامیاں حاصل کرنے کیلئے فوجی حکمرانوں اور نوکر شاہی کی اعانت حاصل کر لی۔ پاکستان اور بیرون ملک اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے انہیں یورپی طاقتوں اور عالمی صیہونیت کی مکمل پشت پناہی حاصل رہی۔

ایوب خان امریکہ کے ساتھ بہتر تعلقات کا راگ الاپتا رہا۔ اس نے مارشل لاء کے ایک سال بعد ہی امریکہ کے ساتھ ایک دوطرفہ دفاعی معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ امریکہ کو فوجی اڈے مہیا کر دیئے گئے اور اسے سوویت یونین کی جاسوسی کیلئے پاکستانی علاقوں کے استعمال

۱۔ طارق علی ص ۸۸) ایوب خان کے بھائی بہادر خان کی شہادت کے مطابق ۱۹۵۸ء میں ایوب خان کے فوجی انقلاب میں سی آئی اے کا حصہ کار فرما تھا۔ ("پاکستان کی خارجہ پالیسی" مدیر کے عارف۔ لاہور ۱۹۸۴ء ص ۱۱۰۔

کی مکمل اجازت تھی۔^(۱)

احمد یوں پر اعتماد:

ایوب خان تمام اہم معاملات میں قادیانیوں پر اندھا دھند اعتماد کرتا تھا۔ معاشی منصوبہ بندی کے حساس معاملے اور بین الاقوامی معاملات کے میدان میں اس نے ان کی حوصلہ افزائی کی تاکہ وہ اہم منصب حاصل کر لیں۔ خارجہ پالیسی کے امریکہ کی طرف جھکاؤ کا جائزہ لینے سے پتا چلتا ہے کہ ۱۹۵۲ء میں امریکہ کی طرف سے ملنے والی معاشی امداد دس ملین ڈالر سے کم تھی جو ۱۹۶۳ء میں بڑھ کر ۳۸۰ ملین ڈالر ہو گئی تھی۔ پاکستان نے اس کا جواب ”کارہائے دوستی“ سے دیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) جو کہ ایک بدنام زمانہ بیوروکریٹ تھا پہلے فنانس سیکرٹری اور بعد میں پاکستان کے منصوبہ بندی کمیشن کا ڈپٹی چیئرمین بن گیا۔ وہ صیہونیوں کے درپردہ گروپوں جیسے ”فورڈ فاؤنڈیشن“ اور ”ہارورڈ ایڈوانزری گروپ“ کی اعانت سے پاکستانی معیشت میں علاقائی عدم توازن کا ذمہ دار تھا۔ ان گروپوں نے منصوبہ بندی کمیشن اور صوبائی محکمہ جات برائے منصوبہ بندی میں ماہرین معیشت کا ایک ریلا داخل کر دیا تاکہ پاکستان کیلئے پانچ سالہ منصوبے تیار کیئے جا سکیں۔ اس ناقص منصوبہ بندی سے مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان معاشی ناہمواریاں پیدا کی گئیں جس کا نتیجہ ملک کے مشرقی حصے کی علیحدگی کی صورت میں نکلا۔

ظفر اللہ اقوام متحدہ میں:

۱۹۶۱ء میں بین الاقوامی عدالت انصاف کے جج کے طور پر ظفر اللہ دوبارہ منتخب نہ ہو سکا۔ اس نے لندن میں قیام پذیر ہو کر کچھ تبلیغی سرگرمیاں جاری کرنے کا منصوبہ بنایا مگر امریکہ نے صدر ایوب کو تجویز پیش کی کہ ظفر اللہ کو اقوام متحدہ میں پاکستان کا مستقبل مندوب مقرر کر دیا جائے کیوں کہ پاکستان اور امریکہ کے درمیان بڑے بڑے سیاسی مسائل کی حکمت عملی جو کہ

۱۔ رابرٹ لاپورٹ جونیر ”قوت اور استعاق“ کیلیفورنیا یونیورسٹی۔ امریکہ ۱۹۷۵ میں ۱۵۰۔

دنیا کے ایوان میں زیر بحث تھے مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ جولائی ۱۹۶۱ء میں ایوب خان نے اپنے دورہ امریکہ کے دوران لندن میں قیام کیا اور ظفر اللہ سے کہا کہ وہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب کی ذمہ داریاں سنبھالنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ نیویارک سے واپسی پر ایوب نے ظفر اللہ کو بتایا کہ اس نے اقوام متحدہ میں اس کی بطور مستقل مندوب تعیناتی کی سیکرٹری جنرل ڈیگ ہیمر شولڈ سے بات کی ہے۔ سیکرٹری جنرل اس سے بڑے سرور ہوئے اور اپنے مکمل اطمینان کا اظہار کیا بارہ اگست ۱۹۶۱ء کو ظفر اللہ نے اقوام متحدہ میں اپنے عہدہ کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ وہ مغربی لابیوں کی اعانت سے بچنے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس ۱۹۶۲ء کا صدر بھی بنے۔

اسمبلی کے سترہویں اجلاس کی صدارت کیلئے سری لنکا کے مستقل مندوب اور روس میں اس کے سابقہ سفیر پروفیسر مالا لاسیکرا ظفر اللہ کا قریب ترین اور مضبوط ترین حریف تھا۔ پروفیسر نے زیادہ تر سوویت یونین اور مشرقی یورپی ممالک کی امداد پر انحصار کیا۔^(۱) جبکہ ظفر اللہ کو غیر اشتراکی بلاک کی مکمل اعانت حاصل تھی۔ اسے امریکی مستقل مندوب برائے اقوام متحدہ یوسٹ نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی مکمل امداد کا یقین دلایا تھا۔ امریکی صدر کینیڈی اور پاکستانی صدر ایوب خان نے بھی اس اجلاس سے خطاب کیا۔

ستائیس اپریل ۱۹۶۲ء کو سلامتی کونسل کے سامنے پاکستان کی طرف سے ظفر اللہ نے مسئلہ کشمیر پیش کیا۔ ہندوستان کی نمائندگی کرنا مین نے کی۔ سلامتی کونسل کی قرارداد میں کہا گیا کہ ہندوستان اور پاکستان کشمیر سے متعلقہ گفت و شنید دوبارہ شروع کریں۔ اس تجویز کو امریکہ اور برطانیہ کی مکمل آئیر واد حاصل تھی۔ بائیس اگست ۱۹۶۲ء کو سلامتی کونسل کے رکن روس نے اس قرارداد کو ویٹو کر دیا۔^(۲)

بین الاقوامی عدالت انصاف کی صدارت:

اسمبلی کے سترہویں اجلاس کے اختتام پر پاکستان نے ظفر اللہ کو اکتوبر ۱۹۶۳ء میں

۱۔ ظفر اللہ "سروٹ آف گاڈ" ص 238۔

۲۔ این براؤن "اقوام متحدہ ہندوستان اور پاکستان" ص 196۔

ہونے والے انتخاب برائے صدارت بین الاقوامی عدالت انصاف کے امیدوار کے طور پر نامزد کیا۔ ۱۹۶۳ء میں وہ نو سالہ میعاد کے لیے عدالت کے نئے ججوں میں سے ایک کے طور پر منتخب ہو گیا۔ اُس نے عالمی عدالت میں تقریباً ساڑھے پندرہ سال گزارے جو کہ اس عدالت کی تاریخ میں تیسری طویل ترین مدت ہے اور وہ پہلا ایشیائی ہے جو عالمی عدالت کا صدر بنا۔

ظفر اللہ لکھتے ہیں۔

”فروری ۱۹۶۱ء میں جب انہوں نے عدالت کی پہلی مدت میعاد ختم کی تو وہ صدر کے بعد

سب سے سینئر جج تھے۔ جب وہ فروری ۱۹۶۳ء میں دوبارہ جج مقرر ہوئے تو سب سے آخر

میں چلے گئے سرپری سینڈر کو صدر اور جج ویٹنگٹن کو نائب صدر منتخب کر لیا گیا۔“ (۱)

عالمی عدالت میں اس کے قیام کے ایک جائزہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی عدالت انصاف میں سب سے زیادہ کم تحریریں چھوڑی ہیں۔ اس کے برعکس مسئلہ کشمیر پر سلامتی کونسل میں اس نے بڑی لمبی لمبی تقریریں کیں۔ اپنے ذاتی خیالات جو اس نے ڈیکلریشنوں کے ساتھ نتھی کیئے بہت مختصر تھے اور بعض اوقات تو ایک فقرے تک محدود ہوتے تھے۔ نمیبیا کے لیے مشاورتی رائے میں اس نے سب سے طویل یعنی سات صفحات پر مشتمل توضیحی نوٹ لکھا۔ (۲)

اس کی وجہ یہ تھی کہ بین الاقوامی قانون پر اس کا علم مستحکم بنیادوں پر استوار نہ تھا اور نہ ہی وہ کسی تعلیمی ادارے میں بطور ریسرچ سکالر کام کر چکا تھا جیسا کہ اس نے خود اعتراف کیا ہے۔ اس نے بین الاقوامی قانون پر ایک کتاب بھی نہ پڑھی تھی۔ دوسری بات یہ ہے اس کی ابتدائی تربیت وکیل کے طور پر ہوئی تھی۔ اس کا تصنیفی رجحان حقائق بیان کر دینا تھا۔ جب کہ ریسرچ سکالر جب جج بن جاتے ہیں تو ان میں زیادہ سے زیادہ وضاحت سے بات کو بیان کرنے کا رجحان ہوتا ہے۔

۱۔ سروٹ آف گارڈس ۲۷۴۔

۲۔ ”دی مسلم“ ۶ ستمبر ۱۹۸۵ء اکرا اچاز حسین کا مضمون ہفت روزہ خان ایک جج۔

جنوبی افریقہ کا مقدمہ:

عالمی عدالت میں یوں تو اس کا قیام مناسب رہا لیکن ایک بات مابہ نزاع تھی۔ ۱۹۶۶ء میں جنوب مغربی افریقہ کے مقدمہ میں اس کا کردار اس کے دامن پر سیاہ دھبہ ہے۔ اسکا پس منظر یہ ہے کہ وہ اس بیخ میں نہ بیٹھا جس میں مقدمہ پیش ہوا۔ اس کی غیر حاضری کے باعث مقدمہ جنوبی افریقہ کے حق میں ہوا۔ فیصلہ کن ووٹ آسٹریلیا کے عالمی عدالت کے صدر پرسی سپینڈر نے ڈالا اس نے جنوب مغربی افریقہ کے حق میں ووٹ ڈالا کیونکہ اس سے پہلے دو ٹنک فیصلہ کن نہ رہی۔ عام خیال یہ تھا چونکہ ظفر اللہ کا تعلق تیسری دنیا سے ہے اس لیے وہ عالمی مسائل پر ایسا قانونی نقطہ نظر رکھتا ہوگا جو عالمی عدالت کے نقطہ نظر سے مختلف ہے۔ یہ تقریباً یقینی بات سمجھی جاتی تھی کہ ظفر اللہ کا مقدمہ میں شامل نہ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ جنوبی افریقہ کے خلاف فیصلہ دے گا۔ اس کی مقدمے میں عدم شرکت سے اس کے خلاف سخت تنقید کی گئی (جو بالواسطہ طور پر پاکستان کے خلاف تھی) یہ زبردست تنقید عمومی طور پر تیسری دنیا کے ممالک کی طرف سے اور خصوصی طور پر افریقی ممالک کی طرف سے کی گئی۔^(۱) ظفر اللہ اس کی یہ توجیہ پیش کرتا ہے۔

”جرمن جنوب مغربی افریقہ (نمیبیا) کا مقدمہ میرٹ پر سنا جاتا تھا۔ جنوبی افریقہ نے ایک بنیادی اعتراض یہ اٹھایا کہ درخواست دہندہ ریاستیں ایقنوپیا اور لائبیریا کو اس کے نفس مضمون سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ اس درخواست کی سماعت کے لیے اس کے قانونی جواز پر قائم رہیں۔ عدالت نے اس اعتراض کو مسترد کر دیا۔ صدر نے ایک قابل اعتراض چال کے ذریعے پاکستانی جج (ظفر اللہ) کو مقدمہ کی سماعت میں بیٹھنے سے منع کر دیا۔“^(۲)

ڈاکٹر اعجاز حسین نے اس مسئلے پر ظفر اللہ سے ایک گفتگو کی۔ وہ کہتے ہیں۔

۱۔ دی مسلم، اسلام آباد 6 ستمبر 1985ء، (ڈاکٹر اعجاز حسین کا مضمون ”ظفر اللہ جج۔“

۲۔ ظفر اللہ سرونٹ آف گا۔

”اس مقدمے میں ظفر اللہ کی عدم شرکت کی وجوہات کے تجزیہ کے مقصد کے لیے مندرجہ ذیل حقائق ذہن میں رکھنے ضروری ہیں۔ اس مقدمے کی سماعت کے پہلے ہی دن عدالت کے صدر نے سادہ طریقے سے اعلان کر دیا کہ ظفر اللہ اس مقدمے کے فیصلے میں حصہ نہیں لے گا۔“ اس عدم شرکت کی کوئی توضیح پیش نہ کی گئی بلکہ پاکستان کے وزیر خارجہ نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو ایک خط میں اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ عالمی عدالت میں بطور جج انتخاب سے قبل لائبریریا اور ایٹھوپیا نے ظفر اللہ کو ایڈ ہاک جج نامزد کیا تھا۔ بالفاظ دیگر اسے صدر نے حصہ لینے سے منع کر دیا تھا نہ کہ یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کونسل کے آئین کی رو سے صدر کسی بھی جج کو کسی بھی بنیاد پر عدالتی عمل میں حصہ لینے سے روک سکتا ہے۔ کیونکہ اسے اس قسم کا اختیار حاصل ہے۔ سوال پیدا ہونا ہے کیا متعلقہ جج اس فیصلے پر کاربند رہنے کا پابند ہوتا ہے یا وہ اسے چیلنج کر سکتا ہے۔ آئین کی شقیں سترہ اور چوبیس ان سوالات کا جواب فراہم کرتی ہیں۔

ان شقوں کے مطابق جج یا صدر عالمی عدالت کسی خاص مقدمہ میں کسی بھی بنیاد پر عدم شرکت اختیار کر سکتا ہے تاہم سربراہ کی ہدایت کوئی حرف آخر کا درجہ نہیں رکھتی۔ جج اور صدر میں اختلاف کی صورت میں عدالت بذات خود جتنی فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔

موجودہ مقدمہ کو دیکھیں تو کیا صدر نے جو کیا آرٹیکل ۲۳ (۴) کی مطابقت میں کیا۔ ظفر اللہ کو اس مقدمہ کی سماعت سے باز رکھے کیلئے کوئی نوٹس جاری کیا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو کیا ظفر اللہ نے صدر کا فیصلہ تسلیم کر لیا اور آخر کار اگر ظفر اللہ نے صدر کے فیصلے میں اختلاف ظاہر کیا تو کیا عدالت نے معاملے کو آرٹیکل نمبر ۲۳ (۳) کی مطابقت میں نمٹایا۔

اگست ۱۹۷۸ء میں لندن اور پھر جنوری ۱۹۸۲ء میں لاہور میں مضمون نگار (ڈاکٹر اعجاز حسین) کی ظفر اللہ سے ملاقات ہوئی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کو اس قسم کا نوٹس دیا گیا تھا اور ایک احتجاجی خط کے ذریعے ظفر اللہ نے اس کو چیلنج بھی کیا، صدر نے اسے بعد میں مطلع کیا کہ اس خط کے مندرجات پر عدالت کے اراکین نے فرداً فرداً بحث کی جو یہ سمجھتے تھے کہ وہ

(ظفر اللہ) اس عدالت میں بیٹھنے کا اہل نہیں ہے۔ جب ظفر اللہ نے اپنے رفقاء کار سے اس واقعہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ ظفر اللہ نے اس معاملے کو یوں سمیٹا کہ صدر نے اس سے غلط بیانی سے کام لیا کہ اس معاملے میں دیگر اراکین عدالت کا کیا موقف تھا۔ جب ڈاکٹر اعجاز حسین نے ظفر اللہ سے یہ دریافت کیا کہ اس نے صدر کے موقف کو چیلنج کیوں نہ کیا تو اس نے صرف یہ جواب دیا کہ اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ تمام معاملات کو ”ذلت آمیز“ سمجھتا تھا۔^(۱)

دراصل ظفر اللہ نے اپنا آئینی حق استعمال نہ کیا۔ عدالت انصاف میں بڑی گرما گرم بحث رہی۔ اصل بات یہ تھی کہ اس کی نظریں عدالت انصاف کی صدارت پر مرکوز تھیں اس لیے اس نے ایسا کیا۔ نیچے جب وہ عالمی عدالت کا صدر بن گیا۔ تو سلامتی کونسل نے عالمی عدالت سے مشاورت کی استدعا کی کہ نمیبیا کی قانونی صورتحال کیا ہے۔ ظفر اللہ کہتا ہے۔

”ستم ظریفی یہ تھی کہ جسے عالمی عدالت انصاف کانج سرپری سپینڈر اس مقدمے کی سماعت سے خارج کرنا چاہتا تھا اب اس عدالت کا سربراہ بن چکا تھا۔ اس مقدمہ میں ظفر اللہ کی شرکت پر جنوبی افریقہ نے اعتراض کیا اور کسی بنیادی وجہ کی تخصیص کیے بغیر یہ سوال اٹھایا کہ سابقہ موقع پر اسے شریک ہونے سے منع کر دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کونسل برائے جنوبی افریقہ کا آرٹیکل ۱۷ (۲) اس مقدمے میں اس کی شرکت کی راہ میں سد راہ ہے مگر اس غلط توجیہ کا فائدہ حاصل کرنے کیلئے جو سرپری سپینڈر نے کی تھی جب یہ اعتراض اٹھایا گیا تو عدالت نے اس پر غور نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ صدر کی غیر موجودگی میں اور متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اعتراض کی کوئی وجہ نہ ہے۔ مکمل سماعت اور مروجہ طریق کار اپنانے کے بعد عدالت نے اپنا فیصلہ سنایا کہ جنوب مغربی افریقہ (نمیبیا) کے انتظامی انتداب کے سلسلے میں جنوبی افریقہ کا جائز اختیار ختم ہو چکا ہے اور نمیبیا میں جنوبی افریقہ کے مزید قیام کا کوئی قانونی جواز نہیں ہے۔“ (۲)

۱۔ دی مسلم ۶ ستمبر ۱۹۸۵ء۔

۲۔ ظفر اللہ، سرخ آف گاڈ، ص ۲۹۱۔

جماعت اسلامی کی مخالفت:

ایوب حکومت کی اعانت کے باعث قادیانیوں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ مشرقی اور مغربی پاکستان کی مذہبی و سیاسی تحریکوں کے خلاف سرگرمیاں شروع کریں۔ جماعت اسلامی ان کا پسندیدہ نشانہ تھی۔ احمدیہ جماعت کی مجلس مشاورت کی سالانہ رپورٹ برائے ۱۹۶۳ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جماعت اسلامی کے خطرہ سے نمٹنے کے لیے مزید ذرائع پیدا کیئے جائیں۔ ختم نبوت کے موضوع پر مزید لٹریچر تقسیم کیا جائے اور مشرقی پاکستان میں ایک سال کے لیے موثر مبلغ مقرر کیا جائے۔ مزید یہ فیصلہ کیا گیا کہ جماعت احمدیہ مشرقی پاکستان کا امیر فوری طور پر چیف سیکرٹری۔ آئی جی پولیس۔ ضلعی مجسٹریٹ اور انچارج پولیس کو احمدیہ جماعت کے خلاف کسی مزاحمت کا شک گزرنے کی صورت میں فوراً مطلع کرے گا۔ امیر کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ وہ ذیلی پولیس افسران سے بھی رابطہ رکھے۔^(۱)

سولہ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ بعنوان ”مولانا مودودی اور پاکستان کی مخالفت“ بنگالی زبان میں مدون کیا گیا اور جماعت کے مبینہ پاکستان مخالف کردار کو اجاگر کرنے کے لیے اس کی پانچ ہزار کاپیاں مشرقی پاکستان میں تقسیم کی گئیں۔

رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ احمدیہ جماعت کے مخالفین نے ہمیشہ ”ختم نبوت“ کے نام سے ملک میں افراتفری پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس خطرے سے نمٹنے کیلئے

(i) مخالفین کی سرگرمیوں سے حکام بالا کو باخبر رکھا جائے جن کا مقصد ملک میں بد امنی پھیلانا ہو۔

(ii) اس شرارت کے پس منظر سے آگاہی کے لیے افسران کے پاس جانے کا اہتمام ہونا چاہیے تاکہ ملکی امن کے لیے اس کے تباہ کن اثرات سے آگاہ کیا جاسکے۔

(iii) علاقائی و قومی اخبارات کے ذریعے اس شرارت کو دبانی کی کوششیں کی جانی چاہئیں۔

(iv) ختم نبوت پر چوہدری ظفر اللہ کے بیان کو ایک رسالے کی شکل میں شائع کیا جائے اور اسے پولیس کے حکام بالا-وزراء اور اراکین پارلیمنٹ کو روانہ کیا جائے۔

(v) اس سلسلے میں نظارت اصلاح و ارشاد مناسب عملی اقدامات کرے۔^(۱)

پاکستان میں قادیانیوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو روکنے کے لیے مذہبی تنظیموں کو سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ دفتر خارجہ میں قادیانی اہلکاروں اور ان کے بھی خواہوں نے کمال ہوشیاری سے پاکستان کے عرب ممالک کے ساتھ تعلقات کو فروغ نہ پانے دیا۔ نوکر شاہی میں ان عناصر نے ایک سرمایہ داریت کو پروان چڑھانے کی حکمت عملی اختیار کی اور پہلے سے طے شدہ حکمت عملی کے مطابق قادیانیوں کیلئے فوج کی صفوں میں گھسنے کا یہ ایک سنہری موقع تھا۔

انتخابات ۱۹۶۵ء

ایوبی دور حکومت، ربوہ کے لیے برطانوی سامراجیت کے دور کی طرح تھا۔ قادیانی اپنے آپ کو مکمل طور پر محفوظ خیال کرتے تھے۔ پاکستان اور بیرون ملک انہوں نے بڑی ترقی کی۔ ۱۹۶۵ء میں ایوب خان نے انتخابات کروانے کا اعلان کیا۔ مارشل لاء ختم ہو گیا اور حزب اختلاف کی جماعتوں نے متحدہ حزب اختلاف (کمبائنڈ اپوزیشن پارٹیز) کے نام سے ایک اتحاد محترمہ فاطمہ جناح کی زیر قیادت بنایا۔ قادیانیوں نے کھلے عام ایوب خان کا ساتھ دیا۔ ایوب خان کی انتخابی مہم چلانے کے لیے ربوہ میں ایک خصوصی سیل قائم کر دیا گیا۔ نیشنل عوامی پارٹی جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کونسل کی شہرت کو داغدار کرنے اور ان کے قائدین کی کردار کشی کے لیے قادیانیوں کی پشت پناہی سے فرضی تنظیموں نے سینکڑوں اشتہارات-رسالے-جرائد اور کتابچے شائع کروا کر تقسیم کیے۔ بیرون ملک قادیانی مشینری نے دفتر خارجہ کی اعانت سے اسی قسم کی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ قومی پریس میں قادیانیوں کی گماشتہ تنظیموں کی جانب سے طویل اشتہارات آنے لگے جن میں محترمہ فاطمہ جناح کی اہلیت کو اس بنیاد پر چیلنج کیا گیا کہ اسلام میں عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ سرکاری کنونشن

لیگ کی طرح سے ایوب کی انتخابی مہم چلانے کے لیے روپیہ اکٹھا کیا گیا۔ اپنی ذاتی محفلوں میں قادیانی اکابر ایوب خان کے لیے جماعت احمدیہ کی خدمات کو ایشیاء کے ڈیگال کیلئے حقیر تحفہ قرار دیتے تھے۔

جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء

۱۹۶۵ء میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ ہندوستان نے کشمیر میں افواج پاکستان کی توجہ تقسیم کرنے کیلئے لاہور کے نزدیک بین الاقوامی سرحد پر ایک بڑا حملہ کر دیا۔ کس طرح یہ جنگ شروع ہوئی اس کے حقیقی کردار کون کون سے تھے؟ اس میں قادیانی کس حد تک ملوث تھے؟ جنگ کے دوران ان کے عزائم کیا تھے؟ یہ سوالات ایک مفصل جواب کے متقاضی ہیں۔ اس قومی بحران میں قادیانیوں کے کردار کو سمجھنے کیلئے حقائق کا ایک مختصر تجزیہ پیش خدمت ہے۔ یہ ایک عمومی خیال ہے کہ صدر ایوب۔ جنرل موسیٰ کمانڈر انچیف۔ جنرل یحییٰ خان۔ جنرل اختر ملک اور عزیز احمد سیکرٹری وزارت خارجہ نے ایک اتحادیہ منصوبے کے تحت ملک کو ایک بلا مقصد جنگ میں دھکیل دیا۔ ”ڈیفنس جرنل آف پاکستان“ کے مدیر اے آر صدیقی کے مطابق اوائل ۱۹۶۵ء میں کوئی ایسی ناگزیر صورتحال نہ تھی۔ جو پاکستان کو بے تکی اور ناقابل فہم جنگ پر مجبور کر دے۔ پاکستان نے رن کچھ میں دو اہم چوکیاں حاصل کر لیں۔ ان کے نتیجے میں پاکستان نے کشمیر میں ”آپریشن جبرالٹر“ کے نام سے گوریلا کارروائیاں شروع کر دیں۔ بریگیڈیئر صدیقی کے مطابق آپریشن جبرالٹر پاکستانی فوجی کارروائی کا اعلیٰ نقطہ تھا۔ ”چونکہ اس آپریشن کی کارروائی کا سیاسی و حربی ڈھانچہ موجود نہ تھا لہذا اس نے پاکستان کو ایسے کٹھن مرحلے پر لا کھڑا کیا جہاں سے وہ صرف اس ہندوستانی حملے کا دفاع کر سکتا تھا۔“^(۱)

مجمب میں پاکستانی آپریشن (گراڈ سلام) شاید اس کا سب سے بڑا جنگی حربہ تھا جو کہ ناکامی سے دوچار ہوا۔ اس کے خالق پہلے میجر جنرل اختر ملک اور بعد میں جنرل یحییٰ خان

تھے اختر ملک جرات مند لیکن تخیلاتی جنرل تھے۔ تاہم یہ منصوبہ زیر عمل آنے سے قبل ہی دم توڑ گیا جیسا کہ الطاف گوہر نے اصغر خان کی کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے۔^(۱)

”یکم ستمبر ۶۵ء سے لے کر جنگ بندی کے روز تیس ستمبر تک ہندوستان پاکستان کو کئی علاقائی جھڑپوں میں کشمیر سے لے کر راجستھان تک طوٹ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس بات نے پاکستان کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی قوت کو پھیلا دے اور شدید مگر بے شرد دفاعی حملوں میں اپنی قوت ضائع کر دے جہاں سے اسے کسی بھی جگہ علاقائی بالادستی حاصل نہ ہو سکی۔“^(۲)

عسکری منصوبہ سازوں کے مطابق

”۱۹۶۵ء کی جنگ پاکستان کے لیے ایک تباہ کن موڑ تھی جس نے پاکستان کے حکمران طبقے کے لیے ترجیحات محدود کر دیں اور مشرقی پاکستان کے لیے علیحدگی کی تحریک کی راہیں ہموار کیں اس لیے سقوط پاکستان کے حقیقی امکانات پیدا کر دیے۔“^(۳)

جنرل موسیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ اس وقت کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اور سیکرٹری خارجہ عزیز احمد نے آزاد کشمیر میں افواج کے کمانڈر میجر جنرل اختر حسین ملک کی شہ پر حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ وادی میں ابتر صورتحال کا فائدہ اٹھائے اور فوج کو ہدایت دے کہ وہ ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں حملہ آوروں کو بھجوائے تاکہ وہ وہاں گوریلا کارروائیاں شروع کر سکیں اور مستقل بنیادوں پر مقامی باشندوں کی اعانت کرے کہ وہ ایک ایسی تحریک شروع کر سکیں جو آخر کار قابض قوت کے خلاف ایک بغاوت بن کر پھوٹ پڑے۔ ان کے مطابق اس وقت کے ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو کے اٹھائے گئے اقدامات تسلی بخش نہ تھے بلکہ اس نے قابضین فوج کو چوکنا کر دیا جس کے نتیجے میں بھارت نے اپنے ظالمانہ اور حفاظتی اقدامات کو اور بھی سخت کر دیا۔^(۴)

۱۔ محمد اصغر خان۔ ”دی فرسٹ راؤل“ لندن ۱۹۷۵ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ ”لیون کینیڈی“۔ ”تیسری دنیا میں فوج“ لندن ۱۹۷۴ء۔

۴۔ جنرل رینالڈ محمد موسیٰ۔ ”۱۹۶۵ء کی پاک و ہند جنگ اور ہمارا موقف“ لاہور۔ ص ۲۔

قادیانی سازش

جنگ سے ایک ماہ قبل جب پاکستانی گوریلے مقبوضہ کشمیر میں داد شجاعت دے رہے تھے۔ احمدیوں نے لندن میں تین سے سات اگست کو پہلا یورپی کنونشن منعقد کیا۔ یورپی ممالک کے تمام قادیانی مشعوں کے مندوبین نے اس میں حصہ لیا۔ اس وقت ظفر اللہ جو بین الاقوامی عدالت انصاف کا جج تھا اس نے اس کا افتتاح کیا۔ احمدیوں نے دعویٰ کیا کہ ان کی جماعت نے پچھتر مختلف ممالک میں اپنے مشن قائم کیے ہوئے ہیں جن میں صرف برطانیہ میں اٹھارہ ہیں۔ مندوبین نے اس بات پر بھی زور دیا کہ اگر جماعت احمدیہ برسرِ اقتدار آگئی تو وہ امراء پر ٹیکس لگائے گی۔ دولت کی تقسیم کرے گی۔ سود کا خاتمہ اور شراب پر پابندی عائد کرے گی۔^(۱)

آغا شورش کشمیری مرحوم کا کہنا ہے کہ اس وقت کے مغربی پاکستان کے گورنر نواب آف کالا باغ نے انہیں بتایا کہ قادیانی ہر قیمت پر واپس قادیان جانے کے لیے بے تاب ہیں وہ قادیان کا حصول چاہتے تھے چاہے پر امن ذرائع سے ہو یا جنگ کے ذریعے سے ممکن ہو۔ ایک دن جنرل اختر ملک قادیانی نے ننھیال گلی مری میں نواب کالا باغ سے ملاقات کی۔ جس میں نواب کو ترغیب دی کہ وہ ایوب خاں پر دباؤ ڈالیں کہ کشمیر پر ایک بھرپور حملہ کی اشد ضرورت ہے۔ اختر ملک نے نواب کو یقین دلایا کہ پاکستان کشمیر حاصل کر لے گا۔ نواب اس یا وہ گوئی کو سن کر ششدر رہ گیا۔ تاہم اس نے اس مسئلہ پر ایوب کے ساتھ گفتگو کرنے سے اس بنیاد پر معذرت کر لی کہ نہ تو وہ کوئی فوجی امور کا ماہر تھا نہ ہی وہ جنگی چالوں کے بارے میں کچھ جانتا تھا۔ چنانچہ نواب نے اسے تجویز دی کہ وہ براہ راست ایوب خاں سے اس مسئلہ پر بات کر لے۔ اس پر اختر ملک نے اسے بتایا کہ ایوب اس سے متفق نہیں ہوا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ ہندوستانی افواج اس صورت میں پاکستان کی بین الاقوامی سرحدات کی خلاف ورزی کریں گی۔ نواب نے اختر ملک کو بتایا کہ ایوب پہلے ہی اس سے ناراض

ہے کیونکہ چند امریکیوں نے اسے یہ غلط تاثر دیا ہے کہ نواب کالا باغ اقتدار پر قبضے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ وہ یہ شک کرے گا کہ اعوان اس کے اقتدار کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں (ملک امیر محمد خاں نواب آف کالا باغ اور جنرل اختر ملک دونوں ذات کے اعوان تھے) ^(۱)

انہی دنوں نواب کو پاکستان سی آئی ڈی نے ایک پمفلٹ مہیا کیا جو قادیانی جماعت نے کشمیر میں وسیع پیمانے پر تقسیم کیا تھا۔ جس میں لکھا تھا۔

”انشاء اللہ جموں اور کشمیر کی ریاست آزاد ہوگی اس کی فتح اور شان و شوکت احمدیت کے

ہاتھوں ہوگی۔“ (مصلح موعود کی پیش گوئی) ^(۲)

نواب نے یہ محسوس کر لیا کہ جنرل اختر ملک اس پیش گوئی کو ثابت کرنے کے چکروں میں ہے۔ شورش نے اس واقعہ کا روزنامہ نوائے وقت کے مدیر مجید نظامی مرحوم سے تذکرہ کیا تو انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی۔ انہوں نے اس کا تذکرہ ڈاکٹر جاوید اقبال (علامہ اقبال کے فرزند گرامی) سے بھی کیا۔ وہ بھی قادیانی منصوبے پر حیران ہوئے اور یہ راز افشاء کیا کہ جولائی ۱۹۶۵ء میں ظفر اللہ انہیں امریکہ میں ملا تھا اور استدعا کی تھی کہ ایوب خاں کو یہ پیغام پہنچا دیا جائے کہ کشمیر پر چڑھائی کا سنہری موقع ہے۔ پاکستانی فوج لازمی طور پر کامیاب ہو جائے گی اور پاکستانی سرحدوں کی کوئی خلاف ورزی نہ ہوگی۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے ظفر اللہ کا پیغام ایوب خان تک پہنچا دیا۔ ایوب خان نے ڈاکٹر جاوید اقبال سے درخواست کی کہ اس بات کا علم کسی دوسرے کو نہ ہونے پائے۔ ^(۳)

یہ بات واضح ہے کہ قادیانی۔ سامراجی اور صیہونی تنظیموں کی ساز باز سے پاکستان کی فوجی شکست کی صورت میں یہ سازش کر چکے تھے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کیئے جائیں اور بلقان کی طرح مغربی پاکستان کو بھی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے لیکن پاکستانی افواج نے جو اندر دی و شجاعت سے ہندوستانی منصوبوں کو ملیا میٹ کر دیا۔ اگست کے آخر میں ہندوستان نے جنگ بندی لائن کے ساتھ

۱۔ شورش کشمیری۔ ”تحریک فتنہ نبوت“۔ ۱۹۷۶ء ص ۲۰۷۔

۲۔ بے ڈی مش کا تدوین کردہ ایک رسالہ ”مسئلہ کشمیر چین اور بھارت کی پیشکش“ ربوہ ۱۹۶۲ء بھی آزاد کشمیر میں تقسیم کیا گیا۔

۳۔ شورش کشمیری۔ ”فتنہ نبوت“ ص ۲۰۹۔

متعدد جھڑپوں کے بعد اپنی باقاعدہ فوج کے ساتھ ایک بڑے حملے کے بعد آزاد کشمیر میں پاکستان کی تقریباً نو انتہائی اہمیت کی حامل چوکیوں پر قبضے کا دعویٰ کیا۔ ان میں عسکری اہمیت کا حامل درہ حاجی پیر بھی شامل تھا۔ ہندوستانی دستوں کی مزید جارحیت کو روکنے کیلئے آزاد کشمیر کے دستوں نے پاکستانی فوج کی مدد سے جموں۔ بھمبر سیکٹر کے علاقے مھمب پر قبضہ کر لیا۔ پانچ ستمبر کو پاکستانی افواج نے اکھنور کے نزدیک جوڑیاں پر قبضہ کر لیا۔ یہ وہ سڑک تھی جو جموں کو سری نگر اور پونچھ سے ملاتی تھی اور وادی کے ساتھ ہندوستان کا زمینی رابطہ سخت خطرات کی زد میں آ گیا۔ یہ جنگ سترہ دن تک جاری رہی۔

جنگ ستمبر کے دوران قادیانیوں نے کشمیر کے مستقبل سے متعلق لاتعداد ایسے کتابچے شائع کیئے جو مرزا غلام احمد اور مرزا محمود کی پیش گوئیوں پر مشتمل تھے۔ یہ بات بڑے پر امید انداز سے کہی گئی کہ خدا نے مستقبل کے واقعات پہلے ہی اپنے مسیح موعود مرزا غلام احمد اور اس کے پیارے بیٹے اور جماعت کے خلیفہ مرزا ابیشر الدین محمود کو بتا دیئے اور موجودہ واقعات کو ان پیغمبرانہ اقوال کے پس منظر میں دیکھا جاسکتا تھا۔^(۱)

احمدیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان پیش گوئیوں کی بنیاد پر کہ نو سال قبل ۱۹۵۶ء میں چینی ہندوستانی سرحدی جھڑپیں اور ہندوستان میں پاکستانی افواج کے داخلے (آٹھ سال قبل) کو خدا نے مرزا محمود پر آشکارا کر دیا تھا۔ یہ خدائی نشانات اب پورے ہو چکے ہیں۔^(۲)

جنگ ستمبر کے وقت مرزا محمود بستر مرگ پر تھے وہ کئی بیماریوں کا شکار ہو کر تقریباً دماغی توازن کھو بیٹھے تھے۔ پس پردہ سازشی عناصر میں ان کا مستقبل کا جانشین مرزا ناصر احمد۔ ظفر اللہ۔ ایم ایم احمد اور فوجی افسران کا ایک چھوٹا سا گروہ شامل تھا۔

قادیانی کتابچے ”موجودہ حالات اور بعض خدائی نوشتے“ جسے آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر میں وسیع پیمانے پر تقسیم کیا گیا میں مرزا غلام احمد کی پیش گوئی شامل تھی کہ قادیانی کشمیر کے راستے قادیان میں فاتحانہ طور پر داخل ہوں گے۔ احمدی زعماء کی سیاسی خواہشات جو خوابوں

۱۔ ”موجودہ حالات اور بعض خدائی نوشتے“ شبہا ملاح و ارشاد جماعت احمدیہ۔ کاروان پریس راولپنڈی۔ اکتوبر ۱۹۶۵ء۔

۲۔ ایضاً۔

اور تخیلات کے پیرائے میں تمثیلی انداز میں بیان کی گئیں، ذیل کی سطور میں درج ہیں۔
”فتح نمایاں“

1- اٹھائیس اپریل 1965ء روپاء میں دیکھا کہ ایک سفید کپڑا ہے۔ اس پر کسی نے ایک انکستری رکھ دی ہے۔ اس کے بعد الہامات ذیل ہوئے۔ فتح نمایاں، ہماری فتح،
صنعت الروپاء انی مع الافواج اتیک بغفۃ^(۱)

2- شاستری کی پیش گوئی غلط نکلی:

اتیس اپریل ۱۹۰۵ء رات دو بجے میں سات منٹ باقی تھے کہ میں نے دیکھا کہ یکا یک زمین ہلنی شروع ہوئی اور پھر ایک زور کا دھکا لگا۔ میں نے روپاء ہی میں گھر والوں کو کہا کہ اٹھو زلزلہ آیا ہے اور یہ بھی کہا کہ مبارک کو لے لو۔ اسی حالت روپاء میں یہ بھی خیال آیا کہ شاستری کی پیش گوئی غلط نکلی۔“^(۲)

قادیان کی واپسی کا نظارہ

نومبر ۱۸۹۸ء کو میں (مرزا غلام احمد) نے خواب میں دیکھا کہ قادیان کی طرف آتا ہوں اور نہایت اندھیرا ہے اور مشکل راہ ہے اور میں رجما بالغیب قدم مارتا جاتا ہوں اور ایک غیبی ہاتھ مجھ کو مدد دیتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں قادیان میں پہنچ گیا اور جو مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے وہ مجھ کو نظر آئی۔ پھر میں سیدھی گلی میں جو کشمیریوں کی طرف سے آتی ہے چلا۔ اس وقت میں نے اپنے تئیں ایک سخت گھبراہٹ میں پایا کہ گریا اس گھبراہٹ سے بے ہوش ہوتا جاتا ہوں اور اس وقت بار بار ان الفاظ سے دعا کرتا ہوں کہ رب تجل رب تجل (اے میرے رب تجلی فرما، اے میرے رب تجلی فرما) اور ایک دیوانہ کے ہاتھ میں میرا ہاتھ ہے وہ بھی رب تجل کہتا ہے اور بڑے زور سے میں دعا کرتا ہوں پھر میں نے دو کتے خواب میں دیکھے۔ ایک سخت سیاہ اور ایک سفید اور ایک شخص ہے کہ وہ کتوں کے بچے کاٹتا ہے، پھر الہام ہوا کہ تم

۱۔ تذکرہ ص 359۔

۲۔ تذکرہ ص 359۔

خیرامہ آخرت للناس (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے نکالی گئی ہے)
(۱)

قادیان واپس ملنے کا خدائی وعدہ

۱۔ اتیس جولائی ۱۸۹۷ء ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد۔

انی معالاً فواج اتیک بغتۃ یا تیک نصر لی۔ انی انا و اتعلی

مخالفوں میں پھوٹ۔ ”یعنی وہ خدا جس نے خدمت قرآن تجھے سپرد کی ہے پھر تجھے قادیان میں واپس لائے گا۔ میں اپنے فرشتوں کے ساتھ ناگہانی طور پر تیری مدد کروں گا۔ میری مدد تجھے پہنچے گی۔ میں ذوالجلال بلند شان والا رحمان ہوں۔ میں مخالفوں میں پھوٹ ڈالوں گا۔“ (۲)

۲۔ ”مثنیٰ وثلاث ورباع (دود اور تین تین اور چار چار)

تو امن اور برکت کے ساتھ اپنے گاؤں میں جائے گا اور میں تجھے پھر بھی یہاں لاؤں گا۔“ (۳)

۳۔ چھبیس جولائی ۱۹۰۳ء: روایا دیکھا کہ ہم قادیان گئے ہیں۔ اپنے دروازے کے سامنے کھڑے ہیں۔ ایک عورت نے کہا السلام علیکم۔ اور پوچھا کہ ”راضی خوشی آئے۔ خیر و عافیت سے آئے۔“ (۴)

vi) مرزا محمود کے ہی ایک دوسرے خواب کی بناء پر (جو روزنامہ الفضل میں تیس مئی ۱۹۵۷ء کو ظاہر ہوا) ہندوستان میں پاک افواج کے داخلے کو ایک خدائی نشان اور احمدیہ جماعت کے لیے خوشیوں کا پیش خیمہ ظاہر کیا گیا۔ (۵)

پاکستان کو بلقان کی طرح تقسیم کرنے میں ناکامی کے بعد قادیانیوں کا قادیان واپسی کا منصوبہ بری طرح ناکام ہو گیا۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ پاک افواج نے مادرِ وطن کا دفاع

۱۔ تذکرہ۔ ص 833-834۔

۲۔ تذکرہ ص 315۔

۳۔ تذکرہ ص 801۔

۴۔ تذکرہ ص 519۔

۵۔ ایضاً ص 10۔

بڑی بے جگری سے کیا تھا۔ ایوب خان کو بہر حال یہ احساس ہو گیا کہ قادیانی بیر دنی آلہ کار ہیں جو پاکستان کے کبھی بھی وفادار نہیں ہو سکتے۔ اس پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ یورپی طاقتوں کے مہرے ہیں۔ جو کبھی بھی اس کے مخالف ہو سکتے ہیں۔ مگر ان کے خلاف فوری قدم اٹھانا اس کے لیے مشکل تھا۔ دو فروری ۱۹۶۶ء کو قادیانی صحافیوں کی سات رکنی ٹیم نے جھمب جوڑیاں کا دورہ کیا اور سیالکوٹ کے جنگی بارڈر کے علاقوں میں پھرے۔ الفرقان ربوہ کے مدیر اللہ دتہ جالندھری جو اس ٹیم کے ارکان میں سے ایک تھے انے لکھا کہ پاک و ہند کی سترہ روزہ جنگ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ کشمیریوں کے برے ایام گنے جا چکے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ معاہدہ تاشقند سے حالات میں تبدیلی آئے گی۔ تاہم یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا کی مدد بڑی جلدی اور زیادہ موثر طریقے سے آجائے۔^(۱)

اذیت ناک انجام:

آٹھ نومبر ۱۹۶۵ء کو مرزا محمود طویل علالت کے بعد وفات پا گئے۔ مرزا ناصر احمد یہ جماعت کے نئے سربراہ (خلیفہ) بنے۔ ان کی وفات کی اذیت ناک کیفیات کا نقشہ ممتاز احمد فاروقی نے یوں کھینچا ہے۔

”ابھی مرزا محمود کے (مامور من اللہ اور مصلح موعود) کے دعوے کو یعنی موکلہ عذاب حلف پر گیارہ برس (۱۹۴۴ء سے ۱۹۶۵ء) بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان و ربوہ کو عذاب الہی نے آن پکڑا۔ اس کا آغاز فالج کے حملے سے ہوا۔ جیسا کہ متعدد ڈاکٹروں کی رائے تھی اور اس امر کی طرف اشارہ میاں محمود احمد صاحب نے خود اپنی بعض تحریروں میں کیا جو انہوں نے ۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۶ء میں کیے اور فالج کے مرض کو حضرت مسیح موعود (مرضا صاحب) نے دکھ کی مار (کتاب انجام اہم۔ ص 61) کہا ہے اور اپنے دشمنوں کے لیے مجنون اور مفلوج ہونے کی بد دعا بھی کی ہے۔ اب میاں محمود احمد صاحب کئی سال سے ہوش و حواس کھو بیٹھے ہیں۔ مایہ بے آب کی طرح ترپتے ہیں اور تکلیف اور کرب سے

چلاتے ہیں۔ تختے کی مانند کبھی کبھی سٹیج پر لائے جاتے ہیں۔ یعنی خاص خاص جلسوں کے موقع پر کبھی الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں اور اکثر رونے لگ جاتے ہیں۔ خود میاں محمود احمد صاحب کے بیٹے ڈاکٹر منور احمد نے اپنے باپ کی صحت کے متعلق جو رپورٹ اخبار الفضل مورخہ انیس اگست ۱۹۶۱ء کے دوسرے صفحہ پر دی ہے۔ اس سے ان تمام علامات کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

اعصابی بے چینی بصورت نسیاں اور جذبات کی شدت یعنی رقت جو مقدس ہستیوں یا مقدس مقامات کے ذکر پر عموماً بیدار ہو جاتی ہے کم و بیش جاری ہے۔ چند دن ان علامتوں میں قدرے فرق محسوس ہوتا ہے تو پھر چند دن زیادتی محسوس ہوتی ہے اور اس طرح یہ سلسلہ چلا جاتا ہے۔ لیٹے رہنے کے باعث ٹانگوں میں کھنچاؤ اور اکڑاؤ بھی بدستور ہے۔ کوئی ممکن کوشش حضور کو چلانے کی کامیاب نہیں ہو رہی۔

چونکہ قادیانی یا ربوی جماعت کا عقیدہ ہے کہ خلیفہ معزول نہیں ہو سکتا اس لیے وہ اب ایک مریض اور ازکار رفتہ انسان کو خلیفہ بنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ خدا نے اپنے ہاتھوں سے اسے معزول کر دیا ہے۔ کچھ سال ہوئے کسی شخص نے میاں محمود احمد صاحب پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور گردن میں گہرا زخم آیا تھا۔ یہ بھی خدائی عذاب کا ایک نشان تھا۔ ویسے بھی جماعت ربوہ ایک کونسل کے سپرد ہے جس کے پریذیڈنٹ مرزا ناصر احمد (خلف میاں محمود احمد) ہیں اس لیے مقام عبرت ہے کیونکہ خدا کے فرستادہ لیڈر کبھی مجنوں اور مفلوج ہو کر نکلے نہیں ہو جاتے۔“ (۱)

لندن کا نبی

مرزا غلام احمد اور مرزا محمود احمد کی زندگیوں کے دوران مسیح موعود۔ نبوت اور رسالت کے کئی قادیانی دعویدار پیدا ہو گئے تھے۔ ایسے مدعیان کی تعداد تقریباً تیس سے زائد بنتی ہے۔ انہی میں سے ایک خواجہ محمد اسماعیل بھی تھا۔ ۱۹۱۶ء میں وہ قادیان میں پڑھتا رہا اور اسلامیہ کالج لاہور سے گریجوایشن کرنے کے بعد ایک نجی فرم میں ملازم ہو گیا۔ ۱۹۳۳ء میں وہ جتئی

طور پر قادیان میں مقیم ہو گیا اور مرزا محمود کا ایک مخلص مرید اور محافظ بن گیا۔ اس نے چند کتابچے ”آسمانی بادشاہت“، ”اتحاد العالمین“ وغیرہ بھی لکھے اور آخر کار ”مہدی اور پیغمبر دوران“ ہونے کا دعویٰ در بن بیٹھا۔ ان دعوؤں کی بناء پر اسے قادیان سے نکال دیا گیا جہاں سے وہ آٹھ بوڈوڈ لندن، ایس ڈبلیو 2 میں قیام پذیر ہو گیا۔ اس نے کئی دفعہ مرزا محمود احمد اور مرزا بشیر احمد کو مباہلے کے لیے لکھا۔ قادیانی پاپائیت کی مذمت کی اور ربوہ کے خلاف نظریاتی جنگ شروع کر دی۔ اس نے خدا سے وحی والہام پانے کا دعویٰ کیا اور متعدد الہامات اور پیش گوئیاں کیں۔ جن میں مرزا محمود کی ذلت آمیز موت کے علاوہ ان پر ”بدکردار“، ”فرعون“ اور ”کاذب“ ہونے کے الزامات عائد کیے۔ جب مرزا محمود ۱۹۶۵ء میں وفات پا گئے تو اس نے قادیانی انداز میں بڑی خوشیاں منائیں اور مرزا قادیانی کے طے کردہ طریق پر اپنے دعوؤں کی سچائی کو ثابت کرنے کیلئے کتابچے شائع کرائے۔ ربوہ کو چپ کرانے کیلئے اس نے مرزا غلام احمد کے اسلحہ خانے کے تمام ہتھیار استعمال کر ڈالے۔ اس سے قادیانی اکابر کو بڑی غمت اٹھانا پڑی مگر وہ اس نام نہاد الہی ذلت کو قبول کرنے پر مجبور تھے۔^(۱)

محمودی راج کے پچاس سال:

احمدیہ جماعت پر مرزا محمود کو پچاس سال تک مکمل کنٹرول حاصل رہا۔ وہ ایک مسلمہ سامراجی آلہ کار۔ یہودی چاکر اور تاج برطانیہ کے نہایت وفادار خادم تھے۔ تاہم انہوں نے احمدیوں کو ایک مضبوط جماعت کے طور پر منظم کیا اور غیر ملکی قوتوں کے ساتھ تعاون کی حکمت عملی کی وجہ سے انہوں نے دولت کے انبار حاصل کر لیے۔ انہوں نے اپنے کنبے کو پروان چڑھایا۔ زرعی جاگیریں حاصل کیں اور ان میں سرمایہ کاری کی تجارتی اور صنعتی کمپنیوں کے وسیع پیمانے پر حصص خریدے۔ انہوں نے اپنے ذاتی کاروبار کو وسعت دی۔ ان کے ذاتی صنعتی یونٹوں احمدیہ سنور۔ گلوب ٹریڈنگ کمپنی۔ گیٹ فیکٹری۔ شار ہوزری۔ دارالصنعت۔

۱۔ دیکھیں خواجہ محمد اسماعیل (i) ”الذہاب اور ملت“ (ii) ”الفرقان“ (iii) ”حقیقت آزادی“ (iv) ”الحق“ (v) ”جماعت ربوہ کی تبلیغ کا راز“ (vi) ”الاسرار“ (vii) ”مکاشفہ منہی بہاء الدین“ (viii) ”دیانی اسے ایک وحی میں قرار دیتے ہیں“ (ix) ”فرقان ربوہ ۱۹۷۲ء“ حاصل وحی کی پتھار سے پتھارہ حاصل کرنے کا ۶۰ دینوں کے پاس سادہ ترین روایت بھی تھا۔

بہالیہ گلاس فیکٹری۔ ویدک یونانی دوواخانہ۔ سندھ ویبکی ٹیلی آئل اور الائیڈ کمپنی شامل ہیں۔ انہوں نے بے تحاشہ دولت اکٹھی کر لی۔ آپ نے برطانوی نوآبادیات میں قائم تبلیغی و جاسوسی جال کے ذریعے اپنے غیر ملکی آقاؤں کی ہر پکار پر لبیک کہا۔ وہ ایک اوسط درجے کے عیار سیاستدان۔ ایک بددیانت سودے باز اور اپنے وقتوں کے عظیم موقع پرست انسان تھے۔ وہ اپنے مخالفین کو دبانا اور اپنے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کو کچلنے کا فن بخوبی جانتے تھے۔ ہربائی نس۔ مبینہ طور پر ”راسپورٹین“ تھے اور قادیان کے ”منیا محل“ کے ”پیا جان“ تھے۔^(۱)

انہیں اپنی سادہ لوح جماعت پر اتنا اختیار حاصل تھا کہ ان کی تمام تر کوتاہیوں پر وہ بیک آواز الاپتے کہ ”خليفة معصوم عن الخطاء ہے“۔ وہ ایک خطاء سے مبراء اور خدا کے برگزیدہ خلیفہ سمجھے جاتے تھے۔ اسلام کے سیاسی ڈھانچے میں ناقابل مرمت دراڑ ڈالنے اور مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت پر لوگوں کو پکا کرنے کا ”سہرا“ ان کے سر ہے۔

اجرائے ”نبوت“ اور دیگر احمدیہ عقائد کی تائید میں دلائل اخذ کرنے کی غرض سے بہت سے قادیانیوں نے بہائیت سے استفادہ کیا اور پھر اسے قبول کر لیا کیونکہ قادیان بہائی مآخذوں پر بہت زیادہ تکیہ کرتا تھا۔ مولوی عبداللہ وکیل، ماسٹر فقیر اللہ، محفوظ الحق علمی اور چند دیگر قادیانی بہائی مبلغ بن گئے۔ مرزا محمود نے ان کے اعتقادات اور احمدیوں میں ان کے پرچار پر سخت تنقید کی۔^(۲)

مرزا محمود گندآلود چالوں کے ماہر تھے۔ انہوں نے اسرائیل میں احمدیہ مشن کے قیام میں اپنی جماعت کا روشن تر مستقبل محسوس کر لیا۔ ان کا نصف صدی کا دور خلافت نوآبادیاتی آقاؤں اور ان کے صیہونی شراکت کاروں کی خدمت کرتے گزرا۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ

۱۔ مرزا محمد حسین نے یہ الزام عائد کیا ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کی قریب خود کی کا شکار قنوطی اور مائل بہ جرمی حراج کے حامل تھے۔ ”(مرزا محمد حسین) فقہہ الکلام نبوت“ کا اور۔

۲۔ ۱۹۲۴ء میں قادیان میں بہائی عقائد بڑے مقبول تھے۔ محفوظ الحق جو کہ ایک بہائی تھا۔ قادیانی بن کر افضل قادیان کا مدبر بن گیا۔ وہ ”بہائی۔ قادیانیت“ کا سب سے بڑا چارک تھا۔ اس تحریک نے قادیان میں خیر طور پر جڑیں مضبوط کر لیں اور قادیانی خلافت کے لیے ایک فطرہ بن گئی۔ مرزا محمود نے اپنے بھائی بشیر احمد کی سربراہی میں ایک جمعیت کی کہیں قائم کیا اور بعض قادیانوں کو قادیانیت کے بارے میں بہائیت کا پکارنے پر اپنی جماعت سے نکال دیا۔ افضل قادیان۔ ۲۳ اپریل ۱۹۲۴ء۔

برصغیر میں احمدیوں کا ایک مضبوط مرکز اور ایک احمدیہ ریاست قائم کر جائیں جن کے لیے انہوں نے عمر بھر برطانوی سامراجی مقاصد کی تکمیل کی جدوجہد کی۔ وہ ان کے نوآبادیاتی مفادات کے تحفظ کی خاطر بہت زیادہ بھگے۔ مگر اپنے مکروہ عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہندوستان اور دیگر مسلمان ممالک میں نوآبادیاتی نظام کے خلاف چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے ساتھ انہیں کوئی حقیقی ہمدردی یا تعلق نہیں تھا۔ قادیانیوں نے اپنے آپ کو برطانیہ کے خادموں اور چابلوں کا ایک ایسا جتھہ ثابت کیا جو سامراجی بالادستی کے لیے کام کر رہا تھا۔ جب کبھی ہندوستان میں کوئی سیاسی بحران نمودار ہوا یا انگریز کے خلاف تحریک ابھری، قادیانیوں نے انگریز کی مدح و ستائش میں وسیع پیمانے پر خوشامد لٹریچر کی بھرمار کر دی غیر ملکی راج کے جواز اور قیام میں دلائل کے انبار لگا دیئے۔ ہرنئے وائسرائے ہند اور پنجاب کے نئے گورنر کو خطبہ استقبالیہ دینے اور اپنے سیاسی نظریات اور برطانوی راج کیلئے اپنی انتہائی ہمدردی کے اظہار میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اکثر مواقع پر سامراج کے نفس ناطقہ سر ظفر اللہ نے نئے آقاؤں کی مدح و توصیف میں قادیانی وفد کی قیادت کی۔

۱۹۱۲ء میں قادیان میں مسند اقتدار سنبھالنے سے قبل مرزا محمود نے ۱۹۱۳ء میں سانچہ کانپور کی احتجاجی تحریک کی مخالفت کی۔ پہلی جنگ عظیم (۱۸-۱۹۱۴ء) کے دوران انہوں نے انگریزوں کی طرف ہر قسم کا دست تعاون دراز کیا۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی میں اٹھنے والی آزادی کی تمام قومی تحریک کو انہوں نے اور ان کی جماعت نے سبوتاژ کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ خصوصاً سول نافرمانی کی تحریک میں انہوں نے کمال سرگرمی دکھائی۔

۱۹۳۳ء میں احرار نے اس خیال کو غلط ثابت کرنے کی غرض سے کہ قادیانی ناقابل تسخیر ہیں ان کے قلعے قادیان پر دلیرانہ حملہ کیا۔ چاہ کن راجہ درپیش کے مصداق قادیانی اپنے دام میں خود الجھ گئے کیونکہ پنجاب کے مسلمانوں کے ولولہ انگیز جذبات نے ان کے دلوں میں احرار کی انتہائی شدید ہر دلعزیزی پیدا کر دی تھی۔ اپنے آلو کو سیدھا کرنے کیلئے انہوں نے کشمیر کی سیاست میں ٹانگ اڑائی۔ دراصل وہ ریاست کے اندر ایک مضبوط احمدی مشن قائم

کرنے کے خواہاں تھے۔ اس سلسلے میں وہ چند کشمیریوں کو مرتد بنانے میں کامیاب بھی ہوئے لیکن احراریوں نے انکے تمام منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ ۱۹۳۰ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں شدید مخالفت کا سامنا نہ کر سکتے پر انہوں نے ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں چالاکی سے اپنا رخ کانگریس کی طرف موڑ لیا۔ ۱۹۳۷ء میں جب کانگریس نے چند صوبوں میں وزارتیں قائم کر لیں تو قادیانیوں نے کانگریس کی تعریف اور مسلم لیگ پر کچڑا چھالنا شروع کر دیا۔ قادیانی پریس نے مسلم لیگ پر مکر وہ حملے کیے اور اس کی دیانت پر انگلیاں اٹھائیں۔ انہوں نے پنجاب کے یونیٹوں سے ساز باز کر کے لیگ اور اس کی قیادت کے خلاف کام کیا۔ جب پاکستان مسلمانوں کی آرزوؤں کا مرکز بن گیا اس وقت مرزا محمود نے مطالبہ پاکستان کی مخالفت کی کیونکہ ایک مسلم ریاست کا قیام ان کے لیے سُم قاتل کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ متحدہ یا اکھنڈ ہندوستان کے زبردست پرچارک تھے اور ہمیشہ رہے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ مقدر آزمانے کے لیے ایک نیا بہروپ دھار کر قادیان سے لاہور بھاگ آئے۔ انہوں نے نوازیدہ مسلم ریاست پاکستان کے خلاف سازشیں کیں اور ملکی استحکام کو داؤ پر لگا کر قادیان واپس لینے کی سازشیں کیں۔ ان کی پاپائیت کا نصف صدی کا دور متواتر باہمی افتراق اور ان کے اور ان کے اہل خانہ کے خلاف کش مکش کا دور رہا۔ مسند اقتدار سنبھالنے کے بعد (۱۹۱۴ء میں) ان کی سب سے بڑی کامیابی خوجہ کمال الدین پارٹی کو قادیان سے نکال کر اپنے باپ کی گدی پر قبضہ کرنا تھا۔ قادیان میں نہایت با اثر احمدیوں مثلاً محمد علی۔ ڈاکٹر بشارت احمد۔ مرزا یعقوب بیگ وغیرہ کو آزادانہ انداز میں چاروں شانے چت کر دیا گیا۔ انہوں نے آخر کار لاہور میں پناہ لی اور اپنی جماعتی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کیلئے علیحدہ انجمن بنالی۔ مرزا محمود نے لاہور شہر کی جماعت کے خطرے کا سامنا کیا اور ان کے منصوبوں کا توڑ پیش کیا۔ انہوں نے اپنی چھوٹی سی قادیانی ریاست کو درپیش تمام خطرات کا مقابلہ کیا۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی کے آخری سالوں میں انہیں مستریوں کے خطرے کا سامنا کرنا پڑا جنہوں نے ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے۔ اپنے گماشتوں کی مدد سے انہوں نے بڑی کامیابی سے

ان کی مبلہ مہم کا سامنا کیا۔ ۱۹۳۷ء میں ملتان اور مصری کی زبردست تحریک اور آخر میں حقیقت پسند پارٹی کے براہیختہ حملوں نے اگرچہ ان کی رسوائی میں بہت اضافہ کیا لیکن انہوں نے ان کے آگے ہتھیار نہ ڈالے۔ جماعت کی اکثریت ان کے ساتھ رہی۔ مرزا محمود نے اپنی جماعت کو متحد رکھنے کے لیے مکمل طور پر طاقت کا استعمال کیا۔ وہ اپنے خلاف معمولی سے معمولی تنقید بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کوئی بھی ان سے اختلاف صرف اپنی جماعت اور قادیان سے اخراج کی قیمت پر ہی کر سکتا تھا۔ مخالفین سے نمٹنے کے لیے ان کا اندرونی جاسوسی نظام بڑا منظم تھا۔ ان کے متبعین کا اعتماد بحال کرنے میں بھی یہ نظام بڑا فعال کردار ادا کرتا تھا۔ انہوں نے قادیانی مناظرہ بازوں کی ایک خصوصی کھیپ تیار کی جو علماء کو مناظروں کے لیے لکارتے اور احمدی عقائد کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے انہیں بے سود مذہبی مباحثوں میں الجھائے رکھتے۔ انہوں نے برطانوی حکمت عملی ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ کو مزید پروان چڑھایا اور قادیانیوں کو یہ باور کرائے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ خلافت کے نام پر قائم یہ نظام احمدیہ جماعت کی ترقی اور فروغ کے لیے ضروری تھا۔ ہر سرگرم قادیانی مرزا محمود کا تصور اجاگر کرنے میں اپنا حقیر حصہ ڈالتا۔ اندرونی بحرانوں کے دور میں انہوں نے مرزا محمود کے ہیولے کو سنوارنے کے لیے مرزا قادیانی کی پیش گوئیوں اور اوٹ پٹانگ الہامات کی بڑی دھوم دھام سے اشاعت کی۔ ان کے گماشتے مثلاً اللہ دتہ جالندھری۔ جلال دین شمس۔ حافظ روشن علی۔ قاضی محمد ندیر۔ غلام رسول راجیکی۔ فن مناظرہ بازی کے ماہر تھے جبکہ ان کے کردار کے دیگر اوصاف میں خلافت کا پروپیگنڈا۔ چالپوسی۔ خوشامد شامل تھے۔ اگرچہ مرزا محمود کے حواریوں نے انہیں پسر موعود یا مصلح موعود ثابت کرنے کے لیے شروع ہی سے زور لگایا جس کا تذکرہ مرزا غلام احمد قادیانی نے سیزا شہار میں کرویا تھا پھر بھی انہوں نے اپنی مبینہ وحی کا سہارا لے کر اس منصب کو اختیار کیا۔ یعنی جماعت کا سربراہ بننے کے بعد ان کو تیس سال (۱۹۳۴ء تک) انتظار کرنا پڑا۔ اس دعوے کے بعد ان کی تصویر کشی احمدیت کے ناخدا کے طور پر پیش کی گئی۔ اپنے متبعین کے اذہان میں انہوں نے انتہائی

غلامانہ ذہنیت بھردی۔ ۱۹۵۴ء میں جب منیر کمیٹی کے سامنے انہوں نے اصل عقائد کے برعکس انتہائی بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نرم تر موقف اپنایا اور عدالت کو دھوکہ دینے کے لیے لاہوری جماعت کے موقف سے ملتا جلتا موقف اختیار کیا تو ان کی اس منافقت پر بہت ہی کم لوگوں نے آواز اٹھائی۔

یقیناً کچھ ایسے احمدی بھی تھے جو ان کے سیاست میں ملوث ہونے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور ذاتی مقاصد کے لیے حصولِ زرد کے مشکوک ذرائع کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ان کے خلاف بغاوت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ ان کے ذاتی مفاد اور ہرج-معاشی فوائد اور خاندانی وسوسہ کی روایت انہیں ”معصوم عن الخطاء مصلح موعود“ کے خلاف ایک نقطہ بھی بولنے سے روک دیتے تھے۔

مرزا قادیانی نے اپنے خاندان کی پرورش زندگی کی خاطر اپنی جھوٹی نبوت کی بنیاد پر اپنی سلطنت قائم کی۔ جس کا سب سے زیادہ فائدہ مرزا محمود نے اٹھایا۔ وہ تعدادِ ازدواج کے پر جوش قابل تھے۔ انہوں نے تمام عمر چار بیویاں رکھیں۔ اپنے نصف صدی کے آمرانہ دور کے اختتام پر انہوں نے کئی ایسے معتقدین چھوڑے جو ان کی اندھی محبت میں ان کی مدح کے گیت گاتے رہے۔

بیسواں باب

مرزا ناصر احمد کا دور اقتدار

آٹھ نومبر ۱۹۶۵ء کو قادیانی جماعت کے تیسرے جانشین مرزا ناصر احمد نے مسند اقتدار پر قدم رکھا۔ مرزا محمود نے پہلے سے ہی ان کا بطور جانشین انتخاب کر لیا تھا۔ لاہوری جماعت کے ارکان خصوصاً عبدالرحمان مصری نے ۱۹۳۵ء سے ہی نیا الزام عائد کر رکھا تھا کہ قادیان کی گدی پر مرزا ناصر احمد کی تخت نشینی کے امکانات ہیں۔ مرزا محمود احمد ان کو گدی پر بٹھانے کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ مرزا ناصر احمد سولہ نومبر ۱۹۰۹ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۳ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے کیا اور اعلیٰ تعلیم کیلئے آکسفورڈ چلے گئے۔ ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۲ء تک وہ جامعہ احمدیہ قادیان کے پرنسپل رہے اور بعد میں تعلیم الاسلام کالج قادیان کے بانی پرنسپل مقرر ہوئے۔ انہوں نے حد بندی کمیشن ۱۹۴۳ء میں احمدیہ یادداشت کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا۔ جنگ کشمیر ۱۹۴۸ء کے دوران سعد آباد وادی میں لڑنے والی فرقان بٹالین کی تنظیمی مجلس کے بھی رکن تھے۔ ربوہ کے بعض علاقوں میں ان کی داستان حیات کی بعض لچھے دار باتیں سالانہ اجتماعات پر زبان زد عام ہوتیں کچھ داستانیں ناقابل یقین سمجھی جاتیں۔ کچھ باغی عناصر کا کارنامہ تحریر دی جاتیں لیکن ان تمام کے ساتھ کثیر تعداد میں شہادتیں موجود تھیں۔ جس دن مرزا ناصر احمد مسند اقتدار پر براجمان ہوئے تمام داستان گوزیر زمین چلے گئے۔ اپنے والد کی طرح انہوں نے اپنے مخرف پیروکاروں پر دہشت کی ایک فضا طاری کر دی۔ ان کے نجی خدام کی افواج اہل ربوہ کی سرگرمیوں کی مستقل جاسوسی کرتیں اور ان کی ”سلطنت“ کے ارد گرد جاری سرگرمیوں کی انہیں اطلاعات بہم

پہنچائیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو سیاست میں بھی ملوث رکھا اور مدد اور رہنمائی کے لیے اپنے غیر ملکی آقاؤں کے دست نگر رہے۔

مرزا ناصر احمد کو وراثت میں ایک مالی سلطنت اور پیر و کاروں کی پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ایک منظم تنظیم ملی۔ احمدی اپنے سرخیل کی آواز پر لیبیک کہتے اور اپنے عقیدہ کی ترویج کیلئے قادیان کے خزانہ میں بڑے بڑے عطیات پیش کرنے کو تیار رہتے۔ جماعت کی ترقی اور دنیا میں ان کے تنظیمی طریقہ کار پر ایک نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خلافت کا نظام جسے مرزا محمود نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ترتیب دیا تھا کس طرح تشدد آمیز طریقے سے جاری تھا۔

تنظیمی طریق اور فروغ

احمد یہ جماعت کا تنظیمی ڈھانچہ جسے مرزا محمود نے ترتیب دیا تھا ان اصول و ضوابط سے یکسر مختلف تھا جو مرزا غلام احمد کی کتاب ”الوصیۃ“ میں بیان کیا گیا تھا۔ چونکہ مرزا محمود اس بات کے دعویدار تھے کہ وہ خدا کی طرف سے مامور اور مصلح موعود ہیں جو اپنے والد کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں لہذا وہ ہر ایسا قدم اٹھا سکتے تھے جسے وہ جماعت کی ”ترقی“ اور ”استحکام“ کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ اس کا دار و مدار بیرونی آقاؤں کی پشت پناہی کے مطابق مطلق العنان قیادت اور جماعت کے مخصوص اقلیتی کردار پر منحصر تھا۔ احمدیہ جماعت کے اس تنظیمی ڈھانچے کے خدو خال دیکھے جاتے ہیں جسے خود مرزا محمود نے مرتب کیا تھا۔

تنظیم:

اس گروہ کی مرکزی تنظیم کی نمائندگی صدر انجمن احمدیہ کرتی ہے۔ یہ ناظر اعلیٰ (چیف سیکرٹری) جو کہ صدارت کے فرائض انجام دیتا ہے اور کئی دیگر ناظروں جو کہ مختلف محکموں کے سربراہ ہوتے ہیں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان بڑے ناظروں میں ناظر بیت المال۔

ناظر امور عامہ۔ ناظر امور خارجہ (جس کا کام حکومت اور دیگر مذاہب سے معاملات طے کرنا ہوتا ہے) ناظر تعلیم و تربیت۔ ناظر اصلاح و ارشاد۔ ناظر تالیف و اشاعت اور ناظر ضیافت شامل ہیں۔ ان نظارتوں کے علاوہ ایک مجلس مشاورت بھی ہوتی ہے اس ادارے کو مرزا محمود نے اپنے سادہ لوح پیروکاروں کو جماعتی امور میں شراکت کے غلط تاثر کیلئے قائم کیا تھا۔

مجلس مشاورت:

مرزا محمود نے ۱۹۲۲ء میں خلیفہ کی مشاورت کے لیے ایک مجلس قائم کی۔ یہ جماعت منتخب اور نامزد مندوبین پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس کے اراکین کی حتمی تعداد مقرر نہیں ہے مگر یہ پانچ سو اور چھ سو کے درمیان ہے۔ تقریباً پچھتر فیصد لوگ منتخب ہو کر آتے ہیں۔ بقیہ اراکین کو خلیفہ نامزد کرتا ہے تاکہ وہ اس جماعت کے ایسے حلقوں کی نمائندگی کر سکیں جن کی پہلے سے کوئی موثر نمائندگی نہیں ہوتی یا جن کو انفرادی طور پر دعوت دی جاتی ہے یا جن کی مشاورت خلیفہ کو درکار ہوتی ہے۔ عموماً اس کا سال میں ایک اجلاس ہوتا ہے یا جب کوئی خصوصی معاملات زیر بحث لانے ہوں۔ یہ خلیفہ کو مشورے دیتی ہے۔ سالانہ میزائے پر بحث کرتی ہے اور معاملات کے تجربے کے لیے قائم کردہ مجلس کی اطلاعات پر غور کرتی ہے۔ مگر خلیفہ کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے اور اسے ہر حال میں قبول کرنا پڑتا ہے۔

میزانیہ:

ہر سال ایک میزانیہ تیار کیا جاتا ہے جسے صدر انجمن احمدیہ تیار کرتی ہے۔ اس میں شروع مالی سال کے اخراجات و آمدن کے تخمینے لگائے جاتے ہیں اور اسے رواں مالی سال کے اختتام سے قبل ناظر بیت المال خلیفہ کی مجلس مشاورت کو پیش کرتا ہے۔ مجلس مشاورت کی ذیلی کمیٹی اس کی چھاننی کرتی ہے۔ پھر مجلس اس کی توثیق کے لیے خلیفہ کو سفارش کرتی ہے۔ اس قسم کی جدتوں کے ساتھ جو مجلس اس میں کرنا چاہے۔ پھر خلیفہ معاشی مجلس کو ہدایت کرتا

ہے کہ اخراجات کی تجاویز کی مزید چھاننی کی جائے۔ وہ حتمی طور پر خود میز ایسے کی توثیق کرتا ہے۔ مالی سال کے دوران غیر معمولی اخراجات کی ضرورت پیش آجائے اور اضافی امداد کے لیے موقع بہ موقع خلیفہ سے اجازت حاصل کی جاتی ہے۔ مگر خلیفہ کی ہدایات کے پیش نظر ایسی تمام زائد از اخراجات رقومات کو اگلے اجلاس میں مجلس کے روبرو لازمی طور پر پیش کرنا ہوتا ہے۔

عدالتی نظام:

مرزا محمود نے ایک عدالتی نظام بھی قائم کیا تھا جس کا نام محکمہ ”قضاء“ تھا۔ یہ ۱۹۲۵ء میں رو بہ عمل آیا تھا۔ اس نظام کے تحت قاضی انفرادی طور پر دائرہ اختیار کا تعین کرتا ہے۔ قاضیوں کے بورڈ کو اپیل بھی کی جاتی ہے اور اپیل ثانی خلیفہ کو کی جاتی ہے۔ اگر خلیفہ بذات خود فریق بن جائے یا کسی مقدمے کے نتائج میں دلچسپی رکھتا ہو تو اپیل کے بورڈ کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے۔ قضاء کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایسے دیوانی تفتازعات کو طے کرتی ہے جو ملکی قانون کے دائرہ اختیار میں نہیں آتے یا جنہیں عام عدالتیں نمٹاتی ہیں۔^(۱)

اگر کسی وجہ سے یہ ضروری خیال کیا جائے کہ عام عدالت سے رجوع کیا جائے تو ایسا صرف جماعت کے متعلقہ محکمہ سے اجازت کے حصول کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اس عدالتی نظام کا ایک خصوصی وصف یہ ہے کہ چونکہ منصف خود مقدمات کے فیصلے کر رہے ہوتے ہیں لہذا ان فیصلوں کے لاگو کرنے کا انتظام محکمہ قضاء کے پاس نہیں ہوتا بلکہ یہ ناظر امور عامہ کے محکمہ کے ایک حصہ کے پاس ہوتا ہے۔ قضاء نے عدالتی فیس بھی عائد کی تھی جو بعد میں معطل کر دی گئی۔ ربوہ ہیڈ کوارٹر کے باہر جماعت کے ارکان پر قابو رکھے کیلئے مرزا محمود اپنی طرف سے امیر مقرر کرتے تھے یا ان شاخوں کے ذریعے جو صدر انجمن احمدیہ سے متعلق ہوتیں۔ جہاں کہیں بھی چند احمدی پائے جاتے انہیں ایک انجمن بنانے کا کہا جاتا تھا۔ امیر تمام مقامی

۱۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ (۱۹۳۵ء) میں سسرکھولہ کے فیصلہ میں قاضی ان میں موجود اس عدالتی نظام کی نوعیت بیان کی گئی ہے۔

ارکان کو معقول کرتا ہے اور مرکزی ہدایات کے تناظر میں اپنے گروہ کے معاملات کو چلاتا ہے۔

احمدیہ تنظیمیں:

مرزا محمود نے تمام جماعت کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ خواتین کی ایک انجمن ہے جسے ”لجنہ اماء اللہ“ کہا جاتا ہے جو ۱۹۲۲ء میں قائم ہوئی تھی اور ایک تنظیم نو جوان لڑکیوں کی ہے جسے ”نصارات احمدیہ“ کا نام دیا جاتا ہے۔ مرد ارکان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ”اطفال احمدیہ“ (جن کی عمریں نو سال اور پندرہ سال کے درمیان ہوتی ہیں)۔ ”خدا ہم الا احمدیہ“ (جن کی عمریں پندرہ سال سے چالیس سال کے درمیان ہوتی ہیں) اور ”انصار اللہ“ (جن کی عمریں چالیس سال سے زائد ہوتی ہیں)۔

چندہ جات:

مرزا محمود نے جماعت کی مالی بنیادوں کو استوار کرنے پر خصوصی توجہ دی تھی۔ ہر رکن پر یہ لازم ہے کہ وہ مرکزی انجمن کو چندے کے طور پر اپنی آمدنی کا کم از کم سوا چھ فیصد ادا کرے اور کافی تعداد میں لوگ اپنی آمدن کا کم از کم دس فیصد ادا کرتے ہیں۔ لازمی چندے کے علاوہ مختلف مدات میں مختلف چندے ہیں۔ کچھ کٹر احمدی ”بہشتی مقبرہ“ میں تدفین کے لیے صدر انجمن احمدیہ ربوہ کو اپنی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کا دسواں حصہ نذر کر دیتے ہیں۔

بیرون ممالک مراکز:

مرزا محمود کی دلچسپی کے میدانوں میں غیر ملکی مشعوں کا قیام خصوصی توجہ کا حامل تھا۔ ان کی زیر قیادت دو بڑی تنظیمیں صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کام کر رہی تھیں۔ یہ محکمہ خلیفہ کی اجازت سے مبلغین کو باہر بھجواتا ہے اور مشعوں کی ضروریات اور ان کے مسائل پر نظر رکھتا ہے۔ اپنی مقامی تنظیموں کو چلانے کیلئے یہ مراکز اپنے اہلکاران مثلاً صدر۔ نائب صدر۔ مختلف فرائض کی سر

انجام دی کیلئے معتمدین کا انتخاب کرتا ہے۔ امیر براہ راست خلیفہ مقرر کرتا ہے جو اس کا ذاتی نمائندہ اور براہ راست انہیں جواب دہ ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کے مرکزی اہلکار ایک مرکزی مجلس تشکیل دیتے ہیں جو ان مشغوں کی باقاعدہ کارکردگی کی ذمہ دار ہوتی ہے۔^(۱)

مالی بنیاد:

مارچ ۱۹۱۴ء میں حکیم نور الدین کی وفات کے بعد جب قادیان میں مرزا محمود برسر اقتدار آئے تو احمدیہ جماعت کا مکمل میزانیہ بائیس سو روپے تھا۔ یہ آہستہ آہستہ بڑھتا گیا اور چند سالوں میں ہی لاکھوں تک پہنچ گیا۔ میزانیے کی تیزی سے توسیع میں مندرجہ ذیل عوامل کارفرما تھے۔

(i) برطانوی حکومت کی امداد جو احمدیوں کی فوج میں بھرتی، سول سروس میں منفعت بخش عہدوں پر تعیناتی اور خصوصی نظر عنایت مثلاً تعمیراتی کاموں اور سپلائی کے ٹھیکے دیئے جانے پر مبنی تھی۔

(ii) قادیان کو خفیہ فنڈز سے رقومات کی منتقلی جس سے ہندوستان اور بیرون ہندوستان سیاسی تحریکوں کا مقابلہ کیا جائے۔ (iii) جائیداد اور کاروبار میں کی گئی سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والی آمدنی۔ انگریزوں نے انہیں برائے نام قیمت پر سندھ، پنجاب اور ہندوستان کے دیگر حصوں میں وسیع جاگیریں۔ عنایت کی تھیں۔ (iv) بیرونی (خفیہ) ایجنسیوں سے حاصل ہونے والی رقومات۔

۱۹۱۳-۱۴ء میں باقاعدہ چندوں اور مقررہ آمدنی سے حاصل ہونے والی رقم اکیس ہزار سات سو چوراس نوے روپے تھی جو ۲۳-۱۹۲۳ء میں بڑھ کر دوا لاکھ اڑتیس ہزار نو سو اکانوے روپے ہو گئی۔ ۳۴-۱۹۳۳ء میں یہ رقم دوا لاکھ چوہتر ہزار پانچ سو چھتر روپے رہی اور دوسری جنگ عظیم (۳۹-۱۹۴۸ء) کے دوران یہ رقم بڑھ کر تین لاکھ تیرہ ہزار تین سو سترہ روپے ہو گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد کے دور ۴۶-۱۹۴۵ء میں یہ رقم سات لاکھ چالیس ہزار چار

سورہ پے تک پہنچ گئی۔ تقسیم کے بعد ۴۸-۱۹۴۷ء میں جب مرزا محمود نے پاکستان میں اپنا مشن قائم کیا تو یہ رقم چھ لاکھ اڑتیس ہزار تین سو اٹھانوے روپے تھی۔ اگلی دہائی یعنی ۵۰-۱۹۵۹ء میں آمدنی میں تیزی سے اضافہ ہوا اور چندے کی تمام رقم بارہ لاکھ دس ہزار چھ سو بانوے روپے ریکارڈ کی گئی۔ مرزا محمود کی وفات کے وقت یہ رقومات انیس لاکھ تک پہنچ چکی تھیں جو احمدی خزانہ عامرہ میں بڑی مقدار کو ظاہر کرتی ہیں۔^(۱)

تحریک جدید پروگرام ۱۹۳۳ء میں شروع کیا گیا۔ اس سے چندوں میں یکدم اضافہ ہو گیا۔ ۳۶-۱۹۳۵ء میں اس کا کل میزانیہ ستانوے ہزار آٹھ سو اٹھاسی روپے تھا۔ ایک دہائی کے بعد یہ بڑھ کر ایک قابل ذکر اضافہ یعنی دو لاکھ اٹھ ہزار چھ سو چھتر روپے تھا۔ ۴۸-۱۹۳۸ء میں یہ تین لاکھ بارہ ہزار آٹھ سو چھتیس سے بڑھ کر ۵۸-۱۹۵۷ء میں یہ تین لاکھ چوبیس ہزار نو سو ستیس روپے ہو گیا۔ ۱۹۶۳ء میں یہ تقریباً تین لاکھ ساٹھ ہزار روپے کے قریب تھا۔^(۲)

یہاں اس بات کی وضاحت ہوتی چلے کہ یہ اعداد و شمار جماعت کی اصل مالی حیثیت کو ظاہر نہیں کرتے۔

افریقی مشن

مرزا محمود نے پہلی جنگ عظیم سے ہی افریقہ پر نظر رکھ لی تھی۔ برطانوی سامراج کی سرگرم مدد کے ساتھ قادیانیوں نے اس کے کئی حصوں میں اپنے مراکز قائم کر لیے۔ افریقہ پر سامراجی قوتوں کی نظر اس لیے بھی تھی کہ قدرت نے اس علاقے کو بیش بہا قدرتی ذخائر سے نوازا تھا۔ کرہ ارض پر اس کی جغرافیائی حیثیت جنگی اہمیت کی حامل ہے۔ اس علاقے میں اپنا دائرہ اثر بڑھانے کی خاطر عالمی قوتیں ہمیشہ آپس میں دست و گریباں رہیں تاہم برطانوی سامراج اسکے زیادہ تر حصوں پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا اور اپنے نوآبادیاتی

۱۔ مخصوص چندوں میں باقاعدہ رقومات اور غیر منقولہ جائیداد کی منظمی عملیات شامل ہوتی تھیں۔ باقاعدہ چندوں میں ذکوۃ کی رقم اور سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والی رقومات وغیرہ ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ عمومی چندہ اور سالانہ جلسے کیلئے چندے بھی شامل ہوتے تھے۔

۲۔ اہلاند خالد ریلوے "خلافت نامہ نمبر ۱" دسمبر ۱۹۶۴ء۔

مقاصد کیلئے اس کے قدرتی ذخائر سے استفادہ کرتا رہا۔

۱۹۵۰ء کی دہائی کے اوائل میں قومی آزادی کی تحریکوں کے دباؤ میں یورپی نوآبادکاروں کو افریقہ سے نکلنا پڑا مگر افریقی و ایشیائی ممالک میں سامراجی استحصالی نظام کے طور پر جدید نوآبادیاتی نظام اب بھی رائج ہے۔ یورپی طاقتوں نے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق نئی پالیسیاں وضع کیں تاکہ نوآزاد ریاستوں پر معاشی بالادستی اور سیاسی اثر و رسوخ قائم کریں۔ انہوں نے بہت سے ممالک پر عسکری و سیاسی دباؤ رکھنے کے لیے سیاسی و معاشی دست گیری کے نظام کو تقویت دی ہے۔ اسرائیل کو مشرق وسطیٰ میں عربوں کے خلاف نہ صرف ایک چوکی کے طور پر برقرار رکھا جاتا ہے بلکہ اسے افریقہ کے مظلوم عوام کے خلاف بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس معاملے میں سامراجیت کا طریق کار ذرا مختلف رہا ہے۔ جہاں مشرق وسطیٰ میں اسرائیل نگلی جارحیت اور تشدد کی حکمت عملی پر گامزن رہا ہے۔ وہاں افریقہ میں سامراجی پشت پناہی سے اسرائیل کی حکمت عملی زیادہ تر پوشیدہ۔ بالواسطہ اور عیار اندہ رہی ہے۔ اسی نے مختلف مواقع پر افریقہ کے ترقی پذیر ممالک کو تکنیکی و معاشی امداد کی پیشکش کی۔ اس حکمت عملی کے تحت خصوصاً ۱۹۶۰ء کی دہائی میں اسرائیلیوں نے کئی نوآزاد افریقی ممالک سے قریبی معاشی و ثقافتی تعلقات استوار کیئے ہیں۔ خصوصاً جہاں جہاں مغرب نواز حکومتیں برسر اقتدار تھیں۔ انہوں نے ان ممالک کو تکنیکی امداد اور معاشی مدد فراہم کی۔ تعلیمی اداروں۔ سڑکوں اور بندرگاہوں کی تعمیر میں حصہ لیا۔ بعض ممالک میں انہوں نے فوجی میدانوں میں بھی تعاون کی پیشکش کی۔ بہت سے اسرائیلی فوجی ماہرین نے افریقی سرزمین پر ”مشیر“ بن کر کام کیا اور بہت سے افریقی ممالک نے اپنے فوجی عملے کو تربیت کے لیے اسرائیل بھجوایا۔ مگر افریقہ میں اسرائیلی یورش کا سب سے اہم پہلو جنوبی افریقہ اور سابقہ رہوڈیشیا کی نسل پرست حکومت کے ساتھ قریبی شراکت کاری تھی۔ نسل پرستی کی مخالف اور نوآبادیاتی مخالف آزادی کی تحریک کو کچلنے کے لیے اسرائیلی فوجی مشاورت انہیں ہمیشہ میسر رہی۔

قادیانوں کو افریقہ میں سامراجی و صیہونی لابی کی مکمل پشت پناہی حاصل رہی۔ وہ ان

کے وفادار اور قابل اعتبار آلہ کار ہیں۔ احمد یہ تبلیغی مراکز سامراج کے قلعے اور افریقہ میں جاسوسی کے لیے علاوہ اسرائیل کے نظریاتی و سیاسی اثر و رسوخ کو مستحکم کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔ یہ افریقی ممالک کو اسرائیل کے سیاسی اتحادی بنانے اور عرب ریاستوں کے خلاف صیہونی جارحیت کے حق میں مدد حاصل کرنے کیلئے سرگرم عمل ہیں۔ اسرائیلی صیہونی افریقی ممالک میں کاروباری۔ سیاسی۔ سماجی اور مذہبی حلقوں میں اس لیے شامل ہونا چاہتے ہیں کہ ان کو اپنے زیر اثر لاسکیں۔ ان کے حملوں کا بڑا نشانہ افریقی تعلیم یافتہ لوگ۔ نوجوان طبقہ۔ کاروباری تنظیمیں۔ معاشی تنظیمیں اور ابھرتی ہوئی سیاسی قیادت ہے۔ اسرائیلی مشیروں۔ تکنیکی ماہروں۔ فوجی افسران۔ سفیروں اور موساد کے جاسوسوں کے ساتھ قادیانوں کے ذاتی روابط اور بے تکلفانہ تعلقات ہیں۔ گھانا۔ آئیوری کوسٹ۔ نائیجیریا اور سیرالیون میں اسرائیل کی خاطر قادیانیوں نے اہم کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں مرزا محمود نے اعلان کیا کہ

”خدا نے افریقہ کے ممالک کو احمدیت کیلئے مختص کر دیا ہے۔ احمدیت کا مستقبل افریقہ کے ساتھ وابستہ ہے۔“ (۱)

اس کے نتیجے میں مرزا محمود نے نائیجیریا۔ گھانا۔ سیرالیون۔ لائبیریا۔ ٹوگولینڈ۔ آئیوری کوسٹ۔ گیمبیا۔ کینیا۔ یوگنڈا اور ٹانزانیہ میں اپنی نام نہاد تبلیغی سرگرمیوں کو منظم کیا اور ان کے ذریعے سے اپنے اثر و رسوخ کو کنگو۔ روڈیشیا اور نیسالیینڈ تک پہنچا دیا۔ جنوبی افریقہ میں حکومتی پابندیوں کی وجہ سے وہ ربوہ سے مبلغ نہ بھیج سکے مگر مقامی قادیانی خلیفہ کی ہدایات کے تحت وہاں کام کرتے رہے۔

۱۹۱۴ء میں لندن میں صرف ایک قادیانی مشن قائم کیا گیا تھا مگر ۱۹۶۲ء میں تحریک جدید کے تحت اکتیس ممالک میں چھیٹھ مشن کھل گئے، جن کو ایک سو باون قادیانی چلا رہے تھے۔ ان میں سے انہتر ربوہ سے بھجوائے گئے تھے جبکہ تراسی مقامی تھے۔ (۲)

۱۔ الفضل روضہ 8 فروری 1961ء۔

۲۔ مرزا مبارک احمد اشاعت اسلام ربوہ۔ جولائی 1964ء ص 8۔

یہ مراکز برطانیہ- چین- سوئٹزر لینڈ- سکیٹلینڈ- نیویا- برٹش گنی- سنگا پور- بورنو- موریشس- اسرائیل- شام- عدن- فجی- ہالینڈ- مغربی جرمنی- لبنان- لاطینی امریکہ- ٹائیجیریا- سری لنکا- ملائیشیا- انڈونیشیا اور افریقہ میں کام کر رہے تھے۔ ۱۹۶۴ء میں قادیانی عبادت گاہوں کی کل تعداد دو سو اکانوے تھی جن میں سے زیادہ تر افریقہ میں تھیں۔ انسٹہ احمد یہ تعلیمی ادارے تھے جن کی نصف کے قریب تعداد افریقہ میں تھی۔ ٹائیجیریا اور سیرالیون میں تین طبی مراکز بھی کام کر رہے تھے۔ مرزا محمود نے بیرون ملک جماعت کے عقائد کی تشہیر کیلئے پریس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت پر زور دیا۔ جس کے نتیجے میں جماعت کے سترہ اخبار جاری ہوئے۔ ان میں حیفہ اسرائیل سے نکلنے والا عربی زبان میں ”البشری“ بھی شامل تھا۔^(۱)

عرب اسرائیل جنگ:

۱۹۶۵ء کی آخری سہ ماہی میں بعض قادیانی رضا شاہ کے ایران سے اسرائیل چلے گئے۔ انہوں نے خلیجی ریاستوں میں صیہونی مفادات کا تحفظ کیا اور اس سلسلے میں انہیں جیوش ایجنسی تہران اور ورلڈ جیوش کانگریس کے تہران میں واقع دفتر کی معاونت حاصل تھی۔ ایک یہودی مصنف جیک ایم لنڈاؤ بیان کرتا ہے کہ اکتیس دسمبر ۱۹۶۵ء کو اسرائیل میں تین لاکھ ستائیس ہزار غیر عرب یہودی تھے اور چند سو احمدی تھے جو کہ تہران سے آئے تھے۔^(۲)

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ عربوں کی شکست پر منتج ہوئی۔ پاکستان نے اسرائیلی جارحیت کی پر زور مذمت کی اور فلسطینیوں کے حق میں آواز بلند کی۔ پاکستان کے اندر اور بیرون ملک رہنے والے قادیانیوں نے اس بہانے سے کہ ”سیاست سے ان کا کوئی تعلق نہیں“ اس مسئلہ پر اسرائیل خاموشی اختیار کیے رکھی۔ انہوں نے نہ تو اسرائیل کی جارحیت کی مذمت کی نہ ہی فلسطینیوں کے حق میں کسی زبانی جمع خرچ کی تکلیف گوارا کی۔ اسرائیل میں

۱۔ خالد خلافت۔ نومبر دسمبر ۱۹۶۴ء ص ۷۹۔

۲۔ جیک ایم لنڈاؤ ”اسرائیل میں عرب ایک سیاسی مطالعہ“ لندن ۱۹۶۹ء ص ۴۔

قادیانی مشن نے صیہونیت کی ہر ممکن مدد کی کیونکہ یہ ان کے ایمان کا جزو تھا کہ وہ ہر اس حکومت کی مدد کریں جس کے زیر سایہ وہ رہ رہے ہوں خواہ وہ حکومت یہودیوں کی ہو یا سکسوں کی یا کوئی نسل پرست حکومت ہو۔ اس حکمت عملی کی مطابقت اور صیہونیت نواز نظریات کی بناء پر کبابیر (اسرائیل) میں مقیم قادیانیوں سے کہا گیا کہ وہ عربوں کے خلاف صیہونی فتح پر دے لفظوں میں اپنے اطمینان اور مسرت کا اظہار کریں۔^(۱)

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد چھ جولائی ۱۹۶۷ء کو مرزا ناصر احمد یورپ کے دورے پر روانہ ہوئے۔ جماعت کا سربراہ بننے کے بعد یہ ان کا پہلا بیرونی دورہ تھا۔ ظفر اللہ اور ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن آف پاکستان ایم ایم احمد لندن میں انہیں ملے۔ ایک ”احمدی انقلاب“ کیلئے حکمت عملی ترتیب دینے کی خاطر یہ قادیانی اکابر لندن میں اکٹھے ہوئے تھے۔ روزنامہ چٹان لاہور نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عربوں کی شکست کے فوری بعد مرزا ناصر احمد کے یورپ کے دورے کے عواقب و نتائج پر ادارہ میں بحث کرتے ہوئے لکھا کہ اس دورے کے دوران ایک نامہ نگار نے انہیں عرب اسرائیل جنگ پر رد عمل ظاہر کرنے کو کہا مگر انہوں نے پس و پیش سے کام لیا۔ چٹان نے یہ حقیقت کشائی کی کہ کچھ غیر ملکی قوتوں نے مرزا ناصر احمد کو دعوت دی تھی کہ وہ بعد از جنگ معاملات پر بحث کرے اور عرب۔ اسرائیل دشمنی کو اسلام کی بجائے عربوں کے ایک مسئلے کے طور پر اجاگر کرے۔^(۲)

زرمبادلہ میں حصص:

ایوبی دور میں قادیانیوں کو ہر قسم کی ریاستی سرپرستی حاصل رہی۔ ان کو پاکستانی خزانہ عامرہ سے زیادہ سے زیادہ زرمبادلہ حاصل کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ اگرچہ سٹیٹ بینک آف پاکستان نے بڑے سخت ایکنجی کنٹرول رولز نافذ کر رکھے تھے پھر بھی انہیں اپنے بیرون ملک مراکز کو زرمبادلہ کی بھاری مقدار روانہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس زمانے

۱۔ شورش کاشمیری مرزا نیک لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۶۔

۲۔ ایضاً ص ۱۹۔

میں پاکستان میں معاشی کساد بازاری تھی لیکن پاکستان کی مستحکم کرنسی کو دیکھا جائے (کیونکہ ان دنوں چار روپے پچھتر پیسے کا ایک ڈالر آتا تھا) تو قادیانی عقائد کی اشاعت کے لیے اس قدر سرمائے کا مختص ہونا قادیانیوں پر ایوبی حکومت کا ایک بہت بڑا احسان تھا۔ ان دنوں پاکستان کی ادائیگیوں کے توازن کی حالت بڑی خراب تھی اور اس سلسلے میں پائی پائی کی ضرورت تھی۔ پاکستان زر مبادلہ کی رقم باہر بھجوانے کی اجازت کے مسئلے پر پاکستان کی قومی اسمبلی میں شدید لے دے ہوئی۔ پاکستان کی قومی اسمبلی کے بعض ارکان نے قادیانی مسئلہ کے متعلق کئی معاملات اٹھانے چاہے مگر انہیں اس کی اجازت نہ دی گئی۔ تاہم قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو مہیا کیے گئے زر مبادلہ کا مسئلہ بڑی شدت سے زیر بحث آیا۔ قومی اسمبلی میں وزیر خزانہ کی طرف سے دیئے گئے سوالات کے جوابات نہ صرف مبہم بلکہ سراسر فضول تھے۔ چار جون ۱۹۶۸ء کو انہوں نے قومی اسمبلی کو ایک تحریری جواب میں یہ مطلع کیا کہ تین سے چار سال کے دوران مختلف فرقوں کو زر مبادلہ کی شکل میں سو اچھتر لاکھ روپے کی رقم مہیا کی گئی جن میں سے بڑا حصہ یعنی نو لاکھ روپے قادیانیوں کو عطا ہوا۔ (حالانکہ ان کی کل تعداد چند لاکھ بھی نہیں تھی)

پاکستان کے وزیر خزانہ ایم این عقیلی نے احمدیوں کو دیئے گئے زر مبادلہ کی رقم کی تفصیل بیان کی جو حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	سال	روپہ کے احمدیوں کو دیئے گئے زر مبادلہ کی رقم کی مقدار
۱	۱۹۶۴ء	۶۰۰۰۰ روپے
۲	۱۹۶۵ء	۶۰۰۰۰ روپے
۳	۱۹۶۶ء	۵۲۵۰۰ روپے
۴	۱۹۶۷ء (جنوری تا مئی)	۳۵۰۰۳۶ روپے

لاہوری احمدیوں کو بھی ان کی نام نہاد تبلیغی سرگرمیوں کے لیے ان کے بیرون ملک مشعوں کو تقریباً اتنی ہی رقم فراہم کی گئی۔ اس کے علاوہ تحریک جدید روپہ کو اس کے افریقی

مراکز کیلئے ۱۹۶۷ء میں ایک لاکھ چوبہزار انسٹھ روپے کی رقم عطا کی گئی۔

یہ سن کر رکن قومی اسمبلی، حسن اے شیخ نے یہ ضمنی سوال اٹھایا ”کیا پارلیمانی سیکرٹری برائے خزانہ احمد یوں کی سرگرمیوں کو اسلام کی تبلیغ سمجھتے ہیں؟“

اس پر پارلیمانی سیکرٹری نور الاسلام سکدر نے جواب دیا ”ہاں“۔ حسن اے شیخ نے پھر پوچھا۔

”کیا سلطنت پاکستان پر یہ واجب ہے کہ وہ قادیانیوں کو اس قسم کا پروپیگنڈہ کرنے کی اجازت دے؟“

سکدر نے جواب دیا۔

”جناب! میرے محکمہ کا اس چیز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

ایک دوسرے رکن چوہدری محمد اقبال نے پوچھا۔

”کیا حکومت اس حقیقت سے باخبر ہے کہ افریقہ میں اسلامی تبلیغی سرگرمیوں کی بہت گنجائش ہے اور آیا حکومت ان مذہبی اداروں کو زرمبادلہ کی فراہمی پر تیار ہے جو وہاں تبلیغی کام کرنے پر رضامند ہیں؟“ نور الاسلام سکدر نے جواب دیا۔

”اس چیز پر اس وقت غور کیا جائے گا جب اس کی درخواست آئے گی“۔ بریگیڈیئر محمد عباس عباسی رکن قومی اسمبلی نے پوچھا۔

”زرمبادلہ فراہم کرتے وقت کس قاعدہ کا خیال رکھا جاتا ہے۔ کیا اس قسم کی امداد کی استعداد کے بارے میں بیرون ملک ہمارے سفارتخانوں سے بھی مشورہ کیا جاتا ہے؟“

نور الاسلام سکدر نے جواب دیا۔

”مجھے اس کے جواب کے لیے نوٹس درکار ہے۔“

مولانا عبدالحفیظ محسن الدین رکن قومی اسمبلی نے سوال کیا۔

”پارلیمانی سیکرٹری برائے خزانہ نے بیان کیا ہے کہ ”انجمن احمدیہ تحریک جدید“ اور ”انجمن احمدیہ اشاعت اسلام“ مسلمانوں کی تنظیمیں ہیں۔ میں وزیر خزانہ سے یہ پوچھنا

چاہوں گا کہ اس معاملے میں امن کا کیا خیال ہے جبکہ پوری دنیا کے مسلمانوں نے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا ہے۔ کیا وزیر خزانہ احمدیوں کو مسلمان خیال کرنے پر تیار ہیں؟“
وزیر خزانہ نے جواب دیا۔

”جناب اس پر رائے دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“
مولانا محسن الدین نے کہا۔

”جب احمدی اسلام کے کسی فرقہ سے تعلق نہیں رکھتے تو انہیں کسی بھی قسم کی مالی مدد دینے کا کیا جواز ہے؟“

اس سوال کا وزیر خزانہ چار لیسمانی سیکرٹری کسی نے بھی جواب نہیں دیا تاہم ہیکر نے یہ کہا کہ
”اس سوال کا جواب دینا ضروری نہیں۔“

بیگم محیب النساء اکرم نے پوچھا۔
”کیا حکومت اپنی طرف سے دیئے گئے ذرمبادلہ کے خرچ پر کوئی نگرانی رکھتی ہے یا بیرون ممالک میں اس کی چھانٹی کے لیے کوئی مشینری تشکیل دی ہے۔“
وزیر خزانہ نے نفی میں جواب دے دیا۔

بیگم اکرم نے پھر پوچھا۔
”کیا چیک کرنے کی ذمہ داری حکومت کی نہیں کہ رقم اپنے صحیح مصرف میں استعمال ہو رہی ہے یا ذاتی مفادات پر خرچ کی جا رہی ہے؟“
وزیر خزانہ نے جواب دیا۔

”اخراجات کے لیے شرائط عائد کی گئی ہیں مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ ایک دفعہ جب زر مبادلہ جاری کر دیا جاتا ہے تو اس پر کنٹرول رکھنا ”مشکل ہو جاتا ہے۔“
اجمل چوہدری کے ایک سوال کے جواب میں وزیر خزانہ نے جواب دیا۔

”سائلان یہ استدعا کرتے ہیں کہ تبلیغی مقاصد کے لیے کچھ مبلغ باہر جا رہے ہیں۔ کچھ

تقاریر وغیرہ ہوں گی۔ اس بناء پر غیر ملکی کرنسی جاری ہو جاتی ہے۔ مگر یہ دیکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ رقم واقعی اس مصرف پر ہی استعمال ہوتی ہے جس کے لیے یہ دی گئی تھی۔ (۱)

امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی چوہدری احمد جان نے پاکستان کی قومی اسمبلی کے اراکین میں قادیانی موقف کی وضاحت کیلئے ایک کتابچہ تقسیم کیا۔ انہوں نے بیرون ممالک قادیانیوں کی سرگرمیوں کا مختصر تذکرہ کیا اور حکومت سے مزید زرمبادلہ کا مطالبہ کیا کہ

”ان کو فراہم کیا گیا زرمبادلہ فقیر تعداد میں اور تبلیغی سرگرمیوں کے بڑھتے اخراجات کے مقابلے میں بہت کم تھا۔“ (۲)

لاہوری احمدیوں نے بھی اپنی صورتحال کی وضاحت کے لیے یہ کہا کہ مرزا صاحب محض ایک مجدد تھے لہذا انہیں کافر نہ کہا جائے۔ امیر جماعت لاہور صدر الدین نے زور دے کر کہا کہ

صدر فیملڈ مارشل ایوب خاں قادیانیوں کی دو کنگ مسجد لندن میں اپنی سینڈھرسٹ میں تربیت کے دوران آیا کرتے تھے اور وہاں نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ (۳)

۱۹۶۰ء کے عشرے کے اواخر میں ایوبی حکومت بہت زیادہ زیر عتاب آگئی لوگوں نے ایوب کو ”قادیانی“ اور ”مرزائی ایجنٹ“ کہنا شروع کر دیا۔ سیاسی کے علاوہ بہت سے معاشی عوامل بھی اس کے اقتدار کے خاتمہ کا باعث بنے۔ حکومت کے خلاف غم و غصہ میں اضافہ کرنے کے لیے قادیانی مسئلہ بہت بنیادی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ قادیانیوں کے لیے مراعات مہیا کرنے پر ایوبی حکومت ایک عام مسلمان کی تمام ہمدردیاں کھو بیٹھی تھی۔

تحریک کی ابتداء

ایوبی آمریت نے قادیانیوں کو تحفظ دیا اور اندرون پاکستان و بیرون ملک اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کے خلاف جذبات بھڑکتے گئے اور

۱۔ ”ایک پاکستان“ ڈھاکہ 10 جون 1968ء۔

۲۔ ”بیرون ممالک میں احمدیہ مراکز کے کارنامے“ احمدیہ مشن رولہڈی ص 1۔

۳۔ دی لائن لاہور 8 جون 1968ء۔

پاکستانی سیاست میں ان کے بڑھتے ہوئے رسوخ کے خلاف علماء نے آواز اٹھانی شروع کر دی۔ قادیانی اس قدر اثر و رسوخ حاصل کر چکے تھے کہ انہوں نے اپنے خلاف عوامی رد عمل اور تنقید کو محض یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ تو ملا کی روایتی تنگ نظری اور تعصب ہے۔ علماء کی یلغار کے مقابلے میں بے رحم مارشل لاء آرڈیننسوں اور ڈیفنس آف پاکستان رولز نے انہیں کافی تحفظ فراہم کیا۔ بہت سے علماء کو فرقہ وارانہ جذبات کو ہوا دینے کے الزامات میں گرفتار کر لیا گیا۔ جنہوں نے قادیانیت کی مخالفت کی۔ قادیانی مخالف پریس کو دبا دیا گیا اور کئی اخبارات کے مدیروں اور ناشران کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ اعزازِ مفت روزہ ”چٹان“ کو جاتا ہے جس نے اپنے جانباز مدیر آغا شورش کاشمیری مرحوم کی گرفتاری اور ہوم ڈپارٹمنٹ کے سخت نوٹسوں کے باوجود قادیانیوں پر دلیرانہ تنقید جاری رکھی اور ان کی خفیہ سازشوں کو بے نقاب کرنے کا سلسلہ برقرار رکھا۔^(۱)

انہوں نے تمام مشکلات کا بہادری سے مقابلہ کیا اور ختم نبوت کے اعلیٰ وارفع مقصد کے لیے دلیری سے لڑے۔ مذہبی تنظیموں اور سیاسی جماعتوں مثلاً مجلس احرار۔ مجلس تحفظ ختم نبوت اور جماعت اسلامی نے قادیانی سازشوں کو افشاء کرنے اور اس سامراجی سیاسی آلہ کار تنظیم کی درست انداز سے عکاسی کرنے کیلئے بے بہا خدمات سر انجام دیں۔

قادیانیوں نے مغربی پاکستان کے گورنر جنرل موسیٰ خان سے رابطہ کیا اور یکم اپریل ۱۹۶۶ء کو مغربی پاکستان کے ہوم سیکرٹری سے ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت تمام مدیروں۔ ناشران اور طالبین کے لیے ایک چٹھی جاری کرانے میں کامیاب ہو گئے جس میں انہیں نصیحت کی گئی تھی کہ وہ ایسا کوئی بھی مواد شائع نہ کریں ”جو کسی بھی فرقے کے عقائد۔ ابتداء۔ الہامات یا پیش گوئیوں کے بارے میں ہو۔“ اس کے فوراً بعد ایک دوسرا حکمنامہ جاری ہوا جس کا مقصد محض قادیانی جماعت کو تحفظ دینا تھا۔^(۲)

ستائیس جولائی ۱۹۶۷ء کو مغربی پاکستان کے گورنر نے چٹان لاہور کے مدیر کو حکم جاری

۱۔ دیکھئے شورش کاشمیری ”تحریک ختم نبوت“ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۷۴-۲۱۰

۲۔ چٹان لاہور ۱۷ اگست ۱۹۶۷ء۔

کیا جس میں انہیں ایسی اشتعال انگیز فرقہ وارانہ تحریروں کو شائع کرنے یا ان میں ملوث ہونے سے باز رہنے کو کہا گیا تھا جہاں عامہ کے خلاف ہوں اور انہیں منع کر دیا گیا کہ وہ ایسا کوئی مواد نہ شائع کریں جو کسی بھی فرقے کی ابتداء پیش گوئیوں۔ وحی والہامات۔ عقائد پر روشنی نہ ڈالے ہو۔ جو مختلف فرقوں کے درمیان نفرت۔ بد اعتمادی یا دشمنی کے جذبات پیدا کریں۔ ایسے مواد کی طباعت پر سسر عائد کر دیا گیا جو فرقوں کی ابتداء۔ پیش گوئیوں۔ وحی والہامات یا عقائد کے بارے میں ہو یا ان کے تقابلی خصوصیات یا میراث کے بارے میں خبروں۔ آراء۔ تجزیات یا دیگر کسی بھی شکل میں ہو۔“ (اخبار پہلے ہی آٹھ صفحات قادیانی تحریک پر چھاپ چکا تھا جس میں راقم کا ایک مضمون بھی تھا جسے ضائع کر دیا گیا۔)

روہ کے اہماء پر ڈالے گئے ہر طرح کے دباؤ اور تمام مشکلات کے باوجود چٹان نے ختم نبوت کے مقاصد کا بیڑہ اٹھائے رکھا۔ آخر کار اکیس اپریل ۱۹۶۸ء کو ہفت روزہ چٹان کا ڈیٹیکریشن منسوخ کر دیا گیا اور ان کے پریس کو ضبط کر لیا گیا۔ یہ سب کچھ اس وقت کی بدنام زمانہ مثلث یعنی گورنر مغربی پاکستان جنرل موسیٰ خاں۔ وزیر اطلاعات احمد سعید کرمانی اور ایوب خان کے سب سے زیادہ وزیر اطلاعات چہیتے الطاف گوہر کے عیارانہ اشتراک کی وجہ سے ہوا۔ انہوں نے پاکستان میں احمدیہ مخالف عناصر کو دبانے کیلئے ہر ہتھکنڈہ استعمال کیا۔ کرمانی کی شورش سے ذاتی مخالفت تھی۔ وہ اکیس اپریل ۱۹۶۸ء کو یونیورسٹی ہال لاہور میں اس وقت کے چیف جسٹس مغربی پاکستان کی زیر صدارت ہونے والے یوم اقبال کے اجلاس کو خراب کرنا چاہتا تھا۔ شورش مجلس اقبال کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے کرمانی کے کرائے کے غنڈوں کے خلاف سخت رد عمل کا اظہار کیا۔ کرمانی نے گورنر کے ساتھ مل کر اپنے اثر و رسوخ کی بناء پر شورش کو گرفتار کرادیا۔ ان کا پریس ضبط ہو گیا اور ہفت روزہ چٹان بند ہو گیا۔ سابقہ حکومت مغربی پاکستان کے ایک سیکرٹری ایس آئی حق نے ایک بیان میں یہ راز افشاء کیا کہ

”یہ سیاسی کوتاہ اندیشی کا ایک قابل ذکر نمونہ تھا۔ پنجاب میں اس کا بدترین رد عمل ہوا۔ جب احکامات کے اجراء کے بعد مجھے بتایا گیا تو میں نے کہا کہ یہ مزاحمت زیادہ سخت ہے اور پہلے

موقع پر مصیبت یا زبان بندی کے احکامات جاری ہونے چاہئیں تھے۔ باقی سب عوام کو پتا ہے۔ اس سے عدالت عالیہ اور حکومت کے درمیان ایک بڑی چپقلش کا آغاز ہوا۔ آغا شورش کاشمیری نے طویل بھوک ہڑتال شروع کر دی اور دونوں مواقع پر میری مداخلت پر انہیں موت کے شکنجے سے نکالا گیا۔ مسٹر کرمانی کے کہنے پر گورنر موسیٰ بختی سے اس بات پر قائم تھا کہ شورش کو پھانسی زندان مرنے دیا جائے۔^(۱)

چھ مئی کو اپنی گرفتاری سے قبل آغا شورش نے لاہور میں جمعیتہ العلماء اسلام کی لاہور میں کانفرنس کے دوران ایک شاندار تقریر کی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے طرز خطابت پر قادیانیوں کی سیاسی چالوں کو بڑے بلیغانہ انداز میں بے نقاب کیا۔ شورش نے حسب ذیل چونکادینے والے انکشافات کیے۔

(i) ”قادیانی کھلے عام پاکستان کی سیاست میں دخل اندازی کر رہے ہیں اور یہی آئی اے اور سی پونٹ کے آلہ کار ہیں۔“

(ii) ایم ایم احمد قادیانی صنعتکاروں کو پروان چڑھا رہا ہے جس طرح امریکہ میں یہودی کرتے رہے ہیں۔ اس نے ہر کردہ بنکوں انشورنس کمپنیوں اور قرضہ دینے والے اداروں مثلاً IDBP-ADBP-PICIC وغیرہ میں قادیانیوں کی تقرریاں کی ہیں۔

(iii) پولیس کے ایک حصے کو رستم اور عورتوں کے ذریعے سے خرید لیا گیا ہے تاکہ احمدیہ مخالف خبروں کو روکا جاسکے اور علماء کو دق کیا جاسکے۔

(iv) ایچ او اے کے مشیر نوکر شاعی کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ ظالم آمرانہ حکومت نے عوام کو سیاسی و معاشی طور پر کھل کر رکھ دیا ہے۔

(v) مرزا محمود اور ناصر احمد نے عرب ریاستوں میں اسرائیل کی خاطر جاسوسی کیلئے قادیانیوں کو داخل کر دیا ہے۔ قادیانیوں کی ایک بڑی تعداد کو فوج میں کمیشن دلوادیا گیا ہے۔ مسلح افواج میں کام کرنے والے احمدیوں کے معاملات کی دیکھ بھال کیلئے ربوہ کی ہدایت پر ایک خصوصی سیل قائم کر دیا گیا ہے۔ قادیانی افسران نے اپنی سرگرمیوں کا محور فضائی افواج میں سرایت کو

بنالیا ہے۔ پاکستانی فضائی افواج کو اسرائیل اور سی آئی اے کے مفادات کو پروان چڑھانے کے نظریے سے عرب ریاستوں میں کام تلاش کرنے کیلئے ایک میز می کے طور پر استعمال کیا جانا شروع کر دیا گیا ہے۔

(iv) قادیانوں نے پاکستان میں بڑے اہم اور حساس عہدوں تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ پروفیسر عبدالسلام پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کا چیئرمین (اور صدر کامیٹر برائے سائنس و ٹیکنالوجی) ہے۔ ایم ایم احمد منصوبہ بندی کمیشن کا ڈپٹی چیئرمین ہے۔ بشیر احمد چیئرمین PICIC ہے۔ وائس ایئر مارشل ایم اختر پی آئی اے کا چیف ہے۔“

اس تقریر کے بعد شورش کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔^(۱)

شورش کے خلاف مقدمہ:

مغربی پاکستان کی عدالت عالیہ کے ایک ڈویژن بنچ نے آغا شورش کا شمیری کی طرف سے دائر شدہ جس بجا کی درخواست کی سماعت شروع کی۔ اس بنچ میں جسٹس بشیر الدین احمد اور جسٹس شوکت علی شامل تھے۔ ایک دوسرے ڈویژن بنچ نے چٹان کے ڈیکلریشن کی بحالی کی درخواست کی سماعت شروع کی جس میں جسٹس محمد گل اور جسٹس کرم الہی چوہان شامل تھے۔ فاضل ججوں نے مورخہ بائیس جولائی ۱۹۶۸ء کو چٹان کے مقدمے میں اپنے فیصلے میں لکھا۔

”سائل کے فاضل کونسل کے دلائل کا سب سے بڑا موقف یہ تھا کہ احمدی اسلام کا فرقہ نہیں ہیں اور سائل کا ایسا کہنا آئین کی رو سے جائز ہے۔ مگر فاضل کونسل نے اس حقیقت سے بھی چشم پوشی کی ہے کہ آئین نے احمدیوں کو بھی یہ حق دیا ہے کہ وہ پاکستان کے شہری ہونے کی بناء پر وہ اپنے آپ کے دائرہ اسلام میں ہونے کا دعویٰ کر سکیں۔ سائلان جس چیز کا اپنے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں دوسروں کو اس چیز سے کیسے دور رکھ سکتے ہیں۔ یہ بات ہماری فہم سے بالاتر ہے۔ یقیناً ان کو وہ ہشت زدہ کر کے نہیں۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ سائلان اور ان کے

ہم خیال قانون میں احمدیوں کو اس اقرار سے روک سکتے ہیں۔ باوجودیکہ اسلام کے دوسرے فرقوں کے ساتھ نظریاتی اختلاف کے ساتھ وہ کسی بھی دوسرے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے کی طرح وہ بھی اسلام کا اتنے ہی اچھے پیروکار ہیں۔“ (۱)

قادیانی جماعت نے اس اقتباس کو وسیع پیمانے پر تشہیر دی۔ تاہم آغا شورش کا شیریں نے ایک مضمون میں بیان کیا کہ علماء کے فتوے اور مسلمانان عالم نے اپنا یہ متفقہ فیصلہ دے دیا ہے کہ قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور اس مسئلے پر دورائے نہیں ہو سکتیں۔^(۲)

عدالت عالیہ کاخ جو جسٹس بشیر الدین احمد اور مسٹر جسٹس شوکت علی پر مشتمل تھا اس نے بیگم آغا شورش کا شیریں کی رٹ سماعت کے لیے منظور کر لی۔ حکومت مغربی پاکستان کے محکمہ داخلہ کے جانٹ سیکرٹری مسٹر طارق اسماعیل خان نے بعد میں یہ انکشاف کیا کہ گورنر سماعت کرنے والے بنج کے ججوں سے سخت ناراض تھا۔ وہ صوبائی حکومت کو اس بات کا اہل سمجھتا تھا کہ وہ ججوں کو قابو کر سکتی تھی۔ احمد سعید کرمانی نے میاں محمد اختر رکن صوبائی اسمبلی کے ذریعے ان (ججوں) کو انتہائی بے ہودہ پیغام بھجوایا۔

۱۹۶۸ء میں جسٹس شوکت علی کو گورنر کی ناراضی سے آگاہ کر دیا گیا کہ انہوں نے پیشین خارج کیوں نہ کی جبکہ چیف جسٹس نے جسٹس بشیر الدین احمد کو ہدایت کی کہ وہ متنازعہ حکم نہ جاری کریں یعنی متعلقہ وزیر (کرمانی) کی طلبی نہ کی جائے۔ جسٹس شوکت علی کا یہ نظریہ ہے کہ زیر سماعت رٹ کی منظوری کے بعد صوبائی حکومت نے اس رٹ کی کراچی یا پشاور منتقلی کی درخواست دی۔ اس درخواست کے پس پردہ یہ نیت کارفرما تھی کہ اس بیج سے یہ مقدمہ منتقل کر دیا جائے۔

یہ افواہ بھی پھیلانی گئی کہ اس بچ کے ججوں میں سے کسی ایک کو عدالت مجاز سماعت صنعتی
مرافعہ کا چیئر مین مقرر کیا جا رہا ہے۔ مگر صدر پاکستان (ایوب خاں) نے گورنر کی تجویز کی
منظوری نہیں دی۔

۱۔ ”کپا احمدی مسلمان ہیں“ (PLD 1969ء لاہور، ص 289 سے لیا گیا ایک اقتباس) شائع کردہ عبدالحق قادیانی لاہور ص 1۔

۲۔ چٹان 10' 16' درج 'حریرہ' القرآن ریلوے مارچ 1969ء۔

اس بیخ کے جوں کو دی گئی دھمکی پر پورے ملک میں لے دے ہوئی اور کراچی کے دو اخباروں روزنامہ ”نیوز“ اور روزنامہ ”جنگ“ نے اس سلسلے میں ادارے لکھے۔^(۱)

دسمبر ۱۹۶۸ء کے دوسرے ہفتے میں سندھ ہائی کورٹ کے چیئرمین شورش کے مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔ بیخ نے انصاف کا دامن تھامے رکھا۔ تاہم ایڈووکیٹ جنرل راجہ سید اکبر کے رویہ اور یادوگوئیوں نے عدالت عالیہ کے بیخ کو مجبور کر دیا کہ وہ سماعت سے معذوری ظاہر کر دے۔ بیخ کو اشتعال دلانے کے لیے راجہ سید اکبر کی یہ دانستہ کوشش تھی۔ سماعت کے دوران طوفانی مناظر دیکھنے میں آئے۔ حکومت کے افسوسناک رویے کے خلاف شورش نے بھوک ہڑتال کر دی۔

تین فروری ۱۹۶۹ء کو جسٹس شوکت علی نے چیف جسٹس مغربی پاکستان کو خط لکھا جس میں کہا۔

”ندی عدالت کی تاریخ میں اور نندی بیرونی بالذاتی کے دوران جوں کی اس طرح تذلیل کی گئی ہے۔ جیسی کہ اس بیخ کے جوں کے ساتھ ہوئی جس کو ڈیفنس آف پاکستان روز کے تحت آغا عہد اکرم شورش کا شیر کی غیر قانونی حراست کی درخواست کی سماعت ہو چکی تھی۔ اس رٹ کی سماعت کی ابتداء سے ہی بیخ پر اثر انداز ہونے کی ہر قسم کی کوشش کی گئی۔ جب بیخ کے ارکان نے ایسا ہر قسم کا دباؤ مسترد کر دیا تو اس قسم کی دھمکیاں بھی پہنچائی گئیں کہ جوں کو تنگ کیا جائے گا۔ جب ایسی دھمکیوں پر بھی کان نہ دھرا گیا تو بیخ کے ارکان کے اثاثوں کی چھان بین شروع کر دی گئی۔“

کراچی میں رٹ کی سماعت کے دوران جب ہم نے سماعت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو حکومت کے قانونی اہلکاروں کا رویہ کم از کم یوں کہنا چاہئے کہ نہ صرف بدتمیزی رہی تھی بلکہ جوں کو اشتعال دلانے کی کوشش بھی تھی۔ یہ دانستہ دانستہ طور پر اختیار کیا گیا تھا تاکہ کسی بھی اشتعال انگیزی کی صورت میں حکومت ایک دفعہ پھر اس مقدمے کی منتقلی کی کوشش کرے جیسا کہ پہلے ہو چکا تھا۔

۱۔ شورش کا شیر کی ”موت سے وابستہ“ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۲۸۷ (”جسٹس شوکت علی بیخ عدالت عالیہ مغربی پاکستان کا بیان“۔ لاہور سورہ ۲۸ جون ۱۹۶۹ء۔)

مگر اس سبت میں بھی حکومت کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر کار ہم نے سماعت سے معذوری کا فیصلہ کر لیا۔ جب ہمیں یہ پیغام ملا کہ ہم سماعت جاری رکھ سکتے تھے مگر ہمیں یہ کہا گیا کہ کبھی معاملے میں بھی کوئی تنازعہ حکم خصوصاً صوبائی حکومت کے وزیر خزانہ و اطلاعات کو بطور گواہ طلب کرنے کے بارے میں نہ جاری کریں۔ جب ہم نے سماعت سے معذوری ظاہر کر دی تو لاہور میں ہمیں یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا وزیر نے صدر مملکت کو ایک بیان میں یہ فرمایا تھا کہ اگر کسی بیج نے وزیر موصوف کی طرف چھوٹی انگلی بھی اٹھائی تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کے بارے میں حکومت کا ایسا رویہ پہلے کبھی سننے میں نہیں آیا۔ ہمیں تکلیف پہنچائی گئی۔ ہراساں کیا گیا اور ہسکیاں دی گئیں۔ ہم نے یہ سب کچھ ججوں کے اس اجلاس میں بیان کیا جو اس بیج کی تشکیل کے سلسلے میں بلایا گیا تھا جیڈو کیٹ جنرل کے خلاف توہین عدالت کی سماعت کرتے۔ اس کے بعد ہمیں یہ بتایا گیا کہ صوبائی حکومت نے سپریم جوڈیشل کونسل کو ایک ریفرنس بھجوایا ہے جس کی ہمیں اب سمجھ آئی ہے اور جواب مسترد کیا جا چکا ہے۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر ہم نے عدلیہ کی آزادی کو کھوکھلا کرنے کے ہتھکنڈوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے ہوتے تو ہم اپنے عہدے کے لیے اٹھائے گئے حلف پر پورا ناسرکتے۔ ہم یہ بات سختی سے محسوس کرتے ہیں کہ ان حرکتوں سے حکومت نے بیج کے لیے بلا خوف و اعانت انصاف کے معاملے کو مشکل بنا دیا ہے۔ ہم خواہش کرتے ہیں کہ تمام ججوں کا اجلاس میں اس معاملے پر غور کیا جائے اور نہ صرف اس عدالت اور ملکی عدلیہ کے وسیع تر مفاد میں چیف جسٹس آف پاکستان کی مشاورت سے یہ معاملہ سربراہ مملکت کے آگے اٹھایا جائے بلکہ مقدمہ بازی کرنے والے عوام کے مفاد میں بھی جو بلا امتیاز طبائی کے خواہنگار ہیں جہاں کہیں بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ منتظم عدلیہ نے خلاف قانون رویہ اختیار کیا ہے۔“ (۱)

شورش سول ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ ایڈووکیٹ جنرل کے روپے کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہوئے انہوں نے بھوک ہڑتال کر دی۔ ملک کے دونوں حصوں مشرقی و مغربی پاکستان میں لوگوں نے شورش کی رہائی کیلئے ایک بڑی تحریک شروع کر دی۔ بگڑتی ہوئی

امن وامان کی صورت حال سے مجبور ہو کر حکومت نے یکم دسمبر ۱۹۸۸ء کو شورش کو روک دیا۔ کراچی سے لاہور تک شورش کا شاندار استقبال کیا گیا۔

مارچ ۱۹۶۸ء میں ایوب کو ایک شدید دھچکہ لگا اور اس کی صحت بہت حد تک خراب ہو گئی۔ جب پاکستان میں ”عشرہ ترقی“ منایا جا رہا تھا تو مشرقی پاکستان اور بلوچستان میں بڑھتی ہوئی بد امنی کی وجہ سے ملکی حالات انتہائی محدود ہو چکے تھے جو نومبر ۱۹۶۸ء میں ایوب کے خلاف بغاوت کی صورت اختیار کر گئے۔ ذوالفقار علی بھٹو سابقہ وزیر خارجہ نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو اس تحریک کا قائد بنا لیا۔ اس سلسلے میں وہ ایوب خاں کے سابقہ ملٹری سیکرٹری میجر جنرل پیرزادہ سے مل گیا جو ۱۹۶۴ء سے ایوان صدر سے اخراج کے بعد دوبارہ وہاں جانے کا خواہشمند تھا۔ ملٹری جنتا کے اندر ولی عہدی کی کھش شروع ہو چکی تھی۔

ایک طرف ملک میں ایوب کے خلاف شدید قسم کی تحریک جاری تھی اور دوسری طرف پاکستانی سیاست میں بڑی سرگرم قسم کی سی آئی اے اور صیہونی آلہ کاروں کی دخل اندازی جاری تھی۔ اپوزیشن کے اتحادوں مثلاً پاکستان ڈیموکریٹک فرنٹ، ڈیموکریٹک ایکشن کمیٹی نے پارلیمانی نظام۔ براہ راست انتخابات اور مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان نا انصافیوں کے خاتمے کا مطالبہ کر دیا۔ ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خاں نے بھی ایوب خاں کی مخالفت شروع کر دی۔ شدید مخالفت اور مظاہروں سے مجبور ہو کر ایوب خاں نے نواب زادہ نصر اللہ کو کہا کہ وہ کسی تصفیے پر پہنچنے کے لیے گول میز کانفرنس کا اہتمام کریں۔ پاکستان مسلم لیگ (کنسل) کے ممتاز دولتانہ اور چند دوسرے رہنماؤں نے شیخ مجیب الرحمن کی فوری رہائی کا مطالبہ کر دیا جس کو تسلیم کرتے ہوئے مجیب کو روک دیا گیا۔ بھٹو نے گول میز کانفرنس کے رہنماؤں کے خلاف سخت بیانات دیئے اور گول میز کانفرنس میں شرکت نہ کی۔ گول میز کانفرنس کی ناکامی کی ذمہ دار پاکستان پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ تھیں۔

گول میز کانفرنس کے دوران صیہونی دخل اندازی اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ مشرقی پاکستان کے ایک سنجیدہ اور شریف النفس سیاستدان مولوی فرید احمد نے اپنی کتاب ”سورج بادلوں کی

اوٹ میں“ میں قادیانی صیہونی سازش پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے روزانہ کے واقعات کو اپنی ڈائری میں بیان کیا ہے۔

اپنی روزانہ کی ڈائری میں تین مارچ ۱۹۶۹ء کو وہ لکھتے ہیں۔

”مشرقی پاکستان ہاؤس میں شفیع الاعظم امان اللہ اور تین سے ملا۔ ان کے ساتھ طویل بحث ہوئی اور کھیل میں مصروف قوتوں کے منصوبوں پر بات ہوئی۔ شفیع الاعظم ششدر رہ گیا۔ وہ دوسری دنیا میں رہ رہا تھا اور اسے سازش کی وسعت سے کافی الجھن ہوئی۔ تین نے کراچی میں موثر عالم الاسلامی کے عنایت اللہ کو فون کیا اور اسے کراچی آنے کو کہا۔ پوچھنے پر اس نے مجھے بتایا کہ ہم الفتح کوریلوں کی مدد کر رہے ہیں۔ اس نے ایم ایم احمد کے ذریعے مصروف بکریہودیوں کے بارے میں بات کی۔ اس کا خیال ہے کہ ہماری منصوبہ بندی کا مرکز حل ایب ہے۔ قادیانیوں اور یہودیوں کا اتحاد اتنا واضح تھا کہ آنکھوں سے اوجھل کرنا مشکل تھا۔“ (۱)

وہ مزید کہتے ہیں:

”عطا حسین مجھے لینے کے لیے آیا۔ وہ مجھے سیدھا سعودی سفارت خانے لے گیا اور سعودی سفیر سے ملا۔ ہم چار تھے یعنی سعودی سفیر۔ ترجمان منان۔ عطاء حسین اور میں۔ اسلام آباد واپسی پر عطانے سفیر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ایک اسلامی جماعت پر کروڑوں ڈالر خرچ کیئے جا چکے ہیں مگر سفیر اس بات کا قائل نظر آتا تھا کہ وہ کام کرنے میں ناکام رہی ہے اور اس کی حکومت اب کسی دوسری جماعت کی تلاش میں تھی جو اس چیلنج کا مقابلہ کر سکے۔ میں نے اسے بین الاقوامی صیہونیوں کا تجزیہ پیش کیا جو قادیانیوں کے ذریعے کام کر رہی تھی اور ان کی اس کوشش کے خوفناک نتائج سے آگاہ کیا۔ وہ مجھے بڑے غور سے سنتا رہا اور ایسا لگتا تھا کہ وہ میرے خیالات کی صورت اور سچائی سے کافی مطمئن تھا۔“ (۲)

بائیس مارچ ۱۹۶۹ء کو انہوں نے اپنی ڈائری میں لکھا۔

۱۔ فریڈ احمد ”سورج پادوں کی لوٹ میں“ ایسی لفظ پر غر زحاکہ 1969ء میں 98۔

۲۔ مولوی فریڈ احمد ”104۔

”ڈھا کہ۔ دن ایک بج کر دس منٹ تک لال باغ جامعہ قرانیہ میں علماء کے ساتھ میٹنگ تھی۔ کھانے اور نماز کی وجہ سے نہ جاسکا۔ تین بجے وہاں گیا۔ مولانا صدیق احمد۔ حافظ جی حضور۔ مولانا معصوم۔ ہارون اور دیگر احباب وہاں موجود تھے۔ ان سے عالمی سیاست میں پاکستان کے اثرات پر خطاب کیا اور پاکستان کے خلاف عالمی صیہونی سازش کا ذکر کیا جواب اسرائیل کے خلاف جنگ کی پشت پناہی میں مصروف ہے اور حکومت میں موجود قادیانوں میں ان کے آلہ کار ہیں۔ میں نے علماء کے سامنے لائحہ عمل کا خاکہ رکھا کہ وہ کس طرح سائنسی طریقے سے اس کو رو بہ عمل لاسکتے ہیں۔“^(۱)

آرمی چیف جنرل یحییٰ خان بھٹو کا ہم نوالہ وہم پیالہ تھا۔ اس نے ایوب خان کو مجبور کیا کہ وہ پچیس مارچ ۱۹۶۹ء کو اقتدار اس کے حوالے کر دے۔ اس غیر جمہوری اقدام کا پاکستان پر شدید اثر پڑا۔ ۱۹۶۲ء کے آئین کے تحت ایوب خان کو اقتدار پاکستان کی قومی اسمبلی کے سپیکر عبدالجبار خاں کے حوالے کرنا تھا۔

پوشیدہ ساز باز

یہی کے دور حکومت میں قادیانیوں کو بے پناہ مراعات میسر رہیں۔ ایم ایم احمد ڈپٹی چیئر مین منصوبہ بندی کمیشن صدر یہی کا مشیر برائے اقتصادیات مقرر ہو گیا اور اس کی اندرونی کابینہ کے ایک اہم رکن کے طور پر کام کرتا رہا۔ ظفر اللہ قادیانی نے سٹیٹ ڈپارٹمنٹ امریکہ اور صدر یہی کے اہل کاروں کے درمیان رابطے کا کام جاری رکھا۔ قادیانی بیورو کرئیس نے ملک کے مستقبل کے سیاسی ڈھانچے میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے نئی حکومت سے تعلقات استوار کر لیے۔ یہودیوں کی قائم کردہ فورڈ فاؤنڈیشن جس کا مرکز اسلام آباد میں تھا اس کے مشیروں کے ساتھ ایم ایم احمد کے قریبی تعلقات قائم تھے۔ ان نام نہاد مشیروں نے یہی حکومت کے ابتدائی سالوں میں ہی پاکستان چھوڑ گئے جب ان کی سرگرمیوں پر قومی پریس نے خوب تنقید کی۔ مغربی و مشرقی پاکستان کے درمیان معاشی عدم مساوات اور علاقائی عدم توازن پیدا کرنے میں امریکی کردار پر وسیع پیمانے پر بحث ہو چکی تھی۔ رابرٹ لا پورٹ نے پاکستان میں مقیم امریکی اہلکاروں کے ملک میں صوبائی و علاقائی عدم توازن پیدا کرنے کے شرمناک کردار پر بڑے مناسب انداز میں قلم اٹھایا۔ پورٹ نے پاکستان میں مقیم امریکی اہلکاروں کی لاہور اور ڈھاکہ میں جغرافیائی تقسیم کے حوالے سے یہ ظاہر کیا ہے کہ امریکی مشرقی پاکستان کے بارے میں بڑے واضح طور پر تعصب کا شکار تھے۔ ڈھاکہ میں نسبتاً کم اہلکار کام کرتے تھے۔ مشرقی پاکستان میں ترقی کے بارے میں ان کا رویہ مکمل طور پر عدم التفات پر مبنی تھا۔ وہ امریکہ میں ہمیشہ سے موجود طاقتور صیہونی لابی کی

انگلیوں پر ناپتے تھے۔ یہ لوگ جو بے حد طاقتور اور بے تحاشہ دولتمند تھے اسرائیل کے ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر کام کرتے تھے۔ امریکہ کے بڑے بڑے اخبارات نے مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسندی کی تحریکوں کی حمایت کی اور وہ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی مملکت کے ٹوٹنے کے امکانات پر بڑے مسرت بھرے انداز میں پُر امید تھے۔ صیہونی ہندوستانی لابی کی معاونت میں کام کر رہے تھے۔

فورڈ فاؤنڈیشن

یہی حکومت کے ابتدائی سال میں نام نہاد امریکی اقتصادی مشیروں کو مجبوراً ملک چھوڑنا پڑا کیونکہ ان کے کروتات عوام کی نظروں میں آچکے تھے۔ ہماری تاریخ کے اس افسوسناک دور کی تفصیلات کو مفت روزہ ”آؤٹ لک“ کراچی کے الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

”پاکستان کے ٹوٹنے میں ان فاؤنڈیشنوں خصوصاً فورڈ فاؤنڈیشن نے جو کردار ادا کیا ہے اس کی ایک جھلک اس طرح ملتی ہے۔ ایک خفیہ رپورٹ بعنوان ”مشرقی پاکستان میں کشمکش“ پس منظر اور پیش منظر“ حال ہی میں (۱۹۷۲ء) میں ایک کتاب ”بنگلہ دیش کا چینج“ میں چھپی۔ یہ رپورٹ اپریل ۱۹۷۱ء میں لکھی گئی تھی اور ان بین الاقوامی رابطوں پر دلچسپ روشنی ڈالتی ہے جو مشرقی پاکستان کے بحران اور پاکستان کے ٹوٹنے میں بڑی طاقتوں کے مفادات کے پس منظر میں ابھرے۔ یہ رپورٹ تین امریکی دانشوروں ایڈورڈ ایس سین^(۱) رابرٹ ڈرمین اور شین اے مینگن نے لکھی تھی۔ (۲) کم از کم ان میں سے دو وہ ہیں جنہوں نے فورڈ فاؤنڈیشن کی طرف سے لگائی گئی ذمہ داریوں کی خاطر پاکستان میں دو دو سال گزارے تھے۔ اس رپورٹ میں پاکستان کے ممکنہ ٹوٹنے کے بین الاقوامی تعلقات پر متوقع اثرات بیان کیے گئے تھے۔ یہ ایسی واحد رپورٹ تھی جو امریکہ میں تالیف ہوئی یہ بھی پتہ چلا تھا کہ اس قسم کی تحقیق فلاڈیلفیا کی یونیورسٹی میں بھی کی گئی جس کی سرپرستی امریکی حکومت اور نجی

۱۔ مئی ۱۹۵۵-۱۹۵۴ء میں پاکستان میں موجود تھا اور پہلے پانچ سال منصب بہتاد کر کے ۱۹۵۷ء کا سربراہ تھا۔
 ۲۔ مینگن ہارورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر تھا اور صدر کینیڈی سے ایوب خان نے اس کے لیے خصوصی درخواست کی تھی کہ وہ ہم جہور کے مسائل پر خصوصی مشاورت دیا کرے۔

فاؤنڈیشنوں نے کی تھی۔ بہت پہلے انہی خطوط پر رانا کارپوریشن نے بھی ایک مطالعے کی اجازت حاصل کی تھی۔ ان تحقیقاتی اطلاعات کے نتائج نے امریکی سٹیٹ ڈپارٹمنٹ کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ بنگلہ دیش کے ایک آزاد قوم کے طور پر قیام کی مدد کرے۔“ (۱)

مشاورتی گروہ

پاکستان کے ابتدائی سالوں میں فورڈ فاؤنڈیشن نے ایک آٹھ رکنی مشاورتی گروپ پر سرمایہ کاری کی جس نے حقیقت میں ملک کا پہلا پانچ سالہ منصوبہ مرتب کیا تھا۔ سی بی مارشل کی شکل میں سابقہ وزیراعظم سہروردی کو ایک امریکی سیاسی مشیر میسر آ گیا تھا۔ ایوب خان کے دنوں میں امریکہ کے فوجی امدادی گروپ کو جی ایچ کیو کے ہر کوئے تک رسائی حاصل ہو گئی تھی۔ حتیٰ کہ ایک امریکی لیفٹیننٹ کرنل۔ صدر اور کمانڈر انچیف تک آسانی سے پہنچ جاتا تھا۔ جہاز یو۔ 2 کی جاسوسی پروازیں پشاور سے بظاہر حکومت پاکستان کی رضامندی یا علم کے بغیر ہی اڑائی جا رہی تھیں۔ معاشی مشیروں کا یہ آٹھ رکنی گروپ ۱۹۷۰ء کے وسط میں آخر کار ملک چھوڑ گیا۔ بائیس نومبر ۱۹۶۹ء کے شمارے میں (فورم آف ڈھاکہ) نے اس گروپ کے کردار کے بارے میں جو تبصرہ کیا وہ حسب ذیل ہے۔

”ایسا نظر آتا ہے کہ ہارورڈ مشاورتی گروپ خراب کار پاکستان سے نکل رہا ہے۔ یہ گروہ ہمیں بظاہر منصوبہ بندی کا طریق کار سمجھانے کے لیے تیرہ سال قبل پاکستان آیا تھا مگر جلد ہی ڈیوڈ نیل کی قیادت میں (جو بعد میں کینیڈی کی کابینہ کا رکن بھی بن گیا) پانچ سالہ منصوبہ کی تکمیل میں طوٹ ہو گیا۔ اس گروپ کی مالی امداد فورڈ فاؤنڈیشن کرتی تھی جبکہ انتظامی امور ہارورڈ یونیورسٹی کے پاس تھے جس نے سالہا سال تک صوبائی محکمہ جات منصوبہ بندی اور منصوبہ بندی کمیشن میں اقتصادی ماہرین کا ایک سیلاب داخل کر دیا۔ ایوب کے دس سالہ دور حکومت میں وہ مملکت کی اقتصادی آزادی کے فلسفے میں تبدیلی میں بری طرح طوٹ ہو گئے اور انہوں نے مقامی سرمایہ دارانہ نظام کو پروان چڑھایا۔ یا جسے ان کی ٹیم کے رہبروں میں سے ایک

گستاو پاپائیک نے تیسرے نواب قرار دیا تھا اپنی ایک بہت ہی توصلی کتاب میں جو اس نے ایوبی دور میں ترقی پر لکھی تھی ان کی فلسفیانہ کارروائی کی فوری قبولیت کے بدلے میں وہ امداد دینے والوں اور امریکی پڑھے لکھے طبقے دونوں میں ایوبی حکومت کے بے باک سفیر بن گئے اور ہارورڈ نے ایک ہلکی پھلکی کانفرنس بھی اس موضوع پر کر ڈالی جس میں امداد دینے والوں اور سرکردہ معیشت دانوں کی ایک بڑی تعداد کو دعوت دی گئی تاکہ ایوب اور اس کے تیسرے پانچ سالہ منصوبے کو اپنی نوازشات کا مورد بنالیں۔

ایوبی حکومت کے زوال نے ان پر آخری کاری ضرب لگائی جس سے نہ صرف ان کا پاکستان میں کردار بلکہ ان کی پیشہ وارانہ ساکھ بھی متاثر ہوئی کیونکہ وہ دنیا کو ایوبی حکومت کی پائیداری اور اس کے کارناموں کو پوری مہارت اور محنت سے سچ رہے تھے۔ پاکستان میں اپنی بچی بچی ساکھ بچانے کی خاطر انہوں نے مشرقی پاکستان کے خطے کو زیادہ حصہ دینے کے بیلیغانہ نعرے کا ساتھ دیا۔ اس میں بھی ایک ستم ظریفی تھی جس نے ان کی سیاست میں بے تکلف شمولیت کو ظاہر کیا جس سے بعد ازاں عدم مساوات کے نظریات پروان چڑھے۔ دراصل اس گروہ کا لیڈر رچرڈ گلبرٹ جس کو ایوب کے زوال کے فوراً بعد اپنے سابقہ عہدے پر کام کرنے کے لیے انڈونیشیا سے اسلام آباد بھیجا گیا۔ جس نے ذاتی طور پر موجودہ چیف اکانومسٹ (۱۹۷۲ء) محبوب الحق کی امیدداری کو پروان چڑھایا اس عہدے کے لیے مشرقی پاکستان کے امیدوار ڈاکٹر آراچ کھنڈکر کو پس پشت ڈال دیا گیا۔

ان کے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے سے منصوبہ بندی کمیشن کے اعلیٰ حلقوں میں قدرتی طور پر نفرت پیدا ہوئی۔ مگر ان کے خلاف اصل مزاحمت جو تمام کونوں سے ظاہر ہوئی وہ جماعت اسلامی کی طرف سے تھی۔ جماعت کے چند جوشیلے کارکنان نے یہ حقیقت انشاء کی کہ منصوبہ بندی کمیشن کے اس گروہ کے دس ارکان میں سے آٹھ یہودی النسل تھے۔ جماعت کے عناصر نے اس معاملے کو اچھالا اور اس گروہ کو اسرائیلی آلہ کار مشہور کرتے ہوئے انہیں ذاتی طور پر دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ اس زخم رسیدہ تجربہ سے ان کے موقف میں پاکستان اور ان

حلقوں میں جہاں وہ پہلے معزز گئے جاتے تھے وہ سبکی ہوئی جس نے انہوں نے اپنا سامان

سیٹھنے اور اگلے جون (۱۹۷۰ء) میں گھر جانے پر مجبور کر دیا۔^(۱)

ایم ایم احمد کے ان اسرائیلی اہلکاروں کے ساتھ بڑے قریبی روابط تھے۔ اس کے ڈپٹی چیئرمین ہونے کے دور میں دوسرے۔ تیسرے اور چوتھے پانچ سالہ منصوبے تیار کیئے گئے^(۲) معاشی منصوبہ بندی کی میکانیت کے ذریعے اس نے استحکام پاکستان کو کھوکھلا کرنے کے امریکی اور یہودی منصوبے کے حصے کے طور پر مشرقی اور مغربی حصوں اور مختلف طبقات کے درمیان آمدنی کی عدم مساوت کی حوصلہ افزائی کی۔

بنگلہ سٹوڈنٹس لیگ کے صدر المجاہدی نے منصوبہ بندی کمیشن کی ڈپٹی چیئرمین شپ سے ایم ایم احمد کی فوری برطرفی کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ ایم ایم احمد نے ہمیشہ مشرقی پاکستان کو نظر انداز کیا ہے اور اپنی اقتصادی حکمت عملی سے مشرقی و مغربی اقتصادی عدم مساوات کو پیدا کیا ہے۔^(۳) سید مودودی نے بھی ایم ایم احمد کی برطرفی کا مطالبہ کر دیا اور مشرقی پاکستان سے ایک اقتصادی منصوبہ سازی کی تقرری کا مطالبہ کیا۔ اقتصادی ترقی کے پروگرام سے مشرقی پاکستان کے لوگ مطمئن نہیں تھے۔ اس صوبے کے لیے مختص کیئے گئے فنڈ مناسب طور پر استعمال نہیں ہو رہے تھے بلکہ مرکزی انتظامی مشینری کی عدم دلچسپی کی بناء پر تقریباً نصف سے بھی کم رقم استعمال نہیں ہو رہی تھی۔ انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ قومی اقتصادی منصوبہ بندی کسی ایسے اہلکار کے سپرد کی جائے جسے اپنے فرائض کی لگن ہو۔^(۴)

یجی کے مارشل لاء کے بعد پاکستانی معاملات میں امریکی مداخلت خوفناک حد تک بڑھ گئی۔ لندن میں قائم اشتراکی اخبار ”دی سن“ میں ذوالفقار علی بھٹو نے یجی حکومت کو ایوبی آمرانہ حکومت سے کہیں بہتر قرار دیا۔^(۵) پھر اس میں کنسورشیم ممالک کے اجلاس سے فارغ ہونے کے بعد ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کمیشن ایم ایم احمد نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا

۱۔ آؤٹ لک کراچی 22 جولائی 1972ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ جنگ کراچی 11 اپریل 1970ء۔

۴۔ اردو ذرا نور 27 جون 1970ء۔

۵۔ نوائے وقت لاہور 10 اپریل 1969ء۔

کہ پاکستان کے بارے میں امریکی رویہ نرم ہو چکا ہے۔ جب اس کی وجہ بیان کرنے کو کہا گیا تو اس نے جواب میں کہا کہ لوگ خود ہی اندازہ لگالیں۔^(۱) امریکی سٹیٹ سیکرٹری ولیم راجرز نے یجی سے ملاقات کی اور باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا^(۲) چند ماہ بعد اپنے ایشیائی دورے کے دوران صدر نکسن نے یجی سے ملاقات کی نکسن کے دورہ کے ایک ہفتے کے بعد جوزف فارلینڈ پاکستان میں نئے امریکی سفیر کے طور پر آ گئے۔^(۳)

عام انتخابات:

جولائی ۱۹۷۰ء کے آخر میں یجی نے اعلان کیا کہ انتخابات اٹھارہ ماہ کے اندر اندر ہوں گے اور مارشل لاء کے ضابطوں میں آہستہ آہستہ ڈھیل دی جائے گی۔ سیاسی اجتماعات اور اندرون خانہ اجلاس کی اجازت دے دی گئی۔ تاہم عوامی اجتماعات اور جلسوں پر پابندی عائد رکھی گئی۔ اس نے کہا کہ اٹھائیس اکتوبر عام انتخابات کی تاریخ مقرر ہو گئی ہے۔ انتخابات ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر ہوں گے جس سے ایک قومی اسمبلی چنی جائے گی جو ایک سو بیس دنوں کے اندر اندر ملک کے لیے ایک دستور اپنے پہلے اجلاس میں مرتب کرے گی۔ اگر یہ ایسا کرنے میں ناکام رہی تو اسمبلی تحلیل کر دی جائے گی اور نئی منتخب کی جائے گی۔ مارچ ۱۹۷۰ء میں رسی طور پر صدارتی حکم سے مغربی پاکستان کو چار صوبوں میں تحلیل کر دیا گیا۔^(۴)

ظفر اللہ کی تجویز:

۱۹۷۰ء کے اوائل میں قادیانیوں نے پاکستانی سیاست میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ اکیس جنوری ۱۹۷۱ء کو روٹری کلب لاہور کی طرف سے دیئے گئے ایک استقبالیے میں ظفر اللہ نے اپنی تقریر میں دستور مرتب کرنے کے سلسلے میں کئی تجاویز پیش کیں۔ اس نے یہ تجویز پیش کی

۱۔ جنگ کراچی 22 مئی 1969ء۔

۲۔ امر و لاہور 25 مئی 1969ء۔

۳۔ امر و لاہور 29 اگست 1969ء۔

۴۔ دیکھئے ہیرت فیضانِ مین ”اہام اور ابتدا“ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن 1975ء ص 59-58۔

کہ مستقبل کے آئین کو تیار کرنے کے لیے بنیادی اصول وضع کرنے کی خاطر ہر سیاسی جماعت کے ایک سے تین نمائندوں پر مشتمل ایک مشاورتی گروپ بنالیا جائے۔ سیاسی جماعتوں کو چاہئے کہ وہ پرامن انتخابات کے انعقاد کے لیے ایک مشترکہ طریق کار طے کر لیں۔ اُس نے اس بات پر زور دیا کہ آئین کی تیاری کے لیے بنیادی اصول پہلے وضع کر لیے جائیں۔ اُس نے اس نکتے پر خصوصی زور دیا کہ مستقبل کا آئین کسی ایک جماعت یا گروہ کے نظریات کا آئینہ دار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس طرح یہ قابل عمل نہیں رہے گا۔ اُس کا کہنا تھا کہ یحییٰ خان نے بنیادی آئینی مسائل کے حل کی راہ ہموار کر دی ہے یعنی دونوں حصوں کے درمیان عدم مسابقت اور یونٹ کو ختم کر دیا گیا ہے۔ سیاستدان ایک وفاقی آئین پر متفق ہو چکے ہیں۔ صوبائی خود مختاری کے مسئلہ کو مشاورتی گروپوں کے ذریعہ سے حل کیا جاسکتا ہے۔^(۱)

دائیں اور بائیں بازو سے تعلق رکھنے والی سیاسی جماعتوں کے رہنماء پاکستان کے اندرونی معاملات میں امریکی مداخلت پر شدید تنقید کر رہے تھے۔ نیشنل عوامی پارٹی کے صدر مولانا عبد الحمید بھاشانی نے یہ انکشاف کیا کہ سی آئی اے نے پاکستان کو توڑنے کا ایک منصوبہ تیار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس دستاویز کی ایک نقل انہوں نے صدر یحییٰ کو مہیا کر دی ہے۔^(۲) انہوں نے جماعت کے سیکرٹری جنرل ایم طہ پر کڑی تنقید کی جس نے اس کی نقول پر پریس کو مہیا نہیں کیں۔ ایک ماہ بعد انہوں نے پھر اسی ”سی آئی اے دستاویز“ کا حوالہ دیا جس کا تعلق امریکی جاسوسی نظام کے ساتھ تھا اور ایک منصوبے کی نشاندہی کی جس کے تحت مشرقی پاکستان کو امریکی دائرہ اثر میں لانا تھا۔^(۳) جماعت اسلامی کے رہنما میاں طفیل احمد نے پاکستان میں مجیب کے چھ نکات کی مدد کرنے پر یو ایس ایڈ کے کردار پر شدید تنقید کی۔^(۴)

۱۔ الفضل ریویو 24 جنوری 1970ء۔

۲۔ جنگ کراچی 22 جنوری 1970ء۔

۳۔ امر و ذلہ ہور 23 فروری 1970ء۔

۴۔ جنگ کراچی 4 مارچ 1970ء۔

جنرل یحییٰ بری طرح فوجی جنتا۔ نوکر شاہی اور سب سے بڑھ کر قادیانوں کے شکنجے میں آچکا تھا جن کے تعلقات غیر ملکی قوتوں کے ساتھ تھے۔ وہ بذات خود دفاع اور خارجہ امور کی وزارتوں کا قلمدان سنبھالے ہوئے تھا جبکہ چیف آف سٹاف اور مسلح افواج میں دوسرے نمبر پر جنرل حمید تھا جس کے پاس وزارت داخلہ تھی۔ بقیہ عام وزارتیں فضائیہ اور بحریہ کے سربراہوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ فضائیہ کے کمانڈران چیف نور خاں کے پاس تعلیم۔ محنت۔ صحت اور سماجی بہبود کے قلمدان وزارت تھے جبکہ بحریہ کے چیف ایڈمرل احسن کو خزانہ۔ منصوبہ بندی۔ صنعت اور تجارت کی وزارتیں دی گئیں۔ یحییٰ۔ حمید۔ میر زادہ۔ نور خاں اور احسن پر مشتمل مختصر کابینہ کو مجلس انتظامیہ کا نام دیا گیا تھا۔^(۱)

ربوہ..... تل ابیب محو:

ناصر کا دورہ

چار اپریل ۱۹۷۰ء کو مرزا ناصر احمد مغربی افریقی ممالک کے دورے پر روانہ ہوئے۔ یہ ایک سیاسی دورہ تھا جسے بڑی چالاکی سے احمدیت کی ارتدادی تبلیغی مہم کا نام دیا گیا۔ تیرہ اپریل کو وہ نائیجیریا کے صدر یحیٰو بگوئی کوون سے ملے اور اس کے ساتھ افریقہ میں اپنی جماعت کو پیش آنے والے سماجی و معاشی مسائل پر تبادلہ خیال کیا۔ مغربی افریقہ کے ممالک نائیجیریا۔ گھانا۔ آئیوری کوسٹ۔ لائبیریا۔ گیمبیا اور سیرالیون کے دورے کے بعد وہ سترہ مئی ۱۹۷۰ء کو براستہ ہالینڈ لندن پہنچے۔ ہوائی اڈے پر ظفر اللہ اور دیگر قادیانی افراد نے ان کا استقبال کیا۔ لندن میں انہوں نے بیس دن قیام کیا۔^(۲)

پاکستان میں آئندہ ہونے والے انتخابات کے بارے میں پروگرام ترتیب دینے کے لیے لندن میں قادیانی اکابر۔ سی آئی اے کے آلہ کار اور صیہونی تنظیموں کے ارکان کا ایک خفیہ اجلاس منعقد ہوا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ احمدیہ جماعت کے ذریعے پاکستان میں سرگرم عمل

۱۔ جی ڈی جیو چوہدری "اتحاد پاکستان کے آخری پیام" لندن ۱۹۷۴ء ص ۵۔

۲۔ جنگ گزشتہ ۱۴ مارچ ۱۹۷۰ء۔

اپنے آگے کاروں کو سامراجی اور صیہونی تنظیمیں مالی اور اخلاقی امداد مہیا کریں گی۔ مغربی قوتوں کی حمایت میں انتخابی نتائج حاصل کرنے کی غرض سے احمدیہ مشن لندن کی صوابدید پر ایک کثیر رقم رکھ دی گئی۔ قادیانی ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ اس وقت سے روابط قائم کر چکے تھے جب وہ ایوبی کابینہ میں وزیر خارجہ تھے۔ بھٹو اور ربوہ کے درمیان رابطے کا کردار مرزا طاہر احمد نے ادا کیا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں انتخابات کے اخراجات پورے کرنے کے لیے بھٹو نے ربوہ سے امداد مانگی۔ مرزا طاہر کہتا ہے کہ اس نے بھٹو کی کسی قسم کی مدد کرنے سے معذرت کر لی۔ اس کی بجائے اسے نصیحت کی کہ وہ اشتراکیوں کے ہاتھوں پر غمال نہ بنے۔ یہ مرزا طاہر کی نصیحت کا اثر تھا کہ قومی و صوبائی اسمبلیوں کے امیدواروں کی حتمی فہرست میں بعد میں بھٹو نے ستر فیصد کے قریب تبدیلیاں کیں۔^(۱)

پاکستان پیپلز پارٹی کی امداد:

مرزا ناصر احمد نے ربوہ میں قادیانی قلعہ کاروں کی ایک جماعت کو تیار کیا کہ وہ اسلامی فلسفہ و نظریات کا پرچار کرنے والی جماعتوں کے خلاف گھنیا۔ بے ہودہ اور غلیظ پروپیگنڈہ مہم ترتیب دے۔ یہ سازا مواد ان اخباروں میں چھاپا گیا جن پر پیپلز پارٹی کا اختیار تھا مثلاً روزنامہ ”مسادات“، ہفت روزہ ”نصرت“ اور ”شہاب“ جو کہ سب کے سب لاہور سے چھپتے تھے۔ بھٹو کی انتخابی مہم کی مدد کے لیے جعلی اور فرضی نام کی تنظیموں مثلاً انجمن مہمان پاکستان۔ پیپلز فیڈریشن وغیرہ کی طرف سے عوام میں تقسیم کیے جانے کی غرض سے لاکھوں کی تعداد میں کتابچے۔ تصاویر اور اشتہارات چھاپے گئے۔ یہ مواد پاکستان میں قادیانی جماعتوں کے امیروں۔ قادیانی لڑکیوں (لجنات) کے جھرمٹ اور احمدی نوجوانوں کے ذریعے تقسیم کیا گیا۔^(۲) ہر قادیانی کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے قریبی دوستوں میں مفت تقسیم کرنے کے لیے ہفت روزہ ”شہاب“ کے چند شمارے ضرور خریدے۔ یہ ہفت روزہ پیپلز

۱۔ ایلمن خدا کا بندہ ص 81۔

۲۔ چٹان لاہور 4 جنوری 1971ء۔

پارٹی کی مخالف قیادت کے بارے میں بے ہودہ مواد لکھتا اور غلیظ زبان استعمال کرتا خصوصاً مولانا مودودی کے خلاف نہایت گھٹیا زبان استعمال کی جاتی۔ اس کا مدیر کوثر نیازی مرزا ناصر احمد کے گماشتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ یہ محض قادیانی امداد تھی کہ وہ ۱۹۷۰ء میں سیالکوٹ کے حلقے سے قومی انتخاب میں جیت گیا۔^(۱)

الفضل ربوہ نے پاکستان کی ان سیاسی جماعتوں پر شدید حملے کیئے جو پاکستان میں اسلامی قوانین کا نفاذ چاہتی تھیں اور ملک کے مستقبل کے آئینی ڈھانچے میں ان کے مجوزہ کردار پر تنقید کی۔ اخبار نے لکھا

”مارشل لاء حکومت نے لگن اور دیانتداری سے ملک میں جمہوریت کے راج کے لیے انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مختلف سیاسی جماعتیں انتخابی مہم میں اسلامی اقدار کے احیاء کے نام سے حصہ لے رہی ہیں مگر ان کے رہنما خود غرض۔ اقدار کے بھوکے ہیں جن کی اسلام کے نفاذ کی کوئی خواہش نہیں۔“^(۲)

ایک دوسرے ادارے میں اخبار نے آنے والے انتخابات میں احمدیت کی تمام مشکلات کے باوجود شاندار کامیابی کی پیش گوئی کی۔

”احمدیہ جماعت خدا نے خود قائم کی ہے۔ کوئی ارضی قوت اسے شکست نہیں دے سکتی۔ احمدیت یقیناً فاتح بن کر ابھرے گی۔“^(۳)

۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتائج مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کے حق میں تھے اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کے حق میں۔ الفضل نے ایک ادارے میں انتخابات کے نتائج پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔

”پیپلز پارٹی نے اسلام پسندوں کو تباہ کن شکست دی ہے۔ یہ سیاسی جماعتوں کے اختلاف اور دشمنی کا ایک لازمی نتیجہ ہے جیسا کہ آج کل پریس میں بھی آرہا ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ مسلمان مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کی کفر کے ساتھ مذمت کرتے

۱۔ آئین خاں لاہور مئی ۱۹۸۱ء بظہر اللہ کا انٹرویو۔

۲۔ الفضل ربوہ ۵ نومبر ۱۹۷۰ء۔

۳۔ الفضل ربوہ ۵ نومبر ۱۹۷۰ء۔

ہیں۔ مزید برآں ایک مخصوص جماعت (اسلامی) نے یہ اعلان کیا تھا کہ اگر وہ جیت گئی تو سنی قانون نافذ کر دے گی۔ شیعہ اور الحمد للہ فرقوں نے اس کی مخالفت کی۔ اس جماعت نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ وہ احمدیوں کو انتخابات جیتنے کے بعد غیر مسلم اقلیت قرار دے دے گی۔ مسلمانوں نے اس کی مذمت کی۔ لوگوں کو مذہب کے نعرے سے دھوکہ نہیں دیا جاسکتا۔ پیپلز پارٹی نے ایک ٹھوس معاشی پروگرام دیا اور انتخابات جیت گئی۔^(۱)

۱۹۷۰ء کے سالانہ اجتماع کے سہ پہر کے اجلاس میں اپنے خطاب میں احمدی جماعت کو مرزا ناصر احمد نے بتایا کہ جماعت نے چند آزاد امیدواروں کی حمایت کی ہے مگر اس کی اصل حمایت پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ تھی۔ یہ بات کہنا غلط ہوگا کہ تحریک اس موقف میں اشتراکیت کی حامی ہے۔ اشتراکیت کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ محدود اور اس پیشکش کے ساتھ دھوکہ دیتا ہے کہ ”ہر آدمی کو اس کی ضرورت کے مطابق ملے“ کیونکہ مارکسزم ان ضروریات کی تشریح نہیں کرتا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اسلام انسان کی تمام ضروریات پورا کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی طبعی۔ روحانی۔ معاشی۔ ذہنی اور اخلاقی ضروریات کو پروان چڑھاتا ہے۔ انہوں نے عام انتخابات کے نتائج پر اپنا اطمینان ظاہر کیا اور کہا کہ پاکستان میں بھوک کے خلاف یہ نوجوانوں کے ووٹ کا رد عمل ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس چیز کا خیال رکھا جانا چاہیے تھا کہ پاکستان کے نوجوانوں نے پاؤں کی ایک ٹھوک کے ساتھ ان عناصر کو مسترد کر دیا ہے جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف رائے کی بناء پر اسلام کے قلعے میں گہرے اختلافات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ احمدیوں نے بلاشبہ پیپلز پارٹی کی امداد کی ہے مگر پاکستان میں اشتراکیت کے نفاذ کے لیے نہیں۔^(۲)

امیر جماعت احمدیہ فیصل آباد محمد احمد نے یہ انکشاف کیا کہ احمدیہ جماعت کا پیپلز پارٹی کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا تھا اور اس نے صوبائی اسمبلی میں اپنے پانچ امیدوار کامیاب کرا لیے تھے۔^(۳) مرزا ناصر احمد نے اپنے خطاب میں پاکستانی انٹیلی جنس کی رپورٹوں پر بحث کی

۱۔ الفضل ریوہ ۱۹ دسمبر ۱۹۷۰ء۔

۲۔ دی ریویو آف ڈیپچر فرموی ۱۹۷۱ء، ص ۴۲، ۴۱۔

۳۔ مفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۵ جنوری ۱۹۷۱ء مزید دیکھئے الفضل ریوہ ۲۹ جنوری ۱۹۷۱ء۔

اور یہ اعشاف کیا کہ

”حکومت پاکستان اٹلی جنس بیورو نے یہ اطلاع دی تھی کہ دو لاکھ نو قومی اسمبلی کی پچیس تا چھپس نشستیں حاصل کر لے گا۔ جماعت اسلامی تیرہ تا چودہ نشستیں حاصل کر لے گی اور پیپلز پارٹی سات سے لے کر آٹھ بیٹیں حاصل کر لے گی۔ قومی انتخابات سے ایک روز قبل کسی نے مجھے (مرزا ناصر احمد کو) بتایا کہ اٹلی جنس کی حتمی رپورٹ بھی یہی ہے جو پہلے دی جا چکی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے نوجوان پیپلز پارٹی کے لیے بائیس نشستوں کی پیش بینی کر رہے تھے اور ہمیں خوشی ہے کہ ان کی پیش بینی بالکل درست تھی۔“ (۱)

قادیانی صیہونی مداخلت:

دسمبر ۱۹۷۰ء اور جنوری ۱۹۷۱ء میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے بعد تمام سرکردہ مذہبی و سیاسی رہنماؤں نے پاکستانی سیاست میں قادیانی اور صیہونی دخل اندازی کی مذمت کی۔ جمعیت علماء اسلام کے سیکرٹری جنرل مفتی محمود نے پاکستانی سیاست میں قادیانی دخل اندازی پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ امریکی سامراجیت کی شہ پر ہو رہی ہے۔ (۲) جمعیت علماء پاکستان کے صدر مولانا شاہ احمد نورانی نے پاکستان کے خلاف قادیانی سازشوں کی مذمت کی اور الزام عائد کیا کہ وہ صدر پاکستان کے مشیر اقتصادیات ایم ایم احمد کے ذریعے اسرائیل سے رقومات حاصل کرتے رہے ہیں۔ ان کے اس بیان پر روزنامہ جسارت کراچی نے اپنی شہ سرخی میں یہ تبصرہ کیا۔

”مولانا نورانی نے کہا کہ اسرائیلی۔ یہودی۔ فری میسن اور قادیانی پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ پاکستان کے اصل دشمنوں کو بے نقاب کرنے پر وہ اتھاہ گہرائیوں سے شکرے کے مستحق ہیں۔ یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ پاکستان کی سیاست میں ایک خفیہ یہودی تحریک فری میسنری کے تعاون سے قادیانی گھناؤنا کارواں کر رہے

۱۔ الفضل ربوہ ۱۴ مئی ۱۹۷۲ء۔

۲۔ روزنامہ شرق لاہور ۳ جنوری ۱۹۷۱ء۔

ہیں۔ فری میسوں نے ایک بین الاقوامی نظام ترتیب دیا ہے تاکہ دولت اکٹھی کی جاسکے۔ انہوں نے بڑے بڑے کاروباری اشخاص۔ بڑی کاروباری کمپنیوں کے ڈائریکٹروں مختلف پیشہ دارانہ گروہوں کے سرکردہ لوگوں اور اعلیٰ سطح کے افسران کو مختلف لالچ دے کر اپنے زیر اثر کر لیا ہے۔ انہوں نے قادیانیوں کے ساتھ ان کے اسرائیلی مشن کے ذریعے مضبوط تعلقات قائم کر لیے ہیں۔ دراصل فری میسوں نے اپنے خفیہ جھکنڈوں سے پاکستان میں ایک متوازی حکومت قائم کر لی ہے۔ (۱۹۷۰ء کے) عمومی انتخابات کے دوران قادیانیوں کے اشتراک کے ساتھ انتخابی نتائج پر اثر انداز ہونے کا مکروہ کھیل کھیلا گیا ہے۔^(۱)

امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد نے پیپلز پارٹی کے قادیانیوں کے ساتھ اشتراک پر اپنے گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے اسے پاکستان کو توڑنے کی ایک سازش قرار دیا۔^(۲)

ظفر اللہ شیخ مجیب ملاقات

انتخابات کے بعد بھٹو نے اپنے آپ کو مغربی پاکستان کے واحد رہنما کے طور پر پیش کیا۔ شیخ مجیب بھی اپنے آپ کو حقیقی بنگالی رہنما کے طور پر منوا چکا تھا۔ امریکہ نے ایک طرف تو پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات بڑھانے کا اعلان کیا اور نکسن کی نئی حکمت عملی برائے چین میں یجی کے کردار کی تعریف کی۔ دوسری طرف ڈھاکہ میں امریکی قونصل جنرل اسے بلڈ کا کردار پاکستان کے قومی مفادات کے سراسر منافی تھا۔ بلڈ کی مجیب کے ساتھ خفیہ ملاقاتیں حکام کے علم میں تھیں۔ اس کی مجیب کے ساتھ ہمدردیاں تھیں اور اس کی خواہشات کا احترام کرتا تھا۔ امریکی اقتصادی معیشت دانوں کے گروپ کی ہمدردیاں بھی اس کے ساتھ تھیں جو ڈھاکہ میں فورڈ فاؤنڈیشن کے پروردہ تھے۔ یہ سب باتیں حکام بالا کے علم میں تھیں۔^(۳)

۱۔ جسارت کراچی ۵ فروری ۱۹۷۱ء۔

۲۔ ملت روزہ اشیا لاہور ۸۲۱ ج ۱۹۷۱ء۔

۳۔ جی ڈبلیو جہداری "حمہ پاکستان کے آخری یام" ص ۱۲۰۔

جنوری ۱۹۷۱ء کے وسط میں ظفر اللہ شیخ مجیب سے ملنے مشرقی پاکستان گیا۔ اس نے مجیب کے چھ نکات اور مشرقی پاکستان کے لیے خود مختاری کے مسئلے پر اس کے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔ مجیب نے محض وقت گزارنے کی بات کی اور ظفر اللہ کے مطابق اس کی باتوں کا کوئی سنجیدہ جواب نہ دیا۔ ظفر اللہ مجیب کے ساتھ اپنی ملاقات کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

”جنوری ۱۹۷۱ء کے وسط میں مصنف (ظفر اللہ) کو شیخ مجیب الرحمن سے ملاقات کا موقع ملا۔

ہمارا صرف یہی رابطہ ہوا۔ وہ کسی تنگی کے ساتھ پیش نہیں آیا۔ اس نے شائستگی مگر استقلال کے ساتھ اپنے شکوؤں کا اظہار کیا۔ میں نے یہ واضح کیا کہ اگرچہ میں بڑی لگن کے ساتھ ان مسائل کے بارے میں فکرمند ہوں جو اس وقت ملک کو لاحق ہیں۔ میں نے کوئی سخت موقف نہ اپنایا اور کسی بھی چیز کے حق یا مخالفت میں کچھ نہ کہہا، تاہم مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی اگر سر دست مجھے ان کی ایک یا دو امور پر رائے معلوم ہو جاتی جن کو میں بہت اہمیت دیتا تھا۔

میں نے اسے بتایا کہ وفاقی مرکز کو سرمایہ فراہم کرنے کا طریقہ جس میں صوبے رومات جمع کرائیں گے اور جس کی چھ نکات میں وکالت کی گئی تھی میرے نزدیک حقیقت پسندانہ یا قابل عمل نہ تھا۔ اس نے کہا کہ مرکز کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ صوبوں پر ٹیکس لگائے اور مرکز کے تخمینہ پر صوبے کی آمدنی کو اولیت حاصل ہوگی۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ یہ خالصتاً ایک زبانی تفریق تھی جس سے معاملہ ہرگز آگے نہ بڑھ سکتا تھا۔ اگر کوئی صوبہ فضول خرچی کرے یا نا عاقبت اندیشی کا مظاہرہ کرے تو اس کا کوئی علاج نہ بتایا گیا تھا۔ اس نے اس پر کوئی تبصرہ نہ کیا اور میں نے بھی اس معاملے پر زور نہیں دیا۔

پھر میں نے اس چیز کا ذکر کیا کہ بیرون ملک کئی سال گزارنے کے باعث میں بین الاقوامی سطح پر پاکستان کے امیج کے متعلق فکرمند ہوں۔ اس کا تعلق ریاست کی مضبوطی اور استحکام سے ہے۔ دونوں عوامل مرکز کی بنیادی ذمہ داری میں شامل ہیں۔ انتخابات کے نتائج نے انہیں مرکز کے متعلق ذمہ دار بنا دیا ہے۔ یہ نہ ہی ایک محض اتفاق ہے اور نہ ہی ایک عبوری دور اور مرکزی مقصد میں نمائندگی کی یکسانیت کے خاتمہ کے ساتھ ہی مشرقی پاکستان کو مرکز میں

ہمیشہ اہمیت وقوت حاصل رہے گی۔ کیا وہ یہ محسوس نہیں کرتے کہ نسبتاً مضبوط مرکز مشرقی پاکستان کے لیے قوت کا ذریعہ بنے اور نئے حالات میں یہ عدم توازن اور ان عدم مساواتوں کو ختم کر دے گا جس کی وہ شکایتیں کرتا رہا تھا۔ اس کا جواب ایک تسخیر آمیز مسکراہٹ کی صورت میں نمودار ہوا۔“ (۱)

خط

مارچ ۱۹۷۱ء کے فیصلہ کن ایام میں جب مجیب نے مشرقی پاکستان پر حقیقی کنٹرول حاصل کر لیا تھا اور یچی مختلف متحارب سیاسی گروپوں کے درمیان صلح کے نام پر ایک مشکوک کردار ادا کر رہا تھا ان دنوں آٹھ مارچ ۱۹۷۱ء کو ظفر اللہ نے ہالینڈ سے اپنے ایک دوست کو خط لکھا جو کہ مغربی پاکستان کے رہنماؤں میں سے ایک قریبی رہنما کے نام تھا۔ (۲) یہ خط مشرقی پاکستان کے بحران پر قادیانی نکتہ نظر کو ظاہر کرتا ہے۔ جس میں یہ کہا گیا تھا کہ مغربی پاکستان کے پاس یہ واحد راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ مشرقی پاکستان سے احسن انداز سے علیحدگی اختیار کر لے اور ان کے حالات میں صلح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ظفر اللہ کہتا ہے۔

”اعتماد کا مکمل فقدان ہے اور قومیت کے احساسات و جذبات مذہب و عقیدہ پر غالب آچکے ہیں۔ پوری دنیا خود مختاری کو اپنی عقیدہ بنا چکی ہے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان آزادی کا تناسب سات نسبت چھ کا ہے (یعنی سات کروڑ کے مقابلے میں چھ کروڑ) اور رقبہ کا تناسب نو (چون ہزار مربع میل) نسبت اکاون (تین لاکھ چھ ہزار مربع میل) ہے۔

مشرقی پاکستان علیحدگی پر تیار ہوا ہے۔ مغربی پاکستان کے پاس ان کے مطالبے کے جواب میں کوئی فیصلہ کن دلیل نہیں ہے اور اگر کوئی ہوتی بھی تو مشرقی پاکستان اس پر کان دھرنے اور توجہ دینے پر تیار نہیں تھا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جبر نہ صرف مہلک ہے بلکہ تباہ کن بھی۔ اگر خدا نخواستہ خون بہہ گیا تو اس سے دونوں کے درمیان نہ پر ہونے والی تلخ حائل ہو جائے

گی۔ مالی نقصان پورا کیا جاسکتا ہے جانی نہیں کیا جاسکتا اور ہماری بد قسمتی پر ہمارے پڑوسی (ہندوستان) کی لچھاہٹ اور تلخی ناگزیر ہوگی۔

یہ فرض کر لینا کہ جبر کے ذریعے یہ رفاقت طویل کی جاسکتی ہے میرے خیال میں درست نہیں۔ چنانچہ رضامندی سے یا غیر رضامندانہ طور پر جو ممکنہ راستہ نکلتا ہے وہ بہتر طور پر علیحدگی کا ہے۔ یہ راستہ یقیناً مشکلات سے گھرا ہوا ہے جو آج تو باہمی افہام و تفہیم سے حاصل ہو سکتا ہے مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ سچی بات یہ ہے کہ موجودہ حالات میں صلح بعید از قیاس نظر آتی ہے اور باقی راستہ صرف سود مندانہ علیحدگی کا ہی بچتا ہے۔“ (۱)

مرزا مظفر احمد پر قاتلانہ حملہ

چند روز قبل ۱۹۷۱ء کو کینسل ڈیویلیپمنٹ اتھارٹی اسلام آباد کے ایک ملازم محمد اسلم قریشی نے صدر پاکستان کے اقتصادی مشیر ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ کیا مگر اس کی جان نہ لے سکا۔ پر زور عوامی مطالبے کے باوجود کہ اس کا مقدمہ کھلی عدالت میں چلایا جائے اس کا مقدمہ فوجی عدالت میں چلایا گیا۔ راولپنڈی بار ایسوسی ایشن کے ایک سو سے زائد ارکان نے پنجاب کے گورنر کو یادداشت ارسال کی کہ اسلم قریشی پر کھلا اور منصفانہ مقدمہ چلے۔ (۲) الفرقان ربوہ نے حملہ کی خبر دیتے وقت مرزا مظفر احمد کو قائم مقام صدر پاکستان قرار دیا۔ (۳) جنرل یحییٰ پاکستان سے باہر تھا اور ایم ایم احمد قادیانی اس کی کابینہ کے اہم رکن کے طور پر فعال تھا۔ راجہ ظفر الحق جو بعد میں جنرل ضیاء کی کابینہ میں وزیر نشر و اشاعت بنے، اسلم قریشی کے وکیل کے طور پر پیش ہوئے۔ فوجی عدالت کے روبرو اسلم قریشی نے قادیانی عقائد پر تنقید کی اور کہا کہ اس کو یہ جان کر شدید پریشانی لاحق ہوئی ہے کہ قادیانی ہندوستان کی ساز باز سے بنگلہ دیش کو تسلیم کرانے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ (۴) فوجی عدالت نے اسلم قریشی کو پندرہ سال قید

۱۔ قارئین۔ ”The Agony of Pakistan“۔

۲۔ چاندان راولپنڈی۔ ۷ جنوری ۱۹۷۲ء۔

۳۔ الفرقان ربوہ۔ ستمبر ۱۹۷۱ء۔

۴۔ روزنامہ مدائن۔ ۱۲ جنوری ۱۹۷۱ء۔

بامشقت کی سزا سنائی۔ ستمبر ۱۹۷۱ء میں حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ہی لوگوں نے محمد اسلم قریشی کی فوری رہائی کا مطالبہ کر دیا۔ جمعیت العلماء اسلام کے مولانا غلام غوث ہزاروی نے ذوالفقار علی بھٹو پر اپنا ذاتی اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے دو سال آٹھ ماہ بعد اسلم قریشی کو رہا کر لیا۔

مذموم منصوبہ:

انتخابی عمل کے بعد کے زمانے میں بھٹو نے کئی اشتعال انگیز تقاریر کیں۔ اس نے واضح کر دیا کہ ”نہ تو کوئی آئین اور نہ ہی مرکز میں اس کی جماعت کے تعاون کے بغیر کوئی حکومت چلائی جاسکتی ہے۔ وہ قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کی نشستوں پر بیٹھنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے پاکستان میں دو وزرائے اعظم اور دو سیاسی جماعتوں کو تسلیم کرنے کا بھی اشارہ دے دیا۔ یحییٰ نے بھٹو کو یہ مشن سونپ دیا کہ وہ ڈھا کہ جا کر مجیب سے ملاقات کرے اور اپنے منصوبے پر اس سے بات کرے۔ اسے فوجی بھتاہ جنرل پیرزادہ۔ جنرل عمر۔ جنرل گل حسن اور افسر شاہی کی حمایت حاصل تھی۔

بارہ جنوری کو یحییٰ ڈھا کہ گیا تاکہ عوامی لیگ کے مرتب کردہ مسودہ آئین پر غور و خوض کرے مگر مجیب نے اس کی سبکی کر دی۔^(۱) یحییٰ غمزہ ہو کر لاڈکانہ چلا گیا اور بھٹو کا ”تعاون“ حاصل کر لیا۔ یحییٰ نے بھٹو کے ذمہ لگا دیا کہ وہ ڈھا کہ جا کر مجیب سے اپنے منصوبے پر بات چیت کرے مگر اقتدار کے بھوکے دونوں رہنماؤں کے درمیان مفاہمت کی کوئی راہ نہ نکل سکی۔ فروری ۱۹۷۱ء کے دوران سیاسی صورتحال انتہائی خراب ہو گئی جب دو کشمیری طلباء کا ”یرغمالی کا ڈرامہ“ وقوع پذیر ہوا۔ یہ کہا گیا کہ یہ ہندوستانی حربہ تھا تاکہ پاکستانی طیاروں کا ہندوستانی سرزمین پر سے گزر کر مشرقی پاکستان جانا ممنوع قرار دے دیا جائے۔

بھٹو نے ڈھا کہ میں قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں جانے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ یہ اعلان بھی کر دیا کہ اس اجلاس میں شرکت کے لیے کوئی بھی مغربی پاکستان سے نہیں جا

سکے گی۔ یجی نے نئی تاریخ کا اعلان کیے بغیر اجلاس ملتوی کر دیا۔^(۱)

اسمبلی کے اجلاس کا التواء پاکستان کے لیے تباہ کن ثابت ہوا اور مشرقی پاکستان کے رہنماؤں کے دلوں میں مزید بد اعتمادی اور نفرت پیدا ہوئی۔ ڈھا کہ نے اس یک طرفہ فیصلے پر بغاوت کر دی۔ مغربی پاکستان میں اس کے خلاف شدید رد عمل ہوا۔ ایئر مارشل ریٹائرڈ نور خان (کنسل مسلم لیگ کے سربراہ) نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ اسمبلی کے اجلاس میں التواء تباہ کن ہوگا۔ یجی کے مشیروں نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔ نوکر شاہی خصوصاً ایم ایم احمد نے مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان نہ پر ہونے والی خلیج حائل کر دی ہے۔ اس آئینی قحط کے کچھ دیگر حکومتی عہدیداران بھی ذمے دار تھے۔ انہوں نے کچھ سیاسی جماعتوں اور سیاسی رہنماؤں سے ملاقات کر کے اسمبلی کے اجلاس کے بائیکاٹ پر انہیں رضامند کر لیا۔ اس حوالے سے ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات کے نام لیے جاسکتے ہیں۔^(۲)

یجی نے ایک سابق ڈیفنس سیکرٹری مسٹر خورشید سے کہا کہ وہ اس کی مجیب سے ملاقات کا اہتمام کرے۔ یہ ملاقات پندرہ مارچ ۱۹۷۱ء کو ہوئی۔ ولی خان (نیپ) بزنس (نیپ) اور دولتانہ (کنسل مسلم لیگ) بھی ڈھا کہ پہنچے۔ صدر اور عوامی لیگ کے رہنماؤں نے اپنے مذاکرات میں اور اکیس مارچ ۱۹۷۱ء کو جاری رکھے اور آخری اجلاس میں ان کے معاونین نے بھی مذاکرات میں حصہ لیا۔ بھٹو بھی ایک پندرہ رکنی ٹیم کے سربراہ کی حیثیت سے اکیس مارچ کو ڈھا کہ پہنچا۔

یجی۔ مجیب مذاکرات دو سطحوں پر ہوئے۔ پہلے دونوں کے درمیان بعد میں ان کے ٹکٹیکی ماہرین کے درجے پر۔ یجی کی ٹیم میں جنرل پیرزادہ اور جسٹس کارنیلیمس شامل تھے۔ ڈپٹی چیئر مین منصوبہ بندی کمیشن ایم ایم احمد نے بھی مذاکرات میں اس حد تک حصہ لیا جب قوی حکومت اور بنگلہ دیش کی نئی ریاست کے درمیان مالی اور معاشی معاملات اٹھائے گئے۔ راولپنڈی میں ملٹری فنانس کا قانونی ماہر کرنل حسن یجی کی ٹیم کا چوتھا رکن تھا۔ مجیب کی مذاکراتی

۱۔ اس بھٹو یجی ساز باز کے لیے لکھا ہوا "The Death Dance"۔ سید شہیر حسین اسلام آباد 1980ء۔

۲۔ روزنامہ آزاد لاہور 3 مارچ 1971ء۔

ٹیم میں سخت گیر افراد میں تاج الدین احمد اور دیگر سرکردہ عوامی لیگی رہنماؤں کو اسلام۔ مشتاق احمد۔ قمر الزمان۔ منصور علی اور آئینی ماہر ڈاکٹر کمال حسین شامل تھے۔^(۱)

عوامی لیگ کی قیادت اور مغربی پاکستان کے سرکردہ سیاسی رہنماؤں نے اس کڑے وقت میں مشرقی پاکستان میں ایم ایم احمد کی موجودگی پر شدید تنقید کی اور پاکستان کو تقسیم ہونے سے بچانے کی کوششوں میں اسے رخنہ اندازی کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔

روزنامہ جنگ کراچی کے نامہ نگار نے یہ اطلاع دی۔

”ایم ایم احمد مشیر صدر پاکستان برائے اقتصادی امور عوامی لیگ کے رہنماؤں کے ساتھ آئینی تھقل کو دور کرنے کے مذاکرات کے لیے ڈھاکہ میں موجود ہے ڈھاکہ میں مغربی پاکستان کے اعلیٰ سیاسی ذمہ دار حلقوں نے اس کی ڈھاکہ میں موجودگی پر شدید شبہات کا اظہار کیا ہے۔“

سیاسی اور دوسرے حلقے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ایم ایم احمد بطور سیکرٹری وزارت خزانہ اور اقتصادی امور ایوب کی حکومت قائم ہونے سے قبل اور بعد میں ایوبی حکومت میں بطور ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کمیشن مشرقی پاکستان کی اقتصادی محرومی کا ذمہ دار تھا اور سیاسی سازشوں کا معمار رہا ہے۔ ایوب بکے زوال کے بعد پر زور عوامی مطالبے پر اس کو ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کمیشن کے عہدہ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں اسے بطور مشیر صدر پاکستان اور بھی زیادہ مضبوط حیثیت میں ملک پر مسلط کر دیا گیا۔ اس کی بطور مشیر تقرری کی مشرقی پاکستان میں پر زور مذمت کی گئی۔

مشرقی پاکستان کے سیلاب کے متاثرین کی دوبارہ آباد کاری کی رابطہ کمیٹی کے چیئرمین کے طور پر اس کی تقرری پر بھی شدید رد عمل ہوا تھا۔ اب جب کہ سیاسی بحران کو حل کرنے کے لیے گفت و شنید جاری ہے ایسے وقت میں اس کی ڈھاکہ میں موجودگی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ چونکہ ایم ایم احمد کو میٹرو پولیٹن سیاسی گروپ کے سب سے مضبوط افسر شاہی نمائندہ کے طور پر سمجھا جاتا ہے جو موجودہ بحران کا ذمہ دار تصور کیا جاتا ہے۔“^(۲)

۱۔ جی ڈبلیو جہد ری ص 67-66۔

۲۔ روزنامہ جنگ کراچی 126، 1971ء۔

مغربی پاکستان کے سیاسی رہنماؤں عبدالولی خان- غوث بخش بزنجو- ممتاز دولتانہ- خان عبدالقیوم- شاہ احمد نورانی اور سردار شوکت حیات جنہوں نے اوائل مارچ ڈھا کہ جا کر عوامی لیگ کی قیادت کے ساتھ مذاکرات کیے تھے سامراجی صیہونی یورش اور پاکستان کے خلاف بیرونی سازشوں کا اشارہ دیا۔ مولانا نورانی نے انکشاف کیا کہ نئی دہلی اور رمل ایب میں پاکستان کو توڑنے کے لیے ایک خوف ناک سازش تیار کی گئی ہے اور ایم ایم احمد سامراجیوں کی طرف سے پوری سرگرمی سے اس میں ملوث ہے۔ راولپنڈی کے آٹھ سرکردہ علماء نے ایم ایم احمد کو اس کے عہدے سے ہٹائے جانے کا مطالبہ کیا اور ڈھا کہ میں اس کی موجودگی پر شدید تنقید کی۔ اسے مشرقی اور مغربی پاکستان کے راہنماؤں کے مابین اختلافات پیدا کرنے اور یوگیا کو گمراہ کرنے کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔^(۱) ایم ایم احمد کے ڈھا کہ میں کڑی مصالحتی گفت و شنید کے دوران مذموم کردار کو یوگیا کی کابینہ کی وزیر خارجہ نوابزادہ شیر علی نے بھی طشت از بام کیا۔^(۲)

شیخ مجیب الرحمن نے ڈھا کہ میں کہا کہ اسے یقین ہے کہ تعطل کو دور کرنے کا کوئی نہ کوئی حل موجود ہے۔ تاہم اس کے دوستوں نے صدر کے ہمراہیوں سے مذاکرات کیے ہیں اور ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ کسی مصالحت پر پہنچنے میں ناکام رہے ہیں۔ یہ صدر اور اس کے مشیروں کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس تعطل کو دور کرنے میں مدد کرتے ورنہ ملک سنگین بحران سے دوچار ہو جائے گا۔^(۳)

پچیس مارچ کی رات گفت و شنید ناکام ہو گئی۔ فوج نے مجیب کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس فوجی ایکشن کے دو ماہ بعد ڈھا کہ یونیورسٹی میں اقتصادیات کے پروفیسر رحمان سبحان نے جو کہ مجیب کا مشیر بھی تھا۔ پانچ جون ۱۹۷۱ء کو گارڈین مانچسٹر سے یوگیا مجیب مذاکرات کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

”پچیس مارچ کو عوامی لیگ کی ٹیم نے ”اعلان“ کے حتمی مسودے کی تیاری کا انتظار کیا مگر

جنرل یحیٰ زائدہ کی طرف سے متوقع بلاوا کبھی نہ آیا۔ اس کی بجائے ایم ایم احمد اپنی ترمیم پر عوامی لیگ کے رد عمل کا انتظار کیئے بغیر کراچی چلا گیا جس سے ظاہر تھا کہ جتنا کہ ذہن میں مذاکرات کے متبادل کے طور پر کچھ اور ہی منصوبے تھے۔^(۱)

جمیعت علماء اسلام کے ایک سرکردہ رسالے نے لکھا۔

”ایم ایم احمد نے پاکستان میں اپنی پیشہ وارانہ زندگی کے دوران مختلف عہدوں پر کام کیا ہے۔ اس کی حرکتوں اور خفیہ منصوبوں پر گہری نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ وہ اور اس کی طرز کے دوسرے بیوروکریٹ اب مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ مغربی پاکستان میں مرزائی ریاست قائم کی جاسکے جس کی انہیں طویل عرصہ سے خواہش ہے۔“^(۲)

جماعت اسلامی کے مفت روزہ ”ایشیاء“ لاہور نے لکھا۔

”ڈھاکہ کی مصالحتی گفت و شنید میں ایم ایم احمد کی موجودگی اور لوٹ ہونے سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ پاکستان میں ایک حقیقی جمہوری حکومت اور اسلامی آئین کے مسودے کی تیاری کی کوششوں کو تہہ وبالا کر دیا جائے۔ ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کمیشن کے طور پر اس پر مشرقی پاکستان کی پس ماندگی اور اقتصادی محرومی کی ذمہ داری کا الزام لگایا جاتا ہے جس کے باعث مشرقی پاکستان علیحدگی کا نعرہ لگانے پر مجبور ہوا۔ ڈھاکہ مذاکرات میں اس کی گہری دلچسپی یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ اپنے ذمہ لگائے گئے کام میں کس دلچسپی سے سرگرم ہے۔ ان مذاکرات کے ”بھیانک“ انجام نے اس کی اپنے مشن میں کامیابی پر کافی روشنی ڈال دی ہے۔“^(۳)

میاں طفیل احمد امیر جماعت اسلامی نے یہ انکشاف کیا کہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد پاکستان کے دشمنوں کی لندن میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں ہندوستانی وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ۔ اسرائیل کی گولڈا میئر اور مرزا ناصر احمد نے استحکام پاکستان کے خلاف ایک منصوبہ ترتیب دیا ہے۔ تاہم الفضل ربوہ نے اسے ایک الزام قرار دیا اور مرزا ناصر کی ایسی

کسی بھی کانفرنس میں شرکت کی تردید کی۔^(۱)

مشرقی پاکستان میں پاک افواج کے کمانڈر رینارڈ جنرل عبداللہ خان نیازی نے اپنی غیر مطبوعہ سوانح حیات میں ایم ایم احمد منصوبے کے وجود کی طرف اشارہ کیا ہے وہ لکھتا ہے۔ ”مجر جنرل فرمان علی (گورنر مشرقی پاکستان کے فوجی مشیر) نے مجھے اس منصوبے کے بارے میں اس وقت بتایا جب وہ ہندوستان میں جنگی قیدی تھے مگر اس نے اس کی تفصیلات نہ بتائیں۔ تاہم اس منصوبے کا مقصد یہ تھا کہ مشرقی پاکستان سے پاکستان کی حاکمیت کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے اور کسی آنے والی حکومت کو اقتدار نہ سونپا جائے۔“^(۲)

راؤ فرمان علی نے ایک انٹرویو میں ایم ایم احمد کے کردار پر کڑی تنقید کی اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی سازشوں میں اس کے کردار کو بے نقاب کیا۔ مجیب کے ہراز اور مکتی باہنی کے کمانڈر جنرل عثمان نے ایک انٹرویو میں یہ انکشاف کیا کہ مجیب اپنی گرفتاری کے بعد بنگلہ دیش اور پاکستان کی کنفیڈریشن بنانے پر رضامند تھا۔ اس نے اپنے وکیل مسٹر اے کے بروہی اور عوامی لیگ کے رہنماؤں تاج الدین۔ مشتاق کھنڈکر اور چین میں پاکستانی سفیر مسٹر کے ایم قیصر کے ذریعے سے اسلام آباد کو قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی کہ وہ کسی بھی شرط پر راضی ہو جائیں مگر بجٹی ڈھاکہ میں بنگالیوں کی تشکیل کردہ حکومت کا سخت مخالف تھا۔ اس نے عوامی لیگ کے ارکان اسمبلی کو نا اہل قرار دے کر اور ان کی وسیع پیمانے پر گرفتاریوں سے انہیں مزید بھڑکا دیا۔ اسلام آباد کو بڑی اچھی طرح پتہ تھا کہ یہ تمام ظالمانہ ہتھکنڈے صورت حال کو مزید خراب کر دیں گے۔ مگر یہ سب کچھ سختی سے ایم ایم احمد منصوبے کے تحت ہو رہا تھا۔^(۳)

مشرقی پاکستان میں سیاسی صورتحال ۱۹۷۱ء کے وسط میں خراب سے خراب تر ہوتی گئی پانچ جون ۱۹۷۱ء کو مولانا مودودی نے ایک یادداشت تیار کی اور اسے تمام مسلمان ریاستوں کے سربراہوں اور برطانیہ اور امریکہ میں مقیم مسلمان تنظیموں کو بھجوائی تاکہ انہیں مشرقی پاکستان کے

۱۔ الفضل ربیعہ 26 مارچ 1971ء۔

۲۔ قومی ڈائجسٹ لاہور 9 جولائی 1978ء میں 56 جنرل رینارڈ نیازی کی سوانح عمری کے غیر مطبوعہ اوراق سناہری نے اپنا ملاحظہ چھاپ دیا ہے۔

۳۔ سیارہ ڈائجسٹ لاہور دسمبر 1973ء ”بدستور سے اعتراض“۔

بحران میں غیر ملکی قوتوں اور ان کے آلہ کاروں کے کردار سے آگاہ کیا جاسکے۔

اس یادداشت میں ہندوؤں برطانوی اور صیہونی پشت پناہی سے کام کرنے والی امریکی لابی کے کردار پر زور دیا گیا جنہوں نے استحکام پاکستان کے خلاف یہ سازش تیار کی تھی۔ انتخابات کے دوران دو علاقائی جماعتیں مجیب کی عوامی لیگ جسے مشرقی پاکستان کی ہندو اکثریت کی حمایت حاصل تھی اور بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی قومی منظر پر ابھر کر سامنے آئیں۔

”مغربی پاکستان میں قادیانی (جو کہ مرزا غلام احمد آف قادیان (ہندوستان) کی نبوت پر یقین رکھتے ہیں) اور حکومت میں بڑا اثر رکھتے ہیں اور جن کے پاس بے تحاشہ مالی وسائل ہیں نے اپنا سارا وزن مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے پلڑے میں ڈال دیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مغربی پاکستان کے قادیانی ایک اسلامی ریاست کو اپنے مفادات کے لیے سخت نقصان دہ سمجھتے ہیں اور ایک غیر اسلامی ریاست چاہے وہ اشتراکی ہی کیوں نہ ہو ان کے لیے سودمند ہے دوسرے چونکہ مشرقی پاکستان ان کے اثر سے باہر ہے اور ان کی ساری آبادی مغربی پاکستان میں ہے چنانچہ ان کی حتمی خواہش اور کوششوں کا محور ہی یہی ہے کہ مشرقی پاکستان کو ایک سازش کے ذریعے مغربی پاکستان سے علیحدہ کر دیا جائے تاکہ مسٹر بھٹو کی معاونت سے مغربی حصے کو قادیانی ریاست بناسکیں۔“^(۱)

ہندوستان نے ملک ختم کرنے کے لیے مشرقی پاکستان میں بگڑتی صورتحال کا فائدہ اٹھایا۔ عوامی لیگ کی نیم فوجی تنظیم مکتی باہنی کی تربیت ہندوستان میں ہوئی تھی۔ اس کی سرگرمیاں مشرقی پاکستان میں خوفناک حد تک بڑھ گئیں۔ بیرونی امداد کے حصول کی خاطر ہندوستان نے روس کے ساتھ ایک معاہدہ دوستی پر دستخط کر دیئے۔ یہ ایک دفاعی معاہدہ تھا۔ ہندوستانی پریس پہلے ہی پاکستان کے خلاف ایک پروپیگنڈہ مہم شروع کر چکا تھا۔^(۲) ہندوستان کی انٹیلی جنس ایجنسی ”را“ نے اپنے جاسوسوں کا ایک جال قائم کر لیا اور مشرقی پاکستان میں تخریب کے لیے بڑی تعداد میں اپنے آلہ کار داخل کر دیئے۔^(۳)

۱۔ مریم جمیل ”Who is Moudodi“ لاہور۔ ص 48 تا 48۔

۲۔ جی ڈبلیو ہندری ص 217۔

۳۔ شوکت ریہان سالانہ راکورن ہندوستانی خفیہ سروس کی کہانی دہلی پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی۔

ہندوستان کی طرف سے پاکستان کے خلاف چھیڑی گئی اس جارحانہ جنگ میں اس نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

مشرقی پاکستان میں طاقتور قادیانی لابی نے علیحدگی پسند عناصر کی بھرپور مدد کی۔ مشرقی پاکستان کے صوبائی امیر جماعت احمدیہ مولوی محمد۔ چٹاگانگ مشن کے انچارج راجہ ناصر احمد۔ ڈھاکہ مشن کے انچارج مولوی احمد صادق محمود۔ سیکرٹری اصلاح و ارشاد شہید الرحمن اور رنگ پور کے مولوی بدرالدین نے ہندوستان نواز علیحدگی پسندوں کی مکمل اعانت کی اور مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسندانہ نظریات کی بھرپور پذیرائی کی۔ مغربی بنگال کے احمدیہ مشن کے ساتھ ان کے قریبی روابط استوار تھے اور وہ امیر جماعت احمدیہ ہندوستان مرزاوسیم احمد اور امیر جماعت کلکتہ مولوی شریف امینی سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

عوامی لیگ کی دہشت گرد علیحدگی پسندانہ تنظیم مکتی باہنی سے قادیانی تعاون۔ پاکستان مخالف عزائم کا حصہ تھا۔ قادیانیوں نے خفیہ طور پر اپنی کارروائیاں جاری رکھیں۔ ایک قادیانی بزرگ نے ایک دفعہ مصنف کو یہ راز بتایا کہ قادیانی پہلے مرحلے میں باغیوں کو ان کی گوریلا کارروائیوں میں امداد دیتے تھے۔ مگر جب جماعت اسلامی میدان میں کود پڑی اور اس کی دہشت گرد تنظیموں ”البدر“ اور ”الفتحس“ نے سابقہ مشرقی پاکستان میں کارروائیاں شروع کیں۔ تو وہ بنگالی مجاہدین کی مدد کرنے پر مجبور ہو گئے۔ احمدی مشرقی پاکستان میں ایک قلیل اقلیت میں تھے اور جماعت اسلامی کے جنگجو انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کچل دینے پر تلے ہوئے تھے۔ انہیں پوری طرح احساس تھا کہ ان کی حیثیت ایک سیکولر بنگلہ دیش کی صورت میں ہی محفوظ رہ سکتی ہے جس کے بیرونی قوتوں کی مدد سے پیدا ہونے کا امکان تھا۔ کلکتہ کا احمدی مرکز جلاوطن بنگالی قیادت کی دیکھ بھال کرتا اور ان بنگالیوں سے رابطے استوار کرتا جو مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے نتیجے میں مغربی بنگال کی طرف فرار ہو گئے تھے۔

دسمبر ۱۹۷۱ء کے اوائل تک مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی جاری رہی جب ہندوستان نے

پاکستان پر حملہ کر دیا۔ دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہندوستان کے ساتھ جنگ چھڑ جانے پر افضل ربوہ نے احمدیوں کو مبارکباد دینا شروع کر دی۔ اس کے چند روزہ دسمبر کے شمارے میں مرزا غلام احمد کی ایک پیش گوئی اخبار کے صفحہ اول پر شائع کی گئی۔ جس میں خوابوں کی روایتی زبان میں جنگ کے بعد احمدی جماعت کی شاندار فتح اور روشن مستقبل کی نوید سنائی گئی تھی۔^(۱) مرزا ناصر احمد نے اپنی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے ایک خواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ وہ قادیان میں رہائش پذیر تین سو تیرہ درویشوں کے لیے دعا کریں۔ ان درویشوں نے مرزا ناصر احمد سے شکایت کی تھی کہ دوران جنگ ہندوستانی ان کو ہراساں کرتے رہے تھے۔^(۲) یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ کئی دفعہ بھارت نے ان درویشوں پر شبہ کیا۔ ان پر سامراجیوں کے آلہ کار ہونے کا شک کیا گیا اور کئی مواقع پر ان پر خفیہ اور زیر زمین سیاسی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا الزام لگایا تھا۔

قادیانی جریدے ”تحریک جدید“ ربوہ نے پہلی دفعہ مرزا محمود احمد کا ایک خواب شائع کیا جو انہوں نے گیارہ جون ۱۹۵۱ء کو دیکھا تھا۔ دراصل یہ احمدیوں کی قادیان مراجعت کا ایک بین السطور وعدہ تھا۔ اس میں یہ پیش بینی کی گئی تھی کہ قادیانی دہلی اور اس کے مضافاتی علاقوں پر بھی قبضہ کر لیں گے۔^(۳)

سقوط ڈھاکہ:

سولہ دسمبر ۱۹۷۱ء کو غیر ملکی سازشوں اور دخل اندازی کے طویل سلسلہ کا نتیجہ سقوط ڈھاکہ کی صورت میں نکلا۔ بیس دسمبر ۱۹۷۱ء کو بھٹو نے بطور صدر پاکستان اقتدار سنبھال لیا۔ لوگوں نے مغربی پاکستان میں مشرقی پاکستان سے محرومی اور فوج کی شکست کا باعث بننے والے عوامل کی تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ پورے مغربی پاکستان میں جنرل یحییٰ اور اس کے سول و فوجی مشیروں کے خلاف بڑے بڑے جلوس نکالے گئے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں سامراجی

۱۔ افضل ربوہ 15 دسمبر 1971ء۔

۲۔ افضل ربوہ 16 دسمبر 1971ء۔

۳۔ تحریک جدید ربوہ دسمبر 1971ء۔

اور صیہونی آقاؤں کی ہدایات پر ایم ایم احمد کے ادا کینے گئے کردار کی ہر جگہ پر مذمت کی گئی۔^(۱) الفضل نے سقوط ڈھاکہ کو ایک حاضی شکست قرار دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں جو اہم سیاسی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں وہ اندھیرے میں روشنی کی کرن کی طرح ہیں^(۲) اخبار نے بھٹو کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا اور لوگوں پر زور دیا کہ وہ اس کی ہر طرح سے مدد کریں یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس نے قوم کو ایک نئی قوت جذبہ اور لگن دی ہے۔^(۳)

قوم نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی وجوہات اور اس سازش میں ملوث یحییٰ۔ ایم ایم احمد اور دیگر افراد کے خلاف مقدمے کا مطالبہ کر دیا۔ بھٹو نے جسٹس حمود الرحمن کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کر دیا تاکہ علیحدگی کی وجوہات اور مغربی پاکستان میں فوجی ناکامی کا پتہ چلایا جاسکے۔ کمیشن کو ایم ایم احمد کے منفی کردار کے بارے میں یادداشتیں ارسال کی گئیں جو اس نے مارچ ۱۹۷۱ء میں مذاکرات کے دوران ادا کیا تھا۔ جو بعد میں سیاسی شکست کی صورت میں برآمد ہوا۔^(۴) عوامی لیگ کے کئی رہنماؤں بلکہ ایک دفعہ تو مجیب نے بھی ایم ایم احمد کے کلیدی عہدے سے استعفیٰ کا مطالبہ کیا تھا۔^(۵)

یہودی سازش

مشرقی پاکستان کے سقوط پر رابطہ عالم اسلامی مکہ نے ایک بیان میں انکشاف کیا کہ پاکستان اشتراکیوں اور صیہونیوں کی تیار کردہ سازش کا شکار ہو گیا ہے۔

”دی جوش کرائیکل“ لندن نے یہ انکشاف کیا کہ میجر جنرل جیکب جو مشرقی پاکستان میں ہندوستانی افواج کا سینکڑوں کمانڈ تھا وہ ایک یہودی تھا۔ وہ برطانوی صیہونی وفاق کے چیئرمین آنجنائی ڈاکٹر آئی ایس فوکس کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اخبار نے یہ بھی لکھا کہ ہندوستانی مسلح افواج میں بڑی تعداد میں یہودی افسر تھے جن میں زیادہ مشہور ریئر ایڈمرل ٹمن ایم ایم

۱۔ جنگ دہلیڈی 21 ستمبر 1971ء۔

۲۔ الفضل ریمہ 24 دسمبر 1971ء۔

۳۔ الفضل ریمہ 26 دسمبر 1971ء۔

۴۔ چلداداں راولپنڈی 16 جنوری 1972ء۔

۵۔ مشرق لاہور 12 جنوری 1972ء۔

سکسن اور نیوی کے جج ایڈووکیٹ ایلزبتھیراڈ تھے۔ (۱)

فلسطین ہمدوت نے لکھا ”عرب دنیا کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس تازہ ترین سازش کو جان لے جو کئی عناصر، وجوہات اور نشانوں پر مشتمل ہے جو دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور مسلمان ریاست کی قوت، استحکام اور وحدت کو ختم کرنے کے لیے تیار کی گئی تھی۔ عالمی صیہونیت نے اس جال کو بننے اور اس منصوبے کو عمل میں لانے کے لیے اس میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ چونکہ پاکستان نے کئی مواقع پر فلسطین کے مسائل کے متعلق بڑا اہم کردار ادا کیا ہے اور عرب دنیا سے پاکستان کے مضبوط برادرانہ تعلقات ہیں۔ یہ پالیسی عرب ممالک میں صیہونی توسیع پسندی کی راہ میں حائل ہے۔ پاکستان نے سچی اور متواتر مدد کی ہے۔

ہم یہ کوئی بے معنی بات نہیں کر رہے بلکہ ہم تو اس مواد کی بنیاد پر یہ بات کر رہے ہیں جو یہودیوں نے اس کے متعلق کہا اور لکھا ہے اور جو حقیقی وجوہات پر روشنی ڈالتا ہے۔ پاکستان کے خلاف ہندوستان نے تازہ ترین جارحیت کا دوبارہ ارکاب کیا ہے۔ عرب دنیا کو اس جارحیت کے بارے میں وضاحت حاصل ہو جائے اور ہندوستانی و صیہونی غلط بیانیوں اس بارے میں گمراہی تھپیلانکیں۔“

برطانوی مفت روزہ جریدے ”جیوش کرائیکل“ نے جو صیہونی تنظیم کار سالہ ہے اپنے نو اگست ۱۹۶۷ء کے شمارے میں ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد پیرس میں سو بورن یونیورسٹی میں بن گوریان کے دیئے گئے لیکچر کا مندرجہ ذیل اقتباس نقل کرتا ہے۔

”عالمی صیہونی تحریک کو پاکستان کی طرف سے لاحق خطرات سے بے خبر نہیں ہونا چاہیے اور اب پاکستان کو اس کا پہلا نشانہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ نظریاتی ریاست ہمارے وجود کے لیے ایک خطرہ ہے اور یہ کہ پاکستان کے سب لوگ یہودیوں سے نفرت اور عربوں سے محبت کرتے ہیں۔ عربوں سے یہ محبت ہمارے لیے بذات خود عربوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اس مقصد کے لیے عالمی صیہونیت کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف فوری اقدامات کرے۔“

بن گوریان مزید کہتا ہے۔

”جبکہ جزائے ہند کے لوگ ہندو ہیں۔ جن کے دل پوری تاریخ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت سے بھرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان مسلمانوں کے خلاف کام کرنے کے لیے ہمارے لیے اہم ترین پڑاؤ ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم اس مرکز سے کام لیں اور پاکستانیوں کو پکڑ دیں۔ جو یہودیوں اور صیہونیوں کے دشمن ہیں اس کے لیے تمام خفیہ و ظاہر منصوبے اپنائے جائیں۔“^(۱)

ایک امریکی یہودی عسکری ماہر پروفیسر برنر لکھتا ہے۔

”پاکستان کے فوجیوں کے اندر حضرت محمد ﷺ کے لیے بے پناہ محبت موجود ہے اور یہی وہ چیز ہے جو پاکستان اور عربوں کے درمیان تعلق کو مضبوط کرتی ہے اور حقیقت میں یہ عالمی صیہونیت کے لیے ایک سنگین خطرہ اور اسرائیل کی توسیع پسندی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ چنانچہ یہودیوں پر یہ لازم ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی اس محبت کو ہر طریقے سے ختم کر دیں۔“^(۲)

بھٹو نے بذات خود ایک صحافی کے سوال کے جواب میں یہ انکشاف کیا کہ پاکستان کو ایک سازش کے تحت توڑا گیا ہے۔ سوال کرنے والے نے کہا کہ آیا صیہونیت نے تقسیم پاکستان میں کوئی کردار ادا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ

”کئی قوتیں مل گئی تھیں اور ایک بین الاقوامی سازش ہوئی تھی۔“^(۳)

۱۔ دی فلسٹین میرٹ نمبر 120، جلد XL (اپریل) جنوری 1972ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی 27 جنوری 1972ء۔

بائیسواں باب

تحریک کی ابتداء

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد بھٹو کا اگلا قدم اپنے اختیارات کا استحکام اور اپنے بڑے مخالفین کا خاتمہ تھا۔ قبل اس کے کہ وہ سر اٹھاسکیں۔ ۱۹۷۲ء کے اوائل میں نوکر شاہی اور فوج کی تطہیر کی گئی۔ لیفٹیننٹ جنرل گل حسن قائم مقام کمانڈر انچیف کے عہدے پر دسمبر ۱۹۷۱ء سے کام کر رہا تھا۔ ایئر مارشل رحیم خان اور چھ دیگر افسروں کو تین مارچ ۱۹۷۲ء کو اپنے عہدوں سے سبکدوش کر دیا گیا تاکہ ”پیشہ و فوجی پیشہ ور سیاستدان نہ بن سکیں۔“

اصل مہرے یہی تھے جو اسے اقتدار میں لائے تھے۔^(۱)

واشنگٹن پوسٹ نے یہ اطلاع دی کہ اسلام آباد میں مختلف اقسام کی افواہیں گردش کر رہی تھیں کہ فوج کے دو افسران کو نکال دیا گیا ہے جن پر بھٹو کو صدارت تک لانے کی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایک خبر سے یہ ظاہر تھا کہ اس اقدام سے فوجی انقلاب کا راستہ روکا گیا ہے۔ دوسری سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جنرل گل حسن نے عبدالولی خاں سے متواتر کئی ملاقاتیں کیں اور بھٹو کو ان مذاکرات کی نوعیت بتانے سے انکار کر دیا تھا۔^(۲) بھٹو نے جنرل گل حسن کی جگہ جنرل ٹکا خان کو مقرر کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے ایئر وائس مارشل ظفر چوہدری

۱۔ جنرل یحییٰ کے چیف آف سٹاف جنرل حیدر کو کہنا چاہتے تھے لیکن عوام نے شور مچا کر ان کو بیٹھے پر مجبور کر دیا اور کئی دو مہینے درجے کے لیڈنگ کمانڈروں نے دھمکی دے دی کہ وہ اپنی ملازمتوں اور ریٹائرمنٹوں کے ساتھ رولپٹری کی طرف پیش قدمی کر دیں گے اگر ملک کی انتظامیہ سول لوگوں کے حوالے نہ کی گئی۔ سٹے افسران نے یہ بھی واضح کیا کہ بھٹو ایک سولین تھا۔ ان کے ذہن میں تھا کہ وہ کبھی کابیلور صدر جانشین ہے۔ (تاہم جلد یہ بھی ”پاکستان میں ریاست اور معاشرہ“ ۷۱-۱۹۷۱ء لندن ۱۹۸۰ء میں ۶۹۔

۲۔ واشنگٹن پوسٹ ۲۴ مارچ ۱۹۷۲ء)۔

(قادیانی) کو فضا سہ کا نیا سربراہ مقرر کر دیا۔ ایم ایم احمد کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھٹو کا مشیر برائے بیرونی امداد اور قرضہ جات مقرر کر دیا گیا۔ بحریہ کے ایک جوئیر آفیسر کو ڈوراجی ایچ احمد (جس پر بھی قادیانی ہونے کا الزام تھا) کو بحریہ کا قائم مقام کمانڈران چیف تعینات کر دیا گیا۔

سیاسی فوجی اور انتظامی قیادت سے بڑے مخالفین کو نکال کر اور ”رکاوٹیں پیدا کرنے والوں“ کی تطہیر کے بعد بھٹو نے سیاسی امور سرانجام دینے شروع کر دیئے۔ فروری ۱۹۷۲ء میں پاکستان نے دولت مشترکہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جولائی ۱۹۷۲ء میں ہندوستان کے ساتھ شملہ معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ اس کے بعد بھٹو نے لوگوں کے جذبات کو بنگلہ دیش تسلیم کیے جانے کے مسئلہ پر ٹھنڈا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ہندوستان نے جنگی قیدیوں اور مفتوحہ علاقوں کی واپسی پر رضامندی ظاہر کر دی۔ پاکستان نے آزاد کشمیر کے علاقے میں حاصل کردہ اہم چوکیاں واپس کر دیں۔ شملہ معاہدے کے مطابق مسئلہ کشمیر کو پر امن طریقے سے دوطرفہ بات چیت کے ذریعے حل کیا جانا تھا۔ جنگ بندی لائن کو کنٹرول لائن قرار دیا گیا۔ کچھ سیاسی رہنماؤں نے اسے کشمیر کی فروخت کا نام دیا کیونکہ پاکستان اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر پر کوئی بھی ایک طرفہ حوالہ پیش نہیں کر سکتا تھا۔ یہ زمانہ (۱۹۷۲ء) سندھ میں لسانی فسادات، پنجاب سے قومی اسمبلی میں جماعت اسلامی کے واحد امیدوار ڈاکٹر نذیر احمد کے وحشیانہ قتل اور کئی سیاسی رہنماؤں کی گرفتاریوں کی یاد دلاتا ہے۔ پریس کو ٹیکل ڈالنے کے لیے ایوبی دور کے کئی ظالمانہ قوانین نافذ کر دیئے گئے۔ پیپلز پارٹی کے مخالف اخباروں کے مدیروں اور ناشران کو پابند سلاسل کر دیا گیا۔ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور۔ ہفت روزہ زندگی لاہور۔ ہفت روزہ پنجاب پنج لاہور۔ روزنامہ جسارت کراچی۔ ڈان کراچی اور ہفت روزہ چٹان زیر عتاب آ گئے۔ ان کے مدیروں اور ناشران کو گرفتار کر لیا گیا۔ گورنر پنجاب غلام مصطفیٰ کھر کا شورش کاشمیری کے ساتھ مباحثہ شروع ہو گیا جو ان کی گرفتاری پر منٹج ہوا۔

بھٹو حکومت نے تین جنوری ۱۹۷۲ء کو اقتصادی اصلاحات کا منصوبہ جاری کر دیا۔ دوسرا

اہم قدم اقتصادی منصوبہ بندی کی مشینری میں تبدیلی تھی۔ ایک سی ایس پی افسر قمر الاسلام کو منصوبہ بندی کمیشن کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ یہ کمیشن جلد ہی نوکر شاعی کا قلعہ بن گیا اور ایک ایسی جگہ کا روپ دھار گیا جہاں سے اڑیل بیورو کرہی حکومتی سماجی و اقتصادی ترقی کا ستیاناس کر سکتی تھی۔ حتیٰ کہ اسے وزارت خزانہ۔ منصوبہ بندی اور اقتصادی امور کا ڈویژن بنا دیا گیا۔^(۱) سیاسی حلقوں میں ایم ایم احمد مشیر برائے بیرونی امداد کے بارے میں شدید نفرت موجود رہی اور لوگوں نے عوامی حکومت سے اس کے اخراج کا مطالبہ شروع کر دیا۔^(۲) فروری ۱۹۷۲ء میں وہ امریکہ چلا گیا۔ شاید وہ عالمی سرمایہ کاروں سے قرضوں کی دوبارہ ترتیب اور مزید امداد کے لیے گیا تھا۔ حکومت نے اس کے دورے کو مخفی رکھا جس سے کئی شکوک و شبہات نے جنم لیا۔^(۳)

اپنے دورے کے دوران اس نے چپکے سے عالمی بینک کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر کا عہدہ قبول کر لیا۔ یہ عوامی مطالبہ زور پکڑ رہا تھا تھا کہ عدالت عالیہ یا عدالت عظمیٰ کے ججوں پر مشتمل ایک ٹریبونل قائم کیا جائے جو سامراجیوں اور صیہونیوں کے ایماء پر پاکستان کو توڑنے میں اس کے کردار کے بارے میں تحقیقات کرے۔ مجلس ختم نبوت کے رہنما مولانا لال حسین اختر نے الزام لگایا کہ ایم ایم احمد نے جب ایوبی دور میں وزارت خزانہ کا قلمدان سنبھالا ہوا تھا تو بحریہ کے لیے درکار رقم دینے سے انکار کر کے ملک کے دفاع کو کمزور کرنے کی سازش کی تھی۔^(۴)

پاکستان کے بیرونی مشن اور قادیانی

بھٹو حکومت کے ابتدائی دو سالوں میں قادیانیوں نے اس سے بھرپور تعاون کیا۔ الفضل ربوہ نے کئی ادارے لکھے جن میں لوگوں کو پر زور نصیحت کی گئی کہ وہ احتجاجی سیاست ترک کر دیں۔ امن و امان قائم کرنے میں مدد دیں اور عوامی حکومت کے ہاتھ مضبوط کریں۔^(۵) مرزا ناصر احمد نے اپنے خطبوں میں ان لوگوں پر شدید تنقید کی جنہوں نے احتجاج ہڑتالوں

۱۔ شہد جلائے کی 'ص' 98 'ڈاکٹر محسن جو کہ ایک آرکائٹ تھا کو پاکستان کا وزیر خزانہ بنایا گیا۔

۲۔ ہفت روزہ زندگی 29 دسمبر 1972ء۔

۳۔ جہاد کراچی۔ 17 جولائی 1972ء اور 17 جولائی 1972ء۔

۴۔ ہفت روزہ چٹان لاہور 20 نومبر 1972ء۔

۵۔ الفضل ربوہ 14 اگست 1972ء۔

اور تالے بند یوں کی راہ اختیار کی تھی اور عوام کی فلاح اور مفاد میں ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنے کی پرزور التجائیں کیں۔^(۱) انہوں نے اپنی جماعت کو ہدایت کی کہ وہ ملک کے استحکام کے لیے دعائیں کریں اور پاکستان کے لوگوں کے درمیان حب الوطنی کے نظریات کا پرچار کریں۔ اپنے نجی خطابات کے دوران انہوں نے بھٹو کی بے انتہاء تعریفیں کیں اور اس کی حکومت کو احمدی جماعت کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ قرار دیا۔

قادیانی مشعوں نے پاکستان کے بیرونی سفارت خانوں کی معاونت سے کام کرنا شروع کر دیا بیرون ملک رہنے والے پاکستانیوں کو یہ باور کرایا گیا کہ احمدیوں نے پیپلز پارٹی کی حکومت کو اقتدار دلایا ہے۔ ہمارے بیرونی سفارتخانوں کے کئی افسران نے احمدیوں کی سماجی تقریبات میں شرکت کرنی اور ان کے مبلغین کے ساتھ دوستیاں بڑھانی شروع کر دیں۔ قادیانیوں نے ایسے مواقع کو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے غلط طور پر استعمال کیا۔ جون ۱۹۷۲ء میں قادیانی جماعت برطانیہ کے ایک وفد نے گھانا کے ہائی کمشنر اور پانچ دیگر افریقی ممالک کے سفیروں سے ملاقات کی۔ وفد کے ارکان میں لندن میں پاکستانی سفارتخانے کا سیکنڈ سیکریٹری بھی تھا۔ مرزا ناصر ۱۹۷۰ء میں افریقی ممالک کے دورے کے دوران ان ممالک میں پہلے بھی ٹھہر چکے تھے۔

الفضل کہتا ہے۔

”مغربی افریقہ کے چھ ممالک کے سفیروں کو احمدی تبلیغی سرگرمیوں اور دیگر سرانجام دی گئی خدمات سے آگاہ کرنے کے لیے لندن کی مسجد فضل کے امام بشیر احمد خاں رفیق نے ایک تین رکنی وفد کی سربراہی کرتے ہوئے ان سے ملاقات کی۔ وفد کے ارکان میں پاکستان کے لندن کے سفارتخانے کا سیکنڈ سیکریٹری ہدایت اللہ بٹولی، خواجہ نذیر احمد پریس سیکریٹری فضل مسجد کے امام شامل تھے۔“^(۲)

چونکہ لندن ”مسجد“ کے امام کی سربراہی میں ایک وفد نے گیمبیا کے ہائی کمشنر سے

۱۔ الفضل، ص ۱۸، اگست ۱۹۷۲ء۔

۲۔ الفضل، ص ۲۹، جون ۱۹۷۲ء۔

ملاقات کی۔ پاکستانی سفارتخانہ لندن کے سیکنڈ سیکرٹری ہدایت اللہ بنگوی بھی اس کارکن تھا۔^(۱) مئی ۱۹۷۲ء میں گھانا میں پاکستانی ہائی کمشنر ایس اے سعید نے احمدیہ ہسپتال کا افتتاح کیا اور افریقہ میں احمدیوں کی اسلام اور لوگوں کی بھلائی کی خاطر سرانجام دی گئی خدمات پر شاندار خراج تحسین پیش کیا۔^(۲)

اوائل جون میں جب بھٹو افریقی ممالک کے دورے پر گیا تو احمدیہ جماعت نے اسے نا بحیر یا میں سرگرمی سے خوش آمدید کہا اور نا بحیر یا میں پاکستانی ہائی کمیشن کے ساتھ مل کر ایک مفصل پروگرام مرتب کیا۔

احمدی مرکز نا بحیر یا کے انچارج محمد اجمل شاہد نے ربوہ کو ایک مراسلے میں لکھا کہ جماعت نے نا بحیر یا سے سبکدوش ہونے والے پاکستانی سفیر کے اعزاز میں ایک ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔

”ڈاکٹر ایس ایم قریشی پاکستانی سفیر برائے نا بحیر یا کو (جو حال ۱۹۷۲ء ہی میں بیروت تبدیل ہو گئے ہیں) احمدیوں کی طرف سے برٹل ہوٹل میں الوداعی ضیافت دی گئی۔ اس میں بہت سے سفیروں کے علاوہ وزراء کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اس کی صدارت جسٹس کاظم نے کی۔ میں (اجمل شاہد) نے اپنا خطبہ پڑھا اور ہر ایک سی این ایس ایم قریشی نے ایک تقریری“۔^(۳)

احمدیہ جماعت لندن نے لندن میں پاکستانی سفیر لیفٹیننٹ جنرل محمد یوسف کے اعزاز میں لندن مسجد کے محمود ہال میں ایک تقریب کا اہتمام کیا۔ شرکاء میں وینڈ زور تھ کے میئر۔ گھانا۔ گیمبیا اور نا بحیر یا کے ہائی کمشنروں۔ پروفیسر ڈاکٹر سلام اور برطانیہ میں پی آئی اے کے جنرل منیر قاضی افضل حسین نے شرکت کی۔ لندن مرکز کے امام کے خطبے کے جواب میں سفیر مذکور نے جماعت احمدیہ کی سرگرمیوں کی تعریف کی خصوصاً ان کی عوامی فلاح کے لیے سر انجام دی گئی سرگرمیوں کی تعریف کی اور وعدہ کیا کہ جب وہ سوئٹزر لینڈ پہنچیں گے تو زیورچ کی

۱۔ الفضل ریوہ 28 جون 1972ء۔

۲۔ الفضل ریوہ 6 مئی 1972ء۔

۳۔ الفضل ریوہ 16 نومبر 1972ء۔

احمدیہ مسجد کا دورہ ضرور کریں گے۔^(۱)

مارٹینس میں جماعت احمدیہ نے ایک ”سیرت کانفرنس“ کا اہتمام کیا۔ مارٹینس میں پاکستانی سفیر انور خاں نے اس میں شرکت کی۔^(۲) اسی طرح سیرالیون میں پاکستانی سفیر ایس اے معید نے سیرالیون کی احمدیہ جماعت کی جانب سے دیئے گئے استقبالیے میں شرکت کی۔ اس سے قبل وہ سالٹ پونڈ (گھانا) کی تقریب میں شرکت کر کے اپنی جیب سے سوڈا لٹریچر عطیہ دے چکا تھا۔ اس نے علاقہ بوکے احمدیہ سینکڑی سکول کا بھی دورہ کیا۔ ایک دوسرے پاکستانی سفیر جمشید مار کرنے ٹرینی ڈاڈ میں احمدیوں کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی اور انجمن احمدیہ کو خراج تحسین پیش کیا۔^(۳)

انٹھائیس نومبر ۱۹۷۳ء کو انگوٹو (گھانا) میں ایک احمدیہ ہسپتال کی سرکاری افتتاحی تقریب میں ہنرا کیسی لینسی ایس اے معید۔ گھانا میں پاکستانی سفیر نے احمدیہ جماعت کی تعریف کی۔ اس نے احمدی جماعت کو اپنی مخلصانہ اور بے غرض کوششوں سے دو ملکوں کے درمیان بہتر افہام و تفہیم پیدا کرنے پر خراج تحسین پیش کیا۔ چیئرمین نے اپنے خیالات میں یہ اظہار کیا کہ گھانا میں اسلام کے احیاء کی اصل اور بڑی وجہ احمدیہ تحریک کے مشن ہیں اور سویدرو کا گاؤں جواب تک عیسائی گاؤں کے طور پر مشہور تھا اب اس میں مسلمانوں کی قابل ذکر آبادی ہو چکی ہے۔^(۴)

عالمی عدالت سے ریٹائرمنٹ کے بعد ظفر اللہ نے گھانا کا چار روزہ دورہ کیا۔ خطبہ استقبالیہ میں احمدی تحریک اشناتی کے چیئرمین جے سی الحسن نے کہا کہ گھانا میں سعودی سفیر حج کے لیے مکہ جانے کے لیے انہیں ویزے فراہم نہیں کرتا۔ اس نے ظفر اللہ سے درخواست کی کہ وہ حج کے اس مسئلے کے حل کے لیے دخل اندازی کرے۔^(۵)

۱۔ الفضل ریویو 18 جولائی 1972ء۔

۲۔ الفضل ریویو 5 جولائی 1972ء۔

۳۔ تحریک جدید زورہ جنوری 1973ء حریدہ جارت کراچی 6 مئی 1973ء۔

۴۔ تحریک جدید زورہ دسمبر 1973ء۔

۵۔ ایضاً۔

پچیس اگست ۱۹۷۳ء کو احمدی جماعت نے ان احمدیوں کو دعوت دی جو اس وقت یورپی ممالک کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ اس کے بعد پریس کانفرنس ہوئی جس میں جرمنی میں پاکستان کے قونصل لیفٹیننٹ جنرل محمد یوسف اور دیگر کئی سفیروں اور صحافیوں نے شرکت کی۔^(۱)

لاگوس میں پاکستانی سفیر نے یکم دسمبر ۱۹۷۳ء کو امیر جماعت احمدیہ نائیجیریا اور نواب منصور احمد خاں کے ہمراہ ایک احمدی ہسپتال کا دورہ کیا۔^(۲)
گھانا میں پاکستانی سفیر نے جماعت احمدیہ گھانا کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی۔^(۳)

ربوہ میں چینی سفیر:

سترہ اپریل ۱۹۷۲ء کو پاکستان میں عوامی جمہوریہ چین کے سفیر چانگ تنگ نے ربوہ کا دو روزہ دورہ کیا۔ سفارتخانہ کا تھرڈ سیکرٹری چنگ سنگ لو اس کے ہمراہ تھا۔ احمدی تنظیموں کے صدور اور دیگر قادیانی زعماء سے ان کا تعارف کرایا گیا۔ ربوہ کے مہمان خانے میں مرزا ناصر احمد نے ان سے ملاقات کی۔^(۴)

قصر خلافت کے صحن میں انہیں استقبالیہ دیا گیا۔ اس موقع پر دیگر ارکان صوبائی اسمبلی کے علاوہ مشیر پنجاب برائے جیل خانہ جات صوفی نذر محمد بھی موجود تھے۔

رات کو مرزا ناصر احمد نے ان کے اعزاز میں عشاء دیا۔ ایک صوبائی وزیر غلام جیلانی اور ڈپٹی کمشنر جھنگ ممتاز پراچہ نے بھی اس میں شرکت کی۔ سفیر مذکور نے تمام عمارتوں کا دورہ کیا اور قادیانی محکمہ جات کے تمام سربراہوں سے ملا جنہوں نے احمدی جماعت کی ”تبلیغی سرگرمیوں“ کے بارے میں بتایا۔ آخر میں روانگی کے وقت وہ اٹھارہ اپریل ۱۹۷۲ء کو جاتی دفعہ مرزا ناصر سے ملے۔^(۵)

۱۔ ایضاً۔

۲۔ الفضل ربوہ، 29 جنوری 1974ء۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ الفضل ربوہ، 21 اپریل 1972ء۔

۵۔ ایضاً۔

چینی سفیر کا ربوہ کا یہ دورہ پاکستان میں ترقی پسند عناصر کے لیے حیرانی کا باعث بنا۔ کچھ نے تو اسے ایک معمولی کارروائی قرار دیا جس کا مقصد احمدیہ جماعت کے طریق کار کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا جو سقوط ڈھاکہ کے بعد حملے کا سب سے بڑا نشانہ تھی۔ جبکہ کچھ نے اسے چینی امریکی تعلقات کے تناظر میں دیکھا اور یچی اور اسکے ہمراز ایم ایم احمد کے کردار کی روشنی میں ملاحظہ کیا جس کے بارے میں یہ کہا گیا کہ سی آئی اے نے اسے پہلے ہی کسجھ کے دورے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ بعض نے اسکی تشریح یوں کی کہ یہ پاکستانی دفتر خارجہ کی ربوہ کی غلامی کا نشان تھا اور یہ کہ ربوہ نئے پاکستان کی مستقبل کی تقدیر بنانے کے لیے غالب کردار ادا کرنے کا خواہشمند تھا۔

اکوڑہ خٹک سے رکن قومی اسمبلی مولانا عبدالحقؒ نے قومی اسمبلی میں وزیر داخلہ خان عبدالقیوم سے چینی سفیر کے دورہ ربوہ۔ ربوہ کی ریاست کی نوعیت۔ قادیانیت اور اسرائیل کے درمیان تعلقات اور احمدی جماعت کے پاکستان مخالف کردار کے بارے سوالات کیے۔^(۱) ان سوالات کی اجازت نندی گئی۔

چینی سفیر کے ربوہ کے دورہ کے چند روز قبل مرزا ناصر احمد نے مجلس مشاورت کے تہین ویں اجلاس میں چینی امریکی صلح اور عالمی سطح پر اس کے اثرات پر بحث کی۔ انہوں نے سال ۱۹۷۱ء کو عالمی سیاست میں ایک نیا موڑ قرار دیا۔ اور کہا:

”چین دنیا میں تیسری طاقت کے طور پر ابھرا ہے۔ امریکہ اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس سے طاقت کا توازن تبدیل ہوا ہے اور دنیا کے سیاسی و معاشی معاملات پر اس کا گہرا اثر پڑا ہے۔ ہم اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔ یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ آنے والے بیس سے پچیس سال پوری دنیا اور انسانیت کے لیے کتنے خطرناک ہو سکتے ہیں۔ ان چیزوں پر صرف ایک احمدی کا دل ہی دھڑک سکتا ہے۔ چنانچہ ہماری جماعت کو خدا سے دعا کرنی چاہئے۔ صرف خدا ہی دنیا کو اس تباہی و بربادی سے بچا سکتا ہے جس کی طرف یہ تیزی سے جا رہی ہے۔“^(۲)

۱۔ مولانا عبدالحق قومی اسمبلی میں اسلام آباد سرکڑ اکوڑہ خٹک ۱۹۸۷ء ص ۳۰۷۔

۲۔ الفضل ربوہ ۲۰ اپریل ۱۹۷۲ء۔

چھوٹا ربوہ

جولائی ۱۹۷۲ء میں قادیانیوں نے جناح ٹاؤن شپ سکیم ایبٹ آباد میں ایک چھوٹا ربوہ قائم کر لیا۔ یہ جگہ ملٹری اکیڈمی کا کول کے بالکل نزدیک تھی جہاں پاک فوج کے نوجوان افسران کو تربیت دی جاتی تھی۔ صوبہ سرحد کے ارکان اسمبلی۔ ہزارہ بار ایسوسی ایشن کے سرکردہ ارکان اور سیاسی جماعتوں کے چند ارکان پر مشتمل وفد نے اس وقت کے وزیر اعلیٰ سرحد مفتی محمود سے ملاقات کی۔ انہیں اپنے مطالبات پیش کیے اور نئے قادیانی مرکز کے خلاف مناسب کارروائی کی ضرورت پر زور دیا۔

صوبہ سرحد کے لوگ ایبٹ آباد میں قادیانی کالونی کے وجود پر بہت زیادہ پریشان تھے۔ انہیں یہ خدشہ تھا کہ پورے صوبہ میں قادیانیوں کے جو چند ایک گھر تھے وہ اپنے ”مسیحا کے گلے میں اور بھیڑوں کا اضافہ“ کر دیں گے۔^(۱) وہ خصوصی طور پر اس وقت کے گڑ بڑ کے علاقوں صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان کے علاقوں میں نئے مراکز قائم کرنے کے خواہاں تھے۔ ایوبی دور حکومت کے دوران (۱۹۶۸-۶۹ء) دو قادیانی افسران (خانزادہ عبدالسلام ڈپٹی کمشنر ایبٹ آباد اور جلیل احمد چھاؤنی آفیسر) نے جبری حصول اراضی ایکٹ کے تحت اس وقت کی مروجہ قیمت سے نسبتاً زیادہ قیمت پر ایک سو پچیس ایکڑ اراضی حاصل کر لی۔ تیرہ ایکڑ سے زیادہ رقبہ فوراً قادیانیوں نے قابو کر لیا اور اس کے ارد گرد چار دیواری کھڑی کر دی۔ یہ سب کچھ بڑی سرعت میں کیا گیا کیونکہ ۱۹۶۹ء میں جاری سیاسی صورتحال غیر یقینی تھی لہذا کسی قسم کی بھی تعمیر کا منصوبہ عارضی طور پر موخر کر دیا گیا۔^(۲)

لوگوں میں اس منصوبے کے متعلق بہت سی کہانیاں گردش کر رہی تھیں۔ یہ عمومی خیال تھا کہ اس علاقہ میں حصول اراضی کا یہی آئی اے کا منصوبہ تھا تا کہ اسے مستقبل میں ایک نئے بڑا بیراڈے میں تبدیل کیا جاسکے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ۱۹۵۸ء میں سکندر مرزا

۱۔ صوبہ سرحد کے احمدی قائدانوں کا مختصر حالات جاننے کے لیے ملاحظہ فرمائیے ”سب سے پہلے“ شمارہ ۱۹۵۹ء۔

۲۔ ملت روزہ روز قافتہ سرگودھا ۱۷ نومبر ۱۹۷۲ء۔

سہروردی انتظامیہ نے امریکی انتظامیہ کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیئے تھے کہ امریکہ پشاور کے نزدیک بڈا بیر کے علاقے میں ایک عسکری جاسوسی مرکز قائم کرے گا۔ یکم مئی ۱۹۶۰ء کو امریکی جاسوس گیری پاورز نے پشاور سے اپنا جہاز U2 اڑایا جسے روس میں مار گرایا گیا۔ یہ مرکز ۱۹۶۸ء یا ۱۹۶۹ء میں ختم کر دیا گیا۔ مدت معاہدہ پوری ہونے کے بعد امریکیوں کی خواہش تھی کہ وہ اپنی مدت قیام بڑھالیں یا پاکستان کے ساتھ مزید ایسا ہی معاہدہ کر لیں۔ یہ الزام بھی لگایا گیا کہ قادیانی ایسا تجرباتی شیشن قائم کرنا چاہتے تھے جو مستقبل میں روس اور چین میں ریڈیائی آمدورفت کی لہروں اور ان کی راہ گیری کی دیکھ بھال کر سکیں۔ یہ افواہیں بعد میں یقین کا درجہ اختیار کر گئیں کیونکہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی اس وقت پاکستان جوہری توانائی کمیشن کا سربراہ اور صدر کانسٹنس اور ٹیکنالوجی کا مشیر تھا اور ظفر چوہدری قادیانی اس وقت فضائیہ کا سربراہ تھا۔ علماء کی چھوٹے ربوہ کے خلاف چلائی گئی سخت تحریک اور دفاعی طور پر نہایت اہم پاکستانی صوبہ میں اس کے قیام کے بارے میں مختلف داستانوں کی وجہ سے اس پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔

منصوبہ لندن اور مرزا ناصر کی وحی:

اگرچہ پیپلز پارٹی کی حکومت نے نیشنل عوامی پارٹی اور جمیعت علماء اسلام کے ساتھ معاہدہ کیا اور انہوں نے صوبہ سرحد اور بلوچستان میں حکومتیں بھی بنائیں مگر پھر بھی اس نے ان پر غیر ضروری دباؤ جاری رکھا۔ ستمبر ۱۹۷۲ء میں پاکستانی پریس میں ایک لندن منصوبے کی خبروں کو نمایاں جگہ ملی۔ نیشنل عوامی پارٹی پر پاکستان سے غداری کا الزام لگایا گیا۔ اس مجوزہ منصوبے کے مطابق بنگلہ دیش، ہندوستان، پاکستان اور افغانستان کی کنفیڈریشن کی تجویز زیر غور تھی۔ اس کے مطابق پاکستان میں چار خود مختار ریاستوں کا قیام عمل میں لانا تھا۔ جو دو خود مختار پنجتون ریاستیں سرحد اور بلوچستان بنی تھیں ان کی آپس میں مزید ایک چھوٹی کنفیڈریشن تکمیل پائی تھی۔ اس منصوبے کے پیچھے جن لوگوں کا نام لیا گیا ان میں ولی خان

(سرحد)۔ عطاء اللہ مینگل (بلوچستان)۔ اکبر بگٹی۔ احمد نواز بگٹی۔ ہارون برادرز۔ سردار شیر باز مزاری اور سندھ کے سید ظفر علی شاہ تھے۔ ہارون برادران اور اکبر بگٹی کے علاوہ تمام سیاستدان لندن میں تھے۔^(۱)

قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے رہنماؤں نے اس موضوع پر تحریک التواپیش کی لیکن اس کو نازک معاملہ قرار دے کر ختم کر دیا گیا۔ اس منصوبے کے وجود کے متعلق سب سے پہلے وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات کوثر نیازی نے بتایا۔ انہوں نے اس مسئلے کو زندہ رکھنے کی ہدایت بھی کی۔ شاید قادیانی قیادت نے پیپلز پارٹی کے سرخیلوں کے کان میں یہ بات ڈالی تھی کہ بھٹو حکومت کے سیاسی مخالفوں کو ذلیل کیا جاسکے۔ مرزا ناصر نے بھی اسی قسم کے انکشافات کیے۔

ربوہ میں چند روزہ دسمبر ۱۹۷۲ء کو اپنے خطبے میں انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ ایک غیر ملکی طاقت نے پاکستان میں بد امنی پھیلانے اور ان کی جماعت کے خلاف ”تحریک“ شروع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

وہ کہتے ہیں

”اگرچہ ہمارے ذرائع محدود ہیں مگر پھر بھی ہمیں کچھ یقینی باتوں کا ہتھ چلا ہے پچھلے جولائی (۱۹۷۲ء) کے دوران مجھے اطلاع ملی کہ پاکستان سے باہر ایک بہت بڑی سازش تیار کی گئی ہے کہ سکولوں اور کالجوں میں بد امنی پھیلا کر انہیں بند کرایا جائے۔ سیاسی وجوہات کی بنا پر میں نام نہیں لے سکتا مگر میری اطلاع بالکل درست ہے میری اطلاع کے مطابق ایک سیاسی جماعت کو دس کروڑ روپے دیئے گئے ہیں کہ طلباء کو مشتعل کر کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کو بند کرایا جاسکے۔ اگر تمہیں پاکستان سے محبت ہے اور اسے مضبوط دیکھنا چاہتے ہو تو تمہیں بیرونی ذرائع سے رقم لینے کی ضرورت نہیں۔ چھ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو بیرون ملک سے مجھے ایک اطلاع بھجوائی گئی ہے کہ چونکہ احمدیہ جماعت کی پیپلز پارٹی کے ساتھ بہت زیادہ ہمدردیاں ہیں لہذا حملے کا نشانہ اسے ہی بنایا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے پاکستان سے باہر ایک بہت بڑا منصوبہ

تیار کیا گیا ہے۔ نومبر میں مجھے ایک اطلاع ملی کہ کچھ غیر ملکی عناصر ہماری جماعت میں شرارت پھیلانے کے لیے غیر معمولی دلچسپی لے رہے ہیں چنانچہ پہلے والی اطلاع کی تصدیق ہو گئی۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ہماری جماعت کمزور ہے جس کے حکومت کے مقابلے میں محدود ذرائع ہیں اور جو اس کے بارے میں زیادہ جانتی ہے۔ یہ اس معاملے پر زیادہ صحیح اور تفصیلی معلومات حاصل کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غلام مصطفیٰ کھر گورنر پنجاب نے اپنی تقریروں میں ان لوگوں کو خبردار کیا ہے جو پاکستان کی تباہی کے درپے ہیں۔ ہمیں پہلے ہی سے علم ہے کہ ہمارے خلاف سازش ہو چکی ہے۔ میں پہلے سے ہی دعائیں کر رہا ہوں پاکستان کا دشمن ملک میں ہر جگہ خون ریزی کے منصوبے بنا چکا ہے۔ میں نے اپنی جماعت کو ہدایت دے دی ہے کہ حکومت کی ان اپیلوں کی مطابقت میں کہ تمام ہتھیار پارٹی کے حامی عناصر پاکستان کے لوگوں کی جانوں اور مال کے تحفظ کے لیے سڑکوں پر نکل آئیں۔ ہتھیار پارٹی کی حکومت کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔ اگر ہمیں حکومت کے ساتھ تعاون کرنا ہے اور ہمیں لازمی طور پر تعاون کرنا چاہیے تو ہمیں عہد کرنا ہے کہ ربوہ میں صحت مندانہ ماحول قائم رکھنا چاہیے۔^(۱)

جب اس مجوزہ منصوبہ کی تیاری کے لیے بھٹو کے مخالفین لندن میں اکٹھے ہوئے تھے ممتاز دولتانہ لندن میں پاکستان کا سفیر تھا۔ اس نے قادیانیوں کے ساتھ قریبی تعلقات بڑھا لیے اور ان کی مذہبی اور سماجی تقاریب میں شرکت کرنا شروع کر دی۔ یوم پاکستان کی پچیس ویں سالگرہ کے سلسلے میں لندن مسجد میں ہونے والی ایک تقریب میں اس نے شرکت کی۔ دولتانہ نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ وہ لندن مسجد میں حلف وفاداری کی تجدید کے لیے آیا ہے۔ تقریباً اسی سال قبل وہ لندن آیا تھا اور اپنے دن وہاں گزارے تھے یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ۱۹۵۳ء میں وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے۔ قادیانی مخالف تحریک میں ملوث ہونے کی بناء پر قادیانی اس کی وفاداری کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے مگر اس کے والد احمد یار دولتانہ کی وفاداری شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ الفرقان نے دعادی ”خدا تمہیں وفاداری قائم رکھے میں مدد دے۔“^(۲)

۱۔ الفضل، ۱۷ اگست ۱۹۷۳ء۔

۲۔ الفرقان، ۵ دسمبر ۱۹۷۷ء۔

بین الاقوامی عدالت انصاف کا صدر ظفر اللہ تھا۔ اس نے ان پر شدید تنقید کی جو پاکستان میں ایک نمائندہ اور منتخب حکومت کو ختم کرنے کے لیے احتجاجی سیاست میں حصہ لے رہے تھے۔ اس نے اسے خدائی احکامات سے نافرمانی قرار دیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ پاکستان بنگلہ دیش کو تسلیم کر لے کیونکہ یہ کسی بھی طور پر دوقومی نظریے کو متاثر نہیں کرتا۔^(۱)

قادیانی تحریک کا رسی:

اپریل ۱۹۷۳ء میں قادیانیوں اور حکومت کے تعلقات میں اس وقت سرد مہری آئی جب حکومت نے تختہ الٹنے کی سازش کے الزام میں تین قادیانی فوجی افسران کو گرفتار کر لیا۔ ہینلز پارٹی کی قیادت نے قادیانی فرقے کی وفاداری کو مشکوک قرار دیتے ہوئے یہ ضروری سمجھا کہ اپنی حمایت واپس لے لی جائے۔ حکومت نے چند لوگوں کو پاکستان آرمی ایکٹ اور ڈیفنس آف پاکستان روٹر کے تحت گرفتار کیا کیونکہ یہ لوگ مسلح افواج کے عملے کو حکومت کی اطاعت یا اپنے فرائض کی بجا آوری کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ اگرچہ سرکاری بیان سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ یہ لوگ حکومت گرانے کی سوچ میں تھے مگر سرکاری اخبار پاکستان ٹائمز میں غیر سرکاری طور پر یہ راز کھل گیا کہ سازشیوں کے عزائم کچھ اس طرح کے ہی تھے۔ سازشیوں میں چودہ میجر، تین لیفٹیننٹ کرنل، ایک بریگیڈیئر، ایک ونگ کمانڈر اور ایک سکواڈرن لیڈر شامل تھا۔ ان لوگوں کو لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) عبدالعلیم آفریدی (جس کو بریگیڈیئر ایف بی علی کے ساتھ ملازمت سے برخاست کر دیا گیا تھا۔ جن پر الزام تھا کہ انہوں نے یحییٰ سے بھٹو کو انتقال اقتدار روکنے کی کوشش کی تھی) نے اکسایا تھا۔ بریگیڈیئر علی کی شادی ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خاں کی بہن سے ہوئی تھی۔ سازشیوں نے بھٹو کو گیارہ اپریل کو تہران سے واپسی پر گرفتار کر کے قوی اسبلی کے سامنے تحریک مواخذہ کے لیے پیش کرنا تھا۔ مزید اس منصوبے کے مطابق جبری طور پر اعلیٰ حکومتی منتظمین اور تمام جرنیلوں کی گرفتاری تھی تاکہ ملک کو اس کے چوٹی کے منتظمین سے محروم کر دیا جاتا اور مسلح افواج کو ان

کے کمانڈر سے محروم کر دیا جاتا تا کہ اس بحران سے جوابی حملے اور پھیل جانے والی نفسی کے ممکن رد عمل سے بچا جاسکے۔^(۱)

ان سازشیوں میں تین قادیانی تھے۔ جن کے نام میجر فاروق آدم خاں۔ سکواڈرن لیڈر محمد غوث اور میجر سعید اختر ملک (اختر حسین ملک کا بیٹا اور لیفٹیننٹ جنرل عبدالعلی ملک کا بھتیجا) جو نیارٹی میں آرمی چیف جنرل نکا خاں سے تیسرے نمبر پر تھا۔ ملوث تھے) جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جنرل اختر ملک ۱۹۶۵ء کی سی آئی اے کی شروع کرائی ہوئی پاک و ہند جنگ کی سازش میں ملوث تھا۔ بعد میں وہ سینو سیکرٹریٹ انقرہ میں پاکستان کے فوجی نمائندے کے طور پر بھی کام کرتا رہا۔ افسران کے ایک اجلاس میں میجر سعید نے بھٹو سے جنگی قیدیوں اور بلوچستان میں فوج کے استعمال کے متعلق سوال پوچھے تھے۔^(۲) سازش میں تین قادیانیوں کے ملوث ہونے نے ربوہ کی اعلیٰ قیادت کو مدظن کر دیا جن کی اقتدار میں آنے کی خواہش تھی اور جو بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں کر رہے تھے۔ انہوں نے نوکر شاہی کے چند المکاروں اور دفتر خارجہ کے چند بلازمین جو کہ فری میسنری کے زیر اثر تھے سے ساز باز کر رکھی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ پاکستان کے آنے والے مستقل آئین سے خائف تھے۔^(۳)

تقریباً دو ماہ بعد حکومت نے ایک اور سازش کی اطلاع دی جس میں پاک فضائی افواج کے چودہ افسران ملوث تھے۔ ان افسران کے خلاف بڈبیر۔ انک میں دو جولائی ۱۹۷۳ء کو مقدمہ شروع کیا گیا۔ ایک ملزم گروپ کیپٹن عبدالستار نے یہ انکشاف کیا کہ اسے اس مقدمہ میں غلط طور پر ملوث کیا گیا ہے۔ احمدی بھٹو حکومت کو ختم کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں اور اس میں ایئر مارشل ظفر چوہدری۔ ایئر وائس مارشل سعد اللہ خان۔ کور لیفٹیننٹ جنرل اے حمید خاں اور ایئر کموڈور اے ڈبلیو مفتی ملوث تھے۔ اس نے عدالت کو بتایا کہ اسکی انتہائی تذلیل کی گئی تھی اور اس پر پٹنی و جسمانی تشدد بھی ہوا۔^(۴) آنے والے مہینوں میں اقتدار کے

۱۔ پاکستان ٹائمز 13 مئی 1973ء۔

۲۔ ایکسپریس لندن 13 تا 28 اپریل 1973ء۔

۳۔ ہفت روزہ ولولاک لاہور 14 اگست 1973ء۔

۴۔ الہمر لاہور 21 ستمبر 1973ء، مزید دیکھئے فریئر گارڈین پٹاؤر 11 اگست 1973ء۔

حصول اور پاکستان کی سالمیت و استحکام کو کھوکھلا کرنے کی مزید سازشیں منظر عام پر آئیں جو قادیانیوں نے ایئر مارشل ظفر چوہدری (قادیانی) کے ذریعے کی تھیں۔^(۱) اندرون اور بیرون پاکستان قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے نتیجے میں ایک بار پھر یہ خدشہ محسوس کیا جانے لگا کہ ایک نیا بحران اٹھ کھڑا ہونے والا ہے اور صیہونی لابی نے ایک بار پھر ملک کو نشانہ بنالیا ہے۔ اپریل ۱۹۷۳ء میں بھٹو نے یہ راز افشاء کیا کہ اسرائیل نے پاکستان توڑنے کے لیے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے شورش کاشمیری نے بھٹو کو کھلا خط لکھا جس میں قادیانی- اسرائیلی اتحاد اجاگر کرنے کے لیے مندرجہ ذیل نکات پر روشنی ڈالی گئی۔

(i) قادیانی پاکستان میں بالکل وہی کردار ادا کر رہے ہیں جو صیہونی امریکہ اور برطانیہ میں کر رہے ہیں۔

(ii) قادیانی- اسرائیلی تعلقات کی نوعیت جاننے کے لیے ان خطوط پر تحقیقات ہونی چاہئیں۔

کیسے اور کس طرح سے اسرائیل نے پاکستانی سیاست میں مداخلت کی۔ اسرائیل کے آلہ کار کون تھے اور ان کے مذموم منصوبوں کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے کونسی سیاسی جماعت استعمال ہوئی؟“

(iii) پاکستانی انٹیلی جنس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسرائیل کے لیے کام کرنے والے قادیانی مشن کی کارروائیوں کی تفصیل مہیا کرے جو مذہبی مرکز کے لبادے میں ایک سیاسی شعبہ کے طور پر کام کر رہا ہے۔ یہ کس مقصد کے لیے کام کر رہا ہے؟ قادیانی کن کو تبلیغ کرتے ہیں۔ اسرائیل عیسائی مبلغین کو اپنے عقائد کی تبلیغ کی اجازت نہیں دیتا۔ اس نے قادیانیوں کو کھلے عام اپنے عقائد کی تبلیغ کی اجازت کیوں دے رکھی ہے؟ کتنے یہودیوں نے احمدیت قبول کی ہے؟ کیا یہ واضح نہیں ہے کہ قادیانی سامراجی قوتوں کے آلہ کار ہیں اور عالم اسلام کے استحکام کے

خلاف کام کر رہے ہیں؟

(iv) پیپلز پارٹی کے لادین ذہن رکھنے والے ارکان اسمبلی قادیانی مسئلے سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ وہ نوکر شاہی میں کلیدی عہدے حاصل کرتے رہے ہیں اور پاکستان سے وفادار نہیں ہیں۔ وہ ایک سے یا دوسرے طریقے سے سیاسی قوت کے حصول کے لیے سازشیں کر رہے ہیں۔^(۱)

آئین ۱۹۷۳ء

فوجی انقلاب میں قادیانیوں کے ملوث ہونے کا یہ مطلب تھا کہ آئین کو تہہ وبالا کر دیا جائے اور اقتدار حاصل کیا جائے۔ یہ منصوبہ پیپلز پارٹی کی اعلیٰ سطحی قیادت میں زیر بحث آیا مگر ابھی اس نے مبارزت کی شکل اختیار نہیں کی تھی۔ آئندہ آئین میں قادیانی اپنے سیاسی مذہبی اور معاشی مفادات کے تحفظ کے خواہشمند تھے اور انہوں نے صوبائی اور قومی اسمبلی کے ارکان سے ملاقاتیں کیں اور اپنے آپ کو مغرب میں اسلام کے بہت بڑے علمبردار کے طور پر پیش کیا۔ جبکہ حزب اختلاف کے کچھ رہنماء یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ قادیانی جماعت کے خدشات کو دور کرنے کے لیے آئین کا حتمی مسودہ ظفر اللہ کو دکھایا گیا۔ اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ آئین میں وزیراعظم کو حاصل بے تحاشہ اختیار است پر اس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔^(۲)

حزب اختلاف اور مذہبی انتہا پسندوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے جیسا کہ یہ پیپلز پارٹی کے حلقوں میں جانے جاتے تھے آئین میں یہ ضروری قرار دیدیا گیا تھا کہ صدر اور وزیراعظم اس بات کا حلف اٹھائے کہ وہ مسلمان ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ختم نبوت پر یقین رکھتا ہے، الفرقان ربوہ نے بیان کیا کہ جماعت احمدیہ کے مخالفین نے حکومت پر دباؤ ڈالا ہے کہ وہ صدر اور وزیراعظم پاکستان کے حلف نامے میں ختم نبوت سے تعلق رکھنے والے

۱۔ بحث دولہ چٹان لاہور ۱۹ جولائی ۱۹۷۳ء۔
۲۔ چاندولہ لاہور ۱۹ جولائی ۱۹۸۱ء۔

الفاظ کا اضافہ کرے۔

”میں حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ میں ایک مسلمان ہوں اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور وحدانیت پر یقین رکھتا ہوں۔ اللہ کی کتابوں پر اور قرآن پاک پر کہ یہ آخری کتاب ہے اور حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت پر اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یوم قیامت پر اور قرآن پاک پر اور سنت کی تعلیمات اور احکامات پر“

ماہنامہ الفرقان کے مدیر اللہ دتہ جالندھری نے واضح طور پر بیان دیا کہ احمدی ختم نبوت پر یقین رکھتے ہیں۔^(۱) یعنی وہ چال چلی جو وہ نوے سال سے چلتے آرہے تھے۔ پنجاب اسمبلی کے رکن عبدالرحمن جامی نے یہ انکشاف کیا کہ قادیانی زعماء کا ایک وفد اسے ملا اور ختم نبوت پر اپنا نقطہ نظر واضح کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ لفظ ”خاتم النبیین“ حذف کر دیا جائے مگر وہ اس مسئلے پر بحث کے لیے انہیں افضل رندھاوہ ممبر قومی اسمبلی کے پاس لے گیا۔ سرگودھا سے رکن قومی اسمبلی چوہدری جہانگیر علی نے بیان کیا کہ اس حلف نے ختم نبوت کے منکرین کے لیے صدر اور وزیراعظم پاکستان کے عہدے کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔^(۲) قومی اسمبلی سے منظوری اور صدر پاکستان سے توثیق کے بعد آئین کے نفاذ پر افضل ربوہ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اظہار خیال کیا۔

”قائد اعظم کا آئین پاکستان کا تصور تھا مگر وہ اسے قوم کو نہ دے سکے۔ اس وقت ملک کو کئی مسائل کا سامنا تھا۔ مارشل لاء نافذ ہو گیا تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ مارشل لاء کے نفاذ کی ذمہ دار فوج تھی۔ یہ قدرے درست ہے۔ درحقیقت ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ فوج کو ملک میں مارشل لاء نافذ کرنے کے لیے غل اندازی کرنا پڑی۔ خدا کا شکر ہے کہ قوم کو اب آئین مل گیا ہے۔“^(۳)

بساط الٹ گئی:

آزاد کشمیر اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت

۱۔ الفرقان ربوہ مئی ۱۹۷۳ء۔

۲۔ ہر روز لاہور ۲۷ اپریل ۱۹۷۳ء۔

۳۔ افضل ربوہ ۱۲ جون ۱۹۷۳ء۔

آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کی حکومت کو پسند نہیں کرتی تھی۔ سردار عبدالقیوم صدر آزاد کشمیر کو جماعت اسلامی کا آدمی قرار دیا جاتا تھا۔ جون ۱۹۷۲ء میں بھٹو نے ہندوستان کے ساتھ شملہ معاہدہ پر دستخط کیئے۔ مسلم کانفرنس نے اسے کشمیر کی فروخت قرار دیتے ہوئے مسئلہ کشمیر پر اس کے مضمرات پر روشنی ڈالی۔ مسلم کانفرنس کی قیادت ریاست جموں و کشمیر کی پاکستان کے ساتھ الحاق پر سختی سے یقین رکھتی تھی۔ مسلم کانفرنس کی صفوں میں دراڑیں ڈالنے کے لیے نومبر ۱۹۷۲ء میں آزاد کشمیر پیپلز پارٹی قائم کی گئی۔ خورشید حسن میر جنرل سیکرٹری پیپلز پارٹی بن گیا یہ ایک وفاقی وزیر جیسا محکمہ تھا۔ اس نے آزاد کشمیر اسمبلی میں مسلم کانفرنس کے رکن پیر علی جان شاہ کو خرید لیا تاکہ آزاد کشمیر میں پیپلز پارٹی کی شاخ قائم کی جاسکے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی زیر سرپرستی اسلام آباد میں آزاد کشمیر پیپلز پارٹی کے قیام کی خاطر ایک کنونشن بلایا گیا۔ آزاد مسلم کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے چار ارکان نے پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی اور قادیانیوں کی مکمل پشت پناہی سے خورشید حسن میر کے ٹولے کے ہاتھوں میں کھینا شروع کر دیا۔ اس شرارتی ٹولے نے یہ منصوبہ بتایا کہ مسلم کانفرنس کے ارکان کے درمیان اختلافات پیدا کیئے جائیں اور لوگوں کے درمیان بد امنی پھیلانی جائے تاکہ آزاد کشمیر حکومت کو گرایا جاسکے۔ وزارت داخلہ و امور کشمیر نے آزاد کشمیر پیپلز پارٹی کے ڈھانچے کی تعمیر کے لیے سیاسی موقع پرستوں کی سے ساز باز کر کے سخت گیر بیوروکریٹ تعینات کر دیئے۔ خورشید حسن میر نے آزاد کشمیر کے چیف سیکرٹری شیخ منظور الہی اور آئی جی پولیس کو ہدایت کی کہ وہ پیپلز پارٹی کو کشمیر میں پنچے گاڑنے میں مدد دیں۔

پاکستان میں ۱۹۷۲ء کے آئین کی تیاری کے وقت وفاقی وزیر داخلہ خان عبدالقیوم نے آزاد کشمیر کو پاکستان کا پانچواں صوبہ بنانے اور سینیٹ میں پیپلز پارٹی کے لیے غالب اکثریت کے حصول کی خاطر نیا منصوبہ سوچا۔

پارٹی کو پنجاب اور سندھ میں اکثریت حاصل تھی۔ وفاقی وزیر مولانا کوثر نیازی نے آزاد کشمیر کا دورہ کیا اور اس تجویز پر سردار عبدالقیوم اور سردار ابراہیم سے تبادلہ خیال کیا۔ مسلم

کانفرنس کے ایک رکن ممتاز حسین راٹھور نے پاکستان اسمبلی میں آزاد کشمیر کی نمائندگی سے متعلق ایک قرارداد پیش کر دی۔ اس قرارداد کو مسلم کانفرنس کے دیگر ارکان کی جانب سے تائید نہ مل سکی۔ پیپلز پارٹی نے اسے ایک خفیہ قرارداد قرار دیکر اس پر بہت شور شرابہ کیا۔^(۱) پیپلز پارٹی کی قیادت کو یہ یقین تھا کہ جب تک مسلم کانفرنس آزاد کشمیر میں برسرِ اقتدار ہے شملہ معاہدہ کی اصل روح کو لاگو نہیں کیا جاسکتا۔ سردار قیوم نے بھٹو کو چند خطوط لکھے جن میں اس نے پیپلز پارٹی پر ان کی حکومت ختم کرنے کے الزامات لگائے مگر بھٹو نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ پیپلز پارٹی تو پہلے ہی بلوچستان اور سرحد میں نیشنل عوامی پارٹی کی سربراہی میں قائم حکومتوں کے ساتھ بھی کھیل کھیل رہی تھی۔

پچیس اپریل کو آزاد کشمیر اسمبلی کا اجلاس میرپور میں شروع ہوا۔ تین سیاسی جماعتوں۔ پیپلز پارٹی۔ لیبریشن لیگ اور رائے شماری فرنٹ جن میں سے زیادہ تر کامور کشمیر ڈویژن کی حمایت حاصل تھی انہوں نے اسمبلی کے سامنے مظاہرہ کیا اور اسمبلی کے علاقے کے ارد گرد نافذ دفعہ ۱۴۲ کی خلاف ورزی کی۔ اس مظاہرے میں حصہ لینے کے لیے قادیانیوں کی ایک کثیر تعداد جہلم۔ گجرات اور دوسرے علاقوں سے آئی۔ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ مسلم کانفرنس کا ایک رکن اسمبلی میں یہ قرارداد پیش کرنے والا ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے۔ حزب اختلاف کے ارکان کو پتا چل گیا کہ اگر قرارداد کی حمایت نہ کی گئی تو وہ عوامی غم و غصے کو دعوت دیں گے۔^(۲)

انہوں نے اسمبلی کے اجلاس کو ناکام کرنے کے لیے فوری طور پر جوابی تدابیر اختیار کر لیں۔ جب وہ میرپور میں کچھ نہ کر سکے تو تازہ احکامات لینے کے لیے اسلام آباد چلے گئے۔ انیس اپریل ۱۹۷۳ء کو میجر ریٹائرڈ محمد ایوب نے آزاد کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کی۔ پوری اسمبلی نے متفقہ طور پر اس کی حمایت کی اور اسے منظور کر لیا۔ آزاد پریس نے اس تاریخی قرارداد کو وسیع پیمانے پر تشہیر دی۔ صدر آزاد

کشمیر سردار عبدالقیوم کے دفتر میں پوری دنیا سے مبارکباد کے لاکھوں برقی عریضے موصول ہوئے۔ اسے مجاہد ختم نبوت کا خطاب دیا گیا۔ پورے پاکستان سے لوگ میجر ایوب کو ملنے گئے اور ان کے اس جرأت مندانہ اقدام پر انہیں مبارکباد دی۔ بھٹو حکومت کی تمام تر کوششوں اور قادیانی محرکین کی پس پردہ تمام سازشوں کے باوجود تحریک منظور ہو گئی۔ اس سے ربوہ کی بڑی سکی ہوئی۔ آزاد کشمیر میں حزب اختلاف کے رہنما اور قادیانیوں کے نمائندے چوہدری سلطان علی نے امور کشمیر ڈویژن کے بیورو کریٹوں کی ہدایات پر راولپنڈی میں ایک پریس کانفرنس کر ڈالی۔ اس نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد کو مطلب پرستی پر مبنی ایک سیاسی ہتھکنڈا قرار دیا اور مزید کہا کہ وہ کسی ایسی تحریک کی حمایت نہیں کرے گا جس کا آزاد کشمیر کے لوگوں نے مطالبہ نہ کیا ہو اور کہا کہ یہ اصل مسائل سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے کیا گیا ہے۔ اس سے نہ صرف فرقہ واریت بڑھے گی بلکہ تحریک آزادی کشمیر کو بھی نقصان پہنچے گا۔^(۱) انتظامیہ کے آلہ کاروں کے ایسے فضول بیانات کو لوگوں نے کوئی اہمیت نہ دی۔

قادیانی رد عمل:

قادیانیوں نے اس قرارداد پر فوری رد عمل کا اظہار کیا۔ مرزا ناصر احمد نے اپنے غصے کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا۔

”تمیں اپریل کو جب ہم نے صبح کے اخبار دیکھے تو ان میں آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد کا ذکر تھا۔ انہوں نے قرارداد روزنامہ امروز لاہور میں پڑھی اور کہا کہ دوسرے اخبارات نے بھی کم و بیش انہی الفاظ میں یہ خبر بیان کی تھی۔ وہ اخبارات جو وزارت اطلاعات و نشریات سے قریبی تعلق رکھتے ہیں انہوں نے اس قرارداد کو بڑے نمایاں انداز میں شائع کیا۔ ایسا کرنے کی ذمہ داری یا تو کسی ایسے افسر کے کاغذوں پر پڑتی ہے جو اس وزارت میں کام کرتا ہے یا ان اخبارات پر جو یہ سمجھتے ہیں وہ جو جھوٹ بھی بیان کر دیں گے ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں اور نہ ہی

ان کی جواب طلبی ہوگی۔“

مرزا ناصر احمد نے مزید کہا کہ آزاد کشمیر کی اسمبلی نے میرپور میں ہونے والے اپنے اجلاس میں قرارداد منظور کی ہے بل نہیں۔ جس میں حکومت آزاد کشمیر کو یہ سفارش کی گئی ہے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔ احمدیت کی تبلیغ پر پابندی لگائی جائے اور احمدیوں سے کہا جائے کہ وہ اپنے آپ کو ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر اندراج کروائیں۔

”چنانچہ میں نے آزاد کشمیر سے جماعت کے چند ذمہ دار ارکان کو بلوایا (اس وقت تک صورتحال واضح نہیں ہوئی تھی۔ جب وہ یہاں پہنچے (اگلے دن) میں نے انہیں بتایا کہ انہیں بنیادی ہدایت یہ ہے کہ باوجودیکہ حکومت یہ سفارشات منظور کر لے اور یہ قانون بن جائے۔ ہمیں لازمی طور پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قانون یہ کہتا ہے کہ ہر احمدی جو اپنے آپ کو غیر مسلم سمجھتا ہو اپنا اندراج کروالے۔ ہمیں اس کے خلاف کچھ نہیں کہنا کیونکہ ہر احمدی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے۔ اور وہ خدائے عظیم و خیر کی نظر میں بھی مسلمان ہے یہ قانون اس پر لاگو نہیں ہوتا۔ آپ تمام احمدیوں کو بتادیں کہ انہیں اپنا اندراج کروانے کی ضرورت نہیں۔ وہ جو جانتا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہے وہ ایک غیر مسلم کے طور پر اپنا اندراج کیوں کروائے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ یقیناً ایک جھوٹ بولے گا اور آپ کو پتا ہے کہ اسلام اجازت نہیں دیتا کہ جھوٹ بولا جائے۔“^(۱)

آزاد کشمیر کے قادیانیوں کی طرف سے مہیا کردہ اطلاعات کی بنیاد پر مرزا ناصر نے کہا کہ پچیس ارکان اسمبلی میں سے گیارہ مخالفت میں تھے اور میرپور کے اجلاس میں نہیں تھے۔ پانچ غیر حاضر تھے اور نو ارکان نے قرارداد منظور کر لی۔ انہوں نے اس یقین کا اظہار کیا ”پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں یقین ہے کہ اس قرارداد کی منظوری نہیں دی جائے گی کیونکہ ہمارے ملک میں کم از کم کچھ جگہوں پر اور آزاد کشمیر کی بھی کچھ جگہوں پر ایسے لوگ موجود ہیں جو بصیرت رکھتے ہیں۔ اگرچہ کچھ جگہوں پر اس کی کمی بھی ہوتی ہے مگر ہر جگہ پر نہیں۔ وہاں پر

۱۔ مرزا ناصر احمد آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد پر تبصرہ، المجلد ۱۷، ۱۹۷۳ء، مہوار الفضل، جلد ۱۳، مئی ۱۹۷۳ء۔

بھی کچھ ذہین لوگ پائے جاتے ہیں۔ ہمارا صدر ایک بہت ذہین آدمی ہے اور بہت گہری بصیرت رکھتا ہے۔ کافی تعداد میں ایسے لوگ بھی ہیں جو سنجیدہ۔ شریف النفس اور منصف حجاج ہیں۔“

اس قرار واد کے اطلاق کے بارے میں اپنے ہلکوک کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے دلیل دی۔

”ہمیں اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ ہمیں اس چیز کی فکر کھائے جا رہی ہے کہ اگر یہ شرارت اپنے عروج کو پہنچ گئی تو پاکستان زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکے گا۔ چنانچہ اپنے خدا سے دعا کرتے ہیں اور وہ جذبہ حب الوطنی جو ہم میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ہمیں اس چیز پر اکساتا ہے کہ کوئی فتنہ سر نہ اٹھائے پائے۔ ایسا نہ ہو کہ پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ بہر حال فتنے کا نتیجہ یہی ہوگا کہ کچھ سرکٹ جائیں گے۔ کچھ لوگ زخمی ہوں گے۔ وہ لوگ کون ہوں گے اور ان کے ساتھ کیا ہوگا صرف خدا جانتا ہے۔ مگر جب اس قسم کا فتنہ سر اٹھائے گا تو بطور پاکستانی ہمارے سر شرم سے جھک جائیں گے۔ پاکستان ہر جگہ پر بدنام ہوگا“ اسکے بعد مرزا ناصر نے پر زور انداز میں بات ختم کی کہ

”مجھے ہر شخص کو یہ بات بتادینی چاہئے کہ احمدی سیاسی قوت کے حصول کے لیے بے قرار نہیں ہیں۔ ان کی قوت بالکل مختلف ہے۔ انہیں کسی سیاسی شخص سے ایسی تصدیق کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہیں یا نہیں۔ حتیٰ کہ انہیں ایسی تصدیق کی کسی مفتی یا بادشاہ سے بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تمام بے معنی چیزیں ہیں۔“^(۱)

مجلس مشاورت کا اجلاس

ستائیس مئی ۱۹۷۳ء کو پاکستان کے احمدیوں کی مجلس مشاورت کا ایک غیر معمولی اجلاس ربوہ میں منعقد ہوا۔ پورے پاکستان سے چار سو نوے نمائندوں نے اس میں شرکت کی۔ اس

اجلاس کی صدارت مرزانا صراحمہ نے کی۔ انہوں نے یہ انگشاف کیا کہ جماعت احمدیہ اور پاکستان کے خلاف ایک سازش تیار کی گئی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ۱۹۷۰ء سے رونما ہونے والے سیاسی واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مختلف سیاسی جماعتوں کے کردار کا تجزیہ کیا اور۔ احمدیہ جماعت اور اس کی خدمات پر روشنی ڈالی۔^(۱) انہوں نے انتخابات کے بعد کے اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ جماعت کے ساتھ کچھ لوگوں اور کچھ جماعتوں کا کیا رویہ رہا ہے۔ انہوں نے مندوین کو بتایا کہ جماعت (احمدیہ) کے لیے خدا کی طرف سے خوشخبری ہے جس کا ہمیں واضح انداز میں بتایا گیا ہے۔“

مرزانا صراحمہ نے اپنے بیرون ممالک قائم مشعوں سے کہا کہ وہ آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد کی مذمت میں حکومت پاکستان کو احتجاجی خطوط اور برقی عریضے بھجوادیں۔ مقبوضہ کشمیر کے قادیانیوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد کی مذمت کریں اور اس مسئلے پر پاکستانی موقف کو غلط قرار دیں۔ اس غلیظ مہم کا مرکز لندن تھا۔

یونیورسٹی آف برمنگھم برطانیہ کی پاکستان سوسائٹی نے جس میں قادیانی عناصر غالب تھے اپنی انتظامی کمیٹی کے اجلاس میں آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کی قرارداد کی مذمت کی جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا اور علاقہ میں احمدیت کے پرچار پر پابندی لگائی گئی تھی۔ اس نے اس بات کی بھی مذمت کی کہ احمدیوں کا اندراج کیا جائے اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ان کی نمائندگی بطور غیر مسلم اقلیت کے ہو۔ آزاد کشمیر حکومت کو پولیس ریاست کا نام دیا گیا۔ اس اجلاس میں مندرجہ ذیل مطالبہ کیا گیا۔

”ہم ملکی مفاد عامہ میں آزاد کشمیر کے صدر سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس قرارداد پر نظر ثانی کرے۔

جو لوگوں کے درمیان اتحاد کو بڑی طرح متاثر کر سکتی ہے اور ملک کو تقسیم کی طرف لے جاسکتی ہے جو

اس وقت انتہائی ضروری ہے۔“^(۲)

۱۔ الفضل ربوہ 30 مئی 1973ء۔

۲۔ الطرقان ربوہ مئی 1973ء۔

امیر جماعت احمدیہ آزاد کشمیر منظور احمد ایڈووکیٹ نے اس قرارداد کو ملک و قوم کے ساتھ ایک نا انصافی اور خطرناک غداری قرار دیا۔ اسے تحریک کشمیر کو تہہ وبالا کرنے کی ایک چال اور پاکستان کے امن و استحکام کو تباہ کرنے کی سازش قرار دیا۔

”یہ کشمیریوں کو دنیا کی نظروں میں ذلیل و رسوا کر دے گی۔ قرارداد کشمیری مسلمانوں کے خیال کی ترجمانی نہیں کرتی۔ اس کی بجائے یہ ریاست مختلف قوتوں اور عناصر کے آلہ کاروں کی طرف سے ایک سازش اور دغا بازی ہے۔“^(۱)

امیر جماعت لاہور صدر الدین نے ایک بیان میں قرارداد پر کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن صرف اتنا کہا کہ مرزا غلام احمد نے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔^(۲) مجلس تحفظ ختم نبوت کے رکن مولانا تاج محمود نے قادیان کو ایک سخت بیان میں احراریوں کے روایتی طریقے سے لٹا دیا۔^(۳)

بھٹو کی ہدایت پر وزیر امور کشمیر خان عبدالقیوم نے کشمیر ڈویژن کے ایک جوائنٹ سیکرٹری کے ہمراہ منگلا میں سردار قیوم سے ملاقات کی اور انہیں یہ بیان دینے کے لیے دباؤ ڈالا کہ یہ قرارداد محض سفارش ہے تاکہ پاکستان میں پیپلز پارٹی کی حکومت کو غیر ضروری پریشانی سے بچایا جائے۔ سردار قیوم نے کشمیر ڈویژن خصوصاً ریوہ کے آلہ کاروں کی ہدایت پر یہ اعلان کر کے ایک فاش سیاسی غلطی کی۔ بعد میں اس نے اس کی اپنی ہر دلعزیزی کی قیمت پر صبح کی۔ خان قیوم۔ خورشید میر اور صدر بھٹو کے خصوصی مشیر یوسف بچ کی طرف سے اسے متواتر خطرناک نتائج کی دھمکیاں ملتی رہیں۔ سردار قیوم کو ہر طرف کرنے کے لیے چلائی ہوئی مہم شدید ہو گئی۔ امیر جماعت احمدیہ آزاد کشمیر منظور احمد ایڈووکیٹ کی امداد اور سرمائے سے چند قادیانی مظاہرین نے کوٹلی میں جہاں چند قادیانی خاندان رہتے تھے مظاہرہ کیا اور اس عوامی جلسے میں گڑبڑ کی جس سے سردار قیوم خطاب کرنے والے تھے۔^(۴) بھٹو نے سردار قیوم کو سولہ

۱۔ احمدیوں کے بارے میں آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد اس کا پس منظر اور نتائج سن راز پبلشرز لاہور 1973ء ص 3۔

۲۔ مولوی صدر الدین کا وضاحتی بیان انجمن احمدیہ لاہور ص 1۔

۳۔ مولانا تاج محمود آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد مکتب 1973ء۔

۴۔ لیل دہار لاہور 3 جون 1973ء۔

مئی کو لاہور بلایا تاکہ اس قرارداد کے مندرجات پر بحث کی جائے۔ سردار قیوم سپیکر اسمبلی منظر مسعود کے ساتھ راولپنڈی پہنچا مگر میر قیوم مثلث نے لاہور میں ملاقات کی اجازت نہ دی۔ ان کو یہ ڈر تھا کہ سردار قیوم کی لاہور میں موجودگی سے پنجاب میں بد امنی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس وقت تک سردار قیوم اپنے رویے میں کافی سخت اور غیر لچک دار بن چکا تھا اور اس نے حکومتی دباؤ کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ امور کشمیر ڈویژن میں سرزاد محمود کی (۱۹۳۱ء) کی کل ہند کشمیر کمیٹی کی طرز پر ایک کشمیر کمیٹی قائم کی گئی تاکہ اس مسئلے سے نمٹا جاسکے۔ اس کمیٹی کا سترہ سے انیس مئی تک اجلاس ہوا جس میں قرارداد سے پیدا ہونے والی صورتحال پر لائحہ عمل تیار کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ آزاد کشمیر کے چیف سیکرٹری اور آئی جی پولیس کو بھی حکومت کی امداد کے لیے بلایا گیا۔ انہوں نے میر، خان قیوم، یوسف فوج مثلث کو یہ تجویز پیش کی کہ سردار قیوم اور چند مسلم کانفرنس ارکان کو گرفتار کر لیا جائے۔ آئی جی پولیس محمد صادق ناگرہ نے اس منصوبہ پر عملدرآمد سے انکار کر دیا۔ پاکستانی سی آئی ڈی نے سپیکر کو مجبور کر دیا کہ وہ یہ بیان دے کہ سردار قیوم نے استعفیٰ دے دیا ہے۔ اس جھوٹے اعلان کے لیے قادیانوں نے یہ تجویز پیش کی کہ آزاد کشمیر اسمبلی کا اجلاس پنڈی میں بلایا جائے۔

سترہ مئی کو آزاد کشمیر اسمبلی کے چار ارکان نے اسمبلی میں سردار قیوم پر یہ الزام لگایا کہ اس نے سپیکر اسمبلی، شیخ منظر مسعود کو غیر قانونی حراست میں رکھا ہوا ہے تاکہ اپنے آپ کو ۱۹۷۰ء کے تحریک عدم اعتماد ایکٹ کے طریق کار سے بچا جائے۔ یہ الزام قائد حزب اختلاف چوہدری سلطان علی، پیر علی جان صدر آزاد کشمیر پیپلز پارٹی اور جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے دو ارکان غلام حسن کرمانی اور احمد شفیع صراف کی طرف سے لگایا گیا۔^(۱) میر پور بار ایسوسی ایشن کے پیپلز پارٹی اور لیبریشن لیگ سے تعلق رکھنے والے چند قادیانیت نواز وکلاء نے ایک قرار داد میں یہ مطالبہ کیا کہ صدارتی نظام ختم کر دیا جائے اور آزاد کشمیر کے نئے پارلیمانی ڈھانچے میں ملتان اور گلگت کو بھی شامل کیا جائے۔ اس اجلاس نے آزاد کشمیر حکومت پر بدعنوانیوں اور بنیادی حقوق کی خلاف ورزی وغیرہ کے الزامات لگائے۔

چونکہ قادیانی شریکوں کے ایک چھوٹے سے گروپ کے مقابلے میں پاکستانی عوام نے اس قرارداد کی پر زور حمایت کی تھی لہذا کشمیر میں قادیانی سازشوں کے مذمت میں سینکڑوں قراردادیں منظور کی گئیں اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ پاکستان میں بھی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ سردار قیوم کو ہر قسم کی مدد کا یقین دلایا گیا۔ چنانچہ اس نے استغفیٰ دینے سے انکار کر دیا اور بڑی بہادری سے قادیانی گماشتوں اور پیپلز پارٹی کے شاطروں کے قابل نفرت کردار کی پر زور مذمت کی۔

امور کشمیر ڈویژن نے اس بات پر اصرار جاری رکھا کہ سردار قیوم کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کر دی جائے۔ ڈویژن نے ایک قرارداد تیار کی اور دستخطوں کے لیے آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتوں کے چند رہنماؤں کے حوالے کر دی آزاد کشمیر کانفرنس کے صدر چوہدری نور حسین نے ایک پریس کانفرنس میں یہ انکشاف کیا کہ ان جماعتوں کے رہنماؤں سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے ارکان اسمبلی کی بجائے خود ہی عدم اعتماد تحریک پر دستخط کر دیں۔ لیبریشن لیگ کے چوہدری سلطان علی اور بشیر حسین خان نے اس پر دستخط کر دیے۔ چوہدری صحبت علی اور غلام حسن پنجابی موجود نہیں تھے۔ لہذا ان کے جعلی دستخط کر دیئے گئے۔^(۱)

پچیس مئی کو مسلم کانفرنس کے رہنماؤں کی قیادت میں ایک بہت بڑے جلوس نے ایوان صدر کا گھیراؤ کر لیا۔ وہ تین مسخروں یعنی ”میر۔ خان۔ بچ“ کی مثلث اور کشمیر ڈویژن کے اہل کاروں کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ سردار قیوم کی کابینہ نے متفقہ طور پر قرارداد کی حمایت کی اور اسے منظور کر لیا۔ آزاد کشمیر میں سردار قیوم کی حمایت میں پر زور تحریک شروع ہوئی مگر اسی روز ریڈیو پاکستان نے یہ اعلان کیا کہ آزاد کشمیر اسمبلی کے گیارہ ارکان نے قیوم حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کر دی ہے۔ یہ وہی قرارداد تھی جو امور کشمیر ڈویژن نے تیار کی تھی اور صرف دو ارکان نے اس پر دستخط کیئے تھے۔ سردار قیوم کے بارے میں کہا گیا کہ اسے گرفتار کر لیا گیا ہے اور گلگت کی ایک جیل میں ڈال دیا گیا ہے آزاد کشمیر کے چیف سیکرٹری اور آئی جی پولیس کو واپس بلا لیا گیا۔ سردار قیوم کے چھوٹے بھائی عبدالغفار خان کو

۱۔ تصدیقات کے لیے دیکھئے مظہر موان آزاد کشمیر کا بحران راولپنڈی جون ۱۹۷۳ء۔

پونچھ ہاؤس راولپنڈی سے ڈی پی آر کے تحت تضحیک آمیز الزامات کے تحت گرفتار کر لیا گیا کہ وہ بنگالیوں کو پاکستان سے باہر سمنگ کر رہے تھے۔^(۱)

حزب اختلاف کی جماعت^(۲) نے پاکستان قومی اسمبلی میں آزاد کشمیر کی صورتحال پر ایک تحریک التواء پیش کر دی مگر اس کے پیش کرنے کے طریق کار پر ممبران کو الجھا کر رکھ دیا گیا تھا۔ امور کشمیر کے وفاقی وزیر خان عبدالقیوم خان پر حزب اختلاف کی جماعتوں نے یہ الزام لگایا کہ وہ آزاد کشمیر میں ناجائز مداخلت کر رہا ہے۔ امور کشمیر کی وزارت پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ وہ آزاد کرائے گئے علاقے میں غیر یقینی صورتحال پیدا کر رہا ہے۔ اس میں مزید کہا گیا کہ آزاد کشمیر کے منتخب صدر کو ہٹانے کی کوششیں کی گئیں اور آزاد کشمیر اسمبلی کے سپیکر کو اغوا کر کے اسلام آباد میں لا کر قومی اسمبلی کے احاطے میں چار گھنٹے تک محبوس رکھا گیا اور آزاد کشمیر اسمبلی کے دیگر ارکان کو بھی اغوا کیا گیا۔ وزیر بے محکمہ خورشید حسن میر کی ان معاملات پر اسمبلی میں مولانا شاہ احمد نورانی کے ساتھ انتہائی ناخوشگوار بات چیت ہوئی۔ سپیکر نے ریکارڈ سے یہ قابل اعتراض کارروائی حذف کر دی^(۳) وزیر مملکت برائے دفاع و خارجہ امور نے کہا کہ آزاد کشمیر کے معاملات پر حکومت پاکستان کا کوئی استحقاق نہیں بنتا۔ بھٹو نے صورتحال کی سنگینی کا احساس کر لیا وہ بحران حل کرانے کے لیے سردار قوم سے ملا۔^(۴) معاملہ ایک خطرناک موڑ اختیار کر چکا تھا اور پاکستان میں پینلز پارٹی کی حکومت کے لیے شدید خطرات پیدا ہو چکے تھے۔ قادیانیوں نے حکومت کے اس طرز عمل کا بہت برا منایا۔ قادیانی پینلز پارٹی اختلافات کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔

مرزا نیل

جون ۱۹۷۳ء میں شورش کشمیری نے ایک کتابچہ ”عجمی اسرائیل“ تالیف کیا جس میں یہ

ثابت کیا گیا کہ

۱۔ لیل و نهار لاہور 3 جون 1973ء۔

۲۔ دیکھئے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق قومی اسمبلی میں اسلام کا سرکہ موثر المصلین اکوڑہ خٹک 1978ء ص 89۔

۳۔ پاکستان ہائر راولپنڈی کی کمی 1973ء۔

۴۔ پاکستان ہائر راولپنڈی کی کمی جون 1973ء۔

”قادیانیت ایک مذہبی نہیں بلکہ ایک سیاسی تحریک ہے۔ قادیانی ملک کے استحکام کو کھوکھلا کرنے کی سازشیں کر رہے تھے اور پنجاب کو توڑنے کی قادیانی سکھا کالی سازش رو بہ عمل ہے۔“

مولانا مودودی نے ایک خط میں شورش کو عرب ریاستوں میں اس کتابچے کی وسیع پیمانے پر تشہیر پر زور دیا تا کہ وہ قادیانی خطرے کی نوعیت کو سمجھ سکیں اور ان ریاستوں میں ان کے داخلے کو روک سکیں۔ چنانچہ شورش نے عرب ریاستوں کے سربراہوں کو مندرجہ ذیل خط لکھا جو قادیانی مسئلے کی ابتداء اور عالم اسلام پر اس کے اثرات پر روشنی ڈالتا ہے۔

”میں آپ کی توجہ ایک انتہائی اہم مسئلے کی طرف مبذول کرتا ہوں جو شاید پہلے آپ کی توجہ حاصل نہیں کر سکا اور یہی وجہ ہے کہ میں آپ سے استدعا کروں گا کہ مسئلے کے اصل لب لباب اور اس کی حقیقی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ان خطوط پر اپنی ذاتی توجہ مرکوز کریں۔

(1) قادیانی فرقہ ہندوستان میں برطانوی راج کے قیام کے قریب چالیس سال بعد پیدا ہوا جو اس برصغیر میں سامراجیت کی ایک بنیادی ضرورت تھی۔ برطانوی حکومت اپنی متواتر کوششوں کے باوجود مسلمان آبادی کے دل سے جہاد کی قرآنی تعلیمات اور ان کی ملی یکجہتی کے عقیدے کی حساسیت کو گل نہیں کر سکی۔ یہ مرزا غلام احمد تھا جس نے یہ مشن مذہبی بنیادوں پر جاری کیا کہ جو اس کی نبوت پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اسے کافر قرار دے ڈالا۔ اس وقت وہ نظریہ جہاد کی مکمل تخیل کے ساتھ سامنے آیا اور یہ دلیل اختیار کی کہ برطانوی راج کی برکات کی موجودگی میں جہاد اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔

(2) صوبہ سرحد ان دنوں جہادی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور پنجاب اس کا پڑوسی تھا جو بعد میں برطانوی سلطنت کے لیے انتہائی وفادار اور بہادر سپاہیوں اور وفادار اور قابل اعتماد آلہ کاروں کی فراہمی کا مرکز ثابت ہوا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ پنجاب ایسی سرزمین مرزا غلام احمد جیسے نبی کی تخلیق کے لیے انتہائی موزوں تھی جو اپنے محسنوں کا بہت وفادار پھوٹا تھا جس نے اپنی پوری زندگی کے دوران مسلمانوں کی وحدت ملی کو توڑنے کی سازش کی اور اپنے نصب العین سے کبھی غداري نہ کی۔

(3) پاکستان کی تخلیق تک یہ چھوٹا قادیانی فرقہ برطانوی حکمرانوں کے فیاضانہ اور نگہبان رویے کے نتیجے میں انتہائی طاقتور سیاسی عنصر کے طور پر ابھرا اور جس کا واضح مقصد ان کے اپنے مذموم مقاصد کا حصول تھا۔

4۔ تخلیق پاکستان کے بعد قادیانی ملت اسلامیہ کے درمیان ایک طاقتور سیاسی دھڑے کے طور پر ابھرے۔ انہوں نے پاکستان میں سیاسی قوت چھیننے کے منظم منصوبے کے تحت اپنا سفر جاری رکھا اور یہ حقیقت میں پاکستان کی غالب مسلمان اکثریت کے لیے ایک سنگین مسئلہ ہے۔

5۔ قادیانیوں نے اپنا ایک سیاسی مرکز (جسے وہ اپنا دینی مرکز کہتے ہیں) محل ایبٹ میں قائم کر لیا ہے اور پاکستان اور اب دنیا میں سامراجی بلاک کے آلہ کار کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ اپنے آقاؤں کی مذموم سیاسی حکمت عملیوں کے فروغ اور غدارانہ سرگرمیوں کی وجہ سے انہیں اس قدر قبولیت حاصل ہو گئی ہے کہ دنیا کے اس خطے میں انہوں نے اپنے لیے ایک بیٹے اسرائیل کی تخلیق کے خطوط پر سوچنا شروع کر دیا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ ان قوتوں کی حمایت کر رہے ہیں جو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی ذمہ دار ہیں اور مزید یہ کہ اپنے منفی سیاسی رویے سے وہ بلوچستان اور سرحد میں نام نہاد علیحدگی پسند تحریکوں کی سرپرستی کر رہے ہیں۔

اس کا شاید اصل مقصد یہ ہے کہ وہ پنجاب کو پاکستان کے دوسرے صوبوں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں مشرقی پنجاب کے سکھ جب یہ دیکھیں گے کہ پنجاب کو اکیلا اور تنہا چھوڑ دیا گیا ہے تو وہ اپنے مقدس مقامات کی سرزمین کے الحاق کا مطالبہ لے کر سامنے آئیں گے۔ اس کے جواب میں قادیانی فوراً اس مطالبے کو مان لیں گے اور اپنے مدیۃ النبی (جہاں ان کا نبی غلام احمد دفن ہے) یعنی قادیان کے حصول کا مطالبہ کر دیں گے۔ آپ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ سابقہ پنجاب کے دونوں حصے دوبارہ متحد ہو جائیں اور وہ بھی سکھوں اور قادیانیوں کے مشترکہ سیاسی اختیلا میں۔ مہربانی کر کے ملاحظہ کیجئے کہ وکٹوریہ براڈنہوٹ کی یہ امت کس طرح اس عظیم مسلمان سلطنت کے بنیادی نظریہ کو تہو

بالا کرنا چاہتی ہے۔ پاکستان کے باخبر اور پڑھے لکھے حلقے اس ناپسندیدہ صورت حال پر انتہائی پریشان ہیں۔ ایک طرف قادیانی حکومت پاکستان کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں اور دوسری طرف وہ عالمی ضمیر کو بھی کھل طور پر اپنے تکنیکی پروپیگنڈا نظام سے اندھیرے میں رکھ رہے ہیں۔ قادیانیت ایک مذہبی جماعت نہیں بلکہ بڑے رجعت پسندانہ منصوبوں والی سیاسی تنظیم ہے۔ وہ کمال ہوشیاری سے امت مسلمہ کا حصہ بنے رہنے کی کوششیں کر رہے ہیں اور اس طرح سیاسی سہولیات و مشاورات وصول کر رہے ہیں مگر مذہبی اور سماجی طور پر انہوں نے کھل طور پر ایک مختلف مسلک قائم کیا ہے۔ وہ پاکستان کی نوے فیصد اکثریتی مسلمان آبادی پر سیاسی خود مختاری کے حصول کی خاطر بیعتِ معز لہ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اکیس جون ۱۹۳۶ء کو اپنے خط میں چندت جواہر لال نہرو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ قادیانی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔ انہوں نے ہندوستانی آبادی کے ان حلقوں کی پرزور مخالفت اور شدید مذمت کی جو قادیانیوں کے مسئلے میں میزبانی اور برداشت کا ثبوت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی کے مذہب کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت اور اس کی قوم کا استحکام میزبانی اور اخلاقیات کے اصولوں کے خلاف نہیں ہے۔ اوپر دی گئی تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ:

(i) قادیانی مسلمانوں کی نوعیت میں فرقہ وارانہ نہیں بلکہ اپنی حیثیت میں سیاسی ہے۔

(ii) قادیانی اپنے سامراجی حمایتیوں کی شہ پر پاکستان میں اپنی طرز کی حکومت بنانے کی نیک دو میں مصروف ہیں۔ لیکن اس ملک کے مسلمانوں کی ہر اس کوشش کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو انہیں مذہبی یا فرقہ وارانہ تفاوت کے نام پر قابلِ تحریر ٹھہراتی ہے۔

قادیانی پاکستان میں دفاع، خزانہ اور نشریات کے حکومتی شعبوں میں اہم عہدوں تک پہنچ گئے ہیں اور اب سیاسی بالادستی دیکھنے کے خواہش مند ہیں اور عین اس وقت بین الاقوامی سامراجی قوتیں جنہوں نے سیاسی اقتدار کا جو کھیل بڑی دیر سے کھیل رہے ہیں، ان کی خدمت میں قادیانی پیش پیش ہیں۔ یہ حمایت انجینئروں، ڈاکٹروں اور نرسوں کے بھیس میں جاسوسی کا

فریضہ ادا کر رہی ہے۔ ان کی تربیت ہی اس مقصد کے لیے ایک خاص انداز میں کی گئی ہے۔“ (۱)

عرب ممالک کے مذہبی علماء نے آزاد کشمیر کی قرارداد کی نہ صرف حمایت کی بلکہ اس کی تائید بھی کی۔ ایک شای عالم محمد منیر القادری نے اپنی کتاب ”القادیانیہ“ میں تاریخی طور پر عالم اسلام کے خلاف قادیانی۔ برطانوی گٹھ جوڑ کا سراغ لگایا۔ انہوں نے واضح کیا کہ یہ ایک سامراجی منصوبہ تھا کہ حیفہ میں قادیانیوں کے ایک مشن کے قیام میں مدد دی جائے جو عرب ریاستوں میں سیاسی اور تبلیغی جارحیت کے مرکز کا کام دے۔ برطانوی حکومت کے خاتمے کے بعد قادیانیوں نے ”اسرائیل کی حکومت“ کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کر لیے۔ یہودی سرپرستی میں یہ عالم اسلام کے مفادات کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ (۲)

محمد صالح قزاز جنرل سیکرٹری رابطہ عالم اسلامی نے عالم اسلام خصوصاً بھٹو سے جون ۱۹۷۳ء میں اپیل کی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے اور عرب ممالک میں ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جائے۔ یہ اپیل رابطہ کے رسالے ”اخبار العالم الاسلام“ کے گیارہ جون کے شمارے میں ایک تبصرے کے ساتھ چھپی کہ قادیانی پاکستان کے استحکام کو کھوکھلا کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔

مکہ کے بااثر اخبار ”الندوة“ نے علماء اسلام کے دستخطوں کے ساتھ ایک بیان شائع کیا جو اس قرارداد کی حمایت میں تھا۔ ان علماء میں سید امیر کلتی (نائیجیریا) حسن المشاط۔ حسن الخلوف (سابق مفتی مصر) ابو بکر جارجی، محمد علوی مالکی اور سعودی عرب کے دیگر علماء شامل تھے۔ انہوں نے اسرائیل میں قادیانی مرکز کے خفیہ منصوبوں اور قادیانی۔ صیہونی گٹھ جوڑ پر اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ اس فرقے کی سرگرمیوں کو روکا جائے اور اسے غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ (۳)

۱۔ چٹان لاہور۔ 25 جون 1973ء۔

۲۔ منیر القادری۔ ”القادیانیہ“۔ مکتبہ چٹان لاہور۔ 21 مئی 1973ء۔

۳۔ چٹان۔ لاہور۔ 9 جولائی 1973ء۔

اٹوڑہ ٹنک سے ممبر قومی اسمبلی مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی ایک تحریک التواء اسمبلی میں پیش کی مگر انہیں اسکی اجازت نہ دی گئی اور نتیجتاً یہ تحریک مسترد ہو گئی۔^(۱)

ناصر کی بیرون ملک روانگی:

بیرون ملک رہنے والے قادیانیوں میں آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد نے بے حد بے چینی پیدا کر دی۔ یورپ اور افریقہ کی مسلمان تنظیموں نے اس تحریک کو پذیرائی بخشی۔ اس بات نے افریقہ کے قادیانیوں کو اپنے عقائد پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دیا۔ قادیانیوں کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ بیرون ملک ان کی ارد ادبی کارروائیوں پر اس کا انتہائی برا اثر پڑے گا۔

جولائی ۱۹۷۳ء کے وسط میں مرزا ناصر احمد یورپی اور افریقی ممالک کے دورے کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ انہی سیاسی دوروں کی طرح ایک تھا جو وہ اس سے پہلے ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۰ء میں کر چکے تھے۔ لندن میں ان کا استقبال ظفر اللہ سکاٹ لینڈ کے چند قادیانی مبلغین اور گیمبیا کے ہائی کمشنر نے کیا۔ انہوں نے وہاں سی آئی اے اور یورپی آلہ کاروں سے خفیہ ملاقاتیں کیں اور اہم سیاسی معاملات پر ان کے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔ ان کے دورہ (مغربی) جرمنی، ہالینڈ، سویٹزر لینڈ، اٹلی، سویڈن اور ڈنمارک کے دوران فرمی میسنری کے چند ارکان اور اسرائیلی انٹیلی جنس موساد کے آدمیوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ بد قسمتی سے ان ممالک میں واقع پاکستانی سفارت خانوں نے ان کے دورہ کو کامیاب بنانے کے لیے ہر ممکن تعاون فراہم کیا۔ ہمارے سفارت خانوں میں متعین کئی کارندوں نے ان سے ملاقات کی اور ان کی ”آشیر باد“ حاصل کی۔ فرینکلرٹ (مغربی جرمنی) میں پاکستان کے سفیر نے ان سے ملاقات کی اور دوسرے معاملات کے علاوہ پاکستان میں سیلاب کی تباہ کاریوں پر تبادلہ خیال کیا۔

سیرالیون میں پاکستانی سفیر نے مرزاناصر احمد سے گفت و شنید کی اور ان کے اعزاز میں احمدی مشن کی جانب سے دیئے گئے استقبالیئے میں شرکت کی۔ یہ بات مد نظر رہے کہ گھانا میں پاکستانی سفیر آبیوری کوست- لائبریا- سیرالیون- ٹوگو اور بالائی وولٹا میں بھی ہمارے مفادات کا نگران تھا۔ مرزاناصر نے اس کے ساتھ سیاسی صورت حال اور پاکستان کے بیرونی تعلقات پر تبادلہ خیال کیا۔^(۱) یہ سفیر سیرالیون میں ایک پاکستانی فورم کا سربراہ تھا جو کہ ایک طرح کی جیپی تنظیم تھی جس میں قادیانی غالب تھے۔ ان کا مقصد جماعتی مفادات کا تحفظ تھا۔ سیرالیون مشن کا امیر بشیر احمد ٹمس اس فورم کا کردار دھرتا تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہ ”احمدیہ جماعت اپنے اخراجات کیسے پورے کرتی ہے؟“ مرزاناصر نے کہا۔

”احمدیہ جماعت پر سورج غروب نہیں ہوتا۔ برطانیہ میں ہماری جماعت نے پچاس ہزار پونڈ (تقریباً چالیس لاکھ روپے) کا عطیہ افریقہ میں تبلیغی کاموں کی ابتداء کے لیے دیا ہے۔“ (۲)

اس بات پر ہر جگہ ہی یقین کیا گیا کہ یہودیوں کی پشت پناہی سے چلنے والی ایجنسیوں نے قادیانیوں کو پھلتے پھولتے دیکھنے کے لیے اور افریقہ میں ان کے ”تبلیغی کاموں“ کے لیے کروڑوں پونڈ اور ڈالر مہیا کیئے ہیں۔ برطانیہ- امریکہ- (مغربی) جرمنی- ہالینڈ اور اسرائیل کی جاسوس تنظیموں نے قادیانی کھاتوں میں خفیہ طور پر قومات منتقل کرائیں۔ امریکی پاکستان- بھارت اور مصر جیسے ممالک میں PL480 پروگرام کے تحت گندم کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کو مقامی کرنسی کی صورت میں بھاری کھاتوں میں رکھتے تھے۔ ان میں سے مبینہ طور پر ایک بڑی رقم ربوہ کے خزانہ میں منتقل کر دی جاتی تاکہ سیاسی تخریب کاریوں کے لیے استعمال کی جاسکے۔ یہودیوں کی مدد سے احمدی ارتداد ایک مضبوط بنیاد کے ساتھ چند افراد کی مضبوط قیادت میں تبدیل ہو گیا ہے۔

مرزاناصر اپنے یورپی دورے سے ستمبر ۱۹۷۳ء میں واپس آئے۔ انہوں نے

اپنے دورے کو بڑا کامیاب قرار دیا۔ ان کی آمد کے ایک ماہ بعد مشرق وسطیٰ میں عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی۔ جنگ کے پہلے روز مصریوں نے باریووائٹن پر قبضہ کر لیا اور پانچ سو شامی ٹینکوں اور دو پیادہ ڈویژنوں نے اسرائیل کے مقبوضہ شامی علاقوں میں پیش قدمی شروع کر دی۔ اسرائیل کو جنگ میں کئی مقامات پر پسپائی اختیار کرنا پڑی۔

اسرائیل میں قادیانی مشن نے اسرائیل کو اس ”عرب جارحیت“ کے خلاف ہر ممکن افرادی و مالی قوت فراہم کی۔ اسرائیل میں احمدی مبلغ جلال الدین قمر نے اسرائیل کی فتح کے لیے خصوصی دعا کا اہتمام کیا کیونکہ احمدی جس حکومت میں رہیں اس کے وفادار ہوتے ہیں۔ الفضل ربوہ نے بڑے محتاط انداز میں اسرائیل کی جارحیت پر اپنے ادارے میں تبصرہ کیا اور خدا سے رحمت و برکت کی دعا کی ضرورت پر زور دیا۔^(۱)

مرزا ناصر حسب توقع خاموش رہے اور انہوں نے کبھی بھی اسرائیل اور ان کی جارحانہ صیہونی حکمت عملیوں کی واضح انداز میں مذمت نہ کی۔

مولانا شمس الدین شہید

فروری ۱۹۷۳ء میں بلوچستان میں قائم نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت علماء اسلام کی مخلوط حکومت ختم کر دی گئی جس کے نتیجے میں صوبہ سرحد کی حکومت احتجاجاً مستعفی ہو گئی۔ اسلام آباد میں عراقی سفارت خانے سے اسلحہ کے سکیئنڈل اور ایک بلوچی سردار اکبر بگٹی کے نیشنل عوامی پارٹی کے سربراہوں پر الزامات نے بھٹو حکومت کے اس غیر جمہوری اقدام کے لیے راہ ہموار کر دی۔ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں بلوچستان میں حالات بگڑتے ہی چلے گئے۔ اکبر بگٹی بلوچستان کا نیا گورنر بنادیا گیا۔

بگٹی کو ایک مضبوط حزب اختلاف کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے مینگل اور مری قبائل پر الزام لگایا کہ وہ غیر ملکی ہتھیاروں کی مدد سے جانشینی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس نے پورا صوبہ ہی قبائلی جنگ میں جھونک دیا اور مرکزی فوج کو اپنی مدد کے لیے بلا لیا۔ خیر بخش

مری۔ عطاء اللہ مینگل اور بنجی کے نظر بندی کے احکامات نے صورت حال کو مزید خراب کر دیا۔ اس پر سیاسی قتل کے الزامات بھی عائد کیئے جانے لگے۔ پختون خواہ نیشنل عوامی پارٹی کے عبدالصمد اچکزئی کو نومبر ۱۹۷۳ء میں بے رحمانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ تین ماہ بعد بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر مولانا شمس الدین کو کسی نامعلوم شخص نے ثوب ضلع کوئٹہ کے ایک گاؤں کے نزدیک اس وقت گولی مار کر شہید کر دیا جب وہ واپس فورٹ سندھ سے من آرہے تھے۔ بگٹی انتظامیہ کے کام شروع کرنے سے چند ہفتے پہلے وہ زیر زمین چلے گئے تھے۔ یہ دعویٰ کیا گیا کہ انہیں میوٹ میں قید کر دیا گیا ہے۔ وہ جمعیت علماء اسلام بلوچستان کے صوبائی امیر تھے۔ انہوں نے بگٹی انتظامیہ پر شدید تنقید کی تھی اور بلوچستان میں فوجی کارروائی کے زبردست مخالف تھے۔ انہوں نے بلوچستان میں ایران کے مبینہ تخریبی کردار کی بھی مذمت کی تھی۔ ان کا سب سے بڑا جہاد قادیانیت کے خلاف تھا۔ قادیانیوں نے بلوچستان میں غلام ترچے والے قرآن پاک کے نسخے وسیع پیمانے پر تقسیم کر دیئے تھے جس کے نتیجے میں ان کے خلاف شدید غم و غصے کا اظہار کیا گیا اور ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے کا مطالبہ کیا گیا۔

مرزا غلام احمد دراصل قرآن پاک کے متن میں تبدیلیاں کرنے کے ذمہ دار تھے۔ انہوں نے دانستہ طور پر قرآنی متن میں الہامی پیوند کاریاں کیں اور اپنی اوٹ پناہ جی کے ذریعے کئی قرآنی آیات کو مسخ کر دیا۔ انہوں نے بہت سی آیات میں اپنی پہنچانی طرز کی عربی کا اضافہ کر دیا اور ان کے مکمل معنی اور حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا۔ انہوں نے مزید یہ دعویٰ کیا کہ قرآن پاک اور ان کی جی کے ذرائع۔ نوعیت اور مواد میں ذرہ بھر فرق نہیں ہے۔^(۱) اور ستم ظریفی تو یہ ہے کہ انہوں نے قرآن سے اپنی محبت کا اظہار بھی کیا۔ حتیٰ کہ وہ یہ بھی کہتے رہے کہ قرآن کا ایک شوشا بھی منسوخ نہیں ہوا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک منظم طریقے سے انہوں نے تمام بے ادبیاں جاری رکھیں۔

قادیانیت کے ابتدائی سالوں میں براہین احمدیہ کی اشاعت کے بعد پیدا شدہ

تنازعات میں تحریف شدہ ترجمے اور قرآنی نص میں تبدیلیاں بہت اہم موضوع تھیں۔^(۱) مرزا صاحب کے دوسرے جانشین مرزا محمود بہت شاطر اور ہوشیار آدمی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آنے والی نسلیں ان کے والد کی قابلیت اور عربی دانی پر نہیں گی اور قرآنی تفہیم کے دعوؤں کے ساتھ ساتھ تحریف کی واضح مثالیں دیکھ کر ان سے بدظن ہو جائیں گی۔ انہوں نے ایک بورڈ مقرر کر دیا تاکہ غلطیوں سے پاک قادیانی لٹریچر چھاپا جاسکے۔ بورڈ کے مدیروں جلال الدین شمس اور چوہدری محمد شریف نے جو کہ اسرائیل میں قادیانی مبلغ رہ چکے تھے۔ مرزا صاحب کی قرآنی اغلاط و تحریفات کے موضوع پر ان کا دفاع کیا۔ یہ وضاحت کی گئی کہ قرآن کی بنیادی نص میں مرزا صاحب نے تبدیلیاں جان بوجھ کر نہیں کیں۔ یا تو نظر ثانی نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا یا یہ کامیوں کی بے توجہی کا نتیجہ ہے۔ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ ان تحریف شدہ آیات کا اردو ترجمہ بھی تحریف کے مطابق ہے جس سے عہد تحریف ثابت ہوتی ہے اور قادیانی شاطر کے مذموم عزائم آشکار ہوتے ہیں۔ مرزا قادیانی کی کتابوں میں یہ تحریف شدہ آیات اب تک موجود ہیں قادیانی مدیروں نے ان پر حاشیے لکھے ہیں۔ ان آیات کو ٹھیک نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ خدشہ تھا کہ کتابوں کے متن میں اصلاح سے مرزا صاحب کے اصل متن میں تغیرات و تضادات کا سیلاب اُمڈ آئے گا۔ قادیانی مدیروں نے ان کتابوں میں درست قرآنی آیات شامل نہ کیں کیونکہ اس سے ان کے مکروہ منصوبوں پر طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع ہو سکتا تھا۔ البتہ حاشیہ میں اصل قرآنی آیات درج کر دیں۔

پہلے مرحلے میں قادیانیوں نے یہ تسلیم نہ کیا کہ بلوچستان میں قرآن کا کوئی تحریف شدہ نسخہ تقسیم کیا گیا ہے۔ اسے ایک سیاسی کھیل کا نام دیا گیا۔^(۲) مگر جب مرزا محمود کی تفسیر 'مغیر' شیر علی اور غلام فرید کے ترجمے اور دوسری قادیانی کتابوں کے نسخے اور حرف مواد پیش کرنا گیا تو انہوں نے الٹا جوابی الزامات عائد کرنے شروع کر دیئے۔ الفضل نے ایک متواتر سلسلہ مضامین شروع کر دیا جس میں بڑے بڑے سنی اور شیعہ علماء کی کتابوں میں طباعت کی

۱۔ اہلحد زہ زندہ کی لاہور۔ 1371ھ۔ 1974ء۔

۲۔ الفکر مارچ ۱۹۷۰ء۔ اگست اور ستمبر 1973ء۔

غلطیوں کو اجاگر کیا گیا۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ان کبار علماء کی تحریروں میں بھی مبینہ تحریفیں پائی جاتی ہیں۔^(۱) یہ ”کھسانی ملی کھبانو پے“ والی بات تھی اور اپنی حماقت کو چھپانے کی ایک بھونڈی کوشش تھی۔ اس طرح مرزا قادیانی کی تحریفات مسخ کاری اور غلطیوں کا اعتراف بخوبی سامنے آ گیا۔

بلوچستان میں بیرونی پشت پناہی سے چلائی گئی قادیانی تحریک کے خلاف احتجاج کے لیے جولائی اور اگست کے مہینوں میں مولانا شمس الدین نے بڑے بڑے مظاہروں کی قیادت کی۔ بلوچستان کی صوبائی اسمبلی کے سامنے تین مطالبے رکھے گئے۔

(i) ژوب کے علاقوں سے قادیانیوں کا اخراج

(ii) قادیانی مخالف تحریک کے سلسلے میں تمام گرفتار شدگان کی رہائی۔

(iii) پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جانا۔

بگتی حکومت نے مولانا کے مطالبات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اقدامات کرنے شروع کر دیئے اور آخر کار مبینہ طور پر انہیں ایک کرائے کے قاتل شاہ وزیر کے ہاتھوں شہید کر دیا گیا۔^(۲) مرزا ناصر نے ان کی شہادت پر اطمینان کا اظہار کیا اور الزام عائد کیا کہ انہیں ایک سمگلر نے قتل کیا ہے کیونکہ وہ خود بھی ان معاملات میں ملوث تھے۔^(۳) یہ ظالمانہ قتل بھی بے سراغ ہی رہا۔ مولانا شہید کا دامن ان الزامات سے پاک تھا۔

ظفر اللہ کا خفیہ مشن:

جنوری ۱۹۷۳ء کے اوائل میں ظفر اللہ قادیانی ہندوستان ایک خفیہ مشن پر گیا۔ سب سے پہلے یہ خفیہ مشن روزہ ”چٹان“ لاہور نے دی۔^(۴)

اس نے قادیان میں تین دن قیام کیا۔ بین الاقوامی عدالت انصاف بیجک

۱۔ افضل ربوہ۔ 20-28 اگست 1973ء۔

۲۔ ہفت روزہ چٹان لاہور۔ یکم اپریل 1974ء۔

۳۔ ہفت روزہ چٹان لاہور۔ 8 مئی 1974ء۔

۴۔ آغا شورش کالمیری تحریک فتح نہتہ صفحہ 227 لاہور اس کے علاوہ چٹان لاہور 11 فروری 1974ء۔

رجسٹرار اس کے ہمراہ تھا۔ اس وقت تک پاکستان نے ہندوستان کے ساتھ سفارتی تعلقات بحال نہیں کیئے تھے۔ وہ واہگہ چوکی لاہور کے راستے ہندوستان میں داخل ہوا۔ مشرقی پنجاب کے ایک وزیر نے واہگہ سے قادیان تک اس کے ہمراہ سفر کیا۔ ظفر اللہ قادیانی نے بعد میں اس بات چیت کا اعتراف کیا کہ وفاقی وزیر داخلہ خان قیوم نے اس کے دورہ قادیان کے سلسلے میں اس کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ قادیان میں اس کا قیام امیر جماعت ہندوستان مرزاوسیم احمد کے پاس تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہاں اس کی ملاقات ہندوستان انٹیلی جنس کے ہیرو چیف سے ہوئی۔^(۱) مشرقی پنجاب کی حکومت نے اس کے ساتھ سرکاری مہمان کا سلوک کیا۔ ظفر اللہ کے اس دورے کی نوعیت کو ماضی کے اکالی قادیانی گٹھ جوڑ کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ جس کا مقصد پنجاب کو بطور آزاد ریاست میں تبدیل کرنا تھا۔ قادیانی حصول قادیان کے خواہش مند تھے جبکہ سکھ بابا گورو نانک صاحب کی جنم بھومی ننکانہ صاحب کے حصول کے طلب گار تھے۔

ہندوستان ٹائمز کی ایک رپورٹ کے مطابق:

”پچھلے جنوری ۱۹۷۴ء میں ”قصبہ قادیان“ کے ایک اہم سیاح محمد ظفر اللہ خان تھے وہ وہاں تین دن ٹھہرے۔ وہاں ان کے سابقہ گھر میں پنجاب محکمہ برقیات کے دفاتر ہیں۔ احمدی اس پر تنقید کیا کہ پریس میں ان کی آمد کو خفیہ رکھا جاتا۔ حکومت پنجاب نے انہیں سرکاری مہمان کا درجہ دیا اور ان کی نشاندہی پر کئی کاموں کی تکمیل کر دی۔“^(۲)

احمدیہ جماعت کے ایڈیشنل چیف سیکرٹری مرزاوسیم احمد نے پاکستانی اخبارات کی خبر کی تردید کی کہ سر ظفر اللہ نے ایک خفیہ مشن پر ہندوستان کا دورہ کیا۔ اس نے کہا کہ ظفر اللہ نے قادیان میں یکم جنوری سے تین دن قیام ایک زائر کے طور پر کیا اور بین الاقوامی عدالت انصاف ہیگ کارجسٹرار ان کے ہمراہ تھا۔ وہ واہگہ چوکی کے ذریعے ہندوستان میں داخل ہوا اور واہگہ سے قادیان تک ایک پنجابی وزیر ان کے ہمراہ رہا۔ اس دورے کے

۱۔ ایضاً۔

۲۔ ہندوستان ٹائمز 31 اکتوبر 1974ء بحوالہ دہلہ پریس۔ سولہ جی۔ اے۔ رفیق لندن مشن۔

بارے میں کوئی چیز خفیہ نہیں تھی اور اس نے قادیان سے حکومت ہندوستان کے لیے خیر سگالی کا ایک پیغام بھجوایا۔^(۱)

تیسواں باب

تحریک ختم نبوت کا فیصلہ کن دور

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ فضائیہ کے چودہ افسران کو گرفتار کیا گیا۔ جن میں دو گروپ کیپٹن اور اکیس فوجی افسران تھے۔ ان فوجیوں میں دو بریگیڈیئر (ایک ریٹائرڈ) شامل تھے۔ یہ اعلیٰ سرکاری افسروں اور جرنیلوں کو گرفتار کر کے برسرِ اقتدار آنے کی سازش کر رہے تھے۔^(۱)

قادیانی ائرمارشل کا استعفیٰ:

ان منصوبوں کا عملی جامہ پہنانے سے قبل ہی انکشاف ہو گیا۔ فضائیہ اور فوج کے افسران کیلئے دو علیحدہ علیحدہ فوجی عدالتیں قائم کی گئیں۔ فضائیہ کے چودہ افسران کے خلاف منتخب قیادت کا تختہ الٹنے کی سازش میں چھبیس جولائی ۱۹۷۳ء کو مقدمہ شروع ہوا۔ جنرل پی۔ اے۔ ایف کورٹ مارشل کے سات ارکان کے فیصلے کے مطابق چودہ میں سے نو افسران کو بے گناہ پا کر بری کر دیا گیا۔ چار کو مختلف المعیاد قید کی سزائیں سنائی گئیں جبکہ ایک کو ابتدائی تحقیقات کے بعد فارغ کر دیا گیا۔

بری فوج کی فوجی عدالت نے اکیس افسران میں سے ایک کو بری کر دیا۔ دو کو عمر قید کی سزا سنائی۔ تیرہ افسران کو مختلف المعیاد قید با مشقت کی سزائیں دیں۔ جن کا عرصہ دو سے دس سال کا تھا۔ دو کو نوکری سے نکال دیا گیا اور تین افسران کی ترقی روک دی گئی۔ اگرچہ زیادہ تر ملزم افسروں کی تعداد بے گناہ پائی گئی لیکن فضائیہ کے ہیڈ کوارٹر

نے فضائیہ کے قادیانی ایئر چیف ظفر چوہدری کے احکامات کے تحت تمام چودہ افسران کو ریٹائر کر دیا۔ یہ ایک ناروا طریقہ تھا جو انصاف کے تمام تقاضوں سے ہٹ کر تھا۔ فوجی عدالت کے فیصلے میں روو بدل کرتے ہوئے ایئر مارشل ظفر چوہدری نے واضح طور پر اپنے اختیارات اور حدود سے تجاوز کیا۔ کچھ ظلم افسران نے الزام عائد کیا کہ ایئر چیف نے انہیں غلط طور پر اس مقدمے میں پھنسا دیا ہے اور وہ انہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا کیونکہ وہ اقتدار کے حصول کی سازشوں میں مصروف تھا۔ اس نے اس مقدمے کو ذاتی انا کا مسئلہ بنالیا اور کہا گیا کہ پاکستانی فضائی افواج کے چند افسران کے ساتھ ایک گفتگو کے دوران اس نے اس حد تک کہہ دیا کہ اگر ان چودہ افسران میں سے ایک بھی بری ہو گیا تو وہ استعفیٰ دے دے گا۔ حکومت اس مقدمے کی تفصیلات میں چلی گئی۔ فوجی عدالت کی سماعت کا محتاط مطالعہ کیا گیا اور پاک فضائیہ کے جج ایڈووکیٹ جنرل کی مقدمہ کی رپورٹ پڑھی اور فضائی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے جبری طور پر ریٹائر کیے گئے چودہ افسران کے مقدمات کی نوعیت معلوم کی۔ بھٹو نے متعلقہ کاغذات کا خود مطالعہ کیا اور اہم وکلاء کے ساتھ اس مقدمے کے بارے میں گفت و شنید کی۔ اس مقدمے کے مفصل مطالعے سے یہ بات منکشف ہوئی کہ یہ افسران گناہگار نہ تھے اور انکی ریٹائرمنٹ بلا جواز تھی۔ حکومت آخر کار اسی نتیجے پر پہنچی کہ فضائیہ کے سربراہ ظفر چوہدری نے قومی مفاد پر اپنی ذاتی عناد کو ترجیح دے کر اپنے آپ کو اس رتبے کا اہل ثابت نہیں کیا جس پر وہ فائز تھا۔ سولہ اپریل ۱۹۷۴ء کو حکومت پاکستان نے ایئر چیف ظفر چوہدری کو پندرہ اپریل ۱۹۷۴ء سے ریٹائر کر دیا اور ایئر وائس مارشل ذوالفقار علی خان کو اس کی جگہ چیف آف ایئر سٹاف مقرر کر دیا۔^(۱) حکومت اور ہم پیشہ افسروں کی نظروں میں اپنا وقار گنوانے کے بعد ایئر مارشل کیلئے اپنے عہدے پر مزید قائم رہنا مشکل ہو گیا تھا۔

حکومت نے سات افسران کی قبل از وقت ریٹائرمنٹ کو منسوخ کر دیا اور سات دیگر افسران کی قبل از وقت ریٹائرمنٹ کی توثیق کر دی۔ لیکن ان کی دوبارہ سربکاری یا غیر سربکاری ملازمت پر پابندی ختم کر دی۔^(۲)

۱۔ پاکستان ٹائمز، لاہور، ۱۷ اپریل ۱۹۷۴ء۔

۲۔ حسن محمدری رضوی۔ پاکستان میں فوج اور سیاست پاکستان میں۔ صفحہ ۲۸۳۔

ایک فریب:

قادیانیوں کو امید تھی کہ ۱۹۷۰ء میں پیپلز پارٹی کی زبردست امداد اور بھٹو سے اظہار وفاداری کے نتیجے میں انہیں پورا پورا انعام ملے گا۔ پیپلز پارٹی کے بہت سے ممبران قومی و صوبائی اسمبلی نے قصر خلافت ربوہ کا دورہ کیا اور وہاں ان کا شاندار استقبال ہوا۔ پیپلز پارٹی کے عوامی اجتماعات کی کامیابی کی خاطر خدام احمدیہ نے کئی تقریبات کا انتظام کیا اور چندے اکٹھے کیے۔ پیپلز پارٹی کی زیر قیادت چلنے والی طلباء تنظیموں نے اسلامی جمعیت طلباء (جماعت اسلامی کی طلباء تنظیم) میں خفیہ طور پر اپنے آلہ کار داخل کر دیے۔ مستقبل میں محکمانہ ترقی کے حصول کے لیے افسر شاہی اور بعض فوجی افسران نے ربوہ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے ان کی کھل کر امداد کرنا شروع کر دی۔ قادیانیوں کو مطمئن کرنے کے لیے حکومت نے سرکردہ قادیانی مخالف تنظیموں کو جو ملک بھر میں کام کر رہی تھیں دبا دیا اور ان کی سرگرمیوں کو معطل کر دیا گیا۔ مرزا ناصر پیپلز پارٹی سے کی گئی سیاسی سودے بازی پر مسرور تھے۔ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اہم مذہبی مسائل پر مسلمانوں کی اکثریت نے قادیانی نکتہ نظر تسلیم کر لیا ہے۔ سعید ہاؤس ایبٹ آباد میں انہوں نے واضح کیا کہ مسیح کی وفات کے عقیدے اور ختم نبوت پر ان کی تشریح کو لوگوں کی اکثریت نے مان لیا ہے۔^(۱) ایک سال بعد انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ستر سے اسی فیصد عوام خصوصاً پاکستان کی نوجوان نسل نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ احمدی ختم نبوت کے منکر نہیں ہیں۔ انہوں نے پیش گوئی کی کہ ”وفات مسیح“ کے مسئلہ کی طرح ختم نبوت کا مسئلہ بھی آئندہ پانچ سات سالوں میں ختم ہو جائے گا۔^(۲)

اسلامی سربراہی کا نفرنس:

۱۹۷۳ء کے آخر میں تیل کے بحران نے مغربی دنیا کو برمی طرح ہلا کر رکھ دیا۔ یہ

۱۔ الفضل ربوہ۔ 30 جون 1972ء۔

۲۔ الفضل ربوہ۔ 28 جولائی 1973ء۔

ضروری خیال کیا گیا کہ مغربی طاقتوں کے خلاف اٹھنے والی کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لیے ایک مشترکہ لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ فروری ۱۹۷۴ء میں بھٹو نے پاکستان میں اسلامی سربراہی کانفرنس کے انعقاد کے اعلان کر دیا۔ اس سے ربوہ پریشان ہو گیا۔ اس کانفرنس میں سعودی عرب کے اہم کردار نے قادیانیوں کو مزید مشتعل کر دیا۔^(۱) احمدیوں کے تیسرے سربراہ مرزا طاہر کہتے ہیں کہ سعودی عرب کے شاہ فیصل کی یہ خواہش تھی کہ اسلامی دنیا کے خلیفہ بنیں اس کے لیے ضروری تھا کہ احمدی خلافت کا خاتمہ کیا جائے اور احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ سعودی شاہ کو اسلام کا خلیفہ قرار دینے کی تحریک ناکام ہو گئی۔ تاہم اسلامی سربراہی کانفرنس کے موقع پر ایک احمدیہ مخالف تحریک شروع کی گئی اور مسلمان مندوبین کے درمیان بہت سا احمدیہ مخالف لٹریچر تقسیم کیا گیا۔

اسلامی سربراہی کانفرنس کے موقع پر مرزا ناصر احمد نے ان اسلامی ممالک (سعودی عرب) پر تنقید کی جو پٹرول کی آمدنی کی بنیاد پر احمدیہ جماعت کی مخالفت کر رہے تھے۔ افریقی ممالک میں موجود سعودی سفارت خانوں نے احمدیوں کو حج کا ویزہ جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ عالمی اسلامی کانگریس نے عالم اسلام سے اپیل کی کہ وہ قادیانیوں کی تخریبی کارروائیوں پر نظر رکھے۔ قادیانی پریس نے یہ الزام عائد کیا کہ سعودی انہیں برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ اخبار قادیانی ماہنامے تحریک جدید ربوہ نے واضح کیا۔

”اسلام میں تحریک احمدیہ کے حج مقدس کا فریضہ ادا کرنے والے ارکان کو ویزہ نہ دینے کے سعودی فیصلے نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی مذہبی عدم رواداری ہے جس کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ سعودی عرب کی حکومت کا اپنے علاقے سے باہر کسی مسلمان پر کوئی اختیار نہیں۔ یہ محض حادثہ ہے کہ حج مقدس کے مقامات اس کے علاقے میں واقع ہیں۔ حکومت کو ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہئے یہ مسلمانوں کے لیے وٹیکن کے برابر ہے کیونکہ اسلام میں کوئی

۱۔ یہ بات خاصی دلچسپ ہے کہ الفضل ربوہ نے اپنے چھٹی ماہ اگست ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں مرزا محمود کے ایک الہام کو نمایاں جگہ دی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ آنے والے دن مسلمانوں کے لیے بہت سخت ہیں اور ان سے حمد ہونے کی اپیل کی گئی تھی۔ ”الفضل ربوہ نے بائیس فروری ۱۹۷۴ء کو اپنے شمارہ میں لکھا کہ اسلامی سربراہی کانفرنس ان کی انہائیں سالہ دعاؤں کا نتیجہ ہے۔“ (ایم۔ن۔ خدا کا بندہ۔۔۔ صفحہ ۸۳: ۸۵)۔

پاپائیت نہیں۔“ (۱)

احمدیہ مجلس شوریٰ ربوہ کے افتتاحی اجلاس میں مرزا ناصر احمد نے جماعت کے نمائندوں کو بتایا کہ جماعت کی صد سالہ تقریبات کو منعقد کرنے کا پروگرام زیر بحث ہے جو بمبئی فنڈ کے لیے سازھے نو کروڑ روپے کا وعدہ کیا جا چکا ہے۔ یہ تقریبات تیس مارچ ۱۹۸۹ء کو شروع ہوں گی اور اس سال کے سالانہ جلسے تک جاری رہیں گی۔ جو بمبئی دنیا بھر میں منائی جائے گی۔ اور اپنے آخری پروگراموں کے ساتھ یہ سالانہ جلسے میں اپنے نقطہ عروج پہنچ جائے گی جس میں سو سے زیادہ ممالک کے مندوبین شرکت کریں گے۔ امریکی احمدیوں نے اب تک پانچ لاکھ ڈالر کا وعدہ کیا ہے اور مزید ایسے وعدوں کی توقع ہے۔

انہوں نے مندوبین کو بتایا کہ قادیانیت کی مخالفت نے نئی شکل اختیار کر لی ہے اور اب یہ اپنے انجام تک پہنچنے کے قریب ہے۔ اس موقع پر مسلمانوں سے خدا کا کیا گیا وعدہ ہمارے ہی متعلق ہے۔ سچائی اور جھوٹ کے درمیان جنگ اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے اور آنے والے پندرہ سال بہت اہم ہیں۔ انہوں نے اس بات پر بہت افسوس کا اظہار کیا کہ پٹرول سے حاصل ہونے والے ڈالر جماعت کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں مگر یہ جو کوئی بھی ہیں یہ خیال کر لیں اور اس حقیقت کو مت بھولیں کہ اسلام کی خدمت کے لیے صدق دل سے دیئے گئے ڈالر کا پٹرول ڈالر سے کوئی موازنہ نہیں۔ اول الذکر آخر الذکر سے زیادہ اہمیت اور قوت رکھتا ہے۔ (۲)

ربوہ کا حادثہ:

پہلے سے جاری حالات نے ربوہ اور ہینٹلز پارٹی کے درمیان بد اعتمادی کی فضا پیدا کر دی مگر پھر بھی بیوروکریٹوں کی ایک خاصی تعداد اور حکمران جماعت کی اہم شخصیات کی حمایت ربوہ کو میسر رہی۔ مرزا ناصر نے بڑے فخریہ انداز میں ہینٹلز پارٹی کے گماشتوں کا اپنے

۱۔ تحریک جہاد ربوہ فروری۔ ۱۹۷۴ء۔

۲۔ تحریک جہاد ربوہ اپریل ۱۹۷۴ء۔

راج بھون میں استقبال کیا۔ انہیں پختہ یقین تھا کہ پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ان کی جماعت کو نقصان پہنچانے کے لیے کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ مختلف احمدیہ تنظیموں کے سربراہوں کو انہوں نے وقتاً فوقتاً ہدایات جاری کیں کہ مخالفین کے حملوں کے جواب میں سخت مزاحمت کی جائے اور احمدیہ عقیدے کی تبلیغ بے خوف طریقے سے کی جائے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک نجی اجتماع میں اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ اگر آپ اپنی حیثیت اور اہمیت قائم نہیں کر سکتے تو احمدیت کا صد سالہ جشن آپ شایان شان طریقے سے کس طرح مناسکتے ہیں۔

انتیس مئی ۱۹۷۴ء کو اپنی قوت کے اظہار کے لیے آمادہ پیکار قادیانیوں نے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء پر اس وقت حملہ کر دیا جب وہ ایک تفریحی سفر سے واپسی پر ربوہ سے گزر رہے تھے۔ قادیانیوں کے پاس ڈنڈے اور ہلکے ہتھیار تھے۔ پچاس طلباء کو بری طرح چٹا گیا۔ جن میں تیرہ کی حالت نازک ہو گئی۔^(۱) یہ پہلے سے طے شدہ سکیم تھی اور اس کھیل کے پیچھے مرزا نضر احمد تھا۔ قادیانی غنڈہ گردی پر پورے پاکستان میں پر تشدد رد عمل برپا ہو گیا۔ اگرچہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ حنیف رامے نے قانون شکنوں کو سخت تنبیہ کی مگر مظاہرین نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ عدالت عالیہ کے جج مسٹر جسٹس کے۔ اے۔ صدیقی کو ربوہ کے واقع پر تحقیقات کے لیے مقرر کیا گیا۔ پنجاب اسمبلی میں حزب اختلاف کے رہنماؤں نے ایک تحریک التواء پیش کی مگر سپیکر نے اس کی اس بنیاد پر اجازت نہ دی کہ معاملہ عدالت میں زیر غور تھا۔^(۲)

بھٹو نے لوگوں سے اپیل کی کہ ٹریبونل کے نتائج کا انتظار کیا جائے مگر تحریک بڑی شدومد سے جاری رہی۔ قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے رہنماؤں نے سخت کوششیں کیں کہ ربوہ کے واقعہ پر تحریک التواء پیش کی جائے مگر انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔ اسمبلی نے زیادہ تر وقت اس قسم کی تحریک کے نوٹس اور طریق کار کے مناقشے پر صرف کر دیا۔ اس بڑھتی

۱۔ جسارت کراچی۔ 31 مئی 1974ء۔

۲۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی۔ 31 مئی 1974ء۔

ہوئی تحریک کو دبانے کے لیے بہت سے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کر لیا گیا اور عوامی اجتماعات کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔^(۱) حکومت نے اس معاملے کو داخل دفتر کرنے کے لیے جابرانہ اقدامات کرنے شروع کر دیے تاکہ ۱۹۵۳ء کے بھیاںک ڈرامے کی طرز کا جعلی جواز پیدا کیا جاسکے۔ لوگوں نے پرامن انداز میں اس تحریک کو جاری رکھنے کے لیے تمام مشکلات ختمہ پیشانی سے برداشت کیں۔

ہر کوئی جانتا تھا کہ قادیانی غنڈہ گردی کے پس پردہ جو شخص ہے وہ مرزا ناصر احمد ہے۔ تاہم حکومت اس کو گرفتار کرنے پر رضامند نہ تھی۔ اس نے عدالت عالیہ لاہور میں درخواست ضمانت قبل از گرفتاری داخل کر دی۔ بہر حال ربوہ کے واقعہ کی تحقیقات میں اسے شامل تفتیش کر لیا گیا۔^(۲) چیف جسٹس مسز جسٹس محمد اقبال نے ایڈووکیٹ جنرل پنجاب کو ایک نوٹس جاری کیا جس کے جواب میں اس نے واضح کیا کہ مرزا ناصر کو اس مرحلہ پر گرفتار کرنے حکومت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی اور اگر تحقیقات کے دوران کسی بھی وقت اس کے خلاف کوئی مقدمہ بنا نظر آیا اور اسے گرفتار کرنے کا کوئی ارادہ ہو تو یہ قدم اٹھانے سے پہلے عدالت عالیہ کو مطلع کیا جائے گا۔ چنانچہ درخواست نمٹادی گئی۔^(۳)

صمدانی ٹریبونل جو ربوہ کے حادثے کی وجوہات جاننے کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ اس کے سامنے پیش ہونے والے گواہان کے بیانات نے قادیانیت کی وہ خوفناک تصویر پیش کی جو اب تک دنیا کو کم ہی معلوم تھی۔ ایک قادیانی منحرف محمد صالح نور نے بیان دیا۔

(الف) ”خدام الاحمدیہ“ احمدیوں کی ایک فوجی تنظیم ہے۔ اس کو یقین ہے کہ جلد ہی جماعت عنان اقتدار سنبھال لے گی۔

(ب) قادیانی افسران کو خلیفہ کی ہدایات ہیں کہ وہ احمدیوں کے لیے ہر جائز و ناجائز حربے سے نوکری کا انتظام کریں۔

(ج) افریقہ میں غلام احمد کو پیغمبر احمد کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ روزنامہ کوہستان لاہور۔ 10 مئی 1974ء۔

۲۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی۔ 7 جون 1974ء۔

۳۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی۔ 8 جون 1974ء۔

(د) ربوہ میں ایک تنظیم موجود ہے جس کو فرقان فورس کہا جاتا ہے۔ گواہ اس فورس کا ممبر رہ چکا ہے اور اس نے ۱۹۴۷ء میں کشمیر کے فسادات میں حصہ لیا اور بعد میں اس تنظیم کو کمانڈر ان چیف جنرل گریسی نے غیر مسلح کر دیا۔ اسلحہ اور گولہ بارود جو فرقان فورس کو ملے تھے۔ وہ ایک فوجی دہلی کے ذریعے واہگہ روانہ کیے گئے اور مسجد محمود کے نزدیک انہیں دفن کیا گیا اس اسلحہ اور گولہ بارود کی حفاظت کے لیے رضا کار مقرر کیے جاتے تھے۔

(ر) احمدیوں کا اسرائیل میں ایک مشن ہے۔ جو حیدر میں واقع ہے۔ یہ تحریک جدید کے ماتحت ہے اور اس محکمے کا سربراہ مرزا محمود احمد تھا۔ جو لوگ پاکستان سے اسرائیل گئے ان کے پاس ڈبل پاسپورٹ ہوتے ہیں۔ وہ پاکستانی پاسپورٹ پر ایک افریقی ملک میں جاتے ہیں۔ وہاں انہیں اسرائیل کے لیے دوسرا پاسپورٹ جاری کیا جاتا ہے۔ دوسرا پاسپورٹ انہوں نے اپنے پاس خفیہ طور پر رکھا ہوتا ہے۔ کوئی یہودی اسلام میں داخل نہیں کیا جا سکا۔^(۱)

مرزا ناصر احمد کا انٹرویو:

عوامی تحریک کے عروج کے دنوں میں مرزا ناصر احمد نے ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو انٹرویو دیتے ہوئے الزام عائد کیا۔

”میں پوری طرح قائل ہوں کہ کئی وجوہات کی بناء پر وزیراعظم بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی نے یہ فسادات برپا کرائے ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ پیپلز پارٹی دوسرے فرقوں کے انتہا پسندوں کی مدد حاصل کر کے اپنے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنا چاہتی ہے۔ ناصر احمد کے مطابق ان کے فرقے کے پیروکاروں نے قسمیں کھا کر کہا ہے کہ جب ان کی جاگیروں اور اموال کو جلا کر رکھ دیا جائے گا تو فیڈرل سکیورٹی فورسز پاس کھڑی تماشادیکھ رہی تھیں۔ لندن سے جاری شدہ اپنے بیان میں سر ظفر اللہ خان نے بھی ایسا ہی الزام عائد کیا تھا۔“^(۲)

مرزا ناصر احمد کے حکم پر بیرون ممالک قادیانی مشعوں نے ایک پروپیگنڈہ مہم

۱۔ پاکستان ٹائمز۔ 28 جون 1974ء۔

۲۔ روزنامہ جسارت گرامی۔ 20 جون 1974ء۔ حریہ دیکھئے۔ بی۔ اے۔ نی۔ ”بین الاقوامی پریس سے۔“

شروع کی۔ بین الاقوامی پریس نے سانحہ ربوہ کو بھٹو اور شاہ فیصل کی ”قادیانیوں کے استیصال“ کی حکمت عملی سے تعبیر کیا۔ دی اکا نو مسٹ نے لکھا۔

”چند ماہ قبل ایک احمدی کو فضائیہ کے سربراہ کی حیثیت سے ہٹا دیا گیا تھا۔ اس سے کہا جاسکتا ہے کہ احمدی بھٹو کے مخالف ہو گئے اور اب ایک سازشی ذہن رکھنے والے عناصر کے بقول وزیر اعظم نے بذات خود ان خیادات کو ہوا دی ہے۔

ایک ایسی ہی فہم پاکستان کے تیل سے مالا مال مسلمان بھائی شاہ فیصل آف سعودی عرب کی بھی ہو سکتی ہے۔ جنہوں نے پچھلے فروری میں لاہور کی اسلامی سربراہی کانفرنس کے دوران بھٹو کو نصیحت کی کہ وہ احمدیوں کا علاج کرے اور ہو سکتا ہے کہ احمدی مسئلے کے ”حل“ کے لیے سعودی افراد کی بھی یقین دہانی ہو۔ مارچ میں اس کے بعد جدہ میں ہونے والے اجلاس میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ جس میں پاکستانی وفد نے بادل خواستہ اتفاق کیا۔ پاکستان کی مذہبی جراثیمیں احمدیوں کے خلاف ہمیشہ سے ہی پروپیگنڈہ کرتی آئی ہیں۔“ (۱)

ظفر اللہ کی پریس کانفرنس:

احمدیوں کی بدنامی پر مبنی پاکستان مخالف پروپیگنڈہ مہم کے ایک حصے کے طور پر ظفر اللہ نے پانچ جون ۱۹۷۴ء کو لندن میں ایک پریس کانفرنس منعقد کی۔ اس نے واضح کیا کہ موجودہ تنازعہ اس وقت شروع ہوا جب نیشنل میڈیکل کالج ملتان کے تقریباً ایک سو پچاس طلبہ احمدیہ جماعت کے ہیڈ کوارٹر ربوہ سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے احمدیوں کے خلاف قابل اعتراض نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ جب ایک ہفتہ کے بعد ٹرین واپس آئی تو اسی طرح کا مظاہرہ احمدی طلبہ نے مخالفت میں کر دیا اور اس دفعہ مقامی لوگ تعداد میں زیادہ تھے۔ اس طرح کچھ طلبہ زخمی ہو گئے۔ (۲)

اس نے بین الاقوامی برادری کی توجہ پنجاب میں احمدیوں پر نام نہاد ظلم و ستم کی

۱۔ دی اکا نو مسٹ لندن۔ 15 جون 1974ء۔ ”حریت“ دی ہائٹس۔ 31 مئی 1975ء۔

۲۔ دی ہائٹس لندن۔ 7 جون 1974ء۔

جانب مبذول کرائی اور ایسٹنی انٹرنیشنل - بین الاقوامی ریڈ کراس - انسانی حقوق کے کمیشن - وکلاء کے بین الاقوامی کمیشن اور فلاحی تنظیموں مثلاً OX FAM کو دعوت دی کہ وہ پاکستان جا کر مصائب زدہ احمدیوں کی مدد کریں۔ اس نے کہا کہ ان کی جماعت نے امریکہ میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے رابطہ کیا ہے جسے پہلے ہی ان باتوں کا علم ہے۔ اسی طرح برطانیہ کے احمدیوں نے برطانوی دفتر خارجہ سے رابطہ کر کے برطانوی ممبران پارلیمنٹ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تاکہ برطانوی حکومت موثر کردار ادا کر سکے۔

اس نے قادیانی مخالف تحریک کا ذمہ دار جماعت اسلامی کو ٹھہرایا اور کہا کہ نام نہاد ورلڈ مسلم لیگ میں میاں طفیل نے احمدیوں کے خلاف قرارداد منظور کروائی تھی۔ اس نے واضح کیا کہ اس بد امنی کے پس پردہ دیگر عناصر بھی ہیں۔^(۱)

ظفر اللہ نے اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری کرٹ والڈ ہائیم کو خط لکھا جس میں مطالبہ کیا کہ انسانی حقوق کمیشن کے مبصرین کو پاکستان بھجوایا جائے۔ ایسٹنی انٹرنیشنل نے پاکستانی حکومت سے اپنی تشریف کا اظہار کیا کیونکہ روہ میں گرفتار بہتر قادیانیوں کو قانونی سہولیات فراہم کرنے سے انکار کرویا گیا تھا۔ سنڈے ٹائمز نے پچھلے ہفتے اپنی ایک غلطی پر معذرت کی جس میں اخبار نے احمدیوں کو غیر مسلم لکھ دیا تھا۔^(۲)

تحریک احمدیہ برطانیہ کے ارکان ہڈرز فیلڈ نے برطانوی وزیراعظم ڈبلیو لسن کو خط لکھا۔ جس میں اس سے کہا گیا تھا کہ وہ حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالے کہ وہ احمدیوں کے خلاف ”مظالم“ بند کرانے کے لیے سخت اقدامات کرے۔^(۳)

امیر جماعت احمدیہ بنگلہ دیش نے بھٹو کو اس کے دورہ بنگلہ دیش کے دوران پندرہ صفحات پر مشتمل ایک یادداشت پیش کی۔ اس نے بنگلہ دیش کی سیکولر ازم کی حکمت عملی کی تعریف کی اور مطالبہ کیا کہ دیگر مسلمانوں کے ہاتھوں سے احمدیوں کو بچایا جائے۔^(۴)

۱۔ جہاز کراچی۔ 20 جون 1974ء۔

۲۔ دی اکاؤنٹنٹنڈن۔ 15 جون 1974ء۔

۳۔ ہڈرز فیلڈ میگزین۔ برطانیہ۔ 12 جولائی 1974ء۔

۴۔ مارننگ نیوز۔ 2 جولائی 1974ء۔

احمد یدمرکز نا بھجریا نے اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری سے اپیل کی اور ڈائریکٹر انسانی حقوق کمیشن سے استدعا کی کہ پاکستان میں احمدیہ تحریک کے خلاف ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کو روکنے کے لیے مناسب اقدامات کیے جائیں۔^(۱)

سینٹ لوئی (امریکہ) میں بسنے والے قادیانیوں نے امریکہ سے استدعا کی کہ وہ پاکستان میں ان کے ہم مذہبوں کو بچانے کے لیے سفارتی دباؤ ڈالے۔ احمدیہ جماعت کے جنرل سیکرٹری عبدالقادر حق نے کہا کہ سینٹ لوئی کا اجتماع اور دوسرے علاقوں واشنگٹن۔ نیویارک۔ شکاگو۔ پیٹسبرگ اور ڈیٹرویت کے مشن بھی امریکی سیاست دانوں کو حالات سے مطلع کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ وہ امید کرتے ہیں کہ شاید وہ پاکستان پر کچھ امریکی سفارتی دباؤ ڈال سکیں۔^(۲)

برطانوی احمدیوں نے برطانوی وزیراعظم مسٹر ولسن کی توجہ پاکستان میں مذہبی مسائل پر مبذول کرائی۔^(۳) ہندوستان میں احمدی جماعت کے ایڈیشنل چیف سیکرٹری نے حکومت ہندوستان کو امداد حاصل کرنے کی خاطر پاکستان میں احمدیہ مخالف تحریک سے آگاہ کیا۔ یہودیہ کے حامی امریکی اخبار ”واشنگٹن پوسٹ“ نے عمومی طور پر مسلمانوں اور خصوصی طور پر پاکستانی عوام کو بدنام کرنے کی خاطر مہم چلائی اور احمدیوں کی ہمدردی کی خاطر سرورق پر ایک مضمون شائع کیا۔ اخبار نے جماعت اسلامی کو خصوصی طور پر سب و شتم کا نشانہ بنایا۔^(۴)

”احمدی مظلومین“ کے حق میں برطانوی اراکین پارلیمنٹ نے اپنی ہمدردیوں کا اظہار کیا۔ اسرائیل میں احمدی مبلغ جے۔ ڈی قمر نے اسرائیلی حکام سے ملاقات کر کے احمدیوں کے لیے ان کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ہندوستان سے بھی امداد کے لیے رابطہ کیا گیا۔ انتہا پسند پاکستان دشمن ہندو پولیس نے احمدیوں کو اخلاقی۔ سیاسی اور پروپیگنڈہ امداد مہیا کی۔ حکومت ہندوستان نے پاکستان کے اندرونی معاملات میں

۱۔ دی ریپسٹائٹس نا بھجریا۔ ۹۔ اگست ۱۹۷۴ء۔

۲۔ سینٹ لوئی پوسٹ کیلبربر۔ ۱۹۷۴ء۔

۳۔ بی۔ اے۔ نیٹو لندن احمدی مشن۔ ”بین الاقوامی پریس لندن سے“۔

۴۔ الاسلام ہرکے۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۷۴ء بحوالہ بی۔ اے۔ نیٹو آف لندن۔

مداخلت سے معذرت کر لی۔ (۱) عرب اور افریقی ممالک کو احمدیوں پر مظالم کی مبالغہ آمیز اطلاعات بھجوائی گئیں۔ مگر عرب پریس نے ان پر کم توجہ دی۔

افسوس ناک رجحان:

حکومت پاکستان نے بین الاقوامی پریس کے ایک حصے کی طرف سے پاکستان کے اندر رونما ہونے والے واقعات کو بگاڑ کر پیش کرنے کے رجحان پر افسوس کا اظہار کیا۔ حکومت نے ان الزامات کو بے بنیاد قرار دیا کہ وہ اپنے شہریوں کے تحفظ میں ناکام ہو گئی ہے اور قانون نافذ کرنے والی ایجنسیاں امتیازی طریقے اور بے دلی سے کام کر رہی ہیں۔ افریقہ۔ یورپ۔ امریکہ اور کینیڈا میں بسنے والے پاکستانیوں کو اس خبر نے احتجاج پر مجبور کر دیا۔ احمدیہ جماعتوں نے پاکستانی سفارت خانوں کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا اور اس سلسلے میں حکومت کو درخواستیں پیش کیں۔ ان درخواستوں میں بعض الزامات وہی تھے جو احمدی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد اور بین الاقوامی عدالت انصاف کے سابق جج ظفر اللہ قادیانی نے لگائے تھے۔ پاکستان ٹائمز نے ایک ادارے میں ان تمام احقانہ الزامات کی تردید کی اور بتایا کہ وزیراعظم بھٹو نے تمام متاثرہ فریقوں کے مندوبین سے خود مذاکرات کیئے ہیں۔ جو وزیراعظم سے ملے۔ ان میں احمدیہ جماعت کے سربراہ کا بیٹا بھی شامل تھا۔ اس مسئلے میں ملوث تمام گروہوں اور احمدیہ رہنماؤں سے صوبائی حکومتیں مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھیں۔ اخبار نے بیرون ملک احمدی جماعت کے مشعوں کی جانب سے بد نیتی پر مبنی پروپیگنڈہ پر اظہار افسوس کیا اور ان کے پاکستان مخالف بیانات کی مذمت کی۔ اخبار نے سوال اٹھایا۔

”ہمیں معلوم نہیں کہ بیرون ملک پاکستان پر الزامات لگانے والے افراد مرزا ناصر احمد اور ظفر اللہ کے بیانات سے کتنے متاثر ہیں۔ مگر یہ واضح ہے کہ انہوں نے ان کو اچھا حال کرنے پر پاکستان کے لیے اچھا کیا ہے۔ نہ ہی خود اپنے سے کوئی بھلا سوچا ہے۔ اسی طرح احمدیہ

جماعت کے قائل قدر ترجمان نے نہ صرف جماعتی مقصد کو نقصان پہنچایا ہے اور اپنی حکومت کے خلاف بیرونی مدد کی درخواست کر کے اپنے آپ کو اس بات کا مورد الزام ٹھہرایا ہے کہ وہ اپنے بین الاقوامی روابط کا زیادہ خیال رکھتے ہیں اور اس سر زمین کے کم وفادار ہیں۔ جہاں انہیں غیر معمولی سہولیات اور امتیاز میسر ہیں۔ بلاشبہ وہ اپنے بیرون ملک دوستوں کی نسبت اپنے ملک کے تاثر کو مجروح کرنے کے زیادہ مجرم ہیں۔“^(۱)

ایک ہندوستانی جریدے ”لنک“ نے ظفر اللہ کی لندن میں پریس کانفرنس پر حسب ذیل تبصرہ کیا۔

”لندن میں اس کی حالیہ پریس کانفرنس جس میں اس نے ربوہ کے واقعہ میں حکومت پاکستان کو بدنام کیا ہے ایک بڑے منصوبے کا حصہ ہے۔ عام آدمی کو یہ تعجب ہوتا ہے کہ بین الاقوامی عدالت انصاف کا بیج اس وقت کہاں تھا جب آج تک ہندوستانوں نے تین ہزار سے زائد مسلم کش فسادات میں مسلمان اقلیت کا قتل عام کیا۔ ظفر اللہ نے لندن میں اپنی پریس کانفرنس میں کہا کہ:

ربوہ میں کم از کم بیس لوگ مارے گئے جس پر اس نے ایمنٹی انٹرنیشنل کمیشن برائے انسانی حقوق اور بین الاقوامی ریڈ کراس سے مداخلت کرنے کو کہا۔ پاکستان میں حقیقت سے آشنا لوگوں کے لیے یہ آفت ناگہانی تھی اور پیٹھ میں گھونپے گئے فخر کے مترادف تھی۔ یہ سارے واقعہ کی مبالغہ آمیز تصویر تھی۔ ظفر اللہ نے اپنے آقاؤں کے اشیائوں پر رقص کیا ہے۔ آئیں ہم سب مل کر اس کے آقاؤں کا کھوج نکالیں۔ آپ کو یہ لوگ واقعتاً لندن۔ دہلی اور اب غالب امکان ہے کہ ماسکو میں بھی مل جائیں۔“^(۲)

غیر ملکی ہاتھ:

وزیراعظم بھٹو نے کوشش کی کہ تحریک ختم نبوت کو بھڑکانے کا الزام حزب اختلاف اور بیرونی قوتوں پر لگا دے۔ تین جون ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے اس نے

۱۔ پاکستان انٹرنیوٹیل پبلیشز 25 جون 1974ء۔

۲۔ لنک انڈیا۔ 23 جون 1974ء ملوہلی۔ اس وقت ”بین الاقوامی پریس“ سے ”لندن صفحہ 114۔

کہا کہ حزب اختلاف موقع کی تلاش میں ہے کہ کوئی نئی مصیبت کھڑی کی جائے۔ حزب اختلاف کے اس مطالبے کے جواب میں کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ بھٹو نے کہا کہ اقلیتوں کی اقسام کی آئین میں صراحت موجود ہے اور تمام جماعتیں بشمول جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام اس پر متفق ہیں۔ اگر وہ اس سے اتفاق نہیں کرتے تو جب آئین بن رہا تھا انہیں اس وقت ”واک آؤٹ“ کر جانا چاہئے تھا۔ بھٹو نے صدر اور وزیر اعظم کے حلف نامے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان کا بڑا واضح ذکر موجود ہے اور کہا کہ اس سے یہ مسئلہ ختم ہو جانا چاہئے تھا۔

تیرہ جون کو قوم سے نشری خطاب میں بھٹو نے کہا کہ:

”نہ صرف وہ بلکہ لوگ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ پاکستان میں احمدیہ مخالف مسئلے کے پیچھے غیر ملکی ہاتھ ہے۔ اس نے کہا کہ کوئی بھی اس کو اس تناظر میں دیکھ سکتا ہے کہ ہندوستان نے جوہری دھماکہ کر دیا ہے۔ افغان صدر داؤد ماسکو کا دورہ کر آیا ہے اور ایک پاکستانی سیاسی رہنما (دلی خان) کاہل میں سرکاری مہمان کے طور پر موجود ہے۔ اس کے مطابق یہ سازش کی وکڑیاں تھیں جو پاکستان کے استحکام اور اس کی سالمیت کے خلاف وقوع پذیر ہو رہی تھیں۔“ (۱)

حزب اختلاف کا بھٹو سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ اصل صورتحال واضح کرے کیونکہ ماضی میں اس نے قادیانیوں پر بے بہا نوازشات کی تھیں۔ خصوصاً حساس فوجی عہدوں پر ان کی وسیع پیمانے پر تقرریاں کی تھیں۔ (۲)

۱۔ پاکستان ٹائمز۔ 14 جون 1974ء۔

۲۔ اگرچہ احمدی جماعت کی ملحدہ مردم شناری کبھی بھی نہ کی گئی تھی نہ ہی انہوں نے سرعام اپنے عقائد کا اظہار کیا تھا۔ لیکن پھر بھی مودی طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ بہت سی سول فوجی کلبیدی آسامیاں ان کے پاس ہیں اور ایک خاص تعداد میں یہ جب چند سال قبل (۱۹۷۰ء میں) قومی صوبائی اسمبلیوں میں بھی گئے تھے۔ حال ہی کی بات ہے کہ پاک افواج کے دھڑے میں سروس چیف اس جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور موجودہ وزیر داخلہ میں جرنل کے عہدے کے تھے ان کا اندازہ ان کے مہموں پر محسوس کیا جاتا ہے۔ تاہم سروس میں بھی اس جماعت کے کئی افسر اور سیکرٹریز کام کر رہے ہیں اور ان کے دوسرے افسروں سے ان کی انفرادی زبانے درجے کی منتقلی چار ہے جسے عوامی طور پر دیکھ سکتے ہیں ان کے نام گئے۔

328 قادیانی افسران موجود ہیں۔ انہوں نے مندرجہ ذیل تفصیلات مہیا کیں۔

عہدہ	بڑی	بچریہ	فضائیہ	کل
لیفٹیننٹ جرنل (پاسواوی)	۱	—	—	۱
بریگیڈیئر (پاسواوی)	۵	—	۱	۶
کرنل (پاسواوی)	۱۰	۲	۳	۱۵
لیفٹیننٹ کرنل (پاسواوی)	۵۶	۶	۱۱	۷۳
سبج (پاسواوی)	۱۳۵	۵	۱۶	۱۵۶
کپتان (پاسواوی)	۵۸	۵	۱۳	۷۶

(روزنامہ جنگ۔ راولپنڈی 16 فروری 1987ء)

مجلس عمل:

مجلس تحفظ ختم نبوت نے اٹھارہ سیاسی و دینی جماعتوں پر مشتمل مرکزی مجلس عمل قائم کی جس نے مشہور عالم دین علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیر قیادت ختم نبوت کے اعلیٰ و ارفع مقصد کے لیے بھرپور جدوجہد کا آغاز کیا۔^(۱)

مجلس عمل نے بھٹو پر الزام عائد کیا کہ وہ انتہائی جانبدارانہ رویے کا مظاہرہ کر رہا ہے اور مطالبہ کیا کہ اگر وہ قومی امنگوں کے مطابق اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتا تو وہ مستعفی ہو جائے۔ مجلس کے مطالبات میں ربوہ کو کھلا شہر قرار دینا۔ قادیانیوں کو کلیدی آسامیوں سے ہٹانا۔ ان کی نیم فوجی تنظیموں پر پابندی انتیس مئی کے ربوہ کے ریلوے اسٹیشن کے واقعہ کے ذمہ دار افراد کی گرفتاری تھی جس میں مرزا ناصر احمد بھی شامل تھا۔ یہ بھی مطالبہ تھا کہ ظفر اللہ کے خلاف پاکستان مخالف پروپیگنڈہ کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے اور اس کا پاسپورٹ ضبط کیا جائے۔^(۲) مجلس عمل نے اس تحریک میں شدت پیدا کرنے کے لیے ایک مقاطعہ مہم شروع کر دی۔ فار ایسٹرن (اکٹانک ریویو) کے نمائندے نے بتایا کہ یہ مقاطعہ مہم کس طرح جاری ہے:

”پبلک ٹرانسپورٹ پر سٹکروں کی بھرمار کر دی گئی کہ احمدیوں کا سماجی مقاطعہ کیا جائے۔ دکانوں پر بورڈ آؤز اس کر دیئے گئے ہیں کہ احمدیوں کو کچھ نہیں فروخت ہوگا۔ ملک بھر میں دیواروں پر عارضی اشتہارات چسپاں ہیں جن میں احمدیوں کے خلاف سخت ترین زبان استعمال کی گئی ہے۔ اخباروں میں فرموں کی طرف سے اشتہارات چھپنے شروع ہو گئے ہیں۔ اپنے ارد گرد اس طرح کے حالات دیکھ کر اس جماعت کے کئی افراد نے ماضی میں اختیار کیئے گئے اپنے غلط عقائد سے توبہ کا ذکر کیا ہے اور اپنے سابقہ دین پر آنے کا اعلان کر دیا ہے۔“^(۳)

۱۔ پریس میں ایک فرضی تنظیم کے نام سے مولانا موصوف کی کردار کشی کے لیے طویل اشتہارات چھپنے شروع ہو گئے۔ ربوہ میں ایک سبیل قائم کر دیا گیا جس کی رہنمائی اللہ، چاندھری، قاضی محمد نذیر، دوست محمد شاہ، نور مرزا طاہر احمد کر رہے تھے جس کا کام یہ تھا کہ تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لیے پروپیگنڈا مواد کی تالیف و اشاعت کرے۔

۲۔ پاکستان ٹائمز۔ 28 جون 1974ء۔

۳۔ فار ایسٹرن (اکٹانک ریویو)۔ 22 جولائی 1974ء۔

اسمبلی کے روبرو:

تحریک ختم نبوت کے عروج کے دنوں میں صوبہ سرحد کی اسمبلی نے پہل کرتے ہوئے جون ۱۹۷۴ء میں ایک قرارداد منظور کر لی جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا۔ اس فیصلے کو وسیع پیمانے پر پذیرائی ملی۔ تاہم افضل ربوہ نے اسے ایک ایسی کوشش قرار دیا جو قائد اعظم کے اصولوں کے خلاف تھی اور ملکی استحکام کو خطرے میں ڈال سکتی تھی۔^(۱) دوسری صوبائی اسمبلیوں نے بھی ایسی ہی کوششیں کیں مگر حکومت نے ان کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔ احمدیوں کے تحریک کے شدید دباؤ کے پیش نظر وزیراعظم بھٹو مجبور ہو گیا کہ وہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے بہتر طریق کار اختیار کرے۔

دو قراردادیں:

تیس جون ۱۹۷۴ء کو حکومت نے اعلان کیا کہ اس سارے معاملے کو قومی اسمبلی میں دو قراردادوں کی شکل میں پیش کیا جائے گا۔ ایک قرارداد حکومت نے پیش کی جسے اس وقت کے وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے مرتب کیا تھا۔ دوسری قرارداد حزب اختلاف کی طرف سے پیش کی گئی اسے حزب اختلاف کے پارلیمانی گروپ کے جنرل سیکرٹری مولانا شاہ احمد نورانی نے پیش کیا۔ حزب اختلاف کی قرارداد پر سینتیس ارکان نے دستخط کیے جن میں مولانا عبدالحق (جمیعتہ علماء اسلام) شیرباز مزاری (نیشنل عوامی پارٹی) پروفیسر غفور احمد (جماعت اسلامی) اور قومی اسمبلی میں آزاد ارکان کی نمائندگی کرنے والے حاجی مولا بخش سومرو شامل تھے۔

حکومتی قرارداد قادیانیوں کی آئینی حیثیت کی صراحت میں تھی جبکہ حزب اختلاف کی قرارداد قادیانیوں کی حیثیت کے بارے میں زیادہ وضاحت کی حامل تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ

”ہر گاہ کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قادیان کے مرزا غلام احمد نے حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا اور انہوں نے کئی قرآنی آیات کی تکذیب کی اور ان کی جہاد کے خاتمے کی کوشش اسلام کے بنیادی تصور کے خلاف سازش تھی۔

اور ہر گاہ کہ اس مذہب کے پیروکار اپنے آپ کو جو مرضی نام دیں۔ اس بہانے سے مسلمانوں میں شامل ہوتے ہیں کہ وہ بھی اسلام کا ایک فرقہ ہیں۔ چنانچہ وہ اندرونی و بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں میں مگوث ہیں اور ہر گاہ کہ تنظیم عالم اسلامی نے چھ سے لے کر دس اپریل تک ہونے والے اپنے اجلاس میں جو مکہ میں ہوا تھا اور جس میں عالم اسلام کی تقریباً ایک سو چالیس تنظیموں نے شرکت کی تھی۔ متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا تھا کہ قادیانیت جو اپنے آپ کو اسلام کا ایک فرقہ کہلاتی ہے وہ اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ایک تخریبی تحریک ہے۔

چنانچہ اب اسمبلی کو یہ واضح کر دینا چاہئے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار جن کو جو نام بھی دے دیا جائے وہ غیر مسلم ہیں اور ایک ایسا سرکاری بل متعارف کرایا جائے جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں ضروری ترامیم کرے تاکہ ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلے کو تحفظ دیا جاسکے۔“ (۱)

حکومتی اور حزب اختلاف کی قراردادیں قومی اسمبلی کی کل ایوانی خصوصی کمیٹی کے حوالے کر دی گئیں تاکہ وہ ان پر مفصل بحث کرے اور قومی اسمبلی کو اس بارے میں اپنی حتمی رپورٹ پیش کرے۔

کل ایوانی خصوصی کمیٹی نے اسمبلی میں ایک خصوصی کمیٹی ترتیب دی جس میں مختلف گروپوں کے سربراہ شامل تھے۔ مولانا شاہ احمد نورانی (جمعیت علماء پاکستان) پروفیسر غفور احمد (جماعت اسلامی) مولانا مفتی محمود (جمعیت علماء اسلام) چوہدری ظہور الہی (مسلم لیگ) اور مولانا بخش سومرو (آزاد گروپ) نے اس خصوصی کمیٹی میں اپوزیشن کی نمائندگی کی جبکہ حکومتی نکتہ نظر کی ترجمانی کے لیے وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ اور وزیر اطلاعات و نشریات مولانا کوثر نیازی کے نام پیش کیے گئے۔ دونوں کمیٹیوں یعنی ایوانی کمیٹی اور خصوصی

کمیٹی نے اپنے کام پوری لگن سے شروع کر دیئے۔

قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد اور لاہوری گروپ کے امیر صدر الدین نے استدعا کی کہ وہ اپنے دفاع میں اپنا نکتہ نظر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ کمیٹی نے ان کی استدعا منظور کی اور ان سے کہا کہ وہ پوری طرح اپنا نکتہ نظر پیش کریں۔ مرزا ناصر احمد نے تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل تحریری وضاحت پیش کی اور اس پر اس وقت کے انارنی جنرل آف پاکستان یحییٰ بختیار نے جرح کی۔ یحییٰ بختیار کے پوچھے گئے سوالات اراکین کمیٹی خصوصاً علماء نے تیار کیئے تھے۔ لاہوری گروپ کی ترجمانی کیلیئے صدر الدین نے حکیم نور الدین کے بیٹے اور اس جماعت کے ایک پرانے رکن عبدالمنان عمر کو حاضر کر دیا۔ اس نے اپنی جماعت کا موقف چودہ صفحات پر مشتمل یاوداشت کی شکل میں پیش کیا جس پر دو روز بحث ہوئی۔ قادیانی مسئلے پر مسلمانوں کے نکتہ نظر کو اسمبلی کے سامنے سینتیس اراکین اسمبلی نے پیش کیا۔ ماہانہ ”الحق“ اکوڑہ خٹک کے مدیر مولانا سمیع الحق اور مولانا تقی عثمانی نے مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں موقف مرتب کیا۔ اسے مولانا مفتی محمود نے اسمبلی میں پڑھ کر سنایا۔^(۱)

سیکریٹری اسمبلی صاحبزادہ فاروق علی خان نے ایک انٹرویو میں یہ انکشاف کیا کہ: قادیانی مسئلہ کے حل کے لیے اراکین اسمبلی نے اپنے عقیدے اور ضمیر کے مطابق فیصلہ دیا۔ پیپلز پارٹی کی طرف سے ان پر کوئی دباؤ نہیں تھا۔ بھٹو اور چند اراکین اسمبلی کو یہ یقین تھا کہ قادیانی پڑھے لکھے طبقہ کے افراد ہیں اور وہ اپنے موقف کی تائید میں دلائل پیش کرنے کی بہتر پوزیشن میں ہیں۔ مگر مرزا ناصر احمد نے انتہائی احمقانہ دلائل دیئے اور اپنے مفاد میں بہت گھٹیا تاثر چھوڑا۔ جرح کے دوران سوالات کی بوچھاڑ کا سامنا کرنا پڑا مگر وہ اپنا نکتہ نظر پیش کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔ جس سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ ربوہ جماعت کے عقائد انتہائی خطرناک ہیں۔

۱- قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف مولانا محمد امجد علی اکوڑہ خٹک 1984ء۔ اس کا انگریزی ترجمہ مولانا محمد رازی نے کیا ہے۔ Qadianism on

Trial کراچی۔ 1980ء۔

صاحبزادہ نے مزید کہا:

”ہمیں یہ تاثر تھا کہ لاہوری احمدی شاید قادیانیوں کی طرح غیر مسلم اقلیت قرار نہ دیئے جائیں کیونکہ وہ مرزا غلام احمد کی نبوت پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ مگر جب لاہوری جماعت کے عمر رسیدہ رہنما صدر الدین نے ایوان کے سامنے اپنا موقف رکھا تو یہ بات ٹھہر کر سامنے آ گئی کہ تمام احمدی فرقے خطرناک اور گونا گوں عقائد کے علمبردار ہیں۔ بحث کے دوران جب ہم نے ایوان کا تکتہ نظر دریافت کیا تو اراکین اسمبلی کی ایک غالب اکثریت نے پرزور طریقے سے کہا۔ لاہوری جماعت قادیانی (ربوی) سے بھی پہلے غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کی مستحق ہے۔ ہم نے ان کو بچانے کی کوشش کی مگر اس کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ یہ بھی عیاں ہو گیا کہ دونوں جماعتوں کے درمیان بہت معمولی سا اختلاف ہے اور اصل اختلاف سیاسی نوعیت کا ہے۔ یہ بھی محسوس کیا گیا کہ صدر الدین کی بذات خود یہ شدید خواہش تھی کہ لاہوری جماعت کو بھی غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے۔ اسے اس بات کا اعتراف تھا کہ اس کے دلائل اس کے بنیادی تکتہ نظر کے خلاف جارہے ہیں۔“ (۱)

متفقہ رپورٹ:

قومی اسمبلی کی کل ایوانی کمیٹی نے اپنی حسب ذیل رپورٹ پیش کی:

”سارے ایوان کی خصوصی کمیٹی نے اپنی سٹیرنگ کمیٹی اور ذیلی کمیٹی کی معاونت سے اپنے روبرو پیش شدہ دونوں قراردادیں ملاحظہ کی ہیں جو قومی اسمبلی نے اس کے حوالے کی ہیں اور دستاویزات کے لحاظ مطالعے۔ گواہان پر جرح بشمول انجمن احمدیہ ربوہ اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور پر جرح کے بعد متفقہ طور پر قومی اسمبلی کو مندرجہ ذیل سفارشات پیش کرتی ہیں۔

(الف) کہ آئین پاکستان میں اس طرح ترمیم کی جائے۔

۱۔ کہ آرٹیکل ۱۰۶ (۳) میں قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ (جو کہ اپنے آپ کو احمدی

کہلاتے ہیں) کے بارے میں یہ شق داخل کر دی جائے۔

(۱۱) (ک) آرٹیکل ۲۶۰ میں ایک نئی شق کے ذریعے ایک غیر مسلم کی تعریف کی جائے۔

مندرجہ بالا سفارشات کو موثر قرار دینے کے لیے خصوصی کمیٹی کی طرف سے متفقہ طور پر منظور کردہ ایک مسودہ بل لف ہے۔

(ب) کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵۔الف میں یہ وضاحت شامل کر دی جائے۔

وضاحت۔ ایک مسلمان جو تسلیم کرتا ہے، عمل کرتا ہے یا حضرت محمدؐ کی ختم نبوت کے تصور کے خلاف تشہیر کرتا ہے۔ جیسا کہ آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ کی شق نمبر تین میں بیان کیا گیا ہے۔ اس دفعہ کے تحت قابل سزا ہوگا۔

(ج) متعلقہ قوانین مثلاً نیشنل رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء اور انتخابی قوانین میں نیچے قانونی اور عملی ترمیم کی جائیں۔

(د) کہ پاکستان کے تمام شہریوں کی بلا لحاظ عقیدہ جس سے وہ تعلق رکھتے ہوں۔ زندگی۔ آزادی۔ جائیداد۔ عزت اور بنیادی حقوق کا مکمل طور پر تحفظ کیا جائے گا۔

۱۔ عبدالحفیظ پیرزادہ

۲۔ مولانا مفتی محمود

۳۔ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی

۴۔ پروفیسر غفور احمد

۵۔ غلام فاروق

۶۔ چوہدری ظہور الہی

۷۔ سردار مولانا بخش سومرو

۸۔ مولانا غلام غوث ہزاروی (نے بھی بعد میں دستخط کیے)

یہ قرارداد پیش کرنے سے پہلے وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے کہا کہ خصوصی کمیٹی کے تمام اجلاسوں میں مکمل طور پر اتفاق اور یکا نگت پائی جاتی ہے۔ چند مشکلات

درپیش آئیں مگر وہ طریقہ کار کے متعلق تھیں۔

بل:

تیس جون ۱۹۷۳ء سے قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے احمدیہ مسئلہ پر تاریخی بل پیش کیا اور آئین کی دو دفعات میں ترمیم کی اور اس قرارداد کی سفارشات پر عمل درآمد کرایا جسے پہلے قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے منظور کیا تھا اور بعد میں ایک خصوصی اجلاس میں اس کی منظوری دی گئی تھی۔

بل کا متن:

اسلامی جمہوری پاکستان کے آئین میں مزید ترمیم۔ ہر گاہ کے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں ضروری ہو گیا ہے کہ اس میں یہ ترمیم کی جائے۔
چنانچہ اس کا نفاذ حسب ذیل کیا جاتا ہے۔

1- مختصر نامٹل اور ابتداء

(I) یہ ایکٹ آئین (دوسرا ترمیمی) ایکٹ ۱۹۷۳ء کہلائے گا۔

(II) یہ فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔

2- آئین کے آرٹیکل نمبر ۱۰۶ کی ترمیم:

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین جس کو اب آئین کے طور پر حوالہ دیا گیا ہے۔ آرٹیکل ۱۰۶ کی شق نمبر ۳ میں لفظ دو گروہوں میں الفاظ اور بریکٹ اور قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہلاتے ہیں) کا اضافہ کیا جائے گا۔

3- آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ میں ترمیم آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ میں شق نمبر ۲ کے بعد مندرجہ ذیل نئی شق کا اضافہ کیا جائے گا۔

(3)۔ ”جو شخص حضرت محمدؐ کی حتمی اور بلاشبہ ختم نبوت میں بطور آخری نبی یقین نہیں رکھتا یا

نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ کسی لفظ کے کسی مطلب یا بیان میں حضرت محمدؐ کے بعد یا ایسے دعویدار کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ یا مذہبی مصلح خیال کرتا ہے وہ قانون اور آئین کی رو سے مسلمان نہیں ہے۔“

قومی اسمبلی نے آئین میں دوسرا ترمیمی بل منظور کر لیا۔ سینٹ نے بھی اسے متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ ایوان میں موجود تمام اکتیس ارکان سینٹ نے وزیر قانون کی طرف سے پیش کردہ بل کی حمایت میں ووٹ دیئے۔ آخری ووٹ سے پہلے ایک التواء کے ذریعے قائد حزب اختلاف ہاشم خان غلوٹی نے اعلان کیا کہ وہ اپنی طرف سے اس بل کی مکمل طور پر حمایت کرتے ہیں۔ یہ سات ستمبر ۱۹۷۷ء کا واقعہ ہے۔

ترمیم:

آئین سے آرٹیکل ۱۰۶ (۳) جس میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے ترمیم کی ہے یہ ہے۔

”صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں کے علاوہ صوبہ بلوچستان پنجاب سرحد اور سندھ کی اسمبلیوں میں جیسا کہ شیخ نمبر ایک میں تخصیص کی گئی ہے کہ اسمبلیوں میں اضافی نشستوں جو کہ عیسائی ہندو۔ سکھ۔ بدھ اور پارسی برادریوں کے لیے مخصوص ہیں اور قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہلاتے یا شیڈولڈ ذاتوں کے لیے یوں ہوں گی۔

۱ بلوچستان۔

۱ صوبہ سرحد۔

۳ پنجاب۔

۲ سندھ۔

دوسری ترمیم آرٹیکل ۲۶۰ میں دوسری شیخ کے بعد مندرجہ ذیل اضافہ تھی۔ ”جو شخص حضرت محمدؐ خاتم الانبیاء کی حتمی اور غیر مشروط ختم نبوت میں یقین نہیں رکھتا یا نبی ہونے کا دعویٰ

کرتا ہے۔ کسی بھی لفظ یا بیان کے ذریعے حضرت محمدؐ کے بعد ایک ایسے دعویدار کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ یا کہ مذہبی مصلح جانتا ہے وہ آئین یا قانون کی رو سے مسلمان نہیں ہے۔

جب قومی اسمبلی نے آئین کے دوسرے ترمیمی بل کی منظوری دی جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا تو پورے ایوان میں ڈیسک بجا بجا کر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ اپریل ۱۹۷۳ء میں جب سے ملک کا یہ آئین منظور ہوا تھا ارکان اسمبلی نے کبھی بھی اس یگانگت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بھری ہوئی گیلریوں سے قادیانی مسئلے میں عوامی دلچسپی کی جھلک صاف ظاہر تھی۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے لوگ راستے میں قالینوں پر بیٹھے تھے اور خالی کونوں میں کارروائی کا نظارہ کرنے کے لیے ہجوم در ہجوم جمع تھے۔ اسلام آباد کے سفارتی نمائندوں نے اپنی نمائندگی بھرپور انداز میں کی اور خواتین کی گیلری میں نوجوان اور ادھیڑ عمر عورتوں کا مجمع لگا ہوا تھا۔^(۱)

سات ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانی مسئلے میں پارلیمنٹ میں منظور شدہ قانون سازی کے بعد قومی اسمبلی میں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ختم نبوت کے مسئلے کے حل ہونے پر پر مغز تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ ایسا نہایت مشکل فیصلہ کیا گیا ہے جو جمہوری ادارے اور اختیار کے بغیر ممکن نہ تھا۔ یہ ایک نوے سالہ پرانا مسئلہ تھا۔ ۱۹۵۳ء میں اس مسئلہ کو حل کرنے کی بجائے اسے دبانے کے لیے وحشیانہ قوت کا استعمال کیا گیا۔ اس مسئلے کو زیر بحث لانے کے لیے سب سے زیادہ مناسب بحث کی جگہ پاکستان کی قومی اسمبلی تھی۔ وزیراعظم نے ایوان کو بتایا کہ اس مسئلے پر انہیں بہت سے پریشان کن اور بے سکون مراحل سے گزرنا پڑا۔ انہوں نے اس فیصلے کے نتائج اس کے سیاسی اور معاشی اثرات اور ریاست کے دفاع پر اس کے اثرات کی وضاحت کی۔ انہوں نے واضح کیا کہ یہ معاملہ سپریم کورٹ۔ اسلامی مشاورتی کونسل یا اسلامی سیکرٹریٹ کے حوالے کیا جاسکتا تھا۔ مگر اس مسئلے کے مخلصانہ حل کے لیے قومی اسمبلی نے ایک کمیٹی کے طور پر ایک خفیہ اجلاس کیا۔ ایوان کے ہر رکن اور پیش ہونے والوں کو پوری یقین دہانی کرائی گئی کہ وہ جو کچھ بھی کہیں گے اسے سیاسی یا دیگر مقاصد

کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا، نہ بگاڑ کر پیش کیا جائے گا نہ ہی اسے غلط معنی پہنائے جائیں گے۔^(۱)

فیصلے کی پذیرائی:

مختلف سیاسی جماعتوں اور مذہبی تنظیموں کے راہنماؤں نے قادیانی مسئلہ پر قومی اسمبلی کے فیصلے کا خیر مقدم کیا۔ تحفظ ختم نبوت کی مرکزی مجلس عمل کے صدر مولانا محمد یوسف بنوری نے اس متفقہ فیصلے کا خیر مقدم کیا۔ مولانا مفتی محمود (جمعیت علمائے اسلام) پروفیسر غفور احمد (جماعت اسلامی) نوابزادہ نصر اللہ خان (پاکستان جمہوری پارٹی) مولانا شاہ احمد نورانی (جمعیت علمائے پاکستان) اصغر خان (تحریک استقلال) اور مختلف مکاتب فکر کے لوگوں نے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا۔^(۲)

اسلامی سیکرٹریٹ کے سیکرٹری جنرل حسن الہامی نے پاکستان کی قومی اسمبلی کے فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا کہ اسلامی سیکرٹریٹ کے دوسرے ارکان بھی اس فیصلے کی پیروی کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ یہ فیصلہ اسلامی سیکرٹریٹ کو روانہ کیا گیا تو یہ شائع کر کے تمام رکن ممالک کو بھجوا دیا جائے گا۔^(۳)

ڈان کراچی نے قادیانی مسئلہ پر قومی اسمبلی کے فیصلہ پر اپنے ایک ادارے میں ”ایک تاریخی فیصلہ“ کے عنوان سے تبصرہ کیا۔ اخبار نے لکھا۔

”ایک پرانا تنازعہ جس نے عوامی امن و سکون کو خطرے میں ڈال دیا تھا اور جو پیچیدہ گیاں اور نزاکت کے عناصر سے پر تھا آخر کار اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے۔ قادیانی مسئلہ پر پارلیمنٹ کی قرارداد جو پاکستان کے عوام کی جذبات اور امنگوں کے عین مطابق ہے۔ ایک تاریخی اہمیت کا حامل معاملہ ہے۔ تقریباً نوے سالوں سے یہ مسئلہ ایک آتش فشاں کی طرح موجود تھا۔ جو کبھی خاموش اور کبھی لاوا اگلتا تھا۔ مگر اس کی آگ کبھی سرد نہیں ہوئی۔ یہ بہت اہمیت کی بات

۱۔ حضرت محمد کی ختم نبوت پر قومی اسمبلی کا فیصلہ اسلام آباد ۱۹۷۴ء۔

۲۔ مارک ٹیٹو ریکارڈی۔ ۹ ستمبر ۱۹۷۴ء۔

۳۔ ایضاً۔

ہے کہ اس معاملے کو اسی انداز میں عوامی نمائندگان کے متفقہ فیصلے کی رو سے طے کیا گیا۔ چنانچہ جب قومی اسمبلی اور سینٹ نے آئین کا (دوسرا ترمیمی) بل منظور کیا جس میں حضرت محمد ﷺ کی غیر مشروط اور حتمی ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا تو نہ صرف اس سے ایک مذہبی تنازعہ کے ایک دردناک باب کا خاتمہ ہو گیا بلکہ مستقبل میں بھی ایک قابل رشک مثال قائم کر دی گئی ہے۔ جس انداز سے یہ فیصلہ ہوا ہے ملک میں جمہوریت کے فروغ کے لیے یہ ایک نیک شگون ہے۔ آئینی طور پر یہ جمہوریت میں ایک نئی روح پھونکی گئی ہے۔ ایک سرکاری اور عدالتی فیصلہ کا اس طرح سے ہونا اس کے کبھی بھی متبادل نہ ہو سکتا تھا۔ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو سٹائش اور تعریف کے لائق ہیں جنہوں نے اس مسئلہ کا پہلے بہادری سے سامنا کیا اور پھر اس کو ملک کی سب سے بڑی خود مختار باڈی کے سامنے پیش کر دیا۔

قومی اسمبلی کا اتفاق رائے سے اس کارنامے کا سرانجام دینا جس نے سارے ایوان کی خصوصی کمیٹی کے طور پر کام کیا بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ اسکی کارروائی خفیہ ہوئی مگر پھر بھی احتیاط کو وسیع قومی مفاد کے پس منظر میں رکھا گیا۔ یہ مئی کے آخر میں سانحہ ربوہ سے شروع ہوا اور بعد میں وزیراعظم کے بقول جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا گیا۔ جانی اور مالی نقصان ہوا۔ درحقیقت یہ احتجاج ان جذبات پر استوار تھا جنہیں طویل عرصہ تک دبایا گیا مگر آخر کار یہ پھٹ پڑا جب اسلام کے سچے شیعائی اس کو مزید برداشت نہ کر سکے۔ یہ حکومت کی دانائی تھی جس نے اسے مزید موخر نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس طرح وزیراعظم نے کہا کہ ہنرمندی ہمیشہ فیصلوں کو موخر کرنے کے کچھ طریقے ایجاد کر لیتی ہے مگر اسے دوبارہ بھی آزمایا جائے۔ منطقی فیصلوں کیلئے زیادہ جرأت اور مضبوط استقلال کی ضرورت ہے۔

یہ معاملہ ہمارے لیے باعث فخر ہونا چاہئے کہ حکومت اور عوامی نمائندوں نے اس جرأت اور استقلال کا مظاہرہ کیا مگر یقیناً یہ کوئی آسانی سے طے ہو جانے والا مسئلہ نہیں تھا جیسا کہ بھٹو نے کہا کہ اس فیصلہ کے مختلف سیاسی اور معاشی مضمرات ہیں۔ اس میں ریاست کے تحفظ کے

معاملات بھی طوٹ تھے۔ جب وہ یہ کہہ رہے تھے تو وہ اس میں ذرہ بھر مبالغہ آرائی نہیں کر رہے تھے۔ یہ درست تھا جب انہوں نے پاکستان کی تاریخ میں اسے مشکل ترین فیصلہ قرار دیا یہ بہت ضروری کیوں تھا۔ اس کا خلاصہ انہوں نے خود بیان کر دیا جب انہوں نے یہ کہا کہ پاکستان کی بنیاد اسلام ہے اور جب ایک فیصلہ کیا جائے جسے ملک میں مسلمانوں کی ایک جماعت اسلام کے بنیادی اصولوں اور عقائد کے خلاف سمجھے تو یہ وجہ تخلیق پاکستان اور اس کے جواز کو خطرناک حد تک متاثر کرے گا۔^(۱)

قادیانیوں کی سیاسی تاریخ کی روشنی میں ”ہیملٹ لندن“ نے اس قرارداد پر بڑی خوبصورت روشنی ڈالی۔ اس میں بیان کیا گیا کہ قومی اسمبلی کا فیصلہ ایک بڑی دیر سے جاری مگر غیر ضروری بے قاعدگی کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ یہ فیصلہ حقیقی اور قانونی صورت حال کو باقاعدہ بنا دے گا۔ یہ مسئلہ اس لیے نہیں اٹھ کھڑا ہوا کہ مسلمان مذہبی تعصب اور جنون سے مغلوب ہو کر لوگوں کے کسی گروپ کو مذہب اسلام سے نکالنے پر تلے ہوئے تھے بلکہ دوسری طرف اسکی ابتداء مرزا غلام احمد قادیانی کی مسیحیت اور نبوت سے مربوط ہے اور ان لوگوں کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا منطقی جواز ہے جو ان کے دعاوی پر یقین نہیں رکھتے۔ مسلمانوں کے ساتھ احمدیوں کے تعلقات کی قادیانی نکتہ نظر سے ان کے دوسرے خلیفہ مرزا محمود نے بڑی اچھی وضاحت اور تلخیص پیش کی ہے۔

”غیر احمدیوں سے ہماری عبادت جدا کر دی گئی ہے۔ ہمیں منع کر دیا گیا ہے کہ ہم اپنی لڑکیاں (ان کے رشتے) میں نہ دیں اور ہمیں ان کے مردوں کے جنازے پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ پھر باقی کیا بچتا ہے جو ہم اکٹھا کریں؟ تعلقات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دینی اور دوسری دنیاوی۔ مذہبی تعلقات کا سب سے بڑا اظہار اکٹھی عبادت ہے اور دنیاوی معاملات میں یہ خاندانی اور شادی کے معاملات ہوتے ہیں مگر ہمارے لیے یہ دونوں ہی حرام قرار دیئے جا چکے ہیں۔ اگر آپ یوں کہیں کہ ہم ان کی لڑکیوں سے شادی کر لیں تو پھر میرا جواب یوں ہوگا کہ پھر ہمیں عیسائیوں کی لڑکیوں سے بھی شادی کر لینی چاہئے۔ اگر آپ یوں کہیں کہ ہم غیر

احمد یوں کو سلام کیوں کرتے ہیں تو اس کا جواب یوں ہے کہ نبی (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) نے یہودیوں کو بھی سلام کیا ہے۔ چنانچہ مسیح موعود نے تمام امکانی طریقوں سے دوسروں سے علیحدہ کر دیا اور کوئی ایسی رشتہ داری نہیں جو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور ہمیں اس میں شامل ہونے سے منع کر دیا گیا ہو“ (۱)

چنانچہ شادی۔ طلاق۔ وراثت وغیرہ کے معاملات میں برطانوی راج کے دوران اور بعد ازاں پاکستان کے علاوہ ہندوستان کی آزادی کے بعد کے دور میں دیوانی عدالتوں کو یہ طے کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی کہ قادیانی مسلمان نہیں تھے اور اہم بات یہ ہے کہ قادیانیوں نے ان فیصلوں کی کبھی مخالفت نہیں کی۔ تاہم ان کا کوئی سیاسی اثر نہیں تھا۔ ۱۹۳۵ء میں عظیم مسلمان شاعر علامہ اقبال نے برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ قادیانیوں کو بالکل اسی طرح ایک علیحدہ گروہ قرار دے جس طرح سکھوں کو قرار دیا گیا ہے۔ ۱۹۱۹ء میں سکھوں کو ہندوؤں سے بالکل الگ گروہ قرار دیا گیا تھا۔ اگرچہ ہائی کورٹ نے سکھوں کو ہندوؤں کا حصہ قرار دیا تھا۔ اقبال نے کہا۔

”قادیانی سماجی اور مذہبی معاملات میں علیحدگی کی حکمت عملی پر عمل پیرا رہتے ہوئے اس بات پر بھند ہیں کہ وہ سیاسی دائرے میں شامل رہیں۔ علامہ اقبال نے یہ دلیل دی کہ قادیانی کبھی بھی علیحدگی کی جسارت نہیں کریں گے کیونکہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی قلیل تعداد (۵۶,۰۰۰) انہیں کسی بھی قانون ساز ادارے میں ایک نشست بھی نہیں دلوا سکے گی۔ تاہم یہ جسارت مختصر طریقے سے ۱۹۳۶ء میں کی گئی۔ قیام پاکستان کے بارے میں غیر یقینی کیفیت میں جتلا ہو کر (جو کہ ان کے خلیفہ کی پیش گوئی کے مطابق ایک عارضی تقسیم ہوگی اور پیر و کاروں سے یہ کہا گیا تھا کہ وہ اسے جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کریں) (۲) انہوں نے انگریزوں سے مطالبہ کیا کہ ”ہمارے حقوق کی بھی پارسیوں اور عیسائیوں کی طرح حفاظت کی جائے“ (۳)

۱۔ کلتہ الفضل۔ مرزا محمد احمد۔ پانچواں نمبر۔ جلد ۱۴ نمبر ۳۴ صفحہ ۱۵۹۔

۲۔ الفضل۔ ۱۵ اپریل ۱۹۴۷ء۔

۳۔ الفضل ۱۳ نومبر ۱۹۴۶ء۔

قادیان کی ماضی کی سیاسی سازشوں پر بحث کرنے کے بعد اخبار نے لکھا۔

”جب مسٹر بھٹو کی پیپلز پارٹی نے غیر متوقع طور پر پنجاب اور سندھ میں اکثریتی نشستیں حاصل کر لیں اور بعد ازاں سقوط ڈھاکہ کے بعد اقتدار حاصل کر لیا تو قادیانیوں نے یہ مشہور کر دیا کہ اس فتح میں بڑا کردار ان کا ہے۔ خلیفہ ناصر احمد کے مطابق پیپلز پارٹی کی حمایت میں کام کرنے والے رضا کاروں کی تعداد لاکھوں تک جا پہنچتی ہے۔ انہوں نے اس جماعت کے پس منظر میں رہنے کے تاثر کو ختم کر دیا اور ان کے والد جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا محمود احمد کے مطابق ان کی سیاست برطانوی حکومت کی نسبت ایک گہری طرز کی تھی۔ مگر یہ سیاست آخر کار جہاں کن ثابت ہوگی۔

جلد ہی مسٹر بھٹو سے بدظن ہو کر انہوں نے حزب اختلاف کے رہنماؤں خصوصاً استقلال پارٹی سے پٹنگلیں بڑھانا شروع کر دیں۔ ۱۹۷۲ء کے وسط تک قادیانی ٹولے کے ارکان فضائیہ اور بحریہ کی کمائیں سنبھالے ہوئے تھے۔ تقریباً ایک درجن یا اس کے قریب ان کے افسران یا تو کوہ کماڈر تھے یا دیگر حساس اور اہم عہدوں پر فوج میں تعینات تھے۔ ان حالات میں ایک ایسا سیاستدان جو اقتدار کا خواہش مند تھا۔ بڑی مشکل سے ہی فوج یا قادیانیوں کو نظر انداز کر کے اپنے شعور اور ان کی قوت کے اظہار سے بچ سکتا تھا۔ اپریل ۱۹۷۳ء میں جب آزاد کشمیر اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کر لیا تو خلیفہ نے کہا کہ انہیں کوئی فکر مندی نہیں ہے مگر انہوں نے انتباہ کیا کہ اگر برائی اپنی حدود سے تجاوز کر گئی تو پھر پاکستان اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مصائب اور بدامنی سے بمشکل محفوظ رہ سکے گا۔“

چند ہفتے بعد فضائیہ کے تقریباً درجن افسران پر مقدمہ شروع ہوا۔ جن پر حکومت کا تفتیشی الزام تھا اور جب یہ شروع ہوا تو اس سے چونکا دینے والے حقائق سامنے آئے کہ کس طرح فضائیہ کے سربراہ اور ان کے ہم مذہب نے محبت وطن اور اہل افسران کی اہلیت کو ختم کر کے اسے ایک قادیانی نواز قوت بنانے کی حرکت کی۔ ان پر پورے پاکستان کے جزوی حصے پر

قبضہ کرنے کے قادیانی منصوبے کی تکمیل کے کھلے الزامات عائد کیئے گئے۔ فوجی مقدمات میں ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ چار کے علاوہ تمام مجرم پائے جائیں اور بری بھی کر دیئے جائیں۔ خضائیہ کے سربراہ کو جس نے اس فیصلہ کو خوش دلی سے قبول نہ کیا تھا۔ اپریل میں مستعفی ہونا پڑا۔

بائیس مئی کو ملتان میڈیکل کالج کے طلباء کا واقعہ قادیانیوں کے رویے کی بدترین مثال پیش کرتا ہے۔ مسلمان طلباء نے ریلوے اسٹیشن پر قادیانیوں پر طھریہ فخرے کسے بلکہ گالیاں تک دیں مگر اس کو نظر انداز کرنے کی بجائے قادیانیوں نے بدلہ لینے کی ٹھانی اور جب طلباء انتیس مئی کو دورے سے واپس آ رہے تھے تو وحشیانہ طور پر بدلہ لیا گیا۔ صمدانی ٹریبونل میں جس طرح سے یہ بات ثابت ہوئی ہے اسکے مطابق یہ ایک رد عمل نہیں بلکہ باقاعدہ منصوبہ تھا۔ قادیانیوں نے اس طرح اپنے لیے تباہ کن راستہ کیوں اختیار کیا۔ ممکنہ طور پر یہ غرور و تکبر کا اظہار تھا تا کہ ایک دوسرے فوجی انقلاب کا راستہ ہموار کیا جاسکے۔ تاہم اس واقعہ سے پیدا ہونے والا رد عمل شدید تھا اور ملک گیر تھا مگر یہ مکمل طور پر قابل برداشت، منظم اور غیر تشدد تھا۔ انتیس مئی کے بعد پہلے ہفتے میں میا لیس اموات (پچیس قادیانی اور سترہ مسلمان) زیادہ تر بھلن انگریز رویے کے طور پر وقوع پذیر ہوئیں۔ دوسرا تشدد جو رونما ہوا۔ وہ پولیس کا تھا جو اس نے طلبہ، مزدوروں اور علماء پر کیا۔ تاہم قادیانیوں کی آئینی حیثیت کی وضاحت کا مطالبہ اس وقت ایک نکتے پر پہنچ گیا جہاں سے اسے بے رحمانہ طریق سے دبایا نہیں جاسکتا تھا اور نہ ہی اسے شکست دی جاسکی۔ مگر جیسے کہ مسٹر بھٹو نے کہا کہ دبانے سے مسئلہ خفیف ہو سکتا تھا اور پس منظر میں چلا جاتا مگر یہ ختم نہ ہوتا۔ اس مسئلے کا تفسیر اور قادیانی جماعت کے آئینی حقوق کی حمایت جیسا کہ وزیراعظم نے قومی اسمبلی کو بتایا اس جماعت کے طویل المیعاد مفاد میں تھی۔ (۱)

دی مارننگ نیوز کراچی نے یوں تبصرہ کیا کہ:

”ختم نبوت پر قومی اسمبلی کے واضح اور درست فیصلے سے اس مسئلہ پر تمام تنازعات ختم ہو

جانے چاہئیں۔ بلاشبہ تمام ارکان اسمبلی نے اپنی سیاسی ہمدردیوں اور مذہبی عقائد سے بالاتر ہو کر ایک قابل تقلید احساس ذمہ داری کا نتیجہ سے فیصلہ کر کے ثبوت پیش کیا ہے۔ بلاشبہ یہ پریشان کن مسئلہ مذہبی نوعیت کا ہے۔ تمام اسلامی مکاتب فکر کی بے لاگ مباحث اور مفصل بحث کی اس میں ضرورت تھی۔ مزید برآں اس میں پاکستانی عوام کا ایک بڑا طبقہ ملوث ہو گیا تھا اور آسانی سے اسے ختم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایک ایسی حکومت جو اسلام اور جمہوریت پر پختہ یقین رکھتی ہو۔ اسکی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اس چیلنج کا موثر طور پر مقابلہ کرے اور یہ وزیراعظم بھٹو کی انتھک کوششوں سے ہوا کہ ملک کے سب سے بڑے قانون ساز ادارے نے متفقہ طور پر قرارداد منظور کی جس میں آئین میں ترمیم کے ذریعے ایسے ہر شخص کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حتمی ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ ایک خوش کن امر ہے کہ قرارداد پیش کرنے والوں میں اسلامی عقائد کے تمام مکاتب فکر جمع تھے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے پیچھے پوری قوم کی انگلیں کار فرما ہیں۔^(۱)

ظفر اللہ نے اپنے ایک بیان میں شدید رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستانی پارلیمنٹ کو کوئی اختیار حاصل نہیں کہ وہ قادیانیوں کے عقیدے کا فیصلہ کرے۔ اس بیان کے جواب میں اس وقت کے وزیر قانون و پارلیمانی امور عبدالحفیظ پیرزادہ نے کہا کہ پارلیمنٹ اعلیٰ ادارہ ہے اور کوئی اس کے فیصلے کو چیلنج نہیں کر سکتا۔ انہوں نے ظفر اللہ کو یاد دلایا کہ تقسیم سے قبل برطانوی حکومت نے اس وقت کی حکومت ہند کے اس نکتہ نظر کو مسترد کرتے ہوئے کہا تھا۔ ”کچھ ہندو معاشرے کا ایک حصہ ہیں اور نتیجتاً انہیں ایک علیحدہ گروہ قرار دیا تھا۔“^(۲) لاہوری جماعت نے اس پر نرم رد عمل کا اظہار کیا۔ انہوں نے اپنے مسلم ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے اپنے آپ کو چودھویں صدی ہجری کے مجدد مرزا غلام احمد کے اصل عقائد کا سچا پیروکار قرار دیا۔^(۳)

۱۔ مارننگ نذر گرامی۔ 9 ستمبر 1974ء۔

۲۔ ڈان گرامی۔ 10 اکتوبر 1974ء۔

۳۔ دوست محمد۔ ”جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دینے کی حقیقت“۔ احمدیہ ماہنامہ۔ لاہور 1975ء۔

مخفی دشمن:

ستمبر ۱۹۷۳ء کی آئینی ترمیم نے قادیانیت کے مذہبی و سیاسی پہلوؤں کو بے نقاب کر کے رکھ دیا۔ مسلمانان عالم نے یہ محسوس کر لیا کہ یہ ایک زیر زمین سیاسی تنظیم ہے جس کے سامراجیت سے تعلقات تھے جو اسے اپنے مذموم مقاصد کے لیے تیار کرتی اور استعمال کرتی ہے۔ اس کا مذہبی لبادہ سیاسی کھیل کھیلنے کا محض ایک ڈھکوسلا ہے۔ برطانوی حکومت کی مشفقانہ سرپرستی میں اس نے عالم اسلام کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کے لیے ایک تباہ کن اسلام مخالف کردار ادا کیا ہے۔

قادیانیوں نے اس فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے بارے میں ان کا نکتہ نظر اپنی نوعیت میں معذرت خواہانہ ہے۔ وہ یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ اس تحریک کو حکومت نے اپوزیشن کو کچلنے کے لیے پروان چڑھا دیا تھا اور پاکستان میں مطلق العنانیت کی راہ ہموار کی تھی۔ آزاد خیال۔ لادین اور ترقی پسند عناصر نے اس میں زیادہ حصہ لینا پسند نہ کیا مگر وہ اکثریت سے کٹ جانے سے خوفزدہ رہے۔^(۱)

ظفر اللہ نے اپنے مذہبی عقائد کے جواز میں ایک رسالہ تحریر کیا۔ اُس نے یہ دلیل دی کہ آئین پاکستان کا آرٹیکل (20) ہر شخص کو آزادی عقائد کی اجازت دیتا ہے اور موجودہ ترمیم اس کے برعکس ہے۔^(۲)

تاہم چند دوراندیش مسلم رہنماؤں نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ وہ ہوشیار رہیں کیونکہ احمدی ان کے خلاف ایک نیا حملہ شروع کرنے والے تھے۔ مولانا مودودی نے مسلمانوں کو انتباہ کیا کہ احمدیہ مسئلہ حتمی طور پر ختم نہیں ہوا ہے۔ سانپ زخمی ہوا ہے مرنے لگا ہے۔ حکومت احمدیوں کو یہ اطمینان دلا رہی تھی کہ انہیں آئینی تحفظات مل گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس ترمیم نے بیرون ملک لوگوں کے تخیلات کو جھنجھوڑ دیا ہے۔ وہ یہ جان گئے ہیں کہ

۱۔ عظمت روزہ لاہور۔ 23-31 دسمبر 1974ء۔
۲۔ الفضل ریوہ۔ 19 اپریل 1976ء۔ مزید دیکھئے غفر اللہ کا کتابچہ۔ ”میرادین“۔ جو دلچسپ مطالعہ پیش کرتا ہے۔ عظمت روزہ لاہور۔ 13 ستمبر 1976ء۔

قادیانی نہ صرف غیر مسلم ہیں بلکہ جاسوس بھی ہیں۔ یہ درحقیقت ایک سیاسی گروہ ہیں۔ انہوں نے انتباہ کیا کہ مسلمانوں کو احمدیوں کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھنی چاہئے کیونکہ وہ حساس محکموں میں سرایت کر کے حصول اقتدار کے لیے کوشاں تھے۔^(۱)

بظاہر اپنے قادیانی جتھے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پیپلز پارٹی کی حکومت قومی اسمبلی کے فیصلے کو نافذ العمل کرانے میں گریز اس تھی۔ اس نے تعزیرات پاکستان میں تبدیلی کرنے کی ہر ممکن پیش بندی کی۔ یہ توقع کی جا رہی تھی کہ مجوزہ ترمیم کے بعد قادیانی۔ نئی مساجد کی تعمیر۔ مرزا غلام احمد کو نبی اور رسول اور اس کے ساتھیوں کو صحابہ قرار دینے کے طحانہ عقائد کی تبلیغ کے قابل نہیں رہیں گے مگر قادیانی اپنے رویے پر بھندر ہے۔ آئینی ترمیم کا بالکل خیال نہ کرتے ہوئے اور قانون میں تبدیلی سے مکمل واقفیت کے باوجود انہوں نے پاکستان میں نئے پروگرام اور قوت کے ساتھ اپنی ارتدادی مہم پورے زور و شور سے جاری رکھی۔^(۲)

بیورو کریسی میں سرگرم عمل قادیانی عناصر نے تمام ممکنہ اقدامات کیئے کہ آئینی ترمیم کو بے فائدہ اور لالچینی بنادیا جائے۔ بھٹو حکومت نے اصل معاملہ حقیقت میں بے سہارا چھوڑ دیا اور اسے مزید پیچیدہ کر دیا۔^(۳)

تحریک ختم نبوت سے احمدیہ مسئلہ سرفہرست آ گیا جس نے اسلام مخالف قوتوں کو موقع فراہم کر دیا کہ وہ احمدیہ تحریک کی قوت پر دوبارہ نظر ڈالیں تاکہ اسلامی دنیا میں راسخ العقیدگی کی بڑھتی ہوئی قوت کے خلاف اسے جوابی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔ انہوں نے قادیانیوں کو امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک میں قیام پذیر ہونے اور قادیانی بھگلوڑوں کو ایک ”پاکستانی مظلوم اقلیت“ قرار دے کر سیاسی پناہ کی پیشکش کی اور اپنی خفیہ مددات میں سے مزید خزانے کے منہ کھول دیئے۔^(۴)

یہ بات ثابت کرنے کے شواہد موجود ہیں کہ بھٹو اپنی دوسری میعاد حکومت میں اس

۱۔ بحوالہ الفضل۔ ربوہ۔ 16 اکتوبر 1974ء۔

۲۔ دیکھئے نظر اللہ کا اعتراف۔ ہفت روزہ لاہور۔ 14 جون 1976ء۔

۳۔ ہفت روزہ چٹان۔ لاہور۔ 12 جولائی 1976ء۔

۴۔ خالد دہلوی۔ ”دلی پالیٹکس“۔ دوسرا اور ڈران اور نیٹ۔ ”دوسرا اور مصل ایڈیشن“۔ ستمبر 1979ء۔

آئینی ترمیم کی واپسی پر تھلا ہوا تھا۔ مسعود محمود جو کہ ڈاکٹر بشارت احمد (لاہوری احمدی) کے خاندان کا قریبی رشتہ دار اور دسوائے زمانہ فیڈرل سکیورٹی فورس کا ڈائریکٹر جنرل تھا نے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا کہ:

”جب اسمبلی نے قادیانوں اور لاہوری احمدیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تو وزیراعظم بھٹو اس فیصلے سے سخت ناخوش تھا۔ اُس نے قسم کھائی کہ وہ اس فیصلے کو بدل دے گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو سکا تو ایسے اقدامات کیے جائیں گے کہ اس کی دوسری مدت حکومت میں عوامی نمائندگی کے بعد قادیانوں کو راضی کرنے کی کوشش کی جاسکے۔ اس نے مجھے نصیحت کی کہ میں اس کے یہ احساسات اس کے چیف سائیکلٹیک آفیسر ڈاکٹر عبدالسلام تک پہنچا دوں۔ سلام نے اس کی تفحیک ازادی۔ اس نے بتایا کہ وہ ذاتی طور پر پاکستان کا وفادار ہے مگر ”جو کچھ بھٹو نے کر دیا ہے وہ ناقابل معافی ہے اور اس نے دعا کی ہے کہ اس کا خاتمہ ہو جائے اور وہ تمام لوگ بھی جو اس میں ملوث ہیں۔“ میں نے وزیراعظم کو یہ سب کچھ ایجنہ پہنچا دیا۔ مگر حیران کن امر یہ تھا کہ جس دن بھٹو نے مجھے ڈاکٹر عبدالسلام سے ملنے کی نصیحت کی تھی میں نے بھٹو کے کمرے سے باہر آتے دیکھا کہ بھٹو کے اے ڈی سی کے کمرے میں ڈاکٹر سلام اس سے ملاقات کے لیے انتظار میں بیٹھا تھا“ (۱)

پندرہ روزہ آتش فشاں لاہور کے ساتھ ظفر اللہ کے انٹرویو میں بھی قادیانوں اور بھٹو کے خفیہ معاملات کی جھلک پائی جاتی ہے۔

”بھٹو نے پنجاب میں ۱۹۷۰ء کے انتخابات زیادہ تر قادیانوں کی مدد سے جیتے تھے۔ اس نے خلیفہ المسیح ثالث کو بتایا تھا کہ اگر وہ پنجاب سے چھ نشستیں بھی حاصل کر گیا تو یہ اسکی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ مگر حضرت صاحب نے اسے ہر نشست پر مقابلہ کرنے کی ہدایت کی۔ جماعت اس کے لیے ہر ممکن قدم اٹھائے گی جو کہ ہم نے کیا۔ ہم نے اس کی انتخابی ہم بڑے جوش و جذبے سے چلائی اور میرا بھتیجا حمید نھر اللہ ۱۹۷۰ء میں کوثر نیازی کے سیالکوٹ سے حلقہ انتخاب سے انتخابی ایجنٹ تھا۔

انتخابات میں کامیابی کے بعد احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر بھٹو نے اپنے آپ کو پاکستان کا غیر متنازعہ رہنما ثابت کرنے کی ٹھانی۔ وہ احمدیوں کو قربان کر کے علماء کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے چکروں میں تھا۔ ایک دفعہ وہ حضرت صاحب (مرزا ناصر احمد) سے ملا۔ جب وہ ان سے باتیں کر رہا تھا تو اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کہا۔ ”اس وقت مجھے قرآن پاک کا کوئی نسخہ نہیں مل سکا۔ مگر نہ میں اس پر قسم کھا کر کہہ دیتا کہ میں آپ لوگوں کو مسلمان سمجھتا ہوں۔“ (۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بھٹو اپنے دل میں قادیانیوں کے لیے نرم گوشہ رکھتا تھا۔ اگرچہ اس کے اس بیان کو محض سیاسیات ہی سمجھ لیا جائے تو بہتر ہوگا۔

اسرائیلی گماشتے:

قادیانی ارتداد پر مسلمانوں کا رد عمل ترمیم کے بعد کے دور میں بھی ٹھنڈا نہیں پڑا۔ ۱۹۷۶ء میں غم و غصہ کی ایک نئی لہر چل پڑی۔ جب ایک بزرگ مسلم لنگی رہنما مولانا ظفر احمد انصاری نے ایک یہودی پروفیسر کی کتاب سے ایک حوالہ نقل کیا کہ اسرائیل میں رہنے والے تقریباً چھ سو قادیانی اسرائیلی فوج میں شامل ہو گئے ہیں۔ الفضل ربوہ نے مولانا ظفر احمد انصاری کے اس الزام کی پر زور تردید کی کہ اسرائیل میں رہنے والے چھ سو قادیانی اسرائیلی فوج میں بھرتی ہو گئے ہیں۔ (۲)

اخبار نے مزید کہا کہ:

”کسی یہودی پروفیسر آئی ٹی نومان کی تحریر شدہ کتاب ”اسرائیل۔ ایک سرسری جائزہ“ جس کا حوالہ مولانا انصاری نے اپنے موقف کی تائید میں دیا ہے اس کا کہیں وجود نہیں ہے۔ اخبار نے کہا کہ اسرائیل میں نہ تو کوئی پاکستانی احمدی ہے نہ ہی کسی نے اسرائیلی فوج میں شمولیت اختیار کی ہے۔“ (۳)

۱۔ آئین فٹن لاہور۔ مئی ۱۹۸۱ء۔

۲۔ بحوالہ الفضل ربوہ۔ ۲۶ فروری ۱۹۷۶ء۔

۳۔ الفضل ربوہ۔ ۱۶ جنوری ۱۹۷۶ء اور ۱۳ اپریل ۱۹۷۶ء۔

یہ کتاب بھی موجود تھی اور ربوہ سے قادیانی اسرائیل بھی گئے ہیں۔ یہ کھلی حقیقت تھی کہ جلال دین قمر جو کہ ربوہ کا احمدی مبلغ تھا۔ ۱۹۵۶ء سے اسرائیل میں کام کر رہا تھا جب چوہدری شریف کو اسرائیل سے واپس پاکستان بلایا گیا۔ تمام قادیانی مبلغین جو ۱۹۴۸ء سے اسرائیل مشن میں تعینات تھے مثلاً جلال دین شمس۔ اللہ دتہ جالندھری۔ رشید احمد چغتائی۔ نور احمد اور چوہدری شریف اسرائیل میں کام کرنے کے بعد ربوہ میں مقیم تھے۔ جب وہ بیرون ملک تھے تو ان کے خاندانوں کے ان سے پر اسرار ذرائع سے روابط موجود تھے۔ جماعت کے مجموعی تبلیغی ڈھانچے کا ایک حصہ اسرائیل میں احمدیہ مشن کی صورت میں موجود تھا۔ خلیفہ اس جماعت کا سب سے بڑا سرخیل تھا۔ تمام مشعوں کے معاملات جن میں اسرائیلی مشن بھی شامل ہے، خلیفہ کے تحت تھے اور وہ ان کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اسرائیل میں قادیانی امیران کی ہدایات اور احکامات کے تحت کام کرتا تھا۔

مولانا انصاری نے اخبار نویسوں کو ایک پریس کانفرنس میں کتاب ”اسرائیل۔ ایک سرسری جائزہ“ دکھائی۔ اسے پالمال لندن نے شائع کیا تھا۔ کتاب کے متعلقہ صفحات پریس میں تقسیم کر دیئے گئے۔ کتاب میں یہ واضح طور پر درج تھا کہ عرب نہ تو اسرائیلی فوج میں شمولیت اختیار کر سکتے ہیں نہ ہی سرحدی دیہاتوں میں رہ سکتے ہیں بلکہ صرف احمدی اسرائیل کی فوج میں بھرتی ہو سکتے ہیں۔ متعلقہ اقتباس حسب ذیل ہے۔

”ارض مقدس میں مذہب:

کوہ کارمل کی ڈھلوانوں پر حید کے ارد گرد تقریباً بیس گاؤں میں تقریباً پینتیس ہزار دروز اسرائیل میں رہتے ہیں انہیں ایک خود مختار مذہبی جماعت کا درجہ دیا گیا ہے اور اپنی مقامی کونسلوں میں انہیں انتظامی اختیارات حاصل ہیں اور عرب مسلمانوں کے برعکس ریاست کے ابتدائی دنوں میں وہ فوج میں بھی بھرتی ہو سکتے تھے۔ دو اور چھوٹے غیر عرب گروپ سرکاشن جو انیسویں صدی میں روس سے آئے تھے اور اب تقریباً دو ہزار نفوس پر مشتمل ہیں

اور احمدی فرقہ کے تقریباً چھ سو لوگ جو پاکستان سے آئے تھے وہ بھی فوج میں بھرتی ہو سکتے ہیں۔ ملک کے تمام شہریوں کی طرح دروز سرکاشن اور احمدی پارلیمنٹ کے قومی انتخابات میں ووٹ بھی ڈال سکتے ہیں اور نمائندگی بھی کر سکتے ہیں۔ کئی دروزیوں نے کینٹ (اسرائیلی پارلیمنٹ) میں نشستیں حاصل کی ہیں۔ دوسرے عربوں کی طرح ۱۹۶۹ء میں ایک دروز کو پارلیمنٹ کا ڈپٹی سپیکر منتخب کیا گیا۔^(۱)

اسرائیل میں قادیانی موجودگی اور اکٹھے حق رائے دہی کا مسئلہ اتنا اہم نظر نہیں آتا کیونکہ ساری احمدیہ جماعت صیہونی فوج کا ایک باقاعدہ ڈویژن ہے جو بڑے نفیس ہتھیاروں کے ساتھ پوری دنیا میں تمام غیر یہودی آبادی پر یہودیوں کی بالادستی کے لیے لڑ رہا ہے۔ قادیانی تیسرے دوست ملک سے ویزہ کے لیے اسرائیل جاتے رہے اور وہاں تمام حقوق اور استحقاق سے مستفید ہو رہے ہیں۔ جن میں یہودی ایجنسی کے انتہائی وفادار سپاہی ہونے کی حیثیت سے وہ اسرائیل کی فوج میں بھی بھرتی ہو سکتے ہیں۔

احمدی اسرائیلی گٹھ جوڑ کا مسئلہ پاکستانی پریس میں فروری ۱۹۷۷ء میں ایک بار پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ جب ایک اردو ہفت روزہ نے^(۲) انیس اکتوبر ۱۹۷۶ء کے یروشلم پوسٹ کے شمارے میں چھپی ہوئی ایک تصویر شائع کر دی جو کہ ایک اسرائیلی تقریب کے دوران لی گئی تھی۔ ایک قادیانی وفد نے اسرائیلی صدر سے ملاقات کی اور اس کے ساتھ تصاویر بنوائیں۔ تصویر میں اسرائیلی صدر کے علاوہ مشیر اقلیتی امور منصور کمال اور ایک فلسطین احمدی منصور عود اور اسرائیل میں قادیانی مبلغ جلال الدین قمر نمایاں تھے۔^(۳)

اس سے ثابت ہو گیا کہ دیگر مذاہب اور اقلیتی نسلی گروپوں کے برعکس احمدیوں کے حکومت اسرائیل کے ساتھ گہرے مراسم تھے اور اس کی انہیں مکمل سرپرستی حاصل تھی۔ الفرقان ربوہ نے یہ دعویٰ کیا کہ اس تصویر میں کوئی چیز بھی قابل اعتراض نہیں تھی۔ اسرائیل نے اپنی عدالتوں میں تقریباً دو سو فلسطینی قاضی اور ججوں کی تعیناتی کر رکھی ہے اور انہیں

۱۔ ملت دروزہ طاہر لاہور۔ دسمبر ۱۹۷۵ء۔

۲۔ اسلامی جمہوریہ۔ لاہور۔ ۲-۸ جنوری ۱۹۷۷ء۔

۳۔ ملت دروزہ لاہور۔ ۱۴ فروری ۱۹۷۷ء۔

اسرائیلی خزانے سے تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ فلسطینی احمدیوں کو حکومت اسرائیل کے ساتھ اس کے وفادار شہریوں کے طور پر رہنا ہے اور اپنے تعلقات کو فروغ دینا ہے۔^(۱) الفضل نے یہ بات زور دے کر کہی کہ اس طریقہ سے چند عناصر بد امنی پیدا کر رہے تھے اور ان کا اصل مقصد حکومت کو بدنام کرنا تھا۔^(۲) تاہم لوگوں کو اسرائیل اور ربوہ کے مابین تعلقات کا احساس ہو گیا اور حیفہ اور کوہ کارمل میں موجود قادیانی مشن کی موجودگی پر سوال اٹھائے گئے۔ مشن کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ عربوں کی جاسوسی کی جائے اور مشرق وسطیٰ میں ایک خفیہ سیاسی جارحیت جاری رکھی جاسکے۔

پندرہ روزہ ”آتش فشاں“ کو انٹرویو دیتے ہوئے ظفر اللہ نے کہا کہ ۱۹۶۷ء میں سعودی عرب کے شاہ فیصل نے اسے حج کرنے کی اجازت دی تھی مگر بعد ازاں حکومت نے قادیانی جماعت پر حج کرنے کی پابندیاں عائد کر دیں۔ انہوں نے شاہ فیصل کو اس بارے میں لکھا جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ احمدیہ عقائد اسلام کے بنیادی معتقدات سے مطابقت نہیں رکھتے۔ ظفر اللہ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ شاہ فیصل کو یہ بتایا گیا تھا کہ احمدی اسرائیل کے جاسوس ہیں۔ عرب اور خصوصاً سعودی اس معاملے میں بہت حساس تھے چونکہ اس وقت ان کے شاہ فیصل سے تعلقات نہیں تھے ورنہ وہ ان سے بات کرتا۔

ظفر اللہ نے ایک سوال میں کہ احمدی اسرائیل کے بدنام جاسوس تھے اور انہوں نے اپنا مرکز وہاں قائم کیا ہوا ہے۔ یہ کہا کہ اسرائیل میں احمدی مرکز ۱۹۲۸ء سے یعنی اس کے قیام سے بھی پہلے کام کر رہا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے وقت سے بھی پہلے کام کر رہا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے وقت کچھ احمدی علاقہ چھوڑ گئے جبکہ کچھ نے وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا اس نے زور دے کر کہا کہ اسرائیلی حکومت ان کی راہ میں روڑے نہیں اٹکاتی۔ اگرچہ اس سلسلہ میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی کہ یہودی احمدی ہو گئے ہوں۔ پھر بھی کئی فلسطینی عربوں نے احمدیت قبول کر لی۔^(۳)

۱۔ المرقان ربوہ فروری ۱۹۷۷ء۔

۲۔ الفضل ربوہ۔ ۳ فروری ۱۹۷۷ء۔

۳۔ آتش فشاں لاہور۔ مئی ۱۹۸۱ء۔

ربوہ سے تل ابیب تک:

اوائل ۱۹۶۷ء میں اسرائیلی قادیانی گٹھ جوڑ روزمرہ بات چیت کا موضوع تھا۔ ہر ایک کو یقین تھا کہ ربوہ کے تل ابیب کے ساتھ خفیہ تعلقات ہیں۔ مولانا محمد یوسف بنوری نے اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر کیا۔^(۱) جس نے لوگوں کے ذہن میں کئی سوالات پیدا کر دیئے۔ ربوہ کے قصر خلافت میں بہت سے خطوط موصول ہوئے جن میں مرزا ناصر احمد سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ اسرائیل اور صیہونیت کے ساتھ جماعت کے تعلقات کی وضاحت کریں۔ قادیانی انٹیلی جنس نے ربوہ کو خفیہ اطلاعات بھجوائیں جن میں ان پیروکاروں کے درمیان پائی جانے والی بے چینی اور تشویش سے آگاہ کیا گیا تھا جو انہیں اپنے عقائد کی تبلیغ کے دوران پیش آرہی تھی۔

مرزا ناصر نے اللہ دتہ جالندھری کو ہدایت کی کہ وہ اس مسئلے کو اپنے ماہنامہ رسالے ”الفرقان“ میں اٹھائے اور اسرائیل کے ساتھ تعلقات کے معاملہ پر جماعت کی پوزیشن واضح کرے۔ آنجنابی مرزا طاہر احمد نے جو کہ احمدیہ جماعت کے سربراہ تھے۔ اس کے خصوصی شمارے میں ایک دویل مضمون لکھا۔^(۲) انہوں نے مولانا بنوری کے رسالے کی تردید کی۔ اس مضمون کو بعد ازاں ایک کتابچے کی شکل دے دی گئی جس کو ربوہ سے تل ابیب کا نام دیا گیا۔^(۳) اس کا جامع جواب اکوڑہ خٹک سے ”قادیان سے اسرائیل تک“ کے زیر عنوان ایک کتابچے کی شکل میں آیا۔ یہ کتاب مایہ ناز عالم دین مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت پر تالیف کی گئی تھی۔ اس میں راقم نے اسرائیلی احمدی گٹھ جوڑ کو اس کے تاریخی تناظر میں آشکارا کیا تھا۔ اس کتاب میں درج شدہ حقائق کو جھٹلانے کی کبھی کسی قادیانی نے جرأت نہیں کی۔ ایک بہت دلچسپ حقیقت یہ ابھر کر سامنے آئی کہ فلسطین میں برطانوی انتداب کے دوران جماعت احمدیہ فلسطین نے قادیانی خزانے میں ہزاروں روپے جمع

۱۔ ربوہ سے تل ابیب تک۔ کراچی ۱۹۷۶ء۔

۲۔ الفرقان مارچ ۱۰ ۱۹۷۶ء جماعت احمدیہ اسرائیل نمبر۔

۳۔ مرزا طاہر احمد۔ ربوہ سے تل ابیب لاہور۔ ۱۹۷۶ء۔

کرائے۔ یہ بات کسی دوسرے شخص نے نہیں بتائی تھی بلکہ اللہ دتہ نے بذاتِ خود مرزا محمود کے خود ساختہ مصلح موعود کے دعوے کے موقع پر ایک تقریر کے دوران بیان کی۔^(۱)

غیر مسلم نشست:

پاکستان پیپلز پارٹی نے قومی اسمبلی میں قادیانی نشست پر غیر مسلم رکن کے طور پر ایک قادیانی بشیر طاہر کو نامزد کر دیا۔ افضل نے اس نامزدگی پر اظہارِ ناپسندیدگی کرتے ہوئے کہا کہ احمدی سچے مسلمان ہیں اور طاہر نے اپنے آپ کو غیر مسلم قرار دے کر ارتداد کا ارتکاب کیا ہے اور اب ربوہ یا احمدیہ جماعت سے نہ اس کا کوئی تعلق ہے نہ ہی اسے ان کی نمائندگی کا حق ہے۔^(۲) دوسری طرف طاہر نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ سچا قادیانی ہے اور اسے بہت سے قادیانیوں کی حمایت حاصل ہے۔

پیپلز پارٹی کی حکومت نے جون ۱۹۷۶ء میں ”ہفتہ اقلیت“ منانے کا اعلان کیا اور اقلیتوں کے لیے ایک پروگرام تیار کیا۔ بشیر طاہر نے یہ دعویٰ کیا کہ بچانوی فیصد قادیانیوں نے اس میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا ہے بلکہ پاری۔ ہندو۔ سکھ اور بدھ برادریوں کی طرح اسے کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔^(۳) اس کا دعویٰ صحیح نہیں لگتا۔ محض چند قادیانی منخرفین جو کہ اروپائی پارٹی کے ارکان تھے اور چند لاہوری جماعت کے ارکان (پیغامیوں) نے ان تقریبات میں حصہ لیا۔

یہاں پر یہ تذکرہ کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ احمدیوں کے ایک بہت ہی چھوٹے گروہ اروپائی پارٹی جو کہ ظہیر الدین آف اروپ (گوجرانوالہ) کے نام پر مشہور ہو گئے تھے۔ مرزا غلام احمد کو ایک مستقل تشریحی نبی مانتے تھے۔ ۱۹۱۳ء سے یہ مختصر جماعت انہیں مستقل صاحب کتاب رسول اور نبی مانتی چلی آرہی تھی اور کسی بروز یا ظلی کی تشریح کی قائل نہیں تھی۔^(۴) یہ جماعت اپنی نمازیں قادیان کی طرف منہ کر کے ادا کرتی تھی۔ انہوں نے اپنے آپ کو

۱۔ ابوذر ثناء قادیان سے اسرائیل تک لاہور۔ ۱۹۷۹ء مزید دیکھئے افضل قادیان ۲۹ فروری ۱۹۴۴ء۔

۲۔ افضل ربوہ۔ ۱۱۳ اپریل ۱۹۷۶ء۔

۳۔ افضل ربوہ۔ گیارہ جون ۱۹۷۶ء۔

۴۔ رحمت اللہ اروپائی۔ نشان رحمت لاہور۔ ۱۹۶۸ء۔

مسلمانوں سے علیحدہ قرار دینے کی ہر ممکن کوششیں کیں۔ ظہیر کے بیٹے رحمت اللہ اروپی نے کئی سالوں تک ان عقائد کا زبردست پرچار جاری رکھا۔ یہ جماعت قادیانیوں کو بار بار نصیحت کرتی تھی کہ وہ مرزا صاحب کے اصل دعویٰ سے مخلص رہیں اور انہیں حقیقی پیغمبر تسلیم کریں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ”احمدیوں کے لیے صرف دو راستے کھلے ہیں۔ یا تو وہ مسلمانوں سے مل جائیں یا اپنے آپ کو بہائیوں کی طرح مکمل طور پر لا تعلق کر لیں۔ اس کے سوائے کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ منافقین کی طرح زندگی گزارنا آخر کار احمدیہ مشن کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا۔“

۱۹۷۷ء کے انتخابات:

سات جنوری ۱۹۷۷ء کو بھٹو نے مارچ میں قومی و صوبائی اسمبلیوں کے لیے انتخابات کروانے کا اعلان کر دیا۔ حزب اختلاف نے نو جماعتوں پر مشتمل پاکستان قومی اتحاد کے نام سے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ آئین کے مطابق قادیانیوں پر لازم تھا کہ وہ اپنے ووٹ غیر مسلم کے طور پر بنوائیں اور اقلیت کے طور پر انتخابات میں حصہ لیں۔ مگر انہوں نے نہ تو اپنے آپ کو غیر مسلم رجسٹر کرایا، نہ ہی انتخابات میں حصہ لیا۔ اس کے برعکس انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ وہ ایک مسلمان اقلیت ہیں اور دنیا کے اسی کروڑ مسلمان غیر مسلم اقلیت ہیں۔ مرزا ناصر احمد نے ربوہ میں اپنی جماعت کے امیروں کے ساتھ متواتر اجلاسوں کے بعد نتیجہ اخذ کیا کہ پیپلز پارٹی اب بھی ان کے کام آ سکتی ہے۔ انہوں نے تحریک استقلال کے سربراہ اصغر خان کی طرف بھی پر امید نظروں سے دیکھا مگر ان کے بارے میں کہا گیا کہ انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں مرزا غلام احمد پر لعنت بھیج کر فاش سیاسی غلطی کی ہے اور احمدیوں کی ہمدردیاں کھودی ہیں۔ پاکستان قومی اتحاد کی بقیہ جماعتیں ۱۹۷۴ء میں اپنا موقف پہلے ہی واضح کر چکی تھیں۔ قادیانیوں کے لیے وہ نہ تو قابل اعتماد تھے نہ ہی قابل رابطہ۔^(۱) تمام سیاسی فوائد و نقصانات کو ذہن میں رکھتے ہوئے احمدیوں

نے پیپلز پارٹی کی ہر ممکن مدد کی لیکن بڑے محتاط اور لطیف انداز میں تاکہ پیپلز پارٹی یا اپنی جماعت کو کسی بھی سبکی سے پچایا جاسکے۔ وہ اب بھی بھٹو کو اپنا ”چھپا ہوا نجات دہندہ“ سمجھتے تھے۔

قومی و صوبائی اسمبلی کے انتخابات بالترتیب سات اور دس مارچ کو ہوئے جن میں پیپلز پارٹی مبینہ دھاندلی کی وجہ سے غالب اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔^(۱) پاکستان قومی اتحاد نے بھٹو مخالف تحریک شروع کر دی جو تحریک نظام مصطفیٰ کا رخ اختیار کر گئی جس کا مقصد اسلامی قانون نافذ کرنا تھا۔ قادیانیوں نے در پردہ لاقانونیت اور بد امنی پھیلانے والی قوتوں کو مضبوط کیا تاکہ آئین ختم ہو جائے۔ پاکستان قومی اتحاد خصوصاً اسلام پسند جماعتوں کو ذلیل کرنے کے لیے جعلی تنظیموں کے نام پر بھاری تعداد میں لٹرچر چھپوا کر تقسیم کیا گیا۔ خدام الاحمدیہ اور بحنہ نے اس مکروہ مہم میں سرگرمی سے حصہ لیا اور ربوہ کی سیاسی خواہشات کی تکمیل کی خاطر بھاری رقومات صرف کی گئیں۔

مارشل لاء

پانچ جولائی ۱۹۷۷ء کو ملک میں مارشل لاء مسلط کر دیا گیا اور ۱۹۷۳ء کے آئین کو معطل کر دیا گیا۔ قادیانیوں کو یہ توقع تھی کہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد آئین مسترد ہو جائے گا اور وہ ۱۹۷۳ء سے پہلے کی حیثیت کے حامل ہو جائیں گے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ ضیاء دور کے ابتدائی ایام میں انہوں نے ابھرتی ہوئی افر شائعی سے اپنے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی اور چند فوجی افسران کی حمایت حاصل کرنے کی بے سود سعی کی۔ وہ ایوب اور یحییٰ ادوار حکومت کے ثمرات کو سمیٹنا چاہتے تھے۔ مرزا ناصر احمد پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اُن کی ہدایات کے تحت بیرون ملک احمدی مشعوں نے پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں اٹھائے گئے اقدامات پر تنقید کی۔ انہوں نے ”اسلام میں ارتداد

۱۔ اہانت روزہ لاہور نے ۱۴ مارچ ۱۹۷۷ء کے شمارے میں پاکستان قومی اتحاد پر ہتے ہوئے صوبائی اسمبلی میں پاکستان پیپلز پارٹی کی واضح جیت کی پیش گوئی کر دی۔

کی سزا“ (۱) ”مجرم کو کوڑے مارنا“۔ ”چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا“۔ ”زنا کی سنگساری کی سزا“ جیسے عنوانات پر لکھنا شروع کیا اور آزاد خیالی کا اظہار کر کے اپنے آپ کو اسلام کے حقیقی ترجمان قرار دیتے ہوئے دعویٰ کیا کہ ان عنوانات پر ان کا نکتہ نظر زیادہ عقلیت پسندی اور مقصدیت سے بھرپور ہے۔

ایشیائی اسلامی کانفرنس

ضیاء دور کا دوسرا سال قادیانیوں کے لیے کسی احرار جماعت کی بجائے اسلامی کانفرنس کے شرکاء کے ہاتھوں مزید ذلت لے لے کر آیا۔ چھ سے آٹھ جولائی ۱۹۷۸ء تک پاکستان نے پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس کی کراچی میں میزبانی کی۔ اس میں بائیس ممالک کے تقریباً دو سو مندوبین شریک ہوئے اور اس کے ساتھ تعاون مسلمانان عالم کی بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیم رابطہ عالم اسلامی نے کیا۔ مندوبین کے علاوہ امریکہ و سوویت یونین سے علماء کی ایک تعداد اس میں شریک ہوئی۔ پاکستان میں یہ پانچویں علاقائی کانفرنس تھی اس سے قبل ایسی کانفرنسیں موریتانیہ ۱۹۷۶ء، امریکہ ۱۹۷۷ء، آسٹریلیا ۱۹۷۵ء اور ٹرینیڈاڈ ۱۹۷۷ء میں ہو چکی تھیں۔

اس کانفرنس میں قادیانی مسئلے کو اس کے حقیقی تناظر میں دیکھا گیا کہ شرکاء کا کہنا تھا کہ احمدی دشمن طاقتوں اور بیرونی قوتوں سے مل کر اسلامی دنیا کو کھوکھلا کرنے کی سازشوں پر عمل پیرا ہیں۔ اس مسئلہ پر کانفرنس نے یہ موقف اختیار کیا کہ

”قادیانیت ایک تباہ کن مذہبی عقیدہ ہے جو اپنے پرفرہی اور تخریبی مقاصد کے حصول کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ ان کے سب سے زیادہ غیر اسلامی نظریات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اس کا رہنما پیغمبری کا بے بنیاد دعویٰ کرتا ہے۔

(ii) قرآنی نصوص میں تحریف کرتا ہے۔

(iii) جہاد کی تکذیب کرتا ہے۔

قادیانیت برطانوی سامراج کی سوتیلی بیٹی ہے جو صرف اس کی سرپرستی اور حفاظت میں ہی قائم رہ سکتی ہے۔ قادیانیت امت مسلمہ کی بھلائی میں مخلص نہیں ہے اور صیہونیت اور سامراجیت کے ساتھ پوری طرح مخلص ہے اور اسلام مخالف قوتوں اور حکمت عملیوں کو پورے دل سے چاہتی ہے۔ حتیٰ کہ بنیادی اسلامی عقائد کو کمزور کرنے اور سبوتاژ کرنے کے لیے یہ اسلام مخالف قوتوں سے بھی اشتراک کرتی ہے۔ ایسے تخریبی اور گھناؤنے مقاصد کے حصول کی خاطر یہ ان کوششوں میں متواتر مصروف ہے کہ

(i) ایسی عبادت گاہیں تعمیر کی جائیں جہاں قادیانی غیر اسلامی عقائد و نظریات کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کیا جاسکے۔ ان عبادت گاہوں کو اسلام مخالف قوتیں مالی امداد فراہم کرتی ہیں۔

(ii) ایسے سکول ادارے اور یتیم خانے تعمیر کیئے جائیں جہاں مسلمان مخالف قوتوں کے مفاد میں قادیانی تخریبی کارروائیاں پروان چڑھ سکیں۔ مزید برآں قادیانیوں نے مختلف زبانوں میں قرآن پاک کے اعلیٰ و ارفع مطالب کو غلط مطلب دینے کے لیے کئی غلط تعبیریں شائع کی ہیں۔ قادیانیت کے منڈلاتے ہوئے خطرات سے نمٹنے کے لیے یہ کانفرنس مندرجہ ذیل قراردادیں منظور کرتی ہے۔

(1) ہر مسلمان ادارہ۔ تنظیم یا گروپ اپنی درس گاہوں۔ عبادت گاہوں اور یتیم خانوں میں قادیانی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرے جہاں کہیں بھی قادیانی اپنی مکروہ اور تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں چاہئے کہ قادیانیوں پر توجہ مرکوز کریں اور پورے عالم اسلام کو ان کی مذموم حرکات سے آگاہ کریں مبادا وہ ان کے جال میں پھنس جائیں یا ان کی بد اعمالیوں میں شریک ہو جائیں۔

- (2) قادیانیوں کو دہریے اور غیر مسلم قرار دیا جائے۔
- (3) مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان کاروباری تعلقات ختم کر دیئے جائیں۔
- مسلمان قادیانیوں کا معاشی سماجی اور ثقافتی مقاطعہ کر دیں۔ مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان شادیوں کا سلسلہ فوری طور پر بند کر دیا جائے۔ قادیانیوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں مردے دفنانے کی اجازت نہ دی جائے۔ ان کے ساتھ یکے دہریوں والا سلوک کیا جائے۔
- (4) تمام مسلمان ریاستوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کی کرتوتوں پر پابندی لگا دیں جو کہ نبوت کا دعویدار ہے۔ انہیں غیر مسلم اقلیت خیال کیا جائے اور ریاست کے موثر و حساس عہدوں پر انہیں تعینات نہ کیا جائے۔
- (5) قرآن پاک میں کی گئی تحریفات کی وضاحتیں شائع کی جائیں۔ قادیانیوں کی قرآنی آیات کے غلط مطالب کی توضیحات کو ختم کیا جائے اور انہیں عوام کی دسترس سے دور رکھا جائے۔
- (6) تمام غیر مسلم گروہ جو اسلام کے سچے راستے سے ہٹ چکے ہیں ان کے اور قادیانیوں کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے۔^(۱)
- ان قراردادوں سے زچ ہو کر اور ابھرتی ہوئی مذہبی قوتوں سے برگشتہ ہو کر قادیانی پاکستان اور بیرون ممالک ضیاء مخالف قوتوں سے اشتراک کرنے لگے۔ انہوں نے اپنی بقاء کی جدوجہد میں لادینی اور اشتراکی عناصر کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ اسی عرصے میں عوامی مطالبوں نے زور پکڑنا شروع کر دیا کہ آئینی ترمیم کو اس کی اصل روح کے مطابق نافذ کر دیا جائے۔ مذہبی کانفرنسوں میں یا جب کبھی علماء و مشائخ کو جنرل ضیاء سے ملنے کا موقع ملتا تو وہ قادیانیوں کی اسلام مخالف سرگرمیوں پر قابو پانے اور اسلام کے جس سیاسی سے ان کے خطرات کے ازالے کی ضرورت پر زور دیتے۔ لوگوں نے احمدیوں کے بڑھتے ہوئے خطرات کی بناء پر نفاذ اسلام کے حکومتی دعووں پر شک و شبہ کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔

بھٹو بچاؤ مہم

۱۹۷۹ء کے اوائل کا سلسلہ ہوا سیاسی مسئلہ یہ تھا کہ بھٹو کا انجام کیا ہوگا۔ وہ پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں میں مقدمات کا سامنا کر رہا تھا۔ اگرچہ پیپلز پارٹی کے پاس اس وقت بھی کافی لوگ تھے مگر قیادت کی غیر موجودگی میں کارکن بھٹکتے پھر رہے تھے اور ایسا کوئی راہنما موجود نہیں تھا جو ان کو راہ دکھاتا۔ احمدیہ مرکز لندن نے پیپلز پارٹی کی بقیہ قیادت سے رابطہ کیا کہ جنرل ضیاء کی مذمت کی جائے اور یورپ میں بھٹو بچاؤ مہم چلائی جائے۔ ایک آزاد پاکستانی خبر رساں ایجنسی ”پاکستان پریس انٹرنیشنل“ نے اپنے ایک مراسلے میں قادیانی محرکین اور پیپلز پارٹی کی جلاوطن قیادت کے درمیان اشتراک کے بارے میں قابل غور حقائق بیان کیئے۔

اس رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ یہودی لابی نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ افریقی و یورپی ممالک میں بھٹو کی حمایت میں ایک مہم چلائی جائے۔ جہاں شیخ فرڈیننڈ پور نیورٹی کے ایک یہودی پروفیسر نے قادیانیوں سے ملاقات کی ہے۔ جنہوں نے اسے پاکستان میں اسلامی حکومت کی مذمت کرنے کے سلسلے میں اس کی معاونت کرنے کی حامی بھری ہے۔ اطلاع میں کہا گیا کہ قادیانی کھلے عام پاکستان ٹوٹنے کی وکالت کرتے پھر رہے ہیں کیونکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ وہ ایک اسلامی ریاست میں نہیں رہ سکیں گے۔ یہودیوں اور قادیانیوں نے ۱۹۷۲ء میں بھٹو کو برسر اقتدار لانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہ بھی اس اطلاع میں درج تھا کہ وہ پاکستان میں اسلامی قوتوں کی طاقت سے خائف تھے۔ ان کے خیال میں ایک متحد پاکستان ان کے لیے خطرات کھڑے کر سکتا تھا۔ حل ایب میں قادیانی مشن کی طرف سے رنومات بھٹو کے ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے لیے فراہم کی گئیں مگر بھٹو کو اقتدار میں لانے اور پاکستان کو تقسیم کرنے کے مقصد کے حصول کے بعد قادیانیوں نے اپنے لیے بڑے حصے کا مطالبہ کیا جبکہ بھٹو کی طرف سے انہیں ہزیمت کے سوا کچھ نہ ملا۔^(۱)

پاکستانی پریس نے اس قادیانی۔ یہودی گٹھ جوڑ پر شدید رد عمل کا اظہار کیا اور

۱۔ ڈان کراچی 25 نومبر 1978ء، قادیانی مشن کے لیے علامہ حفیظ عظیمی رحمہ اللہ قادیانی کا دعویٰ جس نے پاکستان 5 نومبر 1978ء کو کھلا۔ اس نے اسے جس اثر انداز کیا اور لندن میں پیپلز پارٹی کی قیادت اور قادیانیوں کے مابین کسی اشتراک کو بھٹوت قرار دیا۔

اسرائیل میں قادیانی مشن کی کارکردگی معلوم کرنے کا مطالبہ کیا۔

جنگ کراچی نے اپنے ادارے میں پاکستان پریس انٹرنیشنل کے مراسلے میں دیئے گئے قادیانی یہودی روابط کے مسئلے پر تفصیلی تحقیقات کا مطالبہ کیا اور حکومت پر اسرائیل میں کام کرنے والے قادیانی مشن کے متعلق تحقیقات کی ضرورت پر زور دیا۔^(۱)

یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا کہ یہ مراسلہ جزوی طور پر درست تھا۔ اس موضوع پر لندن میں گفت و شنید ہوئی مگر فریقین کے مابین بد اعتمادی کی فضاء آڑے آ گئی۔ اسی دوران پاکستان پریس انٹرنیشنل کی خبر شائع ہو گئی جس سے آئندہ بات چیت کا امکان ختم ہو گیا اور کوئی بھی دوستانہ معاہدہ پروان نہ چڑھ سکا۔ بعض افراد نے اسے ضیاء حکومت کی بھٹو کے خلاف ایک مہم قرار دیا۔

فکر انگیز دستاویز

لندن میں قادیانی پیپلز پارٹی کے ساتھ ہم نوالہ اور ہم پیالہ ہو رہے تھے کہ پاکستان میں بد امنی پھیلانے کے ان کے منصوبے کو جماعت اسلامی نے بے نقاب کر دیا۔ امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد نے ایک اخباری بیان میں لوگوں سے کہا کہ وہ متحد ہو جائیں اور ان کی ہفتوں میں دراڑیں ڈالنے کے ربوہ کے منصوبے کو خاک میں ملا دیں۔ اس نے ہفت روزہ زندگی لاہور کے بارہ فروری ۱۹۷۹ء کے شمارے میں چھپنے والی حقائق پر مبنی ایک دستاویز کا حوالہ دیا جس میں قادیانیوں کی تیار کردہ ایک سازش کی تفصیل دی گئی تھی کہ پاکستان قومی اتحاد کو نقصان پہنچایا جائے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ اگلے چند ماہ میں ایک نیا قومی اتحاد بنے والا ہے۔ اس دستاویز میں یہ بھی انکشاف کیا گیا کہ بلوچستان میں انتشار پھیلانے والی قوتوں کی حمایت کی جائے گی۔ رسالے نے لکھا کہ جماعت کے پاس بالکل درست معلومات ہیں کہ قادیانیوں نے مولانا مودودی سے بدلہ لینے کا منصوبہ بنایا ہے کیونکہ ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر اقلیت قرار دلوانے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔^(۲)

۱۔ جنگ کراچی یکم دسمبر ۱۹۷۸ء۔

۲۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی ۱۹ فروری ۱۹۷۹ء۔

بھٹو کے بارے میں قادیانی پیش گوئی

قادیانی فوراً ہی بھٹو مخالف لابی کی طرف جھک گئے جب چار اپریل 1979ء کو بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔ معمول کے مطابق انہوں نے مرزا صاحب کی انجیل تذکرہ سے ایک پیش گوئی ڈھونڈ نکالی۔ بھٹو کو بدنام کرنے کے لیے اور اس کی شاندار تکمیل کو ثابت کرنے کے لیے مرزا ابامصر نے بڑی ہوشیاری سے اپنے پتے کھیلے۔

پندرہ روزہ آتش فشاں کو انٹرویو دیتے ہوئے ظفر اللہ نے کہا

”چھ فروری ۱۹۷۹ء کو جسٹس جاوید اقبال نے اسے ظہرانے پر بلایا۔ شیخ اعجاز احمد اور چوہدری

بشیر احمد (یہ دونوں قادیانی ہیں) اور اس وقت کے لاہور عدالت عالیہ کے چیف جسٹس مولوی

مشتاق بھی اس میں شریک تھے۔ ظفر اللہ نے مولوی مشتاق سے کہا کہ بھٹو جیسے ہی اپنی زندگی

کے باون ویس سال میں داخل ہوگا اس کے بعد زیادہ دیر اس دنیا میں نہیں رہے گا۔ وہ یا تو خود

کشی کر لے گا یا پھانسی پر لٹکا دیا جاوے گا یا آسمانی بجلی اسے ہلاک کر دے گی۔ اس کی موت کی

جو بھی وجہ ہو یہ طے ہے کہ وہ مہم جاتے گا۔ اس نے مولوی مشتاق سے گزارش کی کہ وہ اس دن

یعنی چھ فروری کو اگلے سال ۱۹۸۰ء میں یہ معلوم کرنے کے لیے ملیں کہ آیا بھٹو زندہ ہے، بھٹو کو

اپریل ۱۹۷۹ء میں پھانسی دے دی گئی جب چھ فروری ۱۹۸۰ء کو مولوی مشتاق ظفر اللہ سے ملا

تو ظفر اللہ نے اس پر واضح کیا کہ مرزا اعظام احمد کو ۱۸۹۱ء میں ایک الہام ہوا تھا جس میں یہ کہا

گیا تھا ”کلب بموت علی کلب جس کا مطلب ہے کہ وہ ایک کتا ہے اور کتے کے

اعداد ابجد پر مہر جائے گا۔ (لفظ کلب کے حروف ابجد کے مطابق باون بنتے ہیں جس کا مطلب

ہے کہ اس کی عمر باون سے تجاوز نہیں کر سکے گی) وہ اپنی زندگی کے باون ویس سال میں مر

جائے گا۔^(۱) چنانچہ مرزا کی پیش گوئی کے مطابق بھٹو مر گیا۔ پانچ جنوری ۱۹۷۹ء کو اس کی

اکیانوئیس سالگرہ منائی گئی۔ اور جیسے ہی وہ اپنی زندگی کے باونویس سال میں داخل ہوا اسے

چار اپریل ۱۹۷۹ء کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ (۱)

پہلے اس پیش گوئی کو مرزا محمود کے مخالفین نے اس کے مصلح موعود ہونے کے دعوے کو جھٹلانے کے لیے استعمال کیا جیسا کہ مرزا غلام احمد کی بیس فروری 1888ء کی مبینہ پیش گوئی میں دعویٰ کیا گیا تھا۔ ۱۹۳۰ء کے اوائل میں مرزا محمود اپنی عمر کے باونویس سال میں داخل ہوا وہ بارہ جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوا تھا۔ احمد یہ بلڈنگ لاہور کے شیخ غلام محمد نے جو کہ خود مصلح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا تھا ایک کتابچہ ”بیعت رضوان کی حقیقت“ لکھا اور مرزا صاحب کی پیش گوئی کی مطابقت میں ان کی وفات کی پیش گوئی کر دی۔ اس نے مرزا محمود احمد کو ایک دروغ گو۔ غیر مستقل مزاج اور ایک کلب قرار دیا جو باون سال کی عمر میں مر جائے گا۔ قادیانی جماعت نے اس کتابچے کی اشاعت کے خلاف شدید احتجاج کیا اور پنجاب کے گورنر اور چیف سیکرٹری کو بہت سی احتجاجی قراردادیں ارسال کیں اور اس کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ کیا۔ غلام محمد نے مرزا غلام احمد کی زوجہ محترمہ (کرشن مرزا کی گوی) نصرت جہاں بیگم صاحبہ کے خلاف بھی اپنے الہامات کی بناء پر ایک رسالہ تحریر کیا۔ (۲)

بعض قادیانیوں کے مطابق یہ پیش گوئی کی مرزا محمود احمد کلب (کتا) ہے اور کلب کی عذری ترتیب یعنی ۵۲ کے مطابق مرنا اس کے نصیب میں لکھا ہے پانچ نومبر ۱۹۶۵ء میں صحیح ثابت ہوئی۔ مرزا محمود فریب اور دغا بازی کے ذریعے مارچ ۱۹۱۳ء میں خلیفہ بنا تھا۔ اور مارچ ۱۹۶۵ء میں اپنی جھوٹی خلافت کے ۵۱ سال پورے کرنے کے بعد وہ اپنی خلافت کے باونویس سال میں داخل ہوا تو نومبر ۱۹۶۵ء میں بھیانک موت کا شکار ہو گیا۔

یہ بھی کہا گیا کہ مرزا غلام احمد سچے مدعی کے دعوے کے لیے تیس سال کا عرصہ مقرر کیا تھا۔ ایک سچے مصلح اور خدا کی طرف سے بھیجے گئے مصلح کی سچائی اور صداقت کو پرکھنے کے لیے مرزا محمود کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ انکا بھی وحی والہام کا دعویٰ تھا اور اپنے آپ کو مصلح موعود قرار دیتے تھے۔ اپنی پانچ جنوری ۱۹۳۳ء کی وحی کی بنیاد پر انہوں نے یہ دعویٰ کیا چونکہ

وہ ایک کاذب تھے۔ اس لیے وہ نومبر ۱۹۶۵ء میں اکیس سال بعد وفات پا گئے جو لوگ انہیں خدا کا بھیجا ہوا مصلح فضل عمر اور خدا کا مقرر کردہ خلیفہ کہتے ہیں ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے ان کی اذیت ناک وفات میں کافی سبقت ہے۔

چوبیسواں باب

افریقی مراکز.....سامراج کی سرحدی چوکیاں

مرزا محمود کی پاپائیت کے دوران افریقہ میں قادیانیوں کا پروگرام معتدل تھا۔ ۱۹۶۵ء میں ان کی موت کے بعد قادیانی جماعت کے تیسرے سربراہ مرزا ناصر احمد نے ایک پروگرام ترتیب دیا کہ افریقہ میں وسیع پیمانے پر تبلیغی مہم شروع کی جائے۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے فوراً بعد وہ افریقہ کے دورے پر چلے گئے اور افریقہ کی نو آزاد ریاستوں میں اسرائیل کی مدد سے سرایت کرنے کے امکانات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے آخری سالوں میں نئے مراکز کھولنے۔ تعلیمی اداروں کے قیام اور پولیس کو متحرک کرنے کے لیے بے تحاشہ رقم خرچ کی گئی۔

نو آبادیاتی افریقہ کی آزادی کے بعد اسے اپنے دائرہ اثر میں لانے کے قادیانی منصوبہ کا مطمح نظر مندرجہ ذیل نکات تھے۔

- (i) افریقہ کو بقیہ دنیا سے الگ کر کے اسے مستقبل میں ایک قادیانی۔ سامراجی۔ صیہونی دائرہ اثر میں تبدیل کر دیا جائے۔
- (ii) افریقی مرکز سے مشرق وسطیٰ میں سیاسی جارحیت شروع کی جائے۔
- (iii) مسلم افریقہ کا کردار تبدیل کر کے اسے ایک قادیانی کمین گاہ میں تبدیل کر دیا جائے اور اس سے سامراجیت اور صیہونیت کی ایک چوکی کا کام لیا جائے۔
- (iv) احمدیت کے مخالف عرب ممالک میں احمدیت کا پیغام پھیلا یا جائے۔

(5) قادیانی ڈاکٹروں - اساتذہ اور دیگر ماہرین کو ملازمتیں دلائی جائیں اور صیہونیوں کی پشت پناہی سے چلنے والی کثیر الاقوامی کمپنیوں اور صنعتی اداروں سے معاشی مفادات حاصل کیے جائیں۔ اسرائیلی نجی کمپنیاں تعمیراتی - انجینئرنگ - سیاحت کی ترقی کے کاموں میں مصروف تھیں۔ انہوں نے قادیانی ٹولے کو افریقہ میں پرکشش ملازمتیں مہیا کیں۔

(6) سامراجیوں اور ان کے اسرائیلی مرہبوں کے اشتراک سے افریقہ کے ترقی پذیر ممالک کی دولت کو لوٹنا۔

(7) افریقی ریاستوں کے ابھرتے ہوئے نوکر شاہی کے ڈھانچے میں قادیانیوں کو جگہ دلوانا تاکہ وہ ان کے معاشی معاملات اور خارجہ حکمت عملی میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر سکیں۔
نوٹیل کنگ کہتا ہے کہ

”مذہب کے میدان میں احمدی عیسائیت کے لیے انتہائی اچھے ثابت ہوئے ہیں کہ وہ اس کی تطہیر کر رہے ہیں کہ وہ اپنی ناقابل اعتراض چہرہ دکھاتے ہیں۔ دوسری طرف انہوں نے افریقہ کے سنی مسلمانوں کو بری طرح تنہا کر دیا ہے۔ افریقہ کے کئی حصوں میں مسیح موعود (مرزا صاحب) کے لیے نئے احمدی (بھیڑیں) چوری کمرے اور مسلمانوں کے اتحاد کو بے رحمانہ طریقے سے توڑ کر وہ یہ کام کر رہے ہیں۔ پاکستان جو کہ اب ان کا مرکز ہے اس میں سنی مسلمان ان کے خلاف اس قدر مشتعل ہیں کہ وہ ان پر تشدد اور بعض کو قتل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ افریقی مسلمانوں کی بھی اب یہ شدید خواہش ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کریں۔“ (۱)

افریقہ میں وسیع پیمانے پر احمدی تبلیغی پروگرام کی زیادہ تر مالی امداد خفیہ مددات سے ہوتی ہے۔ جو بعض انٹیلی جنس ایجنسیوں کی طرف سے ربوہ کے لیے مختص کیئے گئے ہیں۔ کچھ تنظیمیں ہالینڈ - جرمنی - سکیٹلینڈ - نیوین ممالک اور افریقہ کے دوسرے علاقوں میں قادیانی تنظیموں کو مالی امداد اور سرپرستی مہیا کرتی ہیں۔ یہ چند بے لندن کے تنکوں میں جمع کرا

دیئے جاتے ہیں اور لندن کا مرکز انہیں آگے مراکز میں ان کی ضروریات اور شروع کیئے گئے پروگراموں کی نوعیت کے حساب سے تقسیم کرتا ہے۔

افریقہ میں احمدی مراکز کے پر فریب پروگراموں کا صحیح تعارف آدم محمد ترورے نے کرایا ہے جو الجہاد بین الاقوامی اسلامی تحریک کے عثمان یونٹ کے بانیوں میں سے ایک ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں۔

”آج عالمی یہودیت افریقہ میں قادیانیوں کو ان کے اسرائیلی مشن کے ذریعے مدد فراہم کرنے میں جتنی سرگرم ہے اتنی آج سے پہلے کبھی نہ تھی۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالف جتنی ایجنسیاں اور قوتیں پائی جاتی ہیں صرف اس واحد مقصد کی خاطر قادیانیوں کو ہر ممکن مدد بہم پہنچا رہی ہیں کہ مسلمانوں کے استحکام کو پادہ پادہ کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ سے اطاعت و محبت کو ختم کیا جائے اور اگر وہ مسلمانوں کے اسلامی میں عقیدے کو ختم نہ کر سکے تو پھر کم از کم انہیں ان عقائد کے مطالب و معانی میں تحریفات و تہدیلیاں کر دینی چاہئیں جن پر مسلمان یقین رکھتے ہیں۔ گھانا اور نائیجیریا میں آج قادیانیت اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک خطرہ بن چکی ہے اور یہ سب کچھ برطانوی سامراجیوں اور اسلام کی دیگر مخالف قوتوں کی بدولت ممکن ہو سکا ہے۔ ان معاندین نے قادیانیوں کو اس وقت اپنی مکمل مدد فراہم کی جب نوآبادیاتی نظام کی شروعات تھیں اور قادیانیوں کی مدد کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار کیا جو وہ کر سکتے تھے تاکہ قادیانی عیاری اور مہارت کے ساتھ مسلمانوں کو حقیقی اسلام سے دور کر سکیں۔ گھانا کو قادیانی تحریک کے ہیڈ کوارٹر کے طور پر چنا گیا کیونکہ اس نے سامراجیت اور نوآبادیاتی نظام سے آزادی حاصل کرنے کے لیے منفرد انداز میں جنگ لڑی تھی۔ گھانا اور مغربی افریقہ میں مکمل طور پر برصغیر کی قادیانی تحریک کے بارے میں لاعلمی اور مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ انہوں نے اس چیز کو بھی نوٹ کیا کہ مغربی افریقہ میں عمومی طور پر اور گھانا میں خصوصی طور پر مسلمان سنی العقیدہ اور حضرت امام مالکؒ کے پیروکار ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے دلوں میں محبت رکھتے ہیں۔ خصوصاً عرب دنیا کے لیے وہ آپس میں

متحدہ بھی ہیں اور اپنے علاقے کی سیاسی تحریک میں ایک قوت کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ قادیانیوں نے ان تمام عوامل کو ہاتھوں میں لیا اور دوسرے عوامل کو بھی جیسے مسلمانوں کے مدارس و اداروں کی کمی۔ انگریزی و مقامی زبان میں اسلام کی محدود ترویج کی کمیابی اور نوجوانوں میں اسلامی تعلیمات سے دوری وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ برطانوی سامراجیوں نے گھانا کے مغربی علاقے سالٹ پونڈ میں قادیانیوں کو اپنے مرکز قائم کرنے میں مدد دی جہاں حال ہی میں تیل دریافت ہوا تھا اور یہ گھانا میں قادیانی تعلیمات کا مرکز بن گیا۔ سامراجیوں نے انہیں وہاں سکول۔ کالج۔ تبلیغی مراکز اور ہسپتال قائم کرنے میں مدد دی جو گھانا کے بالائی وسطی اور شمالی علاقوں میں قائم ہوئے۔ قادیانیوں نے دار الحکومت عکرمہ میں ایک پریس بھی لگایا جس سے وہ اپنا اخبار ”بی گائیڈنس“ نکالنے لگے۔ موجودہ حالات میں دشمنان اسلام قادیانی گھانا میں پانچ سے زائد رسالے شائع کرتے ہیں جو بڑی مہارت سے مسلمانوں کے درمیان نفرت و نا اتفاقی کے بیج بونے کے ساتھ ساتھ ان میں کفر پھیلا رہے ہیں۔ انہوں نے گھانا میں ایک ادارہ بھی قائم کیا ہے جہاں وہ پڑوسی ممالک سیرالیون۔ گیمبیا۔ آئیوری کوسٹ۔ ٹوگولینڈ وغیرہ سے مبلغین بھرتی کرتے اور ان کی تربیت کرتے ہیں۔ نائیجیریا اور گھانا میں ان کی سرگرمیاں اس مقصد کے لیے ہیں کہ وہ حکومت کے اندر سرانیت کر جائیں اور اعلیٰ حلقوں میں اپنے آپ کو ترقی پسند اور معتدل مسلمان ظاہر کر کے ان کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں۔ وہ سنی اکثریت کو غیر ترقی پسند اور رجعت پسند قرار دیتے ہیں اور عام شہریوں میں قومیت کے جذبات کو بھادے کر مسلمان معاشرے کے درمیان دھاڑیں ڈال رہے ہیں۔ وہ نئے قادیانی برہمن کو ”مقامی مسلمان کہتے ہیں اور سنیوں کو غیر مقامی کہتے ہیں اور وہ حکومت کو ہر وقت بھڑکاتے رہتے ہیں کہ وہ سنی امام نکال کر ان کی جگہ احمدی امام رکھے۔ وہ احمدیوں کو غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنے سے سختی سے منع کرتے ہیں اور اپنی جماعت اور مسلمانوں کے مابین شادیوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں اور اگر ان کو غیر مسلم کہا جائے تو شدید رد عمل ظاہر کرتے ہیں۔^(۱) قادیانیوں کی بڑی کمین گاہیں نائیجیریا۔ گھانا۔ لائبیریا۔ گیمبیا

اور جنوبی افریقہ میں موجود ہیں۔ یہ وہ ممالک ہیں جہاں سامراجیوں اور اسرائیلیوں کا شدید اثر و رسوخ ہے اور ان ممالک کے ساتھ اسرائیل کے دو طرفہ تعلقات بھی ہیں خصوصاً لائبیریا اور جنوبی افریقہ کے ساتھ۔“

نائبینجیریا:

یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء کو نائبینجیریا آزاد ہو کر دولت مشترکہ کا رکن بنا۔ تین سال بعد یہ جمہوریہ بن گیا۔ نائبینجیریا کی آزادی کے ساتھ ہی قادیانی مشن نے اس کی سیاست میں سرگرمی سے کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ جنوری ۱۹۶۶ء میں فوج نے ملک کا کنٹرول سنبھال لیا اور ایک ہر دلعزیز اور عربی وزیراعظم الحاج سربو بکر تقاویٰ بلیو کو قتل کر دیا گیا۔ قادیانیوں نے عیسائی مبلغین کے ساتھ مل کر ابوبکر تقاویٰ بلیو اور احمد بلو کے خلاف ایک گمراہ کن مہم شروع کر دی۔ ڈاکٹر سعید فواد نے نائبینجیریا کی سیاست میں ان کے گھناؤنے کردار پر بحث کی ہے۔^(۲) ”لے مونڈ“ اور ”پان آفریق“ پیرس کی ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۶ء کی فائلوں سے قادیانی برطانوی مذموم گٹھ جوڑ کے متعلق حیران کن حقائق ملتے ہیں۔ قادیانیوں نے افریقہ میں سرعام برطانوی ایجنٹوں کا کردار ادا کیا۔ تقاویٰ اور احمد بلو کی وفات پر صیہونیت کی حامی لائبیریا کی حکومت نے سرکاری طور پر اطمینان کا اظہار کیا۔ لائبیریا میں عیسائی مراکز نے سفارتی طور پر چپ سادھ رکھی مگر قادیانی اور بہائی مراکز نے اس پر خوشیاں منائیں اور اسرائیل کی پشت پناہی سے لائبیریا کی حکومت کے ساتھ اپنے عہد وفاداری کی تجدید کی۔^(۳)

۱۹۶۶ء کے بعد سے نائبینجیریا میں تین کامیاب اور کئی ناکام فوجی انقلاب وقوع پذیر ہوئے۔ ان تمام میں سب سے بڑا انقلاب ۱۹۶۷ء میں مشرقی علاقے سے فوجی گورنر جنرل

۱۔ آؤم جوہر نے ”مسلمان افریقہ کو قادیانی ارشد لو کے بنیوں سے بچاؤ“ الجہاد میں الاقوامی تنظیم کو کسی گمانہ جولا کی ۱۹۷۸ء ص ۶۳۔
۲۔ دیکھئے ڈاکٹر سعید فواد ”القرہ الافریقہ میں الحکام لیب الاستمارہ العوبہ اقراریری“ جلد ۶ ص ۱۱۳ تا ۲۲۱، ”کراندہ سلیمہ“ پریس ۱۹۶۸ء، ”کوالیٹت روزہ چٹان“ ۹ فروری ۱۹۷۰ء۔
۳۔ ایضاً

عوجو کوکا کا چیلنج تھا۔ اس نے علاقے کا وفاق سے تعلق ختم کرنے اور ”جمہوریہ بیافرا“ کے طور پر اس کی آزادی کا اعلان کیا۔ یہ ایک عیسائی ریاست تھی۔ مغرب جو کہ تانیجیریا کو اپنے دائرہ اثر کے مرکز کے طور پر خیال کرتا تھا وہ بیافرا کے عیسائیوں کی مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کا موقع ملنے پر خوش تھا۔ آخر کار بیافرا نے جنوری ۱۹۷۰ء میں مرکزی حکومت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ بیافرا کے بحران میں قادیانیوں نے عیسائی لابی کا ساتھ دیا ان کے مراکز نے اسرائیل اور سامراجی مفادات کے تحفظ کے لیے کلیدی کردار ادا کیا۔

جنرل یعقوب گوون نے خانہ جنگی میں کامیابی حاصل کر لی۔ مرزا ناصر نے اس کے ساتھ مراسم بڑھانے کی کوشش کی اور مئی ۱۹۷۰ء میں اپنے افریقی دورہ کے دوران اس کے ساتھ ملاقات کی۔ گوون نے مرزا صاحب کو بتایا کہ خانہ جنگی ایک فرد کی خواہش تھی اور اس نے باغی رہنما عوجو کوکا کو تنبیہ کی تھی کہ اس کے بیرونی پشت پناہوں کی علیحدگی کی تحریک کبھی کامیاب نہ ہوگی۔ مرزا ناصر نے سربراہ ریاست کے محل اور بردباری کی داد دیتے ہوئے کہا۔

”تانیجیریا میں بحران کے دوران ہم نے واقعات کا بغور جائزہ لیا ہے اور آپ کی سربراہی میں قوم کو صحیح رہنمائی میسر ہوئی ہے۔“^(۱)

”مارننگ پوسٹ“ لاگوں نے اپنے سترہ اپریل ۱۹۷۰ء کے شمارے میں لکھا

”احمدیوں کا یہ بھی منصوبہ ہے کہ وہ مغربی افریقہ میں لوگوں کو تعلیم دینے اور انہیں

اس سے رہنے کی تلقین کرنے کے لیے ریڈیو اسٹیشن قائم کیا جائے۔“^(۲)

تیل کی دولت سے مالا مال تانیجیریا ۱۹۷۳ء کی جنگ کے دوران عرب دنیا کے نزدیک آگیا اور اوپیک کا سرگرم رکن بن گیا۔ جولائی ۱۹۷۵ء میں یعقوب کا تختہ اس کے اپنے ایک رفیق کار نے اس بناء پر الٹ دیا کہ سول مسئلے کا فوجی حل ممکن نہیں۔ انہوں نے اکتوبر ۱۹۷۹ء تک عوامی حکومت اور جمہوریت کی بحالی کا پروگرام شروع کر دیا۔ جولائی

اگست ۱۹۷۹ء کے انتخابات کے نتیجے میں شیخو شہکاری نائیجیریا کا صدر بن گیا۔

اگست ۱۹۸۰ء میں مرزا ناصر احمد پھر نائیجیریا کے دورے پر گئے۔ انہوں نے اپنے دورے کے دوران بہت سے قادیانی مندوبین سے ملاقاتیں کیں اور ”فیڈرل پبلک ہوٹل“ لاگوس میں ایک پریس کانفرنس بھی کی۔ عرب دنیا کے مسائل۔ ایرانی انقلاب۔ اسلامی بغاوت وغیرہ کے متعلق ان سے کئی سوالات کیے گئے مگر انہوں نے کسی بھی سیاسی سوال کا جواب دینے سے احتراز کیا۔ اپنے دورے کے اصل مقاصد پر پردہ ڈالنے کی خاطر وہ اپنی بے وقت کی راگنی یعنی احمدیت کی ترقی۔ اسلام کو درپیش عیسائی چیلنج کو ہی لاپتے رہے۔^(۱) ایک سابق احمدی ڈاکٹر بالوغن^(۲) نے نائیجیریا کے قادیانی مرکز کے طریق کار اور سادہ لوح نائیجیریا کے باشندوں کو فریب دے کر قادیانی بنانے اور ارتدادی عقائد کی تشہیر کرنے پر بحث کی ہے۔ اس نے احمدیت سے توبہ کر لی اور افریقہ میں اس کے شیطانی کردار کے پردے چاک کر دیئے۔ اس سے کئی قادیانیوں کو اپنے ارتدادی عقائد پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ شمالی نائیجیریا میں کئی چھوٹی چھوٹی مسلمان تنظیمیں تھیں جنہوں نے احمدیت پر یلغار کی اور لوگوں کو ان کے مکروہ سیاسی عزائم سے خبردار کیا۔

گھانا

گھانا دوسرا ملک ہے جہاں سامراجی امداد سے قادیانیت پروان چڑھ رہی ہے۔ یہ پہلا ملک تھا جسے افریقہ میں پیش قدمی کی خاطر سب سے پہلے اسرائیلی امداد ملی۔ ۱۹۵۷ء میں آزادی کے حصول کے فوری بعد اس نے اسرائیل سے رسمی سفارتی تعلقات قائم کر لیے۔ اس وقت سے دونوں کے تعلقات مضبوط سے مضبوط تر ہوتے جا رہے ہیں سوائے ۱۹۷۳ء کے جب اسرائیل نے مشرق وسطیٰ میں جارحیت کا ارتکاب کیا۔

مغربی افریقہ کے دورے کے دوران مرزا ناصر نے بیس اپریل ۱۹۷۰ء میں گھانا

۱۔ الفرقان، یو جی ۱۹۷۰۔

۲۔ ڈاکٹر بالوغن، نائیجیریا میں اسلام بمقابلہ عیسائیت، ۱۹۷۷ء۔

کے صدارتی کمیشن کے چیئرمین بریگیڈیئر اے اے عارف سے خیر سگالی ملاقات کی جس نے نئے مراکز کے قیام کے سلسلے میں حکومت کی مکمل حمایت کی یقین دہانی کرائی۔^(۱) ناصر احمد گھانا کے سربراہ مملکت سے بھی ملے۔^(۲) ایک عشرہ سے بھی کم مدت میں گھانا میں دوسو پچاس شاخوں پر مشتمل قادیانی مشعوں کا ایک جال بچھا دیا گیا جسے اڑتالیس قادیانی چلار ہے تھے۔

”گھانا میں احمدیت کے تقریباً پانچ لاکھ پیروکار موجود ہیں یہ سات ٹانوی درجے کے سکول اور چار ہسپتال چلار ہے ہیں۔ زرعی شعبہ میں ایک ہزار ایکڑ زمین کا ٹکڑا زیر استعمال ہے جہاں خوراک کے لیے مکئی، گندم اور آلو وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔“^(۳) گھانا کا مشن اپنا اخبار ”گائیڈنس“ نکالتا ہے۔ جس کے تقریباً دس ہزار خریدار ہیں۔ حکومت اپنے ہیرون ممالک مظاہرہ نمائندوں کے لیے اس کی خاص تعداد خریدتی ہے۔“^(۴)

۱۹۸۰ء میں اپنے افریقی دورے کے دوران مرزا ناصر گھانا کے صدر حلا لیمان سے ملا اور باہمی دلچسپی کے کئی امور پر گفتگو کی۔ گھانا سے روانگی سے قبل وہ دوسری دفعہ صدر سے ملا اور ملک کی سنگین سیاسی صورتحال پر اس کے ساتھ بحث کی۔^(۵)

لائبیریا

افریقہ میں آزادی حاصل کرنے والا یہ پہلا ملک تھا اور یہ ملک طویل عرصے سے امریکی اثر و نفوذ کے تحت رہا۔ اس کے اسرائیل کے ساتھ ہمیشہ سے ہی قریبی تعلقات رہے ہیں۔

لائبیریا میں قادیانی مشن ۱۹۵۶ء میں قائم ہوا۔ اس سرزمین پر اسے غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی۔ احمدیت کی ترقی میں حکومتی امداد کے ساتھ اسرائیلی پشت پناہی کا بھی

۱۔ Africa Speaks ص 33۔

۲۔ افریقان ریویو جون 1970ء۔

۳۔ ریویو آف ریجنل ٹیڈن دسمبر 1983ء۔

۴۔ جنوبی افریقہ میں احمدیت کی تاریخ تھمبہچہ۔ ریویو دسمبر 1978ء۔

۵۔ افریقہ ص 434۔

اہم کردار ہے۔

۱۹۷۰ء میں جب مرزانا ناصر احمد اپنے افریقی دورے پر تھا تو لائبیریا کے صدر ٹوبہمین نے اسے سرکاری مہمان کا درجہ دینے رکھا۔ صدر کی دعوت پر اس نے دوروزہ سرکاری دورہ کیا۔ صدر کے خصوصی نمائندے کرنل ہنری آرگوسن نے اس کا ہوائی اڈے پر استقبال کیا۔ اپنی آمد پر مرزانا ناصر نے کہا کہ اگرچہ یہ ان کی پہلی ملاقات ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ وہ اور صدر ٹوبہمین ایک دوسرے کو عرصے سے جانتے ہیں۔ انہوں نے صدر کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ وہ اچھے دل و دماغ کا آدمی ہے جس پر قوم کو فخر ہونا چاہئے۔ اکتیس اپریل کو ایگزیکٹو مینشن میں انہوں نے صدر کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کی۔ صدر نے لائبیریا میں ایک سوائیکٹرز مین کے حصول کے لیے احمدیوں کی درخواست بھی مان لی۔^(۱)

مانورویا میں لبنانی سفیر بھی مرزانا ناصر احمد کو ملا اور ان کے ساتھ کچھ افریقی معاملات سکے بارے میں تبادلہ خیال ہوا۔^(۲) حکومت لائبیریا نے دارالسلطنت سے تقریباً سو میل دور سانویاں کے مقام پر رسمی طور پر ۱۹۷۳ء میں احمدی مشن کے لیے ایک سو پچاس ایکٹرز مین عطا کر دی۔ حکومت کی مدد سے وہاں ہائیک سکول قائم کیا گیا۔ وزیر تعلیم اے ہوف نے اس کا افتتاح کیا۔^(۳) پریس نے اس تقریب کی خوب تشہیر کی۔

اسرائیل دوسری افریقی ریاستوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے لیے سفارتی سطح پر لائبیریا قادیانی مرکز کو کھل کر مدد دیتا ہے۔ اس سرزمین پر قادیانیت کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لیے معاشی پروگراموں کے لیے بھی امداد دی جاتی ہے۔

گیمبیا

گیمبیا مغربی افریقہ کی پہلی برطانوی نوآبادی تھی۔ احمدیہ تحریک نے ۱۹۵۵ء میں جڑ پکڑ لی تھی مگر گیمبیا میں باقاعدہ مبلغ ۱۹۶۱ء میں پہنچا۔ وہاں پر مشن کے قیام کے لیے اسرائیل

۱۔ Africa Speaks '52۔

۲۔ افریقان ریویو جون ۱۹۷۰ء۔

۳۔ الفضل ریویو ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء۔

میں سابق قادیانی مبلغ اسرائیل چوہدری محمد شریف (۵۶-۱۹۳۹ء) کو اس کا ۱۹۶۱ء میں انچارج مقرر کیا گیا۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ چوہدری محمد شریف وہ بدنام زمانہ برطانوی اسرائیلی ایجنٹ تھا جس نے فلسطینیوں کے لیے بہت سے مصائب کھڑے کیئے تھے۔ گیمبیا میں اپنی ذمہ داری سنبھالنے سے قبل وہ بیروت میں قیام پذیر رہا اور بعد میں اپنے پرانے رفقاء کاڑ سے ملنے کے لیے شام چلا گیا۔^(۱)

مرزا ناصر احمد ۱۹۷۰ء میں گیمبیا گیا۔ گیمبیا کے سابق گورنر جنرل اور ایک نئے قادیانی الحاج سنگھانے نے اس کے اعزاز میں عیشائے دیا۔ وہ گیمبیا کے صدر سرداؤد جوارا سے ملا اور باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا۔^(۲)

جنوبی افریقہ:

مشرق وسطیٰ اور افریقہ دونوں میں اسرائیل کا کردار سامراج کے ایک آلہ کار کا تھا جس کا کام تخریبی کارروائی کو جاری رکھنا۔ جارحیت کا ارتکاب کرنا اور سامراجیت کے مفاد اور اس کی امداد سے نسلی امتیازات کو فروغ دینا تھا۔ جنوبی افریقہ اور اسرائیل کا خفیہ گٹھ جوڑ پریس میں زیر بحث موضوع رہے۔ ۱۹۷۵ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد منظور کی۔ جس میں صیہونیت کو نسل پرستی کے مترادف قرار دیا۔ اگلے ہی سال اقوام متحدہ نے ایک اور قرارداد منظور کی اور اسرائیل اور جنوبی افریقہ کے بڑھتے ہوئے تعلقات کی مذمت کی۔ اسرائیل نے سی آئی اے کے ساتھ مل کر اقوام متحدہ کی پابندیوں کے باوجود جنوبی افریقہ کو جدید ترین ہتھیاروں کی فروخت کے لیے اہم کردار ادا کیا۔ اس نے جنوبی افریقہ کو نمیبیا پر قبضے اور انگولا پر حملے میں بھی مدد کی۔

۱۹۶۰ء کی دہائی کے اوائل سے جنوبی افریقہ میں سامراجی امداد کے ساتھ قادیانیت پروان چڑھ رہی تھی۔ ۱۹۶۳ء میں حکومت کی پابندیوں کی وجہ سے ربوہ سے کوئی احمدی مبلغ

۱۔ افضل ربوہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء۔

۲۔ الفرقان ربوہ جون ۱۹۷۰ء۔

وہاں نہ جاسکا۔^(۱) مقامی احمدی جماعت نے ربوہ کی زیر ہدایت اپنا کام جاری رکھا۔ نومبر ۱۹۶۷ء میں ڈربین کی میمن برادری کے ایک شخص نے سر ظفر اللہ کو جو اس وقت بین الاقوامی عدالت انصاف کا جج تھا جنوبی افریقہ آنے کی دعوت دی۔ جب وہ کیپ ٹاؤن پہنچا تو مقامی مسلمان تنظیموں نے تینتیس ہزار مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے اس کے دورے کے خلاف احتجاج اور اس کا مقاطعے کرنے کا فیصلہ کیا۔ جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت کے ساتھ پاکستان کے کوئی سفارتی تعلقات نہ تھے۔ ظفر اللہ ایک ایسے ہوٹل میں ٹھہرا جو صرف گوروں کے لیے مخصوص تھا۔ اس نے لمبے چوڑے سفر کیے بہت سے لوگوں سے ملا اور گفت و شنید کی جن میں اس وقت کا وزیر اعظم اور بعد میں جنوبی افریقہ کا صدر ڈاکٹر ورنر بھی تھا۔ بلوم فائن میں وہ عدالت عظمیٰ میں بھی بیٹھا اور وہاں ایک اپیل کی سماعت کے دوران دلائل سنے۔^(۲) اس نے جنوبی افریقہ کے چیف جسٹس کے ساتھ ایک ظہرانے میں شرکت کی۔ ایک پریس کانفرنس میں اس نے حکومت کے دوستانہ رویہ پر اس کا شکریہ ادا کیا اور یقین دہانی کرائی کہ وہ پاکستان اور جنوبی افریقہ کے درمیان تعلقات کے فروغ کے لیے اپنی بہترین کوشش کرے گا۔ اس سے قبل ظفر اللہ جو ہمبرگ میں ٹھہرا۔ شہر کے گورے سفید فام میئر نے اس کو استقبال دیا۔ کیپ ٹاؤن میں قادیانی جماعت کے ایک سرکردہ رکن شیخ ابو بکر نجار نے اس کے اعزاز میں ایک عشاءِ بے دیا جس میں بہت سے گورے اور چند ایک کالے شہریوں نے شرکت کی۔ ظفر اللہ کہتا ہے کہ

”کیپ ٹاؤن میں اسے مختصر احمدی جماعت کے ارکان سے ملنے کا موقع ملا جو کہ واقعی زمین کا

ایک دوسرا کونہ ہے جس تک خدا کے حکم سے مسیح موعود کا پیغام پہنچایا گیا ہے۔“^(۳)

ظفر اللہ نہ تو حکومت پاکستان کا نمائندہ تھا نہ ہی اسے اس چیز کا اختیار سونپا گیا تھا کہ وہ پاکستان کی اس نسل پرست انتظامیہ کے ساتھ تعلقات کو فروغ دینے کی بات کرے جسے پاکستان نے تسلیم تک نہیں کیا تھا۔ اس کے بیانات نے پاکستان کے لیے سیاسی مسائل

۱۔ مرزا مبارک احمد، ”تبلیغ اسلام“ ربوہ ۱۹۶۴ء میں ۱۰۔

۲۔ ظفر اللہ، ”دہائی“ سروش آف کلا ۲۸۱: ۲۸۸۔

۳۔ ایضاً۔

کھڑے کر دیئے۔ افریقہ کے ممالک میں سامراجی حکمت عملی کی مطابقت میں وہ قادیانیوں کی اس خواہش کو منظر عام پر لے آیا کہ جنوبی افریقہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیئے جائیں۔ جنوبی افریقہ میں قادیانی اور لاهوری گروپ سامراج کی مدد سے کام کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے انہیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مولانا الیاس برنی کی کتاب ”قادیانیت“ کے تلخیص شدہ ایڈیشن نے ان جماعتوں کو بے نقاب کیا۔ جنوبی افریقہ کی موثر یہودی جماعت قادیانی جماعت کو اپنے مکروہ سیاسی مقاصد کے لیے آگے کرتی رہتی ہے اور مسلمانوں کے تمام طبقوں اور حلقوں کے درمیان دراڑیں پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ اسرائیل کی طرح جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت قادیانیوں کے لیے جنت کی حیثیت رکھتی ہے۔ قادیانیوں نے جنوبی افریقہ کی نسلی امتیاز یا پر تشدد حکمت عملی کی کبھی مذمت نہیں کی۔ وہ اس ملک کے لیے خصوصی محبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ مرزا غلام احمد نے انیسویں صدی کی توسیع پسندانہ جنگوں میں برطانیہ کی کامیابی کی دعائیں کی تھیں۔

سیرالیون:

سیرالیون اور آئیوری کوسٹ کی ریاستوں میں ایک معتدل سائیلیفی پروگرام جاری تھا۔ ۱۹۷۰ء میں جب مرزا ناصر احمد فری ٹاؤن پہنچا تو سیرالیون کے وزیراعظم کی جانب سے ڈپٹی وزیر دفاع نے اس کا سرکاری طور پر استقبال کیا تھا۔ وہ سٹیٹ ہاؤس میں گورنر جنرل بور جاتجان سی سے ملا اور باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا۔ اس کے بعد وہ سیرالیون کے سربراہ مملکت ڈاکٹر سیاکا۔ پی۔ سٹیونز سے بھی ملا۔ احمد یہ مشن نے اس کے اعزاز میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا جس میں وزراء مملکت۔ پیراماؤنٹ چیف۔ اراکین پارلیمنٹ کے علاوہ فرانس۔ لبنان۔ تانجیریا اور گیمبیا کے سفیروں نے شرکت کی۔ سیرالیون کے قائم مقام گورنر جنرل نے بھی اس کے اعزاز میں ایک سرکاری استقبالیہ کا اہتمام کیا۔^(۱)

بنیاد پرستی کے خلاف فسیل

مئی ۱۹۷۰ء میں مغربی افریقہ کے ممالک کے دورے کے اختتام پر مرزانا صر لندن پہنچے اور نصرت جہاں منصوبے کا اجراء کیا۔^(۱)

انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اس منصوبے کا القاء خدائی منصوبے کے مطابق ہوا ہے اس کا مقصد جنوبی افریقہ میں احمدیہ تحریک کی سرگرمیوں کو پھیلانا ہے اور ہسپتالوں اور سکولوں کی ایک معتد بہ تعداد قائم کرنی ہے۔ جب وہ برطانیہ سے روانہ ہوئے تو چندے کی مد میں ساڑھے دس ہزار پونڈ کی رقم جمع ہو چکی تھی اس کے علاوہ برطانیہ کے احمدیوں نے اس مد میں چالیس ہزار پونڈ سے زیادہ جمع کرانے کا وعدہ کیا۔ نصرت جہاں منصوبے کے تحت مرزانا صر نے مغربی افریقہ - گھانا - نائیجیریا - سیرالیون اور گیمبیا میں مراکز صحت اور ثانوی درجے کے سکولوں کے قیام کے لیے پچیس لاکھ روپے کی رقم مقرر کی۔ قادیانی تنظیموں سے کہا گیا کہ ۱۹۷۶ء تک وہ ایک محفوظ فنڈ کے لیے ساڑھے تین لاکھ روپے اکٹھے کریں۔^(۲)

مرزانا صر احمد نے جولائی ۱۹۷۹ء میں تیسرا یورپی دورہ شروع کیا وہ یورپ کی اہم سیاسی شخصیات سے ملے اور افریقہ کے اہم علاقوں میں تبلیغی سرگرمیوں کے مستقبل کے بارے میں متبادلہ خیال کیا۔ موجود مراکز کی کارگزاری کا جائزہ لیا اور غیر معروف ذرائع سے حاصل ہونے والے چندوں سے افریقی اور یورپی مراکز کے لیے رقم مختص کی۔

دورے کے دوران پریس کے کچھ نامہ نگاروں نے ان کو احمدیہ تبلیغی سرگرمیوں کے لیے ذرائع آمدنی کے حصول سے متعلق سوالات کیے۔ انہوں نے واضح کیا کہ باقاعدہ عطیات کے علاوہ جماعت رضا کارانہ طور پر بھاری تعداد میں ضرورت کے تحت مالی امداد فراہم کرتی ہے۔ احمدیہ گروپ یورپی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور احمدیہ جماعت پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا۔

سوئٹزرلینڈ میں پریس کانفرنس کے دوران انہیں چند دیگر سوالات بھی پوچھے گئے۔

۱۔ سوئٹزرلینڈ ۱۷ نصرت جہاں نمبر۔ مجلس خدام احمدیہ کراچی ص 32۔

۲۔ الفضل ربوہ 10 دسمبر 1976ء۔

سوال پوری دنیا میں کتنے احمدی مسلمان ہیں؟

جواب ہم نے کبھی مردم شماری نہیں کی مگر میرا خیال ہے کہ وہ ایک کروڑ سے کم نہیں۔

سوال کیا آپ نے اشتراکی ممالک میں بھی اپنے مشن قائم کرنے کی کوشش کی ہے؟

جواب ان اشتراکی ممالک میں جو اپنے شہریوں کو کچھ مذہبی آزادی دیتے ہیں ان میں

ہماری جماعت کے چند ارکان موجود ہیں کچھ ممالک میں ہم نے اپنے مبلغین بھیجے

مگر انہیں وہاں تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ وہ

اسلامی تعلیمات سے خائف ہیں۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ روس میں

احمدیہ جماعت کے بانی کو اس علاقے میں احمدیوں کی بہت بڑی تعداد رویا میں

دکھائی گئی اور یہ تعداد اتنی بڑی تھی جیسے کہ کسی ریٹلی جگہ پر ریت کے ذرے ہوں۔

سوال حکومت پاکستان کے ساتھ آپ کے کس قسم کے تعلقات ہیں؟

جواب بہت برادرانہ تعلقات ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہر مسلمان کو اپنے ملک کی

حکومت کا وفادار ہونا چاہئے۔ ہم ایک مذہبی جماعت ہیں اور کسی بھی سیاسی

جماعت کا آلہ کار بننا پسند نہیں کرتے۔^(۱)

صد سالہ تقاریب

۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ نے مشرق وسطیٰ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ اس کے

اثرات افریقہ پر بھی پڑے۔ کئی افریقی ممالک عربوں کے حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے

اور انہوں نے اسرائیلی توسیع پسندی کی مذمت کی۔ ۱۹۷۳ء کے آخری مہینوں میں اسرائیل

کی افریقہ کے متعلق حکمت عملی اس بنیاد پر استوار تھی کہ جہاں ضرورت ہو وہاں عرب اثر کو

براہ راست عسکری اعانت اور براہ راست مداخلت کے ذریعے روکا جائے۔ افریقی عرب

تعلقات کو کمزور کرنے کے لیے اسرائیل نے افریقہ میں ایک مضبوط معاشی اڈے کے

حصول کے لیے جو کچھ کیا اس میں اسے امریکہ کی مکمل آشریاد حاصل تھی۔ اسرائیل کی یہ بھی

خواہش تھی کہ غیر عرب افریقی ممالک میں سفارتی امداد حاصل کی جائے تاکہ اسے عرب اتحادی تنظیم اور اقوام متحدہ میں عربوں کے خلاف استعمال کیا جاسکے۔

عرب اسرائیل جنگ کے بعد مرزا ناصر احمد نے ۱۹۷۳ء کے سالانہ اجتماع میں ایک اور پرجوش اعلان کیا کہ جماعت کی صد سالہ تقریبات منائی جائیں گی اور اس کے لیے انہوں نے ڈھائی کروڑ روپے اکٹھے کرنے کا ہدف مقرر کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۷۳ء کی جنگ کے بعد تمام افریقی ریاستوں نے جنوبی افریقہ اور اس کے زیر اثر ریاستوں (بوٹسوانا، لیسوتھو، سوازی لینڈ اور ملاوی) کے علاوہ اسرائیل سے تعلقات ختم کر لیے اور افریقہ کے ساتھ اسرائیل کی سابقہ طویل رومانیت ختم ہوتی نظر آنے لگی۔

سال ۱۹۷۴ء میں پاکستان اور بیرون ملک قادیانی انتہا پسندی کے خلاف ایک بے مثال لاواپھٹ پڑا۔ ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم نے لوگوں کو کم از کم احمدیت کے تخریبی اور نفرت رساں سیاسی کردار سے آگاہ کر دیا تھا اور اس کے مذہبی عقائد کو بے نقاب کر دیا تھا۔ اپنے بیرون ملک ڈمگاتے قبیحین کو تشفی دینے کے لیے مرزا ناصر نے ۱۹۷۵ء میں مغربی یورپ کا دورہ شروع کیا تاکہ پاکستان کی قومی اسمبلی کی طرف سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کے اثرات کا جائزہ لیا جائے۔ ان کو علم ہو گیا تھا کہ ان کے متحس اور پریشان پیروکاروں کو مطمئن کرنا کتنا مشکل ہے لہذا انہیں مغربی یورپ سے نکلتے ہی بن پڑی۔ اگلے سال انہوں نے امریکہ - کینیڈا اور یورپ کا دورہ کیا تاکہ اپنے آقاؤں کے چرن چھونے کے ساتھ ساتھ احمدیہ مشعوں کی کارکردگی کا جائزہ لے سکیں اور نئے ذرائع آمدنی تلاش کر سکیں۔ بیرون ملک آقاؤں سے تعلقات مضبوط بنا سکیں اور اپنے خلاف اٹھنے والی مخالفت کو دبا سکیں۔ اسلام مخالف قوتیں اٹھتی ہوئی اسلامی بنیاد پرستی کو روکنے کے لیے احمدیت کے لیے مخصوص کروار کا تعین کر چکی تھیں۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی کے وسط میں بہت سے مسلمان ممالک میں اسلامی قوانین کے نفاذ اور طرز زندگی کے بارے میں پرزور کوششیں ہو رہی تھیں۔ سوویت یونین کے کامل پر قبضے کے خلاف افغان مجاہدین کی مزاحمت۔ ایران

میں اسلامی انقلاب۔ شام کی اخوان الصفا تحریک اور ملائیشیا کی دعوت تنظیموں نے یورپ کی توجہ مبذول کر لی تھی۔ قادیانیت میں اتنا دم تھا کہ وہ اس بنیاد پرستی کے خطرے سے نکلنے کے لیے اس کا اپنا وجود اسلامی اقدار کی شکست و ریخت پر استوار تھا۔ اس نے افریقہ میں اپنی نام نہاد تبلیغی کارروائیاں جاری رکھیں اور ان ممالک میں بھی گھسنے کی کوشش کی جہاں مغربی اثر و نفوذ پہلے سے موجود تھا۔ مرزا ناصر احمد نے اپنا نام نہاد مشن کھولنے کے لیے ایک اور اہم ملک چین کو ہدف بنا لیا تھا اس موضوع پر ہم ذرا تفصیلی بحث کرتے ہیں۔

چین مشن

دوسری جنگ عظیم کے بعد مرزا محمود نے ۱۹۴۶ء کے وسط میں کرم الہی ظفر اور مولوی ظفر کو ہدایت کی کہ وہ لندن چھوڑ کر چین چلے جائیں۔ وہاں انہوں نے ایک مرکز قائم کیا جو براہ راست خفیہ پولیس کی زیر نگرانی تھا۔^(۱) کرم الہی نے ایک عطار کے بھیس میں خفیہ طور پر احمدیت کا پرچار کیا۔ تیس سال سے بھی زائد عرصہ تک احمدیوں نے بغیر کسی کامیابی کے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ۱۹۸۰ء میں حکومت چین نے یہ جاننے کے باوجود کہ احمدی عیسائیت مخالف نظریات کے حامل ہیں اور کیتھولک عیسائی ان پر شدید تنقید کریں گے احمدیوں کو کھلے عام مدد دینی شروع کر دی۔ حکومتی ڈھانچہ پر کلیسا کی پہلے ہی گرفت مضبوط تھی۔ چین میں قادیانیوں کو خصوصی مراعات سے نوازا گیا جبکہ حکومت کی جانب سے دیگر اسلامی تنظیموں کو سرد مہری کے جذبات کا سامنا کرنا پڑا۔ ”مجلس برائے مراجعت اسلام ہسپانیہ“ ہسپانوی نسل باشندوں کے تقریباً سونو مسلم افراد پر مشتمل تھی اور سالہا سال سے قرطبہ کی تاریخی مسجد کی بحالی کا مطالبہ کرتی چلی آرہی تھی جو کہ اب بھی کلیسا کی زیر ملکیت تھی۔ مسجد مسلمانوں کے لیے نماز کی خاطر کھلی نہیں تھی۔ چین میں مسلمان سفیروں اور اسلامی کانفرنس کے ارکان نے حکومت اور مذہبی حکام کے ساتھ اس معاملے کو اعلیٰ سطح پر اٹھانے کی کوششیں کی تاکہ مسلمانوں کے لیے کم از کم جمعہ اور عید کی نمازوں کی اجازت حاصل کر لی

جائے مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ میڈرڈ میں مسجد کی تعمیر کے لیے مسلمانوں اور سفیروں تک کو اجازت نہ ملی جس کے لیے کافی دیر سے بات چیت چل رہی تھی اور جس کی اشد ضرورت تھی۔^(۱) کیا وجہ تھی کہ کیتھولک غلبے والی سپین حکومت سے قادیانیوں کو اتنی زیادہ مراعات حاصل ہوئیں کہ وہ سپین میں مرکز کھول کر بیٹھ گئے۔

جب سپین کے قصبے پائیڈرو میں مرزا ناصر احمد نے ”مسجد“ کا سنگ بنیاد رکھا۔ پاکستان ٹائمز نے اس مسئلے پر ایک دلچسپ ادارہ لکھا۔ اسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

”سپین میں مسجد:

ایک پریس ریلیز کے مطابق جولاءِ ۱۹۸۰ء میں جاری کیا گیا قادیانی جماعت کے سربراہ نے سپین کے ایک قصبے پائیڈرو میں ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ حکومت سپین نے جو اس خاص ادارے کو اجازت دی ہے وہ اس لحاظ سے اہم ہے کیونکہ جہاں تک عمومی مسلمانوں کا تعلق ہے انہیں یہ استحقاق صدیوں سے حاصل نہیں تھا۔ یہ اس عظیم اثر کے بعد ہوا ہے جو علامہ اقبال کی طرف سے پیدا ہوا جب میڈرڈ نے لندن میں گول میز کانفرنس سے واپسی پر علامہ اقبال کو مسجد قرطبہ میں نوافل ادا کرنے کی اجازت دی۔ یہ تاریخی لمحہ اس عظیم شاعر کی ایک مشہور نظم میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا ہے۔

انفرادی رعایت جو کہ احمدیہ جماعت کو دی گئی اس کی وجوہات ڈھونڈنا کچھ زیادہ مشکل نہیں یہ اس کی تشکیل میں موجود ہے۔ قادیانی تحریک کی شناخت برطانوی راج کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ ہندوستان کے سیاسی حلقے جب خالص سیاسی بنیادوں پر اس کی مدد کرتے تھے تو قادیانی مذہبی سطح پر اس کو نہ صرف قانونی جواز بہم پہنچاتے تھے بلکہ اسے مقدس بھی ٹھہراتے تھے۔ بظاہر قادیانیت نے اپنے عقیدے کو ملکی امن کے نظریے پر استوار کیا ہے جو مسلمانوں کے تمام قواعد و ضوابط پر کاربند ہونے کی تاکید کرتا ہے جو کہ برسرِ اقتدار قوت کی طرف سے نافذ کیے گئے ہیں۔ اس بارے میں جو حکمت عملی اسلام مرتب کرتا ہے وہ اسلام کے علاوہ اور کوئی نہیں

۱۔ محمد صالح المنجد کا پاکستان ٹائمز کے نام خط لاہور 6 دسمبر 1980ء۔

ہوسکتی اور نہ صرف یہ ضروری ٹھہرتا ہے کہ یہ قوانین ان کی زندگیوں کو اپنے تابع کریں بلکہ ان کا حاکم بھی مسلمان ہونا چاہئے۔ قرآن کا یہ حکم اس معاملے میں ان کے لیے ضروری ہے کہ ”اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو“ ظاہری طور پر کوئی بھی غیر مسلمان کا حکمران نہیں ہوسکتا مگر قادیانیوں نے اس خدائی حکم کا یہ حصہ ”جو تم میں سے ہو“ حذف کر دیا۔ اس تحریف نے اسلامی اقدار کا سارا ڈھانچہ بگاڑ دیا۔ اس نے غیر مسلم حکمران کے لیے راستہ کھول دیا۔ انہیں برطانوی سلطنت میں عافیت محسوس ہوئی کیونکہ مسلمانوں کی حکومت سے صلح کرنے میں انہیں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بلاشبہ ولیم ہنٹر کو یہ تحریک دلائی گئی کہ وہ یہ چبھتا ہوا سوال اٹھائے ”کیا مسلمان مذہبی طور پر پابند ہیں کہ وہ ملکہ کے خلاف بغاوت میں اٹھ کھڑے ہوں“ چنانچہ قادیانی تحریک انگریزوں کے لیے ایک نعمت سے کم نہیں تھی جنہوں نے برصغیر میں اپنی حکومت کے دوران انہیں پوری سرپرستی مہیا کی۔ چنانچہ ایک مکمل طور پر غیر اسلامی نظریاتی ساخت کی ”نبوت“ ایجاد کی گئی تاکہ اس تصور کو سند عطا کی جاسکے۔

چونکہ قادیانی اسلام کے داعی ہونے کے دعوے دار تھے ان کی امداد اور اعانت وائسرائے کرتا تھا اور ایک مذہبی فنڈ قائم کیا ہوا تھا جو کلیساؤں کو رقم فراہم کرتا اور ملک کے اندرون و بیرون میں مذہبی انجمنوں کو باقاعدہ اسلامی فرقوں کا روپ دھارنے میں مدد دیتا۔ اس جماعت کو جو سرگرم سرکاری سرپرستی حاصل تھی اس سے اس نے ضرورت مند مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور بیرون ملک سہولتوں سے اس نے اپنے مشن قائم کیئے۔

قادیانی کردار آزادی کے بعد ختم نہیں ہو گیا۔ بد قسمتی سے اسلامی احیاء نے اس تحریک کو ایک نئی زندگی عطا کر دی۔ انتہا پسند اسلام کے فروغ نے عیسائی مغرب اور سوویت مشرق کو ہلا کر رکھ دیا۔ نہ صرف انہیں مسلمان اقوام کی بڑھتی ہوئی قوت اور شدت کا سامنا کرنا پڑا ہے بلکہ یہ اسلامی تعلیمات کی مذہبی تبلیغ کی معنایطیسیت کے بارے میں بھی بہت حساس ہیں۔ ایک تو یہ خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اگر ایک طرف اسلامی ممالک مضبوط ہو گئے اور دوسری طرف ان کی مسلمان آبادیوں نے غیر مسلم سرپرستی سے سرکشی کی راہ اختیار کر لی تو اس سے دنیا بھر میں

سیاسی تبدیلیوں کا آغاز ہو جائے گا۔

یہ طاقتور گروپ کوئی ایسی چیز تیار کر لیں گے جو اپنے اندر اسلام کی بالادستی مضبوط کر لیں گے۔ اس حوالے سے عقیدہ۔ اطاعت اور قادیانی تحریک نے جو سستی ان کے اندر بھردی ہے اس نے انتہائی اہم حیثیت حاصل کر لی ہے۔ یہ اس قسم کے اسلامی موقف کا پرچار کرنا چاہتے تھے۔ جتنا زیادہ اس کے پیروکاروں کی تعداد بڑھے گی اتنا بھر ہو گا۔ جبکہ ان کے پیروکاران کی حکومتوں کے مخالف نہیں تو ان کے دائرہ اختیار کے تحت مسلمان گروہ اطاعت پذیر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس جگہ اس جماعت کی موجودگی کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ انہیں یورپ افریقہ یا سوویت یونین میں قوت حاصل کرنے کے لیے خوش آمدید کہا گیا۔ دہلی سے آمدہ اطلاعات پہلے ہی ظاہر کر رہی ہیں کہ وہ اپنا وزن ہندوستان کے پڑے میں ڈال رہے ہیں جس طرح انہوں نے برطانوی ہندوستان میں کیا تھا اور اس کی وہی وجہ ہے کہ یہی ہوئی مسلمان رعایا کے درمیان سے وفادار بھرتی کئے۔ اس لیے یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ انہیں مسجد میں جمع ہونے کی اجازت دی گئی ہے جو کہ روایتی طور پر مغرب کے لیے ایک دروازے کی حیثیت رکھتا ہے۔“ (۱)

مسئلے کا آغاز

ستمبر ۱۹۷۷ء میں جب قومی اسمبلی اور سینٹ نے آئین کا دوسرا ترمیمی بل منظور کیا جس میں غیر مشروط ختم نبوت پر یقین نہ رکھنے والوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تو مسلمانوں نے اس پر کھل اطمینان کا اظہار کیا۔ یہ خیال کیا گیا کہ جو مسئلہ سو سالوں سے لنگ رہا تھا دہشتانہ طور پر حل ہو گیا ہے مگر احمدیوں کے دونوں گروہوں نے اس کا تسخیراڑایا۔ انہوں نے مسلمان ہونے پر اصرار کیا اور اندرون و بیرون پاکستان اپنے آپ کو یہی کچھ ظاہر کیا قانون سازی کی غیر موجودگی میں قادیانی اپنی عبادت گاہوں کو مسجدوں کا نام دیتے۔ اذان دیتے۔ مرزا غلام احمد کو نبی اور رسول کہتے اور مسلمانان عالم کو کافر قرار دیتے اور بڑی آزادی سے ام المومنین

اور صحابہ بھیسی مقدس اصطلاحات کا استعمال کرتے اور بڑے جوش و جذبہ سے اپنے عقائد کا پرچار کرتے۔

پنجاب کی مختلف عدالتوں میں ان کی مساجد کی نئی تعمیر اور غیر اسلامی عقائد کی پرزور تبلیغ کے خلاف مقدمات درج کرائے گئے۔ ایک مسلمان کے دائرے کیے گئے مقدمے میں: میرہ غازی خان کے سول جج نے عارضی حکم جاری کیا اور مدعا علیہان کو منع کر دیا کہ وہ متنازع جگہ کا نام مسجد نہ رکھیں اور اپنی عبادت کے لیے اذان مت دیں اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کی طرح رکوع۔ سجد اور قیام نہ کریں۔ قادیانیوں نے ڈسٹرکٹ جج کے پاس اس حکم کے خلاف اپیل دائر کر دی مگر حکم مورخہ انیس اکتوبر ۱۹۷۵ء کے تحت خارج ہو گئی۔ مرزا ناصر احمد کی ہدایات پر قادیانی پنجاب عدالت عالیہ میں اپیل میں چلے گئے۔ جس نے زیریں عدالتوں کے احکامات رد کر دیئے۔ بارہ نومبر ۱۹۷۷ء کو اپنے فیصلے میں لاہور عدالت عالیہ کے جسٹس آفتاب حسین نے عبدالرحمن مبشر بنام امیر علی شاہ میں یہ لکھا کہ احمدیوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی اطاعت کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہے اور اپنے مذہبی نظریات اور اداروں کی بابت انہیں مکمل آزادی حاصل ہے اور آئینی ترمیم نے ایسی کوئی بنیاد مہیا نہیں کی جس کی بنیاد پر عدالت احمدیوں کو اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہنے یا عبادت کے لیے بلانے یا اسلام کے مقرر کردہ طریقوں کے مطابق عبادت کرنے سے روک سکے۔ تاہم احمدیوں کے لیے اسی طریقے سے اپنے عقائد کی پیروی کرنے میں انہیں کوئی روک ٹوک نہیں ہے جس طرح آئینی ترمیم سے پہلے تھی۔ لاہور عدالت عالیہ کے فیصلے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ قادیانیت کی امتدادی اور اشتعال انگیز سرگرمیوں کو تکیل ڈالنے میں آئینی ترمیم بمشکل موثر ہے۔ اس چیز کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس سلسلے میں کوئی ٹھوس کارروائی ہونی چاہئے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے سرکردہ علماء نے اس مسئلے پر غور و خوض شروع کیا اور آئینی ترمیم کے موثر نفاذ کے بارے میں مہم شروع کر دی۔

قادیانیوں کے خلاف اس وقت کے جاری سیاسی حالات کی وجہ سے ایک بھرپور

عوامی مہم کے لیے حالات سازگار نہیں تھے۔ جنرل ضیاء نے ۱۹۷۳ء کے آئین کو سرد خانے میں ڈال کر تمام قسم کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی تھی۔ مارشل لاء کے ایک سال بعد تھوڑا سا معاملہ اس وقت طے ہوا جب حکومت نے پاکستان میں تمام غیر مسلم اقلیتی برادریوں کے لیے جداگانہ طرز انتخاب متعارف کروائے۔

جداگانہ طرز انتخاب

۱۹۷۸ء کے سولہ اور سترہ صدارتی احکامات حلقہ انتخاب کا دفعہ بندی کے (تریمی آرڈیننس ۱۹۷۸ء) اور انتخابی فہرستوں کے تریمی آرڈیننس ۱۹۷۸ء کے مطابق اقلیتوں کے لیے جداگانہ طرز انتخاب نافذ کر دیا گیا۔ انتخاب لڑنے یا کسی امیدوار کو ووٹ دینے کے لیے قادیانیوں کو اپنے آپ کو غیر مسلموں یعنی ہندو۔ سکھ۔ پارسی۔ بہائی وغیرہ کی انتخابی فہرستوں میں درج کروانا تھا۔ یہ ان کے لیے قابل قبول نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے آپ کو صحیح مسلمان قرار دیتے تھے اور مسلمانان عالم کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے پر مصر تھے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے نام بطور غیر مسلم رائے دہندگان درج نہیں کرائیں گے چنانچہ انہوں نے اپنے آپ کو حق رائے دہی سے محروم کر لیا۔ ۱۹۷۸ء کے سولہ اور سترہ صدارتی احکامات نے بحالی ۱۹۷۳ء آرڈر۔ ۱۹۸۵ء (آرٹیکل ۵۱ (۱-۳) ۶۲ (بی) کی رو سے آئینی حیثیت حاصل کر لی۔

اس حکم نے پاکستان کے انتخابات میں قادیانیوں کی مداخلتی قوت کو موثر انداز میں روک دیا۔ بیرونی قوتوں کی شہ پر جیسا کہ وہ ماضی میں سیاسی مداخلت کرتے آئے تھے خصوصاً ۱۹۷۱ء کے انتخابات جن کے نتیجے میں پاکستان کے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ رک گئی۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کی تحریک کے نتیجے میں حکومت نے قادیانیوں کو متعدد مقدس اصطلاحات۔ نبی کریم ﷺ سے متعلق متعدد القابات اور خطابات۔ خلفاء راشدین آنحضور ﷺ کی ازواج مطہرات کی اصطلاحات استعمال کرنے سے روکنے کے لیے ایک موثر قدم اٹھایا۔ ۱۹۸۰ء

کے آرڈیننس ۴۴ کا نفاذ کر دیا گیا۔ ستمبر میں تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۱۲۹۸ اے کا اضافہ کر دیا گیا اس کے مطابق ہر اس شخص کو قین سال قید کی سزا دی جا سکتی تھی جو تحریری یا زبانی الفاظ کے ذریعے۔ اور واضح اظہار یا تہمت۔ اشارے کنائے یا درپردہ الزام براہ راست یا بالواسطہ ان شخصیات کے ناموں کی توہین کرے گا۔ ان تمام اقدامات کے باوجود ہٹ دھرم قادیانی اپنی ضد پراڑے رہے اور مسلمانوں کے لیے بہت بڑی تاراجی اور غم و غصہ کا باعث بنتے رہے۔ حکومت نے ان کے متعدد درسائل و جرائد پر پابندی لگا دی مگر یہ قدم اتنی تاخیر سے اٹھایا گیا کہ ان پر کوئی خوف مسلط نہ ہو سکا۔ علماء نے کچھ سخت اقدامات کا مطالبہ کیا تا کہ ضیاء حکومت کے تذبذب کو ختم کیا جاسکے اور کوئی فیصلہ کن اقدام کیا جائے۔

ناصر کے دور کا خاتمہ

مرزا ناصر احمد نے احمدیہ ٹولے کی قیادت ۱۹۶۵ء سے ۱۹۸۲ء تک کی۔ انہوں نے نو جون ۱۹۸۲ء کو اسلام آباد میں حرکت قلب بند ہونے کے بعد وفات پائی۔ وہ اسلام آباد میں اپنے آئندہ دورے کے لیے سپین کے سفارت خانے سے ویزے کے حصول کی خاطر آئے تھے۔ ان کی لاش کو عارضی تدفین کے لیے ربوہ لے جایا گیا اور ہشتی مقبرے میں اس وقت تک کے لیے دفن کر دیا گیا جب تک ان کی حتمی تدفین قادیان میں نہیں ہوتی۔ مرزا محمود کے بنائے گئے انتخابی نظام کی مطابقت میں مرزا ناصر احمد کی تدفین سے پہلے پانچ سو افراد پر مشتمل ایک انتخابی مجلس نے نئے خلیفہ کا چناؤ کرنا تھا۔

مرزا ناصر کا دور بہت سی مشکلات سے بھرا ہوا تھا۔ اپنے اختیار کو مجتمع رکھنے کے لیے انہیں بہت سے مسائل سے براہ راست واسطہ پڑا۔ ان کے مسند اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد ربوہ میں ان کی ذات کے خلاف چند عناصر نے ایک مہم شروع کر دی جو بعد ازاں ملک کے دوسرے حصوں میں پھیل گئی۔ اس مہم کو فوری طور پر کچھ لو اور کچھ دو کی حکمت عملی کے تحت ختم کر دیا گیا لیکن یہ مکمل طور پر ختم نہ کی جاسکی کیونکہ احمدی اشرفیہ میں ان عناصر کو ایک اچھا مقام

حاصل تھا۔

مرزا ناصر نے اپنے والد گرامی مرزا محمود کی طرح ان احمدیوں کے خلاف دہشت گردی کا بازار گرم کیئے رکھا جو احمدیہ جماعت کے معاملات پر ان سے اختلاف کرتے تھے۔ ان پر تشدد کا تلوار حملہ۔ سماجی مقاطعہ اور تذلیل کے حربے آزمائے گئے۔ اپنی نجی محفلوں میں قادیانی منخرنین مرزا ناصر احمد کو ربوہ کا ”فیشن ایبل راسپیوٹین“۔ ”چنگیز خاں“ اور ”مقدس چکمہ“ وغیرہ کا نام دیتے۔^(۱)

ایک خفیہ تنظیم الفتح نے پاکستان کی قومی اسمبلی کے ارکان کو ستمبر ۱۹۷۲ء میں ایک سائیکلو سٹائلڈ کاغذ بھجوایا جن میں ہوم ڈیپارٹمنٹ ربوہ (امور عامہ) کی جانب سے بے گناہ احمدیوں سعادت علی۔ افضل۔ غلام حیدر۔ ناصر۔ عتیق اور بہت سے دوسروں پر قادیانی پوپ مرزا ناصر احمد کی ہدایات پر ڈھائے گئے متواتر مظالم کا ذکر کیا گیا تھا۔ انہوں نے قومی اسمبلی کے ارکان سے پرزور اپیل کی کہ ان کے ازالے کے لیے ربوہ کی یہ داستانیں اعلیٰ حکام کے نوٹس میں لائی جائیں۔

یہ الزام عائد کیا گیا کہ ربوہ محکمہ داخلہ کا انتہائی خطرناک ڈھانچہ ہے۔ یہ کہا گیا کہ بہت سے مالد اور قادیانیوں کے لیے یہ ایک عشرت کدہ ہے۔ یہاں سے پولیس اور رسول انتظامیہ کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ یہ ایک احمدی گستاپ ہے جو ایک احمدی ہٹلر کی زیر نگرانی کام کرتا ہے۔ نہ صرف مرزا ناصر کی ذات پر سخت الزامات اور ذاتی اتہامات لگائے گئے بلکہ ان کے اہل خانہ کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ افضل ربوہ نے پرانی رٹ لگائے رکھی اور باخبر قادیانیوں کو منافقین قرار دیتے ہوئے اس گروہ کو ان کے مذموم ارادوں سے خبردار کیا جن کا رخ ”مامور من اللہ“ خلیفہ کے خلاف سازشوں کا تانا بانا بن کر خلافت کو تہہ وبالا کرنا تھا۔^(۲) اخبار نے قادیانی وفاداروں کے چند گھسے پٹے مضامین شائع کیئے جن میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ شاہی نظام سب سے بہتر نظام ہے۔ انہوں نے مرزا ناصر کی دلکش تصویر کشی کی اور

۱۔ ترجمان الاسلام لاہور یکم ستمبر ۱۹۷۲ء۔

۲۔ بیس افضل ربوہ 18'19'29 مارچ کے شمارے اور ترجمان ربوہ مارچ ۱۹۷۲ء۔

احمد یوں کو نصیحت کی کہ وہ احمدیہ مخالف قوتوں سے خبردار رہیں۔ مرزا ناصر احمد کے وردی پوش ملازمین جو کہ شعبہ بازی کے ماہر تھے انہوں نے چند ماہ میں مخالفین کو خاموش کر دیا۔

ناصر احمد نے احمدیہ تحریک کو ایوب خان کے مطلق العنان دور حکومت میں کافی مضبوط کر دیا۔ یحییٰ حکومت بھی قادیانوں کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی۔ انہوں نے پاکستان اور افریقہ میں اپنی سیاسی دندہ بھئی تحریک میں شدت پیدا کی۔ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۳ء کے سالوں کے دوران مرزا ناصر نے اس اعانت کے باعث جو اسے زیادہ تر پیپلز پارٹی سے میسر ہوئی تھی اپنی جماعت کو سیاست میں سرگرمی سے ملوث کر دیا اور جماعت کے پرانے ارکان کو بین الاقوامی سازشوں کے اکھاڑے میں اتار دیا۔

مرزا ناصر احمد نے ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کو بے چارگی اور خوف کی نظر سے دیکھا۔ انہوں نے اپنے بیرون ممالک مراکز کو پاکستان اور بھٹو حکومت کے خلاف زبردست مہم شروع کرنے کی ہدایت کی۔ انہوں نے احتجاجی تحریک کے دوران عاقبت نااندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے بیرونی مداخلت کو دعوت دی اور حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لیے اپنے غیر ملکی آقاؤں سے رابطہ کیا۔ سامراجیت کی باقیات کی زندہ علامت ظفر اللہ نے اس تحریک کو بدنام کرنے کے لیے تمام واقعات کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کی طفل تسلی کے لیے مرزا غلام احمد کے خوابوں اور پیش گوئیوں کا سہارا لیا۔ احمدی جماعت نے ان تبدیلیوں پر گہرے الم کا اظہار کیا اور آئینی ترمیم دسمبر ۱۹۷۴ء کے باوجود اپنے مسلمان کھلوانے پر اصرار کیا۔ یہ ترمیم اگرچہ پوری طرح عمل میں نہ آئی لیکن تحریک پر ضرب کاری کا باعث ضرور بن گئی۔

۱۹۷۴ء کے بعد کے دور میں مرزا ناصر احمد پریشان حال جماعت کے ایک ناکام چارہ ساز بن کر رہ گئے۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے کے آخری سالوں میں ان کی صحت انتہائی بگڑ گئی۔ نئے احمدی بننے کا رجحان کم سے کم ہوتا گیا اور بیرون ملک نوجوانوں نے احمدیت کے

اسلامی کردار پر انگلیاں اٹھانا شروع کر دیں۔ تین دسمبر ۱۹۸۱ء کو ان کی محبوب بیوی محترمہ منصورہ بیگم صاحبہ کی وفات نے انہیں عظیم صدمہ پہنچایا۔ ان کی وفات کے بعد ان کو شادی کے کئی پیغامات موصول ہوئے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے چالیس دن تک خدا کی رضا کے لیے چلہ کاٹا۔ انہوں نے دو مقتدر قادیانیوں عبدالمالک اور فیصل آباد جماعت کے امیر شیخ مظہر احمد کو بھی ایسا ہی کرنے کا کہا۔ چند دن کے بعد انہوں نے خدا کی طرف سے دوسری شادی کی ”اجازت“ حاصل کی۔ مرزا ناصر احمد کے بیٹے مرزا القمان احمد نے اپنے باپ کو بتایا کہ ان کی والدہ محترمہ نے خواب میں بتایا ہے کہ ان کو چاہیے کہ عبدالمجید خاں کی بیٹی اور تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل پروفیسر نصیر احمد کی بہن محترمہ طاہرہ کے خاندان کو رشتے کا پیغام بھیجیں۔ اس طرح یہ پیغام بھجوایا گیا۔ محترمہ طاہرہ کی والدہ نے بیٹی کی رضا مندی معلوم کی۔ محترمہ طاہرہ نے انکشاف کیا کہ وہ پہلے ہی ایک خواب دیکھ چکی ہے جس میں اسے مطلع کیا گیا تھا کہ ایک ”شہنشاہی رتبے کا شخص“ اس سے بیاہ کرنا چاہتا ہے۔

”خدا کی مرضی“ کو ملوث کرنے کے بعد اور اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے اپنے پیروکاروں کے کشوف اور خوابوں کا سہارا لے کر انہوں نے چوبیس سالہ محترمہ طاہرہ سے گیارہ اپریل ۱۹۸۱ء کو دوسرا بیاہ کر لیا۔ جنسی کمزوری کو سہارا دینے کے لیے انہوں نے باقاعدگی سے ”زجاج عشق“ کا استعمال کیا۔ یہ ایک شہوت انگیز دوائی تھی۔ اس کے اجزاء مبینہ طور پر مرزا غلام احمد پر منکشف کیئے گئے تھے۔ کچھ قادیانیوں نے یہ الزام بھی عائد کیا کہ دوسری سہاگ رات کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے کے لیے انہوں نے ایک طاقت کی دوائی استعمال کی جسے حکیم نور الدین نے کشمیر کے ایک عیاش مہاراجہ کے لیے تیار کیا تھا۔ ان ادویات کے استعمال سے انہیں قلبی عارضہ لاحق ہو گیا اور اپنی نئی شادی کے دو ماہ بعد اپنی جماعت کو افسردگی اور انتشار کی حالت میں چھوڑ کر وہ اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

پچیسواں باب

مرزا طاہر مسند اقتدار پر

جونہی دس جون ۱۹۸۲ء کی صبح ربوہ میں مرزا ناصر کی وفات کی خبر پہنچی قادیانی خلافت کے امیروں کے درمیان جانشینی کی ایک شدید جنگ چھڑ گئی۔ ربوہ کی گدی پر قبضہ جمانے کے مسئلے نے مرزا ناصر کی تدفین کے معاملات پر فوقیت حاصل کر لی۔ انتخابی مجلس کے ربوہ کی ایک عبادت گاہ میں عجلت میں بلائے گئے اجلاس میں مرزا طاہر اور اس کے سوتیلے بھائی مرزا رفیع احمد کو ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار دیکھا گیا۔ مرزا طاہر کے اہل خانہ اور قادیانی نوجوان مرزا طاہر کی خلافت کے حامی تھے جبکہ چند بڑے قادیانی اور منحرف قادیانیوں کا ایک گروپ مرزا رفیع احمد کا حامی تھا۔ اس انتخابی مقابلے کے دوران مرزا رفیع احمد کچھ کہنے کے لیے اٹھے مگر انہیں ایک لفظ بھی کہنے نہ دیا گیا۔ اسی پریشانی کی حالت میں انہوں نے ظفر اللہ کی طرف دیکھا۔ جس نے اسے جھڑکتے ہوئے چپ کر دیا۔ مرزا مبارک احمد اس انتخابی ڈرامے کا کردار ادا کرتا تھا۔ جو بیرون ملک قادیانی مراکز کا انچارج تھا۔ اس نے اپنے معاونین کے ساتھ یہ کھیل مرزا طاہر احمد کے حق میں کر دیا اس جانبدارانہ مقابلے کے باعث مرزا طاہر احمد اور اس کے ساتھیوں کو شدید جماعتی غم و غصے کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ تقریباً وہی ڈرامہ تھا جسے ۱۹۱۴ء میں انصار اللہ نے مرزا محمود کے انتخاب کے وقت پیش کیا تھا اور جس کے نتیجے میں خواجہ کمال الدین اور ان کے گروپ کو قادیان سے نکلنا پڑا۔

مرزا رفیع احمد رسوائی اور غضب کی حالت میں خاموشی سے وہاں سے چلے گئے۔ ان

کے ہمدردوں کے چھوٹے سے گروہ نے ان کی کامیابی کا اعلان کر دیا اور گول بازار ربوہ میں ایک جلوس نکالا۔ مرزا طاہر احمد کے پیروکاروں نے جماعت کے نئے خلیفہ کی حیثیت سے ان کے پیغام کو پھیلانے میں قطعاً کوتاہی نہ کی۔ ربوہ اور اس کے گرد و نواح میں مسیح موعود کے چوتھے خلیفہ حضرت مرزا طاہر احمد کے پہلے خطاب کی کمیشنیں گونجنے لگیں۔ خدام الاحمدیہ نے پاکستان اور بیرون ملک احمدیہ جماعتوں کو مطلع کرنے کے لیے کہ مرزا طاہر احمد کو خدا نے ان کے چوتھے سربراہ کی حیثیت سے مقرر کر دیا ہے ان کے پیغامات دور دراز تک نشر کر دیئے گئے۔ اس کے بعد مرزا رفیع احمد اور ان کے ہمدردوں کے ساتھ کیا ہوا یہ ایک افسوس ناک کہانی ہے۔^(۱) مرزا رفیع کو مزید۔ پیغامیوں (لاہوریوں) کا آلہ کار۔ منافق۔ مقدس خلیفہ کا سخت دشمن۔ بنگالی عورت کا باغی بیٹا (ان کی والدہ بنگال سے تھی) اور دعاؤں کا سوداگر کہا گیا۔ احمدی ان سے ملنے سے کترانے لگے۔ خدام احمدیہ ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے لگے۔ ان کی ڈاک سنسر ہونے لگی اور ان کے گھر کو چھوٹا قید خانہ بنا دیا گیا۔ ان کے سب سے بڑے حامی البشارت جیولرز کا خاندان اور بہشتی مقبرے کے انچارج مولوی بشارت الرحمن کو معمولی اور جھوٹے الزامات لگا کر جماعت سے خارج کر دیا گیا۔ ان تمام تادیبی اقدامات کے باوجود مرزا رفیع احمد کی جماعت میں تحریک زور پکڑتی رہی مگر طاہر گروپ کے بڑے ارکان نے ان کو خاموش کروانے کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا۔ مرزا طاہر احمد نے اپنے مشیروں کے نصائح پر عمل کرتے ہوئے قصر خلافت کا کنٹرول سنبھالنے میں کوئی تاخیر نہ کی۔ انہوں نے با اثر قادیانیوں ظفر اللہ۔ ایم ایم احمد۔ مرزا مبارک احمد۔ ڈاکٹر عبدالسلام اور دیگر افراد کا اعتماد حاصل کر لیا۔ قوت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے قادیانیوں کو ہم عہدوں پر فائز کیا۔ کچھ قادیانیوں کے قریبی رشتہ داروں کو بیرون ملک مبلغین بنا کر بھجوا دیا۔ احتجاجی آوازوں کو دبانے کے لیے اور اپنے منظور نظر افراد کو نوازنے کے لیے قادیانی خزانہ عامرہ سے قرضوں کی بھرمار کر دی۔ مرزا رفیع احمد۔ مرزا طاہر احمد کے گونا گوں ہتھکنڈوں کے آگے بے بس تھا۔ حتیٰ کہ مرزا طاہر احمد کے آلہ کاروں نے مرزا

رفیع احمد کے اہل خانہ کی بھی ہمدردیاں حاصل کر لی تھیں۔ مرزا محمود کی ہمیشہ محترمہ اور مرزا رفیع کی پھوپھی محترمہ امتہ الحفیظ بیگم نے انہیں بیعت فارم پر دستخط کرنے پر مجبور کر دیا اور کھلے دل سے مرزا طاہر کو خلیفہ ماننے کے لیے دباؤ ڈالا۔ مرزا رفیع کو مدرسہ احمدیہ کی ملازمت سے نکال دیا گیا جہاں وہ تفسیر پر درس دیا کرتے تھے۔ اس کے وظائف یکدم اتنے گھٹا دیئے گئے کہ وہ مکمل طور پر خلیفہ کا دست نگر ہو کر رہ گیا۔^(۱)

پاکستان کی احمدی جماعت کو مقامی آلہ کاروں کے ذریعے سے یہ حکم دیا گیا کہ وہ ہر احمدی سے تازہ بیعت فارم پر دستخط کروائیں۔ جماعت کے امیروں اور تنظیموں کے سربراہوں نے تھوڑے سے عرصے میں پوری جماعت سے یہ فارم بڑی جلدی میں وصول کیئے۔ پاکستان میں صورت احوال مکمل طور پر کنٹرول میں آگئی مگر بیرون ملک مراکز میں بددلی پھیلتی رہی۔ بیرون ملک بہت سے احمدیوں نے مرزا طاہر کی بیعت سے انکار کر دیا۔ وہ مرزا مبارک احمد کی قیادت کے حامی تھے۔ مرزا طاہر احمد کو بیرونی مراکز سے بھجوائی گئی اطلاعات کی بناء پر وہ لندن چلے گئے تاکہ صورت حال کو قابو میں لائیں اور بیرون ملک بسنے والے قادیانیوں کو مطمئن کریں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ظفر اللہ ایم ایم احمد اور کچھ بااثر احمدی مبلغین کی خدمات مستعار لیں۔^(۲) مرزا مبارک احمد پہلے سے ہی بیماری کا بہانہ کر کے لندن میں قیام پذیر تھا۔ ربوہ کی نوکر شاہی مرزا مبارک احمد کے خلاف تھی اور نسبتاً نرم رو قیادت کے خلاف تھے۔

مرزا طاہر احمد پاکستان میں وسیع پیمانے پر ایک پرزور تبلیغی مہم شروع کرنے کے خواہش مند تھے۔ احمدی مبلغین اپنے عقائد کی تبلیغ میں دیوانے ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی ارتدادی کارروائیوں سے عام مسلمانوں اور علماء کو اپنا مخالف کر لیا۔ ربوہ کے جارحانہ رویہ نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کے خلاف ضروری اقدامات کریں اور آئینی ترمیم کو موثر طور پر نافذ کرنے کا مطالبہ کریں۔

۱۔ دیکھیں نوائے وقت لاہور 16 جون 1982ء اور 13 جولائی 1982ء۔

۲۔ نوائے وقت لاہور 31 جولائی 1982ء۔

۱۹۸۴ء کا آرڈیننس XX

آئینی ترمیم کے دس سال بعد ۱۹۸۴ء میں قادیانی مسئلہ ایک بار پھر عوام الناس کی توجہ کا مرکز بن گیا جس کی زیادہ تر آبیاری مجلس تحفظ ختم نبوت نے کی تھی۔ علماء نے صدر رضیاء پر زور دیا کہ وہ مرزا طاہر احمد اور اس کے آلہ کاروں کی سرگرمیوں کا مزید وقت ضائع کیئے بغیر نوٹس لے۔ قادیانی جنونیوں کی جارحانہ مہم جو انہوں نے اپنے عقائد کے سلسلے میں شروع کی تھی اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے ایک سرگرم کارکن مولانا اسلم قریشی جنہوں نے ۱۹۷۰ء میں ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا، کے یکدم غائب ہونے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کچھ مشتعل علماء نے احمدیوں کے خلاف کوئی بھی مثبت قدم اٹھانے سے ہچکچاہٹ پر صدر رضیاء کو بھی قادیانی کہنا شروع کر دیا۔ آئینی ترمیم قادیانیوں کی تمام خفیہ و برملا بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے میں ناکام ہو گئی کیونکہ اس کے موثر طور پر نافذ العمل ہونے میں موجود قانونی نقص سے قادیانی فائدہ حاصل کر رہے تھے۔

۱۹۸۴ء کے اوائل میں عوامی اجتماعات اور مظاہروں کے ایک سلسلے کے بعد تحریک ختم نبوت کانفرنس کی مجلس عمل نے ستائیس اپریل ۱۹۸۴ء کو فیصلہ کیا کہ راولپنڈی میں علماء کا ایک اجلاس بلایا جائے اور مندرجہ ذیل مطالبات پیش کیئے جائیں۔

- (i) قادیانیوں کا کلیدی عہدوں سے اخراج۔
- (ii) دوسری ترمیم کا موثر نفاذ
- (iii) احمدیت کی تبلیغ پر پابندی
- (iv) اسلامی نظریاتی کونسل کی قادیانیوں کے متعلق سفارشات پر عمل درآمد (کونسل نے مرتد کے لیے سزائے موت کی سفارش کی تھی)
- (v) مرزا طاہر احمد اور ان کے کچھ رفقاء کے کارکن کی مولانا اسلم قریشی کے اغوا کے الزام میں گرفتاری اور مولانا قریشی کی فوری بازیابی
- (vi) قادیانیوں کے صیہونیوں سے تعلق اور ان کی سیاسی و جاسوسی سرگرمیوں پر کڑی

نظر رکھنے کی ضرورت پر زور

(vii) ربوہ کے نیم فوجی دستوں مثلاً خدام الاحمدیہ وغیرہ پر پابندی

(viii) شناختی کارڈوں اور پاسپورٹ پر احمدیوں کا بطور غیر مسلم اندراج

کانفرنس میں شرکت سے روکنے کے لیے قابل اعتراض تقاریر کرنے کے بہانے تحریک ختم نبوت کے عہدے داروں اور سرکردہ علماء کی ایک بڑی تعداد کو سولہ ایم پی او اور ۱۵۳ ات پ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ انتظامیہ کی طرف سے عائد کردہ شدید پابندیوں کے باوجود جن میں علماء کی گرفتاری۔ لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر پابندی۔ راولپنڈی شہر اور اس کے گرد و نواح میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ شامل تھا۔ چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر سے لوگ اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لیے اُٹ پڑے۔ (۱) تحریک نے دھمکی دی کہ اگر اس کے مطالبات منظور نہ کیے گئے تو وہ راستہ اقدام کرے گی۔ اس وقت کے وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات راجہ ظفر الحق نے تحریک اور حکومت کے درمیان گول میز کانفرنس منعقد کرائی۔ انہوں نے اس مسئلے پر اہم اور قابل ستائش کردار ادا کیا۔ حکومت نے آخر کار عوامی تحریک کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے جو بصورت دیگر مارشل لاء حکومت کے خلاف سیاسی تحریک بن سکتی تھی۔ کانفرنس سے ایک یوم قبل (جھمبیس اپریل ۱۹۸۴ء) کو صدر پاکستان نے آرڈیننس ۲۰ بحریہ ۱۹۸۴ء جاری کیا جس کو قادیانی گروپ۔ لاہور گروپ اور احمدیوں کی غیر اسلامی سرگرمیوں کا (منوعہ اور تعزیری) آرڈیننس ۱۹۸۴ء کا نام دیا گیا۔ اس میں قادیانیوں۔ لاہوریوں اور احمدیوں کو غیر اسلامی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے روک دیا گیا تھا۔ تعزیرات پاکستان میں نئی دفعہ B-۲۹۸ کا اضافہ کیا گیا جس میں ان گروہوں کے افراد اگر الفاظ کے ذریعے۔ تحریری یا تقریری یا نظر آنے والے اشارے سے مرزا غلام احمد کے وارثوں کو امیر المومنین یا اس کے ساتھیوں کو صحابہ یا اس کے اہل خانہ کو اہل بیت یا اس کی جائے عبادت کو مسجد کا نام دیں تو ان کو تین سال قید اور جرمانے کی سزا دی جائے۔ اسی دفعہ کے تحت ہر اس شخص کو وہ ہزا بھی دی جانی تھی جو اپنی عبادت کے لیے بلائے گئے الفاظ کو اذان کہے یا مسلمانوں کی طرح

اذان دے۔ تعزیرات پاکستان میں مندرجہ نئی دفعہ کے تحت ہر اس شخص کو وہی سزا دی جانی تھی جو براہ راست یا بالواسطہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے یا اپنے عقیدے کو اسلام کہے یا اپنے عقیدے کی تبلیغ اور پرچار کرے یا دوسروں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دے یا کوئی ایسا دیگر عمل کرے جس سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات برا بھینٹے ہوں۔ اس آرڈیننس نے ضابطہ فوج داری ۱۸۹۸ء کی دفعہ A-۹۹ میں بھی ترمیم کر دی جس کی رو سے تعزیرات پاکستان میں داخل شدہ نئی دفعات کے خلاف چھاپے گئے کسی اخبار۔ کتاب۔ دستاویز یا تحریری مواد کو ضبط کرنے کے صوبائی حکومت کو اختیار مل گئے۔

اس آرڈیننس سے مغربی پاکستان پریس اینڈ پبلی کیشن آرڈیننس ۱۹۶۳ء کی دفعہ ۲۴ میں بھی ترمیم ہو گئی جس سے صوبائی حکومت کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ کسی ایسے پریس کو بند کر دے جو تعزیرات پاکستان میں داخل شدہ نئی دفعات کی مخالفت میں کوئی اخبار یا کتاب چھاپے۔ کسی اخبار کا ڈیکلریشن منسوخ کر دے جو ان دفعات کی خلاف ورزی کرے اور ہر ایسی کتاب اور اخبار کو ضبط کرے جس میں ایسا مواد ہو جو ان دفعات میں ممنوعہ قرار دیا گیا ہو۔^(۱)

اتحاد قادیانیت آرڈیننس کو مذہبی۔ سماجی اور سیاسی تنظیموں۔ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں اور مسلمانان عالم نے عمومی طور پر خوش آمدید کہا۔ ملک کے سرکردہ اخباروں نے اسے بروقت اقدام قرار دیا اور حکومت کی ان کوششوں کی تعریف کی جو اس نے قادیانیوں کی اسلام مخالف سرگرمیاں روکنے کے لیے کیں۔ پاکستان کے سرکردہ روزناموں نے اس آرڈیننس کا خیر مقدم کیا اور اس کے مکمل نفاذ کا مطالبہ کیا۔^(۲) احمدیوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ پاکستان میں پرامن شہریوں کی طرح رہیں اور اپنی غیر اسلامی سرگرمیوں کو ترک کر دیں۔^(۳)

روزنامہ ”جسارت“ نے ایک عمدہ مضمون میں ربوہ کے سیاسی منصوبوں کو بے نقاب

۱۔ The Muslim, Islamabad 27 اپریل 1984ء۔

۲۔ نوائے وقت لاہور 28 اپریل 1984ء۔

۳۔ شرق لاہور 28 اپریل 1984ء۔

- کیا اور صیہونیت کے ساتھ ان کے اشتراک کی مذمت کی۔ اخبار نے احمدیت کو صیہونی اور سامراجی قوتوں کا وہ پودا قرار دیا جس کی جڑیں اسرائیل میں موجود تھیں اور مطالبہ کیا کہ
- (i) ان کی لائبریریوں۔ مطبع خانوں اور مطالعاتی مرکزوں پر پابندی لگائی جائے۔
- (ii) قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔
- (iii) قادیانی تاجروں کو جاری کیئے گئے لائسنس اور پرمٹوں پر پابندی لگائی جائے۔
- (iv) پاکستان کے تمام صوبوں میں انکی تعداد معلوم کرنے کے لیے مردم شماری کی جائے۔
- (v) سرکاری ایجنسیوں کے ذریعے ایک پریشر گروپ کے طور پر کام کرنے کے ان کے طریق کار کو بے نقاب کیا جائے۔
- (vi) مسلمانوں سے قادیانی بننے والوں کے لیے عمر قید کی سزا ہو۔
- (vii) مسلمان ممالک کے درمیان رابطے کی ضرورت پر زور دیا تاکہ ان کے اپنے ممالک اور بیرون ممالک احمدیوں کی سرگرمیوں کے خاتمے کے لیے قانونی اقدامات کیئے جائیں۔^(۱)

پاکستان ٹائمز نے اپنے ادارے میں لکھا:

”اس دوسری آئینی ترمیم کے باوجود کہ یہ بڑی واضح اور غیر مبہم ہے قادیانی اور لاہوری گروپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ دیگر مسلمانوں کی طرح کام کریں حتیٰ کہ اپنے مذہب کو اندرون و بیرون ملک سچا قرار دیں۔ یہ اسلام کی غلط توضیح ہے اس کا مقصد مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور اسلام کے بنیادی اصولوں میں الجھن پیدا کرنا ہے۔ یہ بہت مناسب اور واضح تھا کہ اس مطابقت کو ختم کرنے کے لیے دوسری آئینی ترمیم کو اس کے منطقی انجام تک پہنچایا جائے۔ اس چیز کی بھی اشد ضرورت تھی کہ عوامی امن و امان کو یقینی بنایا جائے۔ وہ غیر ملکی عناصر جنہوں نے اس قانون کو تنگ نظری اور تعصب قرار دیا ہے ان کے لیے اس کی مناسب وضاحت کی جائے اور بتایا جائے کہ اس سارے مسئلے کا اصل پس منظر کیا ہے اور ایک نظریاتی ریاست میں اس کے نفاذ کے پس پردہ کیا حکمت کارفرما ہے۔ اس بات کو بھی یقینی

بنانے کی اشد ضرورت ہے کہ ذاتی مفادات ہمارے ترقی پسند اور وسیع الطغر ہونے کے تخیل کو پراگندہ کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔“ (۱)

روزنامہ مسلم نے ”ثبت قدم“ کے زیر عنوان لکھا:

”صدر قومی آرڈیننس کا نفاذ جس میں قادیانیوں کی سرگرمیوں پر پابندی لگائی گئی ہے ایک بروقت قدم ہے جس سے اس مسئلے کے ارد گرد حالیہ مہینوں میں پیدا ہونے والے تنازعات کا خاتمہ ہو جانا چاہئے۔ مسلمانوں کے جذبات کو ابھارا گیا اور عوامی نقطہ نظر کو اجاگر کیا گیا۔ اس آرڈیننس کی ضرورت پیدا ہو گئی تھی۔ ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم کے دس سال بعد جس میں منتخب قومی اسمبلی کی متفقہ رائے شماری سے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا تھا اس کے بعض آئینی سقم باقی تھے۔ وہ نقص اور ذومعنویت جو اس مسئلے پر لوگوں کے ذہنوں میں الجھن پیدا کر رہی تھی آخر کار ختم ہو گئی۔ یہ معاملات کی صحت کے لیے بہت ضروری تھا کہ تمام ابہامات یکسر واضح کر دیئے جاتے تاکہ کسی تشدد کے دہرائے جانے کا دوبارہ موقع نہ پیدا ہوتا یا ان مفاد پرستوں کو موقع حاصل ہوتا جو اسے افراتفری کے ایک بہانے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے۔“ (۲)

مرزا طاہر کا لندن فرار:

آرڈیننس ۸۴ کے اجراء نے طاہر احمد کو خوفزدہ کر دیا۔ انہیں اپنی پاپائیت کے المناک انجام اور گرفتاری کا خدشہ محسوس ہوا۔ وہ اپنی گرفتاری سے اس قدر گھبرائے ہوئے تھے کہ وہ تیس اپریل کو خطبہ جمعہ بھی نہ دے سکے اور اپنے پیروکاروں میں سے ایک شخص سلطان محمود سے کہا کہ وہ نماز کی امامت کرے۔ یہ افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ انہیں گرفتار کر لیا جائے گا اور ایک یا دو دن میں ان پر مقدمہ چلایا جائے گا اور احمد یہ تنظیم کو بیرونی قوتوں سے امداد حاصل کرنے والی سیاسی جماعت قرار دے کر اس پر پابندی لگادی جائے گی۔ صدر ضیاء

کی مارشل لاء حکومت بڑے بڑے احمدیوں کو قانون کی اعلیٰ عدالتوں میں گھسیٹے گی۔ مرزا طاہر احمد پر مولانا اسلم قریشی کے قتل کا الزام لگے گا اور احمدیت کے نام پر ایک غیر اسلامی اور ریاست مخالف تحریکی سیاسی تنظیم چلانے کا الزام عائد ہوگا۔ مرزا طاہر احمد نے انتیس اپریل ۱۹۸۴ء کو آرڈیننس کے اثرات کا جائزہ لینے کے لیے ربوہ میں سرکردہ احمدیوں کا اجلاس بلایا۔ تیس اپریل کو وہ اور کچھ دیگر رہنما حکومت سے مذاکرات کے بہانے اسلام آباد روانہ ہو گئے۔ ربوہ میں لوگوں کو یہ یقین تھا کہ مرزا طاہر حکومتی دباؤ کے آگے نہیں ٹھہر سکیں گے لہذا وہ اس کے ساتھ کوئی سودے بازی کرنا چاہتے ہیں۔ درحقیقت وہ پولیس اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کو فریب دے کر کار کے ذریعے کراچی فرار ہونا چاہتے تھے۔ تاہم وہ KLM کی ایک پرواز کے ذریعے اپنے خاندان اور سرکردہ قادیانیوں کے ایک گروہ کے ہمراہ لندن فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔^(۱) انہوں نے ہوائی اڈے کے عملے سے اپنی شناخت چھپانے کی خاطر ایک عام مسافر کے روپ میں سفر کیا۔ کچھ لوگوں نے یہ الزام لگایا کہ ان کے اس کامیاب فرار میں حکومت شامل تھی۔

مرزا طاہر کی ہدایات کی مطابقت میں قادیانیوں نے خاموشی مگر نارضا مندی سے اس آرڈیننس کو قبول کیا۔ عبادت گاہوں سے لفظ مسجد مٹا دیا گیا اور ”بیت الحمد“ اور ”بیت الذکر“ وغیرہ کے الفاظ لکھ دیئے گئے۔^(۲)

نماز کے لیے اذان ختم کر دی گئی اور خلافت لائبریری ربوہ اور دوسری کھلی جگہوں پر موجود احمدیہ لٹریچر ہٹا دیا گیا۔ بہت سے قادیانی زیر زمین چلے گئے۔ کچھ نے سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لیے پاکستان سے سوئڈن۔ (مغربی) جرمنی۔ ہالینڈ۔ ڈنمارک۔ برطانیہ۔ کینیڈا اور امریکہ وغیرہ کا رخ کیا۔ اس آرڈیننس نے انہیں بیرون ملک قیام اور مختلف لبادوں میں کام کرنے والی اسلام مخالف تنظیموں کی مدد حاصل کرنے کا بہانہ فراہم کر دیا۔ پاکستان میں احمدیوں پر مظالم کا غلط نعرہ بلند کر کے اور ضیاء حکومت کے غیر منتخب کردار کا بہانہ

استعمال کر کے انہوں نے سیاسی اور مالی معاملات میں بہت کچھ حاصل کیا۔

لندن میں اپنی آمد کے بعد مرزا طاہر نے صدارتی حکم سے پیدا ہونے والی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے بیرونی مشعوں کا اجلاس طلب کر لیا۔^(۱) ظفر اللہ پہلے ہی لندن میں تھا۔ ڈاکٹر عبدالسلام اٹلی سے اور ایم ایم احمد واشنگٹن سے اجلاس میں شرکت کے لیے آئے۔ امریکہ۔ یورپ اور افریقی ممالک میں کام کرنے والے بڑے قادیانیوں نے پاکستان میں آرڈیننس کے بعد پیدا ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے شرکت کی۔ مرزا طاہر نے لندن میں قیام کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنے پیروکاروں کو اپنی تقاریر۔ خطبوں اور پاکستان میں کیسٹوں کے ذریعے ہدایات دینے کا فیصلہ کیا۔ اپنے ابتدائی خطبوں میں انہوں نے ان کے جذبات کو ابھارا اور کہا کہ اس بحران کے وقت جب ان کی جماعت کو قیادت اور اتحاد ترقی کے لیے ان کی رہنمائی کی اشد ضرورت تھی۔ ان کی لندن میں بے ہنگم آمد درست قرار نہیں دی جاسکتی۔ اپنے جمعہ کے خطبوں میں حکومت پاکستان کے خلاف انہوں نے زہرا گلنا جاری رکھا۔^(۲)

پچیس مئی ۱۹۸۳ء کو بی بی سی کی اردو سروس کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے ضیاء حکومت کی احمدیہ مخالف حکمت عملی پر کڑی تنقید کی اور ملک کی ترقی کے لیے اپنی جماعت کی خدمات کا ذکر کیا۔ صدر ضیاء اور اس کی حکومت کے خلاف ایک طاقتور مہم چلانے کے لیے انہوں نے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ ایمسٹرڈم۔ پیرس۔ جنیوا۔ کوپن ہیگن۔ حیفا۔ (اسرائیل)۔ بون۔ پریٹوریا۔ عکرا۔ لاگوس اور واشنگٹن میں تشہیری مراکز قائم کریں اور پاکستان میں احمدیوں پر ہونے والے مظالم کے واقعات سے دنیا کو آگاہ کریں۔ ان مراکز نے بھاری تعداد میں لٹریچر شائع کیا اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی۔ بنیاد پرستوں کے ہاتھوں احمدیوں پر مظالم اور سماجی زندگی اور خدمات میں امتیازی برتاؤ کے سنگین الزامات لگائے۔

۱۔ ڈان کراچی 5 مئی 1984ء۔

۲۔ قادیانیت اسلام کے لیے ایک سنگین خطرہ (خطبہ نمبر 27 تا 1 یکم فروری سے 19 مئی 1985ء) ایڈیشنل خزانہ دار جماعت لندن۔

مرزا طاہر نے یہ الزام لگایا کہ فوجی حکومت اپنی شہرت کو بڑھانے کے لیے احمدی گروہ کو قربانی کے بکرے کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ جیل جانے کے لیے تیار ہیں کیونکہ انہیں یقین تھا کہ عوامی رائے ان کے حق میں ہوگی مگر احمدی روایات نے ان کے لیے کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اپنی جماعت سے مشاورت کرنی لازم بنا دی۔ انہیں یقین تھا کہ پاکستان چھوڑنے کی اجازت مل جائے گی کیونکہ اب بھی حکومت ان کے خلاف نہیں۔

انہوں نے مزید الزام عائد کیا کہ پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ملاؤں اور سیاسی جماعتوں کے مابین اقتدار کے حصول کی کشمکش ہے۔ ان کے خیال کے مطابق صدر ضیاء نے اس گروپ (احرار) کے چند مطالبات کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں جس کو ۱۹۵۰ء کے عشرے میں حکومت نے تقریباً ممنوع کر دیا تھا۔ محمد علی جناح بانی پاکستان جو حکومت کے پہلے سربراہ تھے ان سے لے کر بعد کے حکمرانوں نے احمدیوں کی حکومت میں شمولیت پر اصرار کیا تھا۔ انہوں نے احرار کو قابو میں رکھا۔ مرزا صاحب نے یہ دعویٰ کیا کہ اس سال پہلے وزیر اعظم بھٹو نے احمدی مخالف گروپ کو مطمئن کیا تھا اور آج ضیاء شہرت کی خاطر ان کے مطالبات منظور کر رہا ہے۔^(۱)

انہوں نے مزید کہا کہ اگرچہ وہ حزب اختلاف کے سخت گیر طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں صرف احرار ہی احمدیوں کے مخالف نہیں ہیں۔ پاکستان اور سعودی عرب میں بھی کئی گروپوں نے احرار کے ساتھ اشتراک کیا ہوا ہے۔ انہوں نے یقین ظاہر کیا کہ اسلامی ریاست کے استحکام کی بجائے احمدیوں کے خلاف مہم پاکستان کے مزید ٹکڑے کر دے گی۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ پاکستان میں ضیاء حکومت کی مخالفت بہت سے گروپوں اور علاقوں میں ہوئی ہے خواہ یہ سیاسی ہے یا مالی۔ اقلیتی گروپوں کے ذریعے غیر مقبول حکومت تقسیم کا شکار ہو سکتی ہے۔

مرزا طاہر کے لیے امریکی ہمدردی:

مرزا طاہر احمد کہتے ہیں:

”مارچ ۱۹۸۴ء میں اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کے اہل کار خصوصی طور پر پرہیز گئے اور اسے بتایا کہ ان کے پاس خصوصی اطلاعات ہیں جو اس جماعت کے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ وہ ان اطلاعات کو واشنگٹن بھیجوانے سے قبل ان کا رد عمل جاننا چاہتے تھے۔ مرزا طاہر کے کافی عرصہ سے برطانوی۔ فرانسیسی۔ کینیڈین۔ چینی اور کئی دوسرے سفارت خانوں سے رابطے استوار تھے۔ امریکی عہدے داروں نے انہیں مطلع کیا کہ جنرل ضیاء صوبہ سرحد سے آدمیوں کو بلارہا تھا کہ وہ ان کے اسلام آباد میں گھر پر حملہ کریں (طاہر ہے کہ اس کا مقصد تھا اسے اندھیرے میں قتل کر دیں) اگرچہ جنرل ضیاء نے اٹلی جنس بیورو کے ایک افسر کے ذریعے اسے پیغام بھیجوا یا تھا کہ وہ کسی چیز کے بارے میں فکر نہ کرے۔ پاکستان اٹلی جنس بیورو۔ پولیس اور اٹلی جنس کے ایک دوسرے افسر نے اسے بروقت خبردار کر دیا۔ انہوں نے مرزا صاحب سے گزارش کی کہ جتنا جلدی ممکن ہو سکے وہ اسلام آباد چھوڑ دیں۔ مرزا طاہر اسلام آباد میں فرانسیسی کنسلر کو ان کی رہائش گاہ پر ملے جس نے انہیں سفارتی انداز میں پیغام دیا کہ وہ اسلام آباد خوراً چھوڑ دیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔^(۱)

صیہونی پشت پناہی سے چلنے والا غیر ملکی پولیس احمدی نصب العین کا بڑا ہمدرد تھا اور اسلامی بنیاد پرستی پر شدید تنقید کر رہا تھا۔

احمدیوں نے کمال عیاری سے اپنے معاملے کو دوسرے گمراہ کن معاملات مثلاً انسانی حقوق۔ ضیاء حکومت کا غیر منتخب کردار۔ سیاسی مظالم۔ مارشل لاء میں گرفتاریوں وغیرہ کے ساتھ منسلک کر دیا۔ انہیں وہ بیرونی پولیس میسر آ گیا جو ان کے منصوبے کو ایک ترتیب سے پیش کر رہا تھا اور ان کے نصب العین کے ساتھ حد سے زیادہ ہمدرد تھا۔

اسلام آباد میں مقیم واشنگٹن پوسٹ کے نمائندے نے آرڈیننس کے نفاذ کے بعد

کے واقعات کی اطلاع اس طرح دی۔

”نئی طور پر پاکستانی اہل کار یہ کہتے ہیں کہ احمدیوں کے خلاف یہ پابندیاں اس لیے ضروری تھیں کہ احمدیوں کے خلاف ایک شدید تحریک کے اثرات کو کم کیا جائے۔ احمدی کہتے ہیں کہ آرڈیننس سیاسی مقاصد پر مبنی ہے۔ جنرل ضیاء صرف اپنی مقبولیت کو بنیاد پرست مسلمانوں کے درمیان بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے اور آنے والے ان قومی انتخابات جن کا اس نے وعدہ کر رکھا ہے ان میں فوجی حلقوں سے باہر اپنے حلقہ انتخاب کو بڑھانے کی تیاری کر رہا ہے۔“^(۱)

نیویارک ٹائمز کے خصوصی نمائندے نے لکھا:

”احمدیوں کو اپنے عقائد کی سرعام تبلیغ اور عمل کو جرم بنانے میں جنرل ضیاء ملاؤں کے سامنے جھک گیا ہے۔ قادیانی بڑی سرگرمی سے پوری دنیا میں ان لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں جن کو احمدی بنا سکیں۔ اگرچہ ان کی کوئی مردم شماری نہیں ہوئی مگر احمدی کہتے ہیں کہ ان کے ایک کروڑ پیر و کار ہیں۔ اندازے ظاہر کرتے ہیں کہ پاکستان کے ساڑھے آٹھ کروڑ لوگوں میں تیس سے لے کر ساٹھ لاکھ تک احمدی ہوں گے۔ پاکستانی ملاؤں کے لیے مزید تکلیف دہ بات یہ ہے کہ کافی عرصہ سے احمدیوں کا ایک گروہ تل ابیب میں موجود ہے۔ جب کہ احمدی کہتے ہیں کہ یہ لوگ تو اسرائیل کے قیام سے بھی بہت پہلے سے وہاں موجود ہیں۔“^(۲)

بروک لن کالج امریکہ کے مشرق وسطیٰ کی تاریخ کے ایسوسی ایٹ پروفیسر سٹوارٹ سکار نے نیویارک ٹائمز میں اپنے ایک مضمون میں پاکستان کے بارے میں امریکی حکمت عملی پر تنقید کی۔ اس کے مضمون ”پاکستان کے ظالم کے لیے ہمارا اندھا جوش“ میں اس نے خیال ظاہر کیا کہ امریکی حکومت کو اپنے اتحادی کے متعلق اندھے جوش و جذبے پر نظر ثانی کرنی چاہئے اور جنرل ضیاء کی حکومت کے ساتھ ان کے اتحاد کے عواقب کو سمجھنا چاہئے۔ جنرل ضیاء کی حکومت کی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر بحث کرتے ہوئے اس نے

۱۔ دی واشنگٹن پوسٹ ۱۷ مئی ۱۹۸۴ء۔

۲۔ نیویارک ٹائمز ۱۷ جون ۱۹۸۴ء۔

پاکستان میں خصوصی طور پر احمدیوں پر مظالم کا حوالہ دیا اور دوسری اقلیتوں پر ظلم کے بارے میں اپنے خدشات ظاہر کیئے وہ بیان کرتا ہے۔

”احمدیت کے چالیس لاکھ پیروکار ہیں جو ایک مسلم فرقہ ہے اور انیسویں صدی میں وجود میں آیا۔ ان کو سرعام اپنے مذہب پر عمل کرنے سے روکا جا رہا ہے۔ حکومت کے قریبی بنیاد پرست اسلامی رہنماؤں کے بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چھوٹی سی عیسائی برادری بھی ظلم کا شکار ہو چکی ہے۔“ (۱)

اس نے امریکی سینٹ سٹاف رپورٹ کا حوالہ دیا جس نے کانگریس کو یہ سفارش کی تھی کہ وہ پاکستان کی ۳۲ ارب ڈالر کی مجوزہ امداد کو پاکستان کے نیوکلیائی ہتھیاروں کے خاتمہ سے منسلک کرے اور زور دے کر کہا کہ

”کانگریس کا یہ عمل اب بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہوگا کہ وہ اس امداد کو پاکستان کے انسانی حقوق کے ریکارڈ سے منسلک کرے۔“ (۲)

نیوز ویک نے مرزا طاہر اور ان کے قریبی جتھے کی تصاویر شائع کیں اور ان کے نیچے ”ایک مذہبی فرقے پر مظالم“ کے عنوان سے مندرجہ ذیل سطور تحریر کیں:

”پاکستان کے احمدیہ فرقے کے تیس لاکھ لوگوں کو اب ایک مذہبی تشدد کی لہر کا سامنا ہے۔ صدر محمد ضیاء الحق کی جنونی اسلامی حکومت کے لیے احمدی ایک نفرت انگیز چیز ہیں۔ اپریل میں ضیاء نے نئے قوانین لاگو کر دیئے جن کا مقصد احمدیوں کو اپنے مذہب اسلام کے خصوصی نقطہ نظر پر عمل کرنے کو محدود کیا جائے۔ درجنوں احمدیوں کو گرفتار کیا گیا ہے۔ ان کی کئی مساجد کو بربریت کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ان کے ایک رہنما کو قتل کیا جا چکا ہے۔ اب تک بظاہر حکومت کی ہدایت کے بغیر احمدیہ فرقے کے خلاف تلخ دتیزی سے پھیل چکا ہے۔ اب ان پر دباؤ بڑھتا ہی جا رہا ہے اور پاکستان کے احمدی اس بات سے خوف زدہ ہیں کہ آگے ان کے ساتھ کیا ہوگا۔“ (۳)

۱۔ دی نیو یارک ٹائمز ۱۴ جون ۱۹۸۴ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ نیوز ویک ۱۶ جولائی ۱۹۸۴ء۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بین الاقوامی پریس نے احمدیوں کے خلاف مبینہ مظالم کس انداز سے اچھالے اور ان سے کتنی ہمدردی کی۔ انہیوں نے کبھی بھی کھل کر مسلمانوں کی طرف داری نہیں کی خصوصاً اس وقت جب انہیں دنیا کے مختلف حصوں میں تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ ان پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے اور ان کا خون بہایا جا رہا تھا۔

سالانہ کنونشن:

احمدیہ جماعت کا سالانہ جلسہ جو مجوزہ طور پر دسمبر ۱۹۸۳ء میں ربوہ میں ہونا تھا حکومت نے اس کی اجازت نہ دی۔ مرزا طاہر احمد نے اعلان کیا کہ احمدیوں کا بیسواں سالانہ کنونشن لندن سے بیس میل دور ٹل فورڈ کے مقام پر پانچ سے سات اپریل ۱۹۸۵ء کو ہوگا۔ اپنے برطانوی خیر خواہوں کی مدد سے اس نے بہت ہی ارزاں نرخوں پر پچیس ایکڑ رقبہ خریدا۔ اس کا نام اسلام آباد رکھا اور اسے یورپی مراکز میں سے ایک مرکز اور مسند خلافت قرار دیا۔ اس کنونشن میں دنیا کے اڑتالیس ممالک کے مندوبین نے شرکت کی۔ جن میں جنوبی افریقہ اور اسرائیل کے مندوب بھی شامل تھے۔

مرزا طاہر احمد نے اپنے روایتی پرفریب بیانات اور الہام کی زبان میں اپنی جماعت کو خوش خبریاں دیں اور انہیں نصیحت کی کہ وہ تبلیغی مقاصد کے لیے دل کھول کر چندے دیں۔ ایک ماہ قبل اکتیس مارچ ۱۹۸۵ء کو ربوہ میں احمدیہ جماعت کی مجلس مشاورت میں تحریک جدید کے چودہ کروڑ اور وقف جدید کے اکیس لاکھ ساٹھ ہزار روپے کے میزانیوں کو حتمی شکل دی گئی۔

”کنونشن میں ایک احمدی رہنما مظفر احمد ظفر نے ایک پریس کانفرنس میں یہ واضح کیا کہ پاکستان میں احمدیہ جماعت کے ارکان کے ساتھ ہونے والے سلوک کے بارے میں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ذیلی کمیشن کو مطلع کر دیا گیا ہے اور اس مسئلے کی پوری دنیا میں تشہیر کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس نے پاکستان میں احمدیہ ارکان کی حالت زار کے سلسلے میں

ایک لمبا چوڑا بیان پڑھ کر سنایا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حکومت کی شبہہ پران پر ظلم ہو رہا ہے جو اس کے بقول معاملے کو سیاسی مقاصد کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ اس نے مغربی رائے عامہ سے اپیل کی کہ وہ صورت حال کا مغرب کی اعلیٰ انسانی اقدار کے تصور اور غیر سیاسی ذاتی مفادات کی بنیادوں پر جائزہ لے۔^(۱)

کنندہ ہم جنس باہم جنس پرواز

مرزا طاہر احمد نے اپنے پیروکاروں کو آرڈیننس کے خلاف جوابی جارحیت کی ہدایت جاری کر دیں کہ

(i) کلمہ والے بیچ نہیں۔

(ii) اپنی عبادت گاہوں کے سامنے والے حصوں پر قرآنی آیات لکھی جائیں۔

(iii) احمدیہ لٹریچر تقسیم کیا جائے۔

(iv) اذان وی جائے۔

(v) مسلمانوں کی عبادت گاہوں کا تقدس پامال کیا جائے۔

ان اقدامات کے نتیجے میں قادیانی ملک کے مختلف حصوں میں اس آرڈیننس کے نفاذ کی حدود و قیود کا تعین کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بڑی ہوشیاری سے گرفتاری اور نظر بندی کے واقعات کا جواز پیدا کیا تاکہ اپنے غیر ملکی آقاؤں کی امداد اور ہمدردیاں حاصل کی جاسکیں۔ قادیانیوں کو دنیا کے مختلف حصوں میں اپنے نصب العین کی حمایت میں سیاست دانوں۔ انسانی حقوق کے علمبرداروں۔ بیرون ملک انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ارکان اور سپہونی صحافیوں کی شکل میں بہت سے ہمدرد اور خیر خواہ مل گئے۔ انہوں نے قادیانیت کی سرپرستی کی اور ان کے مقاصد کو پروان چڑھایا کیونکہ یہ طرز عمل مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف تھا۔ اسلام دشمن طاقتیں اسلامی بنیاد پرستی کی آڑ میں حملہ آور ہو رہی تھیں۔ وہ سامراج کی طرف دار قوتوں کے ساتھ الحاق لیے ہوئے تھیں۔ اسرائیل میں

فلسطینیوں کے خلاف ایک مضبوط مشن چلا رہی تھیں۔ جہاد کی مذمت کر رہی تھیں اور سامراجی بالادستی کے خلاف ہر قسم کی مزاحمت کو توڑنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ اپنی بقاء کے لیے اسلام مخالف قوتوں کی مدد کی محتاج تھیں۔ یہ عرب ریاستوں کے استحکام کے خلاف ایک زبردست قوت لیے ہوئے تھیں اور افریقہ میں اسلام مخالف قوتوں کے خلاف ایک اڈے کے طور پر سرگرم عمل تھیں۔ وہ اسے پوری دنیا میں پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے تاکہ ایک مذہبی تنظیم کے لبادے میں وہ ان کے تخریبی سیاسی عزائم کی تکمیل کر سکے۔ احمدیوں کی دوسری ساتھی تنظیم بہائیت کو بھی کافی مدد حاصل تھی۔ چونکہ ان پر بھی ایران میں آیت اللہ خمینی کی حکومت کی طرف سے شدید مظالم کا الزام لگایا گیا تھا۔

احمدیہ معاملات کی پیچیدگیوں میں الجھے بغیر احمدیت کے غیر ملکی ہمدردوں نے صرف مظالم کا راگ ہی الاپے رکھا۔ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی لاتعداد تحریروں اور اس کے جانشینوں کے بیانات پر نظر ڈالنے کی تکلیف بھی نہیں کی۔ جن کے نتیجے میں مسلمانوں سے مکمل طور پر علیحدہ احمدیت کا وجود اور مذہبی و سیاسی کردار قائم کر دیا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ احمدیوں کی متعدد تحریروں میں ان کی مسلمانوں سے علیحدہ مذہبی جماعت ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔ مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں نے تمام مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ انہوں نے مرزا صاحب قادیانی کے کفریہ دعوؤں پر یقین کر کے خصوصاً ان کی نبوت کے دعوے کو مان کر اسلام سے بغاوت کی۔ قادیانیوں کو بڑی اچھی طرح پتہ تھا کہ ان کی اصل جگہ کہاں ہے مگر مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے کے لیے اور معاشی و سیاسی مفادات حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو منافقانہ طور پر مسلمان ظاہر کیا۔ آرڈیننس ۱۹۸۴ء میں صرف یہ یقینی بنایا گیا تھا کہ وہ جو ایک مذہبی اقلیت ہیں اور اپنے ہی معتقدات کے مطابق غیر مسلم ہیں۔ ان کو اپنے عقیدے پر درست طور سے عمل کرنا چاہئے تاکہ ان کی شناخت کے متعلق کوئی ابہام پیدا نہ ہو۔ اس نے صرف مسلمان امت کے تمام مکاتب فکر کے متفقہ فیصلے کو ایک آنکھیں شکل دی تھی جو قادیانیت کی پیدائش کے وقت سے

لے کر موجود تھا۔ چنانچہ اس میں پوری دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کے نظریات۔ خواہشات اور جذبات کی عکاسی کی گئی تھی۔ جمہوریت اور بنیادی حقوق کے علمبردار نہ تو اسے قبول کرنے کی تکلیف گوارا کرتے اور نہ ہی اپنے سیاسی طفیلیوں کو مدد و ہام پہنچانے میں مسلم اکثریت کے جذبات کا احترام کرتے تھے۔ قادیانیت کے خیر خواہ اس حقیقت سے قطعی طور پر لاعلم تھے کہ قادیانیوں کے خلاف امتیازات کے الزامات مکمل طور پر بے بنیاد یا پھر انتہائی مبالغہ آرائی پر مبنی ہیں۔ حکومت اور مسلمان معاشرہ خصوصی آئینی اقدامات کے ذریعے ان کے حقوق کے تحفظ پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کو صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں نمائندگی دی گئی ہے۔ مزید برآں افواج پاکستان اور وفاقی و صوبائی افسر شاہی میں ان کا تناسب ان کی اصل آبادی کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے۔

پاکستان اور اسلام کے بارے میں مرزا طاہر احمد کی ہمدردیاں اس وقت شدید تنقید کی زد میں آ گئیں جب انہوں نے اپنے نصب العین کی حمایت میں صیہونی امداد کے حصول کے لیے ایک خصوصی وفد اسرائیل بھیجا۔ احمدیہ مشن اسرائیل کے نئے انچارج شیخ شریف احمد امینی نے اسرائیل مشن کے نئے سربراہ محمد حمید کو ساتھ لے کر اسرائیلی صدر سے ملاقات کی۔ ”یروشلم پوسٹ“ اسرائیل نے اسرائیلی صدر کی احمدی رہنماؤں سے ملاقات کی تصویر دیتے ہوئے اس کے نیچے لکھا:

”شیخ شریف احمد امینی جو کہ احمدیہ۔ ہندوستانی مسلمان فریقے کا اسرائیل چھوڑ کر جانے والا انچارج ہے اور آج کل حیفہ میں مقیم ہے وہ اپنے جانشین شیخ محمد حمید کا تعارف اسرائیل کے قائم مقام صدر ہرزوگ سے بیت حنسی میں (۲۱ نومبر ۱۹۸۵ء) کروا رہا ہے۔ فریقے کے نئے سربراہ بنے جس کے اسرائیل میں بارہ سو پیر و کار ہیں پاکستان میں احمدیہ فریقے پر ہونے والے مظالم کی تائید میں کئی دستاویزات صدر کو پیش کیں۔ رخصت ہونے والے شیخ امینی نے جوائنٹ یا واپس جا رہا ہے اپنے فریقے کو مکمل مذہبی آزادی فراہم کرنے پر اسرائیل کی تعریف۔

کی۔“ (۱)

ایک سنگین خطرہ:

حکومت پاکستان نے قادیانیت پر ایک کتابچہ شائع کیا^(۱) اور اپنے سفارتخانوں کے ذریعہ اس کی وسیع تشہیر کی۔ اس کتابچے میں وضاحت کی گئی کہ قادیانیت ایک نوآبادی طاقت کی شہہ پر وجود میں آئی۔ اس نے نہ صرف جنوبی مشرقی ایشیائی برصغیر کے مسلمانوں کے درمیان تلخی اور نفاق پیدا کیا بلکہ دوسری مسلمان ریاستوں خصوصاً افریقہ کے رہنے والے مسلمانوں کے درمیان بھی۔ ایشیائی قادیانیوں کی مرزا غلام احمد کی بطور نبی اطاعت نے انہیں دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہے۔ اس کتابچے میں اردو پر مبنی اس تخریبی تحریک کے ماضی کا کھوج لگایا گیا۔ نوآبادیاتی قوتوں کے ساتھ اس کے اشتراک کی نوعیت بیان کی گئی۔ امت مسلمہ کے بنیادی عقائد اور نظریات کا قادیانی نظریات سے تقابل پیش کیا گیا اور اس کے خلاف مسلم رد عمل بیان کیا گیا تاکہ مسلمانان عالم اس کے مقاصد اور سرگرمیوں کے علاوہ ان طاقتوں کے بارے میں بھی مکمل طور پر جان جائیں جو اس ڈرامے کے پس پردہ مرکزی کردار ادا کر رہی تھیں۔^(۲)

مرزا طاہر احمد نے حکومتی اقدامات پر شدید نکتہ چینی کی اور احمدیہ جماعت کا جواز پیش کرنے کی پوری کوشش کی۔ یہ احمدیت کی تاریخ میں شاید پہلی مرتبہ ہوا کہ اس جماعت کے سربراہ نے باہر بیٹھ کر کسی حکومت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان کے والد مرزا محمود نے کبھی بھی ایسا نہیں کیا تھا۔ مرزا رفیع احمد نے اپنی نجی محفلوں میں انہیں نادان قرار دیا۔ لوگوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں انٹر پول کے ذریعے پاکستان واپس لایا جائے۔ کیونکہ انہوں نے ملکی سلامتی کے خلاف بیانات دیئے تھے۔ وہ تمام اہل کار جنہوں نے انہیں فرار میں براہ راست یا بالواسطہ مدد کی ان کو سزا دی جائے۔ یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ ان کی پاکستانی شہریت منسوخ کر دی جائے اور ان کا پاسپورٹ ضبط کر لیا جائے۔ ۱۹۸۵ء کے آخر میں بہت سے عوامی

۱۔ قادیانیت: اجتماع اسلام کے لیے خطرہ پاکستان، مکتبہ شہر اسلام آباد ۱۹۸۴ء۔

۲۔ ایضاً۔

اجتماعات میں کل پاکستان مجلس تحفظ ختم نبوت نے مندرجہ ذیل مطالبات پیش کیئے۔

(i) قادیانیت کے متعلق آرڈیننس قومی اسمبلی میں ایک بل کی شکل میں منظور کیا جائے تاکہ یہ ۱۹۷۳ء کے آئین کا مستقل حصہ بن جائے۔

(ii) خارجہ - دفاع اور داخلہ وزارتوں اور کھوٹا ایٹمی پلانٹ کے تمام کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو نکالا جائے کیونکہ ان کے اسرائیل کے ساتھ قریبی تعلقات ہیں۔

(iii) شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں قادیانیوں کو غیر مسلم ظاہر کرنے کے لیے علیحدہ

کالم تحریر کیا جائے۔

(iv) دراصل قادیانی تنظیمیں مذہب کے پروے میں تخریب کاری میں مصروف ہیں۔

ان کو غیر قانونی قرار دیا جائے اور ان کی پاکستان مخالف سرگرمیوں اور آئین

پاکستان کی خلاف ورزی کرنے پر ان کے اثاثے ضبط کیئے جائیں۔^(۱)

احمدیوں نے ۱۹۸۵ء میں ملک میں جاری سیاسی ابتری کا فائدہ اٹھایا اور پاکستان

میں عدم استحکام پیدا کرنے کے لیے حکومت مخالف قوتوں کے ساتھ خفیہ روابط استوار کیئے۔

انہوں نے سندھ میں اپنے مراکز کو اور مضبوط کیا جہاں پہلے سے حکومت کے خلاف تحریک

جاری تھی۔

آرڈیننس کے خلاف اپیل:

جماعت احمدیہ لاہور کے امیر مجیب الرحمن درد نے لاہور عدالت عالیہ میں مرزا

طاہر احمد کی ہدایات پر آرڈیننس کے خلاف اپیل دائر کر دی۔ لاہور عدالت عالیہ کے ایک

ڈویژن بنچ نے بین العدالتی اپیل کی سماعت کی۔ قادیانیوں نے اپنی اپیل میں یہ موقف

اختیار کیا کہ

(i) قادیانیت مخالف آرڈیننس ۱۹۸۱ء کے عبوری آئینی حکم نامے کی دفعہ ۱ کے خلاف

ہے۔

(ii) یہ آئین کے آرٹیکل ۸ کے ورائے اختیار ہے کیونکہ اس نے کل بنیادی حقوق کو بری طرح مجروح کیا ہے جن میں ہر شہری کو اپنے مذہب پر قائم رہنے۔ عمل کرنے اور پرچار کرنے کی ضمانت دی گئی ہے۔

(iii) پاکستان نے انسانی حقوق کے چارٹر پر دستخط کیئے ہیں اور وہ اپنے اس عہد پر قائم رہنے کا پابند ہے۔

(iv) یہ آرڈیننس گیارہ اگست ۱۹۸۷ء کو بابائے قوم کی آئین ساز اسمبلی میں کی گئی تقریر کے خلاف ہے۔

ڈویژن پنج نے پچیس ستمبر ۱۹۸۳ء کو ایڈووکیٹ جنرل پنجاب اور اپیل کنندگان کے وکلاء کے دلائل سننے کے بعد یہ اپیل خارج کر دی۔

شرعی عدالت کا فیصلہ:

پندرہ جولائی ۱۹۸۴ء کو امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی مجیب الرحمن نے مرزا طاہر احمد کی ہدایات پر آرڈیننس کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں اپیل دائر کی۔ وفاقی شرعی عدالت کے فل پنج نے اپیل کی سماعت کی۔ جو چیف جسٹس مسٹر آفتاب حسین۔ مسٹر جسٹس فخر عالم۔ مسٹر جسٹس محمد صادق۔ مسٹر جسٹس مولانا ملک غلام علی اور مسٹر جسٹس مولانا عبد القدوس قاسمی پر مشتمل تھا۔ لاہوری جماعت نے بھی تفصیل سے اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ عدالت نے اکیس دن تک سماعت جاری رکھی اور بارہ اگست ۱۹۸۴ء کو ایک مختصر حکم نامے کے ذریعے دونوں درخواستوں کو غیر موثر ہونے کی بناء پر خارج کر دیا۔

عدالت کو جن قانونی مشیروں کی معاونت حاصل تھی ان میں پروفیسر قاضی مجیب الرحمن۔ پروفیسر محمد طاہر القادری۔ پشاور یونیورسٹی کے پروفیسر محمد اشرف۔ مولانا تاج الدین حیدری۔ علامہ مرزا یوسف حسین۔ مولانا صدر الدین رفاعی اور پروفیسر محمود احمد غازی شامل تھے۔ وفاقی حکومت کی نمائندگی ڈاکٹر ریاض حسن گیلانی ایڈووکیٹ اور حاجی شوکت غیاث محمد

ایڈوکیٹ نے کی۔ عدالت نے فیصلہ دیا کہ درخواستوں کے درج الزامات کہ یہ آرڈیننس قادیانیوں کے عقیدے کی آزادی کے خلاف ہے اور یہ کہ انہیں اپنے مذہب پر عمل درآمد سے روکتا ہے یا ان کے حق عبادت کو متاثر کرتا ہے صحیح نہیں ہے۔ یہ آرڈیننس مسلمان کے حق میں مداخلت نہیں کرتا اور نہ ہی قرآن و سنت کے احکامات یا آئین کی دفعات کی مطابقت میں دوسرے قادیانیوں کو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے یا کار بند رہنے سے منع کرتا ہے۔ انہیں قادیانیت یا احمدیت کو اپنا مذہب قرار دینے کی آزادی ہے۔ انہیں مرزا غلام احمد کو نبی۔ مسیح۔ موعود یا مہدی موعود ماننے کی آزادی ہے۔ انہیں اپنی عبادت گاہوں میں اپنے مذہب کے اصولوں کے مطابق اپنے عقیدے اور عبادت پر عمل کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہے۔

فیصلہ میں کہا گیا کہ یہ آرڈیننس ۱۹۷۴ء کی اس آئینی ترمیم کا نتیجہ ہے جس کے ذریعے اسلامی شریعت کی مطابقت میں قادیانیوں اور لاہوریوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ اس آئینی حکم نامے کے نفاذ میں جسے قادیانیوں نے بڑی دیدہ لیری سے مسترد کر دیا تھا اس آرڈیننس کے نفاذ کے بعد وہ اپنے آپ کو براہ راست یا بالواسطہ مسلمان نہیں کہیں گے نہ ہی اپنے عقیدے کو اسلام کہیں گے۔ نہ ہی اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہیں گے۔ نہ ہی عبادت کے لیے بلانے کی غرض سے اذان کہیں گے۔ کیونکہ یہ چیزیں صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص ہیں۔ اس نام (مسجد) اور اس بلاوے (اذان) کے ذریعے بے خبر مسلمانوں کے دھوکا کھا جانے کا امکان ہے اور وہ ایک غیر مسلم عبادت گاہ میں غیر مسلم امام کے پیچھے اپنی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ قادیانی اپنی عبادت گاہ کو کسی اور نام سے پکار سکتے ہیں اور اپنے مذہب کے پیرو کاروں کو عبادت کے لیے کسی اور طریقے سے بلا سکتے ہیں۔ قادیانیوں کا ”ام المؤمنین“۔ ”صحابہ“۔ ”اہل بیت“ وغیرہ جیسی اصطلاحات کا استعمال نہ صرف مسلمانوں کے جذبات مشتعل کر سکتا ہے بلکہ بالواسطہ طور پر ان کا اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے کے مترادف ہے۔ یہ امتناع قادیانیوں کے اپنے مذہب کو برقرار رکھنے اور اس پر عمل کرنے کے حق میں مداخلت نہیں ہے۔ احمدیوں کے مذہب کے پرچار پر پابندی قرآن اور سنت رسول ﷺ کے

احکامات کے خلاف نہیں ہے۔ یہ امتناع قادیانیوں کے غیر مسلم قرار دیئے جانے اور ان کے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے نتیجے میں ہے۔ اس سے اس بات کا تذکرہ ہوگا اگر ایک مسلمان احمدیت قبول کر لے تو بھی وہ مسلمان ہی رہے گا۔ یہ طرز عمل آئین کے خلاف ہوگا۔^(۱) یہ تفصیلی فیصلہ جو بڑے ٹائپ شدہ دو سو چوبیس صفحات پر مشتمل تھا اس میں عدالت نے مرزا غلام احمد کو کافر قرار دیا۔ فیصلے کے مطابق ان کی سابقہ زندگی بتاتی تھی کہ وہ ایک دھوکے باز اور بے ایمان شخص تھا جس نے ایک منصوبے کے تحت آہستہ آہستہ اپنی تحریروں اور اقوال سے اپنے آپ کو محدث اور مسیح بنالیا۔ اس کی تمام پیش بینیاں اور پیش گوئیاں جھوٹی ثابت ہوئیں مگر اپنے مخالفین کے تمسخر سے بچنے کے لیے اس نے اپنی تحریروں میں کئی مواقع پر یہ وضاحت کی کہ اس نے کبھی نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ قائد اعظم یا پاکستان کی طرف سے قادیانیوں کے ساتھ کوئی ایسا عہد نہیں کیا گیا تھا کہ انہیں مسلمانوں کے طور پر سمجھا جائے گا اور انہیں اپنے عقیدے کے لیے اسلام کا نام استعمال کرنے کی اجازت ہوگی۔^(۲)

قادیانیوں (دونوں گروپوں) نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو سپریم کورٹ (شریعت بینچ) میں آئین کے آرٹیکل ایف۔ ۲۰۳ کے تحت چیلنج کیا۔ سالکان عجیب الرحمن۔ مرزا نصیر احمد۔ مبشر لطیف احمد اور مظفر احمد نے قادیانی جماعت کی نمائندگی کی اور کیپٹن ریٹائرڈ عبدالواجد نے لاہوری جماعت کا نقطہ نظر پیش کیا۔ قادیانی سالکان نے یہ درخواست کی کہ اس آرڈیننس سے احمدیوں کے عقیدے اور عبادت کے بنیادی حقوق متاثر ہوئے ہیں جو کہ قرآن و سنت کی روح کے خلاف ہے۔ انہوں نے استدعا کی۔

”یہ اپیل کی یادداشت جو مختصر بنیادوں پر پیش خدمت ہے وہ مختصر حکم کی بناء پر ہے۔ اپیل کنندگان اپیل کی مفصل بنیادیں اس وقت پیش کریں گے جب انہیں مفصل فیصلہ میسر آجائے گا۔“

انکی اپیل کی مختصر بنیادیں یہ تھیں کہ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے مختصر حکم میں یہ کہا ہے۔

۱۔ دی مسلم اسلام آباد ۱۳ اگست ۱۹۸۴ء۔

۲۔ ڈان کراچی ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء۔

”یہ آرڈیننس جو ۱۹۷۷ء کی آئینی ترمیم کے نتیجے میں آیا ہے جس میں قادیانیوں کو خواہ وہ لاہوری گروپ سے تعلق رکھتے ہیں یا دوسرے گروپ کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔“

اور یہ آرڈیننس آئینی حکم نامے کا نفاذ ہے اور وفاقی شرعی عدالت اس بات کو سمجھنے میں ناکام رہی ہے کہ آیا یہ آرڈیننس آئینی ترمیم کا نتیجہ تھا یا نہیں۔ وہ اس درخواست کے مقاصد (آرٹیکل بی-۲۰۳ آئین پاکستان) کے مقاصد سے قطعی طور پر غیر متعلقہ ہے۔ وفاقی عدالت کو چاہئے تھا کہ وہ اس بات کا جائزہ لیتی کہ یہ آرڈیننس قرآن و سنت کے احکامات کے خلاف تو نہیں۔ آئین کا موقف متعلقہ نہیں ہے۔^(۱)

پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے دونوں شریعت اپیلیں دس اور گیارہ جنوری ۱۹۸۸ء کو سماعت کیں جو کہ واپس لینے جانے کی بناء پر مسترد ہو گئیں۔

انسانی حقوق کے نام پر

انسانی حقوق کی ایجنسیوں جیسے انٹرنیشنل۔ قانون دانوں کا بین الاقوامی کمیشن۔ وکلاء انسانی حقوق۔ اقوام متحدہ کا کمیشن برائے انسانی حقوق نے ہمیشہ افغانستان۔ لبنان۔ فلپائن۔ چلی اور پولینڈ جیسے ممالک میں انسانی حقوق کی حالت زار کے بارے میں اپنی حکمت عملیوں کے ہمیشہ دوہرے معیار اختیار کیے۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ان کا رویہ ہمیشہ پر تعصب ہوتا ہے۔ اسلامی تحریکوں کو خوف اور جبر کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے جبکہ یہودیوں اور اسرائیل کا معاملہ آجائے تو اخلاقی اقدار۔ انسانی ہمدردی اور مغرب کے مشترک یہودی عیسائی ورثے کے سوال کو اٹھایا جاتا ہے۔

انسانی حقوق کی ایجنسیوں کی تیار کردہ رپورٹیں جو ۸۸-۱۹۸۵ء میں منظر عام پر آئیں ان میں ہمیں احمدیہ مسئلے پر بھی کئی صفحات ملتے ہیں جن میں ان کے ساتھ پوری ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اپریل ۱۹۸۶ء میں مس کیرن پارکرنے جو کہ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق کی نمائندہ تھی پاکستان میں انسانی حقوق کے مطالعے کے لیے پاکستان کا

دورہ کیا۔ اس نے سیاسی اسیران کی امدادی اور رہائی کمیٹی۔ کونسل برائے سول لبرٹی اور انسانی حقوق کی دیگر تنظیموں کے ساتھ گفتگو کی۔ پریس سے باتیں کرتے ہوئے اس نے پاکستان میں قادیانی گروپ کے بارے میں اقوام متحدہ کے کمیشن برائے حقوق انسانی کی منظور کردہ ایک قرارداد جاری کی۔ اقوام متحدہ کے کمیشن نے اپنی قرارداد میں چھبیس اپریل ۱۹۸۲ء کے آرڈیننس XX کے نفاذ پر گہری تشویش کا اظہار کیا تھا جس کی رو سے اپنے آپ کو احمدی کہلوانے والوں کو مسلمانوں جیسا طرز عمل اپنانے سے منع کیا گیا تھا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سزائیں عین کی گئی تھیں۔ اس قرارداد میں حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس آرڈیننس کو واپس لیا جائے اور حکومت کے ماتحت تمام اشخاص کی بنیادی آزادیوں اور انسانی حقوق کو بحال کیا جائے۔^(۱)

مس کیرن نے پاکستان میں امریکی سفیر کے ساتھ صدر ضیاء سے احمدیہ معاملات سمیت انسانی حقوق پر بحث کے لیے ملاقات کی۔ وہ اپنی رپورٹ میں کہتی ہے۔

”حکومت پاکستان احمدیوں کے مذہبی عقائد اور عمل کو عوامی امن اور اخلاقی استثناء کی حدود میں برقرار رکھتے ہوئے آرڈیننس XX کا دفاع کرتی ہے۔ صدر ضیاء الحق نے اس کے سامنے بھی ایسا ہی دعویٰ کیا تھا تاہم ان کی شکایت کا زور اس بات پر ہے کہ احمدی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس یادداشت (پاکستان کی وہ یادداشت جو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے حقوق انسانی کے بیالیسویں اجلاس میں احمدیہ سوال پر تقسیم کی گئی تھی) میں کہا گیا ہے۔

”یہ ضروری محسوس کیا گیا ہے کہ آرڈیننس XX میں احمدیوں کے ان اعمال کو پہچانا جائے اور ان کی تخصیص کی جائے جس کے ذریعہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اور جب اس چیز کا سرعام اظہار کرتے ہیں تو مسلمانوں کے مذہبی جذبات کے لیے شدید اشتعال پیدا کرتے ہیں (اور ان کے ذہنوں میں جو پریشانی پیدا ہوتی ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔“

جنرل ضیاء نے مصنفہ کو بتایا

”احمد یوں سے مجھے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ آرڈیننس

XX انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے لیکن مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔“ (۱)

اپنی رپورٹ میں اس نے ”پاکستان میں احمدیوں پر مظالم“ کے زیر عنوان احمدیہ مسئلے کے لیے پندرہ صفحات مخصوص کیے۔

اکتوبر ۱۹۸۶ء میں بے نظیر بھٹو کی گرفتاری کے بعد (مغربی) جرمنی کے سابقہ چانسلر دلی برانت کی قیادت میں سوشلسٹ انٹرنیشنل نے انسانی حقوق بیورو آف سوشلسٹ انٹرنیشنل کی یون میں اکتوبر میں ہونے والے اجلاس کے لیے ایک رپورٹ کی تیاری کے لیے حقیقت حال کا پتہ چلانے کے لیے پاکستان میں ایک مشن بھجوا دیا۔ وان میرٹ جو سوشلسٹ انٹرنیشنل کا نائب صدر تھا اس نے پاکستان کا دورہ کیا اور پاکستان میں ”احمدیوں کی حالت زار“ پر گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ (۲)

دسمبر ۱۹۸۶ء میں قانون دانوں کے بین الاقوامی کمیشن نے مارشل لاء حکومت کے آٹھ سال بعد جمہوری طرز کی حکومت کی طرف واپسی کے طریق کار کے مطالعہ کے لیے ایک مشن پاکستان بھجوا دیا۔ مشن نے اس کے علاوہ مذہبی اقلیتوں اور اقلیتوں کی حالت پر بھی بحث کی۔ اس مشن میں سابقہ سپریم کورٹ جج گسٹاف پیٹرن۔ مسز ہیلن کل۔ نیوزی لینڈ کی بار کی رکن۔ برننگھم یونیورسٹی میں قانون کے لیکچرار مسٹر جرمی میکمرائڈ اور قانون دانوں کے بین الاقوامی کمیشن کے ایشیا کے لیے قانونی افسر مسٹر بی جے روندرا ن شامل تھے۔ مشن نے اعلیٰ حکومتی عہدے داروں چیف جسٹس آف سپریم کورٹ اور دوسرے ججوں اور صوبوں کی عدالت عالیہ کے چیف جسٹسوں سے ملاقاتیں کیں پاکستان میں انسانی حقوق کے علمبرداروں سے بھی اس نے ملاقاتیں کیں۔ اس کمیشن کی رپورٹ اپریل ۱۹۸۷ء میں جنیوا سے شائع ہوئی۔

اس رپورٹ میں خصوصی طور پر احمدیہ مسئلے اور آرڈیننس ۱۹۸۴ء اور مارشل لاء کے

۱۔ کیرن پادکر ڈارنی ایٹ لا ملاحظہ خصوصی برائے دکھ مانائی حقوق کی پاکستان میں انسانی حقوق کے بارے میں رپورٹ جنوری ۱۹۸۷ء ص 18۔

۲۔ دی مسلم اسلام آباد 11 اکتوبر 1986ء۔

بعد آئینی ترقی پر روشنی ڈالی گئی۔ اس رپورٹ میں اس آرڈیننس کو نہ صرف مذہبی آزادی کی خلاف ورزی قرار دیا بلکہ بلا جواز گرفتاری اور نظر بندی کو آزادی کے منافی بتایا۔

امریکی امداد:

صیہونی پشت پناہی والے امریکی پریس اور اقتدار کے ایوانوں میں قادیانی مسئلے کو اس وقت بڑی شہرت حاصل ہوئی جب کانگریس میں پاکستان کے لیے امریکی امداد پر بحث چل نکلی۔ مرزا طاہر احمد نے امریکہ میں اپنی جماعت کے کچھ ممبران جن میں جنوب مشرقی امریکی علاقے کا مبلغ عبدالرشید بچئی اور قومی سیکرٹری تبلیغ مسعود احمد ملک شامل تھے ان کی یہ ذمہ داری لگائی کہ وہ کانگریس کے ممبران اور سینٹ کی ایوانی کمیٹی کے سینئروں خصوصاً کلیر بارن ہیل۔ ایڈورڈ کینیڈی۔ پیٹ موئی پیمان اور سٹیفن سولارز سے ملیں اور صدر ریاض الحق پر دباؤ ڈالنے کے لیے ان کی حمایت حاصل کریں۔ امریکی کانگریس کے اوہایو ریاست سے تعلق رکھنے والے ٹونی پی سرہال نے ایوان نمائندگان میں سترہ جولائی ۱۹۸۶ء کو پاکستان میں احمدیوں پر نام نہاد مظالم سے متعلق ایک قرارداد پیش کی۔ اس نے آرڈیننس ۱۹۸۲ء پر تنقید کرتے ہوئے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا کہ اس کو منسوخ کر دے۔

”میرے بہت سے شرکائے کار نے ایوان نمائندگان اور سینٹ میں حکومت پاکستان کو

احمدیوں کی حالت زار کے بارے میں اپنی تشویش سے آگاہ کیا ہے۔“

کانگریس کے ممبران نے یہ واضح کیا کہ حکومت پاکستان احمدیوں کے خلاف کسی امتیاز یا ظلم کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔ اس نے احمدیہ مشن لندن کی طرف سے امریکی تنظیموں۔ وکلاء کی کمیٹی برائے انسانی حقوق اور وکلاء انسانی حقوق کو فراہم کی جانے والی اطلاعات کی بناء پر زور دے کر کہا کہ یہ بات طے ہے کہ مذہبی عقیدے کی بناء پر احمدیوں کو ایک خاص طریقے سے وسیع امتیازی برتاؤ کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس نے تجویز پیش کی کہ پاکستان کو ۲۴ ارب ڈالر کی امداد برائے سال ۱۹۸۸-۹۳ء روک دی جائے یا اسے احمدیہ مسئلے کے

ساتھ منسلک کر دیا جائے۔ بدنام زمانہ بیورو کریٹ ایم ایم احمد نے ورلڈ بینک سے ریٹائرمنٹ کے بعد ایک احمدی مبلغ کے طور پر کام شروع کر دیا تھا انہوں نے بڑی سرگرمی کے ساتھ کانگریس کو اپنا ہموایتی بنانے کی کوشش کی۔

قادیانیوں کی شرانگیزی کے باعث پاکستان کی امداد کا پروگرام وقتی طور پر مسائل سے دوچار ہو گیا۔ کانگریس کی طرف سے اس امداد کی منظوری کو احمدیہ مداخلت کے علاوہ دیگر عوامل۔ کانگریس کی ڈیموکریٹکس کے زیر اثر کمیٹیوں میں اٹھنے والے مسائل۔ ایران کو نٹرا اسکینڈل۔ پاکستان کا اعلان برائے نیوکلیر پروگرام اور گریم روڈ مین بجٹ میزانیہ قانون سازی (۱۹۸۶ء) کے اخراجات کی کٹوتی کے اخراجات جیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مزید کانگریس میں ایوان کی ذیلی کمیٹی کا سربراہ سٹیفن سولارز تھا جو ایک پکا ہندوستان نواز تھا۔ امریکی حکومت نے ایک سو پانچ دن کے لیے پاکستان کو ادائیگی التوا میں ڈال دی۔^(۱) قادیانیوں کی سرگرم ملاقاتوں اور ان کے خیر خواہوں کی اعانت سے امریکی انتظامیہ نے مرزا طاہر احمد کو دعوت دی کہ وہ ستمبر ۱۹۸۷ء میں اسلام کے نمائندہ کے طور پر مشترکہ منتخب کمیٹی کے اجلاس سے خطاب کرے اور پاکستان میں احمدیوں پر مظالم پر اپنا موقف پیش کرے۔

اس امریکی تحریک پر امریکہ کی مسلمان تنظیموں نے شدید نقطہ چینی کی۔ امریکہ میں اسلامی تنظیموں کے وفاق نے امریکی صدر روگین کو خط لکھا کہ وہ اس معاملے میں مداخلت کرے اور مشترکہ ایوان کمیٹی سے مرزا طاہر کے خطاب کو روکے۔ وفاق نے یہ وضاحت کی کہ مرزا طاہر احمد، مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا ہے جس نے مقدس انبیاء حضرت محمد ﷺ اور عیسیٰ ابن مریم کے خلاف بہتانات کا طوفان کھڑا کیا ہے۔ وفاق نے اس حقیقت پر زور دیا کہ مرزا طاہر احمد کو ان لوگوں نے بلایا ہے جو امریکی حکومت کو شدید نقصان پہنچانے کا عزم رکھتے ہیں اور اس بابت کی کوشش کر رہے ہیں کہ دنیا کے پینتالیس اسلامی ممالک سے امریکہ کو الگ کر دیا جائے۔

وفاق نے صدر ریگن کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کروائی کہ قادیانی معاملے میں افغانی مزاحمت بڑی شدید ہوگی۔ قادیانی مخالف رویے کا ایک مستحکم پس منظر ہے۔ برطانیہ نے ہندوستان پر حکومت کے دوران دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے تحریک آزادی کے مکمل ڈھانچے کو نقصان پہنچانے کی خاطر نبوت کے جھوٹے دعوے دار غلام احمد کو کہا کہ وہ اپنی وحی والہامات کی رو سے جہاد کو حرام قرار دے ڈالے۔ وفاق نے کہا کہ صرف اس اکیلے عمل سے برطانوی ہند کے مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوئی کہ افغان مسلمان جن کی مزاحمتی تحریک آج کل چل رہی ہے احمدیوں کے بارے میں شدید رد عمل ظاہر کرتے رہے۔

عالم اسلام کے نمائندے کے طور پر مرزا طاہر احمد کے پیش ہونے کی حقیقت ان مجاہدین کے لیے بہت زیادہ اشتعال انگیز ثابت ہوگی جنہیں سوویت یونین کے خلاف امریکہ ان کے جہاد میں مدد دے رہا ہے۔ وفاق میں مسلمان نمائندوں نے اس چیز کا شدت سے اظہار کیا کہ مرزا طاہر کے پیش ہونے سے امریکی ریاستوں میں یہودی لابی کے ہاتھ مضبوط ہوں گے۔^(۱)

امریکہ اور پاکستان میں موجود برادرانہ تعلقات کو مد نظر رکھتے ہوئے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اپنے امداد کے پروگرام میں پاکستان میں احمدیوں کی حالت زار کے مسئلے کو بہت زیادہ اہمیت دینے پر رضامند نہ تھا۔ امریکی خارجہ حکمت عملی کے وسیع تر عوامل اور افغان مسئلے کے مد مقابل ایشیائی علاقے میں اس کے مفادات نے اس مسئلے کو پس پشت ڈال دیا اور مرزا طاہر کے لیے یہ ایک طمانچہ ثابت ہوا جو امریکی کانگریس سے خطاب کے لیے پر تول رہا تھا۔ اپنی سخت مٹانے اور اپنے سادہ لوح ٹولے کو مطمئن کرنے کے لیے انہوں نے ایک بڑی مناسب چال چلی اور تمام معاملات کو ایک ایسا رخ دے دیا جو بالواسطہ طور پر پاکستان مخالف تحریک تھی۔ انہیں اس حقیقت کا ادراک تھا کہ کانگریس میں ان کے بیانات پاکستان میں احمدیہ جماعت کے خلاف بہت بھیاںک اثرات کے حامل ہوں گے۔

اس نے ایک جھوٹے قوم پرست کا خول چڑھالیا اور بڑی چالاکی سے یہ دعویٰ کیا

کیہ کانگریس حقوق انسانی کے بہت سے پہلوؤں کو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ واشنگٹن میں روزنامہ جنگ کے نمائندہ خصوصی کو انٹرویو دیتے ہوئے اس نے کہا

”امریکی کانگریس نے پہلے آمریت کا مسئلہ اٹھایا مگر جب پاکستان میں کسی قسم کے انتخابات ہو گئے جنہوں نے اس مسئلے کو حل کر دیا تو امریکی کانگریس نے حقوق انسانی کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ ایک مرحلہ پر کانگریس اور سینٹ کے اراکان نے یہ تجویز پیش کی کہ پاکستان کو اس وقت تک کوئی امداد نہ دی جائے جب تک امریکی صدر ہر سال یہ تصدیق نہ کر لے کہ احمدیوں کے خلاف کوئی زیادتی نہیں ہو رہی۔ لیکن میں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور ایک پیغام بھجوایا جس میں میں نے کہا کہ ایک طرف تو وہ ملک کو تباہ کر رہے ہیں اور دوسری طرف انہوں نے احمدیوں کو اپنے ملک کے خلاف استعمال کیا ہے۔ میں نے اس تجویز کی شدید مذمت کی اور احمدیوں کو اس کے خلاف تجویز دی کیونکہ اس تجویز سے احمدیوں کو ناقابل طاقی نقصان پہنچے گا۔ مجھے امریکی کانگریس اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرنے کی دعوت ملی مگر میں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا کیونکہ میں کوئی سیاست دان نہیں ہوں۔ پاکستان کے سیاسی نمائندوں کو کانگریس یا سینٹ سے خطاب کرنا چاہیے۔ مجھے خدشہ تھا کہ وہ مجھ سے ایسے سوالات پوچھیں گے جن سے پاکستان کی بدنامی ہوگی اور اگر پاکستان کی بدنامی ہوتی ہے تو ایسے اجلاس میں میری شرکت کی کوئی تک نہیں بنتی درحقیقت امریکی کانگریس چاہتی ہے کہ میں پاکستان کی تذلیل کروں مگر میں نے سوچا کہ یہ چیز نامناسب ہے چنانچہ میں نے یہ تجویز مسترد کر دی۔ حکومت پاکستان کے خلاف اس مہم کے درپردہ مذہبی کے بجائے سیاسی مقاصد کا رفرما ہیں احمدیوں کے خلاف موجودہ حکومت کے مظالم اور نا انصافیاں کسی قدر کم ہو جائیں گی جب احمدی مزید مستحکم ہوں گے اور اپنی بقاء کے بارے میں زیادہ پرامید ہوں گے۔

پاکستان سپر طاقتوں کے لیے جنگ کا ایک اکھاڑہ بن چکا ہے اگر پاکستان امریکی کھیل کھیلتا بند کر دے تو اسے سوویت یونین کی جانب سے کسی خطرے کا سامنا نہیں رہے گا۔“ (۱)

امریکہ میں ہندوستانی پریس نے پاکستانی مل برائے امریکی امداد کو روکنے کے لیے احمدیہ مسئلے کو وسیع تشہیر دی۔ انہوں نے بڑی عیاری کے ساتھ پاکستان کے ساتھ نفرت ظاہر کرنے کے لیے احمدیہ ہوا کھڑا کیا۔ ان کے اخباروں ”دی اوور سیز ٹریبون“ و ”اسٹیشن“ ”انڈین آبزور“ ”نیویارک اینڈ انڈیا ایرڈشک“ کو ”امریکی عوام کے سامنے احمدی نکتہ نظر پیش کرنے میں پیش پیش تھے۔“^(۱)

امریکی سینٹ نے پاکستان کو ۲۴ ارب ڈالر کی امداد اس قانون کے ساتھ منسلک کر کے دیدی جس کی رو سے ان ممالک کو امریکی امداد منقطع کر دی جاتی تھی جنہوں نے غیر محفوظ طریقے سے جدید ٹیکنالوجی یا آلات درآمد کیے۔

شرانگیزی مہم:

مرزا طاہر کی ہدایات کی روشنی میں قادیانی انتہا پسندوں نے آرڈیننس کی کھلی اور واضح خلاف ورزی کی اور مسلمانان پاکستان کے جذبات کی پرواہ کیے بغیر کلمہ طیبہ کے بیج پہنے۔ اپنی عبادت گاہوں پر کلمہ لکھوایا۔ مسلمانوں کی مساجد پر بم پھینکے اور ان کے مقدس مقامات کی تذلیل کی۔ انہوں نے ان نہتے لوگوں کو حملوں کا نشانہ بنایا جنہوں نے ان کے باغیانہ رویے پر تنقید کی۔ پاکستان میں طبقاتی اور فرقہ وارانہ اختلافات پیدا کرنے کے لیے زر کثیر خرچ کیا۔ انہوں نے فرقہ وارانہ فسادات کے سائے میں اپنی عافیت تلاش کر لی۔ پاکستان کے طول و عرض میں وسیع پیمانے پر تخریبی مواد پھیلانے کے لیے پریس کا حوالہ دیے بغیر ربوہ اور دیگر قادیانی مطابع میں بہت سافرقہ وارانہ اور اشتعال انگیز لٹریچر تیار کیا گیا۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے کے وسط میں سندھ اور پنجاب میں جو نسلی۔ مذہبی اور طبقاتی کشیدگی پیدا ہوئی وہ زیادہ تر صدر ضیاء کی غیر نمائندہ حکومت کی اختیار کردہ حکمت عملی کے نتیجے میں تھی مگر اس کی جڑیں قادیانی شرانگیزی میں بھی پیوست تھیں بلکہ پاکستان میں قادیانی آلہ کاروں نے اپنی مذموم حرکات سے اس کشیدگی کو اور ہوا دی۔

۱۔ ماہنامہ الحق اکوڑہ، ملک، جولائی ۱۹۸۸ء، مہمہ مذہبی و اشتعال انگیز سدا پورٹ۔

۱۹۸۴ء کے وسط سے لے کر ستمبر ۱۹۸۸ء تک تقریباً دو ہزار چھ سو بانوے قادیانی تخریب پسندوں کو آرڈیننس کی خلاف ورزیوں کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

”۱۲۵ قادیانیوں نے اپنے آپ کو مسلمان قرار دیا۔ ۵۸۸ قادیانیوں نے کلمہ والے بیج پہنے۔

۱۷۸ نے اسلام مخالف لٹریچر تقسیم کیا۔ ۳۲۱ قادیانیوں نے اپنی عبادت گاہوں پر کلمہ تحریر کیا۔

۲۰۴ قادیانیوں نے اذان دی۔ ۶۲ قادیانیوں نے مقدس مقامات کی بے حرمتی کی۔ ۲۱۴

قادیانیوں نے اس آرڈیننس کی ایک یا زیادہ طرح سے خلاف ورزی کی۔ ۲۲۱ قادیانیوں کو

جموٹی افواہیں پھیلانے اور بیرون ملک سے مسلح شدہ حکومت مخالف لٹریچر تقسیم کرنے کے

الزامات میں گرفتار کیا گیا اور جیل بھجوا دیا گیا۔“ (۱)

اس قسم کی قادیانی اشتعال انگیزیاں اور خلاف ورزیاں انیس قادیانیوں کی موت کی صورت میں رونما ہوئیں جن میں گیارہ سندھ میں سات پنجاب میں اور دوسرے دارے گئے۔ سندھ کی سکھر اور قھر پارکربوڈیشیوں میں اور ساہیوال (پنجاب) میں قادیانی حملہ آوروں کی گولیوں کی بوچھاڑ سے دو مسلمان شہید ہو گئے۔ سکھر میں فوجی عدالتوں نے ایک قادیانی پروفیسر نصیر احمد قریشی اور اس کے بھائی رفیع احمد قریشی کو سزائے موت سنائی اور ساہیوال کے مقدمے میں دو مسلمانوں کو شہید کرنے پر دو دیگر قادیانیوں الیاس منیر اور نعیم الدین کو سزائے موت دی گئی۔

قادیانی عبادت گاہیں جو درحقیقت ملک دشمن سرگرمیوں کا مرکز بن چکی تھیں۔ ان کو مسلمانوں نے جوابی طور پر حملوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ بڑھتی ہوئی قادیانی اشتعال انگیزیوں کے نتیجے میں پولیس نے دس عبادت گاہوں کو سر بمبر کر دیا۔ چھ کو مسلمان مجاہدین نے گرا دیا۔ بارہ کو آگ لگا دی گئی یا نقصان پہنچایا گیا۔ جبکہ ۸۸-۱۹۸۵ء تک ستر میں توڑ پھوڑ کی گئی۔ حکومت نے ایک سو پچاسی احمدیہ کتابوں اور رسالوں پر پابندی عائد کر دی جن میں اسلام دشمن۔ ملکی سالمیت اور امن عامہ کے خلاف مواد تھا۔ اس سے اچھی طرح باخبر ہونے

کے باوجود کہ مسلمان اپنے قبرستان میں قادیانوں کو ان کے مردے دفن کرنے کی اجازت نہیں دیتے، انہوں نے جان بوجھ کر مسلمانوں کے قبرستانوں میں اپنے مردے دفن کر کے ناخوشگوار واقعات پیدا کیئے۔

مسلمانوں نے سولہ قادیانی مردوں کو اپنے قبرستانوں میں دفن کرنے سے روک دیا جبکہ اٹھارہ لاشوں کو قبروں سے نکال کر پھینک دیا گیا۔^(۱)

پاکستان میں قادیانی انتہا پسندی مسلسل جاری رہی۔ مرزا طاہر کی ہدایات پر ان کی بڑی جماعتیں ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہوتی چلی گئیں۔ ملک کے یہ گناہ دشمن اپنے بیرونی آقاؤں کہ شہرہ پر ملک کی سالمیت اور استحکام کے خلاف سرگرم رہے۔

۱۹۸۸ء کے وسط تک مرزا طاہر نے لوگوں کی اصل مسائل سے توجہ ہٹانے کے لیے دوسرا تختہ کھنڈ اختیار کیا۔ احمدیت کے حقیقی کردار پر پاکستان میں علماء جو اعتراضات اٹھا رہے تھے ان سے نوجوان طبقہ قادیانیت سے بدظن ہو رہا تھا۔ ان کو مطمئن کرنے اور اپنے خلافتی اور روحانی تاثر کو اجاگر کرنے کے لیے مرزا طاہر احمد نے مہبلہ کا چیلنج دے ڈالا۔

مہبلہ مہم

دس جون ۱۹۸۸ء کو مرزا طاہر احمد نے جماعت کے مخالفین اور دشمنوں کو مباہلے کا چیلنج دیا۔ اس نے اپنے خطبہ جمعہ میں واضح کیا۔

”بچھلے کئی سالوں سے پاکستان میں احمدیت کے مخالف مسیح موعود کی ذات کی توہین کرتے ہوئے تمام حدود سے گزر گئے ہیں۔ ہم نے قوم کو سمجھانے کے تمام ممکنہ طریقوں کو اپنانے کی کوشش کی مگر ہماری بصیرت پر کان نہ دھرا گیا۔ چنانچہ ہم غلط الزامات لگانے والوں اور ان کے رہنماؤں کو مہبلہ کا چیلنج دینے پر مجبور ہیں تاکہ غلط اور صحیح میں امتیاز ہو سکے۔ یہ چیلنج پاکستانی قیادت کو ہر سطح پر دیا جا رہا ہے جو حکومت میں ہیں اور عدلیہ میں ہیں۔ علماء میں سے بعض افراد یا مختلف گروپوں میں سے بااثر لوگ ہوں یا رہنما۔ یہ چیلنج دنیا بھر کی احمدی جماعت کی جانب

۱۔ دیکھئے پاکستان میں احمدی مسلمانوں پر عالم لندن مرکز پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء۔

سے ہے۔ انہوں نے احمدیوں کی تقسیم سے قبل برطانوی سرکار کے ساتھ کسی بھی قسم کے گٹھ جوڑ کی تردید کی اور مسیحیوں اسرائیل کے ساتھ جماعت کے خفیہ تعلق کا انکار کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ احمدی پاکستان دشمن نہیں ہیں نہ ہی ہندوستان نواز ہیں پاکستان کے خلاف جاسوسی میں بھی مصروف نہیں اور بیرونی قوتوں کے اشارے پر غرضی اور توڑ پھوڑ کی کارروائیوں میں مصروف نہیں ہیں۔“ (۱)

انہوں نے یہ بڑبائی کی کہ ان کا مباہلے کا چیلنج قبول کر کے ان کے مخالفین ایک سال کے اندر اندر جو جو جون ۱۹۸۹ء میں ختم ہو گا خدا کے قہر کا شکار ہو جائیں گے۔ مباہلہ کا چیلنج احمدیوں کی پرانی چال ہے جسے مرزا قادیانی نے اپنے مخالفین کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے اختیار کیا تھا مگر خود ہی اس کا شکار ہو گئے۔ مرزا طاہر کے والد مرزا محمود کو یہ لفظ ہر وقت خوفزدہ کیے رکھتا تھا۔ مرزا طاہر احمد کی جانب سے دراصل یہ ایک آخری وار تھا جسے انہوں نے اپنی ڈمگاتی قیادت کو سہارا دینے کے لیے اور ان قادیانی نوجوانوں کی عقیدت مندی کو زندہ کرنے کے لیے استعمال کیا جو احمدیہ جماعت کے مذہبی عقائد اور عمومی کردار کے متعلق سوال کرنے لگ گئے تھے اور پاکستان کے اندر اور بیرون ملک قادیانی اکابر کی خفیہ اور پنہاں سیاسی سرگرمیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ قادیانی تخریب کاروں نے اس مباہلہ کی ہزاروں نقول پاکستان میں کشیدگی پیدا کرنے اور مسلمانوں کو مشتعل کرنے کے لیے تقسیم کیں۔ حافظ بشیر احمد مصری جو کہ شیخ عبدالرحمن مصری کا بیٹا تھا اور جس نے ۱۹۳۵ء میں ایک وقت میں مرزا محمود پر لاقعداد اخلاقی نوعیت کے الزامات لگائے تھے انہوں نے مرزا طاہر کو خط لکھا اور ”ان کے والد گرامی کی جنسی کرتوتوں“ کے بارے میں مباہلہ کا چیلنج کیا۔ مرزا طاہر کو ان کا سامنا کرنے کی کبھی جرأت نہ ہو سکی۔

احمدیہ عقائد کی نوعیت اور ایک صدی پر محیط اس کی تاریخ نے قادیانیوں پر لعنت بھیجنے کی قابل ذکر بنیاد مہیا کر دی تھی۔ قادیانیوں نے دین اور سیاست کے خلاف جو چھ کیا وہ عیاں تھا۔ سادہ ترین طریقہ یہ تھا کہ مباہلے کی آڑ میں کیے جانے والے پروپیگنڈہ کو نظر

انداز کر دیا جائے کیونکہ اس کے حتمی مقاصد تھے۔ پھر بھی تمام مکاتب فکر کے علماء نے مباہلے کے اس چیلنج کو کھلے دل سے قبول کیا۔ انہوں نے مرزا طاہر احمد سے کہا کہ وہ اپنے اہل خانہ اور پیروکاروں کے ساتھ کسی کھلی جگہ آئے اور قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق جھوٹے پر خدا کی پھٹکار کی دعا کرے۔ مشہور علماء کرام مثلاً مولانا طاہر القادری، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا خان محمد اور عالمی تحریک ختم نبوت سے وابستہ کئی علماء نے مرزا طاہر احمد کو کہا کہ وہ مباہلہ کی جگہ کا انتخاب کرے مگر اس میں قبول کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس نے ایک کے بعد دوسرا بہانہ تراشا اور تحریری مباہلے پر اصرار کیا جس کا مقصد محض مباہلہ کے کتابچے میں درج دعا پر دستخط کرنا تھے جو ربوہ کی طرف سے جاری ہوا تھا۔ تحفظ ختم نبوت کے علماء کا ایک وفد ٹل فورڈ لندن میں واقع مرزا طاہر احمد کے قصر خلافت سرے برطانیہ میں ان سے ملنے گیا مگر وہ ان کا سامنا نہ کر سکا اور کسی نامعلوم مقام کی طرف چلا گیا۔ مباہلہ کے پردے کے پیچھے اس کی بدنیتی آشکار ہو گئی اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ایسے واقعات پیدا کر کے قادیانی کس قسم کا شیطانی کھیل کھیلتے ہیں۔

سترہ اگست ۱۹۸۸ء کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق امریکی سفیر ایک امریکی بریگیڈیئر اور کئی پاکستانی اعلیٰ فوجی حکام ایک فضائی حادثے میں مارے گئے۔ مرزا طاہر احمد کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ یہ احمدیت کی صداقت کی تازہ ترین زندہ نشانی ہے اور ایک ایسا معجزاتی نشان ہے جس کے لیے ہمیں خدا کا شکر گزار ہونا چاہئے۔^(۱) جنرل ضیاء کی ہلاکت کو مباہلے کے چیلنج کا براہ راست نتیجہ قرار دیا گیا اگرچہ جنرل ضیاء ہمیشہ قادیانی شوشوں پر ہنسا کرتا تھا اور ایسی مذہبی و سیاسی چالوں اور فریب کاریوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

جنرل ضیاء کی وفات کے بعد نومبر ۱۹۸۸ء میں پاکستان میں انتخابات ہوئے۔ قادیانیوں نے بڑی عیاری کے ساتھ اپنے سیاسی مفادات کا تحفظ کیا اور کئی قسم کے سیاسی جوڑ توڑ میں پوری طرح بالواسطہ طور پر ملوث رہے۔ بعض پرانے احمدیت نواز قومی اور صوبائی اسمبلی کے امیدواروں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے زر کثیر صرف کیا گیا۔ چونکہ قادیانی

اپنے آپ ناموں کا غیر مسلم دوٹروں کی فہرست میں اندراج نہیں کراتے تھے اس لیے انہوں نے ووٹ ڈالنے سے اپنے آپ کو الگ کر لیا۔ انہوں نے اپنے مفادات کے تحفظ اور حصول کے لیے بالواسطہ اقدامات کرنے شروع کر دیے۔

۱۹۸۸ء اور اس کے بعد ہونے والے قومی انتخابات میں بعض قادیانی امیدواروں نے قومی اور صوبائی اسمبلی کی غیر مسلم اقلیتی نشستوں پر انتخاب لڑا اور سیٹیں حاصل کیں اگرچہ ربوہ نے ان کی امیدواری یا کامیابی کی توثیق نہیں کی۔

صد سالہ تقریبات

تیس مارچ ۱۸۸۹ء کو مرزا غلام احمد نے لدھیانہ پنجاب میں باقاعدہ بیعت لیکر احمدیہ تحریک کا آغاز کیا تھا۔ قادیانی کافی عرصے سے تیاریوں میں مصروف تھے کہ وہ ۱۹۸۹ء میں ”صد سالہ“ جشن منائیں گے۔ ربوہ کے احمدیوں نے اس موقع کو شایاں شان طریقے سے منانے کے لیے صد سالہ تقریبات کا ایک مفصل پروگرام ترتیب دیا۔ حکومت پنجاب نے مارچ میں ربوہ کے مقام پر ان تقریبات کے انعقاد پر پابندی لگا دی۔ قادیانیوں کی جارحانہ مہملہ مہم کے بعد ان کے خلاف جذبات مشتعل ہوتے جا رہے تھے اور اس بات کا بالکل درست خدشہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ ان تقریبات سے مسلمان مزید مشتعل ہوں گے اور ان کے خلاف شدید رد عمل ہوگا۔ حکومتی پابندیوں کے باوجود ربوہ اور ملک کے دیگر حصوں میں رہنے والے قادیانیوں نے اس جشن کو اچھے طریقے سے منایا۔

جشن کی تقریبات پر حکومت پنجاب کی کڑی پابندیوں سے گھبرا کر ربوہ کے اکابر نے لاہور عدالت عالیہ میں ایک آئینی درخواست دائر کی جس میں عدالت سے استدعا کی گئی کہ وہ صوبائی سیکرٹری داخلہ کے احکامات مورخہ بیس مارچ ۱۹۸۹ء جن کی رو سے صوبہ پنجاب میں ان تقریبات پر پابندی عائد کر دی گئی تھی غیر قانونی قرار دے دیں اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ کے احکامات اور علاقہ مجسٹریٹ ربوہ کے احکامات جن کی رو سے آرائشی دروازے۔

اشتہات۔ آرائشی روشنیاں نہیں کی جاسکتی تھیں۔ اس کے علاوہ یہ یقین دہانی کہ دیواروں پر اب کچھ نہیں لکھا جائے گا ایسے سب احکامات کو غیر قانونی قرار دیا جائے۔

عدالت نے حکومت پنجاب کی طرف سے لگائی گئی صد سالہ تقریبات پر پابندیوں کو جائز قرار دے دیا۔ جسٹس خلیل الرحمن نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ قادیانی اپنے عقیدے پر عمل اور یقین رکھتے ہیں اور انہیں دیگر مذہبی اقلیتوں مثلاً ہندوؤں۔ سکھ۔ پارسیوں کی طرح آزادی حاصل ہے لیکن اس وقت ایک مشکل صورت حال پیدا ہو جاتی ہے جب قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اور کلمہ طیبہ جو کہ اسلام کی بنیادوں میں سے ایک ہے جیسے شعائر اسلام کو استعمال کرتے ہیں۔ عدالت نے یہ بھی کہا کہ ایسی کوئی غیر معمولی صورت حال یا واقعہ رونما نہیں ہوگا اگر قادیانیوں پر آئینی پابندی مان لیں اور وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ اور مختلف جماعت کے طور پر سمجھنے لگیں یہ ان کے مفاد میں ہوگا۔

عدالت نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسلمان قرار دے رکھا ہے اور عام مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہے۔ یہ مسلم امہ کے لیے قابل قبول نہیں۔ ملک۔ آئین سے ان کی وفاداری اور ان کا اپنی علیحدہ حیثیت قبول کرنے میں ان کی فلاح اور تحفظ کی ضمانت ہوگی۔ انہیں اسلام کو ریغمال بنانے کی کوئی اجازت نہیں ہے وہ جو چاہے عقیدہ رکھتے ہوں مگر مسلمانوں کے عقیدے کو خراب کرنے پر کیوں اصرار کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا اپنے اصل عقیدے کی حفاظت کے تحفظ کے لیے اٹھایا جانے والا کوئی بھی عمل قادیانیوں کے ہاتھوں پر اگندہ نہیں ہونا چاہئے یا انہیں کوئی بھی وجہ شکایت پیدا نہیں کرنی چاہئے۔^(۱)

مرزا طاہر احمد کی ہدایات پر قادیانیوں نے عدالت عظمیٰ پاکستان کے اس حکم کے خلاف اپیل دائر کر دی۔ انہوں نے امتناع قادیانیت آرڈیننس کو بھی چیلنج کر دیا۔ اس بنیاد پر کہ یہ آئین کے آرٹیکل XX کے منافی ہے جو ہر شہری کو اپنے مذہب پر کاربند رہنے۔ تبلیغ کرنے اور اس پر عمل کرنے کی آزادی عطا کرتا ہے۔ جولائی ۱۹۹۳ء میں عدالت عظمیٰ پاکستان کے فل بچ نے جو پانچ ججوں پر مشتمل تھا اور جس کی سربراہی مسٹر جسٹس شفیع الرحمن کر

رہے تھے اکثریتی رائے سے آرٹیکل XX کی مختلف دفعات کو چیلنج کی گئی اپیل کو خارج کر دیا۔ فل بچ میں مسٹر جسٹس شفیع الرحمن۔ مسٹر جسٹس عبدالقدیر چوہدری۔ مسٹر جسٹس محمد افضل لون۔ مسٹر جسٹس سلیم اختر اور مسٹر جسٹس ولی محمد خان شامل تھے۔

دفعہ بی۔ ۲۹۸ ت پ کی سزاؤں کے خلاف زیادہ تر قادیانی اپیلیں کلمہ طیبہ کے بیج کے استعمال یا اذان دینے کے متعلق تھیں۔ مسٹر جسٹس عبدالقدیر چوہدری جن کے فیصلے کو ججوں کی اکثریت نے قبول کیا تھا اس میں یہ کہا گیا کہ یہ صرف پاکستان میں نہیں ہے بلکہ یہ پوری دنیا میں مسلمہ ہے کہ قوانین۔ الفاظ۔ نام اور خطابات جن کے خصوصی معانی ہیں اور القابات کے استعمال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ احمدیوں کے اس موقف کے جواب میں کہ ان میں سے زیادہ تر افراد کو اس لیے سزا ہوئی کہ انہوں نے کلمہ طیبہ والے بیج پہنے تھے مسٹر جسٹس چوہدری نے انڈین کمپنی لاء کی دفعہ XX کا حوالہ دیا جس کی رو سے ایک ہی نام پر دوسری رجسٹریشن نہیں ہو سکتی۔ فاضل جج نے کہا کہ ہندوستانی آئین بھی انہیں بنیادی حقوق کو تحفظ دیتا ہے۔ جن کو ہمارا قانون دیتا ہے مگر ہندوستانی عدالتوں میں کسی ایک کا بھی ایسا فیصلہ نہیں ہے کہ رجسٹریشن سے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ ٹریڈ مارک کا استعمال یا دوسرے لوگوں کی نقالی جس کا مقصد دھوکہ دینا ہے ایک جرم بنتا ہے اور ایسا کرنے والے کو جیل بھی بھیجا جاسکتا ہے اور جرمانہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

مسٹر جسٹس عبدالقدیر نے کہا کہ اس مقدمے میں اپیل کنندگان جو غیر مسلم ہیں اپنے عقیدے کو اسلام ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔

”یہ بات مکمل طور پر ذہن میں رہنی چاہئے کہ دنیا کے اس حصے میں ایک مومن کے لیے ایمان

سب سے قیمتی چیز ہے اور وہ کسی ایسی حکومت کو برداشت نہیں کرے گا جو اس کو ایسے دھوکوں

اور دغا بازیوں سے بچانے کے لیے تیار نہ ہو۔“

فاضل جج نے کہا کہ قادیانی گروہ کی طرف سے ممنوعہ القابات اور شعائر اسلام کا

استعمال ایک عام آدمی کے ذہن میں بھی یہ شبہ نہیں چھوڑتا کہ اپیل کنندگان

(قادیانی) جان بوجھ کر ایسا کرنا چاہتے ہیں اور یہ ان مقدس ہستیوں کی توہین اور دوسروں کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

فاضل جج نے ایک امر کی قانون دان کا حوالہ دیا جس نے یہ کہا تھا کہ مذہب کا لبادہ یا مذہبی عقائد عوام الناس کے ساتھ دھوکہ دینے پر کسی کی حفاظت نہیں کرتے۔

”اگر احمدی جماعت کا دھوکہ دینے کا کوئی ایسا منصوبہ نہیں ہے تو وہ اپنی مقدس اصطلاحات کیوں وضع نہیں کرتے۔ وہ کیوں نہیں اس امر کا احساس کرتے کہ دوسرے مذاہب کے مخصوص نشان اور اعمال پر بھروسہ کرنے سے وہ اپنے مذہب کے کھوکھلے پن کو واضح کرتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان میں ایسا کوئی قانون نہیں ہے جو قادیانیوں کو اپنی اصطلاحات وضع کرنے اور ان کے استعمال سے روکتا ہو۔“

اس نقطے پر بحث کرتے ہوئے کہ یہ آرڈیننس مذہبی آزادی کا مخالف ہے مسٹر جسٹس عبدالقدیر چوہدری نے کہا کہ مذہب کی آزادی۔ قانون۔ عوامی امن اور اخلاقیات کے تابع ہوتی ہے۔ فاضل جج نے کہا کہ دوسرے ممالک کی عدالتیں عمل کی آزادی کا خیال رکھتی ہیں۔ آزادی عمل قانون کے تابع ہوتی ہے اور شتر بے مہار نہیں ہو سکتی۔ فاضل جج نے جان سٹیورٹ مل کے مضمون ”آزادی“ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فرد کو اس کی خوشی کے مطابق سب کچھ کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ ایسی آزادی کا مطلب امن و امان کی عدم موجودگی اور آخر کار آزادی کی تباہی ہوگا۔

مسٹر جسٹس عبدالقدیر نے کہا کہ اپیل کنندگان (قادیانی) نے یہ واضح نہیں کیا کہ زیر غور مقدس اصطلاحیں ان کے مذہب کا ضروری حصہ ہیں۔ پوری دنیا میں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ریاست کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دے گی کہ وہ اپنے حقوق کے استعمال میں دوسروں کے حقوق کی آزادی کو چھین لے جائے۔

”کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ کسی دوسری جماعت کے مذہب کی توہین ٹھیک کرے یا نقصان پہنچائے یا ان کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرے کہ جس سے امن و امان کا

مسئلہ پیدا ہو جائے۔ فاضل حج نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ (احمدی) مذہبی اور سماجی طور پر ایک علیحدہ گروہ ہیں اور مسلمانوں سے مختلف ہیں۔ مرزا غلام احمد اور ان کے نام نہاد خلفاء کی تحریروں کا حوالہ خصوصی طور پر دیا۔

احمدیوں کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے مخصوص شعائر اسلام اور مقدس اصطلاحات کا استعمال کریں اور اس استعمال سے قانون نے انہیں بالکل درست روکا ہے۔ فاضل حج نے فرمایا کہ یہ ہر مسلمان کا پکا عقیدہ ہے کہ وہ ہر نبی پر یقین کرے اور اس کی تعریف کرے اور اگر پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف کچھ بھی کہا جائے تو یہ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرے گا۔

”احمدیوں کو جلوس یا عوامی اجتماع کی۔ عوامی جگہوں یا سڑکوں پر اجازت۔ خانہ جنگی کو دعوت دینے کے مترادف ہوگی۔“^(۱)

چھبیسواں باب

مستقبل

ایک سو سال پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے مشرقی پنجاب کے ایک دور دراز گاؤں میں احمدیہ تحریک شروع کی۔ برطانوی سامراج کی امداد اور چندوں سے یہ ننھا پودا بڑے تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا جس کی شاخیں دنیا کے بہت سے حصوں میں پھیل گئیں۔ اس تحریک نے نوآبادیاتی مفادات کی مکمل حفاظت کی اور ہندوستان اور بیرون ملک اسے غیر ملکی مدد حاصل رہی۔ مرزا صاحب نے بڑی عیاری کے ساتھ سامراجیت کی سیاسی ضرورتوں کو سمجھا اور اپنے ذاتی مفادات کے لیے ان کی تکمیل کی خاطر اسلام کا نام استعمال کیا۔ برطانوی حفاظت اور ان کی مذہبی معاملات میں عدم مداخلت کی حکمت عملی کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے مجدد۔ مسیح موعود۔ نبی اور رسول ہونے کے دعوے کیے جہاد کی تبلیغ بذریعہ وحی کی۔ قرآنی آیات میں تحریف کی۔ اسلامی دنیا کی مذمت کی۔ علماء کو گالیاں دیں اور سامراجیت اور ان کے صیہونی حاشیہ برداروں کے سیاسی مفادات کو پروان چڑھانے کے لیے بڑی ڈھٹائی سے خدا کا نام استعمال کیا۔ انہوں نے انگریز کی خوشامد اور کاسہ لیس پر فخر کیا اور برطانوی راج کی بہبود کی خاطر رضا کارانہ طور پر جاسوسی کی خدمات پیش کیں۔ ان کے مبہم الہامات۔ مضحکہ خیز پیش گوئیاں۔ اور کئی گنے چنے موضوعات۔ مسیح کی وفات۔ مقدمے بازی کے میدان میں کامیابیاں اور ان کے پیروکاروں کی طرف سے بہت سی رقم کی وصولی جیسے امور پر انہوں نے فخر محسوس کیا۔ یہ سب چیزیں مل کر ان کی نبوت کا عنوان ترتیب دیتی ہیں۔ اس تحریک کا ماضی کا کردار بلا شک و شبہ یہ رہا کہ اس کے وجود کی

بقاء صرف برطانوی سرپرستی پر قائم تھی۔ یہ تحریک نوآبادیاتی تحفظ کے ساتھ سابقہ برطانوی نوآبادیوں اور اسرائیل میں پروان چڑھی اور اسلام دشمن قوتوں خصوصاً صیہونیت پر اپنے وجود کی بقا اور ترقی کے لیے سیاسی اور مالی امداد پر انحصار کرتی رہی۔ اس کے گم نام ہمدرد نہیں چاہتے تھے کہ اس کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ کیونکہ اس میں اتنی قوت تھی کہ یہ جہاد اور بنیاد پرستی کے خطرے کا مقابلہ کر سکے۔ یہ گمراہ کن نظریات رکھتی تھی اور مغرب سے اپنا ناٹھ جوڑتی تھی۔ مذہبی نکتہ نظر سے یہ اسلام کے بنیادی اصولوں سے ٹکراتی تھی۔ مسلم امت کے اتحاد کو توڑتی تھی اور ایک جھوٹے مسیح کے ریوڑ میں مسلمانوں کے درمیان میں سے نئی بھیڑوں کا اضافہ کرتی تھی۔ احمدیت غیر ملکی قوتوں کو ایشیا، افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں تحریقی کارروائیاں جاری رکھنے کے لیے احمدی مبلغین کے روپ میں بہت سے جاسوس اور کرائے کے ٹوفر اہم کرتی رہی۔ اگرچہ مغربی معاشی اور سیاسی بالادستی نے کمزور قوموں پر اپنا تسلط برقرار رکھنے کے لیے بہت سی شکلیں اختیار رکھی ہیں اور ان کی ان ممالک میں سرایت کرنے کے طریق کار میں زبردست تبدیلیاں رونما ہو گئی ہیں پھر بھی احمدیت ایک مکمل قوت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور جو ہر سطح پر اپنا کردار ادا کرنے کی لچک رکھتی ہے۔

بعض مضحکہ خیز مذہبی بحثوں کے علاوہ قادیانی لٹریچر نے مذہب کے میدان میں کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔ اس کے فلسفہ و پیغام میں مذہبی بنیادوں پر آزادی و حریت پر شبانہ تک نہیں ہے۔ مرزا صاحب اور ان کے دوسرے جانشین مرزا محمود احمد کسی ایسے ہندوستان کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے جو برطانوی تسلط سے آزاد ہو۔ انہوں نے ہندوستان کی مستقل غلامی کی پیش بینی کی اور اپنی جماعت کو نصیحت کی کہ وہ معاشی اور سماجی فوائد کے حصول کے لیے انگریزوں سے تعاون کریں۔ ہندوستان کے نچلے درمیانی طبقے جیسے عدالتوں کے معمولی کلرک۔ تحصیلدار۔ چھوٹے کاروباری لوگ۔ کٹھ پتلی ملاؤں وغیرہ نے قادیانی جماعت میں شمولیت اختیار کر لی تاکہ وہ اس طرح اپنے برطانوی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کر سکیں اور اپنے آپ کو راج کے وفادار خادم ثابت کر سکیں۔ ان کے رشتہ داروں نے سول اور فوجی

ملازمتوں میں ترجیحات حاصل کیں اور حکومتی ٹھیکوں کے علاوہ دوسرے معاشی فوائد حاصل کیئے اور معاشرے میں اعلیٰ سماجی مراتب سے کچھ مذہبی ذہن رکھنے والے لوگوں کو قادیانی دغا بازی سے دھوکا بھی ہوا جبکہ دوسروں نے محض ذاتی وجوہات کی بناء پر احمدیت اختیار کی۔ ان میں سے کچھ نے اس کا مزا چکھا اور پھر اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔

مرزا صاحب اپنی مذہبی تحریک کے مستقبل سے بہت زیادہ پر امید تھے۔ انہیں یقین تھا کہ برطانوی حکومت اپنی اس سیاسی ایجنسی کو اتنی جلدی ختم نہیں ہونے دے گی کیونکہ اس میں ان کے نوآبادیاتی مقاصد کو پورا کرنے کی پوری قوت و صلاحیت ہے۔ انہوں نے عرب ممالک اور ہندوستان میں اسلام کی سیاسی و مذہبی تبدیلیوں کے خلاف یہ پیش بینی کی تھی کہ ان کی تحریک اس کے خلاف ایک اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ اپنے برطانوی آقاؤں کی مدد اور محبت میں سرشار ہو کر انہوں نے ۱۹۰۳ء میں اعلان کیا۔

”اے انسانو! سنو یہ خدا کی پیش گوئی ہے جس نے زمین و آسمان پیدا کیئے۔ وہ اس تحریک کو تمام ممالک میں پھیلانے کا اور دلیل اور عقل کے ذریعے اسے تمام ادیان پر بالادستی عطا کرے گا۔ سنو! کوئی آسمان سے نازل نہیں ہوگا۔ تمام عقائد لوگ اس عقیدے کو چھوڑ دیں گے اور آج کے بعد سے تیسری صدی مکمل ہوگی جب وہ تمام لوگ جو یسوع کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ دونوں مسلمان اور عیسائی اس کی آمد سے مایوس ہو جائیں گے اور غلط ترجیحات کو پا لیں گے اور اس وقت صرف دنیا میں ایک ہی مسلم اور ایک ہی عقیدہ رہ جائے گا۔ میں تو صرف جج ہونے کے لیے آیا ہوں یہ جج میرے ہاتھوں بویا جا چکا ہے۔ یہ اب بڑھے گا اور پھلے پھولے گا اور کسی میں جرأت نہیں ہے کہ اس کی افزائش روکے۔“ (۱)

نئے احمدیوں کے متعلق بلند و بانگ اور گمراہ کن دعوے:

قادیانی امریکہ - مغربی یورپ و ایشیا کے کچھ علاقوں اور بحر الکاہل کے علاقوں میں پھل پھول رہے ہیں۔ ان کا زیادہ ارتکاز افریقہ میں ہے جبکہ اصل مرکز اسرائیل میں ہے۔

۱۔ تذکرہ اہمادین۔

اپریل ۱۹۸۲ء میں مرزا طاہر احمد کے پاکستان سے فرار کے بعد قادیانیت کے پیغام کو دور دراز علاقوں میں پہنچانے کے لیے برطانوی حکومت نے انہیں تمام سہولیات مہیا کی ہیں۔ مرزا طاہر نے ٹل فورڈ سرے میں شپ ہج سکول میں ایک مرکز قائم کیا ہے اور اس کا نام اسلام آباد رکھا ہے۔ بہت سے برطانوی اراکین پارلیمنٹ ان سے ملاقات کرتے ہیں اور اقتدار کے ایوانوں میں احمد یہ مشن کی حمایت میں آواز بلند کرتے ہیں۔ مرزا طاہر احمد کا دعویٰ ہے کہ پاکستان میں جماعت سے حاصل ہونے والے چندے کی رقوم ۸۲-۱۹۸۱ء میں ایک کروڑ ستانوے لاکھ تھیں جو ۱۹۸۶ء میں بڑھ کر چونتیس کروڑ پانچ لاکھ ہو چکی ہیں اور انہی سالوں کے دوران دنیا کے دیگر ممالک سے حاصل ہونے والی رقم سات کروڑ بارہ لاکھ سے بڑھ کر اٹھارہ کروڑ چھتیس لاکھ ہو چکی ہے۔ دوسری مدوں سے ہونے والی رقوم پاکستان کے علاوہ اسی عرصے میں نو کروڑ سے بڑھ کر اکیس کروڑ نوے لاکھ ہو چکی ہیں جو دس کروڑ تر اسی لاکھ کے رضا کارانہ چندوں کے علاوہ ہیں۔^(۱)

۱۹۸۶ء سے لے کر ۱۹۹۳ء تک تمام قسم کے چندوں میں زبردست حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔ درست اعداد و شمار میسر نہیں کیونکہ مرزا طاہر احمد نے اپنی جماعت کو ہدایت کی ہے کہ وہ ان مالی تفصیلات کو شائع نہ کریں کیونکہ پاکستان میں انٹیلی جنس ایجنسیاں اس پر چونکا ہو جاتی ہیں اور لوگ چندوں کے ذرائع کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

یہ اعداد و شمار پرانے ہیں نئے مالی وسائل کا تخمینہ عربوں میں لگایا جا رہا ہے۔ ایسے میں آنجہانی مرزا طاہر احمد نے جماعت کی ترقی اور نئے لوگوں کے قادیانی بننے کے نہایت گمراہ کن اور مبالغہ آمیز اعداد و شمار پیش کئے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ ۱۹۹۳ء سے ۲۰۰۱ء تک نو سالوں میں ۱۴ کروڑ، ۴۲ لاکھ، ۲۱ ہزار ۶۰۵ نئے افراد جماعت میں شامل ہوئے۔ ان گمراہ کن اعداد و شمار کے لیے اس باب کے آخر میں دیکھیں الفضل ۲۹ اگست ۲۰۰۱ء ۸ ستمبر ۲۰۰۱ء اور ۱۳ ستمبر ۲۰۰۱ء کے شماروں کے عکس۔

احمد یہ تحریک کا مستقبل مغرب کی غیر ملکی قوتوں کی سرپرستی اور اسلام مخالف لابی کی وسیع و عریض امداد کے ساتھ نتھی ہے۔ اس میں اتنی برداشت نہیں کہ وہ عقلی دلائل اور

بامقصد تنقید کا سامنا کر سکے۔ لاہوری جماعت کے نام سے ایک چھوٹا سا احمدی گروہ اور بھی ہے جو اپنے خاتمہ کے قریب ہے۔ مسلمانوں نے اس کے نرم رویے اور نسبتاً کم خطرناک اور اشتعال انگیز عقائد کے باوجود اس کو خوش آمدید نہیں کہا۔ یہ اپنے دھوکے کا آپ ہی شکار ہے۔ ربوہ میں مقیم احمدی جماعت نسبتاً زیادہ منظم اور ایک چالاک۔ اور جوڑ توڑ کے ماہر رہنما مرزا طاہر احمد کی سربراہی میں چل رہی تھی جو ایک خود ساختہ نبوت کے رتبے کے سراب کا شکار تھا۔ اس نے لندن میں اپنے آپ کو بہت زیادہ اہمیت کا حامل بنا لیا تھا۔

افریقہ کے پے پے ہوئے طبقوں سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگوں نے پچھلے چند سالوں میں بلاشبہ جماعت میں شمولیت اختیار کی ہے جس کی مختلف وجوہات ہیں۔ شاید انہیں مرزا غلام احمد قادیانی کی خرافات کے بارے میں بہت کم علم ہے۔ تاہم تحریک بذات خود عقلمند افراد کی توجہ کو مبذول کرانے یا اپنے آپ میں جاذبیت رکھنے سے قطعی محروم ہے۔

مُلحقات

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی اپیل کے مقدمے میں مسٹر جی ڈی کھوسلہ کے فیصلے کا متن:

بارہ جون ۱۹۳۵ء کو سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے مقدمے میں مسٹر جی ڈی کھوسلہ سیشن جج گورداسپور نے اپنا تاریخی فیصلہ دیا۔ بخاری کے دکلائے صفائی میں مولانا مظہر علی اظہر۔ مولانا عبدالکریم آف مبلہ۔ لالہ پشاور مل۔ خان شریف حسین اور مولانا رحمت اللہ مہاجر شامل تھے۔ انہیں اکیس اکتوبر ۱۹۳۶ء کو قادیان کے مقام پر منعقدہ احرار کانفرنس میں تقریر کرنے پر زیریں عدالت نے دفعہ اے۔ ۵۳ تعزیرات ہند چھ ماہ کی قید با مشقت کی سزا سنائی تھی۔

قادیانیت کی تاریخ

اپیل کنندہ کے خلاف الزام کی چھان بین سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ حقائق بیان کیے جائیں جن کا اس معاملے پر کچھ اثر ہے۔ تقریباً پچاس سال پہلے قادیان کے غلام احمد نامی نے دنیا کے سامنے اعلان کیا کہ وہ خدا کا پیغمبر موعود ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اس نے اپنے آپ کے لیے اسلام کے داعی اعظم کا کردار اپناتے ہوئے ایک نئے فرقہ کی بنیاد ڈالی جس کے ارکان اگرچہ اپنے آپ کو محمدؐ سمجھتے ہیں لیکن ان کے کچھ عقائد اور نظریات اسلام کے عام تسلیم شدہ اصولوں سے کلی طور پر اختلاف رکھتے ہیں۔ اس فرقے کا امتیازی وصف جس کو عرف عام میں قادیانی۔ مرزائی یا احمدی کہتے ہیں اس کے ارکان کا اس کے بانی جس کو مرزا کہتے ہیں پر پکا ایمان ہے۔ یہ تحریک جب شروع ہوئی تو اس نے جلد ہی ایک شکل اختیار کر لی اور ایک شریفانہ بلکہ زیادہ درست ہو گا کہ قدرے رفقا سے اور اپنے پیروکاروں کو ہزاروں میں شمار کرنا شروع کر دیا۔ قدرتی طور پر اس کی مخالفت ہوئی اور محمدؐ کی اکثریت نے احمدیت کے بانی کی مذہبی بالادستی کے غرور کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کیا۔

اس نئے زہریلے مذہب پر یقین نہ رکھنے والوں نے بڑی سختی سے کفر کے الزامات کا جواب دیا جو انہوں پر مرزا نے لگایا تھا۔ تاہم قادیانی ان بیرونی ترغیبات سے بے بہرہ رہے۔ اپنے آبائی قصبے میں مقامی تحفظ کے ساتھ محفوظ رہے اور حالات کے مطابق پھلتے پھولتے رہے۔

قادیانی غرور اور دہشت گردی:

اس قدرے محفوظ صورت حال نے قادیانیوں میں نسبتاً فخر بلکہ گھمٹ پیدا کر دیا تھا۔ اپنی دلیل کے نفاذ اور نصب العین کو بڑھاوا دینے کے لیے انہوں نے ہتھیاروں کا استعمال شروع کر دیا جس کو عام حالات میں کبھی بھی پسندیدہ نہیں کہا جاسکتا۔ انہوں نے نہ صرف ان اشخاص کو مقاطعہ - اخراج اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ سخت دھمکیوں سے بھی دھمکایا جنہوں نے ان کے خلقہ میں آنے سے انکار کر دیا بلکہ ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہوں نے ارتداد کے عمل کو مزید محفوظ کر دیا۔ غالباً اپنے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہوں نے قادیان میں ایک رضا کار فورس قائم کر لی۔ انہوں نے عدالتی کام بھی سرانجام دیے شروع کر دیے اور دیوانی اور فوجداری مقدمات بھی نمٹائے۔ دیوانی مقدمات میں فیصلے کیے جاتے تھے اور ان پر عمل درآمد کروایا جاتا تھا۔ فوجداری مقدمات میں سزائیں سنائی جاتی تھیں اور ان کی تکمیل کرائی جاتی تھی۔ درحقیقت لوگوں کو قادیان سے نکال دیا گیا تھا۔ اس پر بس نہیں ہوا قادیانیوں پر درحقیقت ملکیتی جائیداد - توڑ پھوڑ - آتش زنی اور یہ کہا گیا ہے کہ حتیٰ کہ قتل کے بھی الزامات عائد کیے گئے۔

الزامات کا ثبوت

مبادانہ ہو کہ جو کچھ اوپر بیان ہوا وہ احراری تخیل کا نتیجہ ہے یہ ضروری ہے کہ چند پکے ثبوت فراہم کر دیئے جائیں جو کہ اس مقدمے کے ریکارڈ میں آچکے ہیں۔

قادیان سے جلا وطنی کے مقدمات:

کم از کم دو افراد کو ان کے قصبے قادیان سے نکال دیا گیا کیونکہ وہ مرزا کے نظریات سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ وہ حبیب الرحمن (گواہ صفائی نمبر ۲۸) اور اسماعیل تھے۔ موجودہ مرزا نے بذات خود ایک خط لکھا اور وہ خط (ای ایکس-ڈی زیڈ-۳۳) جو کہ ریکارڈ پر موجود ہے اس میں اس نے یہ حکم دیا کہ حبیب الرحمن (گواہ صفائی نمبر ۲۸) کو قادیان آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اس خط کو بشیر الدین محمود احمد (گواہ صفائی نمبر ۳۷) نے تسلیم کیا ہے۔ گواہ صفائی نمبر ۲۰ نے یہ بھی تسلیم کیا کہ اسماعیل کو بھی برادری سے نکال دیا گیا تھا اور واپس قادیان آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ دیگر گواہان کی کافی تعداد نے ظلم و بربریت کی کئی داستانیں بیان کی ہیں۔ بھگت سنگھ (گواہ صفائی نمبر ۴۹) نے بیان کیا ہے کہ اس پر مرزائیوں نے حملہ کیا تھا، شاہ غریب نامی ایک آدمی کو قادیانیوں نے مارا تھا اور جب اس نے مقدمہ دائر کرنے کی کوشش کی تو کوئی بھی اس کے لیے گواہی دینے پر تیار نہ ہوا۔ قادیانی منصفوں کے فیصلہ شدہ مقدمات کی فائلیں پیش کی گئیں جو کہ ریکارڈ پر ہیں۔ مرزا نے یہ تسلیم کیا ہے کہ قادیان میں عدالتی امور سرانجام دیئے جاتے ہیں اور ایسے معاملات میں اپیل کے لیے حتمی عدالت وہ خود ہے۔ عدالتوں کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے اور ایک فیصلے کی مثال ہے کہ جس پر عملدرآمد کرنے کے لیے ایک گھر بیچنا پڑا تھا۔ نجی طور پر اسٹامپ پیپر تیار کیئے جاتے ہیں۔ بیچے جاتے ہیں اور مرزا کو لکھنے کے لیے درخواستوں میں استعمال ہوتے ہیں قادیان میں رضا کارانہ تنظیم کے وجود کے بارے میں گواہ صفائی نمبر ۳۷ نے بیان دیا ہے۔

مولانا عبدالکریم آف مابلہ کی داستان غم اور محمود حسین شاہد کا قتل

پھر ہمارے پاس عبدالکریم کا سنگین مقدمہ ہے جو کہ درحقیقت ایک المناک داستان ہے۔ اس شخص نے احمدی مذہب قبول کیا اور قادیان چلا گیا۔ تاہم وہاں جا کر وہ مذہبی شبہات کا شکار ہو گیا اور اس نے احمدی عقیدے سے توبہ کر لی جس پر اس پر مظالم

شروع ہو گئے۔ اس نے ایک اخبار جس کو ”مہبلہ“ کیا جاتا ہے کی ادارت شروع کر دی۔ جس کا مقصد احمدیہ گروپ کے مسلک پر تنقید کرنا تھی۔ مرزا نے ایک تقریر میں (جس کا ذکر Ex.DZ-۳۹ میں بیان شدہ ہے) مہبلہ کے ناشرین کی موت کی پیش گوئی کی۔ یہ تقریر ان لوگوں کے لیے ایک حوالہ تھی جو اپنے مذہب کی خاطر قتل پر بھی آمادہ تھے۔ اس کے فوراً بعد ہی عبدالکریم پر ایک قاتلانہ حملہ ہوا مگر وہ بچ نکلا۔ ایک شخص محمد حسین نامی جو کہ اپنے آپ کو عبدالکریم کے نصب العین کا ساتھی گردانتا تھا اور ایک فوجداری مقدمہ میں عبدالکریم کا ضامن بھی رہ چکا تھا۔ دراصل اس پر حملہ ہوا اور وہ مارا گیا۔ قاتل پر مقدمہ چلا اور اسے سزائے موت سنائی گئی۔

قاتل کا اعزاز

سزائے موت پر عمل درآمد ہوا اور اس کی پھانسی کے بعد اس کی لاش قادیان لائی گئی اور اسے بڑے ترک و احتشام کے ساتھ بہشتی مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ اس قاتل کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے گئے اور اس قتل کی الفضل جو کہ احمدیہ گروہ کا رسالہ ہے نے بہت تعریف کی۔ یہ دعویٰ کیا گیا کہ قاتل مجرم نہیں تھا اور وہ پھانسی سے پہلے ہی مرنے کی وجہ سے موت کی آفت سے بچ گیا۔ خدا نے اپنے خیال میں اسے پھانسی کی تذلیل سے بچانے کے لیے پہلے ہی اپنے پاس بلا لیا۔

مرزا محمود کی دانستہ غلط بیانی اور اس کی بدنیتی

مرزا پر عدالت میں جب اس واقعہ کے بارے میں جرح ہوئی تو اس نے کھل طور پر ایک مختلف کہانی بیان کی کہ محمد حسین کے قاتل کو بڑے اعزاز سے دفن کیا گیا کیونکہ اسے اپنے گناہ کا پچھتاوا تھا اور اسے اس گناہ سے پاک کر دیا گیا۔ (Ex.D.Z-۴۰) تاہم اس سے

اختلاف کرتی ہے اور ۴۰-DZ میں جو مرزا کے نظریات ظاہر کیئے گئے ہیں اس کی رو سے مرزا کی نیت اور رویہ صاف ظاہر ہے۔

ہائی کورٹ کی بدنامی

فی الواقع اس دستاویز کے مندرجات سے لاہور عدالت عالیہ کی توہین کا ارتکاب ہوتا ہے۔

محمد امین کا قتل

ہمارے پاس محمد امین کی موت سے متعلقہ ایک اور واقعہ بھی ہے۔ یہ محمد امین بھی ایک احمدی تھا اور اسی فرقے کا مبلغ تھا۔ اسے مرزا کے مذہب کے پرچار کے لیے بخارا بھیجا گیا مگر بعد میں چند وجوہات کی بناء پر اسے ہٹا دیا گیا۔ چوہدری فتح محمد (گواہ صفائی نمبر ۲) کی پہنچائی ہوئی پھاؤڑے کی ضرب سے اس کی موت واقع ہوئی۔ عدالت زیریں نے اس معاملے کو بڑی غفلت میں نمٹا دیا۔ مگر اس کی قریبی چھان بین کی ضرورت ہے۔ اگرچہ محمد امین ایک احمدی تھا لیکن اس پر مرزا کی ناپسندیدگی عود کراتی چنانچہ وہ کوئی پسندیدہ شخص نہ رہا۔ اس کی موت میں پیش آنے والے واقعات خواہ کوئی بھی ہوں مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ محمد امین کی موت تشدد سے ہوئی اور اسے پھاؤڑے کی ضرب سے مارا گیا۔ اس وقوعہ کی اطلاع پولیس کو دی گئی مگر اس پر کوئی بھی قدم نہ اٹھایا گیا۔ یہ دلیل دینا بیکار ہوگا کہ قاتل نے یہ اپنے ذاتی تحفظ کے لیے کیا کیونکہ اس چیز کا تعین صرف سماعت کرنے والی عدالت ہی کر سکتی ہے۔ چوہدری فتح محمد نے کافی پر تجسس انداز میں عدالت میں حلف پر یہ اقرار کیا کہ اس نے محمد امین کو قتل کیا ہے تاہم پولیس اس معاملے پر کوئی عملی کارروائی نہ کر سکی اور یہ فرض کیا گیا کہ مرزا کی طاقت اس قدر زیادہ ہے کہ کسی بھی گواہ کو آگے آنے اور سچائی بیان کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

مباہلہ کی عمارت جلادی گئی

ہمارے پاس عبدالکریم کے گھر کا مقدمہ بھی ہے۔ عبدالکریم کو قادیان سے نکالے جانے کے بعد اس کا گھر جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ اسے ایک خود ساختہ قانونی طریقے سے قادیان کی چھوٹی ٹاؤن کمیٹی سے احکامات لے کر گرانے کی کوشش کی گئی۔

قادیان میں بد امنی

قادیان میں یہ افسوس ناک واقعہ بد امنی کی صورتحال جس میں آتش زنی اور قتل شامل ہیں کو ظاہر کرتا ہے۔ ان حالات میں مزید اضافہ یوں ہوا کہ قادیان میں مرزا نے ان کروڑوں محمدن کے لیے بڑی غلیظ زبان استعمال کی جو اس کی بالادستی پر یقین نہیں رکھتے اس کی تحریریں اس بہت بڑے متقی۔ داعی کے طور طریقوں پر ایک مجتہد تہصرے کی حیثیت رکھتی ہیں جو نہ صرف پیغمبر بلکہ خدا کے پسندیدہ ہونے یعنی مسیح الثانی ہونے کا دعوے دار ہے۔

حکومت مفلوج ہو گئی

ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ حکام غیر معمولی حد تک مفلوجی کیفیت کا شکار ہو گئے تھے اور مرزا کو دینی و دنیاوی معاملات میں کھلی چھوٹ دے دی گئی تھی۔ مقامی اہل کاروں کو مختلف مواقع پر شکایات کی آگئیں مگر ان کی تشفی نہ کی گئی۔ ریکارڈ پر ایسی ایک یا دو شکایات ہیں مگر ان کے مندرجات میں جانے کی ضرورت نہیں اور اس کیس کے مقصد کے لیے یہ بیان کرنا کافی ہے کہ قادیان میں جاری و ساری مظالم کے لاتعداد الزامات لگائے گئے مگر ایسا کہیں بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کا نوٹس لیا گیا ہو۔

مسلمانوں میں روح پھونکنے کے لیے تبلیغ کا نفرنس منعقد ہوئی

ان سرگرمیوں کے رد عمل کے طور پر اور محمدن میں مکمل بیداری کی روح پھونکنے کے

لیئے احرار تبلیغ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔

قادیان کی طرف سے کانفرنس کی مخالفت:

اس اقدام سے قدرتی طور پر قادیانیوں میں غیض و غضب بڑھا اور انہوں نے اس کانفرنس کا سرے سے انعقاد ہی روکنے کی کوشش کا دلیرانہ فیصلہ کر لیا۔ احرار کانفرنس نے اپنے اجلاس کے لیے ایک شخص ایثار سنگھ کی زمین مستعار لی۔ قادیانیوں نے زمین پر قبضہ کر لیا اور اس جگہ ایک دیوار تعمیر کر دی۔ اس سے احراری قادیان میں اپنے اگلو تے قطعہ اراضی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ چنانچہ انہیں اپنے جلے کے لیے قادیان سے ایک میل دور کے مقام پر جانا پڑا۔ دیوار کی تعمیر ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت دونوں گروہوں کے درمیان جذبات کس قدر تلخ تھے اور اس سے احمدیوں کا غرور بھی ظاہر ہوتا ہے جو یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ اپنی اس زیادتی کے قانونی نتائج سے کس قدر محفوظ ہیں۔

مولانا عطاء اللہ شاہ کی عمیق جاذبیت اور شعلہ بیان خطابت

یہ جلسہ ہو کر رہا اور اس جلسے میں اپیل کنندہ کو صدارت کے لیے بلایا گیا۔ جو کہ ایسا فرد ہے جس کے پاس گہری جاذبیت کی قوت اور قوت خطابت موجود ہے جو کہ کم درجے کی نہیں اس نے اس جلسے میں جو کچھ کہا وہ جذباتیت سے پر خطاب تھا۔ تقریر کئی گھنٹے جاری رہی اور کہا گیا ہے کہ اس نے مجمع پر سحر طاری کر دیا۔ اس تقریر میں اپیل کنندہ نے اپنے نظریات کا تقریباً کھل کر اظہار کیا اور مرزا ادو اس کے پیروکاروں کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی بلکہ نفرت کو بالکل مخفی نہ رکھا۔ اس تقریر کا اخباروں میں چرچا ہوا اور بہت جلد اس پر اعتراضات ہونے شروع ہو گئے۔ یہ معاملہ مقامی حکومت کے سامنے رکھا گیا۔ جس نے اسے مقدمے بازی کی اجازت دے دی۔

تقریر کے قابل اعتراض حصے:

اپیل کنندہ پر عائد کی گئی فرد جرم میں اس کی تقریر کے سات صفحات کا بطور قابل اعتراض اور قابل گرفت ہونے کے خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے یہ پیراجات حسب ذیل ہیں:

- 1- فرعون کا تخت الٹایا جا چکا ہے۔ انشاء اللہ یہ تخت بھی نہیں رہے گا۔
- 2- وہ پیغمبر کا بیٹا ہے۔ میں پیغمبر کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ اسے آنے دیں آپ سب خاموش بیٹھے رہیں۔ وہ میرے ساتھ اردو۔ پنجابی۔ عربی۔ فارسی اور دیگر تمام معاملات میں بحث کرے۔ سارا جھگڑا آج ہی طے ہو جاتا ہے۔ اسے پردہ سے باہر آنے دیں اور گھونگھٹ اٹھانے دیں۔ وہ آ کے کشتی لڑے اور مولاعلی کے ہاتھ دیکھے۔ وہ کسی رنگ میں آ سکتا ہے۔ وہ کار میں اور میں ننگے پاؤں آؤں گا۔ وہ ریشم پہن کے آئے اور میں گاندھی جی کے خاکی کھدر شریف میں آؤں گا۔ اپنے باپ کی نصیحت کے مطابق وہ مزعفر، بھنا گوشت، یا قوتیاں اور دن رات پلو مر کی صحت بخش شراب پیتا ہے اور میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھاتا ہوں۔
- 3- یہ برطانیہ کے دم کئے کتے۔ کس طرح ہماری مخالفت کر سکتے ہیں۔ وہ چا پلو سیاں کرتا ہے اور برطانویوں کے جوتوں کی نوکیں صاف کرتا ہے۔ میں غرور سے نہیں کہتا مگر خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مجھے اکیلا چھوڑ دیا جائے تو آپ دیکھو گے کہ بشیر کے پالتو کون ہیں اور میرے کون۔ میں کیا کروں لفظ تبلیغ نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے۔ یہ کوئی سیاسی کانفرنس نہیں ہے مگر امرزائیو! اگر لگا میں ڈھیلی کر دی گئیں تو میں تمہیں ابھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہارا بچنا مشکل ہو جائے گا تمہاری طاقت پیشاب کی جھاگ جتنی بھی نہیں ہے۔
- 4- وہ جو پانچویں میں فیل ہو جاتا ہے۔ پیغمبر بن جاتا ہے۔ ہندوستان میں ایسی مثال ہے کہ جو فیل ہو جائے وہ پیغمبر بن جاتا ہے۔
- 5- اومسیا کی بھیڑو! تمہارا آج تک کسی سے ٹاکرا نہیں ہوا۔ اب تمہارا پالا مجلس احرار

سے پڑا ہے۔ میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

6- او مرزا نیو! اپنی نبوت کی تصویر دیکھو۔ او برے انسان! اگر تم پیغمبر بن ہی گئے تھے تو کم از کم اپنی عزت کا تو خیال کرتے۔

7- اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو تمہیں برطانویوں کا کتا نہیں بننا چاہئے تھا۔

ایپل کنندہ نے زیریں عدالت میں یہ موقف اختیار کیا کہ اس کی تقریر کو صحیح طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ اس نے پیرا گراف نمبر پانچ سے مکمل طور پر انکار کیا۔ اگرچہ یہ تسلیم کیا کہ بقیہ چھ پیروں کا لب لباب اس نے بیان کیا ہے اس نے ان پیروں کی زبانی صحت کو چیلنج کیا۔ پیرا گراف نمبر پانچ کے بارے میں زیریں عدالت کے موقف کو غلط طور پر بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ ایپل کنندہ کو اس میں سزا نہیں دی جاسکتی۔ ایپل کنندہ کی سزا کا دار و مدار اس مواد پر ہے جو بقیہ چھ پیروں میں ہے۔ ایپل کنندہ کے وکیل نے دلائل کے وقت یکدم یہ تسلیم کیا کہ پیرا نمبر ایک سے لے کر چار اور چھ سے لے کر سات درحقیقت ایپل کنندہ نے ہی بیان کیے ہیں اور اب وہ بیان کرنے والے کے مندرجات کی صحت پر سوال نہیں اٹھانا چاہتا۔ میرے فیصلے کا اصل سوال یہ ہے کہ آیا یہ چھ پیرے تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ کے تحت قابل گرفت ہیں اور ان کو بیان کر کے ایپل کنندہ نے کوئی جرم کیا ہے۔

میں پہلے ہی ان تمام حالات پر نظر ڈال چکا ہوں جن کی بنا پر احرار تبلیغ کا فرانس کا اعلان ہوا۔ صفائی کی جانب سے شہادت کے طور پر بہت ساری دستاویزات جن میں مرزا کی تحریریں بھی شامل ہیں اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایپل کنندہ کی تقریر مرزا کے جاری و طاری کردہ مظالم اور زیادتیوں پر تنقید کے علاوہ کچھ نہیں تھی۔ یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ اس تقریر کے کرنے سے اس کا واحد مقصد خوابیدہ مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات لانا تھی اور احمدیوں کی بد اعمالیوں کو آشکارا کرنا تھا۔ اس کی تقریر نے مرزا کے کیئے گئے مظالم کی طرف انگلی بلند کی اور سچے مسلمانوں جو غلط طور پر مصائب میں مبتلا تھے کی تلافی کے لیے آواز بلند کی اور ان لوگوں کی جنہوں نے مرزا کی خود ساختہ بالادستی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

تقریر کیوں کی گئی

مجھے وہ ساری تقریر مل گئی ہے جو اپیل کنندہ کے فاضل کونسل اور فاضل پبلک پراسیکیوٹر نے دی ہے اور قادیان میں موجود معاملات کی صورتحال میں میں بلا جھجک یہ کہہ سکتا ہوں کہ اپیل کنندہ کے ذہن میں دو مقاصد موجود تھے۔ وہ مرزا اور اس کے پیروکاروں پر تنقید کرنا چاہتا تھا اور اپنے سامعین کو احمدیوں کے خلاف ابھار کر ان کی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ تجویز کیا گیا ہے کہ تقریر امن کا ایک اشارہ تھی مگر اس کا بہت زیادہ معاندانہ مطالعہ بھی کسی ذمہ دار معقول شخص کو یہ قائل کر دے گا کہ اس نے زیتون کی شاخ کی بجائے مناقشت کا کام کیا۔ تاہم اگر اپیل کنندہ زیادہ سے زیادہ عقل کی حدود میں رہتا اور اس کا جوش خطابت اسے موضوع سے دور نہ لے جاتا اور ایسی باتیں کہتا جن کا مقصد اس کے سامعین کے ذہنوں میں احمدیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے سوا اور کوئی نہ ہوتا۔ ایک مکمل خطیب کی دانائی کے ساتھ اپیل کنندہ نے مارک انٹی کے طریق کو اپناتے ہوئے یہ بھی دہرایا کہ اس کی احمدیوں کے ساتھ کوئی لڑائی نہیں۔ امن کی یہ خواہش جس کا متبادل گالیاں ہوں اور کم درجے کی حاضر جوابی جو کہ اس مجمع میں محض احمدیوں کے خلاف نفرت ہی بھر سکتی ہے۔

اس تقریر کی درست اور منصفانہ تنقید بلاشبہ وہی پیرے ہیں جن کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو مرزا کی کرتوتوں پر تنقید ہیں۔ غریب شاہ پر تشدد کے حوالے دیئے گئے۔ محمد حسین اور محمد امین کے قتلوں کے حوالے مرزا کی سنگدلی کے بارے میں دیئے گئے اور کئی ایسے واقعات جن کو ایک سچا محکمہ قانونی طور پر زیر تنقید لاسکتا ہے۔ اس تقریر میں اس غم و غصے پر زور دیا گیا جو احمدیوں کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کی توہین پر مسلمان محسوس کرتے ہیں۔

قادیانیت اور اسلام میں فرق:

محمدؐ کے مطابق محمد ﷺ آخری پیغمبر ہیں جبکہ احمدی یقین رکھتے ہیں کہ محمد کے ذریعے دوسروں پر بھی خدائی وحی آ سکتی ہے۔ تاہم جب وہ احمدیوں کو ناموں سے پکار کر

گالیوں کی زبان پر اتر آتا ہے تو ہر اس شخص کو غصہ آتا ہے جو بھی قانونی تنقید کی حدود سے تجاوز کرے اور اگر وہ وقتی جذبات میں آکر ایسا کرے یا دانستہ تو وہ قانون کے تحت جوابدہ ہے۔

تقریر کا اثر:

اپیل کنندہ جو کہ بالکل ہی بنیادی اور ان پڑھ دیہاتیوں کے بڑے اجتماع سے مخاطب تھا کو یہ پتہ ہونا چاہئے تھا کہ اس قسم کی تقریر سے وہ ان کے جذبات کو مشتعل کرے گا اور احمدیوں کے خلاف معاندانہ جذبات کو پروان چڑھائے گا۔ یہ بات شہادت میں آئی ہے کہ اس تقریر کا مجمع پر راست اثر پڑا ہے۔ وہ اپیل کنندہ کی خطابت کے سحر میں آگئے اور اپنے جذبات کا متواتر کھل کر اظہار کیا۔ یہ بات کہنا بے جا ہے کہ مجمع اٹھ نہیں کھڑا ہوا اور اپنے مخالفین کے خلاف تشدد نہیں ہوا۔ اگرچہ فریقین کے مابین کافی عرصہ سے اس قسم کی تقریر سے پہلے ہی جذبات کشیدہ تھے تو اس سے دونوں کے درمیان نفرت نے بڑھنا تھا اور درحقیقت بڑھی۔

فرد جرم میں موجود سات پیروں میں پیر نمبر تین اور سات سب سے زیادہ قابل اعتراض معلوم ہوتے ہیں۔ یہ وہ پیرے ہیں جن میں اپیل کنندہ نے احمدیوں کو برطانیہ کے دم کٹے کتے کہا ہے۔ باقی پیرے میرے خیال میں تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ کے ارتکاب جرم پر پورے نہیں اترتے۔ پہلا پیرا جو فرعون کے تختہ الٹے جانے کے بارے میں تقریباً بے ضرر ہے۔ دوسرا پیرا مرزا کی خوراک کے بارے میں ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ یہ ایک اس خط کا حوالہ ہے جو پہلے مرزا نے کسی شخص کو لکھا تھا اور یہ خط اس مقدمہ میں Exhibit ہوا ہے۔

پلو مر کی شراب اور مرزا

ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا کوئی صحت بخش مشروب جسے پلو مر کی شراب کہا جاتا ہے پینے کا عادی تھا اور ایک موقع پر اپنے نامہ نگار سے اس نے یہ لاہور سے لانے کو کہا۔ ایک یادو

دیگر خطوط میں یا قوتی کے بارے میں بھی کچھ حوالے ہیں۔ موجودہ مرزا نے اپنی شہادت میں یہ تسلیم کیا ہے کہ اس کے باپ نے ایک موقع پر پلوہ کی شراب پی تھی اور اس کو ایک خوشگوار لمحے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ پیرامیرے خیال میں اتنا زیادہ قابل اعتراض نہیں ہے۔ چوتھا پیرا اس حقیقت کی طرف نشاندہی کرتا ہے کہ پہلا مرزا امتحان میں بیٹھا اور فیل ہو گیا۔ چھٹا پیرا میرے خیال میں ایک چالو سانہ سا ہے اور کسی پیغمبر کی تعظیم کے لائق نہیں ہے۔ چنانچہ پیرا نمبر تین اور سات کے علاوہ میرے خیال میں کوئی پیرا قابل گرفت نہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ اپیل کنندہ کی مکمل تقریر میں صرف دو پیرے ہی قابل اعتراض ہیں۔ تقریر کا رجحان یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ اپیل کنندہ کی نیت تھی کہ نہ صرف وہ احمدیوں کی کرتوتوں کو ظاہر کرے بلکہ ان کے خلاف جذبات بھی بھڑکائے اور یہ کہ تقریر کنندہ کی تقریر سے امن میں خلل نہیں پڑا اور دوسرے اس کے سامعین نے تشدد کی صورت میں اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا۔ یہ چیز اس کے جرم کو کم کرتی ہے اور اگرچہ مجھے اس بارے میں شک نہیں ہے کہ اپیل کنندہ احمدیوں پر تنقید کا جواز رکھتا تھا میں پھر بھی یہ سمجھتا ہوں کہ وہ انصاف پسند اور عقلی تنقید کی حدود سے گزر گیا اور اپنے آپ کو قانونی عواقب کے حوالے کر دیا۔ اپیل کنندہ کے عمل کو پسند کرنا اور چاہنا آسان ہے مگر اس قسم کے حالات میں جب احساسات کشیدہ ہوں اور جذبات مشتعل ہوں تو عوامی رائے میں یہ بات دقیق اور ناپسندیدہ ہو جاتی ہے اگر اپیل کنندہ کے جرم کو تکنیکی نوعیت کا بھی سمجھ لیا جائے تو بھی قانون کا اختیار اس کی مخالفت میں ہی جائے گا۔

حتمی فیصلہ:

اس معاملے کے تمام پہلوؤں کو دیکھ کر اور اس قسم کی تقریر کا اس مجمع پر اثر دیکھ کر جس کے سامنے یہ کی جائے میں یہ سوچنے پر حق بجانب ہوں کہ اپیل کنندہ نے تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ کے تحت ارتکاب جرم کیا ہے۔ جہاں تک سزا کا تعلق ہے تو قادیان سے آنے والی صورت حال کو ضروری طور پر ذہن میں رکھنا ہوگا اور وہ انتہائی اشتعال جو ہندوستان کے کروڑوں محمدنہ کمزرا کی طرف سے کافروں کو کہنے پر پیدا ہوا اور ان کی عورتوں کو کیتوں سے

ملایا گیا تو میں یہ سوچنے پر حق بجانب ہوں کہ اپیل کنندہ کا جرم محض ایک تکنیکی نوعیت کا ہے۔ چنانچہ میں اسکی سزا کو کم کرتے ہوئے اسے تاوقتِ برخواست عدالت تک محدود کرتا ہوں۔

روزنامہ الفضل بدھ 29 اگست

جلد 51-86 نمبر 195

ایک سال میں آٹھ کروڑ 10 لاکھ سعید روہیں احمدیت کی آغوش میں آگئیں من ہائم جرمنی۔ 26 اگست 2001ء روحانیت کی تاریخ کا ایک اور تاریخ ساز واقعہ رقم ہو گیا۔ صرف ایک سال میں آٹھ کروڑ دس لاکھ چھ ہزار 721 افراد احمدیت میں داخل ہو گئے۔ اس میں صرف بھارت میں چار کروڑ سعید روہوں نے احمدیت قبول کی۔ جرمنی کے جلسہ سالانہ 2001ء میں جوہی مارکیٹ من ہائم میں منعقد ہوا آخری روز یعنی 26 اگست 2001ء کو یہ تاریخ ساز عالمی بیعت کی نویں تقریب منعقد ہوئی جس میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعیہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے کروڑوں نئے احمدیوں سے یہ بیعت لی۔ اور اس کے ساتھ ہی ایم ٹی اے کے ذریعہ اکناف عالم کے احمدیوں نے تجدید بیعت کا شرف حاصل کیا۔

منفرد روحانی نظارہ

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس بار بھی حصول برکت و سعادت کے لیے حضرت مسیح موعود کا سبز رنگ کا کوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ حضور فرش پر تشریف فرما ہوئے اور آپ کے گرد 6/5 افراد کے ایک حلقہ نے حضور کے دست مبارک پر اپنے ہاتھ رکھے باقی لوگوں نے ان احباب کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعیہ اللہ تعالیٰ سے جسمانی رابطہ قائم کیا۔ حضور نے بیعت کے الفاظ انگریزی میں دوہرائے حضور ایک جملہ پڑھ کر رک جاتے اور پھر مختلف زبانوں کو جاننے والے اپنی اپنی زبانوں میں اس جملہ کا ترجمہ دوہراتے اس طرح سے مختلف زبانوں کے الفاظ کا ایک ایمان افروز روحانی ارتعاش پیدا ہو جاتا اور صحف سابقہ

کی عظیم پیشگوئیوں کے مطابق ہر قوم اور ہر زبان اس تقریب میں شامل ہوئی اور اس طرح سے بیعت کے تمام الفاظ مکمل ہونے کے بعد حضور ایدہ اللہ نے اور جملہ احباب نے اپنی اپنی جگہوں پر سجدہ شکر ادا کیا۔ حضور ایدہ اللہ نے بیعت کے الفاظ دوہرائے جانے سے پہلے مختصر چند کلمات ارشاد فرمائے۔ حضور نے فرمایا بہت عجز و انکسار سے اللہ کی رحمت کو قبول کرنا چاہیے عالمی بیعت کی یہ نویں تقریب تھی۔ یاد رہے کہ سب سے پہلے عالم بیعت 1993ء میں ہوئی جس میں صرف دو لاکھ نئے احباب جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے اسکے بعد حضور کے ارشاد کے عین مطابق یہ تعداد ہر سال دگنی ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ امسال آٹھ کروڑ سے بھی اوپر نکل گئی۔

روزنامہ الفضل 8 ستمبر

جلد 51-86 نمبر 204

جلسہ جرمنی 2001ء کے دوسرے روز حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا خطاب 25 اگست 2001ء:

ابتلاؤں میں ثابت قدمی:

تنزانیہ کے جنوبی صوبہ کے ایک ضلع کنڈورو میں جب پہلی دفعہ ہزاروں بیعتیں ہوئیں تو مخالفین حسد کی آگ میں جل بھن گئے انہوں نے اپنے علماء سے یہ فتوے لے کر مشتہر کر دیئے کہ جو افراد احمدی ہو گئے ہیں ان کے نکاح ٹوٹ گئے ہیں اور ان کے بچے اب ان کے بچے نہیں رہے۔ چنانچہ کئی نو مبلغین سے بیوی بچے چھین لیے گئے۔ حضور نے فرمایا پاکستان میں ہی نہیں ہر جگہ مخالفین کا یہی انداز ہے۔ اس پر احمدیوں نے حکومت سے رجوع کیا حکومت نے اعلان کیا کہ کسی احمدی کا نکاح نہیں ٹوٹا ان کے نکاح برقرار ہیں۔ لیکن ابتلاء کا سلسلہ جاری ہے ایک بڑے اہل حدیث امام جنوں نے حال ہیں میں احمدیت قبول کی تھی یہی ابتلاء آیا مخالفوں نے ان کی بیوی اور چار بچے چھین لیے ہیں اور ابھی تک انکو واپس نہیں ملے لیکن بچوں کی خاطر مخالفین کے آگے سر نہیں جھکایا۔

دشمنوں میں انتشار:

تنزانیہ میں جماعت احمدیہ کے خلاف ایک تنظیم قائم ہوئی اور اس نے جماعت کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ گزشتہ سال اس تنظیم کے شیخ شعبان کی ٹانگوں پر

زخم آئے جو اس قدر بڑھ گئے کہ اس کی ٹانگیں کاٹ دینی پڑیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی قہری تجلی تھی۔ اس کے بعد جبکہ یہ مخالف ناکارہ ہو کر گھر میں پڑ گیا تھا تنظیم کے لوگوں کے درمیان آپس میں اس قدر جھگڑے پیدا ہوئے کہ اسی سال یہ تنظیم ٹوٹ گئی اور اس کا سامان بیچنے کا جب مرحلہ آیا تو انہوں نے احمدیوں کو بھی پیغام بھیجا چنانچہ احمدیوں نے ان کے سپیکر سستے داموں خرید لیے۔ احمدیت کو ختم کرنے والے خود ختم ہو کر رہ گئے۔

مخالف باپ بیٹے کا یکساں انجام:

امیر صاحب تزانہ لکھتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں ایک مخالف مولوی شیخ محمد عبدو نے شدید مخالفت کی۔ یہ شخص حضرت مسیح موعود کے خلاف سخت بدزبانی کرتا تھا۔ ایک روز یہ اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا کہ اس کی دائیں آنکھ میں کوئی چیز لگی جس سے اس کی دائیں آنکھ بینائی سے محروم ہو گئی۔ حضور ایدہ اللہ نے فرمایا جماعت احمدیہ کے خلاف لوگ یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود دائیں آنکھ سے محروم تھے اور اسوجہ سے آپ کو نبی اللہ کا ناجال کہتے ہیں۔ ایسا معجزہ کئی بار ہو چکا ہے کہ ایسی باتیں کرنے والے کی دائیں آنکھ جاتی رہی یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ اور نہ صرف باپ کے ساتھ ایسا ہوا بلکہ اس کے بیٹے نے بھی جب مخالفت شروع کی اور حضرت مسیح موعود کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا تو باپ کی طرح بیٹے کے ساتھ بھی یہی ہوا ایک دن کھیت میں کام کرتے ہیں ایک درخت کٹ کر گرا اور اس کی دائیں آنکھ بینائی سے محروم ہو گئی۔ اس کے بعد اس شخص نے جماعت احمدیہ کی مخالفت چھوڑ دی۔ دونوں باپ بیٹوں کا یکساں انجام ہوا۔

ملاوی:

یہ ملک تزانہ کے ماتحت تھا۔ اس سال پہلی مرتبہ یہاں کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ گزشتہ سال یہاں پر صرف 376 بیعتیں ہوئی تھیں اس سال خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک لاکھ 80 ہزار سے زائد بیعتیں ہوئیں۔ تزانہ وفد ملاوی کے صوبہ لولو گیا۔ یہ

سارا وفد صرف اپنی مقامی زبان جانتا تھا۔ اس سے بڑی مشکل پڑ گئی اور دعوت الی اللہ میں ایک وقتی روک پیدا ہو گئی۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اس طرح ظاہر ہوئی کہ اس علاقے کے ایک ایسے امام احمدی ہو گئے جو انگلش سوانحی اور مقامی زبان روانی سے جانتے تھے۔ چنانچہ وہ ہمارے دعوت الی اللہ کے وفد میں شامل ہو گئے اور دعوت الی اللہ شروع کر دی اور جہاں ایک بھی احمدی نہ تھا وہاں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک لاکھ (مسلل صفحہ 2 پر)

روزنامہ الفضل جمعرات 13 ستمبر

جلد 51-86 نمبر 208

جلسہ جرمنی کے دوسرے روز حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا خطاب 25 اگست
2001ء:

ہندوستان کی عظیم الشان کامیابیاں:

حضور ایدہ اللہ نے فرمایا ساری دنیا کی کوششیں ایک طرف اور ہندوستان ایک طرف۔ دونوں گھوڑے ساتھ ساتھ دوڑ رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا 1991ء کے جلسہ سالانہ پر میں نے بھارت کی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ قادیان کی بستی کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز عطا کیا ہے کہ آخرین کا موعود اس بستی میں بھیجا۔ ہندوستان کو یہ اعزاز زندہ رکھنا چاہیے۔ حضور نے فرمایا میں بار بار بڑے عجز و انکسار کے ساتھ ان کو متوجہ کرتا ہوں کہ کسی دوسرے کو یہ اجازت نہ دیں کہ یہ اعزاز کسی اور جگہ مثلاً گھانا یا نائیجیریا یا گیمبیا یا کسی اور ملک میں گاڑ دیں اس اعزاز کو اپنے بازوؤں اور سینے سے چمٹائے رکھیں حضور نے فرمایا اٹھو اور شیروں کی طرح پھیل جاؤ۔ یہ آپکی سعادت ہے اس کو قائم رکھیں۔ حضور نے فرمایا کہ چنانچہ ہندوستان نے اس پر لبیک کہا اور اس سال خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہندوستان کو 4 کروڑ 25 لاکھ 36 ہزار سے زائد بچتیں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اس زبردست کامیابی کا اعلان سن کر جلسہ گاہ میں موجود حاضرین نے اس زور سے فلک شکاف نعرے لگائے کہ پنڈال لرز لرز گیا۔ حضور ایدہ اللہ نے فرمایا ان عظیم الشان

فتوحات کی وجہ سے مخالفین میں صف ماتم پکھی ہوئی ہے۔ اخباروں کے صفحے کے صفحے سیاہ کئے جا رہے ہیں اور لوگوں کو جماعت کے خلاف اکسایا جا رہا ہے۔ حسد کی آگ میں مخالفین جل بھن گئے ہیں۔ اس کی چند مثالیں پیش ہیں۔

ہندوستانی اخبارات کا اعتراف:

اتر پردیش کی ایک تنظیم نے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے جس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ اس وقت تک قادیانی مذہب میں شامل ہونے والوں کی تعداد آٹھ کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے اگر یہی حالت رہی تو کوئی گاؤں کوئی شہر قادیانیوں سے خالی نہیں رہے گا۔ حضور نے فرمایا ”انشا اللہ“

ایک اور اخبار ہفت روزہ نئی دنیا نے اپنی 22 سے 28 جون 2001ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ علماء کی کوششوں کے باوجود قادیانی دھرم روز بروز پھیلتا چلا جا رہا ہے یہی اخبار مزید لکھتا ہے کہ ایک سروے کے مطابق 5 کروڑ سادہ لوح مسلمان قادیانیوں کے جال میں پھنس چکے ہیں۔ قادیانی یو پی، راجستھان، بہار، بنگال، کرناٹک اور آندھرا پردیش میں پانچ کروڑ سے زائد مسلمانوں کو احمدی کر چکے ہیں۔

کل ہند مجلس ختم نبوت دیوبند نے امت مسلمہ سے قادیانیوں کے خلاف صف آراء ہونے کی اپیل کی ہے۔ ایک اشتہار میں وہ لکھتے ہیں۔ مسلمان بھائیو! مسلم قوم کو بچانے کے لیے یہ جہاد کا وقت ہے۔

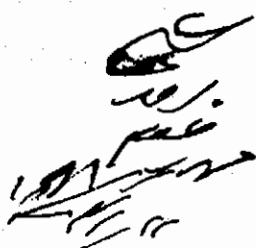
روزنامہ عوام نئی دہلی نے 13 جون 2001ء کی اشاعت میں مجلس آئمہ مساجد کے سیکریٹری کے حوالے سے ایک بیان شائع کیا ہے جس میں علمائے دیوبند اور دہلی سے درخواست کی گئی ہے کہ قادیانیوں کے خلاف ایک متحد محاذ چلایا جائے تاکہ ان کی چالوں سے ہندوستانی مسلمانوں کو محفوظ رکھا جاسکے۔

حضور ایدہ اللہ نے فرمایا لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا ناممکن ہے خدا نے جو آواز پھیلانے کے لیے قائم کی ہے دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔

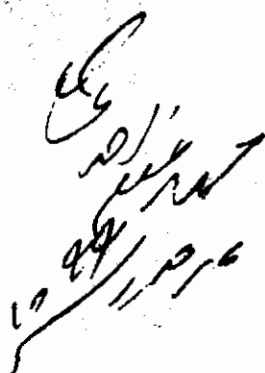
حضور ایدہ نے اس موقع پر حضرت مسیح موعود کا ایک ارشاد پڑھ کر سنایا، حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں یہ لوگ یاد رکھیں ان کی عداوت سے (احمدیت) کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ دین کا نور دنیا میں پھیلا دے۔ دین کی برکتیں رک نہیں سکتیں۔ خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے صاف لفظوں میں فرمایا ہے۔ میں فتاح ہوں۔ میں تری خاطر فتح کروں گا۔ تو عجیب مدد دیکھے گا وہ جدہ گا ہوں میں گر پڑیں گے یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے۔ یقیناً ہم ہی خطا کار ہیں۔

زبردست قہری نشان:

حضور ایدہ اللہ نے فرمایا صوبائی امیر یوپی لکھتے ہیں ضلع لاہی پور کے گاؤں کرن پور سے سالانہ جلسہ قادیان 2000ء میں شرکت کے بعد نو مبلغین واپس لوٹے تو مولویوں نے ان کی شدید مخالفت کی اور حضرت مسیح موعود اور خلفائے کرام کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ نو مبلغین نے کہا کہ جو چاہو کر لو اب ہم مرتے دم تک احمدیت سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اس پر مخالفین نے بعض احمدیوں کو مارا پیٹا۔ اس پر نو جوانوں نے کہا کہ اب خدا کی تقدیر ضرور تمہیں پکڑے گی۔ 23 مئی 2001ء کو یہ تمام مخالفین اپنے کسی عزیز کی شادی میں شمولیت کے لیے بذریعہ بس جا رہے تھے ایک ریلوے کراسنگ پر بس ٹرین سے ٹکرا گئی۔ 20 افراد موقع پر ہلاک ہو گئے۔ مرنے والوں کے جسم کے اعضاء الگ الگ ہو گئے اس عبرت ناک واقعہ کو دیکھ کر مزید 15 دیہات احمدیت میں شامل ہو گئے۔



Handwritten signature and date in Urdu script, likely belonging to Mirza Ghulam Ahmad Qadiani.



Handwritten signature and date in Urdu script, likely belonging to Mirza Ghulam Ahmad Qadiani.

Mirza Ghulam Ahmad Qadiani presented two books to an Ahmadi at Qadian with his signatures and stamp on them.

یاد شام کے آگے جن میں شاد توں کا آواز

اپریل ۱۸۸۷ء

جلد نہم نمبر

پنجاب کی ویو

جن میں ملکی حالات پر بحث کے علاوہ عام رائے کے مطابق
تہذیب، حقوق اور سچا اشتراک اور علم و سچا اور مختلف
سی دیو اور سرون شاخص کے ملازمت کی ہیں

بالوں جیسی شائع ایسے ایسے اور شریا کا راز اور فیاض
سچا اور شریا کا راز اور شریا کا راز اور شریا کا راز
کو کتب میوئی اور شریا کا راز اور شریا کا راز
اور شریا کا راز اور شریا کا راز اور شریا کا راز
ملازمت کی ہیں

مطالعہ جس سے ملے گا کہ اس کے کلی و تفصیل اور اس کے سبب و اثر اور اس کے مقصد و نیت اور اس کے

Punjab Review Amritsar, April 1887, Mirza Ghulam Ahmad is regarded an unscrupulous subscriber by the journal. (Serial No. 72)

IA'S PROBLEMS

...found, John's younger and one of John's...
...is directly concerned with the affairs of the...
...The... of... of... the...
...with... of... of...

Robert Smith, President F.R. movement, Mr. A. Egan, at residence with Mr. Michael Egan, Father's House, Marston. They apparently address have not yet been established between Edward and Pauline, the Edward Egan's friends a welcome place for discussion of both economic to exchange more on these problems regarding both nations.

[illegible][illegible]

Subject: The Mission of Intelligence and Judgment as a function of the Executive Order of March 1961. A. J. Feltner, Jr., Director, U.S. Customs Service, 1961; Mr. John P. Smith, Attorney General.

FOIA b(7) exemption claimed by the Government of the Philippines is not applicable because of a disclosure of a classified matter from source.

Zafarullah and the Israeli Envoy at the UN in 1952. India and Israel Bombay . June 1952

THE HEAD
OF THE
AHMADIYYAH
MOVEMENT.

SIR MUHAMMAD ZAFARULLAH KHAN
K.C.S., E.L.

Judge, Federal Court of India, New Delhi.

الفضل
قادیان امارا ان مؤرخ حکیم جادی الاول ۱۳۵۶ھ

فلسطین کی تقسیم قیام میں کا موجب ہوگی؟

ند داخل ہونے دیا جائے اور فلسطین کو اہل فلسطین کے سپرد کر دیا جائے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر وطن الیہود کو اب ایک عرب حکومت کے حوالے کر دیا جائے۔ تو برطانیہ کی دیانت اور عہد و پیمان پر دنیا میں کسی کو اعتبار نہ رہے گا اس بناء پر سفارش یہ کی گئی ہے۔ کہ فلسطین کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ شمالی فلسطین کا بڑا حصہ اور اس کے علاوہ سمندر کے ساتھ کا علاقہ یہودیوں کے لیے مخصوص رہے گا۔ درمیان میں ایک مختصر سا قطعہ حکومت برطانیہ کے انتداب میں رہے گا۔ اور بقیہ علاقہ عربوں کے قبضہ میں رہے گا۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کیا فلسطین کے یہ حصے بحرے برطانیہ کے عدل و انصاف کے لیے روا اور اہل فلسطین کے لیے باعث اطمینان ہو سکیں گے۔ اس کا فیصلہ مستقبل کرے گا۔

پنجاب اسمبلی کی وزارت پارٹی کے بعض

بیک وقت ہندوستان اور انگلستان میں شائع کی گئی ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ فلسطین کے متعلق مسلمانان ہند کے جذبات سے بھی حکومت برطانیہ لاعلم نہیں۔ اور وہ ان کو مطمئن کرنا چاہتی ہے لیکن انفسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ رپورٹ کا جو خلاصہ شائع ہوا ہے اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اہل فلسطین کی پیچ و پکار کی کچھ شنوائی ہوئی ہے۔

اس رپورٹ میں ایک طرف تو یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ عربوں اور یہود میں اختلاف کی خلیج بہت بڑھ چکی ہے۔ اور اگر موجودہ صورت حالات قائم رہی تو اس میں اضافہ ہوتا جائے گا نیز یہ بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ عربوں کی مخالفت کو ان لطائف اور مراعات لئے کم نہیں کیا۔ جنہیں یہود کی آمد کا نتیجہ بنایا جاتا ہے اور جن کا رپورٹ میں خاص ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن دوسری طرف عربوں کے اس مطالبہ کو ٹھکرادیا گیا ہے۔ کہ آئندہ یہود کو فلسطین میں

جب سے اکثراف عالم کے یہود کو فلسطین میں داخل ہو کر وہاں مستقل رہائش اختیار کرنے اور اسے اپنا وطن بنانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اہل فلسطین میں سخت بے چینی اور اضطراب پھیلا ہوا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں فسادات کا ایک سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء میں سول حکومت کے قائم ہونے ہی فسادات شروع ہو گئے۔ اور پہلے ہی دن سے اہل فلسطین نے آزادی کے حصول اور فلسطین کو وطن الیہود بنانے کی مخالفت میں جس جدوجہد کی ابتداء کی۔ اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۹۳۶ء میں فسادات نے ایسی شدت اختیار کر لی کہ حکومت برطانیہ کو اگست ۱۹۳۶ء میں ایک کمیشن مقرر کرنا پڑا کہ وہ فسادات کے اندرونی اسباب کا تعین کرے اور جو شکایات درست ثابت ہوں انکے رفع کرنے کے متعلق سفارشات پیش کرے۔ اس کمیشن کی رپورٹ حال میں

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پونچھ کا حسن انتظام

بچھلے دنوں علاقہ پونچھ کے مسلمانوں میں جو بے چینی رونما ہوئی۔ اس کے متعلق ہمارے پاس نہایت ہی افسوسناک حالات پہنچے ہیں۔ شہر پونچھ سے تین چار ہزار کے درمیان کا قافلہ ہجرت کے نام سے سری نگر کو روانہ ہوا۔ لیکن چار ہی میل گیا ہو گا کہ بہت سے لوگ واپس آ گئے۔ اور پندرہ میل جانے تک تو سوائے چند شہری لوگوں کے سارے واپس لوٹ آئے اور جو باقی بچے تھے وہ بھی پھر پہلے پڑاؤ پر آ گئے۔ اور آخر تفسیف ہونے پر وہ بھی اپنے گھروں کو آ گئے۔

اس موقع پر جہاں پونچھ کی حکومت نے دورانہ لٹی اور معاملہ جہی کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمانوں کے مطالبات ایک حد تک منظور کر لئے۔ وہاں بعض حکام نے بھی بہت ہوشیاری اور فطرتی کا ثبوت دیا۔ خصوصاً چودھری نیاز احمد صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے نہایت نڈر اور حسن انتظام سے کام لیا۔ اور غریب رعایا کو ہر قسم کے نقصان سے بچالیا۔ ورنہ بہت ممکن تھا کہ گولی چل جاتی۔

احرار کو اپنی ناکامی کا اعتراف

احرار کو گزشتہ انتخاب اسمبلی میں جس قدر ناکامی و نامرادی کا مونہہ دیکھنا پڑا ہے۔ اس کا کسی قدر ذکر حال میں مسٹر مظہر علی جنرل سیکرٹری احرار نے اس عذر داری کی سماعت کے موقع پر کیا ہے۔ جو چودھری افضل حق نے انتخاب میں ناکام ہونے کی سخت کومٹانے کے لیے دائر کر رکھی ہے۔ چنانچہ مسٹر مظہر علی نے کہا۔ ”ہم احرار پنجاب میں اپنی وزارت قائم کرنا چاہتے تھے اس کے لیے ہمیں یہ خیال تھا کہ اس میں ہر فرقہ کے آدمیوں کا شامل ہونا ضروری ہے۔“

پھر کہا۔ ”ہم اخیر وقت تک یہی کوشش کرتے رہے۔ کہ اسمبلی میں ہماری اکثریت ہو۔ اور وزارت ہماری ہو۔ ہم اس سلسلہ میں ہندوؤں سکھوں اور دوسری پارٹیوں سے بھی اتفاق رکھنا چاہتے تھے۔“

باوجود اس کے کہ احرار نے نہ صرف اپنے نمائندے کامیاب بنانے کے لیے بلکہ وزارت سنبھالنے کے لیے ہندوؤں اور سکھوں سے اس قدر اتفاق رکھا کہ شہید گنج کی مسجد کے انہدام کے خلاف انہوں نے زبان تک نہ ہلائی۔ بلکہ مسلمانوں کو سکھوں کی کرپان اور ہندوؤں کے سرمایہ سے خوفزدہ کر کے خاموش کرانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر نتیجہ کیا ہوا۔ یہ کہ سوائے ایک دو افراد کے ان کا کوئی نمائندہ کامیاب نہ ہو سکا۔ جسے کہ ڈکٹیٹر احرار چودھری افضل حق کو بھی مونہہ کی کھائی پڑی۔ گویا اسلام اور مسلمانوں سے غداری کا انہیں پورا پورا صلہ مل گیا۔

مسجد شہید گنج کے انہدام کے وقت جب یہ کہا جاتا کہ احرار جمہور مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر سکھوں کی ہاں میں ہاں اس لیے مل رہے ہیں کہ وہ آئندہ انتخاب میں وزارت پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے۔ اور اس کا پورا ہونا سکھوں اور ہندوؤں کی خوشنودی پر منحصر سمجھتے ہیں۔ تو احرار شور مچا دیتے کہ یہ احرار کو بدنام کرنے کے لیے جسوٹا الزام لگایا جا رہا ہے۔ لیکن اب اس کا خود اقرار کر لیا گیا ہے۔ ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

الافتاء قادیان امامان ہند اور اہل اہل پنجاب اسمبلی اور مسئلہ فلسطین

اور تمام انتظام اور پالیسی کی تشکیل و تدبیر
اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لہذا فلسطین کو غیر
ملک قرار دے کر اس پر اس امر کی بنیاد
رکھنا کہ فلسطینی کمیشن کی رپورٹ پنجاب
اسمبلی میں زیر بحث نہیں لائی جاسکتی۔
قابل فہم نہ رہی اس نہیں۔

علاوہ ازیں مسئلہ فلسطین ایک ایسا مسئلہ
ہے جس سے تمام دنیا کے مسلمانوں
کا تعلق ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہر ملک
کے مسلمان شاعی کمیشن کی رپورٹ سے
متاثر ہوئے ہیں۔ پنجاب اسمبلی میں اس
رپورٹ پر بحث کرنے کے لیے تحریک
الخوا پیش کرنے کی غرض سوائے اس کے
اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ مسلمان اپنے
خیالات اور جذبات کو حکومت پنجاب
کے توسط سے برطانوی حکومت تک پہنچا
دیں اور اس طرح اس امر کا اظہار کریں
کہ انہیں فلسطین کے مسلمانوں سے
بہرہ رومی ہے اور ہر وہ چیز جو مسلمانان
فلسطین کے مصالح پر اثر ڈالتی ہے
دوسرے مسلمانوں پر اثر ڈالے بغیر نہیں
رو سکتی۔ پس پنجاب اسمبلی کے ارکان کی
پیش کردہ اس تحریک الخوا کو غیر متعلق قرار
نہیں دیا جاسکتا۔

گورنر پنجاب اس سے پہلے بھی ایک
تحریک الخوا کو مسٹر درکے چکے ہیں اور وہ
پنجاب و صوبہ سرحد کے پبلک سروس کمیشن
کے متعلق تھی۔ وہ بھی اختیارات خصوصی
کے ماتحت ہی نامحکوم کی تھی۔

اسے تھوڑے سے عرصہ میں وہ دفعہ
داخلت جہاں نئے آئین کی حقیقت

ارکان نے اسمبلی میں ایک تحریک الخوا
پیش کرنے کی کوشش کی تھی جس کا مقصد
یہ تھا کہ فلسطین کے متعلق شاعی کمیشن کی
رپورٹ پر بحث جمیع کی جائے۔ اور ان
احساسات اور جذبات کا اظہار کیا جائے
جو مسلمانان پنجاب کے دلوں میں تقسیم
فلسطین کے خلاف موجزن ہیں۔ گورنر
پنجاب نے اس تحریک کے پیش کرنے کی
اجازت نہیں دی جس کی وجہ آئین جیل ہیکر
نے یہ بیان کی۔ کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے
جس کا تعلق ملک معظم کی حکومت کے غیر
ملکی معاملات سے ہے۔ ہر ہیکس لیس
گورنر پنجاب نے جو کچھ کیا۔ اپنے خاص
اختیارات کے ماتحت کیا ہے اور اس کے
متعلق اتنا ہی کہا کافی ہے کہ کوئی شٹ
پارٹی پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے اور انہیں
معلوم ہو گیا کہ گورنر کیمکا بلہ میں وزیر
اعظم معاونین تمام پارٹی کے کیا اہمیت رکھتا
ہے۔ البتہ آئین جیل ہیکر نے گورنر کی طرف
سے ان نامحکوم کی جواز میں جو بات
پیش کی ہے۔ اس کے متعلق ذرا تفصیل
سے عرض کرنا چاہتے ہیں۔

پہلا جو اس ضمن میں قابل غور ہے یہ
ہے کہ فلسطین میں کوئی غیر ملکی حکومت
نہیں۔ اور اگر فلسطین کو سلطنت برطانیہ کا
ایک جزو قرار دیا جائے۔ تو بے جا نہ ہوگا۔
کیونکہ حکومت برطانیہ کا اس پر انتداب
قائم ہے اور گورنر ہر یہ انتداب لیگ آف
نیشنز کی طرف سے برطانیہ کو سنایا گیا ہے
لیکن حقیقت میں فلسطین میں حکومت
برطانیہ ہی تمام سیاہ و سفید کی مالک ہے۔

واضح کرتی ہے وہاں وزارت کے متعلق
بھی کوئی اچھا اثر پیدا نہیں کرتی۔ آخر
الذکر تحریک خود وزارت پارٹی کے ممبروں
کی طرف سے پیش کی گئی اور سیاسی بات
کا ثبوت ہے کہ پارٹی محدود وزیراعظم کے
اس کی موید تھی اور اب جبکہ اسے مسٹر درکے
دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وزیراعظم
کی پارٹی کی تجویز کو مسٹر درکے دیا گیا۔ ایسی
صورت میں خود داری کا تقاضا یہ ہے کہ
اگر وزارت اس بارے میں اپنی پارٹی کا
ساتھ دیتی ہوئی گورنر سے اختلاف رکھتی
ہے تو وہ اس کا ملکی طور پر اظہار کرے۔ اور
ان اطلاعات کا احترام کرتی ہوئی کرے
جو اس وقت تک اپنے وقار کے متعلق کر
چکی ہے۔ مثلاً از منیل وزیراعظم اپنی ایک
تقریر میں فرمایا تھے ہیں کہ اگر وزارت کو
کسی معاملہ میں گورنر سے اختلاف پیدا
ہو تو وہ اس کا کھلے بندوں اظہار کرے
گی اور اگر اس نے مناسب سمجھا۔ تو وہ
خالف بنجوں پر بیٹھنے سے بھی دریغ نہ
کرے گی۔ لیکن اگر وزارت عظمیٰ
گورنر کے فیصلے کے ساتھ اتفاق رکھتی ہے
تو پھر اسے یہ اعلان کرنا چاہیے کہ وہ اس
تجویز کے پیش کرنے میں اپنی پارٹی کے
ساتھ متفق نہ تھی۔

مرکزی اسمبلی میں بھی اسی قسم کی تحریک
الخوا کے پیش کئے جانے کا نوٹس دیا گیا
ہے ممکن ہے گورنر جنرل بھی اختیارات
خصوصی کا استعمال کرتے ہوئے اس کے
پیش ہونے کی اجازت نہ دیں۔ اگر ایسا
کیا گیا۔ تو یہ اور بھی زیادہ قابل غور
بات ہوگی۔ کیونکہ ہندوستان لیگ آف
نیشنز کا ممبر ہے۔ اور چونکہ حکومت برطانیہ
فلسطین پر اپنا حق انتداب لیگ کی طرف
سے استعمال کرتی ہے۔ اس لیے لیگ کا
ممبر ہونے کی حیثیت سے ہندوستان کا
حق ہے کہ ایسے معاملہ پر بحث کرے۔

کانگری وزیراء کی تنخواہیں

کانگریس کے ارباب حل و عقد نے یہ تو کہہ دیا۔ کہ کانگریس وزراء کی تنخواہیں پانچ سو روپیہ سے زیادہ نہیں ہوں گی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اس میں دوسرے طریقوں سے کافی سے بھی زیادہ اضافہ کر لیا جائے گا۔ چنانچہ سی پی اے سبلی کے وزراء تنخواہ تو پانچ سو روپیہ ہی لیں گے۔ لیکن موٹر اور گھر کا الاؤنس علاوہ ازیں وصول کریں گے۔ جو چھ سو سے کم نہیں ہوگا۔ گویا الاؤنس تنخواہ سے بھی زیادہ رکھ دیا گیا۔ اور اس طرح گیارہ سو روپے انہیں مل جایا کریں گے۔

سوال یہ ہے کہ تنخواہ کم کیوں رکھی گئی ہے اگر تنخواہ کی کمی ملک کی اقتصادی حالت کی وجہ سے تھی۔ تو کیا الاؤنس کے نام پر روپیہ وصول کر لینے کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ کاش کانگریس وزراء اس پہلو سے صحیح معنوں میں نمونہ بنتے۔

پنڈت جواہر لال کی موٹر پرسنگ باری

یہ خبر نہایت ہی افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ پنڈت جواہر لال نہرو کی موٹر پر ایک مقام اوڑائی میں چند لڑکوں نے سنگ باری کی جس سے موٹر کے شیشے ٹوٹ گئے۔ چونکہ موٹر کو تیز کروایا گیا۔ اس لیے کوئی اور واقعہ رونما نہ ہوا۔ اگر یہ محض چھوٹے بچوں کی طفلانہ شرارت نہیں تو جن لوگوں کا اس میں ہاتھ تھا انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر شریف انسان ان کو شرافت سے عاری سمجھے گا۔

درس مودت ریس

مرکز جدید ہدایت میں حسب دستور قرآن کریم
حجۃ بنی خاری اور حضرت سیدنا موعود علیہ السلام کی
مختلف تقریرات کا درس جاری رہا۔ علاوہ بریں
حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ایضاً

فلسطین میں تسلیع احمدیت

جماعت احمدیہ کی دینی تعلیم و تربیت اور دلچسپ مذہبی گفتگو

بحرہ الصغیر کے خطبات بھی احباب کے گوش گزار کیے گئے۔ اٹھائے درس میں جو سوالات پیش کئے جاتے رہے ہیں ان کے جوابات دیے گئے۔ درس میں احمدی احباب کے علاوہ غیر احمدی بھی شامل ہوتے رہے۔ اور خدا کے فضل سے اچھا اثر لے کر گئے۔ میں نے ہمیشہ اس امر کو بہ شدت محسوس کیا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر جو احمدیت کے نقطہ نگاہ سے پیش کی جائے۔ وہ اپنے اثرات کے لحاظ سے بے حد موثر ہوتی ہے۔ جبکہ باقی نقلیہ تفسیر کے حوالے بھی پبلک میں لانے جائیں۔ میں نے جب بھی یہ طریق اختیار کیا اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ فیروز کو حق و صداقت کے قریب لانے کے لیے یہ ایک شاعر ذریعہ ہے۔ حضرت سید موصی علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ نبیوں کے مقابلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کس چہ دانتے حال شاہد کھانا مارا

ملاقات میں

جماعت احمدیہ کی کابیرہ کے ایک نہایت ہی محض احمدی نو جوان السید محمد صالح کے مکان پر جمع ہوئے۔ اندر اندر بعض بد قماش قندہ پر دارزات کے قندہ دوڑنے لگے۔ ایک اور گروہ دو دفعہ اندر قائلے نے انہیں کاغذ نامہ غم اور کھانا تاہم ہمارے لیے یہ بہت ضروری ہو گیا کہ یہ حد امکان اپنی حفاظت کا انتظام کریں۔ چنانچہ ہم نے ڈسٹرکٹ کمشنر ناردرن ڈسٹرکٹ دیخا کی خدمت میں ایک مفصل خط لکھی۔ اور اس خط کی اجازت چاہی مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ ملا۔ آپ نے جواب دیا کہ ہم نے حلقہ پولیس کو دعوت کر دی ہے کہ ہفتہ میں کم از کم دو دفعہ کابیرہ کو اپنی گفت میں متال کر لے۔ حادثہ کے متعلق تحقیقات ہو رہی ہے۔ یہ جواب تو غیر تسلی بخش تھا ہی اس پر دوسرا حادثہ ستر اڑ میں زیادہ تک دو سے کام لینا پڑا اور اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ کمشنر دیخا سے ملاقات کر کے حالات بیان کئے گئے اور احمدیت کی مختصر تاریخ سے ان کو آگاہ کیا گیا۔ آپ نے دعا مسلمان تھے۔ اس لیے توجہ سے ہمارا پیغام سننے رہے اور

بالآخر آپ نے ہمیں اس طرح کی بھی اجازت دے دی۔ قائم مقام اسسٹنٹ کمشنر دارۃ المہاجر دیخا مذہباً یہودی ہیں۔ ان سے ملاقات کر کے احمدیہ نقطہ نگاہ کے لحاظ سے فلسطین کی موجودہ سیاسی صورت پر تبصرہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اس دوسلاحتی کا حقیقی علمبردار ہے۔ اور جس نے ہر حالت میں ہر قسم کے جانی نقصانوں کے حق میں بھی عدل و انصاف اور بہرہ و منافع رخصت سے کام لینے کی تعلیم دی ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک ان سے گفتگو ہوئی رہی۔ آخر آپ نے وعدہ کیا کہ ہمسلا کا لٹریچر اگر انہیں دیا گیا تو ضرور مطالعہ کریں گے۔ پولیس چیف جنرل لکڑیل میں بھی کرنا پڑا۔ ایک اور دیگر سپاہیوں کو جن میں مسلمان بھی اور یہودی بھی شامل ہیں۔ احمدیت کی تبلیغ کی گئی اور عربی و انگریزی لٹریچر برائے مطالعہ دیا گیا۔

دلچسپ مکالمہ

عرصہ زیر پرورث میں ایک مسلمان نو جوان سے جوٹیل میں نمبر میں ملاقات ہوئی۔ ٹیل ایک مشہور قصبہ ہے۔ بیت المقدس سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر یہاں سینکڑوں قبریں الٹی ہیں۔ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان میں اکثر انبیاء علیہم السلام مدفون ہیں۔ آغاز گفتگو کے لیے میں نے پوچھا آپ بڑا لواتر یہ بتائیں گے کہ ٹیل میں کیا کچھ قائل دید مقام ہیں۔

وہ ٹیل میں ایک عظیم الشان قبرستان ہے۔

جس میں بے شمار انبیاء مدفون ہیں۔ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کی قبروں کی جو صحن طور پر بنائی ہوئی ہیں۔ میں نے کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بھی وہاں موجود ہے؟

وہ نہیں۔ بلکہ جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ ان کی قبر غیر معروف ہے۔ البتہ آنحضرت ﷺ نے کتب احمر کے قریب آپ کی قبر کا پتہ دیا ہے۔ مگر ہمارے پاس اس کا حقیقی ثبوت کوئی نہیں؟

میں۔ اس صورت میں اگر کوئی یہ کہہ دے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہی نہیں ہوئے ورنہ تاؤ کہاں مدفون ہیں۔ تو غالباً وہ حق بجانب ہوگا

وہ مولد۔ بھلا یہ بھی کوئی معقولیت ہے۔ کآج سے ہزاروں سال پیشتر کے ایک نبی کو صرف اس لیے زندہ تسلیم کر لیا جائے کہ ان کی قبر ہمیں معلوم نہیں تھی یہی اور غیر نبی پیغمبر خاک ہو چکے ہیں مگر ہمیں ان کی قبریں معلوم نہیں تو کیا وہ سب زندہ ہیں؟

میں۔ بالکل بجا رہا ہوا تھا چاہے فرمائیے اس مقبرہ انبیاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا بھی کوئی ثبوت ملتا ہے؟

وہ! ہوا! آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آسمان پر بقید حیات موجود ہیں مگر آپ کی قبر کیسے؟

میں۔ مگر ہمارے نبی ﷺ کو فوت ہو چکے اور بعد منورہ میں آپ کی قبر بھی موجود ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر آج تک زندہ ہیں

ہم مفت مسلمانوں کی نہایت محبت اور بہرہ گیری کے لیے ایک دلچسپ

زندہ موت

مفت میں کر کے اپنے ملائکہ کے بارے میں پتہ لگائے کہ کون سے ایک خط پر ملکر ارسال کریں رسالہ مسلمانوں کے لیے ایک ڈاکٹر ایم ایس ایم فیبر ۱۳۴۱ میل کو ڈرو۔ لاہور

تکبیر ہے۔

اس پر وہ جبرائیل سے ہو گئے اور پوچھنے لگے۔ کہ یہ تعلقات کس نے کی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت سجاد علیہ السلام کا ذکر کیا گیا اور احمدیت کی منسل تبلیغ کی گئی۔ ان کے ساتھ تین اور درس بھی کام کرتے تھے۔ بلا لائے۔ اور باری باری سب مختلف امتزاج میں چل کر رہے۔ جن کے کئی بخش جو بات دینے لگے۔ یہ بخش ایک کلمے ہال میں تھی۔ حاضرین کی تعداد میں کے قریب ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حسب مشائخ تبلیغ ہو گئی۔

مختلف مقامات میں تبلیغ

مرحوم زہیر پورٹ میں انصار اللہ نے مختلف دیہات میں دورے کئے اور تبلیغی لٹریچر تقسیم کیا۔ طبرہ، جیٹا، بھٹی، عسکرا اور کئی نواح میں عربوں کے گھروں میں پوچھ کر احمدیت کا پیغام پھیلایا گیا۔ انصار اللہ میں سے السید محمد صالح - السید عبدالقادر صالح - السید محمود صالح - السید عبدالملک - الشیخ حسین علی - الشیخ عبدالرحمن برجانی کی مساعی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان سب دوستوں نے کم و بیش ان اعلیٰ مدد ٹریک و اشتہارات تقسیم کئے۔ ان دوروں کے نتیجے میں مختلف دیہات سے بعض لوگ بزم رض حقیق مرکز میں آئے۔ انہیں اچھی طرح تبلیغ کی گئی۔ اور لٹریچر برائے مطالعہ دیا گیا۔

مولد النبی اور میرا پچر

۲۲ مئی مولد النبی کی قریب پر احباب جماعت احمدیہ جیٹا و کبیرہ نے جامع سید محمود میں ایک جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس موقع پر محضر زہیر احمدیوں کو دعوت شریعت دی چنانچہ جلسہ واجس میں بعض ملازمت پیشہ تجار غیر احمدی معززین شامل ہوئے۔ جماعت کے بعض دوستوں کے علاوہ میرا پچر ہولہ دوران تقریر میں مسلمانوں کی موجودہ برحالی اور عجیب و غریب حالات پر مختصر تبصرہ کے بعد میں نے یہ سوال اٹھایا۔ کہ اگر کوئی شخص صرف اس لیے صادق قرار دیا جاسکتا ہے۔ کہ اس کے ماننے والے حیا سوز اور نیک انسانیت رسوم کے حاملہ شہداء ہیں۔ تو پھر آنحضرت ﷺ کی صداقت ہمیں بلکہ ہر کہہ مدعی چٹائی ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سو ممبروں کی پابندی دراصل حق و صداقت کے لیے زہر قاتل ہے۔ اس لیے اہل اسلام کا فرض ہے کہ نہ صرف ان عادات قبیحہ سے دخلش ہو جائیں بلکہ اپنے قول و فعل سے باطنی اسلام کی چٹائی کا

تو اس سے تو حیسانیت کو بہت مدد ملتی۔ اور آنحضرت ﷺ کی بیک ہوئی ہے اور پھر اس عقیدہ سے تو اہل بیت سچ بھی ثابت ہوتی ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ سے یہ مجروحہ طلب کیا تھا کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں جس کا جواب خدا نے یہ یا قاضی شہسوار ربی ہل کنت الابرار لولا اے رسول انہیں کہہ دے کہ میرے آسمان پہ جانے کی وہی صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) خدا کو تعالیٰ اپنی خاص قدرت کا اظہار فرمائے اور مجھے آسمان پر اٹھالے (۲) یا میں خود خود آسمان پر چلا جاؤں سو چکی شق کا جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی قدرت کا اظہار نہیں کیا کرتا کیونکہ یہ فعل اس کی سوجیت کے خلاف ہے۔ وہی دوسری شق سوچ جانتے ہو کہ میں بشر رسول ہوں۔ اور بشر آسمان پر نہیں جاسکتا۔ اب اگر حضرت سجاد علیہ السلام کو زور دیا جائے تو وہ باتوں میں سے ایک ضرور لازم آئے گی۔ اگر خدا تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھایا ہے۔ تو وہ سورہ نہ ہلے اور اگر سجاد علیہ السلام خود خود پرواز کر گئے ہیں تو وہ شریک نہ ہلے بلکہ الگ الگ گئے۔ پہلی شق اتفاق فریقین باطل ہے۔ البتہ دوسری شق حیاتیوں کا مین مضمون ہے۔ اور مسلمان ہر پر لب۔ اب آپ خود فرمائیں کہ حیات سجاد علیہ السلام کے عقیدہ نے آپ کے دین و ایمان پر حد درجہ ہلک مڑ کیا ہے یا نہیں؟ وہ آپ کا بیان بلاشبہ دلچسپ اور موثر ہے۔ مگر دیکھئے آنحضرت ﷺ تو مدینہ میں مدفون ہیں۔ اور لوگ بیشہ آپ کی قبر کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی یہ ضرور کرے کہ سجاد علیہ السلام کے حزار کا پتہ دو۔ ورنہ انہیں مردہ نہ کہو۔ تو اسے کیا جواب دیا جائے گا میں اس امر کا نہایت مستول جواب تو آپ خود آغاز گفتگو میں دے چکے ہیں۔ اس لیے مجھ سے انتظار کی ضرورت نہیں۔ البتہ آپ کے علم میں انصاف کی خاطر یہ بتانے دیجائیں کہ حضرت سجاد علیہ السلام کا حرام کہاں ہے۔ آپ کوٹ کر لیں۔ محلہ خانیار شہر سری نگر۔ کشمیر الہند۔ کیا آپ نے قرآن کریم میں نہیں فرمایا جو اوسنہا الی ربوعہ ذات قرار و معین۔ یعنی ہم نے مریم اور ان مریم کو صلیب کے واقعہ ہانک سے نجات دے کر آسمان پر نہیں بلکہ ایسی جگہ پہنچا دیا۔ جو مدینہ علاقہ کی نسبت بلند اور لیون والی زمین ہے۔ آسمان گاہ اور غور غور بانی کے چشموں کی زمین اور تاریخی روایات کی بناء پر یہ امر ثابت ہے۔ کہ اس زمین میں مراد اودی

ثبوت مہیا کریں۔ تاکہ قلم یافتہ اور تہذیب نو کے دلدادوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ بھی اس نور کو شایع کر سکیں۔ جس نے کفر و ملحدان کی تمام ملامتوں کو دور کر کے رکھ دیا۔ ازاں بعد اس سوال کا جواب دیا۔ کہ دنیوی تبلیغ اور روحانی تبلیغ میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ تقریر بہت موثر ثابت ہوئی جس کا اثر اٹھ فیروز احمدیوں نے کلمے طور پر کیا۔ اور حیرت سے کہا کہ یہ تو بالکل نئی باتیں ہیں۔ جو ہم نے بھی سنی نہیں۔ اگر ہم یہ جماعت میں رنگ میں اسلامی آواز بلند کر رہے ہیں۔ تو اس کی مساعی ہر شریف آدمی کی نظر میں قابل حمد و آفرین ہیں۔

البشری

خدا تعالیٰ کے فضل سے رسالہ "البشری" کی خرچہ داری بڑھ رہی ہے۔ گوارا ہے اثرات کے لحاظ سے بھی بہت مفید ثابت ہو رہا ہے۔ بلاد عربیہ کے مختلف شہروں سے ایسے خطوط آتے رہتے ہیں۔ جن میں رسالہ کی تحریف ہوتی ہے۔ اور یہ دعائیں درج ہوتی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہماری تبلیغ مساعی کو بار آور فرمائے۔

مدرسہ احمدیہ

مدرسہ احمدیہ واقعہ کبیرہ کی ہر دو ماہ میں درست الاولاد و عورت و اہل بیت خدا کے فضل و کرم سے کامیابی کے ساتھ چل رہی ہیں۔ اس وقت مدرسہ میں دو معلم کام کر رہے ہیں۔ کورس کے لحاظ سے نہ صرف یہ کہ ہمارا مدرسہ لکھنؤ کے کسی مدرسہ ایسا ہے جیسے پہلے بلکہ بہت آگے ہے۔ اس وقت تمام طالب علموں کی تعداد ۴۵ ہے جو کبیرہ ایسے چھوٹے سے گاؤں کے لحاظ سے ابھی خاصی تعداد ہے چونکہ یہ گاؤں دوسرے دیہات سے بہت فاصلہ پر واقع ہے۔ اس لیے باہر سے طلباء یہاں نہیں آ سکتے۔

درخواست دعا

بالآخر احباب کرام سے درخواست ہے کہ ساتھ ساتھ دعاؤں کے لیے التجا ہے تا اللہ تعالیٰ بلا بد عربیہ میں احمدیت کا دن دولی اور رات چوکی تزیات طاف فرمائے۔ و هو المولیٰ و نعم النصیر خاکسار محمد سلیم بشر۔ بلا ہر یہ

تحریر اور تقریر میں نا ملائم الفاظ

استعمال کرنے پر تنبیہ

کچھ عرصہ ہو۔ بعض اہوی اہباب کی طرف سے تقریر اور تحریر میں بعض نامناسب الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔ جس سے یہ امکان ہے کہ دوسری اقوام کی دل آزدی ہو۔ حالانکہ دوسری اقوام کے ساتھ جماعت کے خوشگوار تعلقات قائم کرنے کے لیے مرکز کی طرف سے خاص سعی ہوتی رہتی ہیں۔ ایسے الفاظ کے استعمال سے سلسلہ کی شہرت کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اور دوسری قوموں میں ناگوار جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسے اہباب کو سختی سے تنبیہ کی گئی ہے تا وہ آئندہ محتاط رہیں۔ چنانچہ ان پر تقاریر کے حلق پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ اور یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ تا دوسرے اہباب کو علم ہو جائے کہ دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات میں دروداوری و حسن سلوک اور مباحث و مناظرہ میں بردارانہ رنگ میں تحقیق حق کا اظہار ہونہ کہ مقابلہ و مجاہدہ کا رنگ پیدا ہو جائے۔ تا غرض حق و تبلیغ کا دیان

معاہلاتِ فلسطین اور مسلمانانِ ہند

شہری اور مذہبی حقوق کے تحفظ کے لیے ایک نئے اس کے پرو کیے تھے۔ اور فلسطین کے باشندگان کے سیاسی حقوق میں اس نے مداخلت کی ہے۔ لہذا ایک کمانڈر اب فلسطین کا خاتمہ کر کے ارض مقدس فلسطین کو اس کے باشندوں کے حوالہ کر دینا چاہئے۔

بے شک ان قراردادوں کے حقائق یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں کوئی ایسا بات بیان کی گئی ہے جس پر عمل کرنا ناممکن ہو اور جو صرف زب کا فلسطین کے لیے بیان کی گئی ہو۔ لیکن اس میں کیا شبہ ہے کہ تمام قراردادیں عاجز اندہ انتہائی اور بے کسانہ درخواستوں پر مشتمل ہیں۔ اور ظاہر کر رہی ہیں کہ ان کو کس طرح کرنے والے اپنی بے دست دہائی کا مضطر یا نہ مظاہرہ کر رہے ہیں اور یہ جانتے ہو جیسے کر رہے ہیں۔ کہ طاقت اور ترقی تو پ اور تنگی دنیا میں اس کی کوئی تدریج قیمت نہیں ہے۔

اب ان قراردادوں کو عملی جامہ پہنانے کے نام سے چند طلب کیا جائے گا۔ اور پھر اگر وہ اسی مقصد کے لیے صرف کیا جائے۔ تو بھی یہ بے نتیجہ کام ہوگا۔ نہ ایک آفیشن میں شمولی ہوگی۔ نہ یورپین ممالک ہندوستانی مسلمانوں کے دوز کے پیر پنے پر فلسطین کو برطانیہ کے انتداب سے آزاد کرانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ نہ برطانیہ اپنی پالیسی بدلنے کے لیے تیار ہوگا۔ پھر اس شیعہ مال و اوقات سے کیا فائدہ؟ اور اس طرح اپنی بے وقوفی کرانے کی کیا ضرورت؟ مگر کوئی نہ کوئی شیعہ اس قسم کا کھڑا کر رہا ہے اور مسلمانانِ ہند کا کام اور نامزدیوں کے کچھ ایسے حامی ہو چکے ہیں کہ انہیں ناکامی کا کچھ احساس بھی نہیں ہوتا۔ اور اس طرح روز بروز ان کی قوت مل سلب ہوتی جا رہی ہے۔

کاش وہ لوگ جو مسلمانوں کے لیڈر بنے ہوئے ہیں۔ اس طرف توجہ کریں اور بے نتیجہ باتوں میں مسلمانوں کو الجھاتے اور ان کا مالی اور مالی نقصان کرانے کی بجائے ان کی اندرونی اصلاح و ترقی کے لیے کوشش کریں۔ ان کی تنظیم اور اتحاد کو مضبوط بنائیں تاکہ مسلمان

اعتبار کر لی گئی۔ یہی نہیں بلکہ یہ کہا جا رہا ہے۔ کہ فلسطین کے مسلمانوں کی تعداد کے لیے جو کانفرنس منعقد کی گئی اور اس میں جو مجلس عمل بنائی گئی۔ اس کی اصل غرض و قیامت ہی یہ تھی۔ کہ سرمایہ دار یودیوں کے ہاتھ قلعہ فلسطین کو بیچنے کے لیے فروخت کر دیا جائے اور اس کے ثبوت میں کہا جاتا ہے کہ باوجود وعدہ کے اور بار بار کے مطالبہ کے فلسطین نے کوئی پروگرام پیش نہ کیا۔ فلسطین کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ مسلمانانِ فلسطین کی مشکلات اور مصائب پہلے سے بہت بڑھ گئیں ہر طرف سے فلسطین کی حمایت کی آوازیں بلند ہوئیں لیکن اگر پوری طرح سکون اور خاموشی طاری رہی۔ تو اس مجلس عمل پر جو فلسطین کے مسلمانوں کو ان کے حقوق دلانے اور ان کے مطالبات پورے کرانے کے لیے بنائی گئی تھی۔

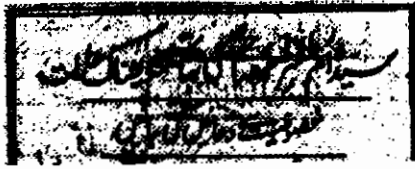
آج کل پھر ممالک میں ایک فلسطین کانفرنس منعقد کر کے پھر قراردادیں منظور کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ تنظیم فلسطین خروہ کی مشکل میں کیوں نہ ہو۔ مسلمانانِ ہندوستان نہ کریں گے دوسری یہ کہ برہمنی سر آقا خان صدر اسمبلی لیگ سے درخواست کی جائے۔ کہ وہ فلسطین کے مسئلہ میں مسلمانانِ ہندوستان اور مسلمانانِ عالم کے جذبات کی انجمن اقوام متحدہ جماعت کریں۔ تیسری یہ کہ ایک وفد اسلامی ممالک اور یورپین ممالک کو بھیجا جائے تاکہ یہ مسلمانانِ ہند کے جذبات متعلقہ فلسطین کی ترجمانی کرے اور تنظیم فلسطین کی اسکیم کے خلاف رائے کا فیصلہ کرے۔

چونکہ یہ کہ برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ مشرقِ قریب اور مشرقِ وسطیٰ کے متعلق اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرے۔ اور ایک سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ طاقت ور حکومتوں کے جبر و استبداد سے مجبور اور چھوٹی اقوام کو بچانے کے لیے تدریجی طور پر اختیار کرے۔

باکچس یہ کہ چونکہ موجودہ انتہائی حکومت فلسطین ان ذمہ داریوں کی سرانجام دہی میں قلعی کھڑی ہے جو باشندگان فلسطین کے

ایک عرصے سے مسلمانانِ ہند میں ایک طبقہ پیدا ہو چکا ہے۔ جو ایک طرف تو خود کو مسلمانوں کی مذہبی اور مذہبی رول نمائی کا دعوہ کر رہا ہے اور دوسری طرف طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے غریب مسلمانوں کے پیٹ کاٹ کر پیش و منتشر کرتا ہے۔ یہ لوگ ہر وقت اس ناک میں گھے رہتے ہیں کہ ہندوستان میں یا یورپ ہندو کوئی ایسا واقعہ رونما ہو۔ جس سے مسلمانوں کو دلچسپی ہو سکتی ہو۔ تو وہ ہر عام آجائیں اور اس قسم کے بڑے بڑے دعوے کرنے کے بعد کہ ہم یہ کر دیں گے۔ وہ کر دیں گے۔ چہرہ نامتنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر جب تک چندہ ملتا رہے۔ اس وقت تک خود کو غوغا مچانے رکھتے ہیں۔ لیکن جب ان سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے وعدوں کو پورا کریں۔ تو اس وقت تک کے لیے روپوش ہو جاتے ہیں۔ جب تک کوئی نیا حادثہ ظہور پذیر نہ ہو۔

مسلمانانِ ہند کے ساتھ یہ کھیل ایک عرصے سے کھیلا جا رہا ہے۔ کچھ عرصے فلسطین میں جو شورش برپا ہے۔ اور مسلمانانِ فلسطین جن مشکلات میں سے گزر رہے ہیں۔ وہ چونکہ ہر مسلمان کے لیے درد انگیز ہیں اس لیے اس طبقہ کے لوگوں نے جس کا پروڈ کر کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے جذبات سے فائدہ اٹھانے کے لیے دہلی میں فلسطین کانفرنس منعقد کی۔ اور چند قراردادیں پاس کر دیں۔ ہم نے اسی وقت لکھ دیا تھا۔ کہ وہ مجلس نمائندگی قراردادیں ہیں۔ اور پاس کرنے والے خوب جانتے ہیں۔ کہ نہ ان پر عمل کر سکتے ہیں۔ اور نہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کانفرنس کی قراردادیں ”مجلس عمل“ سمجھ سکتوں میں بے عمل ثابت ہوئی۔ البتہ فلسطین کانفرنس کے کٹ فروخت ہونے سے ہزاروں روپیہ کی جو آمدنی ہوئی تھی۔ اس کے متعلق ایک راز دان ایڈیٹر صاحب ”نیو ڈہلی کایان“ نے کہا کہ کایٹر حصہ ملاؤ۔ تو رے اڑانے پر صرف ہوا اور جب مطالبہ کیا گیا۔ کہ فلسطین کانفرنس دہلی کے مصلحت شائع کئے جائیں تو بالکل خاموشی



قادیان ۲۷ فروری۔ کل جب حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی طرف سے یہ اطلاع موصول ہوئی۔ کہ آج سیدہ ام طاہرہ صاحبہ کو سرنگرام ہسپتال میں لے جائیں گے تو مسجد مبارک میں سیدہ موصوفہ کی صحت و عافیت کے لیے صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجتماعی دعا کی۔

رات کو قریباً ۱۲ بجے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے بذریعہ فون مطلع فرمایا کہ سیدہ ام طاہرہ احمد صاحبہ کو آج ایک بجے دن کے سرنگرام ہسپتال میں لے گئے ہیں اس وقت ضعف کی حالت ہے ٹھنڈے سپینے آ رہے ہیں دل گر رہا ہے۔ نبض بہت کمزور ہے۔ سب وہیں ہسپتال میں ہیں دعا کی بہت ضرورت ہے۔

آج صبح ۲/۱ بجے یہ اطلاع موصول ہوئی۔ کہ ام طاہرہ احمد صاحبہ کی طبیعت پونے چھ بجے سے زیادہ خراب ہے۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ہسپتال میں ہیں مساجد میں دوا کے لیے اعلان کر دیا جائے۔ اس پر تمام محلوں میں اعلان کرایا گیا۔ کہ نوبے مسجد اقصیٰ میں دعا کے لیے احباب اور مستورات جمع ہو جائیں۔ چنانچہ مقررہ وقت پر بہت بڑے مجمع نے حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کی اقتدا میں قریباً آدھا گھنٹہ دعا کی۔ بیر و نجات کے احباب بھی خصوصیت سے دعائیں کریں۔

اخبار احمدیہ

ولادت۔ (۱) میاں محمد شفیع صاحب کارکن ضیاء الاسلام پریس کے ہاں ۷ فروری کو لڑکا تولد ہوا اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ (۲) سید احمد زمان شاہ صاحب پشاور کے ہاں ۳۱ جنوری کو لڑکا تولد ہوا نام مسعود زمان شاہ رکھا گیا۔ (۳) قریشی محمد مسعود احمد صاحب قادیان کے ہاں لڑکا تولد ہوا نام دلاور احمد تجویز ہوا ہے۔ سب کی درازی عمرو خادم دین ہونے کے لیے دعا کی جائے۔

اعلان نکاح۔ عبدالحمید صاحب سکنہ قمر غلام نی کا نکاح مہر علی صاحب کی دختر زہرہ بیگم سے ہوا۔ خدا تعالیٰ مبارک کرے۔ خاکسار بشیر احمد وفات۔ شیخ محمد بخش صاحب رئیس کریانوالہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرانے صحابی تھے ۱۴ فروری کو وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون غلام حیدر (۲) محمدی بیگم صاحبہ بیوہ جمدار نواب دین صاحب مرحوم قادیان فوت ہو گئی ہیں (۳) خورشید بیگم صاحبہ سیالکوٹ وفات پا گئی ہیں۔ (۴) میر حسن محمد صاحب ساکن گولہ کی جو نہایت نیک مخلص اور ضاماد بزرگ تھے۔ ۱۸ فروری کو فوت ہو گئے ہیں

(.....)

انگلستان میں اخبار کی ناجائز کارروائیوں کا ذکر

امپائر ورکرز کونسل کا اغتیاہت حضرت کاریز ویشن

نے قانون کو ایک قیدی کے متعلق نہایت مضحکہ انگیز صورت میں استعمال کیا۔ اس قیدی نے پنجاب کی ایک دوسری مسلمان جماعت کی شدید ہنگ کی تھی۔ اس جماعت کے دشمنوں نے انگریزی قانون کے اس ناجائز استعمال سے دلیر ہو کر اس جماعت پر اور بھی زیادہ ظلم شروع کر دیا ہے۔ ہنگ نے بڑھ کر حملوں کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اور جیل ترقی کر کے روز روشن کی لوٹ کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔

اس قوم کا صرف یہ قصور ہے کہ وہ قانون شکنی کی مخالف ہیں۔ اور حکومت کی اطاعت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہ حملہ کرنے والے لوگ چند ہندو اور جماعت احرار کے لوگ ہیں۔ جو انتہاء پسند کانگریسی ہیں۔

جلسہ کے اختتام پر بغیر کسی مخالفت کے بالاتفاق ریزولوشن پاس ہوا۔

”ان مظالم کے خلاف جو احمدیہ جماعت قادیان پر بعض ہندوؤں اور جماعت احرار کی طرف سے (جو کہ ایک پیشہ ور ایجنسی ٹیڑوں اور سڈیشن پھیلانے والوں کی جماعت ہے) ہو رہے ہیں۔ امپائر ورکرز کونسل کے ممبروں کا یہ جلسہ بڑے شہوہ سے احتجاج کرتا ہے۔“

اسی سلسلہ میں معلوم ہوا ہے کہ پارلیمنٹ کی ایک پارٹی کے بعض ذمہ دار افسر ایک لوٹ تیار کروا رہے ہیں جو منظور کرنے کے لیے پارٹی کے لیڈروں کے سامنے پیش ہوگا۔ امید کی جاتی ہے کہ حالات کا پورا مطالعہ کرنے کے بعد پارلیمنٹ کی ایک بااثر پارٹی اس سوال کو خاص طور پر اپنے ہاتھ میں لے گی۔

جوں جوں انگلستان کے لوگ ان کارروائیوں سے اطلاع پا رہے ہیں۔ جو احرار اور ان کے بعض دوست حکام کی طرف سے احمدیوں کے خلاف ہو رہی ہیں۔ وہاں کے سنجیدہ طبقہ میں اس پر حیرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ ایک سابق گورنر نے حالات سن کر کہا کہ آخر میرے زمانہ میں بھی تو احرار موجود تھے۔ اس وقت کیوں ان لوگوں کو یہ جرات نہ ہوئی۔ میں ہمیشہ اپنے افسروں سے کہا کرتا تھا کہ یہ خطرناک لوگ ہیں۔ ان کے فریب میں نہ آنا۔

اخبار ”ایزور“ لکھتا ہے کہ چندہ جولائی کو پیر کے دن امپائر ورکرز کونسل کے ان ممبران کے جلسہ میں جو مغربی لندن سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ میٹنگ کے ختم ہونے پر کونسل کے سیکرٹری مسٹر چارلس فلر نے ایک مختصر تقریر میں ہندوستان میں نئی اصلاحات کے نفاذ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور انتہاء پسند کنسرٹو ممبروں کے خیالات کا حوالہ دیتے ہوئے جو انٹریڈینس لیگ کے نام سے مشہور ہیں۔ کہا کہ گوانٹیں اس جماعت کے سب خیالات سے اتفاق نہیں لیکن انہیں اس امر کو ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ بہت سے دیانت دار انگریزوں کی یہ رائے۔ کہ شدید فتناء میں گرفتار ہندوستانوں کے سپرد قانون اور امن کا تحفظ نہیں ہونا چاہیے۔ بالکل بے وزن نہیں ہے۔

مسٹر فلر نے کہا کہ عام فوجداری مقدمات میں ہندوستانی بیچ منصفانہ رویہ قائم رکھتے ہیں۔ لیکن جب مذہبی سوال پیدا ہو جائے۔ تو ان میں سے بہت سے انصاف کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ لیکن اگر ان کے قریب کے نہایت ہی گندے فیصلہ کا ذکر کیا جس میں ایک ہندو بیچ

ملکات
کلمی دس خواست

بہارِ نبویؐ کے اصول و معانی

کلمی دس خواست

بعض حضرت مزاہر الشیر الدین محمد و احمد رضا خلیفہ مسیح ثانیؑ کا دیا

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ہم احمدیایں جن کے نام درج ذیل ہیں۔ حضور کی خدمت عالیہ میں دست بستہ عرض پرواز ہیں۔ کہ جب سے منافقین و مخربین نے حضور کی ذات والا صفات پر طرح طرح کے اتہامات و الزامات لگائے شروع کیے ہیں۔ اسی وقت سے مقدس سلسلہ اور اس کے مقدس بانی پر دشمن سلسلہ قسم قسم کے افتراءات کر رہے ہیں۔ اور اب تو یہ حال ہو گیا ہے کہ معاصرین سلسلہ احمدیت کا نام تک لینے نہیں دیتے۔ اور اگر کسی جگہ تبلیغ کرنی شروع کریں۔ تو صحت منافقین و مخربین کے لگائے ہوئے الزامات پیش کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ اور ہم سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ اگر آپ کے خلیفہ صاحب ان عیوب (یعنی زنا و غیرہ) سے بری ہیں۔ تو کیوں اپنی پوزیشن صاف نہیں کرتے۔ جبکہ گزشتہ تمام برہان اپنی پوزیشن کو صاف کرتے چلے آئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت یوسف قید سے باہر نہیں آئے۔ جب تک اپنی بریت نہیں کرا لیتے۔ اور آں حضرت مسلم اپنی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ سے سلام کلام تک بند کر دیتے ہیں۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ریت نہیں آجاتی۔ اور آں حضرت مسلم خود اپنی ازواج مطہرہ کے چہرہ مبارک سے نقاب اٹھا کر ایک شخص کو فرماتے ہیں۔ کہ کچھ میری اپنی بیوی ہے۔ کوئی غیر نہیں۔ تاکہ اس کو حضور کے حلق کوئی شبہ نہ ہو۔ پھر حضرت عمرؓ خطبہ بند کر دیتے ہیں۔ اور آگے خلیفہ نہیں کرتے۔ جب تک کہ معترض کے سوال کا جواب نہیں دیتے۔ پھر امام بخاریؒ صاحب اپنی ہزار و چار کی تحلی کو سمندر میں گرادیتے ہیں۔ تاکہ امام صاحب کی پوزیشن پر کسی کو شبہ نہ گزرے وغیرہ۔ پس اگر آپ کے خلیفہ صاحب بھی سچے ہیں۔ تو ان کو بھی اپنی بریت کرنی چاہیے۔

حضور والا! ایک طرف منافقین و مخربین کا حضور کی ذات گرامی کے حلق گندے گندے الزامات لگانا۔ دوسری طرف حضور کی خاموشی۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ دشمن ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔ کہ خود بخود اللہ حضور کی ذات باہر کات میں وہ تمام گندے سے گندے عیوب پائے جاتے ہیں۔ جو منافقین حضور کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ (حاشا بدین)

اگر حضور کی صرف اپنی ذات کا سوال ہوتا۔ تو پھر بے شک حضور اپنی پوزیشن نہ بھی صاف کرتے۔ لیکن یہاں تو ایک قوم کی ذمہ داری اور موت کا سوال ہے۔ حضور کی اس خاموشی سے سلسلہ عالیہ اور اس کا بانی بدنام ہو رہا ہے۔ پس ہم حضور کو خدا اور اس کے رسول اکرمؐ اور حضرت مسیح موعودؑ اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں۔ کہ خدا کے لیے اپنی پوزیشن صاف فرما کر ہم غریب و بے کس احمدیوں کو ان مشکلات سے رہائی عطا فرمائیں۔ احمدیت اور اس کے بانی پر جو بدنامیہ و دشمنی کی طرف سے لگایا جا رہا ہے۔ اس کو دور فرما کر احمدیت کے روشن چہرہ کو منور کریں۔ تاکہ ایک دفعہ پھر احمدیت اپنی پوری شان سے چمکے۔ اور اصل حقیقت کھل جائے۔ اور حضور پر نور کا نورانی چہرہ بھی روشن ہو۔ اور حضور پر گندے الزامات لگانے والے ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہوں۔ (آمین) اور حضور پر دوبارہ گندے الزامات کی حرأت نہ ہو سکے۔

نوٹ۔ ہم نے یہ کلمی درخواست اس لیے بھجوائی ہے تا دوسری احمدی جماعتیں بھی وقت کی نزاکت اور سلسلہ عالیہ احمدیہ اور اس کے بانی کی عزت کو نظر رکھتے ہوئے حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں پرزور درخواستیں بھجوائیں کہ حضور اپنی پوزیشن کو صاف فرما کر خدا و خدا کا نور ہوں۔ اور تبلیغ احمدیت میں جو روک تھام پڑی ہیں ان کو دور فرمائیں۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کے نام کو دنیا میں روشن کریں۔ (نوٹ نمبر ۲) اس کی ایک نقل جناب خلیفہ صاحب ایلے یٹر "الفضل"۔ ایلے یٹر "فاروق" کا دیاں اور دیگر اخبارات کو بھجوائی گئی۔

ہم ہیں حضور کے خدام

(۱) چوہدری برکت علی احمدی سیکرٹری جماعت احمدیہ (۲) چوہدری عبدالحکیم (۳) چوہدری سلیمان احمدی۔ سرکاری ریاست جینیہ

مقامی مقدمات کے فیصلہ کا آسان طریق

نقل خط من جانب مولانا عنایت اللہ صاحب چشتی

(ذیل میں اس خط کی نقل شائع کی جاتی ہے جو مولانا عنایت اللہ صاحب چشتی نے میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کو لکھا۔
بغرض آگاہی پبلک اس چٹھی کو شائع کیا جاتا ہے۔ (رحمت اللہ مہاجر)

جناب میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان

عرصہ دراز سے باشندگان قادیان سے آپ کے مقدمات جاری ہیں۔ جن پر آپ کا بہت روپیہ صرف ہو چکا ہے چنانچہ ایک خطبہ میں آپ نے ذکر کیا تھا کہ ایک سال میں مقدمات پر چالیس ہزار روپیہ صرف ہوا اس حساب سے گزشتہ سالوں میں مقدمہ بازی کا خرچ یقیناً لگائی لاکھ روپیہ تک پہنچتا ہے۔

ان مقدمات میں باشندگان قادیان کی پوزیشن مافغانہ ہے یعنی ان کی طرف سے کوئی جھگڑا نہیں مگر باوجود اس کے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے بعض مجالس میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ آپ تو مقدمات ختم کرنا چاہتے ہیں مگر باشندگان قادیان مقدمات کو نہیں چھوڑتے۔ مجھے یہ الفاظ سن کر جس قدر تکلیف ہوئی اس کے اظہار کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔ ایک طرف میں اس کی پوزیشن ذہن میں لاتا ہوں دوسری طرف یہ بیان جو امر خلاف واقعہ ہے۔

کیا آپ کو علم نہیں کہ مقدمات کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ قبرستان اور قادیان کے راستوں کے جھگڑے کس نے شروع کئے۔ جناب شیخ عبدالرحمان صاحب مصری بی۔ اے کے خلاف کتنے مقدمات دائر ہوئے جن میں سے بعض آپ کی پارٹی والہاں لینے پر مجبور ہوئی اور بعض خارج ہو گئے۔ کتنے ہزار روپیہ صرف ان مقدمات پر آپ کا خرچ ہوا یہی نوعیت قادیان کے تمام مقدمات کی ہے۔ ہمارا مشاہدہ تو یہ ہے کہ آپ اپنے مخالفین کو مقدمات کے ذریعہ زیر کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے نزدیک وقار حاصل کرنے کا ذریعہ ہی مقدمہ بازی ہے جس کے لیے ایک خاص دفتر ملکہ اور کارکن موجود ہیں جن کے پیش نظر دن رات مقدمات کی اسکیمیں ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہر انسان فطرتاً کسی نہ کسی وقت اپنی ذمہ داری کو بھروسہ کرتا ہے یا کم از کم اسے اعتراض کا خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھی یا تو مریدوں سے اس اعتراض کا خوف ہوا ہے کہ تبلیغ کے نام پر وصول کردہ روپیہ لکھو کھا کی تعداد میں کیوں مقدمہ بازی پر صرف کیا جاتا ہے یا آپ نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا ہے۔ ہر دو صورتوں میں سے جو بھی ہو مجھے اس سے بحث نہیں مگر جو الزام آپ نے ہم پر لگایا وہ ہرگز درست نہیں۔ اگر مقدمات کے سلسلہ میں آپ کا ارشاد صرف پروپیگنڈا اور افسروں کی نگاہ میں سچا بننے کے لیے نہیں اور آپ واقعی مقدمات ختم کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ ایک کمیشن مقرر کر لیا جائے جس کے کم از کم تین ممبر ہوں۔ دو فریقین کی طرف سے اور ایک ثالث مسلمہ فریقین جس کا فیصلہ فریقین بلا چون و چرا تسلیم کر لیں۔

یہ آسان راہ ہے جس پر عمل کرنے سے تمام مقدمات یکدم ختم ہو سکتے ہیں اور جس کے پاس سچائی موجود ہوگی وہ اس تجویز سے ہرگز ہرگز گریز نہیں کر سکتا۔

خادم خلق

عنایت اللہ چشتی از قادیان

آزادی

ف

جلد ۲۲ قاضان دارالامان مورخہ ۱۹۳۵ء مطابق ۱۴۵۶ھ بمطابق ۱۹۳۵ء

خطبہ جمعہ مورخہ یکم ستمبر ۱۹۳۵ء

فرمودہ حضرت امیر المومنین علیؑ: اس اللہ فی ایدائہ بنصرہ

جنگ میں اہل ہند کا انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے

کردہاں ملکوں پر آسانی سے حملہ کر کے واپس ان سمندری جہازوں پر آتے ہیں۔ ہندوستان ان سامانوں کے ہوتے ہوئے ایسی دنیا کی زد میں ہے۔ روس کے علاقوں اور چین کے جاپانی علاقوں کی زد میں ہے۔ روسی سرحد امریکی سرحد سے پانچ سو میل ہے۔ جوشکی میں تو ہزار میل کے قریب ہے۔ اور بعض علاقوں میں تو ہندوستان کی سرحد برطانیہ کے مخالف ملکوں سے سو بیس سو میل ہی ہے۔ گو اب تک روس، اٹلی اور جاپان نے جرمن کے ساتھ جنگ میں شامل ہونے کا فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن خطرہ ضرور ہے کہ کسی وقت وہ بھی جنگ میں شامل ہو جائیں۔

ان حالات میں یہ امر عجیب نہیں۔ کہ معصوم ہندوستان پر بھی گولہ باری کی جائے۔ اور اس کے نیچے افراؤ کو اس لیے تباہ کر دیا جائے کہ وہ انگریزوں کی حکومت میں کیوں ہیں۔

بمباری سے تباہی کا خطرہ انگلستان، فرانس اور ان کے مقابلہ میں جرمنی اور اگر اٹلی اور روس لڑائی میں شامل ہو جائیں۔ تو ان کو بھی ہے۔ پولینڈ، ترکی اور مصر کو بھی ہے۔ بحر ان کے افراد پر لذت بھی محسوس کرتے ہیں۔ اگر کوئی ہم کو مار دیں گے۔ تو ہم بھی ان کو مار دیں گے۔ لیکن ہندوستانی کیا کہہ سکتے ہیں۔ نہ ان کی اپنی کوئی فوج ہے نہ سامان ان کے پاس ہے۔ سوائے اسکے کہ جو انگریز ان کے لیے مہیا کر دیں۔ اور پھر وہ سامان بھی انگریز افسروں کے قبضہ میں ہوگا۔ ہندوستانیوں کا نہ جنگ کرنے میں کوئی دخل ہے۔ نہ صلہ کرنے میں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جی کی صورت میں ہندوستان کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس میں

رہی ہے۔ سوائے اس کے کہ اختیارات میں اس کا ذکر پڑتے تھے۔ یا بھی آتا مہکا جاتا تھا۔ اور ہندوستانی سمجھ لیتے تھے۔ کہ جنگ ہو رہی ہے۔ یا جو لوگ فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ ان کے گھروں میں رہتے آتے تھے۔ یا جب بھی ان میں سے کسی کے سرے کی خبر آتی تھی تو سمجھا جاتا تھا۔ کہ لڑائی ہو رہی ہے۔ ورنہ جنگی لحاظ سے ہمارے ملک پر اس لڑائی کا کوئی اثر نہ تھا۔ چار سال کی حواہز اور طویل جنگ کے باوجود ہندوستانیوں کو اس کا احساس نہ تھا۔ مگر آج ابھی جنگ شروع بھی نہیں ہوئی۔ لیکن

ہندوستان میں جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اور صرف اس رنگ میں نہیں۔ کہ رگڑت بھرتی کئے جا رہے ہیں۔ یا دہشتہ سے برطانیہ کو لہا دوہنے کے انتظام ہو رہے ہیں۔ بلکہ اس رنگ میں کہ گولہ باری سے ہندوستان کو کس طرح محفوظ رکھا جائے۔ آج کلکتہ۔ بمبئی۔ کراچی میں اور سمندر کے قریب واقعہ دوسرے شہروں میں بھی بچاؤ کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ رات کو اندھیرے کے چاتے ہیں۔ ہوائی حملوں سے بچاؤ کے لیے لوگوں کو تیار کیا جاتا ہے۔ اور یہ خطرہ لگ رہا ہے کہ دشمن کے جہاز

ہندوستان کے شہروں پر گولہ باری کریں گے۔ اور ان کو تباہ کر دیں گے۔ اب ایسے جہاز تیار ہو چکے ہیں۔ کہ جو سو فیصد یعنی قریباً تین ہزار امین تک وزنی بم لے کر بمباری کرتے ہیں۔ اور ایک ہی پرواز میں سو دو سو اور اڑھائی اڑھائی ہزار میل چاکر حملہ کر کے واپس آجاتے ہیں۔ اور ایسے سمندری جہاز تیار کئے گئے ہیں۔ جو ہوائی جہازوں کو لاد کر دوسرے ملکوں کے قریب لے آتے ہیں۔ جہاں سے اڑ

سورہ فاحش کی حالات کے بعد فرمایا۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ

عورتوں کا حصہ مسجد کے ساتھ بنانے میں غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہاں سے آوازیں اس سے نکلتی سے آ رہی ہیں۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ عورتیں نماز کے لیے نہیں آئیں۔ بلکہ کھینے کو آنے کے لیے آتی ہیں۔ بچے بھی موجود ہیں۔ جو شور مچا رہے ہیں۔ اور عورتیں بھی باتیں کر رہی ہیں۔ اور جب عورتوں کی تربیت لیں۔ تو انہیں الگ مسجد کرنا چاہیے۔ مسجد میں آنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ اس لیے تنظیمیں کو چاہیے۔ کہ ان کے بعد سے یہ پردہ اٹھا دیں۔ اور عورتوں کے لیے پہلے باہر جو انتظام ہوتا تھا وہی رہے دیں۔

اس کے بعد میں دو تئوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ یہ پیام نہایت نازک معلوم ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت انسانوں کے آڑے نہ آجائے۔ اور اسکی رحمت اور کریمیت انسانوں کی غلطیوں کی پردہ پوشی نہ فرمائے۔ تو

دنیا بالکل تباہی کے کنارے پر کھڑی نظر آتی ہے۔ وہ لوگ جن کی عمریں ۳۵-۴۰-۵۰ سال کے درمیان کی ہیں۔ انہیں یاد ہوگا۔ کہ

جنگ عظیم جس کی نسبت خیال کیا جاتا تھا کہ شاید اتنی بڑی جنگ بھی نہیں ہوگی۔ اور جسے مانگیر کہا جاتا تھا۔ اور یہ سمجھا جاتا تھا۔ کہ اس کی تباہی و بربادی شاید سیکڑوں سالوں تک دنیا کو یاد رہے گی۔ جب وہ ہوئی۔ تو ہندوستان کے لوگوں کو محسوس بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ جنگ ہو

بھی کوئی ملک نہیں کہ اگر خدا خواست انگریزوں کو شکست ہو جائے۔ تو نقصان میں ہندوستان کو ضرور حصہ دار بننا پڑے گا۔ گویا کہ ہندوستانی جج کے حصہ سے محروم ہیں۔ مگر تکلیف میں شامل ہیں۔ لڑائی یا صلح انسان کے ہاتھ میں ہے۔ اور نہ اس میں ان کا کوئی دخل ہے۔ مگر جج کے اختیارات میں بھی ان کا کوئی حصہ نہیں۔ لیکن

شکست کے نقصان

میں ضرور ہے۔ کچھ جگہ میں کہ سے کم چار پانچ لاکھ مسلمان شریک ہوئے ہوں گے۔ ان میں سے پچاس ساٹھ ہزار مارے گئے ہوں گے اور قریب لاکھ ڈیڑھ لاکھ زخمی ہوئے ہوں گے۔ لیکن بعد میں کیا ہوا اور مسلمانوں کو کیا ملطا۔ یہ کہ ترکی کے جیسے غرے کر دیئے گئے۔ اور جن مسلمانوں نے فاسقے خون بہائے تھے۔ وہ دیکھتے دیکھتے اور روہتے کے روہتے رہ رہ گئے۔ اسی طرح عرب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ تو فوجات کی صورت میں تو ہندوستانوں کو کوئی فائدہ نہیں لیکن شکست کی صورت میں نقصان ضرور ہوتا ہے۔ ان کے اپنے بھاؤ کی کوئی صورت ان کے اختیار میں نہیں۔ بلکہ انگریزی حکومت کے اختیار میں ہے۔ نہ اس ان کے اختیار میں ہے اور نہ لڑائی۔ مگر چونکہ انگریزوں کا بہت بڑا اقتدار ہندوستان کی وجہ سے ہی ہے۔ اس لیے یہ بات واضح ہے کہ جہاں تک ان کا زور چلتا انگریز ہندوستان کو تباہ ہوئے یا دشمن کے قبضہ میں جا گئے سے بچائیں گے۔ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ کہ بات میں

ہندوستان کی رائے کو دخل نہیں

وہ جیسا ایک جھیاڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک تیر ہے۔ جسے ہر طرح سے چلا دیا جائے۔ وہ داغ نہیں۔ کہ خود کچھ سوچ سیکے۔ اور مشورہ دے سکے۔ ان حالات میں اسے اپنی لذت بھی کوئی حاصل نہیں ہو سکتی۔ فرانس اگر جرمنی پر بمباری کرے۔ تو جرمنی بھی اس کا انتقام لے سکے گا۔ اور کہے گا کہ ہم نے بھی خوب خبر لی۔ اور اگر پولینڈ پر جرمنی حملہ کرے۔ تو وہ بھی آگے سے جواب دے کر باقی طور پر ضرور لذت امداد ہو سکتے ہیں کہ ہم نے بھی ان کو خوب سزا دی ہے مگر

ہندوستان پر اگر حملہ ہو

تو وہ کس منہ سے کہہ سکتا ہے۔ کہ میں بھی بدلہ لیتا ہوں۔ جبکہ اس کے پاس نہ کوئی کم ہے نہ

ملیارہ۔ نہ کوئی اور نہ بارود۔ اس صورت میں ایک ہندوستانی تو یہی کہتا ہوا گاؤں سے بھاگے گا کہ ہاتھ میری قسمت اگر ہندوستان کی طرف سے بمباری کا جواب بھی دیا جائے تو بھی ہندوستانی نہیں کر سکتے۔ کہ ہم نے بھی خوب خبر لی۔ کیونکہ وہ تو نوکر ہیں اپنی ٹوٹہ کے لیے یا زیادہ سے زیادہ جان بچانے کے لیے لڑتے ہیں۔ ملک اور قوم کے دفاع اور بھارت کے لیے نہیں۔ مگر اپنی اس بے بسی کے باوجود کوئی حقد ہندوستانی یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ

لڑائی انگریز کی ہے ہماری نہیں

اگر کوئی یہ کہے۔ تو وہ احمق ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ دشمن سے کہتا ہے کہ مجھے مار۔ میں تو جبر میں ہوں۔ کہ ہندوستان کے بعض حقد اس وقت ایسی ہے ہوتی کر رہے ہیں۔ کہ ابھی سوچ رہے ہیں۔ کہ ہم انگریزوں کا ساتھ دیں یا نہیں۔ اگر وہ اپنے آپ کو انگریزوں کا دشمن خیال کرتے ہیں۔ تب بھی ایسا خیال کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے کہ وہ دشمن جو ایک دوسرے کے دشمن ہوں۔ ایک جھٹ کے گئے ہو۔ کوئی بیرونی دشمن جھٹ پر بمباری کر رہا ہو۔ اور وہ سوچیں۔ کہ ہم اس وقت ایک دوسرے کی مدد کریں یا نہ کریں۔ ایسا سوچنا حماقت ہے۔ کیونکہ اگر وہ جھٹ گری تو دونوں میں سے۔

انگریزوں کے ساتھ ہندوستان کا تعلق ایسا کیا ہے۔ کہ خود کو کوئی ہندوستانی ان کا کتنا ہی دشمن کیوں نہ ہو۔ اگر جنگ کے وقت یہ خیال کرتا ہے کہ میرے لیے یہ بھی ممکن ہے۔ کہ میں اس وقت انگریزوں کا ساتھ نہ دوں۔ تو میرے نزدیک اس سے زیادہ احمق کوئی نہیں ہو سکتا۔ انگریزوں کا ساتھ نہ دوں۔ تو میرے نزدیک اس سے زیادہ احمق کوئی نہیں ہو سکتا۔ انگریزوں کے متعلق خود بعض ہندوستانوں کے جذبات سامعہ انسانوں۔ خود غیر جانبدارانہ اور خود بھروسہ دار اگر وہ حقدی سے کام لیں۔ تو انہیں انگریزوں کا ساتھ دینا پڑے گا۔ فرض خواہ ہم ان کے دشمن ہوں۔ خود بھروسہ دار خود غیر جانبدارانہ اگر ہم حقدی ہیں۔ تو

ہم مجبور ہیں۔ کہ ان کا ساتھ دیں

ورنہ زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلے ہمارے حاکم انگریز ہیں۔ اور پھر جرمن یا یورپ ہو جائیں گے اور ہر حقد انسان بلکہ کٹر و حقد انسان بھی اگر سوچ سمجھ سے کام لے۔ تو تسلیم کرے گا۔ کہ ہر تازہ دم حکومت زیادہ ظلم کرتی ہے۔ انگریزوں کو خود کوئی کتنا رہا ہے۔

اگر چہ ہر خیال بھی ہے۔ کہ کو ان کے اندر ایمان والی یا منت نہیں۔ مگر ہر پ کی کوئی اور قوم ان کی نہیں۔ جو ان کی طرح رعایا کا خیال رکھتی ہو۔ بے شک وہ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسے فائدہ کے لیے یہاں حکومت کرتے ہیں۔ جو کچھ یہ کہتا ہے کہ انگریز یہاں اس لیے آئے ہیں کہ ہندوستان کی خدمت کریں۔ وہ میرے نزدیک احمق ہے۔ یا جھوٹا ہے۔ مگر پھر بھی جو دوسرے غیر ملکوں میں اپنے فائدہ کے لیے گئے ہیں۔ ان

سب سے انگریز بہتر ہیں

دوسری قومیں محضوں کی اگر کمال اتارتی ہیں۔ تو یہ کہتے ہیں کہ کمال رہے۔ وہ اگر لباس اتار دیتے ہیں۔ تو یہ کہتے ہیں۔ کہ ننگ نہ کرو۔ دوسری اگر زوری چھین لیتی ہیں۔ تو یہ کہتے ہیں کہ ان کو بھی کھائے دو۔ اگر ہر پ کا اقتدار ایک بلا ہے۔ تو انگریز اسے دور کیا بلا ہیں۔ اگر دوسری قوموں میں سے انتخاب کرنا پڑے۔ تو میں کہوں گا کہ اگر حقد ہو۔ تو انگریزوں کو منتخب کرو۔

امریکہ کی نسبت تو میں کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ بہت دور ہے۔ اور میں اس کا پورا تجربہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس کے سوا باقی سب ممالک یعنی فرانس۔ پرتگال۔ اٹلی وغیرہ سے

انگریزوں کا سلوک حکومتوں

سے زیادہ اچھا ہے۔ وہ ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ ممکن ہوتا ہے کہ کچھ مدت کے بعد ان کے محکم آزادی کی طرف قدم اٹھا سکیں گے۔ لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ انگریز برے ہیں۔ تب بھی کوئی حقدی یہ خواہ نہیں کر سکتا۔ کہ ان کی حکومت بدل جائے۔ جب کوئی حکومت ایسی ہو جاتی ہے۔ تو بلحاظ اس میں کمزوری آجاتی ہے۔ ان کو ہندوستان پر حکومت کرتے ہوئے سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اور اب ان کی حکومت کا وہ رنگ نہیں رہا جو پہلے تھا۔ وہ اب زیادہ عرصہ تک برائے طریق پر حکومت نہیں کر سکتے۔ اور عجور ہیں کہ

۶۰-۵۰ سال کے بعد ہندوستان

کو آزادی

دے دیں۔ یہ ایک لمبی اور عملی بحث ہے۔ اور اس کے اسباب بروہی ڈالنے کا یہ وقت نہیں۔ لیکن تاریخ سے بھی پتہ لگتا ہے۔ کہ جب کوئی قوم کسی ملک کو فتح کرتی ہے تو یا تو وہ اسی میں آباد ہو کر اس کا حصہ بن جاتی ہے۔ یا پھر کچھ عرصہ بعد اپنی حکومت کو منتقلی ہے۔ یا اس ملک

کو آواز دے دیتی ہے۔ اگرچہ یہ سوال ہے اس ملک پر حکومت کر رہے ہیں۔ اور اب ہندوستان کو انہوں نے بہت سے حقوق دے دیے ہیں۔ ہندوستانی بھی حقوق ملی کر رہے ہیں۔ اس وقت انارکسوں اور انگریزوں میں ایک دوڑ جا رہی ہے۔ اگر تو اس وقت سے پہلے کہ ہندوستان کے دلوں میں انگریزوں کی طرف سے نفرت پیدا ہو جائے۔ ہندوستان کو آزادی مل گئی۔ تو آزادی کے بعد بھی ہندوستان انگریزوں کا دوست رہے گا لیکن اگر یہ وقت آنے سے پہلے انارکسوں نے غلبہ حاصل کر لیا۔ تو آزادی ملے گی۔ تو پھر بھی اس صورت میں دلوں کو ان کے تعلقات ایسے پیدا رہیں گے۔ بہر حال اب

ہندوستان کا قدم آزادی کی طرف ہی اٹھے گا۔ سو سال کی حکومت بڑی لمبی حکومت ہے۔ پورے پرانے زمانے کی ہزار سال کی حکومت کے برابر ہے۔ اب اگر ہندوستان کی حکومت میں کوئی تغیر ہوگا۔ تو ہندوستان کی بہتری کے لیے ہی ہوگا۔ اور اسے حقوق ملنے جائیں گے۔ لیکن اگر یہ حکومت بدل جائے تو جو حق قوم آئے گی۔ وہ پہلے تو کچھ عرصہ اس نش میں رہے گا۔ کہ ہم نے یہ ملک چھوڑ دیا ہے۔ پھر کچھ عرصہ اس فضا میں رہے گی کہ اس ملک نے ہم سے لڑائی کی تھی۔ اور اس طرح پہلے تیس چالیس سال تک وہ غریب چونک ہی طرح خون چوسے گی اور کبھی کہ کچھ اچھا چہارہ بھر غریب لیتے ہیں۔ اور انہیں بتاتے ہیں کہ انگریزوں سے مل کر ہمارے ساتھ لڑائی کرنے کا انتظام کیا ہے۔ اس کے جوہر دلائلوں میں مارے جائیں گے۔ ان کی عورتیں اور دوسرے رشتہ داروں کے دلوں میں چونکہ غم ہوگا۔ اسلئے وہ اپنی قوم کو خوب بھڑکائیں گے۔ کہ ہندوستان کو چھین دو۔ انہوں نے کیا ہم سے لڑائی کی۔ اور وہ یہ خیال بھی نہیں کریں گے۔ کہ یہ ہمارے تو ماتحت تھے۔ ان کا کیا اختیار تھا۔ بلکہ یہی کہیں کہہ کے انہوں نے کیوں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ وہ ہندوستان کی تجویزوں کا کوئی خیال نہیں رکھیں گے۔ اور ان کے اس غم کی وجہ سے ہندوستان پر جو جبری اور بادی نازل ہوگی۔ اس کا قصور کر کے بھی ایک غمناک منہ اٹھاتا ہے۔ اور میں تو حیران ہوں۔ کہ

کا ٹھیکر کے لیڈر
یہ کسی طرح سوچ رہے ہیں۔ کہ انگریزوں

سے تعاون کریں یا نہ کریں۔ حالات تو ایسے ہیں۔ کہ وہ خود انگریزوں کے اچھا سمجھیں۔ پور غلام بدترین خیال کریں۔ دلوں میں تو ان کے لیے تعاون کرنا ضروری ہے۔ اگر ہندوستان ان سے تعاون نہیں کرے گا۔ تو خطرناک مصائب میں گرفتار ہو جائے گا۔ اور لیسوں تک اسے روکنا پڑے گا۔

تو اس وقت بہر حال ہندوستان بھی خطرہ کے مقام پر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان صاحب اقتدار لوگوں کو سمجھ نہ دے جو لڑائی کر سکتے یا اسے روک سکتے ہیں۔ ہمارے لیے سخت مشکلات درپوش ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ لڑائی کی ضرورت کیس پر ہے۔ بلکہ یہ یا پوچھنا پڑا انگریزوں پر۔ ہم بہت دور بیٹھے ہیں اور اصل حالات ہم تک نہیں پہنچتے۔ لیکن جہاں تک پہنچتے ہیں۔ ان سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگریز اور ان کے حلیف حق پر ہیں۔ اصل حالات اور واقعات تاریخ بعد میں بیان کر سکیں گے۔ لیکن جب تک وہ ظاہر نہ ہوں۔ ہر قوم کا یہ حق ہے۔ کہ اس کے متعلق حسن ظنی سے کام لیا جائے۔ رسول کریم ﷺ نے بھی یہی ہدایت فرمائی ہے۔ کہ حسن ظنی سے کام لینا چاہئے۔ ایک شخص کے متعلق جب ایک سبائی نے بد ظنی سے کام لیا تو آپ نے اسے سزا فرمائی۔ کہ حمل شہقت قلبہ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا ہے۔ تو ہر قوم کے متعلق پہلا حق یہی ہے کہ اس کے متعلق حسن ظنی سے کام لیا جائے لیکن جو کچھ تجربہ ہوا ہے۔ ان سے جبری اور اپنی کے متعلق حسن ظنی کا حق ہمارے دلوں سے اڑ گیا ہے۔ اپنی نے جو کچھ الہانہ کے ساتھ کیا۔ یا جرنی نے چنگی سلاو کیہ سے کیا ہے وہ دیکھتے ہوئے ہم سمجھ رہے ہیں کہ انگریزوں کی بات پر ان کی نسبت زیادہ اعتبار کریں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جو قوم ایک سبب غلطی کرے۔ ضروری نہیں کہ وہ دوسری بار بھی غلطی کرے۔ اس لئے ہم کوئی قطعی رائے نہ حال ظاہر نہیں کر سکتے۔ مگر اب بھی یہی امید رکھتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کے دل میں رحم پیدا کر دے۔ اور وہ اپنی بطریق اختیار کر لیں۔ کہ ان کا تم رہے۔ (انہوں نے کہ اس خطبہ کے ایک نمونہ بعد ہی معلوم ہوا کہ جنگ کا قاعدہ شروع ہو گئی ہے۔ اور پھر نے انسانیت کے غیر خواہوں کی انہوں کو روک دیا ہے) اور یہ انگریزوں کے دل میں ایسی کیفیت پیدا کر دے۔ کہ وہ ایسا رویہ اختیار کریں۔ جس سے انصاف بھی قائم رہے اور ان بھی۔

لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہو کہ لڑائی ہو ہمیں دعا کرنی چاہئے
اس کی محرومی سے بالخصوص ہمیں بچانے اور ان لوگوں کو بھی جن کا وجود دینی و دنیوی لحاظ سے مفید ہو۔ یہ تو خیال بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ہم پر ہمیں کیا ہیں اور نصان باطل نہ ہو اور کوئی آدمی بھی نہ مرے۔ مگر نقصان بھی ایک ایسی امر ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شدید ہم باری کی وجہ سے بھی کم سے کم نقصان ہو۔ یا زیادہ نقصان بگاڑوں کا ہو۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اعلیٰ اس دعا کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ کہ جس تک جانا ہے تو یہ ضرور ہو کہ

شدید نقصان شریروں کو زیادہ پہنچے
آج کل روایات کا زور ہونے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں سے دعاؤں پر ایمان کا تار ہا ہے۔ بلکہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ بعض احمدیوں کی دعا بھی یہی رہی ہوئی ہیں۔ دوسرے احمدی دعا کرتے ہیں۔ اس لیے وہ بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ مگر دعا قبول دی ہوئی ہے۔ جس کے ساتھ یقین ہو۔ اور یہ مقام عارف کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ مومن کو تو

اللہ تعالیٰ کا تھم
چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی نظر آتا ہے۔ حضرت شیخ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ تھے۔ چلتے چلتے جب ان کا گھوڑا رکتا کہ وہ سمجھ لیتے کہ میں نے کوئی گناہ کیا ہے۔ انسان کا اس خدا تعالیٰ کی سواری کے لیے ہنولہ گھوڑے کے ہے۔ اور جب وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ تو میرا گھوڑا بھی میری نافرمانی کرتا ہے۔ تو عارف ہر چیز میں خدا تعالیٰ کا نشان دیکھتا ہے۔ مگر نادان بڑے بڑے نشانات سے بھی بڑکی گزر جاتا ہے۔ لیکن حق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک مقام یہاں ہے کہ اس میں وہ

ہر کا فرد مومن کی دعا مستجاب ہے
اور اس میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں یہ دلوں مضمون خطبہ و خطبہ و بیان کیے گئے ہیں۔ ایک جگہ فرماتا ہے۔ امنن یسحب المصطر اذا دعاہ اور دوسری جگہ فرماتا ہے کہ حبیب و سوا قد لداع اذا دعا ان کی نادان اعتراض کرتے ہیں۔ کہ قرآن کریم میں اختلاف ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے کہ میں ہر جنس کی دعا مستجاب ہوں اور جگہ یہ کہ میں ہر پکارنے والے کی دعا مستجاب ہوں۔ لیکن یہ اعتراض محض عدم تدبر کی وجہ سے ہے۔ احباب

دعوة الداع اذا دعاهن سورہ فرقہ میں ہے۔ وہاں رمضان کا ذکر ہے۔ اور اس سے پہلے یہ سوال درج ہے کہ اذا سالنک عبادی عسی فلتسب قریب یعنی جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں وہ بے قرار اور بے تاب ہو کر آئیں۔ اور دریافت کریں کہ ہمارا خدا کہاں ہے۔ تو ان سے کہہ دو کہ میں قریب ہوں۔ احباب دعوة الداع اذا دعاهن میں اس

پکارنے والے کی دعا

سنا ہوں جے ہر قرار ہے تاب ہو کر پاگل کی طرح چٹکا اور دریافت کرتا ہے کہ میرا خدا کہاں ہے۔ تو یہاں الدعاء سے مراد دعا مانگی کی دعا کرنے والا ہے۔ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ فرمایا اللعین جاهدوا انما الہمہم سبیلنا یعنی جو لوگ ہمارے لئے کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی ذات کی قسم ہم انہیں گناہ سے اپنے لئے کے دکھا دیتے ہیں۔ اگر دل میں ملن۔ سوڑ۔ ترپ اور بے تابی پیدا ہو جائے۔ تو ایسا انسان اللہ تعالیٰ کو پانے سے بھی محروم نہیں رہ سکتا۔ تو یہاں اس دعا کا ذکر ہے۔ یہ سن کر بے جا پانگوں کی طرح بے تاب ہو کر اپنے خدا کو پکارتا ہے۔ یہ

عشق کی کیفیت

ہے۔ جو محبوب کے لیے بے تاب کر دیتا ہے۔ مجھے یاد ہے۔ یہاں ایک بچہ بڑے کوچہ بڑی سے عشق تھا۔ وہ رات دن چلا تارہتا۔ کراے میرے خدا تو مجھے اپنی لٹاں محبوب سے ملا دے۔ میں نے اس کی آواز کو کئی بار تھیر کے وقت گاؤں کے دوسرے سرے سے سنا ہے۔ تو عشق میں انسان بے تاب ہو جاتا ہے۔ اور یہ عشق جسے خدا تعالیٰ کے متعلق ہو۔ اور انسان بے تاب ہو کر کہے۔ کہ کہاں ہے۔ میرا خدا۔ تو جس وقت یہ ریلو کی حالت اور عشق کی قسم اس پر پیدا ہوا۔ لاوہ بے تاب دے قرار ہو کر تہذیب کے تمام دستور اور قواعد کو بھول کر پاگوں کی طرح آواز دے۔ کہ کہاں ہے میرا خدا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اس سے میں بھی چلائے گا۔ لکھا ہوں۔ کہ میں قریب ہوں۔ جیسے کہ کچھ بعض اوقات سوتے ہوئے یہ خیال کر کے کہ شاہی میری میں مجھ سے جدا ہوگئی ہے یا کوئی ذرا ناخواب ہو چکا کہ اس میں چلا اٹتا ہے۔ تو اس صحت آواز دیتی ہے۔ کہ میرے پیچھے میں تیرے ساتھ لٹی ہوں۔ اسی طرح

بے بندہ بے تاب ہو کر خدا تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ اور سوال کرتا ہے کہ

ہمارا خدا کہاں ہے

تو اللہ تعالیٰ اسے انتظار اور شک میں نہیں چھوڑتا۔ بلکہ سوال کریم ﷺ کو اپنی طرف سے گارنٹی دیتا اور کہتا ہے کہ تم میری طرف سے حجاز ہو۔ تم میری طرف سے فوراً کہہ دو کہ

میں پاس ہی ہوں

گھر آؤ میں آگے فرماتا ہے۔ احباب دعوة السداع اس قسم کے پکارنے والے کی آواز کو میں خود بھی سنتا ہوں اور صرف محمد ﷺ کے ذریعہ ہی جواب نہیں دیتا۔ بلکہ خود بھی اس کا جواب دیتا ہوں۔ محمد ﷺ کے ذریعہ فوری جواب اس لیے دیا۔ کہ اس کی ترپ بغیر جواب کے نہ رہے۔ مگر میں جواب صرف محمد ﷺ کے ذریعہ ہی نہیں دیتا۔ بلکہ خود بھی دیتا ہوں۔ یہ تو اس آیت کے متعلق ہیں۔ دوسری آیت من یحب المصطر اذا دعاه سورہ نمل میں ہے۔ وہاں دیکھو پہلے بارش اور غیرہ کا ذکر ہے۔ اور خطاب الہی کا اور اس کا یہ مطلب ہے کہ بندہ مسلمان۔ سکے۔ عیسائی۔ کافر۔ مومن جو بھی مصطر ہو کر دعا مانگے گا اور اس کا مصطر کمال کو پہنچ جائے گا۔ تو میں اس کی دعا کو بھی سنوں گا۔ مگر یہاں قاعدہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی دعا ضرور سنی جاتی ہے۔ مگر العن یحب المصطر کے یہ متعلق ہیں۔ کہ

مصطر کی دعا بھی سنی جاتی ہے

یہیں کہ ہر مصطر کی دعا ضرور سنی جاتی ہے۔ یہ دعویٰ اس کے متعلق ہے جو بھی سنی جاتی ہے اور بھی نہیں۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں کہ غیر مومن کی دعا اللہ تعالیٰ سنتا ہی نہیں۔ یہ بات قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اس مسئلہ پر میں نے اس لیے زور دیا ہے۔ کہ کچھ لوگ

بارش کی قلت

کے احساس پر قادیان میں دعا کی گئی تھی۔ احمدیوں نے بھی نماز استسقاء پڑھی اور غیر احمدیوں نے بھی ہندوؤں نے بھی اپنے رنگ میں کی۔ اور میں نے دیکھا کہ اس بارہ میں بھی ایک قسم کا قائل پیدا ہو گیا تھا۔ قریب احمدی اور ہندو چاہتے تھے کہ احمدیوں کی دعا نہ سنی جائے۔ اور احمدی چاہتے تھے کہ ان کی نہ سنی جائے۔ میں حیران ہوں۔ کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کو کھڑے کھڑے کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ میں ہر مصطر کی دعا سنتا ہوں۔ ہو

سکتا ہے۔ ایک وقت غیر احمدی زیادہ مصطر ہوں ایک جگہ احمدی تاجر زیادہ ہوں۔ وہ اگر دعا کریں گے تو دل میں ممکن ہے ان کے یہ ہو۔ کہ دس دن اگر بارش نہ ہو۔ تو چار آٹھ دن ترپ اور بلاجہ جائے گا اور اجرام میں زمیندار زیادہ ہوں۔ ان کی فصلیں سوکھ رہی ہوں۔ دعا کے وقت ان کی تو جیٹیں گل رہی ہوں گی۔ فرض ہو سکتا ہے کہ احمدی تاجر تو مجھے ہوں کیا کہ جس دن بارش نہ ہو تو چار آٹھ دن کا منافع ہوگا۔ لیکن زمیندار دیکھ رہے ہوں کہ اگر دس دن اور بارش نہ ہوگی تو چار دس کی بجائے ایک منی یا بیکار مل رہا جائے گی اور اس لیے ان میں اضطراب زیادہ ہوگا۔ اب اس قاعدہ کے مطابق ان کی دعا زیادہ سنی جائے گی کیونکہ ان کے دل میں اضطراب اور ترپ زیادہ ہے۔ تو ایسا قاعدہ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کو تسلیم کرنے والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اور اس کی صفات غیر محدود و مطلقہ ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ مواقع شیت اللہ پیدا کرنے کے ہوتے ہیں۔ یہ مقابلہ ہے۔

مقابلہ دینی معاملات میں

ہوتا ہے۔ اگر کسی دینی معاملہ میں بھی ہم دعا کریں۔ اور اصراری بھی تو اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو ان کے منہ پر بار دے گا اور ہماری قبول کرے گا۔ کیونکہ ہم تو اس کے نام کی بلندی کے لیے کھڑے ہیں۔ اور وہ شیطان کے نام کی بلندی کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مولویوں کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔ کہ تم اگر میرے ملاک ہونے کے لیے سب مل کر دعا میں کر دو اور مقدس مقامات پر جا جا کر بے شک کرد۔ لیکن یاد رکھو۔ کہ خواہ تمہارے ناک بھی رگڑے جائیں۔ اللہ تعالیٰ پھر بھی تمہاری دعا میں قبول نہ کرے گا۔ اسی طرح آج بھی اگر احمدیت یا دین کا سال ہو۔ تو ہمارے سوا دوسری قوم اس کی دعا میں ہرگز نہ سنی جائیں گی۔ اس کے مقابلہ میں اگر ہم دعا کریں اور ہمارے آسمان بھی نہ نہیں تو اللہ تعالیٰ ہماری دعا میں ضرور سنے گا۔ اس لیے کہ ہم خدا تعالیٰ کے نام کی بلندی کے لیے کھڑے ہیں مگر وہ شیطان کے لیے لیکن جہاں کوئی دینی معاملہ نہ ہو بلکہ ایک عام مظاہر دیا پر نازل ہو رہا ہو۔ وہاں ہر مصطر کی دعا سنی جائے گی۔ ہاں اگر اضطراب یکساں ہو تو جہاں اضطراب کے ساتھ ایمان بھی مل جائے گا۔ وہاں دعا زیادہ قبول ہو گی۔

فرض کرو۔ اضطراب کے منہ پر ہیں۔ اور تمہارے دشمنوں کو وہ سبھی خبر حاصل ہیں اور تمہارے پاس نوے مگر تمہارے پاس ایمان ہے اور ان کے پاس نہیں۔ تو تمہارے ایمان کے ساتھ مل کر ایک سو نوے ہو جائیں گے اور ان کے ہاں رہیں گے۔ اس لیے تمہاری زیادہ سنی جائے گی۔ لیکن فرض کرو۔ کسی کے ایمان کے نمبر ستر سے زائد نہیں اضطراب کے تھے۔ کل نوے ہوئے۔ گویا اس کی کامیابی کے نوے درجات ہیں۔ لیکن اس کے باطنی ایک بندہ اور غیر احمدی پکا نوے درجہ کے خدا تعالیٰ کے سامنے جاتا ہے۔ تو چونکہ اس کی تپائی کے فطرت زیادہ ہیں اور اس میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو زیادہ قبول کرے گا کہ اس لیے سلطنت میں

خشیت اللہ کو قاب آنے دینا چاہئے قاضی کا یہ موقف نہیں ہوتا۔ یہ کوئی کڑی نہیں۔ ایسے خطاب کے ساتھ کہ کوئی خوشی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسرے کی دعا نہ تے۔ مقابلہ دین کے معاملہ میں ہوتا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ غیر مومنوں کی دعا کو نہیں مٹا کیونکہ وہ دین کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑ۔ اگر ان کی اولادیں زندہ رہیں۔ تو وہ بھی تجھے گالیں دینے والی ہوں گی۔ تو مقابلہ انکی دعاؤں میں ہوتا ہے۔ مگر دنیوی حاجات میں اللہ تعالیٰ دلوں کی دعاں قبول لیا ہے اور اضطراب کے ساتھ ایمان کے بھی نمبر دیتا ہے اور جس کے نمبر زیادہ ہو جائیں۔ اسے غلہ دے دیتا ہے۔ میں نے حضرت نوح موصوف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہوا ہے کہ کسی تعمیر کی روایت ہوگی۔ لیکن میں آپ نہیں کہیں کیا سنا کرتے تھے۔ جن میں سے ایک یہ بھی کہ

جب حضرت نوح کا طوفان آیا

تو اس وقت ایک چڑیا گھونٹنے کا رستہ بھول گئی اور وہیں اس کے چھوٹے چھوٹے بچے جن کو پیاس لگی ہوئی تھی وہ پانی پینے کے لیے منہ کھولے تھے۔ مگر پانی نچا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرشوں کو کھینچ لیا کہ پانی لوٹا کر دنا ان کے منہ میں پانی بچھا جائے۔ ساری دنیا کا فرقہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے سب کو جاہر کر دیا۔ تا ان بچوں کو پانی مل سکے۔ یہ موازنہ ہے اس بات کا کہ جب دینی مقابلہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ ساری دنیا کی بھی اتنی قیمت نہیں سمجھتا۔ جتنی

چڑیا کے بچوں کی۔ مگر جب دنیوی معاملہ ہو وہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے بندے ہیں۔ اور وہ بھی۔ قرآن کریم میں اس مضمون کو نور جگہ بھی بیان فرمایا ہے چنانچہ فرمایا: کلاً صمد ہو لاہ و سنی اے مسلمانو! تم یہ نہ سمجھو کہ تم تمہاری ہی مدد کریں گے بلکہ دنیوی معاملہ میں ان کی بھی کریں گے۔ جو مومن نہیں ہیں تو ایسے امور میں بہت خشیت اللہ پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مقابلہ کی نہیں۔

نماز استسقاء احمدیوں نے ادا کی اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور کچھ بارش ہو گئی۔ اس کے بعد عصر ہے۔ اب بھی منہ کی وجہ سے نماز پڑھنا چاہیے۔ مگر چونکہ انہوں نے یہ کیا کہ ہم احمدیوں کے مقابلہ کے لیے کرتے ہیں۔ ان کی نیکی گئی۔ اگر وہ ایسا نہ کہتے تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کی دعا بھی نہ لیتا۔ مجھے بعض احمدیوں کی طرف سے بھی ایسے غلط طے کے غیر احمدیوں نے دعا کی ہے اور ہندوؤں نے بھی جبکہ وغیرہ دیا ہے۔ دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعا نہ تے۔ مجھے اس سے تکلیف ہوئی اور جب مجھے غیر احمدیوں اور ہندوؤں کی نسبت یہ معلوم ہوا کہ وہ کہتے ہیں کہ اب احمدی تو دعا کر چکے۔ اب ہم دعا کریں گے اور ہماری دعاؤں سے بارش ہوگی۔ تو مجھے اس سے بھی تکلیف ہوئی اور میں نے دل میں کہا کہ انہوں نے یہ لوگ خدا تعالیٰ کی دینی نیت سے تو محروم تھے ہی مگر دنیوی نعمتوں کا دروازہ کھلا تھا جسے انہوں نے اس طرح بند کر لیا جب مجھے اس کی اطلاع ہوئی تو

میں نے کہا

کہ چونکہ انہوں نے مقابلہ کا رنگ اختیار کیا ہے اس لیے اب ان کی دعا نہیں سنی جائے گی۔ اور تین روز تک تو بارش نہیں ہوگی جب میں واپس آیا تو رستہ میں مجھے مولوی ابو الغطاء صاحب ملے۔ میں نے دریافت کیا کہ اصرار نے ۲۶ تاریخ کو دعا کی تھی۔ اب تک بارش تو نہیں ہوئی۔ انہوں نے کہا نہیں ہوئی۔ میں نے کہا خیر اب تین دن گزر گئے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ کا انتظار تھا اب ہو جائے گی۔ میں نے اس وقت آسمان کی طرف نگاہ کر کے دعا کی کہ اگلی تیرا بارش کا قانون تو عام ہے۔ وہ خاص بندوں سے مکمل نہیں رکھتا۔ مگر بعض لوگوں کی دعا میں امید پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اگر پوری نہ ہو۔ تو بعض لوگوں کو اتنا پیدہا ہوتا ہے۔ اور اگر پوری ہو جائے تو تعجب

ایمان کا موجب ہوتا ہے اور میں نے دعا کی۔ کہ

۲۳ مجھے کے اندر اندر بارش ہو

رات کو میں نے انتظار کیا۔ صبح دس بجے کے قریب میں اندر بیٹھا تھا کہ رشتہ داروں پر چھیننے پڑنے کی آواز آئی۔ بالکل معمولی طرح قہقہے میں نے دعا کی کہ خدا یا ایسی بارش تو کافی نہیں۔ غرق کوئی ایسی بارش کی ضرورت ہے جس سے لوگ سیراب ہوں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں باہر نکلا کہ باہر جو قطرے آدھی صفائی کر رہے تھے۔ انہیں دیکھوں گا کہ شرم کر کے پھرتے ہیں۔ میں نے دور ایک چھوٹی سی بدلی دیکھی اور دعا کی کہ خدا یا اسے بڑھا دے اور کھلا دے اور چدرہ صحت کے بعد میں نے دیکھا کہ بارش شروع ہو گئی۔ اور پانی بہنے لگا۔

یہ ایک نشان ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مگر میں نے اس سے زیادہ کبھی نشان مشہدہ نہیں کیا۔ ایک دفعہ جب میں واپسی چھوٹا تھا اور چشیش کی شکایت تھی۔ بارش زور سے پوری تھی اور مجھے اس قدر مکمل معلوم ہو رہی تھی کہ میں کھڑکی میں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا اس وقت مجھے سخت حاجت پانخانہ کی محسوس ہوئی۔ چونکہ اس بارش سے لطف اٹھا رہا تھا میں نے سمجھا کہ میں پانخانہ جاؤں گا تو چونکہ ایسی بارش تھوڑی دیر ہوتی ہے۔ میرے آنے تک یہ بارش ہو جائے گی۔ میں نے اپنی عمر کے لحاظ سے دعا کی۔ کہ اگلی اس وقت یہ بارش بند ہو جائے اور جب میں پانخانہ سے واپس آؤں تو پھر شروع ہو جائے یہ دعا کر کے میں پانخانہ گیا اور میں نے دیکھا کہ بارش ابھی ہو گئی جب خارج ہو کر واپس لوٹا ہوا کہ اس کھڑکی میں کھڑا ہو گیا تو مٹا بارش پہلے کی طرح تھوڑی سے رتنے لگی ہو میں اس نظارہ سے دیر تک لطف اٹھاتا رہا اور اب یہ لطف اور بھی زیادہ تھا کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا کی قبولیت کا ایک ایمان بڑھا دے والا نشان دیکھا تھا۔ یہ شک اعادے دشمن اب ان پانچوں پر چھینے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ ہیں ایسی معمولی معمولی باتوں کو نشان قرار دیتے ہیں۔ اور ہوا کو غمزدہ ہیں۔ مگر ایک دو باتیں ایسی ہیں۔ تو کوئی ہوا کہہ سکتا ہے۔ لیکن جب سیکڑوں ہوں تو اسے اس طرح ہوا کہا جا سکتا ہے۔ مگر دنیوی سلطنت میں مقابلہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خشیت اللہ پیدا کرنا

ہاں دینی امور ہوں تو دشمن فوج کتا
مقابلہ کریں اور دعائیں کریں۔ ان کے ناک
بھی گرزے جائیں تو میں ان کی نہیں سنی جائے
گی۔

دنیوی معاملات میں

وہی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور ہم بھی۔ اگر
بظہر ان میں زیادہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی
بھی سن لے گا۔ میں نے جو واقعات بیان کئے
ہیں۔ یہ دعا کا دوسرا مسئلہ ہے۔ یہ وہی وقت
ہوتا ہے۔ جب اپنے رب سے ناز کرنے کی کوشش
کرتا ہے۔ جیسے بعض لوگ انسان دھوے
سے کہتا ہے۔ کہ میں نے اپنے محبوب سے
بات منوائی ہے۔ مجھے ملے گی دعا میں بظہر اسی
قدح مگر

اپنے محبوب سے ناز کرنے کا رنگ
بھی قہر ایسے وقت کی دعا کے متعلق اللہ تعالیٰ
چانتا ہے۔ کہ اسے خالص کرامت کی چمک
ہے۔ تو سونہ کی زندگی میں ہر جگہ نشان ہوتے
ہیں۔

اس سفر کا ایک اور نشان

ہے۔ عزیز مرزا ناصر احمد صاحب خیالی جا
رہے تھے۔ ہم بھی ہر مسئلہ سے انہیں
چھوڑنے کے لیے دوسرے موڑ میں
گئے۔ جب پالم ہرک انہیں چھوڑ کر وہیں آ
رہے تھے۔ راست میں موڑ خراب ہو گئی۔ اور
ڈرائیور نے بتایا کہ پٹرول پمپانے والی لگی گج
میں قوت لگی ہے۔ بارش تیز ہو رہی تھی اور
ساتھ مسدودات تھیں۔ قریب شام کا وقت قہر
اور منزل سے قریب ۲۲ میل دور تھے اور وہ بھی
پہاڑی سڑک جو درہم کی دو میل کی گھنٹہ شکن
سے چل سکے اور آدھ آدھ میل کوئی لنگی بیک نہ
تھی۔ چہاں آبادی ہو۔ میں نے سامنے دیکھا
تو ایک جمویریڈی سی فھر آئی جو بعد میں معلوم ہوا
کہ دوکان ہے۔ میں نے دل میں دعا کی کہ
وہاں تک بھی جی جائیں شاید وہاں سے کوئی
صورت پیدا ہو سکے۔ میں نے دعا کی کہ یا
الہی! یہ حالت ہے ہم تو چل بھی سکے ہیں۔ باہر
بھی ہو سکے ہیں۔ مگر ساتھ پرودہ دار
مسدودات ہیں۔ تو کوئی صورت پیدا کر دے۔
اس سامنے کے مکان تک پہنچ جائیں۔ اسے
میں موڑ میں اصلاح ہو گئی اور وہ چل پڑی اور
ہم دل میں بہت خوش ہوئے لیکن میں اس
دوکان کے سامنے جا کر وہ پھر کھڑی ہو گئی۔
جس تک پہنچنے کے لیے میں نے دعا کی تھی۔
میں نے ساتھیوں سے کہا کہ کچھ اللہ تعالیٰ نے

کس طرح میں اس جگہ لا کر کھڑا کر دیا ہے۔
جہاں کے متعلق میں نے دل میں دعا کی تھی۔
یہ عجیب بات ہے کہ ہماری موٹر جا کر ایسی جگہ
رہی کہ جو اس دوکان کے دروازہ کے دونوں
سروں کے مابین درمیان تھی۔ نہ ایک فٹ اور نہ
ایک فٹ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ سامان
بھی کر دیا۔ کہ وہاں ہم نے دیکھا کہ ایک
لااری بھی کھڑی ہے۔ حالانکہ وہ جنگل تھا ہم
نے دریافت کیا تو لااری والے نے بتایا کہ ہم
پر کوئی مقدمہ ہے اور جواب دی کے لیے فھر
کے پاس جا رہے ہیں۔ مالک گاؤں میں گیا ہوا
ہے۔ اور وہ اس کا فھر ہے۔ ہم نے اسے کچھ
امید دلائی اور کچھ لالچ دیا۔ کہ اگر ہماری موٹر
ٹھیک نہ ہو۔ تو موٹر کو لااری کے ساتھ بانٹ کر
ہمیں گھر پہنچا دے۔ کم سے کم کسی قبضہ تک
جہاں موٹر ٹھیک ہو سکے اور اگر ٹھیک ہو جائے تو
اعتیاد ساتھ چلے۔ کہ پھر موٹر کے دوبارہ
خراب ہونے کی صورت میں ہماری مدد
کرے۔ اول تو وہ نہ مانا۔ لیکن قریب ایک گھنٹہ
تک صبر کرنے کے بعد جب موٹر دوست
ہو تو وہ ڈرائیور بھی ساتھ چلے پر ضامن ہو
گیا۔ وہ علاقہ کچھ میدانی تھا اور چڑھائی کم تھی۔
لیکن جب ہم اس جگہ پہنچے جہاں سے
ہر سال کی چڑھائی شروع ہوتی ہے۔ اور تیرہ
میل سفر بانی رہ گیا تو اس نے آگے جانے
سے انکار کر دیا۔ ہم نے اسے بہت امید دلائی۔
انعام کا لالچ دیا۔ مالک کی ناراضگی کی صورت
میں اس کے پاس سفارش کرنے کو کہا۔ مگر وہ
آدھ نہ ہوا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کی موٹر ٹھیک
چل رہی ہے۔ اب کیا حرج ہے۔ آپ اس کے
چلے جائیں۔ میں نے پھر دعا کی۔ کہ یا الہی
پھر جنگل کا جنگل ہی رہا۔ رات کا وقت تھا اور
اگر موٹر خراب ہو گئی۔ تو دوسری سواری لے کر
امید بھی نہیں۔ کیونکہ وہاں رات کے وقت
موٹروں اور لااریوں کا چلتا نہیں ہے۔ میں نے
دعا کی۔ اور میرے یہی الفاظ تھے کہ اب
انسانی حد تو ختم ہو گئی اب تو اپنے فضل سے
انتظام فرما لے دعا کر کے میں نے موٹر کے
چلانے کا اشارہ کیا۔ قریب تین بجے وہاں
سے لوڑھم سالہ تھی۔ جو سات میل گئی۔ ہماری
موٹر ٹھیک چلی رہی۔ جب لوڑھم سالہ پہنچے۔
تو میں نے عزیز مرزا مظفر احمد صاحب سے
جو میرے ساتھ تھے۔ کہا کہ چلو یہیں۔ شاید
کوئی دوسری موٹر مل جائے۔ تو اسے ساتھ لے
چلیں۔ وہاں موٹر وغیرہ نہیں ہوتے۔ مگر جب
گئے۔ تو دیکھا۔ کہ اتفاق سے وہاں ایک موٹر

موجود ہے۔ اور معلوم ہوا کہ صبح اس نے کھائی
سواری لے جاتی ہے اس نے پھان کوٹ سے
آئی ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا تو ڈرائیور
نے کہا کہ بہت اچھا میں اب ہر سال تک چھوڑ
آتا ہوں۔ اس وقت اس دوسری موٹر کے لینے
کا خیال اس لیے ہوا۔ کہ ہماری موٹر پر
سواریاں زیادہ تھیں۔ خیال تھا کہ سواریاں کم
ہو جائیں گی۔ تو ہماری موٹر کا فھر دور ہو
جائے گا۔ مگر جب سواریاں تقسیم کر کے چلے
گئے تو معلوم ہوا کہ موٹر کا وہ پرزہ جو تکلیف
دے رہا تھا پھر ٹوٹ گیا ہے۔ اور اب ہماری
موٹر کے چلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس پر سب
سواریاں کو اس کی موٹر پر سوار ہو گئیں اور ہم
آرام سے گھر پہنچ گئے۔ یہ

خدا تعالیٰ کا کتابدار افضل

قہر کہ میں اس وقت آکر موٹر خراب ہوئی۔
جب دوسری سواری کے لیے میرا آگئی اور ایسی
خراب ہوئی کہ دو تین دن میں جا کر دوست
ہوئی۔ مگر یہ تجربہ گھر پہنچ گئے۔ تو دیکھا کہ
ایک بات ہو تو اسے اتفاق کہہ سکتے ہیں۔ مگر
اس کو کس طرح اتفاق کہا جاسکتا ہے کہ پہلے
میں اس جگہ پر پہنچا کہ موٹر خراب ہوئی ہے۔
جس کے لیے میں نے دعا کی تھی۔ اور وہاں
جنگل میں ایک لااری بھی کھڑی ہوئی مل جاتی
ہے۔ جسے ساتھ لے کر ہم پتھر سڑ پر اکرے
کے لیے چل کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ
لااری والا ہمیں جواب دیتا ہے۔ اور اصل
چڑھائی شروع ہوتی ہے۔ میں پھر دعا کرتا
ہوں۔ اور نہایت سخت چڑھائی پر موٹر بالکل
آرام سے چڑھ جاتی ہے۔ لیکن جب راست
میں ایک اور شہر آتا ہے تو وہاں غیر متوقع طور پر
پھر ایک موٹر مل جاتی ہے۔ اور اس موٹر کے مل
جانے پر پھر ہماری موٹر ہی طرح خراب ہو
جاتی ہے لیکن آج تکلیف سے بچ جاتے ہیں۔
اور دوسری موٹر میں سوار ہو کر گھر پہنچ جاتے
ہیں۔ غرض سونے تو عمارت کی قبولیت کے
نشان ہر روز دیکھتا ہے۔ اسی جگہ کو دیکھو۔
جس کے آگے حاضر ہے ہیں۔ اس میں بھی خدا
تعالیٰ کے بڑے بڑے نشانے ہیں۔ البتہ
میں ہمارا مبلغ کیا قہر مگر گنہوں نے اسے
کھال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ملک پر جی نازل
کر دی۔ اور اعلیٰ نے اسے جج کر لیا۔ کو ایک
مسلمان حکومت کی جی کا بھی افسوس ہے۔
مگر خدا تعالیٰ کے نشان میں اس کے کی نہیں ہو
سکتی۔ پھر ہمارا ایک اور مبلغ پوینڈ میں گیا۔
انہوں نے بھی اسے وہاں سے نکال دیا۔ اب

دیکھ لو وہ جس طرح کانٹوں پر لیٹ رہا ہے۔ وہاں سہوہ چلیکے سلا کر گیا۔ انہوں نے بھی اسے نکال دیا۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے بے باکر دیا۔ اس طرح سو تین ممالک میں نشان ظاہر ہوئے پہلے۔

افغانستان کا شہر

جو ہوا وہ سب کو مٹھوم ہے۔ اب سن کو اتفاق کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اور جن لوگوں کو روزانہ اپنے نشانہ نظر آئیں ان کا ایمان اگر دعا پر نہ ہو تو ان سے زیادہ بے خوف کون ہو سکتا ہے۔ پس دعا کی کہ۔ لو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کی دعا میں نکتا ہے۔ مگر جہادری زیادہ ملتا ہے۔ آج سے چار سال قبل میں نے اسی منبر پر کھڑے ہو کر کہا تھا کہ

انگریزی حکومت کے بعض افسر

میں خود تو وہاں دیکھ دیتے ہیں۔ اور میں بتاؤ کرنا چاہے ہیں۔ بے شک ان کے پاس تو جی ہیں اور وہ جی ہیں مگر ہمارا خدا ان سے بہت زیادہ طاقتور ہے۔ اور وہ تو کیا اگر ان کے ساتھ جرمی، روس، فرانس، فرسبیک سب طاقتوں میں جائیں۔ تب بھی وہ ہمیں جتا نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ ہم خدا تعالیٰ کی جماعت ہیں۔ اس کے بعد دیکھو۔ یہ طاقتوری حکومت کو کسی طرح تکلیف پر تکلیف اٹھانی پڑی۔ جوش کے معاملہ میں اسے دگ ہوئی۔ پھر چین کے معاملہ میں ہوئی۔ اب یہ خطرہ درپیش ہے اس میں شریعتیں کہ ہمارے خلاف شہر میں بعض مقامی انگریزی افسروں نے کی تھیں مگر ذمہ داری اٹھ رہی آئی ہے۔ بے شک وہ شرارتوں میں شامل نہ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اسی نظر نگاہ سے دیکھا کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری کو ادا کر کے ان کو سزا نہیں کیوں نہ دیں۔ ورنہ انگریز جیسا کہ میں نے کہا ہے۔

دوسری اور تین قوموں سے بہت بہتر ہیں۔ ابھی مجھے چھی آئی ہے۔ جو شاہی ابھی نہیں۔ کہ ان کی حکومت نے مجھے جیسا کہ سلا کو کم دیا ہے کہ آگست تک اس ملک سے نکل جائے۔ مولوی جلال الدین صاحب جس کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے برطانوی حکومت کے پاس پریشانی کیا۔ اور کہا کہ ہمارے سلا کا اگر کوئی قصور تھا تو ہمیں اس کی اطلاع ہونی چاہیے۔ لارڈز نے اس بارہ میں بہت ہمدردی سے کام لیا۔ اور ان کے ایک نائب نے فوراً ان کے پاس صاحب کو مطلع کیا۔ کہ ہم اپنے تو فصل روم کو تار دے رہے ہیں۔ اور

دوسرے تیسرے دن ان کو اطلاع دی کہ اس کی طرف سے اطلاع آئی ہے۔ کہ اس نے افلاوی حکومت کو توجہ دلائی ہے اور اس کی طرف سے جواب ملا ہے۔ کہ فی الحال اس حکم کو کوئی کی حکومت نے منسوخ کر دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ابھی مزید تحقیقات کریں گے۔ تو انگریزی حکومت جی لکھی ہے۔ جس میں بھی جیسی سبوتیں حاصل ہیں۔ اس کے علاوہ اور کسی حکومت میں ہم نے اس میں دیکھ سوائے ذیل حکومت کے

انگریزی حکومت میں سب سے زیادہ

اس ہے

اور دوسرے نمبر پر ہالینڈ کی حکومت ہے۔ اور کسی حکومت میں ایسا نہیں۔ جاپان کافی الجھل ہم نے تجر نہیں کیا۔ مگر بانی حکومتوں میں کیا ہے وہ اسلامی سلا کو برداشت نہیں کر سکتیں۔

میں خود سولہ سنی سے ملتا تھا

اور اس نے مجھے خود کہا تھا کہ اپنا سلا بھیجیں اور اس جیسے خیال تھا کہ وہ ہر دانشور یہ بھیجے گئے۔ مگر تجربہ سے معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ ہر روزی عمل میں نہیں آئے۔ تو انگریزوں کے بعض آدمیوں کی شہادتوں کے باوجود

ہماری ہمدردی انگریزوں سے ہے

کیونکہ وہ دوسری شہنشاہیت والی حکومتوں کی نسبت بہت اچھے ہیں۔ پس ہم جو ان کی حکومت میں رہتے ہیں۔ ہمارے لیے ان کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جو میرے اس خیال سے مشتق نہیں۔ وہ بھی تعاون پر مجبور ہیں۔ کیونکہ ہندوستان اور افغانستان کا نقش ایسا نہیں کہ اس کی موجودگی میں ہندوستان الگ رہ سکے۔ اسی دعاؤں کے ہی ضمن میں ایک اور بات بھی میں کہنی چاہتا ہوں۔ مجھے دلچسپ سمجھا ہے کہ اترانے استقامت کی نماز عید گاہ میں چڑھی چاہی۔ اس سے ہمارے آدمیوں کو اپنے حقوق کے خلاف کا خیال ہوا اور انہوں نے ان کو روکا۔ چنانچہ حکام نے ان کو وہاں نماز پڑھنے سے روک دیا۔ اس موقع پر مجھے خیال آیا۔ کہ ان کے پاس نماز کے لیے جگہ موجود نہ تھی۔ پہلی جگہ جب قبرستان کا منظر اہوا ہے مجھے یہ خیال آیا تھا اور میں نے اس موقع پر عرض کرنا کہ لاہور بھیجا کہ اگر یہ لوگ اپنی مشکلات مجھے بتائیں۔ تو

میں حسن سلوک سے سنا تھا کہ نہیں کرونگا مگر یہ لوگ عینا طریق اختیار کرتے ہیں۔ جو

لڑائی کا ہوتا ہے۔ اور اس لیے ہمیں بھی مجبوراً جواب دینا پڑتا ہے۔ اس موقع پر مجھے یہ خیال آیا۔ کہ یہ ہست انسانی عظمت میں داخل ہے۔ کہ اگر کوئی چیز اس کی طرف منسوب نہ ہو۔ تو اسے تکلیف ہوتی ہے۔ جو بچے جیم ہو جاتے ہیں۔ ان کے شہر دار کو ان کے ہاں پسپا سے بھی اچھا سلوک ان کے ساتھ کریں۔ ان کے دل میں یہ غلطی ضرور رہتی ہے۔ کہ ہمارے ہاں پسپا نہیں ہیں۔ اسی طرح کو ان کے لیے بچہ کو مل گئی۔ مگر ان کے دل میں یہ احساس تو ضرور ہوگا کہ یہ ہماری نہیں ہے۔ اور اس میں نماز پڑھنا عداوت حق تو نہیں۔ یہ کسی زمیندار کا احسان ہے۔ کہ اس نے پڑنے کی اجازت دے دی۔ جس دن کوئی چاہے۔ اجازت دے دے۔ اور جس دن چاہے نکال دے۔ اور کو میں نے بھی اس امر کے لیے تیار تھا کہ اگر وہ آکر کہیں تو ان کے لیے علیحدہ انتظام کر دوں۔ مگر اب مجھے خیال آیا۔ کہ میں کیوں اس امر کو اس دن کے لیے اٹھا رکھوں۔ کہ جب وہ آکر مجھ سے ملنا آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس جگہ زمین دے رکھی ہے۔ ہزاروں خاندان اس ملک میں ایسے ہیں کہ جن کے باپ دادا کی بادشاہت یہاں ہم سے زیادہ تھی۔ مگر آج وہ جوتیں صاف کر کے روڑی نکاتے ہیں۔ اور کو آج ہمارے پاس دولت نہ ہو۔ مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے ان کی زمین ضرور ہے کہ ہم مالک یا دشمن کہلاتے ہیں۔ میرے دل نے محسوس کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل انسان پر اس لیے ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے حسن سلوک کرے۔ گو بعض افغانی اور قانونی شخصیتیں میرے رست میں روک بن رہی تھیں۔ مگر میں نے غور کر کے ایک رست نکال لیا ہے۔ اور اب میں اعلان کرتا ہوں کہ میں اس مالت کے لیے تیار ہوں کہ ان کو

نماز عید و استقامت کیلئے زمین

دے دوں

۶۰ × ۵۰ فٹ کا ایک کمال ہوتا ہے۔ ۲۰ فٹ میں ایک آدمی کھڑا ہوتا ہے۔ گویا ساتھ فٹ میں تیس آدمی آگے ہیں۔ اور چار فٹ کی جگہ ایک صف کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اس لیے ۵۰ فٹ میں اٹھارہ صف میں بن جاتی ہیں کو لوگ تین فٹ بھی کافی سمجھے ہیں۔ مگر میں چار فٹ رکھتا ہوں اور اس حساب سے ایک کمال میں ۲۵۰ آدمی آجاتے ہیں۔ یہاں سارے غیر احمدی چھ مائت سو ہیں۔ مگر عیدین اور استقامت

وغیرہ مواقع پر باہر سے بھی آ جاتے ہیں اور
دور میں سے بھی مثال ہو جاتے ہیں۔ اس
لئے دو کمال زمین کا دیا ان کے غیر اہل یوں کی
لازمیہ و استقامت کے لئے کافی ہے اور ضروری
جگہ اور جوتوں وغیرہ کے لئے جگہ بلکہ ان کی
آستہ ضرورتوں کا بھی خیال کر کے میں سمجھتا
ہوں کہ

چار کمال زمین

ان کی سب ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہے۔ اور میں
اس قدر زمین انہیں اس غرض کے لئے دینے
کے لئے تیار ہوں۔ مگر شرط یہ ہوگی۔ کہ وہ
اسے ہمارے خلاف استعمال نہ کر سکیں گے۔ وہ
اپنا ایک ٹرسٹ اور رجسٹرڈ انجمن بنائیں اور میں
وقف کی صورت میں یہ زمین انہیں دے دوں
مگر مگر شرط یہ ضروری ہوگی۔ کہ اسے ہمارے
خلاف استعمال نہ کیا جاسکے۔ اسی طرح یہ بھی
کہ غیر اہل یوں کو وہیں نماز کا حق ہوگا۔ مگر
اچھی کھلانے والے ہمارے مخالفوں کو اس
کے استعمال کا حق نہ ہوگا۔ یہاں بڑی بڑی
قومیں کثیری آباد ہیں اور گھار ہیں۔ میرے
نزدیک بہتر ہوگا۔ کہ ان کا ایک ایک نمائندہ
جمن کیا جائے۔ اسی طرح ایک نمائندہ ایف۔ توام
سے ہو۔ جو خودی خودی اقتدا میں ہیں۔ اور
ایک نمائندہ برائے امام خاندان سے ہو جائے۔
جو میں جس اللہ میں صاحب کا خاندان ہے۔ وہ
ہمارے استاد بھی تھے۔ ان نمائندوں کے
ٹرسٹ کے سپرد میں یہ زمین کروں گا۔ انعام
اللہ وہاں رہت والا توں بھی لوگوں کا۔ بلکہ
میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ آخریت سے یہ لوگ
مسلط مل کر یوں تو وہاں پھل دار درختوں کے
لگانے کے لئے کچھ زائد زمین بھی دے دوں۔
اور اس میں خود گرفت لگوا دوں۔ تا ضرورت
کے وقت سارے سے بھی یہ لوگ فائدہ اٹھائیں۔
اور پھلوں کی آمد سے زمین کے محافظ کا خرچ بھی
کسی قدر نکلا رہے۔ ہاں جیسا کہ میں نے کہا
ہے وہ لوگ اس میں نماز صوم اور استقامت نہ
سکیں گے۔ مگر اہمیت کے خلاف اسے
استعمال کرنے کے مجاز نہوں گے۔ اور اس کی
منتظم یعنی صرف یہاں کی پرانی آبادی کے
افراد پر مشتمل ہوگی۔ اس انتظام کی صورت میں
ان لوگوں کے دل پر سے یہ بوجھ اتر جائے گا
کہ ان کے لئے عید وغیرہ کے لئے کوئی جگہ
نہیں۔ بلکہ میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا
ہے کہ اگر کچھ پر اہمیت ہو جائے کہ
قبرستان کے لئے

ان لوگوں کے پاس کافی جگہ نہیں۔ تو اس کے
لئے بھی کچھ زمین وقف کروں۔ کو اس وقت
تک مجھ پر بھی اثر ہے کہ اس سلسلہ میں وہ
محض مذہبی وجہ سے شور کر رہے ہیں۔ ورنہ
یہاں قبرستان اس غرض کے لئے کافی ہے۔
لیکن اگر وہ کافی نہ ہو۔ تو میں محسوس کرتا ہوں
کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ پر احسان کیا ہے۔
اسے دیکھتے ہوئے جس طرح زندہ لوگوں کا
مجھ پر حق ہے۔ اسی طرح مردوں کا بھی مجھ پر
حق ہے۔ پس اگر مجھ پر اہمیت ہو جائے کہ
وہاں مردے دفنانے کے لئے ان لوگوں کو جگہ
کی ضرورت ہے تو مجھے چاہئے کہ اس کے لئے
بھی زمین کا انتظام کروں۔ اگر یہ ضرورت
اہمیت ہوئی۔ تو میں اس کے لئے بھی حسب
ضرورت زمین وقف کروں گا۔ انشاء اللہ
اسے بھی ایک عطا فی ثروت کے سپرد کروں گا
جو غیر اہل یوں افراد پر مشتمل ہوگی۔ فی الحال میں
ایک ماہ کے لئے یہ پیشکش
کرتا ہوں۔ ایک ماہ کی شرط میں اس لئے لگاتا
ہوں کہ ان کو جلد توجہ ہو جائے۔ ورنہ زیادہ
عمر گزر کر جائے۔ تو بات کھٹائی میں پڑ جاتی
ہے۔ نیز اس وقت ایک قطعہ میرے ذہن میں
ہے جو ممکن ہے۔ بعد میں فروخت ہو جائے۔
اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خلوہ وہ کسی نوعی
ہو۔ میں سمجھتا ہوں۔ اگر وہ مذہبی وجہ سے نہ
ہو۔ تو اس میں فتون ضروری ہے۔ خواہ
عبادت کرنے والے دشمن ہی کیوں نہ ہوں۔
جب کوئی خدا تعالیٰ کا نام لیتا ہے۔ تو ہمیں
ضرور اس سے فتون کرنا چاہئے۔ یہاں کے
غیر اہل یوں پہلے نماز پڑھا ہی نہیں کرتے تھے۔
مگر اب گو ہماری دینی کی وجہ سے ہی سکے۔
کچھ نہ کچھ پڑھتے تو لگے ہیں۔ میں پہلے ہندو
صحابان سے بھی اسی قسم کا ایک معاملہ کر چکا
ہوں۔ اور دوسری اقوام سے بھی جائز
ضرورتوں کے پورا کرنے میں فتون کرنے
کے لئے تیار ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ جس
عبت سے میں نے یہ پیشکش کی ہے۔ وہ بھی
اس پرٹ میں اس کو دیکھیں گے۔ اور ان ایام
میں جبکہ ایک خطرناک جنگ کے آثار ظاہر ہو
رہے ہیں۔ اختلافات کو مٹا کر ایسی فضا پیدا
کر دیں گے کہ سب دشمنان ملک کا محتاج نہ
سکیں۔ اور حکومت کی پریشانی بھی دور
ہو جائے۔ ان دو غرضوں کے سوا میری دور
کوئی غرض نہیں۔ بول یہاں کے غیر اہل یوں
کی عقلی ضرورت کا پورا کرنا۔ دوسرے اس
باز وقت میں حکومت کی تشریف کو دور کرنا۔

لیکن اگر ہمارے اس نیک بختی کے لئے اور ایک
مستقل مالی بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہونے
کے اس کو بعض لوگ اکسانیں اور مشعل
کریں۔ اور کہیں کہ وہ ذہنی ہم سے ہمارے
قبرستان غور کرنا چاہئیں گے۔ تو ہمیں کسی
گھبراہٹ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم جانتے
ہیں کہ
آخر ہم نے ہی غالب آتے ہیں
نہ صرف قادیان میں بلکہ ساری دنیا میں۔
بہر حال میں نے ان کی غیر خواہی کی ایک تجویز
پیش کر دی ہے۔ اگر وہ اسے قبول کریں۔ تو ان
کا فائدہ ہے۔ اور اگر نہ کریں تو ہمارا کوئی
نقصان نہیں۔ واللہ علیم بما فی الضمیر
و علیہ التکلیف

”مجموعہ خطبہ“ کی دعا میں حاصل کرو
اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مدد سے
تو میں سے چندہ تحریک جاری کرنا چاہتا ہوں اور
اکثر افراد نے سات تحریک دینی صدی پورا
کر لیا ہے۔ جو ان کے لئے بہت ہی اچھا ہے۔ کچھ
مجموعہ خطبہ کی دعا حاصل ہو جائے ایک نوبت
غیر مرتبہ ہے۔ اور احباب سے وعدہ کیا گیا تھا
کہ جو دست سے تحریک اپنے وعدہ سے سونی
صدی پورا کر دیں گے۔ ان کے نام دربار
خلافت میں دعا کے لئے پیش کر کے دعا کی
درخواست کی جائے گی۔ اس وعدہ کے اظہار
کے لئے اگر ”مجموعہ خطبہ“ کی تحریک
جاری ہے۔ سونی صدی پورا کرنے والوں کے نام
اسی دن حضور کے پیش کرنا رہا۔ جس میں کسی
کا وعدہ ہوا۔ مگر تاہم بھی یہ مناسب معلوم ہوا
ہے۔ کہ ایک دن خاص ضرور کر کے ایسے
احباب کی فہرست جنہوں نے ۳۰ جون کے
خطبہ کی مجلس میں تحریک اپنے وعدہ کو کوئی
صدی پورا کر دیا ہے۔ ان کی فہرست دربار
خلافت میں پیش کر کے دعا کی درخواست کی
جائے گی۔ اس لیے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ کسی
فہرست ۲۵ ستمبر و ۲۵ دسمبر و ۲۵ مارچ سے وہ
”شبہ“ کے دن پیش کر کے دعا کی درخواست کی
جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس امر کا اتمام بھی
اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ”مستشرقین
الاولون“ جو اپنے وعدہ کو ۳۰ جون سے
پہلے پہلے سونی صدی پورا کر چکے ہیں۔ ان کے
نام حضور کی خدمت میں دعا گئے ہیں۔ چنانچہ
پچھلے ہیں۔ جیسا کہ شائع شدہ فہرستوں میں
ظاہر ہو رہا ہے۔ ان احباب کے لیے جس کے

دوسرے ہاؤ جودان کی ہرجوہد کے پورے نہیں ہوئے مگر ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنا دوسرے تجربہ تک پورا کر لیں۔ مگر نہیں کر سکے۔ ان کے لیے یہ موقع ہے کہ اگر ۲۵ تجربہ کی شام تک اپنا دوسرے سو فی صدی پورا کر لیں تو دوسری نومست جو ۸ سے ۲۵ تجربہ تک کی ہوگی۔ ۲۵ تجربہ کو دعا کے لیے حضور کے پیش کر دی جائے گی۔ اس میں ان کا نام آجائے۔ یعنی دوسری ہوں گی۔ ایک تجربہ تک پورا کرنے والوں کی۔ دوسری ۱۵ تجربہ تک پورا کرنے والوں کی جو ۱۵ تجربہ کو انشاء اللہ پیش کی جائے گی۔ اس لیے اعلان کیا جاتا ہے کہ وہ احباب جن کے دوسرے پورے نہیں ہوئے۔ وہ اپنے دوسروں کو ۲۵ تجربہ تک سو فی صدی پورا کرنے کی پوری کوشش کریں۔ ان احباب کی فہرست جنہوں نے تحریک جدید کے اصول کرنے یا کرانے میں ان تھک کوشش کی ہے۔ ان کی نومست انشاء اللہ نومبر میں پیش کی جائے گی۔ ہر جماعت اور ہر فرد کی پوری کوشش ہے کہ دوسرے سو فی صدی پورے کرنے چاہیں۔ کیونکہ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشنے۔ والسلام (برکت علی خلیفہ مفضل سکریٹری تحریک جدید)

خطبہ جمعہ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۳۵۶ھ

اسلام احمدیت اور ہندوستان کی مفاد انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنے میں

فرمودہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ و العزیز

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ

نہایت ہی لطیف نکتہ

بیان فرمایا ہے۔ کہ ضروری نہیں ہوتا کہ جو چیز تم کو جلدی ملے والی ہو۔ وہ تمہارے لیے اچھی بھی ہو۔ بلکہ بسا اوقات جو چیزیں بعد میں آنے والی یا دیر سے ملنے والی ہوتی ہیں۔ وہ زیادہ اچھی ہوتی ہیں۔ اور قریب میں رکھی ہوئی یا قریب میں ملنے والی چیز بری ہوتی ہے۔ جس طرح قرآن کریم نے اس نظریہ کو پیش کر کے دنیا کی باتوں کو بد حالانے اور اس کے اخلاقی معیار کو بلند کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ بعض دفعہ

چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آجایا کرتی ہیں۔ اسی طرح اس نے اس نظریہ کو پیش کر کے انسان کی عقل اور اس کی ذہانت کو خیر کر دیا ہے۔ کہ یہ ضروری نہیں۔ کہ کوئی چیز جو قریب اصول ہو۔ وہ زیادہ اچھی ہو اور جس چیز کے متعلق

انسانی قلوب میں شکوک

اور شبہات ہوں۔ کہ معلوم نہیں۔ وہ ملتی بھی ہے یا نہیں اور اگر ملتی ہے تو کب اور کس رنگ میں وہ بری ہو۔

انسانی فطرت کی یہ کمزوری ہے کہ وہ قریب کی چیز کو جملہ دیکھ ہو۔ بہتر سمجھتی ہے کیونکہ وہ خیال کرتی ہے کہ نہ معلوم کوئی اور چیز ملتی بھی ہے یا نہیں۔ پھر کیوں نہیں اس

قریب سے ملنے والی چیز

سے فائدہ اٹھا لوں۔ اس لالچ اور حرص کی وجہ سے وہ تمام پہلو جن پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ انسان انہیں بھول جاتا ہے۔ کیونکہ جب کسی انسان کے دل میں لالچ پیدا ہو جاتا

ہے تو اس کی عقل ماری جاتی ہے۔

بیبیوں انسانوں کو تم دیکھو گے کہ وہ اپنے دوستوں کی مجلس میں بیٹھ کر یہ ذکر کر رہے ہوں گے کہ ہم نے فلاں کام کیا۔ اور ہمارا خیال تھا کہ ہمیں اس میں فائدہ ہوگا۔ مگر بجائے فائدہ کے بھی نقصان ہو گیا۔ اور جب ان سے پوچھو کہ اس بارہ میں تم نے پہلے غور کیوں نہ کر لیا تو وہ کہیں گے کہ ہم کیا کریں۔ ہماری تو عقل ماری گئی تھی۔ یہ اسی نظریہ کی ترجمانی ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ کہ جب انسان کے دل میں لالچ پیدا ہوتا ہے تو اس کی فطرت محدود ہو جاتی ہے۔ اور نظر محدود ہو جانے کی وجہ سے وہ کھلے طور پر دلائل جو دوسروں کو نظر آتے ہیں اسے نظر نہیں آتے۔ لیکن جب انسان کی فطرت وسیع ہوتی ہے تو وہ تمام پہلوؤں پر غور کرتا اور اپنے فطری اور نقصان کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور جب وہ دیکھتا ہے کہ قریب کی فطرت منہ چیز انجام کے لحاظ سے صغر ہے تو وہ اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیتا ہے۔ کہ مجھے اپنے نفس کی خواہشات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ مجھے لالچ اور حرص کے ماتحت قریب کی لالچہ مند چیز کو نہیں لینا چاہیے۔ بلکہ اس وقت تک مجھے انتظار کرنا چاہیے۔ جب تک مجھے حقیقی طور پر اچھی چیز نہ مل جائے۔

میں دیکھتا ہوں۔ دنیا میں بہت سے لوگ اس قسم کے غلط انداز سے کر کے

بڑی بڑی ترقیات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ صحیح انداز سے کر کے بہت بڑی ترقیات کو حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک طالب علم جو کھیل کود کے مزے کو دیکھتا ہے۔ جب اس حوصلہ کو تعلیم پر مقدم کر لیتا ہے۔ تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ ایک قریب کا فلاح

ہے۔ جو مجھے حاصل ہو رہا ہے پھر کیوں نہ میں اس فلاح کو پوری طرح سے لے لوں۔ میرے ماں باپ مجھے کہتے ہیں۔ کہ تم بڑھ لکھو گے۔ مگر تو بڑے آرام سے زندگی بسر کر سکو گے۔ مگر مجھے تو بغیر بڑے بے کسی آرام کی زندگی حاصل ہے۔ پھر میں کیوں بڑھوں۔ اور کیوں محنت کروں میرے لیے کچھ آرام کافی ہے۔ جو کھیل کود کی صورت میں مجھے مل رہا ہے۔ انکی عقل اتنی ماری ہوئی ہوتی ہے اور اس کی فطرت اتنی تنگ ہوتی ہے کہ وہ اس آرام کو جو اسے مل رہا ہوتا ہے مقدم کر لیتا ہے اور یہ بالکل محسوس نہیں کرتا۔ کہ کھیل کود کے آرام میں اور اس آرام میں جو تعلیم حاصل کرنے لینے کے بعد طالب علم کو حاصل ہوتا ہے۔ کیا فرق ہے۔

انھیادنا میں آتے ہیں۔ اور وہ اپنی تعلیم پیش کر کے کہتے ہیں۔ کہ اگر اس پر عمل کر لو گے۔ تو ہمیں جنت مل جائے گی

مگر دوسرے لوگ جو شراب پی پیتے ہیں۔ جوئے کھیتے ہیں۔ بدیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ گالی گلوچ بکتے رہتے ہیں۔ لڑائی جھگڑے پر دوسرے کا سر بھی پھوڑتے ہیں۔ جب اس قسم کی باتوں کو سنتے ہیں تو کہتے ہیں جنت نہیں حاصل ہے۔ ہم جب اپنی مرضی کے مطابق کھاتے۔ مرضی کے مطابق پی پیتے اور مرضی کے مطابق تمام کام کرتے ہیں۔ تو اس جنت کے علاوہ اور کوئی جنت ہے۔ جس کی انہیں ضرورت ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تم شراب پھوڑو۔ جو ترک کر دو۔ بدیوں سے باز آ جاؤ۔ گالی گلوچ سے کام نہ لو اور نہ لڑائی جھگڑوں پر کسی کا سر پھوڑو۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ان باتوں پر عمل کرنا تو ایک دوزخ ہے۔ ہم ان باتوں پر عمل نہیں کر سکتے۔ جس

نے حضرت علیؑ کے لشکر پر شب خون مار دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شور مچ گیا اور ہر فریق نے خیال کیا کہ دوسرے فریق نے اس سے ہڑتال کر لی۔ اور خود ہی کا کھانا کھا کر ان میں لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؑ نے کہا کہ کوئی شخص حضرت عائشہؓ کو اطلاع دے۔ شاید ان کے ذریعہ

اللہ تعالیٰ اس فتنہ کو دور کرے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کو اطلاع پہنچا کر کہیں۔ مگر جب ان کا کوئی آگے نہ کیا گیا۔ تو نتیجہ اور بھی خطرناک نکلا۔ یعنی مسندوں سے یہ دیکھ کر کہ عمارؓ نے میر پھر رائیگاں ہوئے گی ہے۔ حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کے ہوتے ہی میر پھر رائیگاں کر دیئے۔ یہ دیکھ کر اسلامی لشکر سخت جوش میں آ گیا۔ اور صحابہؓ اور بڑے بڑے بھروسہ اور بیعت کے لوگوں کو جمع ہو گئے۔ اس وقت ان لوگوں میں ایک شخص مالک نامی بھی تھا۔ جس کی بعض صورتوں کو بڑی تعریفیں کرتے ہیں۔ مگر مجھے تو اس شخص سے ہمیشہ نفرت محسوس ہوتی ہے۔ یہی شخص تھا۔ جس نے اپنے ساتھیوں سمیت حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کے کوٹ پر حملہ کیا۔ اور صحابہؓ ایک ایک کر کے حضرت عائشہؓ کی حفاظت کے لیے آگے آئے اور شہید ہوئے۔ چلے گئے۔ میں بھی غور پر غور میں کہہ سکتا ہوں۔ مگر جہاں تک مجھے یاد ہے۔ بعض تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس موقع پر ستر صحابہؓ شہید ہوئے۔ آخر حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ پر حضرت زینبؓ کے چھوٹے لڑکے آگے آئے۔ اور انہوں نے ان مسندوں سے لڑائی شروع کر دی۔ اتفاقاً وہ لڑے لڑے مالک کے قریب پہنچ گئے۔ اور فوراً اس سے چٹ گئے۔ مالک چونکہ اپنے دست کا لڑکھا اس لیے انہوں نے سمجھا کہ اگر میں نے اسے مار لیا تو بڑی کامیابی ہوگی۔ کیونکہ باقی دست بھاگ جائے گا اور ہم حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی حفاظت کے ساتھ کسی دوسری جگہ پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ جو بڑی وہ مالک کے قریب پہنچے۔ انہوں نے اسے کھڑک لیا۔ اور اس سے کسی لڑائی شروع کر دی۔ اور آخر لڑتے لڑتے دونوں زمین پر گر گئے۔ مگر اس صورت میں گرے۔ کہ حضرت زینبؓ کے لڑکے کو تو بچے آگئے۔ اور مالک کو پورے دیکھ کر تمام سپاہی اور دروگوار یہی سمجھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ اگر موقع ملے مالک کو قتل کر دیا

لے اور جنگ میں ان کو صاف پیچے۔ ایسا احساس دشمنوں یا غیر قوموں کے خلاف بعض دفعہ جائز اور بعض دفعہ ناجائز ہوتا ہے۔ یہ جائز ہوتا ہے۔ اس وقت جب دشمن کی تباہی یا جرح سے اس کی حفاظت ہو۔ اس کو صیغہ بچھنا کسی ایسے انجام کا موجب ہو۔ اس صورت میں وہ بے شک مارا جائے اس کی پروا نہیں کی جاتی۔ مثلاً ایک شخص غزا کے رسول پر حملہ کر رہا ہے۔ اپنے وجود پر حملہ کر رہا ہے۔ جو نہایت ہی سختی ہے۔ تو ایسے وقت میں اگر ہم اس کے سامنے کھڑے ہو جائے اور اسے روکے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو اس جنگ کے نتیجہ میں اگر اسے مار دیتے ہوئے ہم خود بھی مر جائیں۔ تو یہ

ایک مستحسن فعل

ہوگا۔ کیونکہ اگر دشمن کو نقصان پہنچا دے تو ہم خود بھی مر جائیں گے۔ مگر ایک جتنی وجود بچ جائے گا۔ تو ان میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے۔ سپاہی آخر زینبؓ کو بچانے کے لیے مارے جاتے ہیں۔ اور آخر زینبؓ اپنے سے بالاکام کی حفاظت کے لیے جان دے دیتے ہیں۔ اس کی ایک نہایت ہی عمدہ مثال اسلام کے ابتدائی زمانہ میں نظر آتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد

جنگ صفین

کے موقع پر جب ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر تھا اور دوسری طرف حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا لشکر اور قریب تھا کہ وہ آپس میں لڑ پڑتے۔ کہ بعض صحابہؓ نے درمیان میں پرکھ کر بیاد کر دیا۔ جب یہ خیر ان لوگوں کو پہنچی۔ جو اس فتنہ کے ہائی تھے۔ اور جن میں سے بعض حضرت علیؑ کے لشکر میں شامل تھے اور بعض حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر میں۔ تو انہیں سخت گھبراہٹ ہوئی اور انہوں نے اکٹھے ہو کر مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ مسلمانوں میں صلح ہو جائی۔ ہمارے لیے ختم معر ہوگی۔ کیونکہ ہم حضرت عثمانؓ کے گھر کی سزا سے اسی وقت تک بچ سکتے ہیں۔ جب تک مسلمان آپس میں لڑتے رہیں اگر صلح ہو گئی۔ تو ہماری خیر نہیں۔ پس جس طرح بھی ہو صلح میں ہونے دینی چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے صلح کو روکنے کے لیے یہ تدبیر کی۔ کہ ان میں سے جو حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر پر اور جو ان کے لشکر میں تھے۔ انہوں

جز کو جنت کہا جاتا ہے۔ وہ تو ہمیں حاصل ہے۔ ہم اپنی مرضی کے مطابق تباہ کام کرتے ہیں۔ اور کسی کی حکومت برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ سچی بڑی جنت ہے۔ جو ہمیں حاصل ہے۔ گویا ان کے خیال میں اگر کوئی گالی دے۔ تو اس کے جواب میں اگر اس کا سر نہ چھوڑ دیا جائے۔ تو یہ ایک بے کیف زندگی ہوگی۔ اسی طرح ان کے خیال میں اگر انہیں ناجائز رنگ میں اپنا بل اور اپنے اوقات استعمال کرنے سے روکا جائے تو یہ ان کے لیے بہت بڑا انجام اور عذاب ہوگا لیکن اگر وہ اپنی مرضی کے مطابق کام کرتے رہیں تو ان کی زندگی جنت کی زندگی ہوگی۔ یہ فطرت بھی ایسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اس آرام کو دیکھ کر جو انہیں ایک قریب قریب میں اور قریب قریب کے لیے حاصل ہوتا ہے۔ ہڑتال کر دیتے ہیں اور اپنی فکر کو دور کر کے اس حقیقی جنت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جو انہماک کی اطاعت میں انسانوں کو حاصل ہوتا ہے۔

تو جو چیز قریب ہوتی ہے وہ بیک وقت دور کی نظر میں آتی ہے۔ اور قریب والی چیز خود کو بھی چھوٹی ہو جاتی دکھائی دیتی ہے اور دور کی چیز خود کو بھی بڑی ہو جاتی دکھائی دیتی ہے۔ جیسے پہاڑ سے دور کھیلے جاتے ہیں اور لڑنے بھی وہ کسی کی ہزار فٹ ہوتے ہیں۔ مگر دور سے دیکھتے تو وہاں کو وہ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جیسے کوئی چھوٹا سا ٹیلہ ہوتا ہے لیکن ایک قریب جو آگے کے سامنے ہوتی ہے۔ وہ خود کو بھی بڑی چھوٹی چیز ہے۔ انسان کو بڑی دکھائی دیتی ہے۔ چھوٹے کا ایک گلدہ جس کا قطر ایک انچ یا دو انچ کا ہو۔ وہ شخص دفعہ اس پہاڑ سے بڑا دکھائی دیتا ہے۔ جو سینچروں میل لہا ہوتا ہے کیونکہ پہاڑ دور ہوتا ہے اور شیشہ نے آگے کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کس وقت

ہندوستان کے لوگوں کو ان کے دماغوں

کی کیفیت

اس قسم کی ہوری ہے۔ اور بالعموم ان کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر موجود جنگ میں اگر بڑوں کو صیغہ بچ جائے یا نہ ہا جس میں ہر شکست کھا جائی تو یہ اچھی بات ہوگی۔ خود اس کے ساتھ ہمیں بھی نقصان پہنچ جائے کیونکہ انہوں نے ہماری آزادی چھینی تھی۔ اور ایک غیر ملک سے آکر ہم پر حکومت کی۔ اسب موقع ہے کہ انہیں ان کے یکے کی سزا

جائے۔ مگر وہ مالک کو اس وقت مل نہیں سکے تھے کیونکہ وہ دوسرے کے اگر ہم نے مالک پر کوئی چلائی تو ساتھ ہی حضرت زہیرؓ کے لئے بھی شہید ہو جائیں گے۔ اسی وقت ان کو بھی اس بات کا احساس ہوا کہ اگر لوگ مالک کو اس لئے نہیں مل سکتے کہ اگر اسے مارا تو ساتھ ہی مجھ پر بھی حملہ ہونے کا خطرہ ہے۔ اور میں بھی اس کے ساتھ ہی مارا جاؤں گا۔ لیکن ساتھ ہی اسی خیال آئی کہ اگر مالک بخیر تو میرا اپنے ساتھیوں سمیت حضرت عائشہؓ پر حملہ کر دے گا۔ میں انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر میں مرتا ہوں تو بے شک میرا دل اس وقت مالک کا زندہ رہنا مناسب نہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنے ساتھیوں کو ارگرد خاموشی کھڑے دیکھا تو انہوں نے ان کو غائب ہو کر کہہ

افضلونی و مالکاً

افضلوا مالکاً حقاً

کہ اسے تم انتظار کس بات کا کر رہے ہو۔ تم مجھے بھی مار ڈالو۔ اور مالک کو بھی تم کیا سوچے ہو۔ تم مالک کو بھی لڑا اور ساتھ ہی مجھے بھی یہ سبق تھا۔ جو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو دیا۔ کہ تم بجائے یہ دیکھنے کے کہ کون کون سا فتنہ ہوں یا کونسا یہ دیکھو کہ اس شخص کے فتنہ رہنے سے اسلام کو کتنا ضرر پہنچ سکتا ہے۔ یہی تم اس بات کا انتظار نہ کرو کہ میں چتا ہوں یا نہیں۔ بلکہ تم مجھے بھی مار ڈالو۔ اور مالک کو بھی تاکو اس

فتنہ کا سد باب

ہو۔ اور یہ میرا اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے بہتان ساز تھا۔ غرض یہی یہاں سوتا آئے ہیں کہ اپنے نقصان کا خیال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس شخص کا قوم سے اختلاف ہے۔ وہ کسی طرح چلے جا جائے۔ اسی حالت میں اگر ہم اپنے دشمن کو تباہ کرنے کی خاطر اپنے آپ کو بھی چلے جا دیں۔ تو جس چیز کی ہم حفاظت کرنا چاہتے ہوں۔ وہ بچ جائے۔ تو یہ بالکل درست اور مطالبہ عقل ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ صورت حالات ہو۔ تو پھر ایسے حالات پر غور ہوتا کہ میں جس سے اختلاف ہے۔ وہ تباہ ہو جائے۔ خواہ ساتھ ہی ہم بھی تباہ ہو جائیں۔ چنانچہ یہ اور وہ اندیشے سے بالکل بعید ہوتا ہے۔

موجودہ جنگ

کوئی لے لو۔ اگر اس وقت انگریزی حکومت

کی جگہ کے تھے جس ہندوستان کی کوئی لکھی جتنی چیز بچ جائے۔ جس کے بچ جانے کو لوگوں کی برادری یا حکومت کی برادری سے زیادہ قیمتی سمجھا جاسکتا۔ تو بے شک فتنہ لوگ بھی کہتے۔ کہ ہندوستان بچے بچے تباہ ہو جائیں مگر ساتھ انگریز بھی تباہ ہوں۔ تو یہ قرہائی نہیں تھیں۔ مگر واقعات پر اگر غور کیا جائے تو ایسی کوئی

فیتی جن

میں خیر نہیں آتی۔ ہم انگریزوں اور ہندوستانوں کے تباہ ہو جانے سے دنیا کے لئے مفلوک کی جگہ پائی ہو۔ بلکہ ہمیں اگر نظر آتا ہے۔ تو یہ کہ انگریزی قوم اگر تباہ ہو تو ہندوستان اس کے ساتھ ہی تباہ ہوتا ہے۔ اور تباہی کسی بڑی چیز کو بچانے کے لئے نہیں۔ بلکہ ایک بڑی چیز کو کھو کر تباہ ہوتا ہے۔ جس نے جیسا کہ ایک پچھلے خط میں بتایا تھا

انگریزی قوم کا میلان

اس وقت ہندوستان کے متعلق اس قسم کا ہے کہ وہ آئندہ انہیں زیادہ سے زیادہ آزادی دیں گے۔ اور یہ بالکل ناممکن ہے۔ کہ انگریز اب ہندوستان کو پیچھے کی طرف لے جائیں اب ہندوستانی آگے کی طرف ہی دھکیں گے اور یہی اس

جنگ کے بعد

جو ہندوستان کو آزادی حاصل ہوگی۔ وہ اس سے بہت زیادہ ہوگی۔ جواب ہندوستانوں کو حاصل ہے۔ لیکن

اگر اس جنگ میں انگریز ہار جائیں اور ان کی جگہ کوئی اور قوم آجائے۔ تو اس وقت ہندوستان کی وہی حالت ہو جائے گی۔ جو خیر کے وقت تھی۔ بلکہ اس سے بھی بدتر حالت ہونے کا امکان ہے۔ اور میں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ انگریزی قوم اپنے ہاتھوں پر بالطبع اتنی سختی نہیں کرتی جتنی دوسری قومیں کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رہپاز میں بہت بڑی وسعت ہوئی۔ کیونکہ کوئی بڑی شہنشاہیت دنیا میں قائم نہیں ہو سکتی۔ جب تک وہ اپنے ہاتھوں سے حسن سلوک نہیں کرتی۔ اور برطانوی رہپاز کی یہ خصوصیت ہے کہ اپنے ہاتھوں سے سلوک کرنے میں ایک حد تک نرمی کرتی ہے۔ انگریزوں کی رہپاز بہت بڑی رہپاز ہے۔ اور یہ اسی جذبہ کی وجہ سے اپنی رہپاز بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ دوسری قومیں جو اپنی رہپاز بنانے میں کامیاب نہیں ہوئیں۔ وہ ایسے کئی نہیں ہوئیں کہ وہ سختی کرتی

ہیں۔ یہی کرتے ہیں۔ اس کے یہ سختی نہیں کہ انگریز بد حال ہی ہیں۔ انہوں نے محض اپنے سیاسی فائدہ کے لیے یہ جنگ اختیار کیا ہوا ہے۔ مگر بہر حال یہ رنگ ہمارے لیے مفید ہے۔ ورنہ فطرتاً ان سے بھی ہوتی ہیں اور ظلم برطانوی حکومت کے ذریعہ دار حاکم بھی کرتا کرتے ہیں۔ پیچھے میں نے بتایا تھا کہ

ہماری جماعت بعض حکام کے مظالم

کا حقہ پیش رہی

کو اس کے اصل محرک ہندوستانی افسر تھے۔ مگر بہر حال انگریزوں نے ان کے ساتھ قہو ان کیا۔ ان کی بیوقوفی کو ان مظالم میں ان کا تائیدی پہلو اختیار کیا۔ یہی نہیں کہ میں انہیں مذہبی آدمی سمجھتا ہوں یا کل دیانتدار اور برہمن کے ظلم سے براہین کرتا ہوں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ ان کی پالیسی

اور حکومتوں کی پالیسی سے

بد رہا بہتر سے

ان کی پالیسی یہ ہوتی ہے کہ لوگوں پر اتنی سختی نہیں کرنی چاہئے کہ وہ مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ نرمی کر رہے ہیں۔ انگریز پہلے حکمران تھیں۔ جنہوں نے دنیا پر حکومت کی ہو۔ بلکہ انگریزوں سے ایک ایسا عرصہ پہلے چین نے اپنی حکومت کی توسیع شروع کی۔ چنانچہ جاپان کے پاس تک کا علاقہ یعنی فلپائن چین کے ماتحت تھا۔ امریکا کا اکثر حصہ چین کے ماتحت تھا۔ افریقہ کا کافی حصہ چین کے ماتحت تھا۔ اور یورپ کی تمام طاقتیں اس سے اسی طرح ڈرتی تھیں۔ جس طرح آج حکومت انگریزی سے اور حکومتیں ڈرتی ہیں ان کے بعد یورپ جو گیزاٹھے۔ اور انہوں نے ہندوستان اور دوسرے ممالک میں ترقی کی۔ پھر بالٹک والے نکلے۔ اور انہوں نے ترقی کی۔ پھر انگلستان اور فرانس والے نکلے اور انہوں نے دنیا میں ترقی کی۔ مگر باقی جس قدر قومیں ہیں وہ آئیں اور موت سمجھیں۔ کیونکہ ان میں رہپاز بنانے کی قابلیت موجود نہ تھی۔ دوسرے یہ چاہتے تھے کہ انہیں دوسروں پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگوں کو فائدہ دہی کا پتہ لگے۔ گویا ان کی مثال بالکل اس صورت کی تھی جی جس کے متعلق کہنا میں نے لکھا ہے کہ اس کے پاس ایک مرنی تھی۔ جو روزانہ ایک سوئے کا اظہار دیتی۔ اس نے خیال کیا کہ بجائے اس کے کہ روزانہ ایک ایک اظہار حاصل ہو۔ کیوں نہ میں مرنی کو ذبح کر کے

تمام اٹھ اے اس کے اندر سے نکال لوں۔ چنانچہ اس نے سونے کے اٹھ سے نکالنے کے لیے اسے ذرا کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرخی بھی مر گئی اور اسے اٹھ سے بھی نکل سکے۔ وہ بھی صحت پٹ بدلے اٹھ سے نکالنے کی کوشش کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرخی مر جاتی اور ان کی حرص بھی پوری نہ ہوتی۔ مگر اگرچہ ذہین تھے۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں کو اتنا نہیں پڑتا چاہئے۔ کسان میں

خون کا ایک قطرہ

بھی باقی نہ رہے۔ بلکہ انہیں بھی نکالنا چاہئے۔ اور خود بھی فائدہ اٹھانا چاہئے۔ جیسے ہمیشہ کا ہوشیار مالک ہمیشہ کو عمدہ چارہ کھاتا اچھا پانی پیتا اور اس کی خوب خبر گیری کرتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں اسے کھلاؤں گا اور یہ مجھے خود بھی دے گی۔ پس ہوشیار مالک اسے درود کھاتا پلاتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں نے اسے کچھ نہ کھلایا تو یہ دودھ بھی مجھ سے نہیں دے گی۔ اسی طرح اگر تم چاہو۔ تو بے شک یہ کہو۔ کہ اگرچہ یہ ہندوستان کو خود غرضی کے طور پر بعض فوائد پہنچاتے ہیں۔ مگر میں یہ کہوں گا کہ یہ دینی حق خود غرضی ہے۔ جیسے ہمارا مالک ہمیشہ کو

محض اپنے فائدہ کے لیے

کھاتا پلاتا ہے۔ بے شک اس میں مالک کی بھی خود غرضی ہوتی ہے مگر بہر حال وہ اس مالک سے بہتر ہوتا ہے۔ جو ہمیشہ کو بھوکا رکھ رکھ کر بارڈاؤں ہے۔ وہ بے شک اسے کھاتا ہے اپنے دودھ کے لیے۔ وہ بے شک اسے پلاتا ہے اپنے بچے کے لیے۔ مگر بہر حال ہمیشہ کو فائدہ پہنچاتا ہے کہیں اسے نہ لہلہایا دھلایا جاتا ہے۔ کہیں اس کی مالش کر لی جاتی ہے۔ کہیں اسے عمدہ سے عمدہ چارہ کھلایا جاتا ہے۔ وقت پر پانی پلایا جاتا ہے۔ اور جانور اپنے مالک سے اس سے زیادہ کی امید بھی نہیں رکھتا۔ وہ جانور کی امیدیں پوری کر دیتا ہے اور جانور اسے دودھ بھی دے دیتا ہے۔ پس

انگریزوں کی مثال

اس اچھے دیکھنے والی کی سی ہے۔ جو اپنی ہمیشہ گھولے یا گائے وغیرہ کی خدمت بھی کرتا ہے۔ اور اس سے کام بھی لیتا ہے مگر دوسری حکمتوں کی مثال ایک بوڑھی کی سی ہے۔ جو چھری بھیرتا اور گائے یا بھینس کو ذبح کر دیتا ہے۔ وہ گوشت خود کھا لیتا ہے۔ اور ہڈیاں وغیرہ اٹھا کر باہر پھینک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ

کون اس کی گھرائی کرے۔ کون اسے کھلائے پلاسے۔ کون اس کی مالش کا بندہ بست کرے۔ کون اسے نہلائے دھلائے۔ پس وہ چھری اٹھاتا اور اسے ذبح کر کے کھدیتا ہے۔ غرض

انگریز کی قوم باطل شریف

واج ہوئی ہے

اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص جو انصاف پسند ہو۔ اور بعض لوگ کیس کا شکار نہ ہو۔ وہ اگر جمید کی اور حیات کے ساتھ غور کرے تو اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ انگریز دوسروں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ ایسی صورت میں اس بات پر غرض ہونا اور یہ امیدیں لگانے بیضنا کسب انگریزوں کو ان کے کئے کی سزا ملے گی ہے۔ میرے نزدیک نہایت بے ہوشی کی بات ہے۔ اگر یہ معمولی جگہ ہوئی اور اس میں انگریزوں کو خفیہ سی دیک بچکنے کا اندیشہ ہوتا۔ جیسے

لیجے سینیاء کے معاملہ میں

انگریزوں کو رک رک ہوئی۔ یا زکو سلو دیکھا کے معاملہ میں انہیں دیک بچنے اور انگریز کی حکومت میں منتشر پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہوتا۔ جیسے لیجے سینیاء یا زکو سلو دیکھا کے معاملہ میں جب انگریزوں کو رک رک ہوئی تو ہندوستان۔ انگلستان۔ افریقہ۔ آسٹریا اور کینیڈا وغیرہ کا انتظام اسی طرح بحال رہا۔ اور اسے کوئی ضعف نہ پہنچا۔ صرف لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ انگریزوں کی کچھ بھی ہوئی ہے۔ تو ایک حد تک کہا جا سکتا تھا کہ انگریزوں کو یہ سزا ملی ہے لیکن اگر لوگ بھی خطرہ میں ہوں اور تمام برطانوی ایجنٹ بھی خطرہ میں گھری ہوئی ہو۔ جیسا کہ اس جگہ میں اس وقت تک کے آثار سے معلوم ہوتا ہے۔ تو اس وقت میرے نزدیک اس قسم کی ہتھانسیا توں کی بجائے ہر شخص کو چاہئے کہ محض سے کام لے اور بے غلی یا غصہ سے

پراسے شکون میں اپنانا کہ

کتوانے کا مصداق

دنن جائے۔ میرے نزدیک آج ہمیں اپنے تمام اختلافات کو بھول جانا چاہئے اور انگریزوں سے پورا پورا اتقون کرنا چاہئے۔ تاکہ جگہ کی بلاں جائے اور ہندوستان کے لوگ بھی اور برطانوی ایجنٹ بھی اس عظیم الشان مصیبت سے بچ جائے جو کچھ ہمیں انہوں سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ بھی جگہ جگہ کہ انگریزوں کا دور نہایت مفید باہر کرتا اور اچھا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے جو کچھ تحریر فرمایا۔ اس سے بھی کچھ توجہ رکھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء سے انکی دعائیں بھی نہیں کرواتا جو اس کے دین اور سلسلہ کے لیے مضر ہوں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ انبیاء عظیم اسلام کی انکی دعائیں ہمیشہ خدا تعالیٰ کے تصرف کے ماتحت ہوتی ہیں۔ عام آدمی تاملی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جیسے ہم دعا کیا کرتے ہیں اسی طرح نبی نے بھی دعا مانگی ہوگی۔ حالانکہ عام آدمیوں کی دعا اور نبیوں کی دعا میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

نبیوں کی اکثر اہم دعائیں

ایسی ہی ہوتی ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے کر لی جاتی ہیں۔ بلکہ محض وہی دعا انکی دعائیں بھی خدا تعالیٰ کر دیتا ہے۔ جن کو بعد میں اسی نے رد کر دیا ہوتا ہے۔ اور اس میں بھی کئی حکمتیں ہوتی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی درجہ سے اپنے بندوں کو ہمیشہ نئے علوم عطا فرماتا ہے۔

حدیثوں میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں سے کہتا ہے کہ تم مجھ سے مانگوں میں میں دوں گا۔ پس خالی

دعا کا سوال

نہیں۔ بلکہ اس دعا کا سوال ہے جس کے مصلحت اللہ تعالیٰ خود کہتا ہے کہ مجھ سے مانگو۔ میں تمہیں دوں گا۔ رسول کریم ﷺ بھی شفاعت کے مصلحت ذکر کرتے ہوئے حدیثوں میں بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے کہے گا کہ تو مالک میں تجھے دوں گا۔ اس پر میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ تو انبیاء کی اور انبیاء کے رنگ میں زمین لوگوں کی دعائیں خاص حکمتوں کے ماتحت ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ بجا اور موزوں ہے۔ کہ وہ دعائیں

اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر

کے ماتحت ہوتی ہیں۔ اور خدا و خدوان کی زبان سے اس قسم کی دعائیں نکلتا ہے۔ تاکہ ان کو قبول کرے تاوان انسان اپنی دعاؤں پر قیاس کر کے کہتا ہے کہ میں نے بھی خدا سے دعا مانگی تھی۔ مگر وہ خدا نے قبول نہ کی۔ شاید اسی قسم کی کوئی دعا اللہ تعالیٰ کے نبی نے بھی مانگی ہے۔ جس کی قبولیت ضروری نہیں۔ اور وہ یہ نہیں جانتا کہ انبیاء میں اور عام لوگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ پس

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا

حکومت برطانیہ کی کامیابی کے لیے
دعا مانگنا

یہی اس بات کی علامت ہے۔ موجودہ جنگ کے متعلق اس وقت تک جو خبریں آرہی ہیں۔ ان کو نہ کبھی ناواقف لوگ سمجھیں کہ کوئی زیادہ اہم بات نہیں۔ حالانکہ ہوشیار آدمی الفاظ کے پیچھے سے غور و خوض متبعہ نکال لیتا ہے۔ اس وقت چڑائی ہو رہی ہے۔ اس کے پیچھے کئی شکوک ہیں۔ جن میں سے یہ کہ وہ کسی طرف جا نہیں گی۔ مگر ابھی وہ اس امر کا اظہار نہیں کر سکی۔ وہ کوشش کر رہی ہیں۔ ابھی ان کے ارادے ظاہر نہ ہوں لیکن جس وقت ان کے دلی خیالات کو چمپائے کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں گی۔ اس وقت وہ ظاہر ہو جائیں گی اور اس سے بھی زیادہ خطرناک حالات پیدا ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس وقت پہلا ہی کار جو قس اس وقت جنگ سے ملے گا وہی ہے اور اپنے آپ کو غیر جانبدار کہہ رہی ہیں۔ وہ بھی آہستہ آہستہ اس لیبٹ میں آجائیں گی۔ جیسے گولہ جب اٹکتا ہے تو وہ اور گرد دے دوڑے پھر لڑنے لگتی ہے۔ اس طرح جب یہ جنگ فیصلہ ناک صورت میں شروع ہوگی۔ تو گولے کی طرح اس میں چتریں پڑنی شروع ہو جائیں گی اور کوئی جواب نہیں کہ

ہندوستان کے ملک میں بھی اس
لڑائی کا اثر

آجائے۔ اللہ تعالیٰ ہی یہ بھی ایک سنت ہے۔ کہ وہ بعض دفعہ ایک روپ دکھاتا ہے اور اسے ہلاک دیتا ہے۔ مگر سالہا سال کے بعد جب ان کا ٹیڈر شروع ہوتا ہے تو وہ انہیں یاد دل دیتا ہے۔ اور اس طرح انسان یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ اس طرح سالہا سال پہلے خدا تعالیٰ ان واقعات کی خبر دے چکا تھا۔

میں نے بھی بعض فراموشیوں سے ۱۵۱۰ یا ۱۶۰۰ میں دیکھی۔ جن میں سے بعض مجھے بھول گئے۔ اور بعض کے متعلق میں سمجھتا تھا کہ ان کی کوئی ہلہ کیسہ نہ ہو۔ مگر پچھلے سال سے دنیا میں جو واقعات رونما ہو رہے ہیں ان سے مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ ان میں سے بعض دنیا ظاہر پہنچی نہیں۔ اور میں صرف ان کو اس لیے باریک اشارہ سمجھتا تھا کہ اس وقت تک حالات ظاہر نہ ہوئے تھے۔ اسی زمانہ کی روپا میں سے آج مجھے ایک روپا دکائی ہے جس سے

۱۶۰۰ میں میں نے دیکھی اور مجھے حیرت آتی ہے کہ وہ روپا کتنی واضح ہے۔ جس کے پتہ ابھرنے کے سبب سامان ہونے دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ خواب ہے تو سخت خطرناک اور اس سے ظاہر بھی ہوتا ہے کہ

دنیا میں بہت بڑی تباہی آنیوالی ہے مگر اسیر کی جھلک بھی دکھائی گئی ہے۔ نہیں چونکہ اس کا منظر ظاہر موجودہ جنگ کے ساتھ ہے اس لئے میں اسے جان کر دیتا ہوں۔

میں نے دیکھا ایک بہت بڑا میدان ہے۔ جس میں میں کھڑا ہوں۔ اسے میں میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عظیم الشان بلا جو ایک بہت بڑے اڑدھا کی شکل میں دور سے چلی آ رہی ہے۔ وہ اڑدھا کی شکل میں دور سے چلی آ رہی ہے۔ وہ اڑدھا اس میں گڑھا ہے اور ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا درخت ہو۔ وہ اڑدھا بڑا چٹا آتا ہے۔ اور ایسا سلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ دنیا کے ایک کھلے سے چلا ہے۔ اور

دور میں میں جس قدر چڑیوں میں۔ ان سب کو کھانا چلا آ رہا ہے۔ یہاں تک کہ بڑے سے بڑے وہ اڑدھا اس جگہ پر پہنچ گیا۔ جہاں ہم ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ بانی لوگوں کو کھا کے کھاتے وہ ایک اموی کے پیچھے بھی دوڑا۔ اس اموی کا نام مجھے معلوم ہے۔ مگر میں بتاتا نہیں۔ وہ اموی آگے آگے ہے اور اڑدھا پیچھے پیچھے۔ میں نے جب دیکھا کہ اڑدھا ایک اموی کو کھانے کے لیے دوڑ پڑا ہے۔ تو میں بھی ہاتھ میں سونکا لے کر اس کے پیچھے بھاگا۔ لیکن غراب میں میں محسوس کرتا ہوں کہ میں اتنی تیزی سے دوڑ نہیں سکتا جتنی تیزی سے سانپ دوڑتا ہے۔ کہ میں اگر ایک قدم چلا ہوں تو سانپ دس قدم کے فاصلے پر پہنچ جاتا ہے۔ لیکن بہر حال میں دوڑتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا وہ اموی ایک درخت کے قریب پہنچا اور تیزی سے اس درخت پر چڑھ گیا۔ اس نے خیال کیا کہ اگر میں درخت پر چڑھ گیا تو میں اس اڑدھا کے حملے سے بچ جاؤں گا۔ مگر ابھی وہ اس درخت کے نصف میں ہی تھا کہ اڑدھا اس کے پاس پہنچ گیا۔ اور اسے اٹھا کر اسے لگی کیا اس کے بعد وہ پھر واپس لوٹا اور اسی قسم میں کہ میں اس اموی کو پھانسنے کے لیے کیوں اس کے پیچھے دوڑا تھا اس نے مجھ پر حملہ کیا۔ مگر جب وہ مجھ پر حملہ کرتا ہے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ

میرے قریب ہی ایک چادر پائی پڑی ہوئی ہے۔ مگر وہ نئی ہوئی نہیں۔ صرف بائیاں

دیکھ رہے ہیں۔ وہ میدان میں سوت سے اسے بنا نہیں گیا۔ یہی جس وقت اڑدھا میرے پاس پہنچا میں کو کہ اس چادر پائی پر کھڑا ہو گیا اور میں نے ایک ایک سرے پر اور دوسرا سرے پر اور کھایا۔ جب اڑدھا چادر پائی کے قریب پہنچا تو لوگ مجھے کہنے لگے کہ آپ اس اڑدھا کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ رسول کریمؐ فرماتے ہیں کہ

لا یدان لا سعد بقنا لھما

اس وقت مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ سانپ کا حملہ دراصل باجوں اور باجوں کا حملہ ہے اور یہ حدیث ان کے بارے میں ہے اور میں اس وقت یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ یہ دجال بھی ہے۔ یہی وہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ آپ اس کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ جبکہ رسول کریمؐ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے میں وہ اڑدھا میری چادر پائی کے قریب پہنچ گیا اور

میں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے

اور اللہ تعالیٰ نے دعا بھی شروع کر دی۔ اسی دوران میں میں ان امویوں سے جنہوں نے مجھے مقابلہ کرنے سے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ جب رسول کریمؐ فرماتے ہیں کہ باجوں اور باجوں کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی تو آپ ان کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ کہتا ہوں کہ رسول کریمؐ نے جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ بلا ان کا بعد بتا لھما

کہ کسی کے پاس کوئی ایسا ہاتھ نہیں ہوگا جس سے وہ ان دونوں کا مقابلہ کر سکے۔ مگر میں نے تو اپنے دونوں ہاتھ خدا کی طرف نہیں اٹھائے۔ بلکہ میں اپنے ہاتھ خدا کی طرف اٹھا رہا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھا کر پانے کے امکان کو رسول کریمؐ نے رد نہیں فرمایا۔ فرض میں نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور میں نے دیکھا کہ دعا کرنے کے نتیجہ میں اس اڑدھا کے جوش میں کمی آئی شروع ہوئی۔ اور آہستہ آہستہ اس کی تیزی کم ہوئی۔ چنانچہ وہ پہلے تو میری چادر پائی کے نیچے ٹکھا۔ پھر اس کے جوش میں کمی آئی شروع ہوئی۔ آخر وہ خاموشی سے لیٹ گیا اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی چیز میں گیا ہے جسے چلی ہوئی ہے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ

اڑدھا پائی ہو کر بہ گیا اور میں نے اپنے سامیوں سے کہا کہ دیکھا دعا

کا کیا اثر ہو۔ رسول کریم ﷺ نے بے شک یہ فرمایا تھا کہ لامتحان لاحد بعدنا لہما مجھے اس وقت نہیں یاد کرو دیت میں ہم سے یا اس سے کہن رویا میں میں نے ساری کہا ہے اس لیے رویا کے لطائف ہی لکھے گئے ہیں اگر آپ کا منہم یہ تھا کہ کوئی بیوی طاقتور میں سے ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اور اگر کوئی چاہے گا کہ اپنے ہاتھوں سے ان کو مٹا دے تو یہ ممکن ہوگا آپ نے اس میں بھی نہیں فرمایا کہ دعا سے بھی یہ فتنہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ دیکھو جب میں نے اپنے ہاتھ اس کے مقابلہ کی غرض سے اس کی طرف بڑھانے کے بجائے خدا تعالیٰ کی طرف بڑھا دئے تو یہ پانی ہو کر بہ گیا۔

ممکن ہے یہ جنگ ہندوستان کے

اندھ بھی آجائے

خوابیں چونکہ بغیر طلب ہوتی ہیں۔ اس لیے جتنی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی بھی تعبیر ہے۔ لیکن کہیں نہ۔ اس کی بھی تعبیر ہو اور اگر ایسا ہی ہوتا تو یہ سہ کوئی پیر نہیں کہ جنگ کے شعلے ہندوستان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیں۔ ہماری جگہ تک اس اڑھانے کے پہنچنے کے بھی سہی ہیں کہ وہ جنگ ہندوستان میں آجائے یا اس کے اثرات ہندوستان کے لوگوں تک بھی پہنچیں گویا دونوں طرح ہندوستان اس میں شریک ہو سکتا ہے۔ اس رنگ میں بھی کہ یہ جنگ ہندوستان میں آجائے اور اس رنگ میں بھی کہ اس جنگ کے اثرات اسے پہنچے ہو جائیں کہ ہندوستان کے بھی لاکھوں لوگ اسی جنگ کی وجہ سے فتنہ خوردہ

ہو جائیں۔ اور وہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ ہیں۔

پھر گزشتہ سال کی مجلس شوریٰ کے موقعہ پر میں نے اپنا ایک رویا بیان کیا تھا کہ ہم ایک دشمنی میں بیٹھے ہیں۔ جو مسئلہ میں ہے اور مسئلہ بہت وسیع ہے ایک طرف یہ طاقتور طاقت ہے اور مسئلہ کے دوسری جہت میں ایک دشمن کا غلبہ ہے۔ اسے میں کلام افاضہ اور کلام باری ذی اواز نے کی اور اتنی کثرت سے یہ شہادت سے کہ وہ باری ہوئی کہ میں معلوم ہوتا تھا کہ کیا ایک۔ کہ اور دوسرے کو ملے کے پہلے میں کوئی فتنہ نہیں۔ اسی اثنا میں میں نے غصوں کیا کہ ہم۔ لی کے نیچے ہر دور کیا

طوفان بروج کی طرح دنیا پانی میں

غرق ہو گئی ہے

لیکن آخر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم بچ گئے ہیں۔ یہ خواب تفصیل کے ساتھ کھل شوریٰ کی رپورٹ میں چھپ چکی ہے۔

غلام کلام یہ کہ کوئی معمولی نہیں اور اس کے اثرات بہت وسیع پیدا ہوں گے۔ یہی جماعت احمدیہ کو ان حالات میں یہ دیکھنا چاہیے کہ اسلام اور احمدیت اور ہندوستان کا کس امر میں قلعہ ہے۔ اور دوسرے ہندوستانوں کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ہندوستان اور ہندوستان والوں کا کس امر میں قلعہ ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ایک ہندوستانی ہونے کی حیثیت میں بھی

یقیناً انگریزوں کی فتح مفید ہے

اور اگر ہم اسلام اور احمدیت کے لئے نکلنا ہے دیکھیں اور ہم غور کریں کہ کس کے ہتھے میں احمدیت کا قلعہ ہے۔ تو اس صورت میں بھی یقیناً یہی نظر آنے کا کہ انگریزوں کی فتح اسلام پر احمدیت کے لیے مفید ہے مگر جو انوں کی ذہنیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ تھوڑے ہی دن ہوئے میں میرے لیے باہر نکلا۔ تو ایک جوان میرے پاس دوڑتا ہوا آیا اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔ اور اس نے آتے ہی مجھے کہا حضور پوچھیں میں روں داخل ہو گیا ہے۔ میں اس وقت مسکرا کر کہہ کر مجھے تو میرا معلوم ہوتا ہے کہ روں کے ساتھ آپ کی بھی جی ہے (پتی خطاب میں صبر کرتے ہیں) پھر تھوڑے سے وقت کے بعد میں نے انہیں سمجھا اور کہا کہ میرے لیے یہ کیسے خوب کی بات ہوئی کہ اگر ہمارا کوئی شہید دشمن منارہ راج کے نیچے کھڑا ہو۔ اور ایک احمدی یہ کہے کہ کیا ہی اچھا ہو۔ اگر یہ منارہ گر جائے۔ اور یہ دشمن اس کے نیچے دب کر مر سکے۔ میں نے کہہ کیا ایسے احمدی کی خواہش کو مستحق نہیں سمجھتا اگر نہیں تو پھر غور کریں۔ اس وقت ایک طرف اسلام اور احمدیت کی اشاعت کا سوال ہے۔ ایک طرف اسلام اور احمدیت کی تبلیغ کا مسئلہ ہے۔ اور دوسری طرف یہ بات ہے کہ حکومت کے بعض حکام نے بھی دکھایا ہے۔ اور ہم چاہے ہیں کہ انہیں سزا ملے اب کیا ہیں۔ دونوں باتوں کا مولانا کرتے ہوئے کوئی غصہ بھی یہ کہنے کے لیے تیار ہے کہ اسلام کی تبلیغ بے شک نہ جائے۔ احمدیت کی اشاعت بے شک نہ ہو جائے۔ وہ دن کو

کھیلانے کی دلد میں جو آسائیں ہیں۔ وہ ہے

شک جاتی رہیں۔ مگر کسی طرح میرے دل کا کینہ پورا ہو جائے۔ شک جیسا کہ میں نے گزشتہ خط میں بیان کیا تھا کہ کوہاٹی میں نے نہیں کیا مگر خلیفہ کی اصلاح کرتے وقت میں نے یہ غلط کیا تھا کہ مقامی حکومت کے ساتھ ہر مجلس احمدی کی اس وقت تک جنگ جاری رہے گی۔ جب تک ان حکام کو جو ان شرابوں کے بانی تھے۔ سزا نہ ملے گی۔ اور کوہاٹی ان کو ہمارے

ذمہ بھی مرکز کی حیثیت

ہے حکومت حلیم نہ کرے گی۔ اور موجودہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد ممکن ہے ہم اپنے اس حق کا پھر حکومت سے مطالبہ کرنا شروع کر دیں۔ لیکن مقامی حکومت کے بعض افسروں سے ہماری وہ جنگ ایسی ہی تھی جیسے گھر میں دو آدمی آپس میں لڑ رہیں۔ ہماری بجائی بھی بعض دفعہ آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔ مگر جب کسی غیر آجائے تو پھر آپس اپنی لڑائی بھول جاتی ہے۔ اور وہ احمد ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اس وقت بھی حکومت انگریزی کی کو ایک بہت بڑی کمزوری تھی۔ اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس معاملہ میں حکومت کی مدد کریں۔ کیونکہ اس حکومت کے ساتھ اسلام اور احمدیت کی تبلیغ وابستہ ہے اور اگر یہ حکومت چلتی رہی تو یہ تمام فوائد بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ ہمارا یہ

پچاس سالہ تجربہ

ہے کہ دنیا کی حکومتوں میں سے سب سے بہتر حکومت برطانیہ ہے۔ دوسرے بہرے برطانیہ کی حکومت ہے۔ کیونکہ ہم نے چلا اور سہارا میں تبلیغ کی۔ اور ہم نے دیکھا کہ وہ لوگ ہماری راہ میں روک نہیں دیتے۔ بلکہ انہوں نے ہمارے سفیروں کے ساتھ انصاف کی حد تک تعاون کیا اور ان دہلیوں سے اکثر بعض اور حکومتیں بھی ہیں جن میں پناہ بخند شیخیں امریکہ بھی شامل ہے۔ حکومت امریکہ بعض دفعہ ہمارے سفیروں کو اپنے ملک میں داخل ہونے سے روکتی بھی رہی ہے۔ چنانچہ تحریک جدید کے ماتحت ہمارا ایک مبلغ یہاں سے امریکہ گیا۔ تو انہوں نے اسے اپنے ملک سے نکال دیا۔ مگر اس لیے کہ وہ ایک ایسے ذہب سے تعلق رکھتا ہے جس میں ایک وقت میں دو گروہوں سے شادیاں کرنا جائز ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس سے سوال کیا کہ تم یہاں دوسری شادی کی کسی کو اجازت دو گے یا نہیں۔

اس نے کہا انہیں کیونکہ ہماری تعلیم یہ ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہیں۔ اس کے احکام کی اطاعت کریں۔ جب یہاں کی حکومت دو شادیاں ناجائز سمجھتی تو جس بھی کسی کو دوسری شادی کی اجازت نہیں دے گا۔ انہوں نے کہا اچھا یہ بتاؤ تم اسے جائز سمجھتے ہو یا نہیں۔ وہ کہنے لگا ہماری تعلیم یہ ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہو۔ اس کی پوری پوری اطاعت کرو۔ اس تعلیم کے ماتحت میں اس جگہ اسے جائز نہیں سمجھوں گا۔ وہ کہنے لگے یہاں کا سوال جانتے دو۔ تم باہر کے کسی ملک میں دو شادیاں جائز سمجھتے ہو یا نہیں۔ وہ کہنے لگا یہ تو میرے مذہب کی تعلیم ہے۔ میں اسے ناجائز کفر کس طرح سمجھ سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ کفر تم یہاں نہیں آسکتے۔ حالانکہ انہیں صرف اپنے ملک سے غرض تھی۔ نہ کہ دوسرے ملکوں سے سیاست کا تعلق صرف اسی قدر تھکے ہے کہ اس پر نیک والے کہیں کہ جو ہمارے ملک میں آتا ہے۔ وہ نہ خود دوسری شادی کرنے اور نہ دوسروں کو دو شادیاں کرنے کی تلقین کرے مگر یہ انہیں کہاں سے اختیار حاصل ہو گیا۔ کہ وہ یہ مطالبہ کریں کہ دوسرے ملکوں میں دوسری کفر کی تم اسی قانون کے پابند ہو جیسا کہ میں چاہتی ہوں۔ حتیٰ کہ انہوں نے اس کے سامنے قرآن کھول کر دکھا دیا اور فری دھت والی آیت پڑھا تو وہ کہہ کر اس سے پوچھا کہ تم اس آیت کو مانتے ہو یا نہیں۔ انہوں نے کہا میں اسے مانتا ہوں وہ کہنے لگا کفر تمہیں اس ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملے گی۔ اس کی جگہ کیا ہے۔ جو آزادی مذہب میں انگریزوں نے بھی لیا۔

درو اور اسی چند بات دیکھنے کا مدنی

ہے۔ اس کے بعد وہ ٹھک دو یہ دہی کرتے رہیں۔ کہ ہم انہیں بھی لکھیں گے کہ تم بے ٹھک آزادی مذہب کے اصول کے قائل ہو۔ مگر انگریزوں سے تم اور ہم بیٹے اس وقت تک رکھیں پھر چلیں جب تک تم ان کو خدا کو نہ بدل دو۔ جو اس قدر رک دیکھو کہ اور بھی نفرت پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم یہاں پختہ شیش امریکہ والوں کے نمونہ احسان بھی ہیں کہ انہوں نے ہمارے بعض پرانے جہلوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دی ہوئی ہے۔ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سر زمین امریکہ میں نہایت خوشحالے امر ہو جو رہتے ہیں۔ وہ چہرے بھی دیتے ہیں وہ تبلیغ بھی کرتے ہیں۔ اور سلسلہ کے کاموں میں بڑے اخلاص سے حصہ لیتے ہیں۔ غرض وہاں اسلام

کی نہایت خدمت کرنے والی
مخلص اور جوشیلی جماعت

ہے۔ جس کو پچھتائیں امریکہ کا دوسرے
 بہت سے ممالک سے اچھا نمونہ ہے۔ مگر
 بھی جب تک وہ اس قسم کی تحفہ دہی کو دور نہیں
 کہے۔ مگر ہم اس بات پر مجبور ہیں۔ کہ انہیں
 مگر یہ دونوں سے کم روادار قرار دیں۔ دوسرے
 نمبر پر

ہالینڈ کی حکومت

ہے۔ پٹارہ اور چاوا میں بیٹوں جیکہ احمدی
جہا میں قائم ہیں۔ اور حکومت کے اہل ان
کے ساتھ تعاون کرتے ہیں بلکہ ان کے
توصلہ سے لے کے قادیانی بھی آئے
ہے اور انہوں نے مجھے کہا تھا کہ چونکہ آپ کی
جماعت کے کئی لوگ ہمارے ملک میں آباد
ہیں۔ اس لیے ہم نے چاہا کہ جماعت کے
مرکز کو بھی دیکھا جائے۔ ان میں سے ایک کچھ
خصوصیت سے حکومت ہالینڈ نے یہاں بھیجا
تھا کہ وہ مرکز کے متعلق ہر اور اس وقت
حاصل کرے۔ غرض یہ دو کمیشن تو صاف طور
پر نظر آتی ہیں۔ ہاتی کھجوں کا یہ حال ہے کہ
الٹا کہ ملک میں ہمارا مسئلہ چارہ بیٹے رہتا ہے۔
تو وہ اسے پکڑ کر باہر نکال دیتی ہیں۔ مگر وہ اگلی
حکومت کے علاقہ میں جاتا ہے اور وہاں سے
دو چار لاکھ کے بعد اسے نکلے پر مجبور ہونا پڑتا
ہے۔ پھر وہ اگلی حکومت کے علاقہ میں جاتا
ہے۔ اور وہاں سے دو چار لاکھ کے بعد اسے
نکلے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ پھر وہ اگلی حکومت
میں جاتا ہے اور وہاں میں بھی کہا جاتا ہے۔
کہ زانیہ میں تو میں کی حکومت ہو جو احمدی
مسلمان کو کھان پکڑ کر اپنے ملک سے باہر

دروازہ بند ہو جائے۔ نوکرت چاہے ہو کہ اس علم کی انہیں سزا ملے۔ میں عیساکہ تاجک ہوں جب اس کا وقت ہوگا اور ایسے مقابلہ کی ضرورت پیش آئے گی۔ میں یہی دعا جماعت سے مطالبہ کروں گا کہ جو مظالم اس پر ہوتے رہے ہیں ان کو یاد کرتے ہوئے وہ منہ حکام کو سزا دلوائے۔ جو ان شرار ارجس کے بانی تھے۔ مگر جب پھر کوئی خطرے کا وقت آتا تو میں کہوں گا کہ

حکومت کی مدد کرو

کیونکہ تبلیغ ذاتی جذبات مادی نقصانات اور
زبانی ہنگ سے بہت زیادہ قیمتی ہے ایک شخص
ہم سے آپ کہہ کر گھٹو کرے مگر ہمیں تبلیغ

کرنے کی اجازت نہ دے۔ اور دوسرا ہمیں بارے پئے۔ اور گالی گوجھ دے۔ مکرخیج کی اجازت دے۔ تو میں تو یہی کہوں گا کہ جو شخص ہمیں ملتا ہے وہ زیادہ اچھا ہے۔ یہ نسبت اس کے جو ہمیں آپ آپ کہتا ہے مگر متعلق سے روکتا ہے۔ میرے بھی جذبات اس بارے میں جو کچھ ہیں ان کا اظہار میں نے ایک شعر میں کیا ہوا ہے۔ جب پڑا پختہ شمس امریکہ میں داخل ہونے سے محض سہا صدق صاحب کو روکا گیا۔ تو اس وقت میں نے ایک شعر نظم کیا۔ جس کا ایک شعر یہ ہے کہ۔

اسی زندگی سے موت ہی بہتر ہے اے خدا جس میں کہ تیرا نام چھپانا پڑے نہیں جسکی یہ مظالم تو حقیر چیز ہیں میرا تو یہ عقیدہ ہے۔ کہ اس زندگی سے موت بہتر ہے۔ جس میں انسان کو اللہ تعالیٰ کا نام چھپانا پڑے اور میں تو چاہتا ہوں کہ اگر کوئی ایسا نظام فاسق ہوئے والا ہو۔ جس میں خلیفہ کے راست میں جتنی طور پر روکیں واقع ہو جاتی ہوں۔ تو اس دن کے آنے سے پہلے پہلے ہر آدمی مر جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے کہہ سکے کہ اے میرے خدا جب تک میں زندہ رہا

میں نے تیرے نام کو نہیں چھپایا
میری موت کے بعد اگر کوئی ایسی روکیں
تیرے نام کی بلندی میں حائل ہو گئی ہیں۔ تو
مجھے ان کا علم نہیں۔

ہم یہ دن ایسے نہیں ہیں کہ ہم دوسری قسم کے جذبات کی وجہ میں اپنے آپ کو بہائے چلے جائیں۔ میرے نزدیک ہر وہ احمق جو آج حکومت برطانیہ کے ساتھ تعاون کرنے میں غلط محسوس کرتا ہے۔ یا تو اس کی عقل میں نور ہے یا اس کے دین میں نور ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تم ان مطالبہ

کو بھول جاؤ

وہ جن کی موجودگی ہے۔ اور جب جنگ ختم ہوگی۔ تو پھر ان کے خلع و سوار اٹھایا جائے گا لیکن جب اس سے بہت زیادہ اہم معاملہ ہو ایک صورت تاکہ غزوہ ہمارے سامنے موجود ہے تو ہمیں یقیناً اپنے تمام سابقہ اختلافات کو بحال کرنا چاہیے اور پھر سے نزدیک اگر کوئی احمی ان باتوں کو دیکھنے کے باوجود پھر بھی اپنے دل میں قبضہ محسوس کرتا اور حکومت برطانیہ کی مدد سے گریز کرتا ہے۔ تو اس کے متعلق میں بھی سمجھوں گا۔ کہ تو اس کی شکل میں فوراً اور اس کے دیر میں فوراً ہے۔ دونوں میں سے

ایک بات ضرور ہے جس نے پہلے بھی کی دفعہ آنے والے اوقات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے متحدہ و پار متحدہ و پار متحدہ کے ذریعہ ان حالات کی خبر دی ہوئی ہے۔ اور حضرت سید محمد طہیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات سے بھی تمام باتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ تم اس بات کو معمولی نہ سمجھو۔ بلکہ یقیناً یاد رکھو کہ جیسا کہ حضرت سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بار بار بتایا۔ دنیا میں ایسی ایسی آفات آنے والی ہیں۔ کہہ

قیامت کا منظر

ہوں گی۔ اور یہ اوقات ان آفات کو دیکھ کر انسان میں خیال کرے گا کہ اب دنیا میں شاید کوئی انسان باقی نہیں رہے گا۔ ایسے نازک موقع پر اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا اور قربانیوں کو قائل تک پہنچانا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ جب ہماری جماعت اپنی قربانیوں کو کمال تک پہنچا دے گی اور اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح مبرا ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کی مدد بھی اس کے شامل حال ہوگی۔ میں نہیں

جماعت کو توجہ

دلاتا ہوں۔ کہ وہ اپنی ذاتی اصلاح کرے۔ جیسا کہ اس نے اپنی ظاہری اصلاح کی ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص کا دل میں اس قسم کے خیالات پیدا ہو جائیں تو ان کے نتیجہ میں ایمان بھی کمزور ہو جاتا ہے کم از کم اس معاملہ میں ہماری جماعت کی مثال میں جو سرانجام و جہدہ میں جو سرائے والی نہیں ہوئی چاہئے۔ کسی شخص کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ سید عبد اللہ صاحب جیلانی کی قبر کی طرف منہ کر کے نماز تک پڑھتا چاہتا تھا تو کسی نے اسے کہا کہ سید عبد اللہ صاحب جیلانی تو خلی نہیں تھے۔ وہ وہ خلی تھے۔ وہ نہیں کا حضرت ان کا گم ہو گیا اور میرا اللہ ہوا تو یہ مقام کوئی خوشن کام نہیں کہ تمہارا طریق اور ہو اور میرا طریق اور۔ باقی اللہ تعالیٰ سے دعا کی گئی کہ وہ اس عظیم الشان بلا سے ہماری جماعت کو محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ روایا میں لایا ہے لا مدینا لہما کا ذکر مجھ پر کھولا حقیقت یہی ہے کہ ہماری اندر یہ طاقت تو نہیں کہ ہم آئے سارے ہو کر ان کا مقابلہ کریں لیکن خدا کی طرف ہم اپنے ہاتھوں کو بلند کر

کئے ہیں

اور یقیناً اگر ہم اس سے دعا کریں کہ وہ ہماری نئے گاؤں ہماری تائید کے لیے غیر معمولی سامان پیدا کر دے گا جس سے جو آفتیں آنے والی ہیں ان پر اصل قلعہ دعا کے ذریعہ ہی ہوگا اور کیا تعجب ہے کہ اس جنگ میں ایک وقت ایسا آجائے جب کہ

اتحادی ہم سے دعا کی درخواست کریں اور جیسا کہ روایا بتاتی ہے۔ اگر وہ اظہار سے اس طرف توجہ کریں۔ تو خدا تعالیٰ میری دعا کی برکت سے یہ مصیبت ان سے دور کر دے گا۔ لیکن ابھی ان کے دماغ اس مقام پر نہیں آئے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھیں۔ بلکہ اس وقت اگر کسی انگریز کے سامنے میری اس تقریر کا یہ حصہ دیکھا جائے تو وہ کہے گا کہ یہ کوئی پاگل ہے۔ جو پاگل خاندان سے چھوٹ کر آیا ہے کیا ہماری حفاظت کے لیے ہمارے پاس تو پتھانے اور بھری بیڑے اور ہولی جہاز اور بیڑے بڑے اسلحہ موجود نہیں اور اگر ان ہتھیاروں کے باوجود ہمیں فتح حاصل نہ ہو۔ تو اس کی دعا سے کس طرح فتح حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر جب مصائب آتے ہیں تو اس وقت ذہن خود کو ان باتوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ میں کیا تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ

اسلام کی صداقت کا ایک زندہ نشان اس طرح دکھا دے کہ جب ان کی مصیبتیں بڑھ جائیں اور انہیں ان کا کوئی علاج نظر نہ آئے تو وہ جماعت احمدیہ اور اس کے نام سے کہیں کہ آپ ہماری اس مصیبت کے دور ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور جب ہم اس درخواست کے بعد دعا کریں گے۔ تو میں اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہوں کہ وہ ان وعدوں کے مطابق جو اس نے ذاتی طور پر مجھ سے کئے اور ان وعدوں کے مطابق جو اس نے میری پیشکش سے بھی پہلے میرے متعلق کئے۔ وہ میری دعا کو سن لے گا اور اسلام اور احمدیت کی صداقت کے لیے ایک زندہ نشان دکھا دے گا۔ انشاء اللہ بظہلہ ورحمہ

.....

قاروق کے اہل

قاروق کے لیے کم از کم ایک خیرہ اہل قاروق فرما کر قاروق کی ترقی و اشاعت میں مدد دی تاکہ قاروق موجودہ جنگ میں کافہ کی گرائی اور دیگر اشاعتات کی مشکلات کو آسانی سے برداشت کر سکے۔ خدا آپ کی نصرت کرے۔

احمدی (مخبر)

اور احمدی کے ساتھ یہ امانت اہل لیل کے پر رکھیں کر سکے۔

احمدیت کی محبت

اظہار احمدیت بہت بھروسے سے روٹی ہے مگر لوگ معمولی معمولی بات پر بھڑکتے ہیں۔ مہمیں پر بھڑک کر ایک دوسرے کے پیچھے ناز پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سارا نفس اس وجہ سے ہے۔ کہ احمدیت کی محبت دل میں نہیں۔ اگر احمدیت کی محبت ہوتی تو کچھ بھی ہو جاتا وہ اس کی پروا نہ کرتے۔ یہ لوگ ہتھکڑیوں میں جاتے ہیں۔ ہاتھوں میں جاتے ہیں۔ کہیں ان کو کچھ ایسی شے ہوتی ہے کہ ان کو کپڑوں کو دق کرتے ہیں۔ یہ ان ساری باتوں کو برداشت کرتے ہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارے عزیز کی جان یا ہماری عزت خطرے میں ہے مگر

اسلام کی جان اور اسلام کی عزت کی قدر ان کے دل میں ہوتی تو یہ آپس میں ذرا ذرا ایسی بات پر کیوں بھڑکتے۔ تو فرق یہی ہے کہ اپنے عزیز کی جان یا اپنی عزت کو زیادہ پیاری ہے۔ اس لیے کچھ یوں یا ہتھکڑیوں میں جکڑیوں یا ڈاکڑوں کی جھڑکیاں کھاتے ہیں اور ان کو برداشت کرتے ہیں ان سے گایاں بنتے ہیں اور ہتھ بٹے کچھ چلے جاتے ہیں کہ حضور ہمارے مائی باپ ہیں جو ہم ہیں کہیں۔ مگر

خدا کے سلسلہ اور خدا کے نظام میں معمولی بات سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔ وہاں ہتھکڑیوں میں دایاں اور ترسین ان کو کھینچتی ہیں۔ ڈاکڑ خمار سے کہتا ہے چلے جاؤ۔ تو یہ دو آواز کے پاس جا کر چھپ کر کھڑا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے اس کو مارا تو اس کی موت ہے

عزیز کی جان خطرہ میں

پڑ جائے گی۔ لیکن ان کو احمدیت عزیز نہیں ہوتی۔ اسلام عزیز نہیں ہوتا۔ اس لیے سلسلہ اور نظام کی خاطر اولیٰ سارے اللہ سننے کی تاب نہیں رکھتے دوسری چیز محبت ہے۔ اگر وہ اللہ میں احمدیت کی محبت ہوتی تو ضرور

لو جوائوں کے اندر محبت کی بھی عادت ہوتی مگر ان کے کاموں میں محبت اور باقاعدگی سے کام کرنے کی عادت بالکل نہیں۔ اور اگر کوئی کسی کو ایسی بات بھی کہہ دے تو وہ چڑھتا ہے

بحیثیت جماعت مشورہ چاہتا ہوں۔ انصار اللہ سے اس لیے کہ وہ باپ ہیں اور خدام الاحمدیہ سے بحیثیت نوجوانوں کی جماعت ہونے کے کہ ان پر ہی اس سکیم کا اثر پڑنے والا ہے۔ اور ہر فرد سے جس کے ذہن میں کوئی نئی یا مفید تجویز ہو۔ پوچھتا ہوں کہ وہ مجھے مشورہ دے۔ پھر میں ان سب پر غور کر کے فیصلہ کروں گا کہ آئندہ عمل کی اصلاح کے لیے ہمیں کونسا قدم اٹھانا چاہیے۔

اس دور یا کی ہوگی جو ریت کے میدان میں جا کر ٹنگ ہو جائے اور جس طرح بعض بڑے بڑے دنیا صحرانوں میں جا کر اپنا پانی خشک کر دیتے ہیں پانی تو ان میں اسی طرح آتا ہے مگر صحرائیں جا کر ٹنگ ہو جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی نالیاں پھاڑوں سے گزرتی ہوئی کیلوں میل تک چلی جاتی ہیں مگر بڑے بڑے دیاریت کے میدانوں میں جا کر ٹنگ ہو جاتے ہیں یہی ریت خالی کرد۔ کہ تمہارے اندر

کس نے مجھے ایسی بات کیوں کہی۔ میں میں پھر ایک دفعہ خدام کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ مشورہ کر کے میرے سامنے تہذیب پیش کریں میں نے بھی اس پر غور کیا ہے اور بعض تہذیب میرے ذہن میں بھی ہیں لیکن پہلے میں جماعت کے سامنے اس بات کو پیش کرتا ہوں کہ وہ

مشورہ دہیں

کہ آئندہ نسلوں میں قربانی اور محنت اور کام کو برکت کرنے کی دعا پڑھ کر کرنے کے لیے ان کی کیا تہذیب پیش کرے۔ وہ اپنی اولاد کو پہلے پیش کرے بعض لوگ کہتے کہ کوئی کلمہ دیتے ہیں کہ اس طرح سلوک کیا جائے۔ اس طرح نوجوانوں پر سختی کی جائے۔ تو شور مچانے لگ جاتے ہیں تو جو جس اپنی تہذیب لکھے وہ ساتھ یہ بھی لکھے کہ میں

اپنی اولاد کے متعلق

سلسلہ کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ جتنا سچائی میں اپنی اولاد کے ساتھ اس سلوک کو جائز سمجھیں گے اس طرح خدام الاحمدیہ آپس میں مشورہ کر کے مجھے بتائیں کہ جن باتوں کے اندر

محنت اور استقلال

سے کام کرنے کی عادت پیدا کرنے کے لیے ان کی کیا تہذیب ہیں۔ نوجوان کام کے موقع پر سو فیصدی ملل ہو جاتے ہیں اور کھد دیتے ہیں یہ مشکل پیش آگئی۔ اس لیے کہ ہمیں ہو سکتا وہ نوے فی صد بھانہ اور دس فیصدی کام کرتے ہیں یہ حالت نہایت خطرناک ہے اس کو دور تک برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

میں خدام مجھے بتائیں

کہ نوجوانوں کے اندر محنت سے کام کرنے اور فرائض کو ادا کرنے میں ہر قسم کے بہانوں کو چھوڑنے کی عادت کس طرح پیدا کی جائے۔ مشورہ کے بعد ان تہذیب پر غور کر کے پھر میں تہذیب کروں کہ وہ جماعت کے نوجوانوں کو ان کا باندھنا چاہئے گا پہلے اسے اختیاری رکھیں گے تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کون کون سے ہیں باپ ہیں جو اپنے بچوں کو سلسلہ کی تعلیم دلاتا ہے اور ان کی تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ اور جس وقت ہم اس میں کامیاب ہو جائیں گے اور ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ہمارا طریق درست ہے تو پھر دوسرا قدم ہم یہ اٹھائیں گے کہ اسے لازمی کر دیا جائے بہر حال یہ کام ضروری ہے اگر ہم نے یہ کام نہ کیا تو احمدیت کی مثال

معرفت کا دریا بہ رہا ہے اگر تم میں سستی کم محنت اور غفلت کا صحرا پیدا ہو گیا تو یہ دریا اس کے اندر خشک ہو کر رہ جائے گا۔ چھوٹی چھوٹی ندیاں مبارک ہوں گی پھاڑوں کی وادیوں میں سے گزر کر کیلوں میل تک چلتی چلی جاتی ہیں۔ مگر جہاں دریا نہ جہاں لیے مفید ہو گا اور نہ دنیا کے لیے مفید ہو گا یہی

یہ آفت اور مصیبت

ہے جس کو ظالم ضروری ہے۔ اس آفت کو دور کرنے کے لیے پہلے میں جماعت کے دوستوں سے فرماؤں گا اور

خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ سے

قادیان میں جشن فتح کا پروگرام

ذیل میں جشن فتح کا وہ پروگرام درج کیا جاتا ہے۔ جو خطرات امور عامہ نے مرکزی جماعت کے متعلق تجویز کیا ہے۔ بیرونی احمدی جماعتیں بھی اپنے اپنے ہاں شکرانہ اور دعا اور جلسوں کا انتظام کریں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس جنگ میں حضرت حاج مودود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم الشان پیشگوئیوں کی دوسری چکار دکھائی۔ اور حضرت امیر المومنین خلیفہ المسیح الثانی علیہ اللہ تعالیٰ اور تمام جماعت کی دعاؤں کو نانا اور حکومت برطانیہ کو اس خطرناک جنگ میں مظفر اور کامیاب کیا۔

۱۱ مئی ۱۹۳۵ء

بعد نماز جمعہ..... شکرانہ و دعا

۱۳ مئی۔ روزِ دو شنبہ

- ۱۔ مدارس۔ کالج اور کارکنان صدر انجمن احمدیہ کا مشترکہ جلسہ کالج ہال میں۔ آٹھ بجے سے دس بجے تک
- ۲۔ نورمنسٹر ارس و کالج۔ مختلف کیلوں کے مقابلے۔ دس بجے سے چھ بجے تک
- ۳۔ تعلیم انعامات و مضامین
- ۴۔ کھانا غراباد مہاکین (رات کو)
- ۵۔ چراغاں و بیماریہ اسج اور شہر و مضافات

قادیان کا پولنگ پروگرام

حلقہ مسلم تحصیل بٹالہ کے ووٹروں کی اطلاع کے لیے شائع کیا جاتا ہے کہ قادیان کے ووٹروں کا پولنگ مردوں کے واسطے ۲ فروری ۱۹۴۲ء اور عورتوں کے واسطے ۵ فروری ۱۹۴۲ء مقرر ہوا ہے۔ اور عورتوں کے واسطے ۵ فروری ۱۹۴۲ء مقرر ہوا ہے۔ یہ تاریخیں صرف ان لوگوں کے لیے ہیں۔ جن کا ووٹ قادیان میں درج ہے۔ تحصیل بٹالہ کے ہائی ووٹروں کے لیے دوسری تاریخیں مقرر ہیں پس قادیان کے مرد ووٹروں کو یکم فروری ۱۹۴۲ء کی شام تک قادیان پہنچ جانا چاہئے۔ اور مستورات کو ۴ فروری کی شام تک مرد اور عورتوں کے لیے جو تین تین دن مقرر ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ ان تین دنوں میں سے جس دن چاہیں ووٹ دے سکتے ہیں۔ بلکہ ہر دن کے لیے سرکاری طور پر علیحدہ علیحدہ ووٹ مخصوص کر دیے گئے ہیں۔ جن کی تفصیل کی اس جگہ منجائے نہیں۔ پس پولنگ سے ایک دن قبل قادیان پہنچ جانا ضروری ہے۔

حاکم سار ب۔ مرزا شیر احمد ۲۲/۱/۴۲

پنجاب اسمبلی کے وہ امیدوار جن کے حق میں

جماعت احمدیہ نے مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے

ذیل میں ان امیدواروں کی فہرست شائع کی جاتی ہے جن کے حق میں جماعت احمدیہ کی اکثریت نے باہمی مشورہ سے مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ احباب سے امید رکھتا ہوں۔ کہ وہ اس مدد میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے۔ جن امیدواروں کے متعلق ان کے حلقوں کی جماعتوں کی طرف سے مطلوبہ اطلاعات نہیں آئیں۔ ان کی امداد کا معاملہ زیر غور ہے۔ مطلوبہ اطلاعات آنے کے بعد بہت جلد فیصلہ کا اعلان کیا جائے گا۔ تحصیل گورنوالہ کی جماعتوں نے مجلس مشاورت کے فیصلہ کو نظر کرتے ہوئے آپس میں اختلاف کی ایسی صورت پیدا کر دی ہے۔ جو جماعتی نظام کے قواعد کو صدمہ پہنچانے والی ہے۔ ان کے متعلق حضور کی طرف سے اخبار الفضل مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۴۲ء میں اعلان ہو چکا ہے۔ نوٹ چونکہ وقت بہت تھوڑا ہے۔ اس لیے احباب مجھے مطلوبہ معلومات کے متعلق اطلاع بذریعہ تہذیب دیں۔ (ناظر امور عامہ)

نمبر	نام حلقہ	نام امیدوار	نام پارٹی
۱	لیڈ لارڈ ملتان ڈویژن و مشرقی پنجاب	آزہیل ملک خضر حیات خان صاحب	یونیٹ
	لیڈ لارڈ ملتان پنجاب	سر دار گویت سنگھ صاحب مان	یونیٹ
		ب۔ قصبائی حلقہ ہائے انتخاب	
۱	جنوبی مشرقی حلقہ جات	خواجہ غلام احمد صاحب	یک
۲	جنوب مشرقی حلقہ جات	سر دار شوکت حیات خان صاحب	یک
۳	مشرقی مشرقی حلقہ جات	ملک برکت علی صاحب	یک
۴	شمال مشرقی حلقہ جات	خان بہادر شیخ برکت علی صاحب	یک
۵	قسمت راولپنڈی حلقہ جات	سر فیروز خان صاحب لون	یک
۶	قسمت ملتان حلقہ جات	شیخ محمد امین صاحب	یک
۷	اندرون لاہور مردان	ملک وزیر محمد صاحب	یک
۸	اندرون لاہور نسوان	بیگم صدیق حسین صاحب	یک
۹	بیرون لاہور مردان	محمد رحمتی صاحب	یک

۱۰	بیرون لاہور نسواں	بیگم شاہ نواز صاحب	ایک
۱۱	امیر شہر و چھاؤنی	شیخ صادق حسن صاحب	ایک
		ج۔ دیہاتی حلقہ ہائے انتخاب	
۱	ایمانہ شملہ	راؤ محمد امراؤ خان صاحب	یونیٹ
۲	کاٹھوہ و شرقی ہوشیار پور	چوہدری علی اکبر صاحب پلیڈر	ایک
۳	ٹائی جالندھر	محمد عبدالسلام صاحب	ایک
۴	وہلی فیروز پور	نواب صاحب مروت	ایک
۵	شرقی فیروز پور	بیگم اکبر علی صاحب	آزاد
۶	تحصیل لاہور	سر منظر علی صاحب قولہاں	یونیٹ
۷	تحصیل پٹیالہ	سر دار عیوب اللہ خان صاحب	یونیٹ
۸	تحصیل قصور	میاں افتخار اللہ بن صاحب	ایک
۹	شرقی گورداسپور	چوہدری غلام فرید صاحب پلیڈر	ایک
۱۰	تحصیل مظاہر	چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم اے	آزاد
۱۱	شکر گڑھ تحصیل	چوہدری عبدالرحیم صاحب	یونیٹ
۱۲	ایمانہ تحصیل	چوہدری انور حسین صاحب پلیڈر	یونیٹ
۱۳	ٹائی سیالکوٹ	چوہدری غلام بیانی صاحب	یونیٹ
۱۴	ٹائی پٹیالہ تحصیل	نواب چوہدری محمد الدین صاحب	یونیٹ
۱۵	تحصیل وزیر آباد	بیگم رحیم محمد عبداللہ خان صاحب	آزاد
۱۶	تحصیل حافظ آباد	چوہدری غلام محمد صاحب	یونیٹ
۱۷	تحصیل شہنشاہ پورہ	چوہدری محمد حسین صاحب ایڈووکیٹ	ایک
۱۸	تحصیل شاہ پورہ	خان بہادر روشن دین صاحب	ایک
۱۹	تحصیل ٹکائنہ	چوہدری حسین علی صاحب	یونیٹ
۲۰	تحصیل ٹائی گجرات	چوہدری فضل الہی صاحب وکیل	ایک
۲۱	تحصیل شرقی گجرات	نواب زادہ مصطفیٰ علی صاحب	یونیٹ
۲۲	جنوب شرقی گجرات	چوہدری بہلول علی صاحب	ایک
۲۳	ٹائی مشرقی گجرات	چوہدری جہان خان صاحب	ایک
۲۴	جنوب مشرقی گجرات	چوہدری غلام رسول صاحب تارڑ	ایک
۲۵	نواب شاہ	ملک خضر حیات خان صاحب	یونیٹ
۲۶	تحصیل پیکوال	چوہدری نور خان صاحب ذیلیڈر	زمیندار ایک
۲۷	پنڈر داؤخان	روبوگھ بیگم صاحب	یونیٹ
۲۸	تحصیل ٹھکری	ملک فتح شیر خان صاحب ٹکڑیال	یونیٹ
۲۹	تحصیل پاکپتن	راؤ عبدالحمید صاحب	ایک
۳۰	تحصیل لاکھ پور	چوہدری عصمت اللہ خان صاحب	آزاد
۳۱	ڈیرہ غازی خان وہلی	خان بہادر فتح محمد صاحب پلیڈر	یونیٹ
۳۲	ڈیرہ غازی خان جنوبی	خان بہادر خان صاحب دریشک	ایک

۳۳	منظر گڑھ	مسز عبدالمجید خان صاحب	ایک
۳۴	علی پور تحصیل	محمد ابراہیم صاحب برقی	یونیٹ
۳۵	ایہ تحصیل	غلام بیگانی صاحب کورمانی	ایک
۳۶	خانوال	سید بڑھن شاہ صاحب	ایک

حیرت انگیز تغیر کس طرح پیدا ہو سکتا ہے

حضرت امیر المومنین امیر اللہ تعالیٰ رحمہ اللہ نے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱۲ ستمبر ۱۹۳۵ء میں فرمایا:

”موجودہ حالات میں ہمارے لیے میں ہزار مبلغ رکنا بالکل نامکن ہے۔ کیونکہ میں ہزار مبلغ رکھنے کے لیے کسی کروڑ کی آمدن ہونی چاہئے اور ابھی ہماری آمدن چند لاکھ سے زیادہ نہیں ہاں میں ہزار تاجرخدا کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ ہر ایک نے اپنی جدوجہد سے کمائی کرتی ہے۔

وقف تجارت کے باعث اس امر فرض اور ذمہ داری کا بوجھ ہمارے کامرواں سے اتر جاتا ہے۔ جو کہ موجودہ حالات کے تحت جس جگہ سال میں بھی ادا نہیں ہو سکتا وہ خرچ ہے جس کے ذریعے ہم اپنی ضروریات زندگی کمانے کے ساتھ ساتھ خدمت دین بھی کر کے ترقی میں حیرت انگیز تغیر پیدا کر سکتے ہیں۔

لہذا انو جوان اپنی زندگیوں وقف تجارت کے لیے پیش کریں۔ اس فرض عظیم کی بھی ادائیگی کر سکیں۔ جس کے لیے سلسلہ کو کروڑوں روپے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی اپنی ضروریات زندگی بھی مہیا کر سکیں۔

ناظم تجارت

ترسیل زر اور انتظامی امور کے متعلق معجز الفضل کو مخاطب کیا جائے نہ کہ ایڈیٹر کو

حکیم محمد اکرم صاحب کی نماز پڑھتے ہوئے اچانک وفات

اسلام کے متعلق فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مہدی آئے گا۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ اسلام میں یہ چیز نہیں کہ کوہ کے زور سے اسلام پھیلا دیا گیا۔ اسلام پھیلائے والا مہدی تو آیا کیا اور اس نے قلم دعا اور آیات عظمیٰ کے ساتھ اسلام پھیلا دیا، امریکہ، انگلستان، افریقہ، آسٹریلیا، ساری دنیا کے کناروں تک احمدیت پھیل چکی ہے مگر ان اندھے لوگوں کے دلوں کے کان ابھی تک نہیں کھلے۔ نیز فرمایا۔

حضرت سید محمد طیبہ السلام اور رسول کریم ﷺ کے نظام تھے۔ اور حضرت سید محمد طیبہ السلام کا یہ شعر بھی پڑھ کر ثابت۔

اس نور پر خدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے جس چیز کیا ہوں بس فیصلہ بھی ہے
حوادث و محضہ تک خطبہ پڑھا اس کے بعد میں نے تعمیر کی اور والد صاحب نے نماز پڑھائی۔
پہلی رکعت میں قرأت زور سے پڑھی۔ اور دوسری رکعت میں ذرا دھیمے ہو گئے۔ اس وقت نماز میں درود ہے تے سجدہ وغیرہ کے بعد تشہد کے وقت جب سلام پھیرنے کا وقت آیا تو سلام نہ پھیرا بلکہ دو سجدے اور کئے پھر اللہ

میرے والد بزرگوار حکیم محمد اکرم صاحب احمدی تیکڑی جماعت احمدیہ بولچ شریف ریاست بہاولپور جو حضرت سید محمد طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام تھے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے ہاتھ پر بیعت کر کے داخل احمدیت ہوئے تھے۔ عمر ۸۵ سال ۳۰ نومبر ۱۹۳۵ء بروز جمعہ نماز جمعہ میں جماعت کرائے ہوئے وفات پا گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مفصل حالات یہ ہیں کہ جمعہ کے دن نماز کو اور نئے کپڑے پہن کر ہاتھ میں اخبار ”الفضل“ ۱۹ نومبر ۱۹۳۵ء لیے ہوئے مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ بالکل تندرست تھے۔ مسجد میں دس بارہ احباب احمدی بیٹھے تھے۔ یہ خاکسار بھی موجود تھا۔ جب آپ آئے تو سب ادا کرنے کے بعد خطبہ جمعہ پڑھا شروع کیا اور نہایت وضاحت کے ساتھ پڑھا۔ حضرت سید محمد طیبہ السلام کے آنے کا ذکر اور احمدیت کی سچائی اور اخبار الفضل ۱۹ نومبر ۱۹۳۵ء کے پہلے صفحہ کا حوالہ اسلام کے غلبہ کے ساتھ قلم دعا اور آیات عظمیٰ تمام سنایا اور حضرت سید محمد طیبہ

اکبر کہتے ہوئے یعنی اللہ اکبر منہ میں تھا کہ خداوند کریم کے حضور اور حضرت رسول مقبول ﷺ اور حضرت سید محمد طیبہ السلام کے دربار میں جا سلام کیا۔ یعنی فوت ہو گئے انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ مقتدی جو سلام کے منتظر تھے حیران ہو گئے کہ کیا ہو گیا ہے۔ میں نے سلام پھیرا تو تمام نے سلام پھیر لیا مگر جب میں نے حضرت والد صاحب بزرگوار کو اٹھایا تو معلوم ہوا کہ وہ خدا کے پاس چلے گئے۔

اللہ اللہ کیا جب نگاہ تھا اور کیا جب حسن تھا۔ کہ جمعہ کا دن ہے۔ فرض پڑھ رہے ہیں۔ فرضوں میں خدا نے اپنے پاس بلالیا۔ جگہ جگہ شہر میں یہ خبر آتا تھا پھیل گئی۔ سکوت سے لوگ دیکھنے کے لیے آ گئے۔

چونکہ ہماری مسجد احمدیہ شہر کے دھماں اور بازار کے بالکل نزدیک ہے۔ اس لیے بہت سے لوگ آ گئے۔ کیا مسلمان کیا غیر احمدی سب کو درون جگہ جگہ پھیل گیا کہ احمدیوں کو لوگ کانفرس ہیں لیکن اس امام کے نظام کی وفات ایسی شاندار اور بے نظیر ہوئی ہے کہ قابل رشک ہے۔

آپ نہایت مجیدہ اور پاک دل تھے جب کوئی بیمار آتا تو دوائے پہلے دیا کرتے مگر دوا دینے کے بعد فرماتے تھا تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میرا تو یہ بہانہ ہے۔ بروقت دود و شریف اور قرآن شریف پڑھتے۔ نماز کے پابند۔ تہجد فرماتے اور نہایت ہی مجر و انکسار سے دعا میں لگتے۔ احمدیت کے سچے خادم تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں بھی ان کے عظیم قدم پر چلنے اور ہماری دعا کا خادم بنائے۔ آمین احباب جماعت سے اتھکس ہے کہ وہ جنازہ تھوڑے احمدیوں نے پڑھا اس لیے جنازہ پابند پڑھ کر دعا سے مسرت کریں حکیم محمد افضل بولچ شریف ریاست بہاولپور

اعانت الفضل کریم محمد سلیمان صاحب نے سبیل دس روپے عید اعانت الفضل ارسال فرمایا ہے احباب دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں انہیں قبول کرے۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح کی مجلس علم و عرفان

مومن کو ہر وقت تیار رہنا چاہیے

آپ کو غفلت کا شکار نہ ہوتی ہے وہ بہت جلد مومن کی آغوش میں چلی جاتی ہے۔
ہیں ہماری جماعت کے پاس جو کچھ ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اگر وہ اس سے فائدہ اٹھائے گی تو اللہ تعالیٰ کے مزید انعامات کی وارث بن سکے گی۔ ورنہ وہ موجودہ زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گی اللہ تعالیٰ کی سزا ہے کہ جو شخص اپنا گھر خالی کر دیتا ہے وہ اسے دیتا ہے تم بھی اسے گھروں کو خالی کرو اور پھر اللہ تعالیٰ کے طلب کردہ گھروں کو خالی کرنے کے بغیر کچھ نہ کھاؤ۔

ہیں ہمیں لوگوں میں صلح کرانے کے لیے اپنی جائیں بڑا دینی چاہئیں۔ جان بے شک جتنی چیز ہے مگر اخلاق کے مقابلہ میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ جب تمہارے بچوں اور عورتوں پر ہاتھ اٹھایا جا رہا ہو اور انہیں ذلیل کیا جا رہا ہو تو اس وقت تمہاری زندگی عیث ہے ان فسادات میں دشمن نے جو فتنہ افعال کئے ہیں اس وقت ہماری جماعت کو چاہئے تھا کہ وہ بیچ میں حائل ہو جاتی۔ اور کتنی کرم عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی بجائے ہمیں قتل کرو اگر وہ ایسا کرتے تو تم دیکھتے کہ یہ فسادات بڑھنے نہ پاتے۔ کیونکہ غیر قتل اور نا مناسب جگہ پر عدوت اور فساد فروغ نہیں پکڑتا اور بہت جلد ہی ندامت محسوس ہونے لگتی ہے۔

ہیں ایسے مواقع پر ہماری جماعت اگر آگے بڑھے اور خالموں کی راہ میں حائل ہو جائے۔ تو ظلم بھی کبھی چنپ نہ سکے اور اس کی بنیادیں مل جائیں۔ اور خالموں کے دل پھیل جائیں۔ اس کے بعد چار دوستوں نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیعت کی۔

خاکسار: منیر احمد و خیر

ان کے بعد حضور نے فرمایا۔ جہاں ہم دنیا میں امن و صلح قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس راہ میں ہمیں جو بھی قربانی کرنی پڑے گی۔ ہم اس سے دریغ نہ کریں گے۔ اور اگر باوجود ہمارے صلح کن رویہ کے دشمن ہم پر حملہ آور ہو۔ اور ہمیں کڑوہ کچھ کھیلنے کا ارادہ کیا تو ہم بڑھوں کی طرح یونگی اپنی جانیں ضائع نہ کر دیں گے۔ بلکہ بہادری کی طرح اپنا سب کچھ قربان کریں گے۔ مومن بڑ دل نہیں ہوتا اور نہ ہی غافل ہوتا ہے۔ جب صلح کی تمام کوششوں کے باوجود دشمن ٹوٹنے کی طرح واپس نہ ہوتا ہے تو پھر مومن بیٹھ نہیں پھیلتا۔ بلکہ نہایت ہمت اور جانتانی سے شجاعت کی راہ دیتا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے بیسیوں جنگیں لڑیں۔ مگر آپ کی چوکی کا یہ عالم تھا کہ کوئی ایک جنگ بھی لڑی نہیں جس میں آپ کو قتل از وقت دشمن کے ارادوں کا علم نہ ہو گیا ہو اور آپ نے وقت سے پہلے اس کا تذکرہ نہ کر لیا ہو۔ بسا اوقات تو یہ ہوتا تھا کہ دشمن جنگ کے ارادہ سے ابھی گھر سے نکلا بھی نہ ہوتا تھا کہ اسلامی لشکر اس کی سرکونی کے لیے پہنچ جاتا۔ مدینہ کے چاروں طرف دشمن ہی دشمن تھے اور ان کے درمیان مسلمان جنگ کے لیے تیار کر رہے تھے۔ مگر دشمن کو پتہ نہ لگتا۔ بے شک بعض دفعہ رسول کریم ﷺ کو بذریعہ وحی والہام دشمن کے ارادوں کا پتہ لگ جاتا لیکن اکثر دنیاوی ذرائع سے ہی علم ہوتا تھا۔

ہیں مومن کو ہمیشہ ہشیار رہنا چاہئے۔ جہاں اسے دشمن کی ہر بات کا خیال رکھنا چاہئے۔ کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ وہاں اسے یہ بھی عزم کر لینا چاہئے کہ میں نے غفلت اور بے بسی کی حالت میں نہیں مرنا۔ غافل تو میں دنیا میں کسی رحم کی مستحق نہیں ہوں۔ کیونکہ وہ خود اپنے آپ کو موت کے سپرد کر دیتی ہیں اور وہ جتنے بے جوانی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے دی ہوئی ہیں۔ انہیں استعمال نہیں کریں اور ان سے فائدہ نہیں اٹھائیں لہذا ان کا یہ بھی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مزید طلب کریں اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتم نہ ہو بلکہ جہوں سے کیا فائدہ اٹھایا کہ نہیں اور دی جائے۔ بہر حال جو قوم اپنے

اکھنڈ ہندوستان

قادیان ۳ شہادت آج بعد نماز مغرب حضور نے چوہری اچھا لہر اللہ صاحب۔ جناب چوہری احمد اللہ خان صاحب۔ ہر سرائٹ لا، کا کلاچ محترمہ است الخلفہ بنت محمد ابراہیم صاحب محول کے ساتھ تین چار روپے حق سہر پر پڑھا اور دعا۔ اس کے بعد مکمل میں روٹی اروز ہو کر حضور علقہ اور شادوات فرمائے۔ ان کا تسن اپنے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔

ابتداء میں حضور نے اپنا ایک تازہ رویا بیان فرمایا۔ جس میں ذکر تھا کہ گاندھی جی آئے ہیں اور حضور کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر لیٹنا چاہتے ہیں اور ذرا سی دیر لیٹنے پر فوراً اٹھ بیٹھے اور گفتگو شروع کر دی۔ دوران گفتگو میں حضور نے گاندھی جی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ سب سے اچھی زبان اردو ہے۔ گاندھی جی نے بھی اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا۔ دوسرے نمبر پر بھائی ہے۔ گاندھی جی نے اس پر اکتفا قبول کیا۔ مگر آخر مان گئے۔ اس کے بعد رویا میں نظارہ بدل گیا۔ اور حضور گاندھی جی کے کہنے پر عورتوں میں تفریق کرنے کے لیے تشریف لے گئے مگر وہ بہت تھوڑی آئی ہوئی تھیں۔ اس لیے حضور نے تقریر نہ فرمائی۔

اس رویا کی تعبیر میں حضور نے بیان فرمایا کہ یہ موجودہ فسادات کے متعلق ہے۔ اور اس سے یہ نکلنا ہے کہ ہندو مسلم تعلقات ابھی اس حد تک نہیں پہنچے کہ صلح نہ ہو سکتی ہو جس کو شش کرنی چاہئے کہ جلد کوئی بہتر صورت پیدا ہو جائے۔

اس کے بعد ایک دوست نے اپنی دو خواہشیں بیان کیں جو موجودہ فسادات کے متعلق تھیں۔ سلسلہ کلام جاری کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔ جہاں تک میں نے ان پیشگوئیوں پر نظر دوڑائی ہے۔ جو مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ہیں اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس لعل پر جو مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے وابستہ ہے۔ غور کیا ہے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں ہندوستان میں جس دوسری اقوام کے ساتھ مل جل کر رہتا چاہئے۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ مشارکت رکھنی چاہئے۔ مسیح موعود علیہ السلام کی کئی پیشگوئیاں جو ہندوؤں کے متعلق ہیں اس طرف اشارہ ہیں (شفا جے سنگھ بہادر۔ مرزا کی ہے اور رے رور کو پال تیری... میں لکھی ہے) کہ اللہ تعالیٰ ہندو

حضرت خلیفۃ المسیح کی

سندھ سے واپسی

ہندوستان ایسا مغربوں نہیں ہے کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ اسے انگریزوں کی طرف دست تعاون بڑھانا چاہئے۔

سوال: کیا ہمیں کان و پٹنہ کا ممبر بننا چاہئے؟

جواب: میرے خیال میں بننا چاہئے۔ ہم اس کے ذریعہ سے گزروں کی اہلیت کر سکتے ہیں۔ نیز آج کل دنیا میں کوئی قوم ایسا نہیں رہ سکتی جس کی ہر طاقتیہ ہمارے یکساں دشمنوں کے قبضہ میں نہ ہو۔

سوال: جماعت احمدیہ کی رفاہی کمیٹی کیسے ہے؟

جواب: ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے دن بدن بڑھ رہے ہیں۔ پچھلے سال ہم نے بہت سے مسکینین غیر ممالک میں اسلام کی تبلیغ کے لیے بھیجے اور بہت سے نئے مشن قائم کئے۔

سوال: جماعت کا مقصد کیا ہے؟

جواب: ہمارا مقصد وہی ہے جو اسلام کا ہے۔ یعنی دنیا کے سامنے امن اور سلامتی کا نظام پیش کرنا۔

سوال: جماعت احمدیہ کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: عام طور پر لوگ ہمیں ایک ٹین مجھے ہیں لیکن ہماری صحیح تعداد چار پانچ لاکھ کے درمیان ہے۔ ہماری جماعت دنیا کے ہر ملک میں پائی جا رہی ہے۔ ہندوستان کے بعد مغربی

فریقہ اور مغرب و خلیج میں ہماری ترقی بہت سرعت سے ہو رہی ہے (باقی)

خاکسار احمد و فیض

ہیں، اگر انہیں اخلاقی بنیادوں پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ تو بہت آسانی سے مل ہو جائے ہیں اور ہر قوم میں انصاف پر قائم ہو کر تقبیح کرانہ کی کوشش کرے اور ایک دوسرے کا حق غصب نہ کرے۔ بلکہ اس مقصد عظیم کے حصول کے لیے اپنے کچھ حقوق ترک بھی کر دے۔ تو نہایت آسانی سے مل ہو سکتی ہے۔

سوال: کیا پاکستان ممکن ہے؟

جواب: سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے اس سوال کو دیکھنا بہت مشکل ہے لیکن ہم یہ نہیں سمجھتے کہ خیال یہ ہے کہ ملک کے حصے ختم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں آج دنیا کی کامیابی کا راز اتحاد میں مضمر ہے۔ دوسرے ذرائع مواصلات بھی ہمیں مل جاتے ہیں کہ ہمیں ضرورتاً ایک دوسرے کے بہت قریب رہنا چاہئے۔

جب دنیا ایک دوسرے کے قریب سے قریب ہو رہی ہے اور اتحاد کی کوشش کر رہی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس موقع پر ہندوستان دو ٹوٹا ٹھنڈا حصوں میں بٹ جائے اور ہندوستان کی بڑی قومیں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔

سوال: کیا کوئی مذہب ششاد اور اچھا ہے؟

جواب: میرے خیال میں تو ایسا کوئی مذہب نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی شخص نے کوئی ذاتی مذہب ایجاد کیا ہو۔ تو وہ بھی ایسا نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ وہ مذہب جو خدا کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کرے۔ مذہب کا حلقہ دلی سے ہوتا ہے اور انسان فطری طور پر ایسی چیز کو پسند کرتا ہے۔

سوال: ہندو مسلم اتحاد کس طرح ہو سکتا ہو؟

جواب: یہ سوال صرف اخلاقی اصول پر عمل ہو سکتا ہے۔ اگر دونوں قومیں اپنے مطالبات کی بنیاد اخلاق پر رکھیں۔ تو کوئی مشکل پیدا نہیں ہوگی۔

سوال: ہندوستان چھوڑ دو کا مطالبہ کس حد تک صحیح ہے؟

جواب: ۱۹۴۷ء میں میں نے ایک خطبہ میں بیان کیا تھا کہ اب وقت ایسا آ گیا ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان آزاد کر دینا چاہئے۔ اگر وہ خود ایسا نہ کریں گے تو ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ انہیں مجبوراً ہندوستان چھوڑنا پڑے گا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس وقت

جہود آباد سندھ۔ ۱۳ مارچ۔ سیدنا حضرت امیر المؤمنین امیر اللہ تعالیٰ گاڑی سے اتر کر دیننگ روڈ میں تشریف لے گئے۔ منور انک لائبریری جہود آباد میں ”ہندوستان“ ”ذیلی گزٹ“ ”ہفت روزہ آف انڈیا“ ”نور مینیٹین“ کے لڑکے

ہیں نے حضور سے انگریزی زبان میں استفسارات کیے جن کے جواب حضور نے انگریزی میں نہایت خوش الحالی سے دیئے۔

اس کے بعد دو چاندنی محضیف صاحب

ابن بہادر میاں صاحب آف بہار ملازم لیس

لی آر جہود آباد سندھ نے اپنے خط کی ایک کاپی

کی حضور کو کر دی ہے اور کفرش پر پیشہ گئے

اور ان سے بیعت لی اور دعا فرمائی۔ چونکہ

سندھ ایک شہر کے آنے میں کچھ دور تھی۔

حضور خاندان سمیت جہود آباد کی سیر کے لیے

تشریف لے گئے بارہ بجے کے قریب گاڑی

بکے آئے حضور بڑے دلاؤ میں سوار ہو گئے

اور ساڑھے بارہ بجے گاڑی روانہ ہو گئی۔

مسٹر لالو نے جو استفسارات کئے اور حضور

نے جواب دیئے۔ ان کا ترجمہ استفسار کے

ساتھ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

سوال: پنجاب کے مسادات کے حلقہ آپ کا

کیا خیال ہے؟

جواب: فرمایا۔ مسادات جو حال میں ہوتے

ہیں۔ کسی جگہ ہوں۔ ان مسادات کے وقت

میں پنجاب سے باہر تھا اور ان کے حلقہ جو

”اعانت“ مجھے پہنچی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا

ہے کہ تیرا ہر جگہ غیر مسلموں نے دیکل اور

زیادتی نا ہے۔ طریق کار کے لحاظ سے

دونوں فریق غلط تھے۔ اپنے حقوق کو حاصل

کرنے کا صحیح طریق نہیں ہے۔ اسلام ایسی

کارروائیوں کے تحت خلاف ہے۔ کوئی اور

مذہب بھی انہیں روا نہیں سمجھتا۔ محض اور تعلیم

بھی ناجائز قرار دیتی ہے۔ دنیا کے فلاسفر اور

سکا بھی صحیح نہیں سمجھتے۔ پھر یہ معلوم ہندوستان

کی دو بڑی قومیں ایسے طریق کو اختیار کر کے

کس طرح کا سباب ہو سکتی ہیں۔

سوال: کیا ان مسادات کا کوئی حل موجود ہے؟

جواب: میرے خیال میں تو حل موجود ہے۔ یہ

اختلاف محض ذہنی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوئے

دیہاتی جماعتوں کی مجالس کے لیے ضروری اعلان

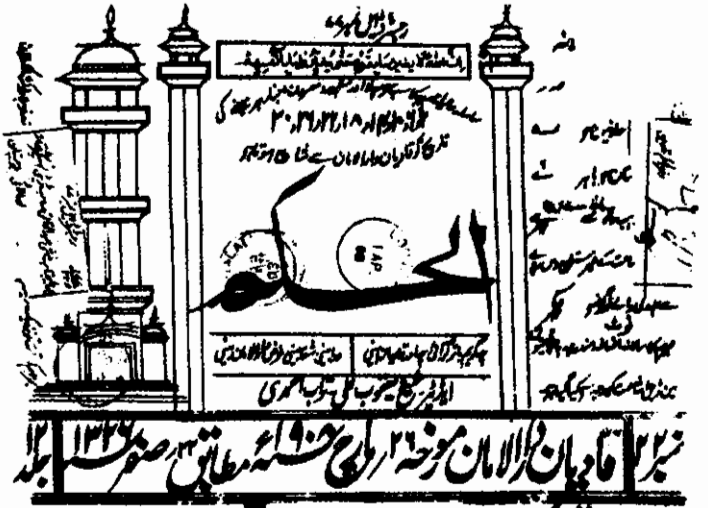
بہت سی دیہاتی جماعتوں کی مجالس انصار اللہ کی طرف سے سینکڑوں کا چندہ انصار اللہ وصول نہیں ہو۔ بلکہ بعض کے ذمہ تو گزشتہ سالوں کا بھی بقیہ ہے۔ چونکہ زمینداروں کے لیے اب فصل ربیع کا موقع آ رہا ہے۔ اس لیے مہتمم مال و زعماء صاحبان انصار اللہ کو چاہیے کہ فصل ربیع پر تمام اراکین انصار سے جن کا گزارہ زمیندارہ آمد پر ہے۔ چندہ سندواں مع سابقہ جھلیا سال ہائے گزشتہ وصول کر کے بنام محاسب صاحب صدر انجمن احمدیہ قادیان بھیج کر بمعہ امانت مرکز یہ انصار اللہ داخل خزانہ کروادیں۔ کیونکہ جماعت کی طرف بقیہ ہارہ جانے کی وجہ سے مرکزی دفاتر کے کاروبار میں سخت حرج واقعہ ہو رہا ہے۔

(قائد مال مرکز یہ انصار اللہ)

زعماء صاحبان انصار اللہ کے لیے ضروری اعلان

مجلس انصار اللہ کا مالی سال اپریل میں ختم ہوتا ہے۔ اس لیے مہتمم صاحبان مال و زعماء صاحبان انصار اللہ کو تاکید کی جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے اپنے حلقہ کے اراکین انصار اللہ سے بہت جلد چندہ انصار اللہ وصول کر کے ۳۰ اپریل ۱۴۲۷ء سے قبل بنام محاسب صاحب صدر انجمن احمدیہ قادیان بھیج کر بمعہ امانت مرکز یہ انصار اللہ داخل خزانہ فرمادیں اور آئندہ چندہ انصار اللہ باقاعدہ بالالتزام وصول کر کے مرکز میں بھجوانے کا التزام فرمادیں بے قاعدگی سے چندہ مرکز میں پہنچنے سے مرکز یہ مجلس انصار کے کاروبار میں سخت حرج واقعہ ہوتا ہے۔

(قائد مال مرکز یہ انصار اللہ)



صاحب نقاش کشنبرہ قادیانین

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ۲۱ مارچ 1908ء صاحب نقاش کشنبرہ بھادوی کی تشریف آوری کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی ایک لمبا زمانہ گزرتا ہے کہ قادیان میں کوئی معزز عہدہ دار آیا ہو۔ اس لحاظ سے جناب نقاش کشنبرہ صاحب کی تشریف آوری قادیان کے لوگوں کے لیے عموماً آواز سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لیے خصوصاً بہت ہی خوش کن تھی۔ ایک وقت تھا جب سلسلہ عالیہ احمدیہ کے امام پیشوا حضرت مرزا غلام احمد صاحب ایہہ اللہ نصیرہ کے والد ماجد جناب مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم سے ملاقات کرنے کے لیے بڑے بڑے عہدہ دار اور یورپین افسر تشریف لایا کرتے تھے۔ اس وقت قادیان کے سردار اور رئیس کی شہرت خاندانی و جاہت اور سرکار انگلیشیہ کی خیر خواہی کی وجہ سے دیتی رنگ میں دور دور تھی۔ مگر اب وہ زمانہ بھی گلیا۔ سرکار انگریزی کے اس وقار خاندان کا چیف ممبر خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کی طرف کھینچا گیا اور دیتی شان و شوکت کا خیال اس کے دل سے محو ہو گیا اور وہ غلوں کی روحانی بھلائی اور بہتری کے لیے نامور ہو کر آیا ہے اور

اصلاح طلبی کے لیے مہدی اور مسیح بن کر پبلک میں نکلا اور اگر چہ اسے موقع نہیں ملا کہ وہ اپنے والد بزرگوار کی طرح بولہ دن سے گورنمنٹ جلی مدد کرتا۔ مگر اس نے جو خدمت کی اور کسی غرض کے لیے نہیں کی بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے کی۔ وہ بلا مبالغہ گورنمنٹ کی بے نظیر خدمت ہے۔ مرزا صاحب مرحوم نے تو قدر کے وقت خدمت کی تھی مگر ہمارے امام نے تو ان کی ایسی اصلاح شروع کی ہے کہ قدر کے خیالات ہی ایک جماعت کو دل سے دور کر دیئے جائیں۔ اور آئندہ کسی وقت کیلئے گورنمنٹ کو ایسا اندیشہ نہ رہے۔ اس وقت حق و نسان کی جگہ گورنمنٹ کے لیے اتنی نقصان رسان نہیں جس قدر خیالات میں بدلتی اور بدعت کے ناپاک بیج کا پید ہونا ہے۔ پس آپ نے خدا تعالیٰ کے حکم سے نامور ہو کر بدعت جلیل پر ممتاز ہو کر جو دنیا میں حیرت انگیز انقلاب کا مترادف سمجھا گیا ہے ایک ایسا فتح پیدا کیا۔ جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ مہدی اور مسیح کی آمد کا مسئلہ ایک خطرناک مسئلہ کہا جاتا تھا۔ اور مسلمانوں نے علی اور علی غلامی کی وجہ سے یہ سمجھ رکھا تھا کہ آئندہ الے مہدی اور مسیح کا کام صرف جنگ ہوگا اس لحاظ سے یہ عقیدہ سخت غلط ہو چکا تھا۔ مگر حضرت مسیح موعود نے اپنے طرز عمل اور تعلیم سے دکھا دیا کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی اشاعت کے لیے کمزوری کی حاجت نہیں۔

پور آنے والا مہدی اور مسیح ایک ہی شخص ہوگا اور اسلام کی اشاعت ملی چائیں اور خدا تعالیٰ کی خالق عادت تائیدوں سے کرے گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کی صاف وحی سے مطلع ہو کر اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور غوثی مہدی اور غوثی مسیح کے اعتقادات کو حرف غلط کی طرح مٹا ڈالا اور اس طرح جو جماعت تیار کی اعتقاد کے طور پر اس کی بہت میں اصلاح اخلاق و فاداری اور شکر گزاری اور گورنمنٹ انگلیشیہ کے لیے بھی اطاعت کی روح پھونک دی۔ اپنی شرانگہ بیعت میں اس امر کو داخل کر دیا۔ پھر ای پرس نہیں کی بلکہ ستر کے قریب کتابیں تالیف کر کے ان میں گورنمنٹ انگلیشیہ کے برکات اور محاسن کو ممالک اسلام پر کثرت سے پھیلا دیا۔ غرض چونکہ زمانہ خیالات کے نشوونما اور ترقی کا تھا اور سوادوں اور کمزوروں کی حاجت تھی اس لیے حضور نے گورنمنٹ انگلیشیہ کے بھی خواہوں کی جماعت پیدا کرنے میں بہت بڑی کوشش فرمائی اور پھر یہ کوشش کسی عہدہ دار کو جو کے لیے نہیں۔ بلکہ محض خدا کے لیے اور خدا کے حکم سے میں اصل مضمون سے دور نکل جاؤں گا۔ اگر اسی سلسلہ سخن کو دور از روئے اس لیے پھر ای مطلب کی طرف آ کر کہتا ہوں کہ سالہا سال کے بعد قادیان کو یہ موقع ملا۔ کہ وہ بتجانب کا ایک ذمہ دار اعلیٰ افسر اس سر زمین میں خیر زن ہو۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ (جو سرکار انگلیشیہ کے لئے ذہنی رنگ میں خاص جوش

و قادیانی رکھتا ہے کہ اس کے غیر
مقدم کے لئے بڑی خوشی اور فرحت کے ساتھ
انتظام کیا گیا۔ چنانچہ صاحب ممدوح کے
انے کے لئے کسی کا انتظام صدر انجمن
اس کی طرف سے کیا گیا۔

اور انجمن نے اپنے محضر مہمان کو اپنی
زمین مدرسہ میں اترنے کا بیڑہ دیا۔ اس
مقدمہ کے لئے ایک خاص کتب خانہ و سرکاری
نئی عمارت کے لئے مجوزہ زمین میں تیار
کیا گیا۔ جو کتب خانہ کثیر بہادر کے ہمراہ
ہمارے ملک کے بڑے مفسر و دینی
یکدل صاحب ڈینی کثیر مہمان کی ایک کتب خانہ
اور صاحب مہمان کے لئے بھی تیار کی گئی تھی۔

لیئے یہ احاطہ بہت وسیع تھا۔ اس کی ضرورت
نہیں تھی کہ ان کے لئے کوئی خاص
تاری کا لبادہ کر لیا۔ اس لئے کہ خوش
حسی سے یہ خدمت میرے ہی پر ہو۔

تاہم میں مطمئن ہوں کہ خدمت کے
سر انجام دینے میں مجھے کامیابی ہوگی۔
ہاں میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس
کے کپ کی دوش میں جناب ملک قادر بخش
صاحب تحصیلدار بنالہ نے پوری مدد دی
اور جسی محنت اور جفا کی ہے انہوں نے
اس موقع پر اپنے فرض کو ادا کیا وہ اسی ایک
باب ہے۔ عطا ہے کہ بنالہ کی تحصیل کے
مکمل مقامات متواتر تھے جس میں اتنے
بڑے بڑے کا انتظام اور اہتمام معمولی
بات نہیں۔ مگر انہوں نے ایسی تہنیتی اور

جفا کی ہے اپنے فرض کو انجام دیا اور اس
دورہ کے ختم کے ساتھ ہی بنالہ علاقوں کے
لئے پھر جائیں دورہ پر لگتا ہوا میں یقین
کرتا ہوں کہ صوبہ پنجاب کا ایک دینی
عہدہ دار جو گورنمنٹ پنجاب کے بعد
دوسرے ہی نمبر پر ہے تحصیلدار صاحب
کی ان خدمات کو قابل قدر نظر سے دیکھے

گاہ۔
بہر حال کسر نہ کیا گیا۔ صاحبان ممدوح
کے گزرنے کے لئے ایک سرگرمی مانی
گئی۔ اور داخلہ کے لئے ایک شاندار
دروازہ تیار کر لیا گیا جس کے سبب
حروف اپنے محضر مہمان کو غیر مقدم کہتے
تھے۔

صاحبان ممدوح ۲۱ مارچ کو گیارہ بجے کے
قریب قادیان میں داخل ہوئے۔
قادیان کی سرحد پر حضرت اقدس علیہ
السلام کے بڑے صاحبزادہ حضرت مرزا

بشیر الدین محمود احمد صاحب اور صدر انجمن
احمدیہ کے واجب احترام سیکرٹری خواجہ
کمال الدین صاحب اور خواجہ جمال
الدین صاحب نے صاحبان ممدوح کا
استقبال کیا۔ اور کتب خانہ کے باہر مدرسہ تعلیم
الاسلام کے علماء نے سلام کیا۔ تعلیم
الاسلام سکول کے علماء یہاں دو روئے
کمرے تھے اور ان کے ہاتھ میں تعلیم
الاسلام کا لٹچا ایک طرف صداقت اور
و قادیانی کا مضمون لیتے ہوئے سکول ممدوح
دوسری طرف مارا تھا۔ صاحبان ممدوح
نے ہیڈ ماسٹر صاحب مدرسہ سے بعض
ضروری امور دریافت کیے اور پھر طلبہ کا

سلام لینے ہوئے ان کے حلقہ
میں داخل ہوئے۔ ایک کتب خانہ جہاں صدر
انجمن احمدیہ کے لئے ممدوح نے آکا استقبال
کیا حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے
نے اپنی جماعت کے ان محضر اور سرکردہ
ممبروں کو نام بنام پیش کیا۔ جو اس موقع
پر حاضر تھے۔ اس تقریب پر مولیٰ کی
تعلیمات کی وجہ سے بہت سے احباب
قادیان میں موجود تھے۔ بہر حال

صاحب ممدوح اس جماعت کو لے کر اس
موقع پر بہت خوش ہوئے اسی موقع پر
سلسلہ کلام میں خواجہ صاحب نے اپنے
محضر مہمان کو حضرت سید ممدوح علیہ السلام
شان بیان کی طرف سے شام کی دعوت
کا بیٹام پیش کیا۔

جس کا جواب بعد میں دینے کے بعد
صاحب ممدوح اپنے کتب خانہ میں تشریف
لے گئے اور جماعت کے منتخب افراد
جناب صاحب ڈینی کثیر صاحب بہادر
سے ان کے کتب خانہ میں لے۔ مسز ایمل
مگ کے حلقہ میں کچھ کہنے کی حاجت
نہیں وہ ضلع بڑا خوش قسمت ہے جہاں
مسز ملک سا ڈینی کثیر ہو۔ آپ نہایت
اخلاق سے ہیں آئے اور ہمارے
محرومات کو نہایت توجہ سے سنا۔

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد جناب
صاحب ڈینی کثیر بہادر نے معائنہ
مدرسہ کا ارادہ ظاہر فرمایا ایل بیٹر اٹھم اور
جناب شیخ رحمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر
مرزا یعقوب بیگ صاحب اسی کتب خانہ
میں موجود تھے۔ جو انہیں اطلاع ملی
چنانچہ وہ صاحب ممدوح کے ساتھ مدرسہ
تعلیم الاسلام کو آئے۔

دروازہ پر زمینیاں مدرسہ اور قوم کے محضر
ہزاروں نے صاحب ڈینی کثیر بہادر کا
استقبال کیا۔ صاحب ڈینی کثیر ہر ایک
سے نہایت محبت سے ملے اور مدرسہ کے
تمام ممبروں اور چاقوں اور میٹروں کو
نہایت توجہ اور دیکھی سے دیکھا اور
اعلمہ مدرسہ فرمایا۔ مدرسہ تعلیم الاسلام کی
نئی عمارت کا نقشہ بھی ملاحظہ فرمایا۔ اور پھر

مدرسہ کی رانے بک میں اپنی رائے لکھنے
کے لئے باقی اور کچھ ممبروں کے
معاوضوں کو پرجا ان تمام امور کے بعد
صاحب ڈینی کثیر بہادر نے جناب
فاضل کثیر صاحب کی طرف سے قبول
دعوت کا شکریہ کے ساتھ بیٹام دیا۔ جس
پر صاحبان ممدوح کا کثیر مہمان کی طرف
سے کیا گیا۔ چنانچہ شام کی دعوت
صاحبان ممدوح کو حضرت سید ممدوح کی
طرف سے دی گئی۔ اگرچہ یہ معمولی باتیں

ہیں مگر یہاں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ
گورنمنٹ پنجاب کے محضر اور درج
ارکان ہر موقع پر ان افراد اور خاندان کی
عزت افزائی کے لئے تیار رہتے ہیں۔ جو
اس کے ساتھ دوستانہ اور وفادارانہ
تعلقات رکھتے ہیں حضرت مرزا صاحب
کے والد بزرگوار کے زمانہ میں جیسا کہ
میں اوپر لکھا چکا ہوں گورنمنٹ کے بڑے
بڑے عہدہ داروں کے مکان پر بلا تکلف
آتے اور دعوت کھاتے تھے۔ اس موقع پر

سلسلہ عالیہ احمدیہ کے امام اور پیشوا کی
دعوت کو قبول کر کے ان محضر عہدہ داران
نے سلسلہ احمدیہ کے افراد کے دلوں میں
گورنمنٹ کی نئی خیر خواہی کے خیالات کو
پیش از پیش بڑھا دیا ہے۔

اس تقریب دورہ پر سب سے بڑی اور
اہم بات حضرت مرزا صاحب کی ملاقات
تھی۔

بعض نادانوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ
حضرت اقدس سرکاری عہدہ داران سے
ملنے نہیں چاہتے۔ حالانکہ یہ امر محض احتیاج ہی
تھی جو شخص اپنے سلسلہ کے افراد اور
تعلیم میں گورنمنٹ کی خیر خواہی اور
اطاعت کا سخی دیتا ہے تو اسے اگر کسی
عہدہ دار سے ملنے کا موقع پیش آئے تو
اسے کب انکار ہو سکتا ہے۔

علاوہ بریں اسے تو خدا تعالیٰ کی طرف
سے حکم ہے کہ لوگوں کی ملاقات سے ٹھکانا

میں جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کی رائے کے مطابق مدرسہ کو درج کرنا ہوں اور ساتھ ہی اس غیر مقدم کو درج کر دیتا ہوں جو میں تقریب پر نہیں نے شائع کیا تھا۔

رائے

آج اس مدرسہ کے معائنہ کے لیے جا کر مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس انشٹیوٹن کے سرزین تعلیم میں حقیقی دیکھی سے کام لیتے ہیں اور کچھ ملک نہیں کہ اس کی قابل تہریف کوششیں ضلع کے اس حصہ میں تعلیم پھیلانے میں کامیابی حاصل کریں کی قصبہ کے باہر ایک مستقل قلعہ زمین مدرسہ کے واسطے خرید لیا گیا ہے اور جو نقشہ میں نے دیکھا ہے وہ امید دلاتا ہے کہ اس عہد پر بہت خوبصورت عمارت تعمیر ہو جائے گی۔

دستخط: سی ایم گلہ ڈپٹی کمشنر صاحب قادیان ۲۱ مارچ ۱۹۰۸ء

خاص پرچہ رقم
جو تقریب تہریف آوری عالی جناب
فاضل کمشنر صاحب بہادر جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع گورداسپور
جناب سید بدست صاحب بہادر ضلع گورداسپور شائع ہوا

مستطی

اے اہل سنت باعث آبادی ماہ ذکر تو بدوزحمہ
شادی با پھر زائے طراکم سلسلہ عالیہ احمدیہ کی
طرف سے وفاداری اور اخلاص کو خوشی کے
ساتھ جو اس سلسلہ کو نمٹ برطانیہ کے ساتھ
باعث اس کے احسانات عظیمہ کے (جو تمام
مسلمانوں پر عموماً اور ہم احمدیوں پر خصوصاً
ہیں) مندرجہ بالا افسران ذی وقار کو قادیان
کے مقام پر تہریف آوری کے لینے و دل کم کہتا
ہے اور دعا کرتا ہے کہ ہمیں کو نمٹ برطانیہ
کے ساتھ عافیت میں اپنے سید مقتدا امام
ہام حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی
برائوں کے موافق الہی حسن کو نمٹ کو دل
فکر ہے کہ ہم موافق ملتے ہیں۔ امید ہے۔
ماہانہ مدرسہ اس پیرز کے نہ مقدم کو قبول
فرمائیں گے۔ مگر قول ائندہ ہے عز و شرف
راقم یعقوب علی (تراب) احمدی لاہور مارچ ۱۹۰۸ء

نہیں پھر وہ کسی کے لئے سے بھی انکار
نہیں کر سکتا۔ ہیں چنانچہ اس زمانہ کے
دنیا داروں اور خوشامدیوں کی طرح وہ کسی
سے نہیں ملتے جن کی غرض صرف کسی
خطاب کی خواہش یا مطالب کا حصول ہوتا
ہے اور حضرت مرزا صاحب اپنی خدمات
ان اغراض کے لیے نہیں کر رہے ہیں۔
اس لیے انہیں جب کہ اس قسم کے اغراض
سے خدا تعالیٰ نے بالا تر فرمایا ہے اور
آپ کے قلب پر ان امور کا اثر ہی نہیں تو
اس خیال اور رنگ میں رنگین کیوں
ہوں۔ بہر حال اثائے مشکو میں جبکہ
فاضل کمشنر صاحب بہادر نے حضرت
مرزا صاحب کی ملاقات کے لیے خوشی کا
اعتراف فرمایا تو قرار داد کے موافق شام کو
پانچ بجے آپ کیمپ میں تہریف لے گئے
اس وقت ظہار عجیب تھا کہ کیمپ کے ارد
گرد حلقوں خدا کا ایک تانا تھا حضرت مرزا
صاحب مد چند خدام کے صاحب فاضل
کمشنر صاحب بہادر کے کمر ملاقات میں
وقت مقررہ پر پہنچے۔ فاضل کمشنر صاحب
بہادر نہایت اخلاق اور اکرام کے ساتھ
حضرت مرزا صاحب کو اپنے خیمہ کے
دروازہ پر ملے اور بڑے احترام کے ساتھ
جو دونوں ملتے و ملتوں کی شان کے شایان
تھا پیش آئے حضرت اقدس اور احباب
کرسیدوں پر بیٹھ گئے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر
بہادر بھی موجود تھے۔ مہمان اور میزبان
میں نہایت ہی خوشگوار ماحول میں سلسلہ
کلام شروع ہوا۔ حضرت مرزا بہت ہی
مناسب انداز اور مناسب وقت اپنے
سلسلہ کے اغراض اور مقاصد اور سلسلہ
احمدیہ کے تعلقات کو نمٹ برطانیہ
فرماتے رہے۔ مجھے یقین ہے فاضل کمشنر
صاحب بہادر کے لیے یہ پہلا موقع ہوگا
کہ کوئی بالکل بے غرض انسان ان سے ملا
ہے۔ آخر میں صاحب فاضل کمشنر
صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی
ملاقات پر بہت ہی مسرت کا اظہار فرمایا۔
اس کے بعد حضرت مرزا صاحب واپس
تہریف لے آئے اور صاحب ممدوح
نے اپنے اہل اخلاق کا بیعت
دیا اور بتایا کہ باوجود ایسے معزز رتبہ اور
عہدہ کے بھی وہ قابل عزت انسانوں کی
تکریم کرتے ہیں اور یہ بالکل غلط ہے کہ
وہ ایسے شرفا سے نفرت کرتے ہیں۔ آخر

کیا محمودیوں کے جاسوس اور کار خاص کے کل پرزہ ہونے میں اب بھی کوئی اشتباہ رہے گا؟
محمودیوں کی جاسوسی اور کار خاص کے متعلق ایک اور خفیہ چٹھی کی نقل

۱- کترین کے بزرگ ابتدائی عمل داری انگلشیہ میں وفادار کورنٹ انگلشیہ رہے صلہ خدمات اراضی عطا ہوئی (ملاحظہ ہوں پٹہ حازر دفتر ہوشیار پور ردیف ۲۶۳ تاریخ فیصلہ اجلاس مسٹر برکس صاحب ۱۸۶۷-۷-۱۶)

۲- کترین کے والد کی خدمات:-

(۱) اکالی موومنٹ میں ہیرا کلیوں کے قتل پر آمادہ رہے۔ اشتہار قتل لگائے۔ حفاظت جان کے لیے اسلحہ عطا ہوا۔

(ب) جنگ عظیم میں بھرتی میں مدد دی۔

(ج) تحریک عدم تعاون میں بحیثیت ممبر ڈسٹرکٹ ایک مقابلہ کیا۔

(د) کار خاص میں ڈائریاں دیتا رہا اور لیکچرز خلاف موجودہ کانگریس دیتا رہا۔ (ملاحظہ ہو ڈائریاں اور روایت ادا اجلاس از دفتر صاحب ڈپٹی ہوشیار پور)

(ر) محکمہ پولیس میں آنریری کام کیا۔ (ملاحظہ ہو ڈائری پولیس گڑھ شکر ۱۹۳۰-۶-۲)

(س) بحیثیت پریذیڈنٹ ویکٹری سوسائٹیز آنریری خدمات کرتا رہا۔

سرٹیفیکٹ جملہ خدمات لف ہیں۔

۳- کترین کے دادا نے بھی خدمات سوسائٹیز آف بکری کیں۔

۴- درخواست کے ساتھ ۳۶ کاپی شامل ہیں۔ نقل مطابق اصل۔

پیغام صلح لاہور، ۱۱ فروری ۱۹۳۱ء

پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۳۱ء میں مرزا محمود کے قادیانی پیروکاروں کی جاسوسی۔ کانگریس مخالف تحریکوں میں شمولیت اور برطانوی حکومت کی سیاسی خدمات ادا کرنے کا ناقابل تردید ثبوت پیش کیا گیا۔ ایک مقتدر قادیانی جو مرزا محمود کا خاص مرید تھا اس نے گورنر پنجاب کے نام چٹھی لکھی جسے پیغام صلح لاہور نے شائع کر دیا تاکہ قادیانوں کے جاسوس ہونے کا دستاویزی ثبوت بہم پہنچایا جائے۔

(ii) خفیہ سیاسی کارروائیاں

قادیانی محمودی لوگ مذہب کے نام پر سیاست میں حصہ لینا ضروری سمجھتے ہیں وہ گورنمنٹ میں اثر و رسوخ بڑھا کر لوگوں کی توجہ اپنی طرف منعطف کرنا چاہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس طریق سے بہت سے دینی عزت و جاہ کے طالب اور ملازمت کے خواہاں خود بخود ہماری طرف کھینچے چلے آئیں گے اس طرح ہمارا جھوٹے بھی زبردست ہوتا جائے گا جس سے گورنمنٹ پر مزید اثر پڑے گا اور ہماری آمدنی بھی بڑھے گی اور ریاست کی بنیاد بھی پڑ جائے گی اس لیے وہ گورنمنٹ کے مرکزی دفاتر کا طواف کرنا اور سیاسی کاموں میں ظاہر اور خفیہ طور پر گورنمنٹ کے دست و بازو بننا اپنا شعار بتاتے اور اس کے بدلہ میں گورنمنٹ میں رسوخ بڑھانا اور نفع اٹھانا ضروری سمجھتے ہیں اور اس لیے مذہب کے نام پر لاکھوں روپیہ قوم سے لے کر سیاسی خفیہ کارروائیوں میں صرف کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے چونکہ ان کے عقائد ہی ایسے باطل ہیں کہ کسی عقل مند کو اپیل نہیں کر سکتے اس لیے سیاسی رنگ میں جتنے بندی کے سوا ان کا مقصد کسی اور طریق سے حاصل ہونا انہیں مشکل نظر آتا ہے بدیں وجہ وہ سیاسی میدان میں کار نمایاں دکھا دکھا کر اپنا جتنا بڑھانے کا کام کرتے رہتے ہیں۔

(پیغام صلح لاہور ۵ جنوری ۱۹۳۵ء)

(iii) گورنمنٹ کے جاسوس

جناب خلیفہ قادیان اور قادیانی جماعت نے گزشتہ ۲۰-۲۱ سال کے عرصے میں حکومت کی جو بے بہا شاندار خدمات انجام دی ہیں ان کو جناب خلیفہ صاحب اپنے خطبات میں نہایت تفصیل سے بیان کر چکے ہیں انہوں نے حکومت کی مخالف تحریکوں کو دبانے اور ناکام بنانے کے لیے اپنے غریب مریدوں سے جمع کیے ہوئے لاکھوں روپے جو تبلیغ و اشاعت کے لیے لیے گئے تھے پانی کی طرح بہا دیئے۔ انہوں نے ہنگامہ کانپور اور رولٹ ایکٹ کے زمانے میں حکومت کی پر جوش حمایت کی انہوں نے خلافت، ہجرت، عدم تعاون کی تحریکات کے وقت حکومت کو لہا دو دی۔ انہوں نے کانگریس کا مقابلہ کیا اور پنجاب میں اس کے دانت کٹھے کر دیئے۔ انہوں نے جنگ عظیم (اول) اور کابل کی لڑائی میں ہزاروں آدمی بھیجے۔ انہوں نے حکومت کے لیے وہ کام کئے جنہیں سرکاری آدمی حکومت سے سینکڑوں ہزاروں روپیہ وصول کرنے کے باوجود خود انجام نہ دے سکے۔ جناب خلیفہ قادیان کی یہ شاندار سرکاری خدمات سلسلہ احمدیہ کے اصل مقاصد یعنی تبلیغ اسلام سے بلاشبہ دور پڑی ہوئی ہیں اور اسی وجہ سے سلسلہ اس رنگ میں بھی کافی بدنام ہو چکا ہے کہ یہ گویا گورنمنٹ کے جاسوس ہیں۔

پیغام صلح لاہور ۳ فروری ۱۹۳۵ء

(iv) قادیانی سیاست

قادیانی خلافت کی طرح قادیانی سیاست کا انداز بھی نہایت پیچدار ناقابل فہم اور رازدارانہ رہا ہے۔ ۱۹۳۰ء کا ذکر ہے کہ کانگریس کی سول نافرمانی کی تحریک شباب پر تھی پکڑو دھکڑو کا بازار گرم تھا کانگریس لوگ ہر روز ملک کے لیے نئی سے نئی مشکلات پیدا کر رہے تھے قادیانی جماعت کی ساری مشینری ایک جاسوسانہ انداز میں حکومت کے لیے حمایت میں وقف تھی انہی ایام میں قادیانی جماعتوں کے نام جناب خلیفہ صاحب قادیان کے وزیر خارجہ یعنی ناظم امور عامہ کی طرف سے ایک خفیہ سرکلر جاری ہوا (کہ کانگریس تحریکات پر نظر رکھیں)

۱۹۳۰ء میں خفیہ جھٹی اور جاسوسی کی غرض و حمایت مسلمان سرکاری ملازمین کی حفاظت بتائی جاتی تھی لیکن ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۵ء میں اس کی غرض حکومت کی امداد اور وفا شعاری ارشاد ہو رہی ہے۔

(پیغام صلح لاہور ۷ جون ۱۹۳۵ء)

لندن میں عید الاضحیٰ کی تقریب

”ہندوستان کے مستقبل پر تقریریں“ بعد دوپہر مسٹر محمد علی جناح کی تقریر انگلستان کے اعلیٰ ترین سیاست دانوں اور معززین کے سامنے ہندوستان کا مستقبل کے عنوان سے ہوئی جسے سب لوگوں نے دلچسپی سے سنا آپ نے بتایا کہ ہندوستان اب بہت جلد ترقی کرے گا ورنہ ہمہ کی تجاویز ہندوستانیوں کو مطمئن نہیں کر سکتیں انہیں کامل خود مختاری ملنی چاہیے۔

ان کے بعد پریزیڈنٹ سر سٹوارٹ سنڈھین ایم اے نے مسٹر جناح کے خیالات سے اختلاف کا اظہار کیا۔ مکرّم درد صاحب نے سب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم نے دلوں قسم کے خیالات سن لیے ہیں ہمیں غور کر کے ان سے نتیجہ اخذ کرنا چاہیے کہ ہماری روئے میں ہندوستان کی ترقی برطانیہ اور ہندوستان کے اتحاد سے وابستہ ہے اس پر ہر خیال کے لوگوں نے اطمینان کا اظہار کیا اور جلسہ بخیر و خوبی چائے وغیرہ کے بعد درخواست ہو۔

(الفضل قادیان ۱۷ اپریل ۱۹۳۳ء)

Report of Alfazl Qadian, 27 April 1933. It repudiates A Imadi claim that the Quaid-i-Azam returned to India on the persuasion of A.R.

Dard, Imam London "Mosque"



تہذیب ۶۲ | موزعہ ہفتہ | ۱۳۵۳ھ | ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ | جلد

المنہج

جماعتوں کی نسبت ایک ہفتہ زائد وقت لگایا تھا۔ جماعت احمدیہ چھ ماہوں کی لاہور کے ہر ایک گھر نے غلیظہ اسحاق علیہ الرحمۃ تعالیٰ کی خدمت میں فرود فرما کر حسب ذیل مضمون کی درخواست پیش کی ہے۔

”حضور کے نوؤبر کے خطبہ جمعہ کی تعمیل میں خاکسار اپنے بیٹے ہر ایک قسم کی قربانی کے لئے پیش کرتا ہوا مودبانہ نفس ہے۔ کہ خاکسار کے ذمہ چندہ کا کوئی بھلیا نہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ اسی طرح ماہ بماء کا قاعدہ چندہ ادا کرتا رہے گا۔ اپنے ذمہ چندہ کا بھلیا نہیں ہونے دے گا۔“

بھلیا ہے یا بروہ جماعت جس کے چندوں میں بھلیا ہے وہ فوراً اپنے اپنے بھلیا پورے کرے اور آئندہ کے لئے چندوں کی ادائیگی میں باقاعدگی کا نمونہ دکھائے۔“ (۲) یہ کہ ”ہفتہ کے امداد اور ہر وہ شخص جس کی کسی سے لڑائی ہو چکی ہے بروہ نفس جس کی کسی سے بول چال بند ہے۔ وہ جائے اور اپنے بھائی سے سمانی مانگ کر صلح کر لے۔“ (۳) یہ کہ ”جلد سے جلد ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو سلسلہ کے لئے اپنے دامن چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ اپنی چالوں کو خطرات میں ڈالنے کے لئے تیار ہوں اور بھوکے پیاسے روہ کربخیر بھگڑا ہوں کے اپنے گھس کو تمام تکالیف سے گزارنے پر آمادہ ہوں۔“

آخری مطالبہ کے متعلق حضور نے سرکاری ملازموں۔ تاجروں۔ طالب علموں اور سلسلہ کی خدمات سرانجام دینے والوں۔ ذراعت کا کام کرنے والوں یا دوسرے پیشہوروں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا۔ ”میں صرف ان لوگوں کو آواز دیتا ہوں جن کو ابھی تک نوکریاں نہیں ملیں۔“

اس خطبہ کے شائع ہونے پر سب سے پہلے جماعت جس نے حضور کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے باجمعی صلح کی اور چندوں کے بھلیا کو صاف کرنے کا عہد کیا وہ لاہور چھاؤنی کی جماعت ہے۔ اس بارہ میں قادیان کی جماعت بھی اس سے پیچھے رہ گئی ہے۔ حالانکہ اسے دوسری

نہایت حضرت غلیظہ اسحاق علیہ الرحمۃ تعالیٰ کے متعلق میں نوؤبر بعد لاچہر کی ڈاکٹری رپورٹ ملے ہوئے ہے۔ کہ حضور کی کھانسی کی تکلیف میں اب خدا تعالیٰ کے فضل سے کمی اور عام صحت اچھی ہے۔ فلہذا الحمد للہ علی ذلک۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا ہے کہ جناب میرا محمد اسحاق صاحب کی چھوٹی اہلیہ صاحبہ صحت کے لئے وردل سے دعا کی جائے۔

ابن نوؤبر بعد لاچہر جامعہ احمدیہ کے ہوٹل کا حضرت غلیظہ اسحاق علیہ الرحمۃ تعالیٰ نے افتتاح فرمایا ”جامعہ“ کی طرف سے بی پارٹی دی گئی۔ پرنسپل صاحب کی طرف سے جناب میر محمد اسحاق صاحب نے ایٹوٹیس پڑھا جس کے جواب میں حضرت غلیظہ اسحاق علیہ الرحمۃ تعالیٰ نے مختصر تقریر فرمائی۔ اور پھر اپنے ہاتھ سے مکان کے دروازے کھولے۔

چندہ نوؤبر بذریعہ تار اطلاع موصول ہوئی۔ کریم مبارک احمد صاحب مسلمانہ دینی سبستی سے جہاز پر سوار ہو گئے۔

حضرت غلیظہ اسحاق علیہ الرحمۃ تعالیٰ کے نوؤبر کے خطبہ جمعہ کا جو حصہ افکارہ نوؤبر کے الفضل میں شائع ہوا ہے۔ اس میں حضور نے اپنی جماعت سے نئے مطالبات کیے ہیں (۱) یہ کہ ”ہر شخص جس کے چندوں میں کوئی نہ کوئی

ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس موقع پر میرے دل میں غیرت پیدا ہوئی اور سلسلہ تک اور

سلسلہ کے متعلق آئندہ خطرات

کو دیکھتے ہوئے میری طبیعت میں ایک ایسا جوش پیدا ہوا جو بغیر غلی اور اطمینان کے دینے کو تیار نہیں۔ اور انشاء اللہ تم اس کے بغیر نہیں دے گے۔ مگر یاد کرو اس کے میں نے عمل نہیں کھوئی۔ اور نہ اس راستہ کو ایک منٹ کے لئے بھی چھوڑا ہے جس کی سلسلہ احمدیہ میں تعلیم دیتا ہے اور جس کی دنیا میں ہم ہمیشہ پہنچ کر رہے ہیں۔ یہی

میری تمام سکیم

اور میرے

تمام جذبات کے چاروں کو نے

اور اس کی بنیادیں ان نشانات پر جن کو شریعت نے تم کو کیا اور جن کو سلسلہ احمدیہ نے دنیا پر ظاہر کیا۔ اور میری سکیم کا ایک باریک ذرہ بھی ان بنیادوں سے باہر نہیں جن کو شریعت اسلام اور سلسلہ احمدیہ نے قائم کیا ہے۔ یہی مجھے ان لوگوں کی باتیں پائند ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کوئی

اہم بات

نہی۔ ایک شخص کے فعل پر اتنا جوش دکھانا نہیں چاہئے۔ قہار اور کوس نہیں کہ سکھ اس قسم کی بات کہنے والے بہت سے لوگ ہیں۔ کھنکھ

ایک سے زیادہ خط

مجھے اس بارہ میں نہیں آیا لیکن چونکہ ممکن ہے کہ بعض اور بھی لوگ ہوں جو یہ خیالات دیکھتے ہوں۔ اس لئے میں نے لوگ کا لفظ استعمال کیا۔ اس کھنکھنے والے نے لکھا ہے کہ کوشش کی طرف سے جو کس دیا گیا۔ ایک شخص کا فعل ہے۔ یہی اس سے زیادہ نہیں اس کو کہتے نہیں دینی چاہئے۔ میں نے اپنے کزنشہ غلبات میں بتایا ہے کہ یہ ایک شخص کا فعل نہیں اور نہ ہی ہمارے متعلق حکومت کا یہ ایک فعل ہے بلکہ

افعال کا ایک لہا سلسلہ

ہے۔ جس میں کچھ مقامی مشعل کے اثر اور کچھ مرکزی گورنمنٹ کے اثر شامل ہیں۔ مگر دوسری طرف جو خط آتا ہے۔ اس کے لحاظ سے ممکن ہے کہ اس قسم کے خیالات رکھنے والے لوگ بھی ہماری جماعت میں ہوں۔ اس لئے میں وضاحت سے بعض باتیں کہہ دینا

نہایت اہم اور اہل ان موضوعات پر مشتمل خط

گورنمنٹ کو اپنی غلطی کا اقرار کرنا چاہیے

اعلان کردہ سکیم کے متعلق چند متن

از حضرت علیہ السلام جانشین الیہ السلام علیہ السلام
زمرہ ۱۶۔ نمبر ۱۱۱

ایک واقعہ

یاد ہے اور وہ خلافت سے پہلے کا ہے۔ اس میں کچھ میری عمر کا بھی تھا تھا۔ مگر بہر حال ساری عمر میں مجھے وہی واقعہ یاد ہے جس کے متعلق اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اس وقت میرے

فیصلے کا توازن

باقی نہیں رہا تھا۔ اور اگر ایک ساعت اور ایک لمحہ کے اندر اندر میری غلطی مجھ پر واضح نہ ہو جاتی۔ تو شاید مجھ سے کوئی ایسی حرکت ہو جاتی جس کے متعلق بعد میں مجھے شرمندگی محسوس ہوتی اور میں خیال کرتا کہ میں نے جلد بازی سے کام لیا۔ اس واقعہ کے علاوہ مجھے اپنی

ساری زندگی میں

کوئی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا جبکہ میرے ہوش و حواس کھوئے گئے ہوں جبکہ

غصہ یا غیرت

نے میری عقل کو کمزور کر دیا ہو اور جبکہ میری قوت فہم میں کسی وجہ سے ضعف آ گیا ہو۔ بلکہ ہر حالت میں خواہ وہ خطرناک ہو یا معمولی۔ خواہ حکومت سے متعلق رکھتا ہو یا رعایا سے۔ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے فضل سے میری عقل میرے جذبات پر غالب رہی ہے اور میری دینی کچھ میرے جوش کی راہنمائی کرتی رہی ہے اور یہی بات اس موقع پر بھی

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

میں نے اپنی طرف سے پچھلے خطبہ جمعہ میں اس مضمون کو قلم سمجھا تھا جو

حکومت کے بارے میں

تھا اور قابل آج کے خطبہ میں مجھے اس حصہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہ پڑی اور اپنے ارادہ کے مطابق تو میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اس بارے میں سر دست کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس دوران میں مجھے

ایک خط

ملا جس نے مجھے پھر تحریک کی۔ کہ اس حصہ کے متعلق میں اپنے خیالات کی کس قدر اور وضاحت کروں۔ یہ وضاحت ان واقعات کے متعلق نہیں ہے جن کی تفصیل کے ساتھ میں نے بیان کیا تھا بلکہ یہ وضاحت اس

طریق میں مل

کے متعلق ہے۔ جو ہماری جماعت کو میرے نزدیک حکومت کے متعلق اختیار کرنا چاہئے یا جس طریق میں پر ہم یہ فیصلہ کار بند رہے چلے آئے ہیں۔ میں یہ وضاحت سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میری ساری عمر میں میرا نقطہ نگاہ یہی نہیں ہوا کہ میں

غیر معمولی جوش دکھایا یا غیر معمولی طور پر اپنے آپ کو اپنے جوش کے حوالے کر دیا اور اس طرح میں مجھے

چاہتا ہوں۔

جس خط کا میں نے ذکر کیا ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ ہم دیر سے محسوس کر رہے ہیں کہ اگر بڑے لوگ بغیر

شورش اور فساد

کے کوئی بات نہیں مانا کرتے اور یہ کہ اس دوست کے نزدیک اب وقت آگیا ہے کہ ہم گورنمنٹ کے متعلق اس

وفاداری کی تعلیم

پر جو ہمارے سلسلہ میں موجود ہے دوبارہ غور کریں۔ اور سوچیں کہ کیا اس کی تشریح حد سے بڑھتی ہوئی تو نہیں۔ اور کیا وفاداری کا جو مفہوم ہم سمجھتے چلا آئے ہیں۔ وہ

خوشامد اور گھاپن

تو نہیں۔ فرض اس دوست کے نزدیک ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان تمام باتوں پر غور کر کے ہم پھر ایک رائے قائم کریں اور اس کے مطابق اپنے سلسلہ کی پالیسی کو ڈھالیں۔ گو اس خط میں جو مجھے لکھا گیا۔

سلسلہ کی تعلیم کی عظمت

کو قائم رکھا گیا ہے۔ اور کو اسلام کی عظمت اور اس کے احکام کی پابندی کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ لیکن اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نوجوان کے دل میں اور ممکن ہے بعض اور نوجوانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال ہے کہ سلسلہ کی وفاداری کی تعلیم کے جو حصے لیے گئے ہیں وہ زیادہ کرے ہوئے اور اپنے اندر رد عمل رکھتے والے ہیں۔ مگر میں متاثر یا متاثر ہوں کہ حکومت کی وفاداری کی ہمارے سلسلہ کی طرف سے جو تعریف کی گئی ہے۔ وہ ایسے

دو ٹوٹی اور یقین کے ماتحت

کی گئی ہے۔ کہیں آج بھی اسے دیا ہیج اور درست سمجھا جاتا ہے جس طرح آج سے پہلے درست سمجھا کرتا تھا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہی تعریف ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور رسول کریم ﷺ اور

خدا تعالیٰ کے منشاء کو پورا کرنے والی ہے۔ اور خواہ آئندہ کیسے ہی فطرتی حالات پیش آئیں۔ بغیر ایک منٹ کے توقف کے میں اس کو بے غلطی کو تیار ہوں۔ جس پر ہم ہمیشہ چلے آئے ہیں۔

یقین کامل

ہے۔ کہ حکومت کی وفاداری کی ہمارے سلسلہ

میں جو تعلیم ہے۔ اور اس کی جو تشریح کی گئی ہے۔ وہ کیا لحاظ ضرورت کے کیا لحاظ خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کے منشاء کے اور کیا لحاظ اسلام کے مفاد اور اس کی ترقی کے بالکل صحیح اور درست ہے۔ اور اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ اور درست ہے۔ اور اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ اس دوست نے اپنے خط میں

ایک واقعہ

بھی پیش کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ ایک دلدہ پبلک پرائیمری اسکول کے سلسلہ میں سب آپٹیکری کے لیے بلور امیدوار پیش تھے۔

لاہور کے سینٹر سپرنٹنڈنٹ

مسٹر ہارڈنگ کے سامنے جب انہوں نے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں احمدیہ جماعت میں سے ہوں۔ اور احمدیہ جماعت وہ ہے جو حکومت برطانیہ کی ہمیشہ وفادار رہی ہے۔ تو

مسٹر ہارڈنگ

نے کہہ میں احمدیہ جماعت کی وفاداری کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتا وہ دوست لکھتے ہیں۔ جب ہماری جماعت کی وفاداری کے کوئی معنی ہی نہیں۔ تو کوئی شخص کہ ہم لاکھوں روپیہ

حکومت کی بہبودی

کے لیے خرچ کریں۔ اور اپنی سیکورٹی جیسی چالوں کو فخرات میں ڈالیں۔ اور حکومت کی وفاداری ان معنوں میں کرتے چلے جائیں کہ نازک اور مشکل مواقع پر اس کی حمایت کریں۔

پیلے فریق کی غلطی

میں مجھے بات کر چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ نہ ایک شخص کا فعل ہے اور نہ اپنی ذات میں منفردانہ واقعہ ہے۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر یہ ایک اصل بھی ہو اور ایک شخص کا ہی فعل ہو تب بھی بعض دفعہ ایک شخص کا ہی فعل نہایت بڑے نتائج پیدا کر دیا کرتا ہے۔ اور اگر ہمیں بعد میں بھی یہی معلوم ہو کہ ایک شخص کے فعل سے ہمارے

سلسلہ کی آئندہ ترقی پر اثر

پڑتا۔ یا ہمارے اور گورنمنٹ کے تعلقات خراب ہوتے ہیں تو لازماً ہمارا فرض ہوگا کہ ہم سلسلہ کی عظمت اور گورنمنٹ سے اپنے تعلقات کی درستی کے لیے اس کا ہولہ کریں۔ ورنہ مذہبی امور سیاسی دونوں لحاظ سے سلسلہ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

اسلام میں اس کی مثال

موجود ہے۔ جب رسول کریم ﷺ نے ہوازن پر چڑھائی۔ تو مالِ نبوت میں ان کے بہت سے گلے اور ریڑھی آئے۔ کہہ کے مسلمانوں کے متعلق رسول کریم ﷺ چاہتے تھے کہ ان کے دلوں کو محبت اور پیار سے اسلام کی طرف مائل کریں۔ دوسرے اس لیے کہ کہہ والے سمجھتے تھے کہ شاہ مسلمان ہماری پرانی مخالفت کی وجہ سے دل میں ہم سے بغض رکھتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے یہ ظاہر کرنے کے لیے ہم پرانی مخالفتوں کو یاد نہیں رکھے۔ بلکہ بھلا دیا کرتے ہیں۔ ریڑھوں کے ریڑھوں میں تقسیم کر دیئے۔ اس پر

انصار میں سے ایک نوجوان

جو اس حرکت کو نہیں سمجھتا کھڑا ہوا اور اس نے کہا تم لوگوں سے تو ہماری خون پیتا ہے۔ مگر جب ہم نے جائیں قربان کر کے بیچ حاصل کی تو مالِ نبوت کدالے لے گئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہوازن کے سر کر میں

سب سے زیادہ قربانی

انصار نے بھی کی تھی۔ میں نے بھی دلدہ بتایا ہے کہ جنگ حنین میں کفار کے مقابلہ میں ان نو مسلمانوں کی وجہ سے جو صحابہ کے ساتھ جنگ میں شامل ہو گئے تھے اور کچھ ان کفار کی وجہ سے جو مسلمانوں کی طرف سے ہو کر لڑے۔ ان میں بھی مگر بڑی کئی اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ گئے۔ یہاں تک کہ

صرف بارہ آدمی

رسول کریم ﷺ کے پاس رہ گئے۔ اس وقت ہوازن کے چار ہزار مجرم بیکار تیرا انداز

مسلمانوں پر تیروں کی بارش

برسا رہے تھے۔ اور مسلمانوں کے گھوڑے اور ان کے اونٹ بے تحاشا بھاگے جا رہے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے جب یہ حالت دیکھی تو آپ نے حضرت عباس سے جن کی آواز بہت بلند تھی کہہ عباس زور سے آواز دو۔ کہ

اے انصار خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے آپ نے اس موقع پر جہاں جن نہیں پکارا بلکہ انصار کو پکارا انصار خود کہتے ہیں جب ان کے کالوں میں یہ آواز پہنچی کہ اے انصار خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ تو انہیں یہیں معلوم ہوا کہ

صور اسرا مثل

پھونکا جا رہا ہے۔ اور قیامت کا دن آگیا ہے۔

جو شخص اپنی سواری کو سوار رکھ دے اپنی سواری کو
دوڑاتے ہوئے اور جس کی سواری نہ مڑ سکے۔
اس نے کھوار سے اس کی گردن اڑاتے ہوئے
جیری سے رسول کریم ﷺ کی طرف بڑھنا
شروع کیا یہاں تک کہ چھ حٹ میں ہی
میدان صاف سے بھر گیا اور مسلمانوں کی ہکست
جگ میں تبدیل ہو گئی۔ یہ جگ

ہوا زن کے مقابلہ میں

مسلمانوں کو حاصل ہوئی خصوصیت سے انصار
کی جگہ بھی جب ایک بے خوف نوجوان
نے یہ الفاظ کہے کہ

خون ہماری گلواریوں سے لپک رہا ہے
مگر روڑہ کے والے لے گئے۔ تو رسول کریم
ﷺ نے انصار کو بھی کیا۔ اور فرمایا اے انصا
ر مجھے تمہاری طرف سے یہ بات سچی ہے۔
انصار روچے اور انہوں نے کہا کہ یا رسول
اللہ! اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ یہ ایک

نادان نوجوان کے منہ سے نکلتے الفاظ
ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے ان کی اس بات کی
طرف کوئی دھیان نہ دیا اور فرمایا۔ تم کہہ سکتے
تھے کہ محمد ﷺ اکیلا قہل اس قوم نے اسے د
کر دیا۔ اس کے مٹن والوں نے اسے اسے کھر
سے نکال دیا۔ اس کی تکذیب کی۔ اس کی تحفیر
کی اور اس کے

قتل کا ارادہ

کیا۔ مگر ہم گئے اور اسے اپنے وطن میں
لائے۔ اپنی قریش اس پر قربان تھیں۔ اپنی
جائیں اس پر ذرا نہیں اور جب لڑائی ہوئی تو
اس کے دائیں بھی لڑے اور بائیں بھی۔ آگے
بھی لڑے اور پیچھے بھی۔ یہاں تک کہ اس کے
بھائیوں سے لڑ کر وہ شہر جس میں سے اسے نکالا
گیا قلعہ کیا اور اس کے لیے

جانی اور مالی ہر رنگ کی قربانی

کی۔ مگر جب مال دینے کا وقت آیا تو اس نے
اپنے رشتہ داروں اور دشمن والوں کو مال دے
دیا مگر ہمیں یاد نہ رکھا۔ انصار ایسی شخص
جماعت بھلا اس کو کب برداشت کر سکتی تھی۔
ان کی

روئے روئے تک بندھ گئی

اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم تو کہہ چکے یہ
ایک نادان نوجوان کا فعل ہے۔ ہم اس سے
بیزار ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے پھر ان کی
بات کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اور فرمایا اے
انصار! تم ایک اور بات بھی کہہ سکتے تھے کہ وہ یہ

کہ خدا نے محمد ﷺ کو مکہ میں پیدا کیا مگر
مہینہ والوں کی قربانیاں

خدا تعالیٰ کو کچھ ایسی پسند آئیں کہ وہ اپنے خاتم
النبیین کو مکہ سے اٹھا کر مدینہ میں لے آیا۔ پھر
مدینہ والوں کی قربانیاں کو خدا تعالیٰ نے نواز د
اور انہیں توفیق دی کہ وہ اس کے وعدوں کے
پورا کرنے والوں میں شامل ہوئے اور جب
خدا تعالیٰ نے خاص اپنی طاقتوں اور بے انتجا
قدرتوں کے نتیجہ میں ملک عرب کو اس کے
رسول کے تابع کر دیا اور کہ جس میں سے اسے
نکالا گیا قلعہ فتح ہو گیا تو مکہ والے تو خوف اور
بھیر میں ہاک کر لے گئے مگر مدینہ کے لوگ
خدا کے۔

رسول کو اپنے گھر

لے آئے۔ انصار نے پھر روتے ہوئے کہا یا
رسول اللہ جو کچھ ہوا وہ ہمارے ایک بے خوف
نوجوان کا قول تھا۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق
نہیں۔ آپ نے فرمایا جو کچھ ہونا تھا وہ چکا۔
اس ایک نادان کے قول کی وجہ سے آپ تم

دنیا کی بادشاہت سے ہمیشہ کے لیے
محروم
رو گئے۔ تم نے جو کچھ لیتا ہے۔ وہ مجھ سے
حوض کثر پر آ کر لیتا۔

تیرہ سو برس گزر گئے۔ اس واقعہ کے بعد عرب
حاکم ہوئے۔ مصری حاکم ہوئے۔ حبش نسل
کے لوگ حاکم ہوئے۔ سوش حاکم ہوئے۔ مگر
پنهان حاکم ہوئے۔ مظل حاکم ہوئے۔ مگر
رسول کریم ﷺ کے گرد جائیں قربان کرنے
والے انصار تھے

چھوٹی سی ریاست کے مالک

بھی نہ بن سکے۔
کتنی بڑی اہمیت ہے جو ایک نادان کے قول کو
دی گئی اور یہ اہمیت اس لیے دی گئی کہ اگر یہ
بات برداشت نہ کرتی جانی تو یہاں مشتبہ ہو جاتا۔
کہ نبی کے زمانہ میں جب کوئی قوم قربانی کرتی
ہے تو وہ احسان نہیں کرتی بلکہ وہ حقیقت اس پر
خدا تعالیٰ کا احسان ہوتا ہے کہ اسے

خدمت دین کی توفیق

دی گئی۔
پس اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ ایک شخص کا
فصل ہے یا
اپنی ذات میں منفردانہ واقعہ
جب بھی یہ معاملہ اپنی ذات میں یکہ کم اہمیت

نہیں رکھتا۔ بلکہ اس قابل رہتا ہے کہ اس کی
طرف زیادہ توجہ کی جائے مگر جیسا کہ میں
ذات کر چکا ہوں یہ ایک شخص کا فعل نہیں بلکہ
ایک سے زیادہ افراد میں شریک ہیں
دوسرے یہ اکیلا واقعہ نہیں بلکہ واقعات کا ایک
لسا سلسلہ ہے جس کی یہ ایک کڑی ہے۔

اس طرح جو دوسرا اعتراض ہے اس کے بارہ
میں میں تسلیم کر لیتا ہوں کہ مسز ہارڈنگ نے
یہ کہا ہو۔ کہ میں

جماعت احمدیہ کی وفادارانہ خدمات
کی کوئی قیمت نہیں جتھا لوگن ہے اس دوست
کلمات کے سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہو لیکن
یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ مسز ہارڈنگ نے یہ کہا
ہم نہیں کہہ سکتے کہ

ساری انگریز قوم

انہی خیالات کی موع ہے کیونکہ صرف ایک
کی تعلق ہے۔ اور ان الفاظ کے معنی یہ ہیں۔
کہ ہم جماعت احمدیہ کی وفاداری کے بدلے
اسے عہدہ نہیں دے سکتے۔ یہ ایسی تعلق
ہے جو انگریزوں کو مل سکتی ہوئی ہے۔ وہ ایسے
وقت جبکہ ان کی وفادار جماعت کی ضرورت
ہو۔ جماعت احمدیہ کی مدد کے لیے بلا تے ہیں۔
مگر جب

عہدہ دینے کا سوال

ہو تو انگریزوں کو دے دیتے ہیں۔ مگر اس کا
فائدہ بھی کو غنٹ بھلت رہی ہے اور اب
حالت یہ ہے کہ

حکومت کے اپنے راز بھی محفوظ نہیں
ایک دفعہ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک افسر کو
مجھے سے کسی مدد کی ضرورت پیش آئی۔ تو انہوں
نے مجھ سے خواہش کی کہ میں ان کے لیے
کوشش کروں۔ اس غرض کے لیے میں نے
ایک خط لکھوایا۔ مگر جس دوست کو وہ خط لکھوایا
گیا قلعہ انہوں نے لکھا کہ مجھے جیسے ایسی حالت
میں ملا ہے کہ مجھے شبہ ہے وہ دست میں کھولا گیا۔
اور اس کا مضمون ڈاک خانہ میں پڑھ لیا گیا
ہے۔ پھر

عجیب بات

یہ ہے کہ خط یہاں سے نکلتا کہ کچھ بھیجا گیا تھا
مگر وہاں جب پہنچا تو اس پر کوئی ٹکٹ نہ تھا
لطیف یہ ہوا کہ پش رساں جب خط لے کر گیا تو
وہ کہنے لگا کہ یہ تھا تو میرے گھر میں ڈاک خانہ
سے اسے چوری لے آیا ہوں تاکہ آپ کو پیسے
نہ دینے پڑیں۔ مگر اس کا صاف یہ مطلب تھا

کہ

خط کھولا گیا

پور اس کا معنوں پر نہ لیا گیا مگر چونکہ خط کھولنے وقت کٹ پٹ گیا۔ اس لیے اسے بغیر کٹ ظاہر کیا گیا۔ مگر بلا کٹ خط پہلے پوسٹ میں کے ہاتھ میں نہیں آ سکتا بلکہ کلرک کے ہاتھ میں آنا چاہئے تھا۔ پور اس صورت میں وہ فوراً ہر گز دیا جاتا لیکن ایسا نہ ہونے کے یہ سنی ہیں کہ پوسٹ میں کو یہ سمجھا کر روانہ کیا گیا کہ تم کہہ دینا کہ یہ خط قاتلوں ہر گز مگر میں اسے

چوری لے آیا ہوں

تا کہ آپ کو پیسے نہ دیے جائیں۔ اس سے پہلے بھی یہ خبر خواہی ڈاک خانہ دلوں کے ذہن میں نہ آئی تھی۔ یہی بات صاف تھی کہ وہ خط کھولا گیا اور اس کے معنوں کو نہ چلایا گیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ۔

خط کس نے پڑھا

سواں کے متعلق دو ہی صورتیں تھیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم تھا کہ

کاگرس کی تائید

میں خط کھولے جاتے ہیں چنانچہ کئی دفعہ جب دلائی مال آتا تو کاگرسوں کو اطلاع مل جاتی اور اہل سر و غیرہ شیخوں پر گاڑی چلنے سے پہلے ہی کاگرس پہنچ جاتے اور شروع ہو جاتے شروع کر دیتے ہیں ہمیں معلوم تھا کہ

ڈاک خانہ کے غلطہ میں سے

بہت سے لوگ کاگرسوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور وہ خط کو کھول کر پڑھ لیتے ہیں تا کہ اگر

کوئی اہم بات

ہو تو کاگرس کو اس سے آگاہ کیا جائے۔ خصوصاً گورنمنٹ کے خطوط کو تو وہ ضرور پڑھتے تھے

یہ بھی ہو سکتا تھا کہ

گورنمنٹ نے خود اس خط کو کھولا ہو لیکن ان لوگوں میں

علاقہ میں شور

تھی۔ اور قیاس ہو سکتا تھا کہ گورنمنٹ نے ڈاک پر سفر بٹھایا ہو اور۔ بہر حال جب مجھے معلوم ہوا کہ خط کھولا گیا ہے تو میں نے شکایت کی کہ اگر اس علاقہ میں سفر قاتلوں ہر گز کو پہلے تادیب ملے تھا۔ تا کہ اس خط کا معنوں نااہل لوگوں کی نظروں سے نہ گزرتا۔ اس

صورت میں ہم آدمی کے ہاتھ خط بھجوا دیتے۔ اس کا جواب اس سفر سے یہ دیا کہ واقعہ سے ظاہر ہے کہ خط کھول کر پڑھا گیا ہے لیکن اس علاقہ میں سفر نہیں۔ ڈاک خانہ میں جو

کاگرس سے ہر روز رکھنے والے لوگ ہیں۔ وہ بھی خط پڑھ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے کھولا ہو گا یہی اب تو گورنمنٹ کے خطوط بھی خط نہیں رہے اور اگر کوئی

اہم راز کی بات

لکھی ہو۔ تو گورنمنٹ کو اپنے آدھیوں کے ذریعہ وہ خبر بھجوانی پڑتی یا اور

قابل اعتماد ذرائع

کو بتا کر کیا پڑتا ہے۔ گورنمنٹ کی اب یہ حالت ہے کہ اس کے اپنے خط بھی خط نہیں اور اس کی کوئی بات ایسی نہیں جو دوسروں کے پاس پہنچ نہ جاتی ہو۔ ایک دفعہ

گورنمنٹ کے ایک سیکرٹری

شملہ میں چائے پر میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ کی ہر بات کاگرس کے پاس پہنچتی رہتی ہے۔ آپ کو بھی کوئی ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ ان کی باتیں آپ کو پہنچتی رہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو یہ کس نے بتایا ہے کہ تم نے کاگرس میں اپنے آدمی نہیں رکھے ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں پہنچتی رہتی ہیں اور ان کی باتیں ہمیں معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ یہ حالت اسی لیے ہوئی ہے کہ گورنمنٹ خیال نہیں رکھتی کہ وہ دلائل جماعوں کو اپنی عہدوں پر پہنچائے اگر اپنی عہدوں پر اس کی

وقادار جماعت کے ارکان

ہوں تو اس کے راز چلی رہیں اور کبھی بھی وہ حالت نہ ہو جو آج کل ہے۔

سر اوڈن اساتین لیٹننٹ گورنر

جو مسلمانوں کے نہایت ہی خیر خواہ اور ہندوستانوں کے ہمدرد تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہندوستان کی گورنمنٹ ایسے اصول پر قائم ہے۔ کہ نہ دشمن کو اس سے ڈرنے کی ضرورت ہے اور نہ دوست کو کسی لڑائی کی امید اور جب تک یہ حالت پیدا نہ ہوگی گورنمنٹ واضح کر دے کہ اس کا دوست فائدہ میں رہتا اور اس کا دشمن نقصان اٹھاتا ہے۔ اس وقت تک

صحیح معنوں میں اس

قائم نہیں ہو سکتا

یہی سفر ہڈا گ نے جو کہو کہا اس سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ درست نہیں۔ اس لئے کہ کسی ایک شخص کا فعل ساری قوم کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ کیا انگریزی قوم ساری ہی ایسی ہے کہ وہ

وقاداروں کی قدر

نہیں کرتی۔ کبھی نہیں ہم تو ایسے انگریزوں کو جانتے ہیں کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ کوئی قوم یا فرما ہے

جائز حقوق کے لیے جدوجہد

کر رہا ہے تو وہ دھڑلے اور جرات کے ساتھ اس کی تائید کرتے ہیں۔ میں ایسے

انگریز افراد کے نام

بھی لے لیتا۔ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میرے نام لینے سے ان کے راست میں کوئی مشکلات پیدا نہیں ہوگی۔ خود پنجاب گورنمنٹ میں بھی ایسے افراد ہیں جو ہمیشہ ہمارے ساتھ وقاداروں کا سلوک کرتے چلے آئے ہیں اور جب بھی ہمیں مشکلات پیش آتی ہیں انہوں نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔ اور جب انہیں معلوم ہوا ہے کہ حکام ہمارے حلقے

تاواجب بنتی

سے کام لے رہے ہیں تو انہوں نے اس کا ازالہ کیا ہے۔ یہی اگر کسی سفر ہڈا گ نے یہ کہا کہ ہم جماعت احمدیہ کی وقاداری کی کوئی قدر نہیں کرتے تو ایسے بھی تو انگریزوں میں بہت سے افراد ہیں جو ہماری وقاداری کی قدر کرتے اور اسے

عزت و عظمت کی نگاہ سے

دیکھتے ہیں۔ یہی ایک شخص کے قول سے ہم بہت سے انگریز افراد کے فعل کو کس طرح باطل کر سکتے ہیں۔ مومن کا تو یہ کام ہے کہ وہ نیکو کار اور نیکو آدمی کو بھول جاتا ہے۔ مگر جبکے ایسے انگریز افراد کی کمی نہیں۔ جو نیک کام کر کے اور ہر روز اور ہر لمحہ خیر کے رنگ میں ضرورت پر مدد کرتے اور

تکالیف کے ازالہ کی کوشش

کرتے ہیں۔ اور جب جانتے ہیں کہ حق ہمارا ہے تو وہ ہمیں بلوانے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر وقت اپنا راست چھوڑ کر بھی ہم سے ہر روز کرتے ہیں تو ایسی حالت میں

چند کوئی نہ انگریزوں کا فعل

ہم پر ذرا بھی مگر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ دوسرے
معرزہ نزدیک یہ

شکایت کرتے والے کی اپنی غلطی

ہے کیونکہ اس نے ہماری جماعت کی خدمات
سے خود فائدہ اٹھانا چاہا جو کسی طرح درست
نہیں۔ ہم کو غصہ ہے جو غلط کر رہے ہیں اور اس
کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں تو یہ
اپنے کسی فائدہ کے لیے نہیں کرتے۔ بلکہ اس
لئے کرتے ہیں کہ ہمارا خوب ہمیں ایسا
کرنے کا حکم دیتا ہے اور گوکہ غصہ کا فرض
ہے کہ وہ قادیانوں کا لحاظ کرے اور انہیں
دھروں پر

ملازمت وغیرہ میں ترجیح

دے کر وہ ایسا کرتی نہیں حکومت کے بہت
سے افسر قریبوں کو نہیں دیکھتے صرف

مگر وہ پیش کے خوشامد ہیں پر ان کی فکر
ہوتی ہے۔ ان کی حال بالکل وہی ہے جو
ہمارے ملک میں مشہور ہے۔ کہ ”انہیں
ڈپے، ریویژن، حزر، پینشن لوں“۔ یعنی
ریویژن یا بننے والا نہ صاحبان کو کسی ریویژن
دیتا ہے۔ جس کسی سے ذاتی تعلقات ہوتے
ہیں اسے ملازمت وغیرہ میں ترجیح دے دی
جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

ملک میں بے چینی

پھیلی رہتی ہے اور حکومت پر لوگوں کے اعتماد
کو صدمہ پہنچتا ہے۔ ہمارا ہی ایک عزیز تھا جو
اس سے جدی رشتہ تو نہیں مگر بعض اور رشتوں
کے لحاظ سے اس سے ہمارا تعلق ہے ایک دفعہ
تحصیل ملوی کے لیے اس نے نام پیش کیا اور
سلسلہ کے کادروں نے اس کی سفارش کی کہ
اس کا نام لے لیں

حکومت کے پرانے تعلقات

ہیں۔ اس نوجوان کا گھر خیالی رکھا جائے تو اصحا
ہو گا خصوصاً جتنے ذاتی طور پر بھی قابل ہے مگر
اگر یہ ذاتی کوشش نے اپنی تکلیف بھی گوارا نہ کی
کہ اس کا نام نکالا دیتا اور دوسرے ایسے
امیدواروں کے نام بھی گوارا دے جو صرف

حاشیہ نشینی کا اختیار

رکھتے تھے۔ اس کے بعد کوشش سے کہا گیا کہ اب
آپ کو اختیار ہے۔ آپ چاہیں تو بلا سکتے ہیں
چنانچہ اس نے ہمارے عزیز کو بلا لیا۔
فرض ہمیں اگر یہ یقینا ایسا ہے جو جو جسمی
غلطی کرتے ہیں مگر وہ حقیقت انہیں اس طرح
کرنا نہیں چاہئے کیونکہ

ملک کی بہتری

اسی میں ہے کہ جو لوگ حکومت سے تعاون
کرنے والے ہوں ان کا زیادہ خیال رکھا
جائے اور ان کی اقتصادی حالت درست کی
جائے اس لحاظ سے خواہ ہم خود نہ مانگیں
مگر غصہ کا فرض ہے کہ وہ

ہمارا لحاظ رکھے

لیکن یہاں چونکہ ہماری جماعت کے ایک
آدی نے اعتراض کیا ہے۔ اس لیے میں کہتا
ہوں کہ اس نے غلطی کی کیونکہ

جماعت کی خدمت سخت فائدہ اٹھانے کی سعی
کرنا بہت سیوہ بات ہے اسی قسم کی غلطی
جماعت کے ایک اور دوست نے بھی کی تھی۔
وہ لائل پور کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے
کئی ذاتی مفاد کے لیے اپنی کوشش کے سامنے
جماعت کی

وفادارانہ خدمات

پیش کیں اور چونکہ آدی شخص جس لیے
انہوں نے مجھے بھی لکھ دیا کہ میں نے اپنی
کوشش کو یہ کیا ہے میں نے انہیں فوراً لکھا کہ یہ
آپ نے

سخت غلطی

کی۔ آپ ذاتی کوشش کے پاس جائیں اور اس
سے کہیں کہ میں نے جو کچھ فائدہ غلطی سے کہا اور
یہ کہ کس لیے ایسا کیا جائے نہ خود پسندی
خدمات سے کسی فرد کو فائدہ اٹھانے کی
اجازت نہیں دی جاسکتی ہاں یہ

مرکزی افسروں کا کام

ہے کہ وہ کام کے کانوں میں یہ بات ڈالنے
رہیں کہ حکومت سے تعاون اور اس کی
اطاعت و فرمانبرداری کرنے والوں سے
نہایں سلوک ہونا چاہئے۔ تاکہ یہ سلوک ان
کے

جذبات اطاعت

کو پیدا کرے میں سمجھتا ہوں۔ ورنہ ہمارا اصل یہ
ہے کہ ہم نہ جائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں نہ
جائز بلکہ اس بات کے قابل ہیں کہ اپنی
قابلیت سے فائدہ اٹھالیں جائے اگر ہم بھی
مستوفی سے کام کرتے ہیں تو اس لئے کہ ہم
دیکھتے ہیں جب زیر نے مستوفی سے ملاپ
عہد حاصل کرنا ہے تو ہم کیوں نہ بکری
مستوفی کر دیں۔ پس ایک

عام رو کے ماتحت ہمارا طریق عمل

ہے۔ ورنہ اگر عہدوں کا لحاظ لیا جائے تو مستوفی
رکھا جائے تو ہم بھی کسی کی سفارش نہ کریں
پس میرے نزدیک اس دوست کا فعل ایک
غلطی ہے۔ ہمارا اصول یہ ہے کہ ہم حکومت کی
خدمات اپنے مفاد کے نام پر کرتے ہیں۔ اسی
طرح

ملک اور سیاست

کے فائدہ کے لیے کرتے ہیں نہ کہ اگر ہر دلوں
پر احسان کرنے کے لیے ہیں یہ جائز نہیں کہ
برائی خدمات کو بھی مفاد کے لیے پیش کیا
جائے۔

برطانوی ہمسایہ

کے متعلق مجھے یہ یقین کامل ہے کہ دنیا کے
آئندہ ان کے لیے یہ طور ہے۔ آج جس
قدر دیا میں اس نظر آتا ہے۔ ایک قوم دوسری
قوم پر اور ایک حکومت دوسری حکومت پر
چڑھائی نظر آتی ہے۔ اس کی شکل کو دور کرنے کے
لیے برطانوی ہمسایہ

بہترین نمونہ

ہے۔ اس کے ماتحت بعض آزاد ملک میں جو
اپنی اقتصادیات افواج اور بری اور بحری
جنکوں کے خود مختار ہیں مگر اس کے
باوجود ذاتی رنگ میں ان کا انگلستان سے بھی
تعلق ہے۔ وہ انگلستان کے لیے قربانی کرنے
پر تیار رہتے ہیں اور انگلستان ان کے لیے
قربانی کرنے پر آمادہ رہتا ہے یہ حکومت کا
ایک ایسا

خوبصورت نمونہ

ہے جسے توڑنا دنیا پر ظلم کرنا ہے۔ ہم اگر اس
نمونہ کی طرف دنیا کو لانے کی کوشش کریں تو
کل کو وہ مشن بھی کامیاب ہو کر رہے گا۔ جو خدا
تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے اور جس کا مقصد
یہ ہے کہ دنیا سے فساد دور کیا جائے اور عالمگیر
طور پر امن قائم کیا جائے۔ مجھے اپنے اس عقیدہ
پر اس قدر یقین ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ جب
میں اس کے متعلق

انگریزوں سے گفتگو

کرتا ہوں تو ان میں سے کئی اپنے دل میں
جنتے ہوں کہ اور کیسے ہو گئے کہ ہم نے آج

ایک پاگل

دیکھا ہے مگر میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو خود
انگریزوں کو بھی نظر نہیں آتا کیونکہ ہماری
آنکھوں کو

غیب جی کی قوت

دی گئی ہے اور وہ اس سے محروم ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ دنیا آئندہ انہی کے ساتھ وابستہ ہو کر ترقی کرے گی مگر میں یہ جانتا ہوں اور ایک اور ایک دو کی طرح مجھے یہ یقین ہے کہ اگر دنیا

پرامن تعاون کی راہ

برتری کرنا چاہتی ہے تو اسے برطانوی حکومت کے نمونہ پر ایک ڈھانچہ تیار کرنا ہوگا۔

بہر حال برٹش رول پر اپنے نمونہ اور اپنی ذات کی وجہ سے دیا میں امن قائم کرنے میں مدد ہے اور خود

انگریز ہمارے دشمن

ہو جائیں۔ جب بھی میں اس بارے میں اختلاف نہیں کر سکتا کیونکہ وہ امن کا اپنی اصل ہوگا اور یہ اصول کسوال ہے یہی ہیں اگر

انگریز کی حکومت کا دوسری حکومتوں

سے مقابلہ

کر کے دیکھو۔ تو بہت بڑا فرق نظر آئے گا اس میں شبہ نہیں

انگریزوں میں اکثر ظالم اور خود پسند برہمن کے لوگ ہیں۔ مگر ان میں ایچے سے ایچے لوگ بھی ملتے جاتے ہیں۔ بلکہ اب بھی اکثریت ایسے انگریزوں کی ہے جو کوشش کرتے ہیں کہ دنیا میں امن قائم ہو اور اکثریت ایسے انگریزوں کی ہے جو دوسری حکومتوں کے ارکان کے مقابلے میں بہت زیادہ ایچے ہیں۔ میں نے

فرانسیسی اور روسی حکومت کی رعایا کو دیکھا ہے۔ ان دونوں حکومتوں کے ماتحت لوگوں نے میرے سامنے جو تکالیف بیان کیں۔ وہ ان تکالیف سے بہت زیادہ ہیں جو انگریزوں کے حلقے بیان کی جاتی ہیں۔ شام میں جب میں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ لوگ فرانسیسی حکومت سے نہیں کے وہ ماتحت رہے ہیں اسے شاکی تھے کہ وہ کچھ کج فہم تھے۔ پھر ان کی باتیں لکھی تھیں جو دل پر نہایت گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ انگریزوں کے حلقے جو اب میں بیان کی جاتی ہیں وہ استدلالی رنگ میں بیان کی جاتی ہیں مگر ان کی باتیں واقعات کے برابر میں نہیں۔ خود مجھے

ایک عجیب تجربہ

ہو جب میں انگلنڈ جاتا ہوں شام گیا تو

وہاں میں نے ایک

تعلیمی رسالہ

چھپایا۔ مسلمانوں نے اس پر شور مچایا کہ اسے ضبط کر لیا جائے۔ اتفاقاً میں اسی دن فرانسیسی گورنر

سے ملے تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ نہایت ہی ملکی زبان میں مجھ سے ہم کلام ہوا۔ اور کہنے لگا کہ آپ کیا نہیں کے شربت نہیں کے یا کافی نہیں کے؟ طبیعت کیسی ہے۔ آپ کیا تو اسے کروں۔ بالکل وہی طریقہ تھا جو ہمارے ہاں مروج ہے۔ دوران گفتگو میں اس ٹریک کا بھی ذکر آیا کہ لوگ اس کے خلاف بلا وجہ شور کر رہے ہیں اور میں نے سنا ہے کہ حکومت اسے ضبط کرنا چاہتی ہے تو وہ کہنے لگا یہ بالکل غلط بات ہے نہیں

مذہبی معاملات میں دخل

دینے کا کیا حق ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ حکومت نے واقعہ میں اسے ضبط کر لیا تھا۔ جب بعض افسران کے پاس چھپ چکی تھی کہ گورنر اس فعل کو ناجائز قرار دیتا ہے پھر یہ کس طرح ضبط ہوا۔ تو انہوں نے بتایا کہ خود گورنر کے حکم سے ایسا ہوا ہے۔ اور ہمارے آدھوں کو بتایا گیا کہ جب وہ آپ کو شربت پلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ہم

مذہبی معاملات میں دخل

نہیں دیا کرتے تو اس سے پہلے وہ اس لوٹس پر دستخط

کر چکا تھا

اس ایک مثال سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ سارے فرانسیسی اسی طرح ہی ہوتے ہیں۔ ان میں تنگدور

فرض شناس افسر

بھی ہیں۔ لیکن کو وہ زبان کے بہت بڑے ہوتے ہیں۔ تعلقات میں ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جو کچھ دوسری کارگاہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ اسی لئے مرگود وغیرہ میں ان کے خلاف سخت

جدید منافرت

پھیلا ہوا ہے۔ روسی حکومت کے حالات تو سب پر ظاہر ہیں وہ

مذہب میں دست اندازی

کرتی ہے۔ پس انگریزوں کے اخلاق روسی اور فرانسیسی افسروں سے بہت زیادہ اچھے

ہیں۔ گو میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہندوستانوں کے اخلاق سے روسیوں اور فرانسیسیوں کے اخلاق اچھے ہیں۔ ہمارے ہندوستانی تو اخلاق کو کچھ نہ کہتا ہے۔ میں اور جب بھی انہیں کسی سے مخالفت ہوتی ہے اس کا

توتہ اٹھنے کی دھمکی

دینے سے بچے نہیں رہتے۔ ان کی مثال بالکل ان افسروں کی کی ہو سکتی ہے جو کہتے ہیں ہندو لوگ گنہگار ہیں کہتے ہیں

الٹالوں اور داں ملین

غرض یہ فقیر ہیں گئے ہیں۔ اخلاق کو بیٹھے ہیں اور سوائے توتہ اٹھنے کے اور کوئی کام نہیں جانتے میں نے کئی خطبات کو جو لکھا کیا تو انہوں نے اس سے کہیں سمجھتا ہوں اگر

حکومت سے ہماری صلح

ہو جائے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ بہ نسبت اس کے کہ میں کوئی اور طریقہ عمل تجویز کرنا نہ چاہتا۔ درحقیقت میں ابتداء میں ہی قاسم کا قہر مجھے بعض ایسے خطبات کے خدشہ نے بھی مجھے اب تک شکیم کے بیان کرنے سے روکا ہوا ہے جو ممکن ہے مسلمانوں اور سلسلہ کے لیے کسی پہلو سے مضر ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ گوارا کی جماعت تھوڑی ہے مگر خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت کو علم اور فہم عطا کیا ہوا ہے۔ ہم اگر ایک دو قدم اس طرف چلیں گے تو دوسرے مسلمان چند دن

مخالفانہ شور

مچا کر ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں گے اور پھر اگر ہم ایک قدم چلیں گے تو وہ دس قدم چلیں گے اور بالکل

تحریک کشمیر کی کسی حالت

ہو جائے گی۔ کشمیر میں نہایت عسکریت سے کام لیا جا رہا ہے۔ فوراً ارمان میں آ کر دے اور اعلان کر دیا کہ کشمیر میں مجھے لے کر چلو۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں انہوں نے بہت کچھ قائم کیا تھا۔ اور یقیناً امریکی طرف سے

سارے ہندوستان میں جھگم

نہ ہوئی ہوئی تو وہ بھی اتنے آدے آدے نہ کر سکتے۔ اسی اثر کا اثر فرانس کے موافقہ پر دیکھو۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ساتھ ہزار ہلاک ایک لاکھ فرزند ان کو جمع ہو گئے۔ مگر ان کے جس قدر آدے آئے ان کے متعلق

رہل والوں کا آواز

ہے کہ اڑھائی تین ہزار تھے۔ ہائی ستاون ہزار آدمی کہاں گیا۔ حالانکہ اتنی رو سے غور چار کھار تھا اور کوشش بھی بہت کی گئی تھی۔ لیکن تحریک کشمیر کے موقع پر چنگ بھری وجہ سے تمام ہندوستان میں جوش پیدا ہو چکا تھا اس لیے ۲۷ ہزار کے قریب آدمی جیل خانوں میں پٹے گئے اور جیسے بھی دور دور سے آئے۔ اس سے پہلے تھوڑے پورٹ کے موقع پر بھی کو یہ دریاں میں آئے۔ مگر انھیں ناکامی ہوئی تھی

گزشتہ واقعات

جاتے ہیں کہ اہل تحریک سے یہ خود قائد اٹھاتے ہیں ان حالات میں بالکل ممکن ہے کہ ہماری آئی ٹی تحریک کیسے بھی بدل سکے

غیر آئی ٹی

مادیہ۔ کشمیر کی تحریک کو یہ دیکھ لو یہ سب آئی ٹی کے اندر تھی۔ کشمیر گورنمنٹ نے سسر بنانا تھا کہ ہمارے خطوط پکڑے۔ جو سبک اس کے پاس محفوظ ہیں۔ مگر وہ کسی حد تک اس کے روئے نہیں کوئی خطرہ نہیں۔ کیونکہ ہم ہمیشہ خدا تعالیٰ کے فضل سے قانونی اور

آئی ٹی رنگ میں کام کرنے والے ہیں۔ مگر چنگ ایسے موقعوں پر توکل میں جوش بھی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے اس حق کے لوگ قائد اٹھا کر کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

ہیں چنگ اول میں ڈرتا ہوں کہ (۱) ایسے کارکن مجھے میسر نہ ہوں۔ جو پورے طور پر میری بات کو سمجھنے والے ہوں اور وہ

میرے منشا کے خلاف

کام کرنے لگیں دوسرے مجھے یہ خوف بھی ہے کہ کہیں عام مسلمان اس سے ناجائز قائد اٹھا کر ہماری آئی ٹی تحریک کو خراب نہ کر دیں اس وجہ سے میں نے بات کو اس خیال سے لہا کیا ہے کہ اگر حکومت سے

محبت سے سمجھوتہ

ہو جائے تو یہ ہمارے لیے زیادہ اچھا ہے۔ گا۔ بجائے اس کے کہ اختلاف کے کہیں بات کو پھیلا نہ پڑے۔ کو بعض تھوڑے ایسی بھی ہیں جن کے حلقوں میں کہتا ہوں کہ مگر ان کے ہونے کا رالانے میں زیادہ خطرہ نہ ہو۔ اور نہ بالعموم لوگ اس سے قائد اٹھا سکیں۔ مگر سیاست میں کوئی شخص کہیں سکا کہ

آئندہ دور

کس طرف چلی جائے۔ ہیں میں نے اب تک یہ طریق رکھا ہے کہ حکومت جناب کے پاس اپنی کی جائے اور اگر وہ اپنی شوقی نہ ہو آئے قدم بڑھایا جائے۔ مگر میں یقین رکھتا ہوں کہ اس طریق پر چلے سے اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرمائے گا۔ کشمیر کے سلسلہ میں اگر اس طریق سے ہمیں کامیابی ہوگی تو کوئی دہ نہیں کہ ہم یہاں کامیاب نہ ہوں۔

گورنمنٹ کے لیے

ایسا کرنا کوئی مشکل امر بھی نہیں۔ دنیا میں ہمیشہ دو وجوں سے حکومتیں

حالیہ اوقات

کرنے سے رکتی ہیں یا تو اس لیے کہ حاکمی کرنا اس کے لئے نامکن ہوتا ہے یا اس لیے کہ حاکمی کرنے میں وہ جک سمجھتی ہیں لیکن اس موقع پر نہ نامکن ہونے کا سوال ہے اور نہ جک کا بلکہ اللہ یہ ہے کہ اگر حکومت اپنی بات پر قائم رہتی ہے تو اس میں

ہماری جک

ہے اور اگر وہ اس کا اڑلہ کر دے تو اس میں اس کی کوئی جک نہیں بلکہ عزت ہے کہ گورنمنٹ نے ہماری کسی جائداد کو تو لوٹا نہیں۔ جس کا وہاں کرنا اس کے لیے مشکل ہوا ہے۔ وہ کیوں دلیری سے نہیں کہہ دیتی کہ اسے واقعات غلط رنگ میں پہنچائے گئے ہیں اور اس بناء پر اس نے جو پکھ کیا اس پر اسے بہت افسوس ہے۔ اگر گورنمنٹ ایسا کہہ دے تو یہ اس کی عزت کا موجب ہوگا کیونکہ

جج کا اقرار کرنا ذلت نہیں بلکہ عزت

ہوتا ہے

اور دنیا میں ہمیشہ وہی معزز سمجھا جاتا ہے جو حق پر قائم رہتا ہے لیکن اگر ہم اپنی بات چھوڑ دیں تو اس میں ہماری ذلت ہے کیونکہ ہماری بے

غیر تری اور

بزدلی کا ثبوت

ماتا ہے۔ کہ حق اور باجیتہ لیل کو یہ داشت کر لیا۔ ہیں قربانی گورنمنٹ کی طرف سے ہوئی چاہئے۔ نہ کہ ہماری طرف سے۔ دنیا میں بھی جب دو قربانیوں کا مقابلہ ہو۔ اور ایک قربانی اسے ذلیل کرنے والی اور دوسرے کی قربانی سے معزز بنانے والی ہو تو اسے ہی قربانی کرنی پڑتی ہے جس کی قربانی اسے معزز

بنانے والی ہوگی گورنمنٹ کے لئے اس میں کوئی مشکل نہیں۔ صرف ہمت کی بات ہے۔ غرض چنگ ہم اگر بات چھوڑ دیں تو اس میں ہماری تمل نہیں ہوتی ہے۔ نہ صرف اپنی ٹکھوں میں بلکہ دشمنوں کی ٹکھوں میں بھی اور پھر اخلاق بھی بگڑتے ہیں۔ کیونکہ کوئی قوم جو

بغیر کسی جرم کے ذلت

ر داشت کر لیتی ہے۔ کبھی سر نہیں اٹھا سکتی۔ اور اس قابل ہوتی ہے کہ مٹی میں اسے ڈن کر دیا جائے لیکن اگر حکومت قدم اٹھائے تو یہ اس کی عزت کا موجب ہے۔ اس میں گورنمنٹ کا حق غرض ہے کہ وہ

ایسی غلطی کا اقرار

کرتے ہوئے سچ کے لیے ابتدا کرے۔ اسی سلسلہ میں میں جماعت کے لوگوں سے کہتا چاہتا ہوں کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں۔ جو عاقبت ہماری خالی ہو۔ مثلاً قادیان میں ہی حال میں

ایک جلسہ

ہو۔ اس کے روز دیوشوں میں بلا وجہ ایسے افراد کے نام لے لیے گئے جن کے نام لینے نہیں چاہئے تھے۔ جماعت کا صرف اتنا کام ہے کہ جو مرکز کی طرف سے نام ظاہر کیے جائیں۔ وہ ہے اور جن کا نام مرکز سے ظاہر نہ کیا جائے اسے نہ لے۔ اب میں

اعلان کر دہ سکیم

کے حلق چند باتیں کہتا چاہتا ہوں پہلی بات جو میں آج بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اس سکیم کی اہمیت کے حلق ہے۔ یہ بات بھی کلی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ

احرار کا فتنہ

کوئی بڑا فتنہ نہیں۔ ان کے جلسہ کے بعد بھی میں یہ نہیں کہتا۔ ان کا فتنہ کوئی

غیر معمولی فتنہ

ہے۔ مگر جب میں کہتا ہوں کہ یہ فتنہ کوئی بڑا فتنہ نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ اپنی ذات میں کوئی بڑا فتنہ نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس سے بڑے بڑے فتنے جماعت کے سامنے آنے والے ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہو کہ ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ یہ فتنہ کوئی بڑا فتنہ نہیں اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ اس

فتنہ کے استیصال کے لیے ہمیں ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اگر یہ بڑا فتنہ نہیں تو اس کے لیے اتنی بڑی قربانیوں کے لیے تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ فتنہ کوئی بڑا فتنہ نہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ

مست سمجھو کہ یہ آخری فتنہ ہے بلکہ سمجھو کہ یہ بڑی لڑائیوں کا پیش منہ ہے اور اس سے بہت بڑے بڑے فتنے ہیں جو جماعت کے سامنے آنے والے ہیں کیونکہ ہم نے احمدیت کسی ایک ضریح یا ملک میں نہیں پھیلانی بلکہ ساری دنیا کو احمدیت میں شامل کرنا ہے جس جگہ ہمارا مقصد

ساری دنیا کا عقابہ کرنا ہے تو ہم کس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اگر لاہور کے چھوٹی افضل حق صاحب مولوی مسٹر علی صاحب اور عطاء اللہ صاحب بخاری اور مولوی خضر علی صاحب اور ان کے دوستوں کو ہم شکست دے لیں تو ساری دنیا ہمارے لیے رنج ہو جائے گی۔ اگر ہم ایسا خیال کریں تو یہ دیکھیں کہ بات عدلی جس طرح کوئی شخص

چماروں کی ایک جھوٹی بڑی کر آئے اور کہے کہ اس سے لکھا بادشاہ اور کر بھاگ جائے۔ ان چماروں کی ہستی ہی کیا ہے۔ ان کی تو جو کچھ حیثیت قائم ہوئی وہ ہماری مخالفت کی وجہ سے ہوئی ہے اور نہ ان کی قوم کے ساتھ کوئی بھی راجہ جنت طور پر نہیں بہت رہا کرتے ہیں۔ پس جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ کوئی بڑا فتنہ نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہمیں اس فتنہ کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیے یا ہمیں اس کے

استیصال کا فکر

نہیں کرنا چاہیے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس سے بھی بڑے بڑے فتنے جماعت کے سامنے آنے والے ہیں اور ہماری جماعت کا جہاں پر فرض ہے کہ وہ سمجھے کہ یہ کوئی بڑا فتنہ نہیں۔ اس سے بڑے فتنوں کا اس سے مقابلہ کرنا ہے وہاں اس کا یہ بھی فرض ہے کہ اس فتنہ کو بھی مٹائے کیونکہ اگر ہمیں اس

چھوٹے فتنہ میں کامیابی

نہ ہوئی۔ تو بڑے فتنوں کے مقابلہ میں ہمیں کس طرح کامیابی حاصل ہوگی پس اس فتنہ کے مانت ہمیں ہوشیار ہو جانا چاہیے کہ

اگر ہم اس فتنہ کے مقابلہ میں ہار گئے جو کوئی بڑا فتنہ نہیں تو پھر اس سے بڑے فتنوں کے مقابلہ میں ہمارا کیا بنے گا۔ مجھ سے بہت لوگوں نے دھڑے کیے ہیں کہ وہ

اپنی جانیں اور اپنے اموال سلسلہ کے لیے فدا کرنے کو تیار ہیں۔ اس قربانی کا وعدہ کرنے والی بہت سی جماعتیں ہیں اور بہت سے جماعتوں کے افراد میں پھر مردوں کے علاوہ عورتوں نے بھی اپنے آپ کو اس قربانی کے لیے پیش کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں۔ اگر سب کو لایا جائے تو

ہزاروں کی تعداد ہو جاتی ہے اور میں یقیناً دل میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ ہماری جماعت میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کی ایسی روح پھونک دی ہے۔ کہ وہ دین کے لیے ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے لیے تیار ہے۔ اور ہر اس آواز پر لبیک کہنے کو آمادہ جو خدا اور اس کے رسول یا اس کے لوگوں کی طرف سے بلند ہو۔ پس یہ

نہایت خوشی کی بات ہے مگر چونکہ یہ وعدہ پیش از وقت ہیں اور چونکہ سکیم میں نے بیان نہیں کی۔ جس کے بیان کرنے کا ارادہ ہے اس لیے میں پورے طور پر خوش نہیں کیونکہ ممکن ہے لوگوں نے

قربانی کا صحیح اندازہ نہ کیا ہو اور جب قربانی کا حقیقی مطالبہ ان کے سامنے رکھا جائے تو ان میں سے بعض غدرات پیش کرنے لگ جائیں۔ میرا اپنا ارادہ یہ ہے کہ ٹوٹ بڑی لیکن واقعی قربانیوں کے لیے تو فوراً تیار ہو جاتے ہیں لیکن اگر ان سے

مستل چھوٹی قربانیوں کا مطالبہ کیا جائے۔ مثلاً ان سے دس دس منٹ روز کی مسئل ایک لیے عرصہ تک قربانی طلب کی جائے۔ تو وہ چھ دنوں کے بعد بھی ردہ جائیں گے۔ اگر حکم دیا جائے کہ جاؤ اور کمر کر جاؤ۔ تو میں سمجھتا ہوں سو میں سے ایسے اخلاص رکھنے والے ہر ایک کی ہماری جماعت کے افراد میں ہے۔ تو اسے کمر کر جانے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ایک سو سے کہا جائے کہ

پیدل چلے ہوئے بنگال پہنچ جاؤ تو سو میں سے پچاس مفید نہیں کرتی شروع کر دیں گے۔ کوئی کہے گا میری بیوی تیار ہے۔ کوئی کہے گا میرے بچے تیار ہیں۔ کوئی کہے گا

میں چل نہیں سکتا۔

سو میں سے پچاس کا اندازہ

میں نے اپنی جماعت کے حلقہ لگایا ہے اور نہ دوسرے مسلمانوں میں سے تو سو میں سے شاید ایک یا دو کا نام رہے اور نہ ان سے پہلے سے معذرت معرّف ہو جائیں لیکن

جان دینے کی قربانی

کا اگر سوال ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ ایسی حالت میں بھی جبکہ مسلمانوں کا کل کام ٹوٹ چکا اور ان کی

اسلامی محبت

مر جی ہے۔ ان میں سے سو میں سے ایک وہ ضرور کل کھڑے ہوں گے لیکن اگر تھوڑی مگر مستقل قربانی کا مطالبہ کیا جائے تو لاکھوں مسلمانوں میں سے ایک بھی نہیں لگے گا اور میں جب کہتا ہوں کہ لاکھوں مسلمانوں میں سے ایک بھی نہیں لگے گا تو میں مبالغہ نہیں کرتا بلکہ مسلمانوں کے حلقہ اپنا تجربہ بیان کرتا ہوں۔ مسلمانوں کے سامنے کئی سیاسی کام آئے۔ مگر وہ چاروں جوش دکھا کر دورہ گئے۔

پس عام مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی جماعت کے متعلق مستقل قربانی کے سلسلہ میں جب میں پچاس فیصد افراد کا اندازہ لگا تا ہوں تو وہ حقیقت میں اپنی جماعت کی بہت کچھ تعریف کرتا ہوں۔ لیکن ہماری تسلی تو پچاس پر نہیں ہوتی بلکہ سو پر ہو ا کرتی ہے اور جب تک ہم سو فیصد تک عمل نہ ہو جائیں اس وقت تک اس نصیب نہیں ہو سکتا۔

میں سمجھتا ہوں اگر میں قربانی کے لیے اپنے نام پیش کرنے والوں میں سے کسی کو بلا کر کہوں کہ تم نے قربانی کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ روزانہ اندات نو بجے سے سب ساڑھے پانچ بجے تک کھڑے رہا کرو تو بالکل ممکن ہے وہ اس قربانی کے لیے تیار نہ ہو۔ لیکن اگر میں یہ کہوں کہ جاؤ اور کمر کر جاؤ تو ایک منٹ بلکہ ایک گھنٹہ کے لیے بھی وہ اس سے انکار نہیں کرے گا۔ یا مثلاً میں کہوں کہ سب پنجہ بجے میرے دفتر میں آؤ اور خاموش بیٹھے رہو اور شام کو اپنے گھر واپس چلے جائے گا۔ تو آٹھویں دن ہی مجھے رخصت آنے شروع ہو جائیں گے میں سے ہر ایک بیٹھا ہوں۔ مجھے کام نہیں۔ کوئی کام بتائے حالانکہ

حقیقی قربانی

دہی ہوتی ہے جو خود کو مل ہو کر انسان استیصال سے اسے سر انجام دے اور پھر وہ چھوٹے سے

کرنا چاہا جائے اگر قربانی کے وقت اس کی غرض اور مقصد پہ سمجھنے کی بھی ضرورت محسوس ہو تو پھر بیعت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر عمل خداوندی اپنے

مفید مطلب کا کام

کمایا کرتا ہے اور ایسا نادان توئی ہوتا ہے جو اپنے لیے مفید کام بھی کرنے کو تیار نہ ہو۔ مشکل مشہور ہے کہ کوئی شہیری جینے پاؤں کے ڈوں میں دھوپ میں بیٹھا تھا۔ ایک شخص پاس سے گزرا تو وہ اسے دیکھ کر کہنے لگا کہ یہاں ذرا سائے میں آ جاؤ۔ دھوپ میں کیوں مل رہے ہو وہ شہیری کہنے لگا میں سائے میں تو آ جاتا ہوں کہ مجھے کیا وہ ہے اس نے کہا اگر تمہیں اپنے فکس کے لیے

سائے کی ضرورت

نہیں۔ تو بے شک دھوپ میں مرد۔ مجھے تمہیں انعام دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اس قسم کے نادان تو شاؤد و نادو ہوتے ہیں۔ وہ نہ کوئی لہیا انسان ہے جسے کہا جائے۔ مچاں چلوں چنگ رو پے دے پڑے ہیں اور وہ نہ چائے کیا کوئی بات اسے مفید نظر آئے اور وہ نہ کرے۔ پس جو باطنی عامل طور پر عمل میں آسکتی ہیں ان کے لیے کسی

بیعت کی ضرورت

نہیں۔ بیعت اس لیے ہوتی ہے کہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تب بھی اس پر عمل کیا جائے۔ پس یہ

ضروری شرط

ہے کہ وہ نفس قرآن کے خلاف نہ ہو۔ اس کے علاوہ جو بات بھی غلط وقت کے بیعت کرنے والے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ غلو اس کی غرض سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس پر عمل کرے۔ اور غلو جو مسائل تک اسے کسی بات کی سمجھ نہیں آتی اس کا بھی نہیں کہ وہ اُخواف کرے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ

انام کی ہدایت

کے حاجت کا کام کرے۔ پس پیلا اور انسان کے سامنے یہ ہونا چاہئے کہ ہم نے فلاں کی بیعت کرتی ہے یا فلاں اگر بیعت کر لی گئی ہے تو پھر کوئی عذر قبول نہیں کیا جا سکتا پس انسان مشورہ دے سکتا ہے مگر مشورہ دینا اور تجویز ہے اعتراض کرنا اور جبر اور

عمل میں کوتاہی

کرنا اور چیز ہے پس میں اس سکیم کے پیش

کرنے سے پہلے یہ بات واضح کر دینی چاہتا ہوں کہ کسی سکیم میں باطنی غیبت پرانی کا مطالبہ ہے جو کہ چھوٹی چھوٹی چیز پر لگی ہو

کافی عرصہ لینے والی

ہیں۔ چونکہ ممکن ہے اس سکیم کے سننے کے بعد بعض لوگ کہ دیں کہ ہمارے لیے کام کرنا مشکل ہے اس لیے میں تیار نہ جاتا ہوں کہ اس سکیم کے بعد جو لوگ اسے نام چن کر کریں گے۔ وہی حقیقی طور پر قربانی کرنے والے سمجھے جائیں گے۔

سکیم کی اہمیت

ظاہر کرنے کے لیے میں دھڑکی بات یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہمارے خلاف جو فتنہ ہے یہ صرف مذہبی فتنہ نہ صرف سیاسی اور نہ صرف اقتصادی ہے بلکہ یہ مذہبی بھی ہے اقتصادی بھی اور سیاسی فتنہ بھی

سیاسی مخالفت

یہ سیاسی مخالفت ہے اس لیے کہ ہم نے کانگرس کی کھیلے دلوں شدید مخالفت کی یہاں تک کہ کانگرس دلوں نے خود تسلیم کیا کہ جو یہ جماعت کی مخالفت موثر ثابت ہوئی ہے۔ ہمارے آدی جو نہ خود بخود ان کے فضل سے تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ کام کرنا جانتے ہیں پھر ان کے ائمہ ایک حد تک استحصال بھی کیا جاتا ہے اس لیے کانگرس کے لاکھ دھڑکی دینا کام کرتے ہیں۔ اتنا کام ہمارا ایک ہزار آدمی کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہمارا تھوڑا اور پیمانہ کہ بہت سے روپے کے مقابلہ میں کام دے جاتا ہے۔ یہ

کانگرس کی ناکامی

اتنی واضح ہے کہ اس کے لیڈر محسوس کرتے ہیں کہ اس کی ناکامی میں بہت حد تک دھڑکی دھڑکی جماعت کا بھی ہے پھر یہ اس لیے بھی سیاسی فتنہ ہے کہ عام طور پر اسلامی مسائل کی وجہ سے مسلمانوں میں جوش

پیدا کر کے ان کی سیاست کو تباہ کیا جاتا تھا جیسے خلاف کا مسئلہ پیدا کیا گیا۔

ہجرت کا سوال

اظہار کیا۔ یا علیکن کا لاج کا جھگڑا پیدا کیا گیا۔ ان پر ایک مذہبی رنگ چڑھ گیا تھا جسے آثار کہ ہم نے دیکھ دیا اور بتا دیا کہ یہ مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تحریکیں ہیں اس کا نتیجہ ہوا کہ ہمیں ہر تحریک میں آگے آنا پڑا اور ہر تحریک کے وقت ہم نے اصل حقیقت کو بے غائب کیا۔

غرض مسلمانوں کی

ہجرت کا پل

ہم نے کھولا۔ خلاف کے مسئلہ طلبہ جوش کے دلوں میں ہم نے ان کی صحیح راہنمائی کی۔ لیکن کانگرس کے جھگڑے کے وقت ہم نے کچھ جوشی مل تیار اور لوگوں پر ظاہر کیا کہ یہ سب کے بھانے ہے

سیاسیات میں مخالفت حاصل کر سکی کو شش کی جاری ہے۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ سیاسی طرز کے مسلمانوں نے سمجھا کہ جب تک یہ جماعت موجود ہے اس وقت تک ہم سیاسی طور پر مسلمانوں کو بے خوف نہیں بنا سکتے۔ پس وہ بھی ہمارے خلاف ہو گئے۔ شہری مثال اس کی وہ طور ہے جو کھیلے دلوں

کیونکہ ایوارڈ

یعنی فرقہ وارانہ تفریق حقوق کے نام سے اٹھ سکوں اور ہندوؤں نے گورنمنٹ کو ٹکس دیا تھا کہ ہم ایک لاکھ اٹھارہ اس کے خلاف جنگ کرنے کے لیے تیار کر دیں گے۔ اس پر ہم نے بھی اپنی

جماعت کی عظیم

شروع کر دی۔ اور گورنمنٹ کے سامنے اپنی خدمات رکھ دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو بھی قوموں نے محسوس کیا کہ ہمارے نہیں نے کیا کہ اگر ہم گورنمنٹ کو دھمکی دیتے ہیں تو یہ دھمکی کا اثر بھی ڈل ہونے نہیں دیتے آؤ اس جماعت کا ہی حصہ حوالہ کر رہے۔ کھیلے دلوں ایک اخبار والوں کو دھمکی دی گئی کہ اگر مسلمانوں کے حقوق کی تائید سے وہ ہندو کے ہوں گے

دروازوں پر پتنگ

کیا جائے گا ہم نے جب یہ سنا تو اپنے نوجوانوں کی خدمات پیش کر دیں اس پر کسی نے پتنگ نہ کیا۔ پس لوگوں نے دیکھا کہ جب وہ دھمکیاں دیتے ہیں تو ہم ان کی دھمکیوں کو باطل ثابت کر دیتے ہیں۔

سیاسی لحاظ سے دباؤ

ڈالنا چاہے ہیں تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مذہب کے نام پر لوگوں کو بھگانا چاہے ہیں۔ تو اس میں روک تھام کیا جاتا ہے اور ان کا پل کھول دیتے ہیں۔

طاقت اور سمجھنے سے مرعوب کرنا

چاہے ہیں تو یہ اپنی خدمات پیش کر دیتے ہیں۔ اس لیے ہندوؤں۔ سکوں اور مسلمانوں میں

ہے ہر شخص کو شعور پر برا متا اور
ہاری مخالفت کرنا اپنے مقاصد کے لیے مفید
سمجھتا ہے۔ سیاسی مخالفت کے اسباب میں سے
ایک ہمارا اس وقت

شمشیر کے جہاد کی مخالفت

کرنا بھی ہے۔ مولوی اس مسئلہ کی مدد سے عوام کو خوب بھڑکاتے تھے۔ ہم نے اسے حریک بھی چھین لیا ہے۔ بلکہ ہادیٰ جماعت کی مخالفت نہایت وقتاً چلانے پر ہے اور سیاستدان یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک احمدیوں کو گزند نہ کر دیا جائے

احمدیوں اور حکومت میں ملائی
 نہ کرا دی جائے۔ اس وقت تک لندن کا قدم
 مضبوطی سے جم نہیں سکا۔ یہ صرف خیالی بات
 نہیں۔ بلکہ خود کھ ہے

آل انڈیا کانگریس کمیٹی

کے ایک ذمہ دار آدمی نے کہا کہ

ہندوستان جواہر لال نہرو

جب یسوع کی سیاحت سے واپس عفریہ لائے تو یسوعین پر ہی دوران تکلیف میں نے مجھ سے کہا کہ مجھے دوران سیاحت میں محسوس کر لیا گیا ہے کہ اگر ہم ہندوستان میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے اچھے جماعت کو قبول دینا چاہئے وہاں غرض کے لیے انہوں نے کسی کو نہیں بھی کیا۔ مگر خدا کے فضل سے کامیاب نہ ہوئے۔ اب کانگریس والوں کی ایک طرف تو یہ کوشش ہے کہ ہمیں مسلمانوں سے لڑا کر کرود کر دیا جائے۔ اور دوسری طرف یہ کوشش ہے کہ ہماری انگریزوں سے لڑائی ہو جائے لیکن ہے انگریزوں میں سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے۔ مگر ہماری امانت چہ نکہ اصول مذکورہ کی بناء پر ہے۔ اس لیے ہم حکومت کی امانت سے بھی خرافہ نہیں کر سکتے لہذا حکومت نے

ہماری ہنگامہ کا ازالہ
 نہ کیا۔ تو پھر ہمارا تعلق اس سے بھی قانونی
 اطاعت والا نہ جائے گا۔

محبت والا تعلق

باقی ماندہ ہے گا اور ہم ہر موقع پر اس سے سودا کیا کر س گے۔ پس گوشت ہمیں تاجر بنادے گی۔ مگر ہم اطاعت پر بھی کرتے رہیں گے۔ سیاسی طاقت کی وجہ سے ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ہم بنی اسلام کے مخالف ہیں۔

حالات کہ میں جب یورپ گیا تو راستہ میں عربی ممالک میں اتحادِ اہم اسلامیہ کی سکیم میں بنے بٹائی جسے بعد میں شیخ یعقوب علی صاحب نے دوسرے سفر کے موقع پر یورپ چھوڑا یا پھر ان کے لئے شیخ محمود صاحب نے بلا واسطہ کے سفر میں لوگوں میں اس کی اشاعت کی جس کے نتیجے میں

مؤتمراً اسلامی کا اجلاس

ہو۔ پس عالم اسلامی کے اتحاد کا میں بڑے زور سے قائل ہوں مگر اس اتحاد کا میں قائل نہیں۔ جو لڑائیوں اور خود کشی کے لیے ہو۔ ہم اخلاق کو درست کر کے اتحاد رکھنے کے قائل ہیں۔ اس امر کے قائل نہیں کہ انگریزوں یا کسی دوسری قوم سے خود کو اہل امانے۔

غرض ان وجوہ سے سیاسی لوگ ہمارے مخالف ہیں اور چونکہ کچھ لوگ حکومت میں بھی کامیابی کا خیال کے داخل ہیں وہ بھی ان وجوہ سے دل میں ہمارے مخالف ہیں بلکہ ایسے لوگ

اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر

ملنے ہیں۔ چنانچہ عدم تعاون کی تحریک کے دنوں میں کئی ہندوستانی افسروں نے کانگریس کو خطی لکھ دیا۔ پور جو لوگ کانگریس کی مخالفت کرتے تھے انہیں دھمکا پور جو لیا کہ تم

یا لیکس میں دخل

دیتے ہو چنانچہ مجھے جبب بعض واقعات معلوم ہوئے تو اس وقت میں نے

لارڊ ارون

کو لکھا کہ آپ کے بعض اصرار اس قسم کے ہیں جو کانگریس کی تحریکات کا مقابلہ کرنے سے بھی اپنے آدمیوں کو روک دیتے اور اسے پالیسی میں بدل قرار دیتے ہیں۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ وہ کانگریس کے موہنیز ہیں اس پر حکومت نے یہ اطلاع کیا کہ

گورنمنٹ کی تائید

میں حصہ لینا منع نہیں۔ گورنمنٹ کے خلاف
 حصہ لینا منع ہے۔ مجھے کئی ایسے مسٹروں کا علم
 ہے جنہوں نے لاگرس کے خلاف کام کرنے
 والے مسٹروں پر غوطہ کھینچا ہے اور انہیں

نقصان پہنچانے کی کوشش

کی۔ یہ کانگرس سے ہمدردی رکھنے والے افسر ہمیشہ کانگرس کو حکومت کی خبریں پہنچاتے رہتے ہیں چنانچہ ہانگ کانگ کے زمانہ میں ریٹوے کے کئی ایسے افسر جب بھی انگریز کی مال آتا تھا۔ کانگرس والوں کو اطلاع دے دیتے تھے۔ اسی

طرح جو پولیس میں ایسے افسر تھے جو کانگریسوں کی گرفتاری کی خبر وادعت پہنچنے سے قبل انہیں پہنچا دیتے چنانچہ کی دھواں بھرا ہوا کہ جب پولیس کے سامنے وادعت لے کر پہنچے تو کانگریسی ایسے شخص کو لہ پیرا کر پھیلے سے پولیس کے ختہر م تھے۔ اس قسم کے لوگ سیاسی اختلاف کی وجہ سے مل جاتے ہیں کہ

مگر نمسٹ اور جماعت احمدیہ میں لڑائی ہو چلی۔ اور وہ حکومت میں ہو کر حکومت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ ان لوگوں نے وہی چال چلی ہے جو کہتے ہیں یا یکبار خوالے نے

تین مخصوص کے خلاف

جلتی تھی جو اس کے باغ کا سہو کھائے جسے کہتے ہیں کہ کسی باغ میں سپرد مولوی اور مسند مولویوں اکٹھے چلے گئے۔ مولوی اس کے سہو تو خود ذکر کھانے لگے۔ باغ کا مالک جب آیا تو اس نے دیکھا کہ تین آدمی ہیں اور وہ اکیلا ہے۔ اس نے سوچا کہ اس طرح حقیقت تو مشکل ہے۔ مگر کچھ سوچ کر وہ سپرد مولوی کو انک لے گیا اور سپرد نے کہنے لگا کہ آپ تو آل رسول ہیں۔ یہ سب باغ آپ کے نانہا مال ہے۔ جہاں سے جی چاہے کھائیں اور مولوی سے کہا کہ آپ بھی

رسول کریم ﷺ کے گدی نشین

ہیں۔ آپ کے فضل پر بھی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس زمیندار کا حق تھا کہ کبیر سے جا بھاڑ میں آتا۔ اور سو سے زود تر ذکر کھاتا چنگ ان دونوں کی تعریف ہو سکتی تھی وہ کہنے لگے تاتو ٹھیک ہے مالک کہنے لگا۔ تو پھر انصاف قائم کرنے میں آپ میری مدد کر کے چنانچہ تینوں نے فل کر زمیندار کو پکڑا اور اسے خوب مارا پھر اسے ایک درخت سے باغھ دیا۔ اس کے بعد مالک سہو کو الگ لے جا کر کہنے لگا یہ بھولی بھی کچھ کمر چڑھیں کیچک

سکھنے والے کو

ہے۔ آل رسول کا عیاق ہے کہ جس سے
کھائے۔ خاصوں کا مہلا کیا اختیار ہے کہ وہ
آل رسول کے ہم درجہ ہیں۔ سید کے لیے اس
سے زیادہ فخر کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے
مہولی پر ترجیح دے دی گئی۔ اس نے کیا بات تو
خبر نہ کی۔ مالک کہنے لگا۔ تو پھر انصاف
کام کرنے میں میری مدد کرو چنانچہ مہولی کو
بھی دونوں نے مل کر خوب مارا اور ایک
دھت سے باندھ دیا اب صرف اکیلا سید
مرا قہل لگا۔

جاہد کہا غیث و دھرم کا مال کمانے والا بھی

آل رسول

ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اسے بھی خوب مارا اور درخت سے باندھ دیا۔ ہم نے کسی دوسرے کا مال تو نہیں لیا بلکہ ہر ایک کو اس کا حق دلا دیا۔ لیکن بہر حال لوگ ہم سے بھی بدگمانی رکھتے ہیں کہ گویا ہم انگریزوں سے مل کر ان کے

حقوق کا نقصان

کر رہے ہیں اور اس قسم میں وہ ہمارے خلاف چالیں چلتے ہیں اور اب انہوں نے یہ تدبیر سوچی ہے کہ کچھ غنیمت میں اور ہم میں اختلاف ڈال کر دونوں کو ایک الگ نقصان پہنچا دیں۔ گو غنیمت کی بات نہ ہو مگر ہم اس لیے ممکن ہے۔ وہ اگلے گھوڑا چاہنے والے ہیں کہ انشاء اللہ ان کے کام میں نہیں آسکتے۔

ذہنی مخالفت

علاوہ سیاسی مخالفت کے موجودہ فتنہ کے تحت میں ذہنی مخالفت بھی کام کر رہی ہے۔ علماء میں اختلاف دلائل میں شکست کھا چکے ہیں۔ وفات مسیح کے مسئلہ کو پیش کیا جائے تو بحث کہہ دیتے۔ اسلام کا اس سے کیا تعلق ہے مسیح نامری زندہ ہیں یا مر چکے۔ حالانکہ اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو یہ لوگ اسی وجہ سے ہم پر کفر کے فتوے لکھتے رہے ہیں۔ اسی طرح نبوت کا مسئلہ ہے۔ سوائے شور مچانے کے اور کوئی بات نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کے پہلے بزرگ خود کھتے ہیں کہ مسیح تھیں یا نہیں

غیر تشریحی نبوت کا سلسلہ

جاری ہے۔ اب وہ دس طرح کر رہے۔ گالیاں دیتے تو اپنے بزرگوں پر بھی پڑتی ہیں۔ غرض میدان دلائل میں علماء ہمارے سامنے مات کھا چکے ہیں اور اب تو میں نے کثرت سے تعلیم یافتہ لوگوں کے مہذبوں سے سنا ہے کہ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ صرف یہ بتاتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی طرح نبی نہیں گئے۔

مجھدار اور دینا پخت دار کو مسلم تو اس بات کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ کہ نبوت کا دروازہ بند نہا جائے۔ میں جب دلائل گیا تو ایک نہایت ہی غلط امر یہی مسلم مسٹر شیلے

جو بہت بوڑھے تھے۔ اور اب فوت ہو چکے

ہیں مجھ سے ملنے کے لیے آئے۔ چونکہ چائے وغیرہ پلائی جاتی تھی۔ اس لیے چائے یا نو آنے کے قریب ہیچ چندہ دے جاتے۔ تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ ملت میں چائے پی رہے ہیں۔ نہایت ہی غلط اور

اسلام سے محبت رکھنے والے تھے۔ مجھ سے جب ملنے کے لیے آئے تو ہاتھ کرتے وقت محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر مجھ سے کہنے لگے۔ آپ مجھے یہ بتائیں کیا مرزا صاحب نبی تھے۔ میں نے کہا ہاں نبی تھے۔ اس پر ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور کہنے لگے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ پھر کہنے لگے۔ آپ مجھے بتائیں کیا آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد مسلمانوں کے لیے نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ کو یہ طعنے بات ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب کسی خاص شخص پر پڑے اور دوسروں پر نہ پڑے۔ میں نے کہا بھلا خدا تعالیٰ نے اسٹ محمدیہ کے لیے باب نبوت کو کھلا رکھا ہے اس پر ان کا چہرہ مگر دمک اٹھا اور کہنے لگے مجھے بڑی خوشی ہوئی پھر باوجود اس کے کہ انہیں معلوم تھا کہ میں

جماعت احمدیہ کا خلیفہ اور حضرت مسیح موعود کا بیٹا ہوں۔ مجھے کہنے لگے آپ نے حضرت مرزا صاحب کو دیکھا ہے۔ میں نے کہا ہاں دیکھا ہے۔ اس پر بھی ان کا چہرہ روشن ہو گیا اور کہنے لگے مجھے بڑی خوشی ہوئی آپ اپنا ہاتھ بکڑائیے۔ پھر انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور یہ کہتے ہوئے کہا کہ آج میں نے ایک نبی کے دیکھنے والے سے مصافحہ کیا ہے غرض کچھ دیر اور بے غرض ہو چکا ہوں تو مسکریہ عقیدہ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ کہ کوئی ایسا نبی آئے۔ جو

تمام تر قیامت کے دروازے نئی نوع انسان کے لیے بند کر دے۔ ان میں سے ہر موصول پسند انسان کہے کہ کچھ ﷺ کو جو چاہو بڑے سے بڑا وجہ دے لو۔ مگر وہ رستہ نہ کھولو جس کے نتیجہ میں دنیا کی ترقیات رک جائیں۔ علماء کے سامنے جب یہ باتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ پھر لوگ انہیں کہتے رہتے ہیں تم کرتے کیا ہو۔ امیوں میں سے تو کوئی افریقہ جا کر لوگوں کو مسلمان بنا رہا ہے اور کوئی امریکہ۔ کوئی انگلستان جا رہا ہے اور کوئی

بارش اور دھن وغیرہ مگر تم جو اس کے کمر بیٹھے رہناں توڑتے رہے ہو اور لوگوں پر کفر کے فتوے لگاتے ہو اور کہا کرتے ہو۔ یہ باتیں جب ان کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ پس ہمارے

مولویوں کی زندگی تلخ ہو گئی ہے اور وہ دل میں کہتے ہیں کہ ہم تو امیوں کو چھوڑ دیں یہ ہمیں نہیں چھوڑتے ہم کیا کریں۔ جیسے کسی نے کہا تھا میں تو مکمل کو چھوڑنا ہوں پر مکمل مجھے نہیں چھوڑا۔ غرض علماء پر ایک عجیب مصیبت نازل ہے۔ ہم ان سے لڑیں یا نہ لڑیں لوگ جب سنتے ہیں کہ ان ملک میں امیوں کے ذریعہ اتنے مسلمان ہو گئے۔ افریقہ میں اچھے اور امریکہ میں اچھے لوگ داخل اسلام ہو گئے وہ مولویوں سے پوچھتے ہیں کہ تم سوائے کافر بنانے کے اور کیا کام کرتے ہو۔ مولوی جب یہ باتیں سنتے ہیں تو بجا ایکے انہیں کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ کہتے ہیں ہم کچھ تیار کر لیں گے امیوں کو خط لکھ کر پھرتے دیکھتے پھر یہ کہیم بخت دیا میں رہیں گے اور نہ میں سنایا کریں گے۔ ہر مولوی چونکہ اپنے ساتھ جیسے جیسے لکھتا ہے اور ان جیلوں کا آگے بڑھتا ہے وہاں سے اس طرح یہ مخالفت پھیل جاتی ہے۔ دوسری طرف آریوں نے بھی محسوس کر لیا ہے کہ ہماری جماعت کی وجہ سے ان کی ترقی رک دھکی ہے جب

ملکانہ میں اردو اور شروع ہو اور پھرتے ہی ہر مدرسہ میں ترقی آباد عہد کے اندر انہوں نے ہمیں ہزار آدمی مسلمانوں میں سے مرتد کر لیے تو اس وقت لاہور میں ڈھنڈو دینا گیا کہ کیا کوئی مسلمان ملکوں کی خبر گیری کرنے والا نہیں پھر اشتہار دیے گئے جن میں لکھا گیا کہ امیوں کو کہا کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے محافظ ہیں تاہم کہ انہیں ابھی وقت نہیں آیا کہ وہ بیدار ہوں اور اسلام کی مخالفت کریں اس پر میں نے اپنی جماعت میں اعلان کیا تو خدا تعالیٰ کے فضل سے تین سو آدمیوں نے اپنی جانیں پیش کر دیں۔ اور ایک ایک وقت میں سو سو مسلمان ہمارا ملکانہ میں کام کر رہا ایک لاکھ کے قریب ہمارا رہ پیر خیر ہوا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے نتیجہ یہ نکلا کہ آریوں کو ہر میدان میں شکست دیدی اور یہ جو ان کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں میں ایک عام رہا اور کوئی چلا دیں گے غلط ثابت ہوا۔

گاہر می کی جو اس وقت جیل میں تھے۔ جب یہ حالت معلوم ہوئی تو انہوں نے اس پر اظہارِ ناراضگی کرنا شروع کیا اور سیاسی لیڈروں نے کہا شروع کیا کہ آپ میں صلح کرو اور اپنے اپنے مسلح دہلیوں سے نکالو۔ سوای شروہاندی اس وقت زندہ تھے۔ انہوں نے پُر زور دہلا دیا اٹھائی کہ ہمیں گاہر می کی بات مان لینی چاہیے اور آپ میں صلح کر لینی چاہیے چنانچہ دہلی میں ایک میٹنگ

ہوئی ہمارے بعض دوستوں نے کہا کہ اس میٹنگ میں ہمیں نہیں بلایا گیا۔ میں نے کہا آپ لوگ کئی رحمن اور ہمیں بلائے ہو مجبور ہوں گے کیونکہ ہمارے بغیر یہ صلح ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ دوسرے دن ڈاکٹر انصاری مولانا محمد علی صاحب اور حکیم اجمل خان صاحب کی طرف سے میرے نام کا تار آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ آپ اپنے نمائندوں کو یہاں بھیجیں میں نے اپنے دوستوں سے کہا دیکھو ہمارے بلائے ہو مجبور ہو گئے ہیں میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ وہ ہمارے بغیر صلح کر ہی نہیں سکتے۔ آخر جب میں نے اپنی طرف سے نمائندہ بھیجے تو میں نے انہیں کہہ دیا کہ وہاں بھی امر اسی کیا جائے گا کہ گاہر می چنگ نہ آئے اور اس بارے میں اس لیے کام بند کر دینا چاہیے اور اپنے مسلح دہلیوں سے نکال دینے چاہئیں۔ آریہ اپنے گروں میں چلے جائیں اور مسلمان اپنے گروں میں مگر آپ اس کے جواب میں یہ بھی کہ آپ لوگ میں ہزار مسلمان آریہ بنا چکے ہیں ان میں ہزار کو آپ کل پر حا کر مسلمان کردیں تو ہم اپنے گروں میں آجائیں گے۔ اور آپ اپنے گروں میں آجائیں ورنہ جب تک

میں ہزار اشخاص

اسلام میں دہلی نہیں آتے اس وقت تک ہماری تبلیغ جاری رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب ہمارے نمائندہ گئے تو انہوں نے بھی امر چیل کیا کہ آپ میں ہزار مسلمان آریہ کر چکے ہیں۔ جب تک آپ انہیں دہلی نہیں کرتے ہم تبلیغ کے سبب طرح رک سکتے ہیں اور اگر صلح کر لیں تو اس کے یہ سنے ہیں کہ ہم گمانے میں رہے۔ آریہ ہلاسا بات کو کب تسلیم کر سکتے تھے کہ ہم میں ہزار لوگوں کو کھ پڑھا کر اسلام میں دہلی کر لیں۔ وہ نہایت بائیں ہوئے اور سوای شروہاندی نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گاہر می ناراض

ہوں اور تکلیف اٹھائیں۔ ہمارے نمائندوں نے کہا بات بالکل صاف ہے اگر اس پر بھی کوئی نقصان پہنچے گا مثال ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں عجیب بات یہ ہوئی کہ ہماری یہ باتیں بعض مسلمان سیاسی نمائندوں کی سمجھ میں آئی اور وہ بھی کہنے لگے کہ ہماری تو بھی ہوئی ہے جب میں ہزار لوگ اسلام میں دہلی ہوں

جمعہ العلماء کا نمائندہ

بھی وہاں موجود تھا اس نے بڑے جوش سے سوای شروہاندی کو کہا کہ ان احمدیوں کی ہستی ہی کیا ہے انہیں چھوڑ دینے اور ہم سے معاہدہ کیجئے میں سات کروڑ مسلمانوں کی طرف سے آپ سے معاہدہ کروں گا کہ وہاں کوئی مسلمان تبلیغ نہیں کرے گا۔ سوای جی حقیقت سے خوب واقف تھے وہ کہنے لگے مولانا آپ کے وہاں کچاس مسلح ہوں تو حرج نہیں لیکن اگر ایک احمدی مسلح بھی وہاں موجود ہو تو اس کا رہنا خطرناک ہے یہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے آریہ فیسے سے بھرے ہیں اور

عیسائی الگ مخالف ہیں

اور وہ کہتے ہیں کہ ان کے عقوں کو جس قدر نقصان پہنچ رہا ہے سب احمدیوں کی وجہ سے ہی ہے۔ احمدیوں میں ہم جو تبلیغ کرتے ہیں اس کی وجہ سے بھی انہیں دشمنی ہے۔ چنانچہ اس وقت تک سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں احمدیت ہماری جماعت میں شامل ہو چکے ہیں اس کا بھی انہیں طبع ہے مگر یہ کوشش صرف اندرون ہند میں بلکہ بیرون ہند میں بھی ہماری طرف سے جاری ہیں۔ گزشتہ دنوں جرج آف انڈین کی طرف سے ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی جس میں سات لاکھ مسلمان پر افریقہ کے ذکر میں بیان کیا گیا ہے کہ احمدیوں نے عیسائیت کی ترقی کو نقصان پہنچایا ہے غرض ان حالات کی وجہ سے مسلمان عیسائی اور آریہ تینوں قومیں متحد ہو کر ہمیں مٹانا چاہتی ہیں۔

اقتصادی مخالفت

پھر ہماری جماعت کی موجودہ مخالفت میں اقتصادی تفرقات کا بھی دخل ہے۔ کیونکہ ہمارے طبقہ ہمیشہ غربا کو نوازتا رہا ہے اور ہماری جماعت اس تحریک کے مخالف ہے اس کا لازمی نتیجہ نکلا ہے کہ امراء ہماری جماعت کی مخالفت کرتے ہیں دو مہینے ہوئے کہ ایک اگر پرنسپل کل لجنٹ نے ہماری جماعت کے ایک افسر کو کہا کہ کلان ریاست میں آپ لوگوں کی طرف سے تبلیغ ہو رہی ہے مجھ سے

وہاں کے وزیر نے حکایت کی کہ ان کی

تبلیغ سے خطرناک

ہیں۔ ہمیں اس کے رد کرنے کی اجازت دی جائے۔ تو میں نے لکھا کہ اگر احمدی احمدیوں میں تبلیغ کریں۔ تو انہیں روک دو وہاں مسلمانوں میں تبلیغ کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کی وجہ سے عیسائی کی کچھ جوتوں میں تبلیغ کرنے سے زمیندار ناراض ہوتے ہیں کہ ہمارے کاموں کو نقصان پہنچتا ہے۔ غرض

احمدیت قوموں کی ترقی اور اصلاح جو ہمارے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ وہ نہ آریوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے اور نہ عیسائیوں کے ذریعہ مسلمان ہی وہ قوم ہے جس میں احمدیت جذب ہو کر ایک ہو سکتے ہیں اس میں شری نہیں کہ جب کوئی احمدیوں میں سے دنیا نکل کر آتا ہے تو اس سے تعلقات رکھنے پسند نہیں کئے جاتے مگر آہستہ آہستہ خود ہی مسلمانوں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی کھیت میں جائے اور تازہ پاخانہ پڑا ہو ادا کیجے۔ تو وہ چاروں طبقہ کو کھانے کو اس کا بھی نہیں چاہتا۔ مگر چاروں کے بعد خود بخود کھانے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح احمدیت دو چاروں میں ہی مسلمانوں میں اس طرح مل جاتے ہیں کہ ان کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ بہر حال احمدیوں میں تبلیغ کرنے کی وجہ سے ہمارے طبقہ کو ہم پر طعن آتا ہے۔ پھر غرباء کی جب ہم ناجائز مدد نہیں کرتے۔ تو انہیں بھی ہم پر طعن آتا ہے وہ جب مسٹر انڈین کیوں کرتے۔ کارخانوں کو کام لگاتے اور

بائیانات کی تحریکات

جاری کرتے ہیں تو ہم ان کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور جس طرح ضرور طبقہ ہمتا ہے کہ ہم ان کے دشمن ہیں حالانکہ ہم غربا کو ان کے حقوق دلانے اور امراء کو دست بردار ہوں اور تعدادوں سے بچھڑ رہنے کی تعلیم دیتے ہیں ہم یہ نہیں چاہتے کہ امراء

غرباء کی تہذیب

کریں مگر ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ غرباء امراء کو قتل کریں اور ان پر ناجائز حملے کریں۔ دونوں ہمارے مخالف ہو جاتے ہیں یہی اقتصادی اصول پر مبنی ہماری مخالفت شروع ہو گئی ہے۔ ان تینوں وجوہات کی بناء پر مذہبی پسائی اور اقتصادی رنگ میں اپنی مخالفت کی جاتی ہے ہم ہر ایک کے دوست اور خیر خواہ ہیں مگر چونکہ دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اس حد تک ان

بڑی ذمگیاں حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ پہلے چھوٹے امتحان پاس کرتے جاتے ہیں۔

پراسنری کا امتحان

ہے جو تم نے پاس کرنا ہے۔ اگر اس میں کامیاب ہو گئے تو پھر نڈل اور اسٹریٹس اور ایف اے اور بی اے وغیرہ کا امتحان دینا ہوگا جس کا تم ایم اے جتنا چاہو ہو گئے کے امتحان پاس کرو اور اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور حوادث کے سمندر میں یہ کہتے ہوئے کود جاؤ

ہر چہ چاہا دیا جاتی در آپ اندا اٹھم اور یاد رکھو کہ ان امتحانوں کا پاس کرنا دولت نہیں بلکہ امن سے نکلنے کے بعد ہر شخص کندن بننا چاہا جاتا ہے۔

سکیم کی اہمیت بتانے پر ہی میں آج کے خطبہ کو ختم کرتا ہوں اور سکیم کا حصہ اگلے جمعہ پر ملوثی کرتا ہوں کیونکہ میں نے جوت لکھے ہیں ان میں بھی کوئی ترتیب قائم نہیں کر سکا۔ اس سکیم کے بیان کرنے میں جتنی دیر ہوئی جلی چار ہی ہے اس سے ان لوگوں کے استحقاق کا امتحان ہوتا جائے جنہوں نے قربانی کے لیے اپنا نام پیش کیا ان پوپس والوں کے ممبر کا بھی امتحان ہو رہا ہے جو میرا خلیفہ لکھے کے لیے آجاتے ہیں۔ گو منت کے ممبر کا امتحان بھی ہو رہا ہے۔

کے بھی بلکہ ہندوؤں کے بزرگوں کو کچا تسلیم کر کے

مسلمانوں کی فکر میں کافر

بچے ہیں سکھوں کے بھی خیر خواہ ہیں کیونکہ حضرت بادشاہ صاحب کو خدا کا ولی اور نہایت نیک انسان سمجھے ہیں حکومت کے بھی خیر خواہ ہیں کیونکہ انارکشیوں کا مقابلہ کرتے اور قانون کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں۔ انگریزوں کے بھی خیر خواہ ہیں کیونکہ ہم ملک کی جائز حد تک آزادی اور ضروری قراہ دیتے ہیں۔ ہمارے بھی خیر خواہ ہیں۔ کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ سسٹر لئیکس ہوں اور لوگ انہیں گل کریں۔ فریبیں اور مردوروں کے بھی خیر خواہ ہیں کیونکہ ہم کوشش کرتے ہیں کہ جو ان پر ظلم ہوتے ہوں۔ ان کا بڑا بلکہ کیا جائے اور ان کے حق کو انہیں دلانے چاہیے۔ فرض ہم

سب کے خیر خواہ

ہیں۔ اور ہمارا قصور اگر ہے تو یہ کہ ہم اسے خیر خواہ نہیں جتنی خیر خواہی چاہتا ہوئی ہے اور سی بنا پر سب لوگ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں اور اب ہماری ترقی کو دیکھ کر سب ہمارے دشمن پریشان ہو گئے ہیں اور

ہمارے ساتھ کرنے کے لئے متعلق

ہو گئی ہیں یا پھر موجودہ فتنہ کی یہ دعوت ہے کہ اللہ قتل

ہماری آزمائش

کرنا چاہتا ہے۔ ہم جھوڑا ساں کے سامنے خیر سے کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم تجھ پر پورا تیرے رسولوں پر ایمان لائے۔ اور اس کے لیے ہم ہر قسم کی قربانیاں کرنے کے لیے تیار ہیں اس کے مطابق لب خدا متعلق دیکھنا چاہتا ہے کہ کم کس حد تک قربانیاں کرتے ہیں اور ہمارے دلوں میں کتنا ایمان ہے۔

ہیں ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس امتحان میں کامیاب ہونے کی کوشش کرے اگر ہماری جماعت اس میں کامیابی کے لئے کوشش نہیں کرے گی تو یقیناً وہ خدا کے سامنے جواب دہ ہوگی اور اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئی تو پھر خدا تعالیٰ اس کے سامنے اور امتحان لائے گا جس میں اسے کامیاب ہونا پڑے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جب کوئی قوم ایک امتحان میں کامیاب ہو جائے تو پھر امتحان اس کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔

کے دوست نہیں جس تک وہ چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ ہماری دشمنی کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تمام لوگ ہماری مخالفت کر رہے ہیں مگر سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اب یہ لوگ کیوں زیادہ مخالفت کر رہے ہیں ہماری جماعت تو ابتداء سے انہی اصول کی قائل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری اور ان کی مثال ملی ہو رہی ہے کی یہی جہت ہے کہ پکڑتی ہے تو اسے انہی طرح چھوڑتی ہے مگر جب اس کی جان نکلنے کے قریب ہوتی ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتی اور خود ایک طرف بٹھ جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ پاس لینا شروع کرتا اور اسے کچھ مخالفت محسوس ہوتی ہے تو وہ ملی کو دیکھنا شروع کرتا ہے کہ کہیں یہ قائل ہوئے ہیں مگر کوئی ملی نظر نہیں آتا قائل ہوتی ہے مگر ٹھیکوں سے اسے دیکھتی جاتی ہے جب چہ موقع پا کر وہ لڑنے لگتا ہے تو جھٹ لیتی چلائی لگا کر اس کی گردن مروڑ لیتی ہے یہی حال ہمارا اور ان کا تھا شروع شروع میں کو ہماری تعلیم بھی تھی اور ہم انہی حد تک کوشش کرتے تھے مگر بڑے بڑے علماء یہ کہا کرتے تھے کہ ان کے ساتھ

بحث کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے

بھلا کیا یہی اور کیا یہی کا شور باہم جب چاہیں گے انہیں سکھ دیں گے مولوی لوگ سمجھتے کہ ان کے کفر کے لیے ہے ہماری جماعت کو سنا نہیں گئے سیاست والوں کے سامنے جب ہماری جماعت کا ذکر آتا تو وہ کہتے یہ

چھوٹی سی جماعت

ہے اس نے کیا کر لیا ہے۔ آپس میں اتحاد رکھنا چاہیے۔ اقتصادی لوگوں کے سامنے انہی ہماری سسٹمز آئی تھیں۔ فرض ہماری جماعت کو چہ ہے کی طرح سمجھا جاتا تھا مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ

وہ جسے چاہتے تھے شہر ہے

اور جسے نہ قابل القات سمجھتے تھے وہ جماعت دنیا کو کھانے لگ گئی یہ وہ بڑے بڑے باوقار لوگ جو اپنی کریموں پر اس خیال میں مست بنے تھے۔ کہ ہم جب چاہیں گے انہیں کو قتل کر دے گئے وہ بھی ہمارے نظام اور جماعت کی ترقی کو دیکھ کر خیر ان وہ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ جماعت شہر ہے جو ایک دن دنیا پر غالب آکر رہے گی میں لوگ ہمارے دشمن ہیں مگر ہم کسی کے دشمن نہیں ہم مسلمانوں کے بھی خیر خواہ ہیں اور ہندوؤں



جسٹس ڈی ایچ بیٹھ
۲۲ اگست ۱۹۳۵ء
۱۹ اگست ۱۹۳۵ء
۳۱ اگست ۱۹۳۵ء

مفوضات حضرت مسیح موعود علیہ السلام
دعاؤں میں استقلال کے لیے دعا

پیشکش

ہیں کہ ایک ہی دن میں ان کی دعا شرعی غرات ہو جائے۔ حالانکہ یہ امر سنت اللہ کے خلاف ہے۔ اس نے ہر کام کے لیے اوقات مقرر فرمائے ہیں۔ اور جس قدر کام دنیا میں ہو رہے ہیں۔ وہ مقرر ہی ہیں۔ اگرچہ وہ قادر ہے۔ کہ ایک طرف اطمینان میں جو چاہے۔ سو کر دے۔ اور ایک گن سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ مگر دنیا میں اس نے اپنا ہی قانون رکھا ہے اس لیے دعا کرتے وقت آدمی کو اس کے نتیجے کے ظاہر ہونے کے لیے گھبرانا نہیں چاہیے۔ (الحکم ۱۰) اکتوبر ۱۹۰۳ء

فرمایا! "مومن کا کام ہے کہ پیشہ دعائیں لگا رہے اور اس استقلال اور صبر کے ساتھ دعا کرے۔ کہ اس کو کمال کے درجہ پر پہنچا دے۔ اپنی طرف سے کوئی کی اور دقیقہ فردگار اشت نہ کرے۔ اور اس بات کی بھی پروا نہ کرے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا بلکہ

مگر جا شد بدست رہ بردن
شرط عشق است در طلب مردن

جب انسان اس حد تک دعا کو پہنچاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس دعا کا جواب دیتا ہے جیسا کہ اس نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور جوئی اچھا لکھ۔ یعنی تم مجھے پکارو۔ میں تمہیں جواب دوں گا۔ اور تمہاری دعا قبول کروں گا۔ حقیقت میں دعا کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ جب تک انسان پورے صدق و وفا کے ساتھ اور صبر اور استقلال سے دعائیں لگا نہ رہے تو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں جو دعا کرتے ہیں۔ مگر بڑی بے دلی اور جھٹ سے چاہتے

۱۹ اگست ۱۹۳۵ء حضرت امیر المومنین خلیفہ المسیح الثانی ایہ اللہ بنصرہ لکھنؤ کی محنت خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اچھی ہے۔

صاحبزادی امیر العیون صاحبہ بنت حضرت امیر المومنین ایہ اللہ تعالیٰ اور صاحبزادہ مکمل احمد صاحبہ ابھی تک بعارضہ بخار بیمار ہیں۔ دعا سے صحت کی جائے۔

نظارت تعلیم و تربیت کی طرف سے مقامی و اعلا مولوی محمد ابراہیم صاحب بھاپوری کو سیال کوٹ بھیجا جا رہا ہے۔

انسوں دلی محمد صاحب تیرہ لکھنؤ میاں دلی ایک لکھا عرصہ بیمار رہنے کے بعد ۳۰-۳۱ اگست کی درمائی شیفٹ ہو گئے۔ انسا لله وانا الیہ راجعون حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے جنازہ پڑھایا۔ انہما دعا سے مغفرت کریں۔ مرحوم کا ایک امت شوق تھا۔

نیشنل لیگ قادیان کے ایک جلسہ کی کاروائی

لاہور کے پاس بیٹھے تھے اور دوسرا جوابا کہتا ہے۔ جیسا کہ ”نلاب“ ۳۰ جولائی نے لکھا ہے کہ احمدی بھی تو گورنر صاحب کے دروازہ پر جوتیاں پھرتے پھرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ کے دشمن احمدیوں کی حکومت پنجاب تک خاص رسائی ہے۔ اور جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس میں کسی کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔ کوئی ہندوستان میں اصلاحات کا مخالف ہے۔ کوئی برطانیہ سے اس کے دوستوں کو دور کرنا چاہتا ہے۔

غرض ہم کو اب حکومت کی اصلاح اور ملک کی خدمت کرنا ہے۔ اور پھر نیک لوگوں کے طریق عمل پر کام کر کے دنیا کو دکھانا ہے کہ احمدی ہر میدان میں خدا کے فضل سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس وقت ہر مولوی صاحب موصوف نے فرمایا۔ ہمارے ملک میں ایک سیاسی سوال ایسا ہے جس کا جواب دینے ہوئے مسلمان ہمیشہ ٹھہراتے ہیں۔ ٹھہر گئی احمدی کو اس کا جواب دینے میں کوئی ٹھیکھاہٹ نہیں وہ سوال یہ ہے کہ

وہاں کے اندر وہ مستعزات ہے۔ اور موجودہ حکومت پنجاب نے جو طریقہ عمل جماعت احمدیہ کے متعلق رو رکھا ہوا ہے اسے مہذب دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ ہمارے نزدیک حکومت کے تدبیر اور اندیشوں میں فرق آگیا ہے۔ ہمارے دل میں جو محبت اس کے لیے پہلے تھی۔ افسوس کہ حکومت پنجاب کی معاونت اندیشوں کے باعث وہ اب نہیں رہی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لاہور میں احمدیوں کا جلسہ ہوتا ہے۔ اس میں ایک گروہ کہتا ہے۔ کہ فلاں ایڈیٹور ڈی کسٹر

۳ اگست۔ نیشنل لیگ قادیان کا ایک جماعت اہم جلسہ۔ بیچہ ہوا مقررہ مہمانوں میں ہر صدارت جناب شیخ منیر احمد صاحب لیڈروں میں شہد ہوا جس میں الحاج مولوی عبدالرحیم صاحب نیر اور جناب شیخ صاحب موصوف نے لیگ کے اتحاد کو عمل کے متعلق تقریر فرمائی۔ مولوی عبدالرحیم

صاحب نے فرمایا سیاست کے سنی عادی اصطلاح میں ایسی تحریکات کا جاری کرنا ہے جو حکومت وقت کے قانون کے خلاف ہوں۔ ایسی سیاست سے ہم نے ہمیشہ اجتناب کیا ہے اور کرتے رہیں گے۔ اب حالات اس قدر خیر ہو گئے ہیں اور حکومت کے نقطہ نظر میں ایسا فرق واقع ہو گیا ہے۔ کہ ہمارے لیے اہل ملک کی خیر خواہی اور حکومت کی اصلاح کے لیے ایسی سیاسیات کے نقطہ نگاہ کو سامنے رکھتے ہوئے حالات کے مطابق طریق عمل اختیار کرنا ضروری ہے۔ جس طرح مذہبی لحاظ سے ہم دنیا کے پیروا ہیں اور ہم نے مسلمانوں کو جہاں سے پہلایا ہے۔ جس کا تین ثبوت یہ ہے کہ جہاں کہیں آپ کی واقف مکی مشنری سے ملے ہو کریں گے وہ آپ سے ملنے کیلئے کہ مسلمان ہمارا شکرتے۔ جس کو احمدیوں نے ہم سے سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح سیاسیات میں بھی مسلمان بہت کمزور اور غلاموں اختیار کرنے کے عادی ہیں۔ دوسری قومیں کو مذمت کا مقابلہ کرتی ہیں اور بہت سخت مقابلہ کرتی ہیں۔ مگر وہی کشت و خون نہیں ہوتا لیکن مسلمان ہیں۔ کہ کراچی میں بھی گولیوں کا نشانہ ہوتے ہیں اور لاہور میں بھی۔

پس حکومت کی اصلاح اور مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کے لیے نیشنل لیگ کو ہدیہ تسلیم کے تحت کام کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ ہمارے پیش نظر ہندوستان کے متعلق برطانوی

خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کی روز افزوں ترقی

یکم اگست سے ۱۲ اگست ۱۹۳۵ء تک بیعت کرنے والوں کے نام

ذیل کے اصحاب دینی اور بذریعہ خط حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کر کے داخل جماعت ہوئے۔

دینی بیعت	۷	محمد عظیم صاحب نواب شاہ (سندھ)
۱	۸	حافظہ عبدالرحمن صاحب خلیفہ لاہور
۲	۹	فضل احمد صاحب خلیفہ کجرات
۳	۱۰	ابیمدی عبدالرحیم صاحب لاہار
۴	۱۱	فضل محمد صاحب خلیفہ جالندھر
۵	۱۲	نذیر حسین صاحب خلیفہ بنارس
۶	۱۳	میاں محمد عبداللہ صاحب خلیفہ لدھیانہ
۷	۱۴	محمد سلیم صاحب ہوشیار پور
۸	۱۵	محمد امین صاحب میرپور (جنوب)
۹	۱۶	عزت اللہ صاحب سندھ

جماعت احمدیہ پر احراریوں کے مظالم کا ذکر پارلیمنٹ میں

لندن ۱۲ اگست۔ آج دہلی عوام میں مسز ایماٹ (کنزروٹو) کے سوال کا جواب دیتے ہوئے مسٹر بنٹن نائب وزیر ہند نے کہا کہ گزشتہ موسم گرما سے احمدیوں کی معاونت سرگرمیوں کی وجہ سے جماعت احمدیہ میں سخت پیمانہ پھیل گیا ہوا ہے۔ جو بدقسمتی سے ابھی تک جاری ہے۔ حکومت پنجاب صورت حالات کا منظر غائر مطالعہ کر رہی ہے۔

اگر ہندوستان آزاد ہو اور اس پر افغانستان حملہ کر دے۔ تو مسلمانوں کو اس وقت کیا روش اختیار کرنا ہوگی۔ احمدی کا جواب صاف ہے۔ جیسا کہ ہمارے واجب الاطاعت امام ایک خطبہ میں فرمایا تھے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ بلا مشغ کی کوشش کی جائے گی لیکن اگر ہندوستان کی قومی حکومت افغانستان کے ساتھ جنگ کا فیصلہ کرے گی تو ہندوستان کے احمدی اپنے ایمانے وطن کے ساتھ تعلق رکھتے ہوئے غیر ملکیوں کے خلاف صف آراء ہونے میں قطعاً درج نہیں کریں گے۔

انکے بعد جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے تقریر کی جس میں یوں یوں کو میدان عمل میں آنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا۔

برادران! اب تقریریں کرنے کا نہیں بلکہ کام کرنے کا وقت آگیا ہے اور ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے وقار کو محفوظ رکھنے کے لیے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لیے تیار ہوں ہم نے ہر طریق سے حکومت پنجاب کے سامنے اپنی شکایات پیش کیں لیکن ہماری تمام درخواستوں کو ٹھکرا دیا گیا ہے۔ مسٹر کھوسلا کے فیصلہ نے ہمارے قلوب کو سخت بخروا کیا ہے۔ اس کی اصلاح کے لیے ابھی تین دن باقی ہیں۔ اگر ان ایام میں حکومت نے کچھ نہ کیا تو پھر ہم کو قانون کے ماتحت رہ کر ہر قسم کی قربانی کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا پڑے گی۔ واضح رہے کہ میں مسٹر کھوسلا کے فیصلہ کو قانون نہیں سمجھتا اور ابھی اس کے متعلق کچھ کہنا بھی نہیں چاہتا کیا آپ قربانی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ (تمام حاضرین نے بیک زبان پر جوش و خروش سے آمادگی کا اظہار کیا) جناب شیخ صاحب کی تقریر کے بعد بہت سے اصحاب نے پینچل ایک کی کبریٰ کے لیے اپنے نام لکھائے اور جلسہ صاف بجے ختم ہوا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 کَافَرٌ بِإِلَهِهِمْ وَبِالْأَزْوَاجِ الَّتِي كَانُوا يُشْرِكُونَ

خُطْبَةُ الْإِسْلَامِ

جماعتِ ختمیہ پر نظامِ آور موجود فتن کے وسیع اثرات

سلسلہ کی غلط قیام اس کی تباہی کے لئے قسم کے خوف بند ہو کر تمام حاکم و تابع کے لئے

ادھتہ ہر انہیں فیما بین السبع الشانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حکام کو باہر ان حکام کی ہلوں کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انہیں یہ

سودا بہت مہنگا

ہوا ہے۔ چنانچہ پہلی چیز یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے حکومت سے جو تعلقات تھے وہ بالکل بے فرشتہ تھے۔ ان کی بنیادیں بے بنیاد تھیں۔

حکومت سے تعلقات کی خرابی پر اتنے مینے گزر چکے ہیں بلکہ سالوں گزر چکے۔ قریباً اڑھائی سال اس پر ہونے کو آئے ہیں۔ جبکہ حکومت نے بلاوجہ ہم سے لگاؤ پیدا کیا۔ اور بلاوجہ ہمیں اپنے دوستوں کی صف سے نکال کر

دشمنوں کی صف میں

سمجھ لیا۔ حالانکہ ہم پہلے اس کے دشمن تھے نہ اب ہیں اور نہ آئندہ ہو سکتے ہیں بلکہ ہم تو کسی حکومت کے بھی دشمن نہیں ہو سکتے کیونکہ ہماری مذہبی تعلیم یہ ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہو اس حکومت کی اطاعت و فرمانبرداری کرو جس حد تک حکومت سے ہمارے تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔ اس کی طرف گزشتہ خطبہ جمعہ میں میں اشارہ کر چکا ہوں۔ اس کو مستثنیٰ کرتے ہوئے

قانون شکنی اور بغاوت

کا خیال بھی ہمارے دلوں میں نہیں آ سکتا کیونکہ ہماری شریعت یہ کہتی ہے کہ حکومت کی اطاعت کرو اور جب حکومت کے افعال کے

جانی ہے کہ وہ اسی چیز کو دیکھتا ہے جو اس کے سامنے ہو۔ لیکن اس چیز کے دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا جو اس کے کام کے نتیجے میں آئندہ رونما ہونے والی ہو۔ جب انسان مادی قوتوں سے کام لیتا ہے تو اس کی نگاہ محدود ہوتی ہے لیکن جب وہ

غیر مادی قوتیں

کے ذریعہ اپنے چاروں طرف دیکھتا ہے تو اس کی نظر وسیع ہو جاتی ہے جیسے محل کو رو رو کر کے ماتحت انسان بہت کچھ دیکھ سکتا ہے جبکہ جسمانی آنکھوں کے ذریعہ وہ اسی چیز کو دیکھتا ہے جو اس کے سامنے ہو۔ اسی طرح وہ لوگ جو مادی سامانوں کے ماتحت سوچنے کے عادی ہوں۔ ان کی نگاہ صرف ایک طرف پڑتی ہے لیکن جو زیادہ باریک بین ہوں۔ ان کی نگاہ چاروں طرف پھرتی ہے ہم پر ان واقعات کا جو کچھ اثر ہوا ہے اس کو تو میں آگے بیان کروں گا۔ مگر اس کی

تمام بھیا نک ترین توجہات

جو ہو سکتی ہیں۔ ان کو تسلیم کرتے ہوئے ہم بھی اس کا اتنا اثر ہم پر نہیں ہوتا جتنا حکومت یا احرار پر ہوا ہے اور جو جناب گورنمنٹ یا گورنمنٹ آف انڈیا۔ یا انگلستان کی حکومت اس اثر کو بھی محسوس کرنے سے قاصر ہو۔ مگر اس کی

وسعت اور اہمیت

کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ آج نہیں تو کل موجودہ حکام کو جنہیں تو ان سے بعد میں آنے والے

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

میں نے پچھلے خطبہ جمعہ میں ایک بات یہ بیان کی تھی کہ وہ

خلاف قانون کارروائیاں

جو متواتر قادیان میں ہو رہی ہیں۔ اور جن کا ازالہ کرنے سے گورنمنٹ اس وقت تک قاصر رہی ہے۔ اور بعض ایسی غیر آئینی کارروائیاں جن کے مرتکب خود حکومت کے بعض ماتحت افسر ہوئے ہیں۔ وہ صرف ہم پر ہی اثر انداز نہیں ہوئیں۔ بلکہ احرار اور خود گورنمنٹ پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان واقعات کو جنوں جوں شہرت حاصل ہوتی ہے۔ حکومت کے ایک حصہ کے خلاف بھی لوگوں کے دلوں میں تاثرات پیدا ہوتے ہیں اور

احرار کی اخلاقی کمزوری

کے متعلق بھی لوگوں کے دلوں میں تاثرات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں میں

ایک بات اور

بھی کہنی چاہتا ہوں۔ جو یہ ہے کہ ان واقعات کا ایک اور اثر بھی گورنمنٹ پر پڑتا ہے جس کو حکومت بتجرب محسوس نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس کا

دائرہ فکر

بہت محدود ہے۔ انسان میں یہ کمزوری پائی

روپیہ لینے سے انکار

کردیا۔ محکمہ مخالف کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خزانے کو منٹ بھرتی ہے۔ اگر واقعہ میں یہ بات درست ہے تو اب گورنمنٹ کے لیے خوب اچھا موقع ہے وہ اعلان کر دے کہ گزراں موقع پر ہم نے انہوں کو اتنا پیسہ دیا۔ گزراں موقع پر اسے ہزار روپے کا موقع ہے اسے ہزار روپے اور رنگ میں گورنمنٹ نے مدد کی ہو۔ تو اس کو ظاہر کر دے اگر واقعہ میں گورنمنٹ نے ہمیں کوئی فائدہ پہنچایا ہو تو وہ اسے چھپاتی کہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں باقی تمام قوموں میں سے ایسے لوگ ہیں جو گورنمنٹ سے قومی خدمات کا بخراں بدلہ لینے رہے ہیں۔ قربانیاں قوم سے کر لی جاتی رہیں اور ان کے فیڈر حکومت سے بدلے اپنی ذات کے لیے لینے رہے۔

یہی حال اصرار ہے

وہ بھی ایسے لوگ ہیں جو ہر جگہ جلب منفعت کے اصول کو نظر رکھتے ہیں۔

پس گورنمنٹ نے اپنے اس رویہ سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کیا کہ اس نے سوائے جماعت سے کیا ہے۔ جو اس سے اپنے کئے کی قیمت وصول کرے کی اور پھر بھی گورنمنٹ کی خیر خواہی نہیں ہوگی اور اس نے اس جماعت کو ٹھکر لایا ہے۔ جس نے پچاس سال تک بغیر کسی نفع کے اس کی خدمت کی۔ ہر جگہ کچھ سکا ہے کہ اس میں ہمارا نہیں بلکہ

گورنمنٹ کا اپنا نقصان

ہے۔ پھر جانے وہ ان خدمات کو جو ہم نے حکومت کی ہندوستان میں کیں۔ وہ خدمات لے لو۔ جو حکومت برطانیہ کے باہر ہماری جماعت کرتی رہی ہے۔ جس میں بھی تاج چکا ہوں کہ ہمیں یہ مطلق نہ تھا کہ

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف

صاحب شہید

کی شہادت کی وجہ کی تھی۔ اس کے متعلق ہم نے مختلف انہیں نہیں۔ محکمہ کو بھی اطلاع نہ ملی تھی۔ ایک عرصہ دراز کے بعد اٹالیکا لہوری نے اس میں ایک کتاب ملی۔ جو محکمہ نایاب بھی ہوئی تھی۔ اس کتاب کا مستفید

ایک اٹالوئی اکبر

ہے۔ جہاں افغانان میں ایک ذمہ دار احمد پور خان قند وہ لکھتا ہے صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو اس لیے شہید کیا گیا کہ وہ جہاد کے خلاف

السر ہو یا موجودہ ثابت نہیں کر سکا کہ ہم نے حکومت سے کوئی خاص فائدہ حاصل کیا۔ نہ بحیثیت قوم جو خدمات ہم نے کیں۔ ان کا بحیثیت قوم کوئی بدلہ لیا۔ اور نہ اپنے خاندان کی خدمات کا حکومت سے کوئی معاوضہ لیا۔ بلکہ اپنے خاندان کے لحاظ سے تو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ اپنی خدمات کا بحیثیت فرد بھی ہم نے اس سے بدلہ نہیں لیا۔ دوسرے اجدی افراد میں سے اگر کسی نے حکومت کی خدمت کر کے بحیثیت فرد کوئی معاوضہ لیا ہو۔ تو وہ بد بات ہے لیکن بحیثیت قوم ہم نے جو خدمت حکومت کی۔ اس کے بدلہ میں

بحیثیت قوم

ہم نے بھی اس سے بدلہ نہیں لیا اور اپنے خاندان کے متعلق تو اس شرلوک میس میں اڑا دیتا ہوں۔ گورنمنٹ بتائے کہ ہم نے بھی ذاتی طور پر اس سے کوئی فائدہ اٹھایا ہے لوگ ہمیں کہتے رہے کہ یہ

گورنمنٹ کے خوشامدی

ہیں۔ لوگ ہمیں کہتے رہے کہ یہ گورنمنٹ سے فضول کی امید رکھتے ہیں۔ لوگ ہمیں کہتے رہے کہ گورنمنٹ ان کے خزانے آپ بھرتی ہے۔ مگر گورنمنٹ تو جانتی ہے کہ ہم نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور اگر اٹھایا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ پیش کرے ہماری عمر میں

صرف ایک کام

حکومت نے ایسا ہمارے بعض آدمیوں کے سر دیکھا تھا جس کے متعلق اس نے کہا تھا کہ ہم اس میں دو ہزار روپیہ خرچ کر سکتے ہیں لیکن جب وہ معاملہ میرے پاس آیا تو میں نے روپیہ کے معاملہ کو نظر انداز کر دیا۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ اگر یہ دو ہزار روپیہ ملے لیا گیا تو کہ یہ گورنمنٹ کا حق کام ہے۔ مگر بعد میں جب بھی کوئی ذکر ہو یہ

دو ہزار روپیہ

تھارے منہ پر مارا جائے گا اور کہا جائے گا کہ انہوں نے حکومت سے اتنا روپیہ لے کر فلاں کام کیا۔ چنانچہ جو کام کرنے والے تھے۔ انہیں میں نے حکومت سے کس قسم کی مالی مدد لینے سے روک دیا۔ اس کے سوا بھی گورنمنٹ کی طرف سے کوئی چیز پیش کرنے کی خواہش بھی نہیں کی تھی۔ صرف یہ ایک واقعہ ہے جو پنجاب گورنمنٹ کا بھی نہیں بلکہ حکومت ہند کا ہے۔ اس ایک معاملہ میں بھی ہم نے

خلاف قانون شکنی یا بدلتوں کا احساس تھا۔ ہمارے دلوں میں پیدا ہو۔ تو تم اس ملک کو چھوڑ دو۔ اور کسی اور ملک میں وہ کراسے حقوق حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرو۔ مگر جب تک تم کسی حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے تمہارا یہ نہیں کہ تم ملک کا اس اپنے

فائدہ کے حصول کی خاطر

برباد کرو۔ اس تعلیم کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں کہ یہی ہماری جماعت بدلتوں کا موجب ہو۔ جس حد تک وہ چاہی ہے وہ وہی ہے جو جس پہلے بیان کر چکا ہوں۔ یہی حکومت سے ہمارے تعلقات بھی ایسے رنگ میں نہیں ہوئے کہ جس پر گورنمنٹ اعتراض کر سکے اور نہ آئندہ ایسے ہوں گے۔ کہ قانونی نقطہ نگاہ سے کوئی اعتراض ہو۔ ہمارے جو تعلقات اس وقت حکومت سے خراب ہیں۔ اپنا میں ہمارے کسی رویہ یا تہذیبی کا دخل نہیں۔ بلکہ گورنمنٹ کے

تبدیل شدہ نقطہ نگاہ

کا اس میں دخل ہے۔ ایسی حالت میں میں کہتا ہوں۔ کہ گورنمنٹ کو ہمارے کسی راز کے چھپانے کی ضرورت نہیں۔ جب تک انسان کی کوئی بدست نہ ہو۔ اس وقت تک اگر کوئی راز اس کا معلوم ہو۔ تو وہ اس کو ظاہر نہیں کرے۔ بلکہ چھپاتا ہے اور کہتا ہے۔ یہ میرا دوست ہے۔ میں اس کا راز ظاہر کر کے کیوں اس سے اپنے تعلقات بگاڑوں لیکن

گورنمنٹ کا موجودہ رویہ

تیار ہے۔ کہ وہ ہمیں اپنے دوستوں میں سے نہیں بلکہ منافقوں میں سے سمجھتی ہے ایسے موقع پر میں

حکومت کو احتراز پیش

دے چکا ہوں۔ اور اس پر احتجاج دیتا ہوں۔ کہ وہ ثابت کرے کہ ہم نے بھی اس سے کوئی ایسا فائدہ اٹھایا ہو۔ جو برطانیہ کے حقوق سے بالا ہو۔ اگر ہم نے اس کی خدمات کر کے کوئی دینی فائدہ حاصل کیا ہو۔ تو اب اس کا فرض ہے۔ کہ وہ اسے دینا کے سامنے پیش کرے کہ ہمیں لوگوں میں شرمندہ کرے۔ ہم نے حکومت کی حمایت میں چاہا مگر دینے ہم نے حکومت کی تائید میں مال خرچ کیا اور ہم نے حکومت کی تائید میں اوقات صرف کیئے۔ ان تمام قربانیوں کے بدلے میں حکومت بتائے کہ اس نے ہمیں بھی کوئی فائدہ پہنچایا یا آج تک حکومت کا کوئی ایک السر بھی خود وہ سابق

تعلیم دیتے تھے۔ اور حکومت افغانستان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اس سے افغانوں کا جذبہ حریت کمزور ہو جائے گا اور ان پر انگریزوں کا اقتدار چھایا جائے۔ پس ان

شہداء افغانستان کی شہادت

اس وجہ سے ہوئی کہ وہ جہاد کی شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے انگریزوں کے خلاف جہاد بالائف کے قائل نہیں تھے اور اس طرح حکومت افغانستان کو وہ اس حربہ سے محروم کرتے تھے۔ جو ضرورت کے وقت اس کے بچاؤ کا موجب ہو سکتا تھا۔ اس کتاب کے دیکھنے کے بعد یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوگئی کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی شہادت کا اصل باعث موجودہ حالات میں انگریزوں سے جہاد کے خلاف تعلیم دینا تھا۔ اس کتاب کے مصنف کی یہ بات اس لیے بھی جتنی ہے کہ وہ شاہ افغانستان کا دہائی قتلہ اور اس لیے بھی کہ وہ اکثر باغیوں خود زراد اور شہداء اس سے سن کر لگتا ہے۔ ایسے

معتبر راوی کی روایت

سے یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچتا ہے کہ اگر صاحبزادہ عبداللطیف صاحب حمید خاموش سے بیٹھے رہے اور جہاد کے خلاف کوئی قتلہ بھی نہ کہتے۔ تو حکومت افغانستان کو انہیں حمید کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ اس واقعہ سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کا جوش و ملیا اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ اس تعلیم کے خاتمہ کو داشت نہ کر سکے۔ اور انہوں نے اس بات کی کوئی پروا نہ کی کہ اس کا نتیجہ ان کے حق میں کیا نکلے گا۔ ورنہ مذہب میں یہ کب تعلیم دیتا ہے کہ ہم جہاد کے متعلق ان لوگوں کے خیالات بھی درست کرتے پھر ہیں۔ جو ہمارے مذہب میں مثال نہیں۔ جو ہمارے مذہب میں داخل ہو گا۔ آپ ہی آپ اس کے خیالات بھی درست ہو جائیں گے۔ کیا اسلام اس بات پر کوئی اعتراض کرے گا کہ ہم ہندوؤں کو نماز کیوں نہیں سکھاتے۔ یا انہیں روزوں کے احکام کیوں نہیں بتاتے۔ ہر شخص بھیج سکتا ہے کہ اسلام کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ تعلیمات اسی وقت تکائی جاتی ہیں جب کوئی انسان جماعت میں داخل ہو جائے۔ میں اس تعلیم کے تحت اگر ہمارے آدمی افغانستان میں خاموش رہے اور وہ جہاد کے باب میں جماعت احمدیہ کے مسلک کو بیان نہ کرتے تو

شرعی طور پر ان پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ مگر وہ اس بڑے ہونے چوڑے کا شکار ہو گئے۔ جو انہیں حکومت برطانیہ کے متعلق تھا ورنہ اس

بیان کی وجہ سے مستحق سزا

نہمراہ گئے۔ جو کادیاں سے لے کر کچے تھے۔ جب انہوں نے کادیاں میں آکر دیکھا کہ جماعت احمدیہ سلطنت برطانیہ کی تعریف کرتی۔ اسے منصف قرار دیتی اور شرائط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کے خلاف جہاد کو ناجائز سمجھتی ہے۔ تو اپنے ملک میں جا کر وہ بھی انگریزوں کی تعریف

کرنے لگ گئے اور انہوں نے کہا شروع کر دیا کہ جہاد جائز نہیں اس وجہ سے انہیں اپنی جان دینی پڑی۔ ورنہ اگر وہ خاموش رہتے تو نہ انہیں جان دینی پڑی۔ اور نہ شرعی طور پر ان پر کوئی الزام عائد ہو سکتا لیکن اب جو موجودہ حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ ان کے ماتحت کون امید کر سکتا ہے کہ ہمارے آدمی آئندہ رست چھوڑ دھڑ کر بھی حکومت کی مدد کریں گے۔ یہ ملک مقیدہ ہمارا بھی رہے گا کہ چونکہ موجودہ زمانہ میں شرائط نہیں پائی جاتیں اس لیے جہاد بھی جائز نہیں۔ مگر یہ ہمدردی نہیں ہے کسی کہ لوگوں کو جا کا ہم کر ہم سمجھا نہیں حکومت کے خلاف اپنے دلوں سے اس قسم کے خیالات نکال دو۔

آج بھی

سب سے اہم اعتراض

جو ہمارے اس طرف سے ہماری جماعت پر کیا جاتا ہے یہ ہے کہ جماعت احمدیہ جہاد کو حرام قرار دیتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر بر اقبال نے بھی جماعت احمدیہ کیا ہے کہ جماعت احمدیہ نے ملت اسلامیہ کی طاقت کو توڑ دیا ہے۔ کیونکہ یہ جہاد کے خلاف تعلیم دیتی ہے۔ وہ چونکہ مشہور ہیں اس لیے وہ اپنے خیالات کو اکثر شعروں میں ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک نظم میں بھی لکھا ہے کہ بھائی اور احمدی دونوں اسلام کے لیے معصیت ہیں۔ بھائیوں نے حج منوع کر کے اسلام کو چاہ کر دیا اور احمدیوں نے جہاد منوع کر کے اسلام کو چاہ کر دیا۔ میں

بغضاب گورنمنٹ کے نئے دوست

ہم پر اس وجہ سے ناراض ہیں۔ کہ ہم جہاد کے خلاف تعلیم دیتے ہیں۔ اور بے ملک ہم جہاد کے مخالف ہیں اور وہیں کے کیونکہ موجودہ زمانہ میں وہ شرائط مفقود ہیں۔ جن کے ماتحت

جہاد جائز ہوتا ہے لیکن گورنمنٹ کے موجودہ طریق عمل کے ماتحت آئندہ صرف یہی ہوگا کہ جو احمدی ہوگا اسے ہم بتادیں گے کہ جہاد کے متعلق دلائل و شواہد ہیں۔ اور چونکہ اب وہ شرائط نہیں پائی جاتیں اس لیے جہاد جائز نہیں۔ لیکن ہوگا کہ لوگوں کے اس خیالات کی ان کے گھر جا کر اصلاح کی جائے۔ اور اس طرح

گورنمنٹ بہت بڑے مفاد سے محروم ہوگی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی ہمارے جہادوں کی تعداد اس افراد ہیں۔ مثلاً دغیر ملک آئیے ہیں جن میں میں خصوصیت سے ہماری جماعت پھیلی ہوئی ہے۔ ایک یوٹائیڈ ٹیلیفون امریکہ

جس میں ۳۰۰۰۰ کے قریب جماعتی ہیں اور ان جماعتوں میں خدا تعالیٰ کے فضل سے جہادوں احمدی ہیں۔ دوسرا

ڈیج ایٹر

یعنی ساٹھ اور چالیس ممالک میں بھی جہادوں احمدی ہیں۔ بلکہ ڈیج ایٹر میں خصوصیت سے بالٹیک احمدی ہوتے ہیں جو پہلے بالٹیک ازم کے پیرو تھے۔ مگر اب احمدیت کے ذریعہ وہ اپنے پہلے خیالات سے توبہ کر کے لوگوں کو ان پسندی کی تعلیم دے رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہاں کی حکومت انہیں نہایت قدرتی تھے۔ یہ سختی ہے اور چونکہ ہماری یہ تعلیم ہے کہ جو شخص جس حکومت کے ماتحت بھی رہتا ہو۔ وہ اس کے قوانین کی اطاعت کرے اس لیے اگر کسی وقت

انگلستان اور امریکہ کی جنگ

ہو جائے۔ جو کو اندازہ دیولیات کے مطابق ناممکن نظر آتی ہو۔ مگر حقیقت ایسی ناممکن نہیں تو امریکہ کے احمدیوں کو ہماری تعلیم بھی ہوگی کہ امریکہ کی حکومت کی لداو کریں اور انگلستان کے احمدیوں کو ہماری تعلیم ہے ہوگی کہ حکومت انگلستان کی لداو کریں پس امریکہ کے احمدی حکومت امریکہ کے طرف سے اور انگلستان کے احمدی حکومت انگلستان کی طرف سے جنگ کریں گے جو نہیں ہوگا کہ ہم انہیں ملک سے غدار کی کی تعلیم دیدیں اس طرح اگر کسی

ہالینڈ اور انگلستان کی جنگ

چھڑ جائے تو اس جنگ کے وقت بھی ہماری تعلیم بھی ہوگی۔ کہ جو لوگ انگریزوں کے ماتحت رہتے ہیں وہ انگریزوں کی لداو کریں

اور جو حکومت ہالینڈ کے ماتحت رہتے ہوں وہ اپنی حکومت کی طرف سے لائسنس ہم انگلستان کے احمدیوں کو حکومت انگلستان سے ہالینڈ کے احمدیوں کو حکومت ہالینڈ سے تھامری کی تعلیم نہیں دینی گے بے شک پہلے بدوں کی کوشش ہوگی کہ جنگ نہ ہو اور بجائے جنگ کے صلہ و مفاد سے معاملات طے پا جائیں۔ لیکن اگر یہ کوشش کامیاب نہ ہو تو جو احمدی جس ملک میں رہتا ہے وہ اس حکومت کے ساتھ وفاداری کرے گا۔ مگر ہاں جس تعلیم کے کمر جس حکومت کے ماتحت کوئی شخص رہتا ہو۔ وہ اس کی اطاعت و فرما دہی کرے۔ یہ بھی ممکن یہ قدرتی بات ہے کہ ہمارے دشمنوں پتھروں سکھوں انڈیوں اور رسالوں میں چنگہ بار بار بیز کر رہا ہے کہ

انگریز عادل و منصف

ہیں۔ اور وہ اپنی رعایا کے تمام فرقوں سے حسن سلوک کرتے اور اس کو قائم رکھتے ہیں۔ اس لیے غیر ممالک کے احمدی بھی ہمارے لڑکچہ سے متاثر ہو کر کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں کے ماتحت نہیں لیکن چونکہ ہمارا مرکز ان کی تعریف کرتا ہے اس لیے وہ بے نہیں بلکہ منصف مزاج حکمران ہیں اس ذریعہ سے ہزاروں آدمی امریکہ میں ہزاروں آدمی افریقہ میں اور ہزاروں آدمی باقی غیر ممالک میں آئے تھے۔ جو کو اپنی اپنی حکومتوں کے وفادار تھے مگر انگریزوں کے حلقے میں گھر کر رہے تھے۔ امریکہ نے کسی وقت جرمن ریجنٹوں نے

انگریزی گورنمنٹ کے خلاف

کرنے کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر دی تھیں۔ وہاں احمدی ہی تھے۔ جو اپنی جماعت کا لڑکچہ بننے سے جس میں انگریزوں کی تعریف ہوتی۔ آپ ہی آپ ان خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ اسی طرح ڈیج انڈین چلیان کے قریب کی وجہ سے جسے اس وقت ایشیائی آزادی کا خیال نہ گھرا رہا ہے۔ اور اس میں صرف برطانیہ حکومت کو وہ حامل سمجھتا ہے وہاں بھی انگریزوں کے خلاف جب اس قسم کی کوئی تحریک اٹھتی تو وہاں کے رہنے والے احمدی جہاں ڈیج حکومت کی وفاداری کی تعلیم دیتے۔ وہاں کہتے کہ انگریزوں کو بھی برا نہ کہو۔ وہ بھی نیک مزاج اور انصاف پسند ہیں لیکن اب ان واقعات کے بعد ان کا کیا اثر ہوگا۔

انگریز افسر

انگلستان جا جا کر ہندوستانوں کی وفاداری کے بارہ میں بے رائے ظاہر کیا کرتے ہیں کہ ہندوستان میں کہ وہوں آدمی کو گئے ہیں۔ ان کی ہم تر جہانی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اپنے دلوں میں وہ

انگریزی حکومت کے مداح

ہیں مگر انہیں اپنے خیالات کے ظاہر کرانے کی توفیق نہیں۔ مگر حقیقت یہ نہیں کہ وہ لوگ بیان کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بے شک عوام سمجھتے ہیں کہ انگریزوں میں خوبیاں ہیں۔ مگر وہ ان خوبیوں کے اچھے قائل نہیں جتنے احمدی قائل تھے اس لئے وہ دل میں سمجھتے ہیں کہ انگریز اچھے ہیں مگر ساتھ ہی وہ سمجھتے ہیں کہ میں زبان سے اس کا کمالہ کی کیا ضرورت ہے۔ ہم اس طرح کہیں اپنے دوسرے بھائیوں کو جو انگریزوں کے برخلاف ہیں۔ حافہ بنائیں۔ کہ وہ اس لیے کو گئے تھیں کہ انہیں بولنا نہیں آتا بلکہ اس لیے کو گئے ہیں کہ

انگریزی حکومت کی حفاظت

کے لیے وہ اتنی دلچسپی نہیں رکھتے جتنی دلچسپی احمدی رکھتے تھے۔ یہی حال قدرتی طور پر آئندہ ہماری جماعت کے ان جہاد ہا آئندہ کا ہوگا۔ غیر ممالک میں رہتے ہیں۔ پہلے وہ ایک جوش کے ماتحت ہوا ہے سو قدرے کمزور ہو جاتے تھے جبکہ کوئی

انگریزوں کی برائی

بیان کر رہا ہو لیکن اب باوجود اس کے کہ میں ان کے مشعل شدہ جذبات کو خدا کر رہا ہوں مگر بھی پہلا سا جوش ان میں کہاں پائی وہ شکا ہے اور کہ وہ اپنے ملک میں رہ کر انگریزوں کے خلاف تحریکات کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ وہ کہیں گے ہمیں کیا ضرورت ہے کہ لوگوں سے انگریزوں کے لیے لڑتے پھریں جبکہ ہماری جماعت پر

انگریزوں کی حکومت کے ماتحت مقام مل رہا ہے ہیں اور حکمت انہیں دور کرنے کا انتظام نہیں کرتی۔

یہ تعلیمات ہمیں لوگوں کے لیے بہت مشکل ہوتی ہیں کہ ایک بڑے الشرو ہوتے ہیں اور ایک چھوٹے الشرو ہوتے ہیں چھوٹے الشرو

ظلم و پریشانی

کر دیتے ہیں۔ جن کی وجہ سے بڑے الشرمج و انتہا معلوم نہیں کر سکتے۔ اور اس وجہ سے

مظلوم کی داد و دی

کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ لوگ صرف نتائج کو دیکھتے ہیں۔ خلائی جماعت میں ہی میں دیکھتا ہوں۔ جب بعض ماتحت کسی باطن وغیرہ کے خلاف میرے پاس شکایت کرتے ہیں۔ تو بعض اوقات ان کی شکایت کو میں اپنی معلومات کی بناء پر غلط سمجھتا ہوں یا مجھے معلوم نہیں ہوتی۔ اور میں حقیقت کے خلاف شکایت کو غلط سمجھتا ہوں۔ پھر چونکہ میں کسی انسان ہوں۔ اس لیے کسی غلطی یا کسی باطنی واقعہ میں غلطی

ہو مگر میں اسے باوجود کوشش کے معلوم نہ کر سکوں۔ ایسے مواقع پر وہ لوگ جو زیادہ کھلیں ہوں گے۔ وہ تو کہہ دیں گے۔ باطنی غلطی نہیں تھی۔ ہماری ہی غلطی تھی۔ اور کسی جو اخص کے اس اہلی مقام پر نہیں پہنچے۔ وہ کہہ دیں گے کہ غلطی تو ہماری نہیں۔ مگر غلطی اس نے اپنی طرف سے باطنی غلطی معلوم کرنے کی پوری کوشش کی۔ اگر کسی وجہ سے معلوم نہیں ہو سکی تو خیر معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ اور کسی لوگ جو اپنے اخص کو کھینچے ہیں۔ وہ ایسے موقع پر کہہ دیتے ہیں کہ باطنی آدمی تھا اس لیے اس کی بچ کر رہے ہیں۔ نہیں ہمیشہ یہی حالت اگر حکومت کی بھی ہو جب بھی جو

حیر و منی ممالک میں رہنے والے

ہیں۔ انہیں کیا ضرورت ہے کہ وہ کہیں۔ انگریزوں نے غلط حالات کو سمجھنے کی پوری کوشش کی تھی۔ مگر وہ انہیں سمجھ نہ سکے۔ غیر حکومتوں کے باشندے اور غیر قوموں کے افراد بھلا انہی احمدی انگریزوں کی قوم سے کہاں رکھ سکتے ہیں۔ کہ وہ اس کی غلطیوں کی بھی تاویل کریں۔ اور انہیں بھی حسن ظن سے دیکھیں۔ وہ تو اس آواز کی کوئی سے متاثر ہوا کرتے تھے۔ جو قادیان سے اٹھتی اور دنیا کے تمام ممالک میں پھیل چلا کرتی تھی اور ان کی زبانیں طے کی طرح دینی و دنیا شروع کر دیتی تھیں جو ہم کہتے۔ لیکن اب

ہزار ہا غیر ممالک کے احمدی

ان واقعات سے متاثر ہو کر انگریزی قوم کی حمایت کے لیے کہ وہ قدرتی جوش رکھ سکتے ہیں۔ جو اس سے پہلے ان میں پیدا تھا۔ اور یہ نقصان اس قدر بڑا ہے کہ جب حکومت اسے محسوس کرے گی تو وہ ان

الشروں پر لعنت

کرے گی۔ جنہوں نے اسے پتھان پہنچایا ہے۔ اب میں یہ بتاؤں کہ ہم پر اس واقعہ کا کیا اثر ہوا ہے۔

پہلا اثر

چوتھ پر ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص احمدی اپنے انداز اور خصوصیات کرتا ہو گا۔ یہ ہے کہ ہم اپنے نفس میں

ایک نئی زندگی اور نیا قسم

محسوس کرتے ہیں۔ ہماری صحت ہمیشہ سے خراب رہی ہے۔ اس صحت کی مرابی کی وجہ سے ہماری طبیعت پر ہمیشہ ایک لاچر رہتا ہے اور اگر ذرا بھی کوئی نئی بیماری آجائے تو وہ اس پر اچھی بیماری کو ابھار دیتی ہے لیکن باوجود اس کے کہ

نفس کی وجہ سے

کام بہت زیادہ ہو گیا۔ سوائے آنکھوں کی تکلیف کے کہ جس حوالہ دیکھ رہا ہوں۔ ہماری آنکھیں کچھ دیر پہلے جاری ہیں۔ عام صحت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے میں کسی تبدیلی کی دیکھتا ہوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس قدر کام ہر طور سے میرے لیے ہر کام دے رہا ہے۔ اور مجھے ہیں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہر قسم کی موجودگی میں اس کا مقابلہ کرنے کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے جسم میں ایک نئی طاقت نئی صحت دیا اور ہر باجی دیا گیا ہے اور اب

موجودہ مشکلات کا مقابلہ

کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے میرے اندر اتنی ہی پیدا کر دی ہے کہ میں آج کل اپنے آپ کو کسی سال پہلے سے بہت زیادہ مضبوط جواں محسوس کرتا ہوں۔ یہاں وہی ہیں جو پہلے تھیں مگر میرے ارادہ اور میرے ہمت اور میرے حزم میں اتنا عظیم اضافہ ہو گیا ہے۔ کہ میں اسے اپنی فیضان سمجھتا ہوں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر شخص احمدی کی یہی حالت ہوگی کہ جیسے جو اپنے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ اب ان کی موت کا وقت قریب ہے اور اسبہ کیا کام کر سکتے ہیں وہ سمجھتے ہوں گے کہ

ہم جواں ہیں

اور ہم نے انہی دنیا میں بہت بڑا کام کرنا ہے یہ بتانا تھا کہ وہ ہے جواں اور حیات کی وجہ سے ہمیں حاصل ہوا اس میں جذبہ نہیں کہ جسمانی طور پر انسان عمر کے زیادہ ہو جانے سے کمزور ہو جاتا ہے مگر انسان کی عمر وہ نہیں جو

اسے پچاس سال یا سو سال حاصل ہوئی بلکہ اگر ایک قندیم میں نئی صحت اور نئی روح پیدا کر دیتا ہے تو ہمارے کاموں میں برکت دیکھ دیتا ہے اور جو کام بھی ہم کرتے ہیں اس کے نتائج نہایت شاعرانہ نکلتے ہیں تو سوال یہ نہیں کہ ہم پچاس سال جیسے یا ساٹھ سال یا سو سال زندہ رہے بلکہ دیکھا یہ جائے گا کہ اس کام نے

ہماری حقیقی زندگی بڑھا دی

عمر ان سالوں کا نام نہیں جنہیں انسان رائج سال سمجھ دیتا ہے۔ بلکہ عمر وہ ہے جسے انسان کی مفید کام میں لگا دے اور لوگوں کے لیے اپنے آپ کو کچھ رساں بناتا ہے۔ اگر ہماری پچاس سالہ زندگی میں وہ کام ہو جائے جو کوئی صحراورد ہزار سال میں کرے۔ جو حقیقت ہماری عمر دہ ہزار سال ہوگی۔ نہ کہ پچاس سالہ۔ جس میں سمجھتا ہوں کہ ان نفس کی وجہ سے

ہماری جماعت کے ہزار ہا افراد

کے قلوب میں نئی صحت دیا اور نئی انگلیں اور نیا جوش پیدا ہو گیا ہے اور اس طرح اخلاقی اور روحانی لحاظ سے ہماری جماعت کے پہلے

کئی گئے زیادہ افراد ہو گئے

ہیں۔ اگر ایک شخص اپنے اندر تین آدمیوں کی طاقت محسوس کرتا ہے۔ تو وہ ایک نہیں رہا بلکہ تین ہو گئے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے اندر دس آدمیوں کی طاقت محسوس کرتا ہے تو وہ ایک نہیں رہا بلکہ دس ہو گئے۔ اور اگر کوئی اپنے اندر سو آدمیوں کی طاقت محسوس کرتا ہے تو وہ ایک نہیں رہا بلکہ سو ہو گئے۔ اور اس طرح ہماری جماعت اخلاقی لحاظ سے پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گئی ہے۔ مگر وہی رنگ جس کوئی بتائے کہ کیا

ان

مشکلات کی وجہ سے

ہماری حوصلہ شکنی ہوئی؟ دشمن نے زور لگایا اور اتحاد ہجہ کا لگا۔ دانستہ یا نادانستہ طور پر بعض کام بھی ان کے ساتھ لگے۔ مگر اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ اسلام تو ایسے محفوظ اصول پر قائم ہے۔ کہ جو نفس اس کی تعلیموں پر عمل کرے۔ اسے نقصان پہنچ ہی نہیں سکتا۔

ذہنی اور روحانی لحاظ سے

نقصان کو الگ رکھو۔ جسمانی اور مادی نقطہ نگاہ سے بھی اسلام کی تعلیم پر عمل محفوظ ہو جاتا ہے۔ کہ بلا جاس نے کسی کو نقصان نہیں پہنچانا تو کوئی دوسرا حد تک اسے نقصان پہنچا سکتا

مومن کا فرض

مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی زبان کو ایسے طور پر بند رکھے۔ کہ ناجائز طور پر اسے نہ دے۔ مومن کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کو ایسے طور پر بند رکھے کہ ناجائز طور پر اسے نہ دے۔ مومن کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے پاؤں کو ایسے طور پر بند رکھے کہ اپنی آنکھوں کو ایسے طور پر بند رکھے کہ ناجائز طور پر نہیں دیکھنے دے۔ مومن کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے کانوں کو ایسے طور پر بند رکھے کہ ناجائز طور پر اسے نہ دے۔ مومن کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے لہجے کو ایسے طور پر بند رکھے کہ ناجائز طور پر اسے نہ دے۔ مومن کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دماغ کو ایسے طور پر بند رکھے کہ ناجائز طور پر اسے نہ دے۔ مومن کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دماغ کو ایسے طور پر بند رکھے کہ ناجائز طور پر اسے نہ دے۔

خدا تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے

اپنی تمام طاقتوں کو لوگوں کو نقصان پہنچانے سے بچاتا ہے۔ تو ایسے نفس کو کوئی کہاں تک نقصان پہنچا سکتا ہے۔ دنیا ظلم کرنے کی جگہ ایک قدم چلے گی۔ دو قدم چلے گی۔ تین قدم چلے گی۔ چار قدم چلے گی آخر

شریف النفس لوگ

اس ظلم کو برداشت نہ کر سکیں گے۔ اور کہیں گے کہیں ایک طرف سے ظلم پر ظلم

ہو رہا ہے اور دوسری طرف سے خاموشی پر خاموشی ہے۔

جس پہلا فائدہ ان فتن سے یہ پہنچا ہے کہ ہر احمدی حسب مراتب اپنی ذات میں نئی صحت اور نئی انگ پاتا ہے۔ اور دین کی خدمت کیلئے وہ پہلے سے بہت زیادہ جوش اور بہت زیادہ تڑپ اپنے اندر رکھتا ہے۔

الفضل فی شہادۃ المؤمنین

قادیان دارالامان مورخہ ۱۰ صفر ۱۳۵۲ھ

جامعیت کا کج گمانہ اقلیت کے لیے کامطالعہ

ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ کسی اقلیت کا کسی اکثریت سے جدا ہونا اکثریت کیلئے نقصان دہ رہا اور اقلیت کیلئے مفید نہیں ہو سکتا۔ یہی صورت جماعت احمدیہ کے متعلق بھی ہو سکتی ہے اور جماعت احمدیہ علیحدہ اقلیت قرار پا کر موجودہ حالات کی نسبت زیادہ سیاسی حقوق حاصل کر سکتی ہے لیکن جماعت احمدیہ نے سیاست میں ہمیشہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو بڑھانے کی کوشش کی اور اپنے فرائض کو قربان کر کے کیا ہے۔

جماعت احمدیہ کی اس اتحاد پسندی اور مسلمانوں کی طاقت کو بڑھانے والی قربانی کی قدر قیمت اگر احمدیوں کی نظر میں نہ تھیں۔ تو ہم انہیں محض ہندو سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز بھی انہیں اصلی رنگ میں نظر نہیں آ رہی۔ لیکن ہر سمجھدار اور دانشور مسلمان جانتا ہے کہ اگر جماعت احمدیہ نے اپنے سیاسی حقوق کا علیحدہ مطالبہ شروع کر دیا تو اس سے مسلمانوں کو سیاسی طور پر کس قدر نقصان پہنچے گا۔

اگر اہل حق کو اس غلط فہمی میں جتا نہیں رہنا چاہئے کہ جماعت احمدیہ علیحدہ اقلیت قرار دیئے جانے میں اپنا نقصان سمجھتی ہے۔ یا ڈر محسوس کرتی ہے۔ اگر یہ جماعت ڈرنے والی ہوتی تو آج اس کا نام نشان بھی نظر نہ آتا اور نہ علیحدہ اقلیت یا پاکستان اسلام سے خارج کی جا سکتی ہے۔ اگر اجماع علیحدہ علیحدہ کا مطالبہ کر کے مسلمان رہ سکتے۔ اور مسلمان کہلا سکتے ہیں۔ تو

قابل توجہ گورنمنٹ پنچا

جماعت احمدیہ نے کئی مسلمان نہیں کہلا سکتے۔ حقیقت یہ ہے۔ - تاوان احمدیہ کا مقصد بہت بلند ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنی بے مذہبی رنگ میں اسلام کی حفاظت و اشاعت کا انتظام کرے اور جس قدر ممکن ہو اپنی طاقت اس کام میں صرف کرے۔ ہاں جب مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور مفاد کا سوال ہو تو ان کی تائید و حمایت کرے۔ اور اس طرح ان کی سیاسی قوت کو مضبوط بنائے تاکہ سیاسی حقوق کی حفاظت کرنے والے زیادہ زور اور طاقت کے ساتھ کام کر سکیں۔ اگر یہ بات احمدیوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تو آئے جماعت احمدیہ ان کے شورش زمر کی وجہ سے اس طریق عمل کو نہیں

کے حقوق میں لور کی کرانے پر زور دے سکیں گے۔ نیز ایسی حالت پیدا ہو جائے گی کہ مسلمانوں کو اندرونی جھگڑوں میں الجھانے میں وہ زیادہ کامیاب ہو جائیں گے۔ اور احمدیوں کا اس میں یہ فائدہ ہے کہ علیحدہ کی صورت میں وہ مقامی کونسلوں اور مرکزی اسمبلی میں اپنے نمائندے خود منتخب کر کے بھیج سکیں گے۔ اور کسی اور کا اس انتخاب میں تعلق کوئی دخل نہ ہوگا بے شک احمدی نمائندے بہت تھوڑے ہوں گے لیکن موجودہ حالات سے تو یقیناً زیادہ ہوں گے اور ان کی موجودگی نہ ہونے سے تو بہر حال اچھی ہوگی۔ کیونکہ وہ ہر ضروری موقع پر جماعت احمدیہ کے جذبات اور خیالات کا اظہار کر سکیں گے بحالات موجودہ ممکن نہیں۔

یہی یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ موجودہ نظام حکومت میں کسی اقلیت کا کسی اکثریت کے ساتھ شامل رہنا اس کے لیے نقصان رساں اور اکثریت کے لیے نفع رساں ہو سکتا ہے۔ لیکن علیحدہ ہونا کئی لحاظ سے اس کے لیے مفید اور اکثریت کے لیے مضر بن سکتا ہے۔ اسی لیے تو اجماع ہندوؤں سے اور اجماع مسلمانوں سے علیحدہ کی اختیار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اجماع اقوام کو علیحدہ نمائندگی ملنے پر ہندوؤں میں کھرام چل گیا قلعہ کا دعویٰ جی نے فائدہ کشی شروع کر دی تھی۔ اور ہندوؤں کو نہایت کڑی شرائط منکوحہ کرتے ہوئے اچھوتوں کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے پونا میں سجادہ گناہ پڑا تھا اسی طرح فرقہ اجماع نے مسلمانوں سے علیحدہ کی اختیار کرنے کے لیے جو جدوجہد شروع کر رکھی ہے۔ اور جس کے لیے وہ دیر بند کے پاس میوریل بھی بھیج چکے ہیں۔ اس سے مسلمانوں میں بہت شور پیدا ہو گیا۔ اور ہر طرح کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کہ وہ علیحدہ کی اختیار نہ کریں۔

مذہبی معاملات میں حکومت کی مداخلت ناقابل برداشت قرار دیئے والے اجماعی قادیان سے یہ مطالبہ کر کے کہ وہ احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھے۔ بلکہ انہیں علیحدہ اقلیت قرار دے دے۔ جس سے ہونگی کار کا مطلب کرتے ہیں۔ اس پر کسی قدر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ اور مذہبی مزید روشنی ڈالی جائے گی۔ جس محبت میں یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ سیاسی لوگوں سے بھی اجماعیوں کا یہ مطالبہ انتہائی لغویت پر مبنی ہے اور مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچانے والا ہے جس کی خطائی ناممکن ہے۔

سیاسی رنگ میں اجماعیوں کے مطالبہ کا مسلمانوں کیلئے نقصان رساں ہونا اسی سے ثابت ہے کہ غیر مسلموں کی جانب سے اس کا بڑی گرم جوش کے ساتھ استقبال کیا گیا ہے اور حکومت سے کہا گیا اسے ضرور منظور کر لے چنانچہ روزانہ انہوں نے اس کی پر زور تائید کی ہے چنانچہ اخبار ”شیر پنجاب“ نے بھی اس نے حق میں اطمینان سے بولے لکھا ہے ”ہم ۱۶ مئی کی پر زور تائید کرتے ہیں اور وائسرائے صاحب بہادر سے درخواست کرتے ہیں کہ بر ذرائع کو ضرور غیر مسلم اقلیت قرار دے اور انہیں پنجاب کونسل میں کم از کم ۵ فیصد نشستیں اور دو نشستیں مرکزی اسمبلی میں دی جائیں اس سے کسی طرح الجھنے کا فائدہ نمایاں ہو جائے گی۔“

اجماعیوں نے اگر اپنی عقل و سمجھ جماعت احمدیہ سے بے جا دلائل و دعوئی کی مذر بنی تو وہ با آسانی سمجھ سکتے تھے کہ جماعت احمدیہ کو الگ اقلیت قرار دینے سے مسلمانوں کو نقصان اور غیر مسلموں کو فائدہ پہنچی ہے۔ اور خود احمدیوں کو بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ غیر مسلموں کو تو اس طرح کہ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی طاقت اور بھی کم ہو جائے گی۔ اور وہ ان

چھوڑ سکتی جسے اسلام پور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ضروری سمجھتی ہے اور جس کی قدر ہر شریف اور مجیدہ انسان بخوبی جانتا ہے۔

کئی غیر ذمہ دار مسند ہزاروی کی طرف سے منسوب کر کے ہماری جماعت دے دے احمدیہ نے سرحد کے امیر قاضی محمد یوسف صاحب کے بارہ میں سرپا جھوٹ اور بہتان اخبار پیغام صلح مورخہ ۷ اپریل ۱۹۳۵ء نے شائع کیا کہ انہوں نے سیدنا حضرت محمد رسول ﷺ کے حق میں ۳۰ جن آجملہ کلمات استعمال کئے ہیں اس کی حلیہ تردید نہ صرف خود قاضی صاحب موصوف نے بذریعہ اخبار الفضل و سیاست لاہور کی بلکہ جس موقع کے حلق ہونا اہرام لگایا گیا تھا اس پر موجود ہونے والے ایک درجن سے زائد ممبروں نے حلیہ شہادت اخبار الفضل مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۳۵ء میں شائع کر دی۔ اور مسند مذکور نے غلطی تہ تحریر سے بھی دی۔

پھر کچھ میں نہیں آتا کہ کھاس احوال کے آئے دن کے دیو لیون اخبار زمیندار اور "اصحاف" شائع کر کے کیوں شرارت پھیلا رہے ہیں اور کیوں حکومت اس رخنہ پر دوازی کا انسداد نہیں کرتی۔

جماعت احمدیہ کے ایک معزز پور ذمہ دار موصوف کے خلاف محض جھوٹے اور بے بنیادی الزام کی بنا پر اس قسم کا ختم نہایت خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے اور حکومت کا فرض ہے کہ اس بارے میں فوری طور پر ضروری کارروائی کرے۔

الفضل

فایان ارالامان روزہ امربع الثانی ۱۳۵۴ھ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْغَيْبِ مِنَ الْجَهَنَّمَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خدا فضل و برکت کے ساتھ حاضر

ڈاکٹر سر محمد اقبال و راحۃ عمت

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی اشد تعظیم کے قلم سے

جس کے غلیف کی بیعت فارم میں صاف لفظوں میں لکھا ہو کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ وہ بانی سلسلہ احمدیہ سے اصحاب ہے۔ جو اپنے آپ کو خاتم رسول کریم ﷺ قرار دیتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی اطاعت کو اپنے لیے ضروری قرار دیتے ہیں اور کہہ کر بیت اللہ اور کعبہ کو عداوت نہایت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہاں تو رسول کریم ﷺ کی ذات پر۔ اور قرآن کریم پر حملہ کرتے ہیں۔ لیکن

احمدی سر محمد اقبال اور ان کے ہم نواؤں کو روحانی بیمار قرار دے کر انہیں اپنے علاج کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

اور ان کے ایمان کی کمزوریوں کو ان پر ظاہر کرتے ہیں۔ یہ میں نقلاوت وہ از کماست تا بہ کا

سر محمد اقبال صاحب اس عذری کہتا نہیں لے سکتے۔ کہ میرا صرف مطلب یہ ہے کہ یہاں منافق نہیں۔ اور احمدی منافق ہیں کیونکہ ازل تو یہ سلسلہ ہے کہ یہاں مکمل بندوں اپنے مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر سر محمد اقبال یہ دعویٰ کریں۔ تو اس کے صرف یہ معنی ہوں گے کہ بیسویں صدی کا یہ مشہور فلسفی ان فلسفی تحریکات تک سے آگاہ نہیں۔ جن سے اس وقت کے معمولی نوشت و خواند والے لوگ آگاہ ہیں۔ سر محمد اقبال کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں اپنی کتب کا ماحول پر لوگوں کو نہیں دیتے۔ بلکہ انہیں چھپاتے ہیں۔ وہ ہر ملک میں الگ الگ عقائد کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ امریکہ میں صاف لفظوں میں یہاں اللہ کو خدا کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لیکن اسلامی ممالک میں اس کی حیثیت ایک کامل ٹھوس کی بتاتے ہیں وہ اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔ ویسا ہی وضو کرتے ہیں۔ اور اتنی ہی رکتیں پڑھتے ہیں جتنی کہ مسلمان۔ لیکن اگر طور پر وہ صرف تین نمازوں کے قائل ہیں اور ان کے پاس نماز پڑھنے کا طریق بھی اسلام سے مختلف ہے۔

پھر یہ بھی درست نہیں کہ احمدی منافق ہیں۔ اور لوگوں سے اپنے عقائد چھپاتے ہیں۔ اگر احمدی مصلحت سے کام لیتے۔ تو آج سر محمد اقبال کو اس قدر اظہارِ فہم کی ضرورت ہی کیوں۔ احمدی ہندوستان کے ہر گوشہ میں رہتے ہیں۔ دوسرے فرقوں کے لاکھوں کروڑوں مسلمان ان کے حالات سے واقف ہیں۔ وہ کوئی دے سکتے ہیں کہ وہ قرآن کریم

عقائد کے ساتھ صحابہ کا خالص نمونہ تھی۔ لیکن ۳۵ء کی احمدیت بھانیت سے بھی بدتر ہے۔ اس بھانیت سے جو صاف لفظوں میں قرآن کریم کو منسوخ کہتی ہے جو واضح عبارات میں یہاں اللہ کو ظہور الہی قرار دیتے ہوئے رسول کریم ﷺ پر ان کی فضیلت دیتی ہے۔ گویا ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے نزدیک اگر ایک شخص رسول کریم ﷺ کی رسالت کو منسوخ قرار دیتا۔ قرآن کریم سے بدتر تعلیم لانے کا مدعی ہوتا۔ نمازوں کو تبدیل کر دیتا۔ اور قبلہ کو بدل دیتا ہے۔ اور کہہ جاتا۔ اور اپنے لیے خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی قبر پر سجدہ کیا جاتا ہے۔ تو یہی اس کا وجود ہیسا برا نہیں مگر جو جس رسول کریم ﷺ کو خاتم الامین قرار دیتا۔ آپ ﷺ کی تعلیم کو آخری تعلیم بتاتا۔ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ۔ ایک ایک حرکت کو آخر تک خدا تعالیٰ کی حاکمیت میں سمجھتا ہے۔ اسلامی تعلیم کے ہر حکم پر عمل کرنے کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اور آئندہ کے لیے سب روحانی تحریکات کو رسول کریم ﷺ کی فرمانبرداری اور غلامی میں محصور سمجھتا ہے۔ وہ برا اور بائیکاٹ کرنے کے قائل ہے۔

دوسرے لفظوں میں سر محمد اقبال صاحب مسلمانوں سے یہ متوانا چاہتے ہیں کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کی رسالت کو منسوخ کرے۔ قرآن کریم کے بعد ایک نئی کتاب لانے کا مدعی ہو۔ اپنے لیے خدائی کا مقام جو پڑ کرے اور اپنے سامنے سجدہ کرنے کو جائز قرار دے۔

سر محمد اقبال صاحب کو کچھ عرصہ سے میری ذات سے خصوصاً اور جماعت احمدیہ سے عموماً بغض پیدا ہو گیا ہے اور اب ان کی حالت یہ ہے کہ یا تو یہی وہ انہی عقائد کی وجہ سے جو ہماری جماعت کے کاب ہیں جماعت احمدیہ سے تعلق موانست اور مواخات رکھتا برا نہیں سمجھتے تھے۔ یا اب کچھ عرصہ سے وہ اس کے خلاف غلط و بدلت میں آواز اٹھاتے رہتے ہیں۔ میں ان وجہ کے اظہار کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ جو اس تبدیلی کا سبب ہوئے ہیں جس نے ۱۹۱۱ء کے کچھ اقبال کو جو علیٰ کرمہ کالج میں مسلمان طلباء کو تعلیم دے سدا ہ تھا کہ ”غجاب میں اسلامی سیرت کا شیعہ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ جسے فرقہ قادریانی کہتے ہیں

۳۵ء میں ایک دوسرے اقبال کی صورت میں بدل دیا جو یہ کہہ رہا ہے کہ ”میرے نزدیک قادریانیت سے بھانیت زیادہ ایماندارانہ ہے۔ کیونکہ بھانیت نے اسلام سے اپنی تلکھ کی کا اعلان و اظہار طور پر کر دیا۔ لیکن قادریانیت نے اپنے چہرے سے منافقت کی نقاب الٹ دینے کے بجائے اپنے آپ کو محض شرابی طور پر جڑو اسلام ٹھہرا دیا۔ اور باطنی طور پر اسلام کی روح اور اسلام کے محض کوئدہ برباد کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔“

زمیندار ۳۵ء کی احمدی جماعت آج ہی کے

کی تعلیم پر عمل کرنے والے رسول کریم ﷺ کی
بتائی ہوئی نماز کے مطابق نماز پڑھنے والے۔
روزے رکھنے والے۔ حج کرنے والے۔ اور
زکوٰۃ دینے والے ہیں۔ وہ کوئی بات ہے جو
بھری مچھائی ہے؟ اور سر محمد اقبال کے پاس
وہ کونسا ذریعہ ہے جس سے انہوں نے یہ معلوم
کیا کہ احمدیوں کے دل میں کچھ اور ہے۔ مگر
ظاہر وہ کچھ اور کرتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ تو اس قدر رحیم تھے۔ کہ جب
ایک صحابی نے ایک شخص کو جس نے جنگ میں
میں اس وقت کلمہ پڑھا تھا۔ جب وہ اسے قتل
کرنے لگے تھے۔ قتل کر دیا۔ اور عذریہ رکھا
کہ اس نے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے۔ تو آپ
ﷺ نے فرمایا۔ کہ ہل شہقت للہ کیا تو
نے اس کا دل چاڑھ کر رکھا ہے۔

لیکن ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب آج دنیا کو یہ
بتانا چاہتے ہیں کہ وہ قوم جس کے افراد نے
افغانستان میں اپنے عقائد مچھانے پسند نہ
کئے لیکن جان و دے کی ساری کی ساری معافی
اور ظاہر کچھ اور کہتی ہے اور اس کے دل میں
کچھ اور ہے۔

فلسطين میں یوم تبلیغ

غیر مسلموں کو سرگرمی سے تبلیغ اسلام کی گئی

دہلی سے نکال دیا۔
خدیجہ نے سارا قافلہ سلاچے موٹر سائیکل پر بٹے کیا۔ چھر قریب دوسری گلی
ہے۔ تاج میں خاکسار نے بیوہ کے قدم فرزند سارے کے پیش اور بعض
دیکر میروں کو گھوڑا اسلام دی، اور چار گھنٹے تک وہی گھنگو چاری رہی۔
بہت سی باتوں کا انہوں نے اقرار کر لیا۔ اور حریف غور کرنے بلکہ ہمارے مرکز
میں آنے کا بھی وعدہ کیا۔ اس فرقہ کے دلچسپ حالات کے حقیقی معرب
ایک مضمون ہدیہ قرار دینا ہوگا۔ انشاء اللہ

الصالح محمدی انی فتنوسۃ العالم المسیحی... یعنی سیدنا
حضرت کا موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اشتہار دعوت حق لہو قد حیدر الوہی کا
مرتبہ ترجیح کیا گیا۔ اس دن حضور مجاہدین کو کشتی کر کے ۲۶ دوستوں
نے کا حریف تبلیغ ادا کیا۔ دوستوں کو حسب ذیل دس گروہوں میں تقسیم کیا
گیا۔ الحمد للہ۔ خاکسار ابو الھطاء، الجالندھری۔ ۱۷ مارچ

جس شہر میں تبلیغ کی گئی

اسما و جبران وفد

نمبر وفد

الناصرہ	(۱) اشیح محمود صالح (۲) السید حامد صالح (۳) السید کمال حسن	وفد نمبر اول
شفا نگر	(۱) اشیح احمد الھودی (۲) اشیح حسین (۳) عبدالکلیل	وفد نمبر دوم
عکا	(۱) اشیح علی تفریق (۲) السید عبدالرحمن (۳) اشیح محمد الممری	وفد نمبر سوم
	(۴) السید ذفریق	
عصفیاء	(۱) اشیح مصطفیٰ محمد (۲) امیل احمد (۳) موسیٰ احمد	وفد نمبر چارم
رہما	(۱) اشیح سلیم الربانی (۲) السید خالد علی (۳) السید محمد احمد	وفد نمبر پنجم
جینا	(۱) اشیح صالح الھودی (۲) محمد علی (۳) رشید احمد	وفد نمبر ششم (الف)
جینا	(۱) اشیح حسن (۲) محمد عبداللہ (۳) علی حسن	وفد نمبر ششم (ب)
جینا	(۱) اشیح مصطفیٰ انصاری	وفد نمبر ششم (ج)
یانقا	(۱) السید عبداللہ صالح (۲) السید حسن علی (۳) السید عبداللہ کاک	وفد نمبر ہفتم
	(۴) السید تائف موسیٰ	
جبل الکرمل	(۱) اشیح عبداللہ زیدان	وفد نمبر ہفتم
صفد (۲) کفرکنا (۳) طبر (۴)	(۱) السید خضر الھندی تفریق (۲) السید مسیحی الھندی حسین تفریق	وفد نمبر ہفتم
جیوہ		
	(۱) ابو الھطاء، الجالندھری (۲) السید محمد صالح (۳) اشیح عبدالرحمن البرجاوی (۴) جلیس (۲) جنین	وفد نمبر دہم
	(۴) السید ابراہیم علی	

ضروری گزارش

گیا۔ جو دن بحسب ذیل جموں میں زبانی اور ٹریکوں کے ذریعہ تبلیغ کرتے رہے۔

ان دنوں ہونے والے مختلف مقامات پر تبلیغ کی اور فلسطین کے شمالی حصہ میں
عیسائی اور یہودی اصحاب میں اسلام کی دعوت پہنچائی۔ اس دن ایک بڑا
چھوٹا ٹریک تقسیم کئے گئے۔ ان جموں کو جاتے ہوئے راستوں میں بعض
چھوٹے چھوٹے گاؤں میں بھی پیغام حق پہنچایا گیا۔ عام طور پر لوگوں نے
بخوشی ہماری باتوں کو سنا اور ٹریکوں کو قبول کیا۔ صرف ایک مقام مسلمانوں میں
ایک پادری نے زبان دھاری کی اور لوگوں کو اکسا کر ہمارے دوستوں کو

اگر چہ یہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اب پھر گزشتہ ہے کہ اصحاب کی
جس کی رپورٹ یا کسی واقعہ کی اطلاع جلد سے جلد ارسال فرمایا کریں۔
تا کہ جلد شائع کی جا سکے۔ ورنہ دواؤں اختیار ہونے کے لحاظ سے کسی دن بعد
کی اطلاعات کو شائع کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اور اس وجہ سے اصحاب کو کوئی شکوہ نہ
ہونا چاہیے۔

سادہ لوح مسلمانوں کو قتل اور لوٹ کی نام نہاد مسلمانوں کے شرمناک مظالم ترغیب حکومت کا فرض کی ایک اور مثال

مندرجہ بالا عنوانات کے ماتحت اخبار ”دنی“ امرت سر نے احمدیوں کو محض اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور اسلام کی صحیح تعلیم پر چل کر دین و دنیا کی فلاح حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے کہتے ہیں جس قدر دکھ اور تکلیف دی جا رہی ہیں۔ وہ نہایت ہی دردناک ہیں۔ احمدیوں پر تو ان کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ جبکہ خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر تکلیف کو وہ خوشی برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں اور ہر ذلت کو دنیا کی ساری عزتوں سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس قسم کی شرمناک حرکات کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ انہیں غور کرنا چاہیے۔ کہ کیا اخلاق و شرافت کا یہی تقاضا ہے اور اسلام بھی تعلیم دیتا ہے۔ اگر نہیں تو انہیں اپنی حرکات پر نام ہونا چاہیے۔ اور وہ راہ اختیار کرنی چاہیے جسے اسلام نے جائز قرار دیا ہو۔

ایک اطلاع منظم ہے کہ قادیان میں کئی مقامات پر پھڑ پھڑاتی غلام احمد قادیانی کی نبوت کا بطلان ”چسپاں پایا گیا ہے۔“ اشتہار مذکور محمد غلام نامی کسی شخص کی طرف سے اقبال پریس ملتان میں چھاپا گیا۔ اشتہار کا مضمون نہایت اشتعال انگیز اور لہجہ ہے۔ اس میں مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے۔ کہ احمدیوں کو قتل کر دینا مسلمانوں کا فرض ہے اور احمدیوں کا مال مسلمانوں پر حلال ہے۔ احمدیوں کو مرتد بتاتے ہوئے یہ نہ معلوم محض اپنی جہالت کا اس طرح ثبوت دیتا ہے کہ اگر کسی کو غلام احمد کے مرتد ہونے میں شک ہے تو ”ہماری خمیر سلسلہ کے الفاظ کو درج کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔“

غصہ کا مقام ہے۔ کہ اس تہذیب کے زمانہ میں اس قسم کی بے ہودہ اور گندی تحریر سے کام لیا جاتا ہے۔ اس قسم کا فضول پروپیگنڈا کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ کہ یہاں انگریز کی حکومت ہے یہاں کا بل اور ایران کے خوابوں کی تعبیر قانونی کلمہ ہو سکتا ہے ”مناسب ہے کہ بجائے فتنہ انگیزی کے دلائل سے اپنے عقائد کو صحیح ثابت کیا جائے۔ دلائل کی کمی کے سبب گلے پڑنا جہالت کی نشانی ہے۔ ہم بار بار مسلمان راہ نماؤں سے اس معاملہ کو سلجھانے کی درخواست کر چکے ہیں۔ لیکن شور مچاتے رہے۔

ہمیں مایوس رہنا پڑا۔ کیا فضل حسین جیسے عاقل اس پر خطر تحریک کے خطرناک نتائج کا اندازہ لگا کر اندامی تدابیر سوچنا مناسب نہیں سمجھتے۔

ہم نہایت ادب سے حکومت کی توجہ مذکورہ بالا پوسٹر کی طرف مبذول کراتے ہوئے درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ اس قسم کے اس سوز پروپیگنڈا کو دبانے میں دیر نہ کرے۔“

شہریوں کے اس سلوک سے ہمارے

ملکات الفضل قادیان

روزنامہ

قادیان

روزنامہ

THE DAILY

ALFAZL QADIAN

روزنامہ

قیمت دہشتہ

جلد ۱۲۵۲ نمبر ۱۲۵۲ روزنامہ ۱۲۵۲ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء نمبر ۹۹

ملاہن فلسطین کی نیکار اور سلام کے اجازہ دار احرار

جاتے ہیں خیریں کو مفت دوا دیتے ہیں۔ اور ضرورت پڑتی ہے تو کچھ خرچ بھی کرتے ہیں۔ جب اس طرح عوام کی ہمدردی حاصل ہو جاتی ہے۔ تو آسانی سے عیسائیت کا پروپیگنڈا کامیاب ہو جاتا ہے اور لوگ عیسائیت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

مدارس کے پروپیگنڈا کارڈ ہوتا ہے کہ یہاں کے تعلیم یافتہ جو جوان یا تو سرے سے عیسائی ہو جاتے ہیں۔ یا مجبورہ کہیں کے نہیں رہتے۔ یعنی نہ عیسائی ہوتے ہیں نہ مسلمان رہتے ہیں۔ بالکل دہریہ اور بھڑکی بن جاتے ہیں۔

عیسائی مشنریوں کی اس جدوجہد کے مقابلہ میں مسلمان جو کوشش کر رہے ہیں وہ اسی بیان میں یہ بیان ملتی ہے کہ فلسطین کا کوئی نو جوان مشنریوں کے مدارس میں تعلیم حاصل نہ کرے۔ خواہ وہ چاہل رہ جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ یہ ایک موثر ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان فلسطین کی جماعت کو دور کرنے کے لیے دو تھکانے والے تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ پہلی عمریہ اور گاؤں میں مدارس اور مکاتب قائم کئے جائیں جو بڑے شہروں میں ملتی سکول اور کالج قائم کئے جائیں اور صنعت و حرفت کی تعلیم بھی دی جائے۔ مگر اس وقت وجہ بتائی گئی ہے۔ کہ فریب عربوں کے پاس روپیہ نہیں۔ اگر وہ چھوٹے موٹے دار سے بڑا وقت قائم بھی کرتے ہیں تو وہ پیکرِ قلت کے باعث ترقی نہیں کر سکتے۔ بلکہ اکثر حالتوں

میں سنے مدارس قائم کئے گئے ہیں۔ راستوں، گزرگاہوں، پبلک پارکوں اور بلڈوں میں بھی اس کا خاص اہتمام ہے۔ یہ لوگ مختلف طریقوں سے نوجوان طبقہ کو دھلانے اور اسلام سے نفرت دلانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ عوام میں بھی ان کی تبلیغ نہایت ناپاک طور پر کی جاتی ہے۔

مختلف اسلامی مراکز کے نقشہ دکھائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی معاشرتی اور اخلاقی پستی دکھا کر لوگوں کو بدعنوان کیا جاتا ہے۔ شارع اسلام پر ناپاک حملے کئے جاتے ہیں۔ اور اسلامی تاریخ اور روایات کو سب کے سب لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کے بالفاظ عیسائیت کی خوبیاں، جدید تمدن کی نیکیاں، یورپ کی رنگ رلیاں دکھائی جاتی ہیں۔ اور ان کے مصلحتی کہا جاتا ہے کہ یہ سب عیسائیت کی برکت ہے۔ عیسائیوں کے لیے دنیا جنت بنی ہوئی ہے دنیا کی عزت، دولت و ثروت، تمدن، تہذیب، شائستگی، قوت، شان و شوکت سب عیسائیوں کے لیے ہے۔ کیونکہ عیسائی خدا کے مقرب بندے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

اس طرح عوام کو عیسائی سیلابی طرف مائل کرتے ہیں۔ مدارس میں بھی اسی قسم کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ نوجوان اور تعلیم یافتہ لوگ بہت جلد اس طرح ان کے دام میں آ جاتے ہیں۔

عوام کو اسلام سے نفرت دلانے کے اور بھی طریقے ہیں۔ عیسائی سیلابی غرب آبادی میں

بندوستان میں عیسائی مشنری چوڑے سارے سامان کے ساتھ مسلمانوں کو عیسائیت کا حلقہ بکوش بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور ان کے مقابلہ میں فلسطین میں مسلمان بالکل بے دست و پا نظر آتے ہیں اسباب کے لحاظ سے تو مسلمان بھی دست ہیں۔ عیسیت یہ ہے کہ وہ مذہبی لحاظ سے بھی بعد از خودی کا اظہار کر رہے ہیں، نہ تو وہ عیسائی مشنریوں کے ان اعتراضات کا جواب دے سکتے ہیں جو ان کی طرف سے اسلام پر کیے جاتے ہیں اور جن کے ذریعے اسلام سے بے بہرہ مسلمان کہلانے والوں کو اسلام سے دور کیا جاتا ہے اور نہ وہ عیسائیت کے خلاف اسلام کی برتری اور فضیلت ثابت کر سکتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ مخلوک الحال اور پست کردہ عوام تو دنیا کی فرائض کی خاطر دھوکے کا شکار ہو رہے ہیں اور تعلیم یافتہ مسلمان اسلام کے خلاف عیسائیوں کے اعتراضات کے جواب دینے کی اہلیت نہیں رکھتے اور عیسائیت کی اصل حقیقت سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے سرگرم ہو رہے ہیں اخبار ”مسلم کرٹ“ ملک میں فلسطین کے مسلمانوں کا ایک بیان شائع ہوا ہے جس میں عیسائی مشنریوں کی ریشہ داندوں اور جھوٹی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ

”عیسائیوں نے کئی سال سے عیسائیت کی تبلیغ کا کام انتہائی سرگرمی اور ہلاکی سے شروع کر دیا ہے۔ نئے نئے گرجے۔ نئے نئے کلب اور

میں مالی مشکلات کی وجہ سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ان حالات سے ظاہر ہے کہ قسطنطنیہ کے مسلمانوں کی حالت نہایت ہی اندیشناک ہے۔ اور وہ بے حد خطرہ میں نہ صرف مکرر ہوئے ہیں۔ بلکہ بہت ہی طرح اس کا خطرہ ہو رہے ہیں۔ اور انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو توجہ بھی دلائی ہے۔ کہ ”ان حالات پر بخیریدگی سے غور کریں۔“

اب دیکھنا یہ چاہئے کہ آخر کبھی مسلمان ہند کی فرائض کی کا اہتمام کرنے والے اور شیعہ تبلیغ کے نام سے مسلمانوں سے لاکھوں روپے چھوڑنے والے احمدی مسلمان قسطنطنیہ کو عیسائیت کے گڑھے میں گرنے سے بچانے کے لیے کیا انتظام کرتے ہیں۔ یہی مسئلہ مسلمانوں کے اسلام اور باقی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ناپاک اثرات کے حجاب دینے اور اسلام کی خوبیاں ثابت کرنے کے لیے کتنے سلا وہیں بھیجے ہیں۔ کتنے مدارس وہیں قائم کرتے ہیں۔ کتنے اخبارات اور رسائل وہیں سے جاری کرتے ہیں اور انہیں اس دعوئی کا کیا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ بلا حرج یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو برباد کرتے ہیں کہ احمدی کے

کانوں پر جوں تک نہ دینگے۔ وہ آئندہ لٹا کر بھی دیکھنا گوارا نہیں کریں گے۔ مسلمانان قسطنطنیہ کی بچ و بچاؤ کرنے کے متعلق ان کے کان نہ ہرے ہو جائیں گے۔ وہ نہ تو ایک پھولی کوڑی ان کی خاطر خرچ کریں گے اور نہ ہی کوئی مسلمان ان کی خبر گیری کے لیے بھیج سکتا ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہاں کے مسلمانوں کا درد شرمائیں گے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا درد ان کے بکھر میں ہے۔ اسلامی ممالک کے ٹھہرے میں وہ گئے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی حفاظت اور اسلام کی اساعت کی خاطر سرخمس میدان میں کھڑے ہیں اگر محض دھوکے کی کچھ حقیقت ہو سکتی ہے۔ اگر محض دہائی بائیس کچھ حقیقت رکھتی ہیں اور اگر خدائی پلاؤ کچھ کام آسکتے ہیں تو تسلیم کر لیتا چاہئے کہ فیضان احمدی مسلمانان عالم کی سب سے بڑی فعال اور جاں باز پارٹی ہے۔ لیکن اگر حقوریت کی دنیا میں کچھ کر کے دکھانا ضروری ہوتا ہے تو احمدیہ اس قسم کی توقع بالکل فضول ہے۔ اس کے مقابلہ میں جماعت احمدیہ جس پر احمدی اسلام دشمنی کا الزام لگاتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے جسے عیسائیوں کی ایجنٹ قرار

دیتے ہوئے ذہان نہیں بچکتا ہے اس کی طرف سے قسطنطنیہ میں عرصہ سے ایک تبلیغی مشن قائم ہے۔ لڑکھن اور لڑکیوں کا مدرسہ چلا رہی ہے۔ عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی خوبیاں پیش کرتے والا ایک عربی رسالہ نکلتا ہے ایک آرموڈ کار احمدی مبلغ اور اس کے ایک ایک مددگار وہیں موجود ہیں جن کے سامنے عیسائی مشنریوں کو آنے کی قصاص جرات نہیں حالانکہ بارہا ان کو پہنچ دینے چاہئے ہیں۔ یہ سب کچھ جماعت احمدیہ اپنی بساط اور تمام دنیا میں پھیلے ہوئے اپنے تبلیغی کام کے لحاظ سے کر رہی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کے بہت اچھے نتائج نکل رہے ہیں۔ قسطنطنیہ کے جن تعلیم یافتہ لوگوں کو احمدیہ مشن کی جدوجہد کا علم ہو چکا ہے۔ وہ نہایت شکر اور خوشی کے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس ایک امر پر غور فرمایا جائے۔ کہ وہ جماعت جسے احمدی اسلام کی دن کہتے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے لیے کیا کر رہی ہے اور جو اسلام کے فیکر دار اور تمام مسلمانوں کے دلہا نہا ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ وہ کن اشغال میں مشغول ہیں۔

حضرت مرزا شریف احمد پر حملہ کرنے والے

احرار کی کے مقدمہ کی سماعت

گوروا سپور ۲۳ اکتوبر عظیماپر چوہڑ گداگر کے خلاف حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب پر حملہ کرانے کی وجہ سے پولیس نے جو مقدمہ دائر کر رکھا ہے۔ آج اس کی پھر سماعت ہوئی۔ صرف ایک باقی ماندہ گواہ صفائی نواب الدین کشفیل کی شہادت ہونے والی تھی۔ لیکن ملزم نے بیان کیا کہ وہ اس گواہ کو چھوڑنا چاہتا ہے چنانچہ اس کی شہادت نہ لی گئی اور عدالت نے بحث کے لئے ۲۳ اکتوبر کی تاریخ مقرر کی۔ مگر وکیل ملزم نے اس روز اپنی مصروفیت کا عذر کیا جسے منظور کرتے ہوئے عدالت نے ۲۵ اکتوبر تاریخ مقرر کر دی۔

درخواست سے لے کر

۱۔ مولانا غلام رسول صاحب راجپوتی پورہ اعصابی دو دوس کے بیمار ہیں۔ ہر روز شدت سے دورے ہوتے ہیں۔ احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے۔

۲۔ میرے برادر محرم چودھری عبدالحمید صاحب آئی ایم ایس کی کا امتحان مقابلہ دے رہے ہیں۔ احباب ان کی کامیابی کے لیے دعا فرمائیں۔ خاکسار عبدالحمید بی اے

جلسہ سالانہ کے متعلق ہر احمدی کی ذمہ داری

جلسہ سالانہ قریب آ رہا ہے۔ اس کے لئے انتظامات اور اجناس کی خرید و فروخت کا کام سرعت سے جاری ہے۔ جس کے لیے ہزاروں روپیہ کی فوری ضرورت ہے۔ چندہ جلسہ سالانہ کے متعلق میں نے گذشتہ ماہ میں ہر ایک جماعت کو تحریک بھجوا دی تھی۔ الفضل میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد یاد دہانی اخبار الفضل میں شائع ہو چکی ہے۔ چندہ جلسہ سالانہ کی وصولی جس رفتار سے ہونی چاہیے تھی ابھی شروع نہیں ہوئی حالانکہ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے جملہ عہدہ داران جماعت و احباب کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے جلد تر چندہ جلسہ سالانہ کی رقم بھجوائیں۔ ہر ایک جماعت کو چندہ جلسہ سالانہ کے بجٹ سے جائزہ ناظر صاحبان کی طرف سے اطلاع دی جا چکی ہے جو عہدہ داروں نے اپنی جماعتوں سے وصول کر کے بھجوانا ہے۔ مگر کسی جماعت کو اطلاع نہ ملی ہو۔ تو دفتر ہذا سے بہت جلد دریافت فرمائیں۔

ناظر بیت المال قادیان

اخلاص اور ایثار کی ایک بہترین مثال

خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی بخشی ہوئی توفیق سے احمدی احباب خدا تعالیٰ کی راہ میں جس قربانی دایم رکاز ثبوت پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس کی ایک تازہ مثال ذیل کے خط سے ظاہر ہے جو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں بھیجا گیا۔ احباب درودل کے ساتھ دعا کریں۔ کہ خدا تعالیٰ ہمارے اس خالص بھائی کے بچہ کو اپنے فضل سے صحت عطا فرمائے۔ اور اسے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں۔

سیدنا امامنا ایدہ اللہ بنصرہ العزیز۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

محترم آقا۔ فدائے امی ابی نقسی میر الزکا جس کا نام حضور نے عبدالرشید رکھا تھا۔ عمر سو سال عرصہ ایک ماہ سے مختلف عوارض کی وجہ سے بیمار چلا آتا ہے۔ ماہ ستمبر ۳۵ء کی تنخواہ کی ادائیگی پر میں نے چند روپے اس کے علاج کے واسطے رکھے تھے۔ مگر کل ”الفضل“ کے پرچہ میں تحریک چندہ بارہ ہزار روپیہ پڑھی۔ چونکہ میرے پاس علاوہ اس روپیہ کے جو عزیز کے علاج کے واسطے تھا۔ صرف چندہ عام کی رقم تھی۔ اس لیے عاجز اور عاجز کی اہلیہ نے بعد مشورہ یہ فیصلہ کیا ہے کہ بارہ ہزار کی تحریک میں یہ روپیہ بھیج دیا جائے اور عزیز عبدالرشید کی صحت، یابی کے واسطے حضور کی خدمت میں دعا کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ عاجز نے آج مبلغ ۱۲-۵ روپے کا منی آرڈر جس میں چند ماہ ستمبر ۳۵ء کی رقم اور چندہ تحریک بارہ ہزار کی رقم شامل ہے۔ بخد مت ناظر صاحب بیت المال ارسال کر دی ہے۔ اور حضور کی خدمت میں درود بھرے دل سے درخواست دعا ہے۔ حضور دعا فرمائیں کہ ہمارے بچے عبدالرشید کو اپنے فضل سے کامل صحت بخشے۔ اور ہم دونوں یاں بیوی کو کامل یقین ہے حضور کی دعا ظاہری علاج اور دوائیوں سے

بدتر جہاں بہتر اور جلدی اثر کرے گی۔ حضور کا

ضلع لاہور

فہرست کتب

1- احمدیہ کتب

- ☆ عبد الغزیز چوہدری- سیرت مرزا شریف احمد- ربوہ 1962ء
- ☆ عبدالباری قیوم شاہد قادیان دارالامان ربوہ 1978ء
- ☆ عبدالحق مرزا ایڈووکیٹ مولوی عبدالمنان کے کیس کی اجمالی تفصیلات ربوہ 1956ء صداقت مسیح موعود ربوہ
- ☆ عبدالحق شیخ یادیں شملہ اور دہلی راولپنڈی 1973ء
- ☆ عبدالمالک خان احمدیت علامہ اقبال کی نظر میں ربوہ 1974ء
- ☆ عبدالکریم مولوی سیالکوٹی سیرت مسیح موعود قادیان 1900ء دوبارہ اشاعت ربوہ 1986ء
- ☆ عبدالقادر حیات نور لاہور
- ☆ عبدالقادر نیاز فضل عمر قادیان 1939ء
- ☆ عبدالقادر (سوداگرل) شیخ مسیرت طیبہ لاہور 1959ء
- ☆ عبدالرب برہم بلائے دمشق لائل پور تحصیل آباد 1970ء خلیفہ ربوہ (مرزا ناصر احمد) سے ایک گزارش لائل پور 1971ء
- ☆ اے آرورڈ بانی سلسلہ احمدیہ اور انگریز ربوہ
- ☆ عبدالرحمن خادم احمدیہ پاکٹ بک اشاعت 1956ء

- ☆ عبد الرحمن، مصری، قول محققانہ (ڈاکٹر غلام جیلانی برف کی کتاب، حرف محرمانہ کا جواب) لاہور
- (i) فیصلہ جہیز آباد لاہور، 1970ء
- (ii) ذریت مبشرہ لاہور، 1939ء، بار دوم 1968ء
- (iii) شان مصلح موعود لاہور، 1936ء
- ☆ عبد الرحمن، مبشر، موعود اقوام عالم، قادیان۔
- ☆ احمد برکات راجیکی، تحریک احمدیت، حیدر آباد (دکن) 1952ء
- ☆ احمد بشیر، ایم اے مرزا، کلمۃ الفصل، قادیان 1915ء، بار دوم 1941ء
- ☆ مسئلہ جنازہ کی حقیقت، قادیان، 1941ء
- ☆ سیرت المہدی تین جلد قادیان۔
- ☆ احمد، بشارت، ڈاکٹر مجدد اعظم، تین جلد لاہور 1939ء تا 1944ء
- ☆ مراۃ الاختلاف لاہور 1938ء
- ☆ احمد غلام، مرزا قادیانی، براہمن احمدیہ، جلد 1 اور 2 (1879 تا 80) جلد 3 (1882) جلد 4 (1884) (انگریزی ترجمہ) کچھ حصے: مرزا معصوم بیگ پرانی تحریریں (1879 تا 1889) سرمہ چشم آریہ 1886، شخہ حق، 1887ء، اشتہار، 1888 فتح اسلام، 1890 (انگریزی ترجمہ: اقبال احمد) ازالہ اوہام (11.1) 1891ء الحق (مباحثہ لدھیانہ) جولائی، 1891ء الحق (مباحثہ دہلی)، اکتوبر 1891ء آسانی فیصلہ، 1892ء برکات الدعاء، 1893ء (انگریزی) حجۃ الاسلام، 1893ء سچائی کا اظہار، 1893ء جنگ مقدس، 1893ء حماتۃ البشری، 1894ء
- ☆ 1893ء تحفہ بغداد، 1893ء شہادت القرآن، 1893ء کرامات الصادقین، 1893ء حملۃ البشری، 1894ء نور الحق، 1894ء اتمام الحجۃ، 1894ء سرا

تخلیہ (انگریزی ترجمہ، مرزا محمد حسین) 'انوار الاسلام' 1894ء من الرحمن
 1895ء نور القرآن 1895ء ضیاء الحق، منیر المذہب 1895ء آریادھرم
 1895ء ست بچن 1895ء اسلامی اصول کی فلاسفی (انگریزی ترجمہ، سرظفر
 اللہ خان) 'انجام آتھم' 1896ء 'سراج الممیر' 1897ء 'استفتاء' 1897ء حجۃ
 اللہ 1897ء تحفہ قیصریہ 1897ء 'سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے
 جواب' 1897ء (انگریزی ترجمہ تبشیر پبلی کیشنز ربوہ، فریاد درد 1898ء،
 ضرورت الامام 1898ء، نجم الہدیٰ 1898ء) (انگریزی ترجمہ عبدالہاشم خان
 چوہدری) 'راز حقیقت' 1898ء 'کشف الغطاء' 1898ء (انگریزی ترجمہ
 تھروننگ اوپن راکرٹن، وکٹوریہ پریس، لاہور 1898ء) 'ایام صلح' 1898ء
 حقیقت الہدیٰ 1898ء، 'مسح ہندوستان میں' 1899ء (انگریزی ترجمہ، جینرز
 ان انڈیا تبشیر پبلی کیشن، ربوہ) ستارہ قیصریہ 1899ء، 'تریاق القلوب' 1899ء
 تحفہ غزنویہ 1900ء، 'روداد جلسہ دعا' 1900ء، 'خطبہ الہامیہ' 1900ء، 'گورنمنٹ
 انگریزی اور جہاد' 1900ء، (جہاد اینڈ برٹش گورنمنٹ کیسٹن پرنٹنگ پریس
 لاہور 1900ء) 'اربعین' 1900ء، 'اعجاز المسیح' 1901ء، 'ایک غلطی کا ازالہ
 1901ء' (اے مس انڈر شینڈنگ ریموڈ، ربوہ) 'دفع البلاء' 1902ء، 'تحفہ
 گولڈویہ' 1902ء، 'الہدیٰ' 1902ء، 'نزدول المسیح' 1902ء، 'کشتی نوح' 1902ء
 (آور پبلی کیشنز پبلی کیشن، ربوہ)

☆ تحفہ ندوہ 1902

☆ اعجاز احمدی 1902

☆ ریویو بر مباحثہ بالوی چکڑالوی 1902

☆ مذاہب الرحمن 1903

☆ نسیم دعوت 1903

- ☆ سائق الدھرم 1903
- ☆ تذکرۃ الشہادتین 1903
- ☆ سیرۃ الابدال 1903
- ☆ لیکچر لاہور 1903
- ☆ لیکچر سیالکوٹ 1904
- ☆ لیکچر لدھیانہ 1904
- ☆ الوصیت 1905
- ☆ براہین احمدیہ جلد پنجم 1903
- ☆ چشمہ مسیحی 1908 (انگریزی ترجمہ، عبدالحمید)
- ☆ تجلیات الہیہ 1906
- ☆ قادیان کے آریا اور ہم 1907
- ☆ حقیقت الوحی 1907
- ☆ چشمہ معرفت 1908 (انگریزی ترجمہ، اے ریو پو آف کرسچینٹی احمدیہ فارن مشن ربوہ)
- ☆ پیغام صلح 1908 (اے مسیح آف پیس، احمدیہ انجمن لاہور، 1947، تبشیر پبلی کیشن ربوہ) (الشُرکت الاسلامیہ ربوہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تصانیف کو 23 جلدوں میں دوجائی خزانہ کے نام سے چھاپا ہے)
- ☆ ملفوظات ق جلد اول تا ہفتم، مؤلف بابو منظور الحق لاہور
- ☆ ملفوظات (ڈائری الشُرکت ربوہ)
- ☆ مکتوبات (جلد اول تا ششم، قادیان)
- ☆ خطوط امام بنام غلام (مرزا غلام احمد کے محمد حسین قریشی کو خطوط) لاہور 1909
- ☆ تذکرہ (مرزا غلام احمد کے خوابوں وحی اور الہامات کا مجموعہ) بار دوم 1969
- ☆ ربوہ (انگریزی ترجمہ ظفر اللہ لندن)

- ☆ البشراى جلد اول اور دوم (مرزا غلام احمد کی وحی الہام وغیرہ کا مجموعہ مرتبہ بابو منظور الہی)
- ☆ تبلیغ رسالت، جلد اول تا جلد دہم (پنڈل بیانات اور اشتہارات کا مجموعہ)
- ☆ میر قاسم علی، جلد اول (مارچ 1878 تا مارچ 1891)
- ☆ فاروق پریس قادیان 1918 جلد دوم اپریل 1891 تا 1892 فاروق پریس قادیان اکتوبر 1919، جلد سوئم 1893 تا 1894، فاروق پریس قادیان دسمبر 1920 جلد چہارم فروری تا دسمبر 1895، فاروق پریس قادیان جون 1921 جلد پنجم 1896 فاروق پریس قادیان مارچ 1922، جلد ششم جنوری تا دسمبر 1897، فاروق پریس قادیان مارچ 1922، جلد ہفتم، فروری تا دسمبر 1898، فاروق پریس قادیان مارچ 1922، جلد ہشتم فروری 1898 تا دسمبر 1896، فاروق پریس قادیان مارچ 1922، جلد نهم 1900، فاروق پریس قادیان 1922، جلد دہم 1901، فاروق پریس قادیان 1923۔
- ☆ احمد خلیل ناصر، ڈوئی کا عبرت ناک انجام، بروہہ 1954ء۔
- ☆ احمد محمود مرزا، خطبہ آسح ثانی منصب خلافت اپریل 1919۔
- ☆ برکات خلافت دسمبر 1914۔
- ☆ تحفۃ الملائک (میر عثمان علی حیدر آباد (دکن) کو تحفہ) 1914ء، (انگریزی ترجمہ عبدالبہاشم خان)
- ☆ القول الفصل (خواجه کمال الدین کے کتابچے اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب کا جواب) جنوری 1915ء
- ☆ انوار خلافت 1915ء
- ☆ حقیقت نبوت، جلد اول 1915ء
- ☆ اسمہ احمد، دسمبر 1916ء

- ☆ زندہ خدا کے زبردست نشان، اپریل 1917ء
- ☆ حقیقت رویاء، دسمبر 1917ء (دوبارہ اشاعت ربوہ 1956ء)
- ☆ حقیقت انوار، ستمبر 1918ء
- ☆ تقدیر الہی، 1919ء
- ☆ عرفان الہی، 1919ء
- ☆ ترکی کا مستقبل، 1919ء
- ☆ ترک، موالات اور احکام اسلام، دسمبر 1920ء
- ☆ معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ، 1920ء
- ☆ ترکش پیس اینڈ داسلم ڈیوٹی، 1921ء
- ☆ نان کو آپریشن اینڈ داسلم ڈیوٹی، 1921ء
- ☆ آئینہ صداقت (ہولوی مھعلی کے اختلاف کا جواب) دسمبر 1921ء (دی رٹھ
- ☆ اباوٹ دی سہلٹ، تحریک جدیدہ قادیان، 1938ء سیکنڈ ایڈیشن)
- ☆ تحفہ شہزادہ ویلز، فروری 1922ء
- ☆ بالشویک علاقہ میں تبلیغ احمدیت، 1923ء
- ☆ ساڑھے چار لاکھ مسلمان ارتداد کے لئے تیار، 1923ء
- ☆ احمدیت یا حقیقی اسلام، 1924ء
- ☆ لندن میں ایک سیاسی لیکچر، 26 ستمبر 1924ء
- ☆ اساس الاتحاد، (23 جون 1924ء مسلم لیگ اجلاس کے لئے پرچہ)
- ☆ منہاج الطالبین، 1925ء
- ☆ دعوت الامیر، 1926ء
- ☆ انڈین پرابلم اینڈ اس سلوشن (سربراہ گروہ احمدیہ کا وائسرائے ہند کو خط) 1926ء
- ☆ لیکچر شملہ، دسمبر 1927ء

- ☆ ہندو مسلم فسادات، انکا علاج اور مسلمانوں کے آئندہ طریق عمل، 20 مارچ 1927ء
- ☆ مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت، دسمبر 1927ء
- ☆ فیصلہ ورتمان کے بعد مسلمانوں کا اہم فرض، اگست 1927ء
- ☆ تقریر دلپذیر، دسمبر 1927ء
- ☆ سائنس کمیشن کے متعلق رائے، 1927ء
- ☆ مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ، نومبر 1928ء
- ☆ مکتوب متعلق ذبیحہ گائے، ستمبر 1929ء
- ☆ ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلے کا حل، دسمبر 1930ء
- ☆ تحفہ لارڈ ارون، اپریل 1931ء
- ☆ آل انڈیا کشمیر کمیٹی ہوا حرار اسلام، لیکچر سیالکوٹ، 29 ستمبر 1931ء
- ☆ سر زمین کابل کا تازہ نشان، نومبر 1933ء
- ☆ بحال مباحثہ، 1936ء
- ☆ انقلاب حقیقی، 1937ء
- ☆ اہل پیغام سے، ستمبر 1940ء
- ☆ نظام نو (قادیان کے سالانہ جلسہ سے خطاب، 1942ء)
- ☆ امام جماعت احمدیہ کا اہم پیغام، اہل ہند اور پالیمینٹری کمشن کے نام، 15 اپریل 1942ء
- ☆ الموعود سالانہ جلسے سے خطاب، 1944ء (دوبارہ اشاعت، ربوہ 1961ء)
- ☆ اسلام کا اقتصادی نظام، فروری 1945ء
- ☆ صلح کا پیغام (خطبہ جمعہ)، 12 فروری 1945ء
- ☆ آئندہ الیکشن کے متعلق جماعت احمدیہ کی پالیسی، 21 اکتوبر 1945ء
- ☆ حالات حاضرہ کے متعلق جماعت احمدیہ کا فرمان، 16 مئی 1947ء
- ☆ سکھ قوم کے نام ذرومندانیہ اپیل، 17 جون 1947ء

- ☆ قیام پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں (تقریر) 18 مارچ 1948ء، کراچی
- ☆ الکفر ملت الواحدہ 1948ء (دوبارہ اشاعت ربوہ 1958ء)
- ☆ احمدیت کیلئے ربوہ 27 اکتوبر 1948ء
- ☆ اسلام اور ملکیت زمین ربوہ جنوری 1950ء
- ☆ مسئلہ وحی و نبوت کے متعلق اسلامی نظریہ ربوہ 1953ء
- ☆ تحقیقاتی عدالت میں بیان، سعید آرٹ پریس، حیدرآباد سندھ
- ☆ تحقیقاتی عدالت میں بیان، کراچی 1954ء
- ☆ سیرت مسیح موعود ربوہ
- ☆ خلافت حقہ اسلامیہ سالانہ جلسہ میں تقریر دسمبر 1956ء
- ☆ نظام آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر ربوہ 1956ء
- ☆ البشرا ربوہ
- ☆ زندہ خدا کے زندہ نشان (سید عطاء اللہ شاہ بخاری الی قید) ربوہ 1962ء
- ☆ ضروری اعلان ربوہ 1952ء
- ☆ دی ٹیٹامنٹ آف آوریلوڈ امام ربوہ 17 مئی 1959ء
- ☆ احمد طاہر مرزا خلیفہ چہارم ربوہ سے قل امیب تک (مولانا محمد یوسف بنوری کے رسالے کا جواب) لاہور 1936ء
- ☆ مہودودی اسلام
- ☆ احسن محمد امر وہوی، سر الشہادتیں فی بیان ذبح الشاعین، قادیان 1903ء
- ☆ علی امجد سید، تحقیق حق، لاہور 1936ء
- ☆ علی محمد الحاج ٹوی لائے ٹوپس اینڈ پیس، حیدرآباد دکن 1930ء
- ☆ علی حسن مونگھیری، تائید حق، قادیان 1933ء
- ☆ علی محمد چوہدری، ان دی کینی آف پرامیڈ مسیحا، لاہور 1977ء

- ☆ علی قاسم میر، تحفہ مستریان، قادیان 1928ء
- ☆ علی روشن حافظ، فقہ احمدیہ قادیان، 1924ء
- ☆ علی شیر مولوی وٹ ڈسٹنگو، شہزاد احمد یز فرام نان احمد یز، حیدر آباد دکن 1917ء
- ☆ قتل مراد اور اسلام، وزیر ہند پریس امرتسر، 1925ء
- ☆ علی یعقوب عرفانی، حیات النبی قادیان
- ☆ اللہ بخش ڈاکٹر تفریق کے اصل اسباب، احمدیہ انجمن لاہور۔
- ☆ علامہ اقبال، ماورائی سلسلہ احمدیہ لاہور 1977ء
- ☆ فلسفہ آف اے مائی پرائیسی، لاہور 1966ء
- ☆ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور
- ☆ فضل کریم خان، درانی اور برلن مسجد، فروری 1938ء
- ☆ ختم نبوت اور تکفیر المسلمین 1962ء
- ☆ شاستری کی پیشگوئی غلط تھی 1965ء
- ☆ تبلیغ بلا ڈنبر لاہور 1976ء
- ☆ مولوی صدر الدین کا وضاحتی بیان 1974ء
- ☆ آئین پاکستان اور مسلمان فرقہ احمدیہ 1975ء
- ☆ ایک تخلص مرید کا مکتوب لاہور 1941ء
- ☆ تحریک احمدیت جلد اول و دوم لاہور
- ☆ نامعلوم، اظہار حق، جلد اول و دوم لاہور 1913ء
- ☆ اروپائی رحمت اللہ امت محمدیہ میں تشریحی نبوت کا اجراء، گوجرانوالہ 1970ء
- ☆ قول حق 1967ء لاہور
- ☆ اسد اللہ کشمیری، حضرت مریم کا سفر کشمیر، ربوہ
- ☆ حضرت مسیح کشمیر میں لاہور 1960ء

- ☆ تاریخ احمدیت جموں اور کشمیر ریوہ 1973ء
- ☆ معمار آزادی کشمیر غلام نبی گلکار راولپنڈی
- ☆ مسیح کشمیر میں ریوہ 1978ء
- ☆ احمد ظفر حافظ سنگم چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری لاہور 1980ء
- ☆ احمد مشتاق باجوہ تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں ریوہ 1961ء
- ☆ احمد حبیب احمدی آف بھراج، سیکرٹری انجمن احمدیہ سمانہ (پٹیاہ)
- ☆ بشیر الدین محمود کوکھلا خط ثانی برقی پریس امرتسر 28 مئی 1938ء
- ☆ احمد اعجاز شیخ مظلوم اقبال کراچی
- ☆ احمد منظور پیر قدرت ثانیہ یعنی خلافت قادیان 1914ء
- ☆ پسر موعود قادیان 1914ء
- ☆ نشان فضل قادیان 1914ء
- ☆ احمد مبارک مرزا آدور فارن مشنر ریوہ 1958ء
- ☆ اسلام آن دی مارچ ریوہ 1960ء
- ☆ اسلام ان افریقہ ریوہ 1962ء
- ☆ احمدیت ان فار ایسٹ ریوہ 1964ء
- ☆ احمد ممتاز فاروقی محمد علی دی گریٹ مشنری آف اسلام لاہور 1966ء
- ☆ مجاہد کبیر (محمد علی کی تاریخ حیات) لاہور 1962ء
- ☆ ٹرٹھ ٹرائی امس لاہور 1965ء
- ☆ قصر صلیب لاہور 1972ء
- ☆ حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات اور ان کا اطلاق لاہور 1972ء
- ☆ دی انفارمیشن اینڈ پری ڈسٹینیشن لاہور 1968ء
- ☆ احمد نذیر خواجہ جیسس ان ہیون آن ارتھا انجمن احمدیہ لاہور 1952ء

- ☆ احمد منظور ایڈووکیٹ، آزاد کشمیر اسمبلی کی احمدیوں کے ہارسے میں قرارداد اس کا پس منظر اور نتائج، لاہور 1973ء
- ☆ احمد نذیر مبشر بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام اور اس کے نتائج، ربوہ
- ☆ احمدیہ مومنٹ گھانا، دی اینٹی اسلامک آرڈیننس (اپریل 1984ء) 1984ء
- ☆ احمد ناصر مرزا خلیفہ ثالث، آزاد کشمیر کی ایک قرارداد پر تبصرہ، ربوہ 1973ء
- ☆ خطاب دسمبر، جنوری 1979ء فریڈم آف فیئر اینڈ کلفائنس ان اسلام
- ☆ اے میج آف پیس اینڈ اے ورڈ آف واپسنگ لندن، مشن 1967ء
- ☆ احمد نور کاہلی شہید مرحوم کے چشم دید حالات قادیان 1921ء
- ☆ احمد سلطان پیر کوئی، حافظ روشن علی ربوہ
- ☆ احمد مبارک مرزا اشاعت اسلام اور ہماری ذمہ داریاں (سالانہ جلسہ 1957ء سے خطاب) ربوہ 1958ء
- ☆ مغرب کے افق پر (1959ء کے سالانہ جلسہ میں خطاب نظامت اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ ربوہ)
- ☆ دی پروپیگیشن آف اسلام تبشیر پبلی کیشن ربوہ 1964ء، سکیٹنڈ ایڈیشن 1974ء
- ☆ جماعت احمدیہ کے ذریعے اسلام کی تبلیغ و اشاعت (1967ء کے سالانہ جلسہ سے خطاب) ربوہ
- ☆ مسیح موعود (22 اکتوبر 1968ء کو جکارتا، انڈونیشیا میں سالانہ جلسہ سے خطاب) لندن مشن پبلی کیشن
- ☆ بخش خدا مرزا، غسل مصفی جلد اول اور دوم لاہور 1914ء
- ☆ بخش رحیم میاں، دی ڈیٹ فار گائٹن لاہور 1960ء
- ☆ بیک معصوم مرزا، پرافیسر آف دی پراسنڈ مسیحا لاہور 1960ء (تھرڈ ایڈیشن)
- ☆ بنگالی مطبع الرحمن صوفی، دی ٹومب آف جیس 1971ء، نور تھ ایڈیشن۔

- ☆ ابن فضل مولوی، التصریح صحیح الہامات مہدی دسج، قادیان 1921ء
- ☆ دوست محمد (مدیر) پیغام صلح، لاہور
- ☆ آئینہ احمدیت لاہور، 1933ء
- ☆ جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دیئے جانے کی حقیقت لاہور، 1975ء
- ☆ درانی فضل کریم خان، دی احمدیہ مومنٹ لاہور، 1927ء
- ☆ سوامی دیانند بھگوت گیتا
- ☆ دی فوج آف اسلام ان انڈیا
- ☆ دی میننگ آف پاکستان
- ☆ قادیان کے فتنے کی حقیقت امرتسر، ستمبر 1927ء
- ☆ فتنہ قادیان کی اصل حقیقت ستمبر 1927ء
- ☆ کھلی چھٹی بخدمت خلیفہ قادیان، 1927ء
- ☆ انکشاف حقیقت 1927ء
- ☆ فخر الدین ملتانی، مظلومین قادیان پر گالیوں کی بوچھاڑ سردار پریس امرتسر 12 جولائی 1937ء
- ☆ صدائے مظلوم، 12 جولائی 1937ء
- ☆ الحب یامی ولہام تعلیم، 14 جولائی 1937ء
- ☆ صدائے مہاجر، 12 جولائی 1937ء
- ☆ نقش کا مرکز 1937ء
- ☆ فتح محمد سیال، جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات، لاہور 1927ء
- ☆ فضل الرحمن، مرزا بشیر احمد (نبیوں کا چاند) کراچی 1964ء
- ☆ حامد میر سیالکوٹی، القول الفصل (مہاجرین احمدیہ کا تنقیدی جائزہ) سیالکوٹ 1898ء
- ☆ حنیف محمد شیخ، امیر جماعت بلوچستان، جماعت احمدیہ کے خلاف ایک نہایت

- ☆ شراکیز اور دل آزار افتراء پردازی لاہور 1973ء
- ☆ حقیقت پسند پارٹی لاہور دور حاضر کا مذہبی آمر لاہور 1956ء (مولف راحت ملک)
- ☆ ربوے کا مذہبی آمر لاہور 1956ء مرزا محمود کی مالی بے اعتدالیاں لاہور 1957ء
- ☆ تاریخ محمودیت کے چند اہم مگر پوشیدہ اوراق لاہور 1957ء
- ☆ ربوی راج کے محمودی منصوبے لاہور 1956ء
- ☆ چند قابل غور حقائق لاہور 1961ء (مولف سبط نور)
- ☆ خلیفہ ربوہ کے دو مذہب (مولف صالح نور)
- ☆ احمدیت سے محمودیت تک لاہور 1961ء
- ☆ احمدیت کا دم واپس لاہور۔
- ☆ پیر باب کی پاکیزگی کے حلف سے مرید کا گریز لاہور 1967ء
- ☆ حق ایس اے اسلامز کنٹری بیوشن ٹو وی ٹی ویس آف دی ورلڈ لاہور (دوبارہ اشاعت ستمبر 1941ء)
- ☆ حسین فضل ملک، مسلمانان کشمیر اور ڈوگرہ راج قادیان 1931ء
- ☆ مسئلہ کشمیر اور ہندو مہاسبھا 1932ء
- ☆ مطالبہ پاکستان اور احرار اسلام 1957ء
- ☆ فسادات 1953ء کا پس منظر۔ لائل پور فیصل آباد 1957ء
- ☆ حسین محمد مرزا افتخار ختم نبوت لاہور 1976ء
- ☆ حسین ظہور مولوی، آپ بیتی قادیان
- ☆ الہی منظور باوقر الہدی لاہور
- ☆ جیسس آف دی گوپل
- ☆ البشری لاہور 1912ء
- ☆ الہی بخش ملک خلیفہ ربوہ کے عہد اقلی بیان پر تبصرہ راولپنڈی 1965ء

- ☆ اہل ربوہ کے عقائد لاہور
- ☆ نبوت حضرت مرزا صاحب کی کہانی خلیفہ ربوہ کی زبانی لاہور 1967ء
- ☆ جہاد فی اسلام اور علماء و وزراء پاکستان اور اوپنڈی 1973ء
- ☆ کرچیکشی ورسز اسلام اور اوپنڈی 1972ء
- ☆ تجدید و عطا احیاء اسلام کا الہی منصوبہ اور اوپنڈی
- ☆ اسلام ظفر مولوی، فضل عمر کے زیریں نگارنامے قادیان 1939ء
- ☆ اسماعیل محمد پروفیسر
- ☆ مولوی محمد علی کی تبدیلی عقیدہ قادیان 1915ء
- ☆ رسالہ تبدیلی عقیدہ مولوی محمد علی صاحب قادیان 1936ء
- ☆ رسالہ درود شریف
- ☆ تاریخ مسجد فضل لندن قادیان 1927ء
- ☆ نشان رحمت قادیان 1914ء
- ☆ علی محمد مولوی امیر جماعت لاہور النبوت فی الاسلام 1915ء
- ☆ احمد بخش 1917ء
- ☆ احمد یہ موومنٹ جلد اول تا چہارم لاہور 1917ء
- ☆ مسیح موعود 1918ء
- ☆ مرآۃ الحقیقت لاہور 1918ء
- ☆ دی خلافت ان اسلام ریکارڈنگ ٹو واپوٹی قرآن اینڈ دی سینگر آف دی ہولی پرافٹ لاہور 1920ء
- ☆ دی پریمیر زینو ایئر مسیح جنوری 1920ء لاہور
- ☆ حقیقت اختلاف جلد اول اور دوم لاہور 1922ء
- ☆ الہام حجت سیریز (14 تا 1) لگست 1921ء تا اگست 1923ء

- ☆ رد تکفیر اہل قبلہ لاہور 1922ء
- ☆ آخری نبی لاہور 1922ء
- ☆ کال آف اسلام 1922ء
- ☆ جہاد سلطنت افغانستان اور احمدی مسلمان لاہور 1925ء
- ☆ مسیح موعود اور ختم نبوت لاہور 1926ء
- ☆ اسلامک برادر ہڈ اینڈ دی اپر چونیٹراٹ آف رڈ ٹور تکفیر لاہور 1926ء
- ☆ تحریک احمدیت لاہور 1930ء
- ☆ دی فائیلیٹی آف پرافٹ ہڈ لاہور 1930ء
- ☆ یاجوج ماجوج 1931ء لاہور 1948ء
- ☆ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ برہاد کی سے بچنے کی راہ لاہور مارچ 1931ء
- ☆ مغرب میں تبلیغ اسلام لاہور 1934ء
- ☆ راز محمد اقبال اور ایمان لاہور 1935ء
- ☆ ریجن آف اسلام لاہور 1935ء
- ☆ ڈیپریسڈ کلاسز اینڈ پونا مشن 1936ء
- ☆ مولانا آزاد اینڈ دی احمدیہ موومنٹ لاہور 1936ء
- ☆ انجمن حمایت اسلام کا اعلان لاہور 1936ء
- ☆ مسلمانوں کی تکفیر کا نتیجہ 1936ء
- ☆ دی احمدیہ موومنٹ ایز دی ویسٹ بی اسٹ لاہور 1937ء
- ☆ فاؤنڈر آف دی احمدیہ موومنٹ لاہور 1937ء
- ☆ میاں محمود احمد صاحب پر ان کے مریدوں کے الزامات اور ہمیت کا نرا لاطریقہ لاہور 1937ء
- ☆ احباب قادیان سے ایک اپیل لاہور 1939ء

- ☆ میری تحریر میں لفظ نبی کا استعمال لاہور 4 اپریل 1941ء
- ☆ خلیفہ قادیان کا 1914ء سے پہلے کا مذہب لاہور
- ☆ اسلام اینڈ واپرڈنٹ وار لاہور 1943ء
- ☆ میاں محمود احمد کی دعوت مہابہ لاہور 1944ء
- ☆ دی نیو ورلڈ آرڈر لاہور 1944ء
- ☆ المصلح الموعود لاہور 1944ء
- ☆ اسلامائزیشن آف یورپ اینڈ امریکہ لاہور 1944ء
- ☆ اسلام کے لئے مصیبت عظمیٰ 1947ء
- ☆ جماعت قادیان اور ہر مسلمان کے لئے لمحہ فکریہ 1949ء
- ☆ احمدیہ موومنٹ سیریز 1 تا 4: محمد علی کی کتابوں کی انگلش ٹرانسلیشن، تحریک احمدیت 1933ء شیخ محمد طفیل لاہور
- ☆ حضرت مرزا غلام احمد ہز لائف اینڈ مشن لاہور 1967ء کلیمز آف دی فاؤنڈرز آف دی احمدیہ موومنٹ 1971ء
- ☆ کلیمز آف دی فاؤنڈرز آف احمدیہ موومنٹ 1972ء
- ☆ دی ٹرو کانسپشن آف احمدیہ موومنٹ 1972ء
- ☆ احمدیت ان پریکٹس 1972ء
- ☆ اسماعیل محمد خواجہ، مسیح النبی لندن، منتخب جرائد و رسائل شائع کردہ جماعت السابقون جہلم، منڈی بہاؤ الدین، پنجاب الیکٹرونک پریس گجرات، الہلال (1، 2، 3) 29 مئی تا 2 جون 1961ء
- ☆ انکشاف 12 جون 1961ء
- ☆ البحرین 13 جولائی 1961ء
- ☆ العرفان 12 ستمبر 1961ء

- ☆ شاہد شاہد ون 12 دسمبر 1961ء
- ☆ القیامہ 22 مارچ 1962ء
- ☆ ام الکتاب 7 اپریل 1962ء
- ☆ الدجان کیم اگست 1962ء
- ☆ اسم واصوات اسماء 6 اگست 1962ء
- ☆ حق الیقین 6 ستمبر 1962ء
- ☆ سیرون کا دست گار آگیا 8 مئی 1964ء
- ☆ ابن آدم کی قدرت اور جلال سے نزول 29 جون 1964ء
- ☆ کلمۃ النبی کیم جنوری 1965ء
- ☆ خواجہ اسماعیل کی نبوت کے خلاف اہم شہادت
- ☆ ناظر اصلاح وار شادریوہ جون 1961ء
- ☆ انداز اور عذاب 23 اکتوبر 1968ء
- ☆ قومی بربادی کا شروع 19 نومبر 1969ء
- ☆ ایک اور مفتری کی سزا کا فیصلہ 17 جون 1970ء
- ☆ افومنون بعض الکتاب و تعفرون بعض 11 ستمبر 1962ء
- ☆ الفرقان 2 اکتوبر 1962ء
- ☆ تاویل الحدیث 12 اکتوبر 1962ء
- ☆ ناظر امور خارجہ کے خط کا جواب 13 نومبر 1961ء
- ☆ الحکم 22 نومبر 1962ء
- ☆ جماعت احمدیہ ربوہ کی تبلیغ کا راز 1962ء
- ☆ زمین نے بھی میری گواہی دی 24 جولائی 1963ء
- ☆ پانچواں گواہ 17 اگست 1963ء

- (959)

- ☆ عیسیٰ در کشمیر پشاور 1946ء
- ☆ ظہور احمد موعود پشاور 1955ء
- ☆ تاریخ احمدیہ سرحد 1957ء
- ☆ نبی غلام مسلم قیام پاکستان کے لئے احمدیہ انجمن لاہور کی جدوجہد
- ☆ نفیس الرحمن صوفی، سپرٹ آف احمدیہ مومنٹ کراچی 1957ء
- ☆ نسیم سیفی نور محمد، غلبہ اسلام کے متعلق پشمن گوئیاں (سالانہ جلسہ 1970ء سے خطاب) ربوہ
- ☆ اشاعت اسلام زمین کے کناروں تک (سالانہ جلسہ 1982ء سے خطاب) ربوہ
- ☆ ان ڈیفنس آف پاکستان ربوہ 1965ء
- ☆ نذیر محمد قاضی، احمدیہ تحریک پر تبصرہ ربوہ
- ☆ غلبہ حق ربوہ 1977ء
- ☆ میاں محمد صاحبہ، مل ایوز لائل پور کی کھلی چھٹی بنام امام جماعت احمدیہ کا جواب ربوہ 1951ء
- ☆ میاں محمد صاحب کی کھلی چھٹی کے جواب کا نتیجہ 1956ء
- ☆ اک حرف ناصحانہ 1984ء
- ☆ قدرت سنوری، سیرت احمد 1915ء ربوہ
- ☆ رحمٰن فضل قمر چوہدری، مطالبات احمدیہ ناہا 1942ء
- ☆ رفیق بی اے فرام دی ورلڈ پریس لندن 1976ء
- ☆ صلاح الدین ملک اصحاب احمد (سیریز)
- ☆ تابعین احمد (سیریز)
- ☆ سلیم محمد اختر، سوشل بائیکاٹ اور جماعت ربوہ لاہور
- ☆ شاہ اکبر خان نجیب آبادی

- ☆ مرقاۃ الیقین فی حیات نور الدین لاہور 1966ء
- ☆ شاہد دوست محمد مولوی، تاریخ احمدیت جلد (اول تا سترہ)
- ☆ جماعت اسلامی پر تبصرہ (سالانہ اجتماع میں تقریر) ربوہ 1957ء
- ☆ خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک ربوہ 1956ء
- ☆ تحریک پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار ربوہ
- ☆ شاہ مدثر گیلانی میر ملفوظات اولیاء لاہور
- ☆ عقائد محمودیہ لاہور 1919ء
- ☆ عقائد احمدیہ متعلق نبوت محمدیہ لاہور
- ☆ ہندو دل و دماغ کی اصل تصویر 1981ء
- ☆ شمس جلال الدین (احمدیہ مبلغ اسرائیل)
- ☆ حقیقت جہاد قادیان 1933ء
- ☆ گزشتہ و موجودہ جنگ کے متعلق پیش گوئیاں لندن 1943ء
- ☆ ویرڈ و جیس ڈانڈ لاہور 1945ء
- ☆ قیام پاکستان اور جماعت احمدیہ ربوہ 1948ء
- ☆ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک نظر ربوہ 1955ء
- ☆ منکرین خلافت کا انجام
- ☆ مسیح موعود کی پیش گوئیاں ربوہ
- ☆ خلافت مصلح موعود ربوہ 1956ء
- ☆ جماعت احمدیہ کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ (جلسہ سے تقریر 1963ء)
- ☆ صداقت حضرت مسیح موعود ربوہ 1967ء
- ☆ صادق محمد امیر سری روج پروڈیوین لاہور 1981ء
- ☆ سرور شاہ سید، کشف الاختلاف

- ☆ شکر اللہ خان چوہدری، منصور، تحریک احمدیت اور غلام احمد پرویز لاہور، 1976ء
- ☆ تحریک جدید ربوہ
- ☆ افریقہ میں تبلیغ اسلام 1961ء
- ☆ بیرونی ممالک میں جماعت احمدیہ کی مساعی 1974ء ربوہ
- ☆ افریقہ سپیکس، ربوہ 1973ء
- ☆ ویگلیر ویگلیرے دی لاؤرا
- ☆ این انٹیری سٹیشن آف اسلام
- ☆ دی افریقن فضل ماسک 1957ء
- ☆ ولی اللہ زین العابدین سید
- ☆ محمدی بیگم کے نکاح کی پیش گوئی پر ایک نظر قادیان 1937ء
- ☆ اچھوت بھائیوں کے نام پیغام قادیان 1936ء
- ☆ ہماری ہجرت اور پاکستان لاہور، 1949ء
- ☆ حیات آخرت، ربوہ، 1952ء
- ☆ ظفر اللہ خان چوہدری، دی رٹیننس آف اسلام لندن 1978ء
- ☆ ڈیورنس فرام دی کراس لندن 1979ء
- ☆ دی انش آف اسلام لندن 1979ء
- ☆ دنی ہیڈ آف دی احمدیہ موومنٹ لندن 1944ء
- ☆ اسلام نیویارک، 1962ء
- ☆ امید کا پیغام (احمدیوں سے خطاب، 17 فروری 1966ء)
- ☆ تحدیث نعمت لاہور 1971ء
- ☆ دی ایگنی آف پاکستان لندن 1974ء
- ☆ پنشنٹ آف آپاٹین ان اسلام لندن

- ☆ میرادین روزنامہ لاہور 12 فروری 1975ء
- ☆ تذکرہ (انگلش)
- ☆ دی سرونٹ آف گاڈ لندن 1983ء

B غیر احمدی کتب

- ☆ عبد اللہ محمد شیخ، آتش چنار لاہور 1987ء
- ☆ عبدالغنی پٹیلوی، اسلام اور قادیانیت، ایم ٹی کے این ملتان 1978ء
- ☆ عبد الحکیم الیاس، آئینہ قادیانیت، حیدر آباد (دکن) 1963ء
- ☆ عبد الحکیم پٹیلوی، ڈاکٹر، الذکر الحکیم، نمبر 1 تا 6 پٹیلہ 07-1906ء
- ☆ عبد الکرم، آغا شورش کاشمیری
- عطا اللہ شاہ بخاری، لاہور
- بوئے گل نالہ دل، دود چراغ محفل لاہور
- موت سے واپسی، لاہور
- پس دیوار زندان، لاہور
- اقبال اور قادیانیت، لاہور
- مرزا نیل، لاہور
- عجمی اسرائیل، لاہور
- تحریک ختم نبوت، لاہور
- ☆ عبد اللہ ملک، پنجاب کی سیاسی تحریکیں، لاہور 1976ء
- ☆ سپرچرائزڈ سٹیٹ میٹس آف میاں افتخار الدین، لاہور 1971ء (ایڈیشن)
- ☆ عبد اللہ معمار، محمدیہ پاکٹ بک، لاہور
- ☆ ابوالحسن ندوی، قادیانیت کراچی
- ☆ ابو ذر بخاری، احرار اور سرکار کی خط و کتابت ملتان 1968ء

- ☆ ایڈلر سی جے برٹش ایڈیاز ناردرن فریئر (1986-95) لندن 1963ء
- ☆ ایبٹ فری لینڈ اسلام اینڈ پاکستان، کارنیل یونیورسٹی، یو ایس اے 1968ء
- ☆ آدم ایم ٹریور، سیدو مسلم افریقہ فرام دی کلچر آف دی قادیانیز، اپاسٹی، الجہاد انٹرنیشنل اسلامک موومنٹ، گھانا
- ☆ افضل امیر خان، میجر ریٹائرڈ، تاشقند کے اصل راز اور قادیانی سازشیں، شاداب پریس، راولپنڈی 1985ء
- ☆ احمد عزیز، اسلامک ماڈرن ازم ان انڈیا اینڈ پاکستان، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1967ء
- ☆ احمد قمر الدین، دی وہابی موومنٹ ان انڈیا کلکٹہ 1966ء
- ☆ احمد فرید مولوی، دی سن بیہائینڈ کلاؤڈز ڈھاکہ 1968ء
- ☆ احمد فضل قاضی، کلمہ فضل رحمانی بر جواب اوہام قادیانی، لاہور 1893ء
- ☆ احمد حسین مدنی، مولانا، نقش حیات، دیوبند 1954ء
- ☆ احمد خورشید، این انیلیسر آف دی میرر پورٹ جماعت اسلامی، جلی کیشنز، کراچی 1956ء
- ☆ احمد خورشید اینڈ ظفر اسحاق انصاری (ایڈیٹر) اسلامک پریسیکٹو، سنڈیز ان آنر آف سید ابوالحلی موودوی، اسلام آباد 1979ء
- ☆ احمد لطیف، شیروانی، سچچر، رائنگکو اینڈ سٹیٹ منٹس آف اقبال، لاہور 1977ء
- ☆ احمد منظور چنیوٹی، مولانا
- ☆ القادیانی و معتقدات، چنیوٹ 1971ء
- ☆ دی ڈبل ڈبلر چنیوٹ 1981ء
- ☆ احمد محمد تھان، اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکیڈمی، 1977ء
- ☆ احمد ممتاز، مسئلہ کشمیر، لاہور 1970ء
- ☆ احمد مرتضیٰ، کش مرزائی نامہ، لاہور 1938ء، محاسبہ لاہور 1955ء
- ☆ احمد نور سید، مارشل لاء سے مارشل لاء تک، لاہور 1960ء، (فرام مارشل لاء ٹو

- مارشل لاء کریگ میکسر (مدیر) وین گارڈ لاهور 1955ء
- ☆ احمد رئیس جعفری حیدر آباد جوکی تھا لاهور 1950ء
- ☆ احمد شبیر عثمانی مولانا الشہاب ایم ٹی این لاهور 1958ء
- ☆ احمد وحید ڈاکٹر (مدیر) ڈائری اینڈ نوٹس آف میڈن فضل حسین لاهور لیسرز آف میڈن فضل حسین لاهور
- ☆ احسن مناظر گیلانی سید النبی الخاتم لاهور
- ☆ ابوالاعلیٰ مودودی سید دی قادیانی پراہلم اسلامک پبلی کیشن لاهور 1979ء
- ☆ سیکنڈ سٹیمنٹ ان ہوی کوڈٹ آف انکوائری لاهور 1954ء
- ☆ محمد عاصی امرتسری انکوائری والاویہ امرتسر 1957ء
- ☆ اختر جمناداس پاک اسپاٹچ ان انڈیا دہلی 1971ء
- ☆ دی بیج آف بگلہ دیش پبلی 1971ء
- ☆ اختر کلیم شیر کشمیر لاهور
- ☆ علی انور سید دی سبیل آف پرافٹیز کراچی 1979ء
- ☆ علی چراغ مولوی اے کریٹیکل ایکسپوزیشن آف پاپولر جہاد کلکتہ 1885ء
- ☆ علی اقبال سردار شاہ افغانستان اینڈ افغانز دوبارہ اشاعت گوشہ ادب کوئٹہ 1978ء
- ☆ علی نائق میر ٹریجڈی آف حیدر آباد کراچی 1962ء
- ☆ علی مہر شاہ پیر سید سیف چشتیانی راویل پنڈی 1976ء
- ☆ علی حائری علامہ مسیح موعود گیلانی پریس لاهور 1926ء
- ☆ علی شمشیر راد برطانوی مجسمہ انٹرنیشنل اسلامک مشن یو کے 1971ء
- ☆ علی طارق پاکستان ملٹری رول آرچائیوز پاور لندن 1970ء
- ☆ انتونیس جارج دی عرب اوپیننگ لندن 1961ء
- ☆ انوار محمد شاہ سید کشمیری علامہ خاتم النبیین ایم ٹی کے ٹی ملتان

- ☆ عقیدت الاسلام کراچی
- ☆ انوار سید پاکستان اسلام اینڈ پالیٹکس اینڈ نیشنل سولیزیریٹی لاہور 1984ء
- ☆ علی مظہر اظہر مولانا، مسٹر جناح اور تحریک مسجد شہید جنگ لاہور 1945ء
- ☆ ہمارے فرقہ وارانہ مسئلے کا استدراراج، مکتبہ احرار لاہور 1946ء
- ☆ سہتیا رتھ پرکاش اور مرزا غلام احمد لاہور
- ☆ اصغر محمد خان دی پاکستان ایکسپریس سٹیٹ اینڈ ریلیجن، وین گارڈ لاہور 1985ء
- ☆ اصغر خان، ایئر مارشل ریٹائرڈ دی فرسٹ راؤنڈ لندن 1975ء
- ☆ آرا جہان شاہ نواز فاؤر اینڈ ڈائری لاہور 1971ء
- ☆ ارسطو کیا حضرت مسیح کی قبر سرینگر میں ہے بخاری اکیڈمی لاہور 1975ء
- ☆ آرمسٹرانگ ایچ سی گرے وولف دوبارہ اشاعت گوشہ ادب کوئٹہ 1978ء
- ☆ اشرف آغا و سہلی اشیاء کی سیاحت کراچی 1960ء
- ☆ عزیز کے کے دی انڈین مسلم کانفرنس (1935ء تا 1988ء) کراچی 1972ء
- ☆ ایوب محمد علامہ دی فائیلیٹی آف پرائیویٹ، مکتبہ رازی، کراچی
- ☆ عارف کے (مدیر) پاکستان فارن پالیسی (انڈین پرسپیکٹو) لاہور 1984ء
- ☆ عطاء اشرف، کچھ شکستہ داستانیں کچھ پریشان تذکرے لاہور 1966ء
- ☆ عتیق اللہ شاہ، مفتی اعظم پونچھ آزاد کشمیر میں مرزائیوں کے ہتھ کڈے، سپلیمنٹ
- ☆ صادق، آزاد کشمیر 5 جنوری 1951ء
- ☆ عسکری حسن رضوی دی ملٹری اینڈ پالیٹکس ان پاکستان کراچی 1976ء
- ☆ اعوان ظفر، آزاد کشمیر کا بحران راولپنڈی 1973ء
- ☆ بلوگن اسماعیل، اے بی ڈاکٹر، اسلام و رسوا احمدیہ ان تائیجریا لاہور
- ☆ بیگ عزیز، جناح اینڈ جرنلزم اسلام آباد 1986ء
- ☆ بھگوان جوش، کمیونسٹ موومنٹ ان پنجاب (1926-47ء) بک ٹریڈرز لاہور

- ☆ ہانسڈر لیونارڈ، ریچن اینڈ پالیٹکس ان پاکستان یو ایس اے 1963ء
- ☆ کارلڈ کیچہ، پاکستان، اے پولیٹیکل سٹڈی، لندن 1957ء
- ☆ بھالال، این ڈیلیو ایف پی ایڈمنسٹریشن انڈر برٹش رول (1901-1919ء)
- ☆ اسلام آباد 1978ء
- ☆ عبدالمہبا، دی ایپی سوڈ آف باب
- ☆ بہادر کلیم، دی جماعت اسلامی پاکستان، لاہور 1983ء
- ☆ بہادر لعل، دی مسلم لیگ بک ٹریڈرز، لاہور 1979ء
- ☆ بہوانو وٹسٹ سوی نندجی، کلیات سنیا سی (رائنگلو آف سوامی شارڈانند دہلی، 1928ء)
- ☆ بلیلی جان، گاڈز ایور گر آر انگیکنڈز پریڈیڈنٹ ڈیوٹی ان انڈیا ودھ اے گلانس
- ☆ ایسٹ دی فیوچر، لندن 1857ء
- ☆ بزاز پریم ناتھ، اے ہسٹری آف سترگل فار فریڈم ان کشمیر، اسلام آباد 1976ء
- (دوبارہ اشاعت)
- ☆ برق ڈاکٹر غلام جیلانی، حرف محرمات لاہور
- ☆ برڈورڈلارڈ، کاتیننٹ ڈیپاسیڈز، لندن 1953ء، ٹوینٹنر اینڈ کشمیر، لندن
- ☆ براؤن نارمن، ڈیلیوڈی یو ایس اینڈ انڈیا اینڈ پاکستان ہارورڈ یونیورسٹی پریس یو
- ☆ ایس اے 1963ء مین سپرنگز آف انڈیا اینڈ پاکستان فارن پالیسیز، آکسفورڈ
- ☆ یونیورسٹی پریس 1975ء
- ☆ کرے جی اینڈ ایچ ایس سکاٹ این آؤٹ لائن ہسٹری آف گریٹ وائرلندن 1929ء
- ☆ کیرو اولف، دی پٹھانز، لندن 1958ء
- ☆ کیروی ویلنگٹن، انڈین ان ریسٹ، لندن 1910ء
- ☆ کوپر فریڈرک، ہنری دی کرائس ان دی پنجاب فراہم دی ٹیٹھ مٹی، اعلیٰ دی
- ☆ فال آف دہلی، لندن 1858ء

- ☆ کاشن ایچ جے ایس نیواٹھیا لندن 1886ء
- ☆ ڈبھی ولیم، کانڈیمنڈان ہرڈ لندن 1890ء
- ☆ دونوف مشیلا ایم سی، محمد علی جناح، یو ایس اے 1970ء
- ☆ آئی وٹنس این دی کرو سفیکیشن (اے لیٹرٹن سیون ایگز آفٹری دی کرو سفیکیشن
بائی اے پرسنل فرینڈ آف جیس ان یروٹلم ٹو این اے سین برادران الیگزینڈریا،
سکیمینٹل ہارمونک سیریز، جلد دوم، سیکنڈ ایڈیشن، انڈیا امریکن بک کمپنی، شکاگو، یو
ایس اے 1907ء، دی پروڈیوسر باوی نفیس پرنٹرز لاہور 1977ء
- ☆ فرح خہار جے این، ماڈرن ریلیجس موومنٹس ان انڈیا
- ☆ فرزند توحید، حکومت مغربی پاکستان کے پانچ سوال اور ان کا جواب، کراچی 1967ء
- ☆ فیلڈ مین ہربرٹ، دی اینڈ اینڈ دی بگنگ لندن 1973ء
- ☆ ریولوشن ان پاکستان، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1967ء
- ☆ فشر ہنری، احمدیہ اے سٹڈی ان کانٹمپوریری اسلام آن دی ویسٹ افریقہ کوسو
آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1963ء
- ☆ گینکو ویکلی وائے یو اینڈ پولن سکیر
- ☆ اے ہسٹری آف پاکستان 1948-58ء لاہور
- ☆ گردیزی حسن اور جمیل راشد (مدیر) پاکستان دی ان سٹیبل سٹیٹ لاہور 1983ء
- ☆ گارڈنر برین، دی ایسٹ انڈیا کمپنی لندن 1971ء
- ☆ گیرٹ رچرڈ، جنرل گورڈن لندن 1974ء
- ☆ گلکینان مائیکل، ریلکٹنا ننگ اسلام لندن
- ☆ گولڈ، آرائف ہسٹری آف فری میسر، لندن
- ☆ گریزی سولومن، اے ہسٹری آف دی جیوز، فیلاڈلفیا، یو ایس اے 1969ء
- ☆ گرفن لیپل سر اور میس سی ایس، دی پنجاب چیفس، دو جلد، لاہور 1890ء

- ☆ جی ڈبلیو چوہدری، انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش اینڈ میجر پارورز، لندن (دی لاسٹ ڈیز آف یونائیٹڈ پاکستان، لندن 1974ء)
- ☆ حبیب محمد سید، مدیر سیاست، لاہور، تحریک قادیان (آرٹیکلز پبلشوان سیاست لاہور، اپریل تا اگست 1933ء) لاہور، 1933ء
- ☆ حداوی سمیع، بٹر ہار ویسٹ، پبلیکیشن بینوین 1914-79، یو ایس اے 1979ء
- ☆ بیک اے اگمن، دی جرنلز، میجر جنرل سی جی گارڈن، لندن 1885ء
- ☆ حمید عبدل، ہسٹری آف مسلم سپر نزم (1858-1947ء) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1967ء
- ☆ حمید کے اے غازی، صطفیٰ کمال، لاہور 1939ء
- ☆ حق افضل، چوہدری، تاریخ احرار، مجلس احرار اسلام، ملتان 1968ء
- ☆ ختم نبوت، اے کی ٹو ہیومن پریس اینڈ یونی، ایم ٹی کے این، 1973ء
- ☆ عبدالحق مولانا شیخ الحدیث، قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ، اکوڑہ خٹک 1978ء
- ☆ حق انعام اللہ، ڈاکٹر پاکستان موومنٹ ان بلوچستان، اسلام آباد
- ☆ ہارڈی، پی، دی مسلمز آف برٹش انڈیا، کیمبرج یونیورسٹی پریس 1972ء
- ☆ حسن مسعود ال، پروفیسر، لائف آف اقبال، جلد اول اور دوم، لاہور 1978ء
- ☆ حسن سرور کے، پاکستان اینڈ دی یو این، این، والی، 1960ء
- ☆ حسن شاہ پیرزادہ، تاریخ حسن، کوہ نور پریس سری نگر 1965ء
- ☆ حشمت اللہ لکھنوی، مولوی، تاریخ جموں، لاہور 1960ء
- ☆ حسن معصومہ (مدیر)، پاکستان ان دی چیمکنگ ورلڈ کراچی 1978ء
- ☆ ہٹی پی کے ہسٹری آف سیریا
- ☆ ہولٹ پی ایم، دی مہدسٹ سٹیٹ ان سوڈان (1881-1889ء) آکسفورڈ، 1958ء

- ☆ ہوڈسن ایچ وی، دی گریٹ ڈیوائیڈ لندن 1969ء
- ☆ ہنرڈ بلیوڈ بلیوسر دی انڈین مسلمانز، کلکتہ 1945ء (دوبارہ اشاعت)
- ☆ حسین عاشق بٹالوی، اقبال کے آخری دو سال، اقبال اکیڈمی لاہور 1978ء
- ☆ ہماری قومی جدوجہد (جنوری 1940 تا دسمبر 1942ء) لاہور 1973ء
- ☆ (تیسری اشاعت)
- ☆ حسین عظیم، فضل حسین، بمبئی 1946ء
- ☆ حسین محمد بٹالوی، مولانا، ٹریٹائز آن جہاد و کٹوریہ پریس لاہور 1887ء
- ☆ حسین دلدار، حکیم نقوی، شمع ہدایت، راولپنڈی 1965ء
- ☆ حسین مظہر حکیم قریشی، چودھویں صدی کا مسیح، امرتسر 1902ء
- ☆ حسین اشتیاق قریشی، ڈاکٹر علماء ان پالیٹکس کراچی 1974ء (دوسری اشاعت)
- ☆ دی سٹرگل فار پاکستان، کراچی 1965ء
- ☆ حسین نذیر چوہدری (مدیر) چیف جسٹس محمد منیر لاہور 1973ء
- ☆ حسین ریاض، دی پالیٹکس آف اقبال لاہور 1977ء
- ☆ حسین شبیر سید، دی لیٹھنگ شیڈوز راولپنڈی 1968ء
- ☆ دی ڈیٹھ ڈانس اسلام آباد 1980ء
- ☆ ادریس محمد قندھالوی، مولانا مسئلہ ختم نبوت ایم ٹی کے این ملتان
- ☆ اقبال محمد، ڈاکٹر دی ری کنسٹرکشن آف ریپبلکس تھاٹ ان اسلام لاہور 1944ء
- ☆ الہی احسان ظہیر، مولانا، مرزائیت اور اسلام لاہور 1972ء
- ☆ قادیانیت لاہور 1982ء (بیسویں اشاعت 1983ء)
- ☆ الیاس محمد برنی، پروفیسر قادیانی مذہب لاہور 1968ء
- ☆ قادیانی قول اور فعل لاہور 1968ء
- ☆ انعام اللہ خان، مولانا، کمال اتاترک لاہور

- ☆ اکرام ایس ایم ماڈرن مسلم انڈیا اینڈ دی برتھ آف پاکستان لاہور 1977ء
- ☆ آب کوثر لاہور 1952ء
- ☆ موج کوثر کراچی 1958ء
- ☆ رود کوثر کراچی
- ☆ اسلامک مشن سنت نگر لاہور
- ☆ حقیقت قادیانیت
- ☆ ڈائی منسٹر آف قادیانزم
- ☆ حسین حلمی
- ☆ اکوانو پوری کاشس ز ایونز ماسکو
- ☆ عنایت اللہ حشتی مشاہدات قادیان ملتان 1987ء
- ☆ اندر سنگھ راج سردار ضبط قادیانی کا علاج جواب سنت پچن گرو گوہند سنگھ پرلین
- ☆ امرتسر 1897ء
- ☆ اسماعیل مرزا سرنائی پبلک لائف
- ☆ جعفر محمد ملک احمد تھریکھ ہندھ ساگر اکیڈمی لاہور 1966ء
- ☆ جعفر محمد منشی تھانیری تاسید آسانی برائے مسلمان آسانی برائے ہند پرلین امرتسر 1898ء
- ☆ جمیلہ مریم ہواز مودود لاہور 1973ء
- ☆ جاوید شاہد برکی سٹیٹ اینڈ سوسائٹی ان پاکستان لندن 1980ء
- ☆ جولیس رچ اسے ہسٹری آف مشنر ان انڈیا نیویارک 1980ء
- ☆ جوسن الان کیمبل مشن وودھ ماؤنٹ بیٹین لندن 1953ء
- ☆ کارندیکا رایماے ڈاکٹر اسلام ان انڈیا ز ٹرانزیشن ٹو ماڈرنٹی
- ☆ کرم محمد شاہ جیرفتہ انکار ختم نبوت لاہور 1984ء
- ☆ کوشک دیوندرا سنٹرل ایشیا ان ماڈرن ٹائمز ماسکو 1970ء

- ☆ کیدوری ایللی افغانستان اینڈ عبدہ یو ایس اے 1966ء
- ☆ دیکر جیمز سی پولیٹیکل ٹریڈز ان انڈیا سپرنٹنڈنٹ آف گورنمنٹ پرنٹنگ کلکتہ 1917ء
- ☆ خلیق الزماں چوہدری پاتھو سے نو پاکستان لاہور 1961ء
- ☆ خان اکبر مجبر جنرل (ریٹائرڈ) ریڈرز ان کشمیر کراچی 1970ء
- ☆ خٹن حسن ایم مقدس کفن ربوہ 1978ء
- ☆ کنڈر کا زبرٹس کلونیل عقیدہ (1850-1570ء) لندن 1965ء
- ☆ کنگ نوبل، کیو کرچین اینڈ مسلم ان افریقہ لندن 1970ء
- ☆ ٹاکلی پی لیچ ڈی بیج بروکس فلمی دی سپائی ہوئی سٹریٹ اے جزیئن لندن 1980ء
- ☆ کارنیل جوزف ڈیخبر ان کشمیر نیشن یو ایس اے 1966ء
- ☆ لعل جواہر پنڈت، سلیکٹڈ ورکس جلد ششم اور ہفتم لندن 1975ء
- ☆ اے بیخ آف اولڈ لیٹرز رٹن موٹلی ٹو جے ایل نہر و لندن 1958ء
- ☆ لیمنٹن ایسے این کے ایس اور ہولٹ پی ایم (مدیر) دی کیمبرج ہسٹری آف اسلام جلد 1 تا 3 لندن 1970ء
- ☆ لنڈا او جیکب ایم ای عرب ان اسرائیل اے پولیٹیکل سٹڈی لندن 1964ء
- ☆ لطیف ایس ایم ہسٹری آف دی پنجاب لاہور 1891ء (دوبارہ اشاعت)
- ☆ لطیف خالد گابا فرینڈز اینڈ فوز پیپلز پبلیشنگ ہاؤس لاہور
- ☆ لیوان سپینسر دی احمدیہ موومنٹ نیو دہلی 1974ء
- ☆ لکھن پال پی ایچ ایل ڈاکومنٹس اینڈ نوٹس آن کشمیر ڈسپوٹس دہلی 1961ء
- ☆ لاگ ڈیوڈ مارشل ڈاکٹر دی وزڈم آف بلا سور اے کرچین لچنڈ آف دی بدھا نیویارک 1957ء
- ☆ لپری ڈومیک اڈو کولنز لیری ماؤنٹ بیٹن اینڈ دی پارٹیشن آف انڈیا جلد اول-22 مارچ تا 15 اگست 1947ء پیپلز پبلیشنگ ہاؤس سری لنکا 1982ء

ادریو شلم

فریڈم آئیٹ مڈ نائٹ سٹری لکا 1982ء

☆ لارنس ٹی ڈبلیو (آف عربیہ) سیون پلرز آف وزڈم لندن 1973ء

☆ لیکن لیگ، مینٹ، ہولی ہلڈ، ہولی گرل، نیویارک یو ایس اے 1982ء

☆ میکڈولڈ کے ایس دی سٹوری آف ہد لام اینڈ جولفت، تھیکر سپنک، کلکتہ 1895ء

☆ مرتضیٰ شاہد، مطاہری، ختم نبوت، اسلام آباد 1979ء

☆ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

☆ القادریان والقادیانیہ (عربک)

☆ قادیانزم این ایٹاٹیکل ویو

☆ قادیانی مذہب اور سیاست 1970ء (اے میمورنڈم فار میمرز آف نیشنل اسمبلی

☆ آف پاکستان 1969ء

☆ آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد پر مرزائیوں کے گمراہ کن پروپیگنڈے کا مسک

☆ جواب 1973ء

☆ مولانا اسلم قریشی کیس 1982ء

☆ مین کیکر ڈی آر ایکسیشن ٹو ایکسیشن وقاص پبلشنگ ہاؤس دہلی 1974ء

☆ مینز فیلڈ پیئرز دی عزیز

☆ مارٹن اے فرینک انڈروی ایلوٹ آمر لندن 1907ء

☆ مارشل وڈلر اور سٹریٹ ڈی کیونزم ان انڈیا، بمبئی 1960ء

☆ ماتھروائی بی، گروتھ آف مسلم پالیٹکس ان انڈیا، لاہور

☆ محمد اراسی ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ، بک ٹریڈرز لاہور

☆ ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ، بک ٹریڈرز لاہور 1979ء

☆ جے ایل ایس دی ایلولوشن آف انڈر مسلم تھاٹ آخر 1857ء لاہور 1970ء

- ☆ مصباح الدین خاتم النبیینؐ راو پلنڈی 1976ء (تیسری اشاعت)
- ☆ موبہن لعل ٹریولز ان دی پنجاب اینڈ افغانستان اینڈ ترکستان ٹو بلخ، بخارا اینڈ ہیرات اینڈ اے وزٹ ٹو گرینٹ برٹین، جرمنی، پہلی اشاعت 1846ء دوبارہ اشاعت البیرونی لاہور 1979ء
- ☆ لائف آف امیر دوست محمد خان آف کابل، جلد اول تا دوم، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1978ء
- ☆ مولن پیڈریل (مدیر) وادیل اسی وائس براؤز جرنل آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1974ء
- ☆ ڈیو اینڈ اینڈ کوٹ لندن 1961ء
- ☆ موزلے ایل دی لاسٹ ڈیز آف برٹس راج لندن 1962ء
- ☆ موتمرا المصنفین، اکوڑہ خشک، قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف (انگریزی ترجمہ قادیانزم آن ٹرائل محمدولی رازی)
- ☆ مدرہ ابو قادیان سے اسرائیل تک لاہور 1979ء
- ☆ مجیب ایم دی انڈین مسلمز لندن 1967ء
- ☆ منیر احمد منیر سیاسی اتار چڑھاؤ، آتش فشاں، ہبلیشرز لاہور 1985ء
- ☆ منیر محمد، جیش، فراہم جناح، نوصیاء لاہور 1980ء
- ☆ منیر محمد، القادر، القادیانیہ و عشق
- ☆ محمد رفیق دلاوری، رئیس قادیان، ایم ٹی کے این ملتان 1977ء
- ☆ محمد شاہ سعادت، تحقیق یوز آصف، سری نگر۔
- ☆ محمدولی رازی، قادیان آن ٹرائل، کراچی
- ☆ محمد اعظم خواجہ، تاریخ اعظمی، لاہور
- ☆ محمد حمزہ فاروقی، سفر نامہ اقبال، کراچی
- ☆ موسیٰ محمد جزل (ریٹائرڈ) مائی ورلڈ انڈیا پاکستان وار 1965ء لاہور

- ☆ مقیم فضل خان پاکستان کرائس ان لیڈر شپ
- ☆ ملک حفیظ، مسلم پبلشرز ان انڈیا اینڈ پاکستان، پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور 1980ء
- ☆ ناصر کے ایل ریو، حقیقت مرزا، گوجرانوالہ 1963ء
- ☆ نبی غلام جاننا مرزا، کاروان احرار جلد اول، تاشقند لاہور
- ☆ نیشلس ڈاکو، نیشلس سنٹر لاہور پارتیشن آف دی پنجاب جلد اول تاسوئم لاہور 1984ء
- ☆ نیویل الیس رچرڈ، ڈی پالیٹکس آف افغانستان لندن 1972ء
- ☆ نجاڑی، این پنجاب انڈر دی برٹش رول (1849-1947ء) بک ٹریڈرز لاہور
- ☆ نوکوونخ این وی انکو مو ہے
- ☆ جیس کرائسٹ، پیرس 1894ء
- ☆ اوڈائیر مائیکل، سرانڈیا ایڈ آئی نواٹ لندن 1925ء
- ☆ اوٹربائی، پردی چرچ ان اسرائیل، سٹوڈیا مشینیا ایبایسیا 15-1970
- ☆ پاکستان پبلی کیشن اسلام آباد، قادیانیز تھریٹ ٹو اسلامک سولڈیریٹی 1984ء
- ☆ فلیس سی ایچ اور میری ڈی وین رائٹ دی پارتیشن آف انڈیا، پالیسیز اینڈ پریسیکٹو
- ☆ لندن 1970ء
- ☆ پورٹ رابرٹ، اے آر پادمانڈ پر یوچ، یونیورسٹی آف کیلی فورنیا یو ایس اے 1975ء
- ☆ پارکیز، جے ڈبلیو، ہسٹری آف سیلطانین فرام AD-135 ٹوماڈرن ٹائمز لندن 1949ء
- ☆ فونٹکس، ہز ہوئی نیس، لاہور 1935ء (دوبارہ اشاعت 1958ء)
- ☆ پولڈا، لیون بی، ری فارم اینڈ دی ہیلین ان افغانستان (1919-1929ء)
- ☆ کارنیل یونیورسٹی پریس یو ایس اے 1973ء
- ☆ قادری منیرال، القادیانیہ دمشق
- ☆ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر تصانیف اقبال، اقبال اکیڈمی، لاہور 1982ء
- ☆ ریہ اشوکا، انسائیڈ واڈی ستوری آف انڈین سیکرٹ سروس، دہلی

- ☆ رفیق محمد لاہوری، رئیس قادیان، اتحاد پریس لاہور، 1938ء
- ☆ آئمر تلپیس، گیلانی الیکٹرک پریس لاہور، 1937ء
- ☆ راہور ام دی پالیکس آف سینٹرل ایشیا لندن، 1974ء
- ☆ رام لیکھ پشاور، الطال بشارت احمدیہ چاندھر، 1888ء
- ☆ ریسی ایم دی بہائی موومنٹ
- ☆ رضا احمد خان بریلوی، قادیانی مرتد پر خدائی تارا، لاہور، 1984ء
- ☆ رچرڈ سائمنڈز دی میکنگ آف پاکستان، لندن، 1950ء
- ☆ رونق جہان پاکستان، فلیئر آف نیشنل انیگریشن نیویارک، 1972ء
- ☆ روتھ ویل، وی، آر، برٹش واراہیز اینڈ پیس ڈپلومیسی، لندن، 1971ء
- ☆ سعید فاؤدی، ڈاکٹر انقرہ الافریقہ بین الکالیف الاستعمار والحبہ التحریری، جلد 4 کرامتہ مطلوبہ
- ☆ سالک صدیق، ونس تو سرنڈر آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1978ء
- ☆ صراف یوسف ایم، کشمیریز فائٹ فار فریڈم جلد اول اور دوئم، لاہور، 1977ء
- ☆ سید خالد بی پالیکس ان پاکستان یو ایس اے، 1980ء
- ☆ سنیر ایچ ڈبلیو جے سینئر آردی انگلش اسر ایلیکس، لکھنؤ، 1883ء
- ☆ سیل انیل، دی ایمر جنسی آف انڈین نیشنلزم، کیمبرج یونیورسٹی پریس، 1971ء
- ☆ شفیع محمد، جوش میر پوری، قادیانی امت، مجلس اخوت اسلامیہ پاکستان، لاہور، 1973ء
- ☆ شفیع حسین مرزا، کشمیری مسلمان کی سیاسی جدوجہد، منتخب، دستاویزات
- ☆ (1931-39ء) اسلام آباد
- ☆ شریف الدین پیرزادہ، سید فاؤنڈیشنز آف پاکستان، آل انڈیا مسلم لیگ
- ☆ ڈاکو میٹکس، 1906 تا 1947ء جلد اول، دوئم، کراچی، 1970ء
- ☆ شبیکہ ایم، برٹش پالیسی ان دی سوڈان، لندن، 1952ء

- ☆ شیریں طاہر خٹلی: دینی یو ایس اینڈ پاکستان نیویارک 1982ء
- ☆ سمپس کالین اینڈ ٹاکلی فلپ دی سیکرٹ لائیو آف لارنس آف عربیہ لندن 1971ء
- ☆ سنگھل امودار پی پاکستان لندن
- ☆ سنگھ بھگوان: پولیٹیکل کنسپیرسیز آف کشمیر لکھنؤ 1973ء
- ☆ سکرائن ایف ایچ لائف آف ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر لندن 1901ء
- ☆ سمٹھ ولفریڈ کیٹویل: اسلام ان ماڈرن ہسٹری لندن 1946ء
- ☆ سپیٹ اواج ایچ کے اینڈ یا اینڈ پاکستان لندن 1954ء
- ☆ پنسر لیوس ڈاکٹر: دی مسٹیکل لائف آف جیس امریکن رویکشن سیریز سپریم
- ☆ گرینڈ لاج: کیلیفورنیا یو ایس اے 1957ء بارہویں اشاعت دی سیکرٹ
- ☆ ڈوکرٹیز آف جیس سپریم گرینڈ لاج آف ایسور: کیلی فورنیا یو ایس اے
- ☆ 1954ء (چھٹا ایڈیشن)
- ☆ ماڈرن جومنت ایمنگ مسلمز
- ☆ پنیر پر سیوال: دی آکسفورڈ ہسٹری آف ماڈرن انڈیا 1978ء
- ☆ سٹیونز: جے سی میلٹا: ان پروفیسی: کیلیفورنیا یو ایس اے 1944ء
- ☆ سوارپ سنگھ: سادھو دی سکھس ڈیماٹو ویز ہوم لینڈ لاہور 1946ء
- ☆ سائیکس کرسٹوفر: کراس روڈ ٹو اسرائیل لندن 1967ء
- ☆ سٹریچی لائٹن: ایسیٹ وکٹریز لندن 1974ء
- ☆ تاج الدین ماسٹر انصاری: تحریر کشمیر اور انصاریا ایم ٹی کے این ملتان
- ☆ تاج محمود: مولانا قادیان کے عقائد و عزائم فیصل آباد 1982ء
- ☆ تاثیر سلیمان: بھٹو اے پولیٹیکل بائیوگرافی لندن 1979ء
- ☆ نرائن جان: دی لائف اینڈ ٹائمز آف لارڈ ماؤنٹ بیٹن لندن
- ☆ دی آغا خان: ایچ ایچ میمارز لندن 1954ء

- ☆ فنکر بگ، انڈیا اینڈ پاکستان، پولیٹیکل انیلسیز، لاہور 1965ء
- ☆ ٹینس مرے سبج اسلام ان انڈیا اینڈ پاکستان کلکتہ 1930ء
- ☆ ری رچس کونٹ آف انڈین اسلام، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1930ء
- ☆ ٹوسی ایم ایس دی مسلم لیگ اینڈ دی پاکستان موومنٹ، کراچی 1978ء
- ☆ ٹریو اسکیز کینیڈی بگ، دی پنجاب ٹوڈے، جلد اول اور دوم، لاہور 1931ء
- ☆ وین گارڈ بک لمیٹڈ لاہور نوی بنگلہ دیش پیپرز لاہور 1976ء
- ☆ واوڈ الیس محمد قادیانی موومنٹ اے کریٹیکل سٹڈی، ایم ٹی کے این پاکستان 1979ء
- ☆ والٹر ایچ اے دی احمدیہ موومنٹ، کلکتہ 1918ء
- ☆ وانز فلپ، آشر لیک، وی لوئی سو لجر، لندن 1981ء
- ☆ ولیم ہالیں جی ماڈرن منو مشنس ایسنگ مسلمان نیویارک 1916ء
- ☆ ونکیٹ رونالڈ سر لارڈ ازے لندن 1970ء
- ☆ وولف جوزف، اے مشن ٹو بخارا، لندن 1969ء
- ☆ وحید اے کیپٹن شیخ دی فردوز لاہور 1955ء
- ☆ وا کروالٹر جنرل، سر فارمر کمانڈر ان چیف نیو، دی نیکسٹ ڈومین، لندن 1980ء
- ☆ وڈورڈ ایل لیولائن سرگریٹ برین اینڈ دی وار آف (1914ء تا 1918ء)
- ☆ لندن 1967ء
- ☆ وانلڈ رونالڈ، امان اللہ، ایکس کنگ آف افغانستان نساء ٹریڈرز کونسل (دوبارہ اشاعت) 1978ء
- ☆ مولبرٹ سٹنلی، اے نیو، ہسٹری آف انڈیا، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1982ء
- ☆ یار احمد، میر، انسائیڈ بلوچستان، کراچی 1975ء
- ☆ ویلفیو ڈی ورلڈ وار ٹویجڈ ایشیا زسٹرگل فار انڈینڈس، دہلی 1975ء
- ☆ یوسف محمد، لدھیانوی، قادیان کو دعوت اسلام مرزائی، اور تعمیر مسجد

المہدی والہ

- ☆ قادیان کی طرف سے کلمہ طیبہ کی توہین کراچی 1984ء
- (انگریزی ترجمہ قادیانی ڈیپٹس دی کلمہ اقبال حسین انصاری ایم ٹی کے این پاکستان 1985ء)
- ☆ یوسف محمد بنوری، ربوہ سے تل ابیب تک کراچی 1976ء
- ☆ ظفر عتیق، قائد اعظم اینڈ سی مسلم ورلڈ کراچی 1978ء
- ☆ ظہور الحسن قاضی، ناظم سیواہروی، مگرستان، کشمیر سری نگر 1941ء
- ☆ ظفر یوسف، یہودیت، لاہور 1982ء
- ☆ زف، دلیم بی دی ریپ آف میلٹائن لندن 1948ء
- ☆ زرنگ لارنس، پاکستان دی لیگنما آف پولیٹیکل ڈیولپمنٹ یو کے 1980ء

II حوالہ جات

- ☆ امریکن ڈکشنری آف بائیوگرافی، بانی جانس اینڈ ڈومازنیو یارک 1959ء
- ☆ ویسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری یو ایس اے انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا
- ☆ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، جلد اول، لندن
- ☆ انسائیکلو پیڈیا آف ریپنٹز اینڈ آٹھکس
- ☆ جیوش انسائیکلو پیڈیا کے ٹی وی پبلشنگ ہاؤس یو ایس اے
- ☆ ٹرانسفر آف پاور ڈاکومنٹس جلد (اول تا ہفتم) لندن

III انڈیا آفس لائبریری لندن

- ☆ گورنمنٹ آف انڈیا، ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیدنگز نمبر 24 آف 1901ء
- ☆ گورنمنٹ آف انڈیا، ہوم ڈیپارٹمنٹ نمبر 2606 مورخہ 31 دسمبر 1898ء
- ☆ گورنمنٹ آف وی پنجاب، ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیدنگز جزوی تاجولائی 1984ء

- ☆ گورنمنٹ آف دی پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیدنگز نمبر 189 تا 96 فائل نمبر 107 پیمبر زریلنگ ٹو دی پریزیوشن آف عبدل حمید۔
- ☆ گورنمنٹ آف دی پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیدنگز نمبر 13 تا 26 فائل نمبر 135 جون 1898ء
- ☆ گورنمنٹ آف دی پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیدنگز نمبر 174 تا 182 فائل نمبر 1135 اکتوبر 1898ء ممبریل آف غلام احمد مرزا آف قادیان ان کوئیکشن وده ریچس کنٹرولر سیز
- ☆ گورنمنٹ آف دی پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیدنگز فائل نمبر 29 مئی 1898ء کمپلیٹ آف دی فالوورز آف مرزا غلام احمد قادیانی اگنسٹ ایڈیٹر آف دی جعفر زلی۔
- ☆ گورنمنٹ آف دی پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیدنگز مارچ 1892ء
- ☆ گورنمنٹ آف دی پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیدنگز فائل نمبر 175 مارچ 1903ء
- ☆ آفیشی ایننگ چیف سیکرٹری نو گورنمنٹ آف دی پنجاب (ڈبلیو آراچی مرک) نو دی سیکرٹری نو دی گورنمنٹ آف انڈیا فارن ڈیپارٹمنٹ نمبر 169 مورخہ لاہور 9 مارچ 1900ء
- ☆ ٹیلی گرام (مرزا غلام احمد رئیس آف قادیان بالہ) مارچ 24 1900ء نو ہزار نو دی لیٹیننٹ گورنر آف دی پنجاب۔
- ☆ الائن ٹو ہیملٹن 20 نومبر 1895ء ہیملٹن پیمبرز (کوئڈ بائی پی ہارڈی) دی مسلم آف برٹش انڈیا)
- ☆ میڈل ٹو الائن جولائی 16 1897ء اینڈ اگست 22 1897ء میکڈونل پیمبرز بولڈیان لاجبیری (کوئڈ بائی پی ہارڈی) ایضا
- ☆ ہاؤس آف کامنز پارلیمنٹری ڈبیتس جلد 262 سی ٹو اٹن آفیشل ریکارڈ

- ☆ آر/1/29/779/21-8-1938) (منش مورخہ 23 فروری 1932) کوئٹہ بانی لیوان پسران احمدیہ مودمنت
- ☆ انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/779 (21 اگست 1931ء) بحوالہ ایل ایس)
- ☆ انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/1034 (8 جون 1933ء) ایل ایس
- ☆ انڈین آفیشل ریکارڈ R/1/124/870 (16 فروری 1932ء) ایل ایس)
- ☆ انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/1031 (10 اگست 1933ء) ایل ایس
- ☆ انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/1004 (یکم جولائی 1933ء) ایل ایس
- ☆ انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/1151 (مئی 1934ء) ایل ایس
- ☆ انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/929 (جولائی 1932ء) ایل ایس
- ☆ گورنمنٹ آف انڈیا فارن پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ فائل نمبر 204 پی (سیکٹ)
- ☆ اینڈ فائل نمبر 150 ایل ایس
- ☆ گورنمنٹ آف انڈیا فارن اینڈ پولیٹیکل 427 پی (سیکٹ)
- ☆ گورنمنٹ آف انڈیا فارن اینڈ پولیٹیکل فائل نمبر 91-1 ایکٹیویز آف ایس
- ☆ ایم عبداللہ قلعہ دلیان
- ☆ کونفیڈینشل رپورٹ چویشن ان پنجاب فاروی فرسٹ رپورٹ آف دی پینل
- ☆ آف اکاؤنٹس آف دی فورٹھ فائیو لیٹرز پلان 1970ء تا 75 پلاننگ کمیشن
- ☆ مئی 1970ء گورنمنٹ آف پاکستان
- ☆ فرسٹ ایٹین اٹلاک کانفرنس 1978ء
- ☆ پیش رپورٹ آن پنڈی کانسیہر یسی کیس ویلکی پرمٹ راولپنڈی، کیم یاسات
- ☆ اپریل 1984ء

☆ پاکستان: ہیومن رائٹس آفٹر مارشل لاء آئی سی جے رپورٹ جنیوا اپریل 1987ء

V عدالتی فیصلے

- ☆ رولنگ آف دی پٹنہ ہائی کورٹ، دسمبر 1916ء حکیم خلیل احمد وزیر ملک اسرانی
- ☆ ورسز حکیم خلیل احمد پٹنہ ہائی کورٹ لاء جرنل (108) 1917ء (ایچ اے والٹر ایم اے دی احمدیہ موومنٹ ایسوسی ایٹڈ پریس کلکتہ 1918ء اپنڈکس ششم)
- ☆ سپریم کورٹ مارشلس روزہل مسجد کیس ہر شے سیدردی چیف جج 19 نومبر 1920ء
- ☆ مدراس ہائی کورٹ ڈیسمین فیصلے انڈین کیسز جلد 71 پی 65، 30 اگست 1922ء مسٹر جسٹس اولڈ فیلڈ اینڈ مسٹر جسٹس کرشنام نارائناکتھ ایولا، پی ایس پرکال مواینڈ اور انڈین لاء رپورٹس مدراس سیریز 1922ء جلد 55 صفحہ (986)

☆ ڈسٹرکٹ کورٹ بہاولپور، مسٹر محمد اکبر خان، ڈسٹرکٹ جج بہاولپور، مسز غلام عائشہ ورسز عبدالرزاق، 7 فروری 1935ء

☆ ڈسٹرکٹ کورٹ گورداسپور، مسٹر جی ڈی کھوسلہ، سیشن جج گورداسپور، (جمنٹ آن قادیانزم ان عطاء اللہ شاہ بخاری کیس ان اردو) مہبلہ بک ڈپو، امرتسر، آسوی پنجاب لاء رپورٹر 1935ء

☆ ڈسٹرکٹ کورٹ راولپنڈی، مسٹر شیخ محمد اکبر، ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج، 3 جون 1955ء راولپنڈی 1955ء، اتل الکرم ورسز لیفٹیننٹ نذیر الدین (مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان 1955ء)

☆ سول کورٹ لائل پور، چوہدری محمد علی سول جج لائل پور، 30 نومبر 1950ء

☆ ڈسٹرکٹ کورٹ لائل پور، شیخ عبدالمجید اصغر، ڈسٹرکٹ جج لائل پور، 5 مئی 1951ء مس نذیراں ورسز محمود احمد۔ پی ایل ڈی 1969ء، شورش ورسز پراونس

آف ویسٹ پاکستان

- ☆ سول کورٹ سندھ، مسٹر شیخ محمد رفیق گوریچہ، سول جج جیمو آباد سندھ، احتل الہادیٰ
ورسز نذیر احمد برک 1969ء (پرچند بانی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی اینڈ ابوشہزاد
بی اسے انجمن خادمان اسلام پاکستان 1970ء)
- ☆ ہائی کورٹ پی ایل ڈی 1978ء لاہور
- ☆ فیڈرل شریعت کورٹ ججمنٹ 1984ء
- ☆ سپریم کورٹ ساؤتھ افریقہ، پاکستان سپریم کورٹ کیسز جلد پنجم، حصہ سوئم، مارچ
1986ء (ججمنٹ ان اردو، جگیندر پریس سری نگر)
- ☆ سپریم کورٹ آف پاکستان آن اپیلز نمبر 24 اردو 25 ' 1987ء (اگیٹ
فیڈرل شریعت کورٹ ججمنٹ بانی قادیانی گروپ)
- ☆ حمیمہ مجاہدات اپیل برقیصلہ وفاقی شرع عدالت آرڈیننس XX آف 1984ء
قادیانی اپیل نو سپریم کورٹ 1984ء

VI اخبارات و رسائل (منتخب فائلز)

- ☆ احمدیہ
- ☆ الحکم قادیان
- ☆ البدر قادیان
- ☆ الفضل قادیان / لاہور ربوہ
- ☆ خالد ربوہ، ظفر اللہ نمبر دسمبر 1985ء، خلافت نمبر دسمبر 1964ء، مرزا ناصر نمبر 1982ء
- ☆ انصار اللہ ربوہ
- ☆ الفرقان ربوہ (السوشل نمبرز آن جہاد جون 1966ء، خلافت مئی 1967ء)
- ☆ التبلیغ ربوہ 1951-52ء
- ☆ المصلح کراچی 1954-55ء

- ☆ بدر قادیان
- ☆ ہفت روزہ فاروق قادیان
- ☆ ماہنامہ فرقان قادیان
- ☆ اسلامک ریویو ونگ لندن
- ☆ اسلامک ورلڈ جنوری 1923ء
- ☆ ہفت روزہ لاہور لاہور
- ☆ ہفت روزہ لائٹ لاہور
- ☆ مسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو لندن نومبر 1913ء
- ☆ ڈیلی پیغام صلح لاہور
- ☆ ریویو آف ریجنل قادیان / ربوہ (انگلش / اردو)
- ☆ سن رائز لاہور
- ☆ دی مسلم ہیرلڈ لندن
- ☆ تحریک جہاد ربوہ
- ☆ تشہید الا زبان ربوہ
- ☆ ہفت روزہ انمر لائل پور / فیصل آباد
- ☆ ہفت روزہ ایشیا لاہور
- ☆ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور
- ☆ پندرہ روزہ آتش فشاں لاہور
- ☆ چرچ آف انگلینڈ کوآرڈری ریویو لندن
- ☆ چرچ مشنری سوسائٹی لندن
- ☆ چرچ آف انگلینڈ میگزین لندن
- ☆ چرچ آف انگلینڈ ریویو لندن، چرچ مشنری انٹیلی جنس لندن

- ☆ چرچ مشینری انٹیلی جنس لندن
- ☆ چرچ مشینری ریکارڈ لندن
- ☆ ہفت روزہ چٹان لاہور
- ☆ ڈان کراچی
- ☆ ڈیفنس جرنل کراچی، جلد دہم، نمبر اول اور دوم 1984ء
- ☆ دی اکا نومسٹ لندن
- ☆ ماہنامہ فاران کراچی
- ☆ ماہنامہ امپیکٹ لندن
- ☆ ہفت روزہ ختم نبوت کراچی
- ☆ ہفت روزہ ہولاک لائل پور، فیصل آباد
- ☆ ہفت روزہ آؤٹ لک کراچی
- ☆ روزنامہ مغربی پاکستان لاہور
- ☆ روزنامہ پاکستان ٹائمز راولپنڈی لاہور
- ☆ ہفت روزہ بکیر کراچی
- ☆ ہفت روزہ میگ کراچی 22 تا 26 جولائی 1982ء اور 1985ء
- ☆ روزنامہ مسلم اسلام آباد
- ☆ ماہنامہ میج کراچی
- ☆ شیر ایسٹ اینڈ انڈیا لندن
- ☆ روزنامہ ندائے ملت لاہور
- ☆ روزنامہ ندائے حق راولپنڈی
- ☆ یک پاکستان ڈھاکہ جون 1968ء
- ☆ پنجاب ریویولاہور اپریل 1987ء

- ☆ ماہنامہ قومی ڈائجسٹ (قادیانیت نمبر 1984ء)
- ☆ سوشیولا جیکل ریویولنڈن مارچ 1968ء
- ☆ ماہنامہ ترجمان اہل حدیث لاہور
- ☆ ماہنامہ تائید اسلام، چھرہ لاہور
- ☆ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور
- ☆ روزنامہ زمیندار لاہور
- ☆ ہفت روزہ زندگی لاہور

منتخب مضامین

VII

- ☆ ایڈیٹن چیئر مانی احمدیہ موومنٹ اینڈ ایس ویسٹرن پروپیگنڈہ، ہارورڈ
تھئیٹریک ریویو، جلد 22، 1929ء
- ☆ اکبر خان میجر جنرل (ریٹائرڈ) پنڈی کانسپیریسی کیس، منتقلی حکایت لاہور، ستمبر 1972ء
- ☆ بش شینلی، ای، احمدیت ان پاکستان مسلم ورلڈ اپریل 1955ء
- ☆ چارلس ایس، برڈن، اسلام ان امریکہ، انٹرنیشنل ریویو آف مشنریا، مارچ 1959ء
- ☆ درانی ایف کے مغرب میں تبلیغ اسلام، ماہنامہ حقیقت اسلام لاہور، جنوری 1934ء
- ☆ فشر ہیمفری، دی کاسپیٹ آف ایولوشن ان احمدیہ تھٹ، مسلم ورلڈ جنوری 1920ء
- ☆ گرسولڈ ایچ ڈی، دی احمدیہ موومنٹ، مسلم ورلڈ اکتوبر 1912ء
- ☆ مرزا غلام احمد، دی مہدی اینڈ مسیح آف قادیان، انڈین ایونیو جیکل ریویو جنوری 1903ء
- ☆ آئن کوپلینڈ، پروفیسر موراش یونیورسٹی آسٹریلیا، اسلام اینڈ پولیٹیکل
موبلائزیشن ان کشمیر (1931-34ء) کیسٹیک افیئرز ستمبر 1981ء
- ☆ اعجاز حسین ڈاکٹر، ظفر اللہ، دی حج، مسلم اسلام آباد 6 ستمبر 1985ء
- ☆ جے رائل، روز پیری، سوئم، دی بیکنگ آف ہندو مسلم کانفلکٹ ان برٹش پنجاب

- ☆ جرنل آف ساؤتھ ایشین اینڈنڈل ایسٹرن سٹڈیز، جلد سوئم، فال 1979ء
- ☆ کرامراج، اسلام ان انڈیا ٹوڈے، مسلم ورلڈ 1931ء
- ☆ ایم سی نیل آرائف دی قرآن ریکارڈنگ ٹواجہ، مسلم ورلڈ اپریل 1916ء
- ☆ جسٹس دین محمد، علی جگہری آف ریڈ کلف پاکستان ڈائجسٹ مارچ، اپریل 1976ء
- ☆ نیز آئی آر احمدیز، پیپل ودہ گریٹ اینٹرپرائز نائٹمز آف انڈیا، بمبئی 5 اپریل 1953ء
- ☆ نہرو جواہر لعل دی مولیڈریٹی آف اسلام دی ماڈرن ریویو، کلکتہ نمبر 1935ء
- ☆ سائری، بختاور، ڈاکٹر احمدیہ موومنٹ اسلامک کلچر جلد 23، 1969ء
- ☆ سراج الدین آر، مرزا غلام احمد اے فالس مسیحا آف انڈیا، مشینری ریویو آف ورلڈ، اکتوبر 1907ء
- ☆ سمٹھ ولفریڈی احمدیہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد دوم لیڈن 1960ء
- ☆ والٹر اے ایچ دی احمدیہ موومنٹ ٹوڈے، مسلم ورلڈ ششم، 1916ء
- ☆ قادیانی، انسائیکلو پیڈیا آف ریٹچن اینڈ ایتھنک جلد دوم۔

VIII غیر مطبوعہ مقالات

احمدیہ:

- ☆ ہسٹری آف احمدیت ان ویسٹ افریقہ، تبشیر پیپر ربوہ 1978ء
- ☆ رولوکس ہرلام، جان الیگزینڈر، رووائی اینڈ دی کرچمین کی تھولک ایپاسولک چرچ، یونیورسٹی آف شکاگو، 1906ء
- ☆ ڈاؤنڈ نرلا بھیری، ہارورڈ یونیورسٹی یو ایس اے۔

He it is Who has sent His Messenger with the guidance and the true faith that He may make it prevail over all other faiths.

(Al-Quran, 9:33:48:29;61:10)

INVITATION TO AHMADIYYAT

Being a statement of beliefs, a rationale of claims and a invitation, on behalf of the Ahmadiyya Movement for the propagation and rejuvenation of Islam

By

Hazrat

Haji Mirza Bashiruddin Mahmud Ahmad
Khalifat-ul-Masih II;

Published by:

Ahmadiyya Muslim Foreign Missions Office
Rabwah (Pakistan)

Mirza Mahmud Ahmad's book-Invitation to Ahmadiyyat. Mirza Ghulam Ahmad Propheisied the establishment of Israel

Another sign of the war was difficulties travelers and way-farers were going to have. Many of them were to lose their way. This is what happened. On the land, because of fighting armies and their movements, normal routes became blocked. On the sea, owing to submarine warfare, boats carrying passengers were constantly in danger. When the war started, several hundred thousand persons became stranded in enemy countries. Many of them had to reach their home countries also had to travel through longer routes, shorter routes having gone into enemy possession. British soldiers serving in France often lost their way. Many unhappy incidents occurred, to avoid which, British soldiers were ordered to wear names of their regiments and their stations round their necks.

Another sign was that "things" which the world was trying to build would be wiped away. This is what happened, both in the physical and in the metaphorical sense. Many well-known buildings in Europe were destroyed. Destruction was also wrought in the foundations of European life. The old security, the old confidence in continued peace and progress were gone. European nations are trying to rebuild these foundations, but efforts seem to fail. It seems inevitable that European – and Western – life will have to seek new foundations to rebuild. The old foundations have been destroyed and destroyed for good. The new foundations will have to be more rational and nearer to the teaching of Islam. Something like it seems ordained by God and nothing can stop it.

A very important feature of the war was relief to the people of Israel. This feature of the prophecy received a clear fulfillment. The war was not yet over when, as a consequence of the war itself, Mr. (later Lord) Balfour declared that the people of Israel who had been without a

“home-land” would be settled in their ancient “home-land”, Palestine. The allied nations promised to compensate the people of Israel for injustices done to them in the past. In accordance with these declarations, Palestine was taken from Turkey and declared the national home of the Jews. The administration of Palestine is being shaped so as to make it easy for Jews to make it their home-land. Jews from different countries are being encouraged to settle in Palestine. A very old demand of the Jews that conditions promoting their national cohesion should be created for them has been met.

The strangest thing about this part of the prophecy is that references to it exist also in the Holy Quran. Thus in Chapter ‘Bani Israel,’ we read:

وقلنا من بعده لبني اسرائيل اسكنوا الارض فاذا جاء وعد الاخرة جئنا بكم لفيفا

“And after him we said to the children of Israel. ‘Dwell ye in the land; and when the time of the promise of the latter comes, We shall bring you together out of various people.’”¹

Commentators of the Holy Quran take the land to be Egypt and the promise of the latter days to be the Day of Judgment. But, such interpretations are wrong because Israel were never ordered to live in Egypt. They were ordered to live in the Holy Land, namely, Palestine, and there they lived. Similarly, promise of the latter days cannot mean the Day of Judgment because the Day of Judgment has little connection with Israel having to live in the Holy Land. All that this promise of the latter days mean, therefore, is that a time was to come for the Jews to leave the Holy Land, but to be gathered into it again, at the time of the ‘promise of the latter days.’ The re-gathering of Israel, therefore, was to take place in the time of the Promised Messiah.

In the commentary "Futuh-ul-Bayan" we are told that 'the time of the promise of the later days marks the descent of Jesus from heaven.' Also the Chapter of the Holy Quran just quoted, divides the history of the Jewish people into two great periods (17:5). Of the second period the same chapter goes on to say:

فاذا جاء وعد الاخرة ليسوء اوجوهكم وليدخلو المسجد كما دخلوه اول مرة و
ليتبروا ما علو تتيروا

"So when the time for the latter warning came, we raised a people against you to cover your faces with grief, and to enter the Mosque as they entered it the first time and to destroy all that they conquered with utter destruction."

From this it appears that the warning of the latter days relates to the time in Jewish history subsequent to the first coming of Jesus. However, after this warning, we know from history, Jews were not gathered; they were dispersed. Therefore, in the verse 17:105 the warning of the latter days related to the period after the second coming of Jesus. The words, 'shall bring you together' refer to the present influx of Jews into Palestine. Jews from different countries are provided facilities of travel and rehabilitation. The revelation of the Promised Messiah said, 'I will relieve the children of Israel.' This indicated a great change in the position of the Jews. It indicated the end of the opposition which nation of the world had offered so long to an independent home for Jews.

An important sign of the war was **the time limit of sixteen years**. It happened exactly as had been foretold. The revelations about the war were received in 1905; the war started in 1914, i.e., within sixteen years from the date of the prophecy.

Another sign of the war was that naval forces of different nations were to be kept ready. Accordingly, we find that not only combatant nations, but other nations also had to keep their naval forces in readiness. Every nation had to see that no other nation violated her waters. War could be forced upon them at any time. So naval forces had to be ready, even for the protection of neutrality.

One important sign of the war was the movement of ships for the sake of sea warfare. The prophecy pointed not merely to preparations and readiness for combats in the sea but also to the movements of vessels. Accordingly, in this war many more sea vessels were used than had been used ever before. Vessels of small size, destroyers, and submarines, were used on scale completely unknown before. The expression used in the revelation is boats which points to bias for fighting sea-craft of small size and this is true of the Great War of 1914-18.

One sign told of the war was its suddenness. The suddenness with which this war came is well-known. Statesmen later on admitted that though they expected a war some time or another, they had no idea of the suddenness with which it came. The murder of the Austrian prince and princess proved a trigger. A world conflagration was touched off.

عنوانات

نمبر شمار — عنوان — صفحہ

1- پنجاب انٹیلی جنس کا موقف

1	خاندان	☆
1	دعویٰ اور رد عمل	☆
2	لیکھ رام اور عبداللہ آتھم کے بارے میں پیشگوئیاں	☆
4	مرزا کی وفات	☆
5	حکومت برطانیہ سے وفاداری	☆
5	حکیم نور الدین - اس کا جانشین	☆
6	علیحدگی پسندی اور ترک جدی عناصر	☆
7	حکیم نور الدین کی موت اور افتراق	☆
7	پہلی جنگ عظیم	☆
8	حکومت خود اختیاری کے بارے میں رائے	☆
8	خلافت ہجرت اور عدم تعاون کی تحریکیں	☆
9	شہمی تحریک	☆
9	مرزا محمود کا سفر یورپ	☆
10	کابل میں احمدیوں کا قتل	☆

11	آریہ سماجی تشدد پسندی	☆
11	ایک اشتعال انگیز اشتہار	☆
12	آؤٹ لک مقدمہ	☆
13	شردها نند کا قتل	☆
13	ہندوؤں کا معاشی مقاطعہ	☆
14	اتحاد کانفرنس	☆
14	فرقہ داریت کے پرچارک	☆
15	سائنس کمیشن	☆
15	ہندوستان اور بیرون ملک احمدیوں کی سرگرمیاں	☆
17	سکھ احمدیہ کشیدگی	☆
18	سیاسی ٹھہراؤ	☆
18	مباہلہ مہم	☆
20	مباہلہ کانفرنس	☆
20	کشمیر کمیٹی	☆
20	احرار کی احمدیہ مخالف تحریک	☆
21	قادیانی جنگ جوئی	☆
22	تبلیغی کانفرنس	☆
23	قادیان اور پنجاب حکومت	☆
23	نیشنل لیگ	☆
24	احمدی سکھ مناقشت	☆
25	قوت کا اظہار	☆
26	کھوسلہ کا فیصلہ	☆

26	کانگریس کی طرف سے مدد کی پیشکش	☆
27	مباہلہ کی لٹکار اور اس سے فرار	☆
27	احرار کا دھاوا	☆
28	نہرو کا استقبال	☆
28	نہ تدفین نہ مسجد میں داخلہ	☆
29	سکھوں کے ساتھ جھگڑا	☆
31	احراری رہنما کا قتل	☆
32	۱۹۳۸ء میں قادیانی اور لاہوری تنظیمیں	☆
34	دوسری جنگ عظیم	☆
34	انتخابات	☆
34	تقسیم عارضی ہوگی	☆
34	قادیان کا تحفظ	☆
35	کامیابی کی آرزو	☆
35	مرزا محمود پاکستان میں	☆
35	تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳)	☆
35	ایوبی دور	☆
35	جنگ ستمبر (۱۹۶۵)	☆
35	تیسرا جانشین مرزا طاہر احمد	☆
36	پیپلز پارٹی سے اتحاد	☆
36	غیر مسلم اقلیت	☆
36	چوتھا جانشین مرزا طاہر احمد	☆
36	آرڈیننس (۱۹۸۲)	☆

- 36 ☆ صد سالہ تقریبات (۱۹۸۹)
- 37 ☆ سپریم کورٹ کا فیصلہ (۱۹۹۳)

2 سامراج کی پیداوار 38

- 43 ☆ ہندوستان کی سرزمین پر
- 45 ☆ ہندوستان کا سیاسی منظر
- 46 ☆ ہنٹر رپورٹ
- 47 ☆ مذہبی انتہا پسندی
- 51 ☆ مسلمانوں کا رد عمل
- 52 ☆ غداروں کا خاندان
- 56 ☆ سوانحی خاکہ
- 62 ☆ ہوش مند کذاب
- 64 ☆ شاہکار تخلیق
- 69 ☆ شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار
- 70 ☆ جوہلی تقریبات
- 72 ☆ جاسوس نبی
- 74 ☆ سرکار کی خفیہ سرپرستی
- 77 ☆ نوراکشتی
- 79 ☆ مذہبی مباحث پر ایک یادداشت

83	☆	مہدی
89	☆	یہودیوں کے لیے مسیح
94	☆	جھوٹے مسیح
97	☆	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقبرہ
102	☆	نوٹو وچ کا قصہ
104	☆	فری میسنری
104	☆	مسیح کے مصلوب ہونے کا ایک چشم دید گواہ
106	☆	یوز آسف
113	☆	مقدس کفن اور پیالہ
114	☆	خلیجہ مذہب

117	☆	وسطی ایشیاء
119	☆	افغانستان
124	☆	ایران
124	☆	ہندوستان
126	☆	مسلم لیگ
126	☆	جنوبی افریقہ میں لڑائیاں
129	☆	جاپان

129	☆	روس
130	☆	صیہونیت کی خاطر
133	☆	ترکی
138	☆	عمومی جائزہ

5 حکیم نور الدین - قادیانی ناخدا 142

146	☆	عظیم کھیل
148	☆	جاسوسی مشن
150	☆	قادیان کا لارنس
152	☆	مصالح العرب
153	☆	مسئلہ خلافت
154	☆	الفضل کا اجراء
155	☆	کانپور مسجد کا سانحہ

6 برطانوی آلہ کار 157

160	☆	عرب دنیا کی مذمت
161	☆	پہلی جنگ عظیم
165	☆	عراق
167	☆	حجاز
168	☆	شام

- 171 ☆ اعلان بالفور
- 172 ☆ اسرائیل کے بارے میں احمدیہ پیش گوئی
- 174 ☆ مانتیگو سے ملاقات
- 175 ☆ جنگ کا خاتمہ

7 جنگ کے بعد

- 180 ☆ پنجاب میں مارشل لاء
- 183 ☆ جنگ افغانستان
- 186 ☆ روس میں تخریب کاری
- 192 ☆ ترکی
- 195 ☆ تحریک خلافت
- 199 ☆ تحریک عدم تعاون
- 199 ☆ تحریک ہجرت
- 200 ☆ لارڈ ریڈنگ سے ملاقات
- 201 ☆ سورا جیوں پر حملہ

8 لندن یا ترا

- 205 ☆ مصر
- 206 ☆ یروشلم
- 209 ☆ دمشق

212	☆	اٹلی
213	☆	لندن
214	☆	ویمپلے کانفرنس
215	☆	قادیانی جاسوس سنگسار
221	☆	لندن ”مسجد“
225	☆	افتتاحی تقریب

9 فلسطین مشن 228

233	☆	یروشلم کانگریس
236	☆	نیا مبلغ
236	☆	ناگوار حکمت عملی
245	☆	شام میں عرب کانگریس
246	☆	مرزا ابرار ان مصر میں
249	☆	لندن کانفرنس

10 سیاسی عزائم 252

252	☆	شدھی کا حملہ
254	☆	فرقہ دارانہ مسئلے پر احمدیہ نقطہ نظر
259	☆	مباہلہ مہم
262	☆	ہندوستانی انقلابیوں کے خلاف مہم

265	سائنس کمیشن	☆
267	دہلی تجاویز	☆
268	نہرو رپورٹ	☆
269	مسلم کانفرنس	☆
271	سول نافرمانی	☆
276	لندن میں گول میز کانفرنس	☆
278	پہلی گول میز کانفرنس	☆
280	لارڈ ارون کے لیے تحفہ	☆
280	بے کیف لیگ اجلاس	☆
283	پاکستان سکیم	☆
284	محمد علی جناح کی ہندوستان واپسی	☆

287 کشمیر میں قادیانی سازشیں

11

291	کشمیر میں بد امنی	☆
293	کشمیر کمیٹی	☆
294	مجلس احرار	☆
296	کول بطور نیا دیوان	☆
297	کشمیر کمیٹی کا پلیٹ فارم	☆
300	کشمیر چلو	☆
303	گلانی کمیشن	☆
304	معاهدے کا اعلان	☆

305	احرار پر تنقید	☆
306	مفتی کفایت اللہ صاحب کا مشن	☆
307	صلح جو دیوان	☆
309	قادیانیوں کا کمیٹی سے اخراج	☆
311	نئی کل ہند کشمیر کمیٹی	☆
315	کمیٹیاں ختم	☆
316	کشمیر کی تقسیم کا منصوبہ	☆
316	قادیانیوں کی معذرت	☆
320	ایک عمومی جائزہ	☆

12 احرار کا نفرنس

326	اوبرائن کا نظریہ	☆
330	احرار کا نفرنس	☆
333	نیشنل لیگ	☆
334	کھوسلہ کا فیصلہ	☆
335	کچھ باتیں حذف	☆
336	بلا واسطہ دباؤ	☆

13 قادیانی اور کانگریس

341		
342	قادیانیت بے نقاب	☆

352	☆	پنڈت نہرو کی تنقید کا جواب
358	☆	پنڈت نہرو کا استقبال
359	☆	۱۹۳۷ء کے انتخابات
362	☆	کانگریس وزارتیں
366	☆	مقدس دہشت
368	☆	پیغامی شطرنج

375		جاسوسوں کی زیر زمین دنیا	14
-----	--	--------------------------	----

375	☆	نیا منصوبہ
376	☆	گھٹیا حرکات کا ماہر
377	☆	بین الاقوامی سطح پر خدمات
378	☆	انگریز کے ایجنٹ
380	☆	برطانوی تحفظ
382	☆	سنگاپور
385	☆	جاپان
386	☆	جاوا
389	☆	انڈونیشیاء
391	☆	حبشہ
392	☆	مشرقی یورپ
393	☆	البانیہ اور یوگوسلاویہ
395	☆	ہسپانیہ

396	اطالیہ	☆
397	خفیہ پولیس کی نگرانی	☆
398	امریکہ	☆
400	مشرق وسطیٰ	☆
403	ظفر اللہ کا خطاب	☆
404	فلسطین میں سرگرمیاں	☆
406	ظفر اللہ کا دورہ فلسطین	☆
408	سعودی عرب	☆
409	افریقہ	☆

15 قادیانی اور تحریک پاکستان

412	جنگ عظیم کی حمایت	☆
414	احمدیہ فوج	☆
416	قرار داد لاہور	☆
420	قادیانی کونسل کا اجلاس	☆
421	کرپس مشن	☆
424	چین میں ایجنٹ جنرل	☆
425	غلام محمد کے لیے ظفر اللہ کی سفارش	☆
426	کونسل میں ہندوستانی نمائندگی	☆
426	بحر اکاہل کانفرنس	☆
430	صلح کی تجویز	☆

431	☆	دولت مشترکہ کانفرنس
433	☆	ظفر اللہ کا آئینی منصوبہ
435	☆	ویول منصوبہ
436	☆	انتخابات (۱۹۴۵-۴۶)
444	☆	نہرو کی ظفر اللہ کے لیے حمایت
445	☆	کینٹ مشن
446	☆	عارضی حکومت
448	☆	دہلی منصوبہ

16- خالصتان اور قادیانی ریاست

458	☆	پنجاب کی تقسیم
461	☆	متحدہ ہندوستان کی قادیانی خواہش
465	☆	خالی خولی حمایت
468	☆	حد بندی کمیشن
471	☆	درست خدشات
473	☆	احمدیہ پادداشت
476	☆	نیلچہ پادداشت کا نقصان
480	☆	برطانوی خفیہ سازشیں
481	☆	جاسوس منڈلی

- ☆ برطانوی امریکی کمیٹی 484
- ☆ تخریب کاری 486
- ☆ روسی امداد کی روایہ 490
- ☆ اقوام متحدہ میں 491
- ☆ مسئلہ فلسطین اور قادیانی سرگرمیاں 492
- ☆ ترمیم شدہ منصوبہ 494
- ☆ ظفر اللہ کا کردار 497
- ☆ اسرائیل میں سرگرمیاں 500
- ☆ ناقابل عمل تجویز 502

- ☆ مرزا محمود پاکستان میں 506
- ☆ ۱۹۴۷ء کا قادیان 508
- ☆ ربوہ 511
- ☆ حصول قادیان کی تمنا 513
- ☆ ظفر اللہ بطور وزیر خارجہ 517
- ☆ رابطہ مہم 521
- ☆ حیدر آباد 524
- ☆ کشمیر 527

529	☆ حکومت آزاد کشمیر
532	☆ کشمیر اقوام متحدہ میں
536	☆ فرقان بٹالین
539	☆ بلوچستان
543	☆ مرزا محمود کا اعتراف
544	☆ منیر رپورٹ میں مذکور ہے
545	☆ پنڈی سازش کیس
547	☆ لیاقت علی خان کا قتل
549	☆ غیر حقیقت پسندانہ خارجہ حکمت عملی
552	☆ جنگ کوریا
553	☆ چین
553	☆ مسلمان ریاستیں
556	☆ صیہونیوں کا حاشیہ بردار

19 تحریک ختم نبوت

558	☆ تحریک کی ابتداء
560	☆ مجلس عمل
562	☆ مرزا محمود کی نفث
564	☆ قادیان بے نقاب
565	☆ مارشل لاء
568	☆ تحقیقاتی عدالت
571	

575	عواقب و نتائج	☆
579	یوگرہ حکومت	☆
581	نئی چال	☆
583	اسلامی تحریکوں کی مخالفت	☆
588	الوداعی ٹھوکر	☆
591	عالمی عدالت انصاف کا جج	☆
593	داخلی انتشار	☆
594	ظفر اللہ کے معاشقے	☆
596	لندن کا نفرنس	☆
597	صیہونی امداد	☆
599	حقیقت پسند پارٹی	☆
603	محلاتی سازشیں	☆

20 قادیانیت کا پھیلتا جال

606		
607	احمدیوں پر اعتماد	☆
607	ظفر اللہ اقوام متحدہ میں	☆
608	بین الاقوامی عدالت انصاف کی صدارت	☆
610	جنوبی افریقہ کا مقدمہ	☆
613	جماعت اسلامی کی مخالفت	☆
614	انتخابات ۱۹۶۵ء	☆
615	جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء	☆

- 617 ☆ قادیانی سازشیں
- 620 ☆ قادیان کی واپسی کا نظارہ
- 621 ☆ قادیان واپس ملنے کا خدائی دعویٰ
- 622 ☆ اذیت ناک انجام
- 623 ☆ لندن کا نبی
- 624 ☆ محمودی راج کے پچاس سال

630 21 مرزا ناصر احمد کا دور اقتدار

- 631 ☆ تنظیمی طریق اور فروغ
- 631 ☆ تنظیم
- 632 ☆ مجلس مشاورت
- 632 ☆ میزانیہ
- 633 ☆ عدالتی نظام
- 634 ☆ احمدیہ تنظیمیں
- 634 ☆ چندہ جات
- 634 ☆ بیرون ممالک مراکز
- 635 ☆ مالی بنیاد
- 639 ☆ عرب اسرائیل جنگ
- 640 ☆ زر مبادلہ میں حصص
- 644 ☆ تحریک کی ابتداء
- 648 ☆ شورش کے خلاف مقدمہ

- ☆ فورڈ فاؤنڈیشن 656
- ☆ مشاورتی گروہ 657
- ☆ عام انتخابات 660
- ☆ ظفر اللہ کی تجویز 660
- ☆ ربوہ۔ تل ابیب محور 662
- ☆ ناصر کا دورہ 662
- ☆ پاکستان پیپلز پارٹی کی امداد 663
- ☆ قادیانی صیہونی مداخلت 666
- ☆ ظفر اللہ شیخ مجیب ملاقات 667
- ☆ خط 669
- ☆ مرزا مظفر احمد پر قاتلانہ حملہ 670
- ☆ مذموم منصوبہ 671
- ☆ سقوط ڈھاکہ 679
- ☆ یہودی سازش 680

- ☆ پاکستان کے بیرونی مشن اور قادیانی 685
- ☆ ربوہ میں چینی سفیر 689
- ☆ چھوٹا ربوہ 691

692	منصوبہ لندن اور مرزا ناصر احمد کی وحی	☆
695	قادیانی تخریب کاری	☆
698	آئین ۱۹۷۳ء	☆
699	بساط الٹ گئی	☆
702	قادیانی رد عمل	☆
704	مجلس مشاورت کا اجلاس	☆
709	مرزا نیل	☆
714	ناصر کی بیرون ملک روانگی	☆
716	مولانا شمس الدین شہید	☆
719	ظفر اللہ کا خفیہ مشن	☆

24 تحریک ختم نبوت کا فیصلہ کن دور

722	قادیانی ایئر مارشل کا استعفیٰ	☆
724	ایک فریب	☆
724	اسلامی سربراہی کانفرنس	☆
726	ربوہ کا حادثہ	☆
729	مرزا ناصر احمد کا انٹرویو	☆
730	ظفر اللہ کی پریس کانفرنس	☆
733	افسوس ناک رجحان	☆
734	غیر ملکی ہاتھ	☆
736	مجلس عمل	☆

737	☆	اسبلی کے روبرو
737	☆	دو قرار دادیں
740	☆	متفقہ رپورٹ
742	☆	بل
742	☆	بل کا متن
743	☆	ترمیم
745	☆	فیصلے کی پذیرائی
752	☆	مخفی دشمن
755	☆	اسرائیلی گماشتے
756	☆	ارض مقدس میں مذہب
759	☆	ربوہ سے تل ابیب تک
760	☆	غیر مسلم نشست
761	☆	۱۹۷۷ء کے انتخابات
762	☆	مارشل لاء
763	☆	ایشیائی اسلامی کانفرنس
766	☆	بھٹو بچاؤ مہم
767	☆	فکر انگیز دستاویز
768	☆	بھٹو کے بارے میں قادیانی پیشگوئی

25 افریقی مراکز سامراج کی سرحدی چوکیاں 771

☆ تائیجھریا 775

777	گھانا	☆
778	لائبیریا	☆
779	گیمبیا	☆
780	جنوبی افریقہ	☆
782	سیرالیون	☆
783	بنیاد پرستی کے خلاف فسیل	☆
784	صد سالہ تقاریب	☆
786	چین مشن	☆
787	چین میں مسجد	☆
789	مسئلے کا آغاز	☆
791	جداگانہ طرز انتخاب	☆
792	ناصر کے دور کا خاتمہ	☆

26 مرزا طاہر مسند اقتدار پر

799	۱۹۸۴ء کا آرڈیننس	☆
803	مرزا طاہر کا لندن فرار	☆
807	مرزا طاہر کے لیے امریکی ہمدردی	☆
810	سالانہ کنونشن	☆
811	کنندہ ہم جنس باہم جنس پرواز	☆
814	ایک سنگین خطرہ	☆
815	آرڈیننس کے خلاف اپیل	☆

816	☆	شرعی عدالت کا فیصلہ
819	☆	انسانی حقوق کے نام پر
822	☆	امریکی امداد
826	☆	شرانگیز مہم
828	☆	مباہلہ مہم
831	☆	صد سالہ تقریبات

27 مستقبل

836	☆	نئے احمدیوں کے متعلق بلند و بانگ دعوے
-----	---	---------------------------------------

28 مملکت

841	☆	جی ڈی کھوسلہ کا فیصلہ
842	☆	الفضل ۲۹ اگست ۲۰۰۱ء
855	☆	الفضل ۸ ستمبر ۲۰۰۱ء
857	☆	الفضل ۱۳ ستمبر ۲۰۰۱ء
860	☆	مرزا غلام احمد کے دستخط
863	☆	پنجاب ریویو
864	☆	ہیڈ آف احمدیہ مومنٹ
865	☆	ظفر اللہ قادیانی اور اسرائیلی سفیر
866	☆	فلسطین کی تقسیم
867	☆	

869	☆	پنجاب اسمبلی اور مسئلہ فلسطین
871	☆	فلسطین میں تبلیغ احمدیت
874	☆	معاملات فلسطین اور مسلمانان ہند
877	☆	انگلستان میں احرار کی ناجائز کارروائیوں کا ذکر
878	☆	مرزا محمود کے نام کھلی درخواست
879	☆	مقامی مقدمات کے فیصلہ کا آسان طریق
880	☆	انگریزوں کے ساتھ تعاون پر زور
889	☆	اسلام - احمدیت اور ہندوستان کا مفاد
898	☆	قادیانی حمایت یافتہ امیدواران اسمبلی
905	☆	فنانشل کمشنر پنجاب کا دورہ قادیان
908	☆	پیغام صلح کے الزامات
911	☆	الفضل ۲۲ نومبر ۱۹۳۴ء
912	☆	مرزا محمود کا خطبہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۴ء
925	☆	الفضل ۶ اگست ۱۹۳۵ء
928	☆	مرزا محمود کا خطبہ ۲ اگست ۱۹۳۵ء
933	☆	احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ
935	☆	علامہ اقبال اور احمدیہ جماعت
937	☆	فلسطین میں احمدی
938	☆	احمدیوں کا سواگت
939	☆	الفضل ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۵ء
941(a)	☆	احمدیت کی طرف دعوت (انگریزی پمفلٹ)

تحریکِ احمدیت

یہودی و سامراجی گٹھ جوڑ

مکتبہ

بیتِ احمدیہ